http://www.Mypdfsite.com

اشفاق احمد

زاویہ



Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com



اشفاق احمد

گڈریا، ایک محبت سو افسانے، وداعِ جنگ، ایک ہی بولی، صبحانے فسانے،
توتا کہانی، بند گلی، طلسمِ ہوش افزا، اور ڈرامے، ننگے پاؤں، مہمان سرائے،
من چلے کا سودا، بابا صاحبا، سفر در سفر، اُچے بُرج لاہور دے، ٹاہلی تھلے،
حسرتِ تعمیر، جنگ بجنگ، زاویہ، سفر مینا، ایک محبت سو ڈرامے، حیرت کدہ، شاہلا کوٹ،
کھیل تماشا، گلدان، کھٹیا وٹیا، دھینگا مشتی، شورا شوری، ڈھنڈورا،

بانو قدسیہ

راجہ گدھ، شہرِ بے مثال، توجہ کی طالب، چہار چمن، سدھراں، آسے پاسے،
دوسرا قدم، آدھی بات، دست بستہ، حوا کے نام، سورج مکھی، پیا نام کا دیا،
آتشِ زیرِ پا، امر بیل، بازگشت، مردِ ابریشم، سامان وجود، ایک دن، پُروا، موم کی گلیاں،
لگن اپنی اپنی، تماثیل، فُٹ پاتھ کی گھاس، دوسرا دروازہ، ناقابلِ ذکر، کچھ اور نہیں،
حاصل گھاٹ،

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

زاویہ

اشفاق احمد

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

فہرست

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

"بہروپ"

یہ ایک بھری برسات کا ذکر ہے۔ آسمان سے ڈھیروں پانی برس رہا تھا اور میری کیفیت اُس طرح تھی کہ جیسے میرے دل کے اندر بارش ہو رہی ہے' کچھ ایسا ہی مینہ بستی کے اوپر بھی برس رہا تھا۔ میں تھوڑا سا زخم خوردہ تھا۔ اس زخم کا مداوا میرے پاس نہ تھا' ماسوائے اس کے کہ میں ڈیرے پر چلوں اور اپنے بابا کی خدمت میں اظہار کروں۔ بات یہ تھی کہ میرے ایک بہت ہی پیارے دوست' جو میرے ساتھی بھی تھے، وہ افسانہ نگار تھے اور کالم بھی لکھتے تھے۔ انہوں نے کالموں میں میری بڑی کھچائی کی تھی۔ اور جب کالم نویس رگیدتا ہے تو جس کی کھچائی ہوتی ہے اس کے پاس کوئی اخبار نہیں ہوتا جس میں وہ جواب الجواب لکھ سکے۔ وہ بے چارہ غم زدہ ہو کر گھر بیٹھ جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی انہوں نے کچھ ایسا ہی کیا تھا اور تابڑ توڑ تین چار سخت حملے کیے تھے۔

میں اپنے دکھ کا اظہار کرنے کے لیے ڈیرے پر چلا گیا اور بابا جی سے کہا، "میں بڑا دکھی ہوں اور اس بات کی مجھے بڑی تکلیف ہے۔ اس شخص نے جو میرے بظاہر دوست ہیں، ہم سے محبت کے ساتھ ملتے ہیں اور ٹی ہاؤس میں ایک دوسرے کا ساتھ بھی دیتے ہیں اور لوگوں کو پتا بھی نہیں چلتا کہ وہ اس طرح کی کارستانی میرے لیے کرسکتا ہے۔ پھر یہ کیا ہے؟"

انہوں نے کہا: "اوہ پت! آپ اس کو سمجھے نہیں، یہ بڑی سمجھ داری کی بات ہے۔ دو صوفی تھے۔ ایک بڑا صوفی ٹرینڈ اور ایک چھوٹا صوفی انڈر ٹریننگ۔ چھوٹے صوفی کو ساتھ لے کر بڑا صوفی گلیوں، بازاروں میں گھومتا رہا۔ چلتے چلاتے اس کو لے کر ایک جنگل میں چلا گیا۔ جیسے کہ میں نے پہلے عرض کی، بڑی تابڑ توڑ بارش ہوئی تھی، جنگل بھیگا ہوا تھا اور اس جنگل میں جگہ جگہ لکڑیوں کے ڈھیر تھے۔ پتوں کے، شاخوں کے انبار تھے۔ اس بڑے صوفی نے دیکھا کہ شاخوں اور پتوں کے ڈھیر میں ایک سانپ کچھ مرجھایا ہوا، کچھ سنگھڑایا ہوا پڑا ہے۔ وہ پہلے آگ کی حدت سے زخم خوردہ تھا اور پھر اس پر جو بارش پڑی تو وہ زندہ سانپوں میں سے ہو گیا۔ صوفی کو بڑا ترس آیا۔ اس نے آگے بڑھ کر سانپ کو اٹھا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

لیا۔ چھوٹے صوفی نے کہا 'حضور کیا کرتے ہیں، سانپ ہے موذی ہے' اس کو اٹھایا نہیں کرتے۔' انہوں نے کہا: 'نہیں بے چارہ ہے، مجبور ہے، زخمی ہے، زخم خوردہ ہے اللہ کی مخلوق ہے۔ اس کی کچھ غور و پرداخت کرنی چاہیے۔' تو وہ سانپ کو ہاتھ میں لے کر چلے۔ پھر دونوں باتیں کرتے کرتے کافی منزلیں طے کرتے گئے۔ جب ٹھنڈی ہوا لگی، جھولتے ہوئے سانپ کو' تو اسے ہوش آنے لگا اور جب ہوش آیا تو طاقتور ہو گیا۔ طاقتور ہو گیا تو اس نے صوفی صاحب کے ہاتھ پر ڈس لیا۔ جب ڈسا تو انہوں نے سانپ کو بڑی محبت اور پیار کے ساتھ ایک درخت کی جڑ کے پاس رکھ دیا کیونکہ وہ اب ایک محفوظ جگہ پر پہنچ گیا ہے۔ اب یہ یہاں پر آہستہ آہستہ اپنے آپ کو ریوائیو (Revive) کر لے گا۔ جہاں بھی اس کا دل ہوگا، چلا جائے گا۔ چھوٹے صوفی نے کہا: 'دیکھیں سر! میں نے کہا تھا نا کہ یہ موذی جانور ہے، آپ کو ڈس لے گا۔ پھر کیوں ساتھ اٹھا کے لے جا رہے ہیں؟ آپ تو بہت دانشمند ہیں، مجھے سکھانے پر مامور ہیں۔' تو انہوں نے کہا: ''ڈسا نہیں اس کے شکریہ ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ سانپ اسی طرح شکریہ ادا کیا کرتے ہیں۔'' ''یہ جو تمہارے خلاف لکھتا ہے، اس کا شکریہ ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ تم ناراض نہ ہو۔''

میرے دل پر بڑا بھاری بوجھ تھا، دور ہو گیا اور میں بالکل ہلکا پھول ہو گیا۔ تو خواتین و حضرات! یہ ڈیرے، یہ خانقاہیں یا جن کو تکیے کہہ لیں، یہ اسی مقصد کے لیے ہوتے ہیں کہ دل کا بوجھ جو آدمی سے خود اٹھائے نہیں اٹھتا، وہ ان کے پاس لے جائے۔ اور ''بابے'' کے پاس جا کر آسانی سے سمجھ میں آنے کے لیے عرض کرے۔ فرض کریں ماڈرن دنیا میں کسی قسم کا ایک ڈیرہ ہو، جس میں کوئی سائیکی ایٹرسٹ (Psychiatrist) بیٹھا ہو، لیکن وہ فیس نہ لے' یا سائیکالوجسٹ ہو جس کے پاس وہ بنچ نہ ہو جس پر لٹا کر Analysis کرتے ہیں، بلکہ بچھانے کے لیے صف ہو۔ اس پر ایسا سامان ہو کہ آمنے سامنے بیٹھ کر بات کر سکیں۔ تو ان ڈیروں کو' ان تکیوں کو شمالی افریقہ میں' الجزائر میں' تیونس میں ''زاویے'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کو ''زاویہ'' کہتے ہیں۔ کچھ ''رباط'' بھی کہتے ہیں وہاں پر، لیکن زاویہ زیادہ مستعمل ہے۔ حیران کن بات ہے' باوجود اس کے کہ زاویہ ایک خاص اسم ظرف مکان ہے شمالی افریقہ کا، لیکن اندلس کے زمانے میں اندلس کی سرزمین پر زاویے نہیں تھے۔ تیونس، الجزائر میں رباط تھے۔ یہاں صوفی لوگ بیٹھ کر لوگوں کو، آنے جانے والوں کو ایک چھت فراہم کرتے تھے۔ رہنے کے لیے جگہ دیتے تھے۔ کھانے کے لیے روٹی، پانی دیتے تھے۔ کچھ دیر لوگ بیٹھتے تھے۔ دکھی لوگ آتے تھے۔ اپنا دکھ بیان کرتے تھے اور ان سے شفا حاصل کر کے ڈائیلاگ کرتے تھے۔ سچ مچ! جو سائیکالوجسٹ کہا کرتے ہیں، وہ مہیا کرتے تھے، ہم نے بھی اسی تقلید میں پروگرام کا نام زاویہ رکھا ہے۔ اس لحاظ سے تو مجھے تھوڑی سی شرمندگی ہے کہ یہ اصل زاویہ نہیں ہے۔ نقل بمطابق اصل ہے لیکن سپرٹ (روح) اس کی وہی ہے۔ کوشش اس کی یہی ہے کہ اس طرح کی باتیں یہاں ہوتی رہیں اور طبیعت

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کا بوجھ، جو اور پروگراموں میں اور کالموں اور کتابوں سے دور نہیں ہوتا، وہ کسی طور پر یہاں دور ہو سکے۔

آپ جب بھی کسی ڈیرے پر، کسی بزرگ سے ملنے کے لیے جائیں گے تو آپ کے لاشعور میں ٹیسٹ کا ایک میٹر (Meter) ضرور ہوگا۔ میں دیکھوں، یہ کیسا آدمی ہے؟ آپ اکثر یہ کہہ کر چلے آتے ہیں کہ یار وہاں گئے تھے، وہ تو کچھ نہیں ہے۔ اپنے معیار کے ساتھ آدمی چیک کرتا ہے، لیکن جب آپ پوری طلب کے ساتھ، امتحان پاس کرنے کا انداز اختیار کیے ہوئے جائیں تو پھر آپ کو ان خاکستروں میں سے عجیب قسم کے لعل مل جاتے ہیں۔ مشکل تو ہوگی کہ وہاں سندھ چلے جائیں۔ تھرپارکر کے ڈیزرٹ میں چلے جائیں یا روہی میں چلے جائیں۔ کچھ نہ کچھ آپ کو دانش کی بات مل جائے گی۔ دانش کی بات جو ہے، یہ ایسے ہی لوگوں سے ملتی ہے، کتابوں سے نہیں ملتی۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ زاویہ، باوجود اس کے کہ یہ اصل زاویہ نہیں ہے لیکن اس کی خوبی اس کی سپرٹ ویسی ہی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سپرٹ سے یاد آیا کہ اورنگزیب عالمگیر کے دربار میں ایک بہروپیا آیا اور اس نے کہا: "باوجود اس کے کہ آپ رنگ ورامش، گانے بجانے کو برا سمجھتے ہیں، شہنشاہِ معظم! لیکن میں فن کار ہوں اور ایک فن کار کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا ہُوں اور میں بہروپیا ہُوں۔ میرا نام کندن بہروپیا ہے اور میں ایسا بہروپ بدل سکتا ہُوں کہ شہنشاہِ معظم، جن کو اپنے تبحرِ علمی پر بڑا ناز ہے، دھوکا دے سکتا ہوں، اور میں غچّہ دے کر بڑی کامیابی کے ساتھ نکل جاتا ہوں۔

اورنگ زیب عالمگیر نے کہا: "یہ بات تو ضیعِ اوقات ہے۔ میں تو شکار کو بھی کارِ بیکار سمجھتا ہوں۔ یہ تم جو چیز میرے پاس لائے ہو، اس کو میں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔"

اس نے کہا: "نہیں صاحب ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ آپ اتنے بڑے شہنشاہ ہیں اور دانش میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ میں بھیس بدلوں گا، آپ پہچان کر دکھایئے۔"

تو انہوں نے کہا: "منظور ہے۔"

اس نے کہا: "حضور آپ وقت کے شہنشاہ ہیں۔ اگر تو آپ نے مجھے پہچان لیا تو میں آپ کا دینے دار ہوں۔ لیکن اگر آپ مجھے پہچان نہ سکے اور میں نے ایسا بھیس بدلا تو میں آپ سے پانچ سو روپیہ لوں گا۔" ظاہر ہے اس وقت پانچ سو بہت ہوں گے۔ شہنشاہ نے کہا: "ٹھیک ہے۔ پانچ سو میرے لیے کچھ نہیں ہے، منظور ہے، جاؤ۔" تو وہ شرط طے کر کے چلا گیا اور پھر سوچنے لگا۔ گھر جا کر بھی پریشان ہوا کہ میں شیخی میں ایسی شرط بد کر آ گیا ہوں۔ میں کون سا ایسا روپ بدلوں کہ بادشاہ کو پتا نہ چلے۔ پھرتا پھراتا تحقیق و تفتیش کرتا رہا۔ لوگوں سے پتا چلا اورنگ زیب عالمگیر ساؤتھ انڈیا میں مرہٹوں پر اور بہمنی سلطنتوں پر اکثر حملے کیا کرتا تھا۔ انہوں نے کہا، یہ سال چھوڑ کر اگلے سال پھر ان پر حملہ کرے گا۔ یہ خبر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بہروپے کو جو وقائع نگار تھے، انہوں نے بتائی۔ اس نے کہا، ٹھیک ہے۔ چنانچہ وہ یہاں سے پاپیادہ سفر کرتا ہوا اس مقام پر پہنچ گیا جہاں بہمنی سلطنت تھی۔ وہاں جا کر اس نے ایک بزرگ کا روپ دھارا۔ ڈاڑھی بڑھالی۔ سبز کپڑے پہن لیے۔ بڑے بڑے منکے گلے میں ڈال لیے، اور اللہ کی یاد میں ایسا مستغرق ہوا کہ بڑی دیر تک، بہت دور تک لوگوں کو اپنے اس سحر میں مبتلا کرتا رہا۔ ارد گرد کے لوگ جو تھے، بابا پیر کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔ لوگ آنے لگے اور طرح طرح کے چڑھاوے چڑھانے لگے۔ جیسا کہ ہمارے یہاں کا رواج ہے۔ دور دور تک اس کا نام آنے لگا۔ لیکن وہ بڑی استقامت کے ساتھ سال بھر اس ریاضت میں مصروف رہا جو بزرگ کیا کرتے ہیں۔

ایک سال کے بعد جب اپنا لاؤ لشکر لے کر اورنگ زیب عالمگیر ساؤتھ انڈیا پہنچا اور پڑاؤ ڈالا تو تھوڑا سا وہ خوف زدہ تھا۔ اور جب اس نے مرہٹوں کے پیشوا پر حملہ کیا تو وہ اتنی مضبوطی کے ساتھ قلعہ بند تھے کہ اس کی فوجیں توڑ نہ سکیں۔ پریشانی کا عالم ہو گیا اور یقین ہو گیا کہ شاید اس کو ناکام لوٹنا پڑے اور اس کی حکومت پر بڑا اثر پڑے۔ چنانچہ لوگوں نے کہا، یہاں ایک درویش ولی اللہ رہتے ہیں درخت کے نیچے۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان سے جا کر ڈسکس کریں۔ پھر دعا کریں اور پھر ٹوٹ پڑیں۔ شہنشاہ پریشان تھا، بے چارہ بھاگا بھاگا گیا اُن کے پاس۔ سلام کیا۔ اور کہا: ''حضور میں آپ کی خدمت میں ذرا......'' انہوں نے کہا: ''ہم فقیر آدمی ہیں۔ ہمیں ایسی چیزوں سے کیا لینا دینا۔'' شہنشاہ نے کہا: ''نہیں عالم اسلام پر بڑا مشکل وقت ہے (جیسے انسان بہانے کیا کرتا ہے) آپ ہماری مدد کریں۔ میں کل اس قلعے پر حملہ کرنا چاہتا ہوں۔ تو فقیر نے فرمایا: ''نہیں کل مت کریں، پرسوں کریں اور پرسوں بعد نمازِ ظہر۔'' اورنگ زیب نے کہا جی بہت اچھا۔ چنانچہ اس نے بعد نمازِ ظہر جو حملہ کیا اور ایسے زور کا کیا اور جذبے سے کیا اور پیچھے فقیر کی دعا تھی، اور ایسی دعا کہ وہ قلعہ ٹوٹ گیا اور فتح ہو گئی۔ مفتوح جو تھے وہ پاؤں پڑ گئے۔ بادشاہ مرہٹوں کے پیشوا پر فتح مند کامران ہونے کے بعد سیدھا درویش کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باوجود کہ وہ ٹوپیاں سی کے اور قرآن لکھ کر گزارا کرتا تھا لیکن سبز رنگ کا بڑا سا عمامہ پہنتا تھا بڑے زمرد اور جواہر لگے ہوتے تھے۔ اس نے جا کر عمامہ اتارا اور کھڑا ہو گیا۔ دست بستہ کہ حضور یہ سب کچھ آپ ہی کی بدولت ہوا ہے۔

اس نے کہا: ''نہیں جو کچھ کیا اللہ نے کیا ہے۔'' انہوں نے کہا کہ آپ کی خدمت میں کچھ پیش کرنا چاہتا ہوں حضور۔ درویش نے کہا: ''نہیں ہم فقیر لوگ ہیں۔'' اس نے کہا کہ دو پرگنے کی معافی دو بڑے قصبے۔ اتنے بڑے جتنے آپ کے اوکاڑہ اور پتوکی ہیں۔ وہ ان کو دیتا ہوں اور زمین اور آئندہ پانچ سات پشتوں کے لیے ہر طرح کی معافی ہے۔

اس نے کہا: ''بابا یہ ہمارے کس کام کی ہیں ساری چیزیں۔ ہم تو فقیر لوگ ہیں۔ تیری بڑی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مہربانی۔'' اورنگ زیب نے بڑا زور لگایا، لیکن وہ نہیں مانا اور بادشاہ مایوس ہو کے واپس آ گیا۔ اس نے اپنے تخت کے اوپر متمکن ہو کر ایک نیا فرمان جاری کیا۔ جب شہنشاہ فرمان جاری کر رہا تھا، عین اس وقت کندن بہروپیا اسی طرح منکے پہنے آیا۔ شہنشاہ نے کہا:

''حضور آپ یہاں کیوں تشریف لائے۔ آپ مجھے حکم دیتے، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔'' کندن نے کہا: نہیں شہنشاہِ معظم! اب یہ ہمارا فرض تھا، ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے' تو جنابِ عالی میں کندن بہروپیا ہوں۔ میرے پانچ سو روپے مجھے عنایت فرمائیں۔''

اس نے کہا: تم وہ ہو؟ اس نے کہا، ہاں وہی ہوں جو آج سے ڈیڑھ برس پہلے آپ سے وعدہ کر کے گیا تھا۔

اورنگ زیب نے کہا: ''مجھے پانچ سو روپیہ دینے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں، جب میں نے آپ کو دو پرگنے اور دو قصبے کی معافی دی۔ جب آپ کے نام اتنی زمین کر دی۔ جب میں نے آپ کی سات پشتوں کو یہ رعایت دی کہ اس میری مملکت میں جہاں چاہیں جس طرح چاہیں رہیں۔ آپ نے اس وقت کیوں انکار کر دیا۔ یہ پانچ سو روپیہ تو کچھ بھی نہیں۔''

اس نے کہا: ''حضور بات یہ ہے جن کا روپ دھارا تھا، ان کی عزت مقصود تھی۔ وہ سچے لوگ ہیں۔ ہم جھوٹے لوگ ہیں۔ یہ میں نہیں کر سکتا تھا کہ روپ سچوں کا دھاروں اور پھر بے ایمانی کروں۔''

تو خواتین و حضرات! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہمارا یہ زاویہ دو نمبر ہی سہی، بے شک بہروپ ہی سہی' تو آپ دعا کریں۔ اس میں کچھ ایسی باتیں، کچھ ایسے مسئلے، کچھ ایسی پیچیدگیاں، کچھ ایسے بوجھ دور ہوتے رہیں جو کسی اور طرح سے نہیں ہو پاتے۔

زاویہ کے پہلے پروگرام میں حاضرین کے جناب اشفاق احمد سے کچھ سوالات اور ان کے جوابات:

سوال: اس طرح کی نشست تو رورل ٹریڈیشن ہے ہماری۔ یہ بھی اسی کا ایک سلسلہ ہے۔ پرنٹڈ ورڈ (Printed Word) نے اس کو تقریباً ختم کر دیا ہے۔

جواب: ہاں یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ Oral Tradition طاقتور ہے۔ پیغمبروں کا علم عام کرنے کے لیے Oral Tradition ہی ہوتی ہے۔ پیغمبر بھی کھڑے ہو کر اپنی بات بیان فرماتے تھے۔ اسی لیے اللہ قرآن میں بار بار ہر پیغمبر کے بارے میں فرماتا ہے: ''اے لوگو! دیکھو۔'' اور اعتراض کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ کیسا پیغمبر ہے۔ یہ تو بازاروں میں کھڑا ہوتا ہے۔ ہم لوگوں سے باتیں کرتا ہے۔ فرعون نے بھی یہ کہا تھا کہ میں موسیٰ کو کیسے مان لوں، اس کے بازوؤں میں تو کنگن بھی نہیں ہیں۔ تو میں نہیں مانتا۔ Tradition بالکل Oral ہی چلا اور میں یہ سمجھتا ہوں، میرا یہ ذاتی خیال ہے کہ یہ Oral Tradition

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پر بلڈ ورڈ کے راستے سے ہو کر الیکٹرانک میڈیا کی معرفت Oral Tradition میں تبدیل ہو رہی ہے۔ ہونا چاہیے' بشرطیکہ اس کا روپ بہروپ ویسا ہونا چاہیے جس طرح ابتدائی قدیم زمانے سے ہے۔

سوال: ماڈرن ورشن میں مَیں سمجھتا ہوں اس کا روپ یقیناً ہوگا۔ لیکن یہ ہیومین Presence کی بات ہے۔ جو عوام تھے، Oral Tradition میں موجود تھے۔ اس کو ہم کیسے ریوائیو (Revive) کریں۔

جواب: اس کو ہم Revive کرسکیں گے۔ بالکل دوبارہ جنم دینے سے کرسکیں گے۔ جہاں انسان انسان سے ملے گا۔ انسان انسان سے بات کرے گا۔ ورنہ ہم اپنی ہر سوچ کو (Realize) کرتے ہی رہ جائیں گے۔

سوال: سر! میں آپ سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ جب ہم کسی شخص کو Condemn کرتے ہیں یا اس کا بطلان کرتے ہیں یا کسی شخص کو برا بھلا کہتے ہیں تو کیا ہمارے ذہن میں یہ آرزو تو نہیں پوشیدہ ہوتی کہ ہم خود ویسا بننا چاہ رہے ہوتے ہیں۔ حسین آدمی کو کم حسین آدمی رد کرتے ہیں۔ امیر آدمی کو کم امیر آدمی رد کرتا ہے۔ طاقت ور کم صحت مند کھلاڑی کو رد کرتا ہے تو کیا اس کے پیچھے کوئی ایسی آرزو تو نہیں ہوتی کہ کاش میں بھی ایسا بن جاتا۔

کبھی کبھی مجھے یہ خیال آتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یقیناً اس میں ہے۔ اگر کوئی محروم شخص ہے' کسی بھی اعتبار سے' تو پھر وہ کنڈم تو کرے گا، لیکن اس کی محرومی کے پیچھے کچھ اسباب ہیں کہ جو جائز نہیں ہیں، مناسب نہیں ہیں یا جس کو معاشرہ دور کرسکتا ہے یا کرنا چاہیے تو پھر اس کے کنڈم کرنے کا جواز بن جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ خالص انسانی بات ہے کہ جو بنیادی محرومی ہے' کسی بھی حوالے سے' وہ ایک ری ایکشن (ردعمل) تو جنریٹ کرے گی، تو اب اس سے کیسے بچا جائے۔

سوال: بچنے کی بات بعد میں آتی ہے۔ کیسے پتا لگایا جائے کہ یہ شخص جس بات کا اظہار کر رہا ہے اس کے پیچھے عوامل جو تھے، وہ مختلف ہیں، بجائے اس کے کہ وہ ان کو سچ مچ کنڈم کر رہا ہے۔ ان کے پیچھے یہ آرزو ہے کہ میں بھی ایسا ہوتا جب اس مقام پر بندہ پہنچتا ہے۔ اس مقام کی ایک ضرورت ہوتی ہے۔ ویسے ایکٹ نہیں کرے گا۔ وہ دوسرے نیچے اتار دیں گے۔ جو بندہ غریب ہوتا ہے، ویسا کام نہیں کرے گا تو وہ بالکل ختم ہو جائے گا۔ جب بندہ امیر ہوتا ہے، اس کے پاس پیسا آتا ہے، دولت آتی ہے۔ ویسا Behave نہیں کرے گا تو لوگ اس سے چھین لیں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ جب غریب تھا تو بہت اچھا ہوتا تھا۔ اللہ میاں نے اسے دولت دی ہے تو بہت غلط ہو گیا ہے۔

جواب: برخوردار! یہ آدمی جو امیروں کو Run down کر رہا ہے کہ دیکھو جی کتنا ظالم ہے۔

سوال: یہ سر! کہیں ایسا تو نہیں کہ حسد بول رہا ہو؟

جواب: حسد بھی بولتا ہے۔ اگر حسد بولتا ہے تو پھر وہ خود ہونا چاہتا ہے نا۔ میں ڈرتا ہوں۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میرے منہ میں خاک۔ میں کہیں جرأت نہیں کر سکتا۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ مارکس کچھ اور تھا۔

کوئی بھی نظریہ آدمی جو دیتا ہے، کوئی فلسفہ ہے یا کوئی بات۔ اس کے پیچھے اصل محرکات کیا ہیں، اس بندے کی ذات کے اندر وہ کچھ اور ہی ہو سکتے ہیں۔ مطلب جو اس کے ظاہری نظریات ہیں، وہ بالکل مختلف ہو سکتے ہیں، مثلاً یہ بچپن کی محرومی اور شدید غربت مارکسزم کی طرف لے جاتی ہے یا کچھ اور وقت اس نے گزارا ہے۔ کسی اور طریقے سے تو ممکن ہے کہ وہ کوئی اور نظریہ اختیار کرلے تو اب وہ اس بندے کی سٹڈی بن جائے گی۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ جو اس نے پیش کیا ہے، وہ کیا ہے؟ اس کو الگ سطح پر جانچیں۔

آپ کے حوالے سے میں سمجھتا ہوں اگر Human Dignity کو Ensure کرلیں، ہر آدمی کی عزت کو بحال کردیا جائے تو پھر ایسی صورت حال بن جائے گی۔ پھر کنڈم کرنے کا سلسلہ کم ہو جائے گا۔

میرے خیال میں بھی کچھ کم ہو جائے گا، لیکن اس کے باوجود بھی ایک بے چینی تو انسان میں رہے گی۔ ہمیشہ رہے گی۔ مثلاً ایک بہت اچھا Player ہے۔ اچھی Game کھیلتا ہے۔ میں نہیں کھیل سکتا، میں تو ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ مجھے چاہیے کہ میں خوش ہوں۔ واہ جی واہ، کیا اچھا کھیلتا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ تو کچھ بھی نہیں، فضول ہے۔ اس میں کیا ہے۔

انسان میں اپنی کمزوریاں اور اپنے اندر جو خامیاں ہوتی ہیں، ان کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس میں جو ہے، وہ مجھ میں کیوں نہیں' تو ایک حسد کہہ سکتے ہیں یا انسان کی شخصی کمزوری کہہ سکتے ہیں۔ کچھ قدرتی کمزوریاں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ قدرتی طور پر خوب صورت پیدا ہوتے ہیں۔ وہ مارجن (Margin) لے کر آتے ہیں اور جس کے پاس مارجن نہیں، وہ کیا کرے؟ صورت کو ایک معیار بنا دیا گیا ہے۔ آدمی جتنا بڑا ہو جاتا ہے۔ اتنا بڑا اس کا ظرف ہو جاتا ہے۔ وہ چیزوں کو برداشت بھی کر لیتا ہے۔ سن بھی لیتا ہے۔ کنڈم بھی نہیں کرتا۔ اگر ایسی صورتِ حال پیدا کی جائے کہ ہر آدمی کو عزتِ نفس ملے۔ اس کو بڑا ہونے کا احساس دیا جائے تو پھر وہ کنڈم نہیں کرے گا۔

بڑا ہونے کے لیے جو لیور (Lever) آپ اسے عطا کر رہے ہیں، وہ عزت نفس کا ہے۔

دولت یا شہرت یا حسن ہی سب کچھ نہیں ہیں۔

ابھی تک تو ہماری سوچ کا جو رخ ہے، وہ ذرا سا مختلف ہے جس کی ہمیں پریکٹس ہے' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آہستہ آہستہ جب یہ انٹرایکشن بڑھے گا جو آپ نے سوال کیا تھا، انسانی لیول کے اوپر اس کے اندر پہنچ کر سوچنے۔

آپ کا بہت بہت شکریہ اور مہربانی کہ آپ تشریف لائے اور آپ نے اس پروگرام کو رونق بخشی۔ انشاءاللہ پھر بھی آپ کے ساتھ ملاقات ہوگی۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بچوں کی نفسیات

آپ سب کی خدمت میں میرا سلام پہنچے۔

بچے کی نفسیات کے بارے میں بہت سی دلیلیں ایک دوسرے کے متضاد بھی ملتی ہیں کہ یہ بچہ کام کرتا ہے یا نہیں کرتا، تو میرا اس سے کوئی ایسا تعارف نہیں تھا۔ اور میں سائیکالوجی کے بارے میں اتنا کچھ نہیں جانتا تھا جتنا کہ میرے ہم سفر جانتے تھے۔ میرا یہ واقعہ 1952ء کا ہے اور یہ مجھے شہزاد کی فرمائش پر پھر یاد آ رہا ہے۔ بہت دیر کی بات ہے۔ میں 1952ء میں ملک روم میں تھا۔ روم یونیورسٹی میں اردو پڑھاتا تھا اور ساتھ ساتھ فرانسیسی اور اطالوی پڑھتا تھا۔ وہاں پر ہمارا ایک دوست تھا مسعودی ریاک۔ وہ بہت اچھا مصور تھا۔ میری بہت اچھے سے مراد یہ کہ اس کی تصویریں گاہے بگاہے بک جاتی تھیں اور وہ ہمارا دوست تھا۔ دوست تھا تو اس کے ساتھ اِدھر اللے تللے کرنے میں روم میں گھوم پھر لیتا تھا۔ وہ اچھا شریف آدمی تھا۔ ہمیں بہت آسانی ہوتی تھی' کیونکہ اس کے پاس کچھ پیسے ہوتے تھے۔ ہم تین دوست تھے۔ ریاک، میں اور ایک ہری چند، جو ہندوستان کا تھا۔ ہم اس تاڑ میں رہتے تھے کہ کوئی اچھا سا موقع ہمیں ایسا ملے کہ جہاں پر ہم پیسے خرچے بغیر گھوم سکیں اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں کیونکہ پتا نہیں کتنی دیر یورپ میں رہنا ہے۔ تو ان دنوں 31 دسمبر 1952ء کو ریاک کی ایک تصویر بک گئی تو اس نے کہا، میں تمہاری دعوت کروں گا۔ ویا وینی تو کے اوپر' جہاں پر ایمبیسیز ہیں۔ بہت قیمتی سڑک ہے جیسے ہمارے ہاں شارع قائداعظم ہے۔ اس ریسٹورنٹ میں جس کا نام علی بابا چالیس چور تھا۔ وہ ایک بہت بڑا ریسٹورنٹ تھا۔ ایک بیسمنٹ میں۔ ریستوران میں بڑے خوبصورت چالیس مرتبان تھے، ستونوں کی جگہ بنے ہوئے۔ اور اس کے اوپر چھت اٹھائی ہوئی تھی اور اس کے اندر آرکسٹرا بڑا خوب صورت بجتا تھا۔ ہماری خوش قسمتی کہ وہاں عام طور پر ایکٹر لوگ زیادہ جاتے تھے۔ عام آدمی کی وہاں اتنی پہنچ نہیں تھی کہ وہاں پہنچ سکتا یہ جو ہمارا انتھونی کوئن تھا، اس کو وہاں آنے کا بہت شوق تھا۔ انتھونی کوئن کی ایک بڑی عجیب وغریب عادت تھی کہ عورتوں جیسا مزاج تھا اُس کا۔ ہر وقت اپنے ساتھ ایک شیشہ رکھتا تھا، دو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

منٹ بعد نکال کے تھوڑی لپ سٹک لگاتا تھا۔ اتنا نازک مزاج اور یوں کر کے بال۔ انتھونی کوئن سے ہم بہت متاثر تھے۔ وہاں کے لوگ بھی متاثر تھے۔ اور پھر اس سے وہاں ملنا ہُوا۔ انہی دنوں ہمارے مشرقی پاکستان کے ربیع الدین وہاں پر فلم ڈائریکشن کی کچھ تعلیم لینے آ گئے۔ ہماری ایوننگ کلاسیں ہوتی تھیں، اس لیے میں انہوں نے کہا، چھ مہینے کا کورس ہے اس میں آپ کو پتا چلے گا کہ ڈراما کیسے لکھا جاتا ہے۔ لائٹنگ کیسے کی جاتی ہے۔ تو چپنی چتا ہم جانے لگے۔

ہمارے جو استاد تھے، پرنسپل تھے، ریکٹر تھے وہ تھے وکٹوریہ ڈسیکا۔ ان کی ایک بہت مشہور بائیسکل تھی۔ تو ڈسیکا صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ لیکن ہم ڈسیکا صاحب سے نہ تو اتنا ڈرتے کیونکہ ان کا مزاج اچھا نہ تھا، اور نہ ان سے اتنے زیادہ متاثر تھے جتنے ان ایکٹروں سے جن کا کہ پینترا اور طرح کا تھا۔ تو ایک دفعہ انہوں نے ہم سے کلاس میں سوال پوچھا: ''بھئی بتاؤ کہ سب سے زیادہ مشکل رول کون سا ہے جو ایکٹر کر سکتا ہے؟'' مجھے بات یاد آ گئی۔ ہم سب نے ہاتھ کھڑے کیے تقریباً لڑکے لڑکیوں کا مشترکہ جواب تھا کہ ہنچ بیک آف نوٹرے ڈم بہت مشکل رول ہے۔ تو استادِ محترم نے فرمایا، دنیا میں سب سے آسان رول ہنچ بیک آف ناسٹرڈم کا رول ہے۔ کیونکہ ٹوٹی ہوئی ناک، گندی شکل، بدنصیب آدمی، ساری ہمدردیاں اس کے ساتھ، وہ رول تو کوئی بھی آدمی کر سکتا ہے۔ وہ تو سب سے آسان ہے۔ ہنچ بیک آف نوٹرے ڈم، اگر کسی نے کیا ہے تو آپ اسے بڑا ایکٹر نہ مانیں۔ مشکل ترین رول یہ ہے کہ عام گھرانے کا ایک عام باپ ہے۔ ٹوپی اتار کے رکھتا ہے، چھتری پکڑ کر رکھتا ہے۔ دفتر سے آتا ہے اور پھر اس کو اپنا رول کرنا ہے جو سب سے مشکل ہے۔ وہ کیا کرے، اس کے پاس کوئی سہارا نہیں؟

یہ بات دوسری طرف چلی گئی، تو ہم چلے گئے علی بابا چالیس چور والے ریسٹورنٹ میں۔ 31 دسمبر کی رات میں تمہاری وہاں لگواؤں گا، اور تم دیکھو گے کہ دن کس طرح طلوع ہوتا ہے اور سال کس طرح ختم ہوتا ہے۔ کیا کیا کچھ ہنگامہ ہوتا ہے۔ ہم بڑے خوش تھے۔ ہم وہاں چلے گئے تو جا کے جب دیکھا تو چھما چھم بینڈ باجے بج رہے ہیں اور دنیا جہاں کے ایکٹرا یکٹرس آئے ہوئے ہیں۔ سارے تقریباً وہاں پر موجود تھے اور وہ بڑا اچھا زمانہ تھا۔ جب پوسٹ واسل میں اٹلی کی بن رہی تھیں عمارتیں، جب وہاں گئے تو وہاں سٹیج کے اوپر بلیک نیگرو تھے۔ اس زمانے میں بلیک ڈرمر کا بہت رواج تھا۔ اب نہیں رہا۔ بیٹ بہت پیاری تھی۔ ہر ایک کا ناچنے کو دل کر رہا تھا۔ اچانک ریاک اٹھا، ہم سمجھے شائد کوئی اپنی چیز ڈرنک، کوئی سگریٹ لینے گیا ہے۔ جا کر اُن سے ملا، میوزک والوں سے۔ پھر لوٹ کر واپس آ گیا تو اچانک ایک اعلان ہوا۔ سینوری سینوری بونیرا پے اون کانٹن تے پاکستان وترادی نصرانی میں تو یہی سمجھا کہ ہمارے درمیان کوئی پاکستانی موجود ہے جو بڑا اچھا گاتا بجاتا ہے۔ میں نے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کہا، شائد ہوگا۔ میں تھوڑا سا کانپا بھی۔ اعلیٰ اے ای پروفسورے اعلیٰ اونستی زاوی روما سوا وناے کاغذ اٹھایا اشفاق احمد۔ جب انہوں نے یہ کہا تو میری جان عذاب بن گئی۔ مجھے گانے کا پتا ہی نہیں ہوتا کیا ہے۔ شائد اب یاد ہو۔ اب یہ وہاں نہیں ہو سکتا کہ میرا اگلا خراب ہے۔ یوں ہے وہ ہے میں نہیں آ سکتا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ برا لگتا ہے۔ یا اللہ مجھے کچھ ایسی بات یاد دلا کہ میں کیا گاتا، ہمیں لب پہ آتی ہے دعا بن کے وہ اس پر ڈرم نہیں بجا سکتے تھے۔ کچھ میوزک نہیں بج سکتا۔ پھر ڈانس، تو الحمدللہ میں گاؤں کا رہنے والا تھا اور ہمارے سکھ علاقے میں بولیاں وولیاں بہت چلتی تھیں۔ میں اپنی کرسی سے سٹیج پر جاتے ہوئے سوچتا گیا۔ یا اللہ میں کیا کروں۔ اچانک ایک بولی یاد آ گئی، شائد یہی کچھ کام دے جائے۔ سٹیج پر پہنچ گیا تو سٹیج فیئر (Stage Fear) ختم ہو گیا۔ کچھ پہلے بھی، ریڈیو کی دنیا سے تعلق تھا میرا، وہاں پہنچ گیا۔ اپنے کان پر ہاتھ رکھا، سٹائل اپنا جو ہوتا ہے، میں نے کہا ”بودی والا چڑھیا کار کار ہوں۔ وچارا گیڑا گناماں بیالا لیا روپ ہینڈاراں ہزار ہا بھیڈاں چار دیاں، بےقدراں دیاں ناریاں بھیڈاں چار دیاں“، جب یہ شروع ہوا تو انہوں نے لہرا اٹھالی۔ جناب ادھر سے جم چکھد ارجم چھکد ارشروع ہو گئے۔ مجھے خالی یہی بند یاد آ رہا ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں آ رہا، میں یہ گاتا رہا آدھا گھنٹہ تک اب once More شروع ہو گیا۔ میں وہاں کا ہیرو بن گیا۔ اچھے اچھے گانے والے آئے ہوئے تھے۔ نامور گانے والے پیچھے ہو گئے۔ انہوں نے کہا، نہیں سینورے نہیں اشفاق احمد دے نی وے دنال ترولوتا اعلیٰ کنتار۔“ میں نے کہا، جی بس میرا اتنا ہی گانا تھا۔

اب جب میں بیٹھ گیا تو میں نے کہا، تم سے بعد میں بدلہ لوں گا۔ اب چونکہ مجھے اپنی اتنی شیٹنگ مل رہی ہے تو لوگ آ گئے مجھ سے دستخط کروانے' آٹوگراف کے لیے، میں اِس کو دے رہا ہوں، اُس کو دے رہا ہوں۔ اشفاق احمد۔ میں جس میز پر بیٹھا ہوں، وہاں پر ایک بہت معزز چودھری بنا ہوا تھا۔ دور ایک میز تھی۔ اس پر ایک نہایت گریس فل خاتون تھی۔ اکیلی چپ چاپ بیٹھی ہوئی تو انہوں نے پلٹ کر ایسے میری طرف دیکھا تو میری بالکل سٹی گم ہو گئی۔ یعنی اس کا کچھ ایسا چارم تھا اس کی Personality اتنی بڑی تھی۔ میں اس کے پاس بہ ادب چلا گیا۔

اس نے کہا۔ ”سی کم وا“ میں بیٹھ گیا تو اس نے کہا Give me Sign مجھے بھی دیں آٹو گراف۔ میں نے اس پر لکھا، بخدمت ملکہ عالیہ انگرڈ برگ مان اور نیچے اپنا نام لکھا۔ اب اس کے بعد وہ انگریزی میں پوچھتی ہے What you have Written? تو میں نے کہا I have written your name اور یہ مجھے بڑی آرزو تھی۔ میں خوش اس لیے اٹھ کر آ گیا تھا کہ اتنے قریب سے اتنی بڑی آرٹسٹ کو دیکھنے کی حسرت تھی۔ تو آپ کی خدمت میں آ گیا وہ کہنے لگی Thank you very much میں نے کہا، ”سینیور یو بیر تو ریلنی سے بھی ملنے کو میرا بڑا جی چاہتا ہے۔ وہ اس کے خاوند تھے جو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ریلیٹی۔ تو اس نے اپنا کارڈ دیتے ہوئے کہا، مجھے رِنگ کریں۔ میں آپ کو وقت دوں گی، فلاں دن اور پھر آپ آئیں۔ تو میں نے وہاں سے آکر سب کو بتایا۔

ایک دن میں نے ٹیلی فون کیا۔ اس نے کہا، آپ آئیں اور دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں۔ ریلیٹی باوجود اس کے کہ وہ سیٹ پر ہوں گے، لیکن انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ میں آجاؤں گا اور کھانا اکٹھے کھائیں گے۔ this will be sort of Family Union ہم تم کو ایک گھر کا ہی بندہ سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا، جی I am honoured عزت افزائی کی بات ہے۔

تو لو جی میں وہاں پہنچا، کار چلاتا۔ پولین اسے کہتے تھے۔ تو پولین کے معنی ہیں، چوہیا۔ چوہیا کار۔ صاحب وائی تو آپ لوگوں نے یہاں نام رکھا ہے۔ اُسی کو تو پولین چوہیا کار کہتے ہیں۔ اب میں تو پولینو میں وہاں پہنچا۔ Villa کوئی روم سے 21-22 کلومیٹر کے فاصلے پر۔ جب میں وہاں پہنچا تو میرا خیال تھا کہ امیر لوگ ہیں تو اچھا خاصا بڑا سا گھر ہوگا۔ لیکن جی وہ تو اتنا بڑا گھر تھا اور اتنے ایکڑ پر پھیلا ہوا تھا کہ میری سٹی گم ہوئی اس کو دیکھ کے۔ باہر کھڑے دربان نے پوچھا، آپ کو کس سے ملنا ہے۔ سینوریو پاکستان میں نے۔ کہنے لگا، سی کماں دا، اس نے وہاں سے ٹیلی فون کیا۔ اندر سے اسے کہا گیا، ہاں بڑا گیٹ کھول دو، آنے دو اندر۔ اب جب میں نے وہاں بڑا گیٹ کھول کے چھوٹی کار اندر داخل کی تو یہ زندگی کی شرمندگیوں میں سے ایک تھی۔ انہوں نے گڑ۔ ڑ۔ ڑ۔ ڑ۔ بڑا دروازہ کھولا کہ کوئی ملنے والا ہے تو اس میں چوہیا جا رہی ہے۔ مجھے بہت افسوس ہوا، یا اللہ یہ ایسی کار۔ کاش اس وقت کے لیے اور بڑی مل جاتی' کم از کم لیموسین ہوتی۔ میں نے جا کے اس کو روکا۔ اس چوکیدار نے کہا، ابھی آپ کو تھوڑا سا پیدل چلنا پڑے گا۔ آگے آپ کو ایک اور برک انداز ملے گا، باوردی۔ وہ آپ کو لے جائے گا، تو میں نے کہا، بہت اچھا۔ میں پیدل چلتا رہا پٹڑی کے اوپر۔ دونوں طرف بہت خوب صورت لان تھے۔ آگے گئے تو ایک اور باوردی آدمی ملا، اس نے بڑے ادب سے سلام کیا۔ اس نے کہا، آئیے میرے ساتھ، وہ لے کے چلا۔ ایک برآمدہ بڑا خوبصورت اور اس کے اوپر بیلیں لٹکی ہوئیں۔ اس نے وہاں جا کر کہا، میری حد یہاں ختم ہوتی ہے۔ آپ اب ایک اور صاحب کے ساتھ چلے جائیں۔ ایک اور صاحب جو کہ عورت اور مرد تھے تو ان کو میں Greet کر کے ان کے ساتھ چلا، تو انہوں نے کہا، میڈم بہت خوش تھیں۔ سب کو بتایا تھا کہ ہمارا ایک معزز مہمان آرہا ہے۔ میں آگے چلا گیا جا کر ایک بڑے ہال میں' انہوں نے مجھے اس خاتون نے اس مرد نے بٹھا دیا۔ ایک لمبی سی میز تھی۔ کالی سیاہ رنگ کی اور اس کے اوپر میں اکیلا بیٹھا تھا۔ تو انہوں نے کہا، ہم نے میڈم کو اناؤنس کر دیا ہے، وہ آتی ہوں گی۔ میں نے کہا، بہت خوشی کی بات ہے۔ انہوں نے کہا، وہ معذرت کر رہی ہیں کہ تھوڑا سا آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔ اب بیٹھے بیٹھے مجھے کوئی مشکل سے چار پانچ منٹ ہوئے ہوں گے اور میں تھوڑا سا بور بھی ہو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

رہا تھا۔ وہاں سیڑھیاں تھیں آٹھ دس' وہاں سے ٹپ ٹپ کرتا ہوا ایک لڑکا، جس نے نیلی نیکر پہنی ہوئی، کالے سیاہ بوٹ اور کتنے سارے بٹنوں والی ایک جیکٹ سی پہنی ہوئی وہ نیچے اترا۔ لڑکا کوئی سات آٹھ سال کا تھا۔ نیچے اترا کھٹ کھٹ کرتا مجھ تک پہنچا۔ میں نے اس کو مسکرا کر کہا، بنجو جی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور سیدھا میرے پاس آ کر کھڑا ہو کے غور سے میری شکل دیکھنے لگا۔ اب میں بڑا ایمپریس ہو رہا تھا۔ میں نے اس کو کہا How are you? You belong to a rich class اس نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر اس نے کہنی رکھ کے میز کے اوپر' جہاں میں تھا، ایسے میری شکل دیکھی۔ اب ایک آدمی کا چہرہ اتنا قریب ہو، اس اینگل پر ہو، بڑی پریشانی کا باعث بنتا ہے اُس زمانے میں میں نے تھوڑی تھوڑی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک آرٹسٹ تھا ڈالی، وہ اپنی مونچھوں کو موم لگا کے ذرا اونچی رکھتا تھا۔ میں نے بھی ڈالی کے فیشن میں مونچھیں اوپر کی تھیں تو جب اس نے چہرہ قریب کیا تو وہ میرے بہت نزدیک آ گیا۔ سیدھے کھڑے ہو کے اس نے میری ایک مونچھ کو پکڑا اور زور سے کھینچا۔ میرا ہونٹ سارا اوپر کو کھنچ گیا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے تڑاخ سے ایک چماٹا دیا میرے، اتنے زور کا کہ میرا یہ سارا ہونٹ نیچے گر گیا۔ میں کیا کر سکتا تھا۔ ایک ملازم آ گیا اور مجھے آ کے کہنے لگا، یہ ریلیٹی کا بڑا بیٹا ہے اور میڈم کا بڑا لاڈلا بچہ ہے۔ میں نے کہا، ہاں ماشاءاللہ بہت پیارا ہے۔ تھپڑ مار کے زور سے وہ بھاگ گیا، کہیں کھیلنے۔ پتا نہیں کہاں چلا گیا۔ میں نے کہا، یا اللہ جتنی خوشی خوشی میں آیا تھا اور جتنا میرا دبدبہ تھا، جو کچھ میں نے سنا تھا، یہ کیا ہوا میرے ساتھ۔ خیر رنج تو ہوا، آج تک ہے۔ یہ ہو کیا گیا میرے ساتھ۔ وہ چلا گیا اور میں بیٹھا رہا، اتنے میں میڈم آ گئی اور معذرت کرنے لگی، مجھے کچھ کام تھا۔ میں نے ابھی ریلیٹی کو فون کیا ہے، اس نے کہا، میرا ایک آخری شاٹ رہ گیا ہے، I hope بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ جب تک ہم بیٹھ کے باتیں کریں گے۔ کہنے لگی Would you like outside میں نے کہا، نہیں اندر ہی ٹھیک ہے۔ اندر میری کافی مرمت ہو گئی ہے۔ میں دوبارہ باہر جا کے پھر کسی کے سامنے پیش ہوں گا۔ تو بیٹھ کے باتیں کرنے لگ گئی۔ پاکستان کے بارے میں اس کو اتنا معلوم تھا کہ چھوٹا سا ملک ہے۔ دو ڈھائی سال کا۔ ابھی بنا ہے۔ میں نے کہا، ہاں ابھی بنا ہے۔ اس کے بارے میں کچھ تفصیلات پوچھتی رہی۔ اس نے کھانے کو پوچھا تو میں نے کہا، آپ کے شوہر آئیں گے، ان کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ پھر وہ معذرت کر کے چلی گئی۔ اس کا ایک ٹیلی فون آ گیا تھا۔ میڈم کو ٹیلی فون بہت آتے تھے۔ چلی گئی تو اب میں بہت Conscious ہو کے بیٹھا ہوا ہوں۔ یا اللہ وہ ظالم کا بچہ پھر نہ آ جائے۔ ایک ڈر ہوتا ہے نا آدمی کو کہ ایک گھوم رہا ہے آفت کا پرکالہ۔ بعد میں یہ پتا چلا کہ ریلیٹی نے کہا، آپ کھانا کھائیں، میں آپ کو Join نہیں کر سکوں گا، کیونکہ میں Delay ہو گیا۔ میرا شاٹ تیار نہیں ہوا تو میں پھر اشفاق سے ضرور ملوں گا۔ یہ بات طے ہے، پھر اس نے کہا، Would you

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

like۔ میں نے کہا، جیسا کہیں ٹھیک ہے۔ وہ ڈونگے لے کر آنے لگے۔ ان کے ملازم باوردی دستانے پہنے ہوئے چیزیں لا رہے ہیں۔ میری جان پر بنی ہوئی تھی کہ وہ چھری کانٹے سے کھاتے تھے۔ مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی کہ کیسے کھانا ہے۔ جب بھی کبھی وہ آلو میرے آگے بھاگتا رہتا ہے، پکڑا نہیں جاتا۔ نہیں آتا' تو میں ڈرا ہوا ہوں۔ ایسی جگہ پر خاص طور پر بندے کو بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چیزیں آ گئیں۔ اتنے میں وہ جو چھوٹا آفت کا پرکالہ تھا' اس کے بجائے پھر ایک اور نکل آیا۔ چار سال کا چھوٹا پرکالہ سا۔ تو میڈم نے کہا، یہ میرا چھوٹا بچہ ہے۔ دو ان کے بیٹے تھے۔ تو میں نے کہا ہیلو ہائے ویری کیوٹ۔ جیسے کہتے ہیں۔

تو وہ چھوٹا آ گیا۔ اس نے کرسی میرے اس طرف ڈال لی اور میرے قریب بیٹھ گیا، اور میرے چہرے کو غور سے دیکھتا جا رہا ہے کہ یہ کیا چیز ہے، عجیب وغریب سی۔ کیسے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ کس قسم کا آدمی ہے۔ باوجود اس کے کہ دونوں بچے بہت اچھی اٹالین بولتے تھے۔ میں بھی ٹھیک ٹھاک بولتا تھا۔ باتیں ہم کرتے رہے۔ جب کھانا لگ گیا بڑے طلائی اور زرّیں برتنوں میں۔ تو ہم نے شوربہ ڈال دیا، جو آغاز کرنے والا شوربہ ہوتا ہے۔ تو وہ جو چھوٹا بچہ تھا، دوسرا بڑا اُدھر بیٹھا تھا، دوسرا بھی آ گیا۔ کھانا تو کھانا تھا ساتھ۔ تو چھوٹے نے کیا کیا، وہ دہی کا ایک پیالہ اس کو لے میرے شوربے میں ڈال دیا اور چمچہ لے کر اس میں ہلا دیا اور اپنی چیز کچھ کھانے لگا۔ تو میں نے کہا، کوئی بات نہیں۔ شوربے میں دہی پڑا ہے۔ اس میں کیا خرابی ہو سکتی ہے تو میں نے ایک آدھ چمچ لیا تو میڈم نے کہا: I am very sorry بچے نے misbehave کیا آپ کے ساتھ۔ ہم بچوں کو ٹوکتے نہیں ہیں۔ ہم ان کو نفسیاتی طریقوں پر پال رہے ہیں، کیونکہ اگر بچوں کو ٹوکا جائے، ان کو منع کیا جائے تو ان کی شخصیت پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ یہ نئی نئی تحقیق آئی ہے۔ ہم سارے لوگ یورپ کی اس تحقیق پر چل رہے ہیں۔ ہمارے جیسے پڑھے لکھے والدین اس معاملے میں بہت ہی محتاط ہیں۔ ہم بچوں کو کچھ نہیں کہتے۔ ملازم سے کہا کہ یہ پلیٹ اٹھا دو۔ اس کی جگہ اس نے نئی لا کر رکھ دی تو میں نے شوربہ ڈالا تو اس کے بڑے بیٹے نے کیچپ کی ساری بوتل۔ پلیٹ میں انڈیل دی۔ تو میں نے کہا، میں کھاتا نہیں ہوں۔ میں ذرا سی چکن اور آلو گول سے کٹے ہوئے، وہ لے لیتا ہوں۔ وہ ڈال دیئے تو وہ جو بڑا بیٹا تھا، اس نے دیکھا کہ یہ بڑے شوق سے کھانے والا ہے۔ ابھی ایک نوالہ لیا تھا کہ اُس نے اپنا آلو چڑھایا فورک کے اوپر اور یوں تلکا کے ٹھک کر کے جیسے غلیل نہیں ہوتی، میری ناک کے اوپر، میں بہت اچھے کپڑے پہن کے گیا تھا، ٹھنا ٹھن مرچیں ڈال کے، آلو وہ گیا۔ اس نے کہا، میں پھر معذرت چاہتی ہوں۔ اگر ہم ان کو کچھ کہیں گے، منع کریں گے تو ان کی شخصیت پر اثر پڑے گا۔ ہم نہیں چاہتے بچے کی شخصیت خراب ہو یوں آگے چل کر وہ بہتر انسان بنتا ہے۔ تو میں نے کہا، ہاں کوئی بات نہیں۔ (پھر میں نے ہاتھ ایسے کیے) جو بھی آدمی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

Protection کر سکتا ہے، لیکن ہو نہیں سکی۔ ہاتھ ایسے کیا تو چھوٹے نے کھڑے ہو کر میرے پاؤں کے اوپر اپنا پاؤں بڑے زور سے مارا۔ اس کے نیچے لوہے کے وہ لگے ہوئے تھے نیلو میری چیخ نکلی خوفناک قسم کی۔ میں نے سوچا کس لیے یہاں آ گیا۔ دفع کرو، لعنت بھیجو، یہ ایکٹروں کے گھر ہوتے ہیں۔ میں کہاں پھنس گیا۔ اتنے میں ریلیٹی کا ٹیلی فون آ گیا تو ملازم نے آ کر اعلان کیا۔ اس نے کپڑا رکھا ٹک ٹک کرتی اوپر چلی گئی۔ اب میں اس کی طرف دیکھ رہا ہوں، اوپر جا رہی ہے کہ اب جا کے ٹیلی فون سننے لگ گئی ہے۔ جب وہ ٹیلی فون سن رہی ہو گی، بچے دونوں تاک میں بیٹھے تھے۔ میں نے گالی دی۔ کہ سور میں تیرا اگا نا اتار دوں گا کتے۔ اس بے چارے نے کبھی گالی نہیں سنی تھی۔ اتنی گندی گالیاں جتنی مجھے آتی تھیں، جو کہیں بھی نہیں آ سکتیں تو وہ کانپ گیا۔ اس نے زندگی میں کبھی ایسا دیکھا نہیں تھا، وہ بے چارے ڈر گئے اور رنگ فق ہو گیا۔ میں نے کہا، اگر تم نے آواز نکالی تو کوئی اٹالین نہیں، کوئی انگریزی نہیں۔ خالص پنجابی" بے توں فیر ایہہ کیتا نا گل وڈ کے تھالی وچ رکھ دیاں گا۔" اور اب چہرے سے پتا چل گیا اور دہشت آ گئی ان پر۔ اتنے میں وہ اپنا فون سن کے واپس آ گئی اور انہوں نے کہا، وہ پھر معذرت کر رہے ہیں۔ کوشش میں کر رہا ہوں، موقع مجھے اگر مل جائے تو جانے نہ دینا، جائن ضرور کروں گا۔ میں نے کہا، بڑی مہربانی۔ پھر وہ کھانا کھانے لگی۔ اور دونوں بچے بھی۔

ہم بھی کھاتے رہے تو کھانے کے دوران جب ہم اختتام پر پہنچے تو میڈم نے کہا، پروفیسر! دیکھا آپ نے' اگر بچوں کو ڈانٹا نہ جائے تو شخصیت کیسی ہوتی ہے۔ پرسکون ہوتی ہے۔ کس شرافت سے کھانا کھا رہے ہیں۔

ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ نفسیات کا اچھا اصول ہے۔

سائیکالوجسٹ کہتے ہیں چونکہ بچے میں اگریشن (Aggression) ہوتا ہے تو وہ اس کو نکالنے کے لیے تکیہ لے کر ڈنڈے کے ساتھ ستون کے ساتھ باندھ کے چیخ مارو۔ کسی پر لکھ دو، "اماں جی"، کسی پر لکھ دو "ابا جی"۔ اماں پر غصہ آئے تو اماں پر اور ابا پر غصہ آئے تو ابا پر تھا تھا۔ اور اس طرح سے اگریشن نکل جاتا ہے۔ یہ ان کا خیال ہے۔ چنانچہ پوری ایک دہائی سے۔ میں کہوں گا، سائیکالوجی اس بات پر مصر ہے کہ ان کا اگریشن نکل جانا چاہیے۔ ماں باپ کے خلاف اگریشن تو ہوتا ہی ہے، بہتر یہی ہے۔ جو طریقہ اب خاص طور پر برٹش سائیکالوجی میں ہے' یہ کہتے ہیں، ڈانٹنا ڈپٹنا، اس کو اس کا مقام بتانا بہت ضروری ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ناشکرا انسان

بہت ساری چیزیں طبیعت پر بوجھ ڈالتی ہیں اور تسلسل کے ساتھ ڈالتی رہتی ہیں، تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ کچھ چیزیں جو خدا کی طرف سے ہوتی ہیں، اور جو ہماری طبیعتوں کے اوپر بوجھ ڈالتی ہیں، ان میں تسلسل کا رنگ آ جاتا ہے، اور وہ بہت دور تک دیر تک پھیل جاتی ہیں۔ ہم اسے اللہ کی مصلحت کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے سوا چارہ بھی نہیں ہوتا۔ لیکن یہ سب کچھ کر چکنے کے بعد بھی تسلی نہیں ہوتی انسان کی، اور وہ زیادہ جاننا چاہتا ہے۔ ایسا کیوں ہوا اور کیوں ہوتا رہتا ہے؟ مثلاً یہ کہ چھوٹا بچہ ہے۔ اِس کو کینسر ہو گیا ہے تو انسان بڑا سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اِس کا کیا قصور تھا، کیا کوتاہی تھی۔ لیکن اُس کا قصور یا کوتاہی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ عقلِ مطلق ہے۔ جانتا ہے کہ کہاں پر کیا ہونا چاہیے۔ اس کے بارے میں مغرب کے لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے اور ولایت کا ادب اس موضوع سے مالا مال ہے۔ اور نظم میں، نثر میں Plays میں۔ مجھے Thonken Wilter کا ناول یاد آ رہا ہے The Eight Man اس نے بھی اس میں یہ موضوع لیا ہے، بلکہ اس نے تو زندگی بھر جتنی بھی کتابیں لکھیں، لوٹ لوٹ کر پلٹ پلٹ کر اسی موضوع پر لکھیں۔ اس کی کہانی مختصر یہ ہے کہ آٹھ آدمی دریا عبور کر رہے تھے۔ (لوہے کے رسے والا دریا) آٹھوں آدمی ایک دوسرے کے پیچھے جا رہے تھے اور خدا کا کرنا کیا ہوا کہ درمیان میں وہ رسا ٹوٹ گیا اور وہ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے پہاڑی دریا میں گرے اور فوت ہو گئے، اور ان کا نام ونشان تک نہ ملا۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟ ایک آدمی گھر سے نکلا حجامت بنوانے کے لیے اور وہ ابھی سیلون میں داخل نہیں ہو سکا کہ ایک اندھی گولی (امریکہ میں عام رواج ہے) اس کو آ کر لگی۔ ایک عورت جو بس سٹاپ پر کھڑی اپنی سہیلی سے باتیں کر رہی تھی اور اس کی سہیلی کو کسی بندے نے نشانہ بنایا ہوا تھا، سہیلی تو چلی گئی، نشانہ وہ معصوم عورت بن گئی جس نے روک کر اسے پوچھا تھا کہ تمہارے بیٹے کا کیا حال ہے اور تم کہاں ہو۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ایک بیوہ نے اپنا بیٹا بڑی آرزوؤں اور امنگوں کے ساتھ پالا تھا۔ ایک ہی اس کا بیٹا تھا۔ پلا بڑھا اور جوان ہوا اور اس نے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

C.S.S کیا، وہ A.C لگا۔ ماں کے ہاں تو شبِ برات ہو گئی۔ اس نے گھنٹی سنی اور دروازہ کھولا، اور دروازے سے اس کی لاش گھر آئی۔ کچھ ایسا ہوا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ تو تھامکن یہ کہتا ہے کہ ایک غالیچے کو آپ دیکھو، اس کے اوپر ایک پھول بنا ہوا ہوتا ہے اور بڑا خوب صورت پھول ہوتا ہے جو آپ اتنے مہنگے بھاؤ اس کو خرید کر لاتے ہیں، لیکن اگر آپ اس غالیچے کو اٹھا کر دیکھیں تو وہ کچھ لمبے دھاگے کچھ چھوٹے دھاگے بے ہودہ قسم کے دھاگے ایسے ہوتے ہیں، ان پر نگاہ ڈالنے کو دل نہیں کرتا۔ لیکن ہوتا ایسے ہی ہے کہ پھول بننے کے لیے کچھ ایسے عمل کی ضرورت ہے، جو کہ آپ کو غالیچے کے لیے درکار ہے۔ ہاں بہت اچھی بات ہے لیکن انسان بے چارہ کیا کرے، اپنے آپ کو تسلی دینے کے لیے وہ ایسی باتیں کرتا ہے، لیکن اس کی تسلی ہو نہیں سکتی۔ میکلیش (Macleish) کا معروف ڈراما J.B جو حضرت ایوبؑ کی زندگی کے بارے میں ہے، اور جسے پڑھ کر ہم نے سبقاً سبقاً بہت کچھ سیکھا۔ شیکسپیئر کے Play آپ کے سامنے ہیں۔

مغرب نے اس پر بہت کچھ لکھا، اور وہ کہتے ہیں، کچھ چیزیں ایسی ہیں جس کا کوئی فیصلہ، کوئی ''تک'' نہیں بنتا، ایسا کیوں؟ لیکن ہوتا رہتا ہے۔ وہ جو علیم مطلق ہے۔ جو مالک ہے سب کا' اپنی مرضی سے جو چاہتا ہے، کرتا ہے، اور اس کی مرضی میں کوئی راز ہوتا ہے تو پھر ہم پوچھتے ہیں، اس میں کیا راز ہے؟ کچھ ہم بھی تو دانش رکھتے ہیں، عقل رکھتے ہیں۔ ہمارے بابے کہتے ہیں، اگر کوئی چار پانچ سال کا بچہ اتفاق سے ہسپتال کے کسی آپریشن تھیٹر میں چلا جائے، اور دروازہ کھلا ہوا ہو اور سرجن کام کر رہے ہوں ایک بندے کے اوپر، ان کے ہاتھ میں چھریاں، اور نشتر پکڑے ہوں اور ان کے منہ پر ربڑ چڑھائی ہوئی ہو، ماسک وغیرہ' تو وہ چیخیں مارتا ہوا باہر نکلے گا اور کہے گا کہ ظلم ہو رہا ہے، اچھے بھلے آدمی کا پیٹ کاٹ رہے ہیں، چھریوں کے ساتھ۔ اے لوگو! جاؤ اور بچاؤ۔ تو کچھ ایسا ہی حال انسان کا ہے۔ وہ بھی یہ سمجھتا ہے کہ میری عقل و دانش کے مطابق ہے۔ میں نے جیسے پچھلی مرتبہ کہا تھا کہ چیونٹی جیسے ایک سمندر کو نہیں سمجھ سکتی، انسان اللہ کے راز، افعال اور اس کے کام اور قانون کو نہیں جان سکتا۔ خوش قسمتی یہ ہے کہ اس نے ہمیں احکام دیئے ہیں۔ بڑی خوش قسمتی ہے۔ میں نے اپنے ایک پروگرام میں عرض کیا تھا کہ میں تو اس دنیا میں آ گیا، اپنی مرضی کے خلاف حکم دیا کہ تم چلو، ہم نے کہا ٹھیک ہے۔ یہاں آ کر ایسے گھر میں پیدا ہو گیا جو غریب سا گھر تھا، میں امیر گھرانے میں پیدا ہونا چاہتا تھا۔ میری آرزو تھی کہ فرسٹ کلاس موٹریں ہوں، لیکن جہاں حکم ہوا، وہاں آ گیا، اور میں جمعرات کو پیدا ہونا چاہتا تھا، ہفتہ کو پیدا ہو گیا۔ تاریخ مجھے یہ پسند نہیں تھی، ٹھیک ہے، بالکل ٹھیک کیا۔ جب یہ برسا کوزہ (میں) بن گیا تو کوزہ گر (خدا) سے دست بدست پوچھا کہ اے کوزہ گر اس میں ڈالنا کیا ہے۔ مجھے تو یہ بھی نہیں پتا۔ میں تو بن کے یہاں آیا ہوں۔ تو پھر اس کی مہربانی ہے، اس کا کرم ہے کہ اس نے فرمایا کہ میں نے انسان

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نبی کے ذریعے سب کچھ جان چکنے' سمجھ لینے کے لیے ایک پروگرام، ایک فریم ورک دے دیا گیا ہے۔ تو کچھ خوش قسمت لوگ ہوتے ہیں جن کو ہم بہت قریب سے جا کر دیکھتے ہیں۔ میں ان کو بڑے شوق سے دیکھتا ہوں، اور میں ان کو بابے کہتا ہوں کہ اللہ کے دیئے ہوئے احکام کو کس خوش دلی کے ساتھ اور کس محبت کے ساتھ وہ مانتے ہیں، مانتے چلے جاتے ہیں۔ کوتاہی ہوتی ہے تو پھر اُٹھ کر ماننا شروع کر دیتے ہیں۔

میں حرم شریف میں جب پہلی مرتبہ گیا' بڑی دیر کی بات ہے۔ جب حرم شریف کی شکل و صورت ایسی نہیں تھی جیسی اب ہے۔ ماشاء اللہ جب بھی پیاری تھی لیکن اس کے اندر سخت پتھر تھے۔ کھڑے ہونے کے لیے کچا راستہ تھا، وہاں پر زم زم کے پاس، کسی نے زم زم سے اپنی پگڑی دھو کے ان پتھروں پر ڈالی ہوئی تھی سوکھنے کے لیے۔ تو میں وہاں بیٹھا تھا۔ مجھے کچھ اچھا نہ لگا۔ حرم شریف میں کپڑے سوکھنے کے لیے، لیکن لوگ ڈالتے تھے، کہہ بھی کچھ نہیں سکتا تھا۔ وہ آدمی جب پگڑی سوکھی ہوئی اٹھانے کے لیے آیا، تو میں نے پوچھا، بھائی صاحب آپ کہاں کے ہیں؟ کہنے لگا، میں پاکستان سے ہوں۔ میں نے کہا، بڑی خوشی کی بات ہے۔ پگڑی سے اندازہ لگایا تھا کہ آپ وہیں کے ہوں گے۔ ویسے آپ کون سے علاقے سے ہیں؟ کہنے لگا، سائیں میں سندھی ہوں۔ میں نے کہا، بڑی برکت والی بات ہے۔ چونکہ آپ مذہب کے بہت قریب ہوتے ہیں، بڑے ماننے والے لوگ ہوتے ہیں، اور ان میں بڑی محبت اور جذبہ ہوتا ہے، تو میں نے کہا، سائیں آپ یہاں کب سے ہیں۔ کہنے لگا، بابا میں تو اٹھارہ برس سے ہوں۔ تو میں نے کہا، آپ یہاں کیا کرتے ہیں۔ لگتا ہے آپ کسی خاص پروجیکٹ کے ساتھ آئے ہیں۔ کہنے لگا، ہم ایسے ہی چل کے آ گئے تھے یہاں رہنے کے لیے۔ صبح سویرے اٹھ کے منڈی میں بوجھ ڈھوتے ہیں۔ اس کے دو چار پانچ ریال مل جاتے ہیں۔ اس سے ہم اپنا روٹی کھانا کرتے ہیں۔ پھر ہم آ کے حرم میں بیٹھ جاتے ہیں اور اس پر نگاہ لگا کے بیٹھ جاتے ہیں اور اس کو دیکھتے رہتے ہیں۔ میں نے کہا تو پھر آپ جب یہاں آ جاتے ہیں اور حرم میں بیٹھتے ہیں تو آپ حرم میں کیا کرتے ہیں، یعنی ...... کہنے لگا، سائیں ہم یہاں گر پڑتے ہیں اور پھر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر گر پڑتے ہیں اور پھر اٹھ کے کھڑے ہو جاتے ہیں، اٹھارہ برس سے۔ میں نے کہا، ''بہت خوش نصیب انسان ہیں جو گر بھی پڑے اور اٹھ کے کھڑا بھی ہو جائے۔ پھر گر پڑے، پھر اٹھ کے کھڑا ہو جائے'' تو یہ بڑی برکت کی بات ہے۔ ان ماننے والے لوگوں کی جو تسلیم کر لیتے ہیں اس بات کو، جو ہمیں فریم ورک عطا کیا گیا ہے۔ وہ صحیح ہے۔ مناسب ہے اور اسی کے مطابق ہم اپنی زندگی کو بسر کریں گے۔

لیکن اس کے ساتھ انسانی کمزوری ہے۔ گرنے والا جو مقام آتا ہے تو وہ بھی ساتھ چلتا ہے۔ اُس وقت آدمی یہ ضرور سوچتا ہے کہ یہ میرے ساتھ' میرے دوستوں کے ساتھ، میرے عزیزوں کے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ساتھ کیا ہوا؟ تو اس میں عزیزانِ گرامی! زیادہ کوتاہی اس بات کی ہوتی ہے کہ انسان جو ہے وہ بڑا بے صبرا اور ناشکرا ہے، اور اس کی ایک خاصیت ہے۔ چھوٹے سے دھبے کو پھیلا کر نہ صرف اپنی زندگی پر، نہ صرف اپنے علاقے پر، بلکہ ساری دنیا پر محیط کر لیتا ہے اور خود اس کے دائرے کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔

اگر آپ غور کریں گے تو مصائب اور مشکلات اتنی ہی شدید ہوتی ہیں، جتنا کہ آپ نے اُن کو بنا دیا ہوتا ہے، اور وہ آپ کی ساری زندگی کا ایک حصہ ہوتی ہیں۔ ساری زندگی نہیں ہوتیں، بندہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ساری کی ساری میری زندگی ہے اور وہ برباد ہوگئی، تباہ ہوگئی۔ مجھے یاد آیا، آپ سے بات کرتے ہوئے ایک منگ بادشاہ کے عہد میں ایک غریب آدمی تھا۔ گاؤں کا رہنے والا۔ بہت ہی غریب آدمی تھا، لیکن تھا وہ صوفی آدمی۔ روحانیت سے اس کا گہرا تعلق تھا۔ تو اس غریب آدمی کے پاس ایک خوب صورت گھوڑا تھا، اعلیٰ درجے کا گھوڑا۔ دنیا اسے دیکھنے کے لیے آتی۔ اس نے بڑے پیار کے ساتھ اپنے گھر کے قریب ایک چھوٹا سا اصطبل بنا کے رکھا ہوا تھا۔ اس کا عشق اور کچھ نہیں تھا، اس کے پاس اور کچھ نہیں تھا۔ ایک گھوڑا ہی تھا اس کے پاس۔ بادشاہِ وقت کو پتا چلا کہ ایک گھوڑا اس کے پاس ہے جو کہ بہت اعلیٰ درجے کا ہے تو یہ حاصل کرنا چاہیے۔ تو بادشاہ اپنے حواریوں کے ساتھ امیروں، وزیروں کے ساتھ اس کے پاس آیا۔ کہنے لگا، ''اے فقیر مانگ کیا مانگتا ہے اس گھوڑے کے بدلے؟'' اس نے کہا، ''حضور یہ بکاؤ مال نہیں ہے۔ یہ شوق سے رکھا ہوا ہے۔ یہ بیچا نہیں جا سکتا۔ یہ تو بیچنے والی چیز ہی نہیں ہے۔'' اس نے کہا، نہیں ہم تجھے منہ مانگی قیمت دیں گے۔ اس نے کہا، نہیں جی میں نے بیچنا نہیں ہے۔ اس نے کہا، پھر غور کر لے۔ ہم تجھے ایک پرگنہ ایک ریاست دیں گے۔ اس کے بدلے تو ہمیں یہ گھوڑا دے دے۔ وہ پھر بھی نہیں مانا۔ ضدی آدمی تھا۔ سودا چلتے چلتے معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ اس نے کہا، ''آدھی سلطنت لے لے، گھوڑا مجھے دے دے۔'' اس نے کہا، ''جنابِ عالی! میں نے بتایا کہ اس کا مول کوئی نہیں ہے۔ اگر یہ بکنے والی چیز ہوتی تو میں دے دیتا آپ کو، لیکن یہ بکنے والی چیز نہیں ہے۔'' تو اس نے کہا، اچھا تیری مرضی۔ جب بادشاہ چلا گیا تو گاؤں کے لوگوں نے کہا تو کتنا نالائق، بے وقوف اور کتنا جاہل ہے کہ بادشاہِ وقت تیرے پاس آیا۔ اس نے آدھی سلطنت آفر کی۔ اگر ظالم تجھے مل جاتی تو ہم بھی مزے کرتے۔ سارے گاؤں کے مزے ہوتے۔ تو ہمارا بادشاہ ہوتا۔ ظالم تو نے یہ کتنی بڑی حماقت کی ہے۔ کتنی بڑی خوش نصیبی کو گھر آئے، دھکا دے دیا، باہر پھینک دیا۔ تو اس نے کہا، وہ عجیب و غریب آدمی تھا۔ کہ میرا گھوڑا ہے۔ اس نے اس کا مول لگایا، میں نے نہیں دیا۔ اس میں خوش نصیبی یا بدنصیبی کی کیا بات ہے۔ یہ تو میری زندگی ہے۔ میرا گھوڑا ہے۔ خوش نصیبی تم کدھر سے نکال رہے ہو۔ میں نہیں دیتا۔ انہوں نے کہا تو ضدی آدمی ہے۔ تو شروع ہی سے ایسا ہے اور تیرا مزاج ہی ایسا ہے۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تھوڑے عرصے بعد کیا ہوا۔ صبح اٹھا چارہ ڈالنے کے لیے تو وہاں دیکھا کہ اصطبل میں گھوڑا نہیں تھا۔ اصطبل خالی تھا۔ گاؤں کے لوگ آئے، روتے پیٹتے۔ کہنے لگے ہمارے گاؤں کا حسن تباہ ہو گیا۔ تجھ سے کہا تھا نا کہ بادشاہِ وقت کے ساتھ زور آزمائی نہیں کرتے۔ تیرا گھوڑا تیرے پاس نہیں رہا۔ تیرے ساتھ بڑا ظلم ہوا تو تباہ ہو گیا، برباد ہو گیا۔ اس نے کہا، میں کہاں سے تباہ ہو گیا۔ کہاں سے برباد ہو گیا۔ ایک گھوڑا تھا، چھوٹی سی چیز تھی۔ میری زندگی تو بہت بڑی ہے۔ یہ اس کا ایک حصہ تھا۔ حصے کے اوپر میری ساری زندگی کو کیوں پھیلا کر کہہ رہے ہو، کہ چونکہ تمہارا گھوڑا چلا گیا، اس لیے تم برباد ہو گئے۔ معمولی سی بات ہے۔ انہوں نے کہا، نہیں تو بے وقوف آدمی ہے۔ تجھے اللہ نے عقل ہی نہیں دی۔

وہ پھر واپس چلے گئے۔ کوئی ایک مہینا گیارہ دن کے بعد اس کا گھوڑا ہنہناتا ہوا واپس آ گیا۔ اس کے ساتھ گیارہ نئے جنگلی گھوڑے تھے۔ وہ کہیں بھاگ گیا تھا جنگل میں، اور جنگل میں جا کر انہیں سیٹ کرتا رہا اور وہ سارے اس کے عشق میں مبتلا ہو گئے۔ تو گیارہ گھوڑے نئے 'اعلیٰ درجے کے ساتھ لے کر آ گیا۔ جب اس نے دیکھا تو بڑا خوش ہوا۔ انہوں نے رسے ڈال کر سب کو وہاں کھڑے کر دیا۔ گاؤں کے لوگ آئے۔ انہوں نے کہا "تو بڑا خوش نصیب ہے۔ تیرا گھوڑا کھو گیا تھا اور دیکھ تجھے کمال کی چیز لا کر دی۔" اس نے کہا، میری کہاں خوش نصیبی ہے۔ گھوڑا تھا، چلا گیا تھا۔ واپس آ گیا۔ تو میری ساری زندگی کچھ اور ہے، اور تم ایک واقعہ پکڑ لیتے ہو۔ تم اتنے نالائق لوگ، سمجھتے نہیں ہو۔ تم آ کر کہتے ہو، کیا خوش نصیبی ہے۔ وہ جو گھوڑے جنگل سے آئے تھے اور وہ جنگلی گھوڑے تھے۔ اب ان کو سدھانا بڑا مشکل کام تھا۔ تو اس آدمی کا ایک اکلوتا بیٹا تھا۔ بہت پیارا، جی جان سے عزیز تھا۔ ایک باپ تھا، ایک بیٹا تھا۔ اس نے کہا، باپ یہ جنگلی گھوڑے ہیں۔ میں ان کو سدھاؤں گا۔ بریک اِن کروں گا ان ہارسز کو۔ چنانچہ اس نے ایک کو رسہ پھینک کر پکڑا۔ پکڑ کر اس کے منہ میں لگام دے کر اس کے اوپر چڑھا۔ چڑھ کے سب سے صحت مند جنگلی منہ زور گھوڑے کو سدھانے کی کوشش کی۔ اس کو لے کر گیا۔ بھگایا' جنگل میں چکر لگایا۔ دوسرے دن پھر جب اس پر چڑھا تو گھوڑے سے گر گیا اور اس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی، اور زمین پر تڑپنے لگا۔ اس کا باپ آیا، اس کو اٹھا کر لے گیا گھر۔ گاؤں کے لوگ روتے پیٹتے آئے، تیری بدقسمتی ہے۔ تیرا ایک ہی بیٹا تھا تُو تو مارا گیا۔ تباہ ہو گیا۔ برباد ہو گیا۔ ہم تو رونے، سیاپا کرنے آئے ہیں۔ اتنا جواں سال بیٹا اس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اب یہ تیرے کسی کام کا نہیں رہا۔ اس نے کہا، بھائی اس میں میری بدقسمتی کدھر سے آ گئی۔ یہ میری زندگی کا ایک حصہ ہے۔ ایک بیٹا ہے۔ بیٹے کی ران ٹوٹ گئی ہے۔ مشکل آئی ہے تو ٹھیک ہے۔ تم مجھے سارے کے سارے کیوں کہہ دیتے ہو کہ تُو تو مارا گیا، تُو تو برباد ہو گیا۔ تیرے گھر میں تو بدنصیبی آ گئی ہے۔ تاؤ ایک مذہب ہے۔ اس کے پیروکار بڑے وحدانیت کے قائل ہوتے ہیں۔ One ness کے ماننے والے۔ تو یہ جو ٹوٹے آتے ہیں، ان کو نہیں مانتے۔ پوری زندگی کو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مانتے ہیں اب وہ بدنصیب باپ اور بدنصیب بیٹا اوران کے بارہ گھوڑے رہ گئے۔

تھوڑے دنوں کے بعد بادشاہ کی قریبی ہمسایہ بادشاہ سے جنگ لگ گئی اور گھمسان کا رن پڑا۔ جنگ طول اختیار کر گئی تو بادشاہِ وقت کو جبری بھرتی کی ضرورت پڑی۔ اس نے ڈنکا بجادیا گاؤں گاؤں میں ڈونڈی پھیر دی اور جو نوجوان بچے تھے، ان کی زبردستی جبری بھرتی کے لیے وہ گاؤں میں آ گئے۔ جتنے خوب صورت تگڑے مضبوط بچے تھے، ان کو کان سے پکڑ کر جنگ میں لے گئے۔ اس کے بیٹے کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی، وہ کسی کام کا ہی نہیں تھا وہ اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ گاؤں کے لوگ اس کے پاس آ کر کہنے لگے، یار ہمارے تو پیارے بیٹے تھے، سب کو ہانک کر لے گئے۔ تو بہت اچھا رہا، خوش قسمت ہے۔ اس نے کہا، یار تم بندے اس قابل نہیں ہو کہ تمہارے ساتھ رہا جائے۔ یہ گاؤں ہی نالائق لوگوں کا ہے جو زندگی کے ایک چھوٹے سے حصے کو ساری زندگی پر پھیلا کر اس کا نتیجہ نکال دیتے ہیں۔ تو میں معافی چاہتا ہوں۔ میں تمہارے درمیان نہیں رہوں گا اور میری اور تمہاری جدائی ہے۔

چنانچہ وہ اپنے گھوڑے اور بیٹا لے کر کسی اور گاؤں چلا گیا۔ اس کا یہ فلسفہ چینی فلسفہ ہے۔ دائرے کا ایک بہت بڑا حصہ بنا کر زندگی کو سمجھنے اور جانچنے کے لیے اور اس کو آنکنے کے لیے، ایک قتالے کر اس کا دائرہ کار طے کرنے کے لیے۔ کبھی مت کہیے۔ آپ کی زندگی میں اگر کوئی برا واقعہ ہوا ہے۔ کوئی ایک دھبا آیا ہے کہ وہ ساری کی ساری آپ کی زندگی پر محیط ہو گیا ہے لیکن انسان کا یہ خاصا ہے کہ جب ذرا سی تکلیف پڑتی ہے تو وہ چیختا چلاتا ہے۔ جب ذرا سی خوشی کا لمحہ آتا ہے وہ اس کو بھی پھیلاتا ہے کہ میں سارے کا سارا خوش ہو گیا۔ حالانکہ اس میں خامیاں، کمزوریاں، کوتاہیاں بدستور موجود ہوتی ہیں۔ باوجود اس کے کہ خوشی کا لمحہ آ گیا ہو۔

مجھے آپ سے بات کر کے اچانک یاد آیا۔ میرا پوتا چھوٹا، وہ آ رہا تھا، گھبرایا ہوا تھا۔ میں نے اسے گود میں اٹھا کے بازو پر بٹھایا۔ میں نے کہا، دیکھو یار کیسا اچھا موسم ہے ذرا دیکھ باہر نکل۔ اُس دن موسم بہت اچھا تھا۔ ہمارے بڑے بڑے شیشے تھے۔ آگے درخت لہلہا رہے تھے۔ پودے لگے ہوئے تھے بانس کے، جو زیادہ خوب صورت لگتے تھے۔ کالے سیاہ بادل تھے۔ ان کے اندر سے بادلوں کی قطاریں جا رہی تھیں۔ میں چاہتا تھا کہ میرے پوتے کو حسن و جمال میں دلچسپی ہو۔ وہ دیکھے اور اس کو پسند کرے بجائے اس کے کہ، وہ لکڑی کے اور پلاسٹک کے واہیات کھلونوں سے کھیلے، جن میں زیادہ قاتل اور حملہ کرنے والے ہیں۔ پتا نہیں، آج کل ان کو کیا کہتے ہیں، عجیب و غریب۔ اُن سے کھیلتا رہتا تھا۔ جب میں نے اسے گود میں اٹھا کر کہا، دیکھو باہر کا منظر اور اس کا حسن' یہ بادل اور پرندے اور یہ درخت اور یہ لہلہاتی شاخیں، تو وہ بالکل نہیں دیکھ رہا تھا اور گھٹن سی اس کے اندر ہے، اور ایک ہی جگہ اس کی نگاہیں مرکوز ہیں، اور گھبرایا ہوا ہے، اور میری گود میں چڑھا ہوا ہے۔ میں نے جب اس کی نگاہوں کو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

غور سے دیکھا تو وہ شیشے کے پار ہی نہیں جا رہی تھیں۔ میں نے کہا، یہ کیا مسئلہ ہے۔ اتنا معصوم بچہ اور یہاں پر پھنسا ہوا ہے۔ تو خواتین و حضرات! میں نے یہ دیکھا کہ وہ جو بڑا سا شیشہ، جس میں سے میں اُسے جمال اور خوب صورتی سے متعارف کروا رہا تھا، اس شیشے کے ساتھ ایک مری ہوئی مکھی چپکی ہوئی تھی۔ مرگئی ہوگی کب کی۔ جیسے ہم کہتے ہیں چپی چپی لگی ہوئی تھی۔ اس نے سب کچھ چھوڑ کر ساری کائنات چھوڑ کر سارا حسن و جمال چھوڑ کر اپنی نگاہیں اس چپی چپی پر مرکوز کی تھیں، اور منہ بسور کے بیٹھا ہوا تھا کہ یہ دنیا جو ہے ساری کی ساری، چپی چپی ہے، اور مری ہوئی مکھی ہے اور نالائق چیز ہے اور میں ان ساری چیزوں سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا جن سے میرا دادا کرنا چاہتا ہے۔

تو جب مشکلات اور مصیبتیں آتی ہیں، تو اگر آپ ان کو غور سے دیکھیں کہ ان کا ایک حصہ بالکل چھوٹا سا فریکشن، آپ کی زندگی پر اثرانداز ہوتا ہے لیکن ہم نے وہ دھبا پھیلا کر اتنا وسیع تر کرلیا ہوتا ہے کہ پھر وہ اپنے ہمارے اختیار میں نہیں رہتا، اور وہ پھر پھیلا ہوا دھبا ہمارا حکمران بن جاتا ہے، اور جہاں جہاں چاہتا ہے، ہم کو اٹھائے پھرتا ہے۔ جیسا کہ میں نے پچھلی مرتبہ کہا، اگر اللہ کی ذات اور اس کے افعال کو جاننے کی آرزو ہے تو پھر اس کے احکام کے اندر داخل ہونا پڑے گا، اور اس فریکونسی کو حاصل کرنا پڑے گا جس فریکونسی کو پکڑ کر اچھی طرح سے اختیار کر کے ہم ان افعال کو سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مایوسی

یہ جو مایوسی کا بھنور ہوتا ہے۔ یہ بڑا ظالم گرداب ہوتا ہے۔ اس کے کنارے کنارے پر آدمی گھومتا رہے تو بچنے کی کچھ امید ہوتی ہے۔

لیکن جب بہت گہرا اتر جائے تو پھر بچنے کی کوئی آس باقی نہیں رہتی۔ میں ابھی ایک ایسی محفل سے اٹھ کر آیا ہوں جہاں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنے موجودہ حالات پر تبصرہ کر رہے تھے، اور ان کے اندر مایوسی اور ناامیدی کی ویسی کیفیت پیدا ہو گئی تھی جیسی کہ کسی زمانے میں جب ہم ان کی عمر میں تھے، ہمارے اندر پیدا ہوئی تھی۔ ہمارے زمانے میں چونکہ کوئی Psychiatrist، کوئی ڈاکٹر، کوئی ماہرِ نفسیات نہیں تھے، اس لیے ہم اپنے دکھ کا مداوا کرنے کے لیے ان بڑوں کی طرف بھاگتے تھے جن کے پاس کوئی ایسا پوشیدہ نسخہ ضرور موجود ہوتا تھا، جس کو آپ ہمارا ''بابا'' کہہ لیں، تو وہ ہماری مشکلات کے حل ڈھونڈ کر ہمیں دے سکتے تھے۔ جب ہم بابوں سے پوچھتے تھے کہ آپ ایسا نسخہ کہاں سے حاصل کرتے ہیں؟ تو وہ کہتے تھے کہ آپ بھی یہ فن، طبِ روحانی کا علم سیکھ سکتے ہیں کیونکہ نسخہ سائل کے پلے بندھا ہوا ہوتا ہے۔ اس کو صرف کھولنا ہوتا ہے اور اس کے حوالے کر دینا ہوتا ہے۔ آدمی اس کے ساتھ جھگڑا کرتا ہے، تکرار کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ڈائیلاگ میں شریک ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے پلو میں بندھا ہوا نسخہ کھولنا مشکل ہو جاتا ہے، اور اس کا پھر کوئی علاج نہیں ہو پاتا۔ ہم بڑی گہری مایوسی کے دور سے گزر رہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا، آپ کو کم از کم مایوس ہونے کا اور ناامید ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ لوگ جو آپ سے پہلے گزر گئے یا جن کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہا، جن کے بارے میں لوگ جانتے نہیں ہیں یا جن کا صفحۂ ہستی پر کوئی مواد تحریر نہیں، ان کو تو مایوس ہونے کا حق ہے، لیکن آپ کو حق نہیں ہے۔ میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ آپ جو ہیں، آپ کے جو بڑے پردادا تھے وہ پورس کی فوج میں ملازم تھے اور وہ سکندرِ اعظم سے لڑے، اور انہوں نے بڑی دادِ شجاعت دی اور ان کا ایک بازو کٹ گیا، لیکن زندہ و سلامت گھر پہنچے، اور ان کے گھر جو بیٹا پیدا ہوا، اور اس کٹے ہوئے بازو والے سورما

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کے گھر میں جو کہ آپ کا جڑ دادا تھا، وہ اس دنیا میں آیا اور زندہ رہا، سلامت رہا۔ اس کی نسل آگے چلی اور جو آپ کا سکڑ دادا تھا، وہ پانی پت کی دوسری لڑائی میں شامل ہوا۔ اور خوب بے جگری کے ساتھ لڑا اور فاتح ہو کے واپس آیا، لیکن اس کے گھر جو بچہ پیدا ہوا، وہ جوان، توانا، خوب صورت تھا، اور وہ طاعون کے ہاتھوں مارا گیا، لیکن اس کے گھر ایک بچہ پیدا ہو چکا تھا، جو آگے بڑھتا پھلتا پھولتا رہا، اور آپ کے اس جڑ دادا کے متوازی ایک اور آپ کا کھگر نانا تھا جس کے گھر ایک عورت، بیٹی پیدا ہوئی جس کی شادی اس پورس والے سے ہوئی۔ ایک سسٹم بنا کے لا رہے ہیں۔ کہتے ہیں قدرت گھیر گھیر کے اُن کو زندہ و سلامت رکھ رکھ کے آپ کو یہاں تک اس ڈیٹ تک لائی ہے، اور وہ لوگ جو قدرت کو منظور نہیں تھے جنہیں وہ زندہ نہیں رکھنا چاہتا، وہ پیدا ہونے سے پہلے ہی نیست و نابود ہو گئے۔ ان کے والدین پہلے مر چکے تھے، ختم ہو چکے تھے۔ نابود ہو چکے تھے۔ آپ جو اس دنیا میں میرے سامنے موجود ہیں' تو آپ نہایت محترم، نہایت اعلیٰ نہایت سپیریئر نہایت Strong نہایت Important لوگ ہیں۔ ورنہ قدرت ایسی غلطی ایسی حماقت کبھی نہ کرتی، اور آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔ آپ مایوس ہوں' اور اس نعمت کا شکریہ اس طرح سے ادا کریں جیسے کہ آپ کرتے ہیں۔

ہمارے لیے یہ بڑی حیرانی کی بات تھی۔ انہوں نے کہا آپ اتنی ارفع قوم ہیں، اور آپ کے ارد گرد چلنے والا یہ تانگے والا، یکے بان، ویلڈنگ کرنے والا، یہ ترکھان، یہ لوہار، یہ پروفیسر، یہ ڈاکٹر یہ سارے کے سارے اگر یہ موجود ہیں' اگر آج ہیں' تو قدرت چھانٹ چھانٹ کر ان کو لائی ہے' اور کچھ لوگوں کو اپنی چھلنی میں سے گزارتے ہوئے لے آئی' تو آپ کیسے مایوس ہو گئے۔ بڑی بے حیائی کی بات ہے کہ اگر آپ مایوسی میں' ناامیدی میں' یا نامرادی میں داخل ہوں۔ ہم نے کہا، لیکن ہم تو ہو جاتے ہیں، اور کوئی لمحہ ہم پر ایسا نہیں گزرتا کہ ہم مایوس نہ ہوں، گھبرائے نہ ہوں۔ باوجود اس کے کہ اللہ بار بار فرماتا ہے۔ میری رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ اس میں بڑا کوئی راز ہے تو فرمایا ہے، فرمانے والے نے کہ چونکہ آپ کی زندگیوں میں خواہش، آرزو، Desire اتنی گہری اتر چکی ہے کہ آپ سوائے مایوسی کی بیٹری کا چارج لینے کے، اس Desire کو رکھ لیتے ہیں، کیونکہ ہر لمحہ آپ کے اندر کسی نہ کسی شے کی خواہش پیدا ہوتی ہے، اور وہ ختم نہیں ہوتی۔ اس لیے آپ مایوسی کے ساتھ چلیں گے۔ جب خواہش کم ہوتی چلی جائے گی، اور آپ کی وہ جائز Desires آپ کے ساتھ رہیں گی، وہ خواہشیں رہیں گی، وہ آرزوئیں رہیں گی جو کہ رہنی چاہئیں پھر آپ کو کبھی مایوسی نہیں ہوگی۔ آپ ایسے ہی پھریں گے جیسے ایک بلبل ہوتا ہے' جس طرح ایک چڑیا چہچہاتی ہے۔ آپ کو پتا ہے، بابے کہتے ہیں کہ بلبل کو پتا نہیں ہوتا کہ موت آرہی ہے۔ وہ گانا گا رہی ہوتی ہے، اور موت آجاتی ہے۔ آپ ہر روز مرتے ہیں' ہر روز خوف زدہ ہوتے ہیں۔ خوف کے مارے آپ کا دم وقت سے پہلے ہی نکلا ہوتا ہے،

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بلکہ "Every moment every day you keep on them" چڑیا کو اس کا نہیں پتا' گھوڑے کو نہیں پتا' شیر کو نہیں پتا۔ وہ بڑے مزے سے آزادی کے ساتھ چلے جاتے ہیں، کیونکہ ان کے اندر یہ Desire نہیں ہے جو ہمارے اندر اشتعال پیدا کرتی ہے۔ یا ہمارے اندر تصویر پیدا کرتی ہے۔ تصویر ہمارے ہاں منع ہے، اور عام طور پر سمجھ دار سیانے' بڑے کہتے ہیں۔ یہ کیوں منع ہے؟ تصویر آپ کے اندر خواہش، اور انگیخت پیدا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ مجھ سے پوچھتے ہیں میرے بچے کہ بابا تصویر اگر آپ کہتے ہیں، نہیں چاہیے۔ تو ہم پاسپورٹ پر کیا لگائیں گے؟ میں نے کہا، وہ تصویر نہیں ہے۔ وہ تمہارے دستخط ہیں، وہ تمہارے تصویری دستخط ہیں۔ یہ وہ تصویر نہیں ہے جو ان رسالوں میں چھپتی ہے جن کا میں نام نہیں لینا چاہتا۔ وہ تصویریں آپ کو بہت مایوس کرتی ہیں۔ بہت خرابیاں گناتی ہیں۔ اگر ان سارے رسالوں سے جو آپ بھی جانتے ہیں، میں بھی جانتا ہوں۔ آپ کے گھروں میں بھی ہیں، میرے گھر میں بھی ہیں، پڑے ہوئے ہیں۔ بہت بہت رنگین چیزیں اُن میں ہوتی ہیں۔ ایک لمحے کو سوچئے ان میں رنگین تصویر بھی نکل گئی، اور صرف متن رہ گیا تو آپ کی زندگیوں میں سے میری کیلکولیشن (Calculation) کے مطابق' میری سوچ کے مطابق' آپ کی زندگیوں میں سے 50' 60 فیصد نا امیدی اور مایوسی کم ہو جائے گی۔

خیر یہ بات عرض کر رہا تھا۔ میں نے کہا، ہمارے ساتھ اتنی ساری کالک کیوں لگ جاتی ہے۔ جب ہم اٹھتے ہیں تو اندر باہر کالک لگی ہوتی ہے۔ کہنے لگے اس کالک کو دور کرنے کا فن آپ کو آنا چاہیے۔ اس کے سیاہ دھبے زندگی کے اوپر حاوی ہوتے رہتے ہیں۔ کس طرح سے؟ مجھے یاد ہے میرے بچپن میں، آپ نے بھی محلوں، گلیوں میں وقت گزارا ہو گا' ہمارے محلے میں دیگچیاں قلعی کرنے والا ایک شخص آیا کرتا تھا۔ وہ عین گلی کے اندر اڈا جما کے گیلی مٹی لگا کے دھونکنی فٹ کر کے اپنے چمڑے کو باندھتا۔ وہ ایک عجیب نظارہ ہوتا تھا، ہم سکول جانے کے بجائے اس کے گرد کھڑے ہو جاتے۔ کالی سیاہ دھونکنی۔ کوئی دیگچی جن کی شکل دیکھنا آپ گوارا نہیں کرتے، ان کو ذرا سا دھو کر کوئلوں کے اوپر لٹا کر سوکھنے دیتا۔ دھونکنی سے ہوا دے کر وہ قلعی کے ساتھ قلعی کی ایک جھریٹ (خراش) دیتا تھا، اور اس کے پاس ایک لوگڑ ہوتا تھا جس کو نوشادر کے ساتھ لگا کر وہ اس کا ما نجھا دیتا تھا، اور وہ دیگچی دیکھتے دیکھتے بقعہ نور بن جاتی، اور جی چاہتا تھا کہ آدمی اس کو دیکھتا رہے، اور دیر تک دیکھتا رہے۔ ہماری ساری کالک جو ہے، وہ یوں دور ہو سکتی ہے کہ میں کہوں، اے اللہ میں اس سیاہی کو شکریہ کے برش کے ساتھ، اور شکر گزاری کے لوگڑ کے ساتھ، جس کے ساتھ نوشادر لگا ہے میری تسلیم و رضا کا، میں اس کو چمکا سکتا ہوں، اور میں ان کو اس جگہ پر رکھ سکتا ہوں، جہاں پر، اور چیزیں رکھی جاتی ہیں۔ لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ انسان بہت کچھ جاننے کے باوصف شدید احساسِ کمتری میں رہنا پسند کرتا ہے۔ میں، اور آپ، اور ہمارے ساتھی جو زندہ و سلامت ہیں' جن کو احساسِ کمتری میں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اترنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا' جو احساس کمتری میں خود اترتے چلے جاتے ہیں۔ کچھ خواہشیں پوری ہوتیں، کچھ نہیں پوری ہوتیں، اور زیادہ بھی آدمی پوری نہ کر سکے تو کوئی بات نہیں، لیکن تھوڑا سا مسکرا تو سکتا ہے۔ مثلاً آپ بہت اعلیٰ درجے کے صابن سے نہیں نہا سکتے تو لال صابن ہے نا تو اس سے نہا سکتے ہیں۔ اس میں کوئی ایسی خرابی کی بات نہیں ہے، لیکن جب آدمی مجبور کرتا ہے، اور اس کے ساتھ والے مجبور کرتے ہیں کہ دیکھو تمہارے پاس یہ ہے۔ اس نے کہا، تم تو کنگلے ہو۔ وہ ڈرتا رہتا ہے، کانپتا رہتا ہے، خوف زدہ رہتا ہے۔ حالانکہ اس کے پاس، بہت ساری صلاحیتیں ہوتی ہیں جن کو سہارا بنا کر وہ بڑی آسانی کے ساتھ ان لوگوں کو منہ توڑ جواب دے سکتا ہے۔ اپنے وجود سے' اپنے ہونے سے اپنی Entities سے۔ کہ دیکھیے! یہ بات میں قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں جو آپ کرتے ہیں۔ اب میں جانتا ہوں، زندگی میں، مایوسی میں، ناامیدی میں اگر بہت زیادہ تاریکی ہے۔ اگر ہم یہ پروگرام دیکھیں اور اس کے بعد سو جائیں گے۔ پھر ایک بڑی کالی سیاہ رات ہم پر چھا جائے گی، اور پھر اس تاریک سیاہ کالی رات کے اس کنارے سے اُس کے کنارے سے اندر سے روشنی کی ایک کرن پھوٹے گی۔ وہ روشنی کی کرن ابھی پہنچی نہیں ہوگی کہ میرے گھر کے پاس نیم کے درخت میں ایک بلبل گھونسلے میں بیٹھی ہے۔ وہ اپنی گردن پیچھے اکڑا لے گی۔ ابھی روشنی نہیں پہنچی، اور وہ چہچہانا شروع کر دے گی۔ پتا نہیں اُس کا کیا کنکشن ہے اس کے ساتھ۔ میں اکثر غور سے دیکھتا ہوں۔ ابھی روشنی آئی نہیں ہے لیکن وہ بدبد ہے، وہ بڈھا ہو گیا ہے۔ پاکیزہ، نیک لمبی چونچ والا گردن کو پیچھے کھینچتا ہے، اور اس کے بعد چہچہانا شروع کر دیتا ہے۔ اس کی چہچہاہٹ کے ساتھ ہی پھر اس کے دوسرے ساتھی ویسے ہی شریک ہو جاتے ہیں چہچہانے میں۔ جیسے مایوس آدمی کی محفل میں بیٹھے' ہوئے لوگ بھی ناامیدی مایوسی کے گہرے سمندر میں اترنا شروع کر دیتے ہیں، لیکن اگر آدمی تگڑا ہو، اور یہ سمجھے کہ میں اتنا لمبا سفر طے کر کے' اتنی مشکلات سے اتنی بیماریوں کو پھلانگتا ہوا' سمندروں کو عبور کرتا ہوا پہاڑوں کو چیرتا ہوا' بے شمار جنگوں میں شریک ہوتا ہوا' نسل در نسل پیڑھی در پیڑھی یہاں تک پہنچا ہوں تو میں نہایت اہم ہوں۔ میں نہایت قیمتی چیز ہوں۔ میں اور آپ یقین کریں، اور جتنے آدمی آپ بھی بیٹھے ہیں، اور آپ جو اس پروگرام کو دیکھ رہے ہیں، اتنے قیمتی ہیں۔ آج اگر آپ کاغذ لے کر Calculate کریں تو اپنے فیملی شجرہ نسب نامہ ہونے کے باوصف پیچھے چلتے جائیں تو پھر آپ کو پتا چل جائے گا کہ آپ کتنے اہم ہیں۔

ہمارے وہاں روم کے پاس ایک جھیل تھی' "لاگو براشانو" اسے کہتے تھے۔ بڑی خوب صورت جھیل تھی۔ لوگ وہاں سیر و تفریح کے لیے جاتے تھے۔ ہم کو بھی جب دو تین چھٹیاں اکٹھی ہوتی تھیں تو وہاں پہنچ جاتے تھے۔ ایک دن موسم گرما میں بڑی اچھی ہوا چل رہی تھی۔ بہت سے لوگ وہاں آئے ہوئے تھے اور اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ آپ جانتے ہیں اٹالین لوگ بہت موج میلا کرتے ہیں۔ ایک

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نوجوان تھا، بڑا اچھا خوب صورت سا۔ وہ کشتی کے چپوار پر چڑھ کے کچھ ڈانس سا کرنے لگا۔ کشتی ڈگمگائی، اور ڈولی، اور وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ جھیل میں گر گیا۔ اب اس کو تیرنا نہیں آتا تھا تو اس نے چیخیں مارنا شروع کر دیں۔ اس کو میں نے بھی دیکھا لیکن ہم لوگ زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں۔ بھئی خطرے کا معاملہ ہے، ہم اس میں خوامخواہ کیوں پڑیں تو میرے ساتھ باسٹھ تریسٹھ سال کا ایک بڈھا آدمی بیٹھا تھا۔ میں اس وقت نوجوان تھا۔ میری 27 برس عمر تھی۔ اس نے کوٹ اتارا، اپنی پتلون سمیت، اور بوٹوں سمیت اس نے چھلانگ لگا دی، اور میں نے اپنی چالاکی لوگوں کو دکھانے کے لیے اپنے بوٹ کے تسمے کھولنے شروع کر دیے تاکہ تھوڑی سی شمولیت میری بھی رہے۔ لوگ کہیں گے اچھا آدمی ہے، لیکن مجھ سے بوٹ کے تسمے کھل نہیں سکے۔ اس نے اس کو جا کر پکڑا۔ الحمد للہ اس کا سر وغیرہ اندر نہیں گیا تھا، بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ اس کو ٹھوڑی کے نیچے دیتے ہوئے وہ بابا تیرتا ہوا اُس کو کشتی کے پاس لے آیا، اور لا کر اس کو سہارے سے کشتی میں داخل کر دیا اور بیٹھ گیا۔ ہم نے بڑے زور زور سے تالیاں بجائیں۔ اب وہ جو گرنے والا تھا' وہ بڑا شرمندہ ہوا، اور پریشان بھی تھا۔ خوفزدہ بھی تھا، تو اس نے بڑی دبی ہوئی مری ہوئی آواز میں کہا، میں آپ کا بڑا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں بہت ممنون ہوں کہ آپ نے اتنی بڑی فیور کی ہے۔ مجھے بچایا۔ تو اس بابے نے کہا، No' No' No۔ یہ کیا بات تم نے کی، کچھ نہ کہو مجھے۔ اس میں شکریہ ادا کرنے کی کیا بات ہے۔ تم ہو ہی اتنے قیمتی کہ جب گرتے کوئی بھی تمہیں بچاتا۔ اس میں کیا بات ہے شکریہ ادا کرنے کی۔ تو مجھے آج آپ سے باتیں کرتے ہوئے یہ واقعہ یاد آ گیا، تو وہ بابا بیٹھ کے آرام سے اپنے کپڑے سکھاتا اور نچوڑتا رہا۔ اپنا Underwear (زیر جامہ) اور بوٹ کھول کے سکھاتا رہا۔ تو جب آپ کے ذہن میں یہ بات طے پا جائے کہ ہم جب اتنا لمبا سفر طے کر کے یہاں پہنچے ہیں۔ کسی بھی صورت میں کسی بھی حالت میں کسی بھی صحت کے ساتھ کسی بھی شکل کے ساتھ کسی بھی رنگ وروپ کے ساتھ تو پھر ہم اہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کی بڑی توقیر فرمائی ہے، اور بہت عزت عطا کی ہے۔ یہ غالباً شیطان ہے جو آدمی کو مایوس کرتا رہتا ہے، اور وہ بہت ٹھیک ٹھیک اس میں کامیاب بھی ہوتا ہے لیکن اگر آدمی کو اپنے آج کے اوپر پورا بھروسا ہو، اگر وہ آج سے اپنے صبحانے (آنے والا کل) اپنے اپنے Tomorrow کو، اپنی گرفت میں اچھی طرح لینے کی صلاحیت رکھتا ہو، پھر اس پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے۔ مجھے صبحانے کا لفظ اس لیے پسند ہے کہ میں سندھ سے بہت پیار کرتا ہوں۔ سندھ ہمارا ایک بہت پیارا صوبہ ہے۔ اس کے لوگ بڑے پیارے میٹھے لوگ ہیں۔ اچھے سائیں لوگ گانے بجانے والے اداب کرنے والے۔ میں نے وہاں بڑا وقت گزارا ہے۔ تھرپارکر میں، میں انہیں آج بھی یاد کرتا ہوں۔ میرے دوست جو مکھی نہال چند پتا نہیں کیسے ہوں گے' کا پیٹری خان تھے۔ انہوں نے مجھے بڑی محبت دی۔ میں اس کا بدلہ نہیں دے سکتا۔ میں کبھی کبھی ایسے الفاظ ڈھونڈ ھ کے استعمال کرتا ہوں۔ ''صبحانے''

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ایک لفظ ہے۔جس کے معنی ہیں آنے والی کل۔ ہمارے پاس چونکہ نہیں ہے اردو میں۔ میں صبحانے لفظ استعمال کرتا ہوں۔ آنے والی کل میں،اور یہ اپنے جلو میں،اور اپنی جھولی میں بہت ساری خوشیاں' ڈھیر ساری نعمتیں لے کر تیار رہتی ہے لیکن اگر آدمی صبحانے سے' آنے والی کل سے خوف زدہ ہو جائے تو اس کی جھولی میں وہ کچھ نہیں پڑتا جو کچھ پڑنا چاہیے۔ میں ابھی یہاں آنے سے پہلے ایک بڑا اچھا سا سیب کھا رہا تھا سیب کھا چکنے کے بعد بڑی براق اور سفید طشتری میں اس کا ایک بیج' سیب کا بیج بڑا چمکدار سا ہوتا ہے، مجھے بڑا اچھا لگا۔ میں اسے بڑے غور سے دیکھنے لگا تو میں نے کہا، دیکھو بی بی یہ تو بیج ہے۔ اس میں صبحانے کا سیب پوشیدہ ہے۔ ایسی بات کر رہا تھا۔ وہ کہنے لگی، آپ کون سے سیب کی بات کر رہے ہیں۔ اس بیج میں تو تین چار سو سیب پوشیدہ ہیں، یہ آپ کس سیب کی بات کر رہے ہیں۔ میں نے کہا یہ اچھی بات ہے کہ اس آنے والی کل کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے۔ اور مایوسی کی بات یہ ہے کہ اس میں سے نکلنے کے لیے بہت ساری چالاکیاں اختیار کی جا سکتی ہیں، اور میں یہ سمجھتا ہوں، اور میرے بابوں نے یہی بتایا ہے کہ اگر آپ اپنی خواہش کو، اپنی تمنا کو اپنی آرزوؤں کو، ذرا سا روک سکیں، جس طرح آپ اپنے پیارے ڈوگی کو کہتے ہیں، تم ذرا باہر دہلیز پر ٹھہرو، میں اپنا کام کرتا ہوں۔ پھر میں تمہیں لے کر چلوں گا۔ تو Desire کو سنگلی ڈال کر چلیں، اور Desire کو جب تک آپ پیار نہیں کریں گے، کتے کی طرح سنگلی ڈال کر سیر نہیں کروائیں گے، اسے نچائیں گے نہیں' اس کو گلستان کی سیر نہیں کروائیں گے، وہ چمٹ جائے گی۔ آپ اس کے ساتھ ڈیچ رہیں۔ ایک آپ، اور ایک آپ کے محبوب کے درمیان ایک چھوٹی سی سنگلی ہوتی ہے، اور ایک عجیب طرح کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ کی Desire کے، اور آپ کے درمیان ایک فاصلہ ہونا چاہیے۔ اس کو کھلائیں، ساتھ ساتھ رکھیں، لیکن Desire کو اپنے اوپر حاوی نہ ہونے دیں۔ یہ سب سے ضروری، اور مشکل امر ہے، اگر آپ شروع کر دیں سنگلی تو پھر کوئی مشکل بھی نہیں۔ ایک Pet کی، ایک لمبی کہانی یاد آئی تھی۔ پھر کسی وقت عرض کروں گا، لیکن اس کا گہرا تعلق Desire' سے انسان سے انسان کی ذات سے ہے۔ کسی طرح سے وہ پالتو جانور آپ کی مدد کر سکتا ہے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

صاحبانِ علم

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔ جن بابوں کا میں اکثر ذکر کیا کرتا ہوں، اور جن میں خاص طور پر بابا نور والے کا ذکر رہتا ہے۔ ان کے بات کرنے کا انداز، اور بات کو سمیٹنے کا 'پیش کرنے کا جو رویہ تھا، عام لوگوں سے بے حد مختلف تھا۔ آپ یہ سمجھ لیں، ان کی باتیں کوٹ ایبل کوٹس' افوریزم کا درجہ رکھتی تھیں۔ مثلاً کہا کرتے تھے: جو خیر کو قبول نہیں کرے گا، خیر اس کے گلے پڑ جائے گا۔ کہتے تھے: نماز کی قضا ہے، خدمت کی قضا نہیں۔ پھر ایک اور اسی طرح لمبا بیان جس کے اوپر ہم ذرا الجھ گئے تھے، اور اب میں اس الجھن سے تھوڑا سا آزاد ہوا ہوں، وہ یہ تھا: بھیجنے والے نے انسان کو کسی کام کے لیے' کسی عمل کے لیے بھیجا ہے' صرف پڑھنے پڑھانے کے لیے نہیں۔ جو لوگ پڑھنے پڑھانے کو عمل سمجھتے ہیں، وہ عمل کے لیے دیا گیا وقت ضائع کرتے ہیں۔ اب یہ بڑی بوجھل سی بات تھی۔ ہم لوگ جو لکھنے لکھانے والے تھے' پڑھنے پڑھانے والے تھے' ان کے لیے گویا یہ ایک بم شیل تھا۔ لیکن ایمانداری سے سوچا جائے، اس پر غور کیا جائے۔ ڈیرے پر بیٹھ کر اس قسم کی گفتگو نہیں ہوتی تھی۔ جس قسم کی ہم ٹی وی پر بیٹھ کر یا پروگرام میں یا یونیورسٹی کی کلاسوں میں یا کالج کے کمروں میں کیا کرتے ہیں۔ ہم نے اس پر غور کیا، اور غور کرنے والوں میں حبیب جالب مرحوم بھی تھے۔ وہ بھی وہاں آیا کرتے تھے، اور خاص طور پر صفدر میر' وہ بھی مرحوم ہو گئے ہیں، وہ بحث میں شریک تو نہیں تھے لیکن موجود تھے۔ پھر ہمارے ساغر صدیقی۔ سوچتے سوچتے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ جو ریٹ آف لٹریسی' ہماری شرح تعلیم ہے، اور اس کے بارے میں ہم نے قولِ فیصل دیا ہے کہ شرحِ تعلیم 17-18-20-21 فیصد ہے، اس سے زیادہ نہیں ہے۔ تو بابا جی نے کہا کہ جس تعلیم کو یا جس علم کی شرح آپ یہاں محدود کیے بیٹھے ہیں۔ ہمارے اندازے کے مطابق پاکستان میں شرحِ تعلیم جو ہے، وہ 90 سے 92 فیصد ہے۔ اب یہ ایک عجیب وغریب بات تھی۔ انہوں نے کہا جب آپ تعلیم کو جانچتے ہیں، آ نکلتے ہیں، بیٹھ کے تولتے ہیں تو آپ صاحبانِ علم کو نہیں لیتے، صاحبانِ قلم کو لیتے ہیں۔ اور صاحبانِ علم میں، اور صاحبان قلم

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں آپ تخصیص کر دیتے ہیں، حالانکہ ان کو ملا کر رکھنا چاہیے۔ صاحبانِ علم میں وہ سارے لوہار، ترکھان ویلڈر، ٹیکنیشن، دھوبی، اعلیٰ درجے کے درزی خاص طور پر شامل ہیں۔ اسی طرح گاڑی والے سب لوگ شامل ہیں، کیونکہ ان کے پاس اپنا ایک علم اتنی شدت، اور اتنی ہی مضبوطی کے ساتھ قائم ہے، جس طریقے کا دوسرا علم۔ لیکن ہم لوگ صرف اہلِ قلم کو یا حرف شناس کو ہی صاحبانِ علم سمجھتے ہیں۔ یہ زیادتی کی بات ہے تو وہاں سے کچھ متاثر ہو کر جب میں آیا، گھر پہنچا تو میں نے اپنی بیوی (بانو قدسیہ) سے بات کی۔ انہوں نے کہا لاحول ولاقوۃ یہ آپ کیسی بات کرتے ہیں۔ صاحبانِ علم تو ہم ہیں، کیونکہ ہم لکھتے ہیں، ہم رائٹر، ہم ادیب ہیں۔ ہماری تو کتابیں چھپتی ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ ایک بڑھئی جو ہے، وہ بھی ایسا ہے تو وہاں ہمارے ایک پرنسپل صاحب بیٹھے تھے جو کہ اب بھی ایک بہت بڑے کالج کے پرنسپل ہیں۔ اشفاق یہ بالکل زیادتی کی بات ہے، انہوں نے کہا۔ ہم ان کو کیسے صاحبانِ علم کہیں۔ میں نے کہا، آپ کا کیا شعبہ ہے۔ انہوں نے کہا، کیمسٹری۔ وہ کیمسٹری کے پروفیسر تھے۔ میں نے کہا، دیکھیے پروفیسر صاحب اگر کیمسٹری کے شعبے کے، اور آپ کی لیبارٹری کے دروازے خراب ہو جائیں ، اور آپ انہیں تبدیل کرنا چاہیں تو آپ کس کو بلائیں گے۔ تو انہوں نے کہا، ترکھان کو بلائیں گے، بڑھئی کو بلائیں گے۔ کارپینٹر کو بلائیں گے تو جب وہ کارپینٹر آئے گا، اس کا جائزہ لے گا تو وہ کہے گا، دیکھیے یہ تین دروازے ہیں، آپ ڈھائی مکسر لکڑی منگوا لیں۔ اب آپ کا سارا کالج بتا دے کہ ڈھائی مکسر لکڑی کتنی ہوتی ہے۔ وہ ایک پورا علم ہے نا اس کا۔ اب جب وہ ڈھائی مکسر لکڑی کہہ چکے گا تو پھر کہے گا۔ پرنسپل صاحب چونکہ یہ دروازے اندر کے ہیں، اور ان کو بارش کا پھانڈا یورش نہیں ہوگی، اور جب ہم یہاں دیار لگانے کے بجائے پڑتل استعمال کریں گے تو بہتر ہے کہ آپ ڈھائی مکسر لکڑی پڑتل کی منگوا لیں، اور جب آپ کا اکاؤنٹ آفیسر جانے لگے گا تو پھر وہ کہے گا۔ یہ پورے چھے فٹے دروازے نہیں ہیں، ساڑھے پانچ فٹ ہیں۔ اس لیے آپ شہتیری نہ لیں، پھاڑا لے لیں۔ تو یہ کچھ Terms ہیں، پورے کا پورا علم ہے۔ وہ آپ کے دیکھتے دیکھتے ان چوکھٹوں کے اوپر دروازے چڑھا دے گا تو وہ صاحب علم ہے یا نہیں۔ کہنے لگے ہم تو صاحبِ علم نہ کہیں گے لیکن ہم اسے اپنے فن کا ماہر کہیں گے۔ ویسے آپ بھی اپنے فن کے ماہر ہیں، وہ بھی ہے۔ آپ اسے تسلیم کریں۔ لیکن ان کے لیے یہ تسلیم کرنا بہت مشکل تھا۔

پھر تھوڑے دن ہوئے، میں یہ بوجھ لے کر، یہ بہت بڑا بوجھ ہے۔ میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ ایک یہاں پر ہماری محفل تھی۔ ایک ہوٹل میں تو حکیم سعید مرحوم کیا کرتے تھے۔ وہاں بڑے دانش مند لوگ اکٹھے ہوتے تھے۔ وہاں میں نے کہا، یہ ایک مسئلہ ہے۔ آپ اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس علم ہے؟ تو وہاں ایک جج صاحب ریٹائرڈ تھے۔ کہنے لگے اشفاق صاحب! آپ خدا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کا خوف کریں۔ آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ ایک معمار، مستری، راج، چنائی کا کام کرنے والا صاحبِ علم ہے۔ میں نے کہا، جناب میں ان کو صاحبِ علم نہیں کہتا۔ میں ان کو آپ کے، اور اپنے برابر سمجھتا ہوں۔ وہ اتنی تعلیم کا مالک ہے جتنے ہم ہیں۔ کہنے لگے خدا کا خوف کریں۔ بڑے پریشان ہوئے۔ کہنے لگے، آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ وہ کیسے اس درجے میں آسکتے ہیں؟ میں نے کہا، دیکھیے جج صاحب پاکستان میں جتنی بھی ہائی کورٹس ہیں، ان کے نیچے بیٹھنے والے جج جن چھتوں کے نیچے بیٹھتے ہیں جوان پڑھ مستریوں نے بنائی ہوئی ہیں، اور آپ اپنے فیصلے لکھتے ہیں۔ آپ ان کو کہاں پلیس کریں گے۔ خدا کا خوف کریں۔ کہنے لگے چلیے یہ بات ہے تو ٹھیک ہے لیکن یہ بڑا مشکل ہے، اس کو اس حد تک برداشت کرنا۔ پھر انہوں نے کہا دیکھیے میں آپ کو یہ رعایت دیتا ہوں۔ پروفیسر کہنے لگے، آپ ان کو Skilled Labour کہہ لیں۔ میں نے کہا، آپ انہیں ٹیکنیشن کہیں۔ جب بھی آپ بات کرتے ہیں، بڑے بڑے مضمون لکھتے ہیں۔ سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کی بات کرتے ہیں۔ سائنس تک آپ پہنچتے ہیں۔ ٹیکنالوجسٹ تک آپ نہیں پہنچتے تو پھر اس ملک کا کیا بنے گا۔ ہاں کیوں کہیں گے ان کو Skilled Labour کیوں کہیں گے؟ کہنے لگے، نہیں۔ اس بات پر کچھ دیر جھگڑا چلا۔ وہاں پر ایک ڈاکٹر صاحب تھے۔ بہت اچھے آدمی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے اشفاق صاحب دیکھیے اتنی رعایت آپ کو دے دی ہے کہ Skilled Labour کہہ لیں۔ میں نے کہا، ڈاکٹر صاحب آپ کے خوب صورت ہسپتال کے اندر جہاں آپ ہارٹ کا بائی پاس کرتے ہیں۔ اس کے باہر ایک ویلڈر رہے۔ وہ ویلڈر بھی ٹانکا لگاتا ہے۔ آپ بھی ٹانکا لگاتے ہیں تو آپ میرے حساب سے دونوں برابر ہیں۔ دیکھیں ویلڈر بھی تو کمال کا کام کرتا ہے۔ کہنے لگے، یہ برابر کیسے ہو گئے۔ میں نے کہا، دیکھیے۔ میں ویلڈر کی گن آپ کو دے دیتا ہوں۔ کتنے بڑے آپ ڈاکٹر ہیں۔ آپ سے کہتا ہوں، مجھے ایک ٹانکا لگا کر دے دیں تو آپ نہیں لگا سکتے۔ تو کہنے لگے، یہ تو کبھی ہم نے سوچا ہی نہ تھا، اس کے بارے میں اب کیا فیصلہ کریں۔ میں نے کہا اس کے بارے میں بہت سنجیدگی سے فیصلہ کیا جانا چاہیے۔ آپ اتنے بڑے اپنے صاحبانِ علم کو کاٹ کر پھینک رہے ہیں۔ اپنے، اور ان کے درمیان بڑی خلیج پیدا کر رہے ہیں جس نے آپ کے ملک کو بہت کمزور کر دیا ہے۔ آپ مجھے یہ بتائیے کیا آپ ان لوگوں کو وہ عزتِ نفس لوٹا کے دینا چاہتے ہیں یا نہیں۔ وہ Self Respect جس کے وہ حق دار ہیں۔ جیسا کہ ولایت کے مہذب ملکوں میں ان کو تنخواہیں زیادہ نہیں ملتیں۔ پیسے ان کو زیادہ نہیں ملتے، لیکن عزت تو ان کو وہی ملتی ہے جو بونڈز سٹریٹ کے ایک لارڈز کو ملتی ہے یا چلی کے ویلڈر کو ملتی ہے۔ کہنے لگے ہمارے ہاں چونکہ ایک ہندو کا نظام ذہنوں میں چلتا آرہا ہے، منوں کا براہمنوں، کھشتری، ویش، شودر، وہ نکل نہیں سکا ہے، اس لیے اس پر بڑی شدت سے غور کیے جانے کی ضرورت ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

شروع میں ڈیرے پر باباجی علاج بالغذا بھی کرتے تھے، ہمارے بابا لوگ کرتے ہیں علاج Alternate Medicine (متبادل ادویات) سے۔ وہیں اس کا پتا چلا۔ وہاں کچھ لڑکیاں آئی ہوئی تھیں۔ بڑی پیاری خوب صورت بہت گہرے سانولے رنگ کی، چار پانچ چھ برس کی، ایک بڑی عمر کی عورت تھی۔ ساتھ ایک بابا تھا۔ وہ اس کا علاج کروانے کے لیے آئی تھیں تو میں نے باباجی سے پوچھا، یہ کون بچیاں ہیں جو اپنا علاج کروانے کے لیے آئی ہیں۔ انہوں نے کہا اپنے تائے کو لے آئی ہیں، اور یہ بچیاں وہ ہیں جو بہاولپور، ملتان میں کاٹن Pickers (کپاس چننے والی) ہیں۔ تو مجھے خیال آیا کہ پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی وہ خواتین ہیں جو کپاس چنتی ہیں یا رائس پلانٹر ہیں۔ یہ خواتین ہیں جن کا نام اخباروں میں آتا ہے یا جو روز اپنی برتری کے دعوے کرتی ہیں۔ نہ نہ وہ تو ہمارے جیسی ہیں۔ ہم ان کے ساتھ کے ہیں۔ یہ آپ کا پاکستان جس کی ساری اکانومی کا دارومدار کاٹن کی اکانومی پر ہے، اور جو آپ کے لیے اتنے سارے ڈالر پاؤنڈ ڈچ مارک ین حاصل کرتی ہیں، وہ وہی لڑکیاں ہیں جو Cotton Pickers ہیں۔

میری چونکہ تجسس کی عادت ہے تو میں نے پوچھا، بیبیو! یہ کپاس چننے کا کام اتنا مشکل ہے؟ ہاں جی بابا! یہ جو پھٹی چگنا ہوتا ہے، بڑا مشکل ہوتا ہے۔ تو میں نے کہا، تمہاری بڑی شیخی ہے یعنی میری نگاہوں میں تمہاری عزت سب سے زیادہ ہے۔ اخبار والی عزت نہیں۔ اس نے کہا، نہیں آپ کی بڑی مہربانی۔ میں نے کہا، مجھے یہ بتاؤ، یہ جو تم کاٹن چنتی ہو تو کیا یہ مشکل کام ہے۔ کیا میں یہ نہیں کرسکتا؟ تو کہنے لگی مرد یہ کام نہیں کرسکتے۔ میں نے کہا، کیوں۔ کہنے لگی: "ان کی انگلیاں موٹی ہوتی ہیں' وہ پھٹی نہیں چنتے پورا جوناپٹ کے لے جاندے نیں" ۔ تو اگر مردوں کو یہ کام دے دیا جائے خدانخواستہ تو آپ کی اکانومی جو ہے، یہ جو آپ تھوڑا بہت فارن ایکسچینج کماتے ہیں، یہ بھی نہ ہو۔ اسی طرح یہ جو رائس پلانٹ کی بات ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا، گاؤں میں دیکھا ہوگا۔ وہ عورتیں جو پانی میں کھڑی ہو کے لگاتی ہیں اور وہ پیچھے کو چل رہی ہوتی ہیں تو پیچھے کو جب آپ دیکھتے ہیں۔ حیرانی سے کہ وہ لائن بالکل سیدھی ہوتی ہے۔ پھر وہ پیچھے ہٹتی جاتی ہیں۔ پھر وہ اپنا گانا گائے جاتی ہیں۔ پھر وہ اس میں پلانٹ کرتیں ہیں تو وہ کم از کم میرے حساب سے رائس پلاننگ کی یا رائس ایگریکلچر کی ایم ایس سی ہوتی ہیں۔ اور ان کے ساتھ جو بوڑھے کام کرنے والے ہوتے ہیں، وہ Ph.D کا حق رکھتے ہیں' تو ان لوگوں کو جو ہمارے ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہیں، اور جو صاحبانِ علم ہیں جو صاحبانِ قلم نہیں ہیں۔ اب ہم یہ چاہیں گے۔ ان صاحبانِ علم کو جن میں عملی طور پر علم موجود ہے، ان کو کوئی ایسی صورت پیدا کریں کہ ان کے پاس یہ جو تحریری، اور حرف شناسی کا علم ہے، وہ بھی پہنچ جائے۔ پہنچ اس لیے نہیں رہا کہ ان کو ہم نہیں مانتے۔ اس بارے جہاں جہاں میرا جھگڑا چلا صورتِ حال ایسی ہی تھی۔ ایک فوجی تھے' وہ کہنے لگے کہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

یہ آپ کی باتیں عجیب عجیب سی ہیں، ہم ان کو کیسے مان لیں۔ میں نے کہا، سر آپ اپنے ساڑھے 32لاکھ کی موٹر محمد صدیق ان پڑھ مستری کو دے آتے ہیں، اور ان سے کہتے ہیں، دو دن میں ٹھیک کر دیں۔ وہ کہتا ہے نہیں دو نہیں تین دن لگیں گے۔ یہ کمپنی بے عقل ہے، اس کو بنانی نہیں آتی۔ تو اب میں آپ لوگوں سے آپ کی وساطت سے اپنے سارے حضرات سے پوچھتا ہوں، کیا پاکستان میں یہ وقت آ سکتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو مضبوط رکھنے کے لیے اپنے آپ کو طاقتور رکھنے کے لیے ان لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کریں۔ ان کے ساتھ کوئی رشتے داری نہیں کرنی۔ ان کے ساتھ کوئی محبتیں نہیں کرنی۔ ان کے ساتھ کوئی پیسے میں ترقی نہیں، لیکن جب آپ جائیں تو ان کو اتنی عزت ضرور عطا کریں جتنی جب آپ ولایت جاتے ہیں تو ایک ٹیکسی ڈرائیور کو عطا کرتے ہیں۔ میں آپ کی خدمت میں یہ سوال پیش کر رہا ہوں، اور اپنے ناظرین، اور سامعین کی خدمت میں بھی کہ اس کو کیسے حل کیا جائے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ کل غروبِ آفتاب سے پہلے ہم سارے مل جائیں، اور اس مضبوطی کو اپنا لیں جو آپ بڑے فخریہ انداز میں کہا کرتے ہیں کہ ترقی یافتہ ملکوں میں یہ ہوتا ہے، وہ ہوتا ہے میرے خیال میں ہم کوئی ایسا ڈھانچہ بنائیں جس میں صاحبانِ قلم کے ساتھ تھوڑا سا عملی طور پر ان کو اپنے کام کرنے کا موقع ملے۔ انہیں تھوڑے سے حروف وہ بتائے جائیں کہ آپ جو عمل کر رہے ہیں۔ ایک بندہ تیسا چلا رہا ہے رندہ مار رہا ہے، اس میں اس کو پتا چلے کہ اس میں کیا کیا دنیا نے کمال دکھایا ہے، اور کیا کیا کام ہو رہا ہے۔ تھوڑی سی حروف شناسی بھی آنی چاہیے۔ اشفاق صاحب! جیسے انہوں نے پیچھے سے شروع کیا تھا۔ کئی دفعہ حکومت نے تعلیم بالغاں۔ ا۔ ب۔ پ سے شروع کر دیتے ہیں، اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر اس لائن میں جیسا آپ نے فرمایا، جو عملی کام کرتے ہیں۔ اب ان کو Push کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ان کے لیے کوئی ادارہ یا کوئی نظام قائم کیا جائے۔ واقعی یہ ان کی تھوڑی سی کمی ہے جو عملی طور پر سب کچھ جانتے ہیں۔ اب یہ ہے دوسروں کو سمجھانے کے لیے یا کچھ کرنے کے لیے، یہی چیز وہ کوئی صاحبِ علم ہو جیسے کہ نجمہ نے کہا، ہم اپنے علم پر تھوڑا سا فخر کرنا شروع کریں گے تو ہم میں تقویت آئے گی۔ ابھی ہم تھوڑا سا ڈرے ہوئے ہیں۔ میری بھانجی ہے وہ، M.Sc ہے۔ پروفیسر ہے ہوم اکنامکس کی، اور اس نے سپیشلائز کیا ہے کھانا وغیرہ پکانے میں۔ لیکن ہمارے گھر میں جب کوئی دعوت ہوتی ہے تو ہم صدیق باورچی کو بلاتے ہیں۔ ایک مرتبہ شادی پر دیر کی بات ہے بیالیس دیگیں پکانی تھیں، اور وہ باورچی بیالیس دیگوں کو کس ترتیب سے تیار کر رہا تھا، اور کتنی مستعدی سے، اور اس کے پاس کتنا علم تھا۔ آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ تو میں یہ درخواست لے کر آیا تھا۔ آپ کی خدمت میں کہ لوگوں کو Self Respect جو کہ ان کا حق ہے، جو ان کی توقیر ہے، وہ ان کو لوٹا دینی چاہیے۔ بہت ضروری ہے، ورنہ پھر ہم اُسی غلط فہمی، اور کوتاہی میں مبتلا رہیں گے جس میں اب ہیں۔ یہ تو میری بات

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تھی جو میں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دی۔ کچھ الجھنیں میری بھی ہوتی ہیں جس سے میں آپ کو زحمت دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ایک بہت ہی ذہین انسان' غیر معمولی ذہین انسان، بہت زیادہ۔ کیا بات ہے وہ عام لوگوں سے مل نہیں سکتا۔ ان کے درمیان زندگی نہیں بسر کرتا۔ ان سے کچھ کٹا کٹا رہتا ہے۔ میرا خیال ہے وہ اپنی تخلیقی قوتوں میں اتنا مگن ہوتا کہ اس کو شاید دنیا کی ضرورت نہیں رہتی۔ شاید یہ بات ہو سکتی ہے۔ یہ نہیں کہ وہ کٹا رہنا چاہتا ہے، لیکن وہ اپنے میں اتنا مگن ہے جس طرح ہمارے ملنگ بابا ہیں۔ وہ اتنا پر سکون ہے کہ وہ باہر کی دنیا میں آنا چاہتا ہی نہیں۔ جہاں تک ذہانت کا تعلق ہے جس کی Latest Definition یہ ہے کہ "وہ شخص ذہین ہے جو خود کو ماحول میں ایڈجسٹ کرے"۔ لیکن وہ ایسا نہیں کر رہا۔ اس کا مطلب ہے اس کی ذہانت میں کوئی خرابی ہے، میرا خیال ہے کہ اس کو اپنی ایک مکمل دنیا ملی ہوئی ہے، ایک انٹلکچوئیل ڈسکورس اپنے ساتھ کر رہا ہے۔ وہ جینیس کی بات کر رہا ہے۔ غیر معمولی ذہانت کی بات ہے۔ جس طرح آپ نے شروع میں مثال دی ہے، بابا جی نور والے کی جو کبھی سکول نہیں گئے تھے۔ کبھی کالج نہیں گئے تھے، لیکن جوان کا نالج تھا، اس کی بنیاد پر شاعر، اور آپ جیسے سکالر ان کے پاس جا کر بیٹھتے تھے، اور شیئر کرتے تھے۔ اس کا مطلب ہے ان میں ذہانت اوسطاً زیادہ تھی۔ وہ آپ لوگوں کو متاثر کرتے تھے اور وہ پوری طرح لوگوں کے اندر گھلے ملے بھی رہتے تھے، انہوں نے پوری طرح ایڈجسٹ بھی کیا خود کو، اپنے آپ کو۔ یہ آخری فقرہ آپ کا غور طلب ہے کہ گھلے ملے رہتے تھے، بلکہ گھلنے ملنے کے بغیر ان کا علم نکلتا ہی نہیں تھا۔

یہ کیوں ہے؟ میں نجمہ کی بات یہاں تک تو مانتا ہوں، یہاں تک تو ٹھیک ہے کہ وہ اپنے آپ میں اپنے کام میں' اپنی لگن میں ایسا مصروف ہوتا ہے کہ اپنا رابطہ قائم نہیں رکھ سکتا لیکن اگر وہ ملنگ بابا ہے تو پھر وہ (Irritant) کیوں ہوتا ہے؟ ملنگ بابا (Irritant) نہیں ہوتا۔ میں آپ سے سوال یوں نہیں کر رہا کہ اس کا جواب یوں دیں۔ یہاں تک تو بات ٹھیک ہے، لیکن یہ لوگوں سے میل ملاقات کرنے میں لوگوں کے ساتھ گھلنے ملنے میں وہ اتنا کیوں پابند ہوتا ہے۔ اپنی ذات کے اندر وہ آگے نہیں چل سکتا۔ اگر وہ ملے تو بہت کچھ فائدہ پا سکتا ہے۔ اس کی ذات کو بھی معاشرے کو بھی۔ یہ زندگی کی چھوٹی چھوٹی پیچیدگیاں ہیں جو کہ انسان کے ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہیں، لیکن ان پہ غور کیا جانا بہت ضروری ہے۔ میں نے یہ دیکھا ہے کہ ڈیروں میں' تکیوں پر زاویوں ہر ایسی باتوں کا بڑا پالن ہوتا ہے، اور ان پر غور کیا جاتا ہے، اور آپس میں مل کے بات کی جاتی ہے۔ اور ہمارے بابے جو ہیں، میں آخری بات عرض کر دوں۔ ان میں جو بالکل صحیح بابے ہیں، وہ علم کو صرف دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک وہ ڈیرے کو مانتے ہیں۔ یہاں علم ملتا ہے۔ یا پھر وہ سائنس لیبارٹریوں کو مانتے ہیں، جہاں سائنسدان کھڑا ہو کے کام کرتا ہے۔ جہاں ڈائی سیکٹنگ ٹیبل ہے جہاں پر کام ہو رہا ہے۔ جہاں پر سر الیگزینڈر فلیمنگ بیٹھا ہوا ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اس کی بابے بہت عزت کرتے ہیں، اور سائنسدانوں کی اتنی عزت کرتے ہیں جتنی وہ میٹا فزکس کی عزت کرتے ہیں۔ خواتین وحضرات اتنی ہی فزکس کی عزت کرتے ہیں۔ بڑی مہربانی آپ کی۔ بڑا شکریہ آپ کا۔ انشاء اللہ پھر کسی اگلی نشست میں ملاقات ہوگی تو کچھ اور چیزیں آپ کی خدمت میں پیش کرکے پھر آپ سے فائدہ اٹھاؤں گا، اور پھر اس کو مجتمع کرکے آئندہ کسی وقت میں کچھ اور لوگوں کو دینے کی کوشش کروں گا بشرطِ زندگی۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ایک استاد عدالت کے کٹہرے میں

علم کے بارے میں انسان ہمیشہ سرگرداں رہا ہے، اور آج کے دور میں حصولِ علم کے لیے بہت سی کوششیں صحیح، غلط، کمزور، پیچیدہ، خمیدہ صورت اختیار کی جارہی ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں، یہ جو ساری کوششیں ہیں، یہ انسان کے ایک بہتر مستقبل کی نوید کے لیے یقیناً ممد و معاون ثابت ہوں گی۔

علم حاصل کرنے کے لیے جب ہم بھائی اپنے گاؤں سے لاہور آئے، تو ہمارے ابا جی نے ایک گھر لے کر دیا، فلیمنگ روڈ پر۔ وہاں اختر شیرانی رہتے تھے۔ میں تو چونکہ فرسٹ ایئر کا طالب علم تھا، اس لیے ان کے نام سے یا ان کے کام سے اتنا آشنا نہیں تھا، لیکن میرے بڑے بھائی ان کو جانتے تھے اور ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ بہر حال جہاں ہمارے ابا جی نے، اور بہت ساری مہربانیاں کی تھیں، وہاں یہ کہ ایک خانساماں بھی دیا تھا جو ہمارا کھانا پکاتا تھا۔ اس کا نام عبدل تھا۔ عبدل کو زندگی میں دو شوق بڑے تھے، ایک تو انگریزی بولنے کا، انگریزی تعلیم حاصل کرنے کا جیسے آج کل بہت زیادہ انگریزی ہی کو علم سمجھا جاتا ہے، اور انگریزی کے حصول کے لیے ہی جان لڑائی جاتی ہے۔ عبدل کو بھی اس کا بہت بڑا شوق تھا۔ دوسرے اس کو اچھی کنوینس کا بڑا چسکا تھا۔ چنانچہ کبھی اسے بھائی خط پوسٹ کرنے کے لیے جی پی او بھیجتے تو وہ کہتا تھا، اگر آپ اپنی سائیکل دے دیں تو میں بڑی خوشی سے جاؤں گا، اور بڑی خوشی سے آؤں گا۔ ان کی سائیکل کے قریب سے جب ہم گزرتے تھے سلام کر کے، لیکن ہم نے بھی اسے کبھی ہاتھ نہیں لگایا تھا، تو عبدل پر وہ کبھی مہربان ضرور ہوتے تھے، اور وہ سائیکل لے کر ان کا خط پوسٹ کرنے کے لیے فلیمنگ روڈ سے جی پی او جاتا تھا۔ اور میرے حساب کے مطابق چار ساڑھے چار منٹ میں واپس آجاتا تھا، اور اس حالت میں سانس اس کی پھولی ہوئی اور ماتھے پر پسینہ ہوتا تھا۔

میں اس کی مستعدی سے بہت خوش تھا کہ یہ جو اپنی وہیکل ہے اس کو اتنے شوق سے، اور اتنی مستعدی سے استعمال کرتا ہے۔ ایک مرتبہ اتفاق ایسا ہوا کہ میں نے دیکھا بازار میں وہ واپس آرہا تھا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جی پی او سے خط پوسٹ کر کے۔ اس طرح کہ سائیکل کا ہینڈل اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے، اور اس کے ساتھ بڑی تیزی سے بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ اس کے اوپر سوار نہیں تھا۔ تو میں نے اسے روک لیا۔ میں نے کہا، عبدل یہ کیا۔ کہنے لگا، ''میں بھاجی داخط پا کے آیاں تے جلدی واپس آیاں۔'' میں نے کہا تو سائیکل لے کر گیا تھا۔ کہنے لگا ہاں جی۔ تو میں نے کہا، اس پر سوار کیوں نہیں ہوا۔ کہنے لگا، عزت کی خاطر لے کر جاتا ہوں۔ سائیکل مجھے چلانی نہیں آتی۔ تو آج بھی تقریباً ہمارا معاملہ عبدل جیسا ہی ہے۔ دوسرے اس کو جب چھٹی ملتی تھی، وہ انگریزی فلم دیکھنے جاتا تھا۔ مال روڈ پر یہاں دو سینما تھے، جن میں انگریزی فلم لگتی تھی۔ اس کو اس کی بڑی دیوانگی تھی، انگریزی سیکھنے کا چسکا، اور انگریزی سیکھنے کی لگن۔ آج ہی نہیں اس وقت بھی بہت زیادہ تھی تو جب وہ فلم دیکھ کے آتا تھا تو میرے بھائی پوچھتے، کیسی تھی۔ کہتا بہت کمال کی تھی۔ اس میں ایک مس تھی، وہ تیرتی بہت اچھا تھی۔ ویری بیوٹی۔ لیکن وہ فلمیں دیکھ دیکھ کے اندازے لگاتا مگر اس میں اتنی استعداد نہ تھی کہ سمجھ سکتا۔ کوئی لفظ اسے انگریزی کا سمجھ نہیں آتا تھا۔ نہ ہی وہ اس کا تلفظ ادا کر سکتا تھا، نہ ہی اس کو بیان کر سکتا تھا، لیکن ایک دن میرے بھائی نے پوچھا کہ تو اتنا وقت ضائع کرتا ہے' اتنے پیسے ضائع کرتا ہے، اور اس توجہ، اور لگن کے ساتھ اپنی زندگی مستغرق کی ہوئی ہے اگر تو مجھے انگریزی کے چار حرف بتا دے، پورے چار۔ چار الفاظ، تو میں تمہیں پورا ایک روپیہ دوں گا۔ تو اس نے کہا کہ میٹرو گولڈن میئر۔ انہوں نے کہا یہ تو چار نہیں ہوئے تین ہوئے ہیں۔ کہنے لگا ''اوں'' چوتھا بھی اس نے ادا کر دیا۔ تو وہ انگریزی جو جانتا تھا، وہ اس قسم کی تھی اب بھی ہم کوشش کر رہے ہیں، اور انگریزی کے اندر کچھ ایسے ہی پھنسے ہوئے ہیں۔ شیر کی بھوگی مارتے ہیں۔ انگریزی چلتی نہیں۔

یہ تو تھی بات جو برسبیل تذکرہ آ گئی۔ میرا آج کا جو موضوع تھا وہ بتانا نہیں چاہتا تھا۔ پروفیسر صاحب یہاں آج تشریف فرما ہیں۔ جس زمانے میں مَیں روم میں لیکچرر تھا، روم یونیورسٹی میں، اور میں سب سے Youngest پروفیسر تھا۔ یونیورسٹیوں میں چھٹیاں تھیں، گرمیوں کا زمانہ تھا۔ دوپہر کے وقت ریڈیو سٹیشن پر مجھے اردو براڈ کاسٹنگ کرنی پڑتی تھی۔ لوٹ کے آ رہا تھا تو خواتین وحضرات روم میں دوپہر کے وقت سب لوگ قیلولہ کرتے تھے۔ 4 بجے تک سوتے تھے، اور روم کی سڑکیں تقریباً خالی ہوتی تھیں، اور کارپوریشن نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ وہ وہاں پر پانی کے حوض لگا کر سڑکیں دھوتے ہیں، اور شام تک سڑکیں ٹھنڈی بھی ہو جاتی ہیں، خوشگوار بھی ہو جاتی ہیں، صاف بھی ہو جاتی ہیں۔ تو وہ سڑکوں کو دھو رہے تھے۔ اکا دکا کوئی ٹریفک کی سواری آ جا رہی تھی۔ تو میں اپنی گاڑی چلاتا ہوا جا رہا تھا۔ اب دیکھیے انسان کے ساتھ ساتھ ایک دیسی مزاج چلتا ہے آدمی کہیں بھی چلا جائے، تو میں گاڑی چلا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ گول دائرہ ہے اس کے اوپر سے میں چکر کاٹ کے آؤں گا۔ پھر میں اپنے گھر کی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

طرف مڑوں گا تو یہ بڑی بے ہودہ بات ہے۔ بیچ میں سے چلتے ہیں۔ اس وقت کون دیکھتا ہے، دوپہر کا وقت ہے۔ تو میں بیچ میں سے گزرا وہاں ایک سپاہی کھڑا تھا، اس نے مجھے دیکھا، اور اس نے پروا نہیں کی۔ جانے دیا کہ یہ جا رہا ہے یہ نوجوان تو کوئی بات نہیں۔ جب میں نے دیکھا شیشے میں سے گردن گھما کے کچھ مجھے تھوڑا سا یاد پڑتا ہے۔ میں طنزاً مسکرایا۔ کچھ اپنی فیٹ (Fate) کے اوپر کچھ اپنی کامیابی کے اوپر۔ میں نے خوشی منانے کے لیے ایک مسکراہٹ کا پھول اس کی طرف پھینکا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ اس نے میری یہ عزت کی ہے تو اس نے سیٹی بجا کے روک لیا۔ اب وہاں پر سیٹی بجنا موت کے برابر تھی اور رکنا بھی، میں رکا، وہ آ گیا، اور آ کے کھڑا ہو گیا۔ پہلے سلیوٹ کیا، ولایت میں رواج ہے کہ جب بھی آپ کا چالان کرتے ہیں۔ آپ کو پکڑنا ہوتا ہے تو سب سے پہلے آ کر سلیوٹ مارتے ہیں۔ تو اس نے کھڑے ہو کر سلیوٹ مارا اب میں اندر تھر تھر کانپ رہا ہوں۔ شیشہ میں نے نیچے کیا تو مجھے کہنے لگا کہ آپ کا لائسنس۔ تو میں نے اس سے کہا میں زبان نہیں جانتا۔ اس نے کہا، چنگی بھلی بول رہے ہو۔ میں نے کہا، میں نہیں جانتا تم ایسے ہی جھوٹ بول رہے ہو۔ میں تو نہیں جانتا ہوں۔ اس نے کہا، نہیں آپ اپنا لائسنس دیں۔ تو میں نے کہا، فرض کریں جس کے پاس اس کا لائسنس نہ ہو تو پھر وہ کیا کرے۔ اس نے کہا کوئی بات نہیں۔ میں آپ کا چالان کر دیتا ہوں۔ پرچی پھاڑ کے تو یہ آپ لے جائیں اور جرمانہ جمع کروا دیں۔ میں تو ایسے ہی مانگ رہا تھا۔ میں نے کہا، مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا غلطی ہو گئی تھی تو چلے جاتے۔ اس نے بغیر مجھ سے پوچھے کاپی نکالی اور چالان کر دیا، اور چالان بھی بڑا سخت، بارہ آنے جرمانہ۔ میں نے لے لی پرچی۔ میں نے کہا، میں اس کو لے کر کیا کروں۔ اس نے کہا اپنے کسی بھی قریبی ڈاکخانے میں منی آرڈر کی کھڑکی پر جمع کروا دیں۔ بس وہاں کچہری نہیں جانا پڑتا، دھکے نہیں کھانے پڑتے۔ بس آپ کا جرمانہ ہو گیا، آپ ڈاکخانے میں دیں گے تو بس۔ میں جب چالان کروا کے گھر آ گیا تو میں نے اپنی لینڈ لیڈی سے کہا، میرا چالان ہو گیا ہے۔ کہنے لگی، آپ کا۔ میں نے کہا، میں کیا کروں۔ اب ان کو ایسے لگا کہ ہمارے گھر میں جیسے ایک بڑا مجرم رہتا ہے۔ اور اس نے اپنی بیٹی کو بتایا کہ پروفیسر کا چالان ہو گیا ہے۔ بڈھی مائی تھی۔ ان کی ایک ساس تھی اس کو بھی بتایا، سارے روتے ہوئے میرے پاس آ گئے۔ میں بڑا ڈرا کہ یا اللہ یہ کیا۔ کہنے لگے تو شریف آدمی لگتا تھا۔ اچھے خاندان کا اچھے گھر کا لگتا تھا۔ ہم نے تجھے یہ کرائے پر کمرا بھی دیا ہوا ہے لیکن تو ویسا نہیں نکلا خیر گھر خالی کرنے کو تو نہیں کہا۔ جو بڈھی مائی تھی، ان کی ساس، اس نے کہا۔ ہو تو گیا ہے برخوردار چالان۔ لیکن کسی سے ذکر نہ کرنا۔ محلے داری کا معاملہ ہے۔ اگر ان کو پتا چل گیا کہ اس کا چالان ہو گیا ہے تو بڑی رسوائی ہوگی۔ لوگوں کو پتا چلے گا۔ میں نے کہا، نہیں میں پتا نہیں لگنے دوں گا۔ میری لاابالی طبیعت، 26 سال کی عمر تھی۔ چالان جیب میں ڈالا اور نکل گیا دوستوں سے ملنے۔ اگلے دن مجھے جمع کروانا تھا،

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بھول گیا۔ پھر سارا دن گزر گیا۔ اس سے اگلے دن مجھے اصولاً جمع کروا دینا چاہیے تھا تو میں نے کپڑے بدلے تو اس پرانے کوٹ میں رہ گیا۔ شام کے وقت مجھے ایک تار ملا کہ محترمی جناب پروفیسر صاحب فلاں فلاں مقام پر فلاں چوراہے پر آپ کا چالان کر دیا گیا تھا' فلاں سپاہی نے۔ یہ نمبر ہے آپ کے چالان کا۔ آپ نے ابھی تک کہیں بھی چالان کے پیسے جمع نہیں کروائے یہ بڑی حکم عدولی ہے۔ مہربانی فرما کر اسے جمع کروا دیں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ تقریباً 21 روپے کا تار تھا۔ میں نے سارے لفظ گنے۔ مجھ سے یہ کوتاہی ہوئی کہ میں پھر بھول گیا، اور ان کا پھر ایک تار آیا۔ اگر آپ اب بھی رقم جمع نہیں کروائیں گے تو پھر ہمیں افسوس ہے کہ کورٹ میں پیش کر دینا پڑے گا۔ مجھ سے کوتاہی ہوئی، نہیں جا سکا۔ تب مجھے کورٹ سے ایک سمن آ گیا کہ فلاں تاریخ کو عدالت میں پیش ہو جائیں، اور یہ جو آپ نے حکم عدولی کی ہے، قانون توڑا ہے، اس کے بارے میں آپ سے پورا انصاف کیا جائے گا۔ ان کی بولی، چونکہ رومن لاء وہیں سے چلا ہے تو بڑی تفصیل کے ساتھ۔ اب میں ڈرا، میری سٹی گم ہوئی۔ پریشان ہوا کہ اب میں دیارِ غیر میں ہوں۔ کوئی میرا حامی و ناصر مددگار نہیں ہے۔ میں کس کو اپنا والی بناؤں گا۔ میرا ڈاکٹر تھا۔ ڈاکٹر بالدی اس کا نام تھا، نوجوان تھا۔ میں نے اس سے کہا، مجھے وکیل کر دو۔ اس نے کہا، میرا ایک دوست ہے۔ اس کے پاس چلتے ہیں۔ اس کے پاس گئے۔ اس نے کہا، یہ تھوڑا سا پیچیدہ ہو جائے گا۔ اگر میں گیا عدالت میں۔ بہتر یہی ہے پروفیسر صاحب جائیں، اور جا کر خود Face کریں عدالت کی خدمت میں یہ عرض کریں کہ میں چونکہ اس قانون کو ٹھیک طرح سے نہیں جانتا تھا۔ میں یہاں پر ایک غیر ملکی ہوں تو مجھے معافی دی جائے۔ میں ایسا آئندہ نہیں کروں گا۔

میں نے کہا ٹھیک ہے۔ چنانچہ میں ڈرتا ڈرتا چلا گیا۔ اگر آپ کو روم جانے کا اتفاق ہو تو "پالاس آف دی جستی" Palace of Justice وہ رومن زمانے کا بہت بڑا وسیع و عریض ہے' اسے تلاش کرتے کرتے ہم اپنے جج صاحب کے کمرے میں پہنچے تو وہ وہاں تشریف فرما تھے۔ مجھے ترتیب کے ساتھ بلایا گیا تو میں چلا گیا۔ اب بالکل میرے بدن میں روح نہیں ہے، اور میں خوفزدہ ہوں، اور کانپنے کی بھی مجھ میں جرأت نہیں۔ اس لیے کہ تشنج جیسی کیفیت ہوگئی تھی، انہوں نے حکم دیا، آپ کھڑے ہوں اس کٹہرے کے اندر۔ اب عدالت نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا چالان ہوا تھا، اور آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپ یہ بارہ آنے ڈاک خانے میں جمع کروائیں، کیوں نہیں کروائے؟ میں نے کہا، جی مجھ سے کوتاہی ہوئی، مجھے کروانے چاہئیں تھے، لیکن میں...... اس نے کہا، کتنا وقت عملے کا ضائع ہوا۔ کتنا پولیس کا ہوا، اب کتنا "جستیک کا" ہوا (جسٹس عدالت کا ہو رہا ہے) اور آپ کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے تھا۔ ہم اس کے بارے میں آپ کو کڑی سزا دیں گے۔ میں نے کہا، میں یہاں پر ایک فارنر ہوں۔ پردیسی ہوں۔ جیسا ہمارا بہانہ ہوتا ہے، میں کچھ زیادہ آداب نہیں سمجھتا۔ قانون سے میں واقف نہیں ہوں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تو میرے پر مہربانی فرمائیں۔ انہوں نے کہا، آپ زبان تو ٹھیک ٹھاک بولتے ہیں۔ وضاحت کر رہے ہیں۔ آپ کیا کرتے ہیں تو میں چپ کر کے کھڑا رہا۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ عدالت آپ سے پوچھتی ہے کہ آپ کون ہیں، اور آپ کا پیشہ کیا ہے؟ میں نے کہا، میں ایک ٹیچر ہوں۔ پروفیسر ہوں۔ روم یونیورسٹی میں۔ تو وہ جج صاحب کرسی کو سائیڈ پر کر کے کھڑا ہو گیا، اور اس نے اعلان کیا Teacher in the Court. Teacher in the Court. جیسے اعلان کیا جاتا ہے، اور وہ سارے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ منشی، تھانیدار، عمل دار جتنے بھی تھے، اور اس نے حکم دیا کہ Chair should be brought for the teacher. A teacher has come to the court.

اب وہ کٹہرا چھوٹا سا، میں اس کو پکڑ کر کھڑا ہوں۔ وہ کرسی لے آئے۔ حکم ہوا کہ تو Teacher ہے، کھڑا نہیں رہ سکتا۔ تو پھر اس نے ایک بانی پڑھنی شروع کی۔ جج نے کہا کہ اے معزز استاد! اے دنیا کو علم عطا کرنے والے استاد! اے محترم ترین انسان! اے محترمِ انسانیت! آپ نے ہی ہم کو عدالت کا، اور عدل کا حکم دیا ہے، اور آپ ہی نے ہم کو یہ علم پڑھایا ہے، اور آپ ہی کی بدولت ہم اس جگہ پر براجمان ہیں۔ اس لیے ہم آپ کے فرمان کے مطابق مجبور ہیں۔ عدالت نے جو ضابطہ قائم کیا ہے، اس کے تحت آپ کو چیک کریں، باوجود اس کے کہ ہمیں اس بات کی شرمندگی ہے، اور ہم بے حد افسردہ کہ ہم ایک استاد کو جس سے محترم، اور کوئی نہیں ہوتا، اپنی عدالت میں ٹرائل کر رہے ہیں، اور یہ کسی بھی جج کے لیے انتہائی تکلیف دہ موقع ہے کہ کورٹ میں، کٹہرے میں ایک استادِ مکرم ہو اور اس سے Trial کیا جائے۔ اب میں شرمندہ اپنی جگہ پر یا اللہ یہ کیا شروع ہو رہا ہے۔ میں نے کہا، حضور جو بھی آپ کا قانون ہے، علم یا جیسے کیسے بھی آپ کا ضابطہ ہے، اس کے مطابق کریں، میں حاضر ہوں۔ تو انہوں نے کہا، ہم نہایت شرمندگی کے ساتھ، اور نہایت دکھ کے ساتھ، اور گہرے اَلم کے ساتھ آپ کو ڈبل جرمانہ کرتے ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ ہو گیا۔ اب جب میں اٹھ کے اس کرسی میں سے اس کٹہرے میں سے نکل کر شرمندہ، باہر نکلنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ وہ جو جج، اس کا عملہ تھا، اس کے منشی تھے وہ سارے جناب میرے پیچھے پیچھے (A teacher in the court) جا رہے تھے کہ ہم احترامِ فائقہ کے ساتھ آپ کو رخصت کرتے ہیں۔ میں کہوں، میری جان چھوڑیں۔ یہ باہر نکل کر میرے ساتھ کیا کریں گے۔ آگے تک میری موٹر تک مجھے چھوڑ کے آئے۔ جب تک میں وہاں سے سٹارٹ نہیں ہو گیا، وہ عملہ وہاں پر ایسے ہی کھڑا تھا۔ اب میں لوٹ کے آیا تو میں سمجھا یا اللہ میں بڑا معزز آدمی ہوں، اور محلے والوں کو بھی آ کر بتایا کہ میں ایسے گیا تھا، اور وہاں پر یہ یہ ہوا۔ وہ بھی جناب، اور میری جو لینڈ لیڈی تھی، وہ بھی بڑی خوشی کے ساتھ محلے میں چوڑی ہو کے گھوم رہی تھی کہ دیکھو ہمارا یہ ٹیچر گیا، اور کورٹ نے اتنی عزت کی۔ اس کی عزت افزائی ہوئی تو میں یہ سمجھا کہ اس کے ساتھ ساتھ میری تنخواہ میں بھی اضافہ ہو گا، دیسی آدمی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جو ہے ناوہ چاہے ٹیچر بھی ہو، وہ گریڈ کا ضرور سوچے گا۔ کتنی بھی آپ عزت دے دیں، کتنا بھی احترام دے دیں، وہ پھر بھی ضرور سوچے گا کہ مجھے کہیں سے چار پیسے بھی ملیں گے کہ نہیں' میں نے اپنے ریکٹر سے پوچھا، تو اس نے کہا، نہیں تنخواہ یہاں پروفیسر کی اتنی ہی ہے جتنی تمہارے پاکستان میں ہے۔ وہ کوئی مالی طور پر اتنے بڑے نہیں ہیں، لیکن عزت کے اعتبار سے بہت بڑے ہیں۔ رتبہ ان کا بہت زیادہ ہے، اور کوئی شخص یہاں کوئی بیوروکریٹ ہو، یہاں کوئی جج ہو۔ آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔ یہاں کا تاجر ہو، یہاں کا فیوڈل لارڈ ہو، وہ استاد کے رتبے کے پیچھے اسی طرح چلتا ہے، جیسے روم کے دنوں میں غلام اپنے آقا کے پیچھے چلتے تھے۔ مالی طور پر وہ بھی بے چارے ہیں۔ یہی ان کا کمال ہے کہ مالی طور پر کمتر ہیں، لیکن رتبے کے اعتبار سے بہت اونچے ہیں جیسے سقراط جو تھا، وہ اپنے کھنڈروں میں، اور فورم میں کھڑا ہو کے ننگے پاؤں بات کرتا تھا، لیکن اس کا احترام تھا۔ وہ کوئی امیر آدمی نہیں تھا۔ میرا باس کہا کرتا تھا۔

You have changed your profession for a handfull silver

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

دیے سے دیا

یہ اس زمانے کی بات ہے جب میں نیا نیا ولایت سے آیا تھا، تو اس بات کی دھن سوار تھی کہ کسی سے ہمارے یہاں جسے Wisdom of the East کہا جاتا ہے، اس کے بارے میں معلومات اکٹھی کی جائیں، تو اس سلسلے میں مجھے مختلف علاقوں میں، مختلف جگہوں پر، مختلف کونوں کھدروں میں جانا پڑا۔ خاص طور پر میں نے ایسے ڈیرے تلاش کیے جہاں بابے لوگ رہتے تھے، اور آپ نے یہ لفظ میرے منہ سے بارہا سنا ہوگا تو میں حضرت سائیں، حضرت شاہ صاحب کے ڈیرے پر جاتا تھا' اور ان سے اس علم کے بارے میں جانکاری حاصل کرنے کی کوششیں کرتا تھا جو علم کتاب میں موجود نہیں ہے، اور وہ میرے علم کے ساتھ بڑی بری طرح سے ٹکراتا تھا، کیونکہ میں ایک اور طرح سے تیار کیا گیا تھا علم کے معاملے میں۔ وہاں کا علم ایک اور طرح کا علم تھا لیکن مجھے اس میں دلچسپی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک خرابی تھی کہ جو میرے ساتھی، اور میرے عصر ادیب تھے، لکھنے والے تھے، اس بات کو بہت برا سمجھتے تھے کہ ہمارا ایک پڑھا لکھا آدمی سیانا بیانا اتنی دور سے ہو کر آیا ہے، ولایت میں پڑھتا بھی رہا۔ یہ کس بے ہودہ کاروبار میں لگ گیا ہے اور ان کو بڑی تکلیف بھی ہوتی تھی، اور میرے خلاف بڑے کالم بھی لکھے گئے۔ میری بیوی بہت ناراض ہوئی کہ آپ یہ کیا کام کرتے ہیں۔ تو میں چھپ چھپا کے ڈرڈرا کے جاتا تھا۔

ایک دن میں شام کے وقت گیا اور ہم وہاں مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے تو بابا جی میرے ساتھ کھڑے تھے۔ مولوی صاحب نماز پڑھا رہے تھے تو ایک آدمی روتا چیختا چلاتا ہوا آیا۔ کہنے لگا کہ جلدی چلو یونس کو تو مرض الموت ہو گیا، اور اس کا گھنگھرو بج رہا ہے، اور وہ مرنے کے قریب ہے۔ اس نے کہا ہے کہ بابا جی کو بلا کر لاؤ۔ وہ میرے سرہانے بیٹھ کر سورہ یٰسین پڑھیں۔ اس وقت ہم نماز پڑھ رہے تھے۔ تو بابا جی نے مجھے کہنی مار کے کہا، بیٹا نیت توڑ دو۔ نماز پڑھتے ہوئے نیت کیوں توڑی جائے؟ میں پہلے ان کی اس بات کو نہیں سمجھا، لیکن انہوں نے کہا، نیت توڑ دو۔ میں نے کہا، اچھا جی۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں چونکہ انڈر ٹریننگ تھا تو میں نے کہا جیسے یہ کہتے ہیں ٹھیک ہے۔ کہنے لگے، دیکھو اعلان ہو گیا ایک آدمی مشکل میں ہے۔ پہلے اس کی مشکل دور کی جانی چاہیے، پھر آ کر ہم نماز پڑھ لیں گے۔ بعد میں پڑھ لیں گے، کیونکہ نماز کی قضا ہے۔ خدمت کی قضا نہیں۔ کوئی آدمی سائیکل سے گر جائے، زخمی ہو جائے۔ آپ کہیں میں مغرب پڑھ آؤں، پھر آ کر اٹھاتا ہوں۔ یہ ٹھیک نہیں۔ اب یہ بات میرے لیے بالکل نئی تھی، اور عجیب تھی۔ خیر اٹھے، جس گھر جانا تھا گئے۔ وہ بھی دیکھا۔ خیر وہ ایک لمبی کہانی ہے، میں آپ کو پھر کبھی سناؤں گا، اور وہ دلچسپ ہے۔ واپس اپنی جگہ پر ہم لوٹ کے آئے۔ رکشہ سے اترے تو میں نے رکشہ والے کو کچھ پیسے دیئے۔ اس کے کوئی تین روپے اسی پیسے بنتے تھے۔ میں نے اس کو چار روپے دے دیئے۔ وہ یہ سمجھا کہ میں نے بہت بڑا معرکہ مارا ہے تو بابا جی نے پوچھا، پت پیسے دے دیئے؟ میں نے کہا، دے دیئے۔ کہنے لگے کتنے دیئے؟ میں نے کہا چار روپے تو کہنے لگے کیوں؟ میں نے کہا، اس کے تین روپے پچاس پیسے یا اسی بنتے تھے میں نے اسے چار دے دیئے۔ انہوں نے کہا، نہیں پنج دے دینے سی۔ میں نے کہا، پانچ؟ مجھے بڑا دھچکا لگا کہ پانچ کیوں دے دوں۔ میں نے کہا، ''کیوں؟'' کہنے لگے تسیں وی تاں دتے وچوں دینے سی، تسیں کہڑے پلیوں دینے سی'' (خدا کے دیئے ہوئے پیسوں میں سے دینے تھے کون سے اپنی جیب سے ادا کرنے تھے)۔ پھر اس نے مجھے تھوڑا سا ہلایا، لیکن میں نے اس کو سمجھا عقلی طور پر۔ اقتصادی طور پر۔ Emotionally میرے اندر نہیں اتری وہ بات لیکن اس کے بارے میں سوچتا رہا، غور کرتا رہا۔

اگلے دن ہمارے اک دوست بہت پیارے دوست ابنِ انشا، وہ کراچی سے آئے۔ وہ مجھے گھر ڈھونڈتے رہے پھر انہیں پتا چلا کہ میں اس وقت کہیں اور جگہ موجود نہیں ہوں۔ کسی لائبریری میں نہیں۔ انہوں نے سوچا میں (اشفاق) ضرور ڈیرے پر گیا ہوگا۔ چنانچہ وہ اتنا ایک بڑا ڈنڈا لے کر، وہ بانس کا تھا، مجھے ڈھونڈتا ڈھونڈتا ڈیرے پر آ گیا۔ اسے پتا تھا۔ اب اندر تو داخل نہیں ہوا، باہر کھڑا رہا۔ اس کو تکلیف بھی تھی، شرمندگی بھی کہ یہ آدمی کس جگہ پر آ کر بیٹھتا ہے۔ میں اندر بیٹھا رہا۔ میں ڈرا ہوا تھا۔ اس نے کہا، باہر آؤ تم۔ خیر ڈرتا ہوا صاحب اس کے قریب پہنچا۔ اس نے کہا تمہیں شرم آنی چاہیے۔ تمہیں کتنی مرتبہ کہا ہے، یہ زمانہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہے۔ تم کس فضول جگہ پر آ کر بیٹھ جاتے ہو، اور کیا سیکھتے ہو یہاں پر۔ میرے دو دوست تھے۔ ایک ابنِ انشا، اور ایک ن۔م۔راشد۔ یہ سائنس اور ٹیکنالوجی سے بہت مرعوب تھے، اور کہتے تھے، کمال ہی کر دیا ہے سائنس نے۔ میں U.N.O میں گیا۔ ن۔م۔ راشد کے دفتر میں۔ اوپر کی منزل سے کوئی بیالیسویں منزل تھی۔ جب نیچے اترے تو میرے ساتھ ساتھ چلے آ رہے تھے تو جب ہم ایک ڈاکخانہ پر رکے، تو کہنے لگے، خیر آ گئے ہو تم گاؤں سے، نہ تمہارے پاس تعلیم ہے، نہ حسن ہے، نہ صحت ہے۔ تم لوگ کس طرح سے زندگی گزارتے ہو۔ تم

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نے یہ ڈاکخانہ دیکھا ہے؟ میں نے کہا، جی دیکھا ہے۔ امریکا کا ڈاکخانہ ہے۔ واقعی بڑا خوب صورت ہے۔ کہنے لگے خوب صورتی کی بات نہیں ہے۔ یہ دیکھو تمھیں آواز آرہی ہے۔ کر۔ کرز۔ کرززز۔ اس میں سے آواز آرہی تھی۔ پتا ہے یہ کیا ہورہا ہے۔ یہ ٹکٹوں کو مہریں لگ رہی ہیں، اور مشین خود بخود لگا رہی ہے۔ نہ کوئی آدمی ہے نہ کوئی بندہ ہے۔ نہ کوئی پرندہ ہے۔ یہ دیکھو وہاں پر لا کر پیکٹ رکھ دیتے ہیں۔ ٹرززز......اسی طرح سے Sorting ہو جاتی ہے۔ میں تمھیں نوٹ گننے کی مشین دکھاتا ہوں۔ میں نے کہا، راشد صاحب ان چیزوں سے اتنا متاثر نہ ہوا کریں۔ کہنے لگے، نہیں۔ تم گھامڑ لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں۔ تو یہ خیر مجھے بیچ میں یاد آ گیا، اللہ بخشے بڑے پیارے آدمی تھے دونوں۔ تو ابنِ انشاء کو غصہ تھا اس بات کا، تو وہ مجھے ہٹانا چاہتا تھا۔ باہر کھڑے اسی طرح سے بانس کا وہ باریک سا ڈنڈا لیے۔ کہنے لگے مجھے یہ بتاؤ یہاں کیا ہے، جو تمھیں کسی کتاب میں کسی لائبریری میں نہیں ملتا۔ کونسی چیز ہے۔ میں نے کہا انشا کچھ خاص نہیں، کچھ ایسی چیزیں مشاہدے سے گزرتی ہیں جو مختلف ہوتی ہیں۔ کہنے لگا، کیا۔ میں نے کہا، کل ہم گئے تھے۔ اس طرح سے رکشہ کا کرایہ دیا۔ اس رکشہ میں سے اترے۔ اس طرح سے میں نے پیسے دیئے۔ اس طرح سے باباجی نے کہا، تو نے پانچ ہی دے دینے تھے، تو کیا تھا۔ تو نے "دتے سے دینا ہے۔ تو نے کون سا پلے سے دینا ہے۔" تو انشا خاموش ہو گیا یہ سن کے۔ اب وہ شاعر آدمی تھا۔ اس کی روح بہت پیاری تھی۔ وہ یہ تو برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ بڑی اچھی بات ہے، لیکن اس نے سن لی، ختم ہو گیا یہ سین۔

اس کے کوئی دو مہینے بعد میں کراچی گیا تو انشا جی کے دفتر ملنے پہنچا۔ انشا بیٹھا کام کر رہا ہے، ہم گپ لگا رہے ہیں۔ ادھر کی باتیں ادھر کی باتیں، بہت خوش۔ ایک لڑکی آئی۔ اس کی صحت بہت خراب تھی، اس کی آنکھوں میں یرقان اتنا نمایاں تھا کہ جیسے رنگ بھرا ہو پیلا۔ اسُ نے چھپانے کے لیے اپنی آنکھوں میں سرمے کی بہت موٹی تہہ لگا رکھی تھی تو کالا برقع اس نے پہنا ہوا، آ کر کھڑی ہو گئی انشاء جی کے سامنے۔ اس نے ایک خط ان کو دیا وہ خط لے کر رونے لگا۔ پڑھ کر اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ پھر میز پر رکھا، پھر دراز کھولا۔ کہنے لگے بی بی میرے پاس اس وقت یہ تین سو روپے ہی ہیں۔ یہ تو تم لے لو، پھر بعد میں بات کریں گے۔ کہنے لگی، بڑی مہربانی۔ وہ بچی سی ہو گئی بیچاری، اور ڈری گئی، گھبرا سی گئی۔ اس نے کہا، بڑی مہربانی دے دیں۔ وہ لے کر چلی گئی۔

جب چلی گئی تو میں نے انشا سے کہا، انشاء یہ کون تھی۔ کہنے لگا پتا نہیں۔ میں نے کہا، اور تجھ سے پیسے لینے آئی تھی۔ تو نے تین سو روپے دے دیئے تو اُس کو جانتا نہیں۔ کہنے لگا، نہیں میں اتنا ہی جانتا ہوں۔ یہ خط ہے۔ اس میں لکھا تھا۔ محترم انشا صاحب میں آپ کے کالم بڑے شوق سے پڑھتی ہوں، اور ان سے بہت خوش ہوتی ہوں، اور میں یہاں پر لیاری میں ایک پرائمری سکول میں ٹیچر ہوں،

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اور میری 130 روپے تنخواہ ہے۔ میں اور میرا بابا ایک کھولی میں رہتے ہیں، جس کا کرایہ ایک سو ساٹھ روپے ہو گیا ہے، اور ہم وہ ادا نہیں کر سکتے، اور آج وہ بندہ سامان اٹھا کے باہر پھینک رہا ہے۔ اگر آپ مجھے 160 روپے دے دیں تو میں آہستہ آہستہ کر کے 10-10 روپے کر کے اتار دوں گی۔ میں کراچی میں کسی اور کو نہیں جانتی سوائے آپ کے، وہ بھی کالم کی وجہ سے۔ میں نے کہا، اوئے بے وقوف آدمی اس نے تجھ سے ایک سو ساٹھ روپے مانگے تھے تو نے تین سو دے دیئے۔ کہنے لگا، میں نے بھی تو ''دِتوں میں سے دیا ہے، میں نے کون سا پلے سے دیا ہے۔'' اس کو بات کی سمجھ آ گئی تھی۔ یہ نصیبوں کی بات ہے یعنی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میں جو بڑے دھیان سے جاتا تھا، ڈکٹیشن لیتا تھا، کوششیں کرتا تھا جاننے کی۔ میں نے کہا، اوئے یہ فقرہ تو میں نے کہیں سنا ہوا ہے۔ کہنے لگا، میں نے کچھ کالم لکھے تھے یہ ان کا معاوضہ تھا۔ یہ تین سو روپے میرے پاس ایسے ہی پڑے تھے۔ میں نے دے دیئے۔

تو کوئی آٹھ مہینے کے بعد میری پھر اس سے ملاقات ہوئی۔ لاہور آیا تو کہنے لگا، وہ جو فلسفہ تیرے بابا کا ہے، بڑا خوفناک ہے، اور بہت بڑا ہے۔ اس میں سے تو آدمی باہر نہیں نکل سکتا۔ میں نے کہا کیوں؟ کہنے لگا، میں نے اس لڑکی کو تین سو روپے دیئے تھے تو میری جان عذاب میں پڑ گئی میں ٹوکیو ایک میٹنگ اٹینڈ کرنے گیا تھا۔ وہاں مجھے یونیسکو سے خط آیا۔ تمہارے ایک ہزار ڈالر ہمارے پاس پڑے ہیں، وہ بتائیں ہم آپ کو کہاں بھیجیں۔ میں نے اس کے جواب میں لکھا، میں چونکہ سرکاری ملازم ہوں، اور سرکاری حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس لیے میری گورنمنٹ نے مجھے سارا T.A'D.A دے دیا تھا۔ انہوں نے کہا اس کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ ہماری طرف سے ہے جو سارے Participants کو تحفے میں دی ہوئی رقم ہے، تو میں نے فوراً خط لکھا کہ خبردار اس کو ہاتھ نہ لگانا، وہیں رکھنا۔ اس زمانے میں یہی حالات تھے، ڈالر کے، جو آج کل چل رہے ہیں۔ میں وہاں آ کر لے لوں گا۔ اس کی یہ کیفیت ہوئی، اس ایک سال کے اندر اندر یورش ہو گئی پیسوں کی۔ ایسی جگہ سے آنے شروع ہو گئے کہ اس نے سوچا تک نہیں تھا۔ دو سال اس کی یہ کیفیت رہی۔ پھر وہ وہی ڈنڈا لے کر میرے گھر آیا۔ لڑائی کرنے کہ تو نے مجھے یہ بڑی لعنتی بات بتا دی ہے۔ میں اتنا تنگ آ گیا ہوں، اس سے اتنے پیسے میرے پاس آنے لگے ہیں کہ میں بھرتا نہیں ہوں۔ اب میں نے دینے بند کر دیئے ہیں۔ خدا نہ کرے، میرے سامنے کوئی تڑپ کر مر جائے۔ میں کچھ نہیں دیتا یہ تو عذاب ہے، دیتے جاؤ تو آتے جاتے ہیں۔ دیتے جاؤ تو آتے جاتے ہیں۔ What is this میں نے کہا، اس کا علم تو مجھے بھی نہیں۔ میں تو ابھی پوچھ رہا ہوں، اور سیکھ رہا ہوں کہ یہ کیسے ہوتا ہے؟ تو میں نے یہ بات زندگی میں عجیب وغریب دیکھی کہ اگر آپ دیتے ہیں تو وہ لوٹ کر آپ کے پاس آتا ہے۔ یہ صدائے بازگشت ہے جو کہ لوٹ کر واپس آتی ہے۔ آدمی سوچتا ہے۔ یہ 70 روپے تھے۔ اس میں سے میں نے 30 روپے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

دے دیے تو میں نے ابھی تھیسز لکھنا ہے۔ Ph.D کرنی ہے تو بعد میں خرچ کرنے ہوں گے۔ کہاں سے آئیں گے۔ حالانکہ یہ بات اس طرح نہیں ہے۔ اب اللہ میاں کا عجیب وغریب System ہے۔ وہ یہ کہ جو کچھ آپ دیتے رہتے ہیں، وہ کچھ آپ کا جمع رہتا ہے، اور اللہ میاں وہ رجسٹر کبھی نہیں دیکھتا۔ وہ دوسرا ایلجبر مانگتا ہے جس میں سے آپ چھوڑ آئے ہوتے ہیں، اور پیچھے رہ گیا ہوتا ہے۔

مجھے یاد آ گیا' حضرت مجدد الف ثانی۔ وہ بہت سخت' اصولی بزرگ تھے، لیکن ایک بات میں ان کی کبھی نہیں بھولتا۔ انہوں نے فرمایا، جو شخص تجھ سے مانگتا ہے، اس کو دے۔ کیا یہ تیری انا کے لیے کم ہے کہ کسی نے اپنا دستِ سوال تیرے آگے دراز کیا۔ بڑے آدمی کی کیا بات ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث بھی ہے، اور وہی سرچشمہ ہے پھر فرماتے ہیں، اور عجیب وغریب انہوں نے یہ بات کی ہے کہ جو حق دار ہے، اس کو بھی دے، اور جو ناحق کا مانگنے والا ہے، اس کو بھی دے، تاکہ تجھے جو ناحق کا مل رہا ہے، کہیں وہ ملنا بند نہ ہو جائے۔ دیکھیں نا، ہم کو کیا ناحق کا مل رہا ہے۔ اس کی ساری مہربانیاں ہیں، کرم ہے اور ہمیں اس کا شعور نہیں ہے کہ ہمیں کہاں کہاں ناحق مل رہا ہے۔ کبھی آپ آرام سے بیٹھ کر اپنی زندگی کو اپنے کام کو اپنے آپ کو بیلنسنگ شیٹ بنانے کی کوشش کریں، تو آپ کو پتا چلے گا 90-80 فیصد تو ایسے ہی آ رہا ہے۔ یہ میرا استحقاق نہیں بنتا، لوگ ایسے ہی روتے ہیں کہ میرا حق، اور میں اپنے حق کی خاطر لڑوں گا، اور مروں گا۔ یہ کر دوں گا، وہ کر دوں گا۔ ایسا کبھی ہوتا نہیں بعض اوقات ایسی جگہ سے آ جاتا ہے جہاں آدمی تصور نہیں کر سکتا بلکہ بیشتر ایسے ہوتا ہے، اور آتا چلا جاتا ہے' لیکن آدمی گھبراتا ہے کہ اگر میں کچھ دے دوں گا اور دیتے میں سے دے دوں گا، کمی ہو جائے گی، ہوتی نہیں، لیکن وہ ہمارے جیسے پڑھے لکھے لوگ سیانے اس قسم کی بات کرتے ہیں۔

ایک ہمارے ماڈل ٹاؤن میں قلعی گر تھا، بہت اچھا، امیر دین قلعی گر ہمارا بہت پیارا تھا۔ بھانڈے وغیرہ قلعی کرتا تھا۔ فوت ہو گیا تو مولوی صاحب نے مسجد میں اعلان کیا کہ امیر علی فوت ہو گیا ہے اس کی دعا کروانی ہے مغرب کے بعد علاقے کے سب لوگ' بلاک میں اکٹھے ہوں' تو ہم ابھی کچھ پڑھ ہی رہے تھے کہ ایک لڑکا آ گیا، اور اس نے آ کر کہا، جی میرا والد تو بہت بیمار ہے۔ اس نے امیر علی قلعی گر کے لیے دعا بھیجی ہے۔ تو ہم نے کہا، دعا بھیجی کیا ہوتا ہے۔ دعا تو آدمی آ کر کرتا ہے۔ اس نے کہا میرا والد، اس کا بڑا یار تھا، دونوں بہت پکے دوست تھے۔ اس کو درد ہے، شیاٹیکا پین (Sciatica Pain) وہ چل پھر نہیں سکتا۔ میں اس کی دعا لے کر آیا ہوں۔ تو ہم نے کہا، دعا کیا لے کر آیا ہے' ہم لوگ گٹھلیاں وغیرہ پڑھ رہے تھے، اٹھ کے ایک آدمی نے باہر دیکھا تو لڑکا ٹریکٹر لے کر آیا تھا، پیچھے ٹرالا تھا اور اس کے باپ نے دو بوری گندم، آٹا، ایک بوری چاول، گڑ کا پورا ایک گٹھا، اور اس قسم کی چیزیں تھیں۔ کبھی اس قسم کی باتیں سوچنے کا' دینے کا' بھیجنے کا، یعنی درویش کا یہ طریقہ ہوتا ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میری بہو ہے، بڑی اچھی، پیاری، نیک۔ اُس کو خیال آیا کہ کچھ خیرات کرنی چاہیے۔ لیکن اس کو طریقہ نہیں آتا، یہ بھی بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ اب کیا کریں خیر وہ اپنا پرس لے کر، اور اس میں کچھ پیسے ڈال کر چلی گئی۔ جھگیوں، میں کوارٹرز میں۔ وہاں جا کر کھڑی ہو گئی تو ایک بی بی آئی اس کے پاس۔ اس نے کہا، "کڑیے کس طرح آئی ایں" (لڑکی کس کام کو آئی ہو)۔ اس نے کہا، میں آئی ہوں، آپ لوگوں سے ملنے تو میں کچھ آپ لوگوں کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔ تو اس نے کہا، تو اناڑی معلوم ہوتی ہے۔ کہنے لگی، ہاں جی۔ کہنے لگی، "ٹھہر جا میں تیری مدد کرنی آں" (میں تمہاری مدد کرتی ہوں)۔ تو وہ جھگیوں میں سے ایک کرسی کھینچ کر لے آئی۔ کہنے لگی "اس پر بیٹھ جا۔ سانوں پنج چار حدیثاں سنا۔ دس بارہ نیک گلاں سنا۔ سانوں اچھے رہن دی تعلیم دے تے اک اک روپیا پھڑا جا ساریاں نوں" (آپ اس پر بیٹھ جائیں، ہمیں چار پانچ احادیث سنائیں۔ دس بارہ اچھی نیکی کی باتیں سنائیں، اچھے رہن سہن کی تعلیم دیں اور سب کو ایک ایک روپیہ دے دیں)۔ تو اصل میں یوں بی بی آتی ہوگی، اور ساری بیبیاں ایسی آتی ہیں۔ نیکی بھی سکھاتی ہیں، یہ ان کا کریکٹر ہے۔ اس طرح سے بھی ہوتا ہے کہ آدمی داد و دہش میں اپنا آپ بھی پروجیکٹ کرتا ہے۔

ہم جو اپنے آباؤاجداد سے، بزرگوں سے، اپنے بڑوں سے سنتے آئے، کتابوں میں بھی کبھی کبھی پڑھنے کو مل جاتا تھا۔ ہم اپنی اس ثقافت کو کہیں رکھ کے بھول گئے ہیں، یا ہم نے دانستہ ان سے نظر بچا لی ہے، ہٹا لی ہے، کسی نئی ترقی کی جانب۔

میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ ہم رکھ کے بھولے نہیں ہیں، اور نہ ہی دانستہ نظر بچائی، ہماری مصروفیت کا عالم کچھ اس طرح سے ہو گیا ہے کہ آپ اپنے آپ کو گروی رکھ چکے ہیں۔ ہر طرح کی مصروفیات کے ہاتھوں ضروری بھی غیر ضروری بھی۔ آپ جانچنے، اور آنکنے بیٹھے ہوں گے تو آپ دیکھیں گے کہ غیر ضروری مصروفیات ضروری مصروفیات سے کہیں زیادہ ہیں۔ میرا پوتا ہے اس کو ہم نے سکول ابھی داخل کروایا ہے۔ ابھی سے مراد چھٹیوں سے چار پانچ مہینے پہلے۔ تو اُسے کاغذ تختی وغیرہ سب کچھ لے کر دے دیا، وہ سکول جاتا رہا، آتا رہا۔ تو ایک دن اس کے والد کہنے لگے، یار تجھے سکول میں داخل کروایا ہے تو کبھی پڑھتا نہیں۔ کہنے لگا کیا کروں، ڈیڈی ٹائم ہی نہیں ملتا، ٹائم نہیں ملتا، ڈیڈی کیا کروں؟

حاضرین میں موجود ایک صاحب بولتے ہیں: آپ کی خیرات سے مجھے اپنی دادی کا واقعہ یاد آیا۔ وہ بچپن میں ہمیں کہا کرتی تھیں کہ مٹھی کو آپ جتنا کس کے بند کریں اس میں اتنی چیز کم آتی ہے۔ اگر مٹھی ڈھیلی بند کریں گے تو اس میں زیادہ آئے گا تو خیرات دینے کا یہی ہے کہ ہم جتنا اپنا پیسا کس کے رکھتے جائیں گے۔ اللہ میاں اس میں اتنی کمی کرے گا۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

یہی تو آذر کہہ رہے ہیں۔ یہ جو چیزیں تھیں، ہماری قسمت سے نکلتی جا رہی ہیں۔ (حاضرین میں موجود ایک صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے)

دیکھیں نا خان صاحب نے بات شروع کی، اس وقت کچھ ذکر آیا تو انہوں نے اپنی تعلیم کا حوالہ دیا پھر یہاں کے بابوں کی بات کی، جو اَن پڑھ لوگ ہوتے تھے، خان صاحب آپ اجازت دیں تو اس کو دو حصوں میں تقسیم کر لیں۔ ایک کچھ لوگ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں، اور کچھ لوگ پڑھے لکھے ہوتے ہیں، اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر تعلیم یافتہ پڑھا لکھا ہو، لیکن وہ جو ہمارے بزرگ ہوتے تھے، بڑے لوگ ہوتے تھے، بابے ہوتے تھے، یہ پڑھے لکھے لوگ ہوتے تھے۔ ان کا مشاہدہ 'ہر چیز کو جانچنے کا' ان کا طریقہ، گہرائی میں جانا، اور پھر تجزیہ کرنا اپنے طور پر، اور وہ تجزیہ سو فیصد درست ہوتا۔

آپ کے بھی نواسے پوتے انہی کے ہیں۔ نسل چلی آ رہی ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں، ایک سوال میرے ذہن میں آ گیا۔ میں نے آپ سے اتنی باتیں کیں تو آپ بھی میری مدد کریں کہ انسان جس شخص پر تنقید کرتا ہے، اور جس میں کیڑے نکالتا ہے، اور جس کو بہت برا سمجھنے لگتا ہے، کیا خود اس جیسا ہونا چاہتا ہے یا آپ کے مشاہدے میں آیا ہے کہ اس کے جیسا ہو جایا کرتا ہے۔ ہاں ہے تو یہی اگر آپ نگاہ ڈالیں اور دیکھیں۔ آپ کا کوئی سیاستدان ہے جو آپ کی وزارتِ داخلہ پر تنقید کر رہا ہے۔ پھر آپ دیکھتے ہو کہ پلٹ کر خود وہ ہوم منسٹری میں آ جاتا ہے، ہے نا بات۔ میں نے یہ سوال آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ مجھے یہ دقت ہو رہی تھی مگر ار دگر د دیکھتا ہوں کہ غریب امیر آدمیوں پر بڑی تنقید کرتا ہے۔ لیکن ہم ان کو کوئی مارکسزم وغیرہ لا کے دیں کہ اس میں تمہاری بڑی بہتری ہوگی تو وہ اسے فیل کر دیتے ہیں۔ وہ خود چاہ رہے ہوتے ہیں۔ خود موقع ملے تو ہم بھی امیر ہو جائیں۔

(انسان کی فطرت میں 'لاشعور میں ہے نا، وہ اک بات جو اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ بنیادی طور پر تنقید کی ایک وجہ، یہ بھی ہے۔ انسان کے لاشعور میں ایک بات ہوتی ہے۔ کوئی Aim ہوتا ہے، Goal ہوتا ہے۔ اِس کو نہیں حاصل کر سکتا تو جو اِس کو حاصل کر چکا ہوتا ہے، اُس پر وہ تنقید کرتا ہے)۔

مثلاً لڑکیاں دیکھیں کسی دوسری لڑکی کو دیکھ کر کہتی ہیں۔ کیا شکل اس کی کوجی سی لگتی ہے۔ اکثر لڑکیاں تو یہ کہتی ہیں۔ اس کے کان چھوٹے ہیں وغیرہ، رنگ نہیں گورا لیکن فرض کریں کہ وہ اچھی نہیں ہے تو میں دیکھتا ہوں کہ وہ تنقید کر رہی ہوتی ہے۔ اس کا جی چاہ رہا ہوتا ہے کہ جو جو کچھ خوبیاں بیان کر رہی ہوں میں ویسی بن جاؤں، اور اس میں اس کو کچھ کچھ خوبیاں محسوس ہوتی بھی ہیں۔ ہمارے گھروں میں رشتے وغیرہ کے لیے جاتے ہیں جب پوچھا جاتا ہے کہ آپ کیا دیکھ کے آئی ہیں۔ جواب ملتا ہے، اگر ملا جلا کر دیکھیں تو خوب صورت لگتی ہے۔ اک اک چیز تو کچھ بھی نہیں تھی۔ لاحول ولاقوۃ یہ کیا بات

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کرتی ہیں۔ نہیں نقص ،تو ٹھیک تھی۔ یہ جو Cosmatics کی اتنی بڑی انڈسٹری ہے جو کہ سٹیل ۔
بعد دنیا میں دوسری بڑی انڈسٹری ہے،تو شاید اس خوف سے تو نہیں پیدا ہوئی کہ دیکھو میں تنقید کرتی ہو
یا کرتا ہوں اور پھر اس کے بعد مجھ میں یہ چیز پیدا ہو جائے تو میں ذاتی طور پر ایک نتیجے پر پہنچا ہوں کہ
تنقید کر رہا ہوتا ہے،وہ آرزومند اس بات کا ضرور ہوتا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو آسانیاں ع
فرمائے۔ آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ مہربانی۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بابا کی تعریف

ہم زاویہ کے بیشتر پروگراموں میں بابوں کی بات کرتے ہیں، اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ بابوں کی Definition سے یا ان کی تعریف سے یا ہیئتِ ترکیبی سے آپ یقیناً بہت اچھی طرح واقف ہوں گے، لیکن میرا یہ اندازہ بالکل صحیح نہیں تھا۔ اب میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کروں، اور اس کی ایک چھوٹی سی تعریف بھی کروں، بابا کی۔

بابا وہ شخص ہوتا ہے جو دوسرے انسان کو آسانی عطا کرے۔ یہ اس کی تعریف ہے۔ آپ کے ذہن میں یہ آتا ہوگا کہ بابا ایک بھاری فقیر ہے۔ اس نے سبز رنگ کا کرتا پہنا ہوا ہے۔ گلے میں منکوں کی مالا ہے۔ ہاتھ میں اس کے لوگوں کو سزا دینے کا تازیانہ پکڑا ہوا ہے، اور آنکھوں میں سرخ رنگ کا سرمہ ڈالا ہوا ہے۔ بس اتنی سی بات تھی۔ ایک تھری پیس سوٹ پہنے ہوئے اعلیٰ درجے کی سرخ رنگ کی ٹائی لگائی ہے۔ بیچ میں سونے کا پن لگائے ہوئے ایک بہت اعلیٰ درجے کا بابا ہوتا ہے۔ اس میں جنس کی بھی قید نہیں ہے۔ مرد، عورت، بچہ، بوڑھا، ادھیڑ نوجوان یہ سب لوگ کبھی نہ کبھی اپنے وقت میں بابے ہوتے ہیں، اور ہو گزرتے ہیں۔ لمحاتی طور پر ایک دفعہ کچھ آسانی عطا کرنے کا کام کیا۔ اور کچھ مستقلاً اختیار کر لیتے ہیں اس شیوے کو۔ اور ہم ان کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ میری زندگی میں بابے آئے ہیں اور میں حیران ہوتا تھا کہ یہ لوگوں کو آسانی عطا کرنے کا فن کس خوبی سے کس سلیقے سے جانتے ہیں۔ میری یہ حسرت ہی رہی۔ میں اس عمر کو پہنچ گیا۔ میں اپنی طرف سے کسی کو نہ آسانی عطا کر سکا نہ دے سکا اور مجھے ڈر لگتا ہے کہ نہ ہی آئندہ کبھی اس کی توقع ہے۔

جب ہم تھرڈ ایئر میں تھے تو کرپال سنگھ ہمارا ساتھی تھا۔ ہم اس کو کرپالا سنگھ کہتے تھے۔ بیچارہ ایسا ہی آدمی تھا جیسے ایک پنجابی فوک گانے والا سکھ ہوتا ہے۔ لال رنگ کا لباس پہن کے بہت ٹیڑھا ہو کے گایا کرتا ہے۔ ایک روز ہم لاہور کے بازار انارکلی میں جا رہے تھے تو سٹیشنری کی دکانوں کے آگے ایک فقیر تھا۔ اس نے کہا بابا اللہ کے نام پر کچھ دے تو میں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ پھر اس نے کرپال سنگھ کو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مخاطب کر کے کہا کہ اے بابا سائیں کچھ دے۔ تو کہنے لگا کہ بھاجی اس وقت کچھ ہے نہیں، اور اس کے پاس واقعی نہیں تھا۔ تو فقیر نے بجائے اس سے کچھ لینے کے بھاگ کے اس کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور گھٹ کے جپھی (معانقہ) ڈال لی۔ کہنے لگا، ساری دنیا کے خزانے مجھ کو دے دیئے، سب کچھ تو نے لٹا دیا۔ تیرے پاس سب کچھ ہے۔ تو نے مجھے بھاجی کہہ دیا۔ میں ترسا ہوا تھا اس لفظ سے۔ مجھے آج تک کسی نے بھاجی نہیں کہا۔ اب اس کے بعد کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

ان دنوں ہم سارے ہوسٹل کے لڑکے چوری چھپے سینما دیکھنے جاتے تھے۔ تو لاہور بھاٹی کے باہر ایک تھیٹر تھا اس میں فلمیں لگتی تھیں۔ میں اروندا، غلام مصطفیٰ، کرپال یہ سب۔ ہم گئے سینما دیکھنے' رات کو لوٹے تو انارکلی میں بڑی یخ بستہ سردی تھی، یعنی وہ کرسمس کے قریب کے ایام تھے سردی بہت تھی۔ سردی کے اس عالم میں کہرا بھی چھایا ہوا تھا۔ ایک دکان کے تختے پر پھٹا جو ہوتا ہے' ایک دردناک آواز آ رہی تھی ایک بڑھیا کی۔ وہ رو رہی تھی اور کراہ رہی تھی، اور بار بار یہ کہے جا رہی تھی کہ ارے میری بہو تجھے بھگوان سمیٹے تو مر جائے نی، مجھے ڈال گئی، وہ بہو اور بیٹا اس کو گھر سے نکال کے ایک دکان کے پھٹے پر چھوڑ گئے تھے۔ وہ دکان تھی جگت سنگھ کواترا کی جو بعد میں بہت معروف ہوئے۔ ان کی ایک عزیزہ تھی امرتا پریتم، جو بہت اچھی شاعرہ بنی۔ وہ خیر اس کو اس دکان پر پھینک گئے تھے۔ وہاں پر وہ لیٹی چیخ و پکار کر رہی تھی۔ ہم سب نے کھڑے ہو کر تقریر شروع کی کہ دیکھو کتنا ظالم سماج ہے، کتنے ظالم لوگ ہیں۔ اس غریب بڑھیا بیچاری کو یہاں سردی میں ڈال گئے۔ اس کا آخری وقت ہے، اور بیٹا بھی کتنا ظالم تھا، اس کی بہو بھی دیکھیں کتنی ظالم تھی کہ اٹھا کے اس کو ڈال گئے۔ یہ کیا نیا طریقہ ہے۔ وہاں اروند نے بڑی تقریر کی کہ جب تک انگریز ہمارے اوپر حکمران رہے گا، اور ملک کو سوراج نہیں ملے گا ایسے غریبوں کی ایسی حالت رہے گی۔ پھر وہ کہتے حکومت کو کچھ کرنا چاہیے۔ پھر کہتے ہیں۔ اناتھ آشرم (کفالت خانے' مقیم خانے) جو ہیں وہ کچھ نہیں کرتے۔ ہم یہاں کیا کریں۔ تو وہ کرپال سنگھ وہاں سے غائب ہو گیا۔ ہم نے کہا، پیچھے رہ گیا یا پتا نہیں کہاں رہ گیا ہے۔ تو ابھی ہم تقریریں کر رہے تھے۔ اس بڑھیا کے پاس کھڑے ہو کے کہ وہ بائیسکل کے اوپر آیا بالکل پسینہ پسینہ سردیوں میں، فق ہوا، سانس اوپر نیچے لیتا آ گیا۔ اس کے ہوسٹل کے کمرے میں چارپائی کے آگے ایک پرانا کمبل ہوتا تھا جو اس کے والد کبھی گھوڑے پر دیا کرتے ہوں گے۔ وہ ساہیوال کے بیدی تھے۔ تو وہ بچھا کے نا اس کے اوپر بیٹھ کر پڑھتے وڑھتے تھے۔ بدبودار گھوڑے کا کمبل جسے وہ اپنی چارپائی سے کھینچ کر لے آیا بائیسکل پر، اور لا کر اس نے بڑھیا کے اوپر ڈال دیا، اور وہ اس کو دعائیں دیتی رہی۔ اس کو نہیں آتا تھا وہ طریقہ کہ کس طرح تقریر کی جاتی ہے۔ فنِ تقریر سے ناواقف تھا۔ بابا نور والے کہا کرتے تھے انسان کا کام ہے دوسرے کو آسانی دینا۔ آپ کا کوئی دوست تھانے پہنچے' اور وہ تھانے سے آپ کو ٹیلی فون

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کرے کہ میں تھانے میں آ گیا ہوں تو کبھی یہ مت پوچھو کہ کیا ہوا، کس طرح ہوا، کیسے پہنچے۔ یہ پوچھو کون سے تھانے میں ہو۔ بس یہ آسانی عطا کرنے کا طریقہ ہے، اور یہ فن ہم نے سیکھا نہیں تھا۔ ہمارے کورس میں' کتاب میں اس قسم کی چیزیں ہی نہیں تھیں تو میرے ایک بھائی ہیں۔ میرے تایا زاد میری عمر کے۔ تو وہ مجھ سے تھوڑے دن ہوئے خفا ہوئے۔ اس نے کہا، یہ تم نے کیا پروگرام شروع کیا ہے۔ دنیا ترقی کر رہی ہے، زمانہ آگے بڑھ رہا ہے اور تم پیچھے مڑ کے بابوں کی طرف لیے جا رہے ہو۔ جب آدمی ترقی کا مطلب لیتا ہے تو وہ بہانہ، اور سہارا دوسروں کا لیتا ہے۔ اپنی زندگی بنانے کا صرف اکیلا خواہش مند ہوتا ہے۔ کہتے ہیں اس میں کسی اخلاق یا مورلیٹی کی ضرورت نہیں، چھوڑو انسان کو۔ اب تم کوئی ایسا کام کرو جو ٹیکنالوجی کے ساتھ تعلق رکھتا ہو، اور علم عطا کرو، اور ان کو بتاؤ۔ تو جب وہ مجھ سے بات کر رہے تھے، مجھے اپنے باباجی کا زمانہ یاد آ رہا تھا کہ یہاں پر سبّی میں ایک میلہ ہوتا ہے۔ سالانہ مویشیوں کا میلہ وہ ہمارے پاکستان میں بہت مشہور ہے۔ میلہ بہت اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے وہاں کے کچھ لوگوں نے مجھے خط لکھا، بڑی محبت کے ساتھ کہ ہمارا بھی آپ کے اوپر کوئی حق ہے، تو آپ بھی اشفاق صاحب یہاں پر تشریف لائیں۔ تو میں نے سنا تھا کہ سبی میں بہت گرمی ہوتی ہے، اور میں کیا کروں گا جا کر۔ میں کچھ ٹال جاتا تھا۔ خط تقریباً چار سال تک آتا رہا۔ پھر مجھے بہت شرمندگی ہوئی، اور ضمیر نے ملامت کی۔ بھئی ایسی کونسی مصیبت ہے آپ نہیں جا سکتے میں نے کہا، میں تیار ہوں جانے کے لیے۔ میں نے ارادہ باندھا تو میں نے قادری بابا سے جا کر پوچھا۔ اجازت لینے کے لیے۔ ہم زور لگا کے یہ رسم سیکھ رہے تھے، ورنہ کون اجازت لیتا ہے۔ میں نے کہا، سرکار وہ مجھے سبّی جانا ہے۔ کہنے لگے بہت خوشی کی بات ہے۔ بڑی اچھی بات ہے، ضرور جاؤ۔ میں نے کہا، جی وہاں کے لوگوں نے بلایا ہے۔ کہنے لگے، نہیں نہیں اس میں تو پوچھنے کی بات ہی کوئی نہیں، اور تم جانا، اور ضرور جانا۔ میں نے کہا، جی آپ کی طرف سے اجازت ہے۔ کہنے لگے ضرور ہاں' بالکل اجازت ہے۔ میں بلکہ بہت خوش ہوں۔ تو میں ان سے اجازت لے کر چلا۔ ابھی میں ڈیرے سے دروازے تک نہیں پہنچا، باہر جھاڑ جھنکار کی جسے کہتے ہیں نا ایک باڑ لگی ہوئی تھی، وہاں سے مجھے آواز دے کر پھر بلایا۔ کہنے لگے بیٹا بات سنو، جب میں لوٹ کے آیا تو مجھ سے کہنے لگے، سبّی جا رہے ہو، بڑی خوشی کی بات ہے۔ وہاں جا کر لوگوں کو اپنا علم عطا کرنے نہ بیٹھ جانا، ان کو محبت دینا۔ میں نے کہا، سر محبت تو ہمارے پاس گھر میں دینے جوگی بھی نہیں، وہ کہاں سے دوں۔ میرے پاس تو علم ہی علم ہے۔ کہنے لگے نہ انہیں علم نہ دینا۔ انہوں نے محبت سے بلایا ہے، محبت سے جانا اگر ہے تو لے کر جانا، لیکن ہم تو ظاہر علم سکھاتے ہیں کہ اتنا اونچا روشن دان رکھو' مویشی کو اندر مت باندھو، ناک سے سانس لو، منہ سے ایکسیل کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ محبت! میں نے کہا، جی یہ بڑا مشکل کام ہے۔ میں کیسے یہ کر سکوں گا۔ میں گیا کوششیں بھی کیں، لیکن

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بالکل ناکام لوٹا، کیونکہ علم عطا کرنا، اور نصیحتیں کرنا بہت آسان ہے، اور محبت دینا بڑا مشکل کام ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بابے وہ ہوتے ہیں جن میں تخصیص نہیں ہوتی۔ اگر آپ زندگی میں کبھی کسی شخص کو آسانی عطا کر رہے ہیں تو آپ بابے ہیں۔ اگر آسانی نہیں عطا کر رہے تو پھر آپ اپنی ذات کے ہیں۔ ان بابوں کی بات کیا کرتا ہوں۔ جیسا کہ میں ابھی عرض کر رہا تھا کہ اس میں جنس کی بھی تخصیص نہیں ہوتی، قید نہیں ہوتی، عمر کی، Age کی۔ میری چھوٹی پوتی نے اس دفعہ گرمیوں کی چھٹیوں میں ایک عجیب وغریب بات کی جو میں تو نہیں کر سکا، اس نے سکول کی تھرماس لے کے اس میں سکنجبین بنائی۔ بہت اچھی ٹھنڈی، اور برف ڈالی، اور اس کو جہاں ہمارا لیٹر بکس لگا ہے، درخت کے ساتھ ہے، اس درخت کی کھوہ میں رکھ دیا۔ اور ایک خط لکھ کے پن کر دیا اس کے ساتھ۔ اس نے لکھا، انکل پوسٹ مین۔ آپ گرمی میں خط دینے آتے ہیں، تو آپ بائیسکل چلاتے ہو، بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ میں نے آپ کے لیے یہ سکنجبین بنائی ہے۔ یہ آپ پی لیں۔ میں آپ کی بڑی شکر گزار ہوں گی۔ ہاں جی تو دوپہر کو ہم روز زبردستی سلا دیتے تھے بچوں کو۔ شام کو جب جاگی تو وہ لے آئی، تھرماس دیکھا تو وہ خط تھا اس کا۔ اس کے اوپر ہرکارے نے جو خاص کان میں رکھتے ہیں بال پوائنٹ، ان کا خاص انداز ہوتا ہے، تو اس نے لکھا تھا، پیاری بیٹی تیرا بہت شکریہ۔ میں نے سکنجبین کے دو گلاس پیئے، اور اب میری رفتار اتنی تیز ہوگئی ہے کہ میں ایک پیڈل مارتا ہوں تو دو کوٹھیاں آسانی سے گزر جاتا ہوں، تو جیتی رہ۔ اللہ تجھے خوش رکھے۔ کل جو بنائے گی، اس میں چینی کے دو چمچ زیادہ ڈال دینا۔ یہ اس کی محبت ہے نا۔ یہ بچی جو ہے چھوٹی سی خواتین وحضرات اس نے بابا کی طرح آسانی دی تھی۔ اس نے ایک Relatedness ایک تعلق محسوس کیا اس سے۔ اسی طرح سے میں کہا کرتا ہوں کہ ہماری زندگیوں میں ہمارے اس جلتے ہوئے ماحول میں تکلیفوں بھرے ماحول میں آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ دفاتر، سرکاری دفاتر سے بیوروکریسی سے کوئی خیر نہیں پڑتی۔ لوگ بہت دکھی رہتے ہیں۔ اللہ کے فضل سے ہمارا ایک محکمہ ایسا ہے جو خیر بانٹتا ہے، اور میں اس سے بہت خوش ہوں۔ وہ ڈاک کا محکمہ ہے یعنی آپ بڑی آسانی کے ساتھ اپنی چیز لے جائیں، اور ٹھپا لگا کر آپ کو رسید دیتا ہے میں دعا کرتا ہوں۔ آپ یقین کریں میں سچی بات عرض کرتا ہوں کہ جس طرح سے لوگ کسی درگاہ کے قریب سے گزرتے ہوئے سلام کرتے ہیں، میں جب بھی کسی ڈاک خانے کے پاس سے گزرتا ہوں، چاہے میں گاڑی میں جا رہا ہوں میں انہیں سلام ضرور کرتا ہوں کہ میں آپ کی، اور کوئی خدمت نہیں کر سکا۔ اب آپ کہنے والے ہوں گے۔ جناب یہ منی آرڈر چوری کر لیا تھا، انہوں نے اخبار میں آتی ہیں ایسی چیزیں۔ میں مجموعی طور پر بات کر رہا ہوں۔ وہ بڑی خوبی کے مالک ہوتے ہیں، اور وہ آپ کو آسانیاں عطا کرتے ہیں۔ آپ اپنا پارسل لے کر جائیں، اور وہ بابو جو بیٹھا ہوا ہے، جناب اس پر پیلا کاغذ لگا کر لائیں۔ یہ نیلا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نہیں قابلِ قبول۔ آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ دوسرا یہ کہ ڈوری اس پر سرخ باندھیں۔ یہ جو سیا (دھاگہ) آپ نے باندھا ہے یہ قابلِ قبول نہیں۔ کچھ بھی اعتراض کر سکتا ہے، یعنی آپ دیکھیے ایک چیز جو میرا استحقاق ہے جس پر مجھے پورا حق ہے، اور جس پر ریاض صاحب، قادری صاحب کوئی بھی اس کے اوپر حق نہیں رکھتے۔ اتنی وہ چیز میری ہے کہ اس دنیا میں اس کرۂ ارض پر، اور کسی کی نہیں، اور اس میں شامل ہی نہیں، اور وہ میرا نام، اور میری تاریخ پیدائش ہے۔ اگر مجھ کو وہ خدانخواستہ تاریخ پیدائش دفتر سے لینی پڑ جائے۔ کئی دفعہ Date of Birth نکلوانی پڑتی ہے نا۔ تو وہ کہتے ہیں، اشفاق صاحب چھ مہینے کے اندر اتنی جلدی آپ کو کیسے نکال دیں گے۔ اب روپے کی بات ہے۔ وہ آسانی کے بجائے Objection لگا دیتے ہیں اس کے ساتھ۔ وہ لگائیں اپنا شناختی کارڈ، وہ لگایا، پھر کہا، جی اس کی دو کاپیاں کر کے لائیں، کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔ تو میں بڑی دعا کرتا ہوں اور دعا دیتا ہوں، اور یہ جو بابا پن ہے، ڈاکخانے نے اپنا قائم رکھا ہوا ہے، اور جس میں ہلکی ہلکی کوتاہیاں آتی رہتی ہیں۔ اللہ کے واسطے وہ انہیں دور کریں، تاکہ ہم فخر کے ساتھ اس کو دنیا کے اور اداروں کے ساتھ موازنے اور مقابلے میں پیش کر سکیں۔

میں جب نیا نیا آیا ولایت سے آیا تو میں جاننا چاہتا تھا کہ یہ ڈیرے کیا ہوتے ہیں۔ میں نے وہاں جو پہلی بات نوٹ کی، وہ یہ تھی کہ ہم لوگ اندر بیٹھے ہیں۔ کھانا کھا رہے ہیں۔ بابا سے باتیں ہو رہی ہیں تو جب ہم باہر نکلتے تھے تو ساروں کی جوتیاں ایک قطار میں ہوتی تھیں، اور ان کا رخ باہر کی طرف ہوتا تھا۔ آدمی جوتی اتار دیتا ہے۔ اونچی نیچی پڑی رہتی ہیں تو ڈیروں پر اس کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے۔ میں نے جب دیکھا تو یہ مباح، اچھا فعل ہے۔ لوگوں کی جوتیاں ٹھیک کرنا، اور مجھ میں کیونکہ تھوڑا سا استکبار تھا، گھمنڈ تھا کہ میں ولایت سے پڑھ کے آیا ہوں، بڑا کوالیفیکیشن والا ہوں، ہوتا ہے عام طور پر۔ میں نے ہمت کر کے جوتیاں سیدھی کرنے کی کوشش کی۔ یہ مشکل کام تھا، لیکن میں نے زور لگا کے، اور آنکھ بچا کے (میری بھی عزت کا سوال تھا)۔ تین چار پانچ ٹھیک کی تھیں تو اوپر سے بابا جی آ گئے۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا (کہ نہ نہ پتر تسیں ایہہ کم نہ کرو۔ بالکل نہیں کرنا)۔ آپ نے نہیں کرنا۔ میں نے کہا نہیں جی۔ میں شرمندہ سا تھا، اٹھا لیا مجھے۔ سب لوگ دیکھ رہے ہیں، مجھے منع کر دیا، منع تو ہو گیا۔ لیکن میری طبیعت پر بڑا بوجھ رہا، اور میں یہ سوچتا رہا کہ میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔ میں ایک اچھے فعل میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ ہاں جی میرے ساتھ یہ کیوں کیا تو دوپہر کے وقت ہم اکیلے تھے۔ میں نے کہا، جی میں عرض کروں ایک بات، کیونکہ میری طبیعت پر اس کا بڑا بوجھ ہے۔ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ انہوں نے کہا، یہ ٹھیک ہے جو علم آپ کو عطا کرنا ہے، وہ زیادہ بہتر ہے۔ میں نے کہا، لیکن وہ سر میں تو اچھا کام کر رہا تھا۔ کہنے لگے آپ کے لیے اس لیے ضروری نہیں تھا کہ ایسا فعل آپ کے تکبر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں ،اور اضافہ کر دیتا ہے، کیونکہ چند لوگ دیکھتے کہ جناب سبحان اللہ اشفاق صاحب یہ کام کر رہے ہیں۔آپ نے ،اور ''پانے خان'' بن جانا تھا۔آپ اس کو دیکھیں ہمارے ذہن میں بات نہیں آتی نا۔ بڑی دور کی بات ہے۔نہیں آتی تو اس لیے ہم نے ان لوگوں کی خدمت میں یہ عرض کیا، ہم ہرگز ہرگز پیچھے کی طرف نہیں جا رہے ہیں۔ہم تو بہت آگے ذرا زیادہ Advance جا رہے ہیں۔ہم لوٹ کے آنا چاہتے ہیں۔اس استحکام ،اور مضبوطی کی طرف جو کسی زمانے میں ہمارا طرۂ امتیاز تھا۔

ہمارے ایک یہاں پروفیسر تھے۔بہت اچھے سائیکالوجی کے بھلے آدمی۔میرا بھانجا ان سے پڑھتا تھا تو ایک دن وہ آیا، کہنے لگا، ماموں وہ ہماری ایکسٹرا کلاسیں لیتے ہیں شام کے وقت اور دس Student ان کے پاس بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔امی تو پیسے نہیں دے سکتیں، ابو کا ہاتھ کچھ تنگ ہے۔تو آپ ایسے کریں کہ پروفیسر صاحب سے مل کر کچھ طے کریں۔ابو کہتے ہیں کہ ہم ان کو 500 روپیہ دے سکتے ہیں، تو میں ان پروفیسر صاحب کے پاس گیا۔شام کے وقت گھاس پر پرانے انداز میں بیٹھے ہوئے پڑھا رہے تھے۔بڑے انہماک ،اور لگن کے ساتھ۔تو میں نے گستاخی کی۔میں نے کہا، پروفیسر صاحب میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں تو وہ کہنے لگے، اچھا۔وہ چھوڑ کے آئے۔میں نے کہا، میں آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آیا ہوں۔آپ مجھے جانتے ہیں۔کہنے لگے، ہاں جی ہاں آپ کو بہت اچھی طرح سے جانتے ہیں۔تو میں نے کہا آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ یہ میری بہن زیادہ صاحبِ حیثیت نہیں ہے وہ صرف پانچ سو روپیہ آپ کو دے سکیں گے۔کہنے لگے اشفاق صاحب مجھے پڑھانے کے پیسے تو ملتے ہیں۔میں نے کہا، وہ دوسرے لڑکے آپ کو زیادہ دیتے ہوں گے۔کہنے لگے، نہیں نہیں مجھے سرکار سے ملتے ہیں۔میری تنخواہ ہے۔میں نے کہا، وہ تو کالج میں پڑھانے کے ملتے ہیں یہ تو آپ ایکسٹرا پڑھا رہے ہیں۔کہنے لگے نو نو نو All the time Teacher is Teacher وہ صبح پڑھائے یا شام۔اس کے پیسے تو مجھے سرکار دیتی ہے۔یہ آپ کو کس نے کہہ دیا کہ میں 500 روپیہ لیتا ہوں۔آپ تو مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔یہ تو میرا فرض ہے،اور یہ میری محبت ہے،اور یہ بڑی محبت کے ساتھ لوگ آئے ہیں۔تو وہ پروفیسر تھے جو آسانی عطا کرتے تھے،اور ان کے پاس ،اور کلاسیں آتی رہیں، میں ان کو دیکھتا رہا،اور ان کو سلام کرنے جاتا رہا، کیونکہ وہ بھی ایک بابا تھے، جس طرح میری پوتی ایک بابا ہے۔میں اسے سلام کرتا ہوں، ڈاکخانہ ایک بابا ہے۔یہ ایک استعارہ ہے جس میں بیچ بیچ لوگ بھی ہوتے ہیں لیکن ذرا سا جھٹکا اس لیے لگتا ہے کہ اس میں ایمپوسٹرز تو ضرور آ ہی جاتے ہیں۔جعلی بندے شامل ہو ہی جاتے ہیں جس طرح کئی دفعہ ٹھگ جو ہوتا ہے، وہ فوجی میجر کی وردی پہن کر دکان چیک کرنے چلا جاتا ہے کہ تمہارے کیا حساب و کتاب ہیں،اور گلے میں سے ہزار روپیہ کھسکا کے لے آتا ہے تو آپ کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ جو میجر ہوتا ہے، وہ ٹھگ ہوتا ہے اس لیے آرمی میں سے میجر کا رینک

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نکال دیں۔نہیں یہ بات نہیں ہے۔امپوسٹرز جو ہے' ٹھگ جو ہے، وہ اپنے انداز کا ہے، ویسا ہی رہے گا۔آپ کو اب یہ دیکھنا ہے،اور ذرا سا اس کا آسان ٹمیسٹ یہ جو آپ اپنی ذات پر بھی Apply کر سکتے ہیں کہ اس نے کسی سطح پر کسی طرح سے کسی طریقے سے بنی نوع انسان کو آسانی عطا کی یا نہیں۔

آپ نے اپنے بچپن میں دیکھا ہوگا۔آپ کے محلے کے آپ کے گاؤں کے،اور آپ کے قصبے کے یا آپ کے شہر کے بزرگ جو تھے وہ جب راہ چلتے تھے تو اپنی چھڑی کے ساتھ کوئی کیلے کا چھلکا پڑا ہوا ہے یا کوئی ایسی گری پڑی چیز اینٹ، روڑا ہٹاتے چلے جاتے ہیں۔ہم نے کبھی ایسا نہیں کیا۔بدنصیبی ہے جس دن اپنی چھڑی کے ساتھ' ایک اکیلا آدمی اس آلائش کو دور کرتا چلا جائے گا،،اور مجھے یقین ہے کہ وہ پیچھے چلنے والے آتے جائیں گے،اور ملتے رہیں گے۔ہماری یہ کوتاہی رہی ہے کہ ہم اس کے بارے میں علم عطا کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔وہ بابا جی نے جو کہا تھا کہ علم عطا کرنے نہ بیٹھ جانا، ان کو محبت دینا۔آپ کو مجھ سے محبت دینے کی ضرورت ہے ورنہ علم اندر نہیں جاتا۔وہ پروفیسر جو گھاس پر بیٹھ کے لڑکوں کو پڑھاتا تھا، اس کا علم جاری رہا تھا۔وہ اس لیے کہ اس کے پاس ایک ایسا پرنالہ تھا جو محبت کا تھا،اور پھسل پھسل کر لڑکوں میں داخل ہو رہا تھا۔یہ اس کے بغیر نہیں ہوگا۔خواتین و حضرات آج ہلکی سی وضاحت یہ بابے کی ہوئی،اور آپ کے ذہن سے بہت سے شکوک' میرا خیال ہے دور ہوتے رہیں گے،،نہ ہوتے ہوں تو کوئی ایسی بری بات نہیں۔شکوک کو ساتھ لے کر چلنا ہی اچھی بات ہے۔کیونکہ شک جو ہے خلاف ایمان نہیں ہے۔ایمان کا ایک حصہ ہے، کیونکہ اُس کے ذہن میں شک پیدا ہوگا جو ایمان والا ہے، اللہ کو مانتا ہے تو اس میں ایسی کوئی بات نہیں، لیکن مجھے خوشی ہے کہ ہر ہفتے آپ سے ملاقات ہو جاتی ہے،اور کچھ ایسی باتیں ہو جاتی ہیں، جو میں اپنے لیے جاننا نہیں چاہتا، کیونکہ یہ آپ کا حصہ ہے۔اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے ،اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کلچر

زاویہ پروگرام میں بڑی دیر سے ہم بابوں کی باتیں کرتے رہے ہیں، اور یہ بابے اپنے عہد کے فلسفی، اور دانشور، اور ضمیر کے ساتھ گہرا تعلق رکھنے والے لوگ تھے، جنہوں نے اپنے اردگرد اپنے ماحول سے، اپنے زمینی ماحول سے، بہت ساری خوشیاں، اور آسانیاں اکٹھی کر کے ہمارے حوالے کیں، اور ورثے میں ہمارے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ مجھ سے خاص طور پر فرمائش کی گئی کہ کلچر کے بارے میں کچھ آپ کی خدمت میں عرض کروں۔ اس اعتبار سے شاید آج کا پروگرام تھوڑا سا مختلف ہو، لیکن میں کوشش ضرور کروں گا کہ آسانی سے ان مشکل مراحل سے گزر جاؤں جو ہماری زندگی کے کلچر کی تلاش کے سلسلے میں یا کلچر کو Define کرنے میں پیش آتے رہے ہیں، یا آتے ہیں۔

خواتین وحضرات کلچر کے بارے میں تقریباً 62 کے قریب مختلف Definitions یا اس کے بارے میں باتیں میری نظر سے گزری ہیں، لیکن ماہرینِ علم انسان، اور علم معاشریات کسی خاص حتمی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ یعنی ہماری بہت لائق انتھروپالوجیسٹ "Benedit" جیسی خاتون یا فرانس کے بہت بڑے عالم ''لیوی سٹاس'' سے اور پھر ادبی لیول پر ''ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ'' ان سب نے اس کی Definition کی ہے لیکن میں، سچی بات یہ کہ حوصلہ کر کے، اور دل پر پتھر رکھ کے بڑی جرأت کے ساتھ سمجھتا ہوں کہ مغرب والوں کو کلچر کی صحیح Definition یوں کرنی نہیں آتی کہ وہ کلچر کو انسانی زندگی کے ساتھ ہی وابستہ سمجھتے ہیں۔ یہ زندگی جو ہم گزار رہے ہیں، لیکن اس کے لیے اس زندگی کو دور تک پھیلانے کی ضرورت ہے۔ جب تک آپ زندگی کو جس کا تعلق پیدائش اور موت کے درمیانی حصوں سے نہیں، بلکہ زندگی کے اس لامتناہی سفر کے ساتھ ہے، جو Here سے Hereafter تک چلا جاتا ہے تو ان بے چاروں کو یہی زندگی اور اسی کا علم ہے، اور اس کے بارے میں جانتے ہیں۔ اس لیے وہ اکثر و بیشتر یہی کہتے رہے کہ کسی طے شدہ، کسی مخصوص، کسی گروہِ انسانی کے آپس کے تعلقات، ان کے اعتقادات، ان کے کھیل کھلونے، ان کا اٹھنا بیٹھنا، اُن کی جرأت وصداقت۔ ان کے کلچر کا حصہ ہیں،

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اور حصہ بنتے ہیں۔ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ واقعی یہ بات ٹھیک ہے، اور صحیح ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں جب تک زندگی کے ساتھ آپ موت کو شامل نہیں کریں گے۔ اس وقت تک زندگی کا پورا مقصد، وزن واضح نہیں ہوتا۔ یہ بہت اہم چیز ہے، اور خاص طور پر ہمارے لیے یہ سمجھنا بہت ہی آسان ہے، جہاں پر ہم اپنی زندگی کا نذرانہ پیش کر کے موت خریدتے ہیں، اور Hereafter پر Believe کرتے ہیں۔ اس Definition میں ہم اگر بہت پیچھے جائیں، اور اس کو ٹٹولنے کی کوششیں کریں کہ کلچر دراصل کیا ہے تو آپ مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ میلادِ آدم سے لے کر اب تک انسان قدیم زمانے میں پتھر و دھات کے زمانے سے بھی پہلے زمانے میں انسان پہلی دفعہ اکیلا بیٹھ کے یہ سوچنے پر مجبور ہوا، اور اس نے اپنی ذات کے ساتھ پانچ بہت اہم سوال کیے، اور اس کا جواب نکالنے کی کوششیں کرتا رہا۔ پہلا سوال اس کا یہ تھا کہ

"یہ جو میرے اردگرد کائنات ہے، یہ سورج، چاند، بادل، ستارے، بجلی، زلزلے، طوفان، سمندر یہ کیا ہے؟، اور یہ سب چیزیں کہاں سے آئی ہیں؟، اور کیسے آئی ہیں۔" دوسرے اس نے یہ سوچا کہ "میں خود کون ہوں، اور میں کہاں سے آیا ہوں، اور اِن ساری چیزوں کے ساتھ میرا کیا تعلق ہے؟ اور کس Relatedness کے ساتھ میں ان کے درمیان زندگی بسر کر رہا ہوں۔"

تیسرا سوال اس نے یہ سوچا کہ:

"ابھی جو میرے ساتھ مچھلی پکڑنے جایا کرتا تھا، میرا ماموں، میری ماں کا بھائی، وہ کہاں چلا گیا اچانک، اور میری ماں کیوں روتی رہتی ہے، اور ہم اس کو پتھروں میں رکھ کے واپس چلے آئے ہیں۔ وہ کیا ہوا۔ اور اگر وہ اس طرح کا زندہ نہیں رہا، تو کیا اس طرح کا زندہ ہے، جس کا میں، شعور نہیں رکھتا اور اگر وہاں اس کی زندگی بھی کچھ ہے، تو کیا اس زندگی میں کوئی Audit' Objection ہوتا ہے کہ پیچھے کیسی زندگی بسر کر کے آیا ہوں یا نہیں۔

یہ پانچ سوال انسان کی زندگی کے گرد گھومتے ہیں۔ میرے، آپ کے، ہمارے۔ ہمارے پرکھوں کے، ہمارے بزرگوں کے، اور انہوں نے ان پانچ سوالوں کے جواب اپنی اپنی استعداد، اور اپنی اپنی سوچ، اور اپنے اپنے مشاہدے، اور تجربے کے مطابق نکالے۔

اب خواتین و حضرات! میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس گروہِ انسان نے ان پانچ چھ سوالوں کے جواب ایک طرح کے نکالے ہیں۔ ان کا کلچر ایک ہے، اور جنہوں نے اس کے جواب، اور طرح سے نکالے ہیں۔ ان کا کلچر مختلف ہے۔ یہ سیدھی سی ایک تقسیم ہوگئی۔ ہم سے کوتاہی یہ ہوئی ہے، اور ہوتی رہی ہے، کہ ہم طرزِ بود و باش کو، زندگی بسر کرنے کو، رہن سہن کو، معاشرت کو، کلچر سمجھتے ہیں، اور آج تک یہی سمجھتے چلے آئے ہیں کہ معاشرت یہ ہے کہ ہم کیسے رہ رہے ہیں۔ گانا بجانا مہندی بیاہ اسی کو کلچر سمجھتے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہیں۔ یہ یقیناً کلچر کا ایک حصہ ہو سکتا ہے، لیکن سارا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ پانچ سوال جو ہیں، وہ اس سے مختلف ہیں، اور اس سے ماورا ہیں۔ اب جب پانچ سوالوں کے جواب آپ نے تو نہیں نکالے، آپ کے بڑوں نے نکالے ہیں، اور ورثے کے طور پر دے دیئے تو پھر آپ کے لیے یہ بہت مشکل ہو جائے گا کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ مل کر رہیں اس طرح سے، جس طرح سے، ان لوگوں کے گروہ نے سوالوں کے جواب نکالے، آپ کے اپنے ہیں، اُن کے اپنے ہیں۔ آپ ایک زمین پر بڑی آسانی کے ساتھ زندہ رہ سکتے ہیں، لیکن سوالوں کے جواب کے حساب سے آپ کا کلچر اور ہوگا، ان کا کلچر اور ہوگا۔ ہم یہ سمجھنے لگتے ہیں۔ کوئی کہے گا کہ بابا دیکھو ہم بھی وہی گانے گاتے ہیں۔ ہمارے فوک Folk song بھی وہی ہیں۔ ہم بھی گانا گاتے ہیں۔ ''جتی کھل دی مروڑا نہیں جھل دی''۔ وہ بھی یہی گاتے ہیں۔ ہم بھی مہندی پر وہی گاتے ہیں تو ہمارا کلچر ایک ہی ہوا۔ نہ نہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے فوک گیت ایک جیسے ہیں۔ آپ کے رہنے سہنے کا آپ کا بود و باش کا طریقہ ایک ہو سکتا ہے۔ آپ کا لباس' لیکن ہرگز ہرگز آپ کا کلچر جس کو آپ ثقافت کا نام دیتے ہیں، وہ وہ نہیں ہے، اور بالکل مختلف ہے۔

پھر آپ سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ یا آپ خود اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ''کیا ایک ہی سرزمین میں رہتے ہوئے، اور ایک سا پانی پیتے، ایک سی روٹی کھاتے ہوئے، اور ایک ہی معاشرت بسر کرتے ہوئے، اور ایک اندازِ زیست اپناتے ہوئے، کیا ہمارے اندر ایک ہی Intervene نہیں کر جاتا۔ آپ اس میں مدغم نہیں ہو جاتے ان کے ساتھ۔ تو آپ اسے جب کبھی آپ کو موقع ملے۔ غور سے دیکھیں گے کہ باوجود اس کے معاشرتی انداز، رہنے سہنے کا طریق، یہ بالکل ایک جیسا ہے، لیکن پیچھے' پس منظر میں ہمارے لاشعور سے بھی بہت پیچھے ہمارے آرکی ٹائپ (Archetype) نے جو طے کیا تھا، ہم اس کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں۔ باوجود اس کے ہمارا روزمرہ کا چلن بظاہر نظر آتا ہے کہ ہم اس طرح کے لوگ ہیں جس طرح کے ہیں۔ اب آپ کے ساتھ ایک عجیب و غریب واقعہ گزرا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب کسی عظیم بڑے کلچر کا دباؤ آپ پر پڑا۔ آپ پر' خاص طور پر اس کمیونٹی پر' جس میں آپ رہ رہے ہیں، اور اس نے اسے قبول کیا، اور اپنے کئی سوالوں کے جواب نکالے ہوئے چھوڑ کے اس نے نئے سوالوں کے جواب اپنا لیے۔ اور اس سے کہا، آج سے میرا ایمان یہ ہے، جو سوالوں کے جواب ہیں تو آپ میں بالکل تبدیلی پیدا ہوگی۔ اب کتنی بڑی تبدیلی پیدا ہوئی کہ جس طرح سے ایک نہایت ترش آم کے اوپر ثمر بہشت کا پیوند لگتا ہے۔ اکثر لوگ آپ سے یہ کہتے ہیں، ہماری Grass roots' ہمارا جو درخت ہے اس کی روٹس تو وہی چلی آ رہی ہیں، اور اس کا تنا بھی وہی ہے لیکن اب ہم پہچانے جاتے ہیں کہ ثمر بہشت کے درخت کے طور پر اب ہم کھٹی امبی نہیں ہیں۔ تو جب بھی کوئی کسی سے کہے گا، یہ ثمر بہشت کا درخت ہے، اور جب آپ پھل لائیں گے، ہر سال پھل دیں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

گے۔ جب جب بھی دیں گے تو اس کا پھل اُس پھل سے مختلف ہوگا جو پہلے ہوا تھا۔

اب یہ اکثر مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا دوسرے کلچر، اپنے کلچر پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ دوسرے رہن سہن بود و باش تو اثر انداز ہوتے ہیں، اور وہ تو آپ اپنی روزمرہ زندگی میں تبدیلیاں کر لیتے ہیں، لیکن آپ کے کلچر کا جو مضبوط تنا ہے، وہ قائم رہتا ہے۔ باوجود اس کے کہ خواتین و حضرات آپ کی جڑیں جو ہیں، وہ پرانی چلی آ رہی ہیں۔ میں نے پیوند کی مثال دی، یہ ذرا سی آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ اگر کبھی ایک خطۂ زمین پر، ایک چھوٹے سے خطہ زمین پر، پانچ مرلے کی جگہ پر دو درخت ہوں، ایک جامن کا ہو، ایک آم کا ہو، اور دونوں درختوں کے پتے، اور شاخیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہوں، اور دونوں درخت کاربن ڈائی آکسائیڈ کھا کے تنومند ہو رہے ہوں، اور آکسیجن چھوڑ رہے ہوں۔ دونوں درخت اتنے قریب ہوں کہ شاید نیچے ان کی جڑیں بھی ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہوں، اور چکر کاٹتی ہوں۔ اتنی قربت اوپر بھی، نیچے بھی، ہوا کے لینے میں بھی، نشوونما حاصل کرنے میں بھی، پانی بھی اُسی جگہ کا لے رہے ہوں، اور یہ سب چیزیں لینے کے باوصف آم جب اپنے سوالوں کے جواب نکالے گا تو، اور نکالے گا، جامن جب اپنے سوالوں کے جواب نکالے گا تو اور نکالے گا۔ حالانکہ وہ ایک ہی جگہ پر ہیں۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوگا کہ جڑوں کے آپس میں ملنے پر کوئی کچھ نہیں ہوگا۔ کوئی فرق' تبدیلی نہیں آ سکتی۔ شکل و صورت، اس کے پتے چھال سب جیسے نظر آئیں گے۔ آپ کہیں گے، لیکن جواب نکالنے میں فرق پڑ جائے گا۔ جواب وہی ہوگا اس کا' جو چلا آ رہا ہے۔ مجھ سے یہ بھی کہا گیا، اور کہا جاتا ہے کہ اگر ہم اپنے پرکھوں کو دیکھیں، تو ان میں یہ بات آپ کو نظر آئے گی کہ ان کی تہذیب، ان کا تمدن جو ہے وہ آپ کے اوپر اثر انداز ہوتا ہے ان جڑوں کے ذریعے سے۔

تو ایک روز میں نے اس پاتال میں جانے کی کوشش کی جو Grass Roots کے حوالے سے مجھ کو نیچے لے جا سکتا تھا۔ تو میں بہت نیچے اتر گیا۔ اتنی دور کہ میں ہڑپہ بھی کراس کر گیا۔ موہنجوداڑو بھی کراس کر گیا، اور آگے جا کر میں نے دیکھا، ایک بہت بڑا گیٹ تھا۔ اس کا دروازہ، اور وہاں ایک چوبدار گیٹ پر تھا۔ اس نے کہا، تم کہاں جا رہے ہو، میں نے کہا، میں اندر جا رہا ہوں۔ اس شہر میں داخل ہونے۔ اس نے کہا، نہیں تمہیں پہلے بتانا پڑے گا کہ تم کون ہو۔ میں نے کہا، میں انسان ہوں۔ اس نے کہا، انسان کوئی شناخت نہیں۔ تم بتاؤ تم کس نسل سے، کس ورن سے تعلق رکھتے ہو۔

میں نے کہا، میں انسان ہوں۔ اس نے کہا نہیں، یہاں تم براہمن ہو یا کھتری ہو یا ویش ہو یا شودر۔ تو بتاؤ تم کون ہو؟ تو میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں براہمن ہوں۔ میں نے کہا، میں ویش ہوں۔ اس نے کہا، ٹھیک ہے۔ آپ اندر چلے جائیں، اور آپ کو اجازت ہے۔ آگے ایک، اور چوبدار کھڑا تھا۔ اس

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نے کہا، بہت اچھا تو آ گیا۔ مہاراج ادیراج کا جو ہاتھی ہے، وہ نکلنے والا ہے جو چکر لگائے گا تو اس کے پیچھے ڈھولک بجاتا ٹل بجاتا جا، کیونکہ مہاراج کی پوجا جو ہے، وہ ضروری ہے ہمارا حصہ ہے۔ تو میں نے اس کے ہاتھ سے گھڑیال لے لیا، اور اس کے پیچھے پیچھے بجاتا چلا، اور بھی نوجوان لڑکے تھے۔ مہاراج کے ساتھ سارے شہر کا جو چکر تھا، وہ ہم نے پورا کیا۔ واپس آ گئے۔ تھکا ہارا شام کے وقت جب میں اپنے گھر گیا تو میری ماں نے مجھ سے کہا کہ تیری بہن کا شوہر یعنی تیرا بہنوئی فوت ہو گیا تو تیری بہن جوان ہے، طاقتور ہے۔ تیرا باپ بڈھا ہے۔ ہم نے اس کو اٹھا کر چتا میں پھینکنے کی کوششیں کی ہیں۔ یہ مانتی نہیں ہے۔ تُو آ گیا ہے اس کو پکڑ۔ اس کو چتا میں پھینک' تو میں نے اس کو اٹھایا، میں طاقتور آدمی تھا اور لے جا کر جلتی ہوئی چتا میں اس کے خاوند کے ساتھ بھسم کر دیا، اور یہ سین اپنے بہت پاس سے دیکھ رہا تھا۔ جب میں باہر آیا تو میں نے دیکھا، یہ تفریق انسانوں کے ساتھ اس تیزی کے ساتھ چلی جا رہی ہے تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ مجھ کو یہ حکم مل چکا ہے کہ گورے کو کالے پر، اور کالے کو گورے پر، عجمی کو عربی پر، اور عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے، اور آج سے چودہ سو برس قبل، یہ ڈیموکریسی تو آج آئی ہے نا، ہم مانیں یا نہ مانیں۔ اب یہ بات الگ ہے کہ ہم اس پر عمل کر سکیں، یا نہ کر سکیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے۔ جس دن ہمارا پیوند لگا تھا ثمر بہشت کا، اس کے ساتھ ہی یہ پرچی ٹانک دی گئی تھی میں یہ سمجھتا ہوں، ہماری امت اتنی مختلف ہے۔ دنیا کی ساری امتوں سے کہ اس کے اوپر ایک، اور ثقافت کا اثر ہوا، اور شدت کے ساتھ ہوا، اور یہ پورے کے پورے ان کے ساتھ 90 ڈگری کے اوپر گھوم گئے، اور انہوں نے ان سوالوں کے جواب کو اپنا لیا۔ اپنی خوشی کے ساتھ، اور اپنی ایمانداری کے ساتھ، اور اپنے دل کی لگن کے ساتھ کہ آج کے بعد ہم یہی۔

اب ایک مشکل پیدا ہوتی ہے۔ مجھ سے کبھی پوچھتے ہیں کہ جی آپ یہ بتائیں اس طرح سے تو بہت دھچکا سا لگتا ہے نا جی، کیونکہ ہم اکثر یہ سوچتے رہے ہیں کہ یہ ہمارا کلچر ہے تو جو ہمارے ارد گرد کے لوگ ہیں جن میں ہم رہتے بستے رہے ہیں، وہ کس طرح سے ایک دم سے ہم سے مختلف ہو جائیں گے۔ میں کہتا ہوں، نہیں وہ بالکل مختلف نہیں ہوتے۔ اس کو میں، اور آسانی کے لیے آپ کو ایک مثال دیتا ہوں کہ فرض کریں ہم جہاز کے اوپر سمندر کا سفر کر رہے تھے، اور اچانک سمندر بپھر گیا، اور طغیانی آ گئی۔ اور لہروں کی لپیٹ میں جہاز آ گیا، اور جیسا کہ کہانیوں میں ہوتا ہے، جہاز بالکل تختہ تختہ ہو گیا، اور ہم لوگ ایک ایک تختے پر چمٹ کر ایک جزیرہ قریب تھا، وہاں آ گئے۔ اب مختلف قوموں کے لوگ مختلف بولیوں کے لوگ وہاں جمع تھے تو ظاہر ہے کہ میں نے اس گروہ کی قربت اختیار کی جو میری بولی سمجھتا تھا۔ اس سے آسانی ہوتی ہے اور میں ان کے پاس جا کر بیٹھتا تھا، اور جو یہ گانے پسند کرتے "جُتی کھل دی مڑوڑا نہیں جھل دی" تاکہ مجھے آسانی رہے۔ سارا دن میں ان کے ساتھ گزارتا تھا اور ساری رات۔ تو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

زندگی اس آس میں اچھی بسر ہو رہی تھی کہ اب کوئی ہمیں آئے گی باہر سے مدد۔ تو ہم شاید اپنے گھروں کو واپس جائیں، لیکن بہت زیادہ وقت وہاں پر گزر رہا تھا۔ میں دن تو ان کے ساتھ گزارتا تھا، اور اپنا سارا وقت بھی ان کے ساتھ گزارتا تھا، لیکن جب مجھے یہ خدشہ محسوس ہوا کہ میرے آخری ایام آ گئے، اچانک مرنے لگا ہوں تو میں نے اپنے انہی لوگوں سے کہا کہ اس گروہ کو جو انڈونیشیا والے ہیں، اور جن کی بولی میں نہیں سمجھتا، ان کے حوالے کر دینا، اور جو سلوک وہ میرے ساتھ کریں مجھے قابلِ قبول ہے، تو وہ ان کے پاس میرا سفر جو Here after کی بات کر رہا تھا، وہ میں ان کے حوالے کرتا ہوں، کیونکہ ان لوگوں نے سوالوں کا جواب وہی نکالا ہوا ہے، جو ہم نے نکالا ہوا ہے۔

میں آپ کے ساتھ زبان کے حوالے سے بات چیت کرتا ہوں اور میں بڑا خوش ہوں۔ بڑا احترام بھی کرتا ہوں آپ کا اور آپ سے ملتا جلتا بھی ہوں۔ چنانچہ جب بڑا فیصلہ آئے گا، میرا یا میری نسل کے بڑھنے کا معاملہ ہوگا تو پھر میں ان کے ساتھ تعلق پیدا کروں گا، لیکن جہاں تک بات چیت کرنے کا تعلق ہے، میں بسم اللہ حاضر ہوں تو میں یہ سمجھ سکا ہوں کہ کلچر کا مسئلہ ہمارے لیے یا کم از کم میرے لیے اتنا پیچیدہ، اور مشکل نہیں ہے، اور سوالوں کے جواب سمجھ جانے کے بعد یا ان کو ذہن نشین کرنے کے بعد ذرا آسانی کے لیے میں نے یہ عرض کیا ہے۔ یہ آئندہ کے لیے، اور آپ کے لیے اس میں کوئی زیادہ الجھن نہیں رہنی چاہیے۔ زندگی کے بارے میں اکثر ہم یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں کہ

"Matter of life and death where it is matter of birth and death."

کیونکہ Life کا جو ریلا ہے، وہ چلتا چلا جا رہا ہے۔ یہ جو موت ہے، میں نے پہلے اس کا ذکر کیا۔ اس کی بڑی اہمیت ہے، جو Warrior (جنگجو) ہوتا ہے' جو صاحبِ سیف ہوتا ہے، وہ بڑا مضبوط آدمی ہوتا ہے، اور وہ اپنی موت کے ساتھ ایک رشتہ، اور ایک تعلق ہر وقت قائم رکھتا ہے۔

خواتین و حضرات! اگر آپ نے بہت قدیم فرقوں کے بارے میں، بہت قدیم نسلوں کے بارے میں، کچھ انتھروپالوجیکل سٹڈی کی ہے تو آپ دیکھیں گے کہ جو Red Indian تھے، امریکہ کے اصل باسی، ان میں بڑی عجیب و غریب صلاحیتیں موجود تھیں، وہ ہماری طرح سے یا ہم سے تھوڑا سا زیادہ ہی اپنی موت کے ساتھ وابستہ رہتے تھے۔ ایک انتھروپالوجسٹ کارلوس کاسٹینڑا جو تھا، وہ گیا کچھ ایسی تحقیق کرنے کے لیے پرانے ساؤتھ امریکی سے ملنے۔ اپنے دشمن سے۔ یہ لمبی کہانی ہے، مختصر عرض کروں، اس نے جو باتیں بتائی ہیں یا بیان کی ہیں، یہ سب اچھی ہیں۔ اُس کا نام ڈان جوان ہے۔ امریکی اسے کہتا ہے! میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں۔ ہماری زندگیوں میں ہم جو شہری لوگ ہیں، جن کا تعلق امریکہ کی طرزِ زندگی سے ہے، ہم بہت گھبرا جاتے ہیں۔ ہمارے اندر تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ ہم دو حصوں میں بٹ جاتے ہیں، تو بہت سے سوال ایسے ہوتے ہیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آتے تو اس کا کیا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کریں، اس ریڈ انڈین نے کہا، سوال اتنے پیچیدہ تو نہیں ہیں جتنے تم نے بنا لیے ہیں۔ اس نے کہا، دیکھو فرض کرو۔ میں ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اور میری زندگی میں ایک، دوسری لڑکی آ گئی۔ اب میں فیصلہ نہیں کر پاتا، اور میں اپنے آپ کو بے ایمان بھی نہیں ٹھہرانا چاہتا۔ میں دغدغہ (Confusion) میں بھی ہوں۔ میں کیا کروں؟ تو آپ مجھے رائے دیں۔ اس وقت کیسے کرتے ہیں، اور آپ لوگ جو قدیم Red Indian ہیں، اور جو ایک Seprate Reality کے حامل ہیں۔ اس نے کہا، اوہو یہ تو بڑا سیدھا سا معاملہ ہے، جب ایسی مصیبت پیش آئے، جب بھی ایسی دغدغہ میں ہو تو ہمیشہ اپنی موت سے پوچھو۔ اب مسئلہ آ گیا، اس سے وہ کیسے پوچھیں؟ اس نے کہا، ہر آدمی کی موت جو ہے، وہ پانچ فٹ کے فاصلے پر لفٹ ہینڈ سائیڈ پر ساتھ ساتھ چلتی ہے، کیونکہ وہ اس کو protect کرتی ہے۔ جو خدانخواستہ فوت ہو جائے تو موت پاس موجود نہ ہو تو وہ تو مارا گیا۔ لائن حاضر ہو گیا تو اس کی موت کا فرض ہے ساتھ رہے۔ چنانچہ کہنے لگے، اس سے پوچھا جانا بہت ضروری ہے، تو تم کبھی بھی اس سے سوال کر کے پوچھو۔ اس نے کہا، کیسے جواب دے گی۔ تو کہا، پہلے تو تمہیں Emotionally Vibration کا پتا چلے گا۔ پھر ایسا موقع بھی آنے لگا ہے کہ ہمارے بڑوں کی زندگی کو وہ بالکل Vocal ہو کر بات بتا دیتی ہے کہ کرنا ہے یا نہیں کرنا۔

تو انسانی زندگی کو اس زندگی تک محدود نہیں رکھنا چاہیے، بلکہ Here اور Here after جب ملتا ہے تب جا کر یہ سفر مکمل ہوتا ہے یا زندگی یا حیات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آپ کی بڑی مہربانی، اور شکریہ آپ کا بھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تعریف وتوصیف

میں آپ کی خدمت میں اپنا، اور اپنے ساتھیوں کا سلام تو پہنچا دیا کرتا ہوں، لیکن میں نے جائزہ لیا کہ شکریہ ادا کرنے کے معاملے میں مَیں بھی تھوڑا سا بخیل ہوں اور جن لوگوں کے درمیان میں رہتا ہوں، ان میں بھی یہ عادت بیدار نہیں کی جا سکی۔ اس کی پتا نہیں کیا وجہ ہے۔ ہم بہت اچھے لوگ ہیں، پیارے لوگ ہیں۔ اچھی خوش بختی کا سامان مہیا کرتے ہیں ایک دوسرے کے لیے، لیکن تعریف و توصیف کے معاملے میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ ہمارے یہاں یہ رواج ابھی بن نہیں سکا اور ہم نے اس کے بارے میں غور نہیں کیا کہ تعریف وتوصیف بھی واجب ہے۔ کہیں واجب نہیں ہے تو بھی کی جانی چاہیے تاکہ انسانوں کے درمیان اتحاد، اور ہم آہنگی، اور ایک Unity پیدا ہو۔ بدقسمتی سے ہمارے یہاں آدمی کے چلے جانے کے بعد اس کی تعریف ہوتی ہے۔ اگر آپ لاہور کے سب سے بڑے قبرستان میانی صاحب میں جا کر دیکھیں تو بہت سے کتبے آپ کو ایسے نظر آئیں گے جن کے اوپر مرحوم کا نام، تاریخ پیدائش، تاریخ وفات لکھی ہوگی۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ توصیفی کلمات بھی ہوں گے۔ اب وہ بے چارہ باہر نکل کر تو نہیں دیکھ سکتا کہ کتبے پر کیا لکھا ہے، یہ تو اس کے کام نہیں آیا۔ بہتر یہی تھا کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کی کچھ تعریف وتوصیف ہو جائے تو اس کو کچھ سہارا ہو۔ اس کو پتا چلے کہ میرے اردگرد رہنے والے لوگ جو ہیں، وہ بہت تقویت عطا کرنے والے لوگ ہیں۔

ایک واقعہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ صحابی آئے۔ کچھ صحابی وہاں پہلے تھے۔ نئے آنے والوں نے عرض کی، یارسول اللہؐ یہ جو آپ کے صحابی ہیں۔ یہ مجھے بہت پیارے لگتے ہیں اور یہ مجھے اچھے لگتے ہیں۔ میں ان سے زیادہ متعارف تو نہیں ہوں، لیکن یہ بہت دل والے ہیں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ کیا آپ نے ان سے یہ بات کہی تھی۔ انہوں نے کہا کہ جی میں نے تو نہیں کہی تھی۔ کہنے لگے فوراً جائیے۔ ان کے پیچھے، اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یہ کہیے، آپ مجھے اچھے لگتے ہیں، مجھے پیارے لگتے ہیں۔ تو وہ ان کے پیچھے بھاگے، اور جا کے کہا کہ میں آپ سے بڑی محبت کرتا ہوں۔ تو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

انہوں نے ظاہر ہے، محبت کا جواب محبت سے دیا ہوگا۔ ہمارے ہاں کچھ کچھ محبت کی کمی ہو رہی ہے۔ یہ نہیں کہ ہمارے دلوں میں نہیں ہے۔ میرے خیال میں ہمارے دلوں میں تو کافی محبت ہے۔ ہمارے لوک گیت، اور لوک داستانیں بتاتے ہیں۔ ہم بڑی محبت کرنے والے لوگ ہیں، لیکن زبان سے اظہار نہیں کر پاتے۔ پتا نہیں کیا وجہ ہے، اور تعریف، اور توصیف کا اظہار بے اختیار، بے ساختہ ہونا چاہیے۔ کتابوں کی رونمائی ہوتی ہے۔ تعریف و توصیف کی جاتی ہے مصنف کی۔ کتاب کی۔ وہ ایک طرح سے زبردستی کی تعریف ہوتی ہے۔ اچھی بات ہے، وہ بھی ہونی چاہیے۔ اب دیکھیے کسی نے کتاب لکھی ہے جیسے کہ وہ صاحبِ اولاد ہوا ہے، صاحب کتاب جو ہوا ہے، تو جو صاحبِ اولاد ہو، اس کے گھر جا کر ودھائی تو دینی پڑتی ہے نا، اور بعض اوقات تو یہ تعریف و توصیف آپ کا سہارا بھی بنتی ہیں، آپ کی مدد بھی کرتی ہیں۔ آپ کو محفوظ بھی رکھتی ہیں۔

ہمارے ایک پروفیسر تھے۔ وہ یہ کہا کرتے تھے، دیکھو جب آپ ہوٹل میں جائیں یا ریستوران میں جائیں، اور کھانا کھائیں، اور آپ کسی وجہ سے ناراض ہوں تو آپ بلا کر ہوٹل کے منیجر کو جو چاہے کہہ لیں، کوئی اس میں بری بات نہیں ہے۔ ریستوران کے مالک کو بلا کر اس کو ذلیل و خوار کر لیجیے کوئی بات نہیں، لیکن خدا کے واسطے کبھی بیرے کے ساتھ سختی سے پیش نہ آیئے گا، کیونکہ اگر آپ بیرے سے سختی سے پیش آئیں گے تو اس کا نتیجہ بڑا خطرناک نکل سکتا ہے۔ کیونکہ ایک دفعہ میں نے دیکھا، یہاں ایک بڑے ہوٹل میں دو بیرے اپنی اپنی یونی جو ہوتی ہے، تھالی لیے چوکھٹ کے ساتھ لگے کھڑے تھے، اور ایک صاحب بڑے جنٹلمین کھانا کھا رہے تھے۔ ایک بیرے نے دوسرے بیرے کو بلا کر کہا، وہ دیکھو کھا گیا، کھا گیا۔ پتا ہی نہیں لگا اس کو تو۔ تعریف و توصیف اس اعتبار سے فوائد پہنچانے والی چیز بھی ہے۔ ہمارے ہاں البتہ اس کی بہت کمی ہے جس کی طرف میرا خیال ہے توجہ دی جانی چاہیے۔ دکاندار کے، اور گاہک کے درمیان شکریہ کا جو چلن ہے وہ نہیں ہے۔ جب آپ پٹرول لیتے ہیں تو اس لڑکے سے جس نے آپ کا پٹرول ڈالا ہے، کبھی آپ نے شکریہ نہیں کہا۔ اس لیے کہ آپ بڑے آدمی ہیں، تو ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے شکریہ ادا کرنے کی۔ کیونکہ ہمارے یہاں پر بڑے عرصے سے حکمرانی رہی ہے' بڑے بادشاہوں کی' پھر کمپنی بہادر کی، اور ہم نے یہ طریقۂ کار، اور چال چلن سیکھا ہی انہی سے ہے۔ شکریہ ادا کرنے سے آدمی خود مفرح ہوتا ہے، اور اس کی روح پر، اور اس کے وجود پر، اور اس کی شخصیت پر، اور اس کی فردیت پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ یہ ہمیں ہمارے بڑوں نے ہمارے استادوں نے سکھایا ہی نہیں۔ ان کو Thank you کہنا سکھایا ہی نہیں گیا۔ اگر بتایا جاتا تو ہم یقیناً اس کا پالن کرتے۔ جو ہمارے پروفیسر تھے جن کا میں نے ذکر کیا، وہ پروفیسر نہیں تھے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں، یعنی استاد الاساتذہ، اور استادِ مکرم تھے، یعنی پروفیسر کے اوپر کی ڈگری تھی، وہ تشریف اسی لیے لائے تھے کہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سٹاف روم میں پروفیسر حضرات سے ملیں، اور ان کو زندگی آموز، اور زندگی آمیز چیزوں سے روشناس کرائیں۔ تو وہ کہا کرتے تھے کہ دیکھو یہ انسانوں کی بات ہے۔ جب کبھی پودا بھی زمین سے اکھاڑو تو پہلے اس سے اجازت لو کہ میں تمہیں اکھاڑنے لگا ہوں، اور میں تمہارا بڑا احترام کرتا ہوں، اور تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہیں اکھاڑوں گا۔ تمہیں اپنے استعمال میں لاؤں گا، لیکن اس کے ساتھ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ میں بھی تمہارے کام آؤں گا۔ میں جب مٹ جاؤں گا، میں جب کھاد بن جاؤں گا تو تیری نسل کے تیرے خانوادے کے کام آؤں گا۔ یہ بڑے لوگوں کی بات ہے۔ تو ہمیشہ اُس سے اجازت لے کہ اس سے محبت کی گفتگو کر کے اکھاڑو، اور پھر فرماتے تھے کہ اس سے ہمیشہ اونچی آواز میں بات کرو۔ "مِن مِن" کر کے نہیں تاکہ اوروں کو بھی سنائی دے کہ آپ اس کے شکر گزار ہو رہے ہیں۔ اسے اکھاڑ رہے ہیں۔ دھنیا کے پودے، پودینہ ہے، بے شمار چیزیں ہیں۔ میں نے کہا، سر کبھی میں نے تو بندوں کا شکریہ ادا نہیں کیا یہ آپ کیسی بات کر رہے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی جب میں غور سے دیکھتا ہوں تو ہمارے معاشرے میں ہماری معاشرت میں بھی کبھی کبھی ایسے آدمی مل جاتے ہیں جن کے اندر تشکر کا جذبہ ہوتا ہے۔

کئی سال کی بات ہے، میرے پاس ایک سائیکل ہوتی تھی جو پٹرول سے چلتی تھی۔ جسے N.S.U Quickly کہتے تھے۔ وہ میں نے 925.35 میں خریدی تھی، اور وہ بڑی طاقتور تھی۔ آج کل کے موٹر سائیکل سے بہت آگے نکل جاتی تھی۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ جب پٹرول ختم ہو جاتا تھا تو اسے سائیکل کی طرح پیڈل مار کر چلا سکتے تھے۔ جرمنی کی بنی ہوئی تھی مجھے بڑی مہربانی سے ڈائریکٹر آف انڈسٹری نے پرمٹ دیا تو ہم نے 935 روپے اکٹھے کر لیے، ساتھ کچھ پیسے دیئے اور خریدی۔ یہ کافی دیر کی بات ہے 1960-61 کی تو میں اس کو چلاتا تھا۔ ایک دفعہ چلاتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ بڑے فخر کے ساتھ بڑی اچھی سواری تھی۔ لوگ پیچھے مڑ مڑ کے دیکھتے تھے کہ کتنا عزت والا آدمی ہے۔ اس کے پاس Quickly موٹر سائیکل ہے۔ ایک دفعہ میں آ رہا تھا تو سنٹرل جیل کے پاس ایک نوجوان تھا۔ اس نے مجھے روکا۔ وہ بشرٹ پہنے تھا۔ پاؤں میں اس کے چپل تھی، اور پرانی وضع کی ایک جینز پہنے ہوئے تھا۔ اس نے کہا، جی مجھے آپ جتنی دور تک بھی لے جا سکتے ہیں، لے جائیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے آیئے بیٹھیے۔ لیکن وہ مجھے تھوڑا سا مشکوک سا لگا تو میں نے کہا، آپ یہاں کہاں تھے؟ تو اس نے کہا، جی میں اپنے کچھ کاغذات لینے آیا تھا۔ یہاں سے جیل سے۔ میں پرسوں رہا ہوا تھا مگر میں اپنی چٹ بھول گیا، پتا نہیں کیا چیز تھی۔ میں نے کہا، یہاں آپ قید تھے؟ کہنے لگا، ہاں جی میں بہت مشہور جیب تراش ہوں۔ گرہ کٹ۔ وہ کہنے لگا جی میرا علاقہ جو ہے وہ مصری شاہ ہے۔ مصری شاہ ایک علاقہ ہے لاہور کا میں وہاں کا ہوں۔ مجھے پکڑ کر انہوں نے زبردستی مقدمہ کر دیا میرے اوپر۔ حالانکہ میرے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خلاف لوگوں کی گواہیاں بھی نہیں تھیں۔ میں نے کہا۔ تم گرہ کٹ ہو تو سہی۔ کہنے لگا، ہاں ہوں تو سہی لیکن اس مقدمے میں میرے ساتھ بے انتہا ناانصافی ہوئی، اور مجھے نو مہینے کی سزا دے دی تو میں نو مہینے کی سزا پوری کر کے اب گھر جا رہا ہوں۔ میں نے کہا، اچھا پھر تو آپ بڑے معزز آدمی ہیں۔ جب آپ نے شرافت کے ساتھ دیانت داری کے ساتھ یہ سارا واقعہ سنایا ہے۔ آپ بیٹھیں۔ وہ پیچھے بیٹھ گیا تو ہم چلتے رہے۔ جب ہم فیروز پور روڈ پر وہاں پہنچے جہاں فیروز پور روڈ آگے جا کر لٹن روڈ میں تبدیل ہو جاتی ہے، تو وہاں پر جا کر اس نے کہا، آپ ادھر سے چلیں ٹمپل روڈ کی طرف سے۔ میں ادھر چلا آ گے۔ درمیان میں پہنچے۔ اس سڑک پر تو سپاہی کھڑا تھا سیٹی بجا کے روک لیا۔ تو اس نے کہا، یہ تو ون وے ہے۔ میں نے کہا، سر یہاں کوئی بورڈ وغیرہ تو ہے نہیں۔ اس نے کہا، نہیں، سرکار کا یہ کام نہیں کہ بورڈ لگائے۔ اس کا کام حکم دینا ہے۔ سرکار نے حکم دیا ہے، یہ ون وے ہے تو آپ ادھر سے کیوں آئے۔ میں تو آپ کا چالان کروں گا۔ میں نے بڑی ان کی منت خوشامد کی کہ آپ چالان نہ کریں، وہ جو تھا میرا ساتھی، وہ بھی اتر کے کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا، سنتری بادشاہ جانے دیں۔ یہ کیا ہے، غلطی ہو گئی ہم سے، پتا نہیں تھا۔ اس نے کہا، نہیں میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے کچھ بحث کرنے کی کوشش کی کہ آپ کو باہر بورڈ لگانا چاہیے تھا۔ آپ نے بورڈ نہیں لگایا، اس نے کہا بورڈ لگانا ہمارا کام نہیں ہے۔ یہ کسی اور محکمے کا کام ہے۔ آپ کو پتا ہونا چاہیے۔ اس نے کہا، قانون سے ناآشنائی جو ہے، وہ ہمارا قصور نہیں ہے' آپ کا قصور ہے۔ آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ لاہور کی کون سی سڑکیں ون وے ہیں، اور کون سی نہیں ہیں۔ تو میں نے کہا، اب کیا کیا جا سکتا ہے۔ کافی بحث و مباحثے کے بعد اس نے کاپی نکالی۔ کاربن رکھا، اور میرا نام پوچھ کے لکھ کے چالان کر کے پھاڑ کے کاغذ مجھے دے دیا، اور کاربن اگلے کاغذ کے نیچے رکھ کے وہ کاپی جو تھی، اپنی بشرٹ کی جیب میں ڈال لی۔ اب وہ جو میرا ساتھی تھا، جس کو میں پیچھے بٹھا کے لا رہا تھا، وہ بے چارہ ظاہر ہے بڑا پریشان ہوا کہ میری وجہ سے۔ یہ ہوا تو اس نے ہاتھ باندھ کر کہا، سنتری بادشاہ یہ صاحب کا قصور نہیں ہے۔ یہ میرا قصور ہے۔ میں ان کو اس طرف لے آیا تھا' تو آپ ان کو خدا کے واسطے معاف کر دیں۔ اس نے کہا، نہیں، قانون قانون ہے۔ وہ میرا ساتھی اس کے گلے لگ کے جپھی ڈال کے پھر کھسک کے نیچے پاؤں میں بیٹھ گیا۔ پاؤں سے پھر اونچا اٹھا، پھر اس کو دیئے خدا کے واسطے۔ اس نے پرے دھکیل دیا۔ تو اس نے کہا، ٹھیک ہے، تمہاری مرضی۔ کوئی بات نہیں۔ سپاہی نے بتا دیا کہ فلاں مجسٹریٹ کی عدالت میں بدھ کے روز حاضر ہونا ہے۔ میں نے کہا، ٹھیک ہے۔ تو جب پھر میں سوار ہو کر موٹر سائیکل چلانے لگا تو ہم دونوں ہی بڑے پژمردہ تھے۔ پھر اس نے کہا مجھے بھاٹی کی طرف لے چلیں۔ میں نے کہا، ٹھیک ہے، جہاں چاہو لے چلو۔ بھاٹی کے باہر اتار دیں۔ پھر وہاں سے میں اپنا کوئی بندوبست کر کے چلا جاؤں گا۔ تو جب میں بھاٹی پہنچا۔ تو اس نے کہا، میں آپ کا بڑا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

شکرگزار ہوں۔ آپ نے بڑی محبت کے ساتھ، محنت کے ساتھ، اور بڑی دید کے ساتھ مجھے یہاں تک پہنچایا۔ میں نے کہا، کوئی بات نہیں، اور اس نے کہا، میں آپ کی خدمت میں کیا شکرانہ پیش کروں، اور پھر اس نے جیب سے نکال کر سپاہی کی کاپی مجھے دے دی، وہ جس کے اوپر چالان لکھتے ہیں نا، جس میں نیا کاربن بنا کے رکھا ہوا تھا جس میں میرے بھی چالان کی نقل تھی، یہ آپ کی۔ جب وہ چھپی ڈال رہا تھا، اس کے نیچے اوپر ہو رہا تھا۔ اب گرہ کٹ بھی کمال کا تھا۔ انہوں نے کہا، جی میری یہ یادگار آپ رکھیں۔ سارے چالان پاس رکھیں۔ ایسے ہی مجھے یہ واقعہ یاد آ گیا۔ ایک آدمی کے اوپر جب کسی نے کوئی چھوٹا معمولی سا بھی کرم کیا ہو، اس کا ایک بوجھ پڑتا ہے۔ اس بوجھ کی ادائیگی جو ہے، فوری طور پر بہت ضروری ہے کہ کر دی جانی چاہیے۔ کم از کم شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ جی بالکل کم از کم شکریہ ادا کر دینا چاہیے۔ ہمارے ہاں رواج نہیں ہے جی، سکھایا نہیں کسی نے۔ اگر ہمیں سکول میں سکھایا گیا تو ٹیچر، اور سٹوڈنٹ کا جو تعلق ہے یا بڑوں کے ساتھ ہے یا کہیں سے آپ کا کام ہو گیا ہے، لیکن ان چھوٹی چھوٹی جگہوں کے اوپر جہاں میں نے دیکھا ہے، دکانوں کے اوپر کبھی ہم نے شکریہ اور کیا ہی نہیں۔

اگر ہمیں یہ بات بتائی جائے تو ہم کریں گے۔ جیسے ہمیں السلام علیکم کہنا بتایا گیا ہے۔ وہ اب بھی آپ دیکھتے ہیں، میں صبح سیر کرنے جاتا ہوں تو آدمی سلام کیے بغیر ایک دوسرے کے قریب سے گزر جاتے ہیں، ورنہ آپ جا کر دیکھیں فرانس میں خاص طور جانتے نہیں ہیں ایک دوسرے کو، لیکن کہتے چلے جاتے ہیں بدستور۔ بڑی محبت، بڑی دلجمعی کے ساتھ کہتے چلے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں میں نہیں سمجھتا کہ کسی قسم کا بوجھ ہے یا کوئی اس کے اوپر ہمارے اندر جیلسی ہے یا کوئی جھگڑا۔ ہمارے اندر ایک بات البتہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اس مرتبے کا سمجھتا ہے کہ وہ کہتا ہے، میں اس کا کیا شکریہ ادا کروں۔ مثلاً آپ سڑک سے گزر رہے ہیں تو سڑک پر سے گزرتے ہوئے خاکروب جو ہے وہ جھاڑو دے رہا ہے، خاکروب عام طور پر اچھے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ جھاڑو روک لیتا ہے، اور آپ گزر جاتے ہیں۔ تو آپ کبھی اس کو شکریہ، مہربانی نہیں کہتے ہیں۔ ہمارے بابا جی نور والے فرماتے ہیں کہ مجھے خاکروب سے بات یاد آئی کہ جب بھی کبھی دھول اڑاتے ہوئے سڑکیں صاف کرتے ہوئے خاکروب یا خاکروبوں کے گروہ کے درمیان سے گزرو تو کبھی ناک کے اوپر رومال نہ رکھو یا ہاتھ نہ رکھو، کیونکہ وہ بھی انسان ہیں جو یہ کام کر رہے ہیں، اور آپ ناک پر رومال رکھ کے ان کی تذلیل کر رہے ہیں کہ دیکھو میں ایک بڑا سپیریئر آدمی ہوں۔ میں ایک افضل آدمی ہوں۔ میں جب سانس لیتا ہوں تو اس گرد میں نہیں لیتا جس میں تم لیتے ہو تو اس لیے وہاں سے ویسے ہی گزر رو۔ ہم چونکہ ہمیشہ بیچ میں حجت کی بات کوئی نہ کوئی نکالا کرتے تھے، تو ہم کہتے تھے کہ حضور۔ ہمارے بڑے کہتے ہیں کہ آکسیجن کو Inhale کرنا چاہیے، گرد و غبار سے بچنا چاہیے۔ کہنے لگے، زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہو کہ جب ان کے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

درمیان سے گزرو تو سانس روک کر گزرو، لیکن یہ نہیں کرنا چاہیے کہ آپ اپنی مٹھی بنا کر ناک پر ہاتھ رکھ کر گزریں۔ ان کو انسان سمجھیں۔ ہمارے لیے یہ نیا درس تھا کہ ان کو انسان سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ ہمیں یہ بتایا نہیں تھا کسی نے، کیونکہ ہمارا ایک برہمن سسٹم ہے جو ہندوؤں سے مستعار لیا ہے ہم نے۔ کیونکہ برہمن، کھتری، ویش، شودر یہ سلسلے ہیں ارفع آدمی ہونے کے۔ ایک چھوٹا ہوتا ہے، اور ایک اس سے چھوٹا ہوتا ہے، جبکہ ہمارے ہاں یہ جو حکم دیا جا چکا ہے، آج سے ساڑھے چودہ سو برس پہلے کہ بنی نوع انسان ایک نفس ایک آدمی کی اولاد ہیں، اور عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں، نہ گورے کو کالے پر نہ کالے کو گورے پر، لیکن بدقسمتی سے ہم اس درس کے قریب ایک صاحبِ حال ہونے کی حیثیت سے نہیں گزرے، صرف اکتسابی طور پر ہم نے پڑھا ہے یا کتابوں میں پڑھا ہے، اسی کو لے کر آگے چلتے رہے ہیں۔ مجھے اپنے وہ استاد ماسترو یاد آرہے ہیں کہ کئی دفعہ چھٹی کے دن یا جب آدھی چھٹی ہوتی تھی، یونیورسٹی میں تو ہم پروفیسران سے درخواست کرتے تھے کہ آپ ہم کو ساتھ لے کر چلیں، اور ہم آپ کی معیت میں گھومنا چاہتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے پہاڑوں کے اندر سے لے کر گزرتے ایک نالہ آتا تھا۔ ایک برساتی نالہ کہہ لیں، اس کے اوپر کوئی پندرہ بیس فٹ لمبا پل ہوگا۔ پرانی وضع کا جیسے آپ نے دیکھا ہوگا، ہمارے شمالی علاقوں میں۔ تو جب ہم اس کے اوپر سے گزرے باتیں کرتے ہوئے، اٹھکیلیاں کرتے ہوئے، گپیں کرتے ہوئے تو ماسترو بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب ہم گزر چکے اُس پل پر سے تو وہ گھومے۔ کہنے لگے Thank you very much. Thank you پل کا شکریہ ادا کیا، تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ جب بھی کبھی پل پر سے گزرتے تھے یا کسی ایسی مشکل اوگھٹ گھاٹی سے تو اس کا شکریہ ضرور ادا کرتے تھے۔ میں اس سے گزرا ہوں تو ان کی محبت کا یہ پہلو، اور ان کی نرت اتنی خوب صورت ہوتی تھی کہ جب وہ پلٹتے تھے ناہاتھ اٹھاتے شکریہ ادا کرنے کے لیے، جی چاہتا تھا کہ ہماری راہ میں ایسی مشکلات آتی رہیں، اور ماسترو ہمارے ساتھ چلتے رہیں، اور وہ شکریہ ادا کرتے رہیں، اور ہم اس سے سیکھتے رہیں کہ شکریہ ادا کرنے کے لیے کیسے کیسے رموز ہیں، اور اس کے کتنے کتنے زاویے ہیں، اور کیسے کیسے ان کے پہلو ہیں۔

میں یہ آپ سے عرض کر رہا تھا کہ ہمیں بدقسمتی سے بتایا نہیں گیا۔ سکھایا نہیں گیا، ورنہ ہم کافی اچھے لوگ ہیں۔ میں اس لیے نہیں کہتا کہ میں ان لوگوں سے تعلق رکھتا ہوں۔ ہم میں کافی خوبیاں ہیں، ہم محنتی لوگ ہیں۔ آپ نے دیکھا، چاہے گھر میں ہم محنت نہ کریں، باہر جا کر بحرین، امریکہ، دوبئی میں ہم نے وہاں اپنا سکہ کمال دکھایا ہے۔ یہاں بھی بڑی تیزی کے ساتھ کام کر رہے ہیں، اور انشاءاللہ تعالیٰ اپنے ملک کو بھی Build کر کے رہیں گے۔

میں معافی چاہتا ہوں۔ ہمارے سیاستدانوں نے ہماری ایک ہی ٹریننگ کی کہ اپنا حق حاصل

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کروں اور کرنے کے لیے لڑو، اور کوشش کرتے رہو۔ کسی نے اپنے فرائض کی طرف توجہ نہیں دلائی۔ اگر آج سے، اس تاریخ سے یعنی 1999ء میں یہ شروع کرلیا جائے کہ کچھ ہمارے حقوق ہیں، کچھ ہمارے فرائض ہیں، اور یہ ہم پورے کریں گے، اور پھر ہم اپنے حقوق مانگیں گے تو فائدہ ہوگا۔ میں پھر دبی زبان میں عرض کروں گا کہ ہمارے سیاستدانوں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی، بلکہ اگر دی ہوگی تو دوسری طرف لے جانے کی دی۔ اب اگر ان کو خیال آجائے، اور ہم پر مہربانی فرمانا چاہیں تو ہم کو فرائض کی طرف بھی متوجہ کریں۔ میں ان کو یقین دلانا چاہتا ہوں۔ آپ کی طرف سے، اور سارے Viewer's کی طرف سے کہ ہم اپنے حق ادا کرنے میں بھی خدا کے فضل سے فرائض ادا کرنے میں بھی ویسے ہی ثابت ہوں گے، جیسے کہ ہم اپنے حقوق مانگنے کے لیے بے چین رہتے ہیں

اکثر کہا جاتا ہے سسٹم میں خرابی ہے۔ سسٹم میں خرابی نہیں۔ سسٹم میں بے خیالی ہے' ان ڈیفرنس (Indifference) ہے۔ اگر آپ یہ پورا تہیہ کرلیں ایک فریم ورک کے اندر اندر میں' آپ' ہم سارے تو پھر وہ سسٹم جو کہ خراب سسٹم ہے' وہ رہتا ہی نہیں، اور وہ رواں دواں قافلہ ہوتا جاتا ہے تخلیقات کی طرف۔ لیکن لڑکیاں تو شکریہ ادا کرتی ہیں۔ اپنی سہیلیوں کا شکریہ ادا کرتی ہیں یا نوکروں کا بھی کرتی ہیں۔

آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ یہاں تشریف لائے، اور خواتین و حضرات کا اس سے بھی زیادہ شکریہ کہ آپ نے اس پروگرام کو برداشت کیا۔ پھر انشاءاللہ، اگلی مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے، اور کچھ مزید ایسی ہی باتیں کریں گے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اندر کی تبدیلی

یہ ایک بڑی خوشگوار صبح کا ذکر ہے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ بڑی شدت کا جاڑا تھا اور بڑی روشن صبح طلوع ہو چکی تھی۔ ہم ڈیرے پر موجود بابا جی نور والے سے ان سے کچھ باتیں سننے کی آرزو لے کر بیٹھے تھے۔ جب میں آپ سے "ڈیرے" کا یا "بابا" کا ذکر کرتا ہوں تو آپ کو سمجھنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ میں اگر اس کے بجائے یہ کہتا کہ ہم ایک روز انسٹیٹیوٹ آف ہیومن ریلیشن کے لان میں بیٹھے تھے، اور ہمارے ڈائریکٹر مسٹر بشکنی ہم کو Relatedness ٹو ہیومن ریس کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے تو آپ کو سمجھنے میں غالباً آسانی ہوتی۔ بات یہ ہے کہ الفاظ کی بھی اپنی دنیا ہے۔ پہلے واضح طور پر، الفاظ کے معانی ہوتے ہیں۔ جیسے گل کے معنی پھول ہیں یا آہن کے معانی لوہا ہیں، یا بال جبریل کے معانی جبریل کے پر ہے۔ لیکن الفاظ کے معنی کے ساتھ ساتھ الفاظ کی اپنی ایک شخصیت بھی ہے۔ ان کا ایک قد و قامت بھی ہوتا ہے۔ ان کا ایک مزاج بھی ہوتا ہے۔ ان کی تلخی بھی ہوتی ہے، اور ان میں شفقت بھی ہوتی ہے، اور ان کی ساری شخصیت، اور ساری ترتیب جو ہوتی ہے، وہ اپنے طور پر پڑھنے والے، اور سننے والے پر اپنا اثر چھوڑتی ہے۔ اس لیے ڈیرے کا لفظ اپنے تمام Connotation کے باوجود ہماری گرفت میں اس لیے نہیں آتا کہ ہم نے دیکھا نہیں، ہم وہاں سے گزرے نہیں۔ وہ ہمارا ابھی مصرف نہیں رہا۔

تو ہم وہاں بیٹھے تھے، اور اپنے اپنے انداز میں پاکستان کی بہتری اور بھلائی کے لیے کچھ تجاویز پیش کر رہے تھے۔ کچھ پروگرام بنا رہے تھے۔ وہاں پر مولوی موسیٰ آف دی مسٹری (Mystry) ہوتے تھے۔ بڑے تیز و طرار، اور بڑے دانشور، اور اللہ نے ان کو ایسا ذہنِ رسا دیا تھا کہ بہت جلد بات کو سمجھ جاتے تھے۔ بہت جلد پیش کر دیتے تھے اپنی رائے۔ کونے میں ہمارے ڈاکٹر اشرف صاحب بادام روغن نکال رہے تھے۔ آپ یقین نہیں کریں گے کہ ڈیرے پر چونکہ لوگوں کا علاج بالغذا ہوتا تھا، غذا دے کر بیماری کا علاج کیا جاتا تھا، اور بابا جی یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی غذائیں پیدا کی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہیں، جڑی بوٹیاں پیدا کی ہیں، ان میں سے ہر جڑی بوٹی ہر غذا، ہر اناج ہر گوشت کی قسم ایک خاص بیماری کے لیے مفید ہے، تو بادام روغن جو نکلتا تھا، وہ مشین سے نہیں نکلتا تھا، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مشین سے نکالا جائے تو لوہے کے دو پہیوں کے درمیان آ کر Residue(کچھ حصہ) لوہے کا کچھ شامل ہو جائے گا اور وہ خالص نہیں رہے گا۔ چنانچہ وہاں پر بادام روغن ہاتھ سے نکالا جاتا تھا۔ اچھا یہ بات میں نے جب پہلی بار سنی تو یقین نہ آیا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک پہلوان آتا ہے، بادام کی گریاں لے کر، اور یوں دباتا ہے، اور چرر ایک دھار نکلتی ہے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا، لیکن وہاں جا کر پتا چلا کہ وہ بادام کو کوٹتے ہیں۔ کوٹ کر ایک خاص ٹمپریچر پر گرم کرتے ہیں۔ پھر اسے پرات میں رکھتے ہیں، اور پرات کا ایک حصہ اونچا کر دیتے ہیں۔ کچھ تو ان گرم ہوئے ہوئے سیدھے باداموں میں سے قطرے ٹپکنے لگتے ہیں خود بخود، اور کچھ ان کو آٹا گوندھنے کے انداز میں بعد میں نکالا جاتا ہے، اور وہ تقریباً اتنا ہی نکل آتا ہے جتنا کہ ایک مشین نکالتی ہے لیکن اس کی رنگت، اس کی خوشبو یقیناً بہت اچھی ہوتی ہے۔

یہ تو میں درمیان میں آپ سے ضمنی بات کر گیا' تو وہاں پر جو رائے پیش کی جا رہی تھی، ان میں ہم نے بڑے پروگرام بنائے۔ جیسے آپ ہم سب جب بھی مل بیٹھتے ہیں، پاکستان کے بارے میں فکرمندی کا اظہار کرتے ہیں، اور ہم سوچتے ہیں اگر یہ کیا جائے تو بہتر ہوگا، اگر یہ کیا جائے وغیرہ۔ تو بابا جی یہ باتیں سنتے رہے تو انہوں نے کہا انسان کو راستی پر لانے کے صرف دو ہی طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ جو خرابی ہو، جو خطا ہو، جہاں جہاں پر کوئی خامی ہو، جہاں پر کوئی نیگیٹو پوائنٹ ہو، اس کو دور کیا جائے۔ سیاستدان اور حکمران، اور جہاں بان یہ سارے اس طرح سے علاج کرتے ہیں کہ جہاں پر کوئی خرابی ہو، اسے دور کرنے کے لیے وہاں پہنچا جائے، اس کو دور کر سکتے ہیں یا نہیں، یہ اب اللہ کے اختیار میں ہے۔ انبیا کا طریقہ کار' بابا جی نے کہا، اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ وہاں پر جو بھی خرابی ہوتی ہے، اس کو دور کرنے کی کوشش نہیں کرتے، بلکہ وہاں کے رہنے والے انسانوں کے اندر کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ جب ان کا اندر تبدیل ہو جاتا ہے تو وہ خود بخود اپنی اس خطا کو ٹھیک کر لیتے ہیں، اپنی خامی کو دور کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر آپ ان کو ویسے کا ویسے ہی رہنے دیں، اور ان کی کوتاہیاں دور کرنے کی کوششیں کرتے رہیں تو ابد تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا، اور آپ دیکھتے رہیں گے کہ آپ کے ہاں بڑی خرابی ہے اسے دور کیا جائے۔ تو اندر کا درست کیا جانا بہت ضروری ہے، اور وہاں پر بھی یہی تعلیم ملتی تھی کہ باہر سے تم جیسے کیسے بھی ہو، اندر سے ٹھیک ہونا بہت ضروری ہے، اور جب تک اندر ٹھیک نہیں ہوگا، اس وقت تک کوئی بھی مشین ٹھیک نہیں چلے گی۔

ہمارے ایک دوست تھے۔ ان کے ابا مخدوم صاحب کے پاس ایک کار ہوتی تھی کرائسلر۔ پتا نہیں اب ہے کہ نہیں، ختم ہو گئی ہوگی۔ بڑی سبک، خوبصورت سی اچھی۔ مخدوم صاحب کے پاس

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سارے بہاولپور میں نواب صاحبان کے بعد ان کی کاریں ہوتیں۔ ہمارے دوست رفیق ان کے صاحبزادے تھے۔ وہ کار چلاتے رہے اور ایک عرصہ گزر جانے پر جب اس کا معین وقت آیا تو گاڑی چلنے سے انکاری ہوگئی۔ اب مخدوم صاحب نے اسے احتیاط کے ساتھ ادب کے ساتھ عزت افزائی کے ساتھ اسے ایک چھپر کے نیچے اینٹوں کے اوپر کھڑا کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد مخدوم صاحب فوت ہو گئے، اور رفیق نے یہ سوچا کہ یہ اتنی اچھی کار ہے، اور اس کا انداز، اور اس کی ساخت بہت بہتر ہے، تو اسے چلایا جانا چاہیے۔ تو وہ کوششیں کرتے رہے۔ جہاں سمجھدار لوگ ہوتے ہیں جو بڑے صاحب کی خوشامد وغیرہ کرتے ہیں تو انہوں نے کہا، صاحب ایسے کریں کہ اس کا رنگ بدل دیں۔ جب تک اس کے اوپر اچھا، اور نیا رنگ نہیں ہوگا نا، یہ ٹھیک نہیں ہوگی۔ ہمارے بھی گھروں میں اکثر جب خواتین اصلاح کریں، سب سے پہلے کہا جاتا ہے ڈرائنگ روم بدل دیں۔ کرسیاں ادھر رکھیں۔ میز ادھر چلا جائے تو پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اکثر آدمی بھی کہتے ہیں۔ انہوں نے بھی یہی رائے دی۔ انہوں نے کہا، یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔ انہوں نے سارا رنگ اتروا کر اس پر نیلا رنگ کروایا تب سٹارٹ کی، لیکن سٹارٹ نہ ہوئی۔ اس لیے کہ نیلے رنگ سے تو کچھ نہیں ہوتا۔ وہاں کے ایک پٹواری تھے انہوں نے کہا کہ کرائسلر کا رنگ نیلا نہیں ہوتا، سٹیل گرے ہوتا ہے، عام طور پر یا کالا ہوتا ہے، تو آپ اگر اس پر سٹیل گرے کریں تو اچھا ہے۔ تو سٹیل گرے کروایا گیا، تو پتا یہ چلا جب تک اس کا اندر ٹھیک نہیں ہوگا یہ نہیں چلے گی۔ ہماری بھی یہی کیفیت ہے۔ ہم اپنے اوپر سٹیل گرے رنگ کروا کے گھوم رہے ہیں، اور سوچتے ہیں کہ سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ آپ نے دیکھا ہوگا سیاسی جماعتیں آتی ہیں، آتی رہتی ہیں، چلی جاتی ہیں، اور ہر ایک یہ دعویٰ کر کے آتی ہے بڑی راستی سے نیک نیتی سے کہ جناب ہم آئیں گے تو تمہاری کایا پلٹ دیں گے۔ اچھا وہ آتے ہیں تو ان کا بھی طریقہ کار وہی ہوتا ہے۔ اتنا صبر ان میں ہوتا نہیں کہ وہ انبیا کا راستہ اختیار کر سکیں، اور لوگوں کو تبدیل کر سکیں۔ چھوٹے سے گروہ کو تبدیل کر دیں نہیں کر سکتے۔ وہ کہتے ہیں چلیے ہم یہ کر دیں گے، یہاں سڑک بنا دیں گے۔ پل تعمیر کر دیں گے یہ کوچے آپ کے ٹھیک کر دیں گے۔ صفائیاں کر دیں گے۔ لگے رہتے ہیں بے چارے لیکن ہو نہیں پاتا، کیونکہ وہ گروہ انسانی جو اس کجی کے مقام پر رہتا ہے، جب تک وہ ٹھیک نہیں ہوگا اس وقت تک وہ مقام ٹھیک نہیں ہوگا، چاہے کچھ بھی کر لیں۔ اور آدمی کو پتا نہیں چلتا کہ اس کے اندر کجی کب، کیسے، کیوں واقع ہوئی۔ وہ یہی سمجھتا رہتا ہے کہ میرے اردگرد کے ماحول کی ساری خرابی ہے۔ میری کوئی خرابی نہیں۔ اپنی خرابی پر کوئی غور نہیں کرتا ہے اور وہ ساری ذمہ داری دوسروں پر ڈالتا ہے اور کہتا ہے یہ ہونا چاہیے وہ ہونا چاہیے۔ حکومت کو چاہیے یہ کریں، ان کو چاہیے وہ کریں۔ بوٹی مافیا کیوں ہوتا ہے۔ اس کو ختم کیا جانا چاہیے۔ فلاں چیز کیوں ہوتی ہے اس کا ازالہ ہو، لیکن اگر بیٹھ کے آدمی کبھی مراقبے کے انداز

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں سوچے، اور غور کرے، اور اپنے سیلف کو جانے، اور نکھارنے کی کوششیں کرے تو پھر اس کو پتا چلے گا کہ میرے اگر سیلف (Self) کے اوپر کی کنڈی اس مچھلی کو پھنسا لے تو پتا چلے گا۔ اس کے اندر بہت سی کوتاہیاں، اور خامیاں موجود ہیں جو میں اگر دور کر دوں گا' جیسے کہ بابے نے کیا تھا تو میرا ماحول ٹھیک ہو جائے گا۔ آدمی کو یقین نہیں آتا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنا آپ ٹھیک کر لوں، اور ارد گرد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

میرے پاس ایک بڑا اچھا کلاک تھا۔ پرانی وضع کا۔ میرے ابا جی کا تھا۔ انہوں نے بڑے شوق سے اپنے بچپن میں اپنے باپ سے کہہ کر یا اپنے دادا سے کہہ کر لیا تھا۔ آبنوس کی لکڑی تھی، اور لمبی لٹکن جو تھی پنڈولم۔ اور ہندسے جو تھے وہ رومن ہندسے تھے' جیسے ریلوے سٹیشنوں پر گھڑیوں میں ہوتے ہیں۔ بالکل کالی سیاہ سوئی، اور لگا ہوا وہ گھر میں بڑا اچھا، اور خوب صورت دکھائی دیتا ہے، اور اس کا ارتعاش جب وہ گھڑیال بجاتا ہے تو دور دور تک اس کی آواز جاتی ہے۔ اچانک اچھا بھلا چلتا چلتا وہ کلاک ایک دن رک گیا تو مجھے بڑی تشویش ہوئی، اور پریشانی ہوئی۔ میں نے اس کو کھول کے اس کا جو لٹکن تھا، اس کا جو پنڈولم تھا اس کو ہلایا، جو آدمی کیا کرتا ہے تو وہ چلا' تو سات بجے میں نے ہلایا، سوا آٹھ تک چلا۔ پھر بند ہو گیا۔ اکثر آپ کو تجربہ ہوا ہو گا۔ پھر مجھے کسی سیانے نے بتایا کہ اس کی اندر کی سوئیاں گھمائیں تو پھر یہ ٹھیک ہو گا۔ تو میں نے پنڈولم کو بھی چلا دیا، سوئیوں کو بھی چھیڑا، وہ بھی چلا تو بجائے ایک گھنٹہ کے چلنے وہ دو گھنٹے چل گیا۔ اب سوئیوں کی حرکت سے فرق پڑا لیکن پھر بند ہو گیا۔ تو میں نے اس کو اتار کے بڑی احتیاط کے ساتھ بڑی محبت کے ساتھ، مزید کوشش بھی کی۔ یا اللہ یہ کیسے ٹھیک ہو گا۔ اس کو پھر میں لے گیا ایک بہت بڑے گھڑی ساز کے پاس جو مال روڈ پر ہے۔ ان کو جا کر میں نے دکھایا۔ انہوں نے دیکھا اور کہا، اشفاق صاحب یہ بہت پیچیدہ کلاک ہے، اور یہ پرانے زمانے کا ہے، اور اس کی مشینری جو ہے، یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے میں اسے ٹھیک نہیں کر سکتا۔ مجھے افسوس ہے آپ اسے ایک تاریخی چیز سمجھیں، اور عجائب گھر کا ایک حصہ بنا لیں۔ یہ چلے گا نہیں اسے تو نوادرات سمجھیں۔ میں جب بہت مایوس ہوا، اور اس نے میرا اداس چہرہ دیکھا تو اس نے کہا، آپ اسے چھوڑ جائیں، میں اسے دیکھوں گا۔ شاید اس میں کوئی ایسی صلاحیت ہو کہ خود ہی مجھے بتا دے اپنی طرف سے ورنہ میرے پاس کوئی کاغذ نہیں ہے، نہ میرے استاد نے مجھے پڑھایا ہے۔ میں اسے چھوڑ آیا۔ دوسرے دن میں شام کو گیا تو اس کی دیوار کے ساتھ لگا ہوا تھا، اور کھٹا کھٹ چل رہا تھا۔ اتنی خوشی ہوئی مجھے، تو میں نے کہا، ٹھیک ہو گیا؟ کہنے لگا ہاں جی۔ میں نے کہا، اب تو نہیں رکے گا؟ کہنے لگا نہیں جی۔ میں نے کہا کہ آپ تو کہہ رہے تھے، پیچیدہ ہے۔ ہاں جی پیچیدہ بدستور ہے۔ تو میں نے کہا، بڑی مہربانی بتائیے اس کی کیا اجرت، کتنے پیسے ہوئے؟ کہنے لگا کوئی پیسا نہیں۔ میں نے کہا، کیوں، آپ کیا فرما رہے ہیں؟ اتنا پیچیدہ کلاک

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

آپ نے ٹھیک کیا ہے۔ اس کی کوئی اجرت نہیں لے رہے۔ کہنے لگا، دیکھیے میں نے کچھ کیا ہی نہیں۔ میں نے کھول کے دیکھا تو اس کی گراریوں میں ''پھوس''، ''کھدڑ'' جھاڑو دینے سے جو اڑتا ہے، پچیس سالوں کا وہ گرد و غبار وہ سارے پھنسے ہوئے تھے۔ وہ میں نے صاف کر دیا اور کچھ نہیں کیا۔

حاضرین میں سے: بات تو سراس کی ہے جو دیدۂ بینا کی ہے، جو انسان اپنی خامی دیکھ سکے۔

اشفاق صاحب: بجا' بالکل ٹھیک ہے۔ وہ بھی آپ کو بتا سکتا ہے۔ لیکن یہ آپ کے ارادے پر منحصر ہے، آیا کہ آپ اپنی اصلاح کرنے کی خواہش رکھتے ہیں یا نہیں۔ میں اتنی عمر کا، آپ سب سے بڑا ہوں عمر میں۔ میں نے کبھی ایسی خواہش نہیں کی کہ میں تو کہتا ہوں کہ لوگ ٹھیک کریں، لوگ ٹھیک ہو جائیں۔ میں تو اکثر یہ کہتا رہا۔ اب جا کے مجھے سمجھ آئی لیکن اب ٹائم تھوڑا رہ گیا ہے۔ اب ہم اپنے آپ کو Correct کرنے سے معذور ہوئے ہیں۔ تو جب کلاک چل گیا تو میں نے لگا دیا' گھر آ کے' تو میں بیٹھ کے سوچنے لگا کرسی پر کہ میری ذات کے اندر بھی بڑا کھدڑ پھوس جمع ہوا ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے نہیں چل رہا ہوں، اور جگہ جگہ رک جاتا ہوں۔

حاضرین میں سے: جب ہر بندہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھے تو پھر یہ سارا ہو سکتا ہے، اندر کی صفائی ممکن ہے۔

اشفاق صاحب: میں سمجھتا ہوں کہ جب بندہ تہیہ کر لے، اس کو سمجھنے لگ جاتا ہے۔ بہت سی چیزیں جو ہیں میں سمجھتا ہوں کہ یہ ٹھیک ہے یہ غلط ہے۔ لیکن میرا تہیہ نہیں بن رہا، ارادہ مضبوط، کہ میں نے اب اس کو سیٹ رائٹ کرنا ہے۔ جس طرح ایک جرنیل ہوتا ہے، نا تو وہ بزن کر کے لشکر میں گھس جاتا ہے۔ وہ ایک ارادہ، اور تہیہ ہوتا ہے ایسا نہیں بنتا۔

حاضرین میں سے: مجھے ایک بندے نے کہا، میں اچھا ہونا چاہتا ہوں۔ اندر کی جو نسی گرد ہے، اس کو صاف کرنا چاہتا ہوں، اور معیت کرنا چاہتا ہوں کسی بھی بزرگ کی، اور میں ڈھونڈ رہا ہوں، تو یہ کہاں تک ٹھیک ہے کہ ڈھونڈنے سے یہ ہوتا ہے یا پہلے تہیہ تو بندہ کرے۔

اشفاق صاحب: دیکھیں وہ تو صاحب جو ہیں، میں یہ نہیں کہتا خدانخواستہ کہ جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ ان کو سمجھ نہیں آ رہا اور وہ بیعت کرنے سے یا کسی آدمی کا ہاتھ پکڑنے سے اپنے آپ کو ٹھیک صحیح کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کے پاس ایسا پروگرام پہلے سے موجود ہے جو ٹھیک راستوں پر ان کو لے جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ساری زندگی مجھے کبھی یہ الجھن نہیں ہوئی کہ کلامِ پاک میں کوئی چیز ایسی پیچیدہ ہے جو سمجھ میں نہ آتی ہو۔ میں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ میرا دکھ یہ ہے جو چیزیں میری سمجھ میں آ گئی ہیں۔ مجھ سے ان پر عمل نہیں ہوتا۔ باقی میں دوسری طرف جاتا ہی نہیں۔ مثلاً پچھلے 75 برس سے مجھے ایک بات سمجھ میں آئی ہے کہ قولوا للناس حسنا: لوگوں کے ساتھ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اچھی بات کرو، اور میری یہ حسرت ہی چلی آ رہی ہے کہ مجھ سے اچھی بات ہو نہیں پاتی۔ غصہ آ جاتا ہے۔ طبیعت میں انقباض پیدا ہو جاتا ہے، اور طرح کا ایک دم کانٹا تبدیل ہو جاتا ہے تو جب ایک آدمی کا تہیہ ہو جائے کہ میں نے اس راستے سے اُس راستے پر جانا ہے تو اللہ پھر اس کو برکت دیتا ہے، اور پھر وہ آدمی جس کی تلاش میں ہوتا ہے، وہ ایک دن خود صبح پانچ بجے آ کے اس کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ ڈھونڈنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ تہیہ ہو تو پھر ہوتا ہے۔ اگر نہ ہو، پھر مشکل ہے۔ پھر آدمی ڈھونڈتا رہتا ہے کہ بتائیں اشفاق صاحب کوئی اچھا سا بابا' ہے نا، کیونکہ ابھی اس کا ارادہ نہیں، اس کا صرف پروگرام یہی پوچھنا ہے کہ نارووال کو گاڑی کب جاتی ہے۔ کہیں جانا ہے، کہے گا، میں نے جانا تو نہیں ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔

ہمارے بابے جس کو کہتے ہیں تلاوت الوجود، جب آپ اپنے وجود کی تلاوت شروع کرتے ہیں، اور پھر دیکھیں کیا عجیب ٹرم (Term) ہے۔ پھر آپ کو پتا چلنے لگتا ہے۔ ہم نے تو کبھی کی نہیں۔ ہم تو اپنے وجود سے ہمیشہ دور رہتے ہیں۔ اس کو قریب نہیں آنے دیتے۔ آپ کبھی اپنے ساتھ اکیلے بیٹھ کے دیکھیں، پندرہ منٹ کوٹھڑی بند کر کے۔ پتا ہے، قید تنہائی سب سے خوفناک سزا ہوتی ہے۔ اپنے ساتھ بیٹھو گے تو بہت سارے بچ آ کر آپ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ آدمی چیخ مارتا ہے، بھاگتا ہے۔ یہ بڑے ارادے اور تہیے والوں کا کام ہوتا ہے، جو ایسی بات کریں کہ مجھے اپنے اندر کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے۔ مجھے یاد ہے کہ نپولین اعظم جب فریڈرک کی قبر پر گیا تو اس نے دیکھا کہ فریڈرک کی قبر کے اوپر اس کی تلوار لٹک رہی ہے۔ بڑی روشنی اس پر پڑ رہی ہے۔ اس نے حکم دیا اپنے جرنیل سے کہ تلوار کو اتار کر پیرس کے عجائب گھر کی نذر کر دو تو وہ تلوار اتاری گئی، اور بعد میں اتار کے نپولین کے حکم پر اس کو پیرس کے عجائب گھر میں رکھوا دیا گیا۔ بہت بڑے بادشاہ کی یہ تلوار ہے۔ جرنیل نے تلوار اتار کر کہا، جیسا کہ ہم کرتے ہیں، خوشامدی انداز میں کہ سر اگر ایسی تاریخی تلوار مجھ کو ملتی تو میں کبھی اپنے پہلو سے جدا نہ کرتا۔ تو نپولین نے زور سے اپنی تلوار پر ہاتھ مارا، اور کہا، کیا میرے پاس میری تلوار نہیں ہے؟ تو آپ کے پاس آپ کی تلوار ہے۔ اس لیے جب تک آپ اس تلوار پر ہاتھ مار کے شدت سے نہیں کہیں گے کہ میں، اور یہ میری تلوار ہم دونوں ایک ہیں تو پھر آپ کسی اور طرف نہیں جھانکیں گے۔ تو میں عرض کر رہا تھا، کیا کبھی ایسا ہوا، کیا کبھی ایسا ہو سکے گا۔ میں اسلم صاحب سے جو ہمارے بہت بڑے شاعر ہیں، اور اخبار نویس بھی ہیں، ماشاءاللہ اسلم صاحب کبھی میں اپنے طور پر ایسے سوچتا ہوں کہ ہم لیٹرز ٹو دا ایڈیٹرز لکھتے ہیں، اور اس میں اکثر و بیشتر شکایات ہوتی ہیں کہ ہمارے ہاں گند کے ڈھیر پڑے ہیں۔ توجہ نہیں دی کارپوریشن والوں نے، اور حالانکہ ان کے الیکشن بھی ہو گئے، اور بالکل بیٹھے ہیں، اور کچھ نہیں کرتے۔ ہمارے ہاں یہاں سسٹم میں یہ خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ ہمارے ہاں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

یہاں پر نقل بہت بڑھ گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ کیا کبھی آپ کے نہاں خانوں یا آپ کے خیال میں یا آپ کی یادداشت میں کبھی کوئی ایسا خط تو دا ایڈیٹر لکھا گیا ہے۔ محترمی جناب ایڈیٹر صاحب! السلام علیکم۔ ہمارے یہاں پر گندگی کے ڈھیر پچھلے دس ہفتوں سے پڑے ہیں، اور ان میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ مہربانی فرما کر اپنے سٹاف میں سے کوئی نیک، اور دردمند بندہ بھیجیں جو آ کر ہمارے دلوں کو تبدیل کر دے، اور ہم گند اٹھانے والے کے بجائے خود اس کی صفائی کریں۔ میرے خیال میں ایسا لیٹر کوئی چھپا نہیں کہ ہم دردمندی کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں یہ خرابی پیدا ہو گی۔ آپ ایسا کریں کہ آپ ہم کو ایسا بندہ بھیج دیں جو ہمارے اندر وہ سویا ہوا جو ہر جو ہے، اس کو جگا دے، اور پھر ہم اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہوں۔ کچھ بھی نہیں ہے یہ۔ یہ امتحان دینا، یہ سکول میں بیٹھنا' یہ آگے چلنا' یہ صفائی رکھنا۔ اب دیکھیں نا سرخ بتی پر کھڑے ہونا ہمارے لیے جان کا عذاب بنا رہتا ہے۔ اب ہم چاہیں گے کہ ہم کسی اخبار کے ایڈیٹر کو ضرور خط لکھیں۔ آج کے بعد کہ مہربانی فرما کر کوئی ایسا آدمی ہمارے درمیان بھیجیں جو ہمارے اندر یہ بات پیدا کر دے، جا گزیں کر دے کہ ہم نے سرخ بتی پر کھڑے ہونا ہے۔ بالکل کچھ اس طرح سے۔ میں کچھ عرض کروں جیسے کہ بابا جی نے کہا تھا، انبیا کی تعلیم میں کیا فرق ہے؟ ہم جیسے لوگوں کو جب آپ کے سامنے ہماری کوتاہیاں، خرابیاں، آپ کے پاس موجود ہیں' آپ جانتے ہیں، میں جانتا ہوں، لیکن ان کی تعلیم کا اثر کیسا چلا آ رہا ہے۔ ہم اپنی تمام تر خرابیوں کے باوصف تمام تر کوتاہیوں کے ہوتے ہوئے جب انبیا کے بتائے ہوئے حکم پر روزہ رکھ لیتے ہیں تو ہم کبھی غسل خانے میں، کوٹھڑی میں جا کر کچھ نہیں کھاتے۔ حالانکہ سپاہی کھڑا ہوتا ہے نہ ہی وہاں پر گورنمنٹ کا ڈر ہوتا ہے اور نہ ہی چالان ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ گرمیوں کے جب روزے آتے ہیں، پیاس سے مر جاتے ہیں، کھپ جاتے ہیں، بری حالت ہو جاتی ہے۔ غسل خانے میں جا کر تین تین مرتبہ نہایا کرتے تھے، لیکن وہاں بڑے مزے سے چلو لگا کر آدمی پانی پی لے، کون دیکھ رہا ہے، کون روک سکتا ہے، لیکن نہیں پیتا۔ وہ یہ کہ اندر تبدیل ہوتا ہے۔ لیکن اب جب آتے ہیں۔ اب جب اندر تبدیل نہیں ہوتا، اور اردگرد تبدیل ہو جاتا ہے۔ تو بابے کہتے ہیں، جب اردگرد تبدیل ہوتا رہے گا، آپ مرہونِ منت رہیں گے لوگوں کے، اور آپ کی زندگیوں میں وہ استقامت، اور استواری پیدا نہیں ہو گی جو کہ ہوتی ہے۔ تو میں ان سے یہ کہوں گا کہ آئندہ سے ہم ایسے ہی ایک دو لیٹر تو دا ایڈیٹر لکھیں۔ ہاں ایک رسم پڑنی چاہیے کہ جناب ہم ٹھیک ہونا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ پوچھ رہے تھے کیسے؟ ایک دفعہ کسی بزرگ نے دیکھا کہ بغداد کی دانہ منڈی کے باہر ایک پتھر کے اوپر شیطان بیٹھا رو رہا ہے تو بزرگ بڑے حیران ہوئے۔ وہ اس کے قریب گئے، اور کہنے لگے کہ ابلیس کیا ہے تو رو رہا ہے؟ اس نے کہا، جی میرا بہت برا حال ہے۔ انہوں نے کہا، نہ بھئی نہ تُو تو نہ رو۔ تمہیں تو اتنے کام بگاڑنے ہیں لوگوں کے۔ اگر تو ہی رونے لگ گیا تو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کیا ہوگا؟ اس نے کہا، بابا جی میرا دکھ۔ انہوں نے کہا، دکھ کیا ہے؟ کہنے لگا جی میرا دکھ یہ ہے کہ میں اچھا ہونا چاہتا ہوں، اور مجھ سے ہوا نہیں جاتا۔ تو یہ تو دکھ ہم سب کا ہے۔ ہم زور تو لگاتے ہیں، بڑی کمال کی بات کی۔ اس نے کہ ہم اچھے ہونا چاہتے ہیں، ہوا نہیں جاتا۔ چاہیے کہ ہم ہونے کی کوشش تو کریں، یہ خواہش تو کریں کہ ہم اچھے ہو جائیں تو اس سے بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔

ہماری بات تو ہوتی رہتی ہے۔ گفتگو بھی ہوتی رہتی ہے، لیکن ہم روئے کبھی نہیں۔ ابلیس ہم سے بہتر تھا کہ سچ مچ رویا۔ وہ بازی لے گیا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اب اس گفتگو کے بعد ہم ضرور یہ کوشش کریں گے کہ لوٹ کے اپنی ذات تک صرف اپنی ذات تک کہ ہم اپنا کلاک جو ہے، اس کے اندر جو کھدڑ پھوس پھنس گیا ہے، اس کو نکالیں گے۔

آپ کا بہت شکریہ خواتین و حضرات۔ مہربانی اس پروگرام کو دیکھنے کی۔ آپ کا بھی بہت بہت شکریہ، ہم سب آپ کے بڑے ممنون ہیں۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

محبوب کون؟

خواتین و حضرات جب عید آتی ہے تو ایک تو اس کی اپنی خوشی ہوتی ہے۔ ایک اس کے ساتھ بہت ہی چھوٹی چھوٹی عیدیں وابستہ ہوتی ہیں جو ماضی میں ایک پرانی لڑی کے ساتھ لٹکتی رہی ہیں۔ ایک زمانہ ہوتا ہے، یا ایک زمانہ تھا، جب ہم اپنے باپ کی انگلی پکڑ کر عید پڑھنے جاتے تھے۔ پھر یہ وقت آیا ہم انگلی چھڑوا کے' بالکل آزاد ہو کے' نوجوان، لڑکوں کی طرح اکیلے اکیلے عید پڑھنے جانے لگے اپنے دوستوں کے ساتھ۔ پھر یہ وقت آیا اپنے بچوں کی انگلی پکڑ کے بہت ساری عیدیں ہوئیں۔ پھر یہ وقت آیا کہ اپنے بچوں کے بچوں کو ساتھ لے جا کر، اور انہوں نے پیچھے مڑ مڑ کر اپنے باپوں کو یہ کہہ کر کہ دادا بہت پیچھے رہ گیا، آہستہ چلو۔ پھر بھی ہم عیدیں پڑھنے گئے۔ اس عید کے رشتے سے مجھے بات یاد آئی، آج سے ٹھیک بائیس برس پہلے میں اپنی مسجد کی چار دیواری سے عید پڑھ کے نکل رہا تھا، اور ہم لوگوں سے مل رہے تھے، جب آپ عید کی نماز پڑھ چکے ہوتے ہیں تو پھر اپنے دوستوں، ساتھیوں، عزیزوں، دوسرے نمازیوں سے گلے ملتے ہیں، اور ایک خاص انداز کا معانقہ کرتے ہیں۔ ایک دفعہ سر ادھر ایک دفعہ ادھر کرتے ہیں، تو یہ کرتے کراتے جب ہم باہر نکلے، بہت سارے پرانے دوست ملے، تو مجھے اچانک خیال آیا کہ یہ ہم اپنے دوستوں کو تو ملتے ہیں جن کو جانتے ہیں، اور جو اس مسجد میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بظاہر ہمارے دوست نہیں ہوتے، لیکن ان کا ہماری ذات کے اوپر کسی نہ کسی حوالے سے احسان ضرور ہوتا ہے تو میرے ذہن میں خیال آیا کہ میں ماڈل ٹاؤن میں رہتا ہوں، اس علاقے کا جو تھانیدار ہے، جو رات کو سیٹی بجانے والے سپاہی بھیجتا ہے' جو بائیسکل پر گشت کرتے ہیں۔ وہ کون ہیں؟ مجھے ان کے ساتھ بھی جا کر عید ملنی چاہیے، اور ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ آپ ہمارے محافظ ہیں، اور آپ اس کے لیے اتنی ساری کوششیں، اور ''کھیچل'' کرتے ہیں۔ چنانچہ مجھے پتا نہیں تھا کہ ہمارا تھانہ کہاں ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا، اے بلاک میں۔ تو میں گاڑی لے کر وہاں گیا کہ ان سے ملوں۔ جب میں گیا تو اس تھانے میں ہُو کا عالم تھا۔ سب

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

لوگ اپنی اپنی نماز ادا کرنے کے لیے جا چکے تھے، جوانوں کو چھٹی دی گئی تھی۔ تھانیدار صاحب ایس ایچ او صاحب اپنی پرانی وضع کی میلی، سلوٹوں سے بھری وردی پہن کر، اور یہاں انگلی میں پھنسا کے سگریٹ اور چٹکی بجا کر گل جھاڑنے کے لیے کرسی پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنے پاؤں میز کے اوپر رکھے ہوئے تھے ،اور وہاں تھا کوئی نہیں۔ میں جب اندر داخل ہوا تو میں نے کہا، جناب اجازت ہے۔ کہنے لگے، فرمایئے جناب اعلیٰ۔ میں نے کہا، نہیں میں تو آپ سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔ کہنے لگا، جی حکم۔ انہوں نے پاؤں نیچے اتار دیئے میز سے، اور بیٹھ گئے۔ تھانے والے جنابِ عالی یا جنابِ اعلیٰ کہہ کر بلاتے ہیں۔ ان کا ایک انداز ہے۔ تو کہنے لگے، جنابِ عالی کیا کام ہے۔ میں نے کہا، کوئی کام نہیں۔ میں تو ایسے ہی آیا ہوں۔ کہنے لگا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی تھانے میں آئے، اور اس کو کوئی کام نہ ہو۔ میں نے کہا، نہیں آج میں اس غرض سے نہیں آیا۔ آپ ایس ایچ او ہیں۔ کہنے لگا جی میں ایس ایچ او ہوں۔ میں نے کہا، میں آپ سے عید ملنے کے لیے آیا ہوں تو وہ بڑے حیران سے ہوئے اور کہنے لگے، بڑی مہربانی وعلیکم عید مبارک۔ میں نے کہا دیکھیے تھانیدار صاحب وعلیکم عید مبارک ایسے تو نہیں ہو جاتی۔ آپ کو اٹھ کر کھڑے ہونا پڑے گا، اور پھر میرے ساتھ عید ملنی پڑے گی۔ یہ تو کوئی طریقہ نہ ہوا عید ملنے کا۔ میں اتنی دور سے آیا ہوں۔ ان کو میری بات سمجھ میں نہیں آئی تو میں نے گستاخی کرتے ہوئے ان کے کندھوں سے پکڑ کر جہاں ان کے سٹارز لگے ہوئے تھے ان کو اوپر اٹھایا تو کھڑے ہو گئے۔ کھڑے ہو کے میں نے ان کو ایک ''جپھی'' ڈالی تو وہ ذرا سا گھبرائے۔ جب میں نے دوسری طرف سر کر کے معانقہ کیا جو انداز ہوتا ہے، تو انہوں نے اتنی زور سے رونا شروع کیا۔ آں اوآں کر کے کہ میں ڈر گیا۔ یا اللہ یہ کیا ہو گیا۔ بہت اونچی آواز میں۔ اتنا بڑا تھانیدار، بھاری بھرکم جسم کا آدمی اونچی آواز میں رونے لگا۔ تو میں بالکل لرزہ براندام ہو گیا تو وہ جو تیسرا معانقہ ہوتا ہے، وہ میں نہیں کر سکا، کیونکہ میں گھبرایا ہوا تھا، روتے ہوئے انہوں نے کہا، جنابِ عالی اگر آپ سچے آدمی ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انیس برس کی سروس میں یہ پہلا موقع ہے کہ کوئی شخص مجھے عید ملنے آیا ہے۔ کسی نے آ کر مجھے جپھی ڈالی ہے۔ ورنہ میں اور میری ساری قوم جو ہے تھانے کی، اچھوت ہے، ہم چنڈال ہیں، اور ہم چور ہیں، اور ہم کو انسان نہیں سمجھا جاتا۔ انیس برس کی سروس میں آج پہلی مرتبہ مجھے انسان سمجھا ہے۔ اگر آپ...... میں نے کہا، بالکل میں اتنی دور سے چل کر آیا ہوں، اور آپ جیسا، اور کوئی انسان ہے بھی نہیں، لوگوں نے ہمارے درمیان، بہت بڑا خلا، اور بہت بڑی خلیج پیدا کر رکھی ہے۔ لوگ ہمارے قریب نہیں آتے۔ ہم لوگوں کے قریب نہیں جاتے۔ یہ غلطی پتا نہیں کہاں سے شروع ہوئی ہے، اور کیوں ہوئی ہے، اور ہم چاہتے ہیں کہ ہم ملیں، لیکن ہمارے اوپر ایک ایسی شرمندگی کی چادر تنی ہوئی ہے کہ ہم مل نہیں سکتے۔ آپ لوگ چونکہ بڑے لوگ ہیں، اس لیے آپ ہمارے قریب نہیں آتے۔ تو پھر بار بار مجھ سے پوچھتے، کیا آپ سچ مچ مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ تو میں نے کہا، میں سچ مچ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

آپ سے ایمانداری سے اللہ رسول کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں، میں مسجد سے نکلا ہوں۔ ابھی میں گھر نہیں گیا۔ آپ سے ملنے آیا ہوں۔ تو پھر کہنے لگا، آپ بیٹھیں میرے ساتھ چائے پئیں۔ میں نے کہا، میں ضرور بیٹھوں گا اور ضرور چائے پیوں گا۔ اس سے اچھی، اور کیا بات ہو سکتی ہے۔

جب میں ان سے مل کر چلا، تو میرے دل میں خیال آیا، گھر جاتے جاتے کہ یہ محبت کی وہ کمی ہے جس کی آمد ورفت ہمارے درمیان میں رک چکی ہے، اور ہم ایک دوسرے کو جانتے نہیں ہیں، اور ایک دوسرے کو پہچانتے نہیں ہیں، اور اس میں بہت بڑی اونچی دیواریں ہیں جو ہمارے درمیان کھڑی کردی گئی ہیں تو میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں اپنے ادیب دوستوں کو صحافیوں کو، اور دانشوروں کو بلا کے، اور تھانے کے ان لوگوں کو جو پولیس کے محکمے سے تعلق رکھتے ہیں، ملاؤں گا، اور ان کی آپس میں گفتگو کرواؤں گا تاکہ ان میں ارتباطِ باہمی پیدا ہو، اور وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں' تو اس کا انتظام کیا گیا۔

ہمارے ہاں لاہور میں ایک جگہ ہے الفلاح، ہمارا ایک دفتر تھا نیشنل ری کنسٹرکشن کا۔ تو وہاں ایک ہال تھا۔ اس میں بندوبست کیا۔ تو پولیس والے بہت خوش ہوئے وہ اپنی نئی نئی وردیاں اچھی کلف لگی ہوئی استری کی ہوئی، اچھے بوٹ چمکا کے آ گئے۔ ان میں ڈی آئی جی، ایس ایس پی، انسپکٹر، ایس ایچ او، اور کافی ہال جو تھا، بھرا ہوا تھا۔ پھر الگ کرسیاں بھی تھیں، اور ہم لوگ جو تھے، ہمارے ساتھی دانشور، ادیب، صحافی وہ بھی موجود تھے۔ یہ ہمارے درمیان بڑا خلا ہے، اور بہت بڑی خلیج ہے۔ اس کو پُر کرنا چاہیے، اور اس کو Bridge Over کرنا چاہیے تو میں نے ان کو زحمت دی ہے۔ آئیں، آپ بھی کچھ بات کریں۔ یہ بھی کریں۔ اچھی ہے یہ ابتدا جس طرح دنیا کے دوسرے ممالک میں خاص طور پر انگلستان میں جو "بوبی" محبت کی نظروں سے دیکھتا ہے، "بوبی" جو سپاہی ہوتا ہے، اس کا بچوں نے پیار سے نام "بوبی" رکھا ہوا ہے، اور جتنے بچے سکول جاتے ہیں، اور راستے میں کوشش کرتے ہیں کہ بوبی ان کو ملے جو ٹریفک کنٹرول کر رہا ہوتا ہے، وہ اسے ہاتھ ملا کر جائیں۔ بوبی کی بھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ سکول جاتے بچوں کو ساتھ چمٹا کے تھپکی دے کے، اگر اس کی جیب میں کوئی میٹھی گولی لیمن ڈراپ ہو، وہ رکھتا ہے جیب میں۔ وہ ان کو ضرور دیتا ہے۔ ان کے درمیان محبت کا بہت گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو راستہ پوچھنے والے کوئی بھی، آپ کو مشکل ہو تو آپ اپنے بوبی سے پوچھتے ہیں کہ مجھے کہاں جانا ہے۔

میں لندن میں تھا تو ایک مائی بڈھی ہمارے یہاں کی، کوئی اس کو زبان بھی نہیں آتی تھی تو وہ بوبی اس کے ساتھ بے چارہ لگا رہا۔ اب وہ بول رہی تھی پنجابی وہ انگریزی۔ اب باہمی گفتگو جاری تھی۔ وہ ایک ہی بات کہہ رہی تھی کہ برہمی گاؤں میں جانا ہے۔ برہمی گاؤں جانا ہے وہ سمجھتا نہیں تھا۔ میں نے بھی مائی سے پوچھا میری بیوی بھی ساتھ تھی کہ "تو ایتھے کتھے برہما کر رہی ایں"۔ "دسنیں مینوں میرے پت نے کہیا سی اوتھے ہے گا۔ میں سارا لبھ لاں گی"۔ تو وہ بعد میں پتا چلا کہ وہ برمنگھم جانا چاہتی تھی اور

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

برمنگھم گاؤں تلاش کر رہی تھی، تو اتنا ہمیں پتا چل گیا۔ اس نے کہا Thank you very much میں اس مشکل سے نکل گیا ہوں۔ وہ برمنگھم گاؤں جانا چاہتی تھی۔ I would help her آپ گھبرائیں نہیں۔ میں نے کہا، کیسے۔ اب نہ اس کے پاس ٹکٹ ہے۔ لندن تک تو وہ پہنچ گئی جہاز نے اتار دیا۔ کہنے لگا، Now it is my duty تو میں اس کو لے کر جاؤں گا۔ تو میں نے کہا، آپ کیسے جائیں گے۔ کہنے لگا، نہیں ہمارے پاس روزمرہ کے اخراجات میں سے سرکار نے اتنے پیسے دیئے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی مشکل میں ہو تو اس کی مدد کریں۔ تو میں لے جاؤں گا۔ اپنا بھی ٹکٹ خرچ کروں گا، اس کا بھی کروں گا، اور اس کو منزل تک پہنچاؤں گا تو اگر اس کا بیٹا جس کا پتہ اس نے بتایا ہے' اس کے ہاں سے پیسے مل گئے تو ٹھیک ہے، ورنہ میں آ کر اپنے محکمے کو بتا دوں گا۔ تو میں یہ چاہتا تھا کہ ہمارے درمیان بھی اس قسم کا رشتہ قائم ہو تو کیسی محبت کی بات ہے۔ ہال میں یہ بات کر چکنے کے بعد پھر میں نے اپنے ایک جو سینئر دوست تھے، ان سے کہا کہ آپ ان سے گفتگو کریں تو وہ آئے روسٹرم کے اوپر۔ مائیک پر کھڑے ہو کے انہوں نے کہا، بڑی خوشی کا موقع ہے۔ اشفاق صاحب نے یہ بندوبست کیا ہے ہم بہت خوش ہیں۔ آج بہت سارے پولیس والوں سے ملنے کا اتفاق ہو گیا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آج کل رشوت کا کیا ریٹ ہے تو سارے کیے دھرے پر انہوں نے پانی پھیر دیا۔ ایک ہی بات کہہ کے۔ انہوں نے کہا، اچھا اشفاق صاحب، السلام علیکم، بڑی مہربانی آپ کی، آپ نے ہمیں بلایا تھا، اور اس طرح سے ذلیل و خوار کر کے بھیج دیا ہے۔ اب ٹھیک ہے۔ آپ کی مرضی۔ میں نے بڑی کوشش کی۔ بڑی ان کی منتیں کیں، لیکن وہ سارے سیٹوں سے اٹھ گئے، اور کہا، یہ ہمارے ساتھ ہونا تھا۔ اس کو بھی کہا، بابا ہم یہ تو آپس میں محبت پیدا کرنے کی کوششوں میں تھے۔ کہنے لگا نہیں جی نہیں۔ یہ نامعقول لوگ ہیں۔ ان کے ساتھ محبت کی نہیں جا سکتی۔ تو پھر مجھے خیال آیا۔ کہ یہ جو محبت کا معاملہ ہے اس کو بھی ہم لوگ اچھی طرح سمجھے نہیں ہیں۔

میری بیوی اپنے بیٹے کو، جو سب سے بڑا بیٹا ہے، اس کو غالب پڑھا رہی تھی، وہ سٹوڈنٹ تو تھا سائنس کا، B.Sc کا، اردو اس کا آپشنل مضمون تھا۔ غالب وہ پڑھا رہی تھی تو وہ اوپر بیٹھا کچھ توجہ نہیں دے رہا تھا۔ میں نیچے بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ ہماری ایک میانی سی ہے اس پر بیٹھ کر پڑھ رہے تھے تو میری بیوی نے آواز دے کر شکایت کی کہ دیکھو جی یہ شرارتیں کر رہا ہے، اور کھیل رہا ہے کاغذ کے ساتھ، اور توجہ نہیں دے رہا۔ میں اس کو پڑھا رہی ہوں۔ تو اس نے کہا، ابو اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ امی کا قصور ہے۔ اس سے پوچھ رہا ہوں۔ امی محبوب کیا ہوتا ہے، اور یہ بتا نہیں سکتیں کہ محبوب کیا ہے۔ میں نے کہا، بیٹے میں بتاتا ہوں کہ محبوب وہ ہوتا ہے جس سے محبت کی جائے۔ کہنے لگا، یہ تو آپ نے ٹرانسلیشن کر دی۔ ہم تو سائنس کے سٹوڈنٹ ہیں، ہم اس کی Definition جاننا چاہتے ہیں کہ محبوب

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کیا ہوتا ہے۔ یہ امی نے بھی نہیں بتایا تھا۔ آپ ایک چھوڑ کر دو ادیب ہیں۔ دونوں ہی ناقص العقل ہیں کہ آپ سمجھا نہیں سکے۔ میں نے کہا، یہ بات تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔ یہ تو ہم نے اس کا ٹرانسلیشن کر دیا، لیکن محبوب کی Definition تو نہیں دے سکے اسے۔ میں نے کہا بانو قدسیہ اور وہ میرا بیٹا نیچے اتر آئے۔ میں نے کہا، چلو بابا جی کے پاس چلتے ہیں ڈیرے پر وہاں سے پوچھتے ہیں۔ یہ محبوب کیا ہوتا ہے؟ اس نے کہا، چھوڑیں آپ ہر بات میں بابا کو لے آتے ہیں۔ وہ بے چارے ان پڑھ آدمی ہیں۔ بکریاں وکریاں رکھی ہیں، گڈریا قسم کے، وہ کیا بتائیں گے۔ میں نے کہا نہیں، مجھے جانے دیں پلیز ضرور۔

بانو قدسیہ بھی ساتھ بیٹھ گئی۔ گاڑی لے کر ہم نکلے، وہاں پہنچے۔ انفنٹری روڈ پر۔ بابا جی ہانڈی وغیرہ پکانے میں مصروف تھے۔ دال پکا رہے تھے۔ ساتھ تنور تھا۔ روٹیاں لگوانے کے لیے لوگ بیٹھے ہوئے تھے، تو یہ میری بیوی اتری جلدی سے جیسے آپ پنجابی میں کہتی ہیں اگل واہنڈی پہلے ہی پہنچ کے، اس نے جلدی سے اونچی آواز میں یہ کہا کہ جو باہر مجھے سنائی دی۔ میں تالا لگا رہا تھا گاڑی کو۔ اس نے اونچی آواز میں کہا، بابا جی محبوب کیا ہوتا ہے۔ تو بابا جی کی عادت تھی کہ وہ انگلی اٹھا کر بات کرتے تھے۔ جب کوئی Definition دینی ہوتی تھی، کوٹ ایبل کوٹ ہوتی تھی تو ہمیشہ انگلی اٹھا کے بات کرتے تھے، اور انہوں نے ایک انگریزی کا لفظ، پتا نہیں کہاں سے سیکھا تھا۔ نوٹ (Note) تو ہم اٹینٹیو (Attentive) ہو جاتے تھے کہ اب اس کے بعد کوئی ضروری بات آ رہی ہے، تو انہوں نے ڈوئی چھوڑ دی جو پھیر رہے تھے۔ کہنے لگے نوٹ "محبوب وہ ہوتا ہے، جس کا نہ ٹھیک بھی ٹھیک نظر آئے۔" یہ Definition تھی۔ بچوں کی کافی چیزیں نا ٹھیک ہوتی ہیں، لیکن ماں اس سے محبت کرتی ہے۔ اس کی ہر چیز نہ ٹھیک ہوتی ہے۔ محبوب وہ ہوتا ہے جس کے نہ ٹھیک کا پتا ہوتا ہے کہ نہ ٹھیک ہے، لیکن ٹھیک نظر آتا ہے۔ میں نے کہا، آ جاؤ بھئی! تو ہم یہ جو پڑیا تھی ساتھ لے کر آئے۔ میرے ذہن پر اس کا اثر تھا۔ جب میں نمازِ عید پڑھنے گیا، تھانیدار صاحب سے ملنے، تو میں نے یہ سوچا کہ باوجود اس کے، بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نہ ٹھیک آدمی ہے، لیکن اب اگر کوئی ہم کو محبت کی پڑیا دینا چاہ رہے ہیں تو ان کو نہ ٹھیک والوں کو ٹھیک سمجھ کر ہی اپروچ کی جا سکتی ہے نا، تو بڑی کوششیں کی، لیکن ابتدا میں ایسا نہ ہو سکا۔

پھر مجھے آہستہ آہستہ پتا لگنے لگا کہ یہ طبقہ اپنے طور پر بڑا مظلوم ہے۔ میں ان سے ملتا رہا۔ اپنے اس دوست سے، جس سے نئی نئی دوستی پیدا کی تھی۔ تو میں نے کہا، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ تو وہ مجھے کہنے لگے، اگر آپ کو کبھی موقع ملے تو ایک دستہ کاغذوں کا تھانے میں دے دیں۔ ایک دستہ کاغذوں کا بارہ آنے کا آتا تھا، اور دو پنسلیں جس کے پیچھے ربڑ لگا ہوا ہو۔ تو میں نے کہا، آپ کو سٹیشنری نہیں ملتی سرکار کی طرف سے۔ کہنے لگے ملتی ہے۔ سارے تھانے کی گیارہ روپے مہینے کی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سٹیشنری ہوتی ہے ساری، (اور وہ ضمیاں بھر بھر کے جوان کا سٹائل ہے، لکھنے کا بے شمار کاغذ بھرتے ہیں) تو میں نے خود اپنے دوستوں سے کہہ کے ان کو تحفۃً سٹیشنری جتنی بھی ہم مہیا کر سکتے تھے، انہیں دیتے رہے، اور وہ خوش ہوتے رہے۔ پھر میں سوچتا تھا، ان کو ''بوبی'' میں کیسے منتقل کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو بہت مشکل بات ہے کہ ہم نے پورا تعلق ہی ان سے توڑا ہوا ہے۔ انہوں نے ہم سے توڑا ہوا ہے۔ کسی وجہ سے ٹوٹ گیا، تو اب استوار ہو نہیں سکتا۔

پھر میں نے دیکھا، میرا دفتر مال روڈ پر تھا۔ میاں میر پل پر وہاں سپاہی سڑک کے دونوں طرف کھڑے ہوتے تھے، اور کسی سربراہِ مملکت کو ایئر پورٹ جانا ہوتا تھا۔ وہ گورنر ہاؤس سے نکلتا تھا۔ ایئر پورٹ جاتا تھا، اور گرمی میں دھوپ میں بری حالت میں کھڑے ہوتے تھے۔ اب پتا نہیں وہ کب نکلے سربراہِ مملکت صدر ہو یا وزیرِ اعظم۔ ایک دن ایسا ہوا کہ وہ صبح دس بجے کے کھڑے شام کے تین بج گئے، میں دو تین دفعہ دفتر سے نکلا۔ میں نے دیکھا تو ان سے پوچھا، گزرا نہیں صاحب ایئر پورٹ کو جانے کے لیے۔ انہوں نے کہا، جی وہ نکلے تھے گورنر ہاؤس سے، پھر ان کو کچھ کام پڑ گیا، اور پھر واپس چلے گئے۔ وہاں کوئی پیغام ٹیلکس آ گیا۔ وہ وہاں پر بیٹھے ہیں میٹنگ ہو رہی ہے۔ تو میں نے کہا، آپ یہاں کھڑے ہیں، بہت زیادہ گرمی ہے۔ آپ کیسے کھڑے ہیں۔ کہنے لگے ہم ہل نہیں سکتے۔ میں نے کہا، آپ نے پانی پیا ہے۔ کہنے لگے نہیں جی، ہمارا کوئی ایسا بندوبست نہیں ہے۔ میں اپنے دفتر گیا تو ہمارے پاس فضول پرانی بالٹیاں گندی قسم کی تھیں، ان میں پانی جو گھڑے کا تھا، ٹھنڈا بھی نہیں کر سکے، کوئی ایسا انتظام تھا ہی نہیں، ڈال کے، دو گندے مندے گلاس لے کر آیا۔ ان کو پانی پلایا تو بے چارے بڑے شکر گزار ہوئے۔ وہ مجھے بہت اچھا، اور نیک آدمی سمجھنے لگے کہ لاہور میں ایک اچھا آدمی ہے۔ ورنہ ان کو پانی کون پلاتا ہے۔ جب شام ہمارا دفتر بند ہوا، اور ہمارے سربراہِ مملکت چلے گئے تو پھر وہ آہستہ آہستہ اپنی اس جگہ سے ہلتے ہوئے واپس جانے لگے، تو میں جا رہا تھا گھر کو۔ جب میں نے ان کو دیکھا تو پوچھا، آپ کے جانے کا کوئی بندوست ہے' تو انہوں نے کہا، ہمارے ہاں یہ رواج نہیں ہے۔ صبح ہم کو پھینک جاتے ہیں یہاں پر۔ ہم ظلم کر کے ڈنڈا دکھا کے کسی کو روک لیتے ہیں کہ ہمیں سڑک پر یہاں اتار دو۔ ہماری یہاں ڈیوٹی ہے۔ شام کو واپس جاتے وقت کوئی ہمارا انتظام نہیں ہے، تو پھر میں نے گاڑی روکی اور کیریئر اور انہیں کہا کہ بیٹھیں۔ اب وہ پچیس تیس سپاہی، اور آپ نے اگر چھوٹی کیریئر گاڑی چلائی ہو، اور اس میں پیچھے اتنا لوڈ ہو، اور آپ مڑیں ایک دفعہ تو آپ گرتے گرتے بچیں۔ وہ کہنے لگے اگر آپ ہم پر بہت مہربانی کرنا چاہتے ہیں تو آپ چیئرنگ کراس تک پہنچا دیں۔ وہاں سے ہم کوئی بندوبست کر لیں گے تو انہیں لے کر وہاں گیا۔ یہ بات جو تھی میرے لیے بڑی تکلیف دہ جب بھی تھی، اب بھی ہے۔ اور میری آرزو جب بھی تھی، اب بھی ہے کہ ان کو میں ''بوبی'' سے بھی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بہتر روپ میں دیکھوں، اور ہمارے، اور ان کے درمیان ایک محبت کا رشتہ قائم ہو۔ یہ نہ ہو سکا، لیکن یہ آرزو میرے اپنے طور پر پروان چڑھتی رہی۔ تو پھر ایک آئی جی آئے۔ بہت ادیب نواز تھے۔ چودھری سردار محمد ان کا نام تھا۔ ان سے جب بات ہوئی تو انہوں نے کہا، جی بسم اللہ آپ آئیں، اور ان کو ایڈریس کریں، اور ملیں۔ کچھ اور ادیبوں کو بھی ساتھ لے کر گیا۔

ان کے ساتھ بات چیت ہم نے شروع کی۔ تو ان کو یہ پہلی دفعہ احساس ہوا کہ یہ عطاء الحق قاسمی ہیں، یہ امجد اسلام امجد ہیں، یہ اصغر ندیم صاحب ہیں۔ بڑا حوصلہ ہوا ان کو، اور یہ ہماری عزت افزائی کے لیے آئے ہیں، تو انہوں نے ہمیں دعوت دی کہ گوجرانوالہ آ کے ہم سے بات کریں۔ گوجرانوالہ جا کے ان سے گفتگو ہوئی، وہ اتنے خوش ہوئے، اتنے متاثر ہوئے۔ وہاں پر ایک حملہ کر دیا تھا ڈاکوؤں نے اوجلہ کلاں ایک جگہ تھی، جہاں پر ان کی جگہ ہے، وہاں پر مقابلہ ہوا، اور آٹھ پولیس آفیسر جو تھے، وہ شہید ہوئے۔ انہوں نے کہا، کوئی بات نہیں۔ ہم تیار ہیں۔ اگر ہمیں عزت کی دولت ملتی ہے۔

تو خواتین و حضرات! ہم نے اس پر کبھی غور نہیں کیا کہ لوگوں کو پیسے کی 'روپے کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی، جتنی احترام کی 'عزتِ نفس کی، توقیرِ ذات کی ہوتی ہے، اور ہمارے ملک میں بدقسمتی سے اس کا رواج بڑا کم ہے، اور ہم نے کبھی اس بات کی طرف توجہ نہیں دی۔ آپ حیران ہو کے سوچتے ہوں گے کہ وہ لوگ جو پیسا کماتے ہیں، چراتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، اور ہم نے ان کو انٹرویو کر کے پوچھا ہے کہ آپ کیوں رشوت لیتے ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ آپ ایسے قبیح فعل میں داخل ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں، ہم بہت سارا روپیہ لے کر اکٹھا کر کے اس سے عزت خریدتے ہیں۔ پیسا زیادہ ہوگا تو دیکھیے نا پھر آپ ان کو سلام کریں گے۔ وہ عزت خریدتے ہیں، ناجائز طریقے سے، اور جب خرید چکتے ہیں تو پھر معتبر بنتے ہیں۔ بڑی کار میں بیٹھتے ہیں، ہاتھ میں ٹیلی فون اٹھاتے ہیں، دوسرے میں کلاشنکوف ہوتی ہے، اور آپ کہتے ہیں، سلام چودھری صاحب! اگر یہ سب کچھ کیے بغیر صاحبانِ عزت کو عزت عطا کی جائے یا جو آدمی جس مقام پر ہے، اس کو عزت عطا کر کے اتنا زچ کر دیا جائے، زچ میں کہہ رہا ہوں کہ وہ کوئی بدفعل کر ہی نہیں سکتا کہ میں ایک صاحبِ عزت آدمی ہوں، تو ترقی یافتہ معاشروں نے اسی ٹرک کو اپنایا ہے کہ انہوں نے لوگوں کی وہ Due عزت عطا کر دی ہے اور وہ لوگ اپنی عزت کی تلوار اپنے پہلو کے ساتھ لٹکا کر کوئی ایسا فعل نہیں کر سکتے، جو ان کو تذلیل کی طرف، بے عزتی کی طرف مائل کرے۔ وہ کہتے ہیں ہم عزت دار آدمی ہیں ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ جس طرح میں پچھلی مرتبہ عرض کر رہا تھا کہ جب آپ روزہ رکھتے ہیں تو آپ روزے داروں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ایک خاص قسم کی عزت اپنی نگاہوں میں ہوتی ہے۔ پھر چاہے آپ کہیں بھی ہوں، غسل خانے میں ہوں، بند کوٹھوں میں ہوں، چھپے ہوئے ہوں، پانی چوری نہیں پیتے، کوئی چیز نہیں کھاتے، کوئی آپ کے اوپر سپاہی نہیں ہوتا،

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

تھانیدار نہیں ہوتا۔ کوئی اس کی قدغن نہیں ہوتی کہ یہ بندہ جو ہے اس کے اوپر نگاہ رکھی جائے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہماری حکومتیں جو ہیں' ان کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی جانی چاہیے۔ میں یہ سمجھتا ہوں حکومتیں تو بڑی بے معنی، اور لایعنی سی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کی بیمار پرسی ایک دوسرے کی مزاج پرسی انسان ہی کرتے ہیں۔ وہی ایک دوسرے کا پالن کر سکتے ہیں۔ وہی ایک دوسرے کو سہارا دے سکتے ہیں۔ حکومتیں کبھی نہیں دی سکتیں، تو میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے ہاں یہ چیز بتدریج کم ہو رہی ہے، اور ہمیں ایسے مراکز کی، اور ایسے ڈیروں کی ضرورت ہے، جہاں چاہے ہمیں تعلیم نہ ملے جہاں چاہے ہم کو گرائمر نہ سکھائی جائے، جہاں چاہے ہم کو درس نہ ملے، لیکن لوگوں کی تکریم ضرور ہو اور یہ نہ کہا جائے کہ یہ صاحبِ علم نہیں ہے، اس لیے ہم عزت نہیں کرتے۔ ہم یہ کہیں گے، چونکہ یہ انسان ہے، اور یہ حضرت آدم کی اولاد ہے، اس لیے ہم اس کی عزت ضرور کریں۔

ہمارے ڈیرے پر ایک دفعہ ایک نوجوان آیا، اسلامیہ کالج کا سٹوڈنٹ تھا، بڑا اچھا، اور وہ سائیکل پر چڑھا ہوا سائیکل کے ساتھ ہی اندر آ گیا تو جہاں بابا جی بیٹھے تھے چارپائی کے اوپر وہاں پائے پر پیر رکھ کر کہنے لگا کہ "او بابا توں کیا لوگوں کو غلط تعلیم دے رہا ہے، اور اِن کو اُلٹی اُلٹی باتیں پڑھا رہا ہے۔" اس پر ہم بہت ناراض ہوئے کہ جناب یہ کیا بات ہوئی۔ تو اس نے کہا، "تجھے پتا ہے کہ انسان جو ہے یہ Evolution کے ساتھ انسان بنا ہے۔ پہلے انسان بندر ہوتا تھا۔" بابا جی نے کہا، بیٹا تم کم از کم یہ بات نہ کرو۔ ہماری تو عزت افزائی ہوئی ہے تو تو پیغمبروں کی اولاد سے ہے۔ ہم بڑے حیران ہوئے۔ کہنے لگے، یہ بابا آدم کا بیٹا ہمارے پاس تشریف لایا ہے۔ اپنے آپ کو کبھی بھی بندروں کی اولاد نہ کہنا۔ تم نبیوں کی اولاد ہو۔ اب جب اس نے یہ بات سنی کہ وہ نبیوں کی اولاد ہے تو وہ اس بات پر بہت خوش ہوا اور پھر ایک اور طرح سے ایک اور رخ لے کر چلا گیا۔

میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ یہاں تشریف لائے، باتیں سنیں، اور آپ کا بھی جو ہم سے کچھ دور ہیں، لیکن دلوں کے قریب ہیں۔ اللہ آپ سب کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اللہ کا نظام

ہم جو یہ اپنے زاویئے کی محفل سجاتے ہیں، اور آپ تک پہنچتے ہیں تو یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ آپ ہم سے کتنے خوش ہیں، کیونکہ یہ یک طرفہ معاملہ ہے، اور یہ بات میں آپ کو بتا دوں کہ ابلاغ کی دنیا میں یہ جو ہم نے نئی کھڑکی کھولی ہے۔ اس کے بارے میں لوگ اکتسابی طور پر، کتابی طور پر تو یقیناً بہت کچھ جانتے ہیں، لیکن بہت کم لوگوں کا یہ حال رہا ہے کہ انہوں نے بابوں کے ساتھ بلاواسطہ طور پر رابطہ قائم کیا، اور ان سے کچھ پوچھا، اور علم حاصل کیا۔ ولایت کے لوگوں نے ایسے کام کیے ہیں، لیکن ہماری سطح پر ایسا نہیں ہوا، لیکن ایک دردناک بات بھی اس کے درمیان یہ ہے کہ ہم جوان کے پاس جاتے رہے تو ہم بھی پورے طور پر ان کی خوشنودی کا باعث نہیں بن سکے، کیونکہ میں اکثر اپنے بابا سے لڑ پڑتا تھا۔ کچھ معاملات ایسے آ جاتے تھے کہ وہ میری دنیاداری کی راہ میں حائل ہوتے تھے، اور یوں بھی ہوا کہ دس دس مہینوں تک میں کبھی ان کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا یا ان سے جا کر کچھ پوچھا نہیں۔ بڑے مسائل ہوتے تھے۔ پھر بات یہ تھی کہ ان کی سوچ کا انداز، اور ان کی زندگی بسر کرنے کا رویہ ہماری سوچ سے، اور ہمارے چلن سے بالکل مختلف ہوتا تھا، اور ان کے اوپر قابو پانا بڑا مشکل کام تھا۔

ایک مرتبہ جیسے ہم شاکی لوگ اکثر شکایت کرتے ہیں' وہاں ڈیرے پر بیٹھ کر یہ شکایت کر رہے تھے کہ دیکھیں اللہ کا نظام کس قدر تکلیف دہ ہے کہ ایک آدمی بڑے اعلیٰ درجے کی کار پر چڑھا پھرتا ہے، اور دوسرے کو پیدل چلنا بھی میسر نہیں۔ ایک لڑکی وہاں آئی تھی۔ ایک سال ہوا اس کی شادی ہوئی تھی لیکن پھر اس کو طلاق ہو گئی۔ اس کا خاوند چھوڑ گیا۔ ایک، اور بی بی تھی اس پر آبلے پڑے ہوئے تھے، چھالے جس کو ہم ''پھلوے'' کہتے ہیں۔ بہت بڑے بڑے پھلوے، اور میں عرض کرتا تھا ان سے کہ اس کا کچھ علاج کریں تو وہ کہتے' ٹھہریں ابھی دیکھتے ہیں۔ ایک دن گزر گیا، دو دن گزر گئے۔ تکلیف ہوتی تھی کہ اس کی طرف توجہ نہیں دی جا رہی۔ اور بہت سی ایسی چیزیں' جن میں ہم ہر وقت اپنی زندگی کے ایام میں، مہینوں میں ہفتوں میں شکایت کرتے رہتے ہیں، وہ وہاں بھی چلتا تھا۔ یہ ایسا کیوں ہوتا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہے۔ اللہ ایسا کیوں کرتا ہے تو اس کا خاطر خواہ جو جواب ملتا تھا، وہ ان کی مسکراہٹ سے ملتا تھا۔ لیکن ہم چاہتے تھے کہ ہم کو خصوصی طور پر Specifically یہ بتایا جائے کہ اللہ ہم پر کیسے مہربان ہوتا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ دیکھو زندگی بسر کرنے کے لیے' زندگی گزارنے کے لیے جس شے کی بے حد ضرورت ہوتی ہے' جس کے بغیر زندگی کی گاڑی آگے نہیں چل سکتی، اور اس کا تانا بانا نہیں بن سکتا، وہ اللہ نے Free of cost دی ہے اور سب لوگوں کو دی ہے۔ کالے، پیلے، نیلے، گورے، موٹے، دبلے۔ سب سے ضروری چیز ہے آکسیجن۔ اگر آکسیجن کسی وجہ سے جا کے کسی صاحب کو لانی پڑے ڈاکٹر کی دکان سے، اور ہر صاحب صبح اٹھ کر اپنے اپنے کنستر اٹھا کے گئے ہوں تین بچوں کے لیے بھی لانے ہیں، دو اپنے لیے کنستر تو بابا جی جو گھر ہے' وہ روتا رہ جائے کہ مجھ بڈھے کو پوچھا نہیں۔ میرا کنستر گھر ہی بھول گئے تھے۔ تو جائیں اور صبح کنستر بھروا کے لائیں، اور پھر لوگوں کو دیں یا ہمارے یہاں پر ایسے پمپ لگے ہوں، پٹرول پمپ جیسے، وہاں جا کے اپنی آکسیجن حاصل کریں تو زندگی عذاب بن جاتی۔ لیکن اللہ نے کچھ اس کا ایسا انتظام کیا ہے کہ ہر شخص کو وہ نہ بھی چاہتا ہو تو اس کو آکسیجن ملتی رہتی ہے۔ آپ سر کے اوپر رضائی لے لیں، اور بالکل اس کے اندر سر گھسیڑ کے، یہ کوششیں کریں تو ایک دم آپ کا Re action ہوگا کہ آپ اس کو اٹھا کے، اور چھپاک سے اس دائرے میں آ جائیں گے، جہاں آپ کو آکسیجن مل سکتی ہے تو یہ تو Free of Cost چیز ہے۔ اور قیمتی ترین چیز ہے۔ اس سے زیادہ تو قیمتی چیز کوئی ہے ہی نہیں۔

پھر دوسری قیمتی ترین چیز جو ہے، وہ پانی ہے۔ پانی کا بھی اللہ نے ایسا انتظام کیا کہ 3/4 حصہ کرۂ ارض کا پانی کا رکھا۔ بادل آتے ہیں۔ بارش برستی ہے۔ ہر ایک کو یہ نعمت جو ہے آسانی سے بغیر کسی Cost کے بغیر کسی پیسا خرچ کرنے کے ملتی ہے، ہر آدمی اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور کوئی شخص میرے خیال میں اس کرۂ ارض پر ایسا نہیں ہے جس نے یہ بھی کہا ہو کہ میں پانی کے ذائقے سے ناآشنا ہوں، کیونکہ یہ بہت مہنگی چیز ہے، اور صرف امیر آدمی پانی پی سکتا ہے، ہم تو نہیں پی سکتے۔ دور سے لانا پڑے، نزدیک سے لانا پڑے، مشکل سے لانا پڑے، لیکن پانی جو ہے وہ ہماری زندگی میں داخل ہے۔ اس طرح سے خواتین و حضرات کھانے کا سلسلہ ہے۔ روٹی جو ہے وہ بھی کوئی اتنی مہنگی نہیں ہے۔ وہ بھی ایک عام آدمی کو بڑی آسانی کے ساتھ مل جاتی ہے، اور واقعی یہ کوئی آدمی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے آج تک روٹی کا ذائقہ نہیں چکھا ہے کہ اس کی خوشبو کیسی ہوتی ہے۔ جو سارے ظلم ہیں، یہ انسان نے انسان کی ذات پر زیادہ کیے ہیں، دوسرے جانوروں کے خلاف۔ دوسرے جانور اپنی Species کو کچھ نہیں کہتے، لیکن انسان ایک ایسا ہے کہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ اس آدمی کو جو میرا بھائی ہے، پڑوسی ہے یا رشتے دار ہے، فائدہ پہنچے، اور یہ بھی اس آسائش میں داخل ہو جائے جس آسائش میں مَیں داخل ہوں۔ تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اس بات پر غور کیا جائے، اور اس کو قریب سے دیکھا جائے، اور جو ہم شکایت کیا کرتے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہیں، اکثر شاکی ہوتے ہیں کہ اللہ نے ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ تو وہ نکلے گا گھوم پھر کے بالآخر انسان ہی جس نے ہمارے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا ہے۔

باقی رہ گئی بیماری کی بات۔ مثلاً وہ جو بی بی آئی تھی، وہ عجیب و غریب سی بیماری میں مبتلا تھی، اور میں ذرا شکایت میں بابا جی سے کہتا تھا کہ اس کو تین دن ہو گئے ہیں تو ہمیں پتا نہیں چلا کہ آپ نے اس کا علاج کب شروع کرنا ہے، تو وہ کہتے تھے کہ ٹھہرو بیٹا، ذرا جب میں اس کا صاحبِ حال ہوں گا، مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیا بیماری ہے تبھی اس کا علاج کر سکوں گا۔ تو میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کسی بیماری کا صاحبِ حال کس طرح سے ہوا جاتا ہے۔ چار دن کے بعد خود ان کے بازو پر ویسے ہی چھالے پڑنے شروع ہو گئے، اور تقریباً ان کا بازو بھر گیا تو پھر انہوں نے کہا کہ اچھا نکالو فلاں مرہم لگا کے دیکھتے ہیں۔ اب ان کو پتا چلا کہ تکلیف کیسی ہے۔ یہ درد کس نوعیت کا ہے، اور میں اس میں سے گزر رہا ہوں، تو پھر میں اس کو Apply کروں گا اپنی دوائی' تو پھر مجھے پتا چلے گا کہ اس کے اوپر کیا گزر رہی ہے' کیا تکلیف اس کے اوپر طاری ہے۔ چنانچہ خیر اس کا علاج شروع ہوا، اور ہم خوش ہوئے کہ اس کی کیفیت جو تھی، وہ ٹھیک ہونا شروع ہو گئی، لیکن اس سے ہماری شکایت جو تھی۔ اس کے جذبے میں تو کمی ہو گئی لیکن شکایت کی نوعیت، اور اس کی Volume کم نہیں ہوئی اور ایسی ایسی باتیں کیں کیونکہ ہم پڑھے لکھے لوگ تھے، اور اس زمانے میں نیٹشے کا فقرہ زبان زد عام تھا کہ God is jet۔ نیٹشے نے کہا ہے تو ہم بھی ایسی باتیں کرتے تھے کہ Religion is the opium of people ہم اس کا ترجمہ کر کے انہیں بتاتے تھے۔ انہوں نے کبھی اس بات کا برا تو نہیں مانا۔ لیکن ایک تکلیف وہ بات ضرور کی، جس سے ہم ناراض ہوئے ان سے۔ اور وہ رشتہ کٹا، اور مجھے اب افسوس ہوتا ہے کہ اتنا دس ماہ کا گیپ کیوں آیا ہے۔ کئی دفعہ آیا۔ انہوں نے یہ کہا کہ جو لوگ غربت کی، اور عسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں، اور آپ کے گروہِ انسانی کے درمیان رہتے ہیں، اور آپ تو جانتے ہیں ان کی بہت ساری ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے۔ مجھ سے پوچھا کہ آپ کے کوئی غریب رشتے دار ہیں۔ میں نے کہا، ہاں جی ہیں۔ کہنے لگے، کہاں ہیں۔ میں نے کہا جی وہ لاہور میں ایک علاقہ ہے، اس کو ہم مصری شاہ کہتے ہیں، اور وہ دو موریہ پل عبور کر کے وہاں جایا جاتا ہے، ہم چونکہ صاحبِ حیثیت لوگ ہیں۔ ہم تو کبھی ان سے ملے ہی نہیں۔ وہ چونکہ ہمارے غریب رشتے دار ہیں۔ اس لیے وہ بہ امرِ مجبوری ہمارے پاس آتے رہتے ہیں۔ عید کو سلام کرنے آتے ہیں۔ بہت قریبی یعنی میری پھوپھی کے بیٹے، اور میری ایک دور کی خالہ کا سارا کنبہ۔ تو ہم ان سے ملنے اس لیے نہیں جاتے کہ ہم ان کو برا سمجھتے ہیں۔ ہمارے پاس وقت ہی نہیں ہوتا، اور ہماری مصروفیت اس نوعیت کی ہوتی ہے کہ ہم ان کے ساتھ اتنا سارا وقت نہیں گزار سکتے۔ تو کہنے لگے کہ دیکھیں بات یہ ہے کہ آپ کو جتنی تنخواہ ملتی ہے' وہ ساری کی ساری آپ کی نہیں، چونکہ آپ کے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

غریب رشتے دار یا آپ کے غریب ساتھی یا آپ کے مفلوک الحال ساتھی ہمسایے اتنے لائق نہیں ہیں جتنے آپ ہیں' اس لیے آپ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آپ ذہین آدمی ہیں، آپ دانشور ہیں، آپ نامی گرامی آدمی ہیں' آپ اشفاق صاحب ہیں، اور اللہ کو بھی یہ پتا ہے کہ آپ ان کے مقابلے میں زیادہ لائق، اور سمجھدار ہیں' اس لیے ان کو کم عقل سمجھتے ہوئے ان کے حصے کے پیسے آپ کو پہنچا دیے جاتے ہیں۔ چونکہ وہ بے چارے نہیں جانتے نا کہ کس طرح کیا کرنا ہے۔ تو آپ کی کتنی تنخواہ ہے؟ میری اس وقت تنخواہ نو ہزار روپے تھی، تو انہوں نے کہا، بالکل ٹھیک ہے۔ سات ہزار تو آپ کے، تو دو ہزار اللہ میاں ہر مہینے آپ کو مزید دے دیتا ہے کہ آپ عقل مند آدمی ہیں، لائق ہیں، ایماندار ہیں، Honest ہیں، اور سمجھدار ہیں، اور آپ کے وہ عزیز و اقارب جو دو موریہ پل کے اُس طرف رہتے ہیں' وہ اتنے لائق نہیں۔ تو ان کے پیسے یہ دو ہزار آپ کو دے دیے گئے تو مہربانی فرما کر یہ آپ ان کو دے آیا کریں۔ تو یہ بات بڑی تکلیف دہ تھی۔ میں نے انہی دنوں اپنی سنٹرل گورنمنٹ کو اپنی منسٹری آف ایجوکیشن کو لکھا ہوا تھا کہ یہ میری تنخواہ کم Calculate ہوئی ہے۔ اس میں دو ہزار کا اضافہ ہونا چاہیے، اور میرے منسٹر نے مجھے یقین دہانی کرائی تھی کہ یہ آپ کا دعویٰ ٹھیک ہے، اور ہم نے بھیج دیا ہے' منسٹری آف فنانس میں پھنسا ہوا ہے، وہاں ایسے وہ Objection لگا دیتے ہیں، لیکن ملے گا۔ جہاں میں دو ہزار کا اور متمنی تھا، اور سمجھتا تھا کہ میں لوٹا گیا، میں مارا گیا، میری تنخواہ اتنی کم ہے۔ اس میں اضافہ ہونا چاہیے' میرا بابا مجھ سے یہ کہہ رہا تھا۔ جس کو میں اتنا پراجیکٹ کر رہا تھا، اور اتنی عزت افزائی کرتا تھا کہ جو نو ہزار روپیہ مل رہا ہے، اس میں سات ہزار تو آپ کے ہیں، اور دو ہزار ان بے وقوف لوگوں کے ہیں جو پیسے کو سنبھال کر نہیں رکھ سکتے۔ آپ چونکہ سنبھال کر رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کو دے آئیں۔ اب بتائیے صاحب! یہ کوئی عقل کی بات ہے، تکلیف دہ بات ہے، اور تھی۔ میں نے کہا، صاحب السلام علیکم، میں اس جگہ آنے کے لیے تیار نہیں، آپ تو بدراہ کرتے ہیں۔ واقعی لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ آپ رہبانیت کی طرف مائل کرتے ہیں لوگوں کو۔ اکثر یہ کہتے ہیں نا جی کہ یہ رہبانیت ہوتی ہے، اور یہاں بھنگ وغیرہ پیتے ہیں لوگ۔ تو آپ کو چاہیے تھا کہ آپ رہبانیت کی جانب مائل نہ کریں۔ یہ کیا الٹا سلسلہ آپ نے شروع کر دیا ہے، تو وہ گیپ آیا میری زندگی میں۔ آج میں اس کا ذکر کرنا چاہتا تھا، آپ کی خدمت میں۔ وہ کافی تکلیف دہ تھا، اور اس گیپ کے اندر اس خلا کے اندر اس ویکیوم کے اندر جو بہت کچھ چیزیں حاصل کی جا سکتی تھیں، وہ میں حاصل نہیں کر سکا۔ اس لیے ان لوگوں کی باتیں جو کتابوں میں یا ابلاغ کے دوسرے ذرائع میں ملتی ہیں۔ اب آ گیا شکر گزار ہونے کا موقع، اس میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جو وہاں آتے تھے، اور جن کو شکر گزار ہونے کا فن آتا تھا۔ اب شکر گزار ہونے کا فن بھی بڑا مشکل فن ہے۔ ہماری پوتیاں، نواسیاں' لڑکیاں خاص طور پر ایک بڑی لڑائی ہوتی ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

Why me? یہ لڑکیوں نے Why me کا بڑا محاورہ نکالا ہے کہ یہ میرے ساتھ ایسا کیوں گزر رہا ہے۔ میں جو اتنی بڑی شاہزور لڑکی ہوں، اور اتنی پڑھی لکھی ہوں۔ میں نے M.A انگلش کیا ہے، اور میں نے فرسٹ ڈویژن لی ہے۔ میں نے 2nd. Div میں کیا ہے۔ تو مجھے یہ بتایا جائے کہ میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ میں نے کیا کیا ہوگا، کہنے لگی، میرے ناک پر پمپل نکلا ہے تو Why۔ میں نے کہا، یہ سب کے نکل آتا ہے۔ تو کہنے لگی، نہیں آپ دیکھیں کہ میری اتنی خوب صورت ناک ہے۔ چہرہ اچھا ہے۔ میں نے کہا اگر آیا ہے تو چلا بھی جائے گا، اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ انہوں نے کہا Why me، لوگوں کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا' میرے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ تو یہ ناشکر گزاری کا جو سبق ہم کو پڑھایا جاتا ہے یا ہم پڑھتے ہیں یا ہماری زندگیوں میں داخل ہے۔ جان بوجھ کر نہیں' ہمارے ماحول کی وجہ سے' ہمارے گرد و پیش کی وجہ سے' ہماری تربیت کی وجہ سے' یہ ہماری زندگی میں داخل ہوتا ہے۔ لیکن کچھ لوگوں کو میں نے ایسے دیکھا ہے، اپنی زندگی میں ظاہری طور پر' جسمانی طور پر' آسودہ نہیں ہوں گے، لیکن ان کے چہروں پر ایک طمانیت کا رنگ ہوتا ہے، اور سکون ہوتا ہے، وہ یہ کیسے حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ ایک بڑا مشکل کام ہے جو میں اپنی زندگی میں کسی طرح بھی اپنی گرفت میں نہیں لا سکا۔

ہم نے ایک دفعہ آج سے پہلے، کئی برس کی بات ہے جب گلگت میں ریڈیو سٹیشن کھولا، تو میں چونکہ پرانے لوگوں میں سے تھا، گیا تو وہاں جا کر ایک جگہ سلیکٹ کی' منتخب کی۔ وہ اچھا ایک کھلا باغ ہے۔ آپ بھی جائیں گے، تو دیکھیں گے وہاں ہم کو دو کمرے مل گئے۔ وہاں چھوٹا سٹیشن چلانے کے لیے کچھ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ تو وہاں پر ایک عارضی ملازمت کے لیے آدمی مل گیا۔ بنارس خان پٹھان تھا۔ اس نے مجھے بڑا متاثر کیا۔ مجھ میں ایک خرابی ہے کہ میں کچھ، اور طرح کے آدمی سے بہت جلد متاثر ہوتا ہوں۔ بہت پڑھا لکھا آدمی مجھے اتنا متاثر نہیں کرتا، لیکن اگر وہ مجھ سے اعلیٰ و ارفع ہو سینئر، تو میں اس سے دبک جاتا ہوں، اور اس کے ساتھ ساتھ مجھ میں یہ تجسس بھی ہوتا ہے کہ میں اس کے قریب جا کر اس سے یہ معلوم کروں۔ میری تو قسمت میں شاید نہیں ہوتا کہ میں ویسا بن سکوں۔ بنارس خان میں ایک یہ خوبی تھی کہ جو کام اس کو سونپ دیا جاتا، ایک تو وہ خوش اسلوبی سے کرتا تھا، اور پھر اس کی طبیعت کے اوپر بوجھ نہیں پڑتا تھا، اور جو کام دے دیا گیا، وہ کر رہا ہے۔ یہ وہ نہیں کہ مارے گئے صبح سے آئے ہوئے ہیں، چھ بجے تک روٹی نہیں ملی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بنارس خان تم شاکی آدمی نہیں ہو، شکوہ نہیں کرتے۔ کہنے لگا، صاحب ہم بہت شکوہ کرتا تھا، یہ تو ہماری زندگی کا ایک حصہ تھا۔ اپنا گھر چھوڑ کے ہم تو ادھر آ گیا۔ شکوہ کرتا کہ ادھر تو کوارٹر میں کچھ نہیں ہے۔ ہم نے ادھر آ کے کام کیا۔ تو میں نے کہا، اب تم نہیں کرتے ہو؟ کہنے لگا، جی میں ادھر آیا تھا۔ سکون کی تلاش میں۔ بڑا ٹیر باش رہنا چاہتا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تھا۔ بڑی کوششیں کی، بڑے لوگوں سے ملا۔ بڑے پیروں فقیروں کے پاس گیا کہ جناب ہم کو سکون کی تلاش ہے تو نہیں ملا۔ ایک دن شام کو کھانا کھاتے کھاتے میں نے فیصلہ کیا۔ میرے ہاتھ میں لقمہ تھا، رکھ دیا۔ میں نے کہا، یار دفع کرو سکون کو۔ ہم نے اس کو لے کر کیا کرنا ہے۔ ہم سکون کے بغیر ہی زندگی بسر کرے گا۔ کوئی بات نہیں ایسے ہی چلتے رہتے ہیں تلاش میں۔ اس دن سے مجھے سکون ملنا شروع ہو گیا۔ تو میں نے کہا، تم نے یہ کمال کی بات کی ہے۔ کیسے سوچا؟ کہنے لگا بس یہ اللہ کی طرف سے میرے ذہن میں آیا۔ میں نے کہا، وہ ٹھیک ہے کہ آپ نے سکون کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دیا، اور اپنے آپ کے ساتھ ایک مصالحت کر لی لیکن یہ خوش دلی آپ میں کیسے آئی ہے' میں یہ جاننا چاہتا ہوں۔ کہنے لگا جی یہ بھی بڑا مشکل کام تھا۔ کہنے لگا، جی یہ بھی ہمارے اوپر ایک مشکل آئی تو ہماری اس جھگی میں، جس چارپائی پر سوتا تھا، تو ہر شخص جو دنیا کا آدمی جو سوتا ہے، اور صبح اٹھتا ہے، تو میں بھی صبح، اور لوگوں کی طرح اٹھتا تھا تو اپنا پیر چارپائی سے نیچے اتارنے سے پہلے، میں نے کہا کہ یار ابنارس خان قدم تو نیچے اتارنا ہی ہے تو کلفت میں کیوں اتاریں۔ خوشی میں کیوں نہ دن گزاریں، تو سارے دن میں جب کبھی جس مقام پر بھی میں جاتا' تنور پر روٹی کھانے' دوستوں سے ملنے یا کہیں مصیبت ''اڑچن'' میں گزرنے' تو مجھ کو یہ بات یاد آ جاتی کہ آج میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ''کلفت'' میں یہ دن نہیں گزارنا، آرام کرنا ہے۔ اس کے بعد صاحب عادت پڑ گئی۔ اگر انسان یہ فیصلہ کر لے، اور اس کا تہیہ کر لے، اور اس پر قائم ہو جائے تو یہ کوئی اتنا مشکل کام نہیں۔ میں نے کہا، یار ہم سے تو اس پر قائم نہیں رہا گیا تھا۔ کہنے لگا، آپ نے یہ فیصلہ کیا ہی نہیں۔ وہ تہیہ کرنے کی بات کر رہا تھا۔ بڑے سالوں کے بعد، پندرہ سولہ برس کے بعد پھر مجھے وہاں جانے کا اتفاق ہوا گلگت میں۔ تو میں نے پوچھا بنارس خان۔ تو پتہ چلا وہ ادھر نہیں ہوتا۔ میں نے کہا، وہ ہے یہیں پر۔ ہمارا وہ تو بہت بڑا استاد ہے، گرو ہے، ہمارا پیر ہے، میں اس سے ضرور ملوں گا۔ کہنے لگے ہے تو ادھر ہی، لیکن اب وہ کام نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا، ہم کو اس کے ڈیرے پر لے جاؤ۔ ہم جائیں گے۔ تو میں اس کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ جھگی میں تھا، لیکن بڑا معذور تھا، اور تکلیف میں تھا۔ اس کو گاؤٹ ہو گیا تھا، گنٹھیا۔ اور وہ جڑا ہوا تھا، اور چارپائی پر بیٹھا تھا۔ مجھ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ میں نے کہا، بنارس خان کیسی طبیعت ہے۔ کہنے لگا، اللہ کا بڑا شکر ہے۔ میں نے کہا، سنا ہے بیمار ہو گیا۔ کہنے لگا، ہاں صاحب مجھے گنٹھیا ہو گیا ہے، اور میں چل پھر نہیں سکتا آسانی کے ساتھ۔ تو میں نے کہا، تم شکر یہ ادا کرتے ہو۔ کہنے لگا، ہاں بڑا شکر کرتا ہوں۔ میں نے کہا، کیوں شکر ادا کرتے ہو۔ کہنے لگا، صاحب اس لیے کہ میرے گھٹنے تو قائم ہیں۔ گوڈے میرے ہیں نا۔ اگر میرے گوڈے نہ ہوتے تو گنٹھیا کہاں ہوتا۔ پھر تو یہ اللہ کی بڑی مہربانی ہے کہ میرے پاس گھٹنا ہے۔ صاحب اگر نہ ہوتا، کہیں کٹ کٹا جاتا تو پھر مجھے گنٹھیا کہاں سے ہوتا' تو میں اللہ کا بڑا شکر گزار ہوں۔ اس نے مہربانی فرمائی ہے۔ یہ ساری

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

باتیں سننے کے باوجود، سمجھنے کے باوصف یہ ہمارے حال کا ایک حصہ نہیں بنتیں۔

ہمارے بابا کہا کرتے تھے کہ وہ مومن جو ماضی کی یاد میں مبتلا نہ ہو، اور مستقبل سے خوف زدہ نہ ہو، اس کو صاحبِ حال کہتے ہیں۔ کہ جو حال اس کو عطا کیا گیا ہے، اس کے مطابق زندگی بسر کرے، اور خوش و خرم بڑی چاہت کے ساتھ بسر کرے، اور جب تک اس کو اس کا تحفہ دیا گیا ہے اس کو ساتھ لے کر چلے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے پاس اس قسم کا زمانہ آ گیا ہے جو خود تو ناساز گار نہیں ہے، اس نے ہماری سوچ کو ہمارے رویے کو بہت ساری ناسازگاری میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں زندگی کے اس حصے میں پہنچ کر کہ جب تک اللہ کا ساتھ نہ ہو، اور اللہ کو اس طرح سے نہ مانا جائے جس طرح سے ماننے کا حق ہے۔ صرف کتابی طور پر نہیں۔ مثلاً میری خرابی یہ ہے میں بڑا اس کا ایمانداری سے اعتراف کرتا ہوں، اور بڑا مجھے دکھ بھی ہے کہ میں اللہ کو مانتا ہوں لیکن کتابی طور پر۔ میری ماں کہتی تھی کہ نماز پڑھو لیکن میں نے کبھی یہ ارادہ یا تہیہ نہیں کیا کہ میں اس کے ساتھ ایک ربطِ باہمی قائم کروں گا۔ ہمارے بابا کہتے ہیں۔ لفظ خدا، خدا نہیں ہے۔ خدا تو، اور ہے نا، جو لکھا ہوا ہوتا ہے یا جو ہم گانا گاتے ہیں۔ ٹی وی پر خدا کا نام لیتے ہیں۔ وہ ایک اور چیز ہوتی ہے اور اس کا تجربہ ہونا اس کو زندگی کے اندر سے گزارنے کا لطف کچھ اور ہی ہے۔ اور میں یہ بات آپ کو اس لیے گارنٹی سے کہہ سکتا ہوں کہ میں آپ لوگوں سے بہت Privileged ہوں۔ میں ایک اونچے مقام پر ہوں کہ میں ایسے بندے سے ملا ہوں، اور میں ان کا تجربہ، اور مشاہدہ اور مطالعہ رہا ہوں اور وہ بہت بڑے لوگ ہیں۔ یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جن کی جھگی میں بادشاہ جوتے اتار کر جانے کو سعادت تصور کرتے ہیں، یعنی کیا کمال ہوتا ہے۔ کچھ یہ تو نہیں ہوتا کہ ان کے پاس پیسے ہوتے ہیں یا دولت ہوتی ہے یا توپ خانہ ہوتا ہے۔ کسی قسم کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ کچھ اور ہی چیز ہوتی ہیں۔

مشہور واقعہ ہے کہ دیو جانس کلبی سے سکندرِ اعظم ملا۔ اور میں شاید پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ساحل کے اوپر گرم گرم کلکنی ریت میں قلابازیاں لگا رہا تھا۔ تو سکندر نے جا کر کہا، اے آقا میں تیری کوئی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا، تم میری خدمت کیا کرو گے۔ دھوپ چھوڑ کے کھڑے ہو جاؤ۔ دھوپ آ رہی تھی۔ وہ ایک طرف ہو کے کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا سائیں تو وقت کا بڑا فلسفی ہے، اور بہت عظیم انسان ہے۔ یہ جس طرح سے تو مزے کر رہا ہے، قلابازیاں لگا رہا ہے میں بھی لگانی چاہتا ہوں۔ تو اس نے کہا، تو بڑا نالائق آدمی ہے۔ کپڑے اتار اور قلابازیاں لگانی شروع کر دے۔ اتنا بڑا ساحل پڑا ہے۔ یہ تو مجھ سے کیا ڈسکس کر رہا ہے۔ تو سکندر نے کہا، میں معافی چاہتا ہوں۔ میں سکندرِ اعظم ہوں، مقدونیہ کا شہنشاہ۔ اس وقت میں نے آدھی دنیا فتح کر لی ہے، اور باقی کی مجھے ابھی فتح کرنی ہے، اور مجھے یقین ہے، اور میرے دیوتاؤں نے کہا ہے کہ تم وہ آدھی دنیا بھی فتح کر لو گے، تو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اے آقا جب میں وہ آدھی دنیا فتح کر لوں گا، تو پھر انشاء اللہ آ کر آپ کے ساتھ قلابازیاں لگاؤں گا۔ تو اس نے کہا تم کیسے بدنصیب ہو۔ میں آدھی دنیا فتح کیے بغیر قلابازیاں لگا رہا ہوں۔ تو جائے گا آدھی دنیا فتح کر کے آئے گا، پھر ایسا کرے گا۔ تو خواتین و حضرات یہ اتنا مشکل کام نہیں ہے جتنا کہ نظر آتا ہے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

آر وائے خان

پچھلی مرتبہ ایک بات چل رہی تھی جو بیچ میں ہی رہ گئی۔ گو وہ اپنے انداز میں تکمیل تک بھی پہنچی۔ وہ یہ کہ لفظ 'خدا' خدا نہیں ہے، اللہ کا تصور اور چیز ہے، اور اللہ کی ذات کا ادراک جو ہے وہ اس سے مختلف چیز ہے۔ انسان کی اچھی عادتوں میں سے اور اس کے مباح کاموں میں سے سب سے اچھی بات جو ہے، وہ عبادت ہے۔ اچھی عادت ہے عبادت کرنا، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ اس کے ذریعے وہاں تک پہنچ سکیں، جہاں تک آپ کو پہنچنے کی آرزو ہے، جس کے لیے روح آپ کی تڑپتی رہتی ہے۔ ہم جو بڑے تھکے ہارے ولایت سے آئے تھے، نوکریاں کر کے، دھکے کھا کے تو ہماری یہ آرزو تھی کہ اپنے وطن واپس جائیں گے، اور ہمارے وطن میں جو ڈیرے ہوتے ہیں، بابے لوگ ہوتے ہیں، اور وہاں رہبانیت ہوتی ہے' جیسے وہاں بھنگ وغیرہ پئیں گے، چرس کے سوٹے لگائیں گے۔ کام وام تو وہاں ہوتا نہیں۔ یہی عام طور پر کیا جاتا ہے۔ عیش و عشرت کی زندگی ہوگی، تو ہم نے اس لیے اس پر بھی توجہ دی کہ کم سے کم اتنی ساری مشکل کی' پیچیدہ' زندگی گزارنے کے بعد ایسا ماحول بھی میسر آئے کہ آدمی آرام سے رہ سکے۔ لیکن خواتین و حضرات! وہاں پہنچ کے پتا چلا کہ اس سے زیادہ مشقت سے بھری زندگی، اور جدوجہد، اور کوششیں، اور Struggle، اور کسی جگہ پر ہے ہی نہیں، کیونکہ عبادت کر لینا اور دین کے بارے میں کچھ گفتگو کر لینا، یہ تو بڑا آسان کام ہے، لیکن اس کے اندر اتر کر اسے عملی طور پر اختیار کرنا یہ بڑا مشکل کام ہے۔ یعنی تصوف شریعت سے جدا نہیں ہے۔ یہ وہی نماز روزہ ہے۔ صرف علم کے ساتھ ساتھ عمل پر بھی زور دیا جاتا ہے، اور عمل کے تو ہم ایسے عادی نہیں تھے کہ یہ کیسے کیا جائے۔ اور جس بابے کے متعلق ہم بات کر رہے تھے، بابا نور والے' ان کا انداز اپنی طرز کا تھا، اور جو بات وہ کرتے تھے، وہ مختلف ہوتی تھی، جو ہمیں کتابوں میں' کتابی پلندوں میں نہیں ملتیں۔ اور ان کے قریب کے لوگ بڑے شاکی ہوتے تھے۔ یہ بات اندر کی ہے، لیکن آج میں اس کا اظہار کروں گا، کیونکہ ان کے صاحبزادے نے خود مجھ سے شکایت کی کہ دیکھیں بابا جی لوگوں پر اتنی مہربانی کرتے ہیں، لوگوں کے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ساتھ اتنے Kind ہیں، ان کو چیزیں بھی دیتے ہیں، رضائیاں بنا کے دیتے ہیں، کھانے کا سامان سب فراہم کرتے ہیں، لیکن میرے اوپر بالکل مہربان نہیں ہیں۔ میں ان سے کوئی چیز مانگتا ہوں تو یہ کنٹرول کر کے اس کے اوپر شرط عائد کر کے، اور جتنا حصہ یا جتنا کچھ مجھے درکار ہوتا ہے، وہ مجھے نہیں دیتے۔ تو ان کی اس بات کا میرے دل پر بھی بڑا اثر ہوا۔ میں نے کہا، یہ ایسے ہونا نہیں چاہیے۔ واقعی یہ جو کہتے ہیں، ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ ذرا سی تنگی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں، اور ان کی شاید ٹریننگ ہے' یا شاید تربیت' جو ہو رہی ہے۔ قدرے سختی کی بات ہے۔ میں نے ان سے عرض کیا۔ میں تھوڑا سا منہ چڑھا ہوا تھا۔ میں ان سے بات کر سکتا تھا۔ میں نے کہا، دیکھیے بابا جی یہ صاحبزادے جو ہیں، یہ شکوہ کناں ہیں' اور آپ ان کو وہ کچھ مراعات نہیں دیتے جو کہ مل جانی چاہئیں۔ کہنے لگے، میں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتا۔ میری آرزو ہے کہ اس کو انسان کی مدد، اور انسان کی آرزو، اور انسان کے سہارے کی عادت نہ رہے۔ یہ بلاواسطہ طور پر خدا سے مانگیں، کیونکہ جوں جوں آدمی دوسرے آدمی پر انحصار کرے گا، اللہ سے اتنا ہی دور ہوتا چلا جائے گا، چونکہ میرا صاحبزادہ ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ اس پر سختی کا عمل بھی کیا جائے۔

خیر وہ بات ان تک پہنچا دی لیکن وہ اس سے کچھ راضی نہ ہوئے، لیکن کچھ ایسے بھی آتے تھے جن کو اللہ کا بلاواسطہ طور پر علم تھا، اور وہ یوں سمجھتے تھے کہ اللہ ہے، اور وہ ان کے کاموں میں پورے کا پورا دخل دے رہا ہے، اور حاوی ہے، اور جس سے وہ فرماتا ہے، اور جس طرح سے وہ چاہتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ مڑ کے گھوم کے چلا جاتا ہے۔ بڑے خوش نصیب لوگ تھے۔ مجھے یاد ہے وہاں ایک اشرف لاری آیا کرتا تھا، اشرف کو پتنگ اڑانے کا بڑا شوق تھا۔ نوجوان خوب صورت چادر باندھتا تھا ریشمی، اور کندھے پر پرنا رکھتا تھا اور جب بسنت قریب آتی جاتی تھی اس کی مانگ بڑھتی جاتی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم پتنگ سے اتنی محبت کیوں کرتے ہو۔ کہنے لگا، اگر آپ بھی پتنگ اڑا کے دیکھیں، اور آپ کو اس کا لپکا پڑے تو آپ اس کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اس کے اندر ایک ایسی ٹیلی کمیونی کیشن ہوتی ہے۔ تار ہوتی ہے۔ ادھر سے ضرور کوئی Message آتا ہے۔ جو بڑا پتنگ باز ہوتا ہے، ان کو پیغام آتے ہیں۔ تو میں نے کہا، تم یہاں بھی آتے ہو، ڈیرے پر بھی بیٹھتے ہو۔ بابا جی کی باتیں بھی سنتے ہو، اور خدمت بھی کرتے ہو لوگوں کی۔ اللہ رسول کو بھی مانتے ہو، اور ہم سے بہتر مانتے ہو، یہ کیسے؟ تو اس نے کہا، یہ سب کچھ جو مجھے ملتا ہے نا، یہ میری گڈی اڑانے سے ملتا ہے۔ میں نے کہا، یہ کیا راز ہے؟ کہنے لگا جب پتنگ بہت دور چلا جاتا ہے، اور ''ٹکی'' ہو جاتا ہے، وہ لفظ ''ٹکی'' استعمال کرتا تھا۔ یہ کہ ٹک جاتا ہے۔ ایک جگہ پر، اور نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ مجھے دکھائی نہیں دیتا۔ نہ صرف مجھے دکھائی نہیں دیتا ہے بلکہ کسی کو بھی دکھائی نہیں دیتا، اور میرے ہاتھ میں صرف اس کی ڈور ہوتی ہے۔ تو اس نہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

نظر آنے والے کی جو کھینچ ہوتی ہے میرے ہاتھ میں، اس نے مجھے اللہ کے قریب کر دیا ہے، کیونکہ میرے دل پر اللہ کی بھی کھینچ ویسی پڑتی ہے جیسے اس پتنگ کی ڈور میرے ہاتھ پر ہوتی ہے۔ اب دیکھیے کیا ہم جو بڑے کتابیں پڑھ کے بڑا علم سیکھ کے بڑے بڑے کیسٹ سن کے، اور ولایت میں جھگڑے بحث ومباحثہ کر کے آئے، ان کے پاس کچھ نہیں تھا، اور وہ جو ہمارا پتنگ باز سجناں تھا، وہ اسی کے زور پر تکی ہوئے پتنگ کو اس کے دباؤ کو محسوس کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے، اشفاق صاحب آپ کو بھی کھینچ نہیں پڑتی اللہ کی طرف سے۔ میں نے کہا، نہیں۔ ویسی تو نہیں جیسی تم کہہ رہے ہو۔ کہنے لگا، وہ انسان کے دل کو ایسے کرتا ہے۔ میں نے کہا، نہیں اشرف یہ تو ہمارے مقدر میں نہیں ہے۔

ہمارے وہاں ایک صاحب تھے، ڈیرے پر، حاجی صاحب Blue Eye۔ مجھے ان کا نام بھولتا ہے۔ بہت خوب صورت ان کی آنکھیں تھیں۔ وہ وہاں رہے، اور کچھ تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر ایک دن کہنے لگے، میں واپس چلا جانا چاہتا ہوں' اپنے رحیم یار خان۔ وہاں جا کر میں کچھ لوگوں کو تبلیغ کروں گا، اور جو جو کچھ میں نے یہاں سیکھا ہے، وہاں جا کر ان کو بتاؤں گا۔ مجھے اجازت دیں۔ آپ نے کہا، بالکل ٹھیک ہے۔ آپ جائیں، لیکن میری آرزو یہ تھی کہ آپ کچھ اور یہاں ٹھہرتے اور ہمیں خوشی ہوتی۔ آپ ہمارے جانی جان ہیں۔ ہم بھی یہ چاہتے تھے کہ حاجی صاحب کچھ دیر رہتے، لیکن وہ مصر تھے' اس بات پر میں جاؤں گا اور بابا جی کا اس پر اصرار ہوتا تھا کہ جب تک تمہارا رابطہ اللہ سے پورے کا پورا سالم کا سالم نہیں ہوگا تب تک آپ دیوار سے ڈھولگا کر اس کے ساتھ کیمونی کیٹ' اس کے ساتھ گرین لائن پر کچھ بات نہیں کر سکیں گے۔ اس وقت تک آپ کی عبادت یا آپ کا یہ بیچ کا تجربہ ایسا ہی ہوگا شنیدہ' سنا ہوا۔ تو حاجی صاحب نے کہا، جی میں وہاں جا کر انشاء اللہ یہ جو آپ سب کچھ فرماتے ہیں، بیان کروں گا۔ اور انہوں نے کہا، ٹھیک ہے۔ جب وہ جانے لگے تو تھوڑے سے افسردہ تھے کہ حاجی صاحب جا رہے ہیں' انہوں نے بلایا۔ بابا جی کہنے لگے، تم جاؤ گے اپنے رحیم یار خان تو تمہارا گاؤں کتنی دور ہے۔ اس نے کہا، میرا چک وہاں سے کوئی پانچ چھ میل کے فاصلے پر ہے۔ کہنے لگا، وہاں لوگ بھیڑ بکریاں بہت رکھتے ہیں۔ کہنے لگے، ہاں وہاں تو بھیڑوں کے گلے ہوں گے۔ کہا تو جب تم اپنے گاؤں میں داخل ہو گے تو تم بھیڑوں کے ریوڑ کو کراس کرو گے۔ کہیں نہ کہیں چر' چگ رہے ہوں گے۔ اس نے کہا، ہاں جی ضرور ہوں گے۔ کہنے لگے، جب تم بھیڑوں کے ریوڑ کے پاس پہنچو گے تو اس ریوڑ میں کتے بھی ہوتے ہیں پاسبانی کے لیے، حفاظت کے لیے رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا، ہاں جی ہوں گے۔ انہوں نے کہا' تم یہاں رہے ہو اتنی دیر تک، اب تک تو واقف نہیں ہو گے۔ آپ ان کتوں کو کس طرح سے عبور کریں گے، کیسے کراس کریں گے۔ اس نے کہا جی کہ اگر کسی کتے نے میرے اوپر حملہ کرنے کی کوشش کی تو میں پتھر اٹھا لوں گا۔ تو بابا جی نے کہا، وہ تو چار کتے ہوں گے، اور آپ ایک

http://www.Mypdfsite.com

کو پتھر مار لیں گے۔ ٹھیک وہ زخمی ہو سکتا ہے، تین آپ کو پکڑ لیں گے۔ حاجی صاحب کچھ پریشان ہو گئے۔ کہنے لگے، میں جی کچھ ایسے کروں گا کہ وہاں سے ایک لکڑی توڑ لوں گا۔ وہاں سے چاروں میرے پیچھے پڑیں تو زور سے گھماتا ہوا چلوں گا اور پھر میں اپنا آپ بچا کر کچھ نہ کچھ کر لوں گا۔ انہوں نے کہا، میں تو تم سے یہ کہہ رہا ہوں کہ وہ تو ایک کتے کو لگ جائے گی، دو کو لگ جائے گی تو تم گزرو گے کیسے۔ یہ تو مشکل پڑ جائے گی تمہارے لیے۔ چاہے لکڑی گھماتے ہوئے گزرو۔ حاجی صاحب تو سوچ میں پڑ گئے۔ ہم بھی سوچ میں پڑ گئے کہ بھئی ان کو کراس کرنا بڑا مشکل کام ہے تو حاجی صاحب ہم سے زیادہ سمجھدار تھے، عمر میں بھی بڑے تھے۔ تو کہنے لگے، حضور آپ فرمائیں کہ ایسی حالت میں ایسے موقع پر کیا ہونا چاہیے۔ تو باباجی نے کہا کہ صاحب طریقہ یہ ہے کہ ان کو پریشان کیے بغیر، اور ان کو اپنا آپ دکھائے بغیر' سب سے پہلے آپ گڈریے کو آواز دیں۔ وہ آپ کی آواز سن کر جھگی سے نکلے گا۔ آپ اس سے کہیں گے، میں یہاں سے گزرنا چاہتا ہوں۔ وہ کتوں کو آواز دے گا، او کالو؛ ڈبو؛ بیٹھ جاؤ' وہ بیٹھ جائیں گے۔ تو آپ گزر جائیں گے۔ جب بھی مشکل وقت ہو گڈریے کو آواز دیں۔ آپ کا پالن کرنے والے۔ اپنی Efforts کر کے راہ تجویز کر کے کبھی زندگی کے مشکل مقام سے گزرنے کی کوششیں نہ کرو۔ اس وقت اپنے چرواہے کو پکارو۔ تو حاجی صاحب کی سمجھ میں بات آ گئی۔ انہوں نے کہا، ابھی میں چرواہے کو پورے کا پورا آواز دینے کے قابل نہیں ہوا۔ میں ابھی رہوں گا آپ کے پاس ، اور میں یہ سیکھوں گا کہ اس کو آواز کس طرح دی جاتی ہے۔

تو وہاں خواتین و حضرات کچھ کچھ لوگ ایسے آتے تھے جن کو آپ صاحب حال کہہ کر پکارتے ہیں۔ جن کو ایک ذاتی تجربہ، اور ذاتی مشاہدہ ہوتا ہے، اور وہ اتنے خوش قسمت لوگ ہوتے ہیں' اتنی آسانیوں میں سے گزرنے والے ہوتے ہیں کہ وہ ہر کام کو اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس کو Endorse کر دیتے ہیں۔ اس کے نام کر دیتے ہیں۔ ہم پڑھے لکھے لوگ جو تھے یا ہوتے ہیں۔ ہم اپنی تجویز ساتھ لے کر چلتے ہیں، اور جب بہت ہی مشکل آئے تو بہت ساری تجویزیں ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ اپنی دنیا بھر کی سلطنتوں، اور حکومتوں کو دیکھیں کوششیں کرتی رہتی ہیں، اور ان کے سارے رخ ٹیڑھے، اور چپے ہوتے رہتے ہیں، اور بنی نوع انسان کو جس چیز کی ضرورت ہے، ان میں کمی نہیں آتی۔ چند روز ہوئے میں اپنی بنیان استری کر رہا تھا۔ میری بنیان کھدر کی ہوتی ہے۔ سلوٹیں پڑ جاتی ہیں۔ ہاتھ کی سلی ہوئی۔ بنی بنائی بنیان مجھے ملتی ہی نہیں' سلوانی پڑتی ہے۔ تو میں چاہ رہا تھا کہ اس کو استری کر کے پھر پہنوں تو خوش دلی کے ساتھ اس کو استری کر رہا تھا۔ ابھی شروع ہی کیا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو مجھے ٹیلی فون سننا پڑ گیا۔ اس پر کچھ دیر بات ہوتی رہی۔ میں استری ویسے ہی چھوڑ آیا، لوٹ کے گیا بات کرنے کے بعد تو پھر میں نے اٹھائی استری۔ اب میں پھر استری کرنے لگا' لیکن اس پر استری کا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کوئی اثر نہیں ہوا میری بنیان پر۔ تو پریشانی کے عالم میں مَیں نے دیکھا کہ یہ کیا ہوا۔ دیکھا تو میں نے اس کا پلگ تو آن ہی نہیں کیا تھا۔ جب تک پلگ کا کنٹیکٹ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ میری استری پوری تھی، ولایت کی بنی ہوئی اور تھی بھی بالکل نئی۔

بس اس میں ایک خرابی تھی کہ وہ کنکشن نہیں لگا' پلگ نہیں لگا تھا۔ اس لیے وہ سلوٹیں تو ویسی کی ویسی رہ گئیں۔ اپنی زندگی میں بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا، جب کنکشن نہ لگے، تو زندگی کی سلوٹیں نکلتی نہیں ہیں، اور لگانے کے لیے بات اس کی ہوتی ہے کہ پلگ کسی نہ کسی طرح سے ڈائریکٹ لگ جائے۔ ویسے بھی لگائیں جیسے تاروں کو کنڈے لگا دیتے ہیں۔ وہ بھی بڑی ٹیڑھی بات ہے، لیکن صحیح طور پر اگر پلگ لگے تو اس کا لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

فرانس کے ملاح' میں نے دیکھا ہے وہاں South کے، خاص طور پر۔ وہ سمندر میں اترنے سے پہلے ایک دعا مانگا کرتے ہیں۔ بڑی مختصر سی، اور وہ دعا یہ ہوتی ہے کہ اے اللہ تیرا سمندر بہت بڑا ہے، اور میری کشتی بہت چھوٹی ہے۔ بظاہر یہ معمولی سی دعا ہے، لیکن اس میں اتنا اعتراف ہوتا ہے' اور اتنی قربت ہوتی ہے خدا کے ساتھ ان کی، اور اتنا رابطہ ہوتا ہے کہ جب اترنے لگتے ہیں وہ South France کے لوگ کہ اس یقین کے ساتھ اترتے ہیں کہ یہ واقعی اس اللہ کا سمندر ہے، اور وہ اس کا مالک ہے۔ میری کشتی جو ہے، وہ واقعی چھوٹی ہے، اور اتنا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی جتنا کہ اسے کرنا چاہیے۔

ہمارے پاس جانکار لوگ بات کو سمجھنے والے بھی، اور احساس رکھنے والے بہت سے تھے، اور ہیں اب بھی۔ مجھے ایک واقعہ اور یاد آتا ہے، جانکار لوگوں میں سے ایک کا۔ میرے ایک دوست تھے۔ سلطان راہی ان کا نام تھا۔ آپ نے ان کی فلمیں دیکھی ہوں گی۔ باوجود اس کے کہ میرا تعلق ریڈیو ٹیلیویژن سے تھا لیکن ہمارا رشتہ فلم سے وہ نہیں تھا۔ ایک، اور حوالے سے ہم ایک دوسرے کو جانتے تھے، اور ہمارا رابطہ اپنے طور پر خفیہ انداز کا رہتا تھا۔ اسے اجاگر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ ایک روز میرے پاس T.V میں ان کا پیغام ملا کہ آپ آئیں، ایک چھوٹی سی محفل ہے۔ اس میں آپ کی شمولیت بڑی ضروری ہے، اور آپ اسے پسند کریں گے۔ میں نے کہا، بسم اللہ۔ ہمارے یہاں لاہور میں ایک علاقہ ہے نسبت روڈ جہاں پر دیال سنگھ کالج ہے۔ اس کے عقب میں چھوٹی چھوٹی گلیاں ہیں جہاں اچھے اچھے لوگ رہتے ہیں۔ وہاں پر انہوں نے انتظام کیا تھا بڑی اچھی ایک بیٹھک تھی اور جالی والا دروازہ۔ اس کو صاف کر کے اگر بتیاں جلا کے سلطان راہی نے بندوبست کیا تھا۔ سلطان راہی کو شاید آپ جانتے ہیں یا نہیں اسے قرأت کا بڑا شوق تھا، اور اس کا ایک اپنا انداز تھا۔ اس کا اپنا ایک لہجہ تھا۔ کبھی کوئی فنکشن شروع ہوتا تھا تو لوگ ان سے کہتے تھے کہ آپ قرأت کریں وہ کر دیتا تھا۔ لیکن اس کا ایک، اور پہلو جو تھا قرأت کے ساتھ وابستگی کا، اسے کم لوگ ہی جانتے تھے۔ تو وہاں ہم بیٹھے تھے تو اس

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا، گاؤں کا پینڈو آدمی۔ اس نے دھوتی باندھی ہوئی تھی۔ کندھے کے اوپر اس کے کھیس تھا۔ سادہ سا آدمی کچھ اتنا زیادہ Imperessive (متاثر کن) بھی نہیں تھا جتنا اس کو ہونا چاہیے تھا۔ تو انہوں نے کہا، ان سے ملیں، یہ بھا رفیق ہے۔ بھا رفیق بھی اس محفل میں شامل تھا۔ ہم دس گیارہ پندرہ لوگ دیوار کے ساتھ ڈھوالگا کے بیٹھ گئے۔ سلطان راہی نے کہا، آپ کو اپنی کچھ قرأت سنانا چاہتا ہوں۔ ہم نے کہا بسم اللہ۔ انہوں نے کہا، میں سورہ مزمل پڑھوں گا۔ تو کہا، سبحان اللہ اور کیا چاہیے تھا۔ تو سلطان راہی نے اپنے انداز میں اپنے لہجے میں، اور اپنی آواز میں سورہ مزمل کی تلاوت شروع کی۔ بہت ہی اعلیٰ درجے کی، اور لوگوں نے اسے بہت ہی پسند کیا۔ وہ پڑھتے رہے۔ ہم دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر سنتے رہے، اور جب ختم ہوگئی تو سب کے دل میں تھی آرزو کہ کاش ایک مرتبہ پھر اسے پڑھ سکے' لیکن انہوں نے بند کر دیا۔ پھر انہوں نے بھا رفیق کی طرف دیکھا، اور ان سے کہا، جی آپ بھی فرمائیں ہمارا اندازہ نہیں تھا کہ ایسا سیدھا سا آدمی بولے گا۔ تو بھا رفیق نے کہا، جی میری آرزو بھی سورہ مزمل سنانے کی تھی لیکن چونکہ انہوں نے سنا دی۔ ہم نے کہا، نہیں نہیں آپ بھی ہم کو یہی سنائیں۔ اس میں کیا حرج ہے تو آپ اپنا شوق پورا کریں۔ ہم تو یہ آرزو کر رہے تھے کہ دوبارہ شروع ہوتی۔ اور کہنے لگا بسم اللہ۔ انہوں نے بیٹھ کر خواتین و حضرات اپنے اس انداز میں کھیس کندھے سے اتار کر گود میں رکھ لیا۔ اس کے اوپر کہنیاں رکھ کے بیٹھ گئے، اور سورہ مزمل سنانی شروع کی۔

آپ نے بے شمار کیسٹ سنے ہوں گے۔ بے شمار قاریوں کو سنا ہوگا۔ انہوں نے جو سنایا، اس کا اپنا ایک انداز تھا۔ جوں جوں وہ سناتے چلے جا رہے تھے۔ ہم سارے آدمیوں نے جو بیٹھے تھے، یہ محسوس کیا کہ اس بیٹھک میں تاریخ کا کوئی اور وقت آ گیا ہے۔ یہ وہ وقت نہیں ہے جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں، اور ہم لوگوں کو ایسا لگا کہ ہم قرونِ اولیٰ کے مدینہ شریف کی زندگی میں ہیں، اور یہ وہی عہد ہے، اور یہ وہی زمانہ ہے، اور ہم ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں کہ جو اس عہد کی آواز کو ویسے ہی کسی آدمی کے منہ سے سن رہے ہیں۔ یہ سب کا تجربہ تھا۔ عجیب و غریب تجربہ تھا۔ ہم نے یوں محسوس کیا جیسے اس کمرے میں' بیٹھک میں عجیب طرح کی روشنی تھی۔ ہوسکتا ہے یہ ہمارا خیال ہو، لیکن اس کی کیفیت ایسی تھی کہ اس نے سب کے اوپر ایک سحر کر دیا تھا۔ پھر وہ ختم ہوگئی۔ ہم نے زبان سے شکریہ نہیں ادا کیا، کیونکہ ہم سارے اتنے جذب ہو گئے تھے کہ بولا نہیں جا رہا تھا۔ البتہ ہماری نگاہوں میں جھکے ہوئے سروں میں، اور ہماری کیفیت سے یہ صاف طور پر واضح ہوتا تھا کہ یہ جو کیفیت تھی' جو گزری تھی، یہ کچھ اور ہے۔ تو کوشش کر کے ہمت کر کے میں نے کہا، راہی صاحب ہم آپ کے بہت شکر گزار ہیں۔ پہلے آپ نے سورہ مزمل سنا کر پھر آپ نے اپنے دوست کو لا کر تعارف کروایا اور قرآن سنوایا۔ یہ کیفیت ہمارے اوپر کبھی پہلے طاری نہیں ہوئی تھی۔ ہم سمجھ نہیں سکے تھے۔ تو سلطان راہی نے کہا، بھا جی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بات یہ ہے کہ میں سورہ مزمل جانتا ہوں، اور بہت اچھی جانتا ہوں، لیکن یہ شخص مزمل والے کو جانتا ہے تو اس لیے بڑا فرق پڑا۔ تو جب آپ والی کو جانتے ہیں، اور جاننے لگتے ہیں، زندگی میں خوش قسمتی سے یا اللہ سے ایسا رابطہ پیدا ہو جاتا ہے جیسا اس کا تھا، تو پھر وہ کیفیت، اور طرح کی ہوتی ہے، اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ جو کیفیت ہوتی ہے یہ مختلف ہوتی ہے، اور زندگی میں ساری عمر ساتھ چلنے والی ہوتی ہے میں نے اپنی خوش قسمتی کا اظہار جب بھی کیا تھا، اب بھی کرتا ہوں کہ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جن کی گُڈی جو تھی، وہ نگی ہو جاتی تھی، جو بظاہر تو گُڈی کی بات کرتا ہے لیکن اس کے اندر پیغام کچھ اور ہوتا ہے، میں آپ کا بڑا شکر گزار ہوں۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اینڈریو

میری دلی آرزو کے مطابق ہمارے شہزاد احمد یہاں اس محفل میں تشریف لائے تو انہوں نے آتے ہی اس عہد کی یاد دلا دی جس کا تعلق 60-61-62 کی دہائی کا ہے۔ مجھے صحیح طرح سے سن یاد نہیں رہا۔ اور اس بات کا تعلق، ایک حد تک اس درس روحانیت سے ملتا ہے جس کے بارے میں مَیں علم حاصل کرنے کے لیے، اور تعلیم پانے کے لیے بڑی بڑی جگہوں پر گھومتا رہا، لیکن یہ میرا ابتدائی دور تھا۔ اور میرا اس روحانیت کے بکھیڑے میں پڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، نہ ہی مجھے اس سے کوئی دلچسپی تھی۔ شام کے وقت بچوں کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا کہ ہمارے دروازے پر دستک ہوئی تو میں گیا، جا کے دروازہ کھولا تو وہاں ایک بڑا دبلا سا نوجوان، ڈاڑھی، سنہرے بال، انگریزی مزاج، گھسی ہوئی جینز پہنے ہوئے، اور آدھی آستین کی قمیض پہنے دیوار سے لگا کھڑا تھا چوکھٹ سے۔ تو اس نے مجھ سے کہا، Are you Ashfaq Ahmed? میں نے کہا، میں ہی ہوں تو وہ کچھ دیر چپ رہا، پھر میرے چہرے کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا، مجھے آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنا ہیں کہ آپ Spiritualism (روحانیت) کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔ میں نے کہا، نہیں۔ اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے اس کے بارے میں پڑھا ضرور ہے۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں اس علم کا ایک صحافی ہوں زیادہ سے زیادہ، لیکن میں اس کے اندر داخل نہیں ہوا۔ مجھے اس کا پتا کچھ نہیں۔ اس نے کہا، مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ مجھے تو کسی نے کوئٹہ میں بتایا تھا جہاں سے میں اپنا ٹریول چیک کیش کروا رہا تھا۔ اشفاق صاحب سے مل لینا، وہ آپ کو بہت ساری معلومات بتائیں گے۔ میں نے کہا میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن تم کہاں ٹھہرے ہو۔ اس نے کہا، میں ریلوے سٹیشن لاہور، وہیں رہتا ہوں۔ مجھے آئے ہوئے تین دن ہو گئے ہیں۔ اس سے پہلے میں ہندوستان میں رہا۔ بنارس میں ایک سال میں رہا، اور وہاں سے پھر میں کھٹمنڈو چلا گیا۔ کھٹمنڈو میں میں نے تانترک ودیا کا علم حاصل کیا۔ وہاں دس گیارہ مہینے رہا۔ تانترا کا علم حاصل کرنے کے بعد میری کوئی تشفی نہیں ہوئی، تو پھر یہاں آ گیا لاہور میں۔ کسی نے بتایا کہ لاہور بھی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

روحانیت کا گڑھ ہے۔ میں نے کہا، یہ مدینۃ الاولیا ہے تو سہی، لیکن میں اس کے بارے میں کچھ زیادہ جانتا نہیں ہوں۔

سچی بات یہ کہ میں جانتا بھی نہیں ہوں۔ وہ مایوس ہوا، چہرہ شہزاد، اس کا، بالکل، آپ کو آسانی ہوگی جاننے میں، ڈی ایچ لارنس سے ملتا جلتا تھا۔ اتنا ہی دبلا' ویسی ہی شکل' وہی آنکھیں، ویسی ناک' ویسے اس کا انداز کھڑے ہونے کا' گردن بھی۔ میں واپس اندر آیا تو میری بیوی نے پوچھا کون تھا؟ میں نے کہا، کوئی باہر کا آدمی تھا۔ غیر ملکی، یہ پوچھتا تھا۔ اس نے کہا، ہمارے پاس کیوں آ گیا۔ میں نے کہا، مجھے بڑا تجسس ہے کہ ہمارے پاس کیوں آ گیا۔ تو خیر شام کو جب میں لیٹا تو مجھے خیال آیا کہ پتا نہیں وہ کہاں رہتا ہوگا، اور اس کو دقت ہوئی ہوگی، شریف سا آدمی تھا، اور وہ کچھ جاننا چاہتا تھا۔ اور دقت میں مَیں بھی تھا، ہپّی اس زمانے میں بہت آیا کرتے تھے، اور اس کا انداز بھی ہپیانہ تھا تو یوں میرے ذہن پر یہ ساری چرخی چلتی رہی۔ اگلے دن میں دس گیارہ بجے ریلوے سٹیشن پر گیا تو وہ تھرڈ کلاس کے ٹکٹ کے پاس اپنی کتاب کھولے دیوار سے ڈھولگائے کچھ پڑھ رہا تھا میں اُس سے ملا۔ میں نے کہا، میں معافی چاہتا ہوں۔ کل آپ کے ساتھ ٹھیک بات نہ ہو سکی۔ آپ کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا، میرا نام اینڈریو ہے۔ میں نے کہا، تم یہاں کہاں رہتے ہو۔ کہنے لگا، میں یہیں رہتا ہوں میں نے کہا، تمہیں یہاں دقت ہوگی۔ اس نے کہا، نہیں دقت کوئی نہیں، ہم عام آدمی ہیں۔ ایسی کوئی مشکل نہیں۔ یہ بہت اچھا ہے، پانی مجھے مل جاتا ہے پینے کو۔ کھانے کو ایک آدھ سموسہ کھا لیتا ہوں۔ میں نے کہا، تم ایسے کرو۔ میرے ساتھ چلو گھر، اور وہاں تمہیں تھوڑی سی آسائش ہوگی۔ میری طبیعت پر بڑا بوجھ ہے۔ اس نے کہا، ٹھیک ہے۔ میں حاضر ہوں چلو۔ جب چلنے لگا تو اس کے پاس کچھ تھا ہی نہیں۔ میں نے کہا، اپنا تھیلا اٹھا لو۔ کہنے لگا، کون سا تھیلا۔ میرے پاس تو کچھ نہیں۔ میں اسے اپنے ساتھ گھر لے آیا۔ تو میری بیوی کہنے لگی، یہ کیا چیز پکڑ لائے ہو، کیونکہ جب وہ گھر آیا تو ایک تو اس کے بدن کی بڑی بدبو تھی۔ ہپیوں سے خاص قسم کی بدبو آیا کرتی ہے۔ دوسرے جب وہ بیٹھ گیا۔ تو اس نے مجھ سے کہا، کیا میں سگریٹ لے سکتا ہوں۔ تو میں نے کہا، پی لو۔ جب اس نے سگریٹ پیا۔ تو میری بیوی نے کہا، یہ کیسا سگریٹ ہے۔ اس میں تو اور قسم کی بدبو ہے۔ تو میں نے کہا، یہ ایسے ہی ہوتا ہے۔ اجازت دے دیں۔ کوئی بات نہیں۔ اسے اجازت دے دیں۔ تو کہنے لگی، آپ اسے کیا کریں گے۔ میں نے کہا، ہمارا یہاں ایک کمرا ہے۔ بڑا اچھا سا' خالی پڑا ہے تو اس میں رہ لے گا۔ پڑھا لکھا آدمی ہے۔ تو اس نے بہت بادلِ نخواستہ کہا، اچھا رہ لے۔ کتنے دن کے لیے۔ میں نے کہا، مجھے پتا نہیں۔ کتنے دن کے لیے۔ وہ صبح جب اٹھا تو اس نے کہا اشفاق صاحب! I am not a real poet, I am sort of a poet. میں شاعر تو نہیں ہوں لیکن میں نے ایک نظم لکھی ہے رات کو۔ تو وہ مجھے سنانے لگا۔ میں شاعری سے بڑی رغبت رکھتا ہوں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

لیکن اتنی گہرائی میں جانے کے لیے جب کہ مشکل نظم ہوتو میں پھر رک جاتا ہوں کہ مجھے لکھی ہوئی ملے، دھیان سے دیکھ کر کچھ سمجھوں لیکن وہ سنانے لگا انگریزی میں تو میری بیوی آگے ہو کے بیٹھ گئی وہ چونکہ کانونٹ کی پڑھی ہوئی تھی، اس کو ذرا آسانی ہے، تو اس نے کہا Andrew please say it again اس نے پھر پڑھا تو وہ تو جناب بالکل اس کی محبت میں مبتلا ہو گئی، اور میں نے شکر کیا کہ میرے اوپر بوجھ نہیں رہا۔ تو اس نے کہا، 'Do you write'---have you written something else too. اس نے کہا، ہاں میری ایک کاپی ہے۔ جو جیب میں تھی تو اس نے دو تین نظمیں اس میں سے سنائیں تو میری بیوی کہنے لگی یہ تو بڑا کمال کا Poet ہے۔ غضب کا ہے یہ تو، اور وہ یہ ساری لمبی لمبی باتیں Detail سے بیان کرنے لگی۔ اس کو اچھی خوراک ملنے لگی۔ ہمارے گھر سے' کیونکہ وہ بہت اچھا شاعر تھا۔ اینڈریو صاحب وہاں رہنے لگے۔ ہمارے گھر میں ایک کونا تھا جہاں کوئی نہیں بیٹھتا تھا، کارنر میں تو وہ اس نے اپنی جگہ بنالی۔ وہاں ایک ٹوٹا ہوا مصلیٰ بچھا لیا۔ دن بھر وہ اسی کونے میں بیٹھا رہا۔ کسی سے کوئی سروکار نہیں۔ کبھی ہم کو ڈسٹرب نہیں کیا۔ کبھی ہم سے کچھ پوچھا نہیں۔ کبھی کسی چیز کی فرمائش نہیں کی۔ بس وہیں بیٹھا رہتا تھا، اور لکھتا رہتا تھا۔ شام کو میری بیوی پوچھتی ?Have you something new تو وہ کہتا تھا کہ ایک بند Stanza ہوا ہے یا دو یا پوری نظم تو وہ سناتا تھا۔ ایک ہی اس کی سامع تھی، اور ایک ہی تھا Poet۔ اور وہ اپنا مشاعرہ کر کے شام کو پھر اوپر چلا جاتا۔ ایک دن میری بیوی بڑی پریشان تھی اور وہ بھاگی پھرتی تھی۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں۔ دوسرے سے تیسرے کمرے میں، اور ملازم بھی پریشان۔ وہ بار بار جاتی تھی برآمدے میں، اور بار بار باہر آتی تھی تو اینڈریو جس نے کبھی دخل نہیں دیا کام میں، اور انگریز آدمی کبھی دخل دیتا بھی نہیں، پوچھتا بھی نہیں۔ اس نے جب آپا جی کی پریشانی کو ایسا دیکھا تو اٹھ کے اپنی جگہ سے آیا۔ کہنے لگا:

If you do not mind .....ApaJi, You seem to be discomfort and you are uncomfortable. what is wrong?

مجھے آپ سے پوچھنا تو نہیں چاہیے، کیونکہ یہ Manners کے خلاف ہے، اور مجھے دخل نہیں دینا چاہیے تھا، لیکن میں یہ برداشت نہیں کر سکتا، آپ بہت گھبرائی پھرتی ہیں۔ تو اس نے کہا، Andrew do not talk to me۔ یہ تمہارا کرنے کا کام نہیں ہے۔ تم چھوڑو اس قصے کو میں ہوں بس گھبرائی ہوئی You do not distrub me وہ بے چارہ ڈر گیا، پتا نہیں کہ مشرق کے لوگوں کا کیا انداز ہے لیکن جب اس کی پریشانی، اور بڑھی، ایک آدمی آ گیا۔ ایک ہتھوڑی، اور پلاس اٹھائے ہوئے۔ وہ اندر کچھ کھٹا کھٹ کرتا رہا۔ پھر چلا گیا واپس' تو اینڈریو نے کہا، آپ مجھے جو مرضی کہیں آپا جی، میں تو ضرور پوچھوں گا کہ کیا مسئلہ ہے۔ اس نے کہا، بات یہ ہے کہ میری جو کوٹھڑی ہے، جہاں کھانے پینے کا سامان

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

رکھا ہوا ہے، اس کو لاک لگا ہوا ہے آٹو میٹک بند ہونے والا' تو میں اپنی چابیاں اندر بھول گئی ہوں۔ غلطی سے ہاتھ لگ گیا دروازے کو تو وہ بند ہو گیا، اب وہ کھلتا نہیں، اب میں نے پٹرول پمپ سے آدمی کو بلوا کے بھیجا۔ اس نے کہا 60 روپے لوں گا۔ اس نے بہت Try کیا۔ اس نے کہا ہے کہ تالا ایسا ہے جو دنیا کا کوئی بندہ کھول نہیں سکتا۔ ترکھان کو بلوائیں، وہ آری لے کرا تنا حصہ کاٹے گا۔ پھر لاک نکلے گا اس نے کہا کہ کیا میں آپ کا وہ تالا دیکھ سکتا ہوں۔ اس نے کہا تو دیکھ کے کیا کرے گا مسٹر Poet۔ اس نے کہا، نہیں جی، میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ تو وہ کہنے لگی، آجا۔ آجا دیکھ لے۔ اس نے تالا جا کے دیکھا تو اس نے کہا، آپا جی کوئی تار ہو گی تو اس نے کہا، تار کوئی نہیں ہے تو اس نے خود گھوم پھر کے ایک ٹوٹی ہوئی چھتری پڑی تھی ہمارے گھر میں جو پرانی تھی اس نے اس کی تار نکالی، اور اس کو مروڑ دیا، اور اس کے اندر یوں ہلا کے کڑک سے دروازہ کھول دیا تو میری بیوی بڑی حیران ہوئی۔ تو اس نے کہا، یہ تم نے کیسے کھول دیا۔ کہنے لگا، بس یہ کھل گیا۔ بس یہ کھل جاتا ہے۔ کہنے لگا، Yes it was a Very Complicated Lock۔ تو اس نے کہا، کہ اینڈریو مجھے بتاؤ کہ تم نے کھولا کیسے؟

اس نے کہا، آپا جی میں لندن کا ایک نامی گرامی چور ہوں، اور میں نے دو سال قید بھگتی ہے چوری کرنے پر۔ میرا کریکٹر اچھا تھا۔ مجھے چار مہینے کی معافی مل گئی تو ایک سال آٹھ مہینے کی سزا کاٹنے کے بعد پھر میں جیل سے نکلا ہوں' تو میرے سامنے کوئی دروازہ کوئی لاک جو ہے، وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ اب وہ ڈر گئی۔ میں شام کو گھر آیا تو کہنے لگی یہ اینڈریو جو ہے، یہ چور ہے اور اس کو ہم نے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا، اس میں ایسی کوئی بات نہیں۔ اس نے کہا کہ اس نے خود اس کا اعتراف کیا ہے۔ جب میں نے پوچھا اس سے۔ تو کہنے لگا، یس سر میں تو بہت مشہور چور ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ اخبار کی نیوز کٹنگ دکھا سکتا ہوں جس میں میری فوٹو ہے۔

مجھے چار مہینے کی معافی مل گئی، کیونکہ میرا کریکٹر بہت اچھا تھا۔ اس کے بعد کہنے لگا، میں نے پرائمری سکول میں نوکری کر لی بطور پروفیسر آف فلالوجی۔ He did M.A in English لٹریچر کا آدمی تھا۔ لسانیات کا آدمی تھا۔ لغت کا' بالکل لسانیات کا پروفیسر ہو گیا، تو پڑھتا پڑھاتا رہا۔ تو کہنے لگا لسانیات بڑا سخت Subject ہے آپا جی! میں کبھی آپ کو بھی بتاؤں گا، کیونکہ آپ کو یہ ضرور آنا چاہیے، اس کی بنیادی باتیں۔ تو پھر مجھے روحانیت کا شوق ہوا تو پھر میں انڈیا چلا گیا۔

اب ہم گھر میں دونوں میاں بیوی بڑے خوف زدہ ہوئے کہ چور کو گھر میں رکھا ہوا ہے، یہ سزا یافتہ بھی ہے، اور ساتھ ساتھ شاعر بھی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انگریزی کا پروفیسر بھی ہے، اور پروفیسر بھی لسانیات جیسے مضمون کا، فلالوجی وغیرہ کو بہت اچھی طرح جانتا ہے۔ اب میں اس سے تھوڑا تھوڑا ڈرنے لگا، اور اس نے بھی بھانپ لیا، اور وہ صبح اٹھ جاتا تھا۔ اور ایک لمبا راستہ طے کر کے دن بھر غائب

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

رہتا تھا۔شام کے پانچ چھ بجے واپس آ جاتا تھا، پھر ہم کھانا وغیرہ کھاتے۔دن کا کھانا وہ ہمارے پاس نہیں کھاتا تھا۔ایک دن میں نے اس سے پوچھا،تم دن بھر کہاں جاتے ہو۔اس نے کہا کہ آپ تو میری مدد نہیں کر سکے، لاہور میں بڈھے راوی کے پاس، ایک بابا چھتری والا ہے۔اس کے پاس جاتا ہوں تو آپ کو بھی چلنا چاہیے۔وہ بہت عجیب وغریب ہے،اس کے پاس علم ہے،اور وہ بہت ساری آپ کو ایسی چیزیں بتائے گا۔تو میں نے کہا، میں ایسی چیزوں پر اعتماد نہیں رکھتا۔میں ان چیزوں پر یقین نہیں رکھتا۔اس نے کہا،نہیں آپ میرے ساتھ ضرور چلیں تو میں شوق،اور تجسس کے مارے اس کے ساتھ گیا۔وہاں گئے تو وہ بابا چھتری والے جو تھے،وہ کشمیری زبان بولتے تھے۔ان کو کوئی اور زبان نہیں آتی تھی۔اینڈریو صرف انگریزی بولتا تھا۔اس کو کوئی اور زبان نہیں آتی تھی،لیکن یہ دونوں صبح بیٹھ جاتے تھے گفتگو کرنے،اور شام تک ایک دوسرے سے سوال وجواب کرتے تھے۔اب یہ کیا کرتے ہوں گے، یہ وہی جان سکتے ہیں۔میرے لیے تو یہ بہت بڑا مسئلہ تھا۔یہ ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔وہ کہتا تھا کہ یہ بابا جو بات کرتا ہے،ایسی ہوتی ہے جو میں نے اس سے پہلے نہ کھٹمنڈو میں سنی' نہ بنارس میں سنی تھی اور بابا سے میں نہیں پوچھ سکتا تھا۔سر جو آپ سے پوچھتا ہے،کیسا آدمی ہے،لیکن اینڈریو کو ان ساری باتوں کا پتا چلتا ہے۔اب دیکھیے انسان تلاش کے لیے کسی طرف کو نکلتا ہے،رخ اس کا کسی،اور طرف ہوتا ہے۔چلا کہیں سے آ گیا ہمارے گھر۔ہم جو بے یقینے لوگ تھے جن چیزوں پر اعتماد نہیں رکھتے تھے۔اس کو وہاں رہنا پڑا۔

اب اس نے ایک دن بتایا کہ میری ایک منگیتر بھی ہے اس کا نام جوئی ہے، جوئی آنا چاہتی تھی۔اس کو خط لکھتی تھی کہ I want to join you تم کہاں ہو،اس وقت اینڈریو کا والد جو تھا،وہ برٹش ریلوے کا ریٹائرڈ آفیسر تھا۔جوئی کا باپ کاؤنٹی میں ایک ڈرافٹر تھا۔جی پی ڈرافٹر تو اچھے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا میری بیوی کا شوق ہوا۔اس نے کہا، جوئی کو ضرور آنا چاہیے۔یہ الگ الگ کیوں رہتے ہیں۔تو ہم نے کہا،ٹھیک ہے۔اسے بلا لیتے ہیں،تو اسے خط لکھا گیا۔اب جوئی جب آئی ہمارے گھر میں۔بڑی خوب صورت تھی۔بڑی گوری اونچے قد کی،لیکن طبیعت ذرا جسے کہتے ہیں،نا جلدی گھبرا جاتی تھی،وہ تحمل،اور بردباری جو اینڈریو میں تھی،اس میں نہیں تھی،اور وہ بہت سی باتوں پہ اینڈریو پر چڑ دوڑتی تھی۔تو جب میری لڑکیوں نے دیکھا' میری بھانجیوں' میری بھتیجیوں' میرے گھر والوں نے تو انہوں نے کہا، جوئی کی،اور اینڈریو کی شادی کی جانی چاہیے۔چنانچہ انہوں نے کہا کہ پہلے ہم اس کی ڈھولکی رکھیں گے۔

پھر اس کی گھوڑیاں ہوں گی۔آدھی لڑکیاں ادھر ہو گئیں۔اس کی طرف،اور آدھی جوئی کی طرف۔ہمارے برآمدے میں صاحب اتنی بڑی شادی پہلے کبھی ہوئی نہیں۔بچیاں روز بیٹھ جاتی تھیں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ڈھولکی لے کر، انہوں نے بجانا شروع کر دی۔ جوئی بہت خوش۔ اتنی تو عزت نہیں ہوتی ولایت میں۔ وہ تو جاتی ہیں ایک سیکنڈ کے لیے۔ چرچ میں گئے اور ختم۔ ہوگئی شادی، جب شادی قریب آتی گئی۔ تو مجھے اینڈریو نے کہا، شادی تو میری ہو چکی ہے، لیکن میں اسے بلانا چاہتا ہوں، ملاں جی جو ہوتا ہے نا وہ بھی ہو۔ میں نے کہا، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ تم کو ہم کیا درج کرائیں گے اس میں۔ اس نے کہا، نہیں ویسے ہی آجائے، تو میں نے محلے کے مولوی سے کہا، آج ہمارے شادی ہے۔ گورا گوری کی تو آپ آجائیں۔ تو کہنے لگا، ٹھیک ہے۔ میں نے کہا، نکاح پڑھا دیں، کچھ پڑھ دیں آپ۔ اس نے کہا، کوئی بات نہیں نصاری ہیں۔ میں نے کہا، ہاں نصاری ہیں۔ اب جس دن اس کا شادی کا دن تھا، تو وہ صبح چلا گیا، اپنے باباے ملنے بابا چھتری والے سے، اور اس سے دعا وغیرہ لینے۔ دن گزر گیا ہے۔ لڑکیاں ڈھولکی بجا بجا کے تھک گئی تھیں۔ شام پڑ گئی۔ مولوی صاحب آگئے۔ اینڈریو صاحب کا کوئی پتا نہیں، اور ہم سارے پریشان بیٹھے ہیں گھر میں، اور جوئی جو ہے وہ Pins and needles لیے بھاگتی پھرتی ہے۔ رات پڑ گئی۔ رات کے آٹھ نو بج گئے۔ آدھی رات کو اینڈریو صاحب چلے آرہے ہیں۔ ایک تھمن پہنی ہوئی گھٹنوں سے اونچی، اور سر کے اوپر ایک ایسا صافہ اور قمیص تو میں نے ذرا شاؤٹ کیا اس کو۔ میں نے اس سے کہا Where have you been andrew۔ تو اس نے کہا I am very sorry I am lazy۔ Sorry sir! forgive me یہ بار بار کہے۔ میں نے کہا، ٹھیک ہے کہ لیکن یہ ساری لڑکیاں بیٹھی ہیں۔ تمہاری شادی کا سارا اہتمام ہو رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو کہنے لگا کہ مجھے بڑا ضروری کام تھا۔ وقت مجھے مل نہیں رہا تھا۔ مجھے سرٹیفکیٹ لینا تھا تو وہ مل نہیں رہا تھا، دیر ہوگئی۔ تو میں نے کہا، کون سا سرٹیفکیٹ۔ کہنے لگا جی میں آج مسلمان ہوگیا ہوں اور مجھے اس کا سرٹیفکیٹ لینا تھا۔ میں نے کہا کہاں سے لیا سرٹیفکیٹ۔ اس نے کہا، شاہی مسجد میں مولوی صاحب نے مجھے دیا۔ میں یہ لے آیا ہوں تو میں نے اپنا نام سلیمان رکھا ہے۔ میں نے کہا یار تجھے مسلمان ہونا ہی تھا تو مجھ سے کوئی اچھا سا نام پوچھتا۔ ہم نے ڈراموں میں اتنے اعلیٰ اعلیٰ نام رکھے ہیں۔ سلیمان کہنے لگا، یہ مجھے اچھا لگتا ہے۔ بس ہاں حضرت سلیمان کی نقل۔ (اس پر ایک کیفیت طاری تھی، عجیب وغریب آدمی تھا)۔ اس نے کہا میں یہ نام رکھا ہے۔ ادھر لڑکیاں ڈھولک بجا رہی تھیں۔ انہوں نے شور مچا دیا کہ سلیمان بھائی زندہ باد۔ جوئی کہنے لگی؟ What has happend اب میں تو چپ، میری بیوی بھی چپ۔ ایک لڑکی میری بھانجی ہے نیلو کہنے لگی۔ He has embraced Islam, Now he is a muslim, His name is Sulaiman جوئی نے یہ سن کر اپنے خوب صورت کپڑے جو پہنے ہوئے تھے، پھاڑ دیئے، سر کے بال نوچے، چیخیں ماریں۔ زمین پر لیٹنے لگی۔ تھوکنے لگی، اور اتنی پریشان ہوئی کہ ہمیں مشکل پڑ گئی، کہ یا اللہ یہ کیا ہوا۔ اس نے کہا I will kill him. take it away from my side سلیمان تو اس کو یوں سمجھانے کی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کوشش کرے۔ Look اس نے کہا Do not talk to me تم اتنے ظالم ہوتے ہو، دہشت گرد ہوتے ہو۔ تم کچھ بھی ہو جاتے، مسلمان نہ ہوتے۔ تمہیں پتا نہیں یہ دنیا کی خوفناک ظالم خونخوار قوم ہے۔ اس نے کہا Look I know we are not such people۔ اچھا اس کو بتا رہا ہے کہ ہمارے دین میں یہ اکیلا دین ہے، جس میں ''لا اکراہ فی دین'' ہے دین پر کوئی جبر نہیں ہے۔ میں تم کو کبھی نہیں کہوں گا کہ تم اپنا دین تبدیل کرو۔ مجھے اس بات کا حکم ہے۔ وہ اُس کو اس طرح سے کہہ رہا ہے۔ جس طرح سے اب وہ ایک، اور چیز ہو گیا۔ جوئی کو ہم نے سمجھایا، ملاں جی بیٹھے ہوئے ہیں ادھر آ کے، لڑکیوں کی ڈھولک بند ہو گئی۔ بڑا رونا پیٹنا پڑ گیا۔ اس نے کہا I quit میں یہ نہیں کروں گی۔ چنانچہ ہم نے کہا، اس کی اگر مرضی نہ ہو۔ تو وہ کہنے لگی، آپا جی نونونو ایک ہی بات کرے، مسٹر سلیمان جو کہ پہلے اینڈریو تھا، ایک ہی بات کہے لکم دینکم ولی دین۔ یہ پتا نہیں کیا کچھ پڑھا ہوا تھا کہ شادی زبردستی نہیں کرنا۔

میں نے بتایا تو ہے کہ پاجامہ سا پہنا ہوا تھا۔ بو بھی ویسی آ رہی تھی۔ خیر وہ اسے چھوڑ کر واپس چلی گئی یہ رہ گیا۔ اس نے کہا، کوئی بات نہیں۔ ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ ہم زبردستی کرنے والے بندے نہیں ہیں، لیکن میں اس کو مناؤں گا ضرور۔ چاہے کوئی شامل ہو یا نہ ہو تو آپ میری ایک مدد کریں۔ میں نے کہا، کیا۔ میں نے کبھی کوئی آپ سے چیز نہیں مانگی تو وہ میں نے دیکھی ہے۔ میں نے ایک دن سٹور کھولا تھا آپا جی کے ساتھ چاول نکالنے کے لیے۔ وہاں سٹور میں ایک ڈبہ تھا ٹین کا۔ سر اس میں ایک بہت قیمتی چیز پڑی ہے۔ کیا آپ وہ مجھے دے سکتے ہیں۔ میں ڈر گیا، پتا نہیں کیا مانگ رہا ہے۔ میں نے کہا، کیا ہے۔ تو اس نے کہا کہ Real crude suger گُڑ پڑا تھا ہمارا پانچ چھ سال کا گندہ بدبودار، وہ اس نے دیکھ لیا۔ تو اس نے کہا، یہ تم نے کہاں سے لیا ہے، اور یہ اللہ کی نعمت! ہم تو سفید شوگر کھاتے ہیں۔ وہ تھا جو ہم بھینس وغیرہ کو دیتے ہیں۔ ہمیں اسے پھینکنے کے لیے کوئی مناسب سی جگہ نہیں ملی تھی۔ وہ کہنے لگا تو میں نے پوچھا، تم اس کا کیا کرو گے؟ اس نے کہا You don't know sir اس میں کیلشیم ہوتا ہے، اس میں آئرن ہوتا ہے، اس میں فاسفیٹ ہوتا ہے، یہ ساری چیزیں موجود ہیں۔ یہ بڑی نعمت ہے۔ مجھے دیں میں اس کا کیک بناؤں گا۔ میں نے کہا، جوئی چلی گئی۔ شادی تمہاری ہوئی نہیں، کیک بنا کے کیا کرو گے؟ اس نے کہا، نہیں۔ چنانچہ وہ گندہ گڑ واہیات اس نے گھول کے آٹا ڈال کے اتنا اعلیٰ درجے کا کیک بنایا، ہم تو کھا نہ سکے، لیکن وہ کاٹ کاٹ کر چھری سے کھا رہا تھا۔ ہمارے گھر والوں کو ایک ایک ٹکڑا دیا۔ تو میری بیوی نے کہا، اس کی شادی کا ہے۔ ہم کو لینا چاہیے تو ہم نے بھی لے کر جلدی جلدی تھوڑا تھوڑا کھایا۔ تو اس نے کہا میں اپنی ماں کو فون کرنا چاہتا ہوں۔ تو میں نے کہا، ضرور کرو۔ اس نے U.K برطانیہ ماں کو فون کیا کہ یہاں پر مقامی لوگوں نے میری شادی سیلی بریٹ کی ماما۔ ماں اس کے بجائے اس سے یہ پوچھتی کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کدھر ہیں؟ کہنے لگی؟ How was the cake بس ایک

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہی بات کہ ماما فائیو پاؤنڈ ر اور تین پاؤنڈ، اور اس میں یہ تھا۔ اور اس نے اس کو گڑ کی کیفیت بتائی۔ اس میں کیلشیم' فلانا آئرن' فلانا فلانا کوئی اٹھارہ قسم کی خوبیاں گنوا دیں۔ پھر اس نے کہا، میں تمہیں کل ایک کٹنگ لے کر پارسل کر کے کیک کی بھیجوں گا۔ کیک شادی کا بڑی عجیب چیز ہوتی ہے۔ پھر اچانک ایک دن وہ ہم کو چھوڑ کر چلا گیا۔

مجھے کوئی ایک مہینے بعد اس کا خط آیا کہ میں بدین میں رہتا ہوں۔ سوات میں ایک جگہ ہے، اور یہاں دریا بہہ رہا ہے، اور اللہ میاں نے اگر کوئی جنت زمین پر اتاری ہے تو وہ سوات ہے، اور میں یہاں بہت ہی خوش ہوں۔ یہاں پر ہوں، اور مجھ پر اللہ کا بڑا فضل ہے، میں نے جگہ خرید لی ہے۔ میرے پاس تیرہ کنال زمین ہے۔ میں نے کہا، وہ تم نے کیسے لی؟ اس نے کہا یہاں جن لوگوں کی یہ زمین تھی، ایک باپ، تین بیٹے ہیں۔ اس میں سبزی اگتی ہے کہ دنیا دیکھے اور میں حسرت بھری نگاہوں سے اس ٹوٹے کو دیکھتا تھا پہاڑ میں۔ تو وہ مجھ سے پوچھتے تم کیا دیکھتا ہے گورا۔ میں نے کہا، یہ کتنی خوب صورت زمین ہے۔ انہوں نے کہا، لعنت ہو، یہ کوئی زمین ہے۔ یہ کوئی جگہ ہے۔ یہ کوئی ملک ہے۔ دفع دور۔ تو میرا ان کا جھگڑا ہو گیا۔ میں نے کہا، تم زمین مجھے دے دو، انہوں نے کہا، تم زمین ہم سے لے لو۔ چار ویزا ہم کو لندن کا منگوا دو۔ میں نے کہا، منظور۔ میں نے اپنے باپ کو خط لکھا، اس نے مجھ کو چار ویزا بھیج دیا۔ انہوں نے کچہری جا کر زمین میرے نام کر دی۔ میں نے کہا، اگر جنت ہے تو سوات ہے۔ تو وہ کہتے تھے اگر جنت ہے تو انگلستان ہے۔ ہمیں کیا اچھی چیز مل گئی۔ میں کہتا تھا، اگر جنت ہے تو یہ سوات ہے۔ پاکستان ہے۔ کیا اچھی چیز مل گئی۔ کہنے لگا، اشفاق صاحب میں سمجھ نہیں سکا۔ یہ کیا ہے۔ وہ لوگ جنت کیوں چھوڑ گئے ہیں۔ وہ جو پٹھان تھے، وہ کہتے تھے یہ بے وقوف کا بچہ انگلستان کی جنت چھوڑ کر ادھر کیوں آ گیا ہے۔ تو یہ اینڈریو کی کہانی تھی، جو وقت کی کمی کی وجہ سے مجھے یوں بند کرنی پڑ رہی ہے۔ پھر کسی محفل میں آیا تو پھر بیان کروں گا کہ یہ فیصلہ انسان کے لیے بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کی جنت ارضی کہاں پر ہے۔

خواتین و حضرات! آپ کا بہت بہت شکریہ، اور بڑی مہربانی، اور اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

گو ما ان ہالینڈ

یہ جواب بات میں کرنے لگا ہوں، اس کا ہماری محفل 'زاویہ' سے بلاواسطہ تو کوئی تعلق نہیں ہے لیکن ایک چھوٹا سا تعلق ضرور ہے کہ محنت کرنے سے، اور لگن کے ساتھ پوری دھن کے ساتھ، جس طرح لوگ خدا کو تلاش کر لیتے ہیں جس طرح دنیا کی تلاش میں ہم لگے رہتے ہیں۔ مجھ سے اکثر اوقات لوگ سڑک پر چلتے ہوئے جب سامنے سرخ بتی ہوتی ہے تو گاڑی روک کر شیشہ اتار کر کہتے ہیں کہ "اشفاق صاحب! بابا ہے کہیں"۔ میں کہتا ہوں ابھی تو نہیں اس وقت موٹر میں۔ میں پھر کبھی ملوں گا تو آپ سے ملاقات ہوگی۔ کہنے لگے، بس ٹھیک ہے جی، بڑی مہربانی۔ ایسے بھی کہہ کر گزر جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو اکثر پوچھتے ہیں کہ کوئی بابا نہیں ملتا۔ میں نے کہا، سر وہ اب آپ کی آرزو نہیں ہے۔ کئی کو میں نے یہ بھی کہا، اس محفل میں بھی یہ بات کی کہ چودہ برس بی اے کرنے میں لگائے، چودہ مہینے اس کی کوشش کر و روحانی دنیا میں جانے کی۔ کہنے لگا، نہیں چودہ مہینے تو بہت زیادہ ہیں۔ میں نے کہا، چودہ ہفتے، کہنے لگے نہیں یہ بھی زیادہ ہے۔ اتنا ٹائم نہیں ہے ہمارے پاس۔ میں نے کہا کہ اگر کوئی ہے "بابا" تو میں آپ کی خدمت میں پیش نہیں کروں گا۔ اس لیے اسے زچ کرنے کے لیے ذلیل و خوار کرنے کے لیے اس کا ایڈریس پوچھ رہے ہیں کیونکہ آخر میں آپ نے یہ کہنا ہے کہ ملے تھے وہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اس نے تو کوئی کبوتر نکال کر دکھایا ہی نہیں۔ اکثر یہی آرزو ہوتی ہے نا آدمی کی۔ ہم نے پاس کرنے کے لیے کہا تھا' وہ تو کیا نہیں ڈبا پیر جو تھا۔ اکثر جو جعلی قسم کے پیر ہوتے ہیں' وہ اسی طرح بنتے ہیں کہ اپنی زندگی تو بے چارے شروع کرتے ہیں اللہ کی تلاش میں، لیکن ہم لوگ جو ان کی خدمت میں حاضر ہونے والے ہوتے ہیں وہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو جا کر مجبور کرتے ہیں آہستہ آہستہ کہ وہ ڈبا پیر بنیں، اور ہماری خواہشات کو پورا کریں۔ ابھی تک کوئی بندہ ایسا نہیں گیا ان کے پاس جو کہے کہ مجھے کچھ روح کی تلاش ہے۔ اللہ کی آرزو ہے۔ میں دنیا کے بارے میں کچھ نہیں جاننا چاہتا۔ اس لیے میری آپ مدد کریں۔ چونکہ ایسا سوال نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ بے چارے اپنا روپ بھی، اور طرح کا اختیار کر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

لیتے ہیں۔ تو میں تمہیداً عرض کر رہا ہوں کہ یہ جو بات میں کرنے والا ہوں' اس کا تعلق Struggle سے ضرور ہے۔ کوشش سے، اور جدوجہد سے، لیکن اس کا بلاواسطہ طور پر اس سے تعلق نہیں ہے، لیکن آپ سنیں گے تو چونکہ آپ ہمارے ذہین ناظرین ہیں، خودبخود اس کے ساتھ جوڑتے چلے جائیں گے۔

سن 49ء کی بات ہے، میں یہاں تھا تو ہمارے دوستوں کا ایک گروہ تھا جس میں سے سب سے نمایاں ہمارا دوست نصرت درانی تھا، جو ایک سپلائی کمپنی کا مالک تھا ملٹری کو سامان لے کر دیتا تھا۔ امیر آدمی تھا اس زمانے میں۔ اس کی بیوی بہت ماڈرن تھی۔ ہم اس کو پیار سے نینی کہتے تھے۔ نینی استانی قسم کی خاتون تھی، اور ہر بات میں ہم کو گائیڈ کرتی تھی۔ آرٹسٹ بہت اچھی تھی، اور وہ یہ جو لینڈ سکیپ پینٹنگ ہوتی ہے' واٹر کلر کی' بہت ماہر تھی، اور وہ اکیلی لڑکی تھی سارے لاہور میں جو دوپٹہ نہیں لیتی تھی۔ سارے اس کو حیرانی سے دیکھتے تھے کہ کمال کی بات ہے۔ اس کے بال کٹے ہوئے تھے جو اس زمانے میں نہیں ہوتے تھے، ہم جب اس کے ساتھ دوستوں میں باہر نکلتے تھے تو سب اس نینی کو دیکھتے تھے۔ اس کا ایک بچہ تھا، بڑا شریر، بڑا ضدی، بڑا ظالم' بوٹ سے ٹھوکریں مارنے والا' بالکل نہ ماننے والا۔ تو ان کے ساتھ' اُس خاندان کے ساتھ ہمارے بڑے تعلقات رہے۔

ہمارا ایک دوست تھا۔ بہت اچھا آرٹسٹ، اب بھی ہے تو ان کے سٹوڈیو میں ہم اکٹھے ہوتے تھے۔ کئی دفعہ ہم اپنی دھما چوکڑی لارنس گارڈن جس کو اب باغ جناح کہتے ہیں، میں مچاتے تھے، ہم چلتے رہے۔ بہت اچھی طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ بانہوں میں بانہیں ڈال کر، بڑے اچھے ایام ہمارے گزر رہے تھے کہ اچانک درانی اور نینی کا جھگڑا ہو گیا۔ میاں بیوی کا جھگڑا ہو جایا کرتا ہے۔ وہ اتنی شدت اختیار کر گیا کہ انہوں نے علیحدگی کی بات کر لی کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ بچے کا معاملہ تھا، ہم سب روئے پیٹے۔ درانی سخت آدمی تھا۔ اس نے کہا نہیں میں نے نہیں رہنا۔ میں نے کہا، بچے کا کیا کرو گے۔ اس نے کہا، بچے کی مرضی ہے، ماں کے پاس رہنا چاہے، ماں کے پاس رہے۔ میرے پاس رہنا چاہے تو میرے پاس رہے۔ تو نینی کو بھی ہم نے سمجھایا۔ وہ کہتی تھی کہ نہیں اگر یہ اتنا زیادہ سخت ہے تو میں اس سے بھی زیادہ سخت ہوں۔ مجھے کوئی پروا نہیں۔ میں اپنے فن میں طاق ہوں۔ لو جی دیکھتے ہی دیکھتے ہماری نظروں کے سامنے ہماری موجودگی میں کاغذ (طلاق) لکھے گئے، اور وہ تو کم روئے، اور ہم زیادہ روئے، اور بڑا دکھ ہوا۔ طلاق ہو گئی۔ بچہ ماں کے ساتھ چلا گیا۔ ویسا ہی ضدی' ویسا روتا' بسورتا' ٹھڈے مارتا ہوا۔ تو درانی سے میں ملا، وہ منتقل ہو گیا تھا GHQ راولپنڈی، وہیں اس کا دفتر تھا۔ اچھا خاصا بڑا دفتر۔ میں نے اس سے کہا کہ اب تمہیں شادی کر لینی چاہیے۔ کہنے لگا نہیں دفع کرو۔ یہ تو پیشہ ہی ایسا نہیں ہے کہ شادی کرو۔ میں شادی کروں ہی گا نہیں ساری عمر۔ میں نے کہا نہیں نہیں تمہیں کرنی چاہیے، تو نہیں مانا۔ سارے دوستوں نے بھی زور دیا مگر نہیں مانا۔ وہ کہتا تھا میں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اکیلا بڑا خوش ہوں۔ یہ میری کوٹھی ہے، اور اتنی بڑی کوٹھی بارہ چودہ کنال کی، اور چھاؤنی کا علاقہ ہے، خوش وخرم ہم رہتے ہیں۔ مائی آتی ہے، اماں زینں کپڑے دھونے کے لیے۔ اس کی ساتھ دو بیٹیاں تھیں۔ ایک دارو تھی۔ ایک کا گوما نام تھا۔ وہ کپڑے بھی دھو جاتیں، کھانا بھی پکا جاتیں، جھاڑو واڑو بھی کر جاتیں۔ پھر اس کا خانساماں تھا۔ پھر اس کا گھوڑا تھا۔ گولف کھیلتا تھا۔ امیر آدمی تھا۔ اچانک میں تھوڑا سا اس سے دور ہو گیا کہ میں لاہور میں مصروف ہو گیا۔ کچھ میری مصروفیات آزاد کشمیر ریڈیو میں تھیں۔ جیسا کہ آپ کو پتا ہے وہاں سے تراڑکھل چلے گئے، تو لوٹ کے آیا تو اس نے کہا، میں نے فیصلہ کر لیا ہے شادی کرنے کا۔ میں نے کہا بڑی اچھی بات ہے۔ کہنے لگا اب کی بار میں شادی کروں گا تو کسی ایسی لڑکی سے کروں گا جو بالکل دیہاتی ہو، الہڑ مٹیار ہو جس کو کچھ زمانے کا پتا نہ ہو۔ نینی جیسی نہ ہو، نہ پینٹنگ جانتی ہو، نہ ڈانس جانتی ہو۔ نہ اس کو کچھ زندگی کا آگے کا پتا ہو نہ پیچھے کا پتا ہو۔ ایک سادہ، پاکیزہ سی لڑکی۔ میں نے کہا، بھئی دیکھو تم بہت پڑھے لکھے ہو، اور تمہارا اندازِ زیست مختلف قسم کا ہے' تو تم اس کے ساتھ نباہ کر لو گے؟ اس نے کہا، میں کر لوں گا۔ میں نے تہیہ کر لیا ہے۔

تو جناب یہ فیصلہ اس نے دل میں کر لیا ہوا تھا۔ میں نے دوستوں کو اطلاع بھی دی۔ بتا بھی دیا تو انہوں نے کہا، یہ بکواس کرتا ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا، یہ کس طرح سے کرے گا؟ یہ تو بہت ماڈرن قسم کا آدمی ہے۔ میں لوٹ کے آیا کراچی سے، ہمارا وہاں ایک سیمینار تھا، کوئی ایک مہینے کا۔ مجھے اس نے ڈھونڈا۔ گاڑی اس کے پاس لینڈ روور تھی بغیر چھت کے بٹن دباتے تو چھت کھل جاتی تھی، وہ آیا اور کہنے لگا Meet your Bhabi تو وہ ایک چادر میں لپٹی ہوئی بے چاری لڑکی۔ نہ اس کا سر منہ نظر آئے۔ میں نے کہا، کون ہے یہ لڑکی؟ تو میں نے آگے ہو کے کہا، السلام علیکم۔ کہنے لگی وعلیکم السلام بھائی جان۔ تو دیہاتی سی لڑکی تھی تو میں نے آگے ہو کے دیکھا' وہ گوما تھی' جوان کے کپڑے دھونے آتی تھی۔ اماں جان (کام کرنے والی) کی بیٹی' اس نے اس کے ساتھ شادی کر لی، گوما کے ساتھ۔ میں نے سر پر ہاتھ پھیرا۔ میں نے کہا، یہ گوما بیچاری جھاڑو دیتی ہے کچھ نہیں پتا اس کو۔ اس نے کہا، میں بڑا خوش ہوں اس کے ساتھ، اور بہت اچھی زندگی بسر ہو رہی ہے۔ مجھے وہ نخرے والی نہیں چاہیے۔ اچھا بھئی اب کیا کر سکتے تھے۔

خواتین وحضرات پورے ایک سال کے بعد 31 دسمبر کی رات تھی۔ اگلے دن صبح نیو ایئر (New year) تھا۔ چھاؤنی میں وہ تھا، چکلالہ میں۔ بہت لمبا چوڑا انتظام جیسے ہوتا ہے تو اس نے کہا، شام کو باغ میں چلیں گے۔ میں نے کہا، ٹھیک ہے چلیں گے۔ کھانے کا مجھے جب سے شوق تھا میرے جسم سے بھی ظاہر ہے۔ بڑی اچھی میس تھی، وہاں گئے۔ وہاں غیر ملکی لوگ بھی موجود تھے، اور سفارت خانے کے لوگ' ملٹری کے ایکسپرٹ جو باہر سے آئے تھے، وہ بھی تھے تو جب وہاں گئے تو مجھے اس نے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کہا، تم آ جانا میری سیٹیں بک ہیں۔ میں وہاں بیٹھ گیا تو یہ تھا نہیں۔ دور سے آتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ بڑی خوبصورت لڑکی، اور چھوٹی سی اس کی کمر، پیلے رنگ کا اس نے سویٹر پہنا ہوا۔ اونچی ایڑی کی گرگابی اس کے بال کٹے ہوئے تھے۔ وہ چلی آ رہی تھی اس کے ساتھ۔ میں نے کہا، دیکھو میں نے اس کو منع کیا تھا، اب دیکھو کوئی اور لے آیا ہے وہ قریب آئی تو گوما تھی۔ کہنے لگی، بھا جی۔ میں نے اسے دیکھا، اور اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔ تو کہنے لگی، آپ کیسے ہیں؟ آپ تو آئے ہی نہیں۔ یہ آپ کا بڑا ذکر کرتے ہیں جی۔ اب میں اس کی باتوں کا کیا جواب دیتا۔ میں اس کو دیکھ رہا ہوں، جینز اس نے پہنی ہوئی تھی نیلے رنگ کی اور پیلا سویٹر۔ چائے کافی مجھے پینے کا شوق تھا۔ انہوں نے کہا ابھی پیو گے۔ میں نے کہا، ابھی بھی پیوں گا، اور کھانے کے بعد بھی پیوں گا۔ کافی پی، لیکن میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ گوما کی طرف۔ میں نے پوچھا، داراں کہاں ہے، تو اس نے کہا کہ انہوں نے اس کو مکان لے کر دیا ہے۔ وہ وہاں گاؤں میں ہیں۔ اماں بھی وہیں ہیں۔ میں کبھی کبھی ان سے ملنے جاتی ہوں، لیکن اس کے انداز میں اس کی گفتگو میں ایک بڑی تبدیلی آ گئی تھی، جو کہ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسی تبدیلی آ سکتی ہے، اور اتنی جلدی۔ لوگ ہلا گلا کرنے لگے، میوزک بجنے لگا۔ اتنے میں میں کرنل آیا بوڑھا سا آگے بڑھا، اور سلام کیا۔ اس نے گوما کی طرف انگلی اٹھائی وہ پکڑ کر چلی گئی۔ خواتین و حضرات وہ ناچی ہے کوئی۔ یعنی بینڈ کی دھن کے اوپر گوما۔ اپنی ایڑیاں زمین سے اٹھا کر بڑا مشکل ہے دھم دھما دھم' اور وہ کیسے بھمیری کی طرح گھوم رہی تھی، اور کرنل بیچارہ اچھا بھلا تھا، وہ ہف گیا بوڑھا۔ اس سے چلا نہ جائے۔ تو وہ ایک دو تالیاں بجیں۔ آ کے بیٹھ گیا۔ تو میری سمجھ میں نہ آئے کہ اس کو داد دوں یا بے داد، سمجھ میں نہ آئے۔ پھر ایک بندہ آ گیا تو اس سے آ کر کہنے لگا کہ ایکسکیوزمی۔ گوما کہہ رہی ہے I am realy tired' after five minute I will be refresh۔ میں نے جب انگریزی سنی اس کی، تو میں نے کہا، یہ تم نے انگریزی کہاں سے سیکھی۔ کہنے لگی گفتگو میں آ جاتی ہے۔ تو میں نے کہا، تم نے پڑھائی شروع کی۔ کہنے لگی، نہ بھا جی مجھے پڑھائی اچھی نہیں لگتی میں پڑھی لکھی تو نہیں۔ میں نے پڑھنا لکھنا بالکل نہیں سیکھا۔ تو میں نے کہا، یہ جو تم بولی ہو۔ کہنے لگی، نہیں بول میں ساری ٹھیک ٹھاک لیتی ہوں۔ سمجھ بھی لیتی ہوں۔ میں نے کہا یہ راز کیا ہے؟ کہنے لگی جی زبان کے جاننے کا راز اس کے بولنے میں ہے۔ اچھا لکھنے والا جو ہے نا، اس کی اتنی قدر و منزلت نہیں ہوتی۔ جتنا اچھا بولنے والے کی ہوتی ہے' کیونکہ کانونٹ کے پڑھے بچے بچیاں ہیں جو ان کو انگریزی سکھائی جاتی ہے بولنے والی ہے۔ فیض صاحب جو تیڑ سکول کے پڑھے لکھے تھے، ایڈیٹوریل وہی لکھ سکتے تھے۔ وہ یہ راز پا گئی تھی۔ اس نے کہا، بولنے کا کمال ہونا چاہیے، آپ نے دیکھا ہو گا کہ سیاستدان اکثر کہتے ہیں، یہ تو بولتا نہیں ہے، فلاں آدمی کمال کا بولتا ہے جی، اس کے کیا کہنے ہیں جی، تعریف ہوتی ہے اس کی۔ تو وہ چونکہ یہ راز

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پا گئی تھی، اس نے بولنے پر توجہ دی، اور کھٹا کھٹ بولنے لگی۔ تو اس کے ساتھ کہنے لگی، ہمارا اس کا جائنٹ اکاؤنٹ بھی ہے۔ درانی کا، اور میرا، اور میرا اسنگل بھی ہے۔ تو میں نے کہا، تم اسے آپریٹ کیسے کرتی ہو۔ کہنے لگی، میں Goma (گوما) لکھتی ہوں۔ گوما لکھنا سیکھ لیا ہے۔ دستخط تو کر لیتی ہوں، اور میں نے ہندسے بھی سیکھ لیے ہیں۔ ایک سے سو تک۔ بڑے اچھے، لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ یہ کوڑا صاف کرنے سے بہت آسان بات ہے۔ میں تھک جاتی تھی اور وہ کپڑے دھونے سے یہ پڑھنا لکھنا تو بڑی کمال کی چیز ہے۔ اس میں بندے کو بغیر کچھ کیے عزت مل جاتی ہے۔ عجیب فلسفہ تھا اس کا، میں مبہوت رہ گیا۔

اتنے میں ایک اور آدمی آیا، اور اس کے ساتھ جا کر ناچنے لگا اور وہ ساری اس محفل کی جان تھی جو بھی لوگ آتے تھے، خاص طور پر فارنرز وہ اس کے ساتھ ناچنا پسند کرتے تھے، اور اللہ نے اس کو ایسا شعور دیا تھا کہ وہ تو پتا نہیں میں کس کی مثال دوں۔ آپ نے کبھی ایسا ناچ نہیں دیکھا ہوگا۔ پھر ہم نے کھانا کھایا، اور ہم آ گئے۔ درانی مجھے کہنے لگا، شام کو تم جاؤ گے نہیں کہیں۔ میں وہیں رہا، تو صبح جو اس نے ناشتہ ہم کو دیا وہ تو تھا ہی کمال کا لیکن جس طرح سے اس نے ملازمہ کو کنڈکٹ کیا، یعنی اس کو حکم دیا کہ یہ چیز لے کر آؤ، بھائی جان کے لیے، یہ چیز واپس لے جاؤ، اور وہ جو میں نے فلاں فریج میں رکھی ہے، اس کو نکال کے لاؤ، وہ دیکھنے والا انداز تھا۔ اس نے کہا، دیکھو اس کو غلام محمد دیکھو، سائیں ہے؟ اس نے کہا، جی بیگم صاحب۔ بلاؤ اس کو۔ تو وہ سائیں آ گیا۔ کچھ، اور قسم کا آدمی۔ تو اس نے کہا دیکھو ایک گھوڑا تو میرا ہے ایک صاحب کا ہے۔ ایک بھائی جان کے لیے پیدا کرو۔ تو اس نے کہا، بہت اچھا۔ میں نے کہا، مجھے کیا کرنا ہے گھوڑا۔ انہوں نے کہا، آپ کو بٹھانا ہے اس کے اوپر۔ آپ چلیں گے۔ میں نے کہا، خدا کے لیے میں گھوڑے پر کبھی نہیں بیٹھ سکتا۔ انہوں نے کہا، کچھ نہیں ہوتا، آپ چلیں ہمارے ساتھ۔ تو جی شام کو اس نے گھوڑے پر چکر لگوایا اور انہوں نے کہا، اگر آپ چاہیں تو ہم انہی گھوڑوں پر مری چلتے ہیں۔ میں نے کہا، اللہ کے واسطے اتنا ہم سے نہیں ہو سکتا۔ یہیں تک کافی ہے۔ اس کے بعد بڑی لمبی کہانی ہے، میں جلدی جلدی سے وائنڈ اپ کرنا چاہتا ہوں۔ پھر جناب مجھے ولایت آنا پڑ گیا۔ اور کچھ عرصہ مجھے اُن کی کوئی خبر معلوم نہ ہو سکی۔ دو سال کے بعد جب میں واپس گیا، بڑی آرزو تھی درانی سے ملنے کی، گوما سے ملنے کی۔ تو میں ملا درانی سے، اپنے دفتر میں تھا۔ بڑا اچھا خوشحال۔ تو میں نے کہا، سناؤ بھابی کا کیا حال ہے۔ کہنے لگا، دفع کرو، لعنت بھیجو اس پر۔ میں وہ گالی نہیں دے سکتا جو اس نے دی تھی۔ ساری کائنات کو، انسانوں کی انسانیت کو، جس کو بھی جس طرح سے گنا جا سکتا ہے، اور ساتھ گوما کو بھی۔ میں نے کہا، وہ ہے کہاں۔ تم اس طرح کیوں کہہ رہے ہو۔ کہنے لگا، بس یار لعنت بھیجو۔ میں نے کہا، ہوا کیا۔ کہنے لگا، وہ اس کا ایک بڑا محبوب دوست تھا ہالینڈ کا تھرڈ سیکرٹری ایمبیسی میں۔ اس نے مجھ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سے طلاق لے کر اس سے شادی کر لی اور وہ ہالینڈ چلی گئی، وہ یہاں نہیں ہے۔ میں نے کہا، گوما ہالینڈ میں۔ کہنے لگا، ہاں۔ تو میں نے کہا، وہ وہاں کیا کر رہی ہے۔ کہنے لگا، وہ ہم سے تم سے زیادہ سمجھدار ہے۔ اس کو زندگی گزارنے کا طریقہ بہت اچھی طرح سے آتا ہے، اور وہ اونچ نیچ کو بہت اچھی طرح سمجھتی ہے، اور وہ اپنا آپ اپلائی کرتی ہے۔ اگر کہیں اس نے اپنا آپ روحانیت کی طرف اپلائی کیا ہوتا تو اس وقت پاکستان کی کیا، پورے برصغیر کی ایک بزرگ ترین ہستی ہوتی، لیکن اس کا رخ دوسری طرف ہے وہ کامیابی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہے تو میں نے کہا، مجھے جانا ہے ولایت، تو پھر میں اس سے ملے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔ اس نے کہا، جاؤ دفع ہو جاؤ تم بھی اس کے ساتھ۔ خیر مجھے وہاں ہالینڈ جانے کا اتفاق ہوا۔ پتا کیا اس کو ڈھونڈ نکالا۔ بڑی خوش و خرم تھی اور اس کا ولایتی خاوند وہ چھوڑ چکا تھا نوکری۔ اس نے کوئی خوشبویات کی Activity چلائی تھی، اس میں وہ ساتھ اس کے کام کرتی تھی۔ میں نے کہا، تم نے ابھی تک لکھنا نہیں سیکھا۔ کہنے لگی، نہیں، لکھنا نہیں سیکھا، میں بولتی انگریزی ہوں۔ اب میں ڈچ زبان بھی بول لیتی ہوں، کیونکہ مجھے اس کا محاورہ ہے۔ اس نے کہا، ایک فرق میری زندگی میں پڑا ہے کہ میں نے اپنے نام کے سپیلنگ بدل لیے ہیں۔ میں اس کو Gomant کرتی ہوں فرنچ میں T نہیں بولتے بھائی جان۔ تو گوما لکھتی تھی، یہ بہت اچھا لگتا ہے، جب میں دستخط کرتی ہوں پیسے چیک وغیرہ نکالنے ہوتے ہیں۔ تو میں بڑا خوش ہوا۔ کہنے لگی، لیکن مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔ یہ علاقہ جو ڈہناک کا ہالینڈ ہے۔ میں اسے چھوڑنا چاہتی ہوں۔ میں نے کہا، تم کہیں اور کام کر لو۔ کہنے لگی نہیں، میں اس پر غور کر رہی ہوں۔ کہنے لگی، اماں کا بہن کا کبھی کوئی خط آتا ہے، ان کو پیسے وغیرہ بھیج دیتی ہوں۔ وہ بہت خوش ہیں۔ میں نے کہا، تمہیں آرزو پیدا نہیں ہوئی، کبھی ان سے ملنے کی۔ کہنے لگی، ہوتی ہے، لیکن یہاں کام وام اتنے ہیں، مصروفیات ایسی ہیں کہ میں اس میں لگی رہتی ہوں، اور میں ان کی طرف توجہ نہیں دے سکتی، لیکن میں ان کی نگہداشت بہت اچھی طرح سے کر لیتی ہوں۔ مالی طور پر وہ بہت خوش ہیں۔ میں نے کہا، اچھا جی ٹھیک ہو گیا۔ اس سے مل کے، اس کے ہاں کھانا کھا کے پھر اپنے کام کر کے جو میرے ذمے تھے، ہماری یونیورسٹی کی طرف سے میں واپس آیا اور درانی سے ملا۔ بہت خوش و خرم، اور بہت اچھے موڈ میں۔ ہاں جسے کہتے ہیں ناچا گیاں مارتا ہوا۔ بالکل خوش ہوتے ہوئے کہنے لگا، لو دیکھو ہماری بھی مدد ہو گئی۔ میں نے کہا، وہ کیسے؟ کہنے لگا۔ وہ اس بدبخت کے پاس بھی نہیں رہی، ڈچ کے پاس۔ اس نے اس سے طلاق لے لی ہے۔ برسلز کے ایک بوڑھے کے ساتھ شادی کر لی ہے جو کہ وہاں کی ایلومینیم کی فیکٹری کا مالک ہے۔ اب وہ اس کی فیکٹری Run کرتی ہے کیونکہ بابے سے اتنا نہیں ہوتا کام اب، اس کے ہاں ڈیڑھ ہزار ملازم ہے، گھوگھو بجتا ہے، اور وہ بیچ میں پتلون پہن کے گھومتی ہے۔ ہنٹر پکڑ کر جیسے سرکس نہیں ہوتی، رنگ ماسٹر، وہ سارا کنٹرول کرتی ہے، اور اتنا اچھا اس نے کنٹرول کیا ہے کہ اب وہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

یورپ ایسوسی ایشن آف ایلومینیم فیکٹری کی اسسٹنٹ صدر ہو گئی ہے۔ یہ یاد رکھیے پنڈی کے پاس گاؤں ہے۔ دولتالہ اس کے پاس کی رہنے والی تھی، تو یہ اس کا ارادہ تھا، اور یہ اس کا تہیہ تھا۔ اس وقت میں اسے نہیں جانتا، دس سال ہو گئے ہیں۔ مجھے یقین ہے اب بھی وہ انٹرنیشنل ایلومینیم ایسوسی ایشن کی صدر ہو گی کیونکہ اللہ نے اسے بڑی صلاحیت دی تھی، اور اس نے اپنی ساری صلاحیت ایک رخ کے اوپر چلا دی تھی۔ تو جب لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ صاحب' ہمیں کوئی بتائیں کہ بابا کدھر ہوتا ہے' تو مجھے ہمیشہ وہ یاد آ جاتی ہے۔ اس نے کبھی نہیں پوچھا تھا کہ وہ کہاں ہوتا ہے۔ یہ فلاں چیز کہاں ہوتی ہے۔ وہ اپنی دھن کی پکی، اور راست رو خاتون تھی، اور جو بات تھی دل میں رکھتی تھی، وہ بہت کم گو تھی، دھارنا دھاری تھی، اس کو پورا کر کے چھوڑا۔ خواتین و حضرات! اگر آپ تہیہ کرنا چاہتے ہیں تو مجھ سے نہ پوچھیں۔ اپنے آپ سے پوچھیں کہ آپ کا کیا ارادہ ہے۔ جب تک آپ کی کنویکشن نہیں ہوگی۔ باہر کی لائی ہوئی تبدیلی کسی طرح سے بھی آپ کی مدد نہیں کر سکتی۔ اب ہم سارے مل کے اپنی گوما کو ڈھونڈیں گے۔ یعنی ہماری اپنی روح جو ہے، وہ ہمارے لیے گوما کا درجہ رکھتی ہے نا، ہم چونکہ روح کے انسان ہیں۔ اللہ میاں نے انسان کو ایک کیفیت دی جو دوسروں کو، کسی جاندار کو نہیں دی۔ انسان کا ایک وجود جو ہے، وہ جسم ہی جسم نہیں ہے۔ اس کے اوپر ایک اور چوبارہ بھی ہے، جو Intellect کا چوبارہ ہے۔ اسی وجود کے اوپر۔ وہ انٹلیکٹ کا چوبارہ جو آپ کو مجبور کرتا ہے کہ آپ سردیوں کی یخ بستہ رات کو ٹوٹی ہوئی بائیسکل چلاتے ہوئے نصرت فتح علی خان کا گانا سننے جائیں، وہ تقاضا ہے نا۔ بھینس کبھی بھی مشاعرہ سننے نہیں جاتی۔ اس کو صرف اپنا جسم چاہیے، روٹی، کپڑا، مکان، کوئی جانور ایسا نہیں کرتا۔ شیر نے آج تک کسی قوالی میں شرکت نہیں کی، بندہ کرتا ہے۔ اس کی آرزو ہے جو مرضی کریں۔ یہ جو انٹلیکٹ ہے، ذہن کا چوبارہ، اس کے اوپر ایک، اور ہے، اور وہ روح کا چوبارہ ہے، وہ ہمارا بند پڑا ہے۔ گندی ٹوٹی پھوٹی پھوس اس میں پڑی ہے۔ پرانا ٹوٹا ہوا چرخہ ہے۔ پرانی منجیاں (چار پائیاں) بستر پھینکے ہوئے ہیں۔ شیشے اس کمرے کے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ کنڈی اس کی Permanently بند ہے۔ کبھی کبھی کوئی آدمی اوپر چڑھتا ہے، اور وہ آواز دے کر پوچھتا ہے کہ یہ کس کا ہے چوبارہ۔ تو نیچے سے آواز دیتی ہے کہ اپنا ہے۔ تو کہتا ہے۔ اس کو کھولیں۔ وہ کہتی ہے، نہ پت دفعہ کر اس میں گند پھوس بھرا ہوا ہے۔ اس کو کھولنے کی کوئی چنداں ضرورت نہیں۔ تو یہ ارادہ سیڑھیاں طے کر کے اوپر چڑھنے والے انسان کا ہوتا ہے کہ آیا میں اس کوٹھڑی کو کھولوں یا نہ کھولوں۔ اب یہ فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

احکامِ الٰہی

جوانی کا زمانہ طاقت ور، منہ زور اور کڑا ہوتا ہے۔ جس وقت ہم جوان تھے، اس وقت اس میں ضد بھی شامل تھی، اور سب سے بڑا فرق یہ تھا کہ ہم کو دنیا بھر کے سوالوں کے جواب آتے تھے۔ کوئی مشکل سے مشکل بات ہو، ہم اس کو سمجھتے ہیں، یہ اس عمر میں ایک خاص طرۂ امتیاز ہوتا ہے تو ہم نے ایک دن بابا سے یہ سوال کیا کہ سر آپ یہ بتائیں اور تو ساری باتیں سمجھ میں آ گئی ہیں زندگی کی، یہ بتائیں یہ جو برے برے لوگ ہوتے ہیں' ناکارہ لوگ ہوتے ہیں جن کا سوسائٹی کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، جنہوں نے بہت سے ایسے مظالم ڈھائے ہوتے ہیں لوگوں پر کہ ان کو کوئی معافی نہیں ملنی چاہیے۔ وہ زندگی میں بڑے کامیاب ہوتے ہیں، اور بہت اونچے درجوں کے ہوتے ہیں، اور بہت اعلیٰ رتبے حاصل کرتے ہیں، اور جو لوگ بڑے اچھے ہوتے ہیں' بڑے نیک ہوتے ہیں' بڑے پاکیزہ ہوتے ہیں' وہ دھکے کھاتے رہتے ہیں۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو قدرتی طور پر ذہن میں پیدا ہوتا ہے، وہ مسکراتے رہے۔ اس بات کا کوئی جواب نہ دیا، اور ہم بڑے مایوس ہوئے، اور واپس اپنی کوٹھڑی میں آ کر بیٹھ گئے، اور اپنے طور پر غور کرنے لگے کہ یہ عجیب ہے، یہاں بھی دو نمبر کام کرنے والے لوگ ہیں، ان کی بڑی عزت افزائی ہے، اور جو اچھے والے ہیں، وہ بے چارے مارے مارے پھرتے ہیں۔ کچھ معصوم لوگ ہوتے ہیں، ان کو کیوں سزا ملتی ہے زندگی میں۔ ایک تین سال کا بچہ ہے، اور وہ باہر نکلا سڑک پر اپنی گیند کو پکڑنے کے لیے، اور تیزی سے ایک کار آتی ہے، اس کو کچل جاتی، اب اس کا کیا قصور تھا۔ اس طرح کے بے شمار سوالات جو ذہن میں آتے تھے، جب بھی آتے تھے' اب بھی آتے ہیں، اور ان کا جوانی، اور بڑھاپے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، یہ بتدریج آتے چلے جاتے ہیں، اور میں سمجھتا ہوں جب تک انسان زندہ ہے۔ وہ ضرور ان سوالوں کو Face کرتا ہے، اور ان کا جواب نہیں دے پاتا۔

ایک روز میں اور میرا ساتھی بہت بے چین ہوئے۔ اور ہمارے ساتھ ایک ایسا واقعہ گزرا تھا، جو ہمارے ساتھ نہیں گزرنا چاہیے تھا، کیونکہ ہم اپنے ''بھانویں'' بڑے اچھے آدمی تھے۔ لیکن ہم نے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بابا جی سے پوچھا کہ سر یہ راز کھول کر ہمیں بتائیں، ایسا کیوں ہوتا ہے، تو انہوں نے کہا، دیکھو آپ لوگ جو ہیں، اللہ کے حکم کے پابند ہیں، احکامِ الٰہی کے پابند ہیں۔ آپ لوگوں نے ایک عجیب صورتِ حال اختیار کر لی ہے کہ آپ فعل اللہ کے اوپر تنقید کرنے لگ گئے ہیں۔ فعل اللہ کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق نہیں۔ اللہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے' جو چاہے اس کی مرضی کرے۔ لیکن آپ صرف اس کے احکام تک رہیں، اور فعل اللہ کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم نے کہا، سر یہ تو پھر کمال کی بات ہے۔ ہم تو پڑھے لکھے لوگ ہیں، اور ہم کو کالجوں، یونیورسٹیوں میں یہی تعلیم دی جاتی ہے کہ تنقید کریں۔ باقاعدہ Discuss کریں، ڈائیلاگ کریں۔ انہوں نے کہا، نہیں آپ کا، اور ان کا یہ رشتہ ہرگز ایسا نہیں ہے' تو آپ سے ہمیشہ یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ آپ احکامِ الٰہی کو چھوڑ کر فعلِ الٰہی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک نئی بات تھی جو بڑی قابلِ غور اور قابلِ توجہ تھی۔

پھر جب تھوڑا سا وقت اور گزرا، اور ہم نے اپنے اردگرد دیکھنا شروع کیا تو یہ محسوس کیا کہ واقعی ہماری توجہ فعل اللہ پر زیادہ رہتی ہے، اور ہم خوامخواہ اس میں دخل دینے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ہم ایک دفعہ کلفٹن گئے۔ ارادہ تھا کہ ساحل پر پکنک منائیں گے، بالکل پانی کے قریب جا کے ریت میں۔ وہاں جا کر کے دری بچھائی' سامان رکھ دیا اس کے اوپر' تو میں نے کہا تھا، کوئی لہر ایسی بھی آئے گی جو ہمارے اوپر چڑھ جائے گی۔ تو ہم نے کہا کوئی بات نہیں، پھر ہم بھاگ چلیں گے، دری کھینچ لیں گے۔ بڑا مزہ رہے گا۔ جب میری بیوی سارا سامان لگا رہی تھی، چائے وائے کا تو میں نے دیکھا کہ اس دری کے اوپر ایک چھوٹی سی چیونٹی جو ہے، وہ چلی جا رہی ہے۔ بڑا حیران ہوا کہ یا اللہ سمندر کے پاس گھونگھا پی' سنکو ہو سکتے ہیں۔ یہ چیونٹی کا یہاں کیا کام، یہ کدھر سے آ گئی۔ پھر میں غور کر کے ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے سوچتا رہا کہ یہ لالوکھیت سے چلتی چلتی تیرہ دن کی مدت میں سفر طے کر کے آج ساحل پر پہنچی ہے۔ لیکن پھر میں سوچنے لگا، اس نے کیوں اتنی مصیبت اختیار کی۔ پھر میرے اندر سے آواز آئی کہ یہ بے چاری بہت بے چین تھی۔ گھر میں بیٹھی۔ اس نے سوچا کہ میں جو یہاں پر رہتی ہوں تو میں جا کر سمندر کی حقیقت معلوم کروں گی۔ تو یہ سمندر کی گہرائی اور اس کی وسعت دیکھنے کے لیے یہاں تشریف لائی ہے، اور کہتی ہے کہ میں سمندر کو اچھی طرح سے سمجھنا چاہتی ہوں۔ تو یہی کیفیت انسان کی ہے کہ وہ اللہ کو اس کی ساری گہرائی، اور گہرائی کو ایک چیونٹی سے بھی کم تر ہونے کے باوصف جاننے کی آرزو رکھتا ہے۔ جاننے کا تجسس، اور شوق ہوتا ہے۔ تو ہم بیٹھے رہے۔ خیر ایک لہر آئی ہے، اور اس چیونٹی کو' ہماری جائے نماز کو، اور ہماری سب چیزوں کو بھگو کر گزر گئی، تو پھر مجھے خیال آیا کہ واقعی اللہ جو چاہے کرے جس طرح سے مناسب سمجھے لیکن اس کے باوصف دل کے اوپر ایک بوجھ ضرور رہتا ہے، اور آپ بھی اپنی روزمرہ زندگی میں یہ سوال کرتے رہتے ہیں۔ اپنے دوستوں سے اپنے گھر والوں سے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ۔ تو ہمارے بابے یہ کہتے ہیں کہ اگر واقعی تم سچے ہو، اور تم جاننا چاہتے ہو، اور اس راز کو معلوم کرنے کے خواہش مند ہو، صرف یہ نہیں سری پائے کھاتے ہوئے یا نہاری کھاتے ہوئے یا بروسٹ کھاتے ہوئے۔ اگر آپ سچ مچ جاننا چاہیں تو پھر اس کا ایک نسخہ ہے بڑا سیدھا اور پائیدار نسخہ ہے۔ وہ یہ کہ آپ احکام الٰہی کے اندر پورے کے پورے داخل ہوں، جوں جوں آپ احکامِ الٰہی کے اندر داخل ہوتے جائیں گے، اور اس محیط کے اندر اپنے آپ کو سمیٹے جائیں گے آپ پر اسرارِ الٰہی ضرور واضح ہوں گے۔ جس طرح سے آپ ایٹم کا راز معلوم کرتے ہیں کہ یہ چھوٹا سا ایٹم جو آنکھ کو بھی نظر نہیں آتا، خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا' وہ کس طرح اتنا بڑا، اور طاقتور ہوسکتا ہے کہ سارے علاقے کو ملک کو جگہوں کو شہروں کو پھاڑ کر رکھ دے، اور ملیامیٹ کر دے۔ عقل میں آنے والی بات نہیں ہے کہ سب سے پہلے آپ نیوکلیئر فزکس پڑھیں۔ پھر آپ لیبارٹری میں آئیں، اور لیبارٹری میں آ کر اس پر تجربہ کریں۔ پھر اس کے بعد آپ کھوٹہ جائیں گے۔ پھر کھوٹہ میں جا کر ان کے ساتھ کام کریں۔ آپ پر شیشے کی طرح یہ واضح ہونے لگ جائے گا کہ یہ کیسے عمل ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے افعال کو جاننے کے لیے اللہ کے احکامات کو ماننا ضروری ہے۔ یہ راستہ ہے۔ جب آپ احکامات کی لیبارٹری میں آ جائیں گے۔ پھر یہ ساری باتیں آپ پر آسانی کے ساتھ واضح ہوتی جائیں گی اور واضح یوں ہوتی ہیں کہ انسان جو ہے' وہ کتنی بھی کوششیں کیوں نہ کرے، ایک سنگل بینڈ کا ریڈیو سیٹ ہے۔ اس پر ایک ہی سٹیشن بجتا ہے، اور اس جگہ جہاں ہم بیٹھے ہیں، بے شمار اور لہریں بھی ہیں، اور ملک بھی بول رہے ہیں، لیکن میں تو ہوں ہی سنگل بینڈ کا ریڈیو' تو مجھ پر وہی ایک بجے گا۔ تو جوں جوں آپ احکامِ الٰہی میں داخل ہوتے جاتے ہیں۔ آپ کے بینڈ میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اور وہ سگنلز جو آپ کو ویسے سنائی نہیں دیتے' ویسے محسوس نہیں ہوتے' ویسے ان کا احساس نہیں ہوتا وہ ارتعاش آپ کے اندر داخل ہونے لگے گا۔ وہ اسرار فنافٹ آپ کے اوپر کھلتے چلے جائیں گے۔ لیکن اس وقت رک جائیں گے' جس وقت آپ احکامِ الٰہی سے ذرا سا بھی منہ پھیر کے کھڑے ہو جائیں گے۔ ہم جیسے آدمی' چھوٹے سے آدمی' بالکل بے حیثیت۔ ہم نے تو ایسے رازوں کو نہ جاننے کی کوشش کی' نہ یہ ہماری حیثیت ہے۔ نہ ہماری برات ہے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے میں نے دیکھے، اور بہت قریب سے دیکھے ہیں، جنھوں نے اس بات کو دل میں تہیہ کر کے اپنایا۔

پچھلے دنوں میرے بچے مجھ سے لیڈی ڈیانا کی بات کر رہے تھے، آپ جانتے ہیں وہ مر گئی بے چاری فوت ہوگئی۔ ایکسیڈنٹ کا شکار ہوگئی۔ اب جناب اس کا جو جنازہ چلا ہے تو کل دنیا نے دیکھا، ہر T.V سٹیشن سے۔ اس وقت اگر آپ کے پاس ایسی صلاحیت ہوتی کہ جلدی جلدی دنیا کے سٹیشن بدل کے دیکھ سکتے' جیسا کہ ہم نے یہاں اپنے پی ٹی وی پر لاہور میں دیکھے۔ ہم نے دیکھا سب جگہ پر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ایک اسی کا جنازہ چل رہا تھا۔ ساری دنیا میں یعنی راؤنڈ دا گلوب، سارے کرۂ ارض پر۔ ہم سب گھر میں بیٹھے حیران ہو رہے تھے، اور اس سے مرعوب بھی تھے۔ وہ بار بار ایک ہی بات دہرا رہے تھے کہ دیکھیں، چونکہ اس کا رویہ مخلوقِ خدا کے ساتھ بہت اچھا تھا، اور اس نے مریض بچوں کو اپنی گود میں بٹھایا تھا، جب یہاں آئی تھی، اور دنیا میں بڑے اس نے کام کیے تھے جو مائنز (بارودی سرنگیں) تھیں ان کو دور کرنے میں بھی مدد دی تھی۔ اسے 'جسے اللہ نے رتبہ دیا ہے کہ اس کا جنازہ اتنا بڑا ہے، اور رائلٹی' جو شہنشاہیت ہے' جو اپنی بگھی سے پیدل اتر کر چل رہی ہے۔ غالباً زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ رائلٹی ان کے پیچھے پیدل چلے آ رہے تھے، تو سب جب اتنی تعریف کر رہے تھے تو میں بھی مرعوب تھا اس سے' اور تھوڑا سا متاثر بھی تھا کہ شاید ابھی اسے نہیں مرنا چاہیے تھا، اور میں اس بات کا عینی شاہد بھی تھا کہ اس کی طبیعت اور اس کا مزاج بہت اچھا تھا۔ ایک شام یہ لیڈی ڈیانا ہمارے گھر آ گئی تھی، تو ہم معمولی سے لوگ ہیں' وہاں ایک معمولی سے ڈرائنگ روم میں جب وہ آئی ہے تو بتیاں بجھ گئی تھیں۔ ہمارے ہاں لوڈشیڈنگ تو ہوتی ہے، تو ہم سب بڑے پریشان تھے، میری بڑی آپا جو تھیں کہنے لگیں کہ ہائے ہائے شہزادی آئی ہے، اس پر بڑا ظلم ہو گیا، بتیاں بجھ گئیں۔ شرمندگی بھی ہوتی ہے، تو وہ کہنے لگی Never mind Apa, no, it is nothing, candle will do.

کوئی بات نہیں موم بتی جلا لیں۔ کوئی بات نہیں۔ تو ہم نے کہا، بھاگ کے جا، جلدی سے کینڈل لے کر آ صابری کی دکان سے' تو ملازم بے چارہ بھاگا بھاگا گیا تو آ کر کہنے لگا۔ صابری کہتا ہے بتیاں پتا نہیں کہاں پڑی ہیں' اندھیرا بہت چھایا ہوا ہے۔ پتا نہیں موم بتیاں کہاں رکھی ہوئی ہیں۔ تو وہ بے چارہ واپس آ گیا۔ تو پھر اس نے کہا، کوئی نہیں، اندھیرے میں ہم نے باتیں ہی کرنی ہیں نا، باتیں کرتے ہیں۔ تو ہم سب بہت متاثر ہوئے، کہ اتنی بڑی شخصیت ہے۔ ایسے ہی بات کرتی چلی جاتی ہے۔ یہ ایک ذاتی مشاہدہ بھی تھا، لیکن یہ جو کچھ بھی ہو رہا تھا، میں اپنے ساتھی دیکھنے والوں سے' اپنے بچوں سے، اپنے بیٹے، پوتوں سے ایک ہی بات کہہ رہا تھا کہ دیکھو یہ اللہ کی شان ہے، اور اللہ کی مرضی ہے، اور وہ جیسے چاہتا ہے ویسے کرتا ہے۔ اس میں یہ خوبیاں جو آپ گنوا رہے ہیں ان کا ہونا یا نہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ وہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ وہ جیسے چاہے کر سکتا ہے۔ اس کو یہ پسند ہے۔ اس نے تم کو دکھایا ہے کہ دیکھو ہم ایسے بھی کر سکتے ہیں۔ حالانکہ ڈیانا کی دوسری زندگی سے ہم سب لوگ واقف ہیں۔ بہت اچھی طرح سے جانتے تھے، لیکن یہ تو اللہ کا ایک فعل ہے، اور وہ کر رہا ہے۔ لیکن میرے لیے اللہ کا حکم اور ہے یہ میری رول ماڈل نہیں ہے۔ میری رول ماڈل حضرت بی بی فاطمہؓ ہے۔ یہ نہیں ہو سکتی۔ میں دیکھوں گا۔ اس کا جنازہ چلا جا رہا ہے۔ بڑی شان ہے اس کی' لیکن رول ماڈل نہیں ہے۔ میرے بچوں کے چہروں پر بڑی اداسی سی ہوئی کہ کتنی بری بات ہے۔ یہ کام کرنا کوئی اتنی بڑی بات

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نہیں۔ اللہ کا پسندیدہ ہونا ایک مختلف بات ہے۔ اچھا پھر میں تھوڑا سا پریشان ہوا، اور غم زدہ یوں ہوا کہ سارے بچوں نے میری بہت ٹھکائی کی کہ آپ بابا کمال کی بات کرتے ہیں۔ بہت سخت دل آدمی ہیں۔ تو میں نے کہا، یا اللہ تو کچھ ایسے کر کہ میری عزت رہ جائے، تو اللہ نے میری بات مان لی۔ کچھ چھٹے ساتویں دن مدر ٹریسا فوت ہو گئی۔ اب مدر ٹریسا نے تو 80 برس کی عمر تک، شروع سے لے کر لوگوں کی بے شمار خدمت کی تھی، اوران کو ہر طرح سے مدد اور آسانی دی تھی اور مریض کوڑھی اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر لائی تھی، کلکتہ کی سڑکوں پر مرتے ہوئے' تڑپتے ہوئے' جب وہ فوت ہوئی ہے مدر ٹریسا' تو میں اس کا جنازہ دیکھنے کے لیے بھی رکا، اور میں نے ٹی وی آن کیا۔ بی بی سی لگایا، اور دو تین سٹیشن مدر ٹریسا کا جنازہ، خواتین و حضرات! ایسا معمولی، ایسا چھوٹا تھا کہ میں اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ یا اللہ اس کا جنازہ تو ایسا غیر معمولی ہونا چاہیے تھا۔ نوبل پرائز ملا ہے مدر ٹریسا کو امن کا' اور اس نے سب کچھ قربان کر دیا انسانیت پر، لیکن یہ تیری شان ہے تو جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

احکامِ الٰہی میں داخل ہونے سے وہ فریکوئنسی ضرور ملتی ہے۔ پھر میں اس نتیجے پر پہنچا جس کے زور پر آدمی اپنے دل اور ذہن پر اٹھے ہوئے سوالوں کو جانچ سکتا ہے، آنک سکتا ہے۔ پرکھ سکتا ہے، اور اس کو اس کا جواب ملتا رہتا ہے۔ لیکن اس میں ایک بات بڑی عجیب سی رہ جاتی ہے کہ کئی دفعہ یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک بہت بڑا شخص اور ایک بڑے مقام پر پہنچا ہوا آدمی' احکامِ الٰہی میں پورے کا پورا اترا ہوا انسان' کئی دفعہ کسی کوتاہی کی وجہ سے اس سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ جانتے ہوئے یا نہ جانتے ہوئے ، اپنی مرضی سے، اور اپنی مرضی کے خلاف بھی پھسل جاتا ہے' تو اس کے ساتھ جو ہوتی ہے وہ بھی اپنی طرز کی ایک نئی چیز ہے۔

ایک بہت بڑے صوفی تھے۔ وہ اپنے بچوں کی ، اور اپنے متعلقین کی ، اور اپنے مریدین کی ٹریننگ کے لیے ڈیرے سے نکل کر باہر جنگل میں چلے گئے۔ ایک ایسے جنگل میں جس کے قریب سمندر تھا۔ لے جا کر ان کو جنگل کے مناظر بھی دکھانا چاہتے تھے، اور اللہ، اور جنگل کا، اور سمندر کا رشتہ بھی کچھ اپنے انداز میں سمجھانا چاہتے تھے۔ ان کو لے جانا اس لیبارٹری میں بہت ضروری تھا۔ مریدین کی ایک لمبی جماعت تھی۔ وہ بابا جی جو تھے، وہ ایک درخت کے ٹُنڈ پر بیٹھے ان سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ اچانک ایک شام ایسا ہوا کہ ایک اور بزرگ وہاں آ گئے اور انہوں نے آ کر اس صوفی کو السلام علیکم کہا۔ یہ صوفی صاحب جو مریدین کی فوج لے کر گئے تھے، اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور دست بدست ان کے سامنے جھکے اور ان کے گھٹنوں کو ہاتھ لگایا۔ تو یہ جوان کے مرید تھے، وہ تو بے چارے پریشان ہوئے کہ یہ کون صاحب ہیں جن کے آگے ہمارا پیر جو ہے، ہمارا گرو جو ہے' ہمارا monitor جو ہے، اس طرح سے جھکتا ہے تو وہ ان کے ساتھ محبت، اور ادب سے باتیں کرتے ہیں۔ ایک مرید جو تھا میرے جیسا،

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اس کے دل میں کھد بد ہو رہی ہے، اور بدستور ہو رہی ہے۔ اس نے کہا، اس کی کچھ خدمت ہونی چاہیے۔ یہ وقت کے بہت بڑے ولی قطب ہوں گے۔ مرید اپنے پیر صاحب کو ایک طرف لے جا کر کہنے لگا، حضور یہ کون صاحب ہیں۔ انہوں نے کہا یہ ولیوں کے ولی ہیں، اور ہم خوش ہیں کہ ان سے ہماری ملاقات ہوگئی، اور یہ امیر البحر ہیں۔ یہ سمندروں کے قطب ہیں، سمندروں کی ڈیوٹی ان کو سونپی گئی ہے۔ ہم اتفاق سے سمندر کے کنارے آ کر بیٹھے ہیں تو یہ ہم سے ملنے کے لیے آ گئے ہیں۔ اس نے کہا، جی یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے۔ اس سے تو ہماری ترقی ہوگی، اور ان سے کچھ پوچھیں گے۔ وہ بولے ایک بات ہے برخوردار کہ تمہاری ترقی نہیں یہ کر سکتے کیونکہ بڑے دکھ کی بات ہے، اور میرا دل اندر سے خون کے آنسو روتا ہے کہ ان کے پپ جو ہیں، کندھوں پر جو سٹار لگے ہوتے ہیں، وہ اتر چکے ہیں، اور ان کو اس کا علم نہیں، اور وہ ابھی تک اپنے آپ کو امیر البحر سمجھتے ہیں۔ جب یہ بات سنی اس مرید نے تو رونے لگا کہ اتنا بڑا درجہ میرا پیر اُن کو دے رہا ہے، اور ان بے چاروں کو پتا نہیں۔ وہ اتنی زور سے رویا کہ انہوں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا کہ تو خاموش رہ، ورنہ ان کو علم ہو گیا تو بڑی تکلیف ہوگی۔ خیر وہ ملے بیٹھے، ان کے ساتھ باتیں کیں۔ پھر انہوں نے کہا، ہم کو اجازت دیجیے۔ ہمیں اپنی ڈیوٹی پر جانا ہے سمندروں میں۔ تو مرید نے کہا کہ میں ان کو چھوڑ آؤں۔ انہوں نے کہا، ضرور یہ تو ہمارا فرض ہے۔

وہ پیچھے پیچھے ان کے دست بدست چلا۔ اور جو امیر البحر تھے وہ آگے آگے چلے تو جنگل میں جاتے جاتے جب گھنا جنگل آیا۔ تو اس نے کہا، آگے آ جاؤ میاں ہمارے ساتھ۔ تو اس نے کہا، نہیں حضور ایسے ہی ٹھیک ہے۔ جب بات کی تو اس نے زور سے چیخ ماری، اور رونے لگ گیا۔ انہوں نے کہا، کیا بات ہے۔ تم رونے کیوں لگ گئے ہو۔ اس نے کہا، حضور میرا دل بھر آیا ہے، اور میرے اوپر ایسی افتاد پڑی ہے کہ میں عرض نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا، بے فکر رہو۔ ہم سے بات کرو، ہم تمہارے پیر سے بات کریں گے۔ کوئی الجھن ہے؟ اس نے کہا، ہاں حضور الجھن ہے۔ انہوں نے کہا، کیا الجھن ہے؟ اس نے کہا، حضور الجھن یہ ہے کہ آپ امیر البحر ہیں، اور آپ کا تصرف ہے سمندروں پر، یہ آپ کی ڈیوٹی ہے۔ انہوں نے کہا ہاں یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر، لیکن حضور آپ کے پپ اتر چکے ہیں۔ آپ کے سٹارز کوئی نہیں ہے۔ اب آپ اس ڈیوٹی پر نہیں ہیں۔ تھوڑے دنوں میں آپ کو پتا چل جائے گا۔ انہوں نے کہا، تم کیا بکتے ہو۔ اس نے کہا، مجھے یہ فرمایا گیا ہے جو عرض کیا۔ اور میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ انہوں نے بھی جب ادھر ادھر دیکھا، دونوں کندھوں پر تو واقعی ان کے سٹارز نہیں تھے وہاں۔ انہوں نے خاک زمین سے اٹھا کر سر میں ڈالنا شروع کی، اور وہ واویلا کیا کہ جنگل میں پرند چرند سب پریشان ہو کر شاخوں سے اڑ گئے۔ انہوں نے کہا، اے پیارے، اے نوجوان! تم نے مجھ پر اتنی بڑی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مہربانی کی ہے۔ اب میرے پر ایک مہربانی اور کرو کہ میرے پاؤں میں رسی باندھو، اور مجھ کو گھسیٹو زمین پر، اس جنگل میں، اس کڑی سرزمین پر، جہاں کیکر کے کانٹے اور کیا کچھ نہیں ہے۔ آ میں بھی واویلا کرتا ہوں تو بھی کر کہ اللہ کے احکام نہ ماننے والوں کا یہ انجام ہوتا ہے، جو مجھ سے بے خیالی میں ہو گیا۔ اس نے کہا، حضور میں تو یہ بے ادبی کر نہیں کر سکتا۔ آپ مجھے قتل کر دیں یہ میں نہیں کروں گا۔ انہوں نے کہا، میں تم سے درخواست کرتا ہوں۔ میں کبھی تجھے اس کا بدلہ دوں گا، تو بے چارہ مجبور ہو گیا۔ اس نے کوئی سخت بیل توڑی، اس کو بل دیا، حکم کے مطابق ان کے ٹخنوں پر باندھا کندھے پر بیل کو رکھا اور چیخیں مارتا ہوا خود بھی اس کو بت کی طرح گھسیٹتا ہوا چل پڑا جنگل میں، اور وہ روتے جاتے تھے، اور آہ و بکا کرتے جاتے تھے، اور فریاد کرتے جاتے تھے کہ ہماری کوتاہی، جو گناہ ہے، معاف کیا جائے۔ جب وہ چلتے ہوئے آ رہے تھے، تو بتانے والے بتاتے ہیں جتنے پرندے درختوں میں بیٹھے تھے، انہوں نے بھی چیخ و پکار شروع کر دی، اور رونا شروع کر دیا، اور جنگل کی ہرنیاں اور ہرن اور شیر اور چرند پرند کھڑے ہو گئے اور منہ اوپر اٹھا کے کہنے لگے، یا باری تعالیٰ ان کو معافی عطا فرما۔ ہم تیری مخلوق ہیں۔ بیکار سی مخلوق ہیں۔ ہم تو جانور ہیں لیکن تیرے حضور یہ تو درخواست کر سکتے ہیں کہ اس کو معافی عطا کی جائے۔ ان کا رونا، اور چیخنا، اور پرندوں اور جانوروں کا اللہ کو پسند آیا، تو پھر انہوں نے کہا، جا اس کو معاف کیا۔ چنانچہ اٹھ کے کھڑے ہو گئے۔ تو وہ آ گئے اپنے عہدے پر واپس۔ تو اس مرید نے کہا، حضور میں تو خوشی سے بے چین ہوا جا رہا ہوں۔ الحمد للہ۔ جب وہ جانے لگے سمندر کا کنارہ نزدیک آ گیا۔ کیونکہ اب انہوں نے اپنی ڈیوٹی پر حاضری دینی تھی۔ مرید نے کہا، حضور میری حیثیت تو نہیں، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ آپ سے کیا کوتاہی ہوئی ہے۔ کیا آپ کو یاد ہے۔ کہنے لگے چند روز کی بات ہے کہ میں سمندروں میں اپنی ڈیوٹی دینے جا رہا تھا، کشتی میں بیٹھا تھا، اور حکمِ خداوندی سے چل پھر رہا تھا۔ بڑی تیز بارش ہونے لگی سمندر میں۔ تو میں نے کہا، یا باری تعالیٰ اس بارش کو یہاں ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ بھرے سمندر پر یہ بارش۔ اگر سوکھے میدانوں میں ہو تو کچھ فائدہ ہو۔ لوگوں کو اناج ملے، فصلیں اگیں۔ بس اتنی بات، میں نے رائے دی تھی۔ فعلِ اللہ کے اوپر میں نے تنقید کی تھی، تو خواتین و حضرات پھر یہ بات ہو گی۔ فعلِ اللہ اور ہیں، احکامِ اللہ اور ہیں، اور ہم سب احکامِ الٰہی کے پابند ہیں۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ایک معصوم بیٹی کی کہانی

اتنی ساری بیٹیوں کی موجودگی میں آدمی کا دل بہت خوش ہوتا ہے اور اس کو ہمیشہ بڑی تقویت ملتی ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ بیٹا مطلوب ہوتا ہے، اور بیٹی لاڈلی ہوتی ہے۔ اس کی جگہ وہ نہیں لے سکتی اور اس کی جگہ وہ نہیں لے سکتا، لیکن اگر حساب لگا کر دیکھو اعداد و شمار کے مطابق تو بیٹی کا نمبر ہمیشہ اوپر ہی رہتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ طے شدہ بات ہے کہ عورت کا احترام بہت ہے۔ جب آپ باہر نکل کر دیکھیں تو ہر ایک شے کے اوپر آپ کو ماں کی دعا لکھا ہوا ملے گا۔ بیوی کی دعا کہیں بھی نہیں۔ ایک بھی رکشہ پر نہیں لکھا ہوتا۔ عورت ماں کے روپ میں ہو، بیٹی کے روپ میں، بہن کے روپ میں ہو، عورت کی بڑی عزت دلوں میں ہوتی ہے۔ جھگڑے وگڑے ہو جاتے ہیں، لیکن بابا کو اپنی بیٹی اور بیٹیاں ہمیشہ بہت پیاری، اور بہت لاڈلی ہوتی ہیں۔ یہ بات الگ ہے کہ یورپ کے کچھ ملک یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے یہاں پر عورت کی عزت نہیں ہے اور اس کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا جاتا ہے، اور کچھ ادارے انہوں نے اس طرح کے بنا دیئے ہیں کہ چیک کرنے کے لیے کہ کیا واقعی بُرا برتاؤ ہوتا ہے۔

کافی دیر کی بات ہے کہ میرے دفتر میں آیا ایسے ہی ایک ادارے کا ایک آدمی، وہ بڑا بھلا سا نیک سا نوجوان تھا' جرمنی کا۔ اور جرمنی کے لوگ تحقیق کے معاملے میں اتنے ضدی، اتنے کڑوے، اور اتنے کسیلے نہیں ہوتے۔ وہ بات کی تہہ تک پہنچ کے اس کو تسلیم کر لیتے ہیں، لیکن وہ بے چارہ آیا تھا بہت سارے تصورات لے کر اپنے ذہن میں کہ میں پاکستان جا رہا ہوں اور اس کے بارے میں یہ یہ کہانیاں موجود ہیں۔ تو اس نے میرے دفتر میں مجھ سے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ سر You don't mind if i ask you direct question کہ آپ اپنی بیوی کو صبح کے وقت مارتے ہیں یا شام کو مارتے ہیں؟ تو میں نے کہا، شام کے وقت۔ میں دفتر سے تھکا ہارا جاتا ہوں تو ٹھیک طرح سے مار نہیں سکتا اس لیے میں صبح جب میں فریش ہوتا ہوں تو بانو قدسیہ کو "کھڑکا" جاتا ہوں۔

بے چارے کو بڑی کوفت ہوئی۔ کہنے لگا، آپ تو بڑے اچھے آدمی لگتے ہیں۔ میں نے کہا یہ تو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کوئی بات نہیں۔ ویسے ہماری جو محبت آپس کی ہے، وہ چلی آ رہی ہے۔ چاہے آپ کتنا بھی ہمارے خلاف پروپیگنڈا کریں، اس کا اثر مجھ پر یا میری بچیوں پر یا میرے بچوں پر نہیں ہوگا۔

ایسے ہی بارہ پندرہ برس پہلے کی بات ہے۔ یہ بچے بڑے پیارے لوگ ہوتے ہیں، اور بڑے اڑیل ہوتے ہیں، بڑے ضدی ہوتے ہیں، اور بہت زمین پر پاؤں مار کر اپنی بات منوانے کی کوششیں کرتے ہیں۔ میں چونکہ اس عمر میں ہوں، اور میں نے بہت سے زمین پر پاؤں بجتے ہوئے سنے ہیں، اور میں نے اس کے آگے سر جھکایا ہے، تو میرے دفتر میں پانچ چار نوجوان طالب علم آ گئے۔ ان میں تین لڑکیاں تھیں، دو لڑکے تھے، اور وہ پولیٹیکل سائنس کے 6th year میں تھے۔ اسے آپ کیا کہتے ہیں، Second part کے سٹوڈنٹ تھے۔ ان میں ایک لڑکی تھی، اس کا نام کلثوم تھا۔ ایک کا یاسمین، ایک کا مجھے یاد نہیں، اسے ببلی ببلی کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ کچھ زیادہ بولی نہیں، اور دو لڑکے تھے، نوجوان بڑے اچھے تھے پیارے خوش شکل۔

کلثوم ان کی لیڈر تھی، اور اس کے چہرے کے اوپر کچھ نشان تھے۔ لڑائی جھگڑے کے دھبے۔ جب یہ لوگ میرے دفتر آئے تو کلثوم آتے ہی دھم سے صوفے پر بیٹھ گئی، اور کہنے لگی، انکل ہم نے دیکھا ہے، آپ کا معاشرہ، اور ہم نے دیکھا ہے آپ کا مذہب، اور سب لوگ جو ہیں بڑے چالاک اور بے ایمان، اور سخت ہوتے ہیں۔ ہم لڑائی کر کے آئے ہیں۔ میں نے کہا، کیا ہوگیا۔ اس نے کہا، میرا نام یہ ہے، اور یہ میرے ساتھ میری کلاس فیلو، ان کا نام یہ ہے، اور ان کا نام یہ ہے۔ تو تعارف کرانے کے بعد اس نے کہا، آپ بڑے مامے بنتے ہیں اخلاقیات کے اور دین کے۔ میں نے کہا، ہو کیا گیا؟ کہنے لگی، ہم سپہنوں (خواتین پولیس اہلکار) سے لڑ کے آئے ہیں۔ انہوں نے جلوس وغیرہ نکالا ہوگا۔ آگے سپہنیں ہوتی ہیں۔ بے چاری اچھی ہوتی ہیں۔ ان کو حکم جو ہوتا ہے، ان کو روکو تو ان کی مڈ بھیڑ ہو گئی۔ ہمارے لاہور میں ایک جگہ ہے جہاں یہ T.V وغیرہ بہت بکتے ہیں، ہال روڈ۔ اس کے اوپر جھگڑا تھا۔ میں نے کہا، جھگڑا کس بات پر ہوگیا؟ تو اس نے کہا، جی یہ کیا قانون بنایا ہے آپ نے، لوگوں سے خوامخواہ کہا کہ ہمارے حقوق آدھے ہیں، مردوں کے پورے۔ کہنے لگی یہ کیا بات ہوئی کہ عورت قتل ہو جائے تو آدھی دیت اور مرد قتل ہو جائے تو زیادہ۔ میں نے کہا، تم نے اس پر جلوس کیوں نکالا، یہ تو مجھے جلوس نکالنا چاہیے تھا۔ میں نکالوں گا کل سے جلوس، یہ تو کمال کی بات ہے۔ وہ غصے میں تھی، کہنے لگی۔ آپ کیوں جلوس نکالیں گے۔ میں نے کہا، میں اس لیے جلوس نکالوں گا کہ یہ بڑی زیادتی کی بات ہے کہ میں مر جاؤں گا تو بانو قدسیہ کو ایک لاکھ روپیہ مل جائے، وہ مرے تو مجھے پچاس ہزار ملیں گے۔ یہ تو الٹا ہوگیا کام۔ کہنے لگی، ہاں ہم تو پھر جلوس نکال کے آئے ہیں۔ میں نے تو یہ الٹا جلوس نکال دیا تمہارا۔ میں تو یہ چاہوں گا کہ اگر میری بیوی خدانخواستہ قتل ہو جائے تو مجھے چار پانچ لاکھ ملیں، میں مارا جاؤں تو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میری بیوی کو 25-26 روپے مل جائیں، تا کہ اس کو کوئی سزا ملے۔ اس کی ساتھی کہنے لگی، دیکھو یاسمین میں نے تم سے کہا تھا نا کہ انکل کے پاس نہیں جانا۔ یہ ہمیشہ ایسی الٹ بات کرتے ہیں۔ میں تو اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ تو کہنے لگی، یہ ہم نے دیکھا ہوا ہے۔ آپ کا یہ سب فلسفہ، میں آپ کی پروا نہیں کرتی۔ میں اپنی زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں۔ ہم سارے اپنی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ پرانے دقیانوسی دھات' پتھر کے زمانے کی چیزیں، اس زمانے کی آپ نے اخلاقیات میں رکھی ہوئی ہیں۔ یہ سب میں نے کنڈم کر دی ہیں۔ میں نے کہا، کوئی بات نہیں۔ کنڈم کرتی ہیں تو کریں، تمہیں پورا حق پہنچتا ہے۔ وہ کہنے لگی، میں آپ کو بتا دوں ایک بات، اور آپ کان کھول کے سن لیں کہ میں نے دوزخ میں جانا ہے۔ میں نے بالکل نہیں جانا بہشت وغیرہ میں، مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ غصے میں تھی بے چاری۔ بڑی پیاری سی تھی، اور اچھی طاقت تھی اس میں، بہت خوب صورت بازو چڑھائے ہوئے تھے۔ اس کے ارادے مضبوط تھے۔ ہنسنے والی لڑکی تھی۔ میں نے تو دوزخ میں جانا ہے۔ مجھے کوئی پروا نہیں آپ کی...... میں نے کہا، نہیں نہیں، تو نے دوزخ میں جا کر کیا کرنا ہے۔ دفع کرو۔ کہنے لگی نہیں میں نے تہیہ کر لیا ہوا ہے میں نے دوزخ میں جانا ہے۔ میں نے کوئی قانون نہیں ماننے۔ میں نے نہ دین کے، نہ اسلام کے۔ میں نے اپنی مرضی سے رہنا ہے۔ میں نے کہا، بیٹی دوزخ میں جانا بڑا مشکل کام ہے۔ تو کیسے جائے گی۔ دوزخ میں جانے کے لیے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ اس نے کہا، جی کیسی محنت کیا؟ وہ جی میرا، اور اس کا جھگڑا ہو گیا۔ بڑا زبردست۔ میں نے کہا، تو نہیں جا سکتی۔ کہنے لگی میں جا کے دکھاؤں گی۔ اتنا جھگڑا ہو گیا کہ میں نے کہا کہ تو دوزخ میں تو......؟ "تو کیہہ تیرا پیو نہیں جا سکدا"۔ میں نے کہا بڑا لمبا کام ہوتا ہے۔ اس میں کئی مصیبتیں اٹھانا پڑتی ہیں۔ پھر جا کے کہیں بندہ ہوتا ہے دوزخی۔ پہلے جا کے تو شرک کر۔ پھر اللہ کی زمین پر فساد پھیلا، پھر جائے گی۔ کسی کی چیز چرا لے گی، پنسل کالج سے لے آئے گی، یا کسی کا دوپٹہ کھسکا لے گی تو اس سے تو نہیں جائے گی دوزخ میں۔ کہنے لگی نہیں بس میں نے تہیہ کر لیا ہوا ہے۔ میں نے کہا، نہ نہ بچے، غصہ تھوک دے، کوئی بات نہیں۔ ہم ایسے کریں گے کہ تجھ پر بوجھ نہیں پڑنے دیں گے، تو تم کو آسانی سے چلنے دیں گے۔ مجھے یہ بتاؤ جس زمانے میں ہم ایم اے میں پڑھتے تھے، اس وقت پرچے میں پانچ سوال ہوتے تھے، بیس بیس نمبر کے، اور وہ پانچ کرنے ہوتے تھے، کہا جاتا تھا کہ آؤٹ آف Eight کوئی پانچ سوال کریں۔ اب سمسٹر سسٹم چل گیا ہے، جس کی مجھے کچھ سمجھ نہیں ہے۔ کہنے لگی، سنیں۔ سمسٹر سسٹم چلا تھا، وہ پھر کینسل ہو گیا۔ اب پھر پیپر ہی ہوتا ہے، اور پانچ سوال ہی کرنے ہوتے ہیں، اور پانچوں سوال بیس بیس نمبر کے ہوتے ہیں۔ میں نے کہا، اوہ تیرا بھلا ہو جائے اسلام میں بھی پانچ ہی سوال ہوتے ہیں۔ وہ بھی بیس بیس نمبر کے ہوتے ہیں۔ کہنے لگی ہیں، یہ کیا؟ میں نے کہا۔ دیکھ اب تو ایسے کریں گے۔ تو ہے غصے والی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بیٹی، تو تیرا انتظام ایک اور طرح سے کرنا چاہیے کہ ہم ایسے کریں گے کہ تم کو لڑکیوں کو بہت شوق ہوتا ہے ڈائٹنگ کرنے کا، اور اپنی Figure ٹھیک رکھنے کا' ٹھیک ہے نا، ہم ایسے کریں گے تجھے سال میں ایک مہینہ ڈائٹنگ کرائیں گے ٹھیک ہے نا۔ صبح کھلا دی روٹی سارا دن پانی بھی میں نے پینے نہیں دینا، اور کھانا بھی نہیں کھانے دینا۔ کہنے لگی Oh you are talking of Ramzan۔

میں نے کہا، اب تم جو مرضی نام دے لو اس کا۔ کہنے لگی، انکل وہ تو جو رمضان ہے نا وہ تو روزے میں رکھتی ہوں سارے۔ کہنے لگی، ہمارے گھر میں تو کوئی بھی نہیں رکھتا لیکن میں رکھتی ہوں سحری کھا کے 'مالی بابا، اور اس کی فیملی جاگی ہوئی ہوتی ہے، میں ان کے کوارٹر میں چلی جاتی ہوں۔ بڑے مزے کی روٹیاں پکائی ہوتی ہیں ماسی نے۔ تو میں سحری کھا کے آ جاتی ہوں، تو میرا روزہ ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا تیرے بیس میں سے بیس نمبر آ گئے، ٹھیک ہے نا۔ پھر میں نے کہا تم جیسی لڑکیوں کو بڑا شوق ہوتا ہے سیر و تفریح کا، بہت مرتی ہیں، ایسے تصویریں دیکھتی ہیں۔ کیلنڈر دیکھتی ہیں۔ کہتی ہیں ہائے ہائے ملیشیا جائیں گے۔ یہ امریکا کا ساحل ہے۔ یہ دیکھو یہ ڈزنی لینڈ ہے، اس جگہ جانا چاہیے، شوق ہوتا ہے۔ میں ایسا بندوبست کروں گا۔ میں ہوں تو غریب آدمی لیکن میں تمہیں پاسپورٹ بنوا کے دوں گا اور میں تمہیں ملک سے باہر بھیجوں گا، اور تمہیں بڑا شاندار نظارہ ملے گا، جو تمہیں دنیا میں کہیں اور نہیں نظر آئے گا۔ کہنے لگی، کیسی جگہ۔ میں نے کہا، ایک ایسی جگہ جہاں آدمیوں کا بڑا ہجوم ہو گا۔ اتنا بڑا ہجوم دنیا میں کہیں نہیں ہوتا۔ وہ کہنے لگی، آپ حج کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ میں نے کہا، ہاں۔ کہنے لگی، انکل وہ تو مجھے شوق ہے دیکھنے کا، کیونکہ دنیا میں سب سے بڑا ہجوم۔ وہ کہنے لگی، آپ مجھے نہ دیں پاسپورٹ، اور نہ دیں ٹکٹ۔ وہ تو میں انشاء اللہ خود جاؤں گی۔ وہ میرا پکا تہیہ ہے وہ تو میں نے طے کیا ہوا ہے۔ لیکن میں آپ کے اسلام وغیرہ کو نہیں مانتی۔ غصے میں تھی نا۔ تو بار بار ایسے کہتی تھی۔ میں نے کہا چلو بیس نمبر تیرے یہ ہو گئے، چالیس ہو گئے۔ تو میں نے کہا کہ تم نیو کیمپس میں کیسے آتی ہو۔ کہنے لگی نیو کیمپس میں ابو کار میں چھوڑ جاتے ہیں۔ کئی دفعہ نہیں آتے تو میں خود کار لے کر آ جاتی ہوں۔ اگر دونوں میں سے کوئی صورتِ حال نہ ہو تو ڈیڈی مجھے دس روپے دیتے ہیں۔ میں 83-1984ء کی بات کر رہا ہوں۔ تو اس زمانے میں ڈیڑھ روپیہ آنے جانے میں لگتا تھا۔ ہماری بس ہوتی ہے۔ میں نے کہا، اگر میں تجھے کہوں یہ جو تجھے دس روپے ملتے ہیں، ان میں سے تھوڑے سے پیسے اٹھنی اس سے بھی کم یہ ایک طرف رکھ کے' Put by کر کے ایک طرف رکھ دے تو دے دیا کر کسی غریب کو۔ تو کہنے لگی۔ آپ مجھے پھنسا رہے ہیں۔ میں نے کہا، میں آپ کو کہاں پھنسا رہا ہوں، تو میرے پاس آئی ہے۔ اتنی محبت کے ساتھ، تیرا بابا اتنی محبت سے تم سے بات کرتا ہے، تو پھنسانے کی بات کرتی ہے۔ کہنے لگی، آپ مجھے زکوٰۃ میں پھنسانا چاہ رہے ہیں، جسے انکل آپ ڈھائی فیصد کہتے ہو۔ یہ تو غلط ہے' یہ تو فلاں نے بنائی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہے ڈھائی فیصد۔ اللہ کا حکم اور ہے۔ میں نے کہا، بھئی وہ کیا ہے۔ کہنے لگی اللہ تو کہتا ہے جو کچھ تمہارے خرچ سے باقی بچے وہ سارے کا سارا دے دو۔ یہ تو میں نے پہلی بار سنا۔ میں نے کہا، اوہ تیرا بھلا ہو جائے تو نے تو مجھے ڈرا دیا۔ ڈھائی فیصد پر میں یقین نہیں رکھتی۔ یہ کیلکولیشن غلط ہے۔ کہیں نظر نہیں آتی۔ میں نے کہا، یہ تو تیری اور کمال کی بات ہوگئی۔ تیرے تو ساٹھ نمبر ہو گئے۔ ٹھیک ہے کہ نہیں۔ تو اسی طرح میں نے کہا، اب اگلا کام آتا ہے جہاد کا۔ وہ مرد بھی جاتے ہیں عورتیں بھی جاتی ہیں، لیکن ذات کے خلاف لڑنا بھی ایک جہاد ہے۔ خرابی کے خلاف۔ تو وہ تو سامنے ہے۔ کہنے لگی، دیکھو میں کہاں کہاں ماری ماری پھر رہی ہوں۔ تو میں نے کہا 80 نمبر ہو گئے۔ میں نے کہا، بے وقوف لڑکی کلثوم بی بی تم نے آج تک اسی نمبر لیے ہیں کسی پرچے میں۔ کہنے لگی، اسی تو انکل بہت ہوتے ہیں۔ میں تو یہی رو رہا تھا کہ تو دوزخ میں کیسے جائے گی تو تو مصیبت یہ ڈالے بیٹھی ہے۔ تیرا ارادہ دوزخ میں جانے کا ہے۔ کہنے لگی، وہ میں غصے میں کہہ رہی تھی۔ اس کا جھگڑا دین کے ساتھ تو نہیں تھا بے چاری کا۔ آدمی دکھی ہوتا ہے۔ اپنی ماما جی سے اپنی اماں سے اپنے ابو سے لڑتا ہے تو پھر اس کو غصہ آتا ہے۔ پھر جن باتوں کی وہ تلقین کرتے ہیں، جس کے اوپر قائم رہنے کے لیے......؟ اس کو وہ ہٹ کرتا ہے۔ میں نے کہا، کلثوم بچے اب ایسے کریں گے کہ پھر تمہیں ایک لفظ سکھائیں گے۔ وہ ہے تو مشکل عربی کا لیکن تو ذہین لڑکی ہے۔ میرا خیال ہے تو سیکھ جائے گی اگر مشق کرے تو۔ کہنے لگی وہ کیا ہے۔ میں نے کہا، وہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ کہنے لگی، لو کیا بات کی۔ یہ تو میں صبح منہ دھوتے وقت' صبح سویرے جب پانی ڈالتی ہوں تو یہی پڑھتی ہوں۔ تو میں نے کہا، اب بتاؤ بچے تم نے تو پھنسا دیا، ہم دوزخ کیسے جائیں گے۔ یہ تو تم نے میری بھی راہ بند کر دی، اب میں بھی کلثوم بی بی کا بابا دادا بن کے بیٹھ گیا۔ میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا۔ مجھے بھی فائدہ ہو جائے گا۔ باقی رہ گئی نماز کی بات۔ تو میں نے کہا، عید کو لڑکیاں بڑے شوق سے گھر میں مصلیٰ ڈالے سروں کے اوپر دوپٹے لپیٹ کر کھڑی ہو جاتی ہیں نا تو تین نمبر تو اس میں بھی آ جائیں گے۔ 83-84 نمبر ہو جائیں گے۔ بیں تیرے کلمے کے ہوئے پڑے ہیں۔ کہنے لگی نہیں نہیں خیر نمازیں میں رمضان شریف میں تو ساری پڑھتی ہوں پوری، اور اس کے علاوہ بھی جب بھی موقع لگ جائے، لیکن ریگولر نہیں ہوں۔ میں نے کہا، کوئی بات نہیں، تیرے نمبر تو 94-95 سے زیادہ بن رہے ہیں، تو اب تیرا کیا کریں۔ تو اس کی سہیلی یاسمین کہنے لگی، تم اٹھو میں نے تم سے کہا تھا نا کہ انکل اشفاق کے پاس نہیں جانا یہ بہت چالاک ہیں۔ یہ ہمیں دھوکے سے پھنسا رہے ہیں۔ تو ان کے جو ساتھی لڑکے تھے وہ بڑے غور سے یہ باتیں سنتے رہے اور حیران ہوتے رہے۔ انہوں نے بھی میرے ساتھ تھوڑی سی باتیں کیں کہ سر ہم بھی کچھ تھوڑے سے ایسے ہی تھے۔ گستاخ کچھ الٹے سیدھے الفاظ ہمارے منہ میں بھی، اور ذہن میں بھی آ جاتے ہیں۔ میں نے کہا، کوئی بات نہیں۔ ذہن میں آ جاتے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہیں تو بے اختیاری کی بات ہے۔ ذہن کے اوپر کنٹرول نہیں ہے۔ کوئی بات نہیں، چلتے رہیں، لیکن کہنے لگے، رخ ہمارا البتہ ادھر کا ہو گیا ہے۔ جس طرف کی بات آپ کر رہے ہیں۔ تو کلثوم بی بی اپنی آستین چڑھائے ہوئے غصے میں لٹیں کھلی ہوئی، لیکن وہ ذرا تھوڑی سی ٹھنڈی ہوئی، لیکن اس کا غصہ پورے کا پورا کم نہیں ہوا۔ میں محسوس کر رہا تھا، پولیس نے انہیں تنگ کیا تھا۔ بات بھی اس کی سن لیں۔ جب آپ بات کسی کی سنیں۔ سننے کے لیے کوئی بھی ہو۔ آپ کے گھر میں جھاڑو دینے والی ہے۔ ماسی کھانا پکانے والی ہے۔ اس کی بات ہے۔ کہنے سننے کے لیے آپ کے پاس بھی وقت ہونا چاہیے۔ کلثوم کی اور یاسمین کی بات، اور ان کے ساتھیوں کی بات نہیں سنی گئی تھی؟ اس لیے ان کو غصہ تھا، اور غصہ سارا وہ ڈائریکٹ گیا تھا اس دین کی طرف اور اتھارٹی کی طرف، اور بڑوں کی طرف۔ اب اس میں ساری جہالت جو ہے وہ بڑوں کی ہوتی ہے۔ بڑوں کو سنبھالنا نہیں آتا۔ وہ اپنی اتھارٹی میں لگ جاتے ہیں، اور ہمارے ملک میں اتھارٹی کا رواج ذرا ضرورت سے زیادہ ہے۔ ہاں اکیلے بڑوں کی اتھارٹی نہیں۔ آپ بھی جب سوچیں گی، اور آپ جب گھر جا کے غور کریں گی تو آپ دیکھیں گی، آپ اپنی اتھارٹی کو ان معصوموں پر، ان لوگوں پر ضرور استعمال کر جاتی ہیں، جو کہ آپ سے نیچے ہیں۔ لیکن الحمدللہ آپ نے اس بات کو تسلیم کیا۔ لڑکے تو مانتے نہیں، لیکن ہم کیا کرتے ہیں ہمارے ہاں عام لوگ جو ہیں وہ بھی اپنی اتھارٹی کو بڑی شدت سے، اور بڑی بری طرح سے استعمال کرتے ہیں۔

میں شاید پیچھے بھی بیان کر چکا ہوں۔ مجھے اس ایک بات کا بڑا غصہ تھا۔ یہاں ایک جگہ ہے اچھرہ، اس میں خواتین بہت جاتی ہیں۔ کچھ کپڑے وپڑے لینے کے لیے۔ میں بھی جاتا ہوں، بیگ پکڑ کر اپنی بیوی کے ساتھ۔ انہوں نے کچھ لینا ہوتا ہے کچھ سلی سلائی چیزیں۔ تو وہاں پر ایک خاتون کسی سکول کی ٹیچر تھی۔ اچھی پیاری معزز، سیاہ برقع اس نے اوڑھا ہوا، ہاتھ میں تھیلا پکڑا ہوا۔ ہم جس دکان سے کچھ سودا لے رہے تھے تو اس نے کچھ پوچھا، سرخ رنگ کا کوئی کپڑا، پتا نہیں کیا کہا، لیکن دکاندار نے سنا ہی نہیں۔ پھر اس نے ذرا وضاحت سے کہا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا، تیرے کام کی یہاں چیز نہیں ہے اس دکان پر آگے جا کے پتا کر۔ تو میں غصے میں بھی آیا اور مجھے رونا بھی آ گیا۔ میں نے کہا یہ تو آپ کو حق نہیں پہنچتا۔ اس نے کہا، نہیں اشفاق صاحب یہ ایسے ہی ہے کوئی کم پیسوں والی۔ تو یہ اتھارٹی دیکھیں نا، حالانکہ وہ کوئی افسر نہیں ہے۔ کسی بڑی جگہ پر نہیں ہے، لیکن وہ اپنی اتھارٹی بے جا طور پر استعمال کر رہا ہے، اور اگر آپ اپنے اردگرد دیکھیں گی تو بڑا ظلم چل رہا ہے۔ بہت زیادہ تکبر شامل ہو گیا ہے ہر بندے کے ذہن میں۔ اور تکبر میں اضافہ کرنے کے لیے وہ بہت ساری چیزیں اکٹھی کرتا رہتا ہے، تا کہ دوسروں کو ڈرانے کے لیے تکبر نمایاں کرے۔ یہ بات خوشی کا اظہار اس لیے کر رہا ہوں کہ تھوڑے دن ہوئے میں اپنے گھر کے لان میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بڑی خوب صورت سی پیاری، لمبی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

عورت ایک خوب صورت سا بچہ نیلا ٹوپ اس نے پہنا ہوا، اون کے موزے جرابیں، وہ آ گئی۔ آ کے وہ عورت میرے سامنے کھڑی ہو گئی۔ ہنسنے لگی اور کہنے لگی آپ نے مجھے پہچانا؟ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگی انکل میں کلثوم ہوں۔ میں نے کہا، اوہ تیرا بھلا ہو جائے بیٹھ۔ میں نے کہا، تو اتنی دیر کہاں رہی۔ کہنے لگی میں سیدھی شکاگو سے آ رہی ہوں، اور میں نے آپ کا پتا ڈھونڈ کے سب سے پہلے آپ کے ہاں حاضری دی، میرا خاوند وہاں ڈاکٹر ہے۔ اچھا آدمی ہے، میں آپ سے اپنی پرانی محبت، اپنی برخورداری، اپنی بیٹی ہونے کا ایک چھوٹا سا حق مانگنے آئی ہوں، سیدھی آپ کے پاس۔ میں ڈر گیا۔ میں نے کہا، فرمائیں۔ میں تجھ سے بڑا ڈرتا ہوں، اور اتنے سال میرے ڈر میں ہی گزرے ہیں۔ کہنے لگی، یہ میرا بیٹا ہے۔ بہت پیارا ہے، اور بہت صحت مند ہے، اور ہم اس کو صحت، اور حفظانِ صحت کے اصولوں پر پال رہے ہیں۔ یہ روتا بہت ہے۔ ہم نے بہت کوشش کی ہے کہ کسی طرح سے اس کا رونا کم ہو، کئی دوائیاں دی ہیں۔ میرے خاوند ڈاکٹر ہیں، لیکن اس کا رونا کم نہیں ہوا تو میں اس کو آپ کے پاس لائی ہوں کہ اس کو دم کر دیں۔ میں نے کہا، اوہ تیرا بھلا ہو جائے۔ میں کوئی نیک آدمی نہیں ہوں۔ میں کیسے دم کروں۔ مجھے دم کرنا نہیں آتا۔ کہنے لگی آپ ''شو'' کر دیں۔ میں نے کہا نہیں بچے یہ تو......؟ اب میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ مجھے واقعی نہیں آتا دم کرنا کہ کیا پڑھتے ہیں۔ کیسے کرتے ہیں۔ کہنے لگی آپ میرے ساتھ ہمیشہ......؟ اب پھر وہی غصہ پرانا اس کا کہ میں کتنی دور سے چل کر آئی ہوں، اور کتنی آرزو لے کر آئی ہوں۔ کہنے لگی۔ اب آپ پھر تکبر کے میز کے اوپر چڑھ گئے ہیں۔ آپ کریں اس کو دم۔ میں نے کہا، پیارے بچے! اگر مجھے کچھ آتا تو میں ضرور کرتا۔ اس نے کہا، آپ جھوٹے ہی کر دیں۔ ''شوشو'' کر دیں۔ اب میں نے کہا، جھوٹی پھوک کیسے ماروں گا۔ پھر میں نے کہا، چل ہمارے مولوی صاحب ہیں۔ مسجد میں بہت نیک آدمی ہیں۔ میں جمعہ پڑھنے جاتا ہوں وہاں۔ ان سے دم کرواتے ہیں۔ تو کہنے لگی، نہیں آپ سے کرواؤں گی۔ آپ ہی کریں۔ دیکھیں انسانی کوتاہی کیا ہوتی ہے۔ میں بھلا اس کا دل رکھنے کو کر دیتا۔ ایسے ہی ''شو'' لیکن میں رکا رہا۔ میں نے کہا، مجھے نہیں آتا۔ یہ اللہ نے میرے اندر صلاحیت نہیں رکھی ہے، میری صلاحیت ہے کہ میں کچھ لکھ لیتا ہوں ڈرامے، لیکن یہ کام نہیں جانتا تو اٹھ کے کھڑی ہو گئی، جس طرح سے میرے دفتر میں اپنا پاؤں مار کے گئی تھی زور سے اتنے ہی زور سے اس نے ویسے ہی پاؤں مارا۔ کہنے لگی نانا۔ (بچے کے حوالے سے مجھے نانا کہہ رہی تھی) ''نانا یو آر ہولی مین'' یہ اس کا آخری فقرہ تھا، اور غصے میں کار میں بیٹھ کے چلی گئی۔ اب بتاؤ میں تم کو کس کھاتے میں ڈالوں۔ تم جو آ گئی ہو ساریاں (ہال میں بیٹھی خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے) مجھے ڈر ہے کہ تم بھی اندر سے لڑائی کرو گی۔ کسی نہ کسی دن میرے ساتھ، اور پیاری تم بہت ہوتی ہو۔ یہ آپ اپنے بڑوں سے اپنے بھائیوں سے اپنے ابو سے پوچھیں۔ باوجود اس کے کہ اختلاف ہوتے ہیں۔ اب

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہمارے درمیان، کوشش ہو رہی ہے کہ ہمارے درمیان ہماری محبت کے درمیان کچھ ایسی دیواریں کھڑی کر دی جائیں، تاکہ ہم ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ تو پیارے بچو! میں اب تمہارے سامنے شکایت کرنے کا استحقاق رکھتا ہوں۔ آپ کو جب بھی ووٹ دینا پڑے، آپ میرے حق میں دینا۔ کلثوم کے حق میں نہ دینا۔ وہ مجھے بہت جھڑکیاں دے کر گئی ہے۔ اللہ آپ کو خوش رکھے اور آپ سب کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

موت کی حقیقت

جب آدمی کے وجود پر، بہت سال کی بڑی دھول جم جاتی ہے تو پھر وہ اپنے اردگرد اپنے ماحول میں سے ایسی چیزیں تلاش کرنے لگ جاتا ہے جو بڑی گرد آلود ہو چکی ہوتی ہیں، اور اس کی آرزو یہ ہوتی ہے کہ یہ چیزیں صاف ستھری ہو کے پھر سے ترتیب سے رکھی جائیں، لیکن میرا وجود اتنا صاف ستھرا ہو کے ویسی ترتیب سے نہیں رہ سکتا۔ کچھ ایسا ہی میرے ساتھ پرسوں ہوا۔ میں اپنی پرانی کتابوں کی الماری کو صاف کر رہا تھا، تو اس میں سے ایک کتاب بڑے پیارے محبوب دوست، اور اس سے بڑے شاعر کی نکل آئی، اور میں اسے دیکھنے لگا، اور ماضی کے کافی دور پہنچ کر ان حالات میں بھی پہنچا جو ماضی سے بعید تر تھے۔ اس میں ایک چھوٹی سی پرچی پر ایک چھوٹی سی نظم میں نے لکھ کر رکھی تھی۔ یہ نظم ہمیں اپنے زمانے میں بہت ہی پیاری، اور بہت ہی اچھی لگا کرتی تھی، اور ہم اس کو لہک لہک کر، اور چہک چہک کر پڑھا کرتے تھے، لیکن اب بالکل ہمارے ذہن سے یہ چیز نکل چکی تھی۔ اس پر وقت کی دھول جم چکی تھی۔

خواتین وحضرات! جب کوئی رخصت ہو جاتا ہے آپ کے درمیان میں سے، اور موت اس کے ساتھ رشتہ گانٹھ لیتی ہے تو پھر آدمی سوچنے لگتا ہے کہ یہ موت کا جو وجود ہے، اس کا تعلق عدم کے ساتھ ہے یا موجود کے ساتھ۔ آدمی تو گزر گیا، چلا گیا، لیکن وہ اپنی یادیں چھوڑ جاتا ہے، اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ زندگی میں اتنا کچھ نہیں تھا، چلے جانے کے بعد جتنا کچھ ہو گیا۔ میں سوچتا رہا کہ موت بھی زندگی کا، ایک روپے کا دوسرا رخ ہی تو ہے، لیکن یہ بڑی اہم بات ہے، اور بڑی دلچسپ ہے، اور اس کے ساتھ ایک گہرا رشتہ رکھنا بہت ضروری ہے۔ تو مجھے یاد آیا، کتابوں کی الماری صاف کر چکنے کے بعد اور اس دوست کا ذکر کتاب میں پڑھنے کے بعد اس کی شاعری دیکھنے کے بعد، جو کہ اب ہم میں نہیں ہے۔ ہمارے یہاں پر، ہمارے مشرق میں، موت کے بارے میں بہت عجیب وغریب روایات، اور بہت عجیب وغریب قصے، اور بہت عجیب وغریب رویے ہیں۔ میرے چچا جہلم میں تھے ٹمبر مرچنٹ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ان کے دوست کا ایک جواں سال بیٹا کسی وجہ سے فوت ہو گیا۔ اکیلا ہی اس کا بیٹا تھا، اور وہ بڑا صوفی آدمی تھا۔ میرے چچا کے دوست اپنے زمانے میں نائب تحصیل دار رہے تھے، لیکن بے حد ایماندار، اور بہت Honest، اور راست گو انسان تھے۔ کسی وجہ سے میرے چچا نے یہ عرض کیا کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ انہوں نے اپنے نمائندے کے طور پر مجھے بھیجا کہ جا کے تم افسوس کر کے آؤ اور کہنا کہ میں جونہی ٹھیک ہوا، میری صحت بحال ہوئی، میں خود حاضری دوں گا۔ جب میں وہاں گیا تو بہت سے لوگ جمع تھے، اور وہ چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں جب ان کے قریب پہنچا تو انہوں نے پہچانا۔ اور مجھے کہنے لگے، اشفاق میاں دیکھو ہم جیت گئے اور سب دنیا ہار گئی، ہم کامیاب ہو گئے اور باقی کے سب لوگ بڑے بڑے ڈاکٹر، بڑے حکیم اور بڑے بڑے نامی گرامی طبیب ہار گئے۔ میں پریشان کھڑا تھا، ان کے سامنے کہ یہ کیا بات کہہ رہے ہیں۔ کہنے لگے، دیکھیے ہمارا یار جیت گیا، اور سارے ڈاکٹر فیل ہو گئے۔ ہم ایک طرف تھے، اور یہ لوگ سارے ایک طرف تھے۔ وہی ہوا جو ہمارے یار نے چاہا، اور جو اس نے چاہا تھا وہی ہم نے چاہا۔

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ ایک اکلوتا اس کا بیٹا' جواں سال، اور بار بار یہی بات کہہ رہا ہے۔ کچھ وقت ایسی کیفیت دردکی، اور کرب، اور الم کی بھی بن سکتی ہے۔ لیکن یہ انداز بتاتا تھا کہ وہ یہ بات اندر سے کہہ رہے ہیں اور اس کے اوپر ان کا پورا ایمان ہے، اور وہ ہل نہیں رہے ہیں اس مقام سے۔ اور کہتے تھے جو اللہ نے کیا ہے وہی درست۔ اور وہی ٹھیک ہو گا جو اللہ کرے گا۔ اور چونکہ ہم اللہ کی سائیڈ کے ہیں اس لیے جب اللہ کامیاب ہوتا ہے اور وہ ہر بار کامیاب ہی ہوتا ہے، تو ہم کامیاب ہو گئے ہیں۔ یہ میرے لیے ایک عجیب بات تھی۔ میں اس وقت ایف اے کر چکا تھا، لیکن نہ میرے پاس الفاظ تھے، نہ میں بڑے سلیقے سے ان کے ساتھ افسوس کر سکتا تھا جس کے لیے مجھے بھیجا گیا تھا۔ افسوس کے لیے میں چپ چاپ کھڑا رہا۔ انہوں نے چائے پلائی، کھانا وہاں کھلانے کا رواج تھا۔ اگلے دن واپس آئے۔ میں نے آ کر ساری بات چچا سے کہی۔ انہوں نے کہا کہ وہ بہت مضبوط، اور اللہ کو ماننے والے شخص ہیں۔

اس کے پھر کچھ عرصے بعد جب میں تعلیم سے فارغ ہو چکا تھا اور میں نے ابھی کوئی ملازمت نہیں کی تھی تو مجھے سالٹ رینج میں جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ جو ہے نا کوہستانِ نمک تو یہاں پر ایک مقام تھا پہاڑوں کے اندر۔ اب تو ماشاء اللہ راستہ بہت آسان ہو گیا ہے نا' موٹروے کی وجہ سے، اس وقت بہت مشکل سے یہاں پہنچتے تھے۔ جب ہم تلہ گنگ پہنچے تو ایک بزرگ تھے ملک صاحب، ان کا بھی اسی طرح بیٹا فوت ہوا تھا، اور ان کے پاس لوگ افسوس کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ وہ بیٹھے تھے آرام سے ایک مقام پر، اور لوگ گھوڑوں پر، پیدل' ایک دو اونٹ پر بھی وہاں آ رہے تھے۔ بہت رئیس تھے اس

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

علاقے کے۔ جو آدمی بھی، جہاں پر ملک صاحب بیٹھے تھے اس دائرے کے قریب پہنچتا تھا وہ اپنے گھوڑے کی باگ یا شتر کی مہار چھوڑ کر پیدل چلتا ہوا رکتا تھا، اور ہاتھ اونچے کر کے ایک آواز لگاتا تھا۔ ''ملک صاحب حق ہویا'' ۔یعنی جو کچھ بھی ہوا، یہ حق ہوا۔اور وہ بہت اونچی آواز میں روتے ہوئے کہتے تھے کہ ہاں حق ہویا۔ یہ حق ہے جو کچھ بھی ہوا، میں اس کے آگے بول نہیں سکا۔ پھر وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے تھے۔ یہ بھی پرسا دینے کا ایک انداز تھا، لیکن وہ کہتے اونچی آواز میں۔ اب بھی یہ رسم ہے کہ جب کوئی فوتیدگی ہوتی ہے تو وہ آنے والے پرسا دینے والے لوگ بہت اونچی آواز میں کہتے ہیں کہ ملک صاحب حق ہویا اور وہ جواب میں یہ کہتا ہے کہ بالکل ٹھیک ہے جو کچھ ہوا حق ہوا۔ یہ بڑی مشکل بات ہے۔ اس کو اندر سے نکال کر کہنا۔ وہاں عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ بڑا جمع غفیر تھا، اور عورتوں کے دل نازک ہوتے ہیں، روتی ہوئی آتی تھیں۔ لیکن وہ بھی ساری ہاتھ کی انگلیاں ہلا کر کہتی تھیں بی بی حق ہوا۔ حالانکہ ان کا دل ہی نہیں تھا، عورت کی طبیعت نرم ہوتی ہے۔ لیکن رسم کے مطابق یہی کہتے تھے کہ بی بی حق ہوا، اور وہ ماں جو تھی اس بیٹے کی، وہ بھی کہتی تھی، ہاں ہوا، میں اس کو تسلیم کرتی ہوں۔ جو بھی کچھ ہوا حق ہوا، تو موت کو زندگی کے ساتھ اس طرح سے وابستہ کرنا، اور اس کو زندگی کی ایک بُنت میں عجیب طریقے سے لانا، یہ کچھ ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ کی ذات پر پورا کا پورا اعتماد رکھتے ہیں، اور ان کا ایمان جو ہے وہ بڑا مضبوط ہوتا ہے۔ تو میں یہ اکثر سوچتا تھا، اور میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ زندگی کو Protect کرنے کے لیے اس کی حفاظت کرنے کے لیے موت جو ہے، یہ بڑی اہم، اور بڑی ضروری چیز ہے، اور اس کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ وہ جو ایک Red Indian تھے شامان جسے کہتے ہیں، سیانا آدمی۔ تو اس کے پاس کیلی فورنیا کا ایک طالب علم گیا۔ اینتھروپالوجی کا اس سے پوچھنے کے لیے۔ اس نے کئی باتیں اس سے پوچھیں۔ جڑی بوٹیوں کے بارے میں۔ تو اس نے کہا کہ ڈان جوآن، (سیانے کا نام ڈان جوآن تھا)۔ اس کی اصلی رپورٹ میں نام شاید کچھ اور ہو۔ تو اس نے کہا، ڈان جوآن بات یہ ہے کہ زندگی میں بہت سارے مشکل سوالات سامنے آجاتے ہیں، ان کو کیسے حل کیا جائے۔ اس نے کہا کہ مشکل سوال تو آنے ہی نہیں چاہئیں۔ سوال تو تم خود بنا کر اس میں خود کو پھنسا لیتے ہو۔ سوال کوئی چیز نہیں ہے، لیکن یہ زور دینے لگا کہ صاحب ہم شہر میں رہتے ہیں۔ آپ کو کیا پتا ہے۔ خیر ان کا کچھ جھگڑا شروع ہو گیا۔ وہ کہنے لگا، دیکھیں میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ میری ایک منگیتر ہے۔ میری اس سے کئی سالوں سے منگنی چل رہی ہے۔ اب ایک اور لڑکی ہمارے درمیان میں آگئی ہے۔ مجھے اپنی منگیتر بھی اچھی لگتی ہے، وہ بھی اچھی لگتی ہے۔ میں اس کا حل کیا کروں؟ میرے پاس اس کا کوئی حل نکلتا نہیں ہے، اور میں بڑا اچھا آدمی ہوں۔ میری منگیتر بہت اچھی خاتون ہے، اور وہ لڑکی بھی بہت اچھی ہے۔ ڈان جوآن نے کہا، بھئی اگر اتنی مشکل پیش آجائے تو پھر آپ اپنی موت سے پوچھ لیا کریں۔ ہر آدمی کے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ساتھ بائیں ہاتھ پر پانچ فٹ کے فاصلے پر اس کی موت چلتی ہے۔ ہر وقت ساتھ رہتی ہے تو اس کو کہو، اے موت تو بتا اب کیا کریں؟ تو اس نے کہا، کیا وہ جواب دیتی ہے۔ اس نے کہا، ہاں پہلے تو آپ کو احساس کے ذریعے سے پتا چلے گا۔ پھر جوں جوں آپ کے ساتھ رابطہ گہرا ہو جائے گا، تو وہ بات بھی کرے گی آپ کے ساتھ' آواز بھی آئے گی۔ تو وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ کیسے موت اس کے ساتھ بات کرتی ہے۔ خدانخواستہ کسی کی موت پیچھے رہ جائے۔ کہیں اچھرے میں، انارکلی میں اور آدمی آگے نکل جائے اور ایکسیڈنٹ ہو جائے تو وہ چیخیں مارے گا کہ میرا کوئی بندوبست کرو۔ بہت اچھی بات ہے۔ Logical وہ کہتا ہے کہ پھر ان کی بات آہستہ آہستہ سمجھ میں آنے لگی تو زندگی کے بارے میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اس بُنت میں اس طرح سے آتی ہے۔

میری ایک بھانجی تھی بڑی دیر کی بات ہے۔ اس کو اپنے دادا سے بڑا پیار تھا۔ ہوتا ہے پوتیوں کو اپنے دادا سے پیار تو' دادا اس کے سیر کرنے جاتے تھے۔ اچانک فوت ہو گئے، تو اس کو بڑا صدمہ ہوا۔ اکیلی بیٹھی رہتی تھی۔ ذرا زیادہ ہی پریشان رہتی تھی' تو ایک دن اس کے گھر کی ملازمہ نے کہا، ''منی تیرا دادا کہاں گیا''۔ اس نے کہا میرے دادا روز صبح سیر کو جاتے تھے تو میرے دادا اور اللہ میاں اکٹھے سیر کیا کرتے تھے۔ بہت لمبا چکر لگا یا تو میرے دادا تھک گئے، تو اللہ میاں نے کہا، اب تم واپس کدھر جاؤ گے۔ تم میرے گھر میں ہی رہ لو۔ ریسٹ کر لو تو میرے دادا وہاں ریسٹ کر رہے ہیں۔ تو اللہ ان کے بڑے دوست ہیں۔ اتنی گہری بات اس نے کہی، بڑی عجیب و غریب بات کر دی، تو یہ مشرق کے لوگ بات کرتے ہوئے مانتے ہیں کہ موت زندگی کا ایک اہم ترین حصہ ہے۔

میں 1948ء میں پڑھتا تھا گورنمنٹ کالج میں۔ پاکستان نیا نیا بنا تھا، اور قائداعظم ابھی زندہ تھے تو کالج میں ممتاز مفتی آیا۔ سائیکل ہاتھ میں پکڑے ہوئے تو مجھے کلاس کے باہر بلا کر کہنے لگا، تم فارغ ہو؟ میں نے کہا، کالج سے فارغ ہونا کوئی ایسی بات نہیں۔ اس نے کہا، ذرا چلتے ہیں۔ میں آیا ہوں پنڈی سے کہ مجھے خبر لینی ہے ایک بزرگ کی۔ ان کی طبیعت خراب ہے۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا چلو ہم اکٹھے چلتے ہیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے ہم کرشن نگر میں گئے۔ وہاں ایک جگہ تھی ''لولی لاج''۔ پرانی وضع کے گھر تھے تو اس کے اندر گئے۔ ایک ذرا سے تاریک کمرے میں ایک بزرگ ایک پرانی وضع کے پلنگ کے اوپر لیٹے ہوئے تھے جس میں شیشہ وغیرہ لگا ہوتا تھا۔ وہ بزرگ کافی تکلیف میں نظر آتے تھے۔ ان کی چارپائی یا پلنگ کے گرد ان کے دوست بیٹھے ہوئے تھے' جو مسجد میں دوست بن جاتے ہیں۔ زندگی میں ایک تو آپ کے دوست وہ ہوتے ہیں' جو آج کل ہیں۔ ایک وہ جب آپ ریٹائرڈ ہوں گے تو پھر آپ دور ہو جائیں گے ان قریبی دوستوں سے تو اس وقت ہمارے سیانے یہ رائے دیتے ہیں کہ جب آپ ریٹائرڈ ہو جائیں تو کم از کم اس وقت مسجد میں جانا شروع کر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

دیں اور وہ ایک ایسا قیمتی مقام ہوتا ہے کہ آپ کی نئی Freindship ڈویلپ ہوتی ہے جو اس سے پہلے کبھی بھی نہیں ہوئی تھی۔ ٹھیک ہے نا نئی دوستی پیدا کریں اور نئی دوستی کا پیدا ہونا بڑی تقویت کا باعث ہوتا ہے۔ خیر وہ دوست تھے۔ سامنے ان کی بہو اور بیٹا کھڑے تھے۔ بہو بڑی زار و قطار رو رہی تھی۔ تو ممتاز مفتی نے جا کر کہا، میں ممتاز ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں ہاں میں نے پہچانا ہے۔ ممتاز مفتی کہنے لگے، آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ کہنے لگے، میرے گردوں نے کام کرنا بند کر دیا ہے۔ یہ مکمل طور پر فیل ہو گئے ہیں، اور میرا لیور جو تھا، اس کا 4/1 حصہ کام کرتا تھا، اب وہ بھی کام نہیں کرتا۔ اور سانس جو ہے میری وہ ٹھیک ہے۔ ہاں دل بھی ٹھیک ہے۔ لنگز کے اندر جو ریشہ ہے۔ وہ منجمد ہوتا جا رہا ہے۔ از روئے شریعت (مجھے لفظ ان کے یاد ہیں۔) یہ حکم ہے کہ جو تم سے کوئی احوال پوچھے تو جزئیات کے ساتھ بیان کر دو۔ یہ میں نے جزئیات کے ساتھ آپ کو بیان کر دیا۔ ویسے میری کیفیت اللہ کے فضل سے، بہت اچھی ہے۔ واقعی میں ٹھیک ہوں، جو کچھ گزر رہا ہے، میں اس پر راضی ہوں، لیکن چونکہ حکم ہے بتا دو تو میں نے بیان کر دیا۔ تو وہ بہو جو کھڑی تھی۔ بے چاری نرم دل لڑکی، وہ رونے لگی۔ وہ کہنے لگے تم گھبرایا مت کرو۔ میں ٹھیک ہوں.....

میں ینگ تھا بہت' اس وقت Sixth year میں پڑھتا تھا۔ مجھے بہت گھبراہٹ طاری ہوئی۔ ایک آدمی کو اس طرح سے لیٹے ہوئے دیکھ کر، اور اس کو جاتے ہوئے دیکھ کر.... باقی لوگ جو تھے حوصلہ مند لوگ تھے۔ وہ کہنے لگے نہیں شیخ صاحب! انشاء اللہ تعالیٰ آپ ٹھیک ہوں گے۔ کہنے لگے، ہاں یوں نہیں میں ٹھیک ہوں۔ پھر انہوں نے ذرا سا اونچے ہو کر وہ جو ڈھو ہوتی ہے، اس کا سہارا لے کر کارنس کے اوپر رکھی ہوئی اپنی پگڑی، کلاہ کو ہاتھ سے اٹھا لیا، اور اٹھا کر اس پگڑ کو سر پہ رکھ لیا، بڑی اچھی وہ پگڑی باندھی ہوئی تھی سر پر رکھ کر بیٹھ گئے، اور سب کو ایسے دیکھنے لگے تو میں بھی کھڑا تھا۔ ممتاز مفتی کی طرف ہاتھ بڑھا کے کہنے لگے، اچھا جی السلام علیکم، السلام علیکم۔ سب سے ہاتھ ملایا۔ دوستوں سے' میں بھی شامل تھا ان میں۔ تو کہا، اچھا جی صاحبزادے السلام علیکم، اور پھر ڈھو لگائی، اور پگڑی بندھی ہوئی، ویسے کے ویسے آنکھیں بند کر لیں، اور خوشی کے ساتھ برضائے ذات چلے گئے۔ بالکل کوئی جھگڑا نہیں، کوئی کچھ نہیں۔ تو میں چونکہ متجسس Cureous تھا، نوجوان تھا۔ میں نے کہا، یہ پگڑی ان کی ایسے پھنسی ہوئی ہے۔ اتار دیں تو ان کے جو دوست تھے کہنے لگے، نہیں نہیں۔ میں نے کہا، جی یہ پگڑی مجھے سمجھ نہیں آئی۔ کہنے لگے، یہ موت کی تقدیس کے طور پر اس کی عزت افزائی کے لیے، ننگے سر برا لگتا ہے۔ اب وہ آ رہی ہے تو اچھا نہیں لگتا، اس لیے مشکل سے اٹھا کر انہوں نے سر پر لے لی ہے۔ یہ ساری باتیں ہو چکیں، تو اب جہاں سے بات چلی، وہ میں آپ سے عرض کروں کہ وہ معروف نظم آپ بھی جانتے ہیں۔ ہم بھی جانتے ہیں، یہ جو ہم اور آپ سب پڑھا کرتے تھے کہ:

"تاج تیرے لیے ایک مظہر الفت ہی سہی، تجھ کو اس وادی رنگین سے عقیدت ہے۔ میرے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

محبوب کہیں اور ملا کر مجھ کو..... یہ تو جو تاج محل میں ہمیں مل لیتی ہے۔ یہ تو نہیں ہے وہ مردہ شاہوں کے مقابر سے بہلنے والی اپنے تاریک مکانوں کو تو دیکھا ہوتا۔ یہ چمن زار یہ جمنا کا کنارا یہ محل' یہ منقش درو دیوار' یہ محراب یہ طاق'' (جب تک تو ہمیں زبانی یاد آئی، آج بھول گئی) اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق' میرے محبوب کہیں اور ملا کر مجھ کو۔ تو صفائی کرتے ہوئے یہ نظم پڑھتے ہوئے، جو میں نے آج سے 40-45 سال پہلے پڑھی۔ ہم سب نے پڑھی تھی کہ یہ خیال آیا کہ وہ شہنشاہ جو یہاں سے چلا گیا، اور جس نے اپنی محبت کا Symbol ایک خوب صورت سفید پتھر میں محفوظ کر دیا۔ اپنے طور پر' وہ بھی ایک انسان تھا۔ شاعر بھی انسان ہوتا ہے۔ دانش ور بھی انسان ہوتا ہے۔ شاعر نے اس کو اپنے ایک اور اینگل (زاویہ) سے دیکھا اور بادشاہ نے لاشعوری طور پر ایک، اور روپ سے دیکھا، اور پرسوں مجھے خیال آیا الماری صاف کرتے ہوئے کہ شاعر جن غریبوں سے محبت کرتا ہے، اور جن کا ساتھ دیتا ہے۔ وہ انہیں سوائے اس نظم کے کچھ نہیں دے سکا، اور وہ شہنشاہ جو فوت ہو گیا ہے، اور جو بادشاہ ہے، اور جو Symbol اچھا نہیں کہلاتا ہے، وہ اس وقت ہندوستان کو پونے دو ارب ڈالر سالانہ ٹورازم کے طور پر دیتا ہے، اور آگرے کے ساڑھے تیرہ ہزار گھرانے تاج محل کی وجہ سے اپنی اعلیٰ درجے کی روٹی کھاتے ہیں۔ جن میں فوٹو گرافر بھی ہیں، سنگتراش بھی ہیں، نقاش ہیں۔ پیتل کے وہ برتن جن کے اوپر تصویریں بنی ہوئی ہوتی ہیں، وہ بھی بناتے ہیں، تو آج ایک، اور اینگل سے مجھے یہ بات یاد آئی کہ ہم شاعر' دانش ور اپنی جذباتی کیفیت میں ہر ایک بات کرتے چلے جاتے ہیں، اور ہندوستان کو بڑا ناز ہے، اپنی فلم انڈسٹری پر، یہ اس کے لیے فارن ایکسچینج مہیا کرتا ہے، ہر سال آپ نظم لکھ سکتے ہیں کہ جذباتی بات بہت اچھی ہوتی ہے۔ میں وہ نہیں کہتا، میں اپنے ایک نئے زاویے کی' نئے رخ کی بات عرض کر رہا ہوں۔ غریبوں کو اتنا پیسا مل رہا ہے، وہاں پر، اور آگرے اور اس کے گرد و نواح کے لوگ اتنے مزے سے ایک تاج محل کی وجہ سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سینکڑوں سالوں وہ ایک صدقہ جاریہ ہے، جو اس بندے نے جو سچ مچ محبت کرنے والے نے، سچ مچ ایک شخص سے محبت کرنے والے۔ وہ اس کی بیوی ہو، کچھ ہو، اس کے جواز سے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا کی۔ جس سے کئی غریبوں کی کفالت ہو رہی ہے۔

آپ کے لیے بھی یہ سوچنے والی بات ہے۔ چلا میں کہاں سے تھا اور پہنچ کہاں گیا۔ یہ بڑی عجیب و غریب چیزیں ہوتی ہیں۔ بڑی مہربانی آپ تشریف لائے۔ میں تو اپنی الماری صاف کرتا ہوا، ایک یاد لے کر آ گیا۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

شیئرنگ

میرے اس پروگرام پر جہاں اور بہت سے اعتراض ہوتے ہیں، خاص طور پر ایک بات بار بار کہی جاتی ہے اور پوچھی جاتی ہے کہ آپ کے جو مہمان ہوتے ہیں وہ کوئی بات خود سے نہیں کرتے یا آپ انہیں کہنے نہیں دیتے۔ تو میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ میں کہنے نہیں دیتا۔ اس لیے کہ میں اپنی داستان گوئی ان کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ٹاک شو نہیں ہے' ڈسکشن شو نہیں ہے۔ اسے ایک اور انداز میں ہم نے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر اسی انداز میں چلے تو بہتر ہے۔ اگر آپ اس میں تھوڑی سی آرزو بھی رکھتے ہیں کہ آپ کو بھی شامل کیا جائے تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔ ابتدا میں بھی ایسے کیا تھا آج میری آرزو ہے۔ ردعمل کے طور پر یہ چاہوں گا کہ کچھ سوال آپ سے پوچھوں، میں ہی بات نہ کرتا رہوں۔ ہمارے یہاں لاہور میں پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس سے نکلتے ہوئے اگر آپ' ایک علاقہ ہے فیصل ٹاؤن' اس کی طرف جائیں تو راستے میں ایک مقام پر جہاں بڑی تیز رفتار گاڑیاں جا رہی ہوتی ہیں، کچھ جھگیاں ہیں، ان میں جو لوگ وہاں رہتے ہیں، میں کبھی کبھی ان سے کچھ باتیں کرتا ہوں، کیونکہ بہت ساری کہانیاں مفت ہی میں معلوم ہو جاتی ہیں۔ پڑھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہاں پر ایک ماسی عمری ہے، جو بڑی دانشور، اور دیدہ ور قسم کی خاتون ہے۔ وہ بڑی اچھی باتیں کیا کرتی ہے۔ تو ان سے میں تھوڑے دن ہوئے ملا تھوڑی دیر کے لیے۔ تو ان سے ایک عجیب و غریب چیز معلوم ہوئی جس پر میں غور کرتا رہا، لیکن کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا، جیسی کہ میری آرزو تھی کہ پہنچا جانا چاہیے۔ فی الحال یہ بات عرض کرنی چاہ رہا تھا کہ عطا جو ہے Giving' ڈونیٹ کرنا کسی کو یہ بڑا آسان کام ہے، الحمدللہ ہمارے پاکستان میں اس کی طرف خصوصی توجہ دی جا رہی ہے، اور لوگ بڑے مخیّر ہیں، اور وہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر بھی اس میں حصہ لیتے ہیں، اور وہ دیتے ہیں لوگوں کو' ضرورت مندوں کو، محتاجوں کو، لیکن ایک چیز ہوتی ہے سانجھ یعنی Sharing۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ شیئرنگ کی طرف آدمی راغب نہیں ہوتا۔ میری بیوی کہتی ہے۔ آج مجھے ایک بڑا خوفناک خواب آیا ہے، تم یہ پیسے لے جاؤ، صدقے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کا بکرا وہاں سے لو، اور ذبح کراؤ اور دے آؤ۔ اور اگر کوئی شخص آ کر شیئرنگ کی بات کرے کہ میرا یہ دکھ ہے اور اے اخبار والو میرا دکھ سنو، اس کو چھاپو مت، کچھ مت کرو، لیکن میرا بوجھ ہلکا تو ہو۔ وہ کہتے ہیں شیئرنگ ہمارا کام نہیں۔ ہم آپ کو کچھ دے دلا سکتے ہیں لیکن شیئرنگ کا کام نہیں کر سکتے۔ حالانکہ اس کائنات میں جتنے بھی جاندار ہیں، وہ اللہ نے شیئرنگ کے لیے پیدا کیے ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں یہ شیر، چیتا، پرندے، درخت، پودے یہ سب اسی کائنات میں اسی کرۂ ارض پر رہ کر ہمارے ساتھ شیئرنگ کرنے، سانجھ بنانے کے آرزومند ہیں۔ اس میں ایک بڑی حیرانی کی بات یہ ہوئی منظور صاحب (ہال میں ایک صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے) کہ جو جانور تھے، جو درندے تھے، جو چوپائے تھے۔ انہوں نے تو شیئرنگ میں پورا ساتھ دیا ہمارا۔ آپ غور کریں، لیکن انسان نے ان کے ساتھ شیئرنگ میں، سانجھ میں وہ سلوک نہیں کیا جو انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کی حیثیت سے کرنا چاہیے تھا۔ یعنی ایک معمولی سے ہاتھی دانت کی خاطر، اتنے بڑے ہاتھی کو مار دیتے ہیں، اور بے دریغ مارتے چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے ڈسپوزل کا بھی کوئی انتظام نہیں۔ اب روتے چیختے پھرتے ہیں کہ شیر جو ہے، Tiger جو ہے، اور لائن جو ہے، یہ کم ہو رہا ہے اس کو بچایا جائے۔ لیکن ایک وقت تھا کہ بے دریغ گورے نے خاص طور پر اسے قتل کیا، اور ختم کیا۔ پانڈا ایک جانور بڑا پیارا قلابازیاں لگانے والا بدھوسا، اس کو بالکل ختم کر دیا۔ تو انسان نے شیئرنگ کا فن نہیں سیکھا، اور اب لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے میں بھی وہ شیئرنگ کی طرف نہیں آتا، نہیں آنا چاہتا۔ یہ ایک بڑے المیے کی بات ہے، جنگل تھے بہت گھنے۔ خوب صورت، اعلیٰ درجے کے جو آپ کے حسن میں، اور آپ کے کرہ ارض کی تقویت کا باعث تھے، اسے کاٹ کاٹ کر صاف کر دیا۔

میں پہلی مرتبہ جب امریکہ گیا 1963ء میں، تو صبح اٹھ کے میں نے اخبار لیا نیویارک ٹائم۔ وہ میں لے کے چلا تو مجھے ایک لڑکی کہنے لگی Hay, you will take rest of it. تم تو بیچ میں سے اتنا اٹھا کے لے چلے ہو تو میں نے کہا باقی کچھ اور بھی ہے۔ اس نے کہا تم تو سارا اخبار چھوڑے جا رہے ہو۔ کوئی تقریباً 270 صفحے کا اخبار Sunday Edition چھپتا ہے وہاں۔ تو میں تو اسے اٹھا بھی نہ سکا، چونکہ میں پہلی منزل پر تھا اس لیے میں کندھے پر رکھ کے چلا، اور وہاں پر پہنچ گیا۔ پھر میں نے اسے پھیلا کے دیکھا۔ یا اللہ میں یہ کہاں سے پڑھنا شروع کروں؟ تو سیانے آدمی سے پوچھا کہ بھئی اس اخبار کو کیسے پڑھیں۔ اس نے کہا، یہ سارا نہیں پڑھا جاتا جو خواتین ہوتی ہیں وہ نکال لیتی ہیں کھانے پکانے والا حصہ۔ جو کپڑے سینے والے ہوتے ہیں وہ اپنا حصہ، وہ اپنے ایتھلیٹ جو ہوتے ہیں، وہ اپنے سپورٹس کا سیکشن نکال لیتے ہیں۔ بہت کچھ ہے پڑھنے کو تو وغیرہ وغیرہ۔ میں بڑا حیران ہوا لیکن میں نے سوچا، میں ان کو فون کر کے پوچھوں۔ میں آپ کا دفتر دیکھنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا، چلے آیئے۔ جب میں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

گیا تو میں نے ان سے پوچھا، یہ جو آپ اخبار کا Sunday Edition چھاپتے ہیں۔ اس پر کتنا کاغذ خرچ آتا ہے، تو انہوں نے کہا، ہمارے سنڈے ایڈیشن پر تقریباً تقریباً 10 ایکڑ درخت کٹتا ہے، تو پھر اس کا پلپ بنتا ہے تو پھر یہ کاغذ بنتا ہے، اور پھر اس پر چھپتا ہے۔ ایک انفرمیشن دینے کی خاطر جو میں سمجھتا ہوں، اتنی زیادہ اعلیٰ پائے کی انفرمیشن بھی نہیں ہے، جو انسان کو وہ کچھ عطا نہیں کرتی جو انسانیت کا شرف ہے۔ اتنا سارا کاغذ پلپ کی صورت میں بنا کر درختوں کو کاٹتے چلے جاتے ہیں۔ تو پھر میرے تجسس اور تحقیق کا دائرہ بڑھا، تو ٹائم نیوز والوں کا کاغذ بڑا تھن Thin ہوتا ہے، اور خاص قسم کا۔ انہوں نے کہا، ہم اپنا کاغذ خود بناتے ہیں۔ اب چونکہ جنگل ختم ہوتے جا رہے ہیں اس لیے ہم نے ایسے Ships بنائے ہیں جن کے اوپر پلپ بنا کر کاغذ تیار کرنے کے کارخانے ہیں، اور دنیا کے ہم ایسے علاقوں میں وہ شپ لے کر گھومتے رہتے ہیں جہاں جنگل قریب ہوں، وہاں سے کاٹ لیں۔ پھر یہی اخبار والے رونے لگ گئے ہیں کہ خدا کے واسطے اس کرۂ ارض کو بچایا جائے۔ اس میں بڑی پولیوشن Pollution ہو رہی ہے۔ اس کی لیئر Layer جو ہے وہ پھٹ گئی ہے۔ یہ سب کچھ انسان ہی کی وجہ سے ہوا۔ یہ دردناک قصہ بڑی دردمندی سے اس لیے آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں کہ ہم عطا کرنے میں تو شیر ہیں لیکن شیئرنگ کرنے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ قدرت کے بڑے مظاہر ہیں، جو بڑی طاقتیں کہہ لیں، ان کو ہم سب شیئر کرنے پر مجبور ہیں۔ چاند ہے، سورج ہے، ستارے ہیں، ہوا ہے، آسمان ہے یہ سارے ہم شیئر کرتے ہیں، کیونکہ اللہ کی مہربانی ہے۔ اگر خدانخواستہ ان پر بھی ہمارے قبضے ہونے شروع ہو جائیں، جیسا کہ ہو رہے ہیں۔ بڑے فخر سے کئی دفعہ ہم نے لکھا ہوتا ہے کہ کائنات کے اوپر ہم کمندیں ڈال کے اس کو اب تسخیر کرنا ہے، کائنات نے آپ کا کیا بگاڑا ہے کہ آپ اسے تسخیر کریں گے۔ کیا کریں گے تسخیر کر کے۔ یہ کہا جائے کہ ہم اس کے ساتھ ایک دوستی کرنا چاہتے ہیں۔ اک محبت کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح لوگوں کے ساتھ انسانوں کے ساتھ بھی آدمی محبت کرے۔ اور انسان اگر غور سے دیکھے تو سب سے بڑی چیز جو وہ سانجھ میں رکھتا ہے، وہ اس کا تنفس ہے، سانس ہے۔ میں جو سانس اس وقت لے رہا ہوں، یہ غالباً چلتا چلتا کسی جنگل میں پہنچتا ہے۔ کسی ہاتھی، کسی مگرمچھ کا حصہ بنتا ہے۔ اس کا تنفس آیا ہوا یہاں پہنچتا ہے۔ ایک تعلق ایک Relatedness کی بات ہوتی ہے' انسان ایک انسان سے ٹوٹ کر' بکھر کر پریشان و حیران ہو رہا ہے، اور اس کو سمجھ میں نہیں آ رہا، یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے، اور باوجود اس کے کہ وہ بڑی گہرائی کے ساتھ، اور گیرائی کے ساتھ اپنے سارے مسائل کو سمجھنے کی کوششیں کر رہا ہے۔ ایک مسئلے کو جو ہمارے بزرگانِ دین صوفی کہا کرتے ہیں کہ وہ بڑے صاحب حال بزرگ تھے۔ مثلاً وہ حال ان پر وارد تھا۔ وہ اس مشکل میں مبتلا ہوئے، اور اس مشکل کو سمجھ کر پھر اس کا حل نکالا کرتے تھے۔ میں، آپ یا اور پڑھے لکھے آدمی اس مشکل کے اندر داخل نہیں ہوتے۔ میں نے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

آپ سے پہلے بھی شاید ایک دفعہ بتایا تھا کہ ہمارے بابا جی کے پاس ایک لڑکی آئی۔ اس کے بازو کے اوپر پھنسیاں تھیں۔ بڑی موٹی موٹی خوفناک قسم کی دودھیا۔ پیپ سے بھری' تو انہوں نے دیکھا تو کہا، اس کا کرتے ہیں کچھ۔ ایک دن گزر گیا۔ شام کو مغرب کے وقت میں نے دیکھا تو وہ، اور اس کا باپ بیٹھے ہوئے۔ میں نے کہا بابا جی، اس پر کوئی دوائی لگانے والی لگا دیتے۔ تو کہنے لگے، دوائی ابھی ذہن میں نہیں آ رہی۔ میں نے کہا جی کیوں ذہن میں نہیں آ رہی۔ کہنے لگے، جب یہ پت میرا حال ہوگا تو مجھے سمجھ میں آئے گی نا، یہ چیز کیا ہے۔ اب تو یہ میرا حال نہیں۔ میں نے کہا۔ حال کیا ہوتا ہے۔ کہنے لگے۔ مجھے نہیں پتا چل رہا اس بیماری کا۔ تو دوسرے دن ان کے بدن پر ویسی ہی پھنسیاں نکل آئیں، اور ان کی آرزو بھی پوری ہوگئی۔ پھر انہیں پتا لگا، یہ مرچیں کیسی لگتی ہیں۔ دیکھیں نا، آپ کا کوئی دوست کہتا ہے کہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے، تو آپ کو محض کتابی سا اندازہ ہوتا ہے کہ سر درد ہے لیکن وہ جس کیفیت سے گزر رہا ہے اس کا اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ کیسا ہے۔ جب تک آدمی اس سانچہ میں داخل نہیں ہوگا تب تک وہ صاحبِ حال نہیں بنے گا۔ مجھ پر ہنستے ہیں۔ میرے بچے یہ سارے پڑھے لکھے ہیں، اور گھر میں بھی، اور باہر بھی۔ یہ آپ کیا بات کرتے ہیں، صاحبِ حال کی۔ زمانہ ترقی کر گیا ہے۔ سائنس کہیں پہنچ گئی ہے۔ کلوننگ ہوگئی۔ بھیڑ اتنی بڑی ہوگئی ہے۔ اس نے دو بچے بھی دے دیئے ہیں، اور آپ ابھی تک وہیں پھنسے بیٹھے ہیں بابوں کی بات کرتے چلے جاتے ہیں۔ تو میں کہتا ہوں، کلوننگ بھلے ہوتی رہے۔ سائنس آپ کی آگے بڑھتی رہے، لیکن انسان کا رشتہ قدرت کے ساتھ، اور روح کے ساتھ ایسا ہی ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی آئے گی نہیں۔

اللہ نے جو قوانین طے کر دیئے ہیں جو اللہ کی سنت ہے اس کے مطابق کام چلتا رہے گا۔ بڑے بڑے معاشروں کی زندگی میں دن آتے ہیں جو دن وہ مناتے ہیں، وہ دن اس وقت تک نہیں منایا جا سکتا، جب تک سب کی شیئرنگ نہ ہو۔ یہ نہیں کہ ایک آدمی کھڑا ہو جائے اور کھڑا ہو کر کہے، جناب! ہم نے یہ کام کر دیا ہے' یا یہ توپ چلا دی ہے۔ عید آتی ہے نا، اگر صرف آپ کا ہی گھرانا عید منائے۔ بہت اچھے کپڑے پہنے، اور باقی کے لوگ اس میں شامل نہ ہوں، تو پھر وہ عید نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے اسی طرح سے کوئی اور دن آ جائے بڑا خوبصورت، 14۔ اگست کا آپ مناتے ہیں۔ بازار میں نکلتے ہیں وہاں Display ہوتی ہے۔ تو جبھی ہوتی ہے جب اس کو سارے مل کے کرتے ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ ایسے دنوں کو آپ عطا کے حوالے کر دیں کہ جاؤ تم میری طرف سے دیکھ آؤ کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہاں آپ کو شریک ہونا پڑتا ہے۔ اب مثلاً دیکھیے اب ہمارا یہ 28 مئی کا دن ہے (اس دن پاکستان نے ایٹمی دھماکے کیے تھے)۔ کتنا بڑا دن ہے، لیکن یہ سب سارے کا سارا سائنس دانوں یا ٹیکنالوجیز کا دن نہیں ہے۔ پوری قوم اس میں شامل ہے۔ آپ کا، سب کا ہے۔ ان لوگوں کا بھی ہے،

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جنہوں نے اتنی گہری سرنگ کھودی۔ ان لوگوں کا بھی ہے جو بڑھئی اور ترکھان، ان کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے۔ وہ ویلڈر جن کو ہم نہیں جانتے جن کو ضرورت ہوتی ہوگی، وہ بھی اس میں ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ چلیے وہ تو وہ ہو گئے، ہم ان کو سلام کرتے ہیں۔ لیکن ہم اپنے آپ کو بھی سلام کرتے ہیں کہ ہم چودہ کروڑ آدمی اس آرزو میں، اور اس دعا میں برابر کے شریک تھے، اور یہ کارنامہ ہمارا کارنامہ ہے، اور ہم اس میں چلے آ رہے ہیں۔ اچھا یہ تو ہوا ایک بہت بڑا کارنامہ، ایک بہت طاقتور کارنامہ ہے، اور جس نے پوری دنیا کو ہلا کے رکھ دیا، اور ہمارا سر فخر سے اونچا کیا۔ اس کی دھمک چاغی میں سے ہوتی ہوئی واشنگٹن ڈی سی کی اس جگہ گئی، اس مشین کے اوپر جس نے واضح طور پر بتایا کہ اس کی طاقت اتنی ہے، اور اس کا حجم ایسا ہے، اور اس کی ماہیت ایسی ہے۔ تو یہ بات طے پا گئی۔ اس میں ہم سب شریک ہیں۔ بہت بڑی طاقتور چیز جو ہو، وہی آپ کو Unite کر دے۔ بہت ہی کمزور چیز، اور بہت ہی دھیمی چیز شوال کا چاند ہوتا ہے، کبھی نظر آتا ہے، کبھی نظر نہیں آتا۔ تھوڑی دیر کے لیے ہوتا ہے، اور سب دیواروں پر چڑھے' کوٹھوں پر چڑھے اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں نا۔ تو وہ کھڑے ہو کے دیکھتے ہیں، اور وہ بڑا دھیما سا ہوتا ہے، وہ بھی ہمیں تقویت عطا کرتا ہے۔ یہ شیئرنگ کی برکت ہے۔ اگر یہ سانجھ نہ ہو تو یہ کوڑی کے کام کی نہیں ہے، اور نہ رہ جاتی ہے۔ صرف عطا کرنا یا دینا ہی سب کچھ نہیں ہوتا ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ پانچ ہزار روپے ہیں، دے آؤ۔ یہ اتنا ہے، سکول کو دے دو۔ یہ اس کو چندہ دے دو۔ ٹھیک ہے لیکن چندے کے ساتھ رہنے والے اور لوگ بھی ہیں، جو یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ آئیں، اور ان کو دیں، ہم کو یہ تقویت حاصل ہو، اور ہم کو یہ عزت ملے کہ ہم سب مل کر یہ کام کریں۔

تو میں یہ جو عرض کر رہا تھا کہ وہ سڑک جس سے میں کبھی کبھی گزرا کرتا ہوں، وہاں جو ماسی عمری ہے، وہ مجھے بتا رہی تھی۔ چار پانچ دن ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا، تم لوگ بڑے خوش ہو، اور تمہاری جھگیوں میں یہ بڑے بڑے ڈبے پڑے ہیں۔ تو اس نے کہا، یہ شیخ صاحب نے بھیجے ہیں۔ تو کہنے لگی، جی ان میں سوغاتیں ہوتی ہیں۔ تحفے ہوتے ہیں اور بھی خواتین آ کر اکٹھی ہو گئیں۔ کہنے لگی، اللہ بھلا کرے شیخ صاحب کا' بڑے اچھے آدمی ہیں۔ پھر کہنے لگی، بابا جی ہم نے کبھی شیخ صاحب کی شکل نہیں دیکھی۔ کبھی آج تک دیکھا نہیں، کون ہیں جب انشاء اللہ ہم فوت ہوں گے، اور شیخ صاحب بھی فوت ہوں گے، تو پھر وہاں جا کے ان سے ملیں گے۔ فوت ہوئے بغیر شیخ صاحب سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ہم یہ آرزو لیے بیٹھے ہیں مرنے کی۔

تو یہ لمحہ فکریہ ہے کہ ہم نہ صرف کر کے شیئر نہیں کرتے، کھانے نہیں کرتے، ہم نفانفسی میں کیوں مبتلا ہیں؟ آج میں آپ سے یہی پوچھنے آیا تھا، اور اب میں آپ سے ضرور پوچھوں گا، اس لیے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کہ آپ مجھ پر الزام دیتے ہیں کہ آپ ہی بات کیے جاتے ہیں۔ ہم زیادہ بہتر بات کر سکتے ہیں۔ یقیناً آپ زیادہ بہتر بات کر سکتے ہیں۔ یہ بتائیے کہ کیا ہم لوگ عام لوگ، ساری دنیا کے لوگ سوچنے میں سمجھنے میں غور کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے۔

بالکل رکھتے ہیں لیکن ہم چیزوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ چیز میں مکان بھی ہے، پیسا بھی ہے، ٹی وی بھی ہے، موٹر کار بھی ہے، صرف موٹر کار نہیں، اچھی موٹر کار ہے، اس سے بہتر موٹر کار، ہم چیزوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ تو پھر جو جاندار کے ساتھ شیئر کرنا ہے، اس کا تصور ختم ہو گیا ہے۔

بھاگنا ہی پیدا ہو گیا، یعنی یہی تو مسئلہ ہے۔

آپ کا جو ٹیلی ویژن پروگرام ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں یہی بھگا رہا ہے چیزوں کے پیچھے۔ کیونکہ اس کے پروگرام جو ہیں ان پروگراموں میں جو ٹائم ہے، اس ٹائم میں سے آدھا ٹائم یہی ہوتا ہے کہ آپ فلاں چیز خریدیں، فلانی چیز خریدیں۔ فلانی چیز بڑی گلیمرس، اور فلانی چیز میں آپ بڑے حسین لگیں گے۔ ان میں ٹی وی کمرشل کا بڑا ہاتھ ہے۔ دیکھیے! کیسا اچھا ٹاک شو ہو گیا ہے۔

آپ ان چیزوں کے پیچھے بھاگتے ہیں، جو آپ کی من چاہی چیزیں ہوتی ہیں، بالکل تمنا کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ جن چیزوں کو آپ نہیں پسند کرتے یا جو آپ کے تفاخر میں اضافہ نہیں کرتی ہیں۔ ان چیزوں کو آپ چھوڑ دیتے ہیں تو یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے کہ جتنی آسانی کے ساتھ ہم نے کہا۔

مذہب سے جو دوری ہو گئی ہے روحانیت سے، بس یہ جو ہم نے چیزوں کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا ہے۔ ہمارے اندر جو روح ہے نا اس کا گلا دبا دیا ہے۔

میرے ابا جی تھے، اور میرے دادا تھے۔ ان کی روح کا گلا تو نہیں دبا تھا، اب یہ کیوں دب گیا ہے۔

اُس وقت ترغیب کے چانسز، اور مواقع کم تھے، کیونکہ میڈیا کا پھیلاؤ کم تھا۔ اس وقت تعلیم پانا ضروری تھا۔ میں جا کے ٹی وی دیکھتا ہوں، اور ٹی وی پر کسی اچھی چیز کے پراڈکٹ کا اشتہار دیکھتا ہوں، اور میرے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے، میں اس کو خریدوں۔

تو کیا لوگ سوچنے سمجھنے' غور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اور کیا وہ سوچنے سمجھنے، اور غور کرنے پر اپنے آپ کو مامور کرتے ہیں؟ یہ آج کا سوال ہے۔

لوگ سوچ رہے ہیں دو طرح سے، ایک دائرے کے لوگ ہیں جو لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق سوچنے پر مائل کر رہے ہیں۔ ایک وہ دائرہ ہے، جو ان کے تابع ہو چکا ہے، اور ان کا اسیر ہے، اور جس طرف وہ پہنچانا چاہتے ہیں، اس طرح سے لوگ سوچتے چلے آ رہے ہیں۔ اب اس میں مجھے ایسا لگتا ہے جیسا کمرشلائزیشن، جیسا منظور صاحب بات کر رہے تھے کہ چیزوں کی فیسی نیشن اس

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

قدر ہو چکی ہے۔ ان کے اندر کشش اس قدر ہے کہ وہ مقناطیس کی طرح ہمیں کھینچ لیتی ہے، اور اس معاشرے میں جس میں ہم آج موجود ہیں، اور زندہ ہیں، اس میں مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ ہماری ہی کوتاہیوں کے باعث بہت ساری Negative چیزیں اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ اب ہم لوٹ نہیں سکتے۔

میں لوٹ کے پھر اس طرف آؤں گا، اور بار بار ایک سکول ٹیچر کی طرح رہوں گا کہ کیا ہم سوچنے سمجھنے کی طرف مائل ہوتے ہیں یا نہیں آپ تو یہ Indicate کر رہے ہیں کہ ہم بالکل سوچتے سمجھتے نہیں ہیں، جیسی بنی بنائی چیزیں ہمیں دی جاتی ہیں، ان کے پیچھے بھاگتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ اس میں دو طرح کے لوگ ہیں

بات بالکل آپ کی سمجھ میں آ گئی ہے کہ ایک بندہ تو آپ کو بھگاتا ہے، اب آپ، اور باقی نوے ننانوے فیصد اس کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، تو وہ نہیں سوچتے ہیں، تو پھر وہ ایک فیصد والا بھی نہیں سوچتا ہے۔ کیونکہ وہ تو غرض مند آدمی ہے۔ وہ سوچ والا آدمی نہیں ہے۔ اس کو ایک چاہت ہے۔ غرض کا بندہ ہے۔ ڈاکٹر عاصم کا میں ذکر کر رہا تھا، سائیکالوجسٹ کا۔ وہ کہتا ہے کہ کچھ لوگ سوچنے سمجھنے کی آرزو نہیں رکھتے ہیں۔ بیشتر وقت شطرنج کھیلنے میں، تاش کھیلنے میں گزارنا پسند کرتے ہیں۔ کچھ لوگ گاڑی لے کر گھومنا شروع کرتے ہیں۔ اسی نوے میل بلا مقصد گھوم جاتے ہیں، اور اسی بلا مقصدیت کے اندر انسان جو ہے، وہ اپنے آپ کو گم کرتا چلا جا رہا ہے، میں آپ کو یہ ایک لمحہ فکریہ دے کے جا رہا ہوں کہ اب آپ نے کل سے کیا کرنا ہے۔ کیا اپنی سوچ کو لے کر چلنا ہے، یا بنی بنائی سوچ کے انتظار میں صبح آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کے دروازے پر سے سوچ کو اٹھانا ہے، جیسی کہ آپ کو فیڈ کر دی گئی ہے، اور اس کو اپنا حرزِ جاں بنا لینا ہے۔ اللہ آپ کو بہت خوش رکھے، اور اللہ آپ کو بہت آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

انسان کو شرمندہ نہ کیا جائے

آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

کئی دفعہ زندگی میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی قصوروار نہیں ہوتا، مجرم نہیں ہوتا لیکن وہ مجرم، قصوروار گردانا جاتا ہے، پکڑا جاتا ہے۔ زندگی میں ایسی باتوں سے اگر ہم زیادہ شدید نہ ہوں، سنجیدہ نہ ہوں تو ہنسی آتی ہے کہ اس میں میرا کوئی عمل دخل ہی نہیں تھا تو میں کیسے پکڑا گیا۔

ہم ڈیرے پر حاضر تھے تو پانچ پڑھے لکھے، اچھے، شریف، ذہین، دانش مند لوگ جو وہاں موجود تھے، وہ پکڑے گئے۔ بابا جی نے ہماری پیشی کروادی حالانکہ اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں تھا، اور ہم نے کوئی ایسی خرابی نہیں کی تھی۔ لو جی ہماری سرزنش شروع ہوگئی۔

اصل میں بابا جی کسی بڑے جلسے سے آئے تھے، اور زندگی بھر وہ کسی بڑے جلسے میں نہیں گئے تھے، لیکن ان کا کوئی مرید ہمارے الحمرا ہال میں جو اس زمانے میں بڑا ہال متصور ہوتا تھا، لے گیا۔ وہاں پر ان کو ایک ایسے لیکچرار کا لیکچر سننا پڑا جو بڑی اچھی دردمندی کی باتیں کر رہا تھا، اور پاکستان کو دل و جان سے چاہتا تھا، اور بابا جی اس کی باتیں سن رہے تھے۔ لیکن جب سب لوگ سر دھن رہے تھے، تو اکیلے شاید وہی تھے جو اس کے اوپر ویسی توجہ نہیں دے رہے تھے جیسی کہ دی جانی چاہیے تھی۔ اس شخص نے کہا۔ دیکھو! میرے پیارے ہم وطنو پاکستان بن گیا۔ اللہ کی ہم پر بڑی مہربانی ہوئی ہے۔ یہ خاص عطیۂ خداوندی ہے اور ہم جتنا بھی اس کا شکریہ ادا کریں، کم ہے۔ اگر یہ پاکستان نہ بنتا تو میں جو اس وقت آپ کے سامنے کھڑا ہوا، اس وقت ایک یونیورسٹی کا وائس چانسلر ہوں، میں یا تو ایک چپڑاسی ہوتا یا معمولی ایک کلرک ہوتا، اور یہ پاکستان ہی کی وجہ سے ہے کہ ایسے اونچے مقام پر کھڑا ہوں۔ آپ کو مخاطب کر رہا ہوں۔ بڑی اچھی بات تھی۔ ہم اکثر یہی کہتے ہیں، آپ نے اکثر سنا ہوگا' اب ہم کو انہوں نے بلا لیا، اور قطار میں کھڑا کر کے کہا، دیکھو پیارے بچو! ایسی بات نہیں کرتے۔ ہم نے کہا اگر اللہ ہمیں موقع دے، ہم بھی ضرور ایسی ہی بات کریں گے۔ کچھ بہت اچھے رتبے پر ہیں، اور جا رہے ہیں تو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہمیں یہی کہنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ خبردار جس شخص نے یہاں رہ کر ذرا سی بھی تربیت حاصل کی ہے، میں اس کو یہ بات کہنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ ہم بڑے حیران ہوئے کہ سر یہ کیا بات ہوئی۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے، اور اس کا تو اعلان عام ہونا چاہیے، اور ہم پاکستان کی سارے شعبوں کی بات کرتے ہیں، لیکن انہوں نے بڑی سختی سے منع کیا، اور پتا یہ چلا کہ یہ جو دو تین ہزار آدمی اس شخص کی بات سن رہے تھے، وہ شرمندہ ہو رہے تھے کہ یہ اس مقام پر پہنچ گیا پاکستان بننے کے بعد، جبکہ ہم ویسے ہی چھوٹے مقام پر ہیں۔ ان کے دل پر کیا بیتی؟ بابا جی کو دل کا بہت خیال تھا، اور آدمی کا بہت خیال تھا، ترقی کا، سائنس کا، یا رتبے کا بالکل نہیں۔ وہ کہتے تھے کہ یہ بات کہنا، اور اپنے ہم وطنوں کو اپنے قریبی عزیزوں کو شرمندہ کرنا جو ہے، بڑا ہی قبیح فعل ہے، اور پھر وہاں پر رہنے کے بعد ایک اور بات کا اس میں اضافہ ہوا۔ ایک اور بات کا، وہ یہ کہ ہم کو بڑی سختی سے منع کیا گیا کہ چونکہ آپ ایک ایسے مقام پر رہتے ہیں جہاں روحانیت کی باتیں ہوتی ہیں۔ تو اگر تم میں سے کسی کو خوش نصیبی سے نبی کریم ﷺ کی زیارت ہو خواب میں، وہ ہرگز ہرگز کسی دوسرے سے اس کا ذکر نہ کرے، یعنی اتنا بڑا رتبہ اتنی بڑی سعادت اور یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ ہرگز یہ بات نہ کریں۔ چونکہ ہم بولتے نہیں تھے۔ تو ہم نے کہا، بہت بہتر لیکن یہ بات ہمارے دل میں رہی، اور تجسس پیدا ہوا۔ ایک دن گزر گیا دو دن گزر گئے۔ میں جو بہت بے چین تھا کہ اس بات کی وضاحت ہونی چاہیے اور تھوڑا سا میں منہ چڑھا بھی تھا۔ میں ان سے ڈرتے ڈرتے بہت سی عجیب و غریب سی باتیں بھی پوچھ لیتا تھا۔ میں نے کہا، حضور یہ بتائیے کہ اس دن یہ بات کی تھی کوئی ایک ہفتہ ہوا کہ اگر کسی خوش نصیب کو زیارت نصیب ہو حضور پاک ﷺ کی تو اس کا ذکر نہ کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ جو سننے والے ہوں گے۔ وہ بہت خفت محسوس کریں گے کہ دیکھو یہ آدمی بڑا خوش نصیب ہے۔ اس کو تو زیارت ہوگئی، ہم بڑے کم نصیب لوگ ہیں۔ ہم میں کوئی نہ کوئی خرابی موجود ہے۔ اس کی وجہ سے ہمیں اتنا بڑا یہ اعزاز، اور شرف حاصل نہیں ہوا۔ خبردار کسی کو شرمندہ کرنا تمہارا شعار نہیں ہے۔ اگر تم آدمی کو شرمندہ کرو گے، تو تمہارا یہاں آنا محدود ہو جائے گا، اور آپ کے Rights ریزرو ہو جائیں گے۔

خواتین و حضرات! ہم تو اپنے آپ کو برتر ثابت کرنے کے لیے اپنی ذات کو چوگا دیتے رہتے ہیں، اپنا میک اپ کرتے رہتے تھے۔ اور حکم ہے کہ خبردار دوسرے بھی لوگ تمہارے ساتھ رہتے ہیں، باقی کے بارہ کروڑ جتنے بھی آدمی ہیں، ان کو شرمندہ کرنا آپ کا منصب نہیں۔ آپ اس دنیا میں اس لیے نہیں آئے ہیں کہ آپ لوگوں کو خفیف کریں، ان کو شرمندہ کریں۔ یا باعث بنیں ان کی نکبت کا، ان کی خجالت کا۔ تو اس ٹریننگ میں سے گزرتے ہوئے بڑے سال لگے۔ لیکن بدقسمتی سے یہ ٹریننگ پوری نہ ہو سکی۔ چونکہ ڈیرے کے باہر جو عمل چل رہا تھا، وہ استکبار کا عمل تھا، تکبر کا عمل تھا، اور ہماری

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ساری کی ساری قوم تکبر کی راہ پر گامزن تھی، اور تکبر کی وجہ سے ہر شخص اپنی ذات کا ہو کر رہ گیا تھا، اور مجھے رہ رہ کر ایک ہی خیال آتا تھا کہ کسی زمانے میں ایک رنگین کارٹون دیکھا تھا سینما میں۔ کہ ایک کشتی ہے۔ وہ سمندر کی لہروں پر چلی جا رہی ہے، اور اس میں آٹھ آدمی سوار ہیں۔ چار ادھر بیٹھے ہیں، اور چار اس کے آگے نوک کے اوپر، تا کہ کشتی کا وزن، اور توازن برابر رہے۔ اچانک جو آگے کا حصہ ہے، اس میں سوراخ ہو جاتا ہے اور تیزی سے پانی اس کے اندر داخل ہونے لگتا ہے اور کشتی بھرنے لگتی ہے۔ تو جو پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی تھے، ان میں ایک اٹھتا ہے ایک ڈبا لے کر، اور وہ چاہتا ہے کہ پانی نکال دے تو دوسرا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور کہتا ہے خبردار! سوراخ ان کی طرف ہوا ہے ہمیں کیا ضرورت ہے اس کام میں، وہ جانیں یا ان کا کام جانے۔ بیٹھ جاؤ آرام سے۔ وہ واقعی آرام سے بیٹھ جاتا ہے، تو کبھی کبھی اپنے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے، وہ کارٹون یاد آ جاتا ہے

اس پروگرام میں مَیں تو صورتِ حال آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ ہماری زندگی میں یہ داخل نہیں ہوا تھا کہ دوسرے آدمیوں کو کبھی شرمندہ نہیں کرنا۔ ہم تو پڑھتے ہی اس لیے تھے، اور ڈگریاں اس لیے حاصل کرتے تھے کہ دوسرے آدمی کو شرمندہ کر سکیں۔ آپ کے ملک میں دیکھیے، اتنی اتنی بڑی خبریں چھپتی ہیں کہ ہمارا ملک اس وجہ سے ترقی نہیں کرتا کہ اس میں پچاس فیصد لوگ جاہل اور ان پڑھ ہیں۔ میں ان سے بڑی درخواست کرتا ہوں۔ میں نے دفتروں میں بھی حاضر ہو کے کہا تھا، طریقے سے یہ خبر بتایا کریں۔ چونکہ جو آدمی کسی وجہ سے پڑھا نہیں ہے، اس کو کیوں شرمندہ کرتے ہو۔ میرے ساتھ اس طرح کا ایک واقعہ بھی گزر چکا ہے۔ ڈھاباں سنگھ ایک منڈی ہے۔ دانہ منڈی میں وہاں پر ٹریکٹر سے بوریاں اتار کے مزدور لوگ' وہ منڈی میں پھینک رہے تھے۔ اور دانہ منڈی کے ایک آڑھتی کا منشی یہ اخبار پڑھ رہا تھا کہ ہمارے ملک کی بری حالت ہے۔ اس میں 85% لوگ ان پڑھ ہیں جو کچھ نہیں کر سکتے، نہ ملک کا بنا سکتے ہیں، نہ بگاڑ سکتے ہیں۔ جب تک ملک تعلیم یافتہ نہیں ہوگا، اس وقت تک اس کی حالت نہیں بدلے گی۔ وہ اب اونچی آواز میں پڑھ رہا تھا۔ میری آرزو تھی کہ اگر یہ خبر اونچی نہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں، اور وہ جو بے چارے مزدور، اور کسان بڑے خوب صورت' صحت مند بوریاں اٹھا اٹھا کر نیچے لا رہے تھے، اور وہ گندم آ رہی تھی پور میں، اور وہ گندم میرے گھر میں پہنچ رہی تھی، جس سے مجھے، اور میرے بچوں کو پلنا تھا' جو ہماری زندگی کا سہارا تھی۔ جو انہوں نے بڑی محنت سے' بڑی محبت سے اگائی تھی اور جسے بڑی محنت، اور محبت سے مجھ تک پہنچا رہے تھے۔ ان کو یہ سنایا جا رہا تھا کہ دیکھو تم تو جاہل لوگ ہوتے ہو، اور جاہل جب تک رہیں گے، ہم ترقی نہیں کر سکیں گے۔ میں ضرور چاہتا ہوں کہ ہمارے ملک میں علم کی شمع روشن ہو، اور اس کی روشنی دور دور تک پہنچے، لیکن جب تک یہ لوگ شرمندہ کرتے رہیں گے تو آپ کا ملک کمزور ہوتا رہے گا۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہر آدمی جاہل تو نہیں ہوتا نا، جاہل ہونا کچھ اور بات ہے۔ یہ ابھی تک معلوم ہی نہیں کہ پڑھے لکھے آدمی کی Definition کیا ہے، کس base پر رکھا جا رہا ہے یا پھر اس کو جو اخبار پڑھ رہا ہے، اس کو پڑھا لکھا کہا گیا ہے، اور پھر یہ بات ہے کہ ہم ابھی تک یہ کلیئر ہی نہیں کر سکے کہ پڑھے لکھے آدمی کی Definition کیا ہے۔

یو این او نے ساری دنیا کے لیے پڑھے لکھے کی Definition مقرر کر دی ہے جو شخص حرف شناس ہو۔ اب پ ت کو پہچان سکتا ہو، اور اپنا نام لکھ سکتا ہو۔ اس کو یو این او والے پڑھا لکھا آدمی متصور کرتے ہیں۔

پاکستان میں بھی یہی ہے کیا۔

وہ تو ہم U.N.O کے ساتھ چل رہے ہیں نا۔ دنیا کا وہ ادارہ ہے۔

ہر مردم شماری میں یہ بدل جاتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں پیراگراف پڑھ سکتا ہو تو اس کو ہم پڑھا لکھا کہیں گے۔ کبھی کچھ اور ہوتا ہے، کوئی کرائیٹیریا نہیں ہے، ہمارے ہاں۔

دیکھیے ہمارا فورم ڈسکشن کا نہیں ہے، لیکن پڑھے لکھے کی تعریف انٹرنیشنل سطح پر مقرر ہو چکی ہے۔ میرے نزدیک کم سے کم پڑھا لکھا آدمی بی اے ہے۔ آرمی کے نزدیک پڑھا لکھا آدمی کم سے کم ایم اے ہے۔ ڈاکٹر کے نزدیک کم سے کم پڑھا لکھا Ph.D ہے، اس طرح یہ تو کام آگے چلتا ہے۔

مشکل یہ پڑ رہی ہے کہ جو پڑھا لکھا آدمی ہوتا ہے بہت اچھا ہوتا ہے۔ اللہ نے اس کو بڑی صلاحیت دی ہوتی ہے۔ وہ یہ سوچتا نہیں ہے۔ ایک سٹیج پر کھڑا ہو کے کہے گا دیکھو پاکستان بن جانے سے میرا رتبہ کتنا بڑھا ہے۔ میں اپنے رتبے کی بات کرتا رہوں گا۔ میرے ذہن میں، لاشعور میں یہ خیال نہیں آئے گا کہ بہت سے لوگ بیٹھے ہیں۔ سامنے سننے والے جو کسی بھی رتبے تک نہیں پہنچ سکے، لیکن وہ کنٹری بیوٹ کر رہے ہیں کسی نہ کسی طرح سے ملک کی اکانومی میں۔

فرض کریں وہ کنٹری بیوٹ نہیں کر رہے، لیکن وہ انسان ہیں، اور ان کا استحقاق ہے زندہ رہنے کا۔ میری پیاری بی بی اس کائنات میں جب دوسرا شخص پیدا ہوا تھا۔ پہلے کے حقوق آدھے رہ گئے تو دوسرا شخص کون تھا، کیسا تھا۔ کنٹری بیوٹ کرتا تھا یا نہیں کرتا تھا لیکن یہ رہ گیا۔ میں جو اس ملک میں رہتا ہوں۔ میرے حقوق 1/14 کروڑ ہیں، میں یہ کہوں کہ میں چونکہ یہاں بیٹھا ہوا بات کر رہا ہوں اور آپ میری شکل دیکھ رہے ہیں، میں تعلیم یافتہ ہوں۔ حقوق کے معاملے میں ہم برابر ہیں۔ یہ مساوات ہم کو خاص طور پر دی گئی ہے۔ آپ لوگ اکثر پوچھتے ہیں اور اس بات پر غم کا اظہار کرتے ہیں، اور یہ جائز طور پر آپ کے دل کا غم بنا ہوا ہے کہ مسلمانوں میں اتفاق کیوں نہیں ہے؟ بہت سوچتے ہیں ہم۔ ہمارے ہاں ہی نہیں ساری ملتِ اسلامیہ میں، ساری امت میں، عالم اسلام میں اتفاق کیوں نہیں ہے۔ یہ واقعی دکھ ہے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہمارا، اور بڑی دردمندی کے ساتھ دل سوزی کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں؛ لیکن موٹی سی بات یہ ہے کہ اس وقت تک نااتفاقی قائم رہے گی جب تک دوسروں کے حقوق کسی جگہ تلف ہو رہے ہوں گے۔ جونہی آپ نااتفاقی کو محسوس کریں آپ فوراً اندازہ لگا لیں۔ آپ کے پاس ایک تھرمامیٹر ہے کہ دوسرے آدمیوں کے حقوق جو ہیں، وہ تلف کیے جا رہے ہیں، ضائع کیے جا رہے ہیں۔ اس لیے نااتفاقی ہے، اور جو معاشرے جو علاقے، اور جو ملک بڑے اتفاق سے رہتے ہیں، اور انصاف پسندی سے رہتے ہیں؛ ان کے اندر حقوق انسانی تلف نہیں ہوتے ہیں۔ آدمی پڑھا لکھا ہو، موٹا ہو، باریک ہو، کالا ہو، پیلا ہو، اس کا حق ہے۔ ملک کے رشتے سے اس کو حق پورے کا پورا ملتا ہے، تو ہم سے یہ کوتاہی ہوتی ہے۔ ہمارے سارے بابے یہ بات کہتے ہیں، اور وہ تکلیف دہ بات ہے۔ اس پر چلنا ہم تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے بڑی مشکل بات ہے۔ وہ یہ ہے کسی محفل میں، کسی مجلس میں، کسی گفتگو میں اگر آپ کے پاس بات کرتے ہوئے بہت اعلیٰ درجے کی دلیل آ جائے۔ ذہن میں بہت اچھی Argument آ جائے؛ تو وہ دوسرے بندے کو جو آپ کا مدِمخالف ہے، وہ گھائل کر دے جو آپ دلیل دیں یا زائل کر دے یا اس کو ملیامیٹ کر دے تو ہمارے بابے کہتے ہیں؛ ایسی دلیل روک لو، بندہ بچا لو۔

سامعین! بات تو بندے کی ہے، اور آپ ہمیشہ سے یہی بات کرتے رہے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں توہینِ آدمیت ختم ہونی چاہیے، اور ہر آدمی کی عزتِ نفس جو ہے، وہ بحال کی جائے۔

آپ نے کبھی محسوس کیا کہ یہاں سے بھاگنے والے لوگ یا کسی، اور ملک میں سیٹل ہونے والے لوگ اس ملک کو پسند کرتے ہیں، جس ملک کے رہنے والے سارے کے سارے توانا ہوں۔ ایسے ملک میں کبھی Migrate نہیں کرنا چاہتے، جہاں دو تین چار حکمران ہوں۔ باقی کے سارے بیچارے مینڈک ہوں کمزور اور ناتواں۔ ہمارے ملک میں بھی یہ کوششیں کی جا رہی ہیں۔ کچھ لوگ توانا طاقت والے ہوں، اور باقی کے چودہ کروڑ بے چارے "ڈڈو" ہوں۔ "ڈڈو" سمجھتے ہیں آپ؟ مینڈک۔ جس کی کوئی حیثیت نہ ہو۔ تو اتنے مینڈوں کے درمیان رہنا آپ کو تقویت عطا نہیں کر سکتا۔ خواہ ذاتی طور پر آپ کتنے ہی قوی کیوں نہ ہوں۔ مجھے یاد آیا کہ جب میں اٹلی میں تھا، تو مجھے ٹینس کا کھیل دیکھنے کا بہت چسکا پڑ گیا تھا، اور مجھے ٹینس کا کھیل بہت اچھا لگتا تھا۔ یہاں کبھی اتنی شدومد سے نہیں کھیلا جاتا تھا، ہمارے ملک میں۔ وہاں جتنے بھی میچ ہوتے تھے، میں بڑے شوق سے دیکھتا تھا تو ایک بڑی اعلیٰ درجے کی ٹینس پلیئر تھی، اس کی ورلڈ چمپئن تو نہ ہو سکی، لیکن اٹلی کی تھی، اور اس کا نام تھا نینا لو ہیتی۔ اس کی Opponent تھی سنٹینا Santena۔ سنٹینا ذرا بڑی عمر کی تھی، اور Nena نوجوان تھی، چھوٹی تھی، لیکن Nena کا جسم مضبوط تھا، ایک دن ان کا میچ ہوا۔ سب کو سو فیصد یہ یقین تھا کہ Nena جیتے گی، کیونکہ ایک تو اس میں صلاحیت بڑی تھی دوسرے وہ نوجوان تھی اور ایک جسمانی ساخت بڑی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مضبوط تھی۔ تو میچ کھیلتے رہے۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ Santena جیت گئی۔ اس نے خوشی سے زور کا نعرہ لگایا، کیونکہ ہمیں بھی توقع نہ تھی، اور جب وہ Neta کے پاس جاتے ہیں، اور جا کر ایک دوسرے سے ہاتھ ملاتے ہیں، تو جب ہاتھ ملانے لگی تو جو Nena تھی، وہ شدت جذبات کے ساتھ رونے لگی۔ شکست بڑی ظالم چیز ہوتی ہے اور Santena نے بجائے اس کے ساتھ ہاتھ ملانے کے اپنا ریکٹ زور سے پھینکا، اور وہ Neta جو بڑا Tight لگا ہوتا ہے، چھلانگ لگا کر اس کے اوپر سے گزر گئی، اور جا کے ہاری ہوئی نینا کو گلے لگا لیا، اور اس کا سر منہ چومنے لگی۔ جتنی تیزی سے وہ رو رہی تھی، اس سے زیادہ شدت سے جیتنے والی رو رہی تھی۔ اور Santena نے اپنی جسمانی کامیابی کو ایک روحانی کامیابی میں تبدیل کر دیا، اور پھر اس نے اعلان کیا، میں کبھی بھی پھر ایسے مقابلے میں نہیں اتروں گی جہاں کسی دوسرے کو رونا پڑ جائے گا۔ پھر وہ بڑی سہیلیاں بن گئیں، اور اخباروں میں تصویریں چھپتی رہیں، جیسے ایکٹرسوں کی چھپتی ہیں۔

سامعین! یہ جذبہ تو ان لوگوں میں بھی ہے، خواہ وہ اٹلی کے بھی ہوں، کہ وہ کسی کو روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔ جہاں شکست خوردگی کے عالم میں ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ تو ہمارا پروپیگنڈا ہے کہ یورپ والے تو بالکل جذبوں سے خالی ہیں۔

لیکن میں یہ بھی سمجھتا ہوں، سارے کا سارا ہمارا ملک' ہمارا علاقہ' یا لوگ ایسے نہیں ہیں۔ میں اس زمانے کو یاد کرتا ہوں۔ جب میں تھر پار کر گیا صحرا میں۔ ایک ضرورت تھی، ایک ایسی تلاش تھی۔ میرے ساتھ میرے دوست ممتاز مفتی بھی تھے تو ہم گاؤں ہے چھوٹا جدو وہاں رہے۔ وہاں لوگوں نے ہماری بڑی خاطر مدارت کی، اللہ ان کو خوش رکھے۔ یہ وہ شہر تھا جہاں ہماری مائی بھاگی رہتی تھی، بہت اعلیٰ درجے کی گانے والی۔ نئی نئی اس نے بھینس خریدی تھی، اور اس کو نہلاتی تھی۔ ہم کو بڑا دودھ پلایا۔ یہ ہمارے بھائی آئے ہیں پنجاب سے۔ تو ہم ان کے مہمان تھے۔ گرمی بڑھ رہی تھی، اور جس چیز کی ہمیں تلاش تھی، وہ ابھی ہم سے دور تھی۔ ایک چورا لے کر ہم کو دے دیا۔ چورا جھونپڑی کو کہتے ہیں۔ اس میں ہم رہتے تھے تو وہاں پر ایک لڑکا تھا کول نسل کا۔ آپ سمجھتے ہیں "کول دراوڑ"۔ کول قوم ہے، جو تھر میں بہت رہتی ہے۔ کولین گوٹھ میں رہتے ہیں۔ گوٹھ گاؤں کو کہتے ہیں۔ آپ کے ملک میں رہ رہے ہیں۔ کبھی باہر نکلیں، اپنے ملک کو دیکھیں۔ کمال کمال کی چیزیں ہیں۔ تو وہ ایک لڑکا آیا کرتا تھا۔ گاچو اس کا نام تھا۔ ایک اس کی بہن تھی چھوٹی سی۔ اور وہ گاچو جو تھا، سر کے اوپر ٹوکرا رکھ کے چھائیں بیچتا تھا۔ جنگل چھائیں۔ چھائیں تربوز کو کہتے ہیں۔ صبح بیچارہ لے کر آتا تھا۔ دونوں یتیم تھے۔ جب دھوپ بڑھتی تھی' جب دس بجے کے قریب، تو سر کے اوپر ٹوکرا لے کر آتا تھا۔ میں اس سے چھائیں، جنگل چھائیں ایک دو پھیکے تربوز خرید لیتا تھا۔ تو وہ بچہ جب چل کے آتا تھا دھوپ میں تو اس کا جو سایہ پڑتا تھا پیچھے تو وہ بھولی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سی اس کی بہن وہ پیچھے پیچھے چلتی تھی اور وہ آگے ہوتا تھے۔ میں کہتا تھا گا چو تو اپنی بہن کو آگے کیوں نہیں چلاتا۔ تو کہنے لگا، سائیں ہم یتیم ہیں، ہم جھونپڑے میں رہتے ہیں تو گرمی بہت ہو جاتی ہے۔ میں چھوٹا بچہ ہوں۔ میرا سایہ بڑا لمبا ہے۔ میں چاہتا ہوں میری بہن کو گرمی نہ لگے۔ وہ میرے سائے میں چلتی ہے۔ یہ پاکستان کے ورثے کی بات ہے تو وہ گرمی اس کو نہیں لگنے دینا چاہتا تھا، تو یہ گا چو تھا۔ مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں آپ کے ملک میں جو تکبر سے دور ہیں، اور دوسروں کے لیے بھی زندگی بسر کرتے ہیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ مہربانی۔ اللہ آپ سب کو آسانیاں عطا فرمائے۔ آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اندر اور باہر کی شخصیت کی میچنگ

اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچے۔

آج میں پھر آپ کو تھوڑی دیر کے لیے اٹلی لے جانا چاہتا ہوں۔ ابھی بیٹھے بیٹھے یاد آیا ہے یہ واقعہ۔ کبھی پوچھ رہے تھے کہ آج کون سے موضوع پر بات کریں گے۔ کون سا موضوع ساتھ لے کر آئے ہیں، تو خواتین وحضرات کوئی خاص موضوع میرے سوچنے میں، میرے اسٹاک میں ہوتا نہیں ہے۔ باتوں میں اگر کوئی چیز نکل آئی تو پھر اس پر آہستہ آہستہ عمارت کی تعمیر ہوتی رہتی ہے۔

میں روم میں اپنی یونیورسٹی سے واپس آ رہا تھا گھر کی طرف۔ تو جب سینٹ پیٹر کے بڑے میدان سے گزرا تو وہاں پر ایک سکھ سردار نسواری رنگ کی پگڑی باندھے بیٹھا تھا۔ وہ بڑے غور کے ساتھ سینٹ کی بلڈنگ کو دیکھ رہا تھا، اور جو بڑے بڑے ستون تھے ان کو گن رہا تھا۔ میں نے کہا، سردار جی ست سری اکال۔ واگرو کی خالصہ، واگرو کی فتح وہ بے چارہ کانپ گیا گھبرا گیا۔ ایک دم کہنے لگا، جی مینوں جانتے ہو؟ میں نے کہا، میں پاکستانی ہوں۔ وہ بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا، لو جی میری بڑی مشکل حل ہوگئی۔ میں دو دن سے یہاں گھوم رہا ہوں میری بولی کوئی نہیں سمجھتا۔ میں نے کہا، تم ان کی بولی نہیں سمجھتے۔ کہنے لگا نہیں۔ عجیب ملک ہے، یہاں انگریزی کوئی نہیں سمجھتا۔ میں نے کہا، نہیں یہاں انگریزی کوئی نہیں جانتا۔ تو میں نے کہا آیئے آپ کو چائے پلائیں۔ میں اسے ایک قریبی ریستوران میں لے گیا، تو جب میں چائے کا آرڈر دینے لگا تو اس سے پوچھا، کافی پیئو گے یا چائے۔ کہنے لگا، نہیں جی دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز نہیں لوں گا۔ کچھ گرمی سی لگ رہی ہے۔ آئس کریم ہونی چاہیے۔ میں دو دن سے آئس کریم کی تلاش میں ہوں، لیکن مجھے پتا ہی نہیں آئس کریم کو کیا کہتے ہیں۔ میں انگلی ضرور لگاتا تھا کہ یہ دو، مجھے اور کچھ ہی چیز نکال کے دے دیتے تھے تو مجھے ایک لفظ وہ بتا دیں کہ آئس کریم کو کہتے کیا ہیں؟ میں نے کہا آئس کریم کو جلاتو کہتے ہیں۔ کہنے لگا، لو جی مُتّھا ناں رکھ دِتا ہے۔ ایہہ جلان

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

والی چیز ہے یا ٹھنڈ پان والی چیز اے۔ میں نے کہا، بس رکھا تو یہی ہے۔ اس کا نام ہی یہ ہے۔ تو ہم بیٹھ کے باتیں کرتے رہے۔ میں نے کہا، سردار صاحب بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ کو دیکھ کر مجھے ایک طرح کی بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنا جو وجود ہے جو آپ کو احکام دیئے گئے ہیں، اس کو آپ پورا مین ٹین کرتے ہیں۔ کیس رکھتے ہیں۔ ڈاڑھی آپ کی ہے، کڑا آپ کا ہے، پگڑی اتنی خوب صورت پہنتے ہیں۔ تو اس نے کہا، ہاں جی یہ ہونا چاہیے۔ یہ انسان کو شناخت کرنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔ کچھ تشخص کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا، لیکن پورا حاوی نہیں تھا اس کے اوپر۔ پڑھا لکھا آدمی تھا۔ تو میں نے کہا، سردار صاحب جی آدمی کا دل صاف پاک ہونا چاہیے۔ نیت ٹھیک ہونی چاہیے۔ کہنے لگا، نہیں جی' دل پاک صاف نیت اچھی ہو، اس کا پتا نہیں چلتا۔ جب تک اس کا ظاہر جو ہے وہ اس بات کی شہادت نہ دے۔ آپ کے دل میں کیا ہے میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ میں نے کہا، باہر کا وجود جو ہے اس کے بارے میں جو آپ نے فلسفہ سازی کی، اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہہ۔ اس نے کہا، دونوں کا تال میل ہونا، بہت ضروری ہے۔

چنانچہ اس نے بڑی عجیب بات کی جو بڑے سالوں کے بعد مجھے یاد آئی۔ اس نے کہا، آدمی جو ہے، وہ اپنی وردی سے پہچانا جاتا ہے۔ ہر شخص کی ایک وردی ہوتی ہے، اور وہ وردی طے کرتی ہے کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ تھانیدار کو دیکھ کر اسے بولنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ طلباء کو معلوم نہیں کرنا پڑتا۔ تھانیدار کو دیکھ کر کہتے ہیں یہ تھانیدار ہے۔ میجر کی وردی کو پہچان لیتا ہے، اور یہ باتیں کرتے رہے۔ وہ تو چلا گیا لیکن میرے لیے سوچ کا ایک سامان چھوڑ گیا۔ ایک شخص کا جو Indicator، باہر کا اشارہ ہے، وہ آدمی کے ساتھ ضرور ہونا چاہیے۔ تو میں یہ سوچنے لگا کہ اگر ایک لڑکی ہو، بڑی شوخ وشنگ۔ اس نے جینز پہنی ہوئی ہو، اور بہت اونچی ایڑی کی گرگابی پہنے ہوئے ہو، کانوں کو اس نے لگایا ہو، کیسٹ پلیئر کا ہیڈ فون، اور شر شر کر کے چل رہی ہو، اور سرجن کو وہ اوزار بھی دے رہی ہو لیکن وردی اس نے نہ پہنی ہو اور وہ کہے میں نرس ہوں، کام بھی وہی کر رہی، تو اس کو سرجن صاحب کان سے پکڑ کر باہر نکال دیں گے۔ اگر وردی نہیں ہے اس کے بغیر تو ہم نہیں مانتے کہ یہ کام ہو رہا ہے، ہم اس کا تشخص چاہتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں' ہم شناخت کریں، فوراً پتا چل جائے یہ کون ہے؟ مثلاً دیکھیے ایک بہت خوب صورت اعلیٰ درجے کا نوجوان ہے، اور پڑھا لکھا ہے۔ تعلیم یافتہ ہے۔ اس نے ایک سلک کی بنیان پہنی ہے، اور چھوٹی سی چڈی پہنی ہوئی ہے، اور پاؤں میں قینچی چپل پہنی ہوئی ہے اور وہ جمبو جیٹ چلانے کے لیے کاک پٹ میں آنے کی کوششیں کرتا ہے۔ آپ اسے روکیں گے۔ وہ کہے گا میں پائلٹ ہوں، قینچی چپل والا، تو کہے گا جی میرا لائسنس دیکھیں، اور لائسنس سچ مچ ہو۔ اور وہ کہے، میں ہزار گھنٹے فلائنگ کر چکا ہوں اور اس وقت دنیا کی وزنی ترین مشین کو ہوا میں لے جا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

رہا ہوں۔ میں اس کی صلاحیت رکھتا ہوں، اور اپنے کاغذات پورے دکھائے تو اس کو ہوائی جہاز میں بیٹھنے نہیں دیا جائے گا اور کاک پٹ میں آپریٹ کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ اس کی وردی نہیں ہے۔ یہ انسانی زندگی میں عجیب سی بات ہے جو انسان کے عمل کے اندر حائل ہوتی ہے۔ نیت اس کی اچھی ہے۔ نیت نیک ہے، وہ جانتا بھی ہے، لیکن چونکہ طے شدہ پیٹرن کے اندر، جو کھٹے کے اندر نہیں ہے، اس لیے ہم اسے قبول نہیں کرتے۔

مثلاً ابھی میرے ذہن میں آ رہا ہے۔ چوک ہے، چوراہے ہیں، لاہور، کراچی کے بہت پیچیدہ، اور کثیف ٹریفک والے، اور مشکل چوراہے پر ایک نوجوان مونچھوں والا کھڑا ہو۔ اس نے بدن کو تیل ملا ہوا ہو، اور لنگوٹا باندھا ہوا ہو، اور ہاتھ میں اس کے ایک بانس پکڑا ہوا ہو، اور ٹھکا ٹھک مار کے ٹریفک کنٹرول کر رہا ہو، کبھی کسی کے سر پر کبھی گاڑی پر مار دیا، اور کبھی سکوٹر پر، اور وہ کنٹرول کر رہا ہو تو سارجنٹ آ کر پریشان ہو کے پوچھے گا تو کون ہے؟ وہ کہے گا جناب میں محمد صدیق ٹریفک کانسٹیبل۔ 32721262 اپنا نمبر بھی بتائے گا، تو وہ کہے گا تو کیا کر رہا ہے۔ وہ کہے گا، سر میں ٹریفک کنٹرول کر رہا ہوں تو وہ کہے گا تیری وردی کہاں ہے۔ وردی کی کیا ضرورت سر، دیکھیے میں کتنے اعلیٰ درجے کا ٹریفک کنٹرولر ہوں۔ ہاتھ میں بانس ہے، تیل ملا ہوا ہے، اور ساروں کے سر پر مار رہا ہوں۔ لنگوٹی میں نے پہنی ہوئی ہے لیکن ٹریفک کنٹرول کر رہا ہوں۔ وردی کی کیا ضرورت ہے۔ تو کان سے پکڑ کر نہ صرف لائن حاضر کر دیا جائے گا، بلکہ میرا خیال ہے معطل بھی ہو جائے گا۔ تو خالی یہ کہہ کر گزر جانا کہ میرا دل بڑا نیک ہے، میری نیت بہت اچھی ہے۔ میں نے جو سوچ رکھا ہے اس کے مطابق کام کر رہا ہوں۔ اس سے بھی اجتماعی زندگی میں شکوک و شبہات پیدا ہونا لازمی ہیں۔ جس طرح کہ باہر کی شکل و صورت دیکھ کر آدمی کو یقین نہیں آتا کہ یہ آدمی اندر سے ایسا ہوگا۔ لیکن جب آپ نے اجتماعی طور پر ایک وردی طے کر دی ہے تو پھر وردی والے کو بھی اس بات کی حیا ہوتی ہے کہ جو اس کے لیے طے کیا گیا ہے، اس پر قائم رہے، اور جو مجھ سے توقع کی جاتی ہے، وہ توقع پوری کروں تو جب یہ بات مجھے وہاں معلوم ہوئی تو میں غور کرتا رہا، اور پھر آج تک سوچتا ہوں، مجھے بعد میں نفسیات دانوں نے یہ بتایا بھی کہ انسان کا باہر کا تشخص اس کی اندر کی ذات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس فلسفے کے تحت ہم نے انسان کی اندر کی بیماری دور کرنے کے لیے بہت سی ایسی چیزیں اختراع کی ہیں، جو باہر سے اثر انداز ہوتی ہیں۔ ریڈی ایشن کا عمل ہے، کچھ نہیں ہوتا۔ نہ بندے کو دوائی پلاتے ہیں، نہ کھلاتے ہیں۔ باہر سے ریڈی ایشن کر کے اندر کی بیماری جو ہے، دور کی جاتی ہے۔ تو اندر کا باہر کا بڑا قریبی رابطہ، اور ایک رشتہ ہے، اور اس رشتے کو آپ جبھی اپنا سکتے ہیں جب کہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہوں، اور اس پٹڑی پر دونوں اسی استقامت کے ساتھ قائم ہوں جس طرح ان کا تقاضا ہوتا ہے۔ ایک چھوٹی سی سلطنت کا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کوئی بادشاہ، بہت اچھا، نیک بادشاہ، صلحِ کل لیکن طبیعت میں بڑا ڈسپلنڈ تھا، اور اس کو اپنے ملک کی صحت وصفائی کا بڑا خیال تھا۔ مجھے صفائی کی بات کرتے ہوئے یاد آیا کہ اپنی رعایا کی صحت برقرار رکھنے کے لیے، چونکہ وہ صفائی کا بڑا دیوانہ تھا، اس لیے اپنی مملکت میں بھی اس نے خاصا صفائی کا انتظام کر رکھا تھا، اور ظاہر ہے گھر کا بھی، محل کے اندر بھی صفائی کا انتظام بطورِ خاص دیکھا جاتا تھا۔ قریب ہی اس کے ایک چھوٹی سی کالونی تھی۔ بہت اچھے لوگوں پر مشتمل۔ صفائی کا وہ بھی خاص خیال رکھتے تھے۔ تو ایک اماں بوڑھی جو کہ صفائی کے معاملے میں بادشاہ کی ملکہ کی، اور شہزادی کی بڑی قابلِ اعتبار بھنگن تھی، اس کا بڑا مقام تھا۔ وہ آ کے محل کے اندر زنان خانے میں صفائی کرتی تھی اور ان کی مرضی کے مطابق کام کرتی تھی، اور اس کا احترام تھا۔ بڑے آدمی کا احترام ہوتا ہے۔ اچھا کام کرنے والے کا احترام ہوتا ہے۔ کام چاہے کوئی بھی ہو۔

تو کہانی بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اماں بڑی بیمار پڑ گئی، اور شاہی خاندان کا کام کیا جانا ضروری تھا، تو اس نے اپنے نوجوان بیٹے سے جو بڑا لحیم شحیم بڑا خوب صورت اچھا نوجوان تھا، اس سے کہا، بیٹا میں نہیں جا سکتی محل میں تو جا کر میری جگہ پر کام کر۔ چنانچہ وہ اپنا جھاڑو لے کر، ٹاکی لے کر جس طرح کا سامان اسے چاہیے تھا، وہاں چلا گیا۔ اس نے جا کر برآمدے میں جھاڑو ٹاکی لگائی، پھر دوسرے کمرے میں لگائی۔ وہ جب تیسرے کمرے میں جھاڑو لگا کر باہر نکل رہا تھا تو شہزادی غسل خانے سے نہا کر کھلے بال آ رہی تھی اور اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ شہزادی کو دیکھا تھا۔ وہ شہزادی جس کا ذکر کہانیوں میں ہوتا ہے اور بے چارہ گھڑے کا کھڑا بت بنا رہ گیا، اور شہزادی اپنا منہ لپیٹ کے وہاں سے بھاگی۔ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ جب وہ گھر آیا تو اس نے اپنی ماں سے کہا، پیاری ماں یہ کیا مخلوق ہے۔ تو اس نے کہا، بیٹے کیا ہوا؟ اس نے کہا، ماں وہاں تو ایک لڑکی نکلی، لیکن جیسے آسمانوں سے اتری ہوئی لگتی تھی۔ کبھی ہم نے بازار میں، شہر میں تو ایسی مخلوق دیکھی نہیں۔ اس نے کہا، اوہ تیرا بھلا ہو جائے تو نے شہزادی کو دیکھ لیا۔ کہنے لگا، ماں میں اسے دیکھ تو آیا ہوں، لیکن میری آرزو ہے، میں اسے ایک بار پھر دیکھوں، اور قریب سے دیکھوں۔ اس نے کہا بیٹا اس بات کی کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ ابھی جلاد بلا کر ہم ماں بیٹے کا سرتن سے جدا کر دیا جائے گا۔ اس نے کہا، ماں میری زندگی کی آرزو ہے کہ اس حسنِ مجسم کو قریب سے دیکھوں۔ میں بالکل بھونچکا ہو گیا تھا۔ بوکھلا گیا تھا۔ میرے ذہن پر اس کے نقوش ٹھیک طرح سے نہیں آئے۔ اس نے کہا، بھئی ایسا نہ کر یہ نہیں ہو سکتا۔ تو وہ بیمار پڑ گیا، جان کے لالے پڑ گئے۔ اب ماں ماں ہی ہوتی ہے تو اس نے حوصلہ کیا، سیدھی شہزادی کے پاس گئی۔ چونکہ شہزادی اس کا احترام کرتی تھی، سارے گھر والے کرتے تھے۔ اس نے کہا، بیٹی یہ بات ہو گئی ہے، اگرچہ بڑی ناقابلِ بیان تھی، میں نے بیان کر دی۔ ناقابلِ برداشت تھی، وہ تو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نے برداشت کر لی۔ مہربانی ہے، مشکل آ پڑی تو اس کا حل نکال۔ اس نے کہا، کوئی بات نہیں۔ اماں آمنا سامنا ہو گیا غلطی سے۔ اس نے کہا، مشکل یہ آ پڑی ہے کہ وہ تجھے دوبارہ دیکھنا چاہتا ہے۔ توبہ نعوذ باللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ تو ہمارے ہاں ہوتا ہی نہیں۔ لیکن میرا اکلوتا بیٹا ہے، مر جائے گا۔ شہزادی نے کہا، میں کیا کر سکتی ہوں۔ مرتا ہے تو ٹھیک ہے۔ اللہ کی یہی رضا ہے۔ وہ بڑھیا رونے لگی، چلی گئی۔ گھر بیٹھی بیمار بیٹے کو دیکھا۔ جاں بہ لب بیٹے کو۔ ماں تھی صبر نہ ہوا پھر لوٹ کر آئی اور منتیں کرنے لگی۔۔ شہزادی نے ترس کھا کر کہا، اماں تو ایسا کر اس کو ایک جھوٹا پیر بنا دے۔ کوئی بزرگ بنا دے۔ اس کو کہو، اللہ کی عبادت کیا کرے حق ہو کا نعرہ مارا کرے اور جنگل بیابانوں کی سیر کرے۔ میرے والد جو ہیں وہ پیروں، فقیروں کو بڑا مانتے ہیں۔ بزرگوں پر بادشاہ سلامت کا اعتقاد تھا، تو میں سمجھتی ہوں کہ ایک وقت ایسا ضرور آ سکتا ہے کہ اگر اس کا نام بہت دور دور تک پہنچ گیا کہ بڑا کمال کا فقیر ہے تو شاید میرے والد اس سے متاثر ہوں، اور متاثر ہونے کے بعد مجھ کو بھی کہیں، بیٹی جاان کی زیارت کر آ۔ اس نے کہا، اللہ تیرا بھلا کرے۔ وہ گھر آ گئی۔ اس نے کہا، بیٹا اٹھ یہ لمبا پینڈا ہے، لیکن طے کرنا ہے اس مسافت کو۔ تو تہا دھو پگڑی باندھ کے نیک بن جا۔ اللہ کا پیارا۔ اس نے کہا، اللہ کا پیارا کیسے بنا جاتا ہے۔ اس نے کہا یہ تو مجھے بھی نہیں پتا، تجھے بھی نہیں پتا۔ اب جنگل میں جا کے بیٹھ کے اللہ سے کہہ، میں تیرا پیارا ہوں، اور وہ تجھ کو قبول کر لے گا۔ وہ چلا گیا جنگل میں جا کے بیٹھ گیا مزے سے، اور وہاں پر جا کر وقت گزارنے لگا، اور اللہ کی تسبیح جیسی بھی اس کو آتی تھی، اور آرزو دل میں رکھنے لگا کہ کبھی شاید اللہ کی زیارت ہو، اور میں کبھی اس راہ پر چل سکوں۔ اس راہ پر چل کر اس حسن آرا کو بھی دیکھ سکوں جس کی آرزو لے کر میں نے یہ سارا ڈرامار چایا ہے۔ کچھ عرصے وہاں پر بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد لوگوں نے اسے دیکھا، ایک نوجوان ہے، شکل صورت بھی اچھی ہے۔ بات کسی سے نہیں کرتا۔ آنکھیں بند کر کے، لو لگا کے بیٹھا ہے۔ تو انہوں نے جب اس کو دن رات وہاں اسے بیٹھے دیکھا۔ سردی میں، گرمی میں، دھوپ میں، بارش میں تو انہوں نے جھونپڑی ایک بنوا دی اور وہ اس جھونپڑی میں رہنے لگا۔

وقت گزارتا رہا تو آہستہ آہستہ اس کے نام کا ڈنکا بجنے لگا کہ ایک بہت کرنی والا بزرگ ہے، اور پہنچے ہوئے بزرگ ہیں، اور لوگ اس کی زیارت کو آنے لگے۔ ایک سلسلہ چل پڑا۔ کسی نے آ کے بادشاہ سے بھی ذکر کیا کہ آپ کی راجدھانی کے فلاں علاقے میں فلاں پرگنے میں بڑا بزرگ آیا ہوا ہے۔ لمبی ڈاڑھی ہے۔ لمبے بال ہیں، اور بڑا حسین آدمی ہے، اور بات نہیں کرتا کسی سے۔ تو بادشاہ کو اشتیاق ہوا۔ انہوں نے سواری نکالی، پنج ہزاری دس ہزاری امیر وزیر اس کے ساتھ چلے کہ، زیارت کرنے چلتے ہیں۔ جنگل میں پہنچے، کٹیا کے پاس کھڑے ہو گئے۔ بادشاہ نے دیکھا، اس کو سلام کیا۔ آنکھیں بند کر کے بیٹھا تھا، اس کو کیا پروا تھی۔ اس نے کہا، میں وقت کا بادشاہ ہوں۔ تجھے سلام کرنے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

آیا ہوں۔ اس نے کہا بابا تیری مہربانی، ہم نے تیرا سلام قبول کیا، اب چلا جا۔ اس نے کہا، نہیں میں یہاں بیٹھنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ کہنے لگا، کھلی جگہ پڑی ہے بیٹھ جا۔ بادشاہ نے کہا، ساتھ میرا اسار الاؤ لشکر بھی ہے۔ اس نے کہا' وہ بھی بیٹھ جائے' فقیروں کا ٹھکانا ہے۔ چنانچہ وہاں پر بادشاہ کچھ دیر بیٹھا رہا۔ اس نے اندر سے محسوس کیا اس کا Vibration جو ہے، ارتعاش اس کا روحانی، بہت طاقتور ہے، جس نے بادشاہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ چنانچہ خواتین و حضرات! وہ بادشاہ وہاں پر آنے جانے لگا، ملنے ملانے لگا۔ اس کی رعایا کے لوگ بھی ظاہر ہے، وہ بھی آنے لگے۔ اس کی ڈاڑھی بڑھ چکی تھی۔ بال لمبے تھے۔ کسی نے پہچانا ہی نہیں۔ تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی، کہ بادشاہ نے ایک دن اپنی بیٹی سے کہا کہ پیاری بیٹی ایک بہت بڑے بزرگ ہماری سلطنت میں آئے ہیں، اور ہماری خوش قسمتی ہے، ہمارے قلم رو میں اتنا بڑا بزرگ آیا ہے، تو کسی دن جا اس کی زیارت کرنے۔ تو اس نے کہا، بالکل ٹھیک ہے ابا جی میں جاتی ہوں۔

اس کو تو پتا تھا کہ یہ کون ہے۔ چنانچہ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ پالکی میں بیٹھ کر پہنچی اور جا کر کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی، دیکھ تیرے دل کی آرزو پوری ہو گئی میں نے جو بات بتائی تھی، اس کے مطابق اتنے سالوں بعد تیرے سامنے آ گئی ہوں' تو اب آنکھیں کھول اور جس طرح سے چاہتا ہے میری زیارت کر، دید کر، میں تیرے سامنے کھڑی ہوں۔ وہ کہنے لگا، اچھا اچھا مہربانی، مہربانی، تین دفعہ کہا۔ ویسے ہی بیٹھا رہا آنکھیں بند کر کے۔ اس نے کہا، بدبخت میں اتنا لمبا سفر طے کر کے آئی ہوں اور تو آنکھیں بند کر کے بیٹھا ہے۔ تو اس نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ تو لکھنے والے لکھتے ہیں کہ شہزادی نے کھینچ کے ایک تھپڑ اس کے منہ پر مارا تراخ سے۔ کہنے لگی، آنکھیں کھول۔ جس کے لیے اتنا بڑا ڈراما رچایا تھا، وہ گوہرِ مقصود تیرے سامنے موجود ہے۔ تو اس نے کہا۔ بی بی اب آنکھیں بند ہی رہنے دو۔ وہ سچا ہے جس کو لوگ تلاش کرتے ہیں۔ وہ مل جائے گا کبھی نہ کبھی آنکھیں بند کرنے سے۔ اب تجھ میں کیا رکھا ہے۔ اس نے کہا، سن بی بی، سچا تو کوئی ایسے ہی ہوتا ہے، لیکن اگر جھوٹ کی دھارنا دھار کر بھی آدمی چلے، اور اس کے سامنے اس کا سفر موجود ہو، اور اس کا رخ جو ہے ٹھیک ہو، تو وہ سچائی کی طرف جانے لگتا ہے، لیکن اگر بدقسمتی سے شروع ہی سے اس کے سفر میں ٹیڑھ پڑ جائے' جیسے ہمارے معاشرے میں بڑی تکلیف دہ صورت حال پیدا ہونے لگی ہے تو پھر وہ کبھی اس منزل تک نہیں پہنچتا جس کی آرزو اس نے جھوٹے انداز میں کی ہے۔ چنانچہ وہ آنکھیں بند کیے ہی بیٹھا رہ گیا۔ اور گوہرِ مقصود جو تھا، وہاں سے واپس آ گیا۔ تو باپ نے پوچھا بھی کیسے بزرگ ہیں۔ کہنے لگی، ابا جی ابھی کچا ہے۔ یہ اس کا اپنا انداز تھا، لیکن ایک وقت آئے گا، یہ بہت بڑا بزرگ بنے گا۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعض اوقات باہر کی وردی اختیار کرنے سے بھی اندر کے وجود پر، اندر کی ذات کے اوپر اس کے اثرات

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مرتب ہونے لگتے ہیں؛ جس طرح سے باہر سے کیموتھراپی کر کے آپ اندر کے کینسر کا علاج کرتے ہیں۔ روحانیت میں بھی ایسا عمل ہوتا ہے۔ آپ کی تشریف آوری کا بہت بہت شکریہ، مہربانی۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ خواتین و حضرات! اللہ آپ کو بھی آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مٹکی

ہم سب کی طرف سے سب کو سلام پہنچے۔

یہ آج ہی کے دن تھے، اور تقریباً ایسا ہی موسم تھا، اور ایسے ہی ماہ و سال تھے، لیکن وقت اس سے بہت پہلے کا تھا، اور ہم اس آرزو کو لے کر چل رہے تھے کہ ایک ایسا ملک بنے گا...... ایک ایسا سنہرا دیس...... جس کے اندر لوگوں کو آسانیاں ملیں گی، اور وہ ذہنی طور پر، روحانی طور پر اور نفسیاتی طور پر آسانیوں کے اندر زندگی بسر کریں گے، کیونکہ ہم اس دعویٰ کو لے کر چلنے والے تھے کہ یہ ایک ایسا ملک ہوگا جو ایک مثالی دیس کی صورت میں ہوگا..... اور ہم لوگوں کو دوسرے ملکوں کو یہ بتا سکیں گے کہ دیکھو پیارو! حکمرانی، جہاں بانی اس طرح سے کی جاتی ہے......، اور جس طرح سے آپ لوگ اپنے اپنے ملکوں میں کرتے ہیں۔ وہ کوئی زندگی گزارنے کا، زندگی بسر کرنے کا، کوئی ایسا کمال کا فن نہیں ہے جس کا کہ آپ دعویٰ کرتے ہیں...... یہ ایک ایسا دور تھا، اور ایسا عہد تھا، اور ہم اپنے انداز میں تھے ہماری سرشت میں، اور ہماری سوچ میں، اور ہماری سائیکی میں، اور ہمارے دل میں ایک عجیب بات تھی...... جیسا کہ میں نے پہلے ایک دفعہ عرض کیا تھا کہ ہم دینے میں سے دینے کے عمل پر، اور دینے میں سے دینے کے فن پر عمل پیرا تھے، اور ہم یہ جانتے تھے، اور ہمیں اس بات کا بہت پکا شعور تھا کہ زراعتی ملک ہونے کی وجہ سے یا زرعی علاقہ ہونے کی وجہ سے جب تک ہاتھ سے، اور پلے سے کچھ دیا نہیں جائے گا، اس وقت تک کسی بھی قسم کی فلاح، اور ترقی نہیں ہو سکے گی۔

کسان اپنے گھر کے اندر جا کر اپنی بھڑولی کھول کر اس میں سے اناج نکال کر، یا بوری کی تناویں کاٹ کر اس میں سے دانے نکال کے، جھولی بھر کے کھلے میدان میں جاتا تھا، اور وہ اچھے بھلے دانے...... اچھا بھلا اناج جس سے اس کے گھرانے کی زندگی کا سامان بڑی آسانی سے کیا جا سکتا تھا، باہر لے جا کر یا تو پورے کے ذریعے یا بیج دربیج...... یا چھٹے کے ذریعے ایک عجیب وغریب زمین پر پھینک کر اس امید پر، اور اس سوچ پر چلا آتا تھا کہ اس کے اندر سے اب ایسے ہی بے شمار دانے، ستر،

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ستر، اور سات سات سو، اور سات سات ہزار ہو کر نکلیں گے۔ یہ پہلے دینا ہوتا ہے، پھر اس کے بعد لینا ہوتا ہے۔ یہ تصور ہمارے ساتھ تھا کہ دیں گے، تو ہم دے چکنے کے بعد کیاریوں دروازوں میں سے چھوٹے چھوٹے پودے جھانک کر دیکھتے تھے کہ گھر والے کھیت میں آئے ہوئے ہیں کہ نہیں، یا ہم اکیلے ہی نشوونما پا رہے ہیں۔ تو کبھی کبھی بونے والے وہاں موجود ہوتے تھے، اور کبھی نہیں بھی ہوتے تھے، لیکن وہ پودے نشوونما پاتے چلے جاتے تھے، اور جب وہ بڑے ہوتے تھے، تو وہ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

تو دوستو! ہمارے پاس وقت کچھ بھی نہ تھا۔ ہم اپنی دولت، شہرت، عزت، شفقت، محبت، مروت، یہ سب کچھ لے کر اپنے وطن کی بنیادوں میں ڈالنا چاہتے تھے، لیکن ہمارے پاس سوائے ہمارے بدنوں کے، ہمارے وجود کے، اور سوائے ہمارے اپنے خون کے کچھ بھی نہ تھا۔ ہم نے اپنے وجود کو، اپنے جسم کو، اپنے خون کو اس وطن کی بنیادوں کو پیش کیا۔ جو الحمدللہ اس نے بڑی خندہ پیشانی سے قبول کیا اور یوں اس ملک کی بنیاد پڑی۔ یہ تصور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا، اور آہستہ آہستہ اس کے ساتھ ساتھ یہ تصور بھی دھندلانے لگا کہ دینا اتنا ضروری نہیں ہے،، اور ان کھیتوں میں ان مرغزاروں میں، ان باغوں میں ایسے لوگ بھی آئے جنہوں نے کاشت میں کوئی مدو نہ کی۔ البتہ اس کا فائدہ اٹھانے کے لیے کچھ ضرورت سے زیادہ ہی اس کی طرف چل پڑے، اور یہ ہمارے ذہنوں سے نکلتا گیا کہ ہمیں دینا بھی ہے، کیونکہ دیے بغیر کام آگے نہیں چل سکتا، اور جوں ہی دینے سے ہاتھ روکتے ہیں، تو کہیں نہ کہیں اس کا اثر ضرور پڑتا ہے، اور ویرانی، اور بربادی کے سامان ضرور شروع ہو جاتے ہیں۔

چند دنوں کی بات ہے۔ آپ کے اسی ملک میں' میں ایک پروگرام دیکھ رہا تھا، اور میں پوری توجہ اس پر نہیں دے سکا، چونکہ کان میرے تیز ہیں، اور نگاہ اب کمزور ہونے لگی ہے، لیکن وہ بات جو تھی، وہ میں نے ساری کی ساری سن لی تھی۔ کوئی ڈاکٹر تھے، ڈاکٹر شاہ۔ کمپیئر نے یہ سوچا تھا کہ یا شاید حقیقت بھی تھی کہ شاہ اتنے عمر رسیدہ ڈاکٹر نہیں ہیں۔ اتنے بوڑھے، Old Sergeon نہیں ہیں، لیکن اس چھوٹی سی عمر میں انہوں نے بہت سارے آپریشن کیے۔ اتنے ہزاروں آپریشن کیے کہ گینز بک میں اس کا نام آتا ہے، یا آنے والا ہے، یا آئے گا۔ تو میری توجہ ان کی طرف ہوئی۔ وہ اچھے سے، سمارٹ سے، پیارے سے' اچھی گفتگو کرنے والے ایک ڈاکٹر تھے، اور وہ یہ بتاتے رہے کہ میں نے کتنی تیزی سے کتنے سارے آپریشن کیے، اور اتنی تیزی سے کیوں کیے۔ میں مال بھی بنانا چاہتا تھا، اور ایک یہ بھی کہتے تھے کہ میری انگلیوں میں بھی کچھ اس قسم کی ایک لگن آباد تھی' ایک Creativity تھی، ایک تخلیق تھی کہ میں جلدی سے جلدی زیادہ سے زیادہ کام کرنے کا خواہشمند ہوں۔ تو کمپیئر نے پوچھا کہ آپ یہ بتائیں کہ آپ کی زندگی کا کوئی بہت مشکل آپریشن تھا؟ تو انہوں نے کہا، یوں تو بہت سارے آپریشن مشکل ہوتے ہیں، لیکن ایک آپریشن بہت مشکل تھا جس نے بہت زیادہ وقت لیا، اور میری بہت زیادہ توجہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

لی، اور میں بہت سٹپٹایا، لیکن میں بڑی کوشش کے ساتھ، اور تحمل کے ساتھ اس پر لگا رہا۔

آپ لوگوں سے یہ بات کرتے ہوئے مجھے خواجہ دل محمد کا ایک شعر یاد آیا ہے۔ خواجہ دل محمد ہمارے بہت کمال کے شاعر تھے، اور مجھے بہت افسوس ہے کہ لوگ اب انہیں نہیں جانتے۔ خاص طور پر ہماری نئی نسل تو ان سے بالکل واقف نہیں ہے، لیکن وہ بہت بڑے شاعر تھے۔ وہ ایک جگہ پر سرجن کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سرجن کیا ہوتا ہے..... یعنی آپریشن کرنے والا کیا ہوتا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ "سرجن کی صفت اور خوبی یہ ہے کہ نظر باز کی، سر فلاطون کا، جگر شیر کا، اور ہاتھ خاتون کا....." یعنی سرجن وہ ہوتا ہے جس کی نظر باز کی ہوتی ہے۔ Plato کی طرح اس کا سر غور کرتا ہو۔ اس کی نظر باز کی ہو، اور ہاتھ خاتون کا..... تو ان سرجن کو دیکھ کر کچھ ایسا ہی لگتا تھا کہ وہ اس انداز کے ڈاکٹر ہیں۔ کہنے لگے کہ میں اپنے سرجری ہاسپٹل میں تھا کہ اچانک وہاں پر ایک اپاہج آدمی کو جو ابھی اپاہج ہوا تھا۔ کوئی ایک آدھا گھنٹا قبل، اسے چارپائی پر ڈال کر لائے۔ وہ ایک نوجوان تھا جس کی دونوں ٹانگیں، ایک تیز دھار آلے سے کٹ گئی تھیں، اور اس کے ساتھیوں نے اس کی رانوں پر بڑی مضبوطی کے ساتھ اپنے رومال یا کوئی رسیاں باندھی تھیں، تاکہ جریانِ خون نہ ہو اور وہ جب وہ میرے پاس پہنچا تو میں حیران تھا کہ میں اس کا کیا کروں۔ اس کے فوراً بعد ہی دو آدمی، بھاگے بھاگے آئے، اور انہوں نے کہا کہ جی اس کی دونوں ٹانگیں مل گئی ہیں جس تیز دھار آلے سے کٹی تھیں، مشین میں کام کرتے ہوئے اس کی دونوں ٹانگیں ران سے نیچے کٹ کر دور جا گری تھیں، تو یہ واقعہ اور یہ سانحہ گزرا تھا' پاکستان سٹیل ملز میں۔ ایک کوئی بڑا تیز چکر گھوم رہا تھا۔ کٹاؤ دار جس میں وہ کام کرتے ہوئے قریب آیا تھا کسی کام کی غرض سے۔ وہ مزدور بڑا ذہین، بڑا قابل اور بہت سمجھدار تھا، لیکن وہ اس کی لپیٹ میں آ گیا، اور لپیٹ میں آتے ہی اس کی دونوں ٹانگیں کٹ گئیں، اور بہت دور جا گریں، اور اس کے ساتھیوں نے تلاش کر لیں، اور وہ اس کو ڈاکٹر صاحب کے پاس لے کر آ گئے۔ تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ وہ میرے لیے بڑے امتحان کا وقت تھا۔ میں، اور میرے ساتھی، اور میرے اسسٹنٹ میرے ساتھ لگے۔ ہم کوئی مسلسل 18 گھنٹے اس پر کام کرتے رہے، اور اللہ کا فضل یہ ہوا کہ ہم ان کی دونوں ٹانگیں جوڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب خطرہ، اندیشہ، شائبہ یہ تھا کہ بہت ممکن ہے کہ Nerves اس کے ساتھ ٹھیک طرح سے نہ جڑی ہوں' جو شریانیں، اور وریدیں ہیں، وہ اپنی جگہ پر نہ لگی ہوں، کیونکہ یہ آپریشن ہی بہت بڑا تھا، لیکن ہم خدا سے دعا مانگ کے اس کام پر لگے ہوئے تھے، اور جب آپریشن ختم ہوا تو ہم ڈاکٹر بیٹھ کر آپس میں باتیں کرنے لگے تو وہ جو اس کے دوسرے ساتھی مزدور تھے انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب ہم اس کو چارپائی پر لے کر چلے ہیں تو وہ صاحب جو تھے، جن کا نام شکور تھا' وہ تھوڑے سے ہوش میں تھے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو بلا کر کہا کہ مشین بند نہ کرنا، کیونکہ اگر یہ مشین ایک دفعہ بند ہو گئی تو اس کے چلانے میں 10 لاکھ کا خرچہ اٹھتا ہے۔ تو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اس مشین کو بالکل بندمت کرنا۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ملک کو یا میرے اس کارخانے کو کوئی نقصان پہنچے۔تو اس کے بعد وہ نیم بے ہوشی میں چلا گیا۔

اب میرا مقصد اس سارے واقعہ کو سنانے کا یہ ہے کہ وہ کون آدمی ہے، اور وہ کس طرح سے اس ملک کے ساتھ وابستہ ہے، اور ہم کیا کریں، اور کدھر جائیں کہ ہم اس کو سلام کر کے آئیں، اور جب تک وہ زندہ رہے، اور ہم زندہ رہیں، ہمارے اور اس کے درمیان سلام کا یہ سلسلہ قائم رہے۔ اس قسم کے جو لوگ ہیں، انہوں نے پاکستان بنایا ہے۔ اس کو آگے بڑھایا ہے۔ وہ اس کو لے کر چلے اور اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ پھر ایک دردناک بات جو میں آپ کی خدمت میں ضرور عرض کروں گا۔ وہ یہ کہ اس کارخانے میں اس سٹیل مل میں اسی قسم کے پاکستانیوں نے جو اس سے بہتر تعلیم یافتہ تھے، وہاں سے اتنا کچھ کھسوٹا، اور جس شدت کے ساتھ لوٹا اس کی خبریں آپ نے اخباروں میں پڑھی ہوں گی، اور وہ خاتون جنہوں نے بڑا اعتراض کیا تھا کہ کیوں میری فوٹو کھینچی گئی ہے۔ کیا ہو گیا اگر میں نے 10-15 کروڑ نکال لیا ہے تو؟

تو یہ دردناک کہانی بھی ساتھ لے کر چلنی پڑتی ہے۔ ایک بات البتہ 14 اگست کے رشتے کے حوالے سے ہے۔ کافی دیر کی بات ہے۔ کبھی کبھی مجھ سے ایسی باتیں سرزد ہو گئی ہیں، اور اب بھی ہوتی ہیں۔ وہ یہ کہ میری بڑی آرزو تھی کہ کبھی کوئی 14 اگست ایسا بھی منایا جائے جس میں ان شیر بہادروں، اور ان Creative Persons کو جنہوں نے اس کی بنیاد ڈالی اس کی تعمیر کی ان کو بھی آگے لایا جائے، اور آگے بٹھایا جائے۔ یہ ایک میری بڑی آرزو تھی۔ جب بھی تھی، اور اب بھی ہے۔ یہ آرزو، اور یہ تمنا، اور یہ خواہش لے کر میں وقت کے President کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے خوشی، اور فخر ہے کہ انہوں نے مجھے شرفِ ملاقات بخشا۔ بڑی مہربانی فرمائی یہ ہمارے جنرل ضیاء الحق صاحب تھے میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا۔ میں نے کہا کہ سر اس مرتبہ جب ہم 14 اگست منائیں تو کچھ اس طرح سے ہو کہ جہاں آپ جھنڈا چڑھاتے ہیں، اور عمائدینِ ملک، اور غیر ملکوں کے سفیر، اور وزراء، اور نمائندے اکٹھے ہوتے ہیں، وہاں پر ایک Sitting Arrangement کچھ اس طرح کا بھی ہو کہ کرسیوں کے اس Lay Out میں اب کی بار اول قطار جو کرسیوں کی ہو، وہ ان متقی لوگوں کی ہو جو مال و دولت کے اعتبار سے یا نام و نمود کے اعتبار سے جانے، اور پہچانے نہیں جاتے، لیکن ان متقی لوگوں کو دین، اور قرآن کی پرواہ ہے۔ دین، اور قرآن کہتا ہے کہ ''تم میں کوئی بڑا نہیں، تم میں کوئی Superior نہیں ماسوائے اس کے کہ جو تقویٰ رکھتا ہو۔'' تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم 22 کرسیاں آگے لگائیں، اور 22 تقویٰ والے لوگ ہوں۔ سفید دودھیا چادروں والے۔ چھوٹی چھوٹی ان کی پگڑیاں ہوتی ہیں وہ باندھ کر وہ تشریف فرما ہوں، اور ان کے بعد غیر ملکی سفیر، اور باہر کے نمائندوں کی ہوں۔ اس کے بعد پھر کوئی، اور تاجر وغیرہ، اور ہم جو آرٹسٹ لوگ خوامخواہ زبانی باتیں کرنے والے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہیں، ہم سب سے آخر میں ہوں، اور ہم سے بھی آخر میں بیوروکریٹس ہوں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ تو وہ کہنے لگے کہ اشفاق صاحب میری بھی یہی آرزو ہے۔ آپ بہت اچھی Suggestion لے کر آئے ہیں۔ لیکن تقویٰ والے لوگ ہم کہاں سے لیں۔ تو میں نے کہا کہ سر تقویٰ والے لوگ تو ہمارے اردگرد بہت سے ہیں۔ آپ کے اس محل میں بہت سارے مالی ایسے ہیں۔ بہت سارے بابے ایسے ہیں۔ بہت کمال کے پیارے لوگ ایسے ہیں جن کی وجہ سے میرے پیارے ملک کی بنیادیں استوار بھی ہیں، اور پائیدار بھی ہیں۔ وہ سب دعا دینے والے لوگ ہیں۔

آج سے کوئی پانچ چھ دن پہلے میں لاہور کے میو ہاسپٹل میں گیا۔ مجھے کوئی ضرورت تھی۔ وہاں مجھے رکنا پڑا تو اس کے کینسر کے وارڈ میں ایک گاؤں کی اچھی سی، جسے انگریزی میں Well Meaning کہتے ہیں، اچھے سبھاؤ والی' پیاری سی شکل کی ایک خاتون بیٹھی تھیں۔ تو میں نے اس سے پوچھا کہ کیوں آئی ہو یہاں بی بی؟ وہ کہنے لگی' مجھے کینسر کی شکایت ہے، اور مجھے یہاں تھیراپی کے لیے آنا پڑتا ہے۔ کہنے لگی کہ بھاجی یہ بڑا تکلیف دہ عمل ہے، جس سے میں گزر رہی ہوں، لیکن میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں، اور جب میں سویرے سب سے پہلے اٹھتی ہوں، تو میں نماز پڑھنے کے بعد دعا میں سب سے پہلے اس دنیا کے بندوں کے لیے دعا کرتی ہوں کہ یا اللہ کُل عالم کی خیر ہو۔ ہماری نانیاں، دادیاں اکثر یہی دعا مانگا کرتی تھیں کہ کُل عالم کی خیر ہو۔ اللہ ان سب کا بھلا کرے۔ اور پھر میں کہتی ہوں کہ یا اللہ، میرے پاکستان کی خیر ہو، اور اس کے بعد میں کہتی ہوں کہ یا اللہ حکمرانوں کی خیر ہو۔ تو میں نے ایک اچھے جرنلسٹ کی طرح کہا، حکمرانوں کی خیر کیوں ہو؟ وہ تو بڑے خراب ہوتے ہیں۔ کہنے لگی، بھاجی اگر حکمران ہوں گے۔ جیسے تیسے بھی ہوں، تبھی گاڑی آگے چلے گی نا۔ اللہ ان کی بھی خیر کرے، اور جہاں جہاں ان کی کمیاں ہیں، ان کو بھی اللہ پورا کرے۔ میں ان کے لیے ضرور دعائیں مانگتی ہوں، تو ایسے ایسے بندے بھی موجود ہیں۔ ہاں اگر وہاں کرسیاں رکھی جائیں تو میں ان بی بی کو بھی ضرور تشریف لانے کے لیے کہتا، تو یہ آرزو تھی کہ یہ کرسیاں ہوتیں تقویٰ کی بھی۔ تو اللہ نے ہی تعریف کی ہے، اور اللہ نے ہی اس کو پسند فرمایا ہے۔ تو جنرل ضیاء الحق نے کہا کہ آپ نے بالکل ٹھیک کہا ان لوگوں کو آگے لانا چاہیے لیکن اشفاق صاحب یہ Tradition نہیں رہی۔ یہ رسم نہیں رہی۔ ہم کیا کریں، اور کیسے کریں۔ آپ مل کر ہمارے ساتھ کام کریں۔ میں نے کہا کہ جی میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔ تو ہم نے یعنی میں نے، اور مرحوم نے بھی (اللہ ان کے درجات بلند کرے) اپنے طور پر زور لگایا۔ یہ سوال پیش کیا، لیکن وہ جو بڑے لوگ ہوتے ہیں نا، انہوں نے کہا کہ سر آپ کیا فضول سی بات کرتے ہیں۔ یہ تو طے شدہ ہے۔ پلان سارا تیار ہو گیا ہے' اس کے چارٹ بن گئے ہیں۔

یہ لوگ جو آپ کے اردگرد موجود ہیں، اور جن سے آپ لوگ استفادہ کر رہے ہیں، لیکن آپ کو علم نہیں ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ اپنی ذات سے' اپنے علم سے' اپنی تعلیم سے' اپنی خوبصورتی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نے اپنی پاور سے اس ملک کو فائدہ پہنچا رہے ہیں، نہیں۔ وہ لوگ جو خاموش رہ کر کام کر رہے ہیں۔ وہ لوگ جو آپ کے قریب سے گزر جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو دعائیں دیتے ہیں، اور دعائیں سمیٹتے ہوئے آپ کے اردگرد چکر کاٹتے رہتے ہیں وہ لوگ، وہ تقویٰ والے ہیں جن متقی لوگوں سے ہم واقف نہیں ہیں اور جن سے ہم واقفیت حاصل کرنا بھی نہیں چاہتے۔ تو میں آخر میں یہ عرض کروں گا کہ جب تک گھر سے دانا وانا لا کر بکھیرا نہیں جائے گا، واپس نہیں ملے گا۔

پیارے لوگو! ہم سندھ کے مشہور Desert تھر پار کر میں تھے، اور کافی دور نکل گئے تھے۔ صحرا کو تو آپ جانتے ہیں کہ جب وہاں کوئی آدمی پھنس جائے تو بڑی پیاس لگتی ہے۔ ننگر پار کر ایک جگہ ہے۔ اس کے بعد انڈیا کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے سامنے رن کچھ ہے، دلدلی قسم کی جگہ ہے، تو ہم راستہ بھول گئے۔ میں، اور ممتاز مفتی۔ ہم کافی عمر کے تھے، مگر جو ہمارا گروپ تھا، وہ Younger تھا۔ اب پیاس بڑی شدت کی لگی، اور خطرہ بھی پیدا ہو گیا کہ شاید Desert کے اس کارنر میں کوئی پانی بھی ایسا نہ ملے گا جو کہ پینے کے قابل ہو۔ دلدلی علاقہ تھا۔ چل تو ہم رہے تھے، اور مشکل بھی ہمارے ساتھ تھی، اور علاقہ بھی ایسا تھا جو کہ نہایت نامانوس تھا۔ وہاں ایک بڑا سا درخت تھا۔ ایک بڑی عجیب قسم کا درخت، جو شاید صحرا کے اس دلدلی علاقے میں ہی ہو سکتا تھا، اور اس علاقے کی سرحد کے قریب ہی سرخ رنگ کے پہاڑ تھے۔ وہ پہاڑ جن سے ہماری بادشاہی مسجد بنی ہوئی ہے۔ عجیب جگہ تھی۔ ہم خوفزدہ بھی تھے۔ تو جب ہم نیچے پہنچے تو آپ سن کر حیران ہوں گے کہ وہاں ایک ہینڈ پمپ لگا ہوا تھا تو میں نے کہا کہ ممتاز یہ تو پانی ہے۔ یہ اللہ نے ہی ایسا لگایا ہے۔ اس نے کہا کہ کہیں یہ پانی زہریلا نہ ہو۔ خیر وہیں پر ایک پرانی وضع کی مٹکی سی بھی تھی مٹی کی، اور اس پر بہت ساری کائی جمی ہوئی تھی۔ اس کے گلے میں دھاگا ڈال کر ایک کارڈ سا بھی لٹک رہا تھا' جس پر سندھی، اور اردو میں ایک عبارت تحریر تھی کہ خبردار! اس مٹکی کا پانی نہ پینا۔ سب سے پہلے آپ اس مٹکی کو اٹھا کر اس کے پانی کو نلکے میں ڈالیں اور جب وہ پورا بھر جائے تو پھر آپ ہینڈل چلائیں، اور پانی پی لیں۔ چنانچہ ہم نے مٹکی اٹھائی۔ پانی اس میں ڈالا، ہینڈل چلایا، اور پانی فٹافٹ چلنے لگا۔ اور ہم سب نے پیا، لیکن اس کے ساتھ ہی ایک آخری Instruction تھی۔ یاد رکھیے! جاتے وقت اس مٹکی کو پانی سے بھر کر رکھ کر جائیں۔ اگر آپ نے پانی لیا ہے تو آپ کو پانی دینا بھی پڑے گا، اور رکھنا بھی پڑے گا، ورنہ یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سوکھ جائے گا، اور وہ لوگ جو اس علاقے میں آئیں گے، وہ ٹھنڈے پانی سے محروم ہو جائیں گے...... الحمد للہ...... اس مٹکی کے حوالے سے ایک بات مجھے معلوم ہوئی جو آج مجھے بڑی دیر کے بعد یاد آئی۔ آپ کے سامنے عرض کر دی۔ اللہ آپ کو بہت ہی آسانیاں دے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف بھی عطا کرے، اور وہ مٹکی آپ کے ساتھ جائے۔ ہر وقت، اور ہر گھڑی جس میں سے ٹھنڈا پانی ملتا ہے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اَنا کی لٹھ

ہم سب کی طرف سے آپ سب کو سلام پہنچے۔

ایک بڑی مشکل آپ لوگوں کے ساتھ گفتگو کے شروع سے اب تک رہی ہے، اور وہ بدستور اس کے ساتھ چلی آ رہی ہے، اور اس کا مداوا مجھ سے کوئی ٹھیک طرح سے نہیں ہو پاتا، تو میں بڑی ایمانداری سے اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ ان خامیوں، اور کمیوں کو کس طرح سے دور کیا جائے، تاکہ اس میں آپ کی بھی تسلی ہو، اور میری بھی تسلی ہو۔ وہ یہ ہے کہ میں ''بابوں'' کا بہت ذکر کرتا ہوں، اور آئندہ بھی موقع ملا تو میں ان کا ذکر ضرور کروں گا۔

بابوں کی میں نے اپنے طور پر تعریف بھی آپ کی خدمت میں پیش کی تھی، اور اس کی Defination بھی بتائی تھی کہ ضروری نہیں کہ وہ بابا ایک بڑا لمبا سا چوغہ پہنے ہو، گلے میں ایک ہار ڈالا ہوا ہو اس نے منکوں کا، ریٹھوں کا، اور چھوہاروں کا، اور لال ڈاڑھی بھی ہو، اور آنکھوں میں سرخ سرمہ بھی ڈالا ہو، اور سر پر چوگوشیا ٹوپی بھی ہو، صرف وہی ہوتا ہے بابا، یہ ضروری نہیں۔ ایک بابا میں نے بتایا تھا کہ بہت ماڈرن، اعلیٰ درجے کا تھری پیس سوٹ پہنے ہوئے سرخ رنگ کی چوڑی پھن دار ٹائی لگائے ہوئے۔ اس کے اندر گولڈ کا بروچ ٹانکے ہوئے۔ اعلیٰ درجے کا کیمرا ہاتھ میں اٹھائے ہوئے، اور جتنی بھی اس موجودہ دور کی ساری Equipment ہیں، وہ اپنے ساتھ لیے ہوئے ہے۔ وہ بھی بابا ہو سکتا ہے۔

بابا کی ایک Basic Qualification یہ ہے کہ وہ اس فریم ورک کے اندر رہتا ہے، جو اللہ نے اپنے نبیوں کے ذریعے انسان کے لیے طے کر دیا۔

ہم گھوڑی کے اوپر اپنا بچہ بٹھا کر مری کی پہاڑیوں کے اوپر دوڑا دیتے ہیں۔ گھوڑے کو پتا ہے کہ اس پتھر پر پاؤں رکھنا ہے، اور اس پتھر پہ پاؤں نہیں رکھنا۔ ایک کتا ہے، وہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کو پتا ہے کہ مجھے یوں بو لینی ہے ایک چیز کی، اور یوں اگر کوئی غیر بندہ گھر میں آئے تو اس پر حملہ آور ہونا ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اسی طرح سے جو سارے جانور ہیں، وہ پختہ پیدا ہوئے ہیں، اور ان کا فریم ورک ان کا چوکھٹا ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک بے چارہ انسان ہی ایسا ہے کہ جب پیدا ہوتا ہے تو اسے تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ تعلیم حاصل کر کر کے، پوچھ پوچھ کے، توجہ دے دے کے، استفسار کر کر کے اپنی زندگی کا ڈھانچہ بناتا ہے' اور ایک ڈگر تیار کرتا ہے جس پر کہ وہ چلتا ہے۔ پھسلتا ہے' پھر چلتا ہے' پھر پھسلتا ہے۔ مثلاً کتا ہو، اور گھر میں چور آ جائیں تو آپ اس کی سنگلی کھول دیں، اور اس کو کہیں کہ ہش......، اور وہ کہے کہ جی میں نے تو ابھی F.A ہی نہیں کیا تو میں کیسے حملہ کر دوں۔ کوئی Education تو دینی چاہیے نا اس کو۔ تو کتا آرام سے بیٹھ جائے کہ جی میں B.A کروں گا تو حملہ کروں گا، ورنہ مجھے تو نہیں آتا، یا میں نے ٹائپ نہیں سیکھی، یا میں نے کمپیوٹر نہیں سیکھا۔ تو اللہ میاں سے پوچھا گیا کہ جی میں کیا کروں تو اللہ نے فرمایا کہ دیکھو! میں نے تمہارے لیے انبیاء کے ذریعے تمہارا ایک فریم ورک پہلے ہی پہنچا دیا ہے۔ جیسا وہ فرمائیں، اسی کے مطابق کرنا ہے، اور مزے سے سیٹی بجاتے ہوئے، زندگی کے سارے مزے لیتے ہوئے اپنی آکسیجن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، سبزی سے' دریاؤں سے' پہاڑوں سے' چٹانوں سے زندگی کے سفر کو طے کرنا ہے۔

تو ہم اس مقام پر آ کر پھنس جاتے ہیں، اور ہمارے درمیان وہ جو چوکھٹا یا فریم ورک دیا ہوتا ہے، اس میں، اور بھی بہت ساری چیزیں شامل ہو جاتی ہیں' جو انسان کو تنگ کرتی ہیں۔ جس مخلوق کا میں نے نام لیا، اس کا طے شدہ پروگرام ہے۔ وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق چلا جا رہا ہے۔ کبھی اس کے اندر اس قسم کا ٹیڑھا پن نہیں آتا' جیسا کہ انسان کے اندر آتا ہے۔

تو یہ جو بابے ہوتے ہیں نا، جنہوں نے مجھے بہت Attract کیا، جو ایک سیدھے راستے پر، سیدھی لائن پر' صراطِ مستقیم پر چلے جا رہے ہیں، وہ پکار کر کہتے ہیں اھدنا الصراط المستقیم، اللہ کہتے ہیں کہ یہ ہے، اور وہ کہتے ہیں بسم اللہ، ہم اس پر چلیں گے، اور وہ انعمت علیھم والے لوگ ہیں ان پر انعام نازل ہوتا ہے' وہ بن جاتے ہیں اور میں اس کی آرزو میں بھاگتا رہا۔ بھاگتا ہوں، اور بھاگتا رہوں گا کہ میں انعمت علیھم والے کسی بندے کو پکڑ لوں جس کے اوپر انعام نازل ہو، اور جب انعام کسی بندے کو ملا ہے، اور جس راستے پر وہ جا رہا ہوگا، اس کا راستہ صراطِ مستقیم ہی ہوگا۔ ٹھیک ہے نا۔ اب میرے اندر ایک چالاکی ہے' میں اس کے ذریعے ایک خودکلامی' یعنی ایک Self Dialogue کرتا رہتا ہوں۔ مجھے کس طرح وہ راہ ہاتھ آئے، جو آسان ہو۔ ہم لوگ جو ہیں وہ کم کوش لوگ ہیں، آرام طلب لوگ ہیں، اور بھی کئی مصیبتیں ہوتی ہیں۔ میں تصور کے زور پر ایک Fiction Writer ہونے کی حیثیت سے، یہ سوچتا ہوں کہ میں، مثلاً کبھی منڈی جاؤں، سبزی منڈی۔ اب میری صحت ٹھیک ہے، میں جا سکتا ہوں۔ تو وہاں پر مجھے کوئی انعام یافتہ بندہ مل جائے جس نے کچھ گاجریں،

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کچھ مولیاں، کچھ گوبھی خریدی ہوئی ہے، اور میں اس کو پہچانوں کہ یہ اصل بابا ہے۔ تو میں اس سے کہوں کہ سر میں آپ کا سامان اٹھالوں۔ تو وہ کہتا ہے، کتنے پیسے۔ میں نے کہوں، جو آپ دیں گے میں لے لوں گا۔ اب وہ انعمت علیھم والا بندہ ہے۔ وہ کہے گا کہ اچھا۔ تو جب وہ چلے، اور میں اس کا سامان لے کر سر پر اٹھا کر چلوں تو جس رستے پر وہ جا رہا ہے، میری آرزو یہ ہے کہ میں عین اس کے Foot steps کے اوپر چلتا جاؤں، کیونکہ اھد نا الصراط المستقیم جو ہے نا، وہ دکھایا انہوں نے، اور وہ صراط المستقیم پر چلا جا رہا ہے۔ اللہ نے یہ بتا دیا ہے کہ وہ لوگ جن پر میں نے انعام کیا، وہ میرے بندے ہیں۔ خیر، تو میں اس تلاش میں یہ کوشش کرتا ہوں کہ وہ بابے جو، جو سیدھے راستے پر چلتے ہیں' جو بھی کسی منڈی میں نظر آ جائیں، سڑک پر مل جائیں تو میں ان کو Follow کروں، اور جب تک میری سانس نہیں ٹوٹتی، میں ان کا پیچھا کروں، کیونکہ یہی میری زندگی کی آرزو ہے، کیونکہ میں اور جانداروں، جانوروں کے مقابلے میں ایک Human being ہوں، میں Animal of Soul ہوں۔ میرے اندر روح بھی ہے۔ بکرے، کتے، اور دوسرے جانوروں کے اندر جان ہوتی ہے۔ Spirit کہہ لیں ہوتی ہے، Soul نہیں ہوتی۔ میرے اندر اللہ نے Soul بھی رکھ دی ہے، اور پھونک اپنی مار دی ہے، تو میں اس کی تلاش میں رہا اور یہی بات میں نے آپ سے ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ کی ہے۔

تو آج میں آپ کو ایک آسانی بتانے لگا ہوں، اور اس کی مثال جو ہے اس علاقے سے۔ اس ٹیلیویژن سے ہے' جہاں پر میں نے 1964ء سے لے کر اب تک کا وقت کسی نہ کسی صورت میں گزارا ہے۔

میرے اوپر سب سے زیادہ گرفت اس بات کی ہوتی ہے کہ جناب ہم کو بھی بتائیں کہ بابا کہاں ہوتا ہے؟ ہم کو تو کبھی ملا نہیں۔ سچی بات ہے وہ صحیح کہتے ہیں کہ ہم کو تو ملا نہیں۔ کئی دفعہ تو یہ ہوتا ہے کہ میں گاڑی میں جا رہا ہوں، تو ریڈ بتی آ جاتی ہے آگے۔ تو کوئی بندہ شیشہ نیچے کر کے کہتا ہے کہ اشفاق صاحب! وہ بابا ہم کو بھی بتائیں، اور پھر شیشے چڑھا لیتا ہے۔ تو وہ اس طرح سے کہتا ہے کہ جیسے میری دکان ہوگی تو میں بتا دوں گا کہ یہ اپنا فلاں سٹور ہے وہاں سے جا کر لے لیں۔ بابا کو تو تلاش بھی اور طرح سے کرنا پڑتا ہے۔ وہ بھی میں ابھی آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ وہ بابا جو ہوتا ہے، اچھے، خوش نصیب انداز کا بابا' جس کے پاس راستہ ہے یا نہیں ہے۔ اس کی نگاہیں راستے کے اوپر رہتی ہیں۔ کسی نہ کسی طریقے سے۔ اور وہ گلی ہوتا ہے، اور وہ آپ کے قریب' آپ کے اردگرد۔ آپ کے لوگوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ آپ کے ساتھیوں میں سے ایک ہوتا ہے، اور میری، اور آپ کی انا اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں ایک ایسے آدمی کو بابا سمجھ لوں، جو میرا چپڑاسی ہے۔ یہاں پھنستی ہے بات۔ کیوں نہیں ملتا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ وہ بار بار پوچھتے ہیں۔ کہتے ہیں جی کیا آج کل بھی بابا ہوتا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہے۔ اکثر لوگ کہتے ہیں۔ تو اس معاملے میں ہمارے بابے کہا کرتے ہیں کہ جس ماضی کا حال شاہد نہ ہو، وہ ماضی جھوٹا ہے۔

اس عہد کو شہادت دینی پڑے گی کہ پہلے کے جو لوگ گزرے ہیں، وہ ٹھیک تھے تو ایک آدمی ویسا یہاں ضرور ہے، پھر ہی کہے گا نا۔ ورنہ تو یہ کہانی ہی ہے نا۔ قصہ ہی ہے نا۔ تو وہ شاہد موجود ہوتا ہے۔ اب وہ مجھے، میرے جیسے اندھے آدمی کو، جس کے دیدے ہیں، اس کو کیوں نظر نہیں آتا، کیونکہ میرے اوپر انا کی، تکبر کی، استکبار کی ایک گہری تہہ چڑھی ہوئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میں برانڈرتھ روڈ میں ایک دکان کرتا ہوں۔ وہاں کا جو بابا ہے، جس کے اوپر میں سامان صندوقڑی (صندوقچی) چکوا کر بھیجتا ہوں کہ جا فلانی دکان پر جا کے دے آ۔ یہ کس طرح سے بابا ہو سکتا ہے کہ میں اس کو کہوں، سلام۔ بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔ اس لیے آپ کی نگاہیں میری نگاہیں، اس آدمی کو تلاش نہیں کر سکتیں، اور کبھی بھی تلاش نہیں کر سکیں گی کیونکہ آپ کے، اور اس کے درمیان ایک گہرا پردہ لٹک رہا ہے۔

جب میں 1964ء میں ٹیلی ویژن کے ساتھ متعلق ہوا۔ یہ ٹیلی ویژن 64ء میں آیا تھا تو میں ریڈیو میں کام کرتا تھا تو یہاں اسلم اظہر تھے۔ اس کے پہلے مدار المہام۔ تو انہوں نے مجھے بلوا بھیجا کہ اشفاق صاحب آ گئیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہم ٹیلی ویژن کھول رہے ہیں، اور انشاء اللہ یہ جلد ہی کام شروع کر دے گا۔ چونکہ آپ کا ریڈیو کا کافی تجربہ ہے، اس لیے آئیں دیکھیں کہ ڈرامہ کیسے کریں گے تو میں ڈر گیا کہ یا اللہ ہماری تو کوئی ٹریننگ نہیں ہوئی۔ میں تو کہیں باہر سے پڑھ کر بھی نہیں آیا۔ ہمیں پتا ہی نہیں کہ یہ سب کیسے ہوگا۔ تو اگلے دن میں کرسی پر بیٹھا تھا، اور اسلم صاحب اندر کچھ کام کر رہے تھے، اور مجھے ان سے ملنا تھا لیکن خوف دل میں بدستور قائم تھا' ڈرامے کے بارے میں یہ ڈرامہ کیسے لکھا جائے گا۔ یہ کیسے ہوگا، ہماری تو کوئی ٹریننگ نہیں ہوئی۔ تو جہاں میں کرسی پر بیٹھا تھا، اس کے قریب ہی ایک اور بنچ تھا۔ اس کے اوپر اور نوجوان لڑکا بیٹھا تھا۔ تو میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کو بھی ملنا ہے' تو اس نے کہا کہ جی ہاں۔ تو میں نے کہا کہ اچھا بڑی خوشی کی بات ہے۔ پھر میں اندر چلا گیا۔ باتیں ہوتی رہیں۔ کچھ ڈسکس کرتے رہے، اور میرا خیال تھا کہ وہ نوجوان بھی اندر چلا گیا ہوگا۔ اس نے بھی کچھ باتیں کی ہوں گی، اور وہ جس نوکری کے لیے آیا تھا، اسے اس نوکری پر رکھ لیا گیا۔ وہ صاحب کا ڈرائیور تھا۔ اس شخص کا نام میں آپ کو آج بتاتا ہوں، وہ گل حیدر تھا۔ وہ اس سٹیشن میں اس چاردیواری کے اندر صاحب کی بڑی گاڑی چلانے پر مامور ہو گیا لیکن جب میں اس کے پاس بیٹھا تھا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اس کے انداز سے' اس کے چہرے سے' اس کے ساتھ ایک دو باتیں کرنے کے انداز سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہوا تھا کہ یہ آدمی کچھ مختلف سا ہے۔ بہرکیف اس کی نوکری لگ گئی۔ چلتا رہا یہ سب۔ پھر ہم یہاں آتے رہے، اور وہ ملتا رہا۔ سلام کرتا رہا بڑے ادب کے ساتھ، اور ہماری اور اس کی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

گفتگو ہوتی رہی، لیکن میرے سارے ساتھی جو 2000 بندے یہاں کام کرتے تھے، ان کے مقابلے میں میری نگاہ مختلف تھی کہ یہ ڈرائیور جو ہے گل حیدر، یہ کچھ اور طرح کا ہے۔ لوگ اپنی تنخواہیں بڑھانے کے لیے نعرے مارتے تھے، جیسے چھوٹے ملازمین وغیرہ جو ہیں کرتے ہیں۔ تو یہ بھی ایک کونے میں پرے کھڑا ہوتا تھا۔ تو میں کہتا تھا کہ گل حیدر تم بھی نعرے لگاؤ۔ وہ کہتا تھا نہیں صاحب! وہ سب کھڑے ہیں نا، وہ Community اپنی۔ لیکن اس کے اندر ایک احتجاجی رنگ نہیں اختیار کر سکا۔ پتا نہیں کونسی بات تھی یا کونسی بات نہ تھی کہ میں یوں کر کے کہہ دوں کہ یہی بات تھی، لیکن میں اس سے متاثر ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ میں اسے دیکھ دیکھ کر اس کے متعلق بات نہ کر کر کے کچھ اس سے اتنا خوفزدہ سا ہو گیا تھا کہ میرے اندر ادب کی وہ لہر جو ایک اچھے آدمی کے لیے دل میں پیدا ہوتی ہے، وہ زیادہ دبیز ہو گئی، اور میں نہیں چاہتا تھا کہ میں اسے زیادہ Face کروں یا وہ میرے سامنے آئے۔ ایسے بھی ہوا ہے کہ میں یہاں سے کوئی ایک دو پروگرام کر کے نکلا ہوں تو اسلم صاحب نے کہا کہ چلیں گل حیدر آپ کو چھوڑ دے گا۔ ڈرائیور تھا نا۔ تو میں نے کہا کہ جی میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔، اور مجھے اسلم صاحب کہتے کہ کیوں جی کیا ہو گیا۔ یہ تو بڑا اچھا ہے۔ یہ ہمارے سارے لوگوں میں سب سے اعلیٰ ہے۔ بڑا Safe ہے اور بہت دھیمے مزاج کا آدمی ہے' تو میں کہتا کہ نہیں سر مجھے کسی اور کے ساتھ بھیج دیں، کیونکہ میں اس کے ساتھ جانا نہیں چاہتا۔ خیر ان کو سمجھ نہ آئی میری بات۔ آج میں ایک بڑا عجیب سا راز آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں' جو شاید اگر آج یہ بات چیت نہ ہو رہی ہوتی تو میں کبھی بیان نہ کرتا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے میری انا، اور میرا تکبر اس بات پر مجبور کر رہا تھا کہ میں اس کے زیادہ قریب نہ ہوں جتنا کہ آدمی آجایا کرتا ہے۔

میں ایک بڑا پڑھا لکھا آدمی ہوں۔ بڑا Well placed ہوں، اور میرا رتبہ بہت ہے، اور لوگ مجھے بہت زیادہ سلام کرتے ہیں، لیکن ایمانداری کی بات ہے کہ جتنی دیر وہ یہاں رہا، اور جتنی دیر میں وہاں رہا، اس کے سامنے اپنے آپ کو ایک معمولی انسان ہی سمجھتا رہا، اور مجھے یقین ہے، اور میرا ایمان ہے کہ میں ٹھیک تھا، اور میں سچائی پر تھا...... اور میں حق پر تھا۔

ایک وقت ایسا آیا کہ ہم یہاں پر کسی ڈرامے کی شوٹنگ کرنے کے لیے باہر گئے۔ کسی پانی کنارے، کسی دریا پر، راوی کے اوپر، تو وہاں پر گل حیدر کا جو بیٹا تھا، اس کو بھی انہوں نے Cable boy یعنی جو تار اٹھاتے ہیں مقرر کر دیا تھا۔ تو out door شوٹنگ تھی۔ گل حیدر کا بیٹا بڑا اچھا، بڑا پیارا سا، خوبصورت سا جیسے پٹھانوں کے بچے ہوتے ہیں، وہ تھا۔ بچہ کچھ شرارتی سا تھا۔ اس نے' جیسے بچے Rowdyism کرتے ہیں، پانی میں چھلانگ لگا دی۔ اب وہ ایسی خوفناک جگہ تھی کہ جہاں پر اس بچے کے ڈوبنے کا لوگوں کو 100 فیصد خدشہ ہو گیا تھا، اور کسی کی بھی ہمت نہ پڑی کہ اسے نکالا جائے۔ جو تیرنا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جانتے تھے، ان کی بھی نہیں تو اس Cable boy نے کیبل چھوڑ کر اس کے پیچھے چھلانگ لگا دی، اور جا کر اس کو پکڑ لیا۔ ڈوبنے سے اس کو بچا لیا۔ لیکن خود ڈوب گیا، اور سب لوگ جو شوٹنگ کے لیے وہاں موجود تھے، ان کے دلوں پر اس کا بڑا بوجھ تھا۔ اور ہم اس کے جسدِ خاکی کو لے کر گئے۔ ایک جیتا جاگتا اچھا بھلا آدمی لے کر گئے تھے لاش لے کر آ گئے۔ واپس لے کر آئے۔ اب میرے لیے اس کو Face کرنا مشکل ہو گیا، وہ ایک باپ تھا، اور اس نے بڑی امنگوں، آرزوؤں کے ساتھ اس کو پالا تھا، تو میرا حوصلہ نہیں پڑتا تھا، لیکن میں چاہتا تھا کہ میں ضرور جاؤں۔ تو آخر میں اس کے پاس گیا۔ میں نے کہا کہ گل حیدر یہ حادثہ ہو گیا ہے، اور مجھے اس کا بڑا افسوس ہے۔ کہنے لگا نہیں سر افسوس تو تب ہوتا جب یہ حادثہ ہوتا۔ یہ تو بس اللہ کا حکم ہی ایسا تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ صاحب اللہ کی کتاب ہوتی ہے نا۔ بس اس میں ایسے لکھا تھا۔ اب میں Faith کی بات کرتا ہوں۔ اس نے کہا کہ صاحب اس کا حکم تھا، اب ہم اس کے حکم کے آگے سر نہیں اٹھا سکتے۔ میں نے کہا، افسوس ہے۔ کہنے لگا، ہاں جی افسوس ہے۔ میں نے کہا کہ غم ہے، کہنے لگا، جی غم ہے۔ میں نے کہا شکایت ہے، کہنے لگا' شکایت نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ کوئی شکوہ ہے۔ کہنے لگا، کوئی شکوہ نہیں۔ بس جی جب میں گھر جاتا ہوں تو میں بیٹھتا ہوں، مجھے اس کا چہرہ دکھائی دیتا ہے۔ میں غم میں ڈوب سکتا ہوں، کرب میں مبتلا ہو سکتا ہوں، اپنے آپ کو پامال کر سکتا ہوں، لیکن میں شکایت نہیں کروں گا۔

میں نے بہت سا وقت اس کے قریب مختلف زاویوں سے گزارا کہ دیکھیے! ایک بڑے آدمی کو Face کرنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ اور جب آپ کا اندر ماننے لگے، تو پھر تو اور بھی مشکل ہے۔ دیکھیے نا پولیس آفیسر آتے ہیں۔ ان سے لوگ ڈرے ہوئے ہوتے ہیں۔ جب آپ کا اپنا اندر ماننے لگے تو بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ بہر کیف اب ہم بوڑھے ہو گئے ہیں۔ لمبا وقت گزر گیا۔ ٹائم کتنا سارا چلا گیا اور گل حیدر اس ٹیلی ویژن کے دفتر سے' اس سٹیشن سے' ریٹائر ہو گیا، اور وہ اپنے گھر چلا گیا۔ میری بڑی آرزو تھی کہ میں اب ریٹائر ہونے کے بعد اس سے ضرور ملوں کچھ موقع نہیں ملا۔ کچھ ٹائم نہیں ملا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک دن وہ مجھے مل گیا، اور وہ بہت خوش تھا۔ میں نے کسی ریٹائر آدمی کو اتنا خوش پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے کہا کہ ریٹائر ہو گئے ہو۔ کہنے لگا، جی صاحب جی۔ میں نے کہا' آپ خوش ہیں۔ کہنے لگا کہ جی اللہ کا بڑا فضل ہے۔ میں نے کہا کہ اب تم کیا کرو گے۔ کہنے لگا، کہ سب سے پہلا کام میں یہ کروں گا کہ میں اپنا ڈرائیونگ لائسنس پھاڑ کے پھینک دوں گا کہ دوبارہ آرزو پیدا نہ ہو نوکری کرنے کی، ڈرائیوری کرنے کی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ میں خضاب نہیں لگاؤں گا۔ وہ لگا تا تھا روزانہ اپنے آپ کو سیٹ رکھنے کے لیے، اور تیسری بات یہ اس نے کہی کہ اشفاق صاحب میری بڑی آرزو ہے کہ اب میں دبا کر عبادت کروں۔ میں اکیلا بیٹھوں گا، اور اپنے اللہ سے کچھ باتیں کروں گا۔ یہ میری بڑی آرزو ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بڑا جی چاہتا ہے۔ بس وہ یہ تین خواہشیں تھیں اس کی۔ وہ جہاں کہیں بھی ہے، میرا دل سے اس کو سلام پہنچتا رہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میری انا، آپ کا تکبر، آپ کی سوچ، ہمارا اپنے آپ کے اندر چھپنے رہنا۔ ہمارے قریب سے یقیناً اس قسم کے بڑے آدمی گزرتے رہتے ہیں، اور ہم پوچھتے رہتے ہیں کہ جناب ہم کو تو کوئی نہیں ملا۔ ہم نے اتنی بڑی انا کی لٹھ موںڈھے (کندھے) پر رکھی ہوئی ہے کہ کوئی قریب تو آئے ہم اس کا بوتھا (منہ) سینک دیں گے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں

ہم سب کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچے۔

ہم ایک دن تحریر کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ کوئی ہم سے پوچھ رہا تھا کہ جو تحریر ہے، اس کو آپ کس طرح سے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں کہ ایک تحریر صحافت کی ہوتی ہے، اور ایک تحریر ادب کی ہوتی ہے، اور ان میں کیا فرق ہے؟ تو میں ان سے یہی عرض کر رہا تھا کہ صحافت کی تحریر ایک وقائع نگار کی تحریر ہوتی ہے۔ وہ جو جو واقعات دیکھتا ہے، انہیں کے ساتھ کو دیکھ پرکھ کر ایک فریم ورک میں موجود کر کے لکھتا ہے، اور وہ سچ کے پیچھے، اور تحقیق کے پیچھے جانے کی پوری کوشش کرتا ہے، اور سعی کرتا ہے، اور ان واقعات کو جو گزرے، وہ واقعات جو آنے والے ہیں، اور جس کے بارے میں وہ ان حال کے واقعات سے اندازہ لگاتا ہے، وہ صحافت کی تحریر کہلاتی ہے۔

اور جو ادیب ہوتا ہے، وہ اس حقیقت سے ایک رمز تلاش کرتا ہے۔ ایک مختلف حقیقت کی طرف جاتا ہے، جسے آپ Separate reality کہتے ہیں۔ ایک Reality تو وہ ہے جو آپ زندگی میں ہر روز ملاحظہ کرتے ہیں۔ لیکن ایک Reality' ایک حقیقت وہ ہے جس کو ایک صاحبِ نظر یا صاحبِ بصیرت آدمی اس کی تہہ تک پہنچ کر تلاش کرتا ہے۔ مثلاً درختوں کے پھل جب پکتے ہیں، اور پکنے کے بعد آخری مرحلے کو پہنچتے ہیں تو شاخوں سے ٹوٹ کر زمین پر گرنے لگتے ہیں، اور یہ ایک دنیا بھر کے سارے ملکوں میں، سارے علاقوں میں، ساری جگہوں پر ایک طے شدہ معاملہ ہے کہ اشجار پھلوں کو جب وہ پک جاتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے لیکن جب نیوٹن ایک بنچ کے اوپر بیٹھ کر اپنے کوٹ کے کالر کھڑے کر کے اس پھل کو جو پک چکا ہے، گرتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ ایک Separate Reality بیان کرتا ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ اس کی وجہ Gravity ہے۔ ادیب بھی اس رمز کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے، جو بیّن حقیقت میں موجود نہیں ہوتی۔ آپ سے یہ بات کرتے ہوئے مجھے ایک بہت دیر کا پڑھا ہوا واقعہ یاد آیا' جو شاید ہم سب کو یہ بات سمجھنے میں مدد دے۔ ہمارے یہاں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

گولڑہ شریف میں پیر مہر علی شاہ تھے۔ان کے نام سے آپ سب واقف ہیں۔

ان کے صاحبزادے تھے غلام محی الدین صاحب، جن کو عرفِ عام میں لوگ ''بابو جی'' کہتے تھے۔وہ بابو جی کے نام سے جانے جاتے تھے۔ان کو کوئی اپنی طبعِ علمی کے اظہار کا اتنا چاؤ نہیں تھا۔مجھے ان کی خدمت میں حاضری دینے کی بڑی آرزو تھی، ایک دفعہ بڑی کوشش کر کے میں گولڑہ شریف پہنچا، دوپہر کا وقت تھا۔میں نے کہا کہ میں بابو جی سے ملنا چاہتا ہوں، تو انہوں نے کہا کہ وہ سو رہے ہیں، لیکن چونکہ آپ لاہور سے آئے ہیں، اس لیے ان کو جگا دیتے ہیں۔میں نے کہا کہ نہیں، ایسی گستاخی نہیں ہونی چاہیے۔میرا ملنا نہ ملنا کوئی اتنی اہمیت نہیں رکھتا۔ان کا سونا، وہ بہت ہی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔چنانچہ میں ان سے مل نہیں سکا، اور یہ حسرت میرے دل میں ہی رہی۔

باؤ جی جب بہت چھوٹے تھے، بالکل بچے تھے۔آپ نے اگر گولڑہ شریف دیکھا ہو، اور اس کے قریب سے گزرے ہوں جو اسلام آباد والے ہیں، وہ تو روز ہی گزرتے ہیں۔تو آپ دیکھیں گے کہ بستی کے عین ساتھ ساتھ ایک ریلوے لائن ہے۔گاڑی بستی کے قریب سے گزرتی ہے، یعنی گولڑہ شریف کا، اور ٹرین کا ایک بڑا گہرا رشتہ ہے۔گاڑی جب گزرتی تھی تو بابو جی اس گاڑی کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔بہت چھوٹے تھے نا۔تو وہ گاڑی کی محبت میں مبتلا ہو گئے۔ایسی گہری محبت میں مبتلا ہوئے کہ دنیا مافیہا کا کوئی ہوش نہیں رہا۔وہ گاڑی کے عشق میں ہی مبتلا ہو گئے تھے، اور اسے دیکھتے تھے۔جب انہوں نے دیکھا کہ اس کو ایک انگریز چلا رہا ہے۔پیچھے جو جھنڈی ہلانے والا ہے، وہ بھی انگریز ہے، اور جب وہ جھنڈی ہلاتا ہے تو گاڑی Whistle دیتی ہے، اور پنڈی کی طرف روانہ ہوتی ہے بابو جی۔پہلے تو کھڑے ہو کر ہاتھ ہلاتے تھے، اور گاڑی گزرتی تھی۔جب اس چھوٹے بچے کا، اس معصوم کا ہاتھ ہلانا، اور ہر روز اس گاڑی میں استغراق دیکھا، تو جو ڈرائیور تھا وہ بھی جواب میں ہاتھ ہلانے لگا۔انگریز میں یہ خوبی بڑی تھی، اور آج بھی ہے۔پھر انہوں نے کیا کیا کہ ایک چھوٹا سا ڈنڈا لیا، اور اس کے اوپر گرین کپڑا باندھ کے اس کی جھنڈی بنائی، اور جیسے ریلوے سٹیشن پر جھنڈی لہرا کر گاڑی کے نکاس کی اجازت دیتے ہیں نا، یہ بچہ بھی وہاں کھڑا ہو کے گرین جھنڈی ہلاتا تھا، اور وہ گاڑی جاتی تھی۔کچھ دن تو یہ کھیل رہا، پھر اس کے بعد جب وہ گرین جھنڈی ہلاتے تھے تو ڈرائیور Wistle دیتا تھا کہ Yes Sir آپ کا Order بھی ہم نے تسلیم کیا، اور ہم گزر رہے ہیں۔وہ جھنڈی ہلاتے رہے۔

گرین جھنڈی کے ساتھ گاڑی وہاں سے گزرتی رہی۔پھر ان کو ریلوے سٹیشن پر جانے کے بعد پتا چلا کہ ایک چیز سگنل بھی ہوتی ہے، اور جب سگنل ڈاؤن ہوتا ہے تو گاڑی گزرتی ہے، اور جب Up ہوتا ہے تو گاڑی نہیں گزرتی۔چنانچہ انہوں نے لکڑیاں وکڑیاں جوڑ کے اپنے مریدوں سے کہہ کہلوا کے رسیاں ٹاکیاں لے کے ایک لکڑی کا بڑا سا سگنل بنایا، اور اس کو گھر کے کوٹھے کے اوپر لگا دیا، اور انہوں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نے تناؤ باندھ لی۔ اب جب گاڑی کے آنے کا وقت ہوتا تو وہ رسی ڈھیلی کر دیتے تھے۔ سگنل ڈاؤن ہو جاتا تھا اور گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی، اور Wistle دیتی ہوئی وہاں سے گزر جاتی تھی۔ اس چیز نے ان کو بڑا مشکل میں ڈال دیا، اور ٹائم کا پابند بنا دیا...... کیونکہ بھئی ظاہر ہے کہ گاڑی تو وقت پر گزرتی ہے، اور ان کو رات کو جاگنے پر بھی مامور کر دیا، کیونکہ رات کو بھی جاگنا پڑتا تھا، تو پھر گاڑی ان کا سگنل Receive کر کے گزرتی تھی۔

تو ایک دفعہ شام کے وقت جب وہ کھیل رہے تھے تو وہ بھول گئے، اور سگنل up رہ گیا۔ وہ دوستوں کے ساتھ کھیلتے رہے تو وہ جب انگریز نے سگنل up دیکھا تو گاڑی اس نے روک دی کہ سگنل up ہے۔ میں کیسے گزر سکتا ہوں، اور اس نے بڑی Wistles دیں، اور جب اس نے وسلیں دیں تو یہ اپنا کھیل چھوڑ کر بھاگے، اور جا کر سگنل کو ڈاؤن کیا، اور گاڑی...... چھکا چھک...... چھکا چھک...... دوڑنے لگی۔ جب تک یہ سگنل ڈاؤن نہیں کرتے تھے۔ وہ اس کی محبت میں مبتلا صاحب جو تھا، وہ ان کو ویسے ہی جواب دیتا تھا جیسا کہ ایک ڈرائیور کو اپنے سگنل مین کا جواب دینا چاہیے، اور وہ اس کے عشق میں مسلسل مبتلا چلے جاتے رہے جو مرید حضرات پیر مہر علی شاہ صاحب کے پاس آتے تھے، اور صاحبزادہ کو دیکھتے تھے ان میں گوالیار کے کوئی صاحب بھی تھے۔ نام تو مجھے ان کا یاد نہیں کیونکہ بڑی دیر کی بات ہے، تو انہوں نے کہا کہ صاحبزادے آپ اس کالے کلوٹے (انجن) کے عشق میں کیوں مبتلا ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں چار وجوہات کی بنا پر اس کے عشق میں مبتلا ہوں، اور ان چار وجوہات کی وجہ سے مجھے انجن بہت ہی پیارا لگتا ہے۔ وہ بہت حیران ہوئے کہ صاحب انہوں نے تو ایک فلسفہ نکالا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ آگ کھاتا ہے۔ انگارے ہضم کرتا ہے۔ اپنی جان پر دکھ سہتا ہے، اور یہ دکھ سہہ کر جس منزل کا تہیہ کرتا ہے اس کی طرف جاتا ہے۔ دوسرے یہ مجھے اس لیے پسند ہے کہ یہ جس منزل کا ارادہ کرتا ہے، اس پر پہنچ کر ہی دم لیتا ہے۔ اب اگر اس نے یہ تہیہ کیا ہے کہ میں سمہ سٹہ جاؤں گا تو کوئی طاقت اس کو نہیں روک سکتی، اور تیسری صفت یہ ہے، اور سب سے پیاری بھی کہ جس نے مجھے اس کے عشق میں مبتلا کیا کہ یہ First class کے ڈبے کو بھی اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے، اور Third Class کے ڈبے کو بھی، اور گندی بوگی کو بھی لے کر چلتا ہے۔ یہ یہ نہیں کہتا کہ تو یہاں رہ، میں تو First class کے ڈبے کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ اور چوتھی چیز یہ ہے کہ یہ صراطِ مستقیم کا مالک ہے۔ نہ ایک انچ اِدھر جاتا ہے، نہ ایک انچ اُدھر۔ جو راستہ اس نے طے کر لیا ہے، اس کے اوپر چلتا ہے۔ اب انجن تو ہم سب نے دیکھا ہے، لیکن جو Seperate reality اس نوجوان لڑکے نے اس کی بیان کی ہے، وہ ایک اور Reality ہے۔ تو یہ Reality ہے جو ہم لکھنے والے چھوٹے بڑے درجے کے اس کی تلاش میں رہتے ہیں کہ ایک حقیقت تو یہ ہے جو ہمارے سامنے چلی آ رہی ہے، اور ایک حقیقت

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

وہ ہے جو کہیں، اور پوشیدہ ہے۔

سائنس کے سٹوڈنٹس یہ بات مجھ سے بہتر جانتے ہوں گے کہ جیسے معلوم کی دنیا ہے ایسے ہی نامعلوم کی دنیا بھی ہے۔ اور جو اس کو تسلیم نہیں کرتا، اس کی سوچ بڑی محدود ہو جاتی ہے، کیونکہ لامعلوم کی دنیا پھیل جاتی ہے اور جب کہ اللہ نے فرمایا کہ "ہم نے آپ کو علم دیا ہے۔ الا قلیلا...... یعنی تھوڑا سا دیا ہے تو باوجود اس کے کہ اس کا Separate Reality سے جس کا کہ میں ذکر کر رہا ہوں، کوئی ایسا قریب کا تعلق نہیں ہے، لیکن کبھی کبھی میں آپ کو تسلیم و رضا کی خوڈال کے' کچھ ایسے خفیہ راز بھی بتا دیتا ہوں جو میری ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔

میں ایک لکھنے والا ہوں۔ جیسا کیسا بھی ہوں، میں بھی جانتا ہوں، اور آپ بھی جانتے ہیں۔ اس میں ایسی کوئی فخر کی بات نہیں ہے، لیکن انسان کے اندر ایک چیز ہوتی ہے، اور وہ اسے محسوس کرتا ہے کہ شاید مجھ سے بہتر کوئی اور نہیں ہے۔ مجھے ایک دن خیال آیا اور میں نے سوچا کہ میں لکھنے والے کی حیثیت سے' Broadcaster کے انداز سے کچھ تھوڑا سا معروف آدمی ہو گیا ہوں، اور لوگ مجھے جانتے ہیں لیکن میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں کتنا معروف ہو گیا ہوں، اور لوگ مجھے کتنا جانتے ہیں، تو میں نے اس کا ایک ٹیسٹ نکالا۔ میں نے ایک کارڈ لیا خالی اور میں نے اس کے اوپر لکھا کہ۔

محترمی جناب اشفاق صاحب!

آپ سے ملنے کو بڑا دل چاہتا تھا۔ اللہ کرے، آپ سے ملنے کا کبھی کوئی موقع ملے وغیرہ وغیرہ......!!

جیسے اپنے Fans وغیرہ کو خط لکھے جاتے ہیں نا۔ ویسے ہی میں نے بھی لکھا، تو اب جو میں نے ایڈریس لکھا تو وہ یہ تھا کہ "اشفاق صاحب مشہور ڈرامہ نویس۔ لاہور" باقی Details نہیں دیں کہ میں کس محلے میں رہتا ہوں۔ یہ لکھ کر میں نے اس کو سپرد ڈاک کر دیا، تو وہ تقریباً تین دن کے بعد مختلف مہریں لگا ہوا مجھے مل گیا۔ اس میں بہاولپور کی مہر بھی تھی۔ رحیم یار خان کی بھی تھی، اور مختلف جگہوں کی تھیں، تو مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ یا اللہ یہ بڑے کمال کی بات ہے، اور میں ماشاء اللہ کافی معروف آدمی ہوں۔ تین دن کے بعد ملا، لیکن ملا تو سہی۔ اب اتفاق دیکھیے، اور قدرت کی ایک Reality کو اجاگر کرنے کا ایک انداز ملاحظہ فرمایئے۔ تقریباً ایک مہینے بعد یا 20-15 دنوں کے بعد مجھے ایک لفافہ ملا۔ بڑا اچھا سا۔ خوبصورت سا، اور اس کے اوپر لکھا ہوا تھا۔ "اشفاق احمد۔ بکواسی BroadCaster کو ملے"...... اس پر نہ لاہور لکھا تھا، اور نہ میرے گلی محلے کا نام...... اس کے اوپر صبح 9:30 کی راولپنڈی کی مہر تھی، اور شام 4:30 کی اس کی Delivery کی مہر تھی۔ یعنی اسی دن وہ مجھے مل گیا، یعنی بظاہر اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا، لیکن میں کبھی کبھی رمز کے انداز میں سوچتا ہوں کہ جب رمزیں واضح ہونے لگتی ہیں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تو کئی کئی طریقوں سے...... عجیب عجیب انداز سے کھلتی ہیں تو لکھنے والوں کے لیے، اور غور کرنے والوں، اور محسوس کرنے والوں کے لیے اس Separate Reality کی طرف نگاہ کرنا، اور نگاہ رکھنا بہت ضروری ہے، کیونکہ وہ اس Reality کو اس مختلف حقیقت کو جان کر پھر اپنے لوگوں کے قریب آسکتے ہیں۔ جو لوگ صرف ایک ہی حقیقت کے مارے ہوئے ہوتے ہیں، وہ پھر ایک ہی لائن پر چل سکتے ہیں۔ ان کو بھی ان لوگوں کی تکالیف کا اندازہ نہیں ہو سکتا، جن کی تکالیف ان سے مختلف ہوتی ہیں، بلکہ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ اپنے جیسی تکالیف ہوں تو ان کا بھی اندازہ نہیں ہوتا ہے۔

چونکہ ابھی تحریر کے سلسلے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ اس لیے میں نے اسے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، لیکن ہمارے زاویہ میں ہر طرح کی باتیں ہوتی رہتی ہیں، اور ہوتی رہیں گی، اور ہم اس پر ہر ایک زاویہ سے ایک اور Angle سے غور کرتے رہیں گے۔ یہ تو تھی میری بات، جو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کر دی، اور آپ کے سامنے پیش کر دی، لیکن اب میرا بھی ایک مسئلہ ہے، جو میں آپ سے پوچھنا چاہوں گا، اور اسے آپ حل کریں گے۔ کوئی ایسا پیچیدہ تو نہیں ہے، لیکن اکثر مختلف مقامات پر، مختلف اوقات میں وہ مجھے، آپ کو، ہم سب کو گھیرے میں لیے ہوتا ہے۔ یہ عام طور پر نوجوان لڑکے لڑکیاں خاص طور پر اس بات کا اعادہ کرتی ہیں کہ اس دنیا میں مجھے کوئی سمجھ نہیں سکا اور افسوس کہ کسی نے میری حقیقت کو نہیں جانا۔ آپ کی اردو شاعری بھی اس سے بھری پڑی ہے۔

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں
مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

لوگوں کو یہ شکایت عام ہے کہ میرے دل کو کوئی نہیں سمجھتا۔ تو یہ فرمائیے کہ یہ بات کس حد تک درست ہے؟ کیا واقعی آدمی دوسرے آدمی کو نہیں سمجھتا؟ کیا واقعی نا سمجھے جانے والے انسان کے پاس اتنا کچھ ہوتا ہے کہ جس سے دوسرا آدمی فائدہ نہیں اٹھا رہا ہوتا؟ کیا واقعی نا سمجھے جانے والے انسان کا وجود اتنا قیمتی ہوتا ہے کہ وہ ہر جگہ، ہر مقام پر ہر وقت روتا پھرتا ہے۔ آپ کے خیال میں کیا ہے؟

حاضرین میں سے: اشفاق صاحب! بات یہ ہے کہ اگر آپ نے شاعروں کا حوالہ نہ دیا ہوتا تو میں بڑی سخت بات کرتا لیکن آپ نے شاعری کا حوالہ دیا ہے تو مجھے نسبتاً نرم رویہ اختیار کرنا پڑے گا۔ بات یہ ہے کہ جب آدمی گمراہ ہو تو دوسروں کو بھی جہالت میں مبتلا کر دیتا ہے، اور ان کو اپنی ہی نظروں میں چڑھا دیتا ہے، اور وہ اپنی نظروں میں چڑھتے چلے جاتے ہیں، اور دنیا کی نگاہوں میں گرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ جو لوگ اپنی نگاہ میں خود ہی چڑھتے چلے جاتے ہیں، وہ عموماً سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھے ہیں مگر دنیا ہمیں نہیں سمجھ پائی۔ یہ ان کی ایک بہت عجیب سی صورتِ حال ہے۔

اشفاق احمد: آپ اختر عباس! کیا سمجھتے ہیں کہ یہ رویہ درست ہے؟

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اختر عباس: سر بات یہ ہے کہ توجہ طلبی کا سارا مسئلہ ہے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے دنیا سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ ہمارا مشاہدہ زیادہ تیز ہے، اور اسے شیئر کرنے والے زیادہ ہونے چاہئیں کیونکہ لوگ ان سے شیئر نہیں کرتے۔ ان سے پوچھتے نہیں ہیں تو پھر وہ شکوے سے بھرے ہوئے بولتے ہیں۔

اشفاق احمد: ویسے یہ گلہ بڑا عام ہے اختر عباس صاحب!

اختر عباس: لیکن سر یہ گلہ بے جا ہے۔ میری اپنی Feeling یہ ہے کہ یہ بے جا ہے۔ اس پر اس طرح سے اصرار کرنا نہیں چاہیے۔

اشفاق احمد: آپ خالد صاحب کیا سمجھتے ہیں؟

خالد صاحب: سر میرا خیال ہے کہ جب ایک فرد اپنے مفادات کے مطابق Society میں عمل کرنا چاہتا ہے اور سامنے والے افراد اپنے مفادات کے مطابق عمل کرنا چاہتے ہیں اور جب دونوں کے مفادات میں ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے تو جو ہارتا ہے یا جس کے مفادات ضرورت کے مطابق پورے نہیں ہو پاتے، تو وہ شکوہ کناں ہو جاتے ہیں۔ لیکن...... میرے خیال میں ایسے آدمی کی اپنی Personality میں کمی ہوتی ہے۔ وہ صحیح طور پر سمجھا نہیں پاتے یا اس کی Personality واضح نہیں ہو پاتی، تو وہ اس کا گلہ عوام الناس سے کرتا ہے کہ مجھے کوئی نہیں سمجھتا ہے۔

اشفاق احمد: آپ لوگوں نے کبھی اپنی ذاتی زندگی میں ایسا اعلان کیا؟

ایک سامع: اشفاق صاحب! ہوتا ہے اکثر...... اس میں کوئی ایسی بات نہیں۔ ہر بندے کی زندگی میں ایسا وقت آتا ہے...... ایسا موڑ آتا ہے کہ جب وہ Emotional ہو جاتا ہے تو وہ سمجھا نہیں پاتا، لیکن جب وہ ٹھنڈے دل سے سوچتا ہے تو وہ خود ہی Realise کرتا ہے کہ اس میں میری ہی خامی تھی۔ تب وہ بندہ خود ہی منصف ہوتا ہے، لیکن Emotional ہونے کی صورت میں وہ دوسروں کو Blame دیتا ہے کہ اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ لیکن میرا مشاہدہ ہے کہ اس میں ضروری نہیں کہ ان میں پڑھے لکھے لوگ ہی شامل ہوں۔ وہ خواتین جو بہت تعلیم یافتہ نہیں ہوتیں، وہ بھی یہ شکایت کرتی ہیں اپنی پڑوسنوں سے کہ مجھے کوئی سمجھنے والا ملا ہی نہیں ہے۔

تو وہ جذباتی ہوتی ہیں نا، اس لیے ایسا سوچتی ہیں۔

لیکن (اشفاق صاحب) ہم سب کا جو Angle ہے، وہ شاید بڑا محدود ہو۔ آپ کی نظر مختلف حوالوں سے مختلف چیزوں پر لوگوں پہ زیادہ پڑی ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو تھوڑا اپنے حوالے سے، اپنے مشاہدے کے حوالے سے بتائیں کہ آپ کو اس کی کیا وجہ لگتی ہے، اور اس کو کس طرح سے دور کیا جا سکتا ہے، تا کہ اس کا عملاً بھی کوئی فائدہ ہو۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اشفاق احمد: اختر عباس صاحب! میرے ایک استاد تھے جب میں روم میں تھا۔ ان کا نام تھا اونگاریتی...... پروفیسر اونگاریتی...... میں ان کی باتیں بیان کرتا رہوں گا۔ ان کو ہم پروفیسر کہتے تھے، لیکن یہ پروفیسر سے اوپر کا درجہ تھا۔

جب وہ تشریف لاتے تھے تو ہم سارے کے سارے، کسی کے پاؤں میں بوٹ ہے، کوئی ننگے پاؤں ہے۔ کوئی پنکھے کے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔ سب کھڑے ہو جاتے تھے، اور سب ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ آ گئے ہیں اٹھو سب، پروفیسر اونگاریتی، اور وہ تھے Pop Lorlate اٹلی کے...... اب ان کی دو کتابیں آئی ہیں ترجمہ ہو کے۔ جب کوئی مشکل ہمیں پڑتی تھی تو ہم ان سے اس قسم کے سوال کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ نے پوچھا ہے کہ آپ کا بہت وسیع مشاہدہ ہے۔ ایک دفعہ ایک پروفیسر کا اس کی بیوی سے بڑا شدید جھگڑا ہو گیا، اور اس میں بہت حد تک وہ خاتون ٹھیک بھی تھیں...... تو جب جھگڑا زیادہ ہو گیا، اور یہ معاملہ سٹاف روم میں پروفیسر اونگاریتی کے پاس پہنچا، تو انہوں نے کہا کہ دیکھو جھگڑا اپنی جگہ، لیکن تم قوت کے سارے اعضاء جو ہیں، ان کو استعمال کیا کرو...... اور خاتون سے کہنے لگے کہ بی بی تم صرف آنکھیں استعمال کرتی ہو، پپوٹے استعمال نہیں کرتیں، تو جب تک یہ نہیں ہوگا ساتھ، اس وقت تک کام نہیں ہوگا۔

تو ہم نے ان سے پوچھا کہ یہ جو آدمی کہتا ہے کہ زندگی میں مجھے کوئی سمجھا ہی نہیں ہے، اس کی حقیقت کیا ہے تو وہ کہنے لگے کہ اس شخص کو خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیے، کیونکہ اس کی کمینگیاں، اور حماقتیں، اور نالائقیاں لوگوں کے سامنے نہیں آئی ہیں۔ اسے اللہ کا شکر ادا کر کے سونا چاہیے، اور یہ شکوہ بھی نہیں کرنا چاہیے کہ لوگ مجھے سمجھتے نہیں۔

آپ کا بہت بہت شکریہ اور جو میرے ساتھی ہیں، وہ بھی شکریے کی اس ادائیگی میں میرے ساتھ ہیں۔ اللہ آپ سب کو آسانیاں دے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا کرے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تائی کریم بی بی اور الیگزنڈر فلیمنگ

میرا بیٹا سائیکالوجی میں ڈاکٹریٹ کرنے امریکہ گیا ہوا ہے تو اس کی ڈاکٹریٹ میں ذرا دیر لگی میرے حساب سے...... تو میں ایک احساس والے باپ کی طرح ناراض ہوا کہ بھئی اتنی دیر کیوں لگائی ہے...... آپ لوگ بھی کبھی کبھی گھر میں ناراض ہوتے ہوں گے...... میں نے کہا کہ میں اس سے جا کے پوچھوں کہ کیا بات ہے...... پچھلے سے پچھلے سال میں وہاں گیا، تو اس کے Head of the Department سے ملا، تو انہوں نے کہا کہ نہیں، یہ تو بڑا Perfect ہے۔ کوئی شکایت نہیں، بلکہ ہم تو یہ چاہیں گے کہ یہ اور کچھ دیر تک ہمارے پاس رہے، اور ہم اس سے کچھ فائدہ اٹھا لیں۔ یوں میری تسلی ہو گئی۔

یونیورسٹی سے گھر جاتے ہوئے میں اس کی کار میں بیٹھا تھا، اور وہ کار چلا رہا تھا۔ ہماری گاڑی سے آگے ایک اور شخص گاڑی لے جا رہا تھا، اور وہ آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا، اور ہچکولے بھی کھا رہا تھا، تو میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ ہارن بجاؤ، اور اس کو ایک طرف کرو۔ تو اس نے کہا کہ ابو میں ابھی کچھ بندوبست کرتا ہوں۔ تو میں نے کہا کہ بھئی آپ اس کو ہارن دیں۔ تو وہ کہنے لگا کہ ابو یہاں ہارن دینے کا رواج نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ وہ تو Silence Zone ہوتا ہے، یہ تو ویرانہ ہے۔ تو اس نے کہا کہ بس ہارن نہیں دیتے ہیں نا۔ میں نے کہا کہ کیوں نہیں دیتے۔ کہنے لگا، کہ میں اس لیے نہیں دیتا ہوں کہ یہ آگے جانے والا مجھ سے عمر میں ذرا بڑا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس نے نئی گاڑی چلانی سیکھی ہو، اور میں اگر ہارن دوں گا تو وہ گھبرا جائے گا، اور اس کا نقصان ہو گا، تو میں یہ نہیں چاہتا۔ میں نے کہا کہ دفع کرو، اس کا نقصان ہوتا ہے تو ہو، تمہیں اس سے کیا۔ بجا ہارن، اور اس کو ہٹا۔ کہنے لگا، کہ نہیں...... میں معافی چاہتا ہوں ابو۔ یہ ذرا بمشکل ہے۔ میں یہ اس لیے نہیں کر سکتا کہ یہ میرا Colleague ہے۔ اوہ میں نے کہا، اچھا۔ کیا یہ یونیورسٹی میں تمہارے ساتھ پڑھتا ہے یا پڑھاتا ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں، پڑھتا پڑھاتا نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تمہارا Class Fellow ہے؟ تو اس نے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کہا کہ نہیں، ابو یہ میرا Class Fellow نہیں ہے، بلکہ یہ میرا Road Fellow ہے۔ ہم ایک ہی سڑک پر جا رہے ہیں۔ اس رشتے سے ہم ایک دوسرے کے Fellow ہیں، ہم اسے تنگ نہیں کر سکتے۔ تو میں نے کہا کہ بیوقوف! تجھے یہ علم حاصل کرنے کے لیے یہاں بھیجا تھا نالائق آدمی۔ تم کو کہا تھا کہ Ph.D کر کے آؤ۔ یہ تو تم بالکل ہی میاؤں، میاؤں سے ہو گئے ہو۔ یہ کتنی بری بات ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ دیکھو واپس اپنے گھر لاہور چلو، اور بے صبری کی زندگی بسر کرو، اور وہاں کا ٹریفک دیکھو۔ یہاں آ کر تو تم بالکل نالائق ہو گئے ہو۔ اس آدمی کو اپنا Road Fellow بتا رہے ہو، اور اس کی عزت افزائی کے لیے، اور اس کو نقصان نہ پہنچانے کے لیے یہ سب کر رہے ہو۔ ہم تو وہاں ذرا کوئی قریب آ جائے تو ایسے دھکا دے کر گزرتے ہیں کہ اس کی جان نکال دیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ صبر کی بات تم نے کہاں سے سیکھی۔ اس نے کہا کہ صبر ہمارے ہاں عام ہے بلکہ ہمارے مسلمانوں میں تو صبر کی بہت تلقین ہے، اور ہم اسے پڑھتے تھے، لیکن اس کو بہت گہرائی کے ساتھ نہیں سمجھتے تھے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ یہاں آ کر مجھے عملی زندگی کا پتا چلا کہ صبر کے کیا معنی ہیں، اور اس کے کیا فوائد ہیں، اور یہ انسانی زندگی کو کس قدر استحکام عطا کرتا ہے۔ یہ بات بار بار دہرائی جاتی ہے کہ اللہ جو ہے' آپ اس پر پورا پورا بھروسا رکھیں اور اللہ جو ہے' وہ آپ کے ہر مسئلے کو حل کرنے کے لیے آپ کے خالق کے طور پر موجود ہے، اور "لاتقنطو من رحمت اللہ۔" اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے، جب تک آپ کے ہاتھ میں صبر کی ڈوری نہیں ہوگی، اس وقت تک آپ لاتقنطو کے معنی نہیں سمجھ سکیں گے۔ میں نے کہا کہ بھائی یہ تو کچھ عجیب سی بات کر رہا ہے، میں دین کے بارے میں اتنا گہرا مطالعہ نہیں رکھتا۔ جتنا کہ تو مجھ سے بات کر رہا ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ عمل ہو، تیزی ہو۔ آگے بڑھنے کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔ اس نے کہا کہ ایک آئرن ہوتی ہے۔ آئرن جسے کہ Anvil کہتے ہیں۔ جس کے اوپر لوہار لوہا رکھ کر کوٹتے ہیں تو وہ بے بس کر دینے کا سب سے بڑا Symbol ہے نا۔ اس نے کہا کہ جب لوہار آئرن کے اوپر چیزیں کوٹتا ہے تو کئی ہتھوڑے ٹوٹ جاتے ہیں، لیکن آئرن اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے۔

جب صبر کی اس نے یہ بات کی تو میرے ذہن میں اپنا بچپن آ گیا کہ میرے گاؤں میں ایک ہماری تائی تھی۔ تائی میری اصلی تو نہ تھی، لیکن گاؤں کی تائی سب کی تائی ہوتی ہے۔ جب میں آٹھویں میں ہوا تو میں اپنی تائی سے اچھے طریقے سے ملا۔ اس کا خاوند تیلی تھا، وہ فوت ہو چکا تھا۔ میری پیدائش سے پہلے فوت ہو چکا تھا جس وقت تایا فوت ہوئے، اس وقت تائی کی عمر کوئی 19 برس تھی۔ تائی کے دو بچے تھے۔ ایک بیٹا، اور ایک بیٹی۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ میں اپنی زندگی خود بناؤں گی، اور ان دو بچوں کا بوجھ اللہ کے فضل سے ساتھ لے کر چلوں گی لیکن کام تو مشکل تھا۔ بیل کی نگہداشت کرنا، کولہو چلانا، تیل پیلنا، اور پھر اس کے بعد شام کے وقت کندھا لگا کے اس کو نکالنا۔ بہت مشکل کام تھا،

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

یہ کام ایک بہت تگڑا، اور تنومند مرد کر سکتا تھا۔ تو میں جب اس سے ملا تو وہ میرے لیے ایک ایسا کردار تھی جیسا کہ آپ نے ریڈرز ڈائجسٹ میں عام طور پر پڑھا ہوگا۔ The most unforgetable character I ever met میں نے یہ دیکھا کہ تائی کے پاس ایک چھوٹی سی رنگین سی پیڑھی تھی۔ وہ ہر وقت اس کو اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ بیل کے پیچھے چل رہی ہے تو پیڑھی اس کے ہاتھ میں ہے۔ کھانا پکا رہی ہے تو پیڑھی اس کے ہاتھ میں ہے۔ رنگین سی، بڑی خوبصورت سی تھی۔ کوئی بھی کام کر رہی ہے تو پیڑھی اس کے ساتھ ہے۔ وہ اس کو ہر وقت اپنے قریب ترین رکھتی تھی۔ میں نے کبھی اس کے بارے میں اس سے پوچھا نہیں، لیکن میں اس سے متاثر ضرور تھا کہ یہ ایک نئی طرز کی چیز ہے جو اس نے بڑی احتیاط سے اپنے پاس رکھی ہوئی ہے۔

ایک دن جب اس نے مجھے ساگ اور روٹی دی، اور میں قریب رکھی پیڑھی پر بیٹھنے لگا، تو اس نے کہا کہ نہیں، نہیں پت (بیٹا) اس کے اوپر نہ بیٹھنا۔ دوسری دو پڑی ہیں۔ ایک چھوٹا سا موڑھا بھی پڑا ہوا ہے۔ تو میں نے کہا کہ تائی اس کے اوپر کیوں نہ بیٹھوں۔ تو اس نے کہا کہ یہ بڑی ادب والی پیڑھی ہے۔ کہنے لگیں کہ جب تیرا تایا فوت ہوا تھا، اور میں 19 برس کی بیوہ تھی۔ ایک لڑکی سی تھی نا تو میرے اوپر مشکلات کا ایک پہاڑ ٹوٹا تو ہمارے گاؤں کے ایک مولوی صاحب نے کہا کہ کریم بی بی فکر نہ کرنا۔ اللہ جو ہوتا ہے وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے: ان اللہ مع الصابرینo اگر تو صبر کرے گی تو اللہ تیرے ساتھ ہوگا، اور اللہ سے بڑی Company کس کی ہو سکتی ہے۔ کہنے لگی کہ میں بڑی خوش ہوئی، اور میں نے تہیہ کیا، اور میں نے دو رکعت نماز نفل پڑھے، اور میں نے کہا کہ "اے اللہ مجھے تقویت عطا فرما کہ میں صابروں میں سے ہو جاؤں، اور صابرانہ زندگی بسر کروں"۔ چنانچہ اسی تہیے کے ساتھ میں نے زندگی بسر کرنا شروع کر دی، اور میں کرتی رہی۔ ایک دن مجھے خیال آیا کہ کیا واقعی اللہ ہر وقت میرے ساتھ موجود ہے۔ یہ خیال آنے کے ساتھ ساتھ میرے اوپر ایک ذمہ داری عائد ہوگئی کہ اللہ جب موجود ہے، تو ہے، آتا بھی ہے تو میں اس کو بٹھاؤں گی کہاں؟ اللہ کے لیے تو ایک اچھی سی کرسی ہونی چاہیے نا۔ وہ میرے ساتھ جو ہے تو میں نے ایک پیڑھی لی۔ بڑی اچھی سی، رنگین سی، اور اس کے اوپر یہ نوار لگائی، اور میں اس کو ہر وقت ساتھ رکھتی ہوں۔ چونکہ: ان اللہ مع الصابرینo اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ہے۔ اس لیے ہم میں سے کوئی بھی اس پر نہیں بیٹھ سکتا۔

جب میں نے یہ دیکھا کہ صبر کی ایک کہانی میرے سامنے ہے، میری زندگی کے درمیان سے ہو کر گزری ہے، تو پھر مجھے خیال آیا کہ یہ جو میرا بیٹا ہے، یہ ٹھیک ہی کہتا ہے، اور اس کی یہ بات وزن رکھتی ہے، لیکن میری زندگی کی تربیت کچھ اس انداز سے ہوئی تھی کہ دبا دب "دھکیتی"، زیادہ جلدی، ترقی کرنے کی خواہش کرنا، زیادہ اوپر چڑھنے کی کوشش کرنا، اور وہ استحکام، اور وہ خوبی نہیں ملتی تھی جو انسان

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کا طرۂ امتیاز ہونا چاہیے، لیکن ذہن میں یہ خیال آ چکنے کے بعد بھی میرا جو دل ہے، وہ اس پر ٹکا نہیں۔

پھر میں جب امریکہ سے یہاں آ گیا، تو میں نے یہاں آ کر سوچا کہ مجھے کسی مولوی سے یا کسی دین کے معاملات کو گہرائی سے سمجھنے والے سے یہ پوچھنا چاہیے کہ صبر کیا ہوتا ہے، اور کیا کرنا چاہیے اس کے لیے۔ تو میرے ایک دوست تھے مولوی موسیٰ۔ وہ بہت چھریرے بدن کے آدمی، بہت پیارے مولوی۔ بڑے Enlighted بڑے عجیب طرز کے آدمی تھے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میری ان کے ساتھ وابستگی کیسے ہوئی۔ جس زمانے میں میں سمن آباد رہتا تھا، یہ لاہور کا ایک علاقہ ہے۔ وہاں جمعہ کی نمازیں جس مسجد میں پڑھنے جاتا تھا، وہاں مولوی موسیٰ جو تھے، وہ نماز پڑھاتے تھے، اور خطبہ دیتے تھے۔ وہاں ایک دفعہ یہ ہوا کہ مولوی صاحب خطبہ دے رہے تھے، اور منبر پر کھڑے تھے، اور لوگ بالکل چوکس ان کی باتیں سن رہے تھے، اور وہ خطبہ یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے کہا کہ جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا میں ان سے بکرے کے گلے کی رسی تک لے کر رہوں گا، کیونکہ میرے نبیؐ کا یہی حکم ہے۔ سب انکاری ہو گئے تھے نا کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیتے۔ پیسوں کے معاملے میں انسان کمزور ہوتا ہے۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے یہ بات غصے سے کہی۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا، اے امیر المومنین! ذرا آپ رکیں، اور اس کے اوپر غور فرما لیں، تو انہوں نے غصے سے کہا کہ "اے عمرؓ! یہ تیرے منہ سے میں کیا سن رہا ہوں۔" جب مولوی صاحب نے یہ بات کی، تو پیچھے ایک مڈل سکول میں کچھ بچے فٹ بال کھیل رہے تھے۔ زور سے کسی نے کک جو ماری تو وہ فٹ بال ہوا میں تیرتا ہوا اچھلتا ہوا مسجد کے صحن میں آ گرا۔ جہاں ہم سب نمازی بیٹھے تھے۔ تو مولوی صاحب منبر پر کھڑے تھے۔ انہوں نے بغیر کسی قسم کے Rowdyism کے، وہ ہم کو چھوڑ کر باہر نکل گئے۔ وہاں فٹ بال پڑا تھا۔ تین قدم پیچھے ہٹ کر انہوں نے اتنی زور سے کک لگائی کہ وہ دو بلڈنگ طے کرتا ہوا واپس سکول میں جا گرا جہاں سے بچوں نے کک مار کر اس کو مسجد میں گرا دیا تھا، اور پھر وہ آ کر منبر پر کھڑے ہو گئے۔ اور انہوں نے کہا کہ "اے عمرؓ! تُو یہ کیا کہہ رہا ہے اور میں حیران ہو رہا ہوں کہ جاریہ کے زمانے میں تو تُو اتنا مضبوط تھا، اور جب کہ یہ معاملہ درپیش آیا ہے تو اتنا نحیف ہو رہا ہے۔ مجھے قسم ہے اللہ کی کہ جو حکم مجھے دیا گیا، میں اس پر پورا عمل کروں گا۔"

میں نے کک مارتے ہوئے ایک مولوی کو دیکھا تو عجیب سا لگتا ہے نا۔ جب خطبہ ختم ہو گیا تو میں نے ان سے پوچھا کہ مولوی صاحب یہ سب......! تو کہنے لگے کہ وہ بچے کھیل رہے تھے، اور بچوں کا شوق ہوتا ہے تو ان کا فٹ بال آ گرا تھا، تو وہ بچے خوفزدہ تھے کہ مسجد میں کیسے جائیں۔ بڑے بزرگ لوگ جھڑکیاں دیتے ہیں نا۔ تو یہاں بھی بہت سے ایسے لوگ ہوں گے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ ان کا فٹ بال تو ان کو واپس ملنا چاہیے نا۔ تو میں نے وہاں جا کر کک لگا دی، اور اس کو واپس پھینک دیا۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں نے کہا کہ مولوی صاحب میں آپ کی تلاش میں ہوں۔ مجھے یہ بتایئے کہ صبر کیا ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اشفاق صاحب! آپ وہاں سے Start لے سکتے ہیں کہ جب بہت زیادہ ٹریفک ہو، اور جب گاڑیوں میں گاڑیاں پھنسی ہوئی ہوں، آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو، اور آپ اپنی کار چلا رہے ہوں تو آپ پیں پیں نہ کریں۔ ہارن نہ بجائیں، اور نہ صرف ہارن نہ بجائیں بلکہ Steering پر اپنی انگلیاں بھی بے چینی کے عالم میں نہ بجائیں اس کو صبر کہتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ پھر ہم کیا کریں۔ کہنے لگے کہ بجائے اس پر انگلیاں مارنے کے یا کسی کو جھڑکنے کے آپ اس وقت ورد شروع کر دیں۔ اللہ کا ذکر کیونکہ یہ آپ کو آسانی دے گا۔ آپ اس وقت آرام سے یا لطیف، یا ودود، پڑھنا شروع کر دیں۔ آپ ٹریفک میں پھنسے ہوئے ہوں تو بے چینی کا مظاہرہ نہ کریں، کیونکہ ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ بے چین ہو' کیونکہ اللہ اس کے ساتھ ہے۔ اس کا دین اس کے ساتھ ہے، اور اس کو جو روشنی ملتی ہے، وہ اپنے پرانوں سے، بزرگوں سے، اپنے پرکھوں سے، ساتھیوں سے ملتی ہے اس کو بھگانے کی ذرا بھی ضرورت نہیں۔ آپ اس وقت ورد کریں، یا لطیف، یا ودود تو آرام سے بیٹھے رہیں۔ جب ٹریفک کھلے گا، مشکل دور ہوگی' تو پھر آپ نکل پڑیں۔ بجائے اس کے کہ آپ بے چینی کا شکار ہوں۔

مجھے یاد آیا کہ جب میں چھوٹا تھا۔ چھوٹے سے مراد، جب میں میٹرک میں تھا تو میرے ایک خالو تھے۔ ان کے پاس ایک بڑے اعلیٰ درجے کی موٹر سائیکل تھی، بڑے سائز کی۔ انڈین موٹر سائیکل۔ میرے خالو پمپ شوز پہنتے تھے' نہ جانے اس کو پمپ شوز کیوں کہا جاتا تھا' بس یہ ایک لفظ تھا خاص ان کے لیے۔ وہ پمپ شوز جس کے اوپر کالی ٹائی لگی ہوتی تھی، پہن کر بڑی شان کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر لاہور کی سڑکوں پر دوڑاتے تھے۔ اس زمانے میں لاہور میں 30-25 کاریں ہوں گی، اور وہ ایک ہی موٹر سائیکل تھا، جو پتا نہیں اکیلا ہی 1200cc کا ہوگا۔ اتنی اونچی آواز، اور اتنی اونچی شان، اور اس کے اوپر نہایت خوبصورت آدمی بیٹھا ہوا ہے۔، اور جب وہ لاہور کا چکر لگاتے تھے تو ساری دنیا ان کو منہ میں انگلیاں ڈال کر دیکھتی تھی۔ اونچی گھڑی باندھتے تھے، یعنی تھوڑی اوپر کو، اور عجیب طرح کی خوشبوئیں لگاتے تھے' میں ان کو دیکھتا تھا جو ہماری خالہ تھیں' خالہ رابعہ۔ جب یہ موٹر سائیکل پر نکلنے لگے، اور خوب چکر لگانے لگے، تو میں نے اپنی خالہ کو کافی پریشان دیکھا، کیونکہ میرے خالو کی زندگی میں کچھ اور ہی طرح کا ٹیڑھا پن پیدا ہو رہا تھا، اور وہ کچھ اور طرح سے، اور کچھ اور لوگوں میں Popular ہو رہے تھے اور جب خاوند میں ذرا سی بھی ٹیڑھ پیدا ہو جائے تو بیوی کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میری خالہ پوچھتی تھی کہ کس طرح سے ہو کہ اکرام خان صاحب (میرے خالو) جو ہیں، وہ راستے پر آجائیں، اور میری محبت میں مبتلا رہیں، اور ہمارا گھر آباد رہے۔ تو اس وقت مجھے یاد ہے' کسی نے ان کو بتایا تھا، میں سمجھتا ہوں کہ آج بھی یہ ذکر بڑا کارآمد ہوگا' خاص طور پر خواتین کے لیے کہ جب گھر میں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اس طرح کی الجھنیں ہوں تو کیا کیا جانا چاہیے۔ تو انہیں کسی نے یہ بتایا تھا کہ آپ ایک ہزار مرتبہ یاودود کا ورد کر کے اپنے خاوند کو کھانے پر دم کر کے کھلائیں، اور آپ بھی بیٹھ کر کھائیں۔ اس سے محبت، اور یگانگت بڑھتی ہے۔ یہ وہی ذکر ہے نا' جو مولوی موسیٰ نے بتایا تھا کہ سٹیرنگ پر انگلیاں نہ بجائیں، بلکہ یا لطیف، یاودود کا ورد کریں۔ اس سے آپ کا بھی فائدہ ہوگا۔ اللہ کا ذکر بھی ہوگا، بے چینی بھی کم ہوگی جو ہمارے ہاں Build up ہو رہی ہے، میں اپنی خالہ کو دیکھتا تھا کہ وہ بہت پریشان تھیں، لیکن اللہ کے فضل سے، اور اس رخ پر استقامت اختیار کرنے سے، ان کی یہ الجھن دور ہو گئی، اور میرے خالو جو تھے، وہ پہلے والے خالو بن گئے۔

پھر مجھے یہ یاد ہے کہ وہ Piles کی ظالم بیماری سے فوت ہو گئے، ان کا جنازہ رکھا تھا گھر میں۔ میری والدہ، اور چچی تھیں، لیکن رونے والی عورتوں میں کچھ عورتیں ایسی بھی شامل تھیں، جو بہت زور سے رو رہی تھیں، جن کو ہم نہیں جانتے تھے۔ پھر میرے ذہن میں خیال آیا کہ کتنا صبر کیا جانا چاہیے۔ مولوی موسیٰ نے کہا بے چین ہونے سے' گھبراہٹ سے، چیں چیں کرنے سے، گھر والوں سے لڑنے سے، وہ حسن جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر عطا کیا ہے، وہ نصیب نہیں ہوتا۔ باہر کا حسن تو آدمی میک اپ کر کے کر لیتا ہے، لیکن وہ زیادہ دیر تک ساتھ تو نہیں دیتا ہے نا۔ ایک اندر کا حسن بھی ہوتا ہے۔

میں بڑی دیر تک روم جو کہ اٹلی کا دارالحکومت ہے، وہاں رہا ہوں۔ وہاں میں پڑھتا تھا اور پڑھاتا بھی تھا۔

خیر..... وہاں 53ء میں ایک صاحب ہماری یونیورسٹی میں لیکچر دینے آئے جو کہ بہت نامی گرامی انسان تھے۔ ان کا نام تھا..... سر الیگزینڈر فلیمنگ ...... یہ، وہ صاحب تھے جنہوں نے Pencilline کو Discover کیا تھا۔ نوبل انعام یافتہ، سر کا ان کو خطاب ملا تھا...... تو سر فلیمنگ سے بہت سی باتیں ہوئیں، لیکن ایک موٹی بات جو انہوں نے کی تھی کہ دنیا میں سب سے زیادہ صبر کرنے والا شخص جو ہوتا ہے، وہ Scientist ہوتا ہے۔ تو یہ میرے لیے نئی بات تھی، اور اچنبھے کی بات تھی۔ مجھے مشرقی نوجوان ہونے کی حیثیت سے شاید حق پہنچتا تھا کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے پوچھوں کہ سر اس کی تفصیل کیا ہے.....؟ تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا...... ہوٹل میں ٹائم طے کیا۔ بڑی مہربانی تھی آنجہانی کی کہ انہوں نے ٹائم دیا۔ بڑی دیر تک ان کے پاس بیٹھا...... بڑے سوالات کیے..... میں آج اس کا ایک چھوٹا سا قصہ آپ کو عرض کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ سر یہ جو آپ ایجادات کرتے ہیں، اور جو آپ اتنے رتبے کے Scientist ہوتے ہیں، یہ آپ کو کیسے آ جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں ہمارا کوئی اتنا بڑا کمال نہیں ہوتا۔ ہم تو بس لیبارٹری میں جاتے ہیں، اور لیبارٹری میں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

حاضر رہتے ہیں، اور چوکس رہتے ہیں، اور ہم کوئی کام نہیں کرتے۔ بس ہم لیبارٹری میں ڈانس کرتے ہیں۔ as a dervesh's dance...... کہنے لگے کہ درویش کا مطلب جانتے ہو؟ میں نے کہا کہ سر وہ تو ہے ہی ہمارا۔ یہ آپ نے تو Borrow کیا ہے ہم سے۔ کہنے لگے، جیسے ایک درویش ناچ کرتا ہے، اسی طرح سے ایک Scientist اپنی لیبارٹری میں ہر وقت...... ہمہ تن اس ناچ میں لگا رہتا ہے۔

The dance of intelligence---dance of life--- The dance of something to have----

اچھا میرے لیے یہ نئی بات تھی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، اور انہوں نے کہا کہ علم جو ہے، وہ عالمِ مطلق کے پاس ہے۔ اللہ کے پاس ہے۔ انسان کے پاس نہیں ہوتا۔ پھر وہ ذرا سے ڈرے کیونکہ میں بالکل Young تھا۔ کہنے لگے Do you believe in God? میں نے کہا سر Believe کیا کرنا ہے، وہ تو ہے ہی ہمارا...... تو کہنے لگے اچھا...... Thanks God that you believe in God میں آپ کو بتاتا ہوں کہ علم جتنا بھی ہے، وہ اللہ کے پاس ہے، اور وہ اپنی مرضی کے مطابق جب چاہتا ہے' انسانوں کو عطا کرتا رہتا ہے...... نہ پہلے نہ بعد میں...... انسان اپنی کوشش، اور جدوجہد سے اور اپنی ہمت سے علم حاصل نہیں کر سکتا...... میں نے کہا کہ جی یہ کیا بات ہوئی...... ہم تو کوشش، جدوجہد اور Struggle کے بندے ہیں...... اس کے بغیر تو ملتا ہی کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں اس کے لیے آپ کو ایک Constant ایک مسلسل حاضری اور ڈانس کرنے کی ضرورت ہے۔ جھولی پھیلا کر، کشکول اپنا لے کر موجود رہو کہ کب علم عطا ہو۔ وہ جب چاہتا ہے، دیتا ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ کئی ہزار برس سے درختوں کے اوپر سے سیب زمین پر گر رہے تھے کسی نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ سیب تو گرتا ہی رہتا ہے نا۔ پھر اللہ نے جب علم عطا کرنا مقصود جانا تو پھر اس نے ایک فرشتے سے کہا کہ جا یہ جو ایک بابا کوٹ پہن کر سیب کے درخت کے پاس بیٹھا ہوا ہے، اس کے کان میں جا کر کہہ دے کہ یہ Gravity ہے' تو فرشتے نے غالباً کہا ہو گا کہ Gravity...... Gravity۔ پھر اس نے سوچا ہو گا کہ یہ کیسے گرا، اور اس کے اوپر اس نے کام کرنا شروع کر دیا، اور اس طرح سے۔ علم صرف عالمِ مطلق اپنی مرضی سے عطا فرماتا رہتا ہے۔

پھر انہوں نے مجھے بتایا دیکھو! عمل اور کوشش سے کچھ نہیں ہوتا۔ ایک بیماری بڑی خوفناک ہے، اور اس کا کوئی علاج نہیں ہے، اور بڑے لوگ اس سے مر رہے ہیں۔ اس کی ریسرچ پر ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں ڈالر خرچ ہو رہے ہیں، اور ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں پاؤنڈ خرچ ہو رہے ہیں، لیکن اس کا کوئی سر پیر معلوم ہی نہیں ہو رہا ہے۔ میں ڈر گیا، میں نے کہا کہ یہ ایسی کونسی بیماری ہے۔ کہنے لگے، اس کو کینسر کہتے ہیں۔ مجھے پتا ہی نہ تھا کہ کینسر کیا ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ اچھا جی۔ میں نے تو کبھی نہیں سنا۔ ہاں ایک بیماری ٹی بی ہے۔ کہنے لگے کہ یہ ٹی بی سے بھی خطرناک ہے۔ ہم کوشش کرتے رہیں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

گے۔ ہم ڈھونڈتے رہیں گے......ہم تلاش کرتے رہیں گے ......لیکن اس کا علم صرف اسی سے عطا ہوگا، اور وہی اس کی Date مقرر کرے گا......کوشش ہماری جاری رہے گی۔ کیونکہ یہ اس کا علم ہے۔ میں نے کہا سر! آپ کے خیال میں اس کا علاج کب مل جائے گا؟ تو کہنے لگے کہ میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا، میرا اندازہ ہے کہ شاید 1960ء یا 1962ء میں اس کا علم ہو جائے۔

تو پیارے لوگو! 1960ء 1962ء گزر گیا......90ء گزر گیا......92 گزر گیا......اب 98ء ہے......وہ جب چاہے گا، عطا کرے گا۔ ہمیں اپنی جھولی پھیلا کر اس کے حضور مسلسل رقص کرتے رہنا چاہیے، تاکہ وہ دے۔ اور صبر اختیار کرنا چاہیے جو وہ Scientist اپنی ریسرچ میں، اور اپنی تحقیق میں کرتے ہیں۔

اللہ آپ کو آسانیاں دے، اور آسانیوں کو تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ (آمین)

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

حضرت صالح کی اونٹنی اور پاکستان

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے کبھی اونٹ کی سواری کی ہے یا نہیں۔ پھر بھی ایک اندازے کے مطابق یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے اونٹ دیکھا ضرور ہے۔ ہم نے اپنے بچپن میں اونٹ کی بہت سواری کی۔ اس لیے کہ ہمارے گھر کے قریب جس گاؤں میں مَیں رہتا تھا، وہاں بلوچوں کا ایک ڈیرہ تھا۔ بلوچ، اور اونٹ لازم وملزوم چیزیں ہیں، اور بلوچ لوگ بڑے پیارے لوگ ہوتے ہیں۔ میری زندگی پر ان کا بڑا خوشگوار اثر ہے۔ وہ اس لیے کہ ایک مرتبہ میرے والد نے مجھے جھڑکا اور شاید ایک تھپڑ بھی مارا۔ میں منہ بسورتا ہوا اماں بلوچن کے گھر چلا گیا۔ تو اس نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ میں نے کہا، اباجی نے مارا ہے۔ وہ چادر لے کر غصے سے ہمارے گھر آ گئی۔ اور کہنے لگی، ڈاکدار تو نے بچے کو کیوں مارا؟ کہنے لگے، میں نے اس کو مارا نہیں بلکہ جھڑکا۔ کہنے لگی جھڑکا بھی کیوں۔ وہ سمجھتی تھی کہ جھڑکا بھی اس قسم کی چیز ہے۔

اونٹ پر ہم بہت سواری کرتے رہے۔ پھر اس کے درمیان ایک بڑا لمبا وقفہ آ گیا۔ 1946ء میں جب پاکستان کی تحریک بڑے زوروں پر تھی تو ہمیں دریائے ستلج کے کنارے ایک لمبے سفر پہ تبلیغ کے لیے جانا تھا تاکہ پاکستان کی طرف لوگوں کا جھکاؤ پیدا کیا جا سکے۔ وہاں تقریباً کچھ ایسے لوگ تھے جن کا جھکاؤ پاکستان کی طرف بہت کم تھا اور وہ مسلم لیگ سے ناواقف تھے۔ ہمیں وہاں اونٹ پر جانا پڑا۔ ہمارے پاس دو اونٹ تھے۔ دونوں جوان علی گڑھ یونیورسٹی سے آئے تھے۔ یہ ایک لمبا سفر تھا، ہم نے ایک دن میں ساٹھ میل کی مسافت اونٹ پر طے کی، پھر ہماری خوش قسمتی سے وہاں راستے میں دو ڈاکو مل گئے۔ ایک کا نام گامن تھا، ایک کا نام سجاول تھا۔ رنگ دار بندوقیں تھیں۔ انہوں نے ہمیں روک لیا' تم کدھر جا رہے ہو۔ ہم نے بتایا ہم ایک مشن پر جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم ڈاکو ہیں، ہمیں ایک کراڑ (ایک ہندو قوم) کو لوٹنے جانا ہے، ہمیں اونٹ دے دیں۔ ہم نے کہا، اونٹ ہمارے لیے بہت

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ضروری ہیں، تم کراڑ کو بعد میں لوٹ لینا ہمارا کام زیادہ ضروری ہے۔ انہوں نے کہا، نہیں ہمارا کام تم سے زیادہ ضروری ہے۔ خیر وہ ایک لمبی کہانی ہے، وہ پھر کبھی بعد میں سناؤں گا۔ پھر دونوں ڈاکو ہمارے دوست بن گئے، اور اونٹ پر بیٹھنے کا طریقہ بتایا کہ اگر کاٹھی نہ بھی ہو تو پھر اونٹ کی کوہان پر لانگڑی مار کر بیٹھا جاتا ہے' ہر ایک کام کا اپنا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔ یہ بات میں اس لیے عرض کر رہا تھا آپ سے کہ چند دن پہلے کراچی جانے کا اتفاق ہوا، میں تقریباً آدھی صدی کے بعد سن پینتالیس کے بعد پاکستان کی سرحد کے اندر اونٹ پر بیٹھا۔ کلفٹن میں آپ نے دیکھا ہوگا، اور ہم نے بھی اپنے بچپن کے زمانے کو یاد کیا' اونٹ پر بیٹھنے کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اونٹ اٹھنے کے انداز میں دوسرے جانوروں سے مختلف ہوتا ہے۔ سب سے پہلے وہ اپنی پچھلی ٹانگیں کھڑی کرتا ہے دنیا کے دوسرے سارے جانور اگلی ٹانگیں پہلے کھڑی کرتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے اس کے اوپر بیٹھنے والا سب سے پہلے سجدہ کرتا ہے' یہ اللہ نے اس کا ایک کام رکھا ہے۔ آدمی چاہے یا نہ چاہے سجدہ خود بخود ہو جاتا ہے' پھر وہ اگلی ٹانگوں پر کھڑا ہوتا ہے ہم نے کافی وقت ان اونٹوں کے ساتھ گزارا، لیکن میرے ساتھ عجیب و غریب واقعات گزرتے رہتے ہیں۔ مجھے یہ نہیں پتا تھا کہ اس اونٹ کے رشتے سے، اور اس کے حوالے سے بھی میں یوں ایک الجھن میں بھی گرفتار ہو جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ اونٹ کے بارے میں بھی قرآن پاک میں کہتا ہے: کیا تم نے اونٹ کو دیکھا کہ کس طرح کا جانور بنایا۔ یعنی اس کے عجائب و غرائب ابھی تک پوشیدہ ہیں، اور سارے کے سارے اس کے خصائص لوگوں کے سامنے نہیں آئے، اتنا ہم جانتے ہیں یہ میلوں اور دنوں تک سفر کر سکتا ہے پانی کے بغیر۔

یہ کیسے ہوتا ہے؟ اس کے بارے میں مختلف نظریات ہیں، لیکن یہ اپنے انداز کا بڑا ہی خوب صورت جانور ہے۔ بے حد خوب صورت۔ اگر آپ نے اسے کبھی غور سے نہیں دیکھا، اب آپ کو موقع ملے تو اسے ضرور دیکھیے گا۔ اللہ کرے آپ جائیں یا آپ گئے ہوں گے، جدے سے مدینے جاتے ہوئے بڑی خوب صورت سڑکیں ہیں، کبھی کبھی ریگستان کے لق و دق ٹوٹے اور کچھ علاقے آ جانے پر آپ کو چلتے پھرتے اونٹوں کی کچھ قطاریں نظر آئیں گی۔ ان کے مالکوں نے کھلے چھوڑے ہوتے ہیں، چاندی جیسی ریت پر جیسے چاندی سے بدن لے کے دھوپ کے اندر ایک عجیب گل کھلاتے ہوئے چلتے ہیں' وہ نظارہ دیکھنے والا ہوتا ہے۔ ہم بس پر سفر کر رہے تھے اور بس سے سر نکال کر بڑی دیر تک ان کو دیکھتے تھے، اللہ میاں نے کیسی خوب صورت مخلوق پیدا کی ہے۔ اس کے بارے میں ہم کچھ زیادہ نہیں جانتے۔ اسی سلسلے میں مجھے کچھ یاد آیا۔ پاکستان میں جب امریکہ کا صدر آیا، ابھی تک شاید ایک ہی آیا ہے، جس کا نام Lindon B Jhonson تھا۔ وہ کراچی اترا، تو جس چیز نے لنڈن بی جانسن کو متاثر کیا، وہ عجیب چیز اونٹ تھا۔ ہماری بہت گاڑیاں تھیں جو سامان، اسباب نقل و حرکت میں کام آتی تھیں' بہت

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سارا سامان ڈھوتی تھیں۔ اونٹ گاڑیاں تھیں، یہ 1952، 1953ء کی بات ہے' وہ اونٹ سے اتنا متاثر ہوا تو اس نے کہا میں تو اونٹ امریکہ لے کر جاؤں گا، اور اس کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔ مجھے یاد ہے کہ وہ اونٹ کو تو نہیں لے جا سکا اس اونٹ کا ساربان جو کہ شتربان تھا بشیر' اس کو ساتھ لے گیا، اور بشیر بیچارے کو بڑی مصیبت پڑی، اور وہ روتا تھا کہ اونٹ کی وجہ سے مجھے امریکہ جانا پڑ رہا ہے۔ وہ امریکہ جانے سے گھبراتا تھا کہ مجھے وہاں کی بولی نہیں آتی۔ اخبار میں بیان دیا، میں وہاں جا کر کیا بات کروں گا، امریکہ جا کر مجھے کیا لینا ہے۔ مجھے اونٹ گاڑی چلانی ہے، الغرض اس کو جانا پڑا۔ اس نے نئی رومی ٹوپی خریدی۔ اگر آپ نے تصویریں دیکھی ہوں تو بے چارے نے یہ پچھ کیا، وہ آزاد آدمی تھا۔

پچھلے دنوں میں اونٹ کے بہت قریب رہا۔ مجھے ہرگز یہ اندازہ نہیں تھا، اونٹ کے جسمانی طور پر قریب رہ کے، اس عمر میں اس کی سواری کرنے کے بعد، ایک اور انداز سے اونٹ میری زندگی کے میری روح کے، اور میرے وجود کے، اور میری سائیکی کے قریب آجائے گا۔

میں آپ سے اونٹ کی باتیں کر رہا تھا تو میرے ذہن میں اس اونٹنی کا خیال بار بار آتا ہے' جو اونٹنی حضرت صالحؑ کی اونٹنی تھی، اور جو ایک معجزے کے طور پر وجود میں آئی تھی۔ قومِ ثمود کی طرف صالحؑ کو اللہ نے بھیجا تھا، اور وہ بہت اونچے درجے کے نبی تھے انہیں حکم ہوا کہ جا کر اس بے ہودہ قوم کو راہِ راست پر لاؤ۔ وہ بڑی بگڑی قوم تھی۔ بیشتر میں خرابی یہ تھی کہ ان کے پاس دولت بہت زیادہ تھی' علاقہ بہت سرسبز تھا' اردن کے علاقہ سے لے کر عرب تک، اور مدینے شریف سے لے کر تبوک کے درمیانی علاقے میں۔ وہاں جا کر ثمود کی جغرافیائی حد ختم ہوتی ہے۔ لمبا چوڑا علاقہ تھا، اور ثمود کے لوگ اپنے تیئں تکبر کے مارے ہوئے اور اپنے آپ کو بہت برتر سمجھتے ہوئے اونچے پہاڑوں کو تراش کر چھینی ہتھوڑی سے اسے چھیل چھیل کر ان پہاڑوں کے اندر نہایت خوب صورت محل بناتے تھے۔ یہ ان کا بڑا کمال تھا، یعنی انہوں نے کوئی لینٹر نہیں ڈالا' کوئی اینٹ و پتھر جمع نہیں کیے، پہاڑ کو چھیلنا' کھرچنا شروع کر دیا، اور اس کے اندر ایسے اعلیٰ درجے کے کمرے بنائے' ستون محرابیں بنائی ہیں کہ وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ابھی اگر آپ چاہیں تو اردن کے علاقے میں جا کر دیکھ سکتے ہیں۔ سلائیڈیں بھی ملتی ہیں۔ اگر آپ کو جغرافیے کا شوق ہے تو جیوگرافک میگزین میں گاہے بگاہے ان محلات کی وہ تصویریں فوٹوگراف کی صورت میں، اور ڈرائنگ کی صورت میں آتی رہتی ہیں۔

تو وہ لوگ بڑے معتبر لوگ تھے، اور وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے' تب اللہ نے ایک پاکیزہ نبی حضرت صالحؑ کو ان کے پاس بھیجا کہ جا کر ان کو اللہ کا پیغام دیں تو ان لوگوں کو نبیوں کے اوپر جو اعتراض رہا تھا، جتنے بھی نبی ان کے پاس بھیجے گئے ہیں' ایک ہی اعتراض رہا ہے کہ آپ کیسے نبی ہو سکتے ہو؟ آپ ہمارے جیسے انسان ہو۔ اور کہتے تھے کہ تُو بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اور پھر تیسری بات کہ تو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

غریب آدمی ہے، اور غریب آدمی کیسے نبی ہو سکتا ہے؟ نبی تو بہت امیر آدمی کو ہونا چاہیے۔ متکبر کو ہونا چاہیے۔ فرعون نے بھی یہی کہا تھا کہ تم کیسے نبی ہو سکتے ہو، تیرے بازوؤں میں سونے کے کنگن بھی نہیں۔ اور بھی جتنے پیغمبر تھے، ان کے ساتھ بھی یہی تھا۔ نوح علیہ السلام کے ساتھ بھی۔ وہ یہی بات بار بار دہراتے کہ اگر تو سربلند ہوتا اور تیرے بھی اتنے اونچے محل ہوتے جتنے لوگوں کے پاس ہیں' تم نے بھی ایسی عمارتیں بنائی ہوتیں، اے صالح تو ہم تم کو پیغمبر مان لیتے، لیکن اب تو تُو ایک عام آدمی ہے۔ ٹھیک ہے بھلے آدمی ہو لیکن تمہاری اقتصادی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ دیکھیں ہم بھی بار بار Acknowleged Condition کی بات کرتے ہیں' جب بھی کبھی مصیبت پڑتی ہے' بوجھ پڑتا ہے، تو آپ بجائے اس بوجھ کو بلاواسطہ طور پر Directly برداشت کرنے کے لیے ہمیشہ پلٹ کر اکنامکس کی طرف جاتے ہیں۔ ہماری اکنامکس کمزور ہے' اس لیے کام نہیں کرتے۔ ہم نیک اس لیے نہیں ہو سکتے کہ ہم مالی طور پر کمزور ہیں۔ ہم بہادر اس لیے نہیں ہو سکتے کہ ہم مالی طور پر کمزور ہیں۔ اچھے انسان اس لیے نہیں بن سکتے کہ مالی طور پر کمزور ہیں۔ تو وہ بھی یہ کہتے تھے کہ تم مالی طور پر بہت کمزور ہو۔ تمہارے پاس اتنے بڑے محل ہوتے' جتنے ہمارے پاس ہیں، پھر ہم نبی مانتے۔ لیکن وہ کہتے' مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں تم کو بھلائی کے راستے کی طرف بلاتا ہوں۔ تمہارا اس میں فائدہ ہے۔ میں تم سے اس کے عوض کوئی ٹیوشن فیس نہیں مانگتا، جو کچھ ہے میں مفت میں دیتا ہوں، اور میرا اجر اللہ کے پاس ہے۔ تو انہوں نے کہا ہم تجھ کو پیغمبر نہیں مانتے۔ اگر ہم طبیعت پر بوجھ ڈال کر آپ کو پیغمبر مان بھی لیں، تو اس کے لیے ایک شرط ہے کہ ہمیں کوئی معجزہ دکھا دو' ثمود قوم نے کہا۔ حضرت صالحؑ نے فرمایا، آؤ تم کون سا معجزہ چاہتے ہو، لیکن انہوں نے Warn کیا کہ معجزہ رونما ہو چکنے کے بعد پھر اگر تم نے خدا کو اور اس کے پیغمبر کو نہ مانا تو پھر تم پر عذاب آ جائے گا۔ خوش نصیب ہیں وہ قومیں، جنہوں نے معجزہ طلب نہیں کیا' لڑائی جھگڑا کرتے رہے ہیں، لیکن معجزہ نہیں مانگا، وہ بچ گئے لیکن اگر معجزہ مانگ لیا جائے اور معجزہ طلب کر لیا جائے اور وہ رونما ہو جائے، پھر بھی نہ مانا جائے تو پھر عذاب طے شدہ بات ہے۔ انہوں نے کہا کوئی بات نہیں' ہم برداشت کر لیں گے لیکن اگر تو معجزہ رونما کرے گا تو۔ دیکھیے ان ظالموں نے معجزہ طلب کیا۔ انہوں نے کہا، ہم یہ چاہتے ہیں سامنے چٹیل پہاڑ ہے، اور بہت چکنا و مضبوط ہے' کروڑوں سال سے اپنی جگہ پر قائم ہے، ہم یہ چاہتے ہیں تیرا اللہ اس پہاڑ سے ایک اونٹنی پیدا کرے۔ اب پہاڑ کا اور اونٹ کا کوئی تعلق نہیں، اور وہ اونٹنی آئے ہمارے ساتھ ہماری بستی میں رہے، تو پھر ہم مانیں گے تم پیغمبر ہو۔

چنانچہ انہوں نے دعا کی، اور اللہ سے اس معجزے کو طلب کیا کہ اگر یہ لوگ اس طرح سے ہی مان جائیں تو ان کا فائدہ ہے۔ ان چٹیل چکنے پہاڑوں کے درمیان میں سے اللہ کے حکم سے اونٹنی نمودار ہوئی، اور ان کے آگے چلتی آ رہی ہے۔ پہاڑوں کا قد بہت بھی بہت بلند تھا، وہ اونٹنی بھی چاندی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کا ایک مرقع نظر آتی تھی، چلتی ہوئی آ گئی اور بستی میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ اور ظاہر ہے ادھر ادھر دیکھنے لگی ہو گی، وہاں آ کے۔ ان لوگوں نے اسے دیکھا، اور حیران و ششدر بھی ہوئے کہ اونٹنی تو پیدا ہو گئی ہے لیکن اب ہم اس کو کیا کریں۔ تو حضرت صالحؑ نے فرمایا تمہاری خواہش کے مطابق، تمہاری آرزو کے مطابق یہ اونٹنی انہی پہاڑوں کے درمیان میں سے پیدا ہو کر آپ کے درمیان آ گئی ہے، اور اب یہ آپ کی مہمان ہے۔ اب اللہ نے ایک شرط عائد کی ہے کہ بستی کے ایک کنویں سے یہ پانی پیئے گی، اور اس کا ایک دن مقرر ہو گا' اس دن وہاں سے کوئی دوسرا آدمی پانی نہیں لے سکے گا۔ نہ مویشی نہ چرند پرند نہ انسان۔ اونٹنی ہماری معزز ترین مہمان ہے، اس کی دیکھ بھال کرنا ہمارا فرض ہے، انہوں نے کہا، بہت اچھا ہم ایسا ہی کریں گے۔ کچھ دن تو انہوں نے اونٹنی کو برداشت کیا، اور باری کے مطابق جو دن مقرر تھا، اسے پانی دیتے رہے، لیکن پھر انسان انسان ہے ان میں ایک آدمی ایسا پیدا ہوا جس نے، مزید آٹھ آدمیوں کو ورغلایا اور وہ نو ہو گئے۔ انہوں نے کہا، یہ کیا شرط ہم نے اپنے آپ پر عائد کر لی ہے، اور اس اونٹنی کی کیا حیثیت ہے، ہم اس کا کسی نہ کسی طرح سے قلع قمع کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے رات کے وقت اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں، جو کہ ٹخنوں کے اوپر کا حصہ ہوتا ہے۔ تو اونٹنی ظاہر ہے وہاں پر اپاہج ہو کر بیٹھ گئی۔ صبح کو جب سب لوگ بیدار ہوئے، اور اونٹنی کے پانی پینے کی باری تھی، لیکن وہ تشریف نہ لائی، کیونکہ وہ وہاں نہ تھی۔ جب حضرت صالحؑ کو علم ہوا کہ یہ واقعہ ہوا ہے۔ تو پھر انہوں نے اپنی قوم سے کہا، یہ بہت برا ہوا، نہ صرف تم نے اس معجزے کو جھٹلایا بلکہ اس مہمان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، اب تین دن کے اندر اندر تمہارا قلع قمع ہو جائے گا، اور تم نیست و نابود ہو جاؤ گے۔ پھر آنے والی تاریخ میں لوگ انگلیاں اٹھا کر بتایا کریں گے کہ یہ ثمود کے رہنے کی جگہ تھی، اور یہ ان کے محل تھے جو ویران پڑے ہیں، اور قیامت تک اسی طرح ویران رہیں گے۔ چنانچہ جیسا فرمایا گیا تھا بالکل ویسے ہی ہوا پہلے دن' جیسے کہ بتاتے ہیں کہ ان کے منہ پیلے ہوئے۔ اگلے دن بے حد سرخ ہو گئے پھر کالے۔ پھر ایک ایسی چنگھاڑ، جیسے آج کل بم بنے ہیں، چنگھاڑ آئی، وہ سارے کے سارے اوندھے منہ گر گئے، اور نیست و نابود ہو گئے۔

ایک دفعہ مجھے ایک دوست کے پوتے کی شادی پر اسلام آباد جانا ہوا تو اسلام آباد پہنچ کر مجھے ایک پیغام ملا کہ ایک بابا ہیں جو آپ سے ملنا چاہتے ہیں، میں بابوں کا بڑا دیوانہ ہوں۔ آپ کو علم ہے۔ پچھلے ہفتے آپ سے بابا کی بات کر رہا تھا، جو ہمارے ساتھ اسی ٹی وی سٹیشن کا رہنے والا تھا۔ لیکن بابوں کے زائچے بابوں کی شکل و صورت، اور ان کے ڈھانچے، ان کے حلیے ان کے مزاج بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی مجھ سے یہ آ کر نہ پوچھیں' ہر بابا میٹھا بابا نہیں ہوتا' میرے سائیں فضل شاہ صاحب جیسا۔ ایسا نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں ان سے ملنے ان کے پاس گیا۔ دھوپ تھی' پہاڑی علاقہ تھا۔ میرے گلے میں چھوٹا سا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

صافہ (لمبا کپڑا) تھا۔ آپ کو پتا ہے پہاڑوں کی دھوپ بہت تیز ہوتی ہے۔ جب میں ان کے پاس گیا تو کہنے لگے، تم بڑی مٹھار مٹھار کے باتیں بناتے ہو، اور باتیں سناتے ہو، میں تم کو Warn کرتا ہوں۔ یہ لفظ انہوں نے استعمال کیا۔ Warn کرنے کے لیے بلایا ہے یہاں پر۔ تم لوگ بہت بے خیال ہو گئے ہو، اور تم لوگوں نے توجہ دینا چھوڑ دی ہے اور تم ایک بہت خوفناک منزل کی طرف رجوع کر رہے ہو۔ دیکھو! کہنے لگے، میں تم کو بتاتا ہوں یہ پاکستان ملک ایک معجزہ ہے' یہ جغرافیائی حقیقت نہیں ہے۔ تم بار بار کہا کرتے ہو ہم نے یہ کیا' پھر یہ کیا' پھر سیاست کے میدان میں یہ کیا' پھر اپنے قائد کے پیچھے چلے' ہم نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ ایسے مت کہو۔ پاکستان کا وجود میں آنا ایک معجزہ تھا' اتنا بڑا معجزہ ہے جتنا بڑا قوم ثمود کے لیے اونٹنی کے پیدا ہونے کا تھا۔ اگر تم اس پاکستان کو حضرت صالحؑ کی اونٹنی سمجھنا چھوڑ دو گے، نہ تم رہو گے نہ تمہاری یادیں رہیں گی۔ میرے گلے میں موجود صافے کو پکڑ کر کھینچ رہے تھے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ میری کیا کیفیت ہو گی۔ انہوں نے کہا تم نے صالحؑ کی اس اونٹنی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ باون برس گزر گئے تم نے اس کے ساتھ وہی رویہ اختیار کیا ہوا ہے جو ثمود نے کیا تھا۔ اندر کے رہنے والوں، اور باہر کے رہنے والوں دونوں کو Warn کرتا ہوں' تم سنبھل جاؤ، ورنہ وقت بہت کم ہے، اس اونٹنی سے جو تم نے چھینا ہے، اور جو کچھ لوٹا ہے، اندر کے رہنے والو اس کو لوٹاؤ، اور اس کو دو، اور باہر کے رہنے والو ساؤتھ ایشیا میں سارے ملکوں کو Warn کرتا ہوں' اس کو کوئی عام چھوٹا سا' معمولی سا جغرافیائی ملک سمجھنا چھوڑ دیں۔ یہ حضرت صالحؑ کی اونٹنی ہے ہم سب پر اس کا ادب، اور احترام واجب ہے۔ اس کو ایک معمولی ملک نہ سمجھنا اور اس کی طرف رخ کر کے کھڑے رہنا، اور اب تک جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کی معافی مانگتے رہو، اور اس کو Recompensate کرو۔

میں ان کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دے سکا، اور خوف زدہ ہو کے کھڑا رہا، اور پھر ان کو سلام کر کے، سر جھکا کے واپس چلا آیا۔ میری دعا ہے، اللہ آپ سب کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

We don't live in present but in future and past

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

آج کا دن میرے لیے خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے یہ اہم ترین دن ہے، جتنے بھی زاویے گزرے، ان میں سے اہم دن ہے۔ اور شاید یہ میرے اور آپ کے درمیان ایک جدائی کا باعث بھی ہو، کیونکہ جس طرح محبت، اور یگانگت' اتفاق' قربت، اور بھائی چارہ بہت اہم چیز ہے' اس طرح جدائی بھی بہت اہم ہے۔ وصال تو اہم ہے ہی۔ فراق اس سے اہم تر ہوتا ہے۔ صوفیائے اکرام کہتے ہیں، جب تک فراق کی لذت نہ چکھی جائے، اور اس میں داخل نہ ہوا جائے، اور آدمی اس کا صاحبِ حال نہ ہو' اس وقت تک وہ منازل طے نہیں ہوتیں، جن منازل کو سامنے رکھ کر سالک نے پہلا قدم اٹھایا ہوتا ہے، اور یوں بھی حال جو ہے' یہ بہت اہم چیز ہے۔

آج کا دن ہر شخص کے لیے بہتر دن ہے، لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ آدمی کبھی بھی حال کے اندر موجود نہیں رہتا۔ آپ نے یہ ٹرم سنی ہوگی کہ وہ بڑے صاحبِ حال بزرگ تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بزرگ نہ ماضی کی یاد میں مبتلا تھے نہ مستقبل سے خوف زدہ تھے' جو ان کو مل رہا تھا، اس پر شکرِ نعمت بجا لا رہے تھے۔ ہماری سب کی بدقسمتی یہ ہے، خاص طور پر سیانے پڑھے لکھے آدمی کہ وہ حال کے اوپر زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ یا تو لوگ ماضی میں رہتے ہیں یا مستقبل کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جو لذتیں آپ کو اللہ نے حال پر عطا کی ہوتی ہیں، ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ آپ نے اپنی زندگیوں میں اکثر دیکھا ہوگا' ہم کہتے ہیں ایک وہ وقت تھا جب میرا دوست یہاں کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ اس نے کہا، بس یہ عرضی لکھ کر لے آ، میں تجھے کارنر پلاٹ دیتا ہوں' پلازہ بنا سکتا تھا' آج جناب کہیں کے کہیں پہنچے ہوتے۔ تو ساری بات ماضی کی کرتے ہیں، یا یہ کچھ کرلو، کل کا کچھ پتا نہیں ہے، مارے جائیں گے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

زمانہ خراب آ رہا ہے مشکلات بڑھ جائیں گی۔ ابھی سے بندوبست کر لو۔ کبھی کبھی ہمارے گھر میں پانی ٹینکی میں ختم ہو جاتا ہے، رات کو میری بیوی ٹونٹی کھولتی ہے تو سوں سوں کی آواز آتی ہے۔ وہ کہتی ہے میں نے پہلے ہی کہا تھا، اس کا کچھ بندوبست کر لو۔

میں کہتا ہوں جگ میں پانی پڑا ہے کچھ لوٹے میں بھی ہے، ہم تو رات کو سو جائیں گے، خدانخواستہ آگ تو نہیں لگ رہی۔ کہتی ہیں آپ کیسی فضول باتیں کرتے ہیں۔ صبح اٹھ کر وہ اتنی پریشان ہوتی ہے۔ میں نے مستقبل کے بارے میں اتنی خوفزدگی کا اظہار کیا تھا' وہ مستقبل ابھی تو آیا ہی نہیں' لیکن ہم سب کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اپنے آگے رکھے ہوئے اعلیٰ درجے کے پھل سے ہم لطف اندوز نہیں ہو سکتے' ماضی کی ان بیریوں کو یاد کرتے رہتے ہیں' کانٹے دار جھاڑیوں کے اوپر چڑھ کے' جو ہم بیر کھایا کرتے تھے۔ اکثر ہم ذکر کرتے تھے کہ جناب وہ زمانہ بہت اچھا تھا۔ مستقبل کے باغوں کو دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے ٹوکرے اتر اتر کے پھل آئیں گے۔ ہمارے ملازم کھڑے ہوں گے' رسیاں باندھ کر ان کے اوپر ترپال ڈال کے' ٹانگے لگا کے' دوستوں کو تحفے بھیجے جا رہے ہوں گے' منڈیوں میں ہمارا پھل جا رہا ہوگا، لیکن یہ جو سامنے موجود ہے، آپ کو عطا کر دیا گیا ہے۔ یہ بڑا ہی آسان اور بڑا ہی مشکل کام ہے۔ ہمارے سمیت دنیا بھر کی ٹریننگ ہی ایسی ہوتی ہے۔ صاحبِ حال بڑا چالاک ہوتا ہے کیونکہ اس کو جتنا مل رہا' جو مل رہا' اٹھا کے جیب میں ڈال رہا ہے، مزے سے کھا رہا ہے۔ گاجر مل گئی تو گاجر کھا رہا ہے میں اور آپ اس کے انتظار میں ہیں کہ اناناس ملے تو لے لوں گا، ہم کبھی بھی حال سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔ حال سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ زندگی کی سب سے ضروری حقیقت یہ ہے کہ حال سے فائدہ اٹھاتا رہے، اور اس کے گن گاتا رہے۔ اس سے لطف اندوز ہوتا رہے کہ اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے۔ ہمارے بابا جی فرمایا کرتے تھے جو حال میں جنتی ہے مستقبل میں وہی جنتی ہوگا۔ کیونکہ اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے۔ بڑی غور طلب بات ہے، اور جو حال میں جتنا مشکل میں مبتلا ہوگا، عذاب کی زندگی بسر کر رہا ہوگا، مستقبل میں بھی اتنا ہی ہوگا۔ آپ اپنا حال خراب کر کے دیکھ لیں، آپ کا مستقبل لامحالہ ایسے ہی چلتا رہے گا۔ اس میں سیدھ آئے گی ہی نہیں۔ آپ ایک تجربہ کر کے دیکھ لیں، ہم نے اس ٹیڑھے چمٹے کو جو حال کا ہے سیدھا کر لیا، مستقبل خود بخود خوب صورت سے خوب صورت تر ہوتا چلا جائے گا۔ میری زندگی میں صوفیائے اکرام کے علاوہ ایک ایسا شخص بھی آیا، جو بغیر جانے ہوئے حال کی کیا اہمیت ہے، اس پر حاوی تھا۔

سراج دین نامی ایک مزدور تھا، آج سے بہت سال پہلے کی بات ہے میں اپنا دفتر بنوا رہا تھا، جب مزدور کی دیہاڑی تیس روپے روزانہ ہوتی تھی، سراج چپس گھسانے کا کام جانتا تھا، بہت ذہین اور خوب صورت آدمی تھا' اچھی بات کرتا تھا اور بہت کم گو تھا۔ خوب صورت بات کرتا تھا اور لوگ اس کو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

30 روپے دیہاڑی کے بجائے 50 روپے دیتے تھے، کیونکہ وہ اپنے فن کا ماہر تھا۔ وہ اپنے فن پر پوری استقامت کے ساتھ حاوی تھا۔

ایک بہت اچھا دن تھا 25، 26 دسمبر کی بات ہے' دھوپ بہت اچھی نکلی ہوئی تھی' عام طور پر اگر آپ نے غور کیا ہو، یا کریں گے کہ 25 دسمبر کے بعد، یا اس دن آسمان ابر آلود ہوتا ہے، لیکن وہ 25 دسمبر کا دن ایسا خوب صورت اور شفاف تھا۔ سورج اپنی پوری تابانی کے ساتھ چمک رہا تھا۔ میں جب دفتر آیا تو سب لوگ کام کر رہے تھے۔ کام بہت تیزی کے ساتھ ہو رہا تھا میں نے ٹھیکیدار سے پوچھا سراج نہیں آیا؟ اس نے کہا، نہیں آیا۔ میں نے کہا، کیوں نہیں آیا؟ کہنے لگے کوئی پتہ نہیں۔ میں نے کہا، اس نے کوئی اطلاع بھیجی؟ کہا کہ نہیں بھیجی۔ میں نے کہا ٹھیکیدار صاحب کو تو اس کا نوٹس لینا چاہیے تھا' پتا ہونا چاہیے' آج تو اس کی بہت سخت ضرورت ہے' اتنا اچھا دن ہے' رگڑائی ہونی ہے' اس نے وعدہ کیا تھا کہ میں آؤں گا۔ پھر میری طبیعت میں اللہ جانے کہاں سے طیش آیا، ایسے ہی۔ حالانکہ میں تو کبھی بھی افسر نہیں بنا، لیکن اس دن میں ایک مشکل سا افسر بن گیا۔ کہا، اس کو حاضر کیا جائے، ورنہ اس کو کام سے نکال دیا جائے گا۔ کہنے لگے، نہیں صاحب آج نہیں آیا تو کل آ جائے گا۔ میں نے کہا، نہیں وہ کہاں رہتا ہے؟ ٹھیکیدار نے بتایا اچھرہ کے پیچھے ایک کچی آبادی ہے وہاں رہتا ہے۔ میں پتا کرنے جاتا ہوں۔ میں نے کہا، جائیں۔ جب وہ سکوٹر پر جانے لگا تو میں نے کہا ٹھیکیدار صاحب! رکیے رہنے دیں' میں جاتا ہوں۔ ڈرائیور نے گاڑی نکالی، ہم چلے گئے۔ وہاں گئے تو ایک آدمی کو ساتھ لیا۔ اس نے کہا، گاڑی یہاں روکنی پڑے گی، کیونکہ پیچیدہ گلیاں ہیں، اور کچی آبادی ہے۔ میں نے کہا، چلو میں شدید غصے میں تھا۔ وہ لمبی چوڑی پیچیدہ گلیوں سے گزرنے کے بعد ایک گھر میں جس کے باہر ایک پھٹا سا پردہ لٹک رہا ہے۔ وہ جو چوکیدار میرے ساتھ گیا تھا، اُس نے آواز دی سراج! اُس نے کہا، کون؟۔ میں محمد علی ہوں۔ اس نے کہا، آ محمد علی بسم اللہ! اس نے کہا، باہر آ صاحب آیا ہے۔ اس نے کہا، صاحب کون؟ کہا، اشفاق صاحب آئے ہیں۔ اس نے کہا، یہاں! وہ بے چارہ حیران ہو کر چھلانگ لگا کر باہر نکلا۔ کہنے لگا بسم اللہ۔ میں نے کہا، کوئی بسم اللہ نہیں اور میرے منہ لگنے کی کوشش نہ کرو۔ میں سخت طیش میں ہوں، تمہاری مرمت کروں گا' چلو تم چلو۔ کہنے لگا، صاحب! میں کل آ جاؤں گا۔ میں نے کہ نہیں تم میرے غصے سے واقف نہیں ہو' افسر لوگ بڑے ظالم ہوتے ہیں، چاہے وہ بعض اوقات کتنا ہی مسکراتے رہیں' تمہیں ابھی چلنا پڑے گا۔ کہنے لگا، میں آپ سے ایک درخواست کرتا ہوں، آپ اندر آئیں، آپ آئیں اندر تشریف لائیں مجھے فخر ہو، مجھے خوشی ہو، میں آپ سے بڑی محبت کرتا ہوں۔ میں نے کہا، بالکل جھوٹی محبت ہے، غلط کہتے ہو، مجھ سے محبت ہوتی تو تم ضرور آتے۔ اس نے کہا، مجھے آپ اجازت دیں کہ میں کل آ جاؤں۔ اس نے کہا، آپ آئیں تو سہی۔ میری بیوی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سے تو ملیں۔ میں نے کہا، میں کسی سے نہیں ملتا، میرا آپ کا کوئی رشتہ نہیں، کوئی تعلق نہیں۔ اس نے کہا، جناب آپ اندر آئیں چائے کی ایک پیالی پئیں۔ میں نے کہا توبہ کرو، میں پانی بھی نہیں پیوں گا، تم چائے کی بات کرتے ہو۔ تم میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھو، اور میرے ساتھ چلو، تو پھر اس کی بیوی آ گئی پردے کے اس طرف۔ چاچا جی آپ آ جائیں۔ مجھ کو اب تھوڑی خفت ہونے لگی کہ بے چاری کہہ رہی ہے۔ اچھا بی بی میں ایک سیکنڈ کھڑا ہوں گا' تیرے کہنے پر اندر داخل ہوں گا۔ ورنہ یہ بہت جاہل آدمی ہے۔ اندر گیا' اس نے کہا بیٹھ جائیں۔ میں نے کہا نہیں۔ تو مجھے بتا تو آیا کیوں نہیں۔ اس نے کہا، کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔ میں نے کہا، کیوں نہیں آیا، تمہیں ساری وضاحت دینا پڑے گی۔ اس نے کہا بات یہ ہے کہ یہ جو کنستر ہے ناں جی مٹی ڈال کر نرگس کا ایک پودا لگایا تھا کل شام' جب میں گھر آیا ہوں تو اس میں ایک پھول کھلا ہوا تھا تو مجھے بڑا اچھا لگا۔ دیکھیں ہمارے گھر میں آج ایک نرگس کا پھول ہے۔ یہ میں آپ کو دیتا ہوں، اس کی خوشبو دیکھیں کتنی اچھی ہے۔ میں تمہارے اس پھول کو بالکل قبول نہیں کرتا۔ میں تمہارے اس کنستر کو باہر پھنکوا دوں گا۔ تم کیا فضول بات کے لیے یہاں رہ گئے، تم کو آنا چاہیے تھا۔ ساتھ ہی کہنے لگا، سر جی جب میں گھر آیا ہوں تو میری بیوی نے مجھے کہا کاکا چلنے لگ گیا ہے، پہلے رڑھتا، گھٹنوں چلتا تھا۔ آج پہلا دن ہے کہ وہ ڈگ مگ ڈولے چلا ہے۔ میں نے کہا، وہ تو سو گیا ہے۔ کہنے لگی ہاں۔ میں نے کہا، اس کو جگاؤ میں تو اس کو چلتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کمال کرتے ہو کاکا تو سویا ہوا ہے، میں اس کو کیسے جگاؤں۔ کہنے لگا، صبح اٹھتے ہی پہلا کام میں نے یہ کیا اِدھر وہ چولہے کے پاس بیٹھ گئی، اور میں اُدھر بیٹھ گیا تو بیچ میں اپنا بیٹا چھوڑ دیا وہ کبھی اِدھر جاتا تھا، کبھی اُدھر جاتا تھا۔ صاحب زندگی روشن ہو گئی۔ کنستر میں پھول کھلا تھا' چھوٹا بچہ تھپ تھپ کرتا اِدھر اُدھر جاتا تھا، سر جی! ہمیشہ آج کا دن دھندلا دن ہوتا ہے، لیکن آج بڑا خوب صورت دھوپ والا دن تھا۔ اتنا خوب صورت دن پچاس روپے میں تو نہیں بیچا جا سکتا۔ سر میں کل آ جاؤں گا، رات بھی لگا دوں گا آپ کہیں گے تو' اور آدھی چھٹی بھی نہیں کروں گا۔ لیکن اس خوب صورت دن کو آپ رہنے دیں۔ اتنا سستا نہیں بیچا جا سکتا۔ میں نے کہا، پانچ سو روپے کا بیچتے ہو۔ کہنے لگا نہیں۔ وہ تو حال پر راضی تھا۔ وہ اکیلا آدمی میں نے دیکھا جس کا تعلق روحانیت سے ہرگز نہیں تھا، لیکن وہ صاحبِ حال آدمی تھا، وہ اس خوشی میں مبتلا تھا کہ میں ایک اچھا دن گزار رہا ہوں۔ اگلے دن دیہاڑی پر لگ جاؤں گا، اگلے دن یہی کام تو کرنا ہے، لیکن اس کو میں ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔

پرسوں میں اسلام آباد میں تھا۔ تو مجھے سراج یاد آ گیا۔ کتنے بڑے بڑے آدمیوں سے میں زندگی میں ملا ہوں لیکن سراج ان میں بہت بڑا آدمی تھا۔ میں اس کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر آج تک یاد کرتا ہوں۔ پھر وہ دبئی چلا گیا تھا۔ پتا نہیں آج کل کہاں ہو گا۔ پرسوں میں اسلام آباد میں تھا' سیر کر رہا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تھا' اچانک مجھے سراج یاد آ گیا۔ کسی کو آئن سٹائن یاد آ جاتا ہے، کسی کو نصرت فتح علی خاں۔ بڑے لفظوں میں کسی کو ہمارے اجمل صاحب یاد آتے ہیں' وہ فلسفے کے استاد تھے۔ قدرت اللہ شہاب یاد آ جاتے ہیں میں چلتا جا رہا تھا۔ سراج یاد آ گیا۔ اس وقت میں شکر پڑیاں میں تھا۔ بہت اچھا موسم تھا، شام کا۔ میں نے سوچا اور تو میں کچھ کر نہیں سکتا، پڑھا لکھا ہوں، تشکیک کا مارا ہوا، گھبراہٹ میرے اندر شروع سے جنم لے چکی ہے۔ میں اپنے آپ کو اس طرح کے فریم میں تو سیٹ نہیں کر سکتا، جیسا کہ سراج نے کیا تھا لیکن اب کوئی دیکھ نہیں رہا میری آرزو ہے، کچھ اس طرح سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کروں، جس طرح میں نے سراج کے چہرے کو دیکھا تھا۔ پیارے بچو! میں وہاں ایک پتھر پر بیٹھ گیا میں نے وہاں سب سے پہلے اس خدا کا شکر ادا کیا، ڈھیروں ڈھیر کیا اور دل کی گہرائیوں سے کیا' جو مجھے قیمتی ترین چیزیں مفا مفت دے رہا تھا، اور وہ آکسیجن تھی' ہر شخص کو ضرورت ہوتی ہے اس کی آکسیجن سے قیمتی چیز کوئی کائنات میں زندگی کے لیے ہے ہی نہیں، اور وہ سب کو مفت ملتی ہے، اور میں مزے سے اس کو Inhale کر رہا تھا، موسم بڑا خوب صورت تھا۔ شام ڈھل چکی تھی، اور میں بڑے مزے سے اعلیٰ قسم کی آکسیجن کو اپنے رگ و ریشے میں سمو رہا تھا، اور آپ یقین کریں اور کریں گے کہ کسی سپاہی نے آکر سیٹی نہیں بجائی، اوئے بے وقوف بڈھے بابے تو Province کا آدمی ہو کے فیڈرل کی کیوں ساری آکسیجن کھینچ رہا ہے۔ میں خوش و خرم بیٹھا رہا۔ کسی نے مجھے برا بھلا نہیں کہا، پھر مجھے خیال آیا کہ ہمارے بابا جی کہا کرتے تھے کہ ہر حال میں موجود رہو، ماضی کی یاد میں مبتلا نہ ہونا، مستقبل سے خوفزدہ نہ ہونا' اس حال کے اندر موجود رہو۔ جب میں نے موجود ہونے کی کوشش کی کہ کوئی گانا بھی گانا چاہیے۔ اچھا اب مجھے گانا نہیں آتا۔ میں نے بڑا زور لگایا، سوچا ہم ٹی وی پر بہت اچھے گانے پیش کرتے ہیں۔ بھئی کچھ اچھا سا یاد آئے۔ آخر میں جب میں بالکل کچھ روہانسا سا ہو گیا، میں نے سوچا اتنا اچھا موسم ہے، سراج کو میں یاد کر رہا ہوں، جو میرا گرو ہے۔ میرا mentor ہے اور میرا لیڈر ہے اب میں چپ چاپ بیٹھا ہوں، تو پھر اللہ نے میری مدد کی اور میں نے گانا شروع کیا۔ ''لب پہ آتی ہے دعا بن کے'' چوتھی جماعت میں آخری مرتبہ یہ گایا تھا' اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر۔ سکول میں دعا کے وقت گایا تھا۔ پھر موقع ہی نہیں ملا۔ پھر اس کے بعد ہم گانے کے قریب بھی نہیں پہنچ سکے۔ خرابی یہ ہوتی ہے خواتین و حضرات! کہ ہم مستقبل سے اتنے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ ہم سارا حال، ساری زندگی' ساری سوچ سب برباد کر دیتے ہیں، اور بڑے سستے بھاؤ میں بیچ دیتے ہیں۔ جس چیز سے ہم فائدہ اٹھا سکتے تھے اس کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور ہماری حالت بالکل ویسی ہوتی ہے جیسی ہماری ایک بزرگ محترمہ تھیں۔ ایک وزیر کی بیوی، کسی زمانے میں چین کا مشہور بادشاہ تھا ''منگ'' ڈائنا سٹی کا۔ اپنے وزیر کو ناراض ہو کے کسی وجہ سے پھانسی کی سزا دے دی۔ مقررہ وقت پر جب اس کو پھانسی دی جانی تھی۔ بادشاہ کا دستور تھا کہ جس

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

قیدی کو بھی پھانسی دی جاتی تھی تو بادشاہ خود صبح سویرے اٹھ کر بندی خانے (قید خانے) میں آتا تھا، اور اس سے پوچھتا تھا تیری کوئی آخری خواہش ہے، تو میں اس کو پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ بادشاہ ایک خوب صورت سفید گھوڑے پر سوار ہو کر آیا، اور اس نے اپنا گھوڑا بندی خانے کے باہر روکا، اور اندر گیا۔ اپنے وزیر سے ملا۔ وزیر سے کہنے لگا، کہو کیا حال ہے۔ کہنے لگا، میں بڑا خوش وخرم ہوں۔ آج شام مجھے پھانسی ملے گی اور اب آپ مل گئے۔ اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس نے کہا، تم تگڑے ہو، ہاں میں تگڑا ہوں، لیکن ذرا بادشاہ سلامت آپ پیچھے ہٹ جائیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ چھوٹے سے جھروکے میں سے ایک نہایت خوب صورت سفید گھوڑا باہر بندھا ہے۔ میں نے ایسا گھوڑا کبھی دیکھا نہیں۔ میرے بڑوں کا علم میرے پرکھوں کا علم، مجھے یہ بتاتا ہے کہ یہ تو اُڑنے والا گھوڑا ہے، چلنے والا نہیں۔ بادشاہ نے کہا، یہ تو میرا گھوڑا ہے۔ سوار ہو کے آیا ہوں۔ اس نے کہا، حضور یہ آپ کو کہاں سے مل گیا۔ میں نے تو آپ کا سارا اصطبل دیکھا ہے۔ بادشاہ نے کہا ابھی کچھ خراسان سے سوداگر آئے تھے، اور گھوڑا دے گئے ہیں۔ وزیر نے کہا حضور یہ تو اڑنے والا گھوڑا ہے۔ یہ تو کمال کی چیز ہے، بادشاہ نے پوچھا لیکن یہ کیسے اڑے گا۔ اس نے کہا، اس کو ٹریننگ دینی پڑے گی۔ بادشاہ نے پوچھا ٹریننگ کون دے؟ وزیر کہنے لگا، میں دوں گا۔ بادشاہ بولا کتنی دیر لگے گی۔ کہنے لگا، ایک سال لگے گا۔ آپ اس پر بیٹھیں گے جیسے بوئنگ جاتا ہے، شکاگو سے ٹیکساس۔ جدھر مرضی جائیں' گھوڑا اڑے گا۔ کہنے لگے ٹھیک ہے، کھول دو دروازہ۔ باہر آ جاؤ، اور گھوڑے کی یہ باگ پکڑو۔ تم اس کو ٹرینڈ کرو۔ تمہیں ایک سال کے بعد پھانسی دی جائے گی۔ اس نے کہا، منظور ہے۔ وزیر گھوڑا لے کر چھلانگ مار کر اس کے اوپر بیٹھا، اور ایڑی لگا کے اپنے گھر پہنچ گیا۔ اس کی بیوی نے چیخیں مارنا شروع کر دیں، یااللہ تو کیسے آ گیا؟ تجھے تو پھانسی ہو گئی تھی۔ اس نے کہا، پروا نہ کر۔ یہ بات میں نے بادشاہ کے ساتھ کی ہے اب ایک سال کی چھٹی ہے۔ مزے کرتے ہیں، گائیں گے، خوش رہیں گے۔ اس نے کہا، ایک سال ابھی ختم ہو جائے گا اور اس نے رونا شروع کر دیا۔ اس نے کہا، تم اس حال کے اندر کیوں رو رہی ہو؟ لیکن وہ بدستور روتی رہی۔ کہنے لگی، ایک سال تو ایک منٹ میں ختم ہو جائے گا۔ پھر وہی کیفیت آ جائے گی۔ بہتر یہ تھا کہ تجھے آج ہی پھانسی مل جاتی۔ میں ذہنی طور پر تیار تھی' جیسے انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر یہ سال میرے سینے پر خنجر کی طرح لٹکتا رہے گا۔ نہیں نہیں ایک سال کے اندر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ وزیر گھوڑا لے کر صبح نکل جاتا، اور مزے سے جو جو جگہیں نہیں دیکھیں تھیں، وہ بھی دیکھیں، اور اعلیٰ درجے کا اسے گھوڑا ملا ہوا تھا، اور کیا چاہیے تھا۔ چنانچہ وقت گزرتا رہا، دن پر دن گزرتے رہے۔ وہ روتی ہوئی بیوی کو کہتا' بھلی لوگ کچھ بھی ہو سکتا ہے تو کیوں فکر کرتی ہے۔ اس نے کہا، نہیں میرا جو فکر ہے، اندر سے نہیں جائے گا، لیکن وزیر خوش وخرم رہا۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خواتین وحضرات! ہوا یہ کہ تین مہینے بعد تینوں مر گئے۔ بادشاہ، وزیر، اور گھوڑا۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے اور آدمی اپنے حال کو برباد کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ کچھ بھی کرتا رہتا ہے۔ میں آپ سے یہ کہنے کے لیے حاضر ہوا۔ اپنے حال کو خوش تر، خوب تر بنائے رہنا، اور خوش وخرم رہنا۔ آپس میں محبت کی رسم جو ہے اگر پہلے اس کی بنیاد نہیں ڈالی تھی، تو ضرور ڈال کے دیکھنا۔ اس کے بڑے فائدے ہوتے ہیں اور اس کی لہریں بڑی دور دور تک پہنچتی ہیں۔ اس کے علاوہ جو محبت مجھے آپ نے اس پروگرام کے ذریعے دی، سب کو دی۔ سارے ٹی وی والوں کو دی۔ وہ آپ کا بہت بڑا ایک انعام ہے اور بہت بڑا احسان ہے۔ ہم اس کے لیے دنیاوی طور پر اور انسانی طور پر آپ کے شکر گزار ہیں اور خالقِ کائنات کے اس اعتبار سے کہ سب کچھ نعمتیں وہی عطا کرتا ہے۔ اپنے بندوں کے ذریعے اپنے بادلوں کے ذریعے، اپنی ہواؤں کے ذریعے۔ آپ اتنی جلدی خوفزدہ نہ ہو جایا کریں۔ میں نے اخبار کے لوگوں سے پوچھا، آپ اتنی خوفناک خبریں کیوں چھاپتے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ، خبر ہوتی ہی خوفناک ہے، جو خوفناک نہ ہو وہ خبر نہیں بنتی۔ میں نے کہا، میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ اس نے کہا، ہر روز تیز گام پشاور سے کراچی چلتی ہے، کوئی خبر نہیں بنتی۔ جس دن اس کا ڈبہ الٹ جائے، تیرہ آدمی مر جائیں تو وہ خبر بن جاتی ہے۔ سیدھے سے چھ آدمی بڑے مزے سے تاش کھیل رہے ہیں۔ ایک آ کر کہتا ہے السلام علیکم، کیا حال ہے بھائیو! خوش ہو، راضی ہو، دیکھو میں ایک اعلیٰ درجے کا کھیرا لایا ہوں۔ نمک لگا کے ایک ایک پھاڑی سب کو دیتا ہے، خبر نہیں بنتی۔ اگر چھ آدمی تاش کھیل رہے ہیں، ایک آدمی پستول لے کر آیا، اور تین بندے پھڑکا دیے، یہ خبر بن گئی تو ایسی خبر بنانے سے پہلے پرسکون بات محبت کی بات ہے۔ ہمارے آپ کے درمیان چلتی رہنی چاہیے، جو چیزیں آپ کو ڈراتی ہیں، وہ مصنوعی ہوتی ہیں۔ ڈرانے والی چیز کوئی نہیں۔ اگر کوئی چیز ڈرانے والی ہے، تو وہ صرف اللہ کی ذات ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ اللہ آپ کو خوش رکھے، بہت خوش رکھے۔ بہت سی آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

دُعا

میں سوچتا ہوں کہ آپ لوگ بھی میری طرح کے ہی ہوں گے، کیونکہ جو جو کوتاہیاں خامیاں مجھ میں سر اٹھاتی ہیں' ان مشکلات سے آپ بھی گزرتے ہوں گے' آپ بھی تو میرے ہی بھائی بہن ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں کئی بار اس کا اعتراف کر لیتا ہوں' کئی دفعہ نہیں کرتا، اور آپ کیونکہ معزز ارکان ہیں سوسائٹی کے اس لیے، چھپا کے گزر جاتے ہیں۔ مثلاً میں یہ سوچا کرتا ہوں اور میری یہ ایک مشکل ہے کہ جب کبھی کوئی سڑک چوراہا کراس کرتا ہوں تو مجھے سرخ بتی ہی کیوں ملتی ہے۔ میں جب بھی گزرا ہوں، مجھے سرخ بتی ہی ملتی ہے۔ یہ پتا نہیں میری قسمت ہے۔ اچھا چلیے مل گئی، میں وہاں کھڑا ہو گیا، پھر یہ کیوں ہوتا ہے کہ سرخ بتی کا لمحہ جو ہے وہ آدھے گھنٹے پر محیط ہوتا ہے، سبز جو ہوتی ہے وہ دس سیکنڈ میں بدل جاتی ہے، بڑا دکھ ہوتا ہے مجھے، کہ یا اللہ یہ ایسا کیوں ہوتا ہے اور اس میں مَیں بہت پریشان ہوتا ہوں کہ کیوں یہ ہوتا ہے۔

میں پرانے زمانے کا آدمی ہوں، جب میں نئے زمانے کا آدمی نہیں تھا تو میں لال صابن سے نہاتا تھا، ہمیشہ۔ اب بھی لال صابن سے نہاتا ہوں' تو میری بہو جو ہے وہ بہت چڑتی ہیں اور وہ شرمندہ ہوتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں ماموں یہ آپ خدا کے واسطے چھوڑیں لال صابن نہانے کے لیے نہیں ہوتا۔ تو میں نے کہا، بھئی ہم ایک زمانے سے یہی کرتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ کہتی، دیکھیں میں آپ کو اچھے والا صابن دے رہی ہوں' اس سے نہائیں، وہ صابن ہوتا ہے جس پر لکھا ہوتا ہے کہ "ایکٹرسوں کے حسن کا راز اس صابن میں ہے" کچھ اس قسم کی چیز ہوتا ہے اور بہت اچھا خوب خوشبودار اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے' تو میں اس سے جب نہاتا ہوں، خاص طور پر اپنے پیارے لال صابن سے بھی تو خواتین وحضرات یہ کیوں ہوتا ہے کہ نہاتے وقت جب صابن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے تو وہ غسل خانے کے آخری کونے میں ہی کیوں جاتا ہے۔ پاؤں کے پاس کیوں نہیں گرتا، میں پھر منہ کو صابن لگا ہوا ہوتا ہے اور میں اس کو تلاش کرتا کرتا بڑی مشکل سے وہاں پہنچتا ہوں، اور پھر نہاتا ہوں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

صابن گرے قدموں میں گھٹنوں کے پاس آ کر ٹخنوں کے درمیان کھڑا ہو جائے۔ میں آرام سے پکڑوں اور نہانا شروع کر دوں، لیکن ایسا ہوتا نہیں۔ یہ مشکلات ہیں میری۔ مثلاً میری بیوی مجھ سے کہتی ہے کہ آپ جائیں، یہ بہت ضروری فارم ہے، یہ آپ بینک میں خود جمع کروا کے آئیں۔ پچھلے دنوں جب میٹرک کے امتحان تھے تو کسی ملازم کا بچہ وہ میٹرک کا امتحان دے رہا تھا، وہ باہر سے آئے ہوتے تھے، تو اس نے (میری بیوی) کہا کہ جی آپ کروا کے آئیں۔ آپ کا بھی یہ تجربہ ہوگا، اور مجھے یقین ہے کہ آپ بھی اس مشکل مرحلے سے گزرے ہوں گے، اور گزرتے ہوں گے۔ جب آپ بینک میں جاتے ہیں تو بعض اوقات بینک کا منیجر دباؤ زیادہ ہونے کی وجہ سے دو قطاریں لگا دیتا ہے، تاکہ جلدی جلدی کام ختم ہو۔ ڈاکٹر صاحب! اکثر یہ ہوتا ہے، میں جس قطار میں کھڑا ہوں وہ آہستہ چل رہی ہے، اور وہ جو دوسری ہے تیز چل رہی ہے، بڑا دکھ ہوتا ہے مجھے۔ میں ایک غریب آدمی ہوں مفلوک الحال' اس ملک کا' یہ کیوں سُست چل رہی اور وہ کیوں تیز چل رہی ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں۔ پھر اللہ نے مجھے عقل عطا کی ہے۔ میں اپنی سُست والی رو چھوڑ کے تیز والی میں چلا جاتا ہوں، یوں میں وہاں پہنچتا ہوں تو وہ سُست چلنے لگ جاتی ہے، وہ دوسری والی جس کو میں نے چھوڑا تھا وہ تیز چلتی ہے۔ تو زندگی کے اس پیچ و خم سے مجھے بڑی شکایات رہتی ہیں اور میں جھگڑتا بھی رہتا ہوں، لیکن ہوتا یہی ہے، پھر جب میں شام کو تھک ہار کے واپس آتا ہوں، تو پھر میں شکوہ شکایت نہیں کرتا، کیونکہ یہ ہوتا ہے تو سب کے ساتھ ہوتا ہے، یا میرا اوژن ایسا ہے یا مجھے یوں لگتا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا کے سارے پہاڑ مجھی پر ٹوٹے ہیں، یہ سرخ بتی مجھی کو ملتی ہے' میرا ہی صابن پھسل کر کونے میں جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس میں ایک تکلیف دہ بات جہاں میں پہنچنا چاہتا تھا، وہ یہ ہے کہ یہ جو دعا ہوتی ہے نا جب ہم دعا مانگتے ہیں' اس کے مانگنے کے وقت اور اس کے مانگنے کے طریق کو اپناتے ہوئے مجھے بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے' جب بھی پڑتا تھا اب بھی پڑتا ہوں۔ مثلاً یہ کہ کبھی کبھی نماز پڑھنے کے بعد جب میں التحیات پر پہنچتا ہوں تو میری جان آفت میں پڑ جاتی ہے، پھر میں کھٹا کھٹ اس کو ختم کر کے، اور سلام پھیرنے کی کرتا ہوں، اور جب میں سلام پھیرتا ہوں! تو پھر آگے آتا ہے دعا کا مرحلہ تو دعا کے مرحلے میں ربنا آتنا فی الدنیا حسنتا و فی الآخرۃ حسنتا وقنا عذاب النار کر کے بھاگتا ہوں تو اس کا کنکشن جو ہے، جس کے حضور میں دعا سپیشل کی جاتی ہے، جڑتا نہیں۔ پتا نہیں کیوں دعا مانگتے وقت مجھ پر یہ کیا کیفیت طاری ہوتی ہے کہ میں اس سے جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہوں، حالانکہ دعا تو بنی اس لیے ہے کہ آپ اپنی عرضداشت لے کر جائیں تھالی میں رکھ کے، روتے ہوئے منہ بسورتے ہوئے، اور جو وہاں ایک بالکل جس کو کہتے ہیں نا ''پچھے'' پڑ کے، بس وہیں کے ہو رہیں، اور اس سے کہیں یا اللہ اس کو منظور کر نہیں تو میں نے واپس گھر نہیں جانا۔ یہ کیوں ہوتا ہے کہ جو چیز منتہائے مقصود

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہوتی ہے ساری عبادت کی، وہاں پر آ کر ہم رک جاتے ہیں۔ میرے خیال میں، اوروں کے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہوگا، کیونکہ میں نے عرض کیا کہ بہن بھائیوں کا رشتہ بڑا قریبی رشتہ ہوتا ہے۔ اب یہ بھی ایک مسئلہ رہا میری زندگی میں کہ دعا کو کس طرح سے اپنایا جائے، اور کس طرح سے اس کو اپنی آغوش میں لیا جائے، گرفت کو مضبوط کیا جائے، لیکن یہ فن ہمیں کسی نے سکھایا نہیں، ہمارے بڑوں نے ٹھیک طرح سے بتایا نہیں۔ یہ ڈھونڈنا پڑتا ہے خود ہی۔ اب جب دعا اتنی تیزی سے مانگی بھی جاتی ہے تو پھر اس میں دوسری کوتاہی یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم اکثر و بیشتر یہ شکایت کرنے لگتے ہیں کہ بڑی دعائیں مانگیں، بہت وہاں ایڑیاں رگڑیں کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ اللہ ہماری دعا تو قبول ہی نہیں کرتا۔ پہلی بات تو میں یہ سمجھ کر کرتا ہوں کہ جو دعا میری طرف سے مانگی گئی ہے وہ تو پہنچی ہی نہیں۔ جو تار ہے کھٹ کھٹ والا وہ تو پورا گیا ہی نہیں، وہاں جلدی سے ہم نے کر دیا تو اب جب تک کمیونی کیشن نہیں ہوگی، تو بڑی مشکل بات ہوگی، پھر کیسے ہمارے درمیان رابطہ قائم ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ قبول کیوں نہیں ہوتیں دعائیں۔ یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے۔ آدمی اکثر سوچتا ہے، دعائیں بڑی خلوصِ نیت کے ساتھ مانگی جاتی ہیں، اور بڑی دردمندی کے ساتھ مانگی جاتی ہیں، تو قبول کیوں نہیں ہوتیں۔ تو میں جسے اکثر ذکر کیا کرتا ہوں اپنے پروفیسر انگارتی جو پروفیسر تھے اٹالین کے اور ملک الشعرا بھی تھے ہم مشکل باتیں ان سے پوچھا کرتے تھے۔ ان کا مذہب ہی اور تھا اور زبان بھی اور تھی، لیکن وہ اتنے بڑے استاد تھے کہ ہم سارے یونیورسٹی کے پروفیسر کھڑے ہو جاتے تھے ان کے احترام میں، جب بھی وہ تشریف لاتے تھے۔ خود زیادہ وہ پڑھے لکھے نہیں تھے، لیکن ان کی دانش کی وسعت ایسی تھی کہ اس کی آغوش میں ساری چیزیں، سارے مشکل سوالوں کے حل موجود ہوتے تھے۔ تو میں نے پروفیسر انگارتی سے پوچھا کہ سر مجھے آپ یہ بتائیں دعا کے بارے میں کہ یہ دعا قبول کیوں نہیں ہوتی، اور آدمی دھکے کیوں کھاتا پھرتا ہے۔ بچپن، اور جوانی پروفیسر انگارتی کی سکندریہ میں گزری تھی، مصر کی بندرگاہ جو ہے۔ ان کے والد کا وہاں پر ایک چھوٹا سا سٹور تھا گروسری کا۔ یہ وہاں پڑھتے تھے، اور ظاہر ہے جب بچہ وہاں بڑھا پلا، تو وہ عربی زبان پر بھی حاوی تھے، بہت اچھی طرح سے جانتے تھے، اور اٹالین ان کی مادری زبان تھی جس میں وہ شاعری کرتے تھے۔ تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اشفاق بات یہ ہے کہ میں اس معاملے میں بہت تخصیصی اندازِ فکر رکھتا ہوں، کیونکہ میں نے دعا کے بارے میں بہت غور کیا ہے، نہ صرف خود بلکہ اسکندریہ کے علما سے بھی میں نے اس پر بحث و مباحثہ کیا، تو ہمارے سکندریہ کی ایک چھوٹی مسجد کے جو مولوی تھے، عالم تھے، ان سے میں نے یہی سوال پوچھا جو آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ کہا کہ دعا کے قبول ہونے کے تین رخ ہیں۔ ایک یہ کہ جیسی دعا آپ نے مانگی ویسی ہی قبول ہو گئی۔ اور ایک دعا اس کی قبولیت کے لیے، اللہ کو، ظاہر ہے وہ تو مکلف نہیں ہے، کوئی زحمت نہیں ہو سکتی۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ایک دعا آپ کی رک جاتی ہے، وہ یہ کہ آپ نے اللہ سے ایک پھول مانگا ہوتا ہے کہ یا اللہ مجھے نرگس کا ایک پھول عطا کر، مجھے اس کی بڑی آرزو ہے، اور اللہ نے ایک ٹوکرا تیار کر رکھا ہوتا ہے پھولوں کا آپ کے لیے۔ جب آپ بار بار ایک پھول کی رٹ لگاتے ہیں۔ تو اللہ کہتا ہے' میں اس کو کیسے سمجھاؤں کہ میں نے تو اس کے لیے، بڑی نعمتوں کی تیاری کر رکھی ہے، لیکن جب آدمی بہت اصرار کرتا ہے، بہت زور دیتا ہے، تو پھر کہتا ہے، چلو اسے ایک پھول ہی دے دو ٹوکرا ابھی رکھ لو۔ لیتا ہی نہیں ہے اب کیا کریں اس کے لیے بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ آپ نے مانگا ہوتا ہے، وہ اللہ کی مرضی کے مطابق ملتا ہے آپ کو۔ آپ کی Judgment پر' آپ کی عقل پر' آپ کی دانش پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ آپ کو زیادہ ملتا ہے۔ تیسرا انہوں نے کہا یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات دعا مانگی تو جاتی ہے، لیکن وہ Deffer (رد) کر دی جاتی ہے۔ تاخیر میں ڈال دی جاتی ہے' ملتوی کر دی جاتی ہے کہ ابھی اس کو یہ نہیں دیں گے۔ مثلاً دیکھیے! جس طرح آپ اپنے بچے کو اس کے بہتر مستقبل کے لیے کچھ پیسے دینا چاہتے ہیں، تو آپ اس کو اسی وقت نہیں دیتے، اس کے لیے آپ ایک ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ خرید لیتے ہیں کہ دس سال کے بعد ایک تو اس کی رقم بھی زیادہ ہو جائے گی، اور ایک انعام بھی پائے گا۔ جو لوگ بہت زیادہ گھبراتے ہیں، اور گلے پڑتے ہیں، اور سینہ زوری کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ میری دعا کیوں نہیں قبول ہوئی؟ Why me۔ میری جو بھتیجیاں' بھانجیاں ہیں وہ میز پر مکا مار کے کہتی ہیں، دادا دیکھیے Why me? یہ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے۔ میری بتی کیوں بند ہوئی۔ میں موٹر چلا رہی ہوں، یہ Red (سرخ بتی یا رکنے کا اشارہ) جان بوجھ کر دیتے ہیں۔ بہت غصہ ہوتا ہے ان کو۔ میں نے کہا، تم میں اتنی Courage کہاں سے آ گئی؟ تم کو تو خوش ہونا چاہیے کہ اچھا ہے اللہ میاں مجھ سے محبت فرما رہا' کبھی میرا کام ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا ہے، لیکن تم تو مکا مارتی ہو میز کے اوپر اتنی زور سے، کہ نہیں جی میں تو بہت مقتدر حیثیت رکھتی ہوں، میرا درجہ بہت بڑا ہے۔ پروفیسر یہ کہتے تھے کہ سکندریہ کی مسجد کے مولوی صاحب نے کہا، کئی دفعہ تو ایسا ہو گا کہ جب آپ آگے (آخرت میں) جائیں گے تو تاخیر کے لیے رکھی دعاؤں کے وہ جو انعام ہوں گے وہ اتنے بڑے، اور اتنے ارفع ہوں گے کہ آپ کو مسرت ہو جائے گی کہ یا اللہ کاش وہ دوسری دعا دنیا میں پوری نہ ہوتی، یہاں ملتا تو اس کا مجھے فائدہ ہوتا۔

عبد کی شان یہی ہے کہ وہ دعا کرتا ہے، ہماری بھی تو ایک شان ہے نا۔ ہم بھی تو کوئی گرے پڑے لوگ نہیں، ہم دعا کریں گے۔ دے گا تو پھر وہی دے گا۔ اسی کی مرضی کے مطابق ہو گا ہم اس میں گھبرا جاتے ہیں کہ یہ چونکہ پوری نہیں ہو رہی ہے۔ اس لیے ہم میں کوئی کوتاہی ہے یا پھر ہمارے مانگے جانے میں کوئی کمی......؟ تو میں سمجھتا ہوں، مانگنے میں کوئی ایسی کوتاہی ضرور ہے جس کے اوپر توجہ دی جانی چاہیے۔ بعض اوقات کبھی کبھی انسان کی زندگی میں ایسا وقت بھی آتا کہ ہے کہ پشیمانی جو اس کی ہے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

وہ خود بڑی اچھی دعا کا ایک روپ اختیار کر لیتی ہے۔ کوئی شرمندگی ہوتی ہے اور اس شرمندگی کو مٹانے کے لیے وہ اللہ کے حضور میں اپنے تخیل میں، جو لمحات اس کو میسر آتے ہیں، اسے ٹالنے کی کوششیں کرتا ہے کہ مجھ سے یہ کوتاہی ہوگئی تو میں معافی چاہتا ہوں۔ لیکن دعا مانگنا مشکل یوں ہے کہ دعا مانگنے والا آدمی سب سے پہلے اپنی ذات کے آگے کھڑا ہو کے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ میں نہایت نالائق، کم ظرف، جھوٹا، متکبر، کمینہ، گھٹیا آدمی ہوں، مجھ سے کوتاہیاں ہوئی ہیں اور اب ان کوتاہیوں کو دور کرنے کے لیے میں ایک سہارا چاہ رہا ہوں اور وہ اللہ کے واسطے مجھے سہارا عطا کیا جائے۔ لیکن انسان میں تکبر، اور انا اتنی ہوتی ہے، یہ جو میں عرض کر رہا تھا کہ جلدی سے ''ربنا ظلمنا انفسنا'' پڑھا اور پھر بھاگتے ہیں۔ وہ اس لیے کہ انا اتنی بھری ہوتی ہے دعا کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ انا کا پورے کا پورا توڑنا، اور پھر ایک بھکاری کی طرح اپنا ایک ٹھوٹھا (کشکول) لے کر جانا۔ انا اتنی ظالم چیز ہے، اور اتنی متکبر، اتنی تگڑی چیز ہے کہ سینٹ آگسٹائن تھے، نصاریٰ کے بہت بڑے بزرگ صوفی۔ ٹھیک اللہ کے پیارے تھے، تو وہ ایک دن دعا مانگ رہے ہیں، بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ، اور ان کی دعا مشہور ہے، وہ کہتے ہیں:

O God make me pious but not today

''اک دن ہور دے دے شرارتاں کرن لئی''۔ یعنی اللہ میاں مجھے نیک بنا دے، لیکن آج ہی نہ بنا دینا، تھوڑا سا وقت مجھے مل جائے، اور۔

میں انا کی بات کر رہا تھا، ایک بڑے طوفان میں گھر گئی ایک ملاح کی کشتی، جو پرانے زمانے میں بادبانی کشتی لے کر چلتے تھے وہ ملاح وہ بحری قزاق قسم کا آدمی تھا کشتی ڈولنے لگی، طوفان کی لپیٹ میں آگئی، تو بچے عورتیں آدمی چیخیں مار کے رونے لگے۔ تو انہوں نے کہا، اے بدبخت ملاح ہم سارے دعا کر رہے ہیں اللہ سے، ہم یہ شکایت، عرض لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہیں کہ ہم کو بچا، تو چپ کر کے بیٹھا ہوا ہے، تو بھی کچھ کہہ۔ اس نے کہا میں نے کبھی دعا مانگی نہیں، میں تو ملاح ہوں، ڈوبتی ہے تو ڈوبے؟ انہوں نے کہا، نہیں تو خدا کے واسطے ہم میں شامل ہو تو اس نے کہا، اچھا ٹھیک ہے۔ اس نے کہا، اے اللہ یہ لوگ مجھے اس بات پر مائل کرتے ہیں کہ میں تجھ سے دعا کروں، اور درخواست کروں، میں نے پچھلے پندرہ سال سے تجھ سے کوئی دعا نہیں مانگی، لیکن ان کے مجبور کرنے پر دعا مانگ رہا ہوں، مہربانی فرما کر اس طوفان کو بند کر دے، تاکہ یہ سلامتی سے کنارے پر اتر جائیں اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ اگلے پندرہ سال میں تجھ سے کوئی دعا نہیں کروں گا۔ انسان کے ذہن میں یہ بات چلتی رہتی ہے۔ اسی لیے دعا مانگتے ہیں، ورنہ یہ کمال کا کام ہے دعا کرنا۔ کبھی آپ کو ایک دیوار میسر آجائے، اور مغرب کے بعد کا وقت ہو، اور اس سے ڈھولگانا نصیب ہو جائے اور پھر آپ کا جو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

Hot line پر کمیونیکیشن آرام آرام کے ساتھ، پھر وہ جو دعا چلتی ہے، ادھر سے اس کا Response ملتا ہے، اور آپ کو پتا چلتا ہے کہ ہاں یہ دعا قبولیت کے دروازے میں داخل ہو گئی۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعض اوقات کوئی خفت شرمندگی جو ہے، وہ بھی دعا کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔ یہ چلتی رہتی ہے جونہی آدمی خفیف ہوا' شرمندہ ہوا' اس کی انا ٹوٹی، وہ بڑی نعمت کی گھڑی ہوتی ہے، پھر انسان کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ وہ ابدیت کے دائرے میں پورے کا پورا سما جاتا ہے۔

میرے دفتر میں ایک اکاؤنٹ آفیسر تھے، مبشر نام تھا ان کا۔ وہ کام کرتے تھے، وہ بڑا ریگولر آدمی تھا وقت پر آنا' ٹکا کر کام کرنا' وقت پر جانا، اور کچھ کام Over time کا ہو' اس نے کبھی اوور ٹائم جوائن نہیں کیا۔ وہ دل وجان کے ساتھ، اور لگن کے ساتھ کام کرنے والا تھا۔ ایک دن وہ دفتر صبح آنے کے بجائے ساڑھے بارہ بجے کے قریب آیا، تو میں باہر کھڑا مالی کے ساتھ کوئی بات کر رہا تھا، تو وہ گزرا۔ میں نے کہا، یہ آپ کے آنے کا وقت ہے۔ شاید مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا، لیکن شاید میں تھوڑا غصے میں تھا۔ اس نے کہا، میں معافی چاہتا ہوں۔ میں نے کہا، نہیں معافی کہنے سے تو کام نہیں بنے گا، ساڑھے بارہ کوئی ٹائم نہیں ہے' چلیے آپ دس منٹ پندرہ منٹ لیٹ ہو جاتے تو خیر......؟ میں تو اس کا بہت سختی سے نوٹس لوں گا اور میں آپ کی A.C.R میں لکھوں گا۔ کہنے لگا نہیں سر۔ یہ ساری بات کر کے میں نے کہا، آپ میرے دفتر میں آئیں' بات کریں' تو وہ آ کے بیٹھ گیا۔ وہ انا کی بات جو میں آپ سے عرض کر رہا تھا اس نے آ کر کہا، میں بہت معافی چاہتا ہوں، میں بڑا شرمندہ ہوں کہ میں وقت پر نہیں آ سکا۔ میں نے کہا خالی شرمندگی سے کچھ نہیں بنتا یہ تو آپ کو Explain کرنا پڑے گا۔ کہنے لگا، نہیں' بس آپ مجھے معاف کر دیں۔ میں باس تھا، جیسے ہوتا ہے باس، ایک نہایت بے ہودہ چیز۔ یعنی باس کچھ بھی نہیں ہوتا' انسانیت تو ہوتی ہی نہیں، اس میں۔ تو میں نے کہا، نہیں۔ وہ کہنے لگا بات یہ ہے کہ میری بیٹی تھرڈ ائیر میں پڑھتی ہے، وہ رات اپنی ماں سے جھگڑی اور غصے میں آئی، ماں کی اور بیٹی کی کچھ تو تو میں میں ہوئی، وہ گھر سے نکل گئی، میں آیا تو رو کے کہا میری بیوی نے کہا شازیہ تو نہیں ہے۔ میں نے کہا، میں کہاں ڈھونڈوں سردیوں کی رات میں اسے۔ ساری رات بے چارہ آدمی' شریف سا' نیک سا آدمی اور جوان بیٹی، وہ چلتا رہا تلاش کرتا رہا۔ بعد میں کافی تلاش کے بعد مجھے خیال آیا، وہ ایک سہیلی کا ذکر کیا کرتی تھی، وہ یہاں سنہری مسجد کے پاس......؟ تو میں اندازے سے، زور لگا کے، شاید جھگڑی ہے لڑی ہے، اللہ کرے اس کے پاس چلی گئی ہو، ورنہ زمانہ جیسا خراب ہے، آپ اسے جانتے ہی ہیں، اور باپ کا جو حال ہوتا ہے برا، تو میں گیا تو اس گھر کا دروازہ جا کے کھٹکھٹایا رات کے وقت' ڈیڑھ بجے۔ تو اس سہیلی کا والد نکلا، میں نے اس سے ڈرتے ڈرتے پوچھا شازیہ، تو اس نے کہا دونوں سہیلیاں سوئی ہوئی ہیں۔ تو میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ میں نے کہا شکر ہے یا اللہ۔ صبح میں اپنی بیوی کو لے کر گیا، اس کی منت خوشامد کی، تو میں ذرا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سا بیٹھ کے سو گیا کرسی پر ہی، تو ساڑھے بارہ بجے میری آنکھ کھلی، تو میں یہاں آ گیا ہوں۔

جب وہ یہ بات کہہ چکا خواتین و حضرات! اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میرے پاس اس کو جواب دینے کے لیے یا خفت مٹانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ میں اٹھا میرا اپنا دفتر تھا، اس کے پیچھے چھوٹا کمرا تھا، اس میں جائے نماز بچھا کر میں نے دو رکعت نمازِ خفت پڑھی، اور میں نے اللہ سے معافی مانگی، اب مجھ میں اتنی جرأت تو نہیں رہی تھی کہ میں اس سے معافی مانگتا، لیکن میں نے شرمندگی ٹالنے کے لیے یہ دو نفل جو تھے ادا کیے، اور وہ دن، اور آج کا دن، اس واقعہ کو سولہ سترہ برس ہو چکے ہیں، اب لڑکی کی ماشاء اللہ شادی بھی ہو چکی ہے' اس کے دو بچے بھی ہیں، ایک بیٹا، اور ایک بیٹی وہ اس عید پر مجھ سے ملنے بھی آئے تھے۔ میں نے ان کو پانچ پانچ روپے دیئے۔ بچوں نے کہا دادا اس پر دستخط کر کے دو تو میں نے کہا بظاہر تو یہ پانچ روپے کا نوٹ ہے، میں دستخط کروں تو یہ پانچ ہزار کا ہو جائے گا۔ اس نے کہا، اسی لیے تو ہم کروا رہے ہیں، تو اس کا باپ بھی تھا، نانا بھی تھا، وہ چلے گئے تو میں اب بھی اتنے برس گزر جانے کے باوجود جب کبھی کبھی موقع ملتا ہے، کیونکہ اس کی میں مکافات نہیں کر سکا جس سختی سے پیش آیا تھا، اب بھی میں جب کبھی موقع ملتا ہے تو پھر میں دو نفل خفت کے ضرور پڑھتا ہوں کہ مجھ سے کوتاہی ہوئی، میں ٹھیک نہیں رہ سکا، یوں تو ہر ہر لحہ ہر ہر قدم پر ہوتی رہتی ہیں، تو میں جلدی میں، چونکہ وقت کم ہے پروفیسر انگارتی کی بات بتاتا ہوں، اور یہ راز کی بات ہے، جو میں نے آج تک کسی کو نہیں بتائی، خاص طور پر آپ کے لیے کہ دعا مانگنے کے لیے انہوں نے کہا کہ زبانی دعا مانگنے سے بہتر ہے کہ عرضی پر لکھ کر مانگی جائے' اچھا صاف ستھرا پاک سا کاغذ لیں، اور اس کے اوپر بسم اللہ لکھ کے محترمی جناب اللہ میاں یا جو بھی آپ لکھ سکتے ہیں جل جلالہٗ یا جو لکھ کے کہ حضور مجھ پہ یہ مشکل ہے، اور میں یہ سوچتا ہوں، ایک پیراگراف، دوسرا پیراگراف، تیسرا پیراگراف، اور ادب سے اس کو لپیٹ کے جیب میں ڈالیں۔ اگلے دن آپ نے کوئی Amendment کرنی ہو اس میں 'ترمیم کرنی ہو تو وہ بھی اس میں کرتے رہیں لکھتے رہیں، اور اس عرضی کے اوپر جب تک آپ توجہ نہیں دیں گے آپ میری طرح سے ہی دعا مانگتے رہیں گے، ربنا آتنا فی الدنیا حسنتاو...... اس میں تو پورے پورے داخل ہوں، ویسی ہی عرضی جو آپ سرکار کو ڈالتے ہیں دو ٹکے کی سرکار کو، اور پھر اتنے چکر لگاتے ہیں اس کے پیچھے۔ ایسا ہی کاغذ۔ اللہ ان کا بھلا کرے میرے پروفیسر کا، انہوں نے کہا، یہ لکھا کرو۔ تو یہ دعا کا ایک طریق تھا، جو انہوں نے بتایا، میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، آپ اسے آزما کے دیکھیں، اس سے بڑا فائدہ ہوگا۔

اللہ آپ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے، آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

قول اور عمل

اس محفل میں یہ بات طے نہیں ہوتی یا میں سوچ کے نہیں آتا کہ آج کیا بات کریں گے، بیچ میں گفتگو کے دوران ہی کچھ نہ کچھ نکل آتا ہے، اور وہ آپ تک پہنچ جاتا ہے، لیکن آج پہلی مرتبہ مجھ سے فرمائش کی گئی ہے کہ آپ اپنے بابا کے بارے میں بات ضرور کریں۔ پہلے پہلے ابتدا میں تو کی، پھر اس کے بعد کچھ اور موضوعات رہے، پھر کہیں ان موضوعات سے پھسل کر آگے نکل گئے، تو آج یہ فرمائش جو ہے مجھے بھی دل سے پسند آئی ہے۔

اور آپ سب نوجوان ہیں، اور یہ بات میں کئی مرتبہ بتا چکا ہوں کہ بابے کون ہوتے ہیں۔ یہ کیوں ہماری زندگیوں میں آ گئے، اور ان کے ساتھ کیا تعلق ہوتا ہے، اور ملتان میں بابے زیادہ کیوں ہوتے ہیں، اور شہروں میں کم کیوں ہوتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ تو چونکہ یہ فرمائش کی گئی ہے تو میں یہ عرض کروں کہ ہمارا ایک ڈیرہ تھا، جہاں میں یونیورسٹی کی تعلیم ختم کر چکنے کے بعد ولایت میں رہنے کے بعد ولایت کی یونیورسٹی میں پڑھانے کے بعد جب لوٹ کے یہاں آیا، تو 1954ء میں مَیں اس ڈیرے پر گیا۔ اُس ڈیرے والے کا نام تھا حضرت سائیں فضل شاہ صاحبؒ۔ نوروالوں کا ڈیرہ اسے کہتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی دیواریں تھیں اس کی، اور اندر کچھ بھیڑ بکریاں، اور ایک بھینس بھی ہوتی تھی۔ صفائی کا انتظام ایسا اچھا نہیں تھا، کیونکہ جب آدمی صفائی کی طرف توجہ دینے لگتا ہے تو باہر کی صفائی کی طرف زیادہ توجہ دیتا ہے۔ اندر کی صفائی کی طرف کم ہو جاتی ہے، خیر یہ میرے لیے ساری نئی باتیں تھیں، آپ اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کس نوعیت کا، اور کس قسم کا ہوگا۔ ہمارے بابا جی بے چارے تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ لکھنا پڑھنا بالکل نہیں آتا تھا، لیکن انہوں نے کہیں سے انگریزی کا لفظ نوٹ Note سیکھا ہوا تھا۔ جب کوئی بات بہت خیال انگیز ہوتی تھی، نہایت Thought provoking، تو وہ انگلی اٹھا کے کہتے تھے نوٹ۔ تو ہم سب چونک کر متوجہ ہو جاتے تھے کہ کوئی بات نہایت اہم ہوگی، اور ہم اسے سنبھال کر رکھیں اور یہ آئندہ زندگی میں کام آئے گی۔ اسی طرح ان کے اردگرد جو لوگ تھے، ان کو بھی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

انہوں نے خطاب دے رکھے تھے ماڈرن قسم کے۔ مثلاً وہاں پر ایک ڈاکٹر صاحب تھے اشرف فاضلی صاحب، تو دوسرے جوان کی خط و کتابت کا کام کرتے تھے' وہاں ڈاک آتی تھی، جو اس کا جواب دیتے تھے ان کو وہ سیکرٹری صاحب کہتے تھے۔ جو حساب و کتاب پیسے ویسے لوگ دے جاتے تھے کھانے والے کے تو ان کو وہ فنانس سیکرٹری کہتے تھے۔ تو یہ لوگ بھی بڑے خوش ہوتے تھے کہ بیٹھے بٹھائے اتنے بڑے رتبے مل گئے، ایک روز ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ یہاں بہت اچھی باتیں ہوتی ہیں، اور بہت توجہ طلب باتیں ہوتی ہیں کیوں نہ یہاں سے ایک رسالہ نکالا جائے، اور وہ چھاپا جائے، اور چھاپ کے لوگوں میں تقسیم کیا جائے۔ بڑی اچھی بات تھی، ایسے ہی ہوتا ہے۔ تو ہم نے بیٹھ کے رسالے کی پوری ایک ڈمی تیار کی' اس کا فارمیٹ سوچا، ڈاکٹر اشرف فاضلی صاحب اس کے ایڈیٹر قرار دیئے۔ سیکرٹری صاحب ظاہر ہے منتظم اعلیٰ وہی تھے' میں نے کہا، اچھا میں بھی کچھ لکھوں گا، سارا کچھ تیار کیا تو ہم یہ ساری سکیم بنا کے ان کی خدمت میں لے گئے۔ ہم نے کہا جی کہ ہم ایک رسالہ نکالنا چاہتے ہیں' تو انہوں نے کہا، پہلے بھی ایک رسالہ نکلا یہاں سے، تھوڑی دیر کے لیے پھر بند ہو گیا۔ تو کہنے لگے، آپ رسالہ کیوں نکالنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا، اس لیے کہ ہم آپس میں اتحاد اور Unity پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے کے قریب آئیں گے، اور ملیں گے، اور ان کو یہ Message جو ہے، یہ دور دور تک پہنچتا رہے گا، اور استفادہ ہو گا، ہماری بڑی آرزو ہے کہ مسلمان ایک ہوں، ان میں Unity ہو، ان میں اتحاد ہو، ان میں یکجہتی ہو۔ تو آپ نے کہا Note۔ جماعت عملاً ایک دوسرے کے کام آنے سے بنتی ہے صرف قول کے اندر رہنے سے فرض، اور حق پورا نہیں ہوتا، کیونکہ اس ساری چیز کا تعلق قول سے ہے اور عمل اس سے مختلف چیز ہے، اگر آپ جماعت بنانا چاہتے ہیں، اور آپ بھی اکثر سوچا کرتے ہیں، اور گھر میں بات بھی ہوتی ہے، تو قول سے، گفتگو سے کبھی نہیں ہو گی۔

دیکھیے ہمارا اللہ ایک ہے' ہمارا رسولؐ ایک ہے' ہمارا نماز پڑھنے کا طریق ایک ہے' ہمارا قیامت کے اوپر ایمان ایک سا ہے، لیکن اس کے باوصف یک جہتی نہیں ہوتی۔ کیوں نہیں ہوتی؟ یہ سوچنے کی بات تھی تو ایسی باتیں بابوں کے ہاں سے ملتی ہیں کہ جب تک ایک دوسرے کا دکھ درد نہیں سنو گے، ایک دوسرے کے بارے میں نہیں جانو گے، کون کس کیفیت سے گزر رہا ہے، تو اس محض گفتگو کر دینے سے کام نہیں بنے گا۔ کہتے تھے، Note، جماعت عملاً ایک دوسرے کا ساتھ دینے سے وجود میں آتی ہے' خالی قول کے ساتھ جماعت کی یکجہتی کا حق ادا نہیں ہوتا' تو آپ عمل میں داخل ہوں گے تو پھر یہ حق ادا ہو گا، تو پھر یہ کام ہو گا ورنہ نہیں ہو گا۔ ہم اب بھی یہ سوچتے ہیں کہ اگر ہم یہ ایک کتاب رسالہ اخبار نکال لیتے ہیں، اگر ہم ایک لیکچر دیں، اگر پروفیسر جا کے سٹیج پر کھڑا ہو کر ایک بات بتا دے اور وہ سٹوڈنٹ کے ذہن میں اتر جائے، اس سے ان کے اندر یکجہتی پیدا ہو جائے' ایسا ہوتا نہیں۔ کبھی بھی نہیں ہوا۔ دنیا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کے کسی خطے میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قول کی اہمیت نہیں ہے۔ کہی جانی والی بات کی اہمیت نہیں ہے، یقیناً ہے۔ لیکن بابا جی فرماتے ہیں کہ Note، قول ایک سواری ہے، جو آپ کو عمل کے کنارے پر لے جاتی ہے۔ خرابی یہ ہوتی ہے کہ ہم قول کی سواری کو اختیار کرتے ہیں، اس کشتی میں بیٹھتے ہیں، چپو چلاتے ہیں، عمل کے کنارے پر پہنچتے ہیں، لیکن اس کشتی کو چھوڑتے نہیں ہیں، اس کے اندر رہتے ہیں، وہ وہیں چکر کاٹتی رہتی ہے، عمل کا کنارا سامنے رہتا ہے، اور ہم اس کی طرف جا نہیں رہے ہوتے، اور ہم کوشش یہ کرتے ہیں پڑھے لکھے لوگ، نوجوان میرے ساتھ ہیں، ہم کوششیں صرف یہ کرتے ہیں کہ کمیونیکیشن سے، صرف ڈائیلاگ سے، صرف گفتگو سے بات بن جائے گی، کبھی نہیں بن سکتی۔ کیونکہ انسان کا وجود، اس کی سائیکی، اس کا ہونا اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ کوئی بندہ میری بات سنے اور میرے دکھ درد میں شریک ہو۔ یہ جو آپ نے اکثر دیکھا ہوگا، آج کل خودکشیاں ہو رہی ہیں، لوگ خودسوزیاں کر رہے ہیں، عام طور پر ایک اچھا جرنلسٹ یہی کہتا ہے کہ چونکہ ملازمتیں نہیں مل رہیں، بھوک ننگ بہت ہے، اس وجہ سے یہ سارا کام ہو رہا ہے۔ میں کہتا ہوں، یہ بات نہیں ہے۔ اس وقت آپ کے پاکستان کا نوجوان خاص طور پر ایک عام آدمی اس کندھے کی تلاش میں ہے، جس پر وہ اپنا سر رکھ کر اپنا دکھ بیان کر سکے، اور کوئی کندھا دینے کے لیے تیار نہیں، کسی کے پاس وقت ہی نہیں۔ اگلے زمانے میں، ہمارے زمانے میں، ہمارے باپ دادا کے زمانے میں، دکھ سکھ کرنے کے لیے لوگ ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ ان کے پاس اکنامکس کے اتنے مسائل، اور اتنی پرابلمز نہیں تھیں۔ ولایت والوں نے یہ طریقہ نکالا کہ وہ دکھ سننے کے لیے فیس لیتے ہیں۔ یہ سائیکاٹرسٹ جو ہوتے ہیں، سائیکوتھراپسٹ جو ہوتے ہیں، یہ آپ سے تین سو ڈالر فی گھنٹہ لیتے ہیں، اور کہتے ہیں پرسوں پھر آ جانا، تم اپنے دکھ بیان کرو، مجھے پیسے دے دو۔ ہمارے ہاں بھی اب ایسے ادارے قائم ہو گئے ہیں۔ اگر آپ لاہور کی نہر کے کنارے کنارے جائیں تو دو تین بورڈ آپ کو نظر آئیں گے ماہر نفسیات کے۔ جو یہ کہتے ہیں، اگر آپ نے اپنا دکھ بیان کرنا ہے تو دو سو روپیہ گھنٹہ مجھے دیں، دکھ اپنا بیان کر کے چلے جائیں، تو وہ بھی ایک تھیراپی ہے، لیکن پہلے زمانے میں ہمارے ہاں مفت اور عام ہوتی تھی۔ اب لوگ اتنے مصروف ہو گئے کہ کسی وجہ سے، پھنس گئے تو جب تک عمل کے اندر آدمی داخل نہیں ہوگا، دوسرے آدمی کو یقین نہیں آئے کہ یہ میرا کچھ لگتا ہے، میرا کچھ بھائی بند ہے۔ اگر آپ اس کے سامنے تقریر کر کے چلے جائیں گے، تو اس کی انفرمیشن میں اضافہ ہو جائے گا، اور خطرہ یہ ہے کہ وہ یہ ساری انفرمیشن سمیٹ کے ایک اگلے آدمی سے وہ بات کرنے لگ جائے گا۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا، کبھی آپ نے ہمارے ٹیلی وژن کے پروگرام دیکھے ہیں دینی باتیں، سوالوں کے جواب بڑی تیزی سے دیے جاتے ہیں۔ وہ انفرمیشن ہوتی ہے، اس کا ذات کے ساتھ اپنے وجود کے ساتھ یا اپنی سائیکی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہوتا۔ تو آپ نے ہمیں منع کیا کہ دیکھیے ایسے نہ کریں، رسالہ نہ چلائیں، چھوڑیں اس کام کو۔ کسی کے کام آ سکتے ہیں تو وہ چھوٹا سا کام کریں۔ میں نے کہا، جی کام (اب میں اتنا پڑھا لکھا آدمی جب میں بہت نوجوان تھا، اور سوٹ پہنتا تھا تھری پیس، اور سونے کی پن لگاتا تھا ٹائی میں)۔ میں نے کہا میں کسی کے کیا کام آ سکتا ہوں، میں تو ایک معزز آدمی ہوں، پروفیسر ہوں۔ کہنے لگے، نہیں یقیناً آپ کام آ سکتے ہیں۔ کہنے لگے، یہاں اماں جی رہتی ہیں۔ وہاں صابن کی کچھ دکانیں تھیں، وہاں پر ایک مائی تھی، دائی کا وہ کام کرتی تھی، تو اس کی بیٹی کی شادی ہے۔ تو کہنے لگے، اس کی بیٹی کی شادی ہے اور اس کا جو منگیتر ہے اماں نے لڑکا چنا ہے۔ وہ سگنیلر ہے، بابا جی نے پتا نہیں لفظ کہاں سے سیکھا، سگنیلر وہ ہوتا ہے جو موری کے اوپر تار باندھے' کہنے لگے وہ سگنیلر ہے محکمہ ڈاک بنگلہ میں۔ ڈاک بنگلہ نہر کا بنگلہ۔ انگریز کے زمانے میں یہاں ریل تار ڈاک کا انتظام بہت غضب کا تھا۔ جب یہ نہریں کھودیں انہوں نے ان کے کنارے بڑے اعلیٰ درجے کے بنگلے بنوائے، چچ ٹریز والے بنگلے، ان میں فلمیں بھی بڑی شوٹ ہوتی تھیں، اعلیٰ درجے کی اس کے اندر بلڈنگیں ہوتی تھیں، اور وہاں پر ایک آفس بھی ہوتا تھا، جہاں پر سگنیلر کنڈکٹر تھا، خدانخواستہ اگر نہر میں کوئی خرابی ہو، پانی رکتا ہو یا کوئی اور کھٹا کھٹ ہو۔ تو وہ سگنیلر کو بہت بڑی چیز سمجھتے تھے۔ 60 روپے تنخواہ والا سگنیلر۔ وہ لڑکا بھی پسند کر لیا تھا۔ تو مجھے کہنے لگے، تمہارے پاس ایک چھوٹی سی گاڑی ہے، وہ سگنیلر کا ابا جو ہے وہ آ رہا ہے تحقیق و تفتیش کرنے کے لیے کہ لڑکی کتنا کام کرتی ہے، چار پائیوں کو اٹھا کر دیوار کے ساتھ رکھتی ہے کہ نہیں، شام کو بسترے بچھاتی ہے کہ نہیں، گھڑا پانی کا بھر کے لاتی ہے کہ نہیں، تو وہ وہاں رہے گا کچھ دن، وہ جو روٹی کھاتا ہے وہ گندم اور مکئی کا آٹا ملا کے کھاتا ہے، اب نخرہ دیکھیں اس کا۔ تو تمہاری ڈیوٹی یہ ہے کہ تم دس سیر پکا مکئی کا آٹا اپنی موٹر میں رکھ کر اماں جی کے پاس پہنچاؤ۔ میں نے کہا، مجھے کوئی اچھا سا کام دیں لکھنے کا یہ کیا ہے۔ مجھے کہنے لگے، وہ اس لیے دینا ہے کہ ہم نے اس بابے کی عزت افزائی کرنی ہے، اور ہماری بیٹی کی شادی ہے۔ تو میں نے کہا، اچھا جی تو میں گیا بھی، اس سے ملا بھی بابے سے' انہوں نے کہا، خبردار اس کی بہت عزت کرنی ہے، اور اس کو سلام کرنا ہے۔ میں نے کہا، جی میں دو مرتبہ کرنے کو تیار ہوں۔ جب میں لوٹ کے آیا اگلے دن۔ تو کہنے لگے وہ حقہ پیتا ہے تو میں نے کیکر کی چھال جو ہے نا جس کو کیکر کے سکڑے کہتے ہیں، تو اس کا کوئلہ بہت اچھا ہوتا ہے، اور جو پرانے بابے حقہ تمباکو پینے والے ہیں، اس کی آگ دھرتے ہیں، تو یہ سکڑے جو ہیں یہ تھے سیر ڈیڑھ یہ انہیں دے دو۔ میں نے کہا، جی دفع کریں چیا سا آدمی ہے۔ وہ کہنے لگے نہیں نہیں، یہ نہیں کہنا۔ وہ اللہ کی مخلوق ہے، اور وہ انبیا کا بیٹا ہے۔ میں نے کہا، وہ بندہ۔ کہنے لگے، ہاں حضرت آدم کی اولاد جو ہے۔ اچھا وہ ہر ایک کو کہتے تھے کہ نبی کا بیٹا ہے، تو ہماری برکت ہوگی، لو جی یہ نبی کی دھی، ہمارے ڈیرے پر آ گئی ہے۔ خیر ہمارے لیے یہ بات سیکھنی بہت مشکل تھی، تو جب انہوں نے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

یہ ڈیوٹی لگائی، ہم بہت روئے پیٹے کہ رسالہ چلنے سے رہ گیا۔

امریکہ سے کوئی صاحب آئے ہیں، انہوں نے مجھے ٹیلی فون کیا کہ اشفاق صاحب! میں پتا نہیں کتنے ملین ڈالر اکیس برس امریکہ رہنے کے بعد کما کر لایا ہوں، میں نے اسلام آباد میں کچھ کام شروع کیا ہے اسلام' یک جہتی، اور ملک و قوم کی خدمت کرنے کے لیے، تو آپ آئیں۔ تو میں نے کہا' سنیں آپ جو بھی کریں گے ٹھیک ہوگا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کے کیا کروں گا۔ میں آپ کو کوئی اچھا سا بجھاؤ نہیں دے سکتا۔ کہنے لگے، نہیں آپ ضرور آئیں۔ تو میں نے ٹیلی فون پر ان سے کہا، دیکھیے آپ ایک بہت بڑی ساری بلڈنگ بنائیں گے، پھر اس میں آپ ایک سیکشن رکھیں گے' اس میں درسِ قرآن شروع کریں گے' پھر تجوید کا رکھیں گے' پھر آپ قرأت سکھائیں گے، بس یہی چیزیں ہوں گی۔ یہ آپ کرتے رہیں، اچھی بات ہے، لیکن وہ جو آپ کی آرزو ہے کہ لوگ جو ہیں، وہ ایک جماعت کا رخ اختیار کریں، تو وہ عملاً کرنے سے کام ہوگا، اور رسالہ چھاپنے سے نہیں ہوگا۔ اب بھی جو دینی جماعتیں ہیں' وہ بار بار یہی کہتی ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا بے شمار لوگ آپ کے پاس بھی آتے ہیں، کتابیں آتی ہوں گی شاید، بڑی اچھی بات ہے۔ وہ کشتی ضرور ہے، وہ ساحل تک ضرور لے جاتی ہے، لیکن ساحل پر خود اس کو اترنا پڑے گا، اب ہمارے لیے یہ بات بڑی مشکل ہو گئی کہ یہ کیسے کریں؟ کہ ہم اس کو چھوڑ کر عمل کی طرف آئیں۔ انہوں نے کہا اگر Unity چاہتے ہیں آپ، اتحاد چاہتے ہیں، تو پھر آپ کو عمل کے اندر داخل ہونا پڑے گا۔ ایسے کام نہیں بنے گا۔

ایک مرتبہ ہم لاری پر جوہر آباد جا رہے تھے، بڑی دیر کی بات ہے میرے ساتھ لاری میں ایک، اور معزز آدمی پرانی وضع کے ریٹائرڈ تھے، گرمی بہت تھی، انہوں نے پگڑی رکھی ہوئی تھی گود میں، ہوا آ رہی تھی۔ تو ایک خاص علاقہ آیا، تو انہوں نے پگڑی اٹھا کے سر پر رکھ لی، اور ادب سے بیٹھ گئے تو میں متجسس آدمی تھا۔ میں نے کہا، جی یہاں کسی بزرگ کا مزار ہے۔ کہنے لگے، نہیں۔ میں نے کہا، جی کوئی درگاہ ہے یہاں۔ کہنے لگے، نہیں۔ تو میں نے کہا' معاف کیجیے گا، میں نے یہ دیکھا ہے کہ آپ نے پگڑی جو ہے وہ گود سے اٹھا کر سر پر رکھ لی ہے، تو با ادب ہو کے بیٹھ گئے ہیں، کوئی وجہ ہوگی۔ کہنے لگے، بات یہ ہے کہ میں اس علاقے کا واقف ہوں، یہاں ڈیزرٹ تھا، اور ریت تھی، اور کچھ بھی نہیں تھا۔ تو حکومت نے سوچا کہ اس میں کوئی فصل اُگائی جائے۔ تو لوگ آتے نہیں تھے، ایک آدمی آیا، اس نے آ کر جھونپڑا بنایا، اور جھونپڑا بنا کر یہاں پانی کی تلاش میں ٹیوب ویل وغیرہ سنک کرنے کی کوشش کی۔ وہ پہلا آدمی تھا، جس نے یہاں سبزہ اگایا' جس نے عملی صورت میں اس زمین کو ہریالی بخشی، تو میں جب بھی یہاں سے گزرتا ہوں، پتا نہیں وہ آدمی کہاں ہو، میں نے اس کے احترام میں یہ پگڑی اٹھا کے رکھ لی۔ دیکھیے یہ ایسی چیزیں ہیں، جو ہماری زندگی کے اوپر عجیب طرح سے اثر انداز ہوتی ہیں، اور اگر آپ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اپنی آنکھیں بالکل کھلی رکھیں۔ ماشاء اللہ کھلی رکھتے ہیں، کان بھی، تو آپ کو اردگرد اتنی کہانیاں ملیں گی، جن کے اوپر آپ نے اس سے پہلے توجہ نہیں دی ہو گی۔ ہمارے استاد تھے پروفیسر صوفی غلام مصطفیٰ تبسم صاحب، تو ہم سیانے تھے۔ میں ففتھ ائیر میں پڑھتا تھا ان کی ایک عادت تھی کہ جب کسی کی شادی ہوتی تھی نا، لڑکی کے گھر والوں میں، تو ان کے گھر جا کر بارات کو کھانا کھلانے کا بندوبست ان کے سر پر ہوتا تھا۔ تو صوفی صاحب نے ہم کو کہا کہ چلو بھئی فلاں گھر میں کھانا برتانا ہے' دینا ہے، بارات آ گئی ہے۔ مجھے یاد ہے ہم بھاٹی دروازے بتیاں والی سرکار کے پیچھے ایک گھر تھا، وہاں چلے گئے۔ انہوں نے کہا، لو جی صوفی صاحب آ گئے، فکر کی کوئی بات نہیں، نائی دیگیں لے آئے۔ اب جو بارات تھی اس کے بارے خیال تھا کہ 80 کے قریب بندے ہوں گے۔ وہ 160 کے قریب آ گئے۔ اب صوفی صاحب کی آنکھیں' اگر آپ میں سے کسی کو یاد ہیں' ماشاء اللہ بہت موٹی تھیں۔ گھبرا گئے، اور ان کے ماتھے پر پسینا اور ناک پر بھی آ جاتا تھا۔ کہنے لگے، اشفاق ہن کیہہ کریئے۔ میں نے کہا، پتا نہیں، دیگوں میں پانی ڈال دیتے ہیں۔ پہلا موقع تھا۔ میں Fifth year کا سٹوڈنٹ تھا۔ انہوں نے ایک تھپڑ مارا میرے منہ پر۔ زور سے۔ کہنے لگے، بیوقوف آدمی اس میں پانی، ڈال کے مرنا ہے۔ وہ تو فوراً ختم ہو جائے گا۔ اس میں گھی کا پیپا ایک اور ڈالنا ہے۔ گاڑھا ہو جائے گا تو کھایا نہیں جاتا۔ اب ہم اندر سروے کر رہے تھے، اور صوفی صاحب بیچ میں سے نکال کے ڈالتے جاتے تھے۔ ہم باراتیوں سے کہتے اور لائیں۔ وہ کہتے تھے گرم لاؤ جی۔ ہم تو بھاگے پھرتے تھے۔ اب آخر کیفیت یہ آ گئی کہ دیگیں ختم ہو گئیں، اور ان کا چہرہ دیکھنے والا تھا وہ کانپ رہے تھے۔ اگر کسی نے اندر سے کہہ دیا کہ اور کاب بھیجیں، تو ان کے پاس دینے کے لیے صرف ایک رہ گئی تھی، لیکن وہ ڈرے ہوئے تھے۔ جب خوفزدہ تھے تو اندر سے آواز آئی بس۔ جب دوسرے بندے نے کہا، بس جی صوفی صاحب۔ تو صوفی صاحب کے ہاتھ میں جو پکڑا ہوتا تھا وہ گرا، اور اتنی شدت سے پیچھے گرے کہ وہ بڑا سا گڑھا ؤ تھا، شکر ہے، ان کے سر پر نہیں لگا تو ہم نے اٹھا کے ان کو بستر پر لٹایا، اور ٹانگیں پاؤں دبائے۔ جب تلی مالش کی اٹھ کے بیٹھ گئے۔ میں نے کہا، خدا کے واسطے ایسی ٹینشن کا کام آئندہ نہیں کرنا۔ کہنے لگے، نہیں بالکل نہیں، میری بھی توبہ۔ وہاں سے ہم چل پڑے، پیچھے ہم شاگرد۔ اب آگے آگے صوفی صاحب، کوئی پندرہ بیس گز سے زیادہ گئے ہوں گے۔ ایک مائی باہر نکلی، کہنے لگی، لو غلام مصطفیٰ' میں تو تینوں لبھدی پھرنی آں۔ ''تاریخ رکھ دتی اے۔ تیرہ بھادوں دی کاکی دی''۔ تو صوفی صاحب جو توبہ کر کے نکلے، کہنے لگے، کاغذ ہے، ہاں پنسل ہے۔ کہنے لگے، ہاں۔ لکھ تیرہ سیر گوشت ایک بوری چول صوفی صاحب لکھوا رہے ہیں۔ تو میں نے کہا، جی یہ پھر ہوگا۔ کہنے لگے نہیں یہ تو ان کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا، آپ صرف پڑھایا کریں کتاب کی تشریح وغیرہ۔ تو یہ ان کا کام تھا، تو یہ جو عمل کی دنیا ہے' اس میں داخل ہونا ضروری ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

عالم لوگ پڑھے لکھے میرے جیسے۔ پروفیسر بات کرنے والے، ایڈیٹوریل لکھنے والے، کہتے ہیں گفتگو اگر ہوتی رہے، اگر اس طرح کا مواد چھپتا رہے، تو لوگ ایک دوسرے کے قریب آجائیں گے۔ جب میں، بہت تنگ آجاتا تھا، کبھی لاڈ میں ہوتا تھا۔ تو میں پوچھتا تھا ان سے، کہ بابا جی یہ بتائیں کہ دین کیا ہوتا ہے، اسلام کیا ہوتا ہے، مومن کیا ہوتا ہے؟ تو میں نے ایک دن پوچھا ان سے۔ میں نے کہا، جی بابا جی بتائیں کہ مسلمان کون ہوتا ہے؟ کہنے لگے، مسلمان وہ ہوتا ہے، جس کا دل صاف ہو، اور ہاتھ گندے ہوں۔ میں نے کہا، حضور یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کہنے لگے، جو بھائیوں کے کام کرتا رہے گا، اس کے ہاتھ تو گندے ہوں گے، جو آرام سے بیٹھا ہوگا دستانے پہن کے، اس کا تو کچھ نہیں خراب ہونا ہے۔ تو مسلمان وہ ہوتا ہے، جو اس کا گارا لگاتا ہے، اس کی اینٹ اٹھاتی ہے، اس کے لیے لکڑیاں لا کر دیتی ہیں، جو روتا ہے اس کے آنسو پونچھتے ہیں۔ وہ ہوتا ہے مسلمان۔ ہم کو تو ایسی Definition کسی کتاب میں نہیں ملتی ہے۔ یہ ان کے پاس بیٹھنے سے ان کی خدمت میں حاضر ہونے سے ایسی چیزیں ملتی ہیں تو اب عمل میں داخل ہونے کے لیے کیا کچھ کیا جائے، کیسے کیا جائے، یا یہ بڑا مشکل کام ہے۔ کیونکہ گفتگو بڑی آسان ہے۔

ہمارے ایک دوست ہیں، احسن صاحب، ٹیلی کمیونیکیشن کے چیف انجینئر ہیں۔ وہ کہتے ہیں جتنی بھی فارن کالز ہوتی ہیں، ان میں اکثر لوگ یہی کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ہور سناؤ کیہ حال اے۔ ہور سناؤ جی کہتا رہتا ہے آدمی۔ یا زیادہ سے زیادہ موسم کا حال پوچھتا ہے۔ تو کہنے لگے، اگر ان ٹرنک کال میں سے لانگ ڈسٹنس کالز میں سے "ہور سناؤ کیہ حال اے" کو جمع کیا جائے اور جتنا ٹائم وہ بنتا ہے، اس ٹائم کے اندر ساڑھے تین میل لمبی سرنگ کھودی جا سکتی ہے۔ وہ عمل میں ٹرانسلیٹ کر رہے ہیں نا اس کو۔ تو اب یہ فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے کہ آپ نے دین کو کس حساب سے اختیار کرنا ہے۔ بابے تو یہ کہتے ہیں کہ کسی کے دکھ درد میں شریک ہوں اور اپنے ہاتھ گندے رکھو، اور دل اپنا صاف ستھرا رکھو، پھر تو مزہ ہے، پھر Unity ہوگی، کہے بغیر۔ لکھے بغیر۔ یہ مسلمانوں کو کیا ہو گیا کہ آپس میں ملتے نہیں ہیں۔ یہ کیا ہو گیا۔ یہ کرنے سے ہوتا ہے، اور ان کے قریب جانے سے ہوتا ہے ان کی دکھ درد کی کہانی سننے سے ہوتا ہے۔ نہ بھی کچھ کر سکیں تو ایک کان ضرور ان کے ساتھ لگا کر بیٹھیں، ان کو بڑی ضرورت ہے، سارے اس بات کے لیے تقاضا کر رہے ہیں کہ آئیں، اور ہمارے پاس بیٹھیں۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

باباجناحؒ

پچھلے کئی پروگراموں سے ہم بابوں کے بارے میں بات کرتے رہے ہیں بطورِ خاص، یوں تو زاویہ کے سارے پروگراموں' سارے ہفتوں کے اندر کوئی نہ کوئی بابا آ کے کھڑا ہو جاتا رہا۔ لیکن پچھلے تین چار پروگراموں میں بطورِ خاص اس کا ذکر رہا ہے، کیونکہ مجھ سے بار بار پوچھتے ہیں، اور سوال کرتے ہیں کہ یہ بابا ہوتا کیا ہے، اور اگر کچھ ہوتا ہے تو ہمیں کیوں نہیں ملتا' آپ کو کیسے مل جاتا ہے۔ ہم بھی کیا بابا سے نہیں مل سکتے؟

میں نے جیسے عرض کیا تھا کہ سرخ بتی کے اوپر کئی دفعہ جب کاریں رکی ہوتی ہیں، تو کئی آدمی شیشہ اتار کے مجھ سے پوچھتے ہیں کہ اشفاق صاحب! کوئی بابا ہے؟ میں کہتا ہوں، جیسے کوئی سگریٹ مانگ رہا ہو' میں کہتا ہوں، نہیں۔ بابا اس وقت تو نہیں ہے، لیکن ہوتا ہے۔ کہنے لگے ہمیں تو کوئی نہیں ملتا۔ چلے جاتے ہیں تو جب تک اس کی آرزو تمنا نہ پیدا ہو، اس وقت تک بابا تو نہیں ملا کرتا۔ آرزو کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ میں آپ سے اس آدمی، اور پانی کے گلاس کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں کہ پانی کیا ہوتا ہے، گلاس کیا ہوتا ہے، بابا کیا ہوتا ہے، لیکن ایک شدید پیاسا آدمی یہ سارے سوال نہیں کرے گا۔ اس کو یہ آرزو ہوگی کہ مجھے کہیں سے ٹھنڈا صاف ستھرا پانی ملے، اور میں پی لوں، یہ آرزو ذہن میں یا دل کے اندر پیدا ہو جائے کہ مجھے کسی چیز کی تلاش ہے، اور میں چاہتا ہوں، پھر ملتا ہے۔ لیکن میں آپ کی آسانی کے لیے عرض کرتا ہوں۔ جیسا کہ اب یہ بچی مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ اتنی ساری باتیں کیسے اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ تو اس ضمن میں مجھے یاد اور آپ کی آسانی کے لیے عرض کروں کہ بابا وہ ہوتا ہے، جو لینے کے بجائے دینے کے مقام پر ہو۔ بہت سی زبانوں میں باپ کے لیے بابا کا لفظ استعمال ہوتا ہے، تو تھوڑی سی اس کی شکل بدل جاتی ہے۔ کہیں اسے بابو کہتے ہیں اٹالین میں۔ اسے باپک کہتے ہیں انڈونیشین میں۔ اسے باپو کہتے ہیں انڈیا میں، لیکن اس کا روٹ Root جو ہے وہ لفظ بابا سے ہے۔ باپ کی سب سے بنیادی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ گھر کے اندر، اپنے گھروندے کے اندر،

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اپنے خاندان کے اندر، دینے والا ہوتا ہے، لینے والا نہیں ہوتا۔ جو شخص بھی کسی انسانی گروہ کے درمیان دینے کے مقام پر ہو وہ بابا ہے، اور یہ موٹی سی اس کی نشانی ہے۔ جب بھی آپ کسی آدمی کو ایسے مقام پر دیکھیں تو پھر آپ سمجھیں کہ یہ بابا ہے، اور یہ داتا ہے، عطا کرنے والا آدمی ہے۔ اور لینے والا ہو، سمیٹنے والا ہو، وہ بالکل اس کے الٹ ہوتا ہے، اور عیاری کی بہت ساری منازل طے کر کے ایک گانٹھ کی صورت میں انسان بن کے زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میری زندگی میں جو سب سے پہلے بابا آیا' وہ دیر کی بات ہے' میں اس وقت سیکنڈ ائیر میں پڑھتا تھا، اور پڑھتا تو میں یہاں لاہور میں تھا، لیکن میرا ایک قصبے کے ساتھ تعلق تھا، جہاں مجھے چھٹیوں میں لوٹ کر جانا پڑتا تھا، آنا پڑتا تھا۔ وہیں سے میں نے میٹرک کیا تھا، تو وہاں کے لوگ دیہاتی لوگ' کسان لوگ، وہ ایک بابے کے عشق میں مبتلا تھے۔ اور وہ بابا ایسا تھا، جسے ان لوگوں نے دیکھا نہیں تھا، لیکن وہ جان لیتے تھے، سن لیتے تھے نام کہیں سے، خبر پہنچ جاتی تھی، اور وہ اس کو بہت مانتے تھے، اور اس تمنا اور آرزو میں بیٹھے رہتے تھے کہ وہ آئے گا۔ یہ بابا جو ہمارے دکھی دن ہیں، ان کو کسی طرح سے ہماری زندگیوں سے دور کر دے گا، اور ہمیں آسانیاں عطا ہونے لگیں گی۔ لیکن وہ بے چارے اس کے بارے میں زیادہ کچھ جانتے نہیں تھے، تو میں بہت حیران ہو کے ان سے کہتا تھا کہ تمہارا بابا کیسا ہے، جو تمہارے درمیان میں نہیں ہے، اور تمہاری بولی نہیں بولتا، اور تم اس کی بولی نہیں سمجھتے، تو پھر کیسے تمہارا اور اس کا رابطہ ہو۔ وہ کہتے تھے، بھلے ہم اس کی بات نہ سمجھیں، وہ ہماری بات نہ جانیں، لیکن دلوں کے اندر جو آرزوئیں پوشیدہ ہوتیں ہیں، جو تمنائیں ہوتی ہیں، دل کی زبان ایک سانجھی زبان ہے، جو ساری دنیا میں بولی جاتی ہے۔ اس بابے کو وہ بابا قائدِ اعظم کہہ کر پکارتے تھے، اور اس کا نام لے کر وہ اپنی زندگی گزار رہے تھے۔ میں کہتا تھا کہ ایسے بابے کو تم کس طرح سے اپنی زندگیوں میں داخل کرو گے' تمہاری کمیونیکیشن پیرِ دستگیر کے ساتھ ہوتی ہے، جس کی بولی ہم نہیں جانتے' جس گیارھویں والے کی ہر گیارہ تاریخ کو ہم نیاز دیتے ہیں، اور ہم جانتے ہیں کہ وہ ہماری بات سمجھتا ہے، اور وہ جانتا ہے کہ ہماری بات ان تک کیسے پہنچتی ہے؟ یہ جو پیرِ دستگیر کا ایک ادنیٰ غلام ہے اور ایک اس کا ماننے والا ہے۔ بھلے اس کی بولی ہم سے مختلف ہو، یہ بات ہماری جانے گا، اور سمجھنے لگے گا۔ بالکل اسی طرح سے، جیسے ہمارے بڑوں کی زبان ہمارے بابوں کی زبان چاہے مختلف ہے، لیکن ہم اس سے اچھی طرح سے واقف ہیں، اور ہمارے درمیان رابطے کا ایک سلسلہ قائم ہے، میں بہت حیران ہوتا تھا کہ ان کا یہ ایمان کس قدر پختہ ہے۔ ہم اس وقت تھوڑے سے متزلزل تھے، پڑھے لکھے نوجوان لڑکے تھے' کچھ دبدبے کا شکار تھے کہ کبھی آگے بڑھتے تھے، کبھی پیچھے ہٹتے تھے۔

پھر ایک ایسا وقت آیا کہ انہی لوگوں نے لاہور کے اندر پنجاب یونیورسٹی کی سپورٹس گراؤنڈ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں، جہاں اب ایک ہوائی جہاز کھڑا ہے، اپنے بابے قائداعظم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور کوئی ایک لاکھ کا مجمع' بالکل Pindrop silence میں، بے حس و حرکت خاموش بیٹھا ہوا ہے، اور وہ اپنی زبان میں بات کر رہا ہے۔ جتنا بھی اس کا گھنٹے کا یا ڈیڑھ گھنٹے کا لیکچر ہوا اس میں، اور یہ لوگ سارے کے سارے اس زبان سے واقف نہیں تھے ایک ایک بات اپنے اندر سمو کے اپنے رگ و پے میں اتار کے وہاں سے اٹھے۔ باوجود اس کے کہ ان پر بہت مشکل وقت آیا ہوا تھا۔ بات یہ تھی کہ وہ ان معنوں میں بابا تھا کہ وہ عطا کرنے والا آدمی تھا، دینے والا آدمی تھا، لینے والی آنکھ نہیں تھی۔ اس نے بڑی چومکھی لڑائی لڑ کے برہمن کے خلاف، اور انگریز کے خلاف، اپنے ماننے والوں کو ایک ملک لے کر دیا، اور جب ملک لے کر دے چکا، تو پھر اس نے اپنا آپ اپنا سرمایہ' اپنا ورثہ ان سے چھپا کر نہیں رکھا، اور جب وہ یہاں سے جانے لگا، تو اس نے اپنی ساری جائیداد سب کچھ اپنی قوم کو دے دیا۔ سب سے بڑا حصہ اس نے پشاور کے اسلامیہ کالج کو دیا، حالانکہ وہ زیادہ وہاں گئے نہیں تھے، لیکن ان کو پسند تھا۔ پھر ایک حصہ علی گڑھ یونیورسٹی کو دیا' پھر سندھ مدرسہ کو دیا جہاں وہ تعلیم حاصل کرتے رہے تھے، اور یوں ہاتھ جھاڑ کے، اور فاطمہ' جو ان کی بہت چہیتی بہن تھی اور بظاہر جس کے لیے انہیں بہت کچھ چھوڑ کے جانا چاہیے تھا، ان کی اتنی پروا نہیں کی، اور وہ سب کچھ جو ان کی گاڑھے پسینے کی اپنی کمائی تھی، جو انہوں نے وکالت کر کے کمائی تھی' یہاں سے کچھ نہیں لیا تھا انہوں نے آپ کے اس اکاؤنٹ سے۔ وہ ساری کی ساری رقم اس کو دے کر یہاں سے رخصت ہو گیا، اس لیے آپ کے دلوں میں ہم جو آپ سے بڑے ہیں تھوڑے سے عمر میں' ہمارے دلوں میں ان کی قدر باقی ہے۔

آپ کبھی کبھی دیکھیں گے، یہ ہمارے بابوں کے ساتھ اکثر ہوتا ہے، خواتین و حضرات کہ ان کے مخالف ضرور پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ دینے کے مقام پر ہوتے ہیں، اور عام آدمی لینے کے مقام پر ہوتا ہے۔ اور جب لینے کے مقام پر آدمی ہو تو وہ زیادہ شرمندگیوں میں گھر جاتا ہے، کیونکہ اردگرد کے لوگ دیکھتے ہیں ان کی نگاہیں ہر وقت دینے والے پر لگی رہتی ہیں تو لینے والا ان لوگوں کا دشمن ہو جاتا ہے۔

ہمارے بابے جو ڈیرے قائم کرتے ہیں۔ ان کی ٹریننگ کا بھی یہی حصہ ہوتا ہے کہ وہاں آنے والوں کو دینے کی تعلیم دی جائے، اور ایک عام آدمی کو کس طرح سے بابا بنایا جائے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ میرے مرشد سائیں فضل شاہ صاحبؒ گوجرانوالہ گئے، میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ میں اپنی گاڑی چلاتا ہوا ان کو ساتھ وہاں لے کر گیا تھا۔ ہم جب وہاں گوجرانوالہ میں پورا دن گزار کر' مولوی یاسین صاحب سے مل کر واپس آ رہے تھے، تو بازار میں ایک فقیر ملا، اس نے میرے بابا جی سے کہا کہ کچھ دے اللہ کے نام پر۔ انہوں نے اس وقت ایک روپیہ بڑی دیر کی بات ہے، ایک روپیہ بہت ہوتا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تھا، تو وہ اس کو دے دیا وہ لے کر بڑا خوش ہوا، دعائیں دیں، اور بہت پسند کیا اس بابا جی کو۔

انہوں نے اس سے پوچھا شام ہوگئی ہے کتنی کمائی ہوئی؟ وہ ایک سچا آدمی تھا۔ اس نے کہا، دس روپے بنا لیے ہیں۔ تو دس روپے بڑے ہوتے تھے۔ اس زمانے میں بہت زیادہ۔ تو انہوں نے کہا کہ دس روپے تو بنا لیے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا، میں نے آپ سے بات کی تھی، ''دتے میں سے دیا کرو۔'' یہ ان کا فلسفہ تھا نا۔ اس میں سے یہ نہیں ہوتا کہ جو بہت زیادہ رکھتا ہے وہی دے۔ جس کے پاس دو پیسے ہیں، وہ بھی ایک پیسا دے۔ پچھلی بار جب بات کی، تو میں اس کی وضاحت کرنا بھول گیا کہ دتے میں سے دینا۔ اپنے پاس جو کچھ ہے، اس میں سے دینے سے بھی تقویت آتی ہے۔ جب تک Post within نہیں کریں گے، اپنی جان کے ساتھ چمٹا کے رکھیں گے، جس طرح تپِ محرقہ ساتھ جان کے چمٹ جاتا ہے نا، اور وہ جان نہیں چھوڑتا، اسی طرح سے یہ دولت، اور سرمایہ جو ہے، یہ انسان کو کمزور سے کمزور تر کرتا چلا جاتا ہے۔ جسمانی طور پر چاہے تگڑا کر دے، روحانی طور پر کمزور کر دیتا ہے۔ تو انہوں نے کہا اس فقیر سے کہ تو نے اتنے پیسے بنا لیے ہیں، تو اپنے دتے میں سے کچھ دے۔ تو اس نے کہا، بابا میں فقیر آدمی ہوں، میں کہاں سے دوں۔ انہوں نے کہا، اس میں فقیر امیر کا کوئی سوال نہیں ہے جس کے پاس ہے اس کو دینا چاہیے، تو اس فقیر کے دل کو یہ بات بڑی لگی۔ بابا جی سے کہنے لگا، ''میں کیہ کراں۔'' انہوں نے کہا، کسی کو تو کچھ دے۔ کہنے لگا، اچھا۔ وہاں دو مزدور کدالیں کندھے پر ڈالے کہیں سے بیچارے دیہاڑی جوان کو ملتی ہے لے کر گھر کو واپس جا رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں رسیاں تھیں غالباً بنیادیں کھود کر آئے تھے، جو اس کا نشان لگاتے ہیں۔ تو وہ فقیر بھاگا گیا، اس نے چار روپے کی جلیبیاں خریدیں، چار روپے کی ایک کلو جلیبیاں آیا کرتی تھیں، اور بھاگ کے لایا، اور آ کر اس نے ان دونوں مزدوروں کو دے دیں۔ کہنے لگا، لو ادھی ادھی کر لینا۔ وہ بڑے حیران ہوئے۔ میں بھی کھڑا ان کو دیکھتا رہا تو لے کے، وہ خوش ہو کے چلا۔ اور وہ چلے گئے۔ کہنے لگا، بڑی مہربانی بابا تیری، بابا بڑی مہربانی، شاباش۔

تو وہ جو فقیر تھا کچھ کھسیانا، کچھ شرمندہ سا تھا، زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے خیرات دی تھی۔ وہ تو لینے والے مقام پر تھا تو شرمندہ سا ہو کر کھسکا۔ تو میرے بابا جی نے کہا، ''اوئے لُکیاں کدھر جانا ایں تینوں فقیر تو داتا بنا دتا اے، خوش ہو، نچ کے وکھا۔'' تو فقیر سے جب داتا بنتا ہے نا، تو اس کا رتبہ بلند ہو جاتا ہے، اور اگر باہر نہیں تو اس کا اندر ضرور ناچنے لگتا ہے۔ میرے تو یہ مقدر میں نہیں کہ کبھی دینے کے مقام پر آیا ہوں۔ لیکن میں نے ان لوگوں کو ضرور دیکھا ہے کہ جو دینے کے مقام پر ہوتے ہیں اور ان کی خوشیوں کو دیکھا۔ اسی طرح بابائے قائدِ اعظم نے اپنی زندگی میں بہت کچھ دیا، کبھی، اللہ آپ کو وقت دے اور بیٹھ کر اس کو جانچنے لگیں، آنکنے لگیں، تو لنے لگیں تو آپ اندازہ نہیں لگا سکیں گے کہ وہ ایک دبلا پتلا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تپ دق زدہ، جسے آخر میں کینسر بھی ہو گیا تھا، انہوں نے کسی کو بتائے بغیر کبھی اپنا گلہ کیے بغیر، کبھی ہائے یا اُف کا لفظ نکالے بغیر، اسی معاملے میں لگا رہا کہ میں دوں گا۔ اور اب آج کے سمجھدار سیاستدان، سیاست کے پنڈت، لکھنے والے، ولایت کے لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان نے پچھلے ایک سو برس میں صرف ایک ہی لیڈر پیدا کیا ہے، اور اس کا نام محمد علی جناح تھا۔ لیڈر ایک ہی تھا، باقی کے لوگ اور بھی بہت سے تھے۔ گاندھی جی کا ہم احترام کرتے ہیں، ٹھیک تھے، لیکن وہ لیڈر نہیں تھے۔ نہرو، ایک لاڈلا بچہ تھا اس کو سیاست میں دلچسپی نہیں تھی۔ ادب میں البتہ تھی، اس نے خط وغیرہ لکھے، بڑے کمال کے، بہت اچھے لکھے۔ لیکن انگریز کے ساتھ سیاست کی لڑائی میں آج کے سیانے کہتے ہیں، وہ ایک ہی بندہ تھا جس نے انگریزوں سے کہا کہ آؤ اگر تم میرے ساتھ Consitational fight کرنا چاہتے ہو تو میں، آئین کی جنگ میں لڑنے کے لیے تیار ہوں، میں ایک ایک باریک بات کو کھول کر بیان کروں گا، ادھر آؤ میں ہنر آزماؤں تو تیر آزما، ہم بھاگنے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں گے۔ تو گاندھی جی نے اپنا لباس تبدیل کیا، لوگوں کو دھرنے کی تعلیم دی۔ مرن برت (بھوک ہڑتال) کئی کچھ کرتے تھے۔ ان کا اپنا انداز تھا، لیکن وہ انگریز کے ساتھ آنکھ میں آنکھ ڈال کر ویسی fight ان کو نہ دے سکے، جیسی کہ کرسی کے میدان میں انہی کے مقام پر اس کے چوکھٹے میں لڑائی لڑنے کے لیے یہ تیار تھے۔

قائداعظم کہتے تھے، میں لباس نہیں تبدیل کروں گا، تمہاری زبان میں تم سے بات کروں گا' میں تمہارے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق، میں تمہارے قانون کے مطابق تم سے لڑائی کروں گا، اور پھر بار بار انہوں نے کہا پاکستان تو بعد کی بات ہے۔ اللہ کرے آپ اس کو پڑھ سکیں، اور پوری تفصیلات کے ساتھ اس کی طرف جا سکیں، تو اس بابے نے جو کہ دیہاتیوں، کسانوں، دہقانوں کا بابا تھا، قائداعظم اسے کہتے تھے، اس نے دینے کے مقام پر کھڑے ہو کر کیا کچھ عطا کیا، اس کی تفصیلات آپ اپنے طور پر جان سکیں گے، اور وہ جو بابا بابا میں ذکر کیا کرتا ہوں، وہ کہاں سے چل کر کہاں تک بابا آتا ہے، اور اس ذیل میں کون کون لوگ آجاتے ہیں۔ میں نے آپ سے پچھلی مرتبہ گل سعید کا ذکر کیا تھا، جو ہمارے یہاں تھے، وہ بھی ایک بابا تھے، زندہ ہیں۔ قائداعظم وہ بھی ایک بابا ہیں، یہ گزر جانے والا فقیر جو دادو دہش کرتا ہے۔ یہ بھی ایک اپنی طرز کا بابا ہے، تو اس میں ایک آخری بات جو بہت عجیب وغریب ہے، وہ یہ میرے بچے، میرے پوتے، اور میری پوتیاں، اور بہت ذہین آپ جیسے لڑکے لڑکیاں، تھوڑے دن ہوئے وہ بیٹھے ہوئے تھے، اور یہ ذکر کر رہے تھے آپس میں کہ اگر اوپر کے لوگ ٹھیک ہو جائیں، تو پھر نیچے کے لوگ خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے، یہ عام خیال ہے۔

میں نے کہا، دیکھا، مجھے اجازت دو گے۔ کہنے لگے نہیں بابا، آپ بالکل الٹی بات کیا کرتے ہیں۔ میں نے کہا، نہیں اتنی سی اجازت دو کہنے کی کہ اگر اوپر کے لوگ ٹھیک ہو جائیں اور خدانخواستہ نیچے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کے نہ ہوئے تو پھر ہم کیا کریں گے۔ کہنے لگے، نہیں، دیکھیے یہ مفروضہ نہیں، اوپر سے دیکھ کر ہی لوگ متاثر ہوتے ہیں، اور وہی کرتے ہیں۔ میں نے کہا، پیارے بچو یاد رکھو، اور لکھ لو اسے اپنے دل کی ڈائری میں کہ ایک ملک بنام پاکستان اور اس کے رہنے والے پاکستانی دنیا کی اس خوش قسمت ترین قوم میں سے ہیں، جن کو نہایت نیک، نہایت ایماندار، نہایت Honest، نہایت شفاف، نہایت ذہین، نہایت بڑا سائنسدان، نہایت بہترین دوسری زبان جاننے والا نہایت اعلیٰ درجے کا وکیل عطا کیا ہے، اور جس نے اس قوم سے تانبے کا ایک پیسہ بھی محنت کے طور پر نہیں لیا، اور کمال کی اس نے لیڈر شپ فراہم کی۔ جو آپ آج مانگ رہے ہیں۔ لیکن قوم نے اس کے جواب میں کیا کیا کہ ایئر پورٹ کے آدھے راستے کے اوپر اس کی موٹر کار کا پیٹرول ختم ہو گیا اور اس نے اپنی جان آدھے راستے میں جانِ آفریں کے حوالے کر دی۔ یہ ہوتا ہے زندگی میں۔ اس بات کی تلاش نہ کرو کہ وہاں سے ٹھیک ہوں گے تو نیچے آئیں گے۔ ہم سب کو اپنے اپنے مقام پر ٹھیک ہونا ہے۔ خدا کے واسطے، یہ مت کہا کرو، اے پیارے مزدور، کسانو، ان پڑھ لوگو! کہ اگر بڑے لوگ نماز پڑھیں گے تو ہم پڑھیں گے۔ ورنہ تب تک ہم بیٹھے ہیں، نماز تو تمہاری اپنی ہے بابا۔ اچھے ہونا تو تمہارے اپنے بس میں ہے۔ ذمہ داری تو ہماری اپنی ہے۔ یہ کیا بہانہ لے کر بیٹھ گئے، یہ بات جو میں نے اپنے بچوں سے کہی، یہ میں آپ سے بھی کہنا چاہ رہا تھا، اور کہہ رہا ہوں، اور بڑی دردمندی کے ساتھ کہہ رہا ہوں، اور اس دین کو، اس ذمہ داری کو، جو ہمارے کندھوں کے اوپر ہے، اور جس کا ہم مداوا نہیں کر سکتے کہ ہم نے کیا سلوک کیا، وہ شرمندگی ہمارے ساتھ ہے، اور ہمارے ساتھ چلتی رہے گی، اور ہم سارے کے سارے اس کے دیندار ہیں۔ کسی ایک بندے کو یا کسی ایک حکومت کو، یا کسی ایک سسٹم کو اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ جیسا کہ میں نے پچھلے پروگرام میں عرض کیا تھا کہ یہ ملک، یہ پاکستان، یہ حضرت صالحؑ کی اونٹنی ہے۔ اس کا احترام اور اس کا ادب ہم پر واجب ہے۔ حکومت کا بالکل خیال نہ کریں، حکومت والوں کا نہ ادب کریں، ان کو نہ مانیں، جو کہنا چاہتے ہیں، ان کے خلاف کہیں، مجھے اعتراض نہیں، لیکن اس ملک کے اس سرزمین کے اس دھرتی کے خلاف اگر آپ نے کوئی بات کی تو پکڑے جائیں گے اور بڑے عذاب کی صورت سے گزریں گے۔ الحمدللہ ابھی تک کسی نے ملک کے خلاف کوئی بات نہیں کی، باریکیاں سی نکال کے کچھ سیاست میں سے الٹی پلٹی باتیں بیان کرتے چلے جاتے ہیں اور اگر آپ کو کوئی دریدہ دہن یا ایسا گندا ذہن آدمی ملے، جو قائداعظم کی ذات میں کوئی، کیڑے نکالنے کی کوششیں کرتا ہے، تو اس کو ضرور قریب سے جا کر دیکھیں، وہ دینے والوں میں سے نہیں ہوگا، لینے والوں میں سے ہوگا۔ پاکستان کے رہنے والو زندہ رہو خوش رہو پائندہ رہو۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے۔ شرف عطا فرمائے، اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

''احترام آدمیت''

آج تک تو ہم بیشتر بابوں کے بارے میں ذکر کرتے آئے ہیں۔ آج مجھے ایک چھوٹے سے بچے کی یاد بہت ستا رہی ہے جو ایک مرتبہ اپنے ماں باپ کے بغیر، اور شاید ان سے اجازت لیے بغیر ڈیرے پر آ گیا تھا، وہ گول مٹول سا، پیارا سا بچہ تھا۔ بڑا ہنا ٹھنا تھا، اور آ کے بابا جی سے روتے ہوئے کہنے لگا، کہ مجھے اپنے ابا جی سے اختلاف، شکایت ہے، میں شکایت لگانے آیا ہوں۔ تو انہوں نے پوچھا، ابا جی سے ایسی کیا شکایت ہے بیٹا بیٹھو۔ کچھ لو کھاؤ پیو، مٹھائی وغیرہ رکھی تھی نا۔ تو اس نے کہا، نہیں میں کوئی چیز نہیں کھاؤں گا۔ پوچھا، شکایت کیا ہے۔ اس نے کہا، یہ بھی نہیں بتاؤں گا میں۔ بس مجھے ہے۔ وہ آپ کے پاس آتے ہیں، اور وہ بڑا دعویٰ کرتے ہیں' محبت کا اور شرافت کا، لیکن وہ ان میں ہے نہیں۔ السلام علیکم کہہ کر وہ وہاں سے چلا جاتا ہے۔ تو بابا جی نے کہا، اس کے پیچھے جائیں اور اس کو منا کر لائیں، لیکن وہ بڑے غصے میں تھا، چوتھی پانچویں کا لڑکا ہو گا، لیکن رکا نہیں، اور وہ چلا گیا، اور اس کے بعد کچھ پتا نہیں چلا، اور نہ یہ پتا چلا کہ اس کے والد کون ہیں اور کس کے خلاف شکایت لے کر آیا تھا؟ لیکن وہ شکایت ہمارے ذہن کے رجسٹروں میں درج کر گیا، اور ظاہر ہے ہم اس کا کوئی قلع قمع نہ کر سکے، کیونکہ یہ پتا نہیں تھا کہ وہ کدھر سے آیا ہے۔ تو میں اس کی یاد میں جو کہ بڑی دیر کے بعد آئی ہے، اور اب وہ کہیں اللہ کے فضل سے بڑے عہدے پر ہو گا، یا کوئی تاجر ہو گا، یا سیاست میں داخل ہو چکا ہو گا۔ وہ اگر کہیں ہمارا پروگرام دیکھ رہا ہو، تو اس کو ہمارا بہت سلام پہنچے۔

ہوا یہ کہ ہم پاکستان بنا چکے تھے، اور وہ زمانہ درمیانی مدت کا زمانہ تھا' یعنی ہمیں کچھ آدھا وقت گزر چکا تھا بیس بائیس سال۔ اور ہم لوگ competition کے میدان میں اتر چکے تھے۔ مسابقت کے میدان میں' مقابلہ کے میدان میں اور ہم competition کو ہی اپنی زندگی کا معیار اور ذریعہ بنا چکے تھے۔ شرافت کا، نجابت کا، آگے بڑھنے کا، یہ جانتے ہوئے کہ competition جو ہے، یہ تخلیقی صلاحیت کی راہ میں ایک بہت بڑا پتھر ہے۔ ایک آدمی کے اندر جو تخلیقی صلاحیتیں ہوتی ہیں نا۔ کچھ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کرنے کی، کچھ کر گزرنے کی صلاحیت، لیکن وہ competition میں اپنا آپ بھی بھلا چکا ہوتا ہے۔ وہ پھر ایک انسان نہیں رہتا، وہ competition کی ایک مشین بن جاتا ہے، اور دن رات اسی میں الجھا رہتا ہے۔ وہ ساری صلاحیتیں جو انسان میں ہوتی ہیں، وہ ماؤف ہو جاتی ہیں۔ بظاہر یہ بات نظر نہیں آتی۔ وجہ یہ ہے، جب بھی آپ competition کرتے ہیں، وہ انسان کے خلاف کرتے ہیں۔ کبھی بھی کسی پتھر کے، کھمبے کے، سٹریٹ لائیٹ کے، پل کے خلاف نہیں کرتے ہیں۔ بھینس کے خلاف آپ نے کبھی competition نہیں کیا' جب بھی کرتے ہیں انسان کے خلاف کرتے ہیں۔، اور جب انسان کے خلاف کرتے ہیں، اور آپ کامیاب ہو جاتے ہیں، اور کامیاب ہو کر تمیں بندوں کو گرا دیتے ہیں۔ تو پھر پوچھتے ہیں کہ آپ تو کامیاب ہو گئے۔ اسلام میں competition کی یہ Spirit' یہ صورت بالکل منع ہے۔ ایک ہی اجازت ہے، اور وہ ہے تقویٰ کے لیے، آپ اس میں مسابقت کر سکتے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ ہونے میں مسابقت، پیسے کمانے میں، حسین بننے میں، شیمپو اعلیٰ درجے کا استعمال کرنے میں، کپڑے استعمال کرنے میں، یہ کوئی کمال کی بات نہیں۔ لیکن آدمی اس میں competition کرتا ہے۔ میری بچیاں کہتی ہیں کہ نہیں دادا یہ تو قمیض ہم پہن کے نہیں جائیں گی، یہ تو پہلے بھی ہم پہن کے گئی تھیں، سہیلی کی مہندی کے اوپر۔ یہ ہماری بے عزتی ہے۔ ایک دفعہ پہن لی، کیونکہ یہ competition ہے۔ زندگی کے جو زمینی competition ہیں، وہ انسان کو بڑا تنگ کرتے ہیں، اور اس کی صلاحیتوں کے اوپر ایک جال ڈال دیتے ہیں۔

آپ کو اندازہ نہیں ہوگا، آپ تو سمجھتے ہیں کہ competition بہت Healthy فضا میں پیدا ہوا۔ کوشش، جدوجہد، سٹرائیو Strive' سٹرگل، بھاگ دوڑ یہ ساری کی ساری آپ کے اندر انا اور تکبر پیدا کرتی ہیں۔ آپ دیکھیے امریکہ کو۔ آپ کے سامنے مثال ہے، کتنی بھاگ دوڑ کرتا ہے، کتنا تردد کرتا ہے، کتنا competition کرتا ہے، کتنا اعلیٰ درجے کا ملک ہے، اور کیسا متکبر ہے۔ کسی کی کوئی بات بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ کہتا ہے، جو میں فیصلہ کرتا ہوں، وہی ٹھیک ہے، جو میں نے حکم دے دیا عراق کے بارے میں۔ وہ ٹھیک۔ تو یہ بہتر انسان ہونے کی خاصیت نہیں ہے۔ اسی لیے ہمارے یہاں پر حکم ہے کہ آپ competition نہیں کر سکتے ہیں۔ مثلاً ایک عجیب سی بات آپ سے کرنے لگا ہوں، آپ کے چہرے دیکھ کے۔ امید ہے آپ انشاءاللہ تعالیٰ اتنا برا نہیں مانیں گے، جتنا عام لوگ مانتے ہیں۔ ایک بچہ کلاس میں فسٹ آتا ہے۔ کوئی تمیں بچوں کی کلاس میں سے اب وہ تو فسٹ آ گیا اور تمیں بچے جو ہیں وہ تو Down، وہ تو منہ کے بل گر گئے نا، زمین پر۔ اور ان کو شرمندہ ہونے کا موقع ملا۔ تو میرا دین پوچھتا ہے کہ یہ بھی تو Human being ہیں۔ یہ انسان ہیں۔ ان کا کیا بندوبست آپ نے کیا ہے۔ آپ نے تو ایک دکان بنائی، اور بڑے کمال کی چلا لی۔ ایک لاکھ روپیہ روز کمانے لگے اور باقی کے بھی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بندے آپ کے اردگرد رہتے ہیں۔ ان کو بھی زندہ رہنا ہے۔ یہ بھی اللہ نے پیدا کیے ہیں، جس طرح آپ کو حیات ملی ہے ان کو بھی زندگی ملی ہے۔ آپ کون ہوتے ہیں اس کے اوپر تکبر کرنے والے کہ جناب ہم نے بہت بڑا کمال کیا۔ تو یہ بندے کو پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ competition کی دنیا میں داخل ہو کر اپنی انسانی صلاحیت، اور انسانی تخلیقی قوت جو ہے، اس کو دبا دیتا ہے۔ یہ آج میں بہت عجیب بات آپ سے کر رہا ہوں، جو کہ عام طور پر نہیں کی جاتی ہے۔ اس وقت ہم تو یہی کہتے ہیں کہ competition ہمارا بہت اچھا ہے۔ تو باقی کے بندے کیا کریں؟ کیا وہ مرتے ہیں تو مریں اور یہ بات میں نے اس لیے شروع کی کہ پہلے تو یہ بڑوں میں بات تھی، اب یہ ہمارے گھروں میں پہنچ چکی ہے۔ اور میں نے Recently دیکھا کہ یہ بات بچوں میں بھی اتار دی گئی ہے۔ اور بچے جو پڑھتے ہیں آپ جیسے ان کو بہت شرمندہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح سے شرمندہ کیا جاتا ہے کہ میں آپ کو اس کی مثال یہ دیتا ہوں کہ میرے گھرانے میں جو پڑھے لکھے لوگوں کا گھرانہ ہے۔ میں نے اپنے بہت قریبی عزیز جو میرے بچوں کی طرح مجھے عزیز ہے، وہ لڑکا اپنی بہن سے یہ کہہ رہا تھا اپنے بھانجوں کے بارے میں کہ "آپا تیرے منڈے دے کنے نمبر آئے نیں۔" لڑکا بھی وہیں کھیل رہا تھا۔ اس نے کہا اس کے تو 680 نمبر ہیں۔ کہنے لگا، اوہ یہ کوئی نمبر ہیں۔ پھر کہنے لگا، میرے لڑکے نے لیے ہیں اور دبا کے لیے ہیں 730۔ ٹھیک ہے۔ کہنے لگا 730 کیا آپاں نمبر ہی نمبر کر دیے۔ گھر میں نمبر، اوپر نمبر، چوبارے میں نمبر، وہ کیا سیڑھی پر نمبر، ہمارے برانڈوں میں نمبر ہی نمبر۔ میرے کان کھڑے ہوئے، جب اس نے کہا نا کہ ہر جگہ نمبر ہی نمبر بکھرے ہوئے ہیں، ہمارے گھر میں۔ میں نے کہا، شاید پتا نہیں یہ کیا بات کر رہا ہے، پھر میں نے اس کی بات غور سے سنی، اور میں نے محسوس کیا کسی خوفناک بیماری کا انجکشن دے کر کوئی اس بے چاری کو جو میری نواسی ہے چلا جا رہا ہے۔ تو میں نے اس کو بلایا کر کہا یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اس پر میری بھانجی بولی 'نانا یہ تو بڑی خوبی کی بات ہے اس نے زیادہ نمبر لیے تو آپ فخر کریں۔ میں نے کہا، اس نے زیادہ نمبر لیے لیکن کسی ایسے باپ پر فخر کرنا نہیں چاہیے، جو اس کی طرح سے ہذیان بکنے لگ جائے، جیسے یہ کر رہا ہے، وہ بھی انسان ہے، وہ تیری سگی بہن ہے، اس کا بھی دل ہے، اس کا بھی گھر ہے، اس کا بھی بچہ ہے، جیسا بچہ تجھے عزیز ہے، ویسے ہی اس کو عزیز ہے۔ اس نے کہا، نہیں جی اگر کوئی کمزور ہو گا تو ہم تو اسے شرمندہ کریں گے۔ کہنے لگا، دیکھیں اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر کتنا فضل کیا ہے۔ میں کم از کم پانچ ہزار روز کا کماتا ہوں اور ہے کوئی ہمارے خاندان میں ایسا آدمی، وہ ایک اکیلا آدمی نہیں ہے۔ آپ اپنے اردگرد اپنے گھروں کے اندر، اپنے شہر کے اندر دیکھیں۔ لوگ آپ کو، مجھے خوفزدہ کرنے کے لیے اور شرمندہ کرنے کے لیے کیا کیا طریقے استعمال کرتے ہیں، ایسے طریقے جن کی منائی ہے، جو ہمارے یہاں ایک حرام چیز تصور کیے جاتے ہیں۔ آپ نے کبھی اس کی طرف دھیان ہی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نہیں دیا، آپ نے کبھی انا اور تکبر کے بارے میں سوچا ہی نہیں، آپ یہ competition کرنے والے، مسابقت کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ تکبر کا جو گناہ تھا، وہ تو ابلیس نے کر لیا' اللہ تعالیٰ کے سامنے' ہم تو بالکل تکبر نہیں کرتے۔ یہ تو جی کھلے میدان ہم کام کرتے ہیں، دوسرا بھی ہے تو میدان میں آئے۔ ہم کہتے ہیں کہ کسی وجہ سے دوسرا نہیں آسکے گا تو کیا تم اس کو شرمندہ کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہو۔ تمہیں اللہ نے صرف یہ صلاحیت دی ہے، تم اپنا موبائل ٹیلیفون لٹکا کے سارے محلے میں اس لیے چلتے ہو، کہ میرے پاس موبائل ہے، اگر ہے اور اس کو بیچ میچ استعمال کرتے ہو، تو اسے بند رکھو، اس کو چھپا کے رکھو، کیوں اس غریب کو دکھاتے ہو جس کے پاس نہیں ہے۔ اگر تمہارے پاس اعلیٰ درجے کی کار ہے، اور میرے پاس چھوٹی ہے تو تم مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہو کہ لا کے میرے منہ کے آگے کھڑی کر دیتے ہو کہ اشفاق صاحب اپنی چھوٹی سی پدی گاڑی نہ نکال سکیں، تو مجھے بھی زندہ رہنے کا حق حاصل ہے، یہ زمین میری بھی ہے، یہ ملک میرا بھی ہے، اور جو نعمت آپ کو اللہ نے عطا کی ہے، وہ مجھے بھی عطا کی ہے، اور پھر بیوقوف لوگو تم یہ سمجھتے ہو کہ سب کچھ تمہاری کوششوں سے، تمہاری جدوجہد سے، تمہارے competition سے، تمہاری بھاگ دوڑ سے تم کو ملا ہے؟ نہیں! یہ خدا کی عطا ہے۔ اس کا شکر یہ ادا کرو، اور جوں جوں عطا میں اضافہ ہوتا جائے، توں توں سرنگوں ہوتے جاؤ، نیچے سر جھکاتے چلے جاؤ۔

تو میں جس چھوٹے بچے کا ذکر کر رہا تھا، کوئی تقریباً ایک ہفتے کے بعد اس کا باپ ہمارے ڈیرے پر وہیں آیا، بابا جی کے پاس اور کہنے لگا، میرا بیٹا گھر سے بھاگ گیا ہے۔ برا حال، رو رہا تھا، اور چاروں طرف پولیس کو اطلاع دی ہے، اخباروں میں اشتہار دیا ہے، سلائیڈیں چلائیں، ٹیلی ویژن پر اس کا اعلان کیا، لیکن اس کا کوئی پتا نہیں چل رہا، اور وہ میرا نورِ نظر ہے۔ اس کی ماں کی ظاہر ہے اور بھی بری حالت ہو گی، بابا جی نے کہا، وہ تو یہاں آیا تھا۔ کہنے لگا، یہاں آیا تھا؟ کہنے لگا، ہاں کچھ شکایت کرتا تھا، لیکن وہ اتنا دکھی تھا کہ ہمارے قابو نہیں آسکا۔ ہم نے بہت بہلانے اور پھسلانے کی کوشش کی وہ بیچ میں سے کھسک کر نکل گیا۔ اس نے کہا، جی ہوا کیا، کوئی خاص بات تو ہوئی نہیں' ایسے ہی وہ حساس تھا اور ناراض ہو گیا بغیر سوچے سمجھے۔ بات یہ تھی کہ اس نے امتحان دیا' اس میں اس کے کچھ کم نمبر تھے۔ جیسا ہوتا ہے بچوں کے ساتھ۔ تو سارے اس کو گھر میں عزیز رشتے دار موٹو کہہ کر پکارتے تھے۔ موٹو اس کا نام رکھا ہوا تھا۔ نِک نیم جیسے ہمارے گھروں میں بے ہودہ چیز ہوتی ہے، تو اس کو موٹو کہہ کر پکارتے تھے۔ تو وہ برداشت کرتا تھا۔ میرے ساتھ اس کا پیار تھا، جیسے باپ کے ساتھ بچے کا پیار ہوتا ہے، تو شام کو میں آیا تو مجھے پتا چلا کہ اس کے نمبر کم آئے ہیں، سیکنڈ ڈویژن میں اس نے پاس کی ہوتی تھی۔ تو میں نے اس سے کہا، او موٹو تیرے نمبر کم آئے ہیں۔ کہنے لگا، میں نے پہلی دفعہ اس کو موٹو کہا، سات سو آدمیوں کے موٹو کہنے سے وہ مائنڈ نہیں کرتا تھا، برا نہیں سمجھتا تھا، لیکن صرف ایک میرے کہنے سے اس کو اللہ جانے کیا ہوا، اس

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نے اس کو برداشت نہیں کیا، اور وہ گھر سے بھاگ گیا۔ سات آٹھ دن ہو گئے ہیں، ہم اس کو تلاش کرتے پھرتے ہیں، پتا نہیں وہ کہاں ہے۔ تو یہ نمبروں کی کمی، اور اس کی تضحیک اور تذلیل۔ خدا کے واسطے میں آپ سے دست بستہ درخواست کرتا ہوں کہ انسان کی تذلیل نہ کیا کریں ہمیں اس کا حکم نہیں ہے۔ ہم کسی کو ایسے ہی نام سے پکار دیتے ہیں، ایسے ہی برا بھلا کہہ دیتے ہیں، کچھ نِک نیم رکھے ہوتے ہیں نا۔ ایسے بالکل نہ کریں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے پورے کا پورا ایک جیسا پیدا کیا ہے۔ یہ زندگی جو لے کر آپ پیدا ہوئے ہیں یہ آپ کی محنت، کوشش، جدوجہد سے نہیں ہوئی، یہ جو آپ لے کر بیٹھے ہوئے ہیں، یہ تو اللہ کی عطا کی ہے، اگر آپ یہ کہیں کہ بڑی بھاگ دوڑ کی، پھر میں پیدا ہوا، اور میں نے بڑی کوشش کی، یہ غلط ہو گا۔

سب سے بڑی نعمت تو آپ کو مفت ملی ہوئی ہے۔ یہ زندگی، اور دوسرے کو بھی ایسی ہی زندگی ملی ہے۔ اب ہم کو بھی اس بات کی بڑی فکر ہوئی۔ وہاں مشترکہ دعا ہوئی سارے لوگ بڑے غمناک ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کے دعا کی کہ اللہ اس کو صحیح وسلامت رکھے اور جہاں بھی ہے، وہ واپس آئے، اور یہ کوتاہی جو ان صاحب سے، اس باپ سے ہوئی دوبارہ نہ ہو۔ کہنے لگے آپ تو سمجھدار آدمی ہیں، سیانے آدمی ہیں، یہاں آتے رہتے ہیں۔ کچھ کام کی باتیں آپ کے کان میں پڑتی رہتی ہیں۔ پڑتی رہی ہوں گی۔ آپ کو تو یہ لفظ نہیں استعمال کرنا چاہیے تھا، الفاظ گولیوں کے مانند ہوتے ہیں، انہیں استعمال کرنے سے پہلے چیمبر کو صاف کر کے استعمال کریں جس طرح آپ پستول کو صاف کرتے ہیں اور گولیوں کو ایک طرف رکھ لیتے ہیں، اسی طرح آپ گفتگو کے لیے جب اپنا منہ یا دل استعمال کریں، تو دیکھیں کون سی گولی چلائی ہے، کون سی نہیں چلائی۔ آپ کے اردگرد اگر آپ کے پیارے بیٹھے ہیں خدا کے واسطے اس چیمبر کی طرف ضرور دیکھیں۔ یہ لڑکیاں بے خیالی میں کوئی باتیں کر جائیں، اب یہ بڑی ہوں گی نا، تو ان کی شادیاں ہوئی ہیں، تو انہوں نے اپنی وہ کیا ہوتی ہیں نندیں، اور ساسیں ان کے خلاف کیا کیا کچھ باتیں کر دیتی ہیں۔ پہلے تو چھپ کر کرتی تھیں، اب تو سیدھے منہ پر ہی کر جاتی ہیں۔ تو پھر جو ظلم ہونا ہے، ان کی ذات پر بھی اور ان بے چاری بوڑھیوں پر بھی اس کا کوئی مداوا نہیں ہو سکتا۔ پھر ہم نے دعا مانگی کہ یا اللہ تو مہربانی فرما اور وہ بہت پیارا، اور خوب صورت بچہ تھا تو اس کو واپس لا دے، پھر ہمارے بابا نے یہ کہا، یا اللہ آئندہ زندگی میں اس کو نمبر بھی زیادہ ملتے رہا کریں، اگر یہی بات ہے کم بخت زندگی میں تو اس کو پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ہم بہت غمناک ہوئے۔ آپ سے بھی میری یہی درخواست ہے کہ جب آپ الفاظ کا استعمال کریں تو دیکھیں یہ گولیاں ہیں، جو آپ نے چیمبر میں ڈالی ہوئی ہیں، اور یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ انہیں چلانا ہے یا نہیں چلانا ہے۔ ہمارے ملک میں، خاص طور پر میں محسوس کر رہا ہوں، میرے پیارے ملک میں، جو مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے، لوگ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جو ہیں وہ ایک دوسرے کا مان ادرشن نہیں کر رہے ہیں، اور ان کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہو رہا کہ دوسرے لوگ جو ہیں ان کے اندر بھی جذبات ہیں' وہ بھی کچھ ہیں۔ competition میں اور مسابقت، اور مقابلے سے آپ کو روکا گیا ہے اور تقویٰ، نیکی، اچھائی کے لیے آپ کو ابھارا گیا ہے کہ ہاں یہاں پر جتنا ایک مقابلہ ایک دوسرے کا کر سکتے ہیں کرو۔ راز اس میں یہ ہے کہ تقویٰ میں، اچھائی میں، نیکی میں، جب آپ اپنے مدِمخالف کے ساتھ مقابلہ کریں گے تو ہمیں نیچے ہو کر دیکھنا پڑے گا، جوں جوں آپ نیچے ہوں گے' جتنی آپ عاجزی کریں گے' جتنا آپ جھکیں گے، اتنے آپ تقویٰ میں اونچے ہوں گے نا۔ جتنا تکبر کریں گے' جتنا اونچائی میں جائیں گے' جتنا آپ شیخی بگھاریں گے' جتنا آپ اپنے آپ کو انا عطا کریں گے، اتنا ہی آپ کا مسئلہ جو ہے وہ ایک مختلف ردھم اختیار کرتا چلا جائے گا۔ ہاں آپ ضرور competition کریں۔ میں competition سے منع نہیں کرتا، میرا دین competition سے منع نہیں کرتا، لیکن صرف تقویٰ کی حد تک لازم ہے' اخلاقی زندگی بسر کرنے کی نیکی اختیار کریں۔

تقویٰ جس میں وہ competition ہو، جس سے دوسرے کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو، تو وہ آپ کا طرۂ امتیاز نہیں ہونا چاہیے، کسی بھی کسی صورت میں کسی بھی حال میں۔ آپ نے نام سنا ہوگا، حضرت جنید بغدادیؒ کا۔ سب سے بڑے ہمارے صوفی، ان سے ابتدا ہوئی، جس کو کہتے ہیں مُدھ لگا، لیکن وہ صوفی نہیں تھے وہ خلیفہ بغداد کے دربار میں ایک پہلوان تھے۔ ایک بہت بڑے ریسلر تھے، جیسے آپ کے یہاں گاما پہلوان تھا۔ جنید بغدادی بھی مشہور تھے، اتنے بڑے پہلوان کہ کوئی ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن وہ دربار میں بیٹھے تھے اور خلیفہ بھی تھا وہاں ایک دبلا پتلا کمزور سا آدمی مریل سا فاقہ زدہ بے چارہ شکل و صورت کا بہت پیارا، اور بہت اچھا، آیا اور خلیفۂ وقت سے کہنے لگا کہ اے خلیفہ میں جنیدؒ کے ساتھ کشتی لڑنا چاہتا ہوں۔ تو جتنے دربار میں لوگ بیٹھے تھے، ہنس پڑے۔ کہنے لگے کیا پدی کیا پدی کا شوربہ' تو شکل دیکھ اپنی اور اپنا وجود دیکھ، اور تو اتنے بڑے پہلوان کے ساتھ کشتی کرے گا! اس نے کہا، نہیں جناب مجھے کچھ داؤ ایسے آتے ہیں، کچھ چیزیں میں ایسی جانتا ہوں جو کہ اور پہلوان نہیں جانتے، اور ہمارے پاس کچھ خاندانی گر ہوتے ہیں نا، وہ داؤ میں لگاؤں گا اور آپ کا جو اتنا بڑا نامی گرامی رستم زماں ہے، یہ چاروں شانے چت ہوگا۔ حضرت جنید بھی یہ بات سن کر بہت حیران ہوئے، اور تھوڑا سا گھبرائے بھی، اللہ جانے ان کو کچھ ایسا راز آتا ہوگا، تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے، میں تیار ہوں۔ چنانچہ وقت مقرر ہو گیا، جگہ طے کر دی گئی، اور خلیفہ وقت وہاں پہنچ گیا، سارے درباری اور بغداد کے سارے لوگ کہ یہ آج کیا ہونے لگا ہے، وہ بھی خم ٹھونک کے پدہ' کمزور' دبلا پتلا آدمی مشکل سے کھڑا ہو سکتا تھا، وہ بھی آ گیا میدان میں۔ اور اصل پہلوان جو تھے وہ بھی اپنا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

لنگر لنگوٹ کس کے آ گئے۔ تو اس نے ہاتھ بڑھایا، انہوں نے ہاتھ پکڑا' سلام کیا۔ ایک دوسرے سے ملے، سلامی لینا جسے کہتے ہیں، اور جب حضرت جنید بغدادی کا مضبوط ہاتھ آگے بڑھا تو وہ ذرا پیچھے ہٹ گیا، پھر اس نے ایک چھلانگ لگائی۔ دبلا پتلا' کمزور سا آدمی جو تھا، وہ اچھل کر ان کے گلے سے لپٹ گیا، اب یہ تو کوئی داؤ نہیں ہے کہ آدمی اس کے گلے میں...... جب لٹک گیا، تو ان کے کان کے پاس منہ کر کے کہنے لگا، میں سیدزادہ ہوں، اور سات دنوں سے بھوکا ہوں' میرے پاس روزگار کا کوئی ذریعہ نہیں' یہ ڈھونگ میں نے اس لیے رچایا ہے۔ اے جنیدؒ تا کہ میں لوگوں کو دکھا سکوں کہ میری کوئی عزت ہے۔ جنید بغدادیؒ نے یہ سنا، اور زمین پر دھڑ کر کے گرے، اور اس سے ڈھے گئے۔ وہ ان کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا، اور تالی بج گئی، دنیا حیران پریشان ہو گئی، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ انہوں نے (جنید بغدادی) کہا کہ ٹھیک ہے، اس کو ایسا داؤ آتا ہے، جو دنیا میں کسی آدمی کو نہیں آتا، اور اس کے سامنے چت ہو گیا ہوں، یہ واقعی طاقتور ہے۔ وہ تو جناب خلیفہ نے جو بھی کچھ انعامات اکرام خلعت وغیرہ دینی تھی دی، اور حضرت جنید جو تولیہ یا جو صافہ گلے میں تھا جھاڑتے ہوئے کہہ رہے ہیں، اے اللہ میں نے زندگی میں کبھی کوئی ایسا بڑا کام نہیں کیا، لیکن تیرے ایک بندے کی عزت رکھی ہے، اس کے بدلے میں مجھے بھی تو کوئی روحانی درجہ عطا فرما، جو تو اپنے بڑوں کو دیا کرتا ہے۔ تو وہ ولی کامل ہوئے، اور ان کی جو تعلیم ہے' وہ یہی ہے کہ انسان کو کبھی بھی ذلیل، چھوٹا، حقیر نہیں جاننا۔ جوں جوں آپ ایسا جانیں گے' آپ کے درجات کم ہوتے جائیں گے۔ جوں جوں آپ حضرت جنید بغدادیؒ کا رویہ اختیار کریں گے، آپ کے درجات بلند ہوتے جائیں گے۔

ہم سے غلطی یہ ہوتی ہے، میں پھر چلتے ہوئے آخری بات کہوں، ہم سوچے سمجھے بغیر پہلے تو کچھ بات منہ سے نکال دیتے ہیں، اور پھر اپنے تکبر میں اضافہ کرنے کے لیے اس چیز کو طرۂ امتیاز بنا لیتے ہیں جو آپ کے کمال کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ بچوں کے نمبر آ جانا' آپ کا خوش شکل ہونا' آپ کا چہرہ اچھا ہونا' آپ کی رنگت گوری ہونا' یہ محض عطائے خداوندی ہے۔ اس کو تم اپنی تلوار بنا کر لوگوں کی گردنیں نہ اتارتے رہو، اور خدانخواستہ اگر ایسا وقت آ گیا کہ صرف آپ ہی کی ذات اس کرۂ ارض پر رہنے لگی تو آپ یا آپ کے بچے کو یہ زندگی گزارنی بڑی مشکل ہو جائے گی۔ خالی ساری ویران دنیا میں لوگوں کو آباد رہنے دیں' ان کے ساتھ ہنسنے کھیلنے دو۔ ہم چلتے چلتے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ بچہ مل گیا تھا، پھر وہ ہمارے ڈیرے پر بھی آیا، اور پھر جب تک اس نے میٹرک کیا، جب تک وہ آتا رہا، اور پھر ہم سارے اس سے معافیاں مانگتے رہے، اور اس میں میں سب کو آپ کو بھی شامل کرنا چاہتا ہوں کہ جب بھی اس کی یاد آئے پتا نہیں وہ کہاں ہو گا، آپ بھی اس بات کی معافی مانگیں کہ اس کے باپ نے اسے موٹو کیوں کہا تھا۔ یہ ایک بری بات ہے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ آمین۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ریفریجریٹر زندگی

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

یہ جو امریکن قوم ہے اور امریکن لوگ ہیں، یہ بھی بڑے کمال کے آدمی ہیں، اور ان کو کچھ ایسی سوجھتی ہے، اور ان کے دماغ میں اس طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں، جو عملی صورت اختیار کر کے مختلف کھلونوں کے روپ میں ہمارے سامنے آتے ہیں کہ آدمی حیران ہوتا ہے۔ اب یہ دیکھ لیں ساری دنیا کے اندر کیسی کھد بد مچائی ہوئی ہے۔ اپنوں کو کسی شخص کو اور کسی کمیونٹی کو کسی گروہِ انسانی کو آسانی سے زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ان کا بس ایک وتیرہ ہے۔ ان لوگوں میں سے بہت سے ہمارے دوست بھی ہیں۔ میرے ایک دوست ہیں، وہ یہاں بہت اونچے عہدے پر فائز ہیں، مسٹر مورلک ان کا نام ہے۔ ان کے ساتھ ایک جھگڑا رہتا ہے، کبھی لڑائی، کبھی چھینا جھپٹی اور بے قدری، ہم ان کے ساتھ کچھ تھوڑا بہت کر لیتے ہیں جھگڑا لیکن ہمیں کمزور رہنا پڑتا ہے ان کے سامنے۔ اس لیے کہ ان کی سوچ بھی بڑی تیز ہے، اور ان کی پیشرفت بھی بڑی آگے کو بڑھنے والی ہے۔ مورلک ایک دن مجھ سے کہہ رہا تھا کہ تم لوگ جو ہو یہ اچھے لوگ ہو، لیکن تم سارے ریفریجریٹر کے اندر زندگی بسر کرنے کے عادی ہو۔ میں نے کہا، ریفریجریٹر میں کیسے؟

کہنے لگا، تم ہر چیز کو محفوظ کرنے کے لیے ریفریجریٹر میں رکھنے کے عادی ہو۔ اپنی انسانی زندگی کو بھی۔ تمہارے بچے ہیں، مثلاً پیارے پیارے تم ان کو اٹھا کے ریفریجریٹر کے اندر رکھ دیتے ہو کہ یہ فریش رہیں، اور تر و تازہ رہیں، اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔ جب ہم سبزی کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں' پھلوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں' ظاہر ہے ان کو ریفریجریٹر میں رکھتے ہیں، لیکن کہنے لگا کہ ریفریجریٹر کے اندر رکھی ہوئی یہ چیزیں جو ہیں، باہر سے تو تر و تازہ رہتی ہیں، آپ کا بھی تجربہ ہوگا، سب کا ہے نا۔ اندر سے وہ اتنی اچھی، اور مزیدار اور کھانے کے قابل نہیں رہتیں، نہ لذت میں، نہ تاثیر میں، جتنی کہ تازہ ہوتی ہیں، اس نے کہا۔ میں نے تمہارے ملک کا ایک عجیب و غریب رواج دیکھا ہے کہ والدین یہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

چاہیں گے کہ بچے جو ہیں وہ ہم اٹھا کے شام کو دن کو ریفریجریٹر میں رکھ دیں، تا کہ وہ تروتازہ رہیں، اور ان کی خوبصورتی جو ہے، وہ بظاہر ٹھیک ٹھاک رہے۔ بچے یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے والدین بوڑھے ہو رہے ہیں، ان کو بھی ہم ریفریجریٹر میں رکھ دیں۔ تو آپ لوگوں نے ایک عجیب سا رویہ زندگی کا اختیار کیا ہوا ہے، جو نہ تو Human ہے، اور نہ بہادر قوم سے اس کا تعلق ہے۔ تو میں نے کہا، تم یہ عجیب بات کر رہے ہو۔ ٹھیک ہے' ریفریجریٹر میں والی بات لیکن اس میں خرابی کی کیا بات ہے۔ اس نے کہا، خرابی کی اس میں یہ بات ہے کہ ریفریجریٹر میں جب چیزیں رکھی جاتی ہیں تو ان کو مجموعی طور پر ایک ہی جگہ پر گھسیڑ ہی نہیں دیا جاتا۔ ان کو الگ الگ کر کے رکھا جاتا ہے، تا کہ ٹماٹر ایک طرف رہیں' بینگن ایک طرف رہیں، مٹھائی ایک طرف رہے، پانی ایک طرف، تو ایسے ہی آپ الگ الگ کر کے رکھتے ہیں اپنے آپ کو۔ تو زندگی میں بھی آپ اپنے دوسرے گروہوں سے الگ الگ رہتے ہیں۔ بیوروکریسی جو آپ کی ہے وہ ایسے فریج میں رہتی ہے کہ اس کے قریب کوئی جا نہیں سکتا۔ آپ کے استاد جو ہیں' ٹیچر جو ہیں' پروفیسر جو ہیں، وہ بھی ایک اپنی خانہ بندی کر کے بیٹھے ہیں، ان کی بھی اپروچ نہیں ہوتی۔ ڈاکٹرز لے لیں' وکیل لے لیں وہ سارے کے سارے ان لوگوں کے متعلق نہیں ہیں، جن لوگوں سے متعلق یہ ملک ہے۔ ان کو ضرورت پڑتی ہے، مثلاً ڈاکٹرز ہیں، بینگنوں کی طرح پڑے ہیں، اور وہ وہاں سے ہی اپنا آرڈر جاری کرتے ہیں، ہونا یہ چاہیے کہ ان کے، اور مریض کے مابین ایک ارتباط باہمی رہے اور وہ ایک دوسرے کو جانتے پہنچانتے رہیں۔ ٹیچر جو ہے، استاد جو ہے وہ اپنے طالب علم کے ساتھ ملتا رہے، اور ان کو جانتا پہچانتا رہے، Human Being کے درمیان جب تک تعلق نہیں ہوگا کتاب آپ کو فائدہ نہیں دے گی۔ اگر کتاب ہی فائدہ پہنچا سکتی، تو اللہ تعالیٰ ایک رسی کے ذریعے دنیا میں ایک کتاب اتار سکتا تھا ہر گھر میں۔ اس کے لیے کیا مشکل تھا، لیکن نہیں اس کے ساتھ پیغمبر ضرور بھیجنا ہوتا ہے، کیونکہ جب انسان نہیں ہوگا، ان کے سامنے اس کی مثال نہیں ہوگی، اس کی شکل وصورت سامنے نہیں ہوگی، تب تک ان لوگوں کو تقویت نہیں ہوگی کہ یہ ہمارے جیسا انسان ہے۔ مجھ سے اکثر پوچھتے ہیں کہ بابوں کی آپ بڑی بات کرتے ہیں۔ بابوں میں کیا خوبی ہوتی ہے۔ بابوں میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ بادشاہ وقت اپنے جوتے اتار کر ان کی جھونپڑی میں داخل ہوتا ہے، حالانکہ کیا ہوتا ہے ان کے پاس کچھ دینے کو۔ بابا جو ہوتا ہے وہ IMF نہیں ہوتا نا۔ ہم تو IMF کے پاس سر کے بل جاتے ہیں۔ بابے کے پاس دینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ مجھے ابھی ایک بی بی کہہ رہی تھی کہ اخلاق کی سربلندی ایسی ہوتی ہے کہ آدمی حیران ہوتا ہے کہ انسانی وقار، اور یہ اشرف المخلوقات کا لیول اتنا اونچا بھی ہو سکتا ہے، اور ہم جو ہوتے ہیں "ثم رددنه اسفل سفلین" تو ہم ڈر کے مارے سر جھکا جاتے ہیں کہ ہم چوتھے لیول کے آدمی ہیں۔ تو جیسا میں نے کہا کہ مورلک کی یہ بات مجھے بڑی دل کو لگ رہی تھی۔ اس نے کہا، تم اتنے محتاط ہو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کہ اپنے بچوں کے لیے سپیشل اعلیٰ درجے کے سکول بنا دیئے، وہ ایک اور طرح کے ریفریجریٹر ہیں کہ یہاں پر میں اپنا بچہ لے جا کر داخل کرا دوں، اور یہ بالکل تر و تازہ رہے، اور جب ضرورت پڑے گی تو نکال کر اس کو زندگی کے کاموں میں لے آئیں گے۔ پھر اس نے کہا میری تم سے محبت ہے اور تمہاری وجہ سے پاکستان سے محبت ہے، تم ایسے کرو ریفریجریٹر میں زندگی گزارنے کی بجائے ٹوسٹر میں زندگی گزارا کرو، تاکہ تھوڑا سا سینک لگے تم کو، اور جو تم میں کچا پن ہے وہ پختگی میں تبدیل ہو اور جب تمہاری ضرورت پڑے چھلانگ مار کر باہر نکلو۔ ٹوسٹ دیکھا ہے، نکلتا ہے ہاں، اور اس کا فائدہ ہوتا ہے۔

تو تم تو ٹوسٹر سے بہت گھبراتے ہو اپنی زندگی کو سینک دینے کو تیار ہی نہیں ہو' تعلیم دلواتے ہو صرف نوکریاں حاصل کرنے کے لیے۔ وہ بات جو انسانیت پیدا کرتی ہے' وہ تو سینک لگنے کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کے بغیر نہیں ہوتی، لیکن تم اتنے محتاط ہو اور اتنے خوفزدہ ہو کہ حالات اور زمانہ کو Face کرنے کے لیے تم اس قسم کی صورتِ حال پیدا کرتے رہتے ہو۔ اس نے کہا، میں تو تھوڑا سا خوش ہوں تمہارے ملک میں جو ابھی فوجی ٹریننگ ہے کاکول وغیرہ کی، وہ ٹھیک ہے، باقی کے تو آپ نے سارے ادارے تباہ کر دیئے ہیں، اور مجھے اندیشہ ہے کل کو یہ اس کے ساتھ بھی تم لوگ یہی نہ کرو۔

میں پچھلے دنوں ایک پروگرام دیکھ رہا تھا، پتا نہیں کہاں۔ اس میں بالواسطہ طور پر تو نہیں بلاواسطہ طور یہ بات آتی ہے، اس میں کوئی بتا رہا تھا کہ لڑکیوں کے ساتھ رویہ اچھا نہیں ہوتا۔ آج کل یہی ہے نا، اور لڑکوں کے ساتھ بہت اچھا ہوتا ہے۔ لڑکوں کو کھانے میں ناشتے میں انڈہ پراٹھا ملتا ہے، لڑکیوں کو کہتے ہیں تو کڑی ہے کوئی بات نہیں تو بعد میں کھانا یا نہ کھانا، ہمارے ہاں ایسا ہوتا رہا ہے۔

ہمارے گھر میں میری ماں کہتی تھی میری بہن سے کہ ابا کے بوٹ پالش کر۔ وہ بیٹھی بوٹ پالش کر رہی تھی اور ہم مزے سے کھانا کھا رہے ہوتے تھے، تو یہ باتیں ساری رہتی رہی ہیں تو میں نے جب یہ دیکھا، میں بڑا حیران ہوا کہ یا اللہ یہ تو ہمیں کس طرف کھینچے لیے جا رہا ہے، تو میں نے اپنی ماں سے' جو زندہ تھی۔ اس وقت یہ پوچھا۔

میں نے کہا کہ یہ رویہ جو تھا آپ کا اس کی کیا وجہ تھی۔ انہوں نے کہا، یہ بہت ضروری رویہ تھا، اس لیے کہ اس لڑکی کو آگے جا کر بچے پیدا کرنے تھے، اور ان بچوں کو پالنا تھا، اگر اس کو انڈہ کھانے کی عادت اب پڑ جاتی تو وہ سارے انڈے کھا جاتی اور بچے اس کے بیٹھے رہ جاتے ٹیبل کے اوپر۔ یہ اس کی ٹریننگ تھی، یہ ہم جانتے تھے، اس بات کو۔ اور کہنے لگی، میرے پیارے بچے یہ اسی طرح سے تھا کل کو تم رونے لگ جاؤ گے کہ جو جنٹل مین کیڈٹ ہوتا ہے' اس کی کاکول میں کتنی سخت ٹریننگ ہوتی ہے۔ صبح سردیوں میں چار بجے اٹھا دیتے ہیں' اس کو پھر پانی میں غوطہ لگواتے ہیں، پھر خاردار تار میں اس کا بدن چھلتا ہے' پھر اس کو کہتے ہیں کر اس کنٹری ریس لگاؤ۔ کر اس کنٹری بیچارہ لگا تا ہے۔ میں صدقے جاؤں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پھر آ کے اس کو ناشتہ ملتا ہے۔ کتنی بری بات ہے لیکن ہرگز بری بات نہیں۔ اس کو تو کارگل کے اوپر Face کرنا ہے دشمن کو، وہ تو وہاں کھڑا ہے ایسی برفوں میں، جہاں اور کوئی کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اس طرح عورت جو تھی وہ ایک طاقتور Phenomenon تھی، اور اس کو مضبوط ہونا تھا، اور ان کی مضبوطی دشمنی کی بات نہیں ہے۔ یہ جھاکا جو ولایت والے دیتے ہیں جھوٹ کہتے ہیں۔ ہماری تو عورت، بہت عزت دار ہے، اس سے بڑی محبت ہے اتنی محبت ہے کہ دنیا کا واحد ملک ہے، جہاں ہر ایک شے کے پیچھے، ہر گاڑی پر ماں کی دعا لکھا ہے۔ کبھی کسی نے باپ کی دعا نہیں لکھا ہوتا۔ باپ سے نہیں۔ ہم محبت کرتے ہیں ماں سے کرتے ہیں۔ عورتیں پیاری ہوتی ہیں خیر۔ یہ ایک بات دوسری طرف بات چلی گئی۔

مورلک کہنے لگا یہ ٹوسٹر کی زندگی جو ہے یہ کامیاب آدمی پیدا کرتی ہے، اور سینک لگنے کی ضرورت ہے، لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ پاکستان کے اندر جو رویہ ہے وہ بڑا گڈی گڈی بڑا لیے دیے رہنے کا انداز ہے۔ ہاتھ ملتے رہتے ہیں آپ ہر وقت ڈٹ کر اپنے آپ کو نہیں بتا سکتے کہ آپ پاکستانی ہیں، اور آپ کا، ایک فخر ہے، جیسا کیسا بھی فخر ہے۔ تو میں نے کہا، بھئی ہمارا کیا فخر ہے ہم تو بالکل شرمندہ ہیں۔ مثلاً ہم میں کیا خوبی ہے۔ اس نے کہا کہ دنیا کی واحد قوم ہے جو بڑی مہمان نواز قوم ہے۔ ٹھیک ہے، ہم غریب ہیں ہم چھوڑ رہے ہیں اپنی روایات۔ لیکن آپ سیالکوٹ میں جائیں کہیں گے جی کھانا کھا کے جائیں۔ ہمارے امریکہ میں یہ نہیں ہے ہالینڈ میں یہ نہیں ہے آپ اس پر فخر نہیں کر سکتے؟ میں نے کہا، نہیں ہم ڈرے ہوئے لوگ ہیں، اور ہم فخر نہیں کر سکتے۔ اس نے کہا، پھر اپنے آپ کو تھوڑا سا ٹوسٹر میں رکھا کرو۔ سینک لو، پھر فخر کی بات کرو۔ میں نے کہا، یہ یار تم عجیب سی بات کرتے ہو۔

کہنے لگا، جی بڑی دیر کی بات ہے پرانے زمانے میں چائنا میں جب منگ خاندان کے بادشاہ ہوا کرتے تھے، ایک آدمی کو سوئی کی ضرورت پڑی۔ غریب آدمی تھا چائنا کے لوگ بہت غریب بے حد و حساب غریب تھے، تو اسے سوئی نہ مل سکی۔ تو ایک دن چلا جا رہا تھا خوش قسمتی سے، اس کو ایک لوہے کا اوزار، جس سے مٹی کھودتے ہیں وہ مل گیا، وہ بڑا خوش ہوا۔ ایک پتھر مل گیا اس کو گھسانے والا۔ اس نے کہا لو جی یہ تو بن جائے گی سوئی ساٹھ ستر سال میں۔ وہ گھسا کے ساری اُس نے باریک کر لی تھی۔ تو اس نے ساٹھ سال کے اندر وہ گھسا کے سوئی بنالی، اور اپنے کام میں لے آیا۔ یہ کرنے والے کا کام ہے، جو بھاگ جائے شکست خوردہ ہو جائے ڈر جائے مرعوب ہو جائے اس کے لیے پھر بڑا مشکل ہوتا ہے زندگی کا کام کرنا۔ جب اس نے یہ بات کی تو مجھے اپنے کالج کا زمانہ یاد آیا۔ میں سیکنڈ ایئر میں تھا، تو یہاں لاہور میں ایک جگہ فلیمنگ روڈ ہے، وہاں رہتے تھے، ابا نے لے کر دیا تھا، ایک چوبارہ، ایک ملازم اور ایک کمرا ساتھ تھا جہاں بیٹھ کے پڑھتے تھے، گاؤں سے آئے ہوئے۔ تو وہاں پر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پرانی میوہ منڈی میں ایک دکان کو آگ لگ گئی، وہ دکان تھی گروسری کی۔ آٹا، دال، نمک۔ بساطی کہہ لیں اس کی دکان تھی۔ اور وہ ایسی ظالم آگ لگی، لوگ بچارے بھاگے بالٹیاں لے کر، پریشانی کے عالم میں، فائر بریگیڈ بھی جیسا تھا اس زمانے میں گڑگڑاتا ہوا پہنچا، لیکن وہ ساری کی ساری دکان بالکل خاکستر ہو گئی۔ ہم اس آدمی کو جانتے تھے، جس کی یہ دکان تھی۔ اگلے دن کالج جانے کے وقت میں وہاں سے گزرا تو میں بڑا حیران ہوا، وہاں جو راکھ کا ڈھیر تھا نا سارا، اس کے اوپر ایک میز، اور کرسی لگا کر اس دکان پر بیٹھا ہوا تھا، اس کا مالک۔

اور اس نے ایک گتہ لکھ کر لگایا ہوا تھا "ساری دکان جل گئی خاک کا ڈھیر بن گیا، بیوی بچ گئی، بچے بچ گئے، الحمدللہ خدا کا شکر، کام بدستور جاری ہوگا، آج کے دن کی معافی چاہتا ہوں، کل دکان اسی میز پر کھولی جائے گی۔"

تو یہ ایک ارادہ اور ایک تہیہ ہوتا ہے۔ ایک من من ہوتا ہے، رونا پیٹنا، مارے گئے لوٹے گئے، جی برباد ہو گئے۔ اب ہم سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ اب ہم اتنی صلاحیت نہیں رکھتے کہ یہ ہم کام کر سکیں۔ تو جب تک آدمی کو زندگی میں سینگ نہ لگے، اور وہ مقابلہ نہ کرے نامساعد حالات کا، تو اس وقت تک اس کے اندر پوری صلاحیت پیدا نہیں ہوتی، جیسی ایک ٹرینڈ فوجی کی ہوتی ہے۔ اس میں آپ کتنے بھی نقائص نکال لیں، لیکن اس کا ایک چوکھٹا ہوتا ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں جو ایک اور قسم کے سکولوں میں پڑھے، ان کا میرے ساتھ آپ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ بڑے اچھے لوگ ہیں، بہت اعلیٰ درجے کی تعلیم دلوا رہے ہیں۔ ایک اس کے درمیان ہے۔ وہ بھی پڑھا رہا ہے، اپنی ترقی کر رہا ہے۔ زندگی کا انداز ان کا، اور ہے۔ ایک، اور ہیں جو دینی تعلیم کے پیچھے لگے ہوئے ہیں' خاص قسم کی پگڑیاں باندھ کر، خاص قسم کے رومال کندھوں پر رکھ کر، بہت اچھا کر رہے ہیں، ٹھیک کر رہے ہیں، لیکن ان کے درمیان ایک ربط باہمی نہیں ہے۔ تعلیم بسم اللہ الگ الگ ہو، بالکل اپنی مرضی کے مطابق ہو، لیکن ان لوگوں کے درمیان نہ صرف پل بنا ہوا ہو، ان کے اندر سرنگیں بھی چلتی ہوں، تاکہ جب موقع ملے، تو وہ سرنگ سے گزر کر جا کر پوچھ سکیں کہ خان صاحب کیا حال ہے، کس طرح سے ہیں۔ تو جب تک ہم وہ فریج والی زندگی کا اعادہ کرتے رہیں گے، ہماری مشکلات میں اضافہ ہوتا رہے گا، اور ہم جو اپنے آپ کو فریش اور تر و تازہ سمجھتے ہیں، اور ہم یہ یقین کیے بیٹھے ہیں کہ اس طرح کی زندگی بسر کرنے میں ہم کو نہ صرف آسائش میسر آئے گی، بلکہ ہم آگے بڑھ کر نامساعد حالات کا مقابلہ بھی کر سکیں گے، ایسا ہوگا نہیں۔

یہ بہت ضروری ہے کہ آپ کے حالات جو ہیں، وہ زمانے کے حالات کے ساتھ ٹکراتے رہیں، ورنہ گھوم پھر کر اسی طرف کو لوٹ کر آتے رہیں گے اور آپس میں جھگڑا کرتے رہیں گے کہ ہماری تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیے، ہماری تعلیم کو اس طرح سے چلنا چاہیے، ہمارے آپس کے تعلقات اس

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نوعیت کے ہونے چاہئیں۔ تعلقات تو جب ہوں گے جب آپ ایک دوسرے کے ساتھ ملیں گے۔ اس کے بغیر تو چارہ نہیں ہو سکے گا، پھر تو آپ کی آرزوئیں ہی آرزوئیں رہ جائیں گی۔ اور آرزو جو ہوتی ہے، وہ قال کی بات ہوتی ہے، گفتگو کی ہوتی ہے، گفتگو سے آگے کام بڑھتا نہیں ہے۔ میں آپ کو عرض کروں کہ مجھے بات یاد آ گئی پتا نہیں کرنی چاہیے کہ نہیں۔ ہمارے یہاں پر ایک صاحب تھے۔ انہوں نے اپنی بیوی کے نام خط لکھے اور اس کمال کے خط وہ تھے' اتنی محبت تھی ان میں، اتنی یگانگت، اتنا پیار کہ میں نے باوجود ایک ادیب ہونے کے ایسی انشا پردازی کے نمونے اردو زبان میں نہیں دیکھے تھے اور اس کی بیوی نے جو بدستور اس کو خط آتے رہے وہ چھاپ دیئے، مجھے تو جبھی پتا چلا۔ ورنہ مجھے اس نے دکھانے تو نہیں تھے۔ کتابی صورت میں چھپ گئے۔ چھپ کے جب سامنے آئے میں نے پڑھے' میری بیوی نے پڑھے' ہم ایک دوسرے سے شرمندہ ہوئے کہ دیکھو محبت تو اس کو کہتے ہیں، اور یگانگت اس چیز کا نام ہے، اور ایک دوسرے کو جاننا۔ وہ صاحب کہیں باہر تھے، دور ملک میں، کہیں ناروے وغیرہ یا کہیں اور۔ ظاہر ہے وہاں سے لکھے تھے۔ تو مجھے تھوڑے دن ہوئے ان کی بیوی ملی، میرے ساتھ متعارف ہوئی۔ میں ان کو جانتا نہیں تھا میں نے ان سے کہا، بھئی ہم نے خط پڑھے تھے، بہت حیران و پریشان ہوئے اور تم نے بہت اچھا کیا جو تم نے اسے کتابی صورت میں شائع کرایا' تو کمال کی چیز ہے وہ۔ کہنے لگی، ہاں سر جب وہ کتابی صورت میں چھپے تھے، اس کے ڈیڑھ مہینے کے بعد ہماری طلاق ہو گئی۔ میں نے کہا، میں تم سے ان خطوں کی بات کر رہا ہوں۔ تو وہ کہنے لگی، سر اصل میں وہ میں بھی آپ ہی کی طرح سمجھتی رہی۔ دراصل اس میں محبت کا شائبہ نہیں تھا۔ اس میں انشا پرادزی کا کمال دکھایا تھا صاحب نے۔ ہوتا ہے نا دسویں جماعت میں پرچا آتا تھا خط کشیدہ الفاظ کو اپنے فقروں میں استعمال کریں، ٹھیک ہے نا جی۔ مہنگائی، دردمندی، طمطراق وغیرہ۔ عجیب و غریب بات تھی۔ تو اس نے دکھایا تھا کہ دیکھو میں یہ لفظ بھی استعمال کرتا ہوں۔ محبت کے جتنے شعر ہیں۔ وہ بھی استعمال کرتا ہوں۔ تو اس لیے قال سے اور قول سے جو طاقتور لوگ ہوتے ہیں، وہ بڑی ہمت کے ساتھ بڑے طریقہ کے ساتھ۔ اور پھر میں یہ کہوں گا، بڑے سبھاؤ کے ساتھ' سبھاؤ ایک خاص رویہ ہوتا ہے جس میں کسی کو تنگ کیے بغیر Irritate کیے بغیر' کسی کو کسی کے ساتھ جھگڑا کیے بغیر' آسانی سے آدمی اس پر سے گزرتا چلا جاتا ہے۔ تو ابھی یہ بات چونکہ چلی تھی تو اس میں میں عرض کر رہا تھا کہ اب ہم کو اللہ کے واسطے اس قال کی دنیا سے کسی حد تک نکل آنا چاہیے۔ یہ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا اخباروں میں، کہ ہم کو چاہیے کہ ہم اسلام کے اصولوں پر عمل کریں یہ ''چاہیے'' جو لفظ ہے نا، یہ اب ختم ہو جانا چاہیے۔ چھوٹے بچے کو ہم کہتے ہیں کہ پیارے بچے تم کو چاہیے کہ سیدھے پاؤں کا بوٹ سیدھے میں ڈالو، الٹے پاؤں کا بوٹ الٹے میں۔ چھوٹے بچے دیکھے ہیں' اکثر الٹا بوٹ پہنتے ہیں تو ان کو ''چاہیے'' کہہ سکتے ہیں لیکن ایک قوم میچور

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہو جائے یا دن برس اس قوم کی عمر ہو جائے' اسے بار بار یہ کہتے ہیں، ہم کو چاہیے کہ ہم ساری برائی ترک کر دیں۔ یہ بڑا مضحکہ خیز اور شرمناک سا فقرہ لگتا ہے، یا ہم کو چاہیے ہم ایسا کریں۔

اس طرح کی جب نیوز آتی ہیں تو میں تو انہیں چھوڑ دیتا ہوں کہ یہ تو ایک لفظ چاہیے کا استعمال ہے، جیسے خط کشیدہ الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے، تو اس لیے اب ہم میچور ہو گئے ہیں، اب ہم بڑے ہو گئے ہیں، اللہ کے فضل سے ہم ترپن سال میں داخل ہو رہے ہیں۔

تو ہمیں مقابلے کی جوت ہے، دوسری قوموں سے مقابلہ کرنا ہے اور سب سے بڑی ذمہ داری کی جو میں بات کرتا ہوں کہ ساؤتھ ایشیا میں پاکستان وہ واحد ملک ہے جس کو دوسرے ملکوں کی Protection کرنی ہے، ان کو حفاظت عطا کرنی ہے، ورنہ ایک بہت بڑا ظالم ملک ہے یہاں۔ یہ چھوٹے چھوٹے ملک، نیپال ہے، بھوٹان ہے، سکم ہے، سری لنکا، برما ہے، افغانستان ہے۔ یہ پاکستان کی ذمہ داری ہے' یہ میری اور آپ کی ذمہ داری ہے۔ ہم طاقتور قوم ہیں' بڑی قوم ہیں' ہم ایک اٹامک انرجی کی مالک قوم ہیں۔ ہمیں تو نہ صرف اپنے آپ کو، بلکہ ساؤتھ ایشیا کی ذمہ داری ہم پر آ گئی ہے۔ اٹامک پاور بننے کے بعد ہم نرم، اور پلپلے ہو کر رہے تو پھر تو یہ کام نہیں ہو گا۔ پھر تو بہت مشکل پڑ جائے گی۔ ہم بہت پائندہ قوم ہیں، اور ہر آدمی کو ہر وقت چلتے ہوئے' سوچتے ہوئے کوتاہیاں کتنی بھی ہو جائیں گرتا پڑتا رہے آدمی، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ میرا ٹارگٹ کیا ہے؟

حرم شریف میں مجھے ایک آدمی ملا۔ لمبی کہانی ہے، لیکن اس نے اپنی پگڑی دھو کے زم زم میں ڈالی ہوئی تھی۔ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی۔ میں نے پوچھا، کون ہے؟ کہنے لگا سائیں ہم پاکستانی ہیں۔ میں نے کہا' کہاں سے آئے ہیں۔ کہا ہم سندھ سے آئے ہیں۔ میں نے کہا' آپ کب سے ہیں یہاں۔ کہنے لگا' مجھے اکیس برس ہو گئے ہیں یہاں رہتے ہوئے۔ میں نے کہا' سبحان اللہ، کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا' سائیں ہم منڈی بوجھا ڈھونڈتے ہیں۔ صبح وہاں سے چار پانچ ریال مل جاتے ہیں۔ کھانے پینے کا اللہ کا شکر ہے، پھر ہم حرم میں آ کے بیٹھ جاتے ہیں۔ سائیں اس کو دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا، سبحان اللہ بڑے خوش نصیب ہو۔ تو میں نے کہا، سائیں تم یہاں حرم شریف میں اتنی دیر سے کیا کرتے ہو۔ کہنے لگا، سائیں ہم گر پڑتے ہیں اور پھر اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر گر پڑتے ہیں، پھر اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو انسان کا یہی کام ہے پھسلتا بھی ہے، گرتا بھی ہے، لیکن پھر اٹھ کر کھڑے ہونے کا کام بھی ہے، جو سندھی بابا نے بتایا۔ اس سندھی بابا کو سلام ہو جو مزدور تھا، جس نے لاکھ روپے کی، کروڑ روپے کی بات کی، کھڑے ہو جانے کی، تو ان کو سلام ہو۔ آپ کو سلام۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

Snap Shot

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچے۔

زندگی کے اطوار بھی عجیب وغریب ہیں اس میں نشیب وفراز' تاریکی' روشنی' ظلمت' نور کے مظاہر آتے ہی رہتے ہیں، لیکن ہمارے بابے ایک بات سے بطورِ خاص منع فرماتے ہیں کہ اگر کبھی خدا نخواستہ، اللہ نہ کرے آپ کو دوزخ میں جانے کا اتفاق ہو، تو وہاں سے جلدی فرار اختیار کر لیں۔ اگر مشرق کا دروازہ کھلا ہے تو اس کی طرف منہ کر کے نکل جائیں پچھم کا' پورب کا' جدھر سے بھی آپ آسانی کے ساتھ نکل سکیں، وہاں سے نکل جائیں، اور ہرگز ہرگز رکیں نہیں۔ زندگی میں ایسے مقام آ جاتے ہیں، آدمی پھنس جاتا ہے۔

لیکن بابے کہتے ہیں، ہمارا مشاہدہ ہے، اور ہمارا تجربہ ہے کہ جب بھی آدمی دوزخ میں جاتا ہے' اس میں پھنستا ہے تو وہ بجائے وہاں سے بھاگنے کے، دوزخ کے اندر' دوزخ کے فوٹو کھینچنے لگتا ہے، وہ Snap Shot لینے لگ جاتا ہے، اور اس کی تفصیلات اکٹھی کرنے لگ جاتا ہے، اور پھر جب جا کے خوش قسمتی سے اس کو موقع نصیب ہوتا ہے، تو پھر وہ وہاں سے نکلتا ہے' ورنہ وہ دوزخ اور جہنم کی تصویریں ہی اتارتا رہتا ہے، اور آج تک کوئی آدمی ایسا نہیں گزرا ہوگا، جس نے یہ کام نہ کیا ہو۔ تو ہم بڑے حیران ہوتے ہیں' ان کی اس بات پر' اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ Snap Shot لینے کے بعد وہ بڑی محنت اور محبت کے ساتھ ان تصویروں کو رنگین بروما ئیڈ کی صورت میں کاغذ پر اتارتا ہے' بلیک اینڈ وائٹ فوٹو تیار کرواتا ہے، اور ان کے البم تیار کر کے زندگی بھر اپنے ساتھ اٹھائے اٹھائے پھرتا ہے، اب یہ بات بڑی عجیب وغریب سی لگتی ہے، لیکن جب وہ اس بات کو کھولتے ہیں، تو پھر پتا چلتا ہے کہ بات واقعی حقیقت ہے، اور وہ اعلیٰ درجے کی زندگی گزارنے کے باوصف ہمیشہ آپ کی خدمت میں وہ فوٹو پیش کرتا رہتا ہے' جو دکھ اور تکلیف کے زمانے میں ایک لمحے کے لیے چاہے آیا ہو، اس نے گزارے تھے۔ اس لیے وہ کہتا ہے کہ میرے البم کو دیکھیں میں نے کیسی مشکل سے وقت گزارا ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہم سارے تقریباً اسی طرح سے کرتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ جب پاکستان بنا، اور میں یہاں آیا تو اکیلا میں یہاں تھا۔ میرے گھر کے لوگ ساتھ نہیں آ سکے۔ ہم بلند شہر کے رہنے والے تھے۔ میں نے الہ آباد یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا تھا، اور فرسٹ ڈویژن میں کیا تھا اور لائق لڑکا تھا۔ یہاں آ کر میں لاہور میں نہر کنارے، یہ جو نہر ہماری لاہور کے بیچ چلتی ہے، کھڑا تھا اور بے یار و مددگار یہ سوچ رہا تھا کہ میں کہاں آ گیا ہوں، اور میری زندگی کس طرح سے یہاں پر بسر ہو رہی ہے۔ اتفاق ایسا ہے کہ مجھے ایک شخص مل گیا، اس نے کہا، میرے بیٹے کو تعلیم دو، تم کو میں سو روپیہ مہینا یا پچاس روپیہ مہینا دیا کروں گا' چنانچہ کہنے لگا میں بڑی مشکل میں، تنگ حالی میں ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں ان کے بچوں کو پڑھاتا رہا۔ روٹی، کپڑا، اور مکان یہ چیزیں مجھے میسر آئیں، لیکن وہ بہت برے دن تھے، اور میرے اوپر بہت بڑا بوجھ تھا، اور میں بڑا دکھی تھا، اور مجھے سب سے بڑا دکھ اس بات کا تھا کہ وہ خوراک جس کا میں عادی تھا وہ مجھے یہاں نہیں ملتی تھی، یہاں کی کچھ اور طرح کی تھی۔ تو کہنے لگا، اس کے بعد میں نے C.S.S کا امتحان دے دیا جو پہلا امتحان ہوا تھا، تو اس میں میں آ گیا، تو پھر میں نے یہاں ٹریننگ لی۔ ٹریننگ لے کر میں یہاں پر ملتان میں A.C لگ گیا، تو وہاں پر زندگی کے دن گزارتا رہا، اس کے بعد میری سرگودھا تبدیلی ہو گئی۔ سرگودھا تبدیلی ہو گئی، تو پھر میں تھوڑی دیر بعد شیخوپورہ کا D.C لگ گیا۔ شیخوپورہ کا D.C لگنے کے بعد، میری خدمات جو تھیں، وہ سنٹرل گورنمنٹ نے لے لیں، اور میں منسٹری آف کامرس میں چلا گیا۔ اکنامکس کا کوئی اچھا بندہ تھا۔ وہاں چلا گیا۔ وہاں جانے کے بعد چار پانچ سال کی سروس کے بعد میرے صوبے پنجاب نے مجھے پھر مانگا اور میں یہاں آ گیا۔ خیر وہ ایک زمانے میں لاہور کے کمشنر بھی رہے، لیکن وہ کہتے ہیں میں بڑا دکھی ہوں۔

یہ میرے البم دیکھیں۔ میں جس کسمپرسی کی حالت میں یہاں وقت گزارتا رہا ہوں، یہ بڑا دردناک، اور تکلیف دہ وقت تھا، اور اللہ کسی کو ایسا وقت نہ دکھائے۔ اس کے بعد وہ یہاں سے ولایت چلے گئے۔ ولایت میں پاکستان کی نمائندگی انہوں نے U.N.O میں کی۔ اس کے بعد انہوں نے ورلڈ بینک میں ہماری نمائندگی کی یا انہوں نے خود سروس کر لی، وہاں رہے، وہاں سے ریٹائر ہوئے پھر ان کی ایک اعلیٰ درجے کے گھر میں، کوٹھی یہاں بھی تھی، کراچی میں بھی تھی۔ لیکن جب بھی ان سے ملاقات ہوتی ہے، وہ اپنے دکھ کا ہی ذکر کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں، بہت تکلیف دہ وقت میں نے گزارا۔ ان سے میں نے کہا، اتنا دکھی وقت کیا تھا۔ کہنے لگا، جس گھر میں میں رہتا تھا، وہاں پر ہر تیسرے روز ٹینڈے پکتے تھے اور مجھے ٹنڈے اچھے نہیں لگتے، تو میری زندگی کا دکھ سب سے بڑا یہ ہے کہ مرضی کے خلاف ٹنڈے کھانے پڑے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میں کمشنر بھی رہا لاہور کا، لیکن مجھے ان ٹنڈوں کا دکھ نہیں بھولتا، اگر انہوں نے تھوڑا سا وقت جہنم میں گزارا تھا، تو اس کے پاس اس کے فوٹوگراف بہت

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تھے۔ آپ کو اکثر آدمی ملتے ہوں گے جو ہر وقت زندگی میں اپنے ان دکھوں کی بات کرتے رہتے ہیں، جو تھوڑے عرصے کے لیے آئے اور پھر گزر گئے اور اب وہ اللہ کے فضل سے ٹھیک ٹھاک ہیں۔ انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا، اللہ نے مجھ پر کیسے اچھے دن لائے، اور میں کس خوش بختی کے ساتھ اپنی زندگی خوش و خرم گزار رہا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ بھاجی آپ کو کچھ نہیں پتا ہم نے بڑے بڑے دکھ برداشت کیے ہیں۔ بڑے مشکل راستوں سے گزرے ہیں۔ میں سمجھا سکا ہوں نا اپنا مطلب، سمجھ گئے آپ؟ ایک ہماری خاتون مجھے ابھی تھوڑے دن ہوئے ملی کہ وہ بے چاری کہہ رہی تھیں، بھائی جان! میں بھی فیروز پور کی رہنے والی ہوں، اور میں ٹینکاں والی بستی میں تھی۔ میں نے کہا، اچھا وہاں تو ہمارے اچھے خاصے مسلمانوں کے گھر تھے۔ کہنے لگی، میں چھوٹی سی تھی میرے والد فوت ہو گئے، میرے والد گارڈ تھے وہ میری چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے۔ ہم تین بہن بھائی تھے۔ دو میرے بھائی تھے، ایک اوپر کا، ایک نیچے، میں درمیان میں تھی۔ میری والدہ نے بڑے دکھ سہے ہیں، اور بہت مشکلات میں وقت گزارا ہے، اور ہم نے بہت تکلیف دہ دن دیکھے ہیں، جب میں ان کو یاد کرتی ہوں، تو روتی رہتی ہوں ہر وقت۔ تو میں نے کہا، اب کیسی ہو۔ کہنے لگی، ٹھیک ہے، اللہ کا شکر ہے، جو بھی وقت گزر رہا ہے ٹھیک ہے، لیکن اتنے تکلیف دہ حالات سے گزرنا اور گزر کر یہاں پہنچنا یہ ایک ایسا تکلیف دہ عمل ہے کہ اس میں لوگ آسانی کے ساتھ دور تک چل نہیں سکتے۔ میں نے کہا، بی بی اب آپ کہاں ہوتی ہیں۔ کہنے لگی، میں وہاں ہوں چکلالہ میں۔ تو میں نے کہا، آپ کیا کرتی ہیں۔ کہنے لگی، میرے خاوند بریگیڈیئر ہیں اور تین میرے بچے ہیں۔ ایک نے C.A کیا ہے، وہ یہاں لگ گیا تھا ایک فارن فرم میں، پھر وہ اس کو امریکہ لے گئے وہ وہاں پر ہوتا ہے، اور جو چھوٹا ہے وہ پروفیسر ہے، وہاں پر راولپنڈی میں، اور جو سب سے چھوٹا ہے وہ کمپیوٹر کا کچھ کر کے چلا گیا ہے باہر۔

تو بھائی جان ہم نے بڑے دکھی دن دیکھے ہیں، ہم بڑے مظلوم لوگ ہیں اور ہمارے اوپر بہت تکلیف دہ وقت گزرا ہے، اور بچپن جو تھا میرا اور جوانی، وہ ایسی مشکلات میں گزری تو سارا دکھ کا اظہار کرتی۔ تو میں نے کہا بی بی اب تو ماشاء اللہ بہت اچھی ہیں' بڑی اعلیٰ درجے کی' آپ کو کوٹھی بنگلہ ملا ہوگا' کار ہوتی ہے آپ کی بڑی سیاہ رنگ کی، اس کے اوپر ایک سٹار لگا ہوتا ہے۔ کہنے لگی، آئی تو اس میں ہوں، وہ باہر کھڑی ہے، لیکن دکھ بڑا ہے جناب، ہم بہت مظلوم ہیں۔ تو جب یہ ساری باتیں میں نے سنیں تو مجھے خیال آیا کہ مجھے بھی کوئی اپنا دکھ یاد کرنا چاہیے۔ میں تو اللہ کے فضل سے بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ تو مجھے بھی ایسے دکھ اکٹھے کرنے چاہئیں۔ مجھے بھی کچھ دکھ کے، جہنم کے فوٹو کھینچ کے اپنی البم تیار کرنی چاہیے تھی تاکہ میں بھی بچوں کو بتا سکوں، بیٹا تم کو پتا نہیں ہم نے بڑی مشکل میں وقت گزارا ہے۔

مجھے خیال آیا اور تھوڑا سا اس بات پر میری بیوی نے برا مانا۔ ایک زمانے میں مَیں ایک پرچہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

رسالہ نکالتا تھا ماہنامہ' بڑا خوبصورت رنگین "داستان گو" اس کا نام تھا، تو ہماری مالی حالت درمیانی تھی، لیکن اس پرچے کو نکالنا میں اپنا فرض سمجھتا تھا کہ کیونکہ وہ لوگوں کو بہت پسند آ گیا تھا' تو اتنے پیسے نہیں تھے۔ تو میں ایک دفعہ اس کا کاغذ خریدنے کے لیے گیا۔ یہاں ایک گپت روڈ ہے، وہاں پر کاغذ کی مارکیٹ ہے۔ وہاں کاغذ خریدنے گیا تو کاغذ کا ایک رم خریدا تو میرے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا کہ میں اس کاغذ کے رم کو کسی تانگے میں' کسی رکشہ میں' یا کسی ریڑھی میں رکھ کے لے آتا تو میں نے کاغذ کا رم لیا اس کو دوہرا کیا اور کندھے پر رکھ لیا۔ بائیکل میں چلاتا تھا بڑی اچھی بائیکل تھی میرے پاس۔ تو میں سائیکل پر سوار ہو گیا اور جب چلا تو انار کلی میں اس وقت بھی خاصا رش ہوتا تھا۔ تانگے آ رہے ہیں، ریڑھے آ رہے ہیں، سائیکلیں اور جو بھی کچھ اس زمانے کی ٹریفک تھی وہ چل رہی تھی۔ تو کرنا خدا کا کیا ہوا کہ وہ کاغذ کا رم جو ہے، اس کے جو بینٹن لگا ہوا ہوتا ہے اوپر کا' مضبوط خاکی کاغذ وہ پھٹ گیا، اور پھر دیکھتے دیکھتے چھر۔ر۔ر۔ر کر کے پانچ سو کاغذ جو تھے وہ ساری انار کلی میں پھیل گئے، اور ادھر سے آنے والے جو تانگے تھے، اس کے پہیے ظاہر ہے گیلے ہوتے ہیں ایک کاغذ لپیٹ کر چر۔ر۔ر، اور میں دیوانوں کی طرح بھاگ بھاگ کر کہتا ذرا تانگہ روکو ایک کاغذ وہ لے گیا۔ ایک کاغذ وہ لے گیا۔ تو پھر بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا، میں نیچے بیٹھ گیا، اور کاغذ اکٹھے کرنے لگا کہ جتنے بھی بچ جائیں اتنے ہی غنیمت تھے۔ آہستہ آہستہ جتنے بھی کاغذ بچ سکے۔ کچھ تین سو ساڑھے تین سو ان کو میں نے اکٹھا کیا' لپیٹا۔ کسی شخص نے مجھے وہاں ایک چھوٹا سا سُتلی کا ٹوٹا دیا، وہ میں نے باندھا، اور باندھ کے پھر اسے کندھے پر رکھ کے چلا، تو پھر مجھے اپنی زندگی کے اوپر، اور اس حالت کے اوپر، اور ہتکِ عزت کے اوپر، اور ذلت کے اوپر، جو سب لوگ تماشا دیکھ رہے تھے، اور میں جھک جھک کے وہاں سے کاغذ اکٹھے کر رہا تھا بڑی شرمندگی کا بھی احساس ہوا، اور ندامت تو تھی ہی، ساتھ نقصان کا بھی دکھ تھا۔

جب یہ اکٹھے کر کے میں گھر آیا رونی صورت بنا کے تو میں نے یہ سارا واقعہ اپنی بیوی سے بیان کیا۔ اس نے بھی مجھے تسلی دی، لیکن وہ بھی میرے ساتھ اس غم میں شامل ہو گئی۔ یہ واقعہ گزر گیا۔ کئی سال بیت گئے، تو میں نے بھی اپنا ایک البم تیار کر لیا۔ دکھوں کے البم ساروں کے پاس ہوتے ہیں۔ تو میں نے بھی اس البم میں یہ واقعہ جو چھوٹا سا تھا، اور اگرچہ اتنا اہم نہیں رہا تھا کہ شامل کیا جاتا، تو میرے بچے اسے پڑھنے لگے جب میرا پہلا بیٹا آٹھویں نویں میں پہنچا تو میں نے اسے کہا، تمہیں پتا نہیں ہم نے کس مشکل سے وقت گزارا ہے۔ میں نے اور تمہاری ماں نے کتنی محنت کی ہے، اور کن دکھوں سے، اور کن مشکل راہوں سے گزرے ہیں۔ ایک دفعہ میں اپنا کاغذ خریدنے گیا، اور میں اسے انار کلی میں کندھے پر رکھ کے۔ اور میرا بیٹا حیرانی سے دیکھ رہا ہے کہ بیچارہ ابو کندھے پر رکھ کے یوں بائیسکل چلاتا ہوا گزرا، اور میں نے سارا واقعہ ' دیا۔ اس کے دل پر بڑا عجیب سا اثر ظاہر ہے ہوا ہوگا، تکلیف

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

وغیرہ۔لیکن میں اس کی نظروں میں ایک ہیرو بن گیا،اور میں خود بھی اپنے آپ کو ایک ہیرو سمجھتا گیا کہ دیکھو کن مشکلات اور حالات اور کیسے تکلیف دہ اوقات سے گزرا ہوں،پھر میرا دوسرا بچہ،اس کو بھی میں نے یہ بات سنانی شروع کی،اور جہاں جہاں میں بیٹھتا تھا،اپنا یہ البم کھول کے اس میں سے یہ رنگین تصویر نکال کے سب کو،اور پوری تفصیل کے ساتھ سناتا تھا،اس طرح بہت سارے سال گزر گئے۔تو ایک دن میری بیوی نے مجھ سے کہا (ظاہر ہے وہ بھی بابا جی کے Influence میں آ گئی تھی) یہ نہایت گھٹیا بات ہے جو آپ کرتے ہیں اور جس کے ساتھ میں بھی شامل ہوں،کیا ہوا اگر ایک چھوٹا سا ذرا تکلیف دہ وقت آیا،اور تم نے اس کو اتنا پھیلا کر کے اس کو پورا وہ جو کیا ہوتی ہے پینو راما سکرین کے اوپر سنانا شروع کر دیا،اس کو بند ہونا چاہیے۔تو میں نے کہا تو پھر میرے پاس تو یہ جو البم ہے،جس دکھ کی کیفیات میں نے بیان کی ہیں،یہ تو چلنی چاہئیں،کیونکہ ہر شریف آدمی کے پاس اپنی البم ہوتی ہے،اور وہ دکھ کے جو انہوں نے فوٹو کھینچے ہوتے ہیں سکرین پر،وہ کبھی بھی ان کو نہیں چھوڑنا چاہتا،چاہے کتنے اونچے درجے پر پہنچ جائے۔تو اس نے کہا،نہیں آپ اپنی البم کو دیکھیں۔میں نے اس میں تبدیلی کر دی ہے،ان تصویروں کو میں نے کارٹون میں بدل دیا ہے،ایک ہنسی کی چیز بنا دی ہے کہ زندگی میں ایک ایسا واقعہ بھی آیا،اور یوں گزر گیا تو یہ ہنسنے والی بات ہے نہ کہ اتنا دردناک رونے والی۔خوامخواہ آپ توجہ وصول کرتے ہیں،یہ صحت مند ذہن کی نشانی نہیں ہے،تو پھر مجھے خیال آیا کہ ان کی بات تو ٹھیک ہے۔

اب ہم اس کو ایک کارٹون کے طور پر استعمال کرتے ہیں،اور میرے بچے،اور پوتے تالیاں بجاتے ہیں کہ دادا کے ساتھ یہ ہوا ہوگا،کیسے کاغذ کے پیچھے بھاگے تھے۔میں نے کہا،میں ایسے ڈھک ڈھک کرتا ہوا بھاگا تھا،تو خوش ہوتے ہیں۔

ہمارے ایک اور دوست ہیں،وہ ہمارے علاقے ہوشیار پور کے ہیں،وہ جب بھی ہم میں بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں،جناب کیا وہ زمانہ تھا،اور کیا گھٹائیں کالے نیلے رنگ کی ہوتی تھیں،کوہِ شوالک کے اوپر آتی تھیں،اور ہر گھٹا کے آگے ایک بگلوں کی قطار ہوا کرتی تھی،یہاں پر وہ ساری چیزیں نظر ہی نہیں آتیں،اور ہم کتنے خوبصورت آم وہاں کے کھایا کرتے تھے۔

خواتین و حضرات!میں آپ کو بتاؤں،اور میرے دوست جو ہوشیار پور کے رہنے والے ہیں،مجھے معاف کریں کہ ہوشیار پور میں آم تو ضرور ہوتے تھے،لیکن اتنے کھٹے،اتنے کھٹے آم کہ آپ نے زندگی میں سلفیورک ایسڈ دیکھا ہوگا،وہ بھی اس سے تھوڑا سا پھیکا ہوگا۔میری والدہ مرحومہ کہا کرتی تھیں کہ یہ آم تو ایسے ہیں کہ اگر مردے کے منہ میں نچوڑ دیں،تو اٹھ کر بیٹھ جائے گا،اور کہے گا السلام علیکم۔

تو ایسے آم وہ ہوتے تھے،لیکن وہ وہاں رہتے ہیں،اور وہ ہمیشہ ایک ہی بات کا ذکر کرتے ہیں کہ اشفاق صاحب آپ کو یاد ہے نا کہ وہ آم ہوتے تھے،اور وہ نیلی گھٹائیں،وہ یہاں پر نہیں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہوتیں۔ وہ ایک گھر' ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی ہمارے ساتھ، ایک شیش محل، اس کے پاس، بیچارے کرایے پر رہتے تھے، اس کو انگریزی زبان میں Nostalgia کہتے ہیں، بہت سے لوگ اس پر کہانیاں بھی لکھتے ہیں' ناول بھی لکھتے ہیں، جو جگہ چھوڑ کر آئے ہوں، اس زمان و مکان کو جس کو آپ نے ترک کر دیا ہو، یا جو ماضی میں آپ کی زندگی میں سے ہو کر گزرا ہو اور آپ اداسی کی حالت میں اس کو یاد کرتے ہوں، اس کو "ناسٹلجیا" کہتے ہیں۔ اور اس کی ایک بڑی پکی نشانی یہ ہے کہ اگر ناسٹلجیا کے مریض سے، جو یادوں کی کہانیاں، افسانے، ناول لکھتا ہے، اس سے اگر یہ کہا جائے کہ چل تجھے اس جگہ واپس لے چلتے ہیں تو، کبھی نہیں جائے گا وہاں پر۔ کیونکہ یہاں پر اتنی آسائش کی زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے۔

تو یہ ہمارے دوست ہمیشہ وہی پرانے زمانے کی بات دہراتے رہتے ہیں اور یاد کرتے رہتے ہیں۔ سارے ہوشیار پور میں تین چار یا دس آم میٹھے مل ہی جاتے تھے، لیکن اس وقت تو میں اس سے کہتا ہوں، ناسٹلجیا والے بندے سے کہ تم اس کو یاد کرتے رہتے ہو، اور دکھی ہوتے رہتے ہو، مجھے یہ بتاؤ، اب تم کہاں ہو؟ تو وہ کہتا ہے، آج کل میں ملتان میں ہوں، اور میرے دو آموں کے باغ ہیں۔ سچ، وہ مالک ہے اس کا، ایک تو ثمر بہشت کا باغ کا ہے اس کا، اور ایک انور رٹول کا باغ ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ میں نے بڑی محنت سے تیار کیا۔ مجھے افسوس ہے کہ یہاں ہم اسے بیچ نہیں سکتے۔ میں اسے ایکسپورٹ کرتا ہوں، لیکن ان دونوں بڑے باغوں کے باوصف جن کا میں مالک ہوں وہ جو آم ہوتے تھے نا، وہ مردے کے منہ میں نچوڑنے والے ہوتے تھے۔ وہ میں ضرور یاد کروں گا، یہ ناشکر گزاری کی بات نہیں ہوتی ہے۔ انسان کے اندر بابوں کے کہنے کے مطابق ایک ایسی خرابی پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر وہ کبھی بھی تکلیف سے گزرے ہوتے ہیں، چاہے تھوڑے عرصے کے لیے ہوں، وہ اس کے زیادہ سے زیادہ فوٹو کھینچ کر اپنے پاس محفوظ کر لیتے ہیں، اور جب بھی آپ سے ملتے ہیں، اچھے بھلے ہیں، خیریت کے ساتھ ہیں۔ پہلے کے مقابلے میں دس گنا بلکہ سو گنا زیادہ آرام میں ہیں، لیکن وہ دکھ کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ کے ساتھ بھی کئی خواتین کرتی ہوں گی کہ بہت مشکل میں وقت گزارا اس صورت حال سے نکلنے کے لیے پھر ایک صحت مند ذہن، اور ایک صحت مند روح کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ روحیں بھی ماؤف ہو جاتی ہیں' وہ بابے فرماتے ہیں کہ اگر کبھی خدانخواستہ آپ کو کسی وجہ سے دوزخ میں جانے کا اتفاق ہو تو وہاں سے بھاگ کر گزرنے کی کوشش کریں' وہاں کھڑے ہو کر اس کے فوٹو نہ اتارنے لگ جائیں اور ان کے البم تیار کر کے لوگوں کے سامنے' جیسے فقیر دردناک نہیں دیکھے آپ نے' کچھ تو ہوتے ہیں پٹی لپیٹ کے' ٹنڈے ہاتھ دکھا کے آپ سے رحم کی بھیک مانگتے ہیں، تقریباً تقریباً خواتین و حضرات اسی طرح سے وہ لوگ جو آپ کے دوست ہیں' عزیز ہیں' رشتے دار ہیں' ایسی کہانی سنا کر آپ سے جذبہ' ترحم، آپ کی توجہ کی بھیک مانگتے ہیں، میں اور آپ اللہ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اے خدا ہم کو اس قسم کی مصیبت میں یا اس قسم کے عارضے میں مبتلا نہ کرنا، اگر ہمارے اوپر کبھی کوئی مشکل وقت آئے تو ہم وہاں سے بھاگ کر گزر یں، اور پھر اس کا ذکر نہ کریں کہ آتا ہے وقت، اور پھر گزر جاتا ہے۔ چنانچہ ان بڑے لوگوں کے قصے جب آپ بیان کرتے ہیں ہمارے اوّلون، اور سابقون کے، تو ان کی زندگیوں میں آپ کو سب سے اعلیٰ درجے کی سب سے ارفع چیز یہی ملے گی کہ وہ اپنے گزرے ہوئے دکھوں کا، اور تکلیفوں کا ایسے اظہار نہیں کرتے تھے۔ بڑا انسان بننے کے لیے انسان کو وہ مثبت پہلو پیش کرنا چاہیے جو اس کی زندگی کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ ہم میں تھوڑی سی عادت پیدا ہو چکی ہے اب ہمارے ملک کے لوگوں کی، کہ دکھ' تکلیف' نا آسودگی کا اظہار بہت زیادہ Exaggeration کے انداز میں بہت زیادہ مبالغہ آمیز انداز میں بیان کرتے رہتے ہیں۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

قول اور نفس

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کو سلام پہنچے۔

قول کی حد تک نفس راضی رہتا ہے اور خوش ہوتا ہے، لیکن جب عمل کی صورت میں جانا پڑے، تو پھر گھبراتا ہے، اور خدمت کسی بھی صورت میں قبول نہیں کرتا۔ یہ ایسی بات تھی جو ہم کو سننی پڑی پہلی مرتبہ ڈیرے پر جا کر، تو اس کا مفہوم کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ پہلی بات یہ کہ ہمارے لیے نفس کا تصور ہی نہیں تھا کہ یہ کیا چیز ہے۔ دوسرے یہ کہ قول کیا ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ خدمت کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ ہم نے بابا جی سے پوچھا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ انہوں نے مجھ سے پوچھا، آپ کیا کرتے ہیں۔ میں نے کہا جی میں افسانے لکھتا ہوں۔ کہنے لگے وہ کیا ہوتا ہے۔ میں نے کہا، جی کہانیاں۔ میں وہ لکھتا ہوں۔ کہنے لگے یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ بڑی خوشی ہوئی' لوگ پڑھتے ہیں' سنتے ہیں۔ میں نے کہا، جی ہاں۔ کہنے لگے، آپ نے کتنی کہانیاں لکھیں، اب تک۔ میں نے کہا کوئی سو کہانیاں لکھیں۔ کہنے لگے یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ کہنے لگے سو کہانیاں تو بہت ہوتی ہیں' اتنی چھوٹی عمر میں آپ نے لکھیں۔ مجھے یہ بتائیں، اس میں حال پر کتنی کہانیاں لکھیں۔ یہ میرے لیے ایک نیا لفظ تھا، جیسے آپ کے لیے بھی نیا ہے کہ ''حال پر'' کا کیا مطلب؟ وہاں ان کے سیکرٹری صاحب تھے انہوں نے کہا' بابا جی یہ پوچھتے ہیں آپ کے اوپر حال کی صورت میں گزری ہوئی کہانی جو آپ نے لکھی ہے' یعنی وہ آپ کی زندگی کا ایک حصہ ہو۔ آپ پر گزری ہو آپ کا حال رہا ہو، آپ کی کیفیت رہی ہو، تو میں سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے کہا، سر جس بات کا تعلق میرے حال سے ہے میرے مشاہدے سے نہیں' میرے مطالعے سے نہیں' بلکہ میری اندر کی ذات سے ہے وہ تو ان سو میں سے شاید تین بنتی ہیں۔ تین یوں کہ ایک دفعہ مجھے ایف۔اے میں ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی، تو وہ بیچاری فوت ہو گئی تھی۔ وہ کہانی میں نے بڑے دردناک انداز میں لکھی تھی، جی وہ تو میرا ایک حصہ تھا۔ اس طرح سے دو اور کیفیات میں سے گزرا ہوں۔ تو کہنے لگے باقی ستانوے آپ نے کیسے لکھیں۔ میں نے کہا پڑھ پڑھا کے' اخبار میں کچھ چھپا کہ ملتان

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں یہ ہو گیا' ساہیوال میں یہ کیفیت گزری' پنوں عاقل کے لوگوں کے اوپر یہ ہوا، تو اس کی کہانی بنا ڈالی۔ کہنے لگے، نہیں یہ تو نفس کو دھوکا دینے والی بات ہے، اور قول کو ایسے ہی پھیلانے والی بات ہے۔ ہم سوچنے لگے غور کرنے لگے کہ نفس ہوتا کیا ہے۔ جناب نفس ایک اہم شے ہے۔ آپ نے کبھی وہ باجا دیکھا ہے جو پرانے زمانے میں ہوتا تھا، جس پر توے لگتے تھے۔ Disk چلتی تھی۔ پرانے گھروں میں ہوتا ہے۔ اس میں ہم چابی بھرتے تھے، تو اس کے اندر ایک چار گٹوروالا گورنر چلتا تھا۔ وہ سپیڈ کو باندھ کر رکھتا تھا۔ نہ وہ کم ہونے دیتا تھا' نہ بڑھنے دیتا تھا۔ ایسے ہی جیسے ایک پنکھے کا Regulator ہوتا ہے، اس طرح نفس بھی انسانی وجود کے اندر ایک Regulator ہے، اور وہ اپنی مرضی کے ساتھ وجود کا اتار چڑھاؤ' گرمی سردی' مزاج مقرر کرتا ہے۔ جیسے آپ کے A.C یونٹ میں ہوتا ہے۔ کبھی اس کو فین Fan پر کر دیتے ہیں' کبھی اس کو یونٹ پر کر دیتے ہیں، جیسے آپ کی کار کا سٹیئرنگ ہوتا ہے، جیسے آپ کے ہوائی جہاز کا Telescope ہوتا ہے کہ اونچا نیچا ہونے پر وہ بتاتا رہتا ہے کہ کتنا اونچا گیا ہے۔ اسی طرح انسانی وجود کے اندر اس کا نفس ایک Telescope ایک سٹیئرنگ ہے، وہ اس کو بتاتا رہتا ہے کہ تو میری مرضی کے مطابق کام کر۔ اپنی مرضی کے مطابق یا جو تجھے احکام ملے، یہ مت کر، اور پھر ہم سوچتے ہیں یہ بدبخت کدھر سے آ گیا۔ ہم نے نہ اسے بازار سے خریدا' نہ اسے رشتے داروں سے لیا، نہ اسے کہیں سے منگوایا ہے۔ تو دو سال کی عمر تک کے بچے کے اندر تو نفس موجود نہیں ہوتا۔ وہ بڑی خوشی کے ساتھ دوسرے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے کھلونے شیئر کرتا رہتا ہے، اور ان کے ساتھ لڑائی کرتا ہے۔ چھینا جھپٹی' بھاگا دوڑی، لیکن اس کے اندر کسی قسم کی منافقت یا رنجش پیدا نہیں ہوتی، پھر سے دوست بن جاتے ہیں، پھر کھیلنے لگتے ہیں۔ وہاں پر اس کا نفس موجود نہیں، لیکن دو سال کی عمر گزرنے کے بعد ماہرین کہتے ہیں نفس کا بیج بویا جانے لگتا ہے، اور یوں سمجھیں آپ کی آسانی کے لیے کہ یہ نفس کمزور ایسے ہی ہوتا ہے، جیسے آپ اپنے گھر میں مری جاتے ہوئے، سوات جاتے ہوئے، یا صحت افزا مقام پر جاتے ہوئے اپنے ملازم کو چھوڑ گئے ہیں، وہ گھر کی نگہداشت کرے۔ تو جب آپ لوٹ کر آئیں تو وہ ملازم گھر کا مالک بن جائے اور آپ سے پوچھے، جناب آپ کیا چاہتے ہیں؟ کس سے ملنا ہے؟ وہ کہے، میری مرضی کے بغیر' میری اجازت کے بغیر یہاں کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ میں آپ کو کنٹرول کروں گا۔ اس نفس کی جو سب سے زیادہ مرغوب غذا ہے وہ قول ہے' گفتگو ہے۔ گفتگو سے یہ بہت موٹا ہوتا ہے اور یہ اپنی گفتگو کو عام کرنے میں لوگوں کو مرعوب کرتا ہے۔ اس کی مرغوب غذا تو قول ہے، لیکن لوگوں کو اپنے اختیار میں رکھنا، اور ان کو مرعوب کرنا یہ اس کا فعل ہے۔ تو یہ ذرا پیچیدہ سی بات شروع ہو گئی، کیونکہ باباجی کا خیال آ گیا تھا، قول کے ساتھ جب آدمی وابستہ ہوتا ہے، تو اپنے آپ کو بھی دھوکا دیتا ہے۔ لوگوں کو بھی دھوکا دیتا ہے، جیسے سیاستدان۔ وہ بڑی نیک نیتی کے ساتھ قول کی بات کرتے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہیں کہ جب میں حکومت میں آ گیا تو میں آپ کی تنخواہ دس ہزار روپیہ فی مہینا کر دوں گا۔ یہاں آ گیا تو گھر بنوا دوں گا۔ آپ کے گھروں میں دیواروں پر کارپٹ اور پردے لگوا دوں گا اور ہم لوگوں سمیت بھی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کتنی اچھی بات کر رہا ہے۔ وہ شاید خود نہیں کر رہا ہوتا' اس کا نفس اس کے اندر چابی بھر کے کہہ رہا ہوتا ہے کہ کہہ دے، کیونکہ میں نے یہ آزما کے، اور پرتا کے دیکھا ہے کہ گفتگو کر دینا کافی ہوتا ہے۔ اس سے آدمی کبھی بھی تحقیق کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتا، وہ صرف کہنا اچھا لگتا ہے، مجھے ایسے ہی خیال آ گیا جب ہم مڈل میں تھے تو ہمارے ایک استاد تھے۔ وہ ہمیں جغرافیہ پڑھاتے تھے، لیکن وہ بہت موٹے تھے۔ ان کا جسم پلپلا تھا۔ کافی قد تھا۔ بچہ ان کا کوئی نہیں تھا۔ صرف بیوی تھی۔ ڈاکٹر نے ان کو ورزش کرنے کو کہا تو انہوں نے ورزش کرنے کی ایک کتاب خریدی، جس میں ورزش کرنے کے بارے میں ہدایات تھیں۔ تو وہ چارپائی پر لیٹ کر اپنی بیوی سے کہا کرتے تھے کہ میری پیاری بیوی مجھے یہ کتاب پڑھ کر سناؤ اور وہ سناتی تھیں۔ ہم ان کے پاس جاتے تھے، تو ہم ان سے پوچھتے ماسٹر صاحب آپ یہ کیوں سنتے ہیں؟ کہنے لگے، ڈاکٹر صاحب نے مجھے ایکسرسائز کرنے کا حکم دیا ہے۔ میری بیوی پڑھتی جاتی ہے، اور میں غور سے سنتا جاتا ہوں۔ اب وہ سمجھتے تھے کہ اس کے قول سے اور اس کے کہنے سے ایکسرسائز ہوتی رہے گی اور میرا وزن کم ہوتا رہے گا اور میں سمارٹ ہوتا رہوں گا۔ لیکن وہ بے چارے اسی موٹاپے میں فوت ہو گئے اور ان کی کوئی ایکسرسائز نہ ہو سکی۔ عمل اور قول میں یہ تضاد جو ہے نا' یہ ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے، اور عام زندگی کا اگر آپ مطالعہ کریں تو لوگوں کو منافق کہنے سے پہلے یا ان کو ڈبل سٹینڈرڈ کا کہنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لیں کہ ہمارے اندر بیٹھے ہوئے اس طوطے کا یہ فعل ہے جو ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ قول اور عمل کو ساتھ ملا کر چلنے سے البتہ آدمی کی فلاح کے راستے نکلتے ہیں۔

ایک دفعہ بہت بادل سا چھا گیا لیکن اس میں بادل کا کوئی قصور نہیں تھا۔ میں اور میرا بڑا بھائی جو کہ کلاس میں بھی مجھ سے ایک سال بڑے تھے۔ ہم کتنی دیر سے چلے، اور گھر سے سکول کا فاصلہ ذرا زیادہ تھا۔ جس گاؤں میں ہم رہتے تھے فاصلے پر تھا، اور اساتذہ ہمارے سخت تھے تو اندیشہ اس بات کا تھا کہ ہم دیر سے سکول پہنچیں گے۔ میری عادت تھی کہ جلد پریشان ہو جاتا تھا۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا بھائی صاحب! سکول تک ہم نہیں پہنچ سکتے' بہتر یہی ہے کہ یہاں بیٹھ کر اللہ سے دعا کریں کہ اے خدا ہماری مدد فرما اور یہاں بیٹھ کر چاروں قل پڑھیں اس کا اچھا اثر ہو گا۔ تو میرے بھائی نے کہا، اٹھو تیز تیز بھاگتے جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ قل بھی پڑھتے جاتے ہیں۔ خالی بیٹھ کر پڑھنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اس کے ساتھ یہ چیز مکس کر دو۔ تو یہ بات نفس پر گراں گزرتی کہ یہ اتنی ساری چیزیں لے کر ساتھ کیسے چلا جائے۔ بلکہ یہ تو زندگی میں چیزیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ اب چونکہ مجھے اپنے گاؤں کی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بیک گراؤنڈ یاد آ گئی، وہاں ہماری بہت بڑی منڈی تھی، وہاں ہفتے کا دانہ آتا تھا، کیونکہ Agriculture لینڈ تھی، وہاں ہمارا ایک آڑھتی تھا، وہ بہت "دردمند" قسم کا آدمی تھا۔ وہ اپنے گوداموں کو موٹے موٹے تالے لگا کر لمبی لمبی چابیاں لگا کر کہتا رہتا تھا کہ بیچارے غریبوں کا بہت برا حال ہے۔ اب بھی آپ نے اکثر سنا ہوگا، جس آدمی کے پاس بھی فارغ وقت ہوتا ہے، کہتے ہیں مہنگائی بہت ہوگئی۔ بیچارے غریب کیا کریں گے اب؟ اس کا مطلب ہوتا ہے کہ میں تو کافی امیر ہوں میں تو گزارا کرلوں گا بیچارے غریب کیا کریں گے۔ آپ بھی روز گفتگو میں کہتے ہیں۔ ایسے ہی وہ کہا کرتا تھا، بیچارے غریبوں کا برا حال ہے۔ ان کو ایک وقت کی روٹی نہیں ملتی کیا کریں۔ وہ قول کی بات کرتا تھا قول کے ساتھ وابستہ تھا اس کی زندگی ایسی ہی تھی۔

اس کا بیٹا ہمارا ہم درد تھا۔ ساتویں آٹھویں میں پڑھتا تھا اس کو یہ بات بہت ناگوار گزرتی تھی کیونکہ جب بھی کوئی فقیر یا گداگر آتا اور کہتا کہ اللہ کے نام پر مجھے ایک سیر گندم دے یا مکئی دے اس وقت سیر ہی وزن میں استعمال ہوتا تھا۔ تو وہ کہتا تھا، بھئی یہ اللہ نے کیا کیفیت بنا رکھی ہے، میں بڑا دکھی ہوں، تجھ کو اور تیرے بچوں کو اللہ سلامتی عطا کرے، اور تمہارے گھر پر بارش ہو نعمت کی فراوانی کی۔ فقیر بیچارا چلا جاتا تھا، اس کی باتیں سن کر۔ اس کا بیٹا اس سے ہمدرد تھا، تو اس نے ایک روز اپنے باپ سے کہا، باپو! تو ایسے کر کہ تو یہ جو لوگوں کی بہتری کا کام کرتا ہے نا، یہ میں کردوں گا۔ اس نے کہا، تو کیسے کردے گا۔ کہنے لگا، یہ گودام کی چابی مجھے دے دے تو دعا مانگتا رہ، میرے پاس چابی ہوگی۔ آڑھتی نے غصے سے کہا خبردار تو نے ایسی بات کی۔ دعا مانگنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے، اچھا اللہ بھلا کرے، لیکن چابی جو ہے وہ مضبوطی کے ساتھ لگی رہنی چاہیے۔ تو میں کہہ رہا تھا نفس کو ٹرینڈ کرنے کے لیے اور اس نفس کو صحیح راہ پر رکھنے کے لیے بزرگوں نے لوگوں نے سائنسدانوں نے سائیکوتھراپسٹ نے بڑے طریقے ایجاد کیے ہیں، لیکن یہ قابو میں نہیں آتا، اور ہر وقت آدمی کو Vigilant ہو کے Attentive ہو کے ہوشیار ہو کے چوکس ہو کے اس کی طرف نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے ورنہ آدمی کا انجام جو ہے، اچھا نہیں ہونے دیتا۔ شیطان اتنا نقصان نہیں کرتا۔ جتنا نفس کرتا ہے۔ اس کا بنیادی تعلق گفتگو کے ساتھ ہے اور بات کے ساتھ ہے اور یہ بات سے نکلنے نہیں دیتا۔

اس لیے آپ نے دیکھا ہوگا اس وقت بھی اس سے پہلے بھی، جب اخبار نہیں چھپتے تھے، الیکٹرانک میڈیا نہیں تھا۔ میرے جیسا پروگرام نہیں ہوتا تھا تو اتنی گفتگو نہیں ہوتی تھی۔ اب اخبار بھی چھپتے ہیں ایڈیٹوریل بھی لکھے جاتے ہیں کالم بھی روز آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، لیکن وہ سب کچھ جو ہونا چاہیے، وہ ہو نہیں رہا۔ یہ انسانی زندگی جو کہ ایک بڑا تناور وجود ہے اس کی ایک Entity ہے جس کا ایک بوجھ ہے اس کا سہارا نہیں ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ایک بادشاہ تھے، وہ شاید چین کے تھے یا کسی اسلامی دنیا کے تھے۔ ان کے ایک پیر تھے اور ان کے بہت بہت پیروکار، اور مرید تھے۔ ان کی تعداد ہزاروں میں تھی، تو لوگ حیران ہوتے تھے اور وہ جس راہ سے جس گاؤں قریہ سے گزرتے تھے مریدوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ تو جب وہ دربار بادشاہ یا خلیفہ کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے بڑی آؤ بھگت کی، اور ان کا بڑا جشن منایا تو تقریباً 50 ہزار ان کے پیروکار جو تھے وہ کھلے میدان میں جمع ہو گئے اور وہ سب اپنے مرشد کے درشن کرنے کے لیے دن رات وہاں بیٹھے رہے۔ بادشاہ نے بہت خوش ہو کر اس مرشد سے کہا آپ بہت خوش نصیب آدمی ہیں کہ آپ کے معتقدین کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ انہیں گنا بھی نہیں جا سکتا، اور دیکھیے کیا جم غفیر بیٹھا ہے۔ لوگوں کے سر ہی سر دکھائی دے رہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا، یہ جو سارے کے سارے بندے جو میرے مرید ہیں، اور یہ جو میرے معتقدین ہیں یہ سارے کے سارے قول کے آدمی ہیں۔

ان کا میری ذات کے ساتھ یا میرے وجود کے ساتھ یا میری روحانی درس و تدریس کے ساتھ کوئی گہرا تعلق نہیں ہے۔ یہ مجھے ماننے والے نہیں ہیں۔ بس چلے آ رہے ہیں میرے پیچھے پیچھے۔ آپ سڑک پر نکل کر کھڑے ہو جائیں اور ایک طرف آنکھیں اٹھا کر دیکھنے لگیں آہستہ آہستہ ٹریفک رکنے لگے گی اور کوئی نہ کوئی آدمی آپ کے ساتھ ساتھ منہ اٹھا کے ادھر دیکھنے لگے گا پوچھے گا نہیں کہ آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔ پھر ایک اور آ جائے گا، اس طرح بے شمار لوگ اکٹھے ہو جائیں گے۔ یہ ویسے ہی لوگ ہیں، اسی طرح کے۔ انہوں نے کہا، میں یہ بات نہیں مانتا یہ تو بہت گہرے عقیدت مند نظر آتے ہیں۔ ان کی دل و جان نگاہیں آپ پر لگی ہوئی ہیں۔ آپ یہ کیسے کہتے ہیں، یہ خالی قول کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔

انہوں نے کہا اگر آپ ٹیسٹ کرنا چاہتے ہیں تو یہ لیبارٹری ٹیسٹ ہے، اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ ہاں یہ جو پچاس ہزار آپ کو نظر آتے ہیں میرے مریدین میرے معتقدین، میری پیروی کرنے والے، ان میں سے صرف ڈیڑھ شخص ایسا ہے جو میری عقیدت والا ہے اور مجھ پر جاں نثاری کر سکتا ہے اور مجھ کو مانتا ہے، اور باقی کے ایسے ہی ہیں۔ بادشاہ بہت حیران ہوا کہ یہ کیسے کہہ رہا ہے۔ یہ ڈیڑھ کیسے کہہ رہا ہے اور اس نے کہا، ٹیسٹ کیسے کریں؟ اس نے کہا ٹیسٹ ایسے کریں کہ ان کے نفس کا ٹیسٹ کریں۔

پرانے لوگ اپنے طرز پر ٹیسٹ کرتے تھے۔ انہوں نے کہا، اسی میدان کے اوپر ایک ٹیلا ہے، اور اس ٹیلے کے اوپر مجھے آپ ایک جھونپڑی بنوا دیں، فوراً رات کی رات میں بنوا دیں، جیسے بزرگ لوگ جھونپڑی میں رہتے ہیں۔ میں اس میں رہوں گا۔ تو بادشاہ نے جھونپڑی بنوا دی۔ اس جھونپڑی میں اس بزرگ نے دو بکرے باندھ دیے اور کسی کو پتا نہیں کہ اس میں دو بکرے باندھے گئے ہیں، اور پھر وہ جھونپڑی سے باہر نکلا اور کچھ دم درود اور وظیفہ کیا، اور اونچی آواز میں کہا۔ ہے کوئی میرے سارے مریدین میں سے جو مجھ پر جان چھڑکتا ہو؟ میری بات دل کی گہرائیوں سے مانتا ہو، اور میرے ساتھ ہر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بری اچھی میں ساتھ دینے والا ہو اگر کوئی ایسا ہے تو وہ میرے پاس آئے، اور میرے ساتھ رہے، جو قربانی اس سے مانگوں، وہ دے۔ بس سناٹا چھا گیا۔ سب لوگ جہاں بیٹھے تھے دم بخود بیٹھے رہے۔ دم بخود بیٹھے رہے۔ کہ اللہ جانے یہ ہم سے کیا چاہتا ہے۔ اب اس پچاس ہزار کے جم غفیر میں سے صرف ایک آدمی اٹھا، وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ڈھیلے پاؤں رکھتے اس کے پاس گیا۔ اس نے کہا، تجھ میں یہ دم خم ہے؟ اس نے کہا، ہاں ہے۔ کہا، آ میرے ساتھ۔ اس نے اس کی کلائی پکڑی اس کو جھگی کے اندر لے گیا، اور وہاں کھڑا کر دیا، اور کہا خاموشی کے ساتھ کھڑا رہ۔ پھر اس نے ایک بکرے کو لٹایا' چھری نکالی، اور اسے ذبح کر دیا جھونپڑی کی نالی کے پاس۔ اور جب وہ خون نکلا تو پچاس ہزار کے گروہ نے دیکھا، اور وہ خون آلود چھری لے کر باہر نکلا، اور کہا قربانی دینے والے شخص نے قربانی دے دی۔ میں اس سے پوری طرح سے مطمئن ہوں۔ اس نے بہت اچھا فعل کیا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو حیران، اور پریشان ہو گئے۔ اب ان میں سے لوگ آہستہ آہستہ کھسکنے لگے۔ کچھ جوتیاں پہن کر کچھ جوتیاں چھوڑ کر پیچھے بیٹھنے والے سوچتے ہوئے کہ اللہ جانے، یہ میرے ساتھ کیا کرے گا؟ کم ہونا شروع ہو گئے۔ جب کم ہونے لگے، تو انہوں نے کہا، اے لوگو! قول کے آدمی نہ بننا صرف مضبوطی، اور استقامت کے ساتھ کھڑے رہنے کی کوشش کرنا۔ یہ تو جو ہوا قربانی دینے والا اس کو تو مانا آپ نے بھی۔ اب میں پھر ایک اور صاحب سے کہتا ہوں، وہ بھی اپنے آپ کو قربانی دینے کے لیے پیش کرے، اور میرے پاس آئے، کیونکہ یہ اس کے نفس کا ٹیسٹ ہے۔ تو سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کوئی آگے نہ بڑھا۔ اس دوران ایک عورت کھڑی ہوئی۔ تو اس نے کہا۔ اے آقا میں تیار ہوں۔ اس نے کہا، بی بی آ۔ اس نے کہا، بسر و چشم۔ چنانچہ وہ بی بی چلتی چلتی جھگی میں گئی، اس بیچاری کے ساتھ بھی وہی ہوا، جو پہلے کے ساتھ ہوا۔ اندر اسے کھڑا کیا، اور دوسرا بکرا ذبح کر دیا، اور اس کے پرنالے سے خون کے فوارے چھوٹے۔ جب یہ واقعہ ہو چکا تو بادشاہ نے کہا کہ آپ صحیح کہتے تھے، کیونکہ وہ میدان سارا خالی ہو گیا تھا۔ پچاس ہزار آدمی، ان میں سے ایک بھی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا، میں نے کہا تھا میرے ماننے والوں میں سے صرف ڈیڑھ شخص ہے جو مانتا ہے۔ بادشاہ نے کہا، ہاں میں مان بھی گیا، اور سمجھ بھی گیا، اور وہ شخص تھا وہ مرد تھا وہ پورا تھا، جبکہ وہ عورت جو عورت تھی وہ آدھی تھی۔ اس نے کہا، نہیں بادشاہ سلامت یہ مرد آدھا تھا اور عورت پوری تھی۔ پہلا جو آیا تھا اس نے کوئی خون نہیں دیکھا تھا۔ اس بی بی نے دیکھا تھا، جو واقعہ گزرا، پھر بھی اٹھ کر آنے کے لیے تیار ہوئی تھی، اس لیے وہ سالم Entity پر ہے خاتون، اور آدھا وہ مرد ہے۔ میرے ماننے والوں میں ڈیڑھ لوگ ہیں، باقی سارے نفس کے بندے ہیں۔ تو اس نفس کے ساتھ انسان کی اپنے طرز کی لڑائی رہتی ہے۔ کہیں کامیاب ہوتا ہے کہیں گر جاتا ہے۔ یہ وہ گیند ہے، جب زمین پر مارو تو اچھلتا ہے، پھر زمین کی طرف آتا ہے۔ اللہ ہم آپ کو یہ تقویت عطا کرے۔ ہم

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اپنے نفس کا معائنہ کر کے اس کو قابو میں لانے کے لیے ان لوگوں کی تعلیم پر عمل پیرا ہو سکیں، جنہوں نے ہمیں سب نے بنائے نسخے دیئے ہیں کہ اس پر عمل کریں، اور جیسے نبیوں نے، جو انسانوں کی صورت میں نبی ہم کو ملتے رہے ہیں، انہوں نے ہمیں بنا بنایا پروگرام دیا۔ اس پر عمل کرتے رہیے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے، اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

انسان اپنی خواہش پوری ہونے کی راہ میں خود حائل ہو جاتا ہے

اب تک کا وقت اچھا، اور بے حد خوش گزرا، اور ہماری ہر خواہش پوری ہوتی رہی۔ لیکن خواہشوں کے پورے ہونے کا لوگوں کو یقین نہیں ہوتا۔ میں سمجھتا ہوں، جب ایک خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے تو باوجود اس کے کہ مہاتما بدھ نے بڑی شدت سے منع کیا تھا کہ خواہشوں کو پیدا نہ ہونے دینا ورنہ تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے، لیکن میں سمجھتا ہوں اور ہمارے بابے یہ کہتے ہیں کہ خواہش اگر دل میں پیدا ہوا اور آپ کی کوئی آرزو ہو اور آپ نے کوئی دھارنا دھاری ہو، تو وہ ضرور پوری ہو کر رہے گی' رکتی نہیں ہے۔ وہ اس لیے کہ جب آپ کوئی آرزو دل میں جوان کرتے ہیں، اس کو پالتے پوستے ہیں' تو جہاں پر یہ آرزو اپنے پورے دباؤ کے ساتھ پیدا ہوتی ہے' وہاں پر ایک ویکیوم پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک خلا پیدا ہو جاتا ہے، اور جہاں خلا پیدا ہو جاتا ہے' اس کو بھرنے کے لیے تند و تیز' خوشگوار ناخوشگوار ساری ہوائیں اس کی طرف چلتی ہیں۔ آپ نے بگولا دیکھا ہوگا، کبھی آپ گاؤں میں رہے ہوں تو گاؤں میں زیادہ آتے ہیں، شہروں میں تو نکال ہی دیئے ہم نے۔

یہ بڑی تیزی کے ساتھ گھومتا ہے اور اس کے اندر بڑی شدت کا خلا ہوتا ہے، اور اتنا خوفناک کہ ہر قسم کے ڈبے' روڑے' سرکنڈے کیا کیا کچھ نہیں اڑتا چلا جاتا اس کے ساتھ پورا ستون سا بن جاتا ہے، بہت اونچا۔

میں چھٹی جماعت کا طالب علم تھا، اور سکول سے آ رہا تھا' جب ایک بگولا میں نے دیکھا، تو میں بمع بستہ اس کے اندر گھس گیا۔ اندر اتنی خاموشی' اتنا سکون' اتنی صفائی' کوئی نیچے سے صفائی بھی کرتا چلا آتا ہے۔ میں اس کے اندر چلتا چلتا ایک سکون کی کیفیت میں چلتا آ رہا تھا۔ جب آرزو پیدا ہوتی ہے دل میں، آدمی چاہ رہا ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح تکمیل کو پہنچے تو اس کے حصول کے لیے قدرت بھی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

چاروں طرف سے آپ کی مدد کرتی ہے، لیکن آپ کہیں گے کہ اشفاق صاحب الٹی بات کر رہے تھے۔ ہمارے دل میں اتنی آرزوئیں، خواہشیں ہیں کہ کبھی ایک بھی پوری نہیں ہوئی، تو اس میں خرابی یہ ہوتی ہے کہ خواہش کے پوری ہونے کی راہ میں آدمی خود کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ ایک بلے باز کی طرح جو کرکٹ کا بیٹ ہاتھ میں رکھتا ہے، اس مقام پر کھڑا ہو جاتا ہے، جہاں اس کی خواہش کو آ کر پورا ہونا ہو، وہ آنے والے ہر خوش آیند، اور خوش گوار عنصر (Element) کو، ہر اس تکمیل کو پہنچنے والی چیز کو، بلے کے ساتھ چھکے مار مار کر وہاں سے بھگاتا رہتا ہے۔

یہ عجیب انسانی فطرت ہے۔ کبھی آپ اس کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ عجیب لگے گی۔ خاص طور پر کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جب ہم نے خواہش پیدا کر دی تو وہ پوری ہو۔ لیکن تم نے اگر غور کیا، تو دیکھو گے، اس کے راستے میں اور کوئی بندہ حائل نہیں ہے، صرف آپ کی ذات، آپ کا وجود حائل ہے اور آپ بھی کوشش کر کے اسے لاشعوری طور پر جان بوجھ کر نہیں ہٹانے اور مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سب سے پہلے تو آپ کے ذہن میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ اس کو فوراً پورا ہونا چاہیے۔ یہی ہے نا، کبھی آپ آئس کریم جمائیں، آپ نے آئس کریم والی مشین تو دیکھی ہو گی نا۔ اب تو بجلی والی آ گئی ہے۔ تو آئس کریم جمانے بیٹھیں تو خدا کے واسطے اس کا ڈھکنا بار بار نہ کھول کر دیکھتے رہیں کہ جمی ہے یا نہیں۔ اس طرح تو وہ کبھی بھی نہیں جمے گی۔ آپ اس کی راہ میں کھڑے نہ ہوں۔ جب آپ نے تہیہ کر لیا ہے کہ اس کو بننا ہے، اس میں سارا مصالحہ ڈال کر مشین کو چلانا شروع کر دیں، اور اس وقت کا انتظار کریں جب وہ پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

میری اور میری آپا کی ایک بڑی بے چینی ہوتی تھی کہ ہم نے اپنی چتری مرغی کے نیچے انڈے رکھے تھے کہ اس میں سے چوزے نکلیں گے اور ہم دونوں اس بات کے بہت شوقین تھے۔ اب اس کے تیئس دن بعد چوزوں کو نکلنا تھا۔ ہم میں یہ خرابی تھی کہ ہر تیسرے چوتھے دن بعد ایک دو انڈے نکال کر انہیں سورج میں کر کے دیکھتے تھے، آیا ان کے اندر ایمبریو بنا ہے کہ نہیں، تو خاک اس میں سے چوزا نکلنا تھا۔ بار بار اٹھا کے دیکھتے تھے، اور پھر جا کر رکھ دیتے تھے، آخر میں ہماری والدہ نے کہا، خدا کے واسطے یہ نہ کیا کرو۔ اس لیے جب آپ نے پورے ایک فریم ورک کے اندر ارادہ باندھ کے چھوڑ دیا، پھر اس کو راستہ دو۔ ہمارے بزرگ کہتے ہیں کہ خدا کے لیے اپنی آرزو کو راستہ دو، اچھی بری جیسی کیسی ہے اس کو راستہ دو۔ اس کے راستے میں کھڑے نہ ہوں، آپ اگر غور کریں گے تو آپ کو محسوس ہو گا کہ بہت سے مقامات پر آپ خود اس کے راستے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنی ساری خوبیوں کو خود ہی خرابیوں میں تبدیل کر لیتے ہیں، اور پھر الزام دوسروں کو دیتے ہیں۔ اتنی تو آپ میں صلاحیت ہونی چاہیے۔ یہ الزام مجھے اپنی ذات پر دینا چاہیے۔ دیکھیے آپ نے جب ایک چھٹی لیٹر بکس میں ڈال دی،

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تو پھر اس کے پاس جا کر کھڑے نہ ہوں کہ کب نکلتی ہے۔ ڈاکیا اسے کہاں لے جاتا ہے۔ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ اگر آپ اس خط کے ساتھ ساتھ چلنے لگے، تو پھر وہ سا ہیوال کبھی بھی نہیں پہنچ سکے گی، آپ بار بار پوچھیں، بھئی یہ کدھر لے جا رہا ہے' کس گاڑی میں چڑھا دیا ہے۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ تیز والی پر جائے۔ جب آپ کی خواہشیں ہوتی ہیں، اس میں رخنے اس لیے پیدا ہوتے ہیں کہ آپ کر چکنے کے بعد بھی اس میں رائے اپنی دیتے رہتے ہیں۔ میں اکثر دیکھتا ہوں اور تکلیف بھی ہوتی ہے، مثلاً بچیوں کی شادیاں ایک بڑا مسئلہ ہے، اور بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اس میں والدین کو بڑی تکلیف ہوتی ہے، اور وہ چاہتے ہیں کہ جلدی ہو اور یہ ہے بھی بات ٹھیک۔ لیکن ایک مرتبہ آرزو کر چکنے کے بعد وہ پھر اتنا زور لگانا شروع کر دیتے ہیں اور اس کو اللہ پر چھوڑنے کے بجائے یا اس آرزو پر چھوڑنے کے بجائے جو آپ نے اپنے اللہ کے ساتھ باندھ دی ہے، پھر اس میں اپنی ذات داخل کرتے رہنا، اور وہ آپ کی ذات اس میں داخل ہو کر کبھی بھی آپ کی مدد نہیں کر سکتی۔ یہ میں آپ کو جیسے کہ پچھلی باتیں بتا رہا تھا اور آئس کریم کی مثال دے رہا تھا، ہمارے گھر میں بچے اس وقت بڑے ہو چکے تھے۔ میں تو فرسٹ ایئر میں تھا۔ ہمارے گھر میں ایک کیمرا آیا، اس زمانے میں کیمرا آنا بڑی کمال کی بات تھی۔ باکس کیمرے بہت کم ہوتے تھے۔ باکس کیمرا آیا ہمارے قصبے میں آیا۔ لوگ بڑی بڑی دور سے گھوڑوں پر بیٹھ کر دیکھنے آئے اور انہوں نے کہا کہ خان صاحب کے گھر کیمرا آیا ہے۔ انہوں نے کہا جی کہ تصویر کھینچنی ہے' ذیلدار صاحب آئے اونٹ پر سوار ہو کے کہ تصویر کھینچنی ہے۔

بڑے بھائی بی۔ اے میں پڑھتے تھے، ان کو ابا جی نے باکس کیمرا لا دیا۔ اب اس میں فلم ڈال کے اس زمانے میں شیشے کی پلیٹ ہوتی تھی پتلی سی۔ Negative کھینچنے کے لیے اس کو ڈال کے تصویر کھینچی، تو پھر ہم بھائی کے گرد جمع ہو گئے۔ ہمیں نکال کے دکھائیں کیسی ہوتی ہے۔ اس نے کہا، نہیں ابھی نہیں۔ ہم نے کہا، اس کا پھر کیا فائدہ۔ کیمرا تو یہ ہوتا ہے آپ نے تصویر کھینچی ہے اور ابھی پوری ہو۔ تو ہم کو یہ بتایا گیا کہ اسی وقت نہیں آتی ہے تصویر، لیکن آتی ضرور ہے، لیکن ہماری یہ تربیت نہیں تھی' ٹریننگ نہیں تھی' ہم چاہتے تھے ابھی ہوا ہے تو ابھی اس کا رزلٹ ہمارے سامنے آئے، اور ہم کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ آرزو کو، اپنی پیاری آرزو کو جو آپ کی زندگی کا بہت عجیب سہارا ہوتی ہیں، میں منع نہیں کرتا، ہونی چاہئیں۔ پیدا ہوتی رہتی ہیں انسان کے ذہن میں ہوتی ہیں' قدرتی بات ہے، لیکن اگر آپ ان کے راستے میں خود ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں گے، اور ان کے پورے ہونے کی راہ میں حائل ہو جائیں گے، تو وہ کبھی پوری نہیں ہوں گی۔

یہ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں، ہم بھی نہیں مانتے تھے اس بات کو، کہ آپ Relaxed (ڈھیلے) ہیں، اپنا آپ ڈھیلا چھوڑ دیں۔ ہمارے بابے کہتے ہیں، اتنا ڈھیلا چھوڑ دیں، جس طرح نہر کے اوپر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

لکڑی تیرتی آتی ہے نا، ہر لہر کے ساتھ، کبھی اونچی ہو جاتی ہے کبھی نیچی۔ جب تک یہ کیفیت پیدا نہیں ہوگی' جب تک آپ Resistance دیتے رہیں گے، تو ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑے گا اور آپ کی کامیابیاں بتدریج ناکامیوں میں تبدیل ہو جائیں گی' حالانکہ آپ کا راستہ سامنے بنا ہوا ہوتا ہے۔ پھر یہ ہو کر رہے گا اور آپ اپنی زندگی کا خود نظارہ کرتے جائیں۔ دیکھتے جائیں ان کے اندر بے شمار واقعات نظر آئیں گے، اور پھر آپ کو محسوس ہوگا، اور کئی مرتبہ آپ نے زندگی میں کہا بھی ہوگا کہ کاش میں نے یہ نہ کیا ہوتا۔ اور پچھتاوا بھی ہوتا ہے' اس پچھتاوے سے بچنے کے لیے آپ ذہین آدمی ہیں۔ پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ سمجھدار ہیں۔ آپ جانتے ہیں، اس سے کس طرح اجتناب کیا جائے، اور کس طرح سے اپنا پھول اپنی مرضی سے کھلایا جا سکے۔ تو یہ بات اچانک بیٹھے بیٹھے آپ کو دیکھتے دیکھتے میرے ذہن میں آئی کہ آپ اپنی آرزوؤں کو اپنی حسرت کو تکمیل کرنے کے لیے خود ہی سب کچھ کر سکتے ہیں۔

دیکھیے ایک پیچ کس کو' ایک پلاس کو' آری کو یا ایک برمے کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ یہ کیا چیز ہے، اور اسے کیا کرنا ہے۔ ایک ہاتھ آتا ہے، وہ پیچ کس کو اٹھاتا ہے، اور اس سے کمال کا کام کرتا ہے۔ ایک ہاتھ آتا ہے، اور اس آری کو اٹھاتا ہے۔ کمال کا کام لیتا ہے۔ اس کا ایک مستری ہوتا ہے، لیکن اگر آپ ان چیزوں کو جو آپ کی راہ میں آپ کی مدد کے لیے رکھی گئی ہیں، استعمال نہیں کریں گے، بلکہ اس حد تک کسی اور کو بھی استعمال نہیں کرنے دیں گے، تو پھر آپ کے لیے مشکلات پیدا ہوں گی۔

آج کے بعد اگر آپ غور کر کے دیکھیں اور جائزہ لیں زندگی کا، ایمانداری کے ساتھ۔ مغرب کے بعد دیوار کو ڈھو لگا کے جب دونوں وقت ملتے ہیں تو پھر اپنا جائزہ لیں کسی کو ڈائری پیش نہیں کرنی کسی کے آگے آپ نے بیان حلفی نہیں دینا' خود اپنے سامنے، یہ بھی بڑا مشکل کام ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ آپ نے کس طرح خوبصورت مسرتوں کو' آرزوؤں کو اپنے ہاتھوں پامال کیا ہے۔ یہ بہت مشکل کام ہے کہ آدمی اپنا احتساب خود کرے۔ سب سے زیادہ آدمی ڈرتا ہے اپنا آپ کو فیس کرنے سے۔ اور اسی لیے بہت سے لوگ عبادت میں داخل ہو جاتے ہیں لیکن خود احتسابی میں داخل ہونے سے گھبراتے ہیں۔ اس لیے جو خود احتسابی کرتا ہے، وہ وجود تو اس کے سامنے سچ بولے گا اور بہت ساری باتیں ایسی ہیں، جنہیں آپ فیس Face کرنے کے لیے یا ماننے کے لیے تیار نہیں، لیکن یہ عمل اتنا ضروری ہے کہ جیسے آپ احتساب کے بارے میں پڑھتے ہیں۔ اس سے آپ کا کوئی تعلق نہیں' اپنی ذات کے ساتھ احتساب کرنے کا تعلق ہے۔ یہ ضروری ہے۔

اور بزرگانِ دین ایک اور عجیب وغریب بات کہتے ہیں، اگر آپ اہلِ کتاب وشنید کے پاس جا کر بیٹھو گے' جیسے ہمارے لوگ ہوتے ہیں، تو لوگوں کی ذات میں کیڑے دکھائی دیں گے، اور اگر بزرگانِ دین کے پاس جا کر بیٹھو گے، تو اپنا حال روشن ہونے لگے گا۔ اور یہ سچ ہے، اور بڑی عجیب و

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

غریب بات ہے، میں نے تجربہ کیا۔ اگر ان کے پاس جا کر بیٹھو تو ایک ایسی تسلی، اور تشفی بھی ملتی ہے کہ اپنی خرابی جو ہے باوجود اس کے آپ کو بھی پتا ہے، ان کو بھی پتا ہے، لیکن ایک سہارا ملتا ہے کہ یہ ساری کمیاں، یہ خرابیاں یہ ساری ہیومن ہیں، کوئی بات نہیں یہ گزر جائیں گی۔ ان بزرگانِ دین کے مقابلے میں مغرب کے لوگوں نے سائیکوتھراپسٹ، اور سائیکوانالسٹ تیار کیے ہیں، ان کو ڈھیر سارے پیسے اور فیس دے کر لوگ ان کے پاس جاتے ہیں لیکن وہ ان کے ساتھ اس طرح سے ان کی ذات میں شامل نہیں ہوتے، جس طرح بزرگانِ دین ہوا کرتے ہیں، یا ان کو ہونا چاہیے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ اپنے آپ کو پہچاننے کے لیے تھوڑا سا وقت ضرور نکالیں، مگر آپ نے کسی کو بتانا نہیں ہے۔ آپ کو خود اپنی اینٹیں لے کر خود گارا لگا کے خود اپنی عمارت تیار کرنا ہے۔ آپ کو اللہ نے یہ صلاحیت دی ہے کہ آپ یہ ساری چیزیں بڑی آسانی کے ساتھ تیار کر کے اپنا بہت اعلیٰ درجے کا مکان یا اعلیٰ درجے کا پلازہ بنا سکتے ہیں، جس میں اور لوگوں کو بھی دعوت دے سکتے ہیں کہ وہ آ کر رہیں۔ تو میں یہ درخواست کروں گا آپ سے، اللہ نے آپ کو اچھے چہرے دیے ہیں، اچھے ذہن دیے ہیں، اچھی روحیں دی ہیں کہ آپ ضرور ایسا کام کریں۔ آرزوئیں تو ہیں، لیکن خود ہی ان کی راہ میں آپ کھڑے نہ ہوں۔ آرزوئیں تو ہیں لیکن بار بار ان کا ڈھکنا اٹھا کر نہ دیکھیں، بار بار اس کیمرے کو کھول کر نہ دیکھیں کہ ریل کے اوپر کوئی ایمپریشن آیا ہے کہ نہیں۔ جب آپ نے ایک بات طے کر دی، اپنے اور اپنے اللہ کے درمیان یہ طے کر دیا کہ یوں ہونا چاہیے، مجھے یہ چاہیے، پھر اگر اس کا فیصلہ میری خواہش، اور مرضی کے خلاف بھی کرے تو مجھے منظور ہوگا، کیونکہ تو میرا اللہ ہے۔ تو پھر دیکھیے کہ اللہ بھی بڑا مہربان ہوگا اور وہ کہتا ہے باوجود اس کے اس کی خواہش کچھ ایسی پسندیدہ نہیں ہے، لیکن پھر بھی یہ اس کی ہے، اس انعامی بانڈ میں سے دو لاکھ تو نہ دیں 30 ہزار روپیہ دے ہی دیں، اور مل ہی جاتا ہے، باوجود اس کے مل جاتا ہے۔

ایک کہانی مثنوی شریف کی ہے۔ یعنی مثنوی مولانا روم کی کہ حماقت سے آدمی کس طرح اپنی راہ میں کھڑا ہوتا ہے۔ وہ کوئی چور تھا، تو اس کے اندر کچھ پیسا بنانے کی خواہش پیدا ہوئی، کیونکہ وہ اپنی محبوب بیوی کو کچھ دینا چاہتا تھا یا اپنی ذات کے لیے رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک رات ایک گھر کے روشن دان میں سے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کی کہ یہ اچھا گھر ہے، اور مجھے یہاں سے کوئی مال و متاع ملے گا، لیکن جب وہ اتنا اونچا چڑھا، اور روشن دان کے اندر سے گزرنے کی کوشش کی تو وہ روشن دان جس کا چوکھٹا بظاہر ٹھیک نظر آتا تھا، ڈھیلا لگا ہوا تھا۔ وہ بمع چوکھٹے کے اندر کے فرش پر سر کے بل آ گرا، اور اس کو سخت چوٹیں آئیں، چنانچہ اس نے وہ چوکھٹا اٹھایا اور قاضیِ وقت کے پاس شکایت کے لیے لے گیا۔ دیکھیں کیا کمال کے آدمی تھے۔ اس نے کہا، جناب دیکھیں میں چوری کرنے کے لیے وہاں گیا تھا۔ یہ کیسا نالائق مستری ہے جس نے ایسا چوکھٹا بنایا کہ یہ ٹوٹ گیا ہے، اور کرچیاں کرچیاں ہو گئی ہیں، تو اس

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کوسزا ملنی چاہیے۔ قاضیِ وقت نے کہا یہ تو واقعی بری بات ہے۔ اس لکڑی بیچنے والے کو بلایا گیا، چنانچہ وہ پیش ہو گیا۔ اس نے کہا، جناب اس گھر کی کھڑکی تو میں نے بنائی تھی۔ اس سے کہا گیا، تم نے ایسی ناقص قسم کی ناکارہ لکڑی لگائی۔ اس نے کہا، جناب اس لکڑی کو بھی دیکھ لیں کسی سے بھی ٹیسٹ کروالیں، اس گھر کے دوسرے دریچوں، دروازوں، روشن دانوں کو دیکھ لیں، کیونکہ یہ تو اب ٹوٹ گیا ہے تو اگر آپ اس میں کوئی نقص نکال دیں تو میں ذمے دار ہوں۔ حضور بات یہ ہے کہ اس میں خرابی ہماری لکڑی کی نہیں ہے۔ اس ترکھان کی ہے، جس نے یہ چوکھٹا ڈائی مینشن کے مطابق نہیں بنایا۔ چھوٹا یا بڑا جیسا بھی بنا دیا ہے، چنانچہ اسے کہا، تم کو معافی۔ انہوں نے ترکھان یا بڑھئی کو بلوایا، اور وہ پیش ہو گیا۔ انسانی زندگی کا تماشا دیکھیں کیا حضرت مولانا نے بیان کیا ہے۔ ترکھان نے کہا کہ میں نے چوکھٹا بالکل ٹھیک بنایا ہے۔ آپ اس کو نقشے کے مطابق دیکھ لیں، یا جو بھی اس کی ریکوائرمنٹ ہیں ملاحظہ فرمالیں۔ یہ میرا قصور نہیں ہے آپ ماہرین کو بلوالیں، اور وہ بتادیں گے کہ میرے چوکھٹے میں کوئی خرابی ہے کہ نہیں۔ میں یقین سے کہتا ہوں، یہ چوکھٹا بالکل ٹھیک ہے۔ راج، معمار جس نے اس کو فٹ کیا تھا، جب وہ عمارت بنا رہا تھا، جب عمارت بن جاتی ہے تو پھر بیچ میں لگاتے ہیں۔ یہ ساری کوتاہی اس کی ہے اس نے اس میں خرابی پیدا کی ہے ورنہ میرا چوکھٹا تو بنا ہوا ٹھیک تھا۔ چنانچہ راج کو بلوا لیا گیا، وہ عدالت میں پیش ہو گیا۔ قاضیِ وقت نے کہا، اے نالائق آدمی بہت اعلیٰ درجے کا چوکھٹا بنا ہوا ہے۔ ڈائی مینشن اس کی درست ہے۔ تو نے کیوں "موکھا" اس کا ڈھیلا بنایا۔ جب تو بلڈنگ بنا رہا تھا، اور عمارت سازی کر رہا تھا تو نے اسے صحیح طور پر فٹ نہیں کیا تو اب راج پھنس گیا، اس نے سوچا واقعی عدالت ٹھیک پوچھ رہی ہے۔ چوکھٹے میں، اور دیوار میں فاصلہ تو ہے۔ اس نے کہا، حضور بات یہ ہے مجھے اب یاد آیا، جب میں چوکھٹا لگا رہا تھا اور میں سیڑھی پر چڑھا ہوا تھا، تو میں نے باہر سڑک پر دیکھا اس وقت ایک نہایت خوبصورت عورت نہایت اعلیٰ درجے کا لباس پہنے، بے حد رنگین لہنگا، اور بے حد رنگین دوپٹہ اوڑھے جا رہی تھی مزے سے اٹکھیلیاں کرتی ہوئی۔ تو میری توجہ اس کی طرف ہو گئی۔ جب تک وہ سڑک پر چلتی رہی میں اس کو دیکھتا رہا، اور میں پوری توجہ نہ دے سکا۔ اس چوکھٹے کو ٹھیک طرح سے نہ لگا سکا۔ انہوں نے کہا، اس عورت کو بلاؤ۔ عورت کو تلاش کرنے لگے کہ کس نے اس دن ایسا لہنگا پہنا تھا۔ بتاؤ۔ شہر میں سب جانتے تھے جو تھی چھمک چھلو، کہ وہ وہی ہو گی۔ عدالت میں پیش ہو گئی۔ پوچھا گیا، تم یہاں سے گزری تھیں۔ کہا ہاں میں گزری تھی۔ اس نے کہا تم نے ایسا لہنگا، ایسا غرارہ پہنا ہوا تھا۔ تم نے کیوں پہنا تھا؟ حضور بات یہ ہے کہ میرے خاوند نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ تم کیا ڈل سے کلرز پہنتی ہو، یہ کچھ اچھے نہیں لگتے تمہارے رخِ زیبا کے اوپر یہ کپڑے سجتے نہیں ہیں۔ بہت اعلیٰ قسم کے شوخ، اور بھڑکیلے قسم کے پہنو۔ میں نے کہا، میرے پاس تو ہیں نہیں۔ اس نے کہا، میں تمہیں تمہارے کپڑے رنگ کے دیتا ہوں۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

چنانچہ وہ بازار سے رنگ لایا۔ اعلیٰ درجے کی محبت کو استعمال کر کے انہیں رنگا اور مجھے دیئے۔ وہ کپڑے میں اس روز پہن کر جا رہی تھی۔ عدالت نے کہا اس کے خاوند کو حاضر کیا جائے، چنانچہ وہ اس کے خاوند کو پکڑ کر لے آئے، عدالت کے سامنے پیش کر دیا۔ وہ خاوند وہی شخص تھا، جو روشن دان سے چوری کرنے کے لیے اترا تھا۔ اس کی خواہش میں وہ خود کھڑا تھا۔

اتنا چکر کاٹ کے آدمی کو پتا نہیں چلتا کہ اس کے ساتھ کیا گزر رہی ہے۔ وہ کہاں پر اپنی ہی آرزو اپنی ہی خواہش کے درمیان کھڑا تھا۔ ساری دنیا سے شکوہ کرتا تھا، جیسا کہ اس نے شکوہ سب لوگوں کے ساتھ کیا تو یہ بات بظاہر سیدھی سی لگتی ہے، لیکن بڑی باریک ہے، اور اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ چونکہ ہم قومی زندگی کے 52 برس گزار چکے ہیں، اور ہم کو میچور ہو جانا چاہیے، اور ہمیں اپنی سوچ کی لہریں جو ہیں، ان کو مضبوطی کے ساتھ خود بھی پکڑنا چاہیے، اور لوگوں کو بھی توجہ دلانی چاہیے۔ اب یہ وقت آ گیا ہے ہم اپنی سوچ، جس کا ہم کو حکم ہے، تفکر بھی کریں، اور تدبر بھی کریں۔ آپ کی تشریف آوری کا بہت بہت شکریہ۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

حقوق العباد کا بوجھ

میرے گھر کے فون پر فون کرنے والے کا جلی ہندسوں میں نمبر آ جاتا ہے اور نام بھی' کیونکہ اس میں نمبر نام کے ساتھ ریکارڈ کرنے کی سہولت ہے۔ مجھے پتا چل جاتا ہے کہ کس کا فون ہے اور اب مجھے یہ آسانی ہو گئی ہے کہ میں نمبر دیکھ کر یہ فیصلہ کر سکتا ہوں کہ میں اس سے بات کروں یا نہ کروں۔ ایک ہمارا بہت ہی ''گچی'' دوست ہے۔ وہ لمبی بات کرتا ہے' گھنٹہ' ڈیڑھ گھنٹہ۔ اس کا نام آئے تو میں کہتا ہوں کہ میں فون نہیں اٹھاتا۔ یہ میرے پیچھے ہی پڑ جائے گا۔ جان نہیں چھوڑے گا۔ اس طرح سے کچھ اور ایسے نمبر ہیں جن کے اوپر دل نہیں ٹکتا کہ ان کو ریسپانس دیا جائے' یا ان سے بات کی جائے اور جب مجھے کسی پسندیدہ ٹیلیفون کی آمد کا پتا چلتا ہے' تو میں بڑی خوشی کے ساتھ بات کرتا ہوں۔ پرسوں' ترسوں میری پوتی نے اسلام آباد سے فون کیا تو میں نے ٹیلیفون اٹھاتے ہی اور اس کی ''ہیلو'' سے پہلے ہی کہا ''ہیلو مایا! کیا حال ہے۔ کیا کر رہی ہو؟'' اس نے کہا ''دادا! آپ بڑے سمارٹ ہو گئے ہیں۔'' میں نے کہا ''مجھے پتا چل جاتا ہے کہ مایا فون کر رہی ہے' یا اس کا ابو کر رہا ہے۔ اس لیے میں پہچان جاتا ہوں۔ میرے پاس ایک اعلیٰ درجے کا سسٹم ہے۔''

اس نے کہا ''دادا! یہ اعلیٰ درجے کا آئی ڈی کالر نہیں ہے' جس کی آپ بڑی تعریف کر رہے ہیں۔'' میں نے کہا ''اس نے مجھے بڑی آسانیاں عطا کر دی ہیں اور میں آسائش میں ہو گیا ہوں۔'' اس نے کہا ''ٹھیک ہے۔ اب میں آپ کے سامنے بولتی تو نہیں۔ لیکن میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ فون کریں تو پھر آپ کیا کریں گے؟ یعنی اگر اس کے اوپر "God Almighty Calling" آ جائے' تو پھر آپ کیا کریں گے؟ اس طرح آپ کا کالر آئی ڈی اچھا نہیں ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ آدمی کان سے فون لگائے اور پتا چلے کہ کون ہے؟'' میں نے کہا ''اگر اللہ میاں کا فون بھی آئے تو (ابھی تک تو آیا نہیں) مجھے پتا نہیں کہ میں کیا کروں۔'' لیکن اگر آیا اور میں کام میں مصروف ہوا تو مجھ میں ایک خرابی ہے' جیسے ہمارے سارے ساتھیوں میں ہے کہ ہم عبادت کے ساتھ بہت مشغول ہوتے ہیں اور عبادت کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں دراصل میں بچی کی بات سن کر ڈر گیا میں نے اپنے طور پر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سوچا اور اس کو نہیں بتایا۔ آپ کو خفیہ طور پر بتاتا ہوں کہ میرے دل میں یہ بات آئی کہ اگر اللہ میاں کا فون آئے' تو میں کہوں گا کہ اللہ میاں! میری ابھی چار سنتیں رہتی ہیں' وہ پڑھ لوں۔ تو پھر آپ سے بات کروں' حالانکہ وہ سنتیں بھی اللہ ہی کی عطا کردہ ہیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ عبادت اہم ہے' اللہ کی ذات سے بھی' جس نے مجھے عبادت کا حکم دیا ہے اور جس نے اپنے آپ کو برائے عبادت ٹھہرایا ہے۔ یہ غلط قسم کا خیال میرے ذہن میں آیا' کیونکہ میری تربیت اور طرح کی ہوئی ہے کہ یہ کام پہلے کرنا ہے' یہ کام بعد میں کرنا ہے۔ تو مایا نے مجھے کہا کہ یہ بات آپ یاد رکھیے کہ اس کا (اللہ میاں) فون آ جاتا ہے اور آپ سے کوتاہی ہو جاتی ہے۔ اس لیے آپ الرٹ ہو جائیں اور بہتر یہ ہے کہ سی ایل آئی یا کالر آئی ڈی اتروا دیں۔ ایسے ہی رہنے دیں' جیسا پہلے تھا۔ یہ واقعی میرے لیے اس سے مشکل پڑ گئی۔ ایسے ہی جیسا کہ میں نے آپ سے ذکر کیا۔ عشاء کا وقت تھا۔ میں نماز پڑھ کر آیا تھا اور وتروں کے بعد آدمی کچھ اور طرح کا ہوتا ہے کہ یہ صبح پڑھنے چاہئیں یا.... کچھ آتا رہتا ہے بدستور خیال۔ لیکن آدمی اس میں مصروف رہتا ہے۔ عشاء کا وقت ہوتا بھی ایسا ہے۔

میرے پڑوسی کے چوکیدار نے آ کر کہا یہ گرمیوں کا واقعہ ہے کہ وہ سب میرے پڑوسی حاجی صاحب فیملی تو گئی ہوئی ہے مری' صرف چھوٹے صاحب شاہد میاں' جو فورتھ ایئر کا سٹوڈنٹ ہے' وہ گھر پر ہے۔ چوکیدار کہنے لگا کہ پتا نہیں اچانک اسے شاہد کو کیا ہوا کہ وہ پہلے تو تشنج میں مبتلا ہوئے اور پھر تڑپے اور پھر اچانک بے ہوش ہو گئے۔ انہیں ہسپتال لے جانا ہے۔ میں اکیلا ہوں آپ میری مدد کریں۔ میں نے کہا کہ دیکھو میاں میں اپنی نماز ختم کر لوں' پھر دیکھوں گا کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ میں نماز پڑھ چکا' تو میں نے اپنے سلیپر پہنے' پنکھا بند کیا۔ پھر آرام سے باہر گیا کہ اسے پوچھوں کہ شاہد کو کیسے لے جانا ہے۔ باہر نکلا تو پتا یہ چلا کہ چوکیدار نے بتایا کہ ہم اسے لے گئے۔ یہاں ایک پنوں نام کا گدھا گاڑی والا ہے' جو لڑکے سے بورے میں رکھ کر ''چھلیاں'' (مکئی کے بٹے) بیچتا ہے۔ اس کی گدھا گاڑی میں رکھ کر ہسپتال لے گئے ہیں۔ ہسپتال والوں نے ٹیکہ وغیرہ دیا اور انہوں نے کہا ہے کہ اسے یہیں چھوڑ جاؤ' کل صبح ہم آپ کو بتائیں گے کہ کیا کرنا ہے۔ لیکن خیریت ہے آپ نے اسے وقت پر ہسپتال پہنچا دیا' ورنہ مشکل پڑ جاتی۔

میں نے چوکیدار سے کہا کہ چلو یہ اچھا ہوا۔ مایا نے پوچھا پتا نہیں اسے کشف ہوتا ہے کہ آپ کو اللہ میاں کا فون آیا ہے سی ایل آئی پر۔ میں نے کہا نہیں ابھی تک تو نہیں آیا۔ کہنے لگی کہ دادا آیا تھا۔ لیکن آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ بالکل آیا اور بڑی وضاحت کے ساتھ آیا اور اس نے آپ کو حکم دیا کہ یہ کرو۔ میں نے کہا تجھے یہ کیسے معلوم ہے؟ کہنے لگی کہ میری ایک تار آپ کے ساتھ بھی تو لگی ہوئی ہے۔ اسے پورے واقعہ کا تو نہیں پتا' لیکن اس کا دل کہتا تھا۔ پھر میں نے کہا کہ بھئی ایسا واقعہ گذرا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تھا۔ اس نے کہا کہ دیکھئے آپ نے اس کا فائدہ نہیں اٹھایا پورا۔ آپ چھوڑ دیتے نماز' پھر پڑھ لیتے۔ آ کے پڑھ لیتے۔ اگلے دن پڑھ لیتے۔ یہ تو آپ نے بڑی زیادتی کی۔ اس نے یہ مجبوری میرے ساتھ وابستہ کر دی کہ میں اسے اتروادوں اور میں ہر کال کو موصول کروں۔ اب کیفیت یہ ہے کہ وہ ویسے ہی لگی ہوئی ہے اور مجھے فون کرنے والے کا پتا بھی چل جاتا ہے۔ لیکن کوتاہی اس کے ساتھ ساتھ ہی چلتی رہتی ہے کہ میں ایک نظر دیکھ کر کہتا ہوں کہ یہ فون سننے والا نہیں ہے۔ لیکن اب مجھے یہ کام کرنا پڑے گا۔

زندگی میں اور بھی کام ہوتے ہیں' لیکن انسانوں سے متعلق جو کام ہوتا ہے' اس کا بوجھ بہت زیادہ ہوتا ہے اور وہ ناقابل برداشت ہوتا ہے' اٹھایا نہیں جاتا۔ پھر ایسے ہی میری پوتی کے کہنے کے مطابق ایک کال ہی کہہ لیجئے' اسے اور آ گئی۔ وہ بھی کافی مشکل تھی اور میں یہ سمجھتا رہا کہ میں حق بجانب ہوں۔ ہوا یہ کہ جس گھر میں' میں رہتا ہوں اس سے دو تین گھر چھوڑ کر ایک بہت بڑی کوٹھی ہے اور اس میں بہت معزز لوگ رہتے ہیں۔ بڑی بڑی گاڑیاں وہاں کھڑی ہوتی ہیں۔ پچھلے دنوں جب الیکشن کا کام چلا اور الیکشن میں یہ خوشخبری سنائی گئی کہ بہت ساری خواتین کو بھی ایم پی اے اور ایم این اے بنا دیا جائے گا اور مبارک ہو۔ اس گھر کے باہر ایک بڑا جمگھٹا لگ گیا۔ خواتین آتی رہیں' جاتی رہیں۔ کاریں آتی جاتی رہیں' تو مجھے اندازہ تھا کہ وہ مسز اکرم بھی ایم پی اے ہونے کی آرزومند ہیں' یا ایم این اے ہونے کی ہیں۔ میں نے کہا بڑی اچھی بات ہے۔ ہمیں بھی خوشی ہوئی کہ چلو ہمارے علاقے کی ایک بی بی ہو جائے گی اور یہ بھی وہاں جا کر ڈیسک بجائے گی (مسکراتے ہوئے)۔ ایک دن یہ ہوا۔ اس دن میں ساہیوال جا رہا تھا' اپنی ہمشیرہ کے پاس۔ ہوا یہ کہ انہوں نے (مسز اکرم) بہت بڑی دعوت کا بندوبست کیا اور اس میں امیدوار خواتین' جو ایم این اے اور ایم پی اے شپ کی تھیں' وہ آئیں۔ بہت معزز لڑکیاں Colour Full قسم کے کپڑے پہنے ہوئے۔ اس نے اعلیٰ درجے کے کھانے بھی تیار کیے ہوئے تھے۔ ان میں ایک کھانا شامی کباب بھی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بہت ہی اچھے بنے ہوئے تھے۔ وہ شامی کباب ان کے خانساماں نے بنا کر بجائے میز کے اوپر رکھنے کے' میز کے نیچے رکھ دیئے۔

ان کا کتا جیکی بہت چھوٹا سا پیارا کتا۔ وہ آیا اس نے جناب ایک شامی اٹھایا اور آدھا تو گٹ گٹ کر کے کھا گیا اور آدھا منہ میں دبا کر کھڑا تھا کہ مالکن اور دیگر بیرے خانساماں آئے اور دیکھا تو کہا کہ روکو اس کو' پکڑو پکڑو۔ خیر کتا ان کی نظروں کے سامنے کھا گیا' یا خراب کر گیا۔ اب اصل دعوت شروع ہوئی۔ ظاہر ہے خواتین خوش گپیوں میں مصروف ہوں گی۔ اپنے سنہرے مستقبل کی باتیں کر رہی ہوں گی۔ پروگرام طے کر رہی ہوں گی کہ کیسے سیاست میں جانا ہے اور اسمبلی میں کدھر سے داخل ہونا ہے۔ یقیناً ایسی باتیں ہوئی ہوں گی۔ جب وہ کھا رہی تھیں اور اختتام کو پہنچیں اور سویٹ ڈش کھا رہی تھیں' تو ان کے مالی نے آ کر روتے ہوئے یہ کہا کہ جیکی مر گیا ہے اور وہ سڑک کے اوپر مرا پڑا ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اب مالکن جان گئی کہ اس نے جو کباب کھایا ہے' اس میں کوئی زہریلی چیز تھی۔ گھر کی مالکن نے کہا کہ سب دوڑو' بھاگو اللہ کے واسطے۔ سب نے بطرف ہسپتال موٹروں میں چھلانگیں لگا دیں۔ وہاں ان کے گلوں میں لمبی لمبی نالیاں ڈال کر ان کی واشنگ شروع کی گئی۔ جتنا اچھا کھانا کھایا تھا' وہ تین مختلف ہسپتالوں نے نکالا اور سب نے دعا کی کہ یا اللہ! ہم اگر زندہ وسلامت بچ جائیں' تو تیری بڑی مہربانی ہوگی۔ ڈاکٹر نے بھی کہا کہ اب خطرے کی کوئی بات نہیں۔ بیگم صاحبہ نے خوشی میں دو دیگیں داتا صاحب بھجوائیں کہ اللہ تیرا فضل ہے کہ میں اس ناگہانی مصیبت سے نکل آئی۔ میں یہ ہنگامہ دیکھ کر ہی ساہیوال جا رہا تھا اپنی گاڑی میں۔ وہاں کسی وقت مقررہ پر جانے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ میں وہاں پانچ دس پندرہ بیس منٹ کے لیے رک بھی سکتا تھا' لیکن میں چلا گیا اور دوسرے تیسرے دن وہاں سے واپس آیا۔ واپس آ کر میں نے مسز اکرم سے کہا کہ بڑا افسوس ہے۔ مجھے آپ کے کتے کا افسوس کرنا تھا۔ وہ آپ کا اتنا پیارا کتا تھا۔ اس نے کہا کہ ہاں بھائی صاحب! یہ ہمارے ساتھ تو بڑی ٹریجڈی ہوگئی۔ میں وہیں کھڑا تھا۔ جب وہ ٹرک بیک کر رہا تھا۔ ٹرک بیک کرتے ہوئے ٹرک کا لوہا کتے کے سر پر لگا اور وہ وہیں "چوں" کر کے ختم ہو گیا۔ مجھے ان لوگوں کو جا کر بتا دینا چاہیے تھا کہ یہ کتا کس وجہ سے فوت ہوا ہے۔ لیکن میں نے ان کو نہیں بتایا۔ میری پوتی مایا کہتی ہے کہ دادا! ایک ٹرنک کال آپ کو اور آ گئی ہے اللہ میاں کی۔ وہ بھی مس ہو گئی۔ اس لیے کہ آپ کو یہ بات ان تک پہنچانی چاہیے تھی۔ کوئی سی اچھی بات ہو۔ خیر کی بات ہو۔ یہ بتائی جانی چاہیے۔ حضور نبی کریمؐ کے پاس ایک صحابیؓ تشریف لائے۔ پہلی مرتبہ کوئی یمن سے آئے تھے۔ انہوں نے پتا نہیں کس صحابیؓ کو دیکھا اور حضور نبی کریمؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! مجھے آپؐ کے یہ صحابیؓ بڑے اچھے لگتے ہیں۔ آنحضورؐ نے کہا کہ آپؐ نے ان کو یہ بات بتا دی ہے کہ آپ مجھے اچھے لگتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جی نہیں۔ میں نے تو شرم سے ایسا نہیں کیا۔ وہ صحابی اس وقت تک جا چکے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ آپ بھاگ کر ان کے پیچھے جائیں اور انہیں گلے ملیں اور بتائیں کہ آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ اس کا اظہار کیا جانا بہت ضروری ہے۔ ہم جو چھوٹی موٹی شرمندہ سے ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں' آپ ضرور کہیں اپنے پڑوسی سے' ہمسائے سے آپ کا فلاں بچہ مجھے پیارا لگتا ہے اور اس سے بھی کہیں کہ ماشاء اللہ بیٹے آپ کس کے بیٹے ہیں۔ وہ کہے گا کہ جی میں شمس الدین کا بیٹا ہوں۔ وہ کیا کرتے ہیں؟ وہ کہے گا کہ وہ یہ کرتے ہیں۔ آپ اس سے کہیں بیٹے آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔ کہاں پڑھتے ہیں؟ فلاں فلاں۔ یہ بات کی جانی چاہیے۔ اپنے تک محدود نہیں رکھنی چاہیے۔ نہ کہ میری طرح سے اگر میں ساہیوال جانے سے پہلے انہیں سب کچھ بتا دیتا تو آگے اتنی بڑی کہانی نہ چلتی اور ان بیچاریوں کا اتنا اچھا کھایا ہوا کھانا یوں ٹونٹیاں ڈال ڈال کر نہ نکال دیا جاتا۔ تکلیف دہ بات ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ بڑے بڑے انداز میں بڑے روپ میں آپ کے پاس آتا ہے۔ میرے پاس آتا ہے اور وہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جو کچھ اس نے فرما دیا ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے اور بالکل یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ دیکھ رہا ہے' لیکن ہم نے اپنی ذات کے ساتھ ایسی سی ایل آئی لگائی ہوئی ہے کہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی یونہی اللہ کا وہاں نمبر آتا ہے' تو ہم کہتے ہیں کوئی نہیں پھر ان سے بات کرلیں گے۔ پہلے یہ دنیاداری کا کام پورا کرلیں۔ اس میں زیادہ فائدہ ہے۔ اس میں زیادہ نفع ہے۔ اللہ کی باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی۔ آج نہیں تو کل پوری ہو جائیں گی' تو اس سی ایل آئی کا یقیناً کوئی فائدہ نہیں' جو مجھے اور آپ کو اس راہ سے روک دے کہ ہمارا راستہ نہایت پھولوں بھرا اور گل فروشوں کی گلی بنا ہوا ہے۔ اس میں سے نہ گزریں اور اٹک کے بیٹھے رہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتیں خواتین وحضرات جب آپ ان پر غور کریں یا غور نہ بھی کریں' اکیلے بیٹھے ہوئے سوچیں' تو آپ کو اس میں سے بڑی اچھی پھلجھڑیاں بڑے پھول اور شگوفے نظر آنے لگیں گے۔ آپ اس پر عمل نہ بھی کریں' لیکن اس سے وابستہ ہو کر بیٹھ رہنا اور بیٹھنے کی عادت ڈالنا اور اس شعور کے ساتھ کہ میں اس اللہ کی دھرتی اس اللہ کے آسمانوں تلے موجود ہوں' جو اللہ نے خصوصی طور پر میرے لیے بنایا ہے اور میں اس کا احساس رکھ کر اس کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے کچھ ایسی جگہ لپکنا چاہتا ہوں' جہاں میری پہنچ آج تک ہو ہی نہیں سکی۔ تو پھر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ عجیب وغریب راستے کھلیں گے۔ بعض اوقات تو انسان یقین نہیں کرتا کہ میں ایسے راستے کو اپناؤں یا نہ اپناؤں' لیکن ایسے راستے کھلتے ضرور ہیں۔

مجھ میں یہ کمی ہے کہ مجھے ایسا وقت نہیں ملتا۔ ایسی دھوپ نہیں ملتی۔ ایسا لان نہیں ملتا کہ جہاں پر میں ہوں اور میرا پالنہار Creator ہو اور کچھ نہ کچھ اس سے بھی بات ہو۔ عبادت اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہے' لیکن اللہ خود فرماتا ہے کہ جب تم نماز ادا کر چکو تو پھر میرا ذکر کرو۔ لیٹے ہوئے بیٹھے ہوئے پہلو کے بل۔ یعنی یہ بھی اجازت دی کہ جس طرح سے چاہو مرضی کرو۔ لیکن آدمی ایسا مجبور ہے کہ وہ اس ذکر سے محروم رہ جاتا ہے۔ کبھی کبھی یہ سوچیں کہ اس وقت میرا اللہ کہاں ہے؟ کیسے ہے؟ شہ رگ کے پاس تو ہے ہی' لیکن میں کیوں خالی خالی محسوس کرتا ہوں۔ تو پھر بھی آپ کو ایک آواز سے ایک وائبریشن سے' جسے بدن کا ارتعاش کہتے ہیں' اس سے پتا چلتا ہے۔ یہ بڑے مزے کی اور دلچسپ باتیں ہیں' لیکن ہم اتنے مصروف ہو گئے ہیں کہ ہم اس طرف جا ہی نہیں سکتے اور اللہ نے چاہا تو جوں جوں وقت آگے بڑھتا جائے گا' ہمارے اندر شعور کی لہریں اور بیدار ہوتی چلی جائیں گی۔ ہم پہنچیں گے ضرور' جس طرح سے' کے ٹو' کی برفوں سے بہنے والا ایک چھوٹا سا نالہ دھکے کھاتا ہوا' جغرافیہ جانے بغیر' نقشہ لیے بغیر سمندر کی طرف جارہا ہوتا ہے اور ایک دن سمندر میں پہنچ جاتا ہے۔ ہم بھی ان شاء اللہ اپنے سمندر کے ساتھ جا کر ضرور ہمکنار ہوں گے۔ اللہ خداوند تعالیٰ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خواب اور معجزہ

معجزہ کیا ہے' ایک عرصے سے مجھے یہ بات ستا رہی ہے کہ میں معجزے یا کرامت کا تعین کیسے کروں' یہ کیا ہوتا ہے؟ یہ معجزہ' کرامت یا اعجاز کس چیز کا نام ہے؟ اکثر لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں۔ یہ بات پوچھنے والے اور بتانے والے کے لیے پریشان کن ہے کہ معجزہ' کرامات' اعجاز' جادوگری' سائنس اور تماشا کے درمیان لائن کہاں سے کھینچی جائے؟ میں نے بہت عرصہ قبل ریڈیو سے ملازمت کا آغاز کیا۔ اس وقت ہم آزاد کشمیر سے پروگرام کرتے تھے اور یہ پروگرام بڑے توجہ طلب ہوتے تھے۔ ان دنوں اچھی تنخواہ تھی نہ اچھے حالات' اس کے باوجود وہاں کئی اچھا لکھنے والے جمع ہو گئے تھے جن میں ممتاز مفتی' اعجاز بٹالوی جیسی شخصیات شامل تھیں۔ ایک دن دوپہر کو شارٹ ویوز نو 48.4 پر ایک پروگرام چل رہا تھا' جس میں میڈم نور جہاں "سب جگ سوئے ہم جاگیں' تاروں سے کریں باتیں" گانا گا رہی تھیں۔ اچانک گانا چلتے چلتے رُک گیا اور آواز گونجی: "روبینہ کتھے گئی اے۔ کل وی چلی گئی سی۔ اَج وی چلی گئی اے۔ چابیاں وی نال لے گئی۔" غرض کبھی "چاندنی راتیں تاروں سے کریں باتیں" کی آواز آنے لگتی' کبھی یہ مداخلت۔ ہم سب حیران ہو گئے کہ یہ شور یا آواز (STRAY NOISE) کہاں سے آ گئی۔ یہ سائنسی لفظ ہم نے استعمال کر کے جان چھڑا لی' لیکن سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا تو پھر یہ آواز کہاں سے آئی' کیا یہ کوئی معجزہ تھا' کرامات' جادوگری یا کچھ اور!!

میں ایسے واقعات پر غور کرنے لگا اور سوچنے لگا کہ آیا ایسا کہیں اور بھی ہوتا ہے؟ تھوڑے دنوں بعد معلوم ہوا کہ لندن میں ایک گٹار بجانے والا جب ہزاروں کے مجمع میں سٹیج پر آیا اور گٹار بجانے لگا تو اس کے گٹار میں سے بی بی سی کے پروگرام کی نشریات شروع ہو گئیں اور جب تک پورا بلیٹن ختم نہ ہوا' گٹارسٹ چپ چاپ پریشان کھڑا انتظار کرتا رہا اور شو کا وقت ختم ہو گیا۔ اس واقعہ کو کافی عرصہ گزر چکا ہے' لیکن ہم سوچتے رہے کہ یہ کیا معجزہ ہوا' یہ کیا کرامت ہوئی' اسے کس کھاتے اور کس خانے میں رکھیں اور اس واقعہ کو کیا معانی پہنائیں۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ایسے واقعات میں نے اپنی ڈائری میں لکھنا شروع کر دیئے۔ ایک بار میرے ایک دوست نے اپنے ساتھ ہونے والا ایک واقعہ بتایا اور کہا کہ آپ اسے بھی اپنی ڈائری میں لکھیں۔ اس وقت نئی نئی سوئی گیس دریافت ہوئی تھی۔ ایک شخص جو میرے دوست کا ملنے والا تھا' وہ اسے لاہور میں ایک کوکنگ رینج تحفے کے طور پر دے کر گیا۔ وہ میرپور سے تعلق رکھتا تھا۔ میرپور اس وقت امیر علاقہ سمجھا جاتا تھا' کیونکہ وہاں سے بڑی تعداد میں لوگ ولایت گئے ہوئے تھے۔ جب وہ کوکنگ رینج گیس کے ساتھ منسلک کر کے چلائی گئی' تو اس میں نزاکت علی' سلامت علی گانے لگے اور ان کی آوازیں آئیں۔ ان صاحبان کا پروگرام کراچی سے نشر ہوتا تھا اور آدھ گھنٹہ کے دورانیے پر مشتمل ہوتا تھا۔ وہ پروگرام مسلسل کوکنگ رینج پر چلتا رہا۔ جس پر دوست کی بیوی ڈر گئی اور سوچا کہ اس میں ولایت سے کوئی بھوت وغیرہ آ گیا ہے۔ سمجھانے کے باوجود وہ نہ مانی اور اس نے کہا کہ وہ تو اپنا چولہا لکڑیوں سے ہی جلائے گی۔

امریکہ کی ریاست ٹیکساس کا ایک نوجوان ذہنی طور پر ڈسٹرب ہو گیا۔ وہ کارخانے میں کام کرتا تھا۔ کام کے بعد گھر جاتا تو چلتے ہوئے اس کے منہ کے اندر' حلق میں ریڈیو پروگرام چلنا شروع ہو جاتا۔ یہ سوچ کر وہ نفسیاتی مریض بن گیا کہ اس کے اندر کوئی بھوت پریت سرائیت کر گیا ہے۔ کچھ ماہ بعد ڈاکٹروں نے اسے معجزہ قرار دیا۔ اسے اپنے حلق سے پورے پروگراموں کی آواز آتی تھی۔ خبریں' گانے سب کچھ چلتا تھا۔ اس شخص کو ماہرین نفسیات کے سپرد کیا گیا۔ اس امریکی لڑکے پر بڑے بڑے تجربات کیے گئے۔ آخر کار ایک الیکٹرانک انجینئر نے کہا کہ یہ لڑکا چونکہ ریگ مال کی فیکٹری میں کام کرتا ہے' جس سے ریگ مال کے باریک ذرات اس کے منہ کے اندر چلے جاتے ہیں۔ اس نے اپنے ایک دانت کی جگہ سونے سے Filling کرائی ہوئی تھی۔ جس طرح ہم بچپن میں کرسٹل ریڈیو سیٹ بنایا کرتے تھے جس میں سرے کی ڈلی لے کر اس کو باریک تانبے کے تار سے باندھ دیا کرتے تھے۔ اسے ایک طرف سے Earth کر دیتے تھے اور اس پر ہیڈ فون لگا کر بڑی آسانی کے ساتھ پورا پروگرام سن لیا کرتے تھے۔ اس الیکٹرانک انجینئر نے کہا کہ لڑکے کے منہ میں چونکہ ذرات چلے جاتے ہیں اور سونے سے ان کا ایسا تعلق بن جاتا ہے کہ اسے آوازیں آتی ہیں۔ بعد ازاں اسے کرسٹل ریڈیو سیٹ بنا کر باقاعدہ طور پر دکھایا گیا۔ جب اس کے باقاعدہ دانت صاف کروائے گئے تو آوازیں آنا بند ہو گئیں اور اس معجزے کی حقیقت کھلی۔ اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں۔

امریکہ کے علاقے نیوجرسی میں دو پہلوان سٹیج پر آ کر کسرت کرتے اور جب ان کا جسم بالکل تن جاتا اور ان پر ایک مخصوص کیفیت طاری ہو جاتی' تو وہ دو تاروں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیتے تھے' جس سے پورے کا پورا آرکسٹرا بجنا شروع ہو جاتا تھا۔ اسے صرف سائنٹفک حوالوں سے ہی نہیں دیکھنا چاہیے'

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بلکہ اس میں بندوں کا مسلز سے کام لینا' اپنی روحانی کیفیت سے کام لینا اور سب چیزوں کو ملا کر اپنی میکینکل چیزوں سے ملا دینے کا نتیجہ تھا۔

میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ معجزہ یا کرامات کی اتنی زیادہ اہمیت نہیں جتنی ہمارے افسانہ نگار ذہن نے پیدا کر دی ہے کہ ایسا ہونا چاہیے۔ البتہ خواب کی بہت بڑی اہمیت ہے اور اس بارے میں قرآن پاک کے اندر سورہ یوسف میں حوالہ بھی موجود ہے۔ اللہ تعالٰی خواب کے بارے میں ضرور چاہتا ہے کہ ہم جانیں۔ بدقسمتی سے ہمارے کسی بزرگ' عالم یا روحانی پیشوا نے اس طرف سنجیدگی سے توجہ نہیں دی۔ ڈاکٹر فرائیڈ نے اس پر تحقیق کی' لیکن وہ بیچارا بالکل الٹی راہ پر چل نکلا۔ البتہ اب ولایت میں اس پر کام ہو رہا ہے کہ خواب کی کیا اہمیت ہے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ جب تک وہ اللہ تعالٰی کی ذات کا سہارا نہیں لیں گے' جس نے خواب کو معانی عطا کیے ہیں' اس وقت تک وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکیں گے۔ اب میں آپ کو ایک معجزہ نما خواب کی بابت بتاتا ہوں۔

خراسان میں ایک غریب آدمی علی شاد رہتا تھا کہ وہ ایک وقت کی روٹی سے بھی محتاج تھا۔ وہ بیچارگی کی آخری سٹیج پر پہنچ گیا تو ایک رات اسے خواب آیا کہ "تو یہاں سے ہندوستان کا سفر کر"۔ یہ پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے۔ اسے کہا گیا کہ "اٹک کا پل آئے گا وہاں تک پہنچ۔ اٹک پل کے آخری سرے پر جہاں پل کے ستون ہیں' وہاں کے آخری پائے پر داہنے ہاتھ پانی کے اندر پوری بادشاہت کا خزانہ ملے گا۔" وہ غریب آدمی پا پیادہ چل پڑا' مہینوں کی منزلیں برسوں میں طے کرتا ہوا نہایت تنگدستی میں وہاں پہنچا۔ پل پر انگریز کا پہرہ تھا۔ جب پہریدار اس سے کچھ پوچھنے کے لیے قریب آتے' تو وہ ڈر کے مارے دُور بھاگ جاتا۔ آخر ایک ماہ بعد ایک سپاہی نے پل سے نیچے اتر کر اس حالت کی وجہ پوچھی تو اس غریب آدمی نے سپاہی کو اپنا خواب سنا دیا۔

اس پر پوچھنے والا قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا اور کہا کہ کیسی احمقوں جیسی بات کرتے ہو اور کہا کہ مجھے پچھلے دو سال سے خواب آ رہا ہے کہ خراسان میں ایک فقیر ہے اور اس کے گھر کے چولہے کے پیچھے ٹین کا ایک ٹکڑا لگا ہوا ہے اور اس ٹکڑے کو اکھاڑو تو اس کے نیچے سات بادشاہوں کا خزانہ ہے۔ غریب نے فقیر کا نام دریافت کیا تو سپاہی نے علی شاد بتایا۔ غریب آدمی واپس بھاگا اور گھر پہنچا۔ اس نے ٹین اکھاڑا تو اسے خزانہ مل گیا۔

اس طرح خواب کی اہمیت اور معانی رکھتی ہے اور معجزات کی باتیں زیادہ توجہ طلب نہیں ہیں۔ میں نے اپنے بابا سائیں صاحب سے پوچھا کہ معجزہ کیسے ہوتا ہے؟ کہنے لگے کہ کمالیہ سے قوال آئے ہیں اور یہ چھوٹے قوال ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے چوکی بھرنی ہے' جبکہ ان کے پاس ایک ہی طبلہ ہے اور ان کے ہارمونیم سے ہوا نکل جاتی ہے اور یہ اب ہمارے سامنے قوالی کریں گے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ان کے چھوٹے چھوٹے بال بچے ہیں۔ اگر ان قوالوں کا کچھ بن گیا تو اسے معجزہ کہیں گے' نہیں تو پھر کچھ نہیں۔ اس لیے معجزہ ہمیشہ بندے کے حوالے سے ہوتا ہے۔ اگر بندے کا کچھ بن گیا تو معجزہ ہو گیا۔

اب آپ خدا کے لیے معجزے کی تلاش میں اٹک کے پل کی طرف نہ چل پڑنا۔ خواب کی اہمیت مسلم ہے۔ میری خواہش ہے کہ علماء اس پر توجہ دیں۔ اس پر توجہ دی جاتی رہی ہے' لیکن سائنٹفک طریقے سے اس پر توجہ نہیں دی گئی۔ اگر توجہ دی جائے تو اس سے بہت سے مطالب اور معانی اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ مغرب والے اس پر جتنی بھی تحقیق کریں' وہ کسی مقصد تک نہیں پہنچ پائیں گے' کیونکہ ان کا رُخ الٹا ہے۔ خدا آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

زبانی دعوے اور ضمیر کی آواز

بڑا اچھا موسم ہے اور بڑے اچھے دن ہیں' لیکن جو خوشی دلوں کے اندر ناچتی ہے اور چہروں پر رقص کرتی ہے' وہ عام لوگوں میں مفقود ہے۔ پتہ نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ کسی سیانے سے پوچھیں تو وہ بھی اس کی وجہ بیان نہیں کر سکتا۔ کسی اکانومسٹ سے دریافت کریں تو وہ اپنی تمام علمیت کے باوجود یہ نہیں بتا سکتا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ ہماری انسانوں کی بھری پُری دنیا میں ایسا کیوں ہو رہا ہے کہ وہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی مغموم' ملول اور پریشان اور دردمند رہتا ہے' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ دن بھی کچھ سکھانے کے لیے ہوتے ہیں اور جب آدمی سیکھ جاتا ہے تو بہت کچھ حاصل کر لیتا ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہت بڑی باتیں آپ کے سامنے آ جاتی ہیں' بشرطیکہ آپ غور کریں۔

رمضان شریف سے پہلے کا ذکر ہے۔ میں اپنے گھر میں بالکل اکیلا تھا۔ ایک عجیب و غریب آواز سنی' جو اس سے پہلے کبھی سنائی نہیں دی تھی۔ وہ آواز کچھ کچھ پرندے کی لگتی تھی اور کچھ کچھ مشین کی لگتی تھی اور کچھ کسی سیارے کے اوپر سے آنے کی سی ککو' کک' ککو' میں پریشان ہوا اور میں نے اٹھ کر صحن کا چکر لگایا۔ آواز بدستور آتی رہی تھی' لیکن پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں سے آ رہی ہے۔ پھر میں اٹھ کر باورچی خانے میں گیا' وہاں سے بھی ایسی ہی آواز آ رہی تھی' لیکن ذرا مدھم تھی۔ باورچی خانے کے ساتھ ایک کوٹھڑی ہے' جہاں بانو کھانے پینے کا سامان یعنی سوکھی رسد وغیرہ رکھتی ہیں۔ وہاں بھی ویسی ''کک'' کی آواز آ رہی تھی' پھر میں باہر نکلا اور محسوس ہوا' جیسے یہ آواز میرا پیچھا کر رہی ہے' جس طرح میں جاتا ہوں میرے ساتھ چل رہی ہے۔ میں خاصا پریشان ہوا۔ اس عمر میں آدمی چھوٹی چھوٹی باتوں پر زیادہ پریشان ہو جاتا ہے۔ اتفاق سے میرا بیٹا جو اپنی فائل بھول گیا تھا' دفتر سے گھر آیا تو میں نے کہا' یار تم دیکھو یہ عجیب سی آواز آتی ہے اور پھر رُک جاتی ہے اور بڑی دیر تک نہیں آتی۔ وہ کہنے لگا کہ گھبرانے کی بات نہیں ہے یہ آواز ہماری سڑک سے پچھلی سڑک پر جو سرونٹ کوارٹرز کی جو کالونی ہے' اس کے پیچھے سڑک بن رہی ہے۔ اس طرف سے آ رہی ہے اور زمین کو ہموار کرنے والے بلڈوزر کی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہے۔ میں نے کہا کہ بلڈوزر کی آواز تو اور طرح کی ہوتی ہے۔ اس نے کہا کہ ابو بلڈوزر جب ریورس کرتا ہے تو پھر یہ مخصوص قسم کی آواز دیتا ہے۔ خطرے کے طور پر کہ پیچھے کوئی ہے تو نہیں محتاط ہو جائیں۔

میرا بیٹا چلا گیا' لیکن میں سوچنے لگا کہ یہ سائنسدان لوگ بھی کیا کمال کے لوگ ہوتے ہیں۔ انہوں نے مادیت سے اتنا کچھ نہیں سیکھا' جتنا روحانیت سے سیکھا ہے اور میرے اندر بھی یہ وارننگ کا سگنل اکثر اسی آواز میں چلتا ہے اور چلتا رہا ہے۔ اس کو آپ ضمیر کی آواز کہہ لیں' اس کو آپ احساس گناہ کا نام دیں' میرے اندر کی آواز سے فائدہ اٹھا کر ہی سائنسدانوں نے اپنی مشینوں میں اسی طرح کی آواز بھر دی ہے' جیسے ضمیر کی آواز ہوتی ہے' تا کہ آدمی کو پتہ چلتا رہے کہ وہ کیسی غلطی کر رہا ہے اور کیوں ریورس جا رہا ہے اور یہ کہ اسے خداوند تعالیٰ نے آگے جانے کے لیے حکم دیا ہے۔ وہ بیک کیوں جا رہا ہے۔ میرے ذہن میں یہ ساری بات آئی تو بہت ساری گزشتہ باتیں اور کیفیتیں جو آدمی کے ذہن پر طاری ہو جاتی ہیں' وہ طاری ہو گئیں۔ مجھے اللہ کی ایک بات یاد آئی' جس کی میں نے ہمیشہ ہی حکم عدولی کی اور جس کو نہیں مانا۔ یہ کہ اللہ کہتا ہے کہ وہ کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں اور بہت دفعہ کہا ہے۔ میری یہ کیفیت رہی ہے اور شاید میرے ساتھیوں کی بھی ہو کہ ہم جب سٹیج پر بیٹھتے ہیں یا گھر والوں یا دوست احباب میں بات چیت کرتے ہیں تو ضرور ایسی باتیں کرتے ہیں' جن پر ہمارا عمل نہیں ہوتا۔

میرے ایک استاد تھے اور میں خود بھی ٹیچر رہا ہوں۔ وہ اپنے طلبہ' اپنے ساتھیوں اور سارے ملنے والوں کو اکثر بتایا کرتے تھے کہ "نبی اکرمؐ اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے' اپنے کُرتے کو خود پیوند لگاتے تھے' اپنے جوتے گانٹھ لیتے تھے' اگر جگہ صاف نہ ہو تو جھاڑ و دیتے تھے اور اگر کبھی کوئی کارکن' کارندہ یا خادم سویا ہو تو اسے کبھی نہیں جگاتے تھے۔" لیکن میں تو اکثر یہ پوچھتا ہوں کہ بھئی وہ بشیرا کہاں ہے۔ پتہ چلا کہ سویا ہوا ہے تو کہتا ہوں اسے جگاؤ اور اسے بولو کہ میرے لیے چائے کی ایک پیالی بنائے۔ میری طرح میرے بعد آنے والے استاد پھٹے ہوئے کپڑوں کو پیوند لگانے یا جوتا گانٹھنے کی بات اکثر کرتے ہیں' لیکن میں نے کبھی کسی استاد کو آج تک سکول میں نہیں دیکھا کہ اس نے اپنی قمیض کو کوئی پیوند یا "ٹاکی" لگائی ہو۔ یہ ہم کہہ ضرور دیتے ہیں' لیکن کتنی بری اور نقصان دہ بات ہے کہ میرا عمل نہیں ہے' لیکن میں اسے زبردستی دھکیلے چلا جاتا ہوں کہ آپ اس پر عمل کریں' میں قبول کروں یا نہ کروں' یہ تکلیف دہ بات ہے۔

پچھلے دنوں میں ٹی وی پر ایک تقریر سن رہا تھا' ٹی وی پر سمجھدار لوگوں کا ایک چینل کہہ رہا تھا کہ دیکھئے ہمارے اسلام میں تو عورت کو خداوند تعالیٰ نے اتنی آسانیاں دی ہیں اور اس کے لیے ایسے قانون طے کر دیے ہیں' جو دنیا کے کسی معاشرے اور مذہب میں نہیں ہیں۔ اس کو پوری آزادی دی ہے۔ ولایت والیاں تو اب بڑی مشکل سے وہاں پہنچی ہیں' جو آج سے 14 سو برس قبل اللہ نے عورت کو دے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

دیا تھا۔ بیان تو یہ ہو رہا ہے' لیکن جب میں عمل کی طرف لوٹتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ جو وہ کہتے ہیں' کرتے کہاں تک ہیں۔ میرے ایک عزیز ہیں' چچازاد بھائی۔ وہ بڑے نیک مولوی آدمی ہیں اور ہمیں اچھی نصیحتیں کرتے ہیں۔ ان کی رحیم یار خان میں زمین ہے' جس میں باغ بھی ہے' بارہ مربع زمین ہے' وہ ایک بھائی اور بہن ہیں' ان کے اباجی حیات تھے تو وہ سب کام سنبھالتے تھے۔ جب وہ فوت ہو گئے تو بڑی سیدھی سی تقسیم تھی کہ آٹھ مربع بھائی کے اور چار مربع بہن کے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

اس میں کوئی باریکی بھی نہیں تھی تو وہ بھائی صاحب جو بار بار یہ کہتے تھے کہ اللہ نے طے کر دیا ہے' انہیں جب چار مربع زمین دینے پڑے (ایک مربع کی آمدنی تقریباً 4 لاکھ روپیہ سالانہ تھی) اور 16 لاکھ روپیہ سالانہ بہن کو جانے لگا تو ان کے قدم لڑکھڑا گئے۔ وہ خدا اور رسولؐ کے فرمان بتاتے تو بڑے تھے' لیکن عمل نہیں تھا۔ میں نے کہا' یار تُو تو ہمیں سمجھایا کرتا تھا' اس لیے آپا کا جو حصہ بنتا ہے' اسے دو۔ کہنے لگا نہیں میں ظالم نہیں ہوں' سنگدل نہیں ہوں' میں بڑی احتیاط اور سنبھال کے ساتھ اس کے مربع کا انتظام بھی کرتا ہوں۔ میں نے کہا تو دفع کر۔ ایسا نہ کر۔ اس کا خاوند جانے وہ جانے۔ کہنے لگا نہیں' میں اس کی بہتر مدد کر سکتا ہوں اور میں اس کا خرچ چلانے کے لیے گزارے کے طور پر دو ہزار روپے ماہانہ دے رہا ہوں۔

دیکھئے جب یہ سب کچھ ہو گیا تو میں نے ایک روز اپنے اس بھائی کو دیکھا' خواتین و حضرات لاہور میں ایک جگہ ہے شاہ جمال کالونی' وہاں پر سڑک کے کنارے ایک چڑی مار بیٹھا تھا۔ یہ طوطے چڑیاں پکڑ کر بیچنے والے ہوتے ہیں۔ وہاں میرا وہی بھائی کھڑا تھا اور اس نے اس چڑی مار سے کہا' سو چڑیاں چھوڑ دے اور بتا کتنے کی آتی ہیں۔ اس نے کہا کہ پانچ روپے کی ایک چڑی ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ یہ لو پانچ سو روپے' چڑی مار نے جنگلے کا دروازہ کھول دیا اور چڑیاں پُھر پُھر اڑنے لگیں۔ میں گاڑی میں بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے پوچھا بتاؤ طوطا کتنے کا ہے۔ اس چڑی مار نے جواب دیا' پچیس روپے کا۔ میرے بھائی نے کہا کہ چلو دس طوطے چھوڑ دو۔ یہ پیسے دے کر میرا بھائی سمجھا کہ اللہ کے حکم پر اس نے عمل کر لیا ہے اور جو لوگ وہاں کھڑے تھے' وہ سب کہہ رہے تھے کہ کتنا نیک دل آدمی ہے' جو جانوروں پر اس قدر رحم کرتا ہے تو بندوں پر کیوں نہیں کرتا ہو گا۔ اس طرح کی کوتاہیوں میں ہم سب شامل ہیں' کسی نہ کسی طور پر۔ میں زور لگاتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ یا اللہ ایسی کوئی بات منہ سے نہ نکلے' لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جو بندہ محفل میں بیٹھا ہے' وہ معتبری بنانے کے لیے چاہے گا کہ اس کی واہ واہ ہو۔ رہا اس کا عمل تو اسے کون دیکھنے جاتا ہے۔ اس طرح آدمی کو بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔

میں نے شاید آپ کو پہلے بھی یہ قصہ سنایا تھا کہ ہمارے سکول میں دو لڑکے آپس میں لڑ پڑے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پرنسپل نے انہیں سکول سے نکال دیا دونوں لڑکوں کے والدین میرے پاس آ گئے اور کہا آپ صاحب عقل ہیں، پرنسپل صاحب کو منائیے۔ میں پرنسپل کے پاس گیا۔ انہوں نے کہا کہ میں یہ بات تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں اور انہیں سکول سے نکال دیا اور اس سختی سے نکالا کہ وہ لڑکے کسی اور سکول میں داخلہ ہی نہیں لے سکتے تھے، یعنی ان کا کیریئر ہی تباہ کر دیا۔ ہوا یہ تھا کہ صبح Prayer کے وقت ایک نے دوسرے کو دھکا دیا اور وہ آپس میں لڑ پڑے۔ بس اتنی بات تھی۔ میں نے پرنسپل سے درخواست کی کہ آپ تو معاف کر دینے والوں میں سے ہیں، تو کہنے لگے ہاں ہم اپنے بچوں کو معافی کا درس دیتے ہیں۔ میں نے کہا، سر! جب تک آپ معاف کرنے کا علم نہیں عطا کریں گے تو انہیں لفظ کے معانی کی سمجھ نہیں آئے گی۔ آپ انہیں آگے بڑھنے کا مقابلہ کرنے کا سبق سکھاتے ہیں تو معاف کرنے کا بھی سکھا دیں۔ یہ کیسے آئے گا۔ یہ سکول سے ایسے ہی نکل گئے اور انہیں کسی نے معافی کا درس نہ دیا اور اتفاق سے جا کر کسی ضلع کے ڈپٹی کمشنر بن گئے تو انہیں تو معاف کرنے کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔ انہوں نے سیکھا ہی نہیں ہوگا، جیسے میں نے باکسنگ کا فن نہیں سیکھا۔ اگر کوئی مجھے اکھاڑے میں کھڑا کر دے تو میں تو مارا جاؤں گا۔ کہنے لگے نہیں دیکھئے اس کا کورس میں ذکر ہے اور ایک ماسٹر صاحب سے کہا کہ آپ بھاگ کر وہ کتاب لائیں اور اسے اشفاق صاحب کو دکھائیں۔

اس میں لکھا تھا کہ ایک بدبخت بڑھیا مکہ شریف میں حضور نبی اکرمؐ پر ہر روز کوڑا اپھینکا کرتی تھی اور آپؐ اپنی زلفیں، سر اور کپڑے جھاڑتے ہوئے گزر جاتے تھے۔ یہ کہانی آپ لوگ جانتے ہیں۔ ایک دن یہ سب کچھ نہ ہوا تو آپؐ کو پتہ چلا کہ وہ عورت بیمار ہے، آپؐ عیادت کے لیے اس کے گھر گئے اور فرمایا کہ بی بی کیا حال ہے۔ میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ پرنسپل صاحب کہنے لگے دیکھئے کتنا اچھا معاف کرنے کا سبق ہے۔ میں نے کہا کہ جی یہ تو کہنے کی بات ہے۔ کہنے لگے نہیں ہم پڑھا دیتے ہیں۔ اگلے سبق میں پڑھئے، جب حضور نبی اکرمؐ طائف میں تشریف لے گئے تھے، وہاں پر شریر نوجوان پیچھے پڑ گئے اور آپؐ کو تکالیف دیں تو نبی پاکؐ نے دعا دی کہ "اے اللہ! یہ لوگ جانتے نہیں۔" فرشتہ جبرائیل ان کے پاس آیا اور کہا آپ چاہیں تو ہم پہاڑوں کو ہلا دیں۔ یعنی فرشتے کو تکلیف ہوئی کہ یہ کم بخت لوگ کیا کرتے ہیں، تو آپؐ نے فرمایا "انہیں کچھ نہ کہنا۔ انہیں پتا نہیں ہے جب پتا چل جائے گا تو....."

اچھا ہم سارے یہ بات بتا تو دیتے ہیں، لیکن ہم اس پر کسی طور عمل نہیں کرتے اس لیے بہتر یہ ہے کہ جب تک عمل نہ ہو سکے، بتائیں بھی نہیں۔ جب بات کریں تو لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی کوئی آدمی ایسا ضرور آتا ہے زندگی میں جو اس 'کک' 'کک' سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کا ضمیر جب اس کو روکتا ہے اور کہتا ہے کہ ریورس مت چل، تو وہ ریورس سے رک جاتا ہے۔ آواز سب کو آتی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہے' پتا سب کو چلتا ہے۔ لیکن وہ خوش قسمت ہوتا ہے۔

آپ کو ایک واقعہ سناؤں بریلی کے کوئی رئیس تھے۔ وہ میر ضامن کے مرید بھی تھے۔ ان سے بیعت تھے۔ ان کے ہاں ایک دفعہ چوری ہوگئی تو لوگوں کو اکٹھا کیا۔ ایک بے چارہ جولاہا وہاں موجود تھا جو بڑا ڈرپوک قسم کا کارندہ ہوتا ہے۔ اس کو بلا کر ڈرایا دھمکایا تو وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ لوگوں نے کہا کہ جناب! یہی چور ہے۔ اس کی شکل دیکھیں پیلی رنگت ہو رہی ہے۔ اس پر انہوں نے اس کو تین چار بید مارے وہ تڑپا اور چلایا۔ رئیس جب گھر آیا تو اسے خیال آیا کہ اس کے پاس کوئی ثبوت تو تھا نہیں۔ میں نے ایسے ہی اسے بید لگا دیے۔ وہ وہاں سے نکلے اور مولوی ضامن صاحب کے پاس گئے' جو اس وقت اپنے کمرے میں تھے اور معمولات میں مصروف تھے۔ خادم نے رئیس سے کہا کہ وہ اس وقت نہیں مل سکتے۔ رئیس نے کہا کہ آپ مولوی صاحب سے کہہ دیجئے کہ یا تو وہ ملاقات کر لیں' یا پھر میں اپنا منہ کالا کروں یا جھیل میں ڈوب کر مر جاؤں' کیونکہ میں واپس گھر نہیں جاؤں گا۔ اس پر پریشان ہو کر مولوی ضامن نے انہیں اندر بلا لیا اور کہا میاں کیا شور مچا رکھا ہے۔ اس نے کہا کہ جی مجھ سے یہ کوتاہی ہوگئی ہے۔ مولوی ضامن نے کہا کہ اس میں شور مچانے والی کیا بات ہے۔ اس شخص سے جا کر معافی مانگ لو۔

رئیس کہنے لگا یہ تو مشکل ہے (کیونکہ وہ بڑا آدمی تھا) مولوی ضامن نے کہا کہ بس خودکشی کرنے' مرنے یا خود کو ایذا دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک ہی حل ہے کہ معافی مانگو۔ وہ واپس آیا۔ گاؤں کے لوگوں کو اکٹھا کیا اور جولاہے کو بھی بلایا۔ وہ بے چارہ پھر ڈرا کہ سردار نے پھر بلایا ہے۔ رئیس نے کہا کہ یا تو مجھے اتنے بید مارو' نہیں تو میں تجھے اس گاؤں سے جانے نہیں دوں گا۔ تیرا کھان بچہ (خاندان) مار دوں گا۔ وہ کہنے لگا' خواہ مجھے آپ جان سے مار دیں' آپ رئیس ہیں اور ہمارے سردار ہیں میں آپ کو بید کیسے مار سکتا ہوں۔ رئیس نے کہا کہ نہیں یہ تو تجھے مارنے پڑیں گے۔ وہاں جھگڑا ہوگیا۔ لوگوں نے کہا حضور! یہ بیچارہ غریب آدمی ہے اور آپ سے خوفزدہ ہے۔ یہ اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتا ہے۔ آپ معافی مانگ لیں' کافی ہے۔ وہ رئیس گھٹنوں کے بل جھک کر جولاہے کے سامنے کھڑا ہوگیا اور کہا کہ مجھ سے کوتاہی ہوگئی۔ اس پر اس جولاہے نے کہا کہ جی میں نے آپ کو معاف کیا۔ جب رئیس گھر پر آئے تو پھر بھی اس کا دل مطمئن نہ ہوا کہ پتا نہیں معافی ملی ہے یا نہیں۔ مجھ سے بڑی کوتاہی ہوئی۔ گویا رئیس کے اندر بلڈوزر کی "کٹ کٹ کٹ" چلی آ رہی تھی اور وہ اس کا سامنا نہیں کر سکتے تھے۔ پھر رئیس نے جولاہے کو بتائے بغیر اپنے آپ کو اس کے گھر کا ایک خادم بنا لیا۔ صبح اٹھتے تو تکبھی لے جاتے اور اس کے گھر والوں سے کہتے کہ بازار سے جو سودا منگوانا ہے' مجھے بتا دیں۔ بیبیوں کے مزے ہوگئے۔ وہ دو سیر چینی' سیر آٹا' پیاز اور مولیاں وغیرہ سب کچھ منڈی سے خرید کر انہیں لا دیتے۔ جب تک زندہ رہے وہ ایک خادم کی حیثیت سے اس گھرانے کا کام کرتے رہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

یہ تو خوش قسمت لوگوں کی کہانی ہے کہ انہوں نے جو کہا اس پر عمل بھی کیا' کیونکہ مجھ سے یہ ہوتا نہیں ہے اور میں کافی کوشش بھی کرتا ہوں۔ اسلام کی برتری کا تذکرہ کرتے ہوئے ان بڑے لوگوں کی مثالیں ہم دیتے ہیں کہ جن کے قریب تک پہنچنے کا ہم میں یارا نہیں ہوتا' ہمت نہیں ہوتی اور انہیں ہم کسی بھی صورت تقابل میں لا نہیں سکتے۔ جب اللہ یہ کہتا ہے اور وضاحت سے کہتا ہے "تم کیوں ایسا کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔" یہ بڑی غور طلب بات ہے۔ اس میں یقیناً تھوڑی سی بے رونقی ضرور آئے گی' لیکن جس بات کا میں نے پہلے تذکرہ کیا کہ دلوں کے اندر خوشی کا سامان ضرور مل جائے گا' جیسے اس رئیس کے اندر ہوا۔

میں جو سمجھ سکتا ہوں کہ ہماری معاشرتی کمزوری ہے کہ ہم لوگ ہم سارے کے سارے اعلیٰ درجے کی مثالیں دے کر اسے اپنی زندگی کے اوپر حاوی نہیں کرتے۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز رات کو اپنے دفتر کا حساب کر رہے تھے۔ دیا روشن تھا۔ دوست باتیں کرنے لگا' تو آپ نے پھونک مار کے دیا گل کر دیا اور کہا کہ یہ قوم کا تیل تھا' جس سے یہ جل رہا تھا۔ ہم آپس میں ذاتی باتیں کر رہے تھے' اس لیے یہ دیا نہیں جلے گا۔ اندھیرے میں بات کرو۔ ہم یہ بات جب کہتے ہیں تو سننے والا بھی بیچارہ اور ہم خود بھی یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ شاید ہم بھی اسی رنگ میں ہیں' حالانکہ ہم قومی یا سرکاری سرمائے کو بلا دریغ جو استعمال کرنے میں ہرگز کوئی برائی نہیں سمجھتے۔ اس دن کی ریورس کی ٹک ٹک ٹک ٹک میرے اندر بڑی شدت سے چل رہی ہے۔ گو میں ابھی اس ٹک ٹک پر ویسے قابو نہیں پا سکا' جیسے میر ضامن علی صاحب کے مرید رئیس نے پایا تھا۔

میں آپ کو دعا دیتا ہوں کہ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

دوستی اور تاش کی گیم

میں اس سے پہلے بھی گفتگو کے اسی سلسلے میں عرض کر چکا ہوں اور اب پھر کہوں گا کہ میں اور میری بیگم بانو قدسیہ درمیانے درجے کے اچھے لوگ ہیں۔ بہت اچھے تو نہیں' لیکن ایک خرابی ایسی ہے جو ہمارے درمیان چلی آ رہی ہے اور اس کا کوئی سدباب نہیں ہو سکتا۔ ہمیں تاش کھیلنے کی عادت ہے۔ مجھ میں تو نہیں تھی اور میں نہیں جانتا تھا کہ تاش کیسے کھیلی جاتی ہے' لیکن میرے سسرال والے اس کھیل میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ میری ساس جو تھیں اگر کوئی ساتھی نہ بھی ہوتا تو وہ اکیلے ہی تاش کھیلتی رہتیں۔ میری بیوی نے بھی سیکھی' لیکن اس کے بعد تاش ہمارے گھرانے میں آ گئی۔ ہم دونوں صبح سویرے بیڈ ٹی لیتے ہیں اور ہماری بیڈ ٹی یہ ہے کہ ہم خود ہی چائے بناتے ہیں۔

صبح بچے سوئے ہوتے ہیں۔ ہر طرف ہو کا عالم ہوتا ہے۔ ہم دونوں اس وقت باورچی خانے میں اکیلے ہوتے ہیں۔ چائے کی ایک ایک پیالی پی کر ہمیں جو وقت ملتا ہے' اس میں ہم تاش کھیلتے ہیں اور بچوں کے جاگنے سے پہلے تاش کھیل کر سمیٹ لیتے ہیں' تاکہ انہیں پتا نہ چلے۔ جب ملازم آتے ہیں تو ان کے آنے سے بھی قبل ہم تاش سمیٹ لیتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک خوبصورت ڈبہ ہے جس کے چاروں طرف بہت خوبصورت جنگلی پھول بنے ہوئے ہیں۔ اس ڈبے کے ڈھکنے پر نہایت خوبصورت ایک ہرنی ہے' جو چراگاہ میں چر رہی ہے اور اس ہرنی کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا سا بچہ ہے' جو ابھی دودھ پیتا ہے اور گھاس کھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ بہت پیاری تصویر ہے۔ اس کے اندر ہم نے اپنے پتے رکھے ہوئے ہیں۔ میں تو ان پتوں کو پھینٹ نہیں سکتا' کیونکہ میری پریکٹس نہیں ہے۔ میری بیوی ہی انہیں پھینٹتی ہے اور وہ پتے چونکہ مختلف قسم کے ہیں اور ان کا سائز ٹھیک نہیں ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ملتا نہیں ہے' اس لیے اس بات کی مشق میری بیوی ہی کو ہے۔ پھر تاش بانٹی جاتی ہے۔ جس کے پاس آخری پتا آتا ہے اس کو حکم ہوتا ہے کہ اس پتے کو دیکھ کر بتائے۔

اس تاش کا میں کچھ حصہ لے آیا ہوں جس کا سائز کچھ اونچا کچھ نیچا ہے۔ یہ جو پتے ہیں میں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

آپ کے سامنے رکھوں گا اور شاید آپ کو نظر بھی آئیں۔ یہ ہماری تاش ہے جو ہم اپنے پاس رکھ کر ہر روز صبح کھیلتے ہیں۔ یہ عید کارڈ ہیں جو پچھلے سال ہمیں موصول ہوئے تھے اور جن کی تعداد تقریباً تین یا ساڑھے تین سو ہے۔ ہر روز ان پتوں کو نکالنا اور چھانٹنا اور پھر اس گیم کو شروع کرنا کافی مشکل اور پیچیدہ کام ہے۔ جب آپ شروع کریں گے تو آپ کو بھی خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ پھر ایک پتا' جو میری بیوی اٹھاتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ یہ عید کارڈ پچھلے سال یوسفی صاحب نے بھیجا تھا۔

مشتاق یوسفی ہمارے دوست ہیں۔ ہم دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! یوسفی صاحب جہاں بھی ہوں اور جس مقام پر بھی ہوں اور جیسے کیسے بھی ہوں' ان پر' ان کے گھر والوں پر' ان کی بیگم پر' ان کے بچوں اور پوتوں پر اپنی رحمتوں کا نزول فرما اور پھر اس کے بعد جو ان کی ذات سے وابستہ کچھ باتیں یاد آتی ہیں' ان کو بھی ہم دُہراتے ہیں تاکہ یہ سلسلہ نہ ٹوٹے اور سال بھر کا کم از کم جو رشتہ ہے' وہ اسی طرح سے قائم رہے۔ پھر میری بیوی مجھے بتاتی ہے کہ جب وہ کسی بڑی تقریب پر قطر گئے تو مشتاق یوسفی نے ان سے بانو قدسیہ سے کہا تھا کہ آپ بڑی رائٹر ہیں' لیکن ایک بات کا خیال رکھئے کہ زوال نعمت سے پہلے ریٹائرڈ ہو جانا بہت ضروری ہے۔ آپ بہت عروج پر پہنچ جاتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ میں اس مقام پر پہنچا تو سمجھدار آدمیوں کا یہ تقاضا ہے کہ اس نعمت کو آخر زوال تو آنا ہی ہے۔ اس سے پہلے ہی یہ فیلڈ چھوڑ دینا چاہیے۔ اور پویلین میں واپس جا کر اپنا بلا رکھ دینا چاہیے کہ اللہ تیری مہربانی۔

یونس جاوید نے ہمیں ایک کارڈ بھیجا تھا۔ وہ میں اٹھاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ یہ بہت اچھا نوجوان ہے اور اس نے ہم کو یاد رکھا اور اس کے اپنے گھر والوں پر بہت احسان ہیں اور اس نے میٹرک سے عملی زندگی شروع کی اور ایم اے تک پہنچا۔ یہ ہمارا ذہین ادیب ہے۔ اے اللہ اس کو اس کے دنیاوی مقام پر بھی پہنچا اور دینی مدارج بھی طے کروا اور اس کو دین اور دنیا میں سرخرو کر۔ جتنے بھی ہمیں الفاظ اس وقت یاد آتے ہیں اس تاش کے کھیل میں ہم کھیلتے ہیں اور بڑے شوق اور محبت اور جذبے کے ساتھ' کیونکہ اس وقت کوئی ڈسٹرب کرنے والا' خلل ڈالنے والا نہیں ہوتا۔

پھر بیچ میں سے ایک کارڈ نکل آتا ہے۔ ظہیر کا مہراب پور سندھ سے۔ یہ کون آدمی ہے؟ ہم نہیں جانتے ظہیر کچھ ایسی محبت والا آدمی ہے۔ عجیب و غریب کہ کبھی کبھی اس کی طرف سے ایک پیکٹ بھی موصول ہوتا ہے جو کوریئر کے ذریعے آتا ہے۔ ہم اسے کھولتے ہیں تو سلور کے ایک خوبصورت ڈبے میں گاجر کا حلوہ ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے آپا جی! یہ گاجر کا حلوہ میں نے خود پکایا ہے اور میں نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ آپ چونکہ شوگر کی مریضہ ہیں تو اس میں چینی زیادہ نہ ہو تو آپ تجربہ کر کے مجھے بتائیں کہ مجھے گاجر کا حلوہ بنانا آتا ہے کہ نہیں۔ ہم اس سے ملے تو نہیں' لیکن خط و کتابت یا ٹیلیفون کے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ذریعے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ حلوہ بہت اچھا تھا۔

اب ایک رضوانہ ہیں، جس نے لاڑکانہ سے ایک عید کارڈ بھیجا ہے۔ اب رضوانہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ پتا نہیں، مگر ظاہر ہے کہ ہماری دعائیں اس کے لیے ہیں۔ وہ کتنی بڑی ہے، کتنی چھوٹی ہے، اس کی شکل صورت کیسی ہے؟ ہم نہیں جانتے۔ اس نے اپنا پتا بھی نہیں لکھا، جیسے عیسیٰ خان نے کوہاٹ سے خط لکھا اور وہ تین چار روز پہلے ڈبے سے نکلا تو میری بیوی، چونکہ سرتاش کی باری اسی کی بنتی تھی تو اس نے کہا کہ یا اللہ! عیسیٰ خان جہاں بھی ہو اگر شادی شدہ ہے تو اس کے بیوی بچوں پر تیری رحمتوں کی بارش ہو، اگر ابھی تک کنوارا ہے، دکاندار ہے، پڑھ رہا ہے تو اس اکیلے پر، اس کے ماں باپ پر اپنی رحمت فرما۔

اس قسم کی کہانیاں چھوٹے چھوٹے افسانے بنتے رہتے ہیں اور تاش کی یہ گیم چلتی ہے۔ اب یہ کہ کچھ مانوس لوگ ہوتے ہیں، کچھ نامانوس، کچھ ہمارے دوست ہیں، جن کو ہم اچھی طرح سے جانتے ہیں، کچھ دوست نہیں ہیں۔ ان کارڈز کی وجہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ دوست کون ہوتا ہے، ملاقاتی کون ہوتا ہے، نامانوس ملاقاتی کون ہوتا ہے؟ لیکن اس کا تعلق اور اس کا رشتہ ویسا ہی ہوتا ہے، جیسا دوست کا!!

پچھلے دنوں ممتاز مفتی صاحب کا ایک کارڈ نکل آیا۔ پرانا کارڈ آ کر شامل ہو گیا۔ ہم نے کہا کہ وہ تو اس دنیا میں موجود نہیں ہیں اور ان کی بڑی خواہش تھی کہ جب بھی مجھے یاد کرو تو ایک مرتبہ الحمد شریف اور تین مرتبہ قل شریف پڑھ کر مجھے بخشا کرنا۔ تو ہم نے کہا ٹھیک ہے۔ یہ خواہش تو بہت آسان ہے۔ ہم پوری کر دیتے ہیں تو کر دی۔ پھر میں نے کہا کہ مفتی صاحب مزاج کے بہت سخت تھے۔ جلدی غصے میں آ جاتے تھے۔ ہم اکٹھے کام کرتے تھے۔

خواتین و حضرات میں آزاد کشمیر ریڈیو سے منسلک تھا۔ مری سے ہمیں آرڈر ہو گیا 1952ء میں کہ یہ سٹیشن بند ہوتا ہے، شام کی جو ٹرانسمیشن ہے وہ پنڈی سے چلے گی۔ ہم لوگ بڑے مزے سے وہاں رہتے تھے۔ ہمارا خیال بھی نہیں تھا کہ سٹیشن میں اتنی جلدی تبدیلی ہو جائے گی۔ بہرحال قرض پر زندگی چل رہی تھی۔ جو لوگ نوکری پیشہ ہوتے ہیں اور ان کی چھوٹی سی نوکری ہوتی ہے، وہ دودھ والے کے مقروض ہوتے ہیں، وہ ہوٹل والے کے بھی مقروض ہوتے ہیں، جہاں سے نان آتے ہیں۔ ہم سارے کے سارے کسی نہ کسی انداز میں قرضے کے بوجھ تلے تھے، تو میں نے ممتاز مفتی سے کہا، کیونکہ وہ احتیاط سے چلتے تھے، ان کو کمرہ بھی الاٹ ہوا تھا، جبکہ ہم ہوٹل میں رہتے تھے۔ ان سے میں نے کہا کہ میں تو گزر نہیں سکوں گا، کیونکہ ہوٹل والے نے کہا تھا کہ ریڈیو کے بندے جا رہے ہیں، اور جہاں سے لاری پر بیٹھتے ہیں، وہاں وہ اپنا بندہ بٹھا دے گا، جو لاٹھی بردار ہو گا۔ لہٰذا آپ مجھے پانچ سو روپے ادھار دیں تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے لے لو۔ میں نے ان سے پانچ سو روپے لیے اور گوالے کا بل 80 یا 90 روپے کا ادا کیا، پھر ہوٹل والے کے 231 روپے تھے، وہ بھی ادا کر دیئے اور کچھ قرضے دینے تھے، وہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بھی دیئے۔ میرے پاس چالیس روپے بچ گئے' تو خوشی سے مزے سے سیٹی بجاتے راولپنڈی پہنچ گیا اور وہاں رہنے لگا۔ اب جب میں نے چونکہ ان سے قرض لیا تھا لہٰذا ان سے دب کے رہتا تھا۔ وہ میرے بڑے عزیز دوست تھے اور ہماری آپس میں توں تڑاک قسم کی بے تکلفی تھی۔ پھر بھی میں نے یہ محسوس کیا کہ جب وہ کوئی بات کرتے ٹھیک ہوتی یا ٹھیک نہ ہوتی' میں ان کی ہاں میں ہاں ملاتا تھا۔ اب جناب بات یہ ہے کہ ہم نے ورلڈ بینک سے قرضہ لیا ہے جو آئی ایم ایف کہہ دے کہ جناب بجلی کا بل 2 روپے 35 پیسے کے بجائے سات روپے لینا ہے' تو ہم کہتے ہیں جی حضور! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ جس نے بھی خدانخواستہ قرضہ لیا ہو یہی تکلیف رہتی ہے کہ ہمیشہ اس کے سامنے دُم ہلانا پڑتی ہے۔

میں' جب بھی مفتی صاحب کوئی بات کرتے' کہتا سبحان اللہ آپ واقعی ٹھیک کہتے ہیں۔ وہ بہت پڑھے لکھے اور سمجھدار آدمی تھے۔ ایک دن چڑ گئے۔ کہنے لگے' دیکھو تم میری ہر بات کے ساتھ Agree کرتے ہو' ہر بات کو Yes کہتے ہو' تم کبھی میری بات سے نااتفاق کا اظہار نہیں کرتے اور یہ سمجھتے ہو کہ جو میں کہہ رہا ہوں' ٹھیک کہہ رہا ہوں' تو آئندہ سے اس بات کا خیال رکھو جیسے میرے ساتھ پہلے بولا کرتے تھے جیسے میری سٹیٹ منٹ پر پہلے تنقید کیا کرتے تھے' ویسے ہی کرو ورنہ میرے پانچ سو روپے واپس کر دو۔ میں نے کہا کہ میں وہ بھی ان شاء اللہ واپس کر دوں گا۔ انہوں نے ایسی دھمکی دی تھی مجھے حوصلہ نہیں ہوا۔ تو ایسے پیارے پیارے دوست ان کے ایسے پیارے پیارے پتے ہم کو ایک نئی گیم کھیلنے کے لیے دے جاتے ہیں اور ان سے کوئی نہ کوئی یاد بھی جڑی رہتی ہے۔

میں ذکر کر رہا تھا کہ دوست ملاقاتی اور ساتھی کا جو ایک فرق ہے' وہ سمجھ میں آنے لگا ہے۔ ان عید کارڈوں کی آمد سے کچھ ہمارے صبح سویرے متوجہ ہو کر بیٹھنے سے' کچھ ان لوگوں کے ساتھ ایک رابطہ قائم کرنے سے جسے کمیونی کیشن کہتے ہیں۔ آپ کسی کے لیے بھلائی کا کام کریں۔ کسی کے خلاف آپ کو غصہ ہو جیسے میں اپنی بچیوں سے کہتا ہوں جو اب بہوئیں بنی ہیں کہ اگر ساس کو تم نے سزا دینی ہے اور اس کا بہت بری طرح "مکو ٹھپنا" ہے تو اس کے حق میں دعا کیا کرو' دیکھو وہ کتنی بے چین ہو گی' بجائے اس کے کہ اس سے جھگڑ کر اپنی ماں کے پاس دوڑتی ہوئی جاؤ کہ اماں اس نے مجھے یہ کہا ہے' تو تم تجربہ کر کے دیکھ لو' اس میں کیا حرج ہے' چالیس دن کہو کہ اللہ تعالیٰ میری ساس کو سلامت رکھ' حالانکہ ساس بڑی بلا ہوتی ہے اور نند بھی' کیونکہ میں نے تو یہی سنا ہے۔ میری ایک بھانجی کی بیٹی کا بر دکھاوا تھا۔ ہم دیکھنے گئے تو اس نے کہا نانا ضرور جائیں۔ میں نے کہا کہ میں تو تجربہ نہیں رکھتا' میں کیا کروں گا؟ تو اس نے کہا' نہیں نانا آپ کو ضرور جانا ہو گا۔ آپ نے جا کر یہ دیکھنا ہے اور خبر لے کر آنی ہے کہ میری نندیں کتنی ہیں۔ میرے لیے بڑا مشکل ہو گیا کہ کیسے پوچھیں کہ بھئی تیری بہنیں کتنی ہیں؟ یہ تو پوچھا جا سکتا ہے کہ آپ کیا کام کرتے ہیں' کہاں ہوتے ہیں؟ پھر میں نے طریقے طریقے سے معلوم کر لیا۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں نے واپس آ کر شازیہ کو بتایا کہ بھئی پانچ ہیں۔ وہ کہنے لگی او ہو!! ڈر لعنت میں تو کبھی وہاں شادی نہیں کروں گی۔ پھر مجھے پتا چلا کہ نند واقعی خوفناک چیز ہوتی ہے۔ ہم مردوں کو تو اس سے واسطہ نہیں پڑتا اس لیے میں کہتا ہوں کہ اگر دعا کریں تو دل چاہے کتنا ہی جلا ہوا کیوں نہ ہو' پھر بھی آپ کو فائدہ پہنچ جائے گا' بلکہ زیادہ پہنچے گا' چاہے تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ بجائے غصہ یا نفرت کے اظہار کے اور یہ جو ہم کلاشنکوفوں کے ساتھ لڑائی کرتے ہیں' خواہ کتنی ہی کرتے چلے جائیں' یہ کام ختم نہیں ہوگا۔ ایک دن دُعا کے لیے بیٹھ جائیں' بڑا سکون آ جائے گا اور رحمتوں کا نزول ہونا شروع ہو جائے گا۔ اب ان پر رحمتیں رُکی ہوتی ہیں۔ جس دن آپ ہاتھ سے کلاشنکوف چھوڑ دیں گے اور دُعا شروع کر دیں گے' رحمتوں کا نزول شروع ہو جائے گا۔

ابھی بات ہو رہی تھی کہ دوست کون ہوتا ہے؟ اور ملاقاتی کون ہوتا ہے؟ میں نویں دسویں جماعت میں سکول میں پڑھتا تھا' ہمارے دو ٹیچر ماسٹر حشمت علی اور ماسٹر قطب الدین ہوا کرتے تھے۔ دونوں ریاضی کے بہت ماہر تھے۔ انہیں خدا نے اس بارے بڑی صلاحیت دی تھی۔ ہمارے ضلع سے باہر اور دُور دُور کے مقامات سے ہندو' سکھ استاد ان سے الجبرا اور چونکہ یہ ہے ہی مسلمانوں کا علم کے مشکل مسائل پوچھنے آتے تھے اور وہ دونوں استاد سکول ٹائم کے بعد لان میں بیٹھ کر ریاضی کے مسائل حل کیا کرتے تھے جو ہماری سمجھ سے باہر ہوتے تھے۔ ساتھ رہنا' اکٹھے کھانا' ایک دوسرے کے گھر کے ساتھ گھر' سیر کو اکٹھے جانا' اکٹھے سکول آنا۔ کبھی ہم نے انہیں الگ الگ نہیں دیکھا تھا۔ ان کے درمیان اتنی گہری دوستی تھی کہ آپ جتنا بھی ذہن میں اس کا تصور کریں' وہ کم ہے۔

پھر اچانک یہ ہوا کہ ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز نے ماسٹر حشمت علی کی تبدیلی کر دی اور وہ ہمارے ضلع کی کسی اور تحصیل میں چلے گئے۔ دونوں دوستوں کے درمیان اس تبدیلی سے جو خلیج پیدا ہوئی' وہ تو ہوئی' ہم جو طالب علم تھے یا جو دوسرا اسٹاف تھا' ان کے لیے بھی بہت تکلیف دہ صورتحال تھی۔ ہم سب نے وہ تکلیف دہ لمحات محسوس کیے۔ میں نے ماسٹر قطب الدین سے کہا' کیونکہ میں ذرا سمجھدار بچہ تھا' آپ کی حشمت علی صاحب سے بڑی دوستی تھی؟ کہنے لگے' ہاں ٹھیک ہے۔ میں نے کہا ان کے جانے سے آپ کی طبیعت پر بوجھ پڑا؟ کہنے لگے' ہاں پڑا ہے' لیکن زیادہ نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ آپ حیران کن بات کرتے ہیں۔ وہ تو آپ کے بہت عزیز دوست تھے' قریب ترین تھے۔ کہنے لگے اشفاق میاں بہت عزیز تھے' بہت قریب ترین تھے۔ لیکن آپ اس کو اعلیٰ درجے کی معیاری دوستی قرار نہیں دے سکتے۔ بیشک ہمارے معمولات اکٹھے تھے' اکٹھے کھاتے پیتے تھے اور کوئی لمحہ بھی ایک دوسرے کے بغیر نہیں گزارا لیکن یہ دوستی کی نشانی نہیں ہے۔ دوستی کی نشانی یہ ہے کہ جب تک آدمی اکٹھے بیٹھ کر روئے نہ' اس وقت تک دوستی نہیں ہوتی اور ہم کبھی اکٹھے بیٹھ کر روئے نہیں تھے' اس لیے آپ نہیں کہہ سکتے کہ ہم دوست تھے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہمارے پاس جو کارڈز آتے ہیں' ان میں وہ لوگ بھی ہیں' جن کے ساتھ ہم اتنے قریب تو نہیں ہوئے جتنے ماسٹر قطب الدین صاحب نے کہا تھا' لیکن ہم ایک اور رشتے سے ایک اور ناتے سے ان کے ساتھ ہیں۔ عید آتی ہے تو ہمارے لیے یہ بڑی خوشیاں بھی لے کر آتی ہے اور ایک طرح کا بوجھ بھی کہ اب نئی تاش نئے ڈبے میں بند ہوگی اور پھر ہم کو یہ گیم کھیلنا پڑے گی' جس کی خوشی بھی ہے' جس کی ذمہ داری بھی ہے اور جس کا بوجھ بھی ہے۔

اب یہ بات میں آپ پر چھوڑتا ہوں کہ ہم کو یہ گیم جاری رکھنی چاہیے یا اسے بند کر دینا چاہیے؟ آپ بھی حیران ہوتے ہوں گے کہ یہ عجیب سا گھرانہ ہے اور عجیب سا جوڑ ہے۔ یہ کیسی عجیب و غریب باتیں کرتے ہیں۔ یہ ہم اس لیے کرتے ہیں کہ ہم دونوں کافی حد تک خود غرض لوگ ہیں اور ہم نے یہ دیکھا ہے کہ اصلاح کی بات کرنے میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے میں رہنے سے ہم بڑی مرادیں پا سکتے ہیں۔ آپ ؐ کو رحمت للعالمین کا خطاب دنیا والوں نے نہیں دیا' آپ ؐ کو "کل عالموں کے لیے رحمت" کا خطاب اُوپر سے ملا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم تو انؐ کے نقش پا کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن اگر اتنی سی بات کو ہی پکڑ لیا جائے کہ رحمت' شفقت' محبت اور عطا سے میری ذات کو فائدہ ہوگا تو ہم تو خود غرض لوگ ہیں۔ لہٰذا اپنی ذات کو فائدہ پہنچانے کے لیے ہم نے یہ طریقے اختیار کر رکھے ہیں اور اس سے ہمیں واقعی فائدہ ہوا ہے' ہو رہا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہوتا رہے گا۔

میں دنیاوی فائدے کی بات کر رہا ہوں' آگے بھی شاید ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے' لیکن آگے فائدہ ضرور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

انسانی عقل اور رضائے الٰہی

بعض اوقات زندگی میں کچھ ایسے مشکل مراحل آتے ہیں' جن کے لیے انسان تیار نہیں ہوتا۔ ایک مشکل مرحلہ میرے سامنے تھا۔ پچھلے آٹھ دس روز سے مشکل میں اضافہ ہو گیا' کیونکہ وہ بوجھ تو پہلے ہی موجود تھا' لیکن سوال کرنے والے چند نوجوانوں نے اس میں اضافہ کر دیا۔ پوچھا گیا کہ ہم زندہ قوم ہیں' پائندہ قوم ہیں' کیا قوم کا تصور محض افراد کے سانس لینے کا نام ہے؟ میں بڑے وثوق سے کہتا ہوں کہ ہاں' یہ افراد کے سانس لینے ہی کا نام ہے اور جن افراد کے سانسوں کے اوپر پہرے ہیں اور جن کے سانس گھونٹ دیے گئے ہیں' وہ زندہ قوم نہیں۔ جتنی زندہ قومیں آپ کو اپنے گرد نظر آئیں گی' ان کی خوبیاں تو بعد میں دیکھیں گے' پہلے اس بات کی آپ کو تسلی کرنا ہو گی کہ کیا وہ سانس لے رہی ہیں' پورا سانس اندر لے جاتی ہیں اور پورا باہر چھوڑتی ہیں؟

میرے ملک میں ایک گروہ انسانی جس میں' میں بھی شامل ہوں' بڑی آسانی کے ساتھ بہت اچھی سانس لیتا ہے اور بڑی آرام دہ زندگی بسر کرتا ہے۔ ہم جو چاہتے ہیں کرتے ہیں' جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں' خوشحال ہیں' لیکن باقی کے 14 کروڑ جو ہیں' ان کی اکثریت سانس لینے کی بات تو بعد میں ہے' ان کو ان کی عزت نفس بھی نہیں لوٹائی گئی۔ بحیثیت انسان کے اور اللہ کی مخلوق کے' وہ ایک عزت لے کر آتے ہیں۔ پیسہ نہ دیں' ان کو روٹی نہ دیں' کپڑا' مکان نہ دیں' لیکن ان کی عزت تو ان کا حق ہے۔ میں اپنی نواسی سے کہتا ہوں کہ یہ جو آپ کا ڈرائیور ہے' آپ اس کو رمضان صاحب کہہ سکتی ہیں۔ ''نہیں نانا میں نہیں کہوں گی' یہ تو رمضان ہے ہمارا ملازم'' وہ کہتی ہے۔ گویا یہاں آ کر کام رُک گیا ہے۔ اسی طرح آپ عام زندگی میں دیکھ لیں' دفتروں میں' گھروں پر اگر وہ سانس ہی ٹھیک طور پر نہیں لے رہے تو پھر زندہ قوم کیسے ہو گئی؟ کسی نے پوچھا کہ بابا یہ بتاؤ کہ کچھ لوگ بڑے امیر ہوتے ہیں اور کچھ بڑے غریب ہوتے ہیں۔ جو غریب ہوتے ہیں وہ شکل و صورت سے بھی اچھے ہوتے ہیں۔ دانش کے اعتبار سے بھی اچھے ہوتے ہیں۔ پڑھائی اور خاندانی اعتبار سے بھی اچھے ہوتے ہیں اور جو لوگ امیر ہو جاتے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہیں' بعض اوقات وہ کچھ بھی نہیں ہوتے۔ ان میں نہ عقل نہ دانش نہ شکل نہ صورت' لیکن دیکھیں پھر بھی وہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔

میں نے کہا یہ تخصیص اور تقسیم جو آپ نے متعین کی ہے' یہ محض آپ کو بے چین رکھنے کے لیے ہے۔ ہم سب کے دل میں یہ مشکل اور مصیبت قائم ہے۔ میرا پوتا کہہ رہا تھا کہ میرے ابو کہتے ہیں کہ یہ شخص سول لائن ایریا میں جہاں افسر لوگ رہتے ہیں وہاں بڑ کے ایک درخت میں کیل ٹھونک کر' شیشہ لٹکا کر وہاں دو چار آنے میں حجامت بناتا تھا۔ اب اس کے تین پلازے اسلام آباد میں ہیں' دو یہاں ہیں' پانچ گاڑیاں ہیں اور سونے چاندی کے زیورات سے اس کی بہوئیں' بیٹیاں لدی ہوئی ہیں۔ یہ کیا ہے؟ یہاں پر آ کر اس کے پھسلنے اور ٹھوکر کھانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور ڈپریشن کی جتنی بھی بیماری چل رہی ہے' وہ محض اسی وجہ سے چل رہی ہے۔ اگر آدمی اللہ کو مان لے' شرک کے بارے میں کہتے ہیں کہ جی قبروں پر سر جھکانا اور تعویذ گنڈہ کرانا یہ شرک ہے۔ یہ شرک اگر ہے تو بہت معمولی درجے کا ہے۔ اصل شرک وہ ہے جب اللہ کے کیے ہوئے کام کے اندر بندہ بیٹھ کر نقص نکالے کہ یہ کیا ہوا ہے؟ یہ ٹھیک نہیں ہے' فلاں کام میری مرضی کے مطابق نہیں ہوا۔ اب ان بچوں کو کوئی کیسے بتائے کہ ایک تمہاری دانش ہے' ایک تمہاری عقل ہے' ایک تمہارے انصاف کے تقاضے ہیں' ایک اللہ کی دانش ہے' اس کے لیے دانش سے بھی بڑا لفظ چاہیے۔ وہ علیم مطلق ہے۔ وہ بہتر سمجھتا ہے کہ کیا کرنا ہے؟ میں یہ نہیں جانتا۔

میں چونکہ ان کی آسانی کے لیے یہ بات عرض کر رہا تھا کہ اللہ کے بالکل واضح الفاظ ہیں اور وہ بیشمار مرتبہ فرماتا ہے اور جگہ جگہ فرماتا ہے کہ بیشک اللہ ہی روزی دینے والا ہے اور وہی بڑی مضبوط قوت والا ہے اور اللہ جس کی چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے روزی تنگ کرتا ہے۔ اب اس میں ہم کیا ہیں؟ وہ شخص بڑا ہی خوش نصیب ہے' جو مسکرا کر پہلے ''سبحان اللہ وبحمدہ تبارک الذی کمالہٗ'' پھر تو وہ لوٹ کر لے گیا گڈی اور پرسکون ہو گیا اور اللہ کے بندوں کی صف میں شامل ہو گیا۔ اگر اس نے بیٹھ کر یہ کہا کہ ''اللہ میاں (نعوذ باللہ) ادھر بیٹھو سامنے میں آپ سے دو دو ہاتھ کر لوں کہ تو نے یہ کیا انصاف کیا۔'' پھر وہ مارا گیا یعنی وہ اپنی ذات کے لیے مارا گیا' اپنے سکون کے لیے مارا گیا۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے۔ دیکھئے اس آیت میں کہ ''جو لوگ ایمان لائے سچ مچ اور مومن ہو گئے' وہ ایسی بات نہیں کرتے' ان کے لیے ایک نشانی ہے۔''

میرے جیسے لوگ جو سطحی علم رکھتے ہیں' وہ ضرور اعتراض کرتے ہیں۔ ایسی بات خداوند فرماتا ہے ''اے حضور نبی اکرمؐ فرما دیجئے کہ میرا پروردگار اپنے بندوں کے لیے جس کا چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے اور جو چیز تم خرچ کرتے ہو' اس کا عوض ضرور دیتا ہے'' اور عموماً ''خرچ کرتے ہو'' کے ساتھ جو ترجمے ہوتے ہیں' ان میں بریکٹوں میں یہ لکھا ہوتا ہے' ''اور جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو'

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اس کا عوض دیتا ہے۔''

میں سمجھتا ہوں کہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ خرچ کرو روپیہ ایک جگہ پر پڑا نہ رہے' کیونکہ یہ کھاد کا جو ڈھیر ہوتا ہے ''روڑی'' جسے کہتے ہیں' اگر اسے کھیتوں میں پھیلا دیا جائے تو یہ سونا ہے اور اگر اسے ایک جگہ پر جمع رکھا جائے تو یہ بدبو کا گھر ہے' کوئی گاؤں اس کے قریب بس نہیں سکتا۔ یہی دولت کا حال ہے کہ جب اس کو پکڑ کر رکھ لیا' میرے جیسے لوگوں نے اکاؤنٹ بھی کھول لیا' نمبر بھی مجھے 41-22007 یاد ہے اپنا' تو پھر جب دولت گھومتی نہیں ہے لوگوں کے ہاتھوں میں' تو مشکل پڑ جاتی ہے۔ اللہ کہتا ہے خرچ کر دو' کسی جگہ بھی۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میری سوچ ہے کہ بس اس کو خرچ کر دو' لگا دو اور خود اس سطح پر آ جاؤ جس سطح پر اور لوگ موجود ہیں۔

ہمارے ایک دوست تھے' میری ہی عمر کے۔ اللہ بخشے وہ فوت ہو گئے۔ شروع سے ہی اللہ نے اس کی ایسی طبیعت بنائی تھی۔ کراچی کی بات ہے وہاں الفنسٹن سٹریٹ میں شام کو دفتر سے فارغ ہو کر ایک ریستوران میں بیٹھ جاتے چائے کی پیالی پینے کے لیے۔ ان کاروں کو دیکھ کر وہ بڑے خوش ہوتے کہ بھئی یہ بڑی خوبصورت ہیں۔ کئی کاروں پر جا کر ہاتھ پھیرتے اور کہتے یار آج میں نے کمال کی ایک کار دیکھی۔ میں نے کہا بدبخت تیرے دل میں نہیں آتا کہ تیرے پاس بھی ایسی کار ہو تو کہتا' نہیں یہ کار کراچی ہی میں ہے' جب چاہیں گے دوبارہ دیکھ لیں گے۔ وہ تو بہت اچھی ہے۔ وہ میری عمر کا ہو کر فوت ہوا۔ بڑا خوش و خرم بہت آسان زندگی میں رہنے والا بندہ تھا۔ اب اللہ کی مرضی کے سامنے ''اڑ'' کے بیٹھ جانا درست نہیں۔ میں یہ مشکل آپ سے بیان کر رہا تھا کہ ایک چیز پھنسی ہوئی تھی' سورہ رحمٰن میں جسے آپ بڑی محبت اور شوق سے سنتے ہیں اور قاری باسط کی تو ماشاء اللہ قرأت بھی اچھی ہے' اس میں ایک آیت آتی ہے کہ اللہ کو ہر روز ایک نیا کام ہے۔ اس پر میں ہمیشہ رکتا تھا۔ شاہ عبدالقادر نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ''اور اللہ کو ہر دن ایک انوکھا دھندہ ہے۔'' وہ پرانے زمانے کا ترجمہ کرتے تھے بہت پیارا۔

مولانا اشرف علی تھانوی کہتے ہیں اپنے ترجمے میں ''اور اللہ کو ہر روز ایک نیا کام ہے۔'' فتح محمد جالندھری نے لکھا ہے کہ ''اور اللہ کو ہر روز ایک کام ہے'' تو میں اپنے طور پر بہت حیران ہوتا تھا اور ہوتا رہا ہوں کہ اللہ کو ہر روز کیا کام ہو سکتا ہے۔ بڑی پریشانی ہوتی' کئی تفاسیر دیکھیں' سمجھ میں بات نہ آئی۔ الحمدللہ جب یہ بچے مجھ سے ملے تو ایک ایسی کتاب جس کی جلد پھٹی ہوئی تھی اور پتہ نہیں تھا کہ کس کی ہے؟ کیسی ہے' اس کو میں ایسے ہی دیکھ رہا تھا تو اس میں ایک بادشاہ نے اپنے وزیر سے سوال کیا کہ اللہ نے یہ جو کہا ہے کہ مجھے ہر روز ایک نیا کام ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ تو وزیر بیچارے کا یہ سن کر رنگ فق ہو گیا۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ ایک ہفتے کے اندر جواب دو' ورنہ تمہارا سر قلم کر دیا جائے گا۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

وزیر روتا ہوا گھر آ گیا۔ بڑا رنجور اور پریشان اور دردمند۔ اس کو سوال کے معانی سمجھ میں نہ آتے تھے۔

ایک روز وہ بازار میں گیا۔ اس جگہ ایک عمارت بن رہی تھی۔ ایک سیاہ فام مزدور' اس زمانے میں وہ عرب افریقہ کا ہو گا' چنائی کے لیے گارا تیار کر رہا تھا۔ اس نے وزیر کو دیکھا اور پوچھا وزیر سلامت آپ کیسے پریشان بیٹھے ہیں' کیا بات ہے؟ وزیر نے کہا کہ بادشاہ نے مجھ سے یہ پوچھا ہے اور اس کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ مزدور نے کہا اس کا مطلب میں بتا دیتا ہوں۔ وہ سیاہ فام جو کچھ بھی پڑھا لکھا نہیں تھا' اس نے کہا لیکن تمہیں نہیں بتاؤں گا' یہ تو بادشاہ سلامت کو ہی بتاؤں گا ان کے سامنے۔ وزیر اسے بادشاہ کے دربار میں لے گیا اور جا کر کہا کہ حضور یہ ایک بندہ ہے' یہ مطلب بتائے گا۔ بادشاہ اسے دیکھ کر بہت حیران ہوا' کیونکہ وہ پھٹے پرانے کپڑوں میں خستہ حالت میں تھا۔ مزدور نے کہا' حضور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہر روز ایک نئے کام میں داخل ہوتا ہے۔ صحتمند آدمی کو بیمار کر دیتا ہے' بیمار کو صحتمند کر دیتا ہے' غنی کو محتاج کر دیتا ہے محتاج کو غنی کر دیتا ہے پتہ نہیں کل ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ بادشاہ کو فقیر اور فقیر کو بادشاہ بنا دیتا ہے۔ جب وہ چاہتا ہے اور جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اپنا لباس اتار کر اسے پہنا دو۔ آج سے یہ وزیر ہو گا' تم نالائق ہو۔ مزدور نے کہا کہ دیکھا آپ کو آج کیا ہو گیا۔ میں آپ کے حکم کے مطابق ایک بار لباس پہن لیتا ہوں' لیکن اسے اتار کر پھر وزیر کو دے دوں گا' کیونکہ یہ تو اللہ کے کام ہیں۔

آپ کو زندگی میں عجیب و غریب واقعات پیش آئیں گے۔ میں جلدی سے آپ کو آپ کے دور کی ایک ماڈرن کہانی سناتا ہوں' کیونکہ اس کی آپ کو زیادہ سمجھ آئے گی۔ ایک لڑکا تھا پیٹر ہین کوک' وہ گاؤں میں غربت سے دھکے کھا رہا تھا۔ ماں باپ اس کے تھے نہیں۔ وہ شکاگو میں آ گیا۔ وہاں آ کر اس نے دیکھا کہ اس زمانے میں بگھیاں چلتی تھیں' موٹریں ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔ گھوڑے سڑکوں پر لمبا سفر کرتے تو بھاگتے ہوئے اکثر مر جاتے تھے۔ کارپوریشن اس وقت انہیں اٹھانے کا ذمہ نہیں لیتی تھی۔ اس نے کہا کہ اگر میں مرے ہوئے گھوڑے اٹھا لیا کروں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم تو اس کے لیے آپ کے بڑے شکر گزار ہوں گے۔ چنانچہ اس نے ایک ہاتھ گاڑی بنا لی اور دن بھر گھومتا۔ جہاں اسے مردہ گھوڑا نظر آتا تھا' وہ اس کو ہاتھ گاڑی میں ڈال لیتا اور سریش فیکٹری' جہاں گھوڑے کے غدود اور ہڈیوں سے گودا نکال کر سریش بناتے ہیں' میں جا کر اسے مہنگے بھاؤ بیچ دیتا۔ اس کا خرچ کچھ ہوتا نہیں تھا۔

چلتے چلتے ایک وقت ایسا آیا کہ وہ اتنا امیر ہو گیا کہ اس کی سمجھ میں نہ آئے کہ وہ اس دولت کا کیا کرے۔ جب اس کے پاس کچھ بلین ڈالر جمع ہو گئے تو اس نے کہا میں یہ کام چھوڑتا ہوں' لیکن مجھے جیسا کہ گھوڑوں سے ایک طرح کی محبت ہے' اس نے ایک اعلیٰ درجے کا گھوڑوں کا فارم بنایا۔ اس میں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بڑی نسل کے وشیرے اور وشیریاں منگوائے اور ریس کے میدان میں داخل ہو گیا۔ گویا وہ ریس کھیلنے لگا اور اس کا سارے امریکہ میں شہرہ ہو گیا کہ ریس کا جو ٹریک اس بندے نے بنایا ہے اور جو اصطبل اس کا ہے اور جو 180 گھوڑے اس نے رکھے ہیں' ان کا کوئی مقابلہ نہیں۔ وہ ریس کھیلتا رہا۔ جتنی زندگی اس نے ریس کھیلی اور جتنے اعلیٰ درجے کے گھوڑے اس نے بھگائے' ان میں ایک بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ گو کہ گھوڑے اعلیٰ نسل کے تھے اور بہت اچھا بھاگتے تھے' لیکن وہ ہر دوڑ میں ہار جاتا تھا اور ہارتا چلا جاتا تھا۔ پھر اس نے بینک سے قرضہ لیا اور اس سے گھاٹے پورے کیے' لیکن اس کا برا حال ہو گیا۔ وہ عیش و عشرت کی زندگی کا عادی ہو گیا تھا۔ اب اس کے لیے زندہ رہنا ہی مشکل ہو گیا۔ وہ پھر انہی سڑکوں پر گھومنے لگا' جہاں سے اس نے اپنا آغاز کیا تھا۔ وہ مرے ہوئے گھوڑوں سے ارب پتی ہو گیا اور زندہ گھوڑوں سے پھر فقیر ہو گیا۔ تو اللہ جو چاہتا ہے' جو ٹھیک سمجھتا ہے کرتا ہے' یا جو اس کی مرضی ہوتی ہے وہی کرتا ہے اور ہمارا سر تسلیم اس کے آگے خم ہے۔ پھر ایک دن یہ ہوا کہ لوگوں نے دیکھا کہ پیٹر ہین کوک اسی سڑک پر کسمپرسی کے عالم میں مرا پڑا ہے' جہاں سے وہ مردہ گھوڑے اٹھایا کرتا تھا' چنانچہ لوگوں نے اسے اٹھایا اور ویسی ہی ہتھ ریڑھی میں اس کو ڈال کر لے گئے۔

اب اس پر آپ اپنا کیا فیصلہ دیں گے' اسے کیا کہیں گے؟ میں یہ ساری کہانی اس لیے عرض کر رہا تھا کہ آپ کو آسودگی کے ساتھ رہنا ہے' خوشی کے ساتھ رہنا ہے تو اس کا ایک ہی راز ہے کہ اللہ کے کاموں میں آپ دخل نہیں دے سکتے' کیونکہ اللہ سپریم ہے۔ وہ جو کرتا اور فرماتا ہے' وہی ٹھیک اور بہتر ہوتا ہے۔ اگر آپ اس کی تحقیقات اپنی انسانی عقل سے کریں گے تو وہ آپ کے بس کا روگ نہیں۔

میں پرسوں پڑھ رہا تھا' جرمنی کا ایک بہت بڑا اکانومسٹ پیٹر مائیکر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب ملکوں کی اکانومی فیل ہوتی ہے تو اس کی اسے کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ ہم سارے لوگوں نے سر جوڑ کر دیکھا ہے کہ اتنی اعلیٰ درجے کی اکانومی اتنی اوپر جاتی ہے اور جب عروج پر پہنچتی ہے تو خود بخود سڑنا گلنا شروع کر دیتی ہے اور اس کو زوال آ جاتا ہے۔ اعلیٰ درجے کی چڑھی ہوئی بادشاہی' جس کو دیکھ کر انسان حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور کہتا ہے کہ یہ کس طرح سے ممکن ہے کہ اس بادشاہی کو زوال آ جائے' خود بخود اس کے اندر ایسا نظام اور عمل شروع ہو جاتا ہے کہ اسے زوال آ جاتا ہے۔ آپ نے مغلیہ خاندان کی سلطنت کے زوال کا تو پڑھا ہوگا۔ ہم بعد میں نکتے نکالتے ہیں کہ یہ کیوں ایسا ہوا تھا کس لیے ہوا تھا۔ جس طرح سے گیند کو ہوا میں بہت اونچا پھینکتے ہیں' وہ اونچا جاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ اونچا گیند خود بخود زمین پر گرتا ہے۔ اسی طرح سے معیشت کا حال ہے۔ اسی طرح سے ساری چیزوں کا حال ہے۔

اللہ کو مانتے ہوئے' اس کے احکامات کو تسلیم کرتے ہوئے' یہ مان لینا ضروری ہے کہ جو تو نے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

فرمایا ہے ٹھیک ہے اور اللہ کے احکامات کو بجا لانا تو خوش قسمت لوگوں کے اختیار میں ہے اور ہوتا ایسے ہی ہے جیسے اللہ کرتا ہے۔ لیکن ہم کمزور لوگ ہیں ہم اپنی عقل و دانش کو ضرور اس میں ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں اس میں معافی دی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ہم لالچی لوگ ہیں۔ ہم کو سکون بھی دیا جائے جو کبھی اس طرح سے نہیں ملتا زیادہ مین میخ نکالنے سے بلکہ اس طرح ملتا ہے جیسے میرا موٹروں کو پسند کرنے والا دوست تھا۔

میرے ایک اور دوست لاہور میں جی پی او کے پاس کھڑے ہو جاتے تھے اور کار میں جاتے ہوئے لوگوں کو دیکھ دیکھ کر نفرت کا اظہار کرتے اور کہتے ان کی شکلیں دیکھو اس کی پکوڑے جیسی ناک ہے اور کتنی اعلیٰ درجے کی کار میں جا رہی ہے۔ میں نے کہا اب کیا کریں؟ کہنے لگا بس میرے جی میں آتا ہے کہ میں اسے توپ سے اڑا دوں۔ توپ سے اڑانے والی ذہنیت اپنی اپنی جگہ پر ہم سب میں ہے لیکن اس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اپنے آپ کو لالچ کے ساتھ زندہ رکھنے کے لیے بہت ضروری ہے کہ آپ اس بات کو تسلیم کر لیں کہ اللہ سپریم ہے اور جو اس نے چاہا ہے وہ ہوگا اور میں اس کے ان بندوں میں سے ہوں جو اس بات کو مانتا ہوں کہ وہی ہوگا جو اللہ چاہے گا لیکن کام کرتے رہنا انسانیت کا شرف ہے وہ میں ضرور کروں گا۔ جیسے بدصورت سے بدصورت عورت بھی میک اپ ضرور کرتی ہے تو میں بھی میک اپ کروں گا۔ اے میرے پیارے اللہ تعالیٰ! میں کسی بات کو اس کے ساتھ وابستہ نہیں کرتا کہ میری دانش میری عقل اور میری کوشش کوئی تبدیلی پیدا کر سکتی ہے۔ میں ناچتا رہوں گا اپنا کشکول ہاتھ میں لے کر۔ اگر اس میں کچھ پڑنا ہے تو پڑ جائے لیکن میں اپنا ناچ نہیں روکوں گا جو تیری بارگاہ میں چوبیس گھنٹے ہوتا رہے گا۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!!

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اللہ کا فضل

آج کل ہمارے اردگرد جو باتیں بڑی شدت سے ہونے لگی ہیں کہ یہ دنیا بڑی Materialistic ہوگئی ہے' ہم مادی زندگی میں داخل ہو گئے ہیں' لالچی ہو گئے ہیں اور ہماری توجہ روپے پیسے کی طرف زیادہ ہے۔ پہلے شاید ایسا زمانہ نہیں تھا' لیکن میں سوچتا ہوں اور اپنے بچپن کی طرف لوٹتا ہوں اور اس مسئلے پر غور کرتا ہوں' تو مجھے یوں لگتا ہے کہ بڑی دیر سے ہماری Material اور مادے کے ساتھ وابستگی چلی آ رہی ہے اور ہم لوگوں کے ساتھ جو اتنی وابستگی نہیں ہونی چاہیے تھی' پھر بھی موجود ہے' پتا نہیں کیوں؟

اس وابستگی کی بیشمار وجوہات ہوں گی' لیکن میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں' وہ بڑا عجیب ہے اور میں اسے آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ آپ بھی اس پر غور کریں اور سوچیں۔ جب ہم بچپن میں لڑکپن میں جمعہ کی نماز پڑھنے جاتے تھے' تو اپنے ابا جی کے خوف کے باعث جاتے تھے۔ وہ تیار ہو کر کپڑے بدل کر ہمیں بھی نئے صاف کپڑے پہنا کر جمعہ پڑھانے لے جاتے تھے۔ میٹرک تک ہم نے تقریباً ایسا ہی جمعہ پڑھا ہے' زور زبردستی۔ لیکن جب میں فرسٹ ایئر میں آیا اور یہاں آ گیا' بڑے شہر میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے' تو پھر عجیب بات ہے کہ جمعہ مجھے اچھا لگنے لگا اور میں اس میں اپنی مرضی ایما اور دل کی خوشی سے داخل ہو گیا اور جمعہ پڑھتا رہا۔ پڑھائی کا دور ختم ہوا۔ نئی زندگی میں داخل ہوئے' میں نے نوکری شروع کر دی۔ پھر بھی جمعہ کا چلن ویسے ہی رہا اور جمعہ کے بارے میں اللہ کا یہ حکم ہے' اس کا مفہوم میں بیان کرتا ہوں:

''اے مومنو! جب نماز کی اذان دی جائے' تو جمعہ کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت بند کر دو اور جب نماز ادا کر چکو تو پھر دُور دُور پھیل جاؤ اور اپنے اللہ کے فضل کی تلاش شروع کر دو۔''

اس میں اللہ کے فضل کا جو بریکٹوں میں ترجمہ عام طور پر دیا جاتا ہے' وہ یہی ہے کہ تم پھر اپنی روزی کی تلاش کی طرف لگ جاؤ۔ ہم بھی یہی سمجھتے رہے اور اب تک بھی یہی سمجھا جاتا رہا ہے۔ پچھلے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

چند سال کی بات ہے میرے ساتھ ایک اور صاحب بھی قریب قریب اکثر جمعہ پڑھنے آتے تھے۔ میری ہی عمر کے تھے' لیکن میں نے ان سے کبھی کچھ پوچھا ہی نہیں۔ کبھی علیک سلیک بھی نہیں ہوئی' لیکن ہم ایک دوسرے کی طرف مقناطیسی طور پر ضرور متوجہ ہوتے تھے۔ ایک دن جب وہ نماز ادا کر چکے اور نکلنے لگے اور ہم جوتے پہن رہے تھے' تو میں نے کہا' صاحب! آپ کیا کرتے ہیں اور کہاں رہتے ہیں؟ اس نے کہا میں سکول ٹیچر ہوں اور ریٹائرڈ ہو چکا ہوں۔ میں نے کہا' میں بھی ریٹائرڈ ہوں۔ جو آدمی ریٹائر ہوتا ہے وہ بہت بے چین ہو جاتا ہے' نئی نوکری تلاش کرنے کے لیے۔ اس میں اتنا خوف پیدا ہو جاتا ہے ریٹائرمنٹ کے قریب کہ وہ گھر کے کام کا نہیں رہتا اور لڑائیاں کرتا ہے اور جلدی فوت ہونے کی کوشش کرتا ہے' کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میرا نوکری کا کام تو ختم ہو گیا' گھر والے بھی اسے بڑا نالائق سمجھتے ہیں کہ یہ خواہ مخواہ ریٹائرڈ ہو کر گھر بیٹھ گیا ہے۔

ہم دونوں تقریباً اسی کیٹیگری میں تھے۔ میں نے کہا' اب آپ کیا کرتے ہیں؟ اس نے کہا' میں جمعہ کی نماز پڑھ کر پھیل جاتا ہوں اور اللہ کے فضل کی تلاش میں نکل جاتا ہوں۔ میں نے کہا' اللہ کے فضل کی تلاش تو یہ ہے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میں جمعہ پڑھ کے میں اس زمانے میں ریڈیو میں ملازم تھا دُور دُور تک تو نہیں پھیلتا تھا' کیونکہ میرا کام لاہور ہی میں ہوتا تھا۔ میں امریکن سفارتخانے کو جمعہ کے دن انگریزی سے اردو اور اردو سے انگریزی سے تراجم کر کے دیتا تھا اور معقول معاوضہ حاصل کرتا تھا' پھر انہیں وائس آف امریکہ میں کچھ ریکارڈنگز کی ضرورت تھی' تو ظاہر ہے کہ میں وہ کام بطریق احسن کرتا رہا۔ میں جمعہ پڑھنے کے بعد اللہ کے فضل کا سہارا لیتا تھا اور جمعہ سے قبل خرید و فروخت بند کر دیتا تھا۔

میں نے اس سے کہا آپ نے کچھ طے نہیں کیا ہوا' پہلے سے پتا ہونا چاہیے کہ آپ کو جا کر کیا کرنا ہے۔ آڑھت منڈی جانا' اکبری منڈی یا سوتر منڈی میں جا کر کام کرنا ہے۔ انہوں نے کہا میں تو بس فضل کی تلاش میں نکل جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ جب میں نے جمعہ کے حوالے سے یہ قرآنی آیات پڑھیں تو میرے دل پر یہ وارد ہوا کہ اللہ کا فضل خالی روزی ہی نہیں اور رزق خالی کھایا جانے والا ماش کی دال' چھلکے والی' بغیر چھلکے والی' گرم مصالحہ "لون" (نمک) مرچ ہی نہیں' اللہ کے فضل کے بڑے رُوپ ہیں۔ اس نے کہا کہ جب میری شادی ہوئی اور میری ماں نے لڑکی کو تلاش کیا' تو میں نے اسے پہلے نہیں دیکھا تھا' کیونکہ پہلے دیکھنے کا اس وقت رواج ہی نہیں تھا۔ میں نے کہا اماں! کیسی ہے؟ اس نے کہا کہ بس ٹھیک ہے۔ تھوڑی سی اس میں کسر ہے' ذرا بھینگی ہے۔ تم اسے برداشت کرنا کہ یہ اللہ کا رزق ہے اور تمہیں اس میں اللہ کا فضل تلاش کرنا ہے۔ لڑکی کی شکل صورت میں کچھ ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے' مجھے منظور ہے۔

جب میں نے اپنی بیوی کو دیکھا تو اس کی شکل تقریباً ملکہ نور جہاں سے ملتی تھی۔ بہت

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خوبصورت تھی اور اس کی آنکھوں میں کوئی ''ٹیڑھ ویڑھ'' (بھینگا پن) بھی نہیں تھا۔ وہ کہنے لگا کہ اس سے مجھے بڑا شاک ہوا کہ اماں نے میرے ساتھ اچھا مذاق کیا ہے۔ میں نے کہا' اماں وہ تو ٹھیک ٹھاک ہے۔ کہنے لگی' یہ تو تجھ پر اللہ کا فضل ہو گیا اور وہ تیری بیوی نہیں' وہ اللہ کا فضل ہے۔

اب میرے ذہن میں یہ آیا کہ میں اللہ کے فضل کی تلاش میں نکلوں۔ میں نے اس سے کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ نکل سکتا ہوں۔ اس نے کہا ذرا دور تک آپ پیدل چلیں گے؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ پیدل چلتا رہا' مجھے تو اتنی پریکٹس نہیں تھی اس لیے میں منہ میں گولی رکھ کے چلتا رہا۔ یہ جو عمران خان کا ہسپتال ہے' ہمارے لاہور میں شوکت خانم یہ کھلی جگہ ہے۔ وہاں قریب ہی بہت ساری جھگیاں ہیں چنگڑوں کی اور ان کے بچے جو ہیں وہ پرانے لفافے اکٹھے کرتے ہیں۔ ہم وہاں پہنچے تو ان کے چودہ پندرہ سولہ سال کے بڑے اچھے کڑیل قسم کے لڑکے جو لفافے اکٹھے کرنے کا پیشہ کرتے تھے' بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں دیکھ کر ہاتھ ہلا کر کہا ''آ گئے' آ گئے آ گئے'' اور خوشی سے نعرے مارے۔ میرے ساتھ جانے والے نے اپنی جیب سے نکال کر سیٹی بجائی۔ وہ سارے آٹھ لڑکے قطار میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے کہا پچ تیار ہے۔ لڑکوں نے کہا ٹھیک ہے۔ انہوں نے کہا وکٹیں لگاؤ اور پھر وہاں کرکٹ کا میچ شروع ہو گیا اور یہ امپائر بن کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے' یہ کئی مہینوں سے کرکٹ کھیلتے تھے اور ان بیچاروں کو کوئی امپائر نہیں ملتا تھا' تو لڑتے تھے۔ میں جب اللہ کے فضل کی تلاش میں نکلا تو میں نے دیکھا وہ تو یہاں پڑا ہے۔

وہ بڑے سخت امپائر تھے اور بڑی سختی کے ساتھ فیصلہ دیتے۔ جب انہوں نے ایک لڑکے کو ایل بی ڈبلیو دیا تو میرے اندازے میں وہ غلط تھا' لیکن جب انہوں نے انگلی اٹھائی تو بیٹسمین وہیں بلا چھوڑ کر چلا گیا۔ انہوں نے ایسے ڈسپلن والے بچے تیار کیے ہوئے تھے' کیونکہ وہ جو انہیں کھلانے والا تھا' وہ کسی اور پچ پر کھیل رہا تھا اور وہ پچ کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ اس نے کہا کہ میں ہر جمعہ یہاں آ جاتا ہوں۔ میرا ان کے ساتھ وعدہ ہے اور اس طرح میں اللہ کے فضل کی تلاش میں نکلتا ہوں اور مجھے اس کا فضل کثیر صورت میں نصیب ہوتا ہے۔

اب میں ان سے بڑا شرمندہ ہوا کہ میں تو جا کر ترجمے کرتا تھا اور پیسے کماتا تھا' کیونکہ بریکٹ میں یہی لکھا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ جب میں نے آیات کے ترجمے میں پھیل جانا پہلی بار پڑھا تو مجھے اس پھیلنے کا یہی مطلب ملا کہ چلتے جاؤ' چلتے جاؤ۔ سو اشفاق صاحب میں چلتا گیا چلتا گیا اور ریلوے سگنل کے پاس پہنچ گیا' جہاں پر میرے رشتے کی ایک بھانجی رہتی تھی اور وہ بیچارے غریب لوگ تھے۔ تھی تو وہ میری چچازاد بہن کی بیٹی' لیکن چونکہ وہ امیر نہیں تھے اور ہم نے ان کی جانب توجہ نہیں دی اور کبھی ملے ہی نہیں۔ جب چلتے چلتے اس کا گھر آ گیا تو میں اندر چلا گیا' تو اس نے خوشی سے چیخیں ماریں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کہ ''ماماجی آ گئے' ماماجی آ گئے'' اور اپنی دو بیٹیوں کو بلا لیا کہ یہ میرے ماماجی ہیں۔ وہ بھی میرے ساتھ لپٹ گئیں اور کہنے لگیں' ماماجی! آپ ہمارے پاس آتے کیوں نہیں؟ میں نے کہا' میں جمعہ پڑھنے کے بعد اس کے فضل کی تلاش میں نکلا ہوں' تو آج مجھے یہ فضل نصیب ہوا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ اسے اپنی بھانجی کے گھر جا کر پتا چلا کہ میری بھانجی کی بیٹیاں اور وہاں کی پانچ لڑکیاں پرائیویٹ کالج سے ایف ایس سی کر رہی تھیں اور کسی بڑے کالج نے انہیں جمعہ کی شام کو پریکٹیکل کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ وہ چونکہ سب اکیلی ہوتی تھیں اور علاقہ بہت دُور کا تھا' تو وہ ڈرتی تھیں اور جاتی نہیں تھیں۔ لہٰذا جب مجھے پتا چلا تو میں ان کا سپاہی بن کر ہر جمعہ انہیں کالج لے بھی جاتا تھا اور لے کر بھی آتا تھا۔ یہ میری ڈیوٹی مجھے اس آیت کی وجہ سے لگی رہی۔ میں خوش رہا۔ میں زندگی میں اتنا خوش کبھی نہیں ہوا' جتنا کہ اللہ کا فضل ملنے کے بعد رہا۔

ایک دن میری بھانجی نے کہا کہ ماماجی! آپ آتے تو رہیں گے یہاں کہ نہیں؟ میں نے کہا' میں یہاں ضرور آتا رہوں گا۔ بھانجی نے کہا کہ عقیلہ اور جمیلہ کا بندوبست ہو گیا اور کالج نے کچھ چندہ کے عوض ایک وین کی سہولت دے دی ہے۔ میں نے کہا نہیں پھر بھی آتا رہوں گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسے ربط کے ساتھ نہیں آ سکوں گا' مجھے کوئی نوکری یعنی اللہ کا فضل تلاش کرنا پڑے گا یہ فضل کی نوکری بڑے مزے کی ہوتی ہے' یہ بیٹھے بٹھائے ہر کسی کو نہیں ملتی۔ کہنے لگے کہ یہ بھی اللہ کی بڑی مہربانی رہی کہ میں بھانجی کو ملنے وہاں جاتا رہا اور مجھے ایک کھوئی ہوئی بھانجی مل گئی۔ بھانجی نے کہا کہ ماماجی! یہاں قریب ہی ایک خاتون ہیں' جو معذور ہیں۔ چلنے پھرنے سے اور اکیلی ہی رہتی ہیں۔ انہیں سودا وغیرہ لانے کا کوئی انتظام نہیں ہے یہ ڈیوٹی ذرا سخت تھی۔ تو میں جمعہ کے بعد ان کے پاس گیا۔ وہ پڑھی لکھی خاتون تھیں' لیکن طبیعت کی سخت تھیں۔ کہنے لگے' میں نے ان سے کہا کہ جی سودا میں لا دیا کروں گا۔ اس خاتون نے پہلے میری شکل غور سے دیکھی اور کہنے لگی' دیکھو! تم مجھ پر مہربانی کرنے آئے ہو' لیکن میں تمہیں پہلے پیسے نہیں دوں گی۔ تم سودا لا دیا کرو اور حساب کر دیا کرو' تو پھر میں پیسے دوں گی' کیونکہ کئی لوگ دھوکہ کرتے ہیں۔ میں نے کہا نہیں جی' یہ تو میری توہین ہے۔ میں کیوں بے ایمانی کروں گا آپ کے ساتھ۔ میں تو پہلے پیسے لوں گا۔

جب میں اڑ گیا تو خاتون نے میرے چہرے سے بھانپ لیا کہ ماسٹر کریم شرارت کے طور پر ایسا کر رہے ہیں۔ اب اس خاتون نے چتوکی سے پھولوں کے بیج منگوائے۔ چتوکی' جہاں بہت پھول ہوتے ہیں' چتوکی سے ہم پھول ایکسپورٹ کرتے ہیں۔ یہ بھی حیرت کی بات ہے کہ چتوکی جیسا علاقہ خشک بے آب و گیاہ۔ کڑوا پانی۔ وہاں اللہ نے اتنے پھول پیدا کر دیے ہیں کہ ہم وہ ولایت کو ایکسپورٹ کر رہے ہیں۔ وہ خاتون ہر بار سودے اور چیزوں کا بغور جائزہ لیتی تھیں۔ کبھی کہتی یہ دارچینی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تو اتنے کی نہیں ہوتی' تم تین آنے زیادہ دے آئے ہو' یہ سوکھا دھنیا جو بھی کچھ ہوتا تھا' ان کی قیمتوں کا سخت جائزہ لیتی تھیں اور اسے سخت طریقے سے بار بار چیک کرتی تھیں اور میں نے کئی دفعہ یہ ارادہ کیا۔ میں اس "فضل" کو چھوڑ دوں' لیکن جب جمعہ کی اذان ہوتی تو میں دوڑتا ہوا نماز کے لیے آتا تھا اور نماز پڑھ لیتا تھا' تو میرے کانوں میں یہ گونجنے لگتا تھا کہ "تم پھر اللہ کی زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو" تو میں پھر رہ نہیں سکتا تھا اور اس سخت اور کڑوی خاتون کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تھا۔

میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے فضل کی ایک ہی شکل نہیں ہے' اللہ کا فضل تو وسیع ہے۔ یعنی میری اور آپ کی سانس سے لے کر کبھی کبھی آدمی ناشکرا ہوتا ہے کہ مجھے زندگی میں کیا ملا۔ یہ بیبیاں ہوتی ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر چڑ جاتی ہیں۔ میری پوتی ناراض ہو کر جب دروازے میں چابی ڈالتی ہے تو وہ کھلتا نہیں' پھر چڑ جاتی ہے اور کہتی ہے' ماما! یہ مجھ سے کیوں نہیں کھلتا ہے؟ بس ذرا سی بات پر رنجیدہ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ وہ بیچارا کھل رہا ہوتا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ میں کہوں کھل جا سم سم تو یہ جھٹ سے کھل جایا کرے۔ میں نے کہا اللہ نے تم کو اتنی نعمتیں دی ہیں۔ کہنے لگی' نہیں نہیں کوئی نعمتیں نہیں دیں۔ میرے پاس کون سی نعمت ہے بتائیں؟ میں نے کہا کہ ہم نے مرسیڈیز لینی ہے' یہ ٹویوٹا کرولا تو فضول چیز ہے۔ میں نے کہا' دیکھو یہ اللہ کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ تم کو سب سے قیمتی چیز مفت مل رہی ہے۔ وہ آکسیجن ہے۔ دنیا کی بیش قیمتی چیز اگر تمہیں ہر صبح جا کر خریدنی پڑے تو کتنی مشکل ہو۔ قتل و غارت گری ہو' کچھ کنٹرول ہی نہ ہو۔ اللہ جو ہمیں پانی دیتا ہے اور میں پانی کو دیکھ کر سوچتا ہوں کہ یا اللہ تعالیٰ تو نے یہ کیسے بنایا اور ہمارے کتنے کام اس کے ساتھ وابستہ ہیں اور ہمارا کام مفت مفت چلا جا رہا ہے۔ تو اللہ کے فضل کے بڑے رُوپ ہیں۔

یہ "زاویہ" پروگرام تو آپ سے ملاقات کا ایک بہانہ ہے۔ میں اسی لیے عرض کرتا ہوں اپنے آپ کو سمجھانے کے لیے بھی۔ میرے اندر ایک چڑ رہتی ہے اور میں ایک سخت گیر آدمی ہوں اور ایک انسان میں لچک ہونی چاہیے۔ وہ میرے اندر نہیں ہے اور اپنے آپ کو سمجھانے کے لیے میں آپ کا سہارا لیتا ہوں کہ اے اشفاق احمد! اللہ کا فضل تو بڑے مختلف رُوپ میں پھیلا ہوا ہے۔ آپ نے تو کبھی غور نہیں کیا کہ جب آپ کرکٹ کا کوئی میچ دیکھنے بیٹھتے ہیں' تو بڑا فضل بڑی راحت محسوس ہوتی ہے۔ کبھی Tension میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ "اوہ" اگر اس کا چھکا لگ جاتا تو بڑی اچھی بات ہوتی۔ اچھا شوکت خانم کی جھگیوں کے پاس جو لڑکوں کی ٹیم ہے' وہاں چوکے تک کی تو اجازت ہے' چھکے کی نہیں ہے۔ اب دیکھیے امپائر نے کتنی سخت شرط لگائی ہوئی ہے' چھکے کی اجازت اس لیے نہیں ہے کہ چوکے کے باہر ارد گرد کوٹھیاں شروع ہو جاتی ہیں اور چھکے سے خطرہ ہوتا ہے کہ بال ان کے شیشوں میں جا نہ لگے' لیکن اگر کوئی چوکا چھکے کی اہمیت کا ہو تو امپائر جو پاکستان کا واحد امپائر ہے' جو دونوں ہاتھ کھڑے کر کے چھکے کا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

فیصلہ دے دیتا ہے اور اس کے فیصلے کو دونوں ٹیمیں تسلیم کر لیتی ہیں' کسی کو اعتراض نہیں ہوتا سو جناب اللہ کی مہربانیوں کے بڑے رُوپ ہیں۔ اگر ہم سارے تھوڑی سی لچک پیدا کر کے چڑنا چھوڑ دیں' جلنا بھننا چھوڑ دیں تو آسانیاں اور اللہ کا فضل حاصل ہو سکتا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر چڑنا کہ بس لیٹ آتی ہے' دیر ہو جاتی ہے' فلاں کام ہماری مرضی سے نہیں ہوا۔

ایک نابینا بابا بس سے اترا اور میں نے ہی اسے مدد کر کے اتارا۔ عین اسی وقت جب نابینا بزرگ کو میں اترنے میں مدد دے رہا تھا' ان کے ساتھ ہی اترنے والے ایک صاحب کے Cell Phone پر فون آ گیا۔ انہوں نے کہا ''ہیلو!'' تو نابینا صاحب نے بھی کہا ''ہیلو!'' اس صاحب نے کہا کیسا حال ہے؟ نابینا صاحب کہنے لگے' اللہ کا شکر ہے۔ وہ صاحب تو اپنی بات کر رہے تھے' لیکن نابینا صاحب اسے پورا ٹھیک جواب دے رہے تھے۔ وہ صاحب فون پر کہنے لگے' کل آپ نہیں آئے؟ نابینا صاحب کہنے لگے کل آپ نے مجھے کب بلایا تھا۔ وہ کہنے لگے' تم نے وعدہ کیا تھا۔ نابینا صاحب کہنے لگے' نہیں میں نے وعدہ نہیں کیا۔ اب میں درمیان میں کھڑا ہوں اور سوچ رہا ہوں زندگی میں کیسے کیسے عجیب وغریب واقعات سامنے آتے ہیں۔ آپ اگر غور سے سفر کریں تو ایسی عجیب وغریب چیزیں ملتی ہیں۔

میں جو آپ سے عرض کرتا ہوں یہ یہیں کہیں وہیں سے اکٹھی کی ہوئی باتیں ہوتی ہیں' لیکن ہم نے چونکہ ایک سخت قسم کا اور تنگ راستہ بنا لیا ہوا ہے اور ہم سارے سرنگ میں چلنے کے عادی ہیں۔ کھلے راستوں کے عادی نہیں رہے' اس لیے یہ سارے واقعات اور اللہ کے فضل اور رحمتیں نظر نہیں آتیں' ورنہ اللہ کا فضل تو مسلسل جاری ہے۔ اب یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ ہماری آنکھیں سلامت ہیں اور ہم دیکھ سکتے ہیں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فضل کی تلاش میں زیادہ آسانیاں عطا فرمائے اور اتنی آسانیاں عطا فرمائے کہ آپ انہیں تقسیم کریں اور لوگ ان سے فائدہ حاصل کریں اور انہیں آگے تقسیم کر سکیں۔ اللہ حافظ!

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

صبر، ڈسپلن اور آزادی کشمیر

ہم گھر میں کل تین بڑے تھے۔ ایک دادا، ایک دادی اور ایک بہو اور ارسلا۔ اور ارسلا بڑی بیماری تھی۔ دو برس کی عمر کی ایک نہایت پیاری، خوبصورت، سنہرے بالوں والی بچی۔ اسے شدید بخار تھا اور موسم بھی سردیوں کا تھا۔ بخار اترنے کا نام نہیں لیتا تھا اور ڈاکٹروں نے بڑی کوشش کی۔ بڑی اینٹی بائیوٹیک دی تھیں، لیکن وہ ان کے قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ ارسلا بڑی بے چین تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن بھی بڑی تیز تھی۔ وہ صرف دادا کے ساتھ چمٹ کر ہی تھوڑی دیر آرام کر سکتی تھی۔ میں اس وقت جوان تھا، ابھی ساٹھ برس عمر کا نہیں ہوا تھا۔ ابھی پانچ ماہ کم تھے اور میں ''تگڑا'' تھا۔ ارسلا کا سب سے بڑا تقاضا یہ تھا کہ وہ میرے سینے کے ساتھ لگ گئی، جس طرح چٹان پر کوئی مینڈک چپکا ہوتا ہے۔ میں پیچھے کی طرف جس قدر بھی زاویہ بنا سکوں، تو ٹھیک۔ لیکن اگر سیدھا کھڑا ہوتا یا عموداً تو پھر وہ رونے لگتی تھی۔ اتنی دیر تک پیچھے کو جھک کے کھڑے رہنا کافی مشکل تھا۔ لیکن اس کی خوشنودی اور آرام مقصود تھا۔ اتنی سردی میں اس کا پسینہ اس کی ناک سے اس کے ماتھے سے ٹپک رہا تھا۔ میرے نیلے کرتے پر اور بڑے بڑے ''چٹاک'' پڑ رہے تھے اور مجھے پتہ چل رہا تھا کہ یہ میرے کرتے کا رنگ کچا ہے۔ جب بھی قطرہ گرتا مجھے اور تکلیف ہوتی اور دوسرے اپنے کرتے کی بھی کہ اس کا رنگ ٹھیک نہیں ہے۔ اس کیفیت سے ہم گزر رہے تھے۔ رات کے وقت میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں ایک ایسی کرسی پر بیٹھتا ہوں، جس کی ''ڈھو'' (سہارا) ذرا سلانٹ ہو تو ارسلا اسی طرح میرے سینے کے اوپر آرام سے لیٹی رہے، کیونکہ وہ اپنی ماں پر اعتماد کرتی تھی نہ اپنی دادی کے پاس جاتی تھی۔ اپنے بستر پر نہیں لیٹتی تھی۔

آپ ایسا کریں کہ میں کرسی پر بیٹھتا ہوں اور مجھے ٹی وی لگا دیں اور اس کی آواز بند کر دیں۔ تصویریں گزرتی رہیں گی میں دیکھتا رہوں گا اور میرا دل لگا رہے گا۔ اس زمانے میں ٹی وی رات بارہ بجے تک چلنے لگا تھا۔ وہ وقت بھی گزر گیا اور میں اور ارسلا ایک کمرے میں بیٹھے رہے۔ میری بیوی بڑی پریشان تھی اور ارسلا کی ماں بھی۔ میرا بیٹا بھی بار بار آتا اور کہتا کہ ابو آپ کو تکلیف ہو رہی ہے، میں نے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کہا مجھے اپنی تکلیف سے زیادہ اس کی تکلیف کا خیال ہے کہ میں اس کی کیسے مدد کروں کہ اس کی تکلیف کسی طرح سے ذرا سی کم ہو جائے اور مجھے دکھ اس بات کا تھا کہ میں اپنے عہد کا بڑا لائق آدمی تھا۔ لائق پڑھائی لکھائی کے اعتبار سے نہیں، میری ہابی بھی تھی کہ میں مشینوں کے ساتھ کھیل سکتا تھا۔ اس عمر میں، میں اپنی گاڑی کا تیل گھر پر بدلتا۔ آپ تو تیل تبدیل کروانے جاتے ہیں، میں گاڑی کے نیچے لیٹ کر بڑے رینچ سے کھول کر ڈبہ رکھ کے تیل بدلی کر لیتا تھا۔ میں پرانی ٹوٹی پھوٹی سولڈر وائر کو ٹانکے پیچ لگا کر بچوں کو لوکل ریڈیو سیٹ بنا دیتا تھا۔ لاہور سٹیشن بجتا تھا اس کے اوپر۔ میں نہایت Sensitive ٹرانسسٹرز کو بغیر گیلے کپڑے میں پکڑے ٹانکے لگا دیتا تھا اور ٹھیک رہتا تھا۔ یہاں میں پریشان تھا کہ کچھ نہیں ہو رہا اور میں کئی دفعہ ایسی کفر کی سی حالتوں میں سے گزرا کہ یا اللہ یہ کیا ہے؟ ایسا کس لیے ہے؟ اور وہ میری بہت پیاری پوتی تھی اور ہمیں ڈر تھا کہ اگلا بیٹا نہ ہو جائے۔ مجھے کم از کم ڈر تھا۔ ہمارے گھر میں ماشاءاللہ بہت سے بیٹے تھے اور ہمیں آرزو تھی کہ پوتیاں ہوں۔ میں نے کہا اللہ میاں مجھے پوتی سے نواز اور پھر اللہ کی مہربانی ہوئی اور جب ارسلا پیدا ہوئی تو میں نے اس کا نام ارسلا رکھا، یعنی ارسال کی ہوئی۔ تو پھر مجھے خیال آیا کہ دیکھو میں کیسی چیزیں ایجاد کر لیتا ہوں۔ مجھے اللہ نے یہ خاص صلاحیت دی ہے۔ میں اب اس کے ساتھ لیٹا ہوا ہوں اور وہ چھوٹا سا مینڈک میرے سینے کے ساتھ چپکا ہوا ہے۔ مجھے طرح طرح کے خیالات آ رہے ہیں۔ ان میں کچھ مثبت بھی تھے، کچھ منفی بھی۔ اللہ کے شکرانے کے بھی اور ناراضگی کے بھی۔ عجیب و غریب خیالات اور اس کی کیفیت ٹھیک نہیں ہو رہی تھی۔

مجھے یاد آیا، جب میں روم میں رہتا تھا اور میں یونیورسٹی جاتا تھا۔ تو صبح ناشتے میں ہر روز میں ایک چیز سینڈوچ لیتا تھا، وہ پانچ روپے کا ملتا تھا اور چائے میں اپنے کمرے میں بنا لیتا تھا۔ وہاں چائے کا رواج نہیں ہے، کافی پی جاتی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ پانچ روپے کا تو بڑا مہنگا ہے۔ اس میں تھوڑا سا CHEESE اور دو سلائس ہوتے ہیں اور وہاں میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی کہ جس سے میں ہر روز سستے بھاؤ ایک سینڈوچ تیار کر سکتا۔ میں نے ایک دن یوں کیا کہ وہاں سے دو سلائس لیے، اٹھ آنے کے دو سلائس اور آٹھ آنے ہی کا تقریباً CHESE کا ٹکڑا بھی لے لیا اور اوپر کمرے میں آ گیا۔ میں ٹھنڈا کھانے کا عادی نہیں تھا۔ گرم کھانے کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ میں نے کہا کہ اسے گرم ہونا چاہیے۔ میں نے اسے اس جگہ کے اوپر رکھا، جہاں میں اپنی ٹائی اور سوٹ استری کیا کرتا تھا۔ میں نے استری گرم کی اور اسے ان سلائیز کے اوپر رکھا، جس سے بہترین چیز سینڈوچ تیار ہو گیا اور اب مجھے وہ ایک روپے کا پڑنے لگا۔ آپ کو بھی بتا دوں کہ استری سے CHESE سینڈوچ بڑا اچھا بن جاتا ہے۔ جب میں نے یہ بات سوچی تو میں نے کہا، میں ارسلا کی مدد کیوں نہیں کر سکتا اور اس کے ساتھ ہی چونکہ میں ٹیکنیکل چیزوں کے ساتھ بہت وابستہ تھا، جو بھی چیز لینی، سب سے پہلے اس کا مینول مطالعہ کرنا کہ یہ کیا کہتا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہے۔ اسکے مطابق ہی اسے استعمال کرتا تھا۔

لاہور میں سب سے پہلے ٹیپ ریکارڈر جس میں آواز بھرتے ہیں' وہ میں نے ہی خریدا تھا۔ وہ اس وقت یہاں کے سٹوڈیوز میں بھی نہیں تھا۔ اتنا شوق تھا ان چیزوں کا۔ میں سوچ رہا تھا اللہ مجھے معاف کرے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ اس کا مینول کیوں نہیں آتا۔ میری آرزو تھی' ایک دل کی پکار تھی کہ یا اللہ اس کا بھی کوئی مینول ہو اور میں دیکھوں کہ کہاں خرابی ہے۔ یہاں ٹانکا لگانا ہے' یہاں نئے سرے سے پیچ کسنا ہے اور یہ میرے سامنے بیٹھ کے کھیلنے لگے گی' لیکن کوئی مینول ایسا نہیں آتا جو اس کے جسمانی عارضوں کو دور کر سکے۔ ایک مینول آتا ضرور ہے' جو انسان نبی اللہ کی مہربانی سے ہم کو دیتا ہے۔ نبیوں نے بتایا ہے کہ زندگی کیسے بسر کرنی ہے۔ ہم کو تو اللہ نے بنا دیا بغیر ہمارے پوچھے ہمیں بنا دیا اور جب ہم بن گئے تو پھر ہم نے پوچھا کہ اے کوزہ گر تو نے یہ جو کوزہ بنایا ہے' اس میں ڈالنا کیا ہے' ہمیں تو یہ بھی نہیں پتہ۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہارا پرچہ' ترکیب استعمال' نبیوں کے ذریعے دے دیا ہے تو اس کے مطابق کر لو جو خوش قسمت ہوتا ہے وہ اس پرچہ ترکیب استعمال کو استعمال میں لے آتا ہے' جو ہمارے جیسا کوتاہ بین ہوتا ہے وہ پیچھے رہ جاتا ہے۔ میں اپنے اس مینول کے بارے میں بھی غور کرتا رہا' لیکن پوتی کو کچھ افاقہ نہ ہوا۔ پھر ایسے ہی دوسری رات آ گئی۔ پھر مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ علم جو میرے پاس نہیں ہے' وہ مجھے عطا کیا جا رہا ہے۔ یہ ٹانکا لگانے یا گاڑی کا تیل بدلنے کا علم نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کسی مینول ہینڈلنگ سے کوئی تعلق ہے۔

مجھے احساس ہوا کہ مجھے اور ارسلا' دونوں دادا پوتی کو ایک صبر کی تلقین کی جا رہی ہے کہ صبر کیا ہوتا ہے اور اس کے اندر سے انسان کیسے گزرتا ہے اور گزر سکتا ہے اور اسے کیسے گزرنا چاہیے؟ اس میں غصہ بھی آتا ہے' آدمی چڑتا بھی ہے اور وہ کہتا ہے "Why Me" میری پوتی جب کسی سے چڑتی ہے تو کہتی ہے واؤ "وائی می"۔ میری پوتی نے تیزی' بلکہ بہت ساری تیزی کو اپنا لیا ہے۔ لیکن صبر انسان کو ڈسپلن سکھاتا ہے اور یہ کس طرح سے انسان کو ادب کی تعلیم دیتا ہے اور ایک ایسی ترکیب میں سے گزارتا ہے کہ وہ ڈسپلن کی جانب آتا ہے۔

میں آپ اور ہمارا ملک اس لیے پسماندہ ہے کہ ہم میں ڈسپلن نہیں ہے۔ ہم منظم نہیں ہیں۔ کیا نام ہے؟ ٹورنٹو ریڈیو کی بہت خوبصورت آواز۔ ہاں یوری انڈریو نامی اناؤنسر ہے۔ وہ مسلمان ہو گیا۔ جب میں کینیڈا میں تھا تو میں نے اس کا ایک کیسٹ سنا۔ وہ بہت حیران ہے۔ کہتا ہے کہ وہ سورۃ روم سن کر مسلمان ہوا ہے۔ جس میں ہے کہ دنیا نے یہ کہا کہ ایران فتح ہو گیا اور ایران فتح بھی ہو گیا تھا۔ لیکن اللہ کہتا ہے یہ غلط ہے۔ رومی ہارے نہیں فتح یاب ہوئے اور تاریخ بتاتی ہے کہ چھ دن کے بعد ہی پانسہ پلٹ گیا اور رومی فتح یاب ہو گئے۔ یوری کے دل پر پھر کچھ ایسی گزری کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ خیر! میں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

یوری سے ملنے گیا اور اس سے کہا کہ تم اسلام کو کیسے دیکھتے ہو گے؟ کہنے لگا "The Future of world is Islam'it belongs to Islam." میں نے کہا کہ کیسی بات کرتے ہو؟ ہمارے ہاں بھی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں۔ اس کی کوئی بنیاد کوئی منطق نہیں ہے۔ اس نے کہا' ہاں! اس کے پیچھے کوئی منطق نہیں ہے۔ لیکن اس کے پیچھے ایک اور چیز ہے۔ اسلام ایک اور طرح کا مذہب ہے۔ تم لوگ اس کو نہیں سمجھو گے۔ تم نے پتا نہیں کیوں یہ مذہب اختیار کر رکھا ہے۔

وہ کہنے لگا' جب امریکہ کے دو ہزار سنہرے بالوں والے گورے مسلمان ہو جائیں گے' کالے نہیں' اور ایک ہزار کینیڈین' چھ سو سیکنڈے نیوین ممالک کے مسلمان ہو جائیں گے' تو پھر ہمارا قافلہ چل نکلے گا اور ہم لوگوں کو بتا دیں گے کہ اسلام کیا ہے۔ میں نے کہا کہ ہماری تعداد تو ماشاء اللہ اکیلے ہی چودہ کروڑ ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ Sorry آپ غیر منظم ہیں اور ایسے غیر منظم لوگ اتنا بڑا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ تب میرا دل دُکھ سے بھر گیا کہ اتنی بڑی اسلام کی فتح ہو گی۔ کبھی ہو گی۔ میں آپ شاید اس وقت ہوں نہ ہوں' لیکن کیا ہم اس میں شریک نہیں ہوں گے؟ میں نے یوری سے کہا' یار! یہ تو ہمارا بہت پیارا دین ہے' تو تم اکیلے ہی کامیاب رہ جاؤ گے۔ دنیاداری میں بھی اور جب یہ وقت آئے گا تم گورے ہی کامیاب رہو گے۔ اس نے کہا' کیا کریں بس اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے۔ میں نے کہا کہ ہمارا حصہ کچھ نہیں؟ کہنے لگا' نہیں! تم پھر ایسے کرنا تم ہاتھ اوپر اٹھانا اور اونچی آواز میں کہنا' I am also muslim' تو ہم تم سے کہیں گے' اچھا "بغلی بستر" اٹھا کے پیچھے پیچھے چلتے آؤ' تم سے ہونا تو کچھ نہیں۔ ڈسپلن تم میں نہیں' تم ناچ سکتے ہو یا رو سکتے ہو' قتل ہو سکتے ہو یا قتل کر سکتے ہو۔

اللہ صبر سکھاتا ہے۔ میں نے اپنے طور پر محسوس کیا۔ ارسلا اب بڑی ہو گئی ہے اور اب تو ماشاء اللہ وہ اٹھارہ برس کی ہے۔ وہ نیوکلیئر فزکس کی بڑی اچھی طالبہ ہے اور میں اس سے کہتا ہوں' اللہ کے واسطے یہ نیوکلیئر فزکس نہ پڑھ۔ تمہیں پکڑ ہی نہ لیں۔ بہرکیف یہ ایک تیسری بات ہے۔ وہ کہتی ہے' نہیں دادا! یہ مجھے بہت پسند ہے۔ ایک صبر ہوتا ہے جو مجبوری کا ہے کہ کیا جاتا ہے' ہاں ٹھیک ہے جی' خیر کوئی گل نئیں اللہ نے کہیا تے فیر صبر ای کر لینے آں" یہ صبر نہیں ہے' یہ تو ڈسپلن نہیں سکھاتا۔

میں اس دُکھ میں سے گزرتا تھا' پھر اللہ نے فضل کیا اور مجھے یہ بات سمجھ میں آ ئی۔ میں دفتر آیا ہوا تھا کہ میری بیوی نے ٹیلیفون کیا کہ ارسلا کا بخار اتر گیا ہے اور وہ مٹی کے کھلونے جو آپ نے اس کے لیے بہاولپور سے منگوائے تھے' ان سے کھیل رہی ہے۔ مجھے آج تک یہ سمجھ نہ آئی کہ اس کا بخار اچانک کیسے اتر گیا۔ میں اس وقت دفتر میں سارا کام چھوڑ کر بھاگا آیا اور حیران رہ گیا کہ یہ کیسے ہوا؟ میں نے پھر اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا کہ میری وہ ساری باتیں معاف کی جائیں اور یہ خداوند تعالیٰ جو آپ نے درس دیا ہے' میں معلوم نہیں کہ ثابت قدمی سے اس پر قائم رہ سکوں گا یا نہیں۔ مجھے اس کا اندازہ ہو گیا ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اس طرح آج میں دیکھتا ہوں۔ اسی ارسلا کی طرح میرا ملک بھی خدا نے مجھے ارسال کیا تھا۔ یہ ہماری کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے' ہم نے کچھ بڑے کام نہیں کیے ہیں۔ یہ اس کی مہربانیاں تھیں۔ یہ اللہ کا فضل تھا جو اتنا بڑا ملک اتنے بڑے وسائل کے ساتھ اتنے خوبصورت موسموں والا' ایسے پھلوں' پھولوں والا ہمیں مل گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اب جب میں دُکھ کی بات آپ سے کرتا ہوں وہ یہ کہ جو میرے سینے سے چمٹی ارسلا تھی' وہ پوری طرح سے اتر نہیں سکی ہے اور اس سے زیادہ تکلیف میں مبتلا بچے کی طرح کشمیر بن کر میرے سینے کے ساتھ لپٹی ہے اور کسی آدمی کے پاس ایسا سینہ نہیں ہے جو اس مریض' پامال' خوار' پریشان اور دردمند کشمیر کے لیے اپنا سینہ پیش کر سکے اور اس مشکل میں سے گزر سکے۔

آپ یقین نہیں کریں گے کہ کشمیر آج سے دکھوں میں نہیں گھرا۔ یہ بڑے طویل عرصے سے ڈوگرہ راج کے زمانے سے تکلیفیں سہتا چلا آ رہا ہے۔ ہم نے اس کے ساتھ جس قدر محبت کرنی تھی' وہ ہم کر نہیں سکے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ہم نے اس کے لیے درد محسوس کیا' لیکن جس طرح سے ایک دکھی دادا اپنی ارسلا کے لیے محسوس کرتا ہے' یا کرتا رہا ہے۔ ویسے ہم نہیں کر سکے۔ بڑی آرزو یہ ہے کہ سیاستدان اور لیڈر وہ تو ایسی محبت عطا نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے کچھ اور کاموں میں لگے رہتے ہیں' لیکن لوگ اگر اجتماعی طور پر اپنی محبت کو جمع کر کے' اپنے اپنے گھر بیٹھ کر اپنی اپنی دل بستگی کے ساتھ اس کشمیر کے لیے دعا ہی کریں' تو بہت کچھ ممکن ہو جائے۔ ہمارے پاس اتنا وقت ہی نہیں بچتا۔ ہم نے اپنی اپنی زندگی ساری طویل زندگی میں کسی رات کبھی نو بجے بیٹھ کر خالی اس کشمیر کے لیے دعا نہیں کی' جہاں پچھلے دس برس میں ایک ہزار نئی قبریں بن چکی ہیں' تو اس پر کچھ گزری ہے ناں! کچھ ہوا ہے!!

ہم جذباتی' روحانی' نفسیاتی اور قلبی اثر یقیناً ڈال سکتے ہیں اور جب ہم سب مل کر ایسا کریں گے' اپنے خالی لمحات میں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پھر ہر گھر میں یہ ٹیلیفون بجے گا کہ کشمیر آزاد ہو گیا ہے اور اپنے کھلونوں کے ساتھ کھیل رہا ہے' جو پھولوں کی صورت میں اس کی ساری وادی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ کئی دنوں کا میرے دل پر بوجھ تھا' جو میں نے آج آپ کی خدمت میں بیان کر کے اتار دیا ہے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بابے، جسم اور خیال کا کِلا

یہ سوال میری روح اور میرے ذہن کے ساتھ اکثر ٹکراتا ہے، جس میں لوگ اکثر پوچھتے ہیں کہ آپ "بابوں" کا ذکر کرتے ہیں۔ ہمیں تو "بابے" کوئی ملتے نہیں ہیں، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک اچھی، اونچی کرسی لگا کر گھر میں بیٹھے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی بابا پکڑ کے لاؤ اور ہماری خدمت میں پیش کرو۔ ایسا تو ہوتا نہیں ہے۔ اس کے لیے تو کچھ مختلف Effort کوشش جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ جیسے آپ اور دوسرے کاموں کے لیے کرتے ہیں۔ میں اب لوٹ کر بہت پیچھے کی طرف جا رہا ہوں۔ میری عمر میں پہنچ کر پرانی باتیں زیادہ وضاحت کے ساتھ یاد آتی ہیں اور کل کیا کھایا تھا، وہ نہیں پتا چلتا۔ مثلاً میں راستے میں سوچتا آ رہا تھا کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ کل کیا کھایا تھا، تو عین ٹی وی کے دروازے پر پہنچ کے یاد آیا کہ آلو مٹر کھائے تھے۔ لیکن زیادہ پرانی باتیں مکمل وضاحت اور تفصیل کے یاد ہیں۔

میرا گاؤں، گاؤں نہیں بلکہ ایک قصبہ تھا، جس کی آبادی کوئی پچیس ہزار کے قریب تھی۔ وہاں ہم رہتے تھے، لیکن وہ پچیس ہزار کا قصبہ جنوری کے مہینے میں دس تاریخ کے بعد تین لاکھ کا قصبہ بن جاتا تھا، وہاں ایک میلہ لگتا تھا۔ اسے ہم "ماڈھی" کا میلہ کہتے تھے۔ جنوری کی دس، بارہ تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو ضلع سے پولیس آتی تھی۔ دُور دُور سے تماشے تھیٹر آتے تھے، جو اپنی زندگی میں، میں نے دیکھے اور ان سے بڑا فائدہ اٹھایا کہ مجھے ڈرامہ لکھنا آنے لگا۔ وہ تھیٹر اور طرح کے ہوتے تھے، لیکن ان کے پس منظر میں وہ سب کچھ ہوتا تھا جو پرانے پارسی تھیٹروں میں تھا۔ اس میلے میں دو بڑے سرکس آیا کرتے تھے۔ میں چونکہ چھوٹا تھا اور میری عمر پانچ سال تھی، اس وقت سرکس میں زیادہ دھیان دیتا تھا۔ جانوروں کے ساتھ وابستگی ہوتی تھی۔ وہاں ایک رتنابائی گرینڈ سرکس بھی آتا تھا۔ ایک رتنابائی بنگالی عورت وہ کرتب بھی کرتی تھی اور اس سرکس کی مالک بھی تھی۔ وہ اتنا بڑا جوڑا کر کے اور پلس فور پہن کے، پاؤں میں چمڑے کے جوتے اور وردی اور ہاتھ میں ہنٹر پکڑے ہوتی تھی۔ اس سے سارے جانور دبکتے تھے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں نے کوئی ایسا رنگ ماسٹر اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا جو شیروں کے ساتھ جا کر پٹاخہ مار کے بات نہ کرے بلکہ وہ موٹا'' نگا'' ان کے منہ پر مارے اور ان سے کام کرائے۔ رتنا بائی کے سات ہاتھی تھے جو بڑے وزنی تھے۔ میں بڑی بہادری کے ساتھ اس کے سامنے جا کر کھڑا تو ہو گیا' لیکن جب ہاتھی آگے کو جھکا تو میں ڈر کے مارے پیچھے کی طرف ہو گیا۔ میرے ساتھ میرے والد صاحب بھی تھے جو ویٹرنری ڈاکٹر تھے اور ہاتھی کا ٹمپریچر لینے آئے تھے۔ میرے والد نے مجھ سے کہا کہ اس کی سونڈ پکڑو' لیکن میں ڈرا۔ اس پر میرے باپ نے پوچھا کہ تم اس سے ڈرے کیوں؟ میں نے ان سے کہا کہ میں ڈرا اس لیے ہوں ابو کہ یہ ہاتھی جس'' کلے'' کے ساتھ باندھا گیا ہے' وہ بڑا کمزور ہے اور میرا خیال ہے کہ زمین میں فٹ ڈیڑھ فٹ سے زیادہ گہرا نہیں ہے۔ یہ اگر زور دے تو یہ اسے اکھاڑ پھینکے گا۔ میرے والد نے کہا یہ ایسا کر نہیں سکتا' کیونکہ یہ'' کلے'' کے ساتھ نہیں بندھا ہوا' یہ اس خیال کے ساتھ بندھا ہوا ہے کہ'' کلا'' مضبوط ہے۔ اگر یہ اپنے خیال میں تبدیلی لائے تو پھر البتہ یہ ضرور کلے کو اکھاڑے گا۔

میں نے کہا ابو اسے اب یہ خیال کیوں نہیں آتا تو انہوں نے کہا کہ جب یہ چھوٹا تھا تو اسے اس'' کلے'' کے ساتھ باندھا گیا۔ اس نے اپنا پورا زور لگایا' پوری طاقت آزمائی تھی' لیکن یہ اسے اکھاڑ نہیں سکا تھا۔ اس جدوجہد میں اس کے تقریباً پانچ چھ سات ماہ گزرے' پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ یہ میری طاقت سے اکھڑ نہیں سکتا اور اب وہ اسی خیال اور اندازے پر قائم ہے۔ تاہم وہ بات جب کی تھی اور اب اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد اپنی زندگی کے مشاہدات و تجربات کے بعد یہ تصور میرے ذہن میں ابھرنے لگا ہے کہ ہم خیال سے کس قدر بندھے ہوئے ہیں اور مائنڈ میٹر یعنی جسم کے اوپر کتنی حکمرانی کر رہا ہے۔ اگر مائنڈ طاقتور ہو تو آپ کا جسم آپ کی مرضی کے مطابق عمل کرنے لگے گا۔ لیکن آپ کہتے ہیں میں سگریٹ چھوڑ نہیں سکتا۔ سگریٹ چھوڑنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ ایک خیال نے آپ کو اس بات کے ساتھ باندھا ہوا ہے۔ میں اپنی نواسی سے کہہ رہا تھا کہ'' تو نہ لڑیا کر اپنی سس نال'' (آپ اپنی ساس سے نہ لڑا کرو) کہنے لگی' نہیں میں ساس کے ساتھ لڑنے سے رہ نہیں سکتی۔ نانا میرا خیال یہ ہے کہ بس یہ بڑی کمینی عورت ہے۔ میں نے کہا' تو اپنے خیال کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ ساس کے ساتھ بندھ کے دیکھ بڑا مزہ آئے گا۔ اس نے کہا کہ دفع دُور میں نہیں بندھتی! زندگی میں اور جتنے مسائل ہیں وہ ایسے ہی ہیں۔

آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ امریکہ میں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام ہیلن کیلے تھا۔ وہ مادرزاد اندھی تھی اور مادرزاد بہری بھی تھی اور اس طرح پیدائشی گونگی بھی' لیکن وہ ایک صحت مند لڑکی کی طرح پرورش پا رہی تھی۔ وہ ایک عجیب و غریب کیس تھا۔ اس نے یہ تہیہ کیا کہ میں تعلیم حاصل کروں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

گی۔اس نے اپنے آپ کو اپنی ذات کو اس ''کلّے'' کے ساتھ نہیں باندھا۔وہ اب نہ کچھ بیان کر سکتی تھی کہ میں پڑھنا چاہتی ہوں' نہ دیکھ کے بتا سکتی ہے کہ وہ کیا کرنے کی آرزو رکھتی ہے۔لیکن اس کے اندر یہ طلب پیدا ہوئی اور یہ طلب اتنی شدید ہوئی کہ اس کی ایک سہیلی کی خالہ تھی۔اس کا بازو اس نے پکڑ کر اس طرح سے دبایا کہ اس خالہ نے محسوس کیا کہ یہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔پھر ان دونوں نے بڑی مدت کے بعد زور لگا کر ایک Language (زبان) ڈویلپ کی' جو اس کے بدن کو دبا کر بیان کرتی تھی اور وہ اسے سمجھتی تھی۔ایک بار Ship کا لفظ آیا۔لیکن اس لڑکی کو شپ یا جہاز کے بارے میں کوئی تصور ہی نہیں تھا کہ یہ کیا چیز ہوتی ہے۔اس کی استاد نے کہا کہ شپ سمندر میں چلتا ہے۔اب اسے سمندر کا بھی کوئی پتا نہیں تھا۔لیکن اس لڑکی نے کہا کہ وہ علم ضرور حاصل کرے گی اور اس کا خیال اس پر حاوی نہیں ہوگا اور میں خیال کو خود پر حاوی ہونے نہیں دوں گی۔چنانچہ اس لڑکی نے سارا وقت اور ساری توجہ اپنے ذہن کے ساتھ جدوجہد کرنے میں گزار دی اور اپنے مائنڈ کو حکم دیا کہ میرے بدن پر اپنے آپ کو اپلائی کر۔مجھے وہ علم عطا کر جو دوسرے لوگ اپنی جسمانی ساخت پوری ہونے کے سبب حاصل کرتے ہیں اور اس نے یہ کیا اور پانچ کتابیں اس نے لکھیں۔

وہ یہاں لاہور بھی آئی تھی پاکستان بننے کے بعد اور ہم بڑی عقیدت کے ساتھ ان سے ملنے گئے تھے۔وہ بول نہیں سکتی تھی۔اپنے استادوں کے مخصوص طریقے سے سوالات کے کھٹ کھٹ کرکے مخصوص انداز میں جواب دیتی تھی۔وہ اپنی آٹو بائیو گرافی میں ایک کمال کی بات لکھتی ہے کہ دیکھو میں بہت خوش ہوں کہ میرے خدا نے میرے اوپر بڑا کرم کیا ہے۔اگر یہ ساری چیزیں' یہ ساری نعمتیں اندھے ہونا' بہرے ہونا' گونگے ہونا مجھے نہ ملی ہوتیں' تو میں دنیا کی ایک نامور عورت نہ ہوتی' بلکہ ایک معمولی سی گھریلو عورت ہوتی۔

اللہ کی نعمت کے کیا کیا رُوپ ہیں' اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور شاباش ہے اس بی بی پر جس نے اسے نعمت کہہ کر پکارا۔جب آپ کو کوئی خیال پکڑ لیتا ہے اور آپ اس کے تابع ہو جاتے ہیں تو معاملہ گڑبڑ ہوتا ہے۔میں اکثر کہتا ہوں کہ کبھی کبھی بیٹھ کر جب وقت ملے تو ضرور غور کیا کیجئے کہ آیا مجھ کو کسی ''کلّے'' یا ''سنگل'' نے پکڑا ہوا ہے' یا کسی خیال نے پکڑا ہوا ہے۔جب یہ بات آپ کے ذہن میں آ جائے گی' آپ بڑی آسانی سے اپنا مسئلہ خود حل کر لیں گے۔خیال کی طاقت بڑی طاقت ہوتی ہے۔پاکستان بننے کے بعد میں کالج میں ایم اے کے چوتھے سال میں پڑھتا تھا۔ہم سمجھتے تھے کہ اس سال آدمی بڑا لائق فائق اور ذہین ہوتا ہے۔اس جیسا دنیا میں اور کوئی ہوتا ہی نہیں اور ہم یہی سمجھتے تھے۔میرے والد اور میرے ماموں کو خاص طور پر میرے ماموں کو اس بات کی بڑی خواہش تھی کہ میں نماز پڑھا کروں۔چنانچہ وہ دونوں بیچارے اپنے اپنے طریقے سے کوشش کرتے تھے۔لیکن میں اپنے خیال

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں اتنا پڑھا لکھا تھا کہ میں باقاعدہ دلائل دیتا تھا کہ نماز میں کیا رکھا ہے۔ اللہ کہاں ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ جیسے پڑھے لکھے لوگ کہا کرتے ہیں۔

وہ کچھ کہتے نہیں تھے۔ وہ مجھے پکڑ کر ایک مولوی صاحب کے پاس لے گئے' جو ہمارے شہر لاہور میں نیلا گنبد کی مسجد کے علاقے میں تھے۔ وہ مولوی صاحب وہاں بیٹھے لیکچر دے رہے تھے اور ان کے پاس تین پہیوں کی چیئر تھی۔ وہ چل نہیں سکتے تھے۔ ان کی ایک ٹانگ پر بڑی خوفناک بیماری کا حملہ تھا' جسے ''گھمبیر'' وغیرہ کہتے ہیں۔ میرے والد نے کہا کہ جی! یہ میرا بیٹا ہے۔ وہ کہنے لگے' ماشاء اللہ بڑا اچھا ہے۔ لائق' ذہین' خوبصورت اور فتین لڑکا ہے۔ میرے والد صاحب نے ان سے مجھے کچھ سمجھانے کا کہا' تو وہ کہنے لگے' نہیں پھر کسی دن آپ لوگ آئیں گے تو تلقین کریں گے۔ آج موقع نہیں ہے اور تلقین زیادہ کرنی بھی نہیں چاہیے۔ یہ آتا رہے' ملتا' ملاتا رہے۔ مجھے ان کی شخصیت نے بڑا متاثر کیا' لیکن میں نے ان کی بات نہیں مانی نوجوانوں کے پاس کہاں وقت ہوتا ہے' ایسے کام کرنے کا' شرافت کا یا عبادت کا۔

میں نے کالج میں اپنے دوستوں کو بتایا تو انہوں نے کہا' ناں ناں خبردار! اس چکر میں نہ پھنس جانا۔ ہمیں دنیا بنانی ہے' ترقی کرنی ہے۔ ایک ہمارا ساتھی مولوی سے پڑھتا تھا۔ اس نے فوراً ایک آیت قرآنی کا ترجمہ پڑھا ''کوشش کرو دنیا کی طرف۔'' خیر وقت گزرتا رہا اور میں کبھی کبھی مولوی صاحب کے پاس جا کر ملتا رہا۔ ان مولوی صاحب کا نام تھا مفتی محمد حسن۔ وہ بڑے جید عالم تھے۔ انہوں نے بڑے اونچے اونچے کام کیے تھے۔ آپ نے فیروز پور روڈ پر جامعہ اشرفیہ دیکھا ہوگا۔ اس کی بنیاد مفتی محمد حسن نے ہی رکھی تھی اور ان کی ہی نگرانی میں اتنی بڑی یونیورسٹی بنی۔ ان کے جو مریدین تھے اور ان کے جو چاہنے والے تھے جن میں میرے ماموں بھی شامل تھے۔ مولوی صاحب بار بار ان سے کہتے تھے کہ یہ ٹانگ اب ٹھیک نہیں ہوگی۔ کاٹنی پڑے گی۔ اس سے ان کے چاہنے والوں کو بڑی تکلیف تھی۔ انہوں نے مولوی صاحب سے ٹانگ کاٹنے پر بہت زور دیا اور کہا کہ اگر ڈاکٹر ٹانگ کاٹنے کا کہتے ہیں' تو پھر اس میں کیا مضائقہ ہے۔ میں آپ کو کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کا واقعہ بتا رہا ہوں۔ اس زمانے کے بہت اعلیٰ درجے کے سرجن کرنل امیر الدین ہوا کرتے تھے۔ وہ بڑے نامی گرامی سرجن تھے۔ انہوں نے بھی ٹانگ کے کاٹنے کی ہی رائے دی۔

آخر کار ٹانگ کاٹنے کا وقت مقرر ہو گیا۔ جیسا کہ ڈاکٹر لوگ کرتے ہیں۔ صبح کے وقت ان کی ٹانگ کاٹی جانی تھی اور اس سرجری میں ڈاکٹر کرنل عطاء اللہ' ڈاکٹر ریاض قدیر اور کرنل امیر الدین نے حصہ لینا تھا۔ سب بڑی محبت اور پیار اور عقیدت اور تپاک کے ساتھ مفتی صاحب کو لے کر آئے۔ اب ایک لائق بے ہوش کرنے والا Anaesthesist چاہیے تھا' جو بالکل ہمہ وقت مستعد رہے' تاکہ اس عمر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کے شخص کی زندگی کو کوئی خدشہ یا خطرہ نہ ہو۔ اب Anaesthesist کو بلایا گیا' انہوں نے کہا مفتی صاحب آپ کو تھوڑی سی تکلیف ہوگی' کیونکہ ایک انجکشن دینا ہے۔ مفتی صاحب نے کہا کہ یہ کیوں دیتے ہو تو انہوں نے کہا کہ جی اتنا بڑا کام کرنا ہے' تو اس وجہ سے بے ہوشی مقصود تھی۔ مفتی صاحب نے کہا کہ آپ مجھے بے ہوش کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ جی! آخر ٹانگ کاٹنی ہے۔ اس میں چاقو' چھری اور آری کی بھی ضرورت پڑے گی۔ مفتی صاحب کہنے لگے' ڈاکٹر صاحب! آپ ایسا کریں کہ آپ مجھ کو ایسے ہی چھوڑ دیں اور Anaesthesia وغیرہ نہ دیں۔ مجھے یہ پسند نہیں ہے۔ یہ دخل انداز ہوگا میرے ذہن پر اور میں اپنا ذہن سوائے اللہ کے اور کسی کے حوالے کرنا نہیں چاہتا۔ تو آپ اپنا کام کریں' میں اپنا کام کرتا ہوں۔

انہوں نے کہا' سر! آپ اپنا کام کیا کریں گے؟ انہوں نے کہا' جو بھی میرا کام ہوا کروں گا اور منہ پر کپڑا لے کر لیٹ گئے۔ اب ٹانگ کٹ رہی تھی اور آپ آرام سے لیٹے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر ریاض قدیر جلدی جلدی ٹانکے لگا رہے تھے اور کرنل عطاء اللہ وہ نبض پکڑے بیٹھے ہوئے تھے' تاکہ پتا چلتا رہے کہ ان کا بلڈ پریشر کہاں چلا گیا ہے۔ کام ختم ہوا اور جب پٹی باندھ دی گئی اور تینوں ڈاکٹر حیران پریشان کھڑے ہو گئے' تو پھر مفتی صاحب نے ان سے پوچھا ''میاں ہو گیا کام؟'' انہوں نے کہا' جی ہو گیا۔ تب مفتی صاحب نے کہا ''بہت بہت شکریہ! میں نے آپ کو بڑی تکلیف دی۔'' جو شخص اپنے خیال پر حاوی ہو جائے اور خیال اس کے تصور میں گرفت میں آ جائے اور انسان یہ جان لے کہ Mind over matter کیسے ورک کرتا ہے' تو یہ ساری مشکلات جو روز ہمیں پیش آتی رہتی ہیں اور ہم ہاتھی جتنا ڈیل ڈول لے کر اپنے ''کلے'' سے ڈرتے رہتے ہیں' جو ایک فٹ کا بھی نہیں ہوتا اور ساری مشکلات لپیٹ کے ایک طرف رکھ دیتا ہے۔ اسی لیے ہمارے لیے علم کا اور غصہ کرنے کا' تفکر کا' فکر کرنے کا بڑا حکم آیا ہے کہ غور کریں' اب تفکر کرنے کے طریقے ہیں' نماز' روزہ' زکوٰۃ یہ تو عبادات میں آ جاتی ہیں۔ تفکر کرنے کے لیے آپ کو الگ سے جیسا کہ اللہ چاہتا ہے کہ جب نمازیں ادا کر چکو تو تب میرا ذکر کرو۔ دیکھئے نا کہ ذکر سے مفتی محمد حسن کہاں پہنچ گئے اور کیسے انہوں نے تقویت حاصل کر لی کہ میڈیکل ہسٹری میں یہ بات درج ہو کر رہ گئی۔

اگر آپ اور میں اور ہم سب اس باریکی کو سمجھنے لگیں کہ مائنڈ کے اوپر جسم کا اتنا اثر نہیں ہوتا' جتنا مائنڈ کا اپنا ہوتا ہے' تو پھر آپ ان مشکلات سے خود بخود نکل آئیں گے۔ آپ کو کسی بابے کی' کسی پیر کی' کسی گائیڈ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!!

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

چیزوں کی کشش اور ترک دنیا

ہمارے ہاں ڈیفنس کالونی بہت خوبصورت کالونی ہے اور اس میں بڑے شاندار گھر ہیں' جو دید کے قابل ہیں۔ ایک روز ہم وہاں بیٹھے تھے۔ ایک نہایت خوبصورت گھر میں۔ ایک نہایت اعلیٰ درجے کے فانوس کے نیچے۔ وہ سامان و اسباب سے بھرا ہوا گھر ہے۔ وہاں بیٹھے ہوئے پتا نہیں کیوں مجھے اچانک خیال آیا کہ ہوائی جہازوں کی ایجاد کا ایک سو سال پورا ہو گیا ہے۔ ہوائی جہاز انسان کی زندگی میں داخل ہوئے تو اس کا جشن منایا گیا۔ اس حوالے سے ہم نے اخباروں میں بھی پڑھا' ٹی وی پر بھی دیکھا اور ان گزرے سو برسوں پر ہم اپنے اپنے بیان دے رہے ہیں۔ میں برسوں سے ہوائی سفر کا مسافر ہوں۔ کم لوگ جانتے ہیں کیونکہ بہت خفیہ بات ہے اور آپ تک ہی رہنی چاہیے کہ 1947ء میں جب پاکستان بنا اس کے تین ماہ بعد اگست' ستمبر' اکتوبر اور نومبر میں لاہور میں ایک بہت بڑا رفیوجی پناہ گزین کیمپ تھا۔ میں وہاں پر ہیڈ کلرک کے طور پر ملازم ہو گیا۔ کہیں نوکری ملتی نہیں تھی۔

تقسیم کے بعد بھارت سے بڑی بے چینی کے عالم میں آئے تھے۔ میں اس وقت بی اے کر چکا تھا۔ ایمپلائمنٹ ایکسچینج کا دفتر وہ نوکری نہیں دیتا تھا۔ میں وہاں پر جا کر کہتا کہ جی میں بی اے پاس ہوں۔ وہ کہتے ہم اس کا کیا کریں؟ پھر میں نے ایک ٹِرک کیا اور وہاں جا کر کہا کہ جی میں میٹرک پاس ہوں فرسٹ ڈویژن میں' تو انہوں نے کہا کہ بسم اللہ اور فوری مجھے نوکری مل گئی۔ ایک آدھ مہینہ کام کیا' پھر نہرو اور لیاقت علی خان پیکٹ کے مطابق یہ طے پایا کہ جو یہاں کے سکھ اور ہندو شرنارتھی (پناہ گزین) ہیں' وہ بذریعہ ہوائی جہاز بھارت جائیں گے' انہیں لانے کے لیے۔ ہندوستان سے ہوائی جہاز آتے تھے۔ ہمارے پاس تو تھا کوئی نہیں۔ وہ جہاز وہاں سے مسلمان پناہ گزینوں کو بھی لے کر آئیں گے' خالی نہیں آئیں گے۔ یہاں مسلمانوں کو اتار دیں گے اور پھر راولپنڈی سے پشاور سے لاہور اور ملتان سے اپنے مطلوبہ مسافر بھر کر لے جائیں گے۔

اس زمانے میں سول ایوی ایشن کا ادارہ تھا اور اعوان صاحب اس کے انچارج تھے۔ والٹن

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ایئر پورٹ پر ان کا دفتر تھا اور وہ پرمٹ ایشو کرتے تھے کہ جو جہاز بھارت سے آیا ہے اس میں واقعی مسلمان پناہ گزین آئے۔ یہاں پر خالی ہوا اور اب یہ آگے جا رہا ہے۔ پھر لاہور آئے گا اور پھر اسی طرح واپس جائے گا۔ یہ ایک مشکل کام تھا۔ انہوں نے سارے والٹن کیمپ میں اپنے ادھر ادھر دیکھا' انہیں میں بڑا اسمارٹ سا کلرک نظر آیا۔ کہنے لگے' میاں! تم نے میٹرک کی ہوئی ہے۔ بڑے پڑھے لکھے ہو۔ وہ مجھے سوی ایوی ایشن میں لے گئے اور میری سروسز ایوی ایشن کے لیے مستعار لے لیں۔ وہاں میری کرسی لگا دی چھاؤں میں اور کہا کہ تمہیں یہ کام کرنا ہے۔ میں بہت محنت سے وہ کام کرتا رہا اور پرمٹ ایشو کرنے لگا۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ خدا کلرک کو اتنی عزت دے تو اس کا دماغ کہاں پہنچ جاتا ہے۔

ونگ کمانڈر اعوان صاحب نے مجھے بتا دیا کہ یہاں جہاز کا نمبر بھرو' یہاں یہ کرو' وہ کرو اور پھر پرمٹ ایشو کر دو۔ اب میرے پاس بیس' پچیس' تیس پرمٹ ہیں۔ یہ پرمٹ کیا ہیں گویا کلاشنکوفیں ہیں۔ اس وقت کینیڈین اور انگریز پائلٹ آتے تھے اور میں انہیں پرمٹ ایشو کرتا تھا۔ دو تین دن تو میں نے دیکھا' پھر میں نے کہا کہ یہ تو میرے مطیع ہیں۔ میں انہیں ایسے کیسے جانے دوں۔ ایک کینیڈین سے کہا کہ پناہ گزینوں کو یہاں ڈراپ کر دیا ہے اور جہاز خالی جا رہا ہے' تو میں تمہارے ساتھ راولپنڈی چلوں گا۔ یہ میری پہلی فلائٹ تھی۔ اس نے کہا' ''یس سر!'' اس کی جان تو میری مٹھی میں تھی۔ اس نے مجھے اعلیٰ درجے کی سیٹ دے دی اور کھانے پینے کی چیزیں بھی۔ اس طرح میں آتا رہا' جاتا رہا اور ظلم جو ہوا' جس کی میں معافی مانگتا ہوں کہ میرے وہاں جانے میں اور آنے میں' واپسی پر چار چار جہاز لینڈ ہو کر کھڑے تھے۔ انہیں چونکہ پرمٹ نہیں ملا تھا' وہ کیسے فلائی کرتے۔ تو کلرک بادشاہ جو ہوتا ہے اور اس کی جو طاقت ہوتی ہے اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں۔

میں نے عام طور پر جب بھی ہوائی سفر کیا' اس میں اللہ کی مہربانی میرے ساتھ یہ رہی کہ پتا نہیں کیوں میں منزل مقصود پر خیر و عافیت سے پہنچ جاتا تھا۔ لیکن اکثر و بیشتر میرا سامان نہیں پہنچتا تھا' یہ اکثر و بیشتر ہوا۔ اس میں خاص بات جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں' وہ یہ کہ 1950ء میں' میں روم سے میڈرڈ گیا۔ میڈرڈ پہنچا اور وہاں اترا تو انہوں نے کہا کہ پتا نہیں آپ کا سوٹ کیس کہاں رہ گیا۔ بہرحال ہم اسے ٹریس کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں تو فلاں ہوٹل میں ہوں' مل جائے تو پہنچا دیجئے گا۔ اب میں ہوٹل میں تین کپڑوں میں بیٹھا ہوں۔ ایسے ہی تین کپڑوں میں جیسے خواتین کہتی ہیں کہ میرے خاوند نے مجھے تین کپڑوں میں گھر سے نکال دیا ہے۔ اسی طرح میرے ہوائی جہاز نے مجھے گھر سے نکال دیا۔

اس وقت میرے پاس ایک پتلون تھی۔ ایکر لک کی۔ وہ نئی نئی چلی تھی جیسے پیاز کا چھلکا ہوتا ہے۔ بہت پتلی شاید آپ کو یاد ہو۔ وہ کھٹا کھٹ ڈھل جاتی تھی اور استری کرنے کی ضرورت بھی نہیں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پڑی تھی اور ایک شرٹ اور ایک بنیان تھی۔ کل تین کپڑے تھے۔ رات کو تو میں زیر جامہ ہی میں سو گیا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ صبح اٹھ کر وہ کپڑے پہن لیے اور میڈرڈ کی سڑکوں پر گھومتا رہا۔ شام کو ہوٹل آ کر لیٹ گیا۔ دوسرے دن وہ کپڑے خراب ہونے کی فکر لاحق ہوئی۔ سنک میں ڈال کر پہلے پتلون کو دھویا' پھر شرٹ پھر بنیان کو دھو کر وہاں لٹکا دیا اور سوتے وقت یہ دعا کی کہ یا اللہ! یہ صبح اٹھنے تک سوکھ جائیں۔

تین دن اسی طرح گزرے۔ مجھے اصل میں قرطبہ جانا تھا۔ وہاں میڈرڈ سے لاری جو پرانی وضع کی تھی' قرطبہ جاتی تھی۔ لاری کے اندر ہی انہوں نے بکرے ڈبے وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ اس لاری میں سفر کیا۔ قرطبہ پہنچے تو میں نے کہا کہ یا اللہ! جو میں پہنے ہوئے ہوں اب مجھے قرطبہ میں دنیا کی عظیم ترین مسجد میں جانا ہے۔ کچھ اور طرح کی کپکپی بھی طاری تھی اور میرے پاس صاف کپڑے بھی نہیں۔ وہاں نہا بھی نہیں سکتا تھا۔ مسجد موجود ہے اور میں وہاں پر نماز ادا نہیں کر سکتا۔ حکم ہی نہیں اس کا۔ یہ ساری تکالیف میرے ساتھ ساتھ چلتی رہیں' لیکن ایک بات کا مجھے احساس ہوا جو اب تک ہے' وہ یہ کہ اگر انسان کے پاس چیزیں اور سامان نہ بھی ہو' تو بھی زندگی گزر سکتی ہے اور وہ سات دن میں نے اس خوشی میں اور اس سکون و آرام میں گزارے کہ نہ مجھے کسی چیز کے چوری ہونے کا خوف' نہ مجھے اس بات کی پروا کہ کچھ میرے اوپر کیا گزرے گی۔ اتنے آسودگی کے دن کسی بہت بڑے صوفی نے تو گزارے ہوں گے۔ میری زندگی میں بس وہ سات آٹھ دن ہی تھے۔

میں لوٹ کر روم آیا تو ہوٹل میں میرا سوٹ کیس پہلے سے آیا ہوا تھا۔ میں پھر انہی لوازمات میں غرق ہو گیا جن میں ہم سب غرق ہیں۔ ہمیں ان چیزوں نے پکڑا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں ممتاز مفتی صاحب نے یوں لکھا ہے: ''حاجی لوگ جو حج کرنے جاتے ہیں' وہ بیچارے چیزوں کے ساتھ اس طرح وابستہ ہوتے ہیں اور ان کی جان عذاب میں ہوتی ہے۔'' اور ہم پاکستان کے لوگ اپنی چیزوں کے ساتھ' خواتین خاص طور پر اتنی منسلک ہو جاتی ہیں کہ بس خدا کی پناہ۔ جبکہ دوسرے ملکوں کے لوگ جن کی میں تعریف تو نہیں کیا کرتا' لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ عام روزمرہ کی چند چیزیں رکھتے ہیں اور باقی نہ ان کی کوئی کوٹھیاں ہیں نہ مربعے ہیں نہ سامان نہ کچھ۔ میں امریکہ میں ایک ''روڑی'' کچرے سے قیمتی اور بالکل صحیح حالت میں لیپ ٹاپ لایا تھا۔ امریکہ میں ہمارا یہی کام تھا کہ صبح سویرے روڑی پر چلے جاتے تھے۔ ایک انتہائی اعلیٰ درجے کا صوفہ وہاں پڑا تھا' لیکن میں کیا کرتا۔ دیکھ دیکھ کر دکھی ہوتا تھا۔ صوفے پر بیٹھ کر جھولے لے کر آ جاتا تھا۔ لیکن لیپ ٹاپ میں اٹھا لایا۔ بالکل چلتا ہوا۔ نیا ماڈل آنے پر کسی نے پھینک دیا ہوگا۔ ہم ابھی تک چیزوں کے ساتھ بہت بری طرح سے وابستہ ہیں اور آگے پیچھے ہمارے چیزیں ہی چیزیں ہیں' جو جان کا عذاب بنی ہوئی ہیں۔ میں نے جو چند روز بغیر چیزوں کے گزارے' وہ میرے کمال کے دن تھے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جب میں اس کوٹھی میں بیٹھا ہوا تھا' جس کا میں نے ابتدا میں ذکر کیا تھا اور جو بہت خوبصورت تھی اور کمرے میں ایک اعلیٰ درجے کا فانوس لٹک رہا تھا' جس کے نیچے ایک نوجوان لڑکا اپنے او لیول کی تیاری کر رہا تھا اور اس کا ٹیوٹر اسے پڑھا رہا تھا' تو مالک مکان داخل ہوا۔ اس نے آ کر کہا' دیکھا اشفاق صاحب! (اس نے چیزوں سے بھرے کمرے کے بارے میں کہا) کیا کمرہ اور اس کی سجاوٹ پسند آئی؟ میں نے کہا' جی سبحان اللہ ایسی چیزیں تو آدمی خواب میں بھی نہیں دیکھتا۔ وہ ماسٹر سے کہنے لگا' آپ بھی اپنا بوریا بستر اٹھا کر اس کمرے میں آ گئے ہیں۔ اس نے کہا' جی! یہاں روشنی بہت اچھی ہے۔ پڑھانے میں آسانی رہتی ہے۔ میرے دوست نے کہا' وہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ یہاں بغیر میری اجازت کے آ گئے ہیں۔ یہ اتنا اعلیٰ درجے کا فانوس ہے اور ایسی خوبصورت روشنی جو تجلی کی طرح ہے یہ ان کے الفاظ تھے ہمارے اشفاق صاحب بھی اس کی گواہی دے رہے ہیں۔

اس نے کہا' ماسٹر صاحب! یہ ساری روشنی جو آپ کے لیے ہے' یہ صرف ایک سمیسٹر کے لیے ہے' پھر تو آپ نے یہاں سے چلے جانا ہے۔ جتنا انجوائے کرنا ہے کر لیں۔ وہ استاد تھا تو غریب سا آدمی مگر اس نے کہا' صاحب! یہ آپ بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں۔ یہ ایک ہی سمسٹر کے لیے ہے' پھر تو میں یہاں نہیں ہوں گا۔ مگر آپ کے لیے بھی یہ سب سامان زیادہ سے زیادہ چند سمیسٹروں کے لیے ہے۔ آپ کے دو ہو جائیں گے' تین ہو جائیں گے۔ ہم دونوں بھی اسی طرح دراصل ایک ہی کشتی میں سفر کر رہے ہیں۔ اس کی بات مالک کو بری لگی' لیکن بات تھی اتنی مدلل کہ مالک کہنے لگے' کوئی بات نہیں آپ آرام سے بیٹھیں۔ اتنے ناراض نہ ہوں۔

تو جناب! یہ چیزیں انسان کو ایسا پکڑتی ہیں اور ان میں یہ بڑا کمال ہے کہ آدمی انہیں جتنا بھی جھٹکے' جس طرح سے ''گوکھڑو'' کے کھیت میں سے ''پکھروا'' کپڑوں کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ آدمی اسے فوری نہیں جانتا' لیکن بعد میں یہ آپ کو تنگ کرتا ہے۔ آدمی طبعی طور پر بہت اچھا ہوتا ہے۔ بڑے پیارے لوگ ہوتے ہیں۔ آپ ان سے مل کر دیکھیں' لیکن ان کے اوپر چیزوں اور دکھاوے کا اتنا بوجھ پڑ جاتا ہے' جیسے خالی کنستر ''چبا'' ہو جاتا ہے۔ وہ ''چبے'' ہو جاتے ہیں۔ آپ لوگوں پر نگاہ ڈالیں وہ لوگ جو طبعاً بہت اچھے ہوتے ہیں' مزاجاً بھی اچھے ہوتے ہیں۔ لیکن دکھاوے نے ان کے اوپر بڑا بوجھ ڈال رکھا ہے اور یہ حیرت کی بات ہے کہ اچھی اور قیمتی' دلکش' خوبصورت چیزوں کا ہی مسئلہ نہیں ہوتا' ایک اور طرح کی چیزیں بھی اپنا قبضہ جما لیتی ہیں۔

جب ہم نور والے ڈیرے پر ہوتے تھے' تو ہمارے بابا جی کے پاس ایک نوجوان آیا۔ بڑا اچھا پڑھا لکھا۔ اس نے کہا' جی! میں نے دنیا ترک کر دی ہے اور میں نے رہبانیت کا راستہ اختیار کر لیا ہے اور میں ان جھمیلوں میں نہیں پڑنا چاہتا۔ آخر یہ سب کچھ ہے کیا؟ میں وہاں بیٹھا تھا۔ تو جوانی کے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

زمانے میں اتنی تمیز نہیں ہوتی کہ بزرگ یا جس کو مخاطب کیا گیا ہے' وہی جواب دے اور وہی جانتے ہیں کیونکہ علم والے ہوتے ہیں۔ بس میں بھی بول پڑا۔ میں نے کہا' تمہیں شرم آنی چاہیے۔ تم نوجوان ہو۔ کچھ کرنا چاہیے۔ ہمت سے جدوجہد سے کوشش سے یہ تم کیا کر رہے ہو' تمہیں پتا ہے تمہارے اسلام میں دنیا ترک کرنے کی اجازت ہی نہیں اور تم ترک دنیا کر رہے ہو۔ کتنی بری بات ہے۔

میری ساری گرمجوشی دیکھ کر بابا جی مسکرائے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا' بسم اللہ! بسم اللہ! جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں ضرور کریں۔ آپ کی راہ میں کوئی حائل نہیں ہوگا۔ میں حیران ہوا کہ اتنے بڑے بزرگ' ایسے بابا جی اور کیا رائے دے رہے ہیں۔ وہ نوجوان چلا گیا۔ مجھ میں جرأت ہوتی تھی بات کرنے کی' میں نے کہا بابا جی! آپ نے یہ کیا کہا؟ کہنے لگے' کوئی بات نہیں۔ ان کو آسانیاں جو عطا کرنی ہیں (یہ ان کا مقولہ تھا) اس طرح ہی آسانیاں عطا ہوتی ہیں۔ آپ نے جو کہا وہ اپنی جگہ ٹھیک ہے' لیکن آسانیاں عطا کرنی بھی لازم ہیں۔ جیسے وہ نوجوان خوش ہو ویسے ہی ٹھیک ہے۔ دو تین ہفتے بعد وہ نوجوان پھر آیا اور بڑی خوشی کے انداز میں کہنے لگا' لو بابا جی! اللہ کے فضل سے سارا کام ٹھیک ہو گیا۔ ترک دنیا کے لیے میرا تہیہ اور میری ڈیٹ ساری فکس ہو گئی۔ میرا ایک سوٹ رہ گیا ہے۔ میں نے کہا' کون سا سوٹ؟ کہنے لگا' میں نے بوری کا سوٹ' پاجامہ اور کرتہ بوری کا بنایا ہے۔ وہ بن جائے تو اس کے بعد میں جنگل کو نکل جاؤں گا اور پھر کہنے لگا' میرا کشکول بھی آ گیا ہے۔ یہ کالے رنگ کا جو کشکول آپ نے دیکھا ہے یہ جرمنی میں بنتا ہے' جو عام فقیر لیے پھرتے ہیں۔ میں نے ایک بار ڈیپارٹمینٹل سٹور والے سے پوچھا کہ یہ کہاں سے ملتا ہے؟ کہنے لگے' جی ہم جرمنی سے امپورٹ کرتے ہیں۔ میں نے کہا فقیر بڑے سیانے ہیں۔ بڑے باذوق ہیں جو جرمنی سے منگواتے ہیں۔ اس نوجوان نے کہا کہ "کھونڈے" (لٹھ) کو بھی گھنگھرو لگ گئے ہیں۔

جب اس نے یہ چیزیں گنوائیں تو میں نے کہا بابا جی! آپ بہتر سمجھتے ہیں۔ مگر یہ نوجوان تو الٹا عذاب میں پڑ گیا ہے۔ یہ تو چیزوں کے چکر سے نکل ہی نہیں سکا۔ یہ تو الٹا چیزوں کو جمع کر رہا ہے۔ انہی چیزوں کو' جنہیں چھوڑ کر جانا چاہتا ہے۔ اس نے تو دوسری بلا گلے میں ڈال لی ہے۔ جب اس نے چیزوں کی تیاری کی بابت اظہار کیا تو بابا جی نے کہا' اتنی "کھچل" (مشقت) جو کرو گے' اتنی مشکل جو اٹھاؤ گے' ایسے ہم سے دُوری اختیار کرو گے تو دفع کرو ترک دنیا کو اور دفع کرو رہبانیت کو جیسے بیہودہ ہم ہیں ویسے تم ہو جاؤ۔ یہیں رہا کرو' لنگر کھایا کرو اور چین کی نیند سویا کرو۔ تب اس کی سمجھ میں آئی بات۔

انسان بعض اوقات یہ سوچتا ہے کہ جناب اگر میں یہاں سے جگہ چھوڑ کر اسلام آباد چلا جاؤں' تو ساری مشکلات کا حل نکل آئے گا یا بچے کی شادی ہو جائے تو معاملات حل ہو جائیں گے۔ جب آپ اسلام آباد جائیں گے' تو آپ اپنا آپ بھی تو ساتھ لے جائیں گے نا۔ جوان ساری چیزوں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کو اپنی جانب کھینچتا ہے' کشش رکھتا ہے۔ آپ تو دراصل مقناطیس ہیں اور مشکلات تو وہ لوہے کے ذرے ہیں' جو آپ سے چمٹے ہیں۔ شہر بدلنے سے' لباس تبدیل کرنے سے' مزاج بدلنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ وہ تو ایک خاص طرح کی رحمت ہوتی ہے' جو بندہ اللہ سے درخواست کرے کہ مجھ پر خصوصی فضل فرمایا جائے' تاکہ میں اس عذاب سے نکلوں۔ تب نجات ملتی ہے' لیکن چیزیں تبدیل کرنے سے یا چھوڑنے سے یا نئی چیزیں اختیار کرنے سے ایسے ہوتا نہیں۔ یہ بات تھی جو میرے ذہن میں آ گئی۔ تو میں نے آپ کے حضور عرض کر دی۔ آپ کی محبت اور توجہ کا بہت بہت شکریہ۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!!

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

''دل کا معاملہ''

''زاویہ'' اب محض پروگرام نہیں رہا۔ اس میں کچھ اندر کی باتیں بھی ہو جاتی ہیں۔ بعض اوقات اندر کی باتیں اتنی اہم اور ضروری نہیں ہوتیں لیکن گھر والے چونکہ گھر والے ہوتے ہیں اس لیے اندر کی باتیں چلتی رہتی ہیں جیسے گھروں میں چلتی ہیں۔ میں آپ کے مقابلے میں شروع ہی سے لالچی اور خود پرست انسان رہا ہوں۔ میری ماں ہم سب بھائیوں کو لوکاٹ' بیر' گنڈیریاں' جامن بانٹا کرتی تھیں تو میری یہ عادت ہوتی تھی کہ مجھے زیادہ ملیں اور کسی نہ کسی طریقے سے میں یہ کوشش بھی کرتا تھا کہ مجھے یہ چیزیں زیادہ ملیں۔ آج بازار سے گزرتے ہوئے میں سوچتا ہوں کہ تب میں حلوائی کی دکان کے آگے سے بہت آرام اور آہستگی سے گزرتا تھا اور چیزوں کو اس وقت تک گردن گھما کر دیکھتا تھا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتیں اور عید کے روز تو میں ہر بڑے بزرگ کو خواہ مخواہ سلام کرتا تھا اور انہیں بھی جنہیں میں جانتا بھی نہیں تھا تاکہ عیدی مل سکے۔ زندگی ایسے ہی چلتی رہی۔ پچھلے سال یہ خواہش بڑی تیزی سے پیدا ہوئی کہ کیا میں بھی کوئی سروس کر سکتا ہوں یعنی میں بھی کسی ''خدمت'' کی جانب رجوع کر سکتا ہوں۔ میرے سے چھوٹے بڑے بڑے کام کر رہے ہیں۔ ہسپتال بنا رہے ہیں اور تعلیمی ادارے کھول رہے ہیں اور رفاہی کام کر رہے ہیں۔ مجھ سے آیا یہ کام ہو سکے گا۔ میری قسمت میں ایسا کرنا لکھا ہے یا نہیں۔ مجھے اس بات کا وقت نہیں ملتا تھا۔ اس درخواست کا کوئی جواب نہیں ملتا تھا۔

گزشتہ دنوں بائیس دسمبر کو بہت دھند پڑی اور ساری رات ہمارا علاقہ شدید دھند میں لپٹا رہا۔ لاہور اور سیالکوٹ خاص طور پر۔ میں اپنے کمرے میں رات کے وقت بالکل اکیلا تھا۔ باقی سارے گھر کے لوگ سوئے ہوئے تھے۔ میں کھڑکی کھول کر دھند کا نظارہ کرتا رہا اور میرا خیال تھا اور مجھے یقین تھا کہ جب میں اکیلا ہوں اور بہت ہی اکیلا ہوں اور رات کا وقت جس کی بڑی تعریف کی گئی ہے' ہو تو مجھے میرے سوال کا جواب موصول ہو گا۔ میں اس وقت اپنی محبوب چائے ''کیمو ملائی'' پی رہا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تھا۔ یہ چائے بڑی مفید ہوتی ہے۔ اس سے ایک تو ذہن کے پردے کھلتے ہیں اور پھر روح کے پردے بھی کھلتے ہیں اور ان میں کچھ عجیب طرح کی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب میں اٹلی میں تھا چون' پچپن برس پہلے تو ایک واقعہ پیش آیا۔ میرا کوئی تصور نہیں تھا۔ میرے باس نے مجھے کچھ ایسی باتیں کہہ دیں جو برداشت نہیں ہوتیں۔ دیارِ غیر میں کسی اور حکومت کی نوکری کرتے ہوئے کچھ ایسا تاثر پوچھا جائے کہ ''آپ کے قبیل کا کوئی اور شخص آپ کے ملک میں موجود ہے جسے ہم اگلے سال ٹرائی کر سکیں'' یعنی مجھ سے ہی پوچھا جا رہا ہے کہ تمہاری جگہ کسی اور کو لا سکیں۔ میں بہت دکھی تھا حالانکہ میں اپنی لیاقت کا پورا اظہار کر رہا تھا' لیکن ہمارے باس کی اپنی محبوبہ سے کچھ لڑائی ہو گئی تھی اور جو پہلا بندہ اس کی راہ میں آیا وہ میں تھا حالانکہ نہ میں نے لڑائی کروائی تھی نہ میرا کوئی قصور تھا۔ تو وہ ایک تکلیف دہ شام تھی جب میں گھر آیا تو میں نے اپنی لائن لِونگ (Line Living) سے پوچھا کہ مجھے کوئی اچھی سی Sleeping Pill لکھ دیں۔ مجھے تو پتہ نہیں۔ وہ کہنے لگی تمہیں یہ کیوں چاہیے۔ میں نے کہا میں آرام سے سونا چاہتا ہوں۔ میں تکلیف میں ہوں۔ اس نے کہا ہم تو نیند کی گولیاں نہیں استعمال کرتے۔ ہم نہیں جانتے یہ تو ولائتی انگریز لوگ کرتے ہیں۔ میں نے کہا جب تم پر کوئی مشکل آ جائے تو پھر آپ لوگ کیا کرتے ہو' کہنے لگی ہم تو ''کیمو ملاٹی'' پی لیتے ہیں اور آرام سے سو جاتے ہیں۔ تم بھی پیو تمہارے سارے دکھ دور ہو جائیں گے۔ اس نے اپنا اوور کوٹ پہنا' اونی جوتے پہن کر نیچے سیڑھیاں اتر گئی اور جا کے کیمو ملاٹی کا ایک ساشے خرید لائی اور مجھے اس میں گرم پانی ملا کر ایک پیالی دیدی۔ میں نے اسے پیا تو نیند آنے سے پہلے' اب یہ تصور کی بات آپ کہہ لیجئے میں بیٹھا تھا اپنی کرسی پر تو مجھے بڑا اچھا سا لگا اور میں نے کہا میں کل صبح اپنے باس کو جا کر بتاؤں گا کہ ہاں میرے جیسے تین آدمی اور بھی ہیں وہاں پر اور آپ انہیں بلا سکتے ہو تو بلا لو۔ میں نے کہا یہ تو کمال کی چیز ہے۔ اس وقت سے لے کر میں اب تک جب بھی اچھی کیفیت کی ضرورت محسوس کرنا چاہوں تو ''کیمو ملاٹی'' پی لیتا ہوں۔ میرے دوست مجھے وہاں سے بھیجتے ہیں اب یہاں بھی یقیناً ملتی ہوں گی۔ نہ بھی ملے تو میں آپ کو یہ بات تفصیل سے اس لیے بتا رہا ہوں کہ کیمو ملاٹی آپ خود بھی پی سکتے ہیں۔ یہ ہمارے عطار کے ہاں سے ایک روپے کا اتنا پڑا بھر دیتے ہیں اسے ''بابونہ'' کہتے ہیں۔ یہ ہمارے ہاں اگنے والی جڑی بوٹیاں ہیں۔ گل بابونہ آپ مع اس کی شاخوں کے لے کر اسے چورا کر کے ململ کی پوٹلی میں باندھ کر چائے میں غوطہ دیں۔ تو اس دھند کی رات کو میں اپنی پیاری کیمو ملاٹی بھی پی رہا تھا اور ''بابونہ قہوہ'' بھی۔ پھر بھی وہ کیفیت پیدا نہیں ہو رہی تھی جو آرزو تھی کہ پیدا ہو اور جب کبھی مجھ پر یہ خواہش طاری ہوتی ہے تو دھند کے جو دبیز پردے چھٹ جاتے ہیں۔ کبھی آپ نے دھند کو بہت قریب سے ملاحظہ کیا ہو تو دھند ساری کی ساری ایسے نہیں چھائی رہتی جیسے ہمارے ذہنوں پر چھائی رہتی ہے۔ یہ دھند جو اصلی والی ہے اس کا رنگ کچھ اور طرح کا ہوتا ہے۔ یہ رول

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کرتی ہے اور رول کرنے کے بعد اس کی دبازت جب کم ہو جاتی ہے تو درمیان میں سے ایک لائٹ پیدا ہوتی ہے۔ پتہ نہیں وہ لائٹ کہاں سے آتی ہے۔ آپ دھند کو دیکھیں' چاہے گاڑی میں بیٹھے ہوں' دبیز دھند کو دیکھیں تو اس میں ایک لحہ ایک وقفہ لائٹ کا ضرور آئے گا۔ پھر دھند گہری ہو جائے گی اور آپ کو کچھ نظر نہیں آئے گا۔

دھند کو دیکھنا اور اس کے ساتھ وابستگی پیدا کرنا ان مراحل کو طے کرنے میں بڑی آسانی عطا کرتا ہے' اگر لوگ باطن کے سفر کو اختیار تو نہیں کرتے میری طرح سے بیٹھ کے دیکھتے ضرور ہیں۔ میں جب وہاں بیٹھا تھا تو مجھے میرے اس سوال کا جواب تو نہیں ملا کہ میں رہنے والوں میں سے بھی ہو سکتا ہوں یا نہیں یا میں کوئی بڑا کام کر سکتا ہوں یا نہیں۔ البتہ مجھے اپنے اندر سے ایک حکمنامہ ضرور جاری ہوتا ہوا محسوس ہوا کہ کوئی لمبا اور بڑا کام نہیں کیا جا سکتا' لیکن تم اپنے افعال کو اپنے ارادوں کو لحات میں' حصوں میں بانٹ سکتے ہو۔ قدم ایک اٹھانا ہے پھر رکھنا ہے اور پھر اس کے بعد تمہیں نیا قدم ملتا چلا جائے گا۔ لیکن اس ایک قدم میں شرط یہ ہے کہ تمہیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ جو کام کرنے لگو اس کام کے اندر دل بھی ہے کہ نہیں۔ کام ایک وجود والی چیز ہے اور وجود کا ایک دل بھی ہوتا ہے۔ اگر اس کا دل نہیں ہے' پھر اس کی تلی ہے' جگر ہے' دماغ ہے تو پھر اس کو نہ کرو۔ اگر اس میں دل کی منشا موجود ہے تو پھر اس میں داخل ہونے کی کوشش کرو' بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جو دل کے بغیر کیے جاتے ہیں اور چلتے ہیں' نہ کام میں دل ہوتا ہے نہ اس فعل میں دل ہوتا ہے نہ آپ کے آگے آنے والی چیز میں دل ہوتا ہے۔ اب تو سائنسدان کہتے ہیں کہ دل مکھی سے لیکر ہاتھی تک ہر ایک میں ہوتا ہے وائرس تک میں ایک چیز ایسی ہوتی ہے جس کو آپ دل سے مشابہ کر سکتے ہیں۔ اگر اس میں دل ہے تو پھر کسی کام میں داخل ہو جاؤ۔ جب تم خلوص اور نیک نیتی سے داخل ہو گے کسی بھی چھوٹے کام میں تو پھر آپ کو ایک Step اور ملے گا چھوٹے انداز میں اور یہ جڑتے جائیں گے اور وہ بڑا کام جس کا تم ذکر کرتے ہو یہ ان سے بھی بڑھ جائے گا۔

میں اس وقت سوچنے لگا میرے چھوٹے کام تو بس اتنے ہی ہیں کہ کبھی کبھی میں دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اپنے انداز میں کسی کو بتائے بغیر میوزیم میں چلا جاتا ہوں اور ایک کونے سے دوسرے کونے تک گھوم پھر کر سامنے بنچ پر بیٹھ جاتا ہوں۔ وہاں چاہے Fasting Buddha ہو چاہے نہ ہو یہ میرا عمل ہے۔ پھر کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ میں لاہور کے سب سے بڑے قبرستان میانی صاحب میں چلتا جاتا ہوں تھک جاتا ہوں تو کسی قبر کے چبوترے پر بیٹھ جاتا ہوں۔ کبھی کوئی کتبہ پڑھ لیا کبھی نہ پڑھا۔ اس عمل سے مجھے بڑی طمانیت حاصل ہوتی ہے اب تو عمر کی وجہ سے میں اس طرح سے نہیں جا سکتا پھر میں اپنی پوتی مایا جس کا میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا اس کے چھوٹے بھائی کے ساتھ' میرے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بڑے بھائی ہیں، کے پوتے پوتیوں کے ساتھ تھوڑا وقت گزار لیتا ہوں۔ بچوں کو اپنے بڑوں کے بارے میں جاننے کا بڑا شوق ہوتا ہے کہ وہ کیسے تھے۔ کیسے رہتے تھے؟ میں انہیں بتاتا ہوں کہ تمہارے دادا کو جانوروں کا بڑا شوق تھا اور انہیں ایک عجیب طرح کی خوشی ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ڈیڈی کہتے ہیں کہ انہوں نے کتے رکھے ہوئے تھے میں نے کہا کہ ہاں بڑے خونخوار کتے تھے یہ ان کا شوق تھا اور عام سے سیدھے سادے کتے گلی کے وہ بھی ان کے پاس آجاتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ چلو تم بھی آجاؤ۔

میں نے کہا وہ تمہارے دادا تھے یعنی میرے بڑے بھائی تھے اب بچے ان کے بارے میں اور جاننا چاہتے ہیں۔ مایا کہتی ہے دادا وہ سنا ہے کتے لڑاتے بھی تھے۔ میں نے کہا ہاں کتے لڑاتے بھی تھے اب میرے اور آپ کے ذہن میں جاگتی ہے کہ ہم رحم دل لوگ ہیں اور اخبار میں ہم پڑھتے ہیں کہ بڑے جاگیردار زمیندار لوگ کتے لڑاتے ہیں اور وہ بڑے خونخوار انداز میں لڑتے ہیں تو بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ کتوں کی لڑائی ایسی نہیں ہوتی جیسے ہماری ذہن میں ہے یہ بات میں مایا کو بھی بتاتا ہوں۔ گاؤں میں تین چار ہزار کا ایک بڑا کھلا ''پڑ'' ہوتا ہے۔ کھلا میدان چھوڑا ہوتا ہے، کرکٹ کے میدان جتنا۔ ایک شخص ادھر سے کتا لے کر آتا ہے جو اس نے بڑی محنت کے ساتھ پالا ہوتا ہے۔ بادام چھوہارے، گھی، مکھن کھلا پلا کے۔ دوسرا اپنی طرف سے لے کر آتا ہے لیکن وہ عام سے دیسی کتے ہوتے ہیں جو انہوں نے پالے ہوتے ہیں پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہیں اور پھر وہ ان کی سنگلی (زنجیر) کھول دیتے ہیں اور کتے آپس میں لڑ پڑتے ہیں۔

میں نے جب تک یہ لڑائی نہیں دیکھی تھی کہ کتے جھپٹتے کس طرح سے ہیں اور وہ کیسے ایک دوسرے کی کھال ادھیڑ دیتے ہیں اور بُرا حال ہو جاتا ہے۔ میرے ذہن اور تصورات میں ایسی تصویریں بنتی تھیں لیکن خواتین و حضرات جب وہ کتے آپس میں لڑتے ہیں تو ایسے لڑتے ہیں جیسے اکھاڑے میں پہلوان لڑتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی گردن میں دانت بھی گاڑتے ہیں جس سے تھوڑا بہت خون بھی نکلتا ہے لیکن وہ کتے بس اکھاڑے کے پہلوانوں کی طرح ہی لڑتے ہیں۔ ایک کتا اپنا دایاں پنجا اٹھا کر دوسرے کے گلے میں ڈالتا ہے اور اسے گرانے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسرا پچھلی دو ٹانگوں پر کھڑا ہو کر اس کو دھکیل کے پیچھے کر دیتا ہے وہ دانتوں سے بہت کم کام لیتے ہیں اور اس طرح پنجوں سے بھی کم کام لیا جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے کی جسمانی طاقت سے ٹکراتے ہیں۔ جیتنے اور ہارنے کی شرط یہ ہوتی ہے کہ جو کتا گر جائے اور اس کی زمین پر پیٹھ لگ جائے جسے ''کنڈ'' لگ جانا کہتے ہیں وہ ہار جاتا ہے اور دوسرا جیت جاتا ہے، اور پھر ڈگا ڈگ ڈگ ڈھول بجتا ہے اور دوسرا ہارا ہوا کتا شرمندہ سا دم دبا کے مالک کے ساتھ جا رہا ہوتا ہے۔ مالک بھی شرمندہ سا ہو کے جاتا ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جب میں بچوں کو یہ بتا رہا تھا کہ تمہارے دادا کتوں کے ایسے ہی شوقین تھے اور انہیں اسی قسم کے کتے پسند تھے تو ماما کہتی ہے دادا یہ برا فعل ایسا ہے جو نہیں کیا جانا چاہیے۔ میں نے کہا کہ یہ جانور سے محبت کے انداز اور مظہر ہیں۔ اب دیکھ لو کہ یہ مظہر سچ مچ آپ کے اندر موجود ہے یا کہ نہیں کیونکہ جب تمہارے دادا ایک اور عمر کو پہنچے جو بالکل آخری عمر ہوتی ہے تو بے شمار چڑیاں ان کے ہاتھ پر بیٹھ کر ان کے ہاتھ سے آٹا چھین لیتی تھیں۔ تقریباً تیس تیس چڑیاں ہاتھ کے اوپر بیٹھ کر آٹا کھانے کے لیے لڑائی کر رہی ہوتی تھیں۔ یہ لمبی ساری کہانی سنانے کا میرا مقصد یہ تھا کہ جب آپ بات کرتے ہیں تو ایک تعلق پیدا ہوتا ہے ایک رشتہ بنتا ہے بچے کے ساتھ یا کسی بندے کے ساتھ اور آپ اس بات میں اتنا ڈوب جاتے ہیں کہ وہ اس کہانی کا دل بن جاتا ہے۔ سننے والے کے لیے بھی اور سنانے والے کے لیے بھی۔ تو پھر آپ کو پتہ چلتا ہے کہ ہاں اب آپ کو اس کے بعد ایک نیا Step ملنے والا ہے اور آپ اس نئے Step میں داخل ہو سکتے ہیں ورنہ میری آپ کی روٹین وہی رہے گی جو چلتی آئی ہے اور چلتی آ رہی ہے۔ اس دھند کے اندر یہ ایک سیاہ اور دبیز پردوں کے اندر سے جب یہ روشنی پیدا ہوتی ہے ایسے انسان کی زندگی میں بہت دبیز اور بڑی گہری دھند کے بعد روشنی کا ایک سپاٹ آتا ہے جس میں بڑی آسانی کے ساتھ جا کر وہ اپنی جگہ حاصل کر سکتا ہے۔ کریز کے اندر آ سکتا ہے۔

زندگی میں کام کرنے کے لیے' اپنی کریز کے اندر رہ کر کھیلنے کی ضرورت ہے۔ آپ ہر وقت چھکا نہیں مار سکتے۔ ہر وقت چوکا نہیں مار سکتے لیکن آپ اپنی کریز کے اندر رہ کر بہت محدود کریز کے اندر رہ کر بہت بڑا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ 22 دسمبر کو اس دھند کی وجہ سے یہ بات کھلتی گئی اور چلتی گئی ظاہر ہے کہ اس میں ''کیمو ملائی'' کا بھی ضرور اثر تھا اور اس سوچ کا بھی جو میرے ساتھ چمٹی رہتی ہے۔

میں نے اب تہیہ کیا اور میں آپ کی خدمت میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ آپ نے بھی تہیہ کیا ہو گا۔ جس دن کی میں بات کر رہا ہوں نیا سال شروع ہونے والا تھا جو اب شروع ہو گیا ہے۔ تو اس کے لیے کوئی بڑا پلان بنانے کی' کوئی اونچا تاج محل تیار کرنے کی' کوئی عظیم پاسٹیل بنانے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ ہم سب ایسا سفر کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ ہر کوئی یہ کام نہیں کر سکتا۔ بہت ہی چھوٹے کام ایسے ہیں کہ آدمی کتنے دلوں کو خوش کر سکتا ہے ''نہ ہینگ لگے نہ پھٹکری'' نہ آپ کو زکوۃ مانگنی پڑے نہ کسی کے پاس جانا پڑے گا نہ آپ کو کوئی اونچا کام کرنا پڑے گا۔ جسمانی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے بڑے کام ہو رہے ہیں تعلیم دی جا رہی ہے' ہسپتال کھل رہے ہیں' ہسپتال ہمیں جسم عطا کر سکتے ہیں' ہمیں ''جھارا'' ''بھولو'' اور ''انوکی'' بنا سکتے ہیں لیکن آدمی تو کچھ اور بھی مانگتا ہے۔ آدمی خالی جسم کا تقاضا نہیں کرتا۔ بھینس خالی جسم ہے۔ بندر' نیولا' چوہا' ہاتھی' زرافہ' شیر ببر شیر یہ ایک جسم ہیں۔ انسان جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے یہ خالی جسم نہیں ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

دھند کے اندر سے جو روشنی کا ایک سوال نکلا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں بالکل چھوٹا ایک کام کرنا ہے۔ اپنے اردگرد کے بندوں کو نہایت چھوٹے بندے کو یہ تسلی اور تشفی عطا کرنی ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم میرے ساتھ ہو اور اس ساتھ کے اندر ایک انگڑا چلا کہ ہمیں آگے چلنا ہے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ ہم نے کچھ بڑا کام نہیں کرنا ہم نے کچھ چندے اکٹھے کر کے پمفلٹ چھپا کے ایسا کچھ نہیں کرنا ہے لیکن ہمیں چلتے رہنا ہے آپ نے کبھی دکانداروں کو دیکھا ہوگا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو دکاندار بہت زیادہ بلیک مارکیٹنگ کرتا ہے اس نے آیتوں کے چھوٹے چھوٹے کارڈ چھپوا کے رکھے ہوتے ہیں (یہ میں نے اس رمضان شریف میں دیکھا ہے) ایک طرف درود شریف چھپا ہوتا ہے کچھ حل المشکلات کی آیات ہیں وہ آپ کو ساتھ ضرور دیتا ہے۔ ہم نے کارڈ نہیں چھپوانے' ہمارے دل کا کارڈ جب نکلے تب ہی نکلے۔ ضروری نہیں ہر وقت نکلے۔ کئی دفعہ ہم ایسی کیفیت میں بھی ہوتے ہیں جیسے میں تھا اٹلی میں اور اس خاتون نے مجھے چائے پلائی اور مجھے آرام سے بستر میں چھپا کر سلا دیا۔ بڑی مہربانی' اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بابا رتن ہندی کا سفرِ محبت

یوں تو زندگی کے ہر کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کوشش کی ضرورت ہوتی ہے اور آدمی بغیر کوشش کے کہیں پہنچ نہیں سکتا لیکن کسی بابے کو پانا یا کسی روحانی شخصیت کو تلاش کرنا سب سے مشکل کام ہے۔ آپ اس طرح نہیں کر سکتے کہ مزے سے پلنگ پر بیٹھے حقہ پیتے یا میز پر بیٹھ کر چائے کی چسکیاں لگاتے رہیں اور بابا چل کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ بابے کو تلاش کرنے کے لیے آپ کو کچھ محنت' کچھ کوشش کرنی پڑیگی اور کچھ آرزو بھی رکھنا پڑیگی اور کچھ نہیں تو ایک یقین محکم اور پختہ ارادہ' ایک سچی تمنا ضرور چاہیے چونکہ تمنا ہو تو پھول کھلتا ہے۔ مجھ سے اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ اشفاق صاحب کسی ''بابے'' کا ٹیلیفون نمبر بتائیں یا اس کا موبائل ہمیں دے دیں۔ بھئی ایسے تو نہیں ہوتا نہ ان کا کوئی نمبر اور نہ پوسٹل ایڈریس۔ آپ حیران ہونگے اور جب بہت دور آگے نکل جائیں گے تو پتا چلے گا کہ یہ تو اندر سے ہی پیدا ہوتا ہے اور پھر یکا یک سامنے آجاتا ہے اور آپ کو اندر کی باتیں بتاتا ہے اور اندر ہی کی باتیں سکھاتا ہے اور انسان کے دل میں' ذہن اور روح میں یہ آرزو پیدا ہوتی ہے کہ میں کسی ایسی شخصیت سے ضرور ملوں جو ہر حال میں اور ہر رنگ میں مجھ سے بہتر ہو اور ارفع ہو۔ پھر انسان کے ذہن میں یہ آرزو پیدا ہونے لگتی ہے کہ جیسے لڑکیاں میک اپ کرتی ہیں' میں بھی میک اپ کروں لیکن اندر کا میک اپ ہو۔ ویسے باہر کا بھی ہونا چاہیے' یعنی لپ سٹک' نیل پالش' مسکارہ وغیرہ وغیرہ۔ بسم اللہ' یہ ساری چیزیں بھی استعمال کریں جو بندہ استعمال کرتا ہے کہ اچھا لگے۔ پھر ایک سٹیج ایسی بھی آجاتی ہے کہ اسکو اپنا اندر اچھا نہیں لگتا اور اس کی آرزو ہوتی ہے کہ میں اندر کا میک اپ کر کے کسی مقام تک پہنچوں اور پھر ایسی روح کے ساتھ ساز اور تعلق رکھوں جو بہت ارفع و اعلیٰ ہو۔

ہمارے یہاں قریب ہی بھارت میں ایک جگہ ہے جسے بھٹنڈا کہتے ہیں۔ یہ بڑا مشہور شہر ہے کیونکہ ریلوے کا بہت بڑا جنکشن ہے۔ تقریباً جتنی بھی گاڑیاں بھارت کے شمالی علاقوں میں چلتی ہیں' وہ سب کی سب یہاں سے ہو کر جاتی ہیں۔ جو میری عمر کے لوگ ہیں وہ اس محاورے کو بھی جانتے ہونگے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کہ ''اس نے B.A VIA BATHINDA کیا ہے۔'' اس لیے کہ وہ آسان بی اے ہوتا تھا۔ کوئی منشی فاضل، مولوی فاضل کر کے صرف انگریزی کا امتحان دیکر ایک لولی لنگڑی بی اے کی سند حاصل کر لیتا تھا اس اعتبار سے بھی بھٹنڈا بہت مشہور تھا، لیکن میری نگاہوں میں اس شہر کا رتبہ ان ساری چیزوں سے بلند ہے۔ کسی زمانے میں، صدیوں پہلے اس شہر میں ریت کے میدان میں شام کو نوجوان اکٹھے ہوتے تھے اور اپنی اس زمانے کی (بہت عرصہ بہت صدیاں پہلے کی بات کر رہا ہوں) کھیلیں کھیلتے تھے اور ''لٹھ گھماتے''۔ ''گدکا کھیلتے'' اور ''بلم'' کے کھیل دکھاتے تھے۔ پھر تھک ہار کے، کیونکہ یہ جوان اور کڑیل کھیلیں ہوتی تھیں، چاندنی رات میں اسی ریت پر بیٹھ کر کہانیاں کہتے، ایک دفعہ کہانیاں کہتے کہتے کسی ایک نوجوان لڑکے نے اپنے ساتھیوں سے یہ ذکر کیا کہ اس دھرتی پر ایک ''اوتار'' آیا ہے لیکن ہمیں پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ اس کے ایک ساتھی ''رتن ناتھ نے کہا: ''تجھے جگہ کا پتا نہیں ہے'' اس نے کہا مجھے معلوم نہیں لیکن یہ بات دنیا والے جان گئے ہیں کہ ایک اوتار اس دھرتی پر تشریف لایا ہے۔

اب رتن ناتھ کے دل میں یہ ''کھد بد'' شروع ہوگئی کہ وہ کون سا علاقہ ہے اور کدھر یہ اوتار آیا ہے اور میری زندگی میں یہ کتنی خوش قسمتی کی بات ہوگی اور میں کتنا خوش قسمت ہوں گا اگر اوتار دنیا میں موجود ہے اور اس سے ملوں اور اگر ملا نہ جائے تو یہ بہت کمزوری اور نامرادی کی بات ہوگی۔ چنانچہ اس نے اردگرد سے پتہ لیا، کچھ بڑے بزرگوں نے بتایا کہ وہ عرب میں آیا ہے اور عرب یہاں سے بہت دور ہے۔ وہ رات کو لیٹ کر سوچنے لگا کہ بندہ کیا عرب نہیں جا سکتا۔ اب وہاں جانے کے ذرائع تو اس کے پاس تھے نہیں لیکن اس کا تہیہ پکا اور پختہ ہو گیا۔ اس نے بات نہ کی اور نہ کوئی اعلان ہی کیا۔ کوئی کتاب رسالہ نہیں پڑھا بلکہ اپنے دل کے اندر اس دیوتا کا روپ اتار لیا کہ میں نے اس کی خدمت میں ضرور حاضر ہونا ہے اور میں نے یہ خوش قسمت آدمی بننا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک بڑی مضبوط موٹی ''ڈانگ'' لی۔ اس کو تیل پلایا، اس پر ''کھرکے'' لگائے اور اس کے آخر پر بلم (برچھی) لگائی، خونخوار خوفناک جانداروں سے بچنے کے لیے۔ اپنا تھیلا لیا، دو جوتے موٹی کھال کے اور موٹے تلے کے بنوائے اور ڈانگ کندھے پر رکھ کر چل پڑا۔

وہ چلتا گیا، چلتا گیا، راستہ پوچھتا گیا اور لوگ اسے بتاتے گئے۔ کچھ لوگوں نے اسے مہمان بھی رکھا ہوگا لیکن ہمارے پاس اس کی ہسٹری موجود نہیں ہے۔ وہ چلتا چلتا مہینوں کی منزلیں ہفتوں میں طے کرتا ہوا مکہ شریف پہنچ گیا۔ غالباً ایران کے راستے سے اور اب وہ اپنی بولی میں وہاں تڑپتا پھرتا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ ایک ''اوتار'' آیا ہے۔ اب کچھ لوگ اس کی بات کو لفظی طور پر تو نہیں سمجھتے تھے لیکن اس کی تڑپ سے اندازہ ضرور لگاتے تھے ایک آدمی نے اسے بتایا کہ وہ یہاں نہیں ہے بلکہ وہ یہاں سے آگے تشریف لے جا چکے ہیں اور اس شہر کا نام ''مدینہ'' ہے۔ اس نے کہا میں نے اتنے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہزاروں میل کا سفر کیا ہے یہ مدینہ کون سا دور ہے' میں یہ چھ سو کلومیٹر بھی کر لوں گا۔ وہ پھر چل پڑا اور آخر کار مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ بہت کم لوگ اس بات کو جانتے ہیں اور کہیں بھی اس کا ذکر اس تفصیل کے ساتھ نہیں آتا جس طرح میں عرض کر رہا ہوں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب میں ایک جملہ لکھا ہے کہ ''بابا رتن ہندی'' حضور نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا پھر معلوم نہیں کہ اس کا کیا ہوا'' لیکن غالب گمان ہے اور عقل کہتی ہے اور ہم اندازے سے یقین کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں کہ وہ مدینہ شریف میں حضور نبی اکرمؐ کی خدمت میں رہا اور حضورؐ کے پسندیدہ لوگوں میں سے تھا۔ اب وہ کس زبان میں ان سے بات کرتے ہوں گے' کیسے رابطہ کرتے ہوں گے یہ رستے بھی بڑی آسانی سے کھل گئے ہوں گے اور رتن کس طرح سے مدینہ شریف میں زندگی بسر کرتا ہوگا؟ کہاں رہتا ہوگا' اس کا ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے لیکن وہ رہتا وہیں تھا اور وہ کب تک وہاں رہا اس کے بارے میں بھی لوگ نہیں جانتے۔ اس کی طلب تھی اور اس کی خوش قسمتی تھی اور خوش قسمتی ہمیشہ طلب کے واسطے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر آپ کی طلب نہ ہو تو خوش قسمتی خود گھر نہیں آتی۔

وہ اتنے معزز میزبان کا مہمان ٹھہرا اور وہاں رہا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب رسول پاک نبی اکرمؐ مدینہ شریف تشریف لے گئے تو وہاں کی لڑکیوں نے اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر دف پر گانا شروع کر دیا کہ ''چاند کدھر سے چڑھا'' وہ خوش قسمت لوگ تھے' ایک فکشن رائٹر کے حوالے سے میں یہ سوچتا ہوں کہ اس وقت کوئی ایسا محکمہ پبلک سروس کمیشن کا تو نہیں ہوگا نہیں' اس وقت کوئی پبلک ریلیشن یا فوک لور کا ادارہ بھی نہیں ہوگا کہ لڑکیوں سے کہا جائے کہ تم ٹیلے پر چڑھ کے گانا گاؤ۔ وہ کون سی خوش نصیب لڑکی ہوگی جس نے اپنے گھر والوں سے یہ ذکر سنا ہوگا۔ رات کو برتن مانجھتے یا لکڑیاں بجھاتے ہوئے کہ رسول اللہ تشریف لا رہے ہیں اور اندازہ ہے کہ عنقریب پہنچ جائیں گے اور پھر اس نے اپنی سہیلیوں سے بات کی ہوگی اور انہوں نے فیصلہ کیا ہوگا کہ جب وہ آئیں گے تو ہم ساری کھڑی ہو کر دف بجائیں گی اور گیت گائیں گی۔

اب جب حضورؐ کے آنے کا وقت قریب آیا ہوگا تو کسی نے ایک دوسری کو بتایا ہوگا کہ بھاگو چلو' محکمہ تو ہے کوئی نہیں کہ اطلاع مل گئی ہوگی' یہ طلب کون سی ہوتی ہے' وہ خوش نصیب لڑکیاں جہاں بھی ہوں گی وہ کیسے کیسے درجات لے کر بیٹھی ہوں گی۔ انہوں نے خوشی سے دف بجا کر جو گیت گایا اس کے الفاظ ایسے ہیں کہ دل میں اترتے جاتے ہیں۔ انہیں آنحضورؐ کو دیکھ کر روشنی محسوس ہو رہی ہے' پھر وہ کون سی جگہ تھی جسے بابا رتن ہندی نے قبول کیا اور سارے دوستوں کو چھوڑ کر اس عرب کے رتیلے میدان میں وہ اپنی لاٹھی لے کر چل پڑا کہ میں تو اوتار سے ملوں گا۔

بہت سے اور لوگوں نے بھی رتن ہندی پر ریسرچ کی ہے۔ ایک جرمن سکالر بھی ان میں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

شامل ہیں جنہوں نے سب سے زیادہ کام کیا ہے۔ ہمارے ایک دوست اکرام چغتائی ہیں وہ بڑے تحقیق کے آدمی ہیں انہوں نے مجھے جرمن زبان میں رتن ہندی کے بارے ایک ریسرچ سنائی کہ رتن ہندی کون تھے؟ کتنی دیر وہاں رہے' کہاں رہے' کیسے تھے؟ کب چلے۔ دیکھئے یہ باہر کے لوگ بھی کمال کرتے ہیں' ہمیں تو پتہ تک نہیں...... رتن ہندی بھی کمال کا آدمی تھا کیوں اس نے خود کو تاریخ میں آنے نہیں دیا؟ کیوں کہ اس نے شور مچا کر نہیں کہا کہ میرا نام بھی درج کرو لیکن یہ تو ضروری نہیں ہے کہ اب رسول اللہؐ سے محبت ہو تو اونچی آواز میں بولنے لگیں' ایک دوسرے کو بتانے لگیں۔ یہ کام تو رتن ہندی ہی کر سکتا تھا۔

جب یہ سب کچھ میں دیکھ چکا اور پڑھ چکا تو پھر میرے دل میں خیال آیا کہ بعض اوقات ایسی حکائتیں بن بھی جایا کرتی ہیں' لیکن دل نہیں مانتا تھا۔ میں بڑی پریشانی میں رہا کیونکہ مجھے ایسا کوئی ذریعہ نہیں ملتا تھا جس کا سہارا لے کر میں ان کے روٹ کو جس راستے سے وہ گئے تھے پہچان سکوں۔ یہ پتہ چلتا تھا جرمن ریسرچ سے کہ وہ حضورؐ کے ارشاد پر اور ان کی اجازت لے کر واپس ہندوستان آ گئے۔ ہندوستان آئے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے گاؤں ہی گئے ہوں گے اور بھٹنڈا میں ہی انہوں نے قیام کیا ہو گا۔ میری سوچ بھی چھوٹی ہے۔ درجہ بھی چھوٹا ہے' لیول بھی چھوٹا ہے پھر بھی میں نے کہا اللہ تو میری مدد کر کہ مجھے اس بارے کچھ پتہ چل جائے۔ اب تو پاکستان بن چکا ہے میں بھٹنڈا جا بھی نہیں سکتا اور پوچھوں بھی کس سے چودہ سو برس پہلے کا واقعہ ہے۔

ایک مرتبہ میری داڑھ میں بلا کا درد ہوا اور رات بھر میں بیٹھا رہا تکلیف کے عالم میں۔ اب ہمیں کسی معروف دندان ساز کا پتہ بھی نہیں تھا۔ بہر حال صبح میری بیوی گلبرگ میں مجھے ڈاکٹر مسعود کے پاس لے گئیں۔ ان سے ملے۔ بڑے خوش اخلاق اور اعلیٰ درجے کے سرجن اور اس وقت کی ہماری کرکٹ ٹیم کے ڈاکٹر تھے۔ پھر ان کے ساتھ دوستی ہو گئی۔ ان سے ملنا ملانا ہو گیا' وہ گھر آتے رہے' ملتے رہے' ان کے والد سے بھی ملاقات ہوئی وہ کسی زمانے میں سکول ٹیچر رہے تھے اور اب بھی اسی سال کی عمر میں سائیکل پر بیٹھ کر ٹیوشن پڑھانے جاتے تھے۔ اتنے بڑے سرجن کے باپ' ٹیوشن پڑھاتے تھے لیکن مفت۔ الجبرے کے بہت اچھے ٹیچر تھے میں ان سے کہتا تھا کہ چھوٹی سی گاڑی خرید لیں' کہنے لگے "نہیں' مجھ سے سائیکل چلتی ہے اشفاق میاں میں ٹھیک جاتا ہوں' آپ گھبرائیں نہیں"۔

ایک دن باتوں باتوں میں انہوں نے بتایا کہ میں کافی سال بھٹنڈا کے گورنمنٹ ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر رہا ہوں۔ میں نے کہا یا اللہ یہ کیسا بندہ آپ نے ملوا دیا' میں نے کہا آپ یہ فرمائیں ماسٹر صاحب کہ وہاں کوئی ایسے آثار تھے کہ جن کا تعلق بابا رتن ہندی کے ساتھ ہو۔ کہنے لگے ان کا بہت بڑا مزار ہے وہاں پر اور وہاں بڑے چڑھاوے چڑھتے ہیں۔ ہندو مسلمان عورتیں' مرد آتے ہیں اور تمہارا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

یہ دوست جو ہے ڈاکٹر مسعود' میرے گھر 13 برس تک اولاد نہیں ہوئی' میں پڑھا لکھا شخص تھا' ایسی باتوں پر اعتبار نہیں کرتا تھا جو ان پڑھ کرتے ہیں' لیکن ایک دن جا کر میں بابا رتن ہندی کے مزار پر بڑا رویا۔ کچھ میں نے کہا نہیں' نہ کچھ بولا' پڑھے لکھے سیانے بندوں کو شرک کا بھی ڈر رہتا ہے' اس لیے کچھ نہ بولا اور مجھے ایسے ہی وہاں جا کر بڑا زبردست رونا آ گیا۔ ان کی کہانی کا مجھے پتہ تھا کہ یہ مدینہ تشریف لے گئے تھے۔ مزار پر جانے کے بعد میں گھر آ گیا۔ رات کو مجھے خواب آیا کہ جس میں ہندوستانی انداز کے سفید داڑھی والے بابا جی آئے اور کہنے لگے "لے اپنا کاکا پھڑ لے" (لو اپنا بچہ لے لو) یہ اللہ میاں نے تمہارے لیے بھیجا ہے۔ میں نے کہا جی یہ کہاں سے آ گیا' ماسٹر صاحب نے بتایا کہ جب میں نے خواب میں وہ بچہ اٹھایا تو وہ وزنی تھا۔ میں نے پوچھا "بابا جی آپ کون ہیں" تو وہ کہنے لگے "میں رتن ہندی ہوں' کیا ایسے بیوقوفوں کی طرح رویا کرتے ہیں' صبر سے چلتے ہیں' لمبا سفر کرتے ہیں' ہاتھ میں لاٹھی رکھتے اور ادب سے جاتے ہیں"

ماسٹر صاحب کہنے لگے مجھے سفر اور لاٹھی بارے معلوم نہیں تھا کہ یہ کیا باتیں ہیں' میں نے ان سے کہا کہ جی اس کا مصالحہ میرے پاس ہے اور مجھے یقین ہو گیا کہ وہ لڑکیاں جو حضورؐ کا استقبال کرنے کے لیے موجود تھیں وہ خوش قسمت تھیں۔ ہم کچھ مصروف ہیں۔ کچھ ہمارے دل اور طرف مصروف ہیں۔ ہم اس سفر کو اختیار نہیں کر سکتے لیکن اس سفر کو اختیار کرنے کی "تانگ" (آرزو) ضرور دل میں رہنی چاہیے اور جب دل میں یہ ہو جائے پکا ارادہ اور تہیہ تو پھر راستہ ضرور مل جاتا ہے۔

ہم زیادہ سے زیادہ کوئی وظیفہ وغیرہ کر لیتے ہیں۔ یہ وظیفہ کرنا اچھا ہے لیکن یہ راستہ نہیں ہے۔ راستہ تو وہی ہوگا جو ایک چھوٹے موٹے ٹوٹے پھوٹے گھروں سے نکل کر اس ٹیلے کی طرف جاتا ہوگا جہاں وہ لڑکیاں کھڑی ہونگی' انہیں کیا علم اور پتہ تھا۔ انہوں نے کوئی کتابیں نہیں پڑھ رکھی تھیں لیکن ان کے دل کے اندر ایک آرزو ضرور تھی جو نور کی صورت میں آگے بڑھتی چلی گئی اور ان کو دنیا میں بھی ایک اونچا مقام ملا اور آخرت میں بھی یقیناً ان کا بہت اونچا مقام ہوگا۔ اس کے لیے میں اپنے آپ سے فارغ اوقات میں یہ ضرور کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اپنے آپ سے بھی مخاطب ہوتا ہوں کہ پڑھنے سے علم حاصل کرنے سے تو یہ سب کچھ نہیں ہوگا' یہ تو میری معلومات میں اضافہ کرے گا' مجھے معلومات حاصل ہو جائیں گی' لیکن محبت کا راستہ اور ہے جبکہ معلومات کا راستہ اور ہے۔

آپ ملاحظہ کرتے ہوں گے کہ آج کل ہم معلومات کے راستے پر چل رہے ہیں کیونکہ یہ انفارمیشن کی صدی ہے اور ہم اس صدی میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں' لیکن محبت کا راستہ دوسرا ہے جو ہم کو بہت اوپر لے جاتا ہے اور محبت کا راستہ حاصل کرنے کے لیے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اپنے اردگرد کے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ چلیں محبت نہ کی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جائے، چلیں انہیں کچھ دیا نہ جائے۔ نبی کریمؐ فرماتے ہیں کہ مسکراہٹ بھی ایک صدقہ جاریہ ہے۔ کبھی کبھی اسے جاری کر دیا کریں۔ ہنس کے بول پڑو، لیکن ہمارے ہاں یہ بھی مفقود ہو گیا ہے۔ حسد ہو گیا، لڑائی ہوئی، جھگڑے ہو گئے۔ ہم محبت تو ایک طرف رہی مسکراہٹ بھی کسی کو ادا نہیں کر سکتے حالانکہ جب آپ کسی سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں، گھوری ڈالتے ہیں، ماتھے پر سلوٹیں ڈالتے ہیں تو آپ کے چہرے کے 72 مسلز یعنی عضلات کام کرتے ہیں اور اگر مسکرائیں تو صرف دو مسلز ٹینشن میں آتے ہیں یا Tension Feel کرتے ہیں۔ کتنا آسان کام ہے لیکن ہو نہیں پاتا۔

مجھے یہ سارے راز معلوم ہیں، لیکن مجھ سے ایسا ہوتا نہیں۔ اندر کی بات چھوڑ کے ہم تو صرف سامان ہی اکٹھا کرنے پر لگے ہیں، لیکن یہ سامان کم بخت کسی کام نہیں آتا، بالکل کام نہیں آتا، اگر آپ سوچیں تو میرے پاس ایک بار کچھ پیسے جمع ہو گئے ایک لاکھ تیرہ ہزار روپے، اب میں عمر کے آخری حصے میں ہوں، سمجھ میں نہیں آتا کہاں خرچ کروں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی ذات پر خرچ کروں، دھوپ میں بیٹھ کر مولی کاٹ کر "لون" لگا کر اسے کھاؤں، مگر ایسا کر نہیں سکتا، ڈاکٹر منع کرتے ہیں۔ تھوڑی سی محبت، تھوڑی سی الفت، تھوڑی سی مسکراہٹ جاری کرتے رہنا چاہیے یہ چیک کیش کرانے پر کوئی خرچہ نہیں آتا۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!!

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

free-urdubook.blogspot.com

اشفاق احمد

زاویہ ۲



Free-urdubook.blogspot.com
Free-urdubook.blogspot.com

free-urdubook.blogspot.com



اشفاق احمد

گڈریا، ایک محبت سو افسانے، وداع جنگ، ایک ہی بولی، صُبحانے فسانے، توتا کہانی، بند گلی، طلسم ہوش افزا، اور ڈرامے، ننگے پاؤں، مہمان سرائے، من چلے کا سودا، بابا صاحبا، سفر در سفر، اُچے بُرج لاہور دے، تا ہلی تھلے، حسرت تعمیر، جنگ بجنگ، زاویہ، سفر مینا، ایک محبت سو ڈرامے، حیرت کدہ، شاہلا کوٹ، کھیل تماشا، گلدان، کھٹیا وٹیا، دھینگا مشتی، شورا شوری، ڈھنڈورا،

بانو قدسیہ

راجہ گدھ، شہر بے مثال، توجہ کی طالب، چہار چمن، سدھراں، آسے پاسے، دوسرا قدم، آدھی بات، دست بستہ، حوّا کے نام، سورج مکھی، پیا نام کا دیا، آتش زیرپا، امربیل، بازگشت، مردِ ابریشم، سامانِ وجود، ایک دن، پُروا، موم کی گلیاں، لگن اپنی اپنی، تماثیل، فٹ پاتھ کی گھاس، دوسرا دروازہ، ناقابل ذکر، کچھ اور نہیں، حاصل گھاٹ،

free-urdubook.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Free-urdubook.blogspot.com
Free-urdubook.blogspot.com

free-urdubook.blogspot.com

زاویہ

(جلد دوم)

اشفاق احمد

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

free-urdubook.blogspot.com

فہرست

free-urdubook.blogspot.com

free-urdubook.blogspot.com

پنجاب کا دوپٹہ

جب آدمی میری عمر کو پہنچتا ہے تو وہ اپنی وراثت آنے والی نسل کو دے کر جانے کی کوشش کرتا ہے۔ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں، جو انسان بدقسمتی سے ساتھ ہی سمیٹ کر لے جاتا ہے۔ مجھے اپنی جوانی کے واقعات اور اس سے پہلے کی زندگی کے حالات مختلف ٹکڑیوں میں ملتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب وہ آپ کے حوالے کر دوں۔ حالانکہ اس میں تاریخی نوعیت کا کوئی بڑا واقعہ آپ کو نہیں ملے گا لیکن معاشرتی زندگی کے پہلو سامنے آئیں گے۔ اگر معاشرتی زندگی کو بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اس میں ہماری سیاسی زندگی کے بھی بہت سے پہلو نمایاں نظر آئیں گے۔

آج سے کوئی بیس بائیس برس پہلے کی بات ہے میں کسی سرکاری کام سے حیدر آباد گیا تھا۔ سندھ میں مجھے تقریباً ایک ہفتے کے لیے رہنا پڑا، اس لیے میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ بھی میرے ساتھ چلے، چنانچہ وہ بھی میرے ساتھ تھی۔ دو دن وہاں گزارنے کے بعد میری طبیعت جیسے بے چین ہو گئی۔ میں اکثر اس حوالے سے آپ کی خدمت میں ''بابوں'' کا ذکر کرتا ہوں۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ بھٹ شاہ (شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ) کا مزار یہاں قریب ہی ہے اور آج جمعرات بھی ہے، اس لیے آج ہم وہاں چلتے ہیں۔ وہ میری بات مان گئی۔ میزبانوں نے بھی ہمیں گاڑی اور ڈرائیور دے دیا، کیونکہ وہ راستوں سے واقف تھا۔ ہم مزار کی طرف روانہ ہو گئے۔ جوں جوں شاہ عبداللطیف بھٹائی کا مزار قریب آ رہا تھا، مجھ پر ایک عجیب طرح کا خوف طاری ہونے لگا۔ مجھ پر اکثر ایسا ہوتا ہے۔ میں علم سے اتنا متاثر نہیں ہوں، جتنا کریکٹر سے ہوں۔ علم کم تر چیز ہے، کردار بڑی چیز ہے۔ اس لیے صاحبانِ کردار کے قریب جاتے ہوئے مجھے بڑا خوف آتا ہے۔ صاحبانِ علم سے اتنا خوف نہیں آتا، ڈر نہیں لگتا۔

جب ہم وہاں پہنچے تو بہت سے لوگ ایک میلے کی صورت میں ان کے مزار کے باہر موجود تھے۔ گھوم پھر رہے تھے۔ ہم میاں بیوی کافی مشکل سے مزار کے صحن میں داخل ہوئے۔ بہت سے لوگ

free-urdubook.blogspot.com

وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کا کلام سنا رہے تھے۔ اس کلام میں جب شاہ کی شاعری میں موجود ایک خاص ٹکڑا آتا تو سارے سازندے چوکس ہو کر بیٹھ جاتے اور گانے لگتے' کلام میں یہ خاص ٹکڑا اس قدر مشکل اور پیچیدہ ہے کہ وہاں کے رہنے والے بھی کم کم ہی اس کا مطلب سمجھتے ہیں' لیکن اس کی گہرائی زمانے کے ساتھ ساتھ کھلتی چلی جاتی ہے۔ ہم بھی وہاں ایک دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے۔ وہاں کافی رش تھا۔ کچھ لوگ زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ عورتیں' مرد سب ہی اور کچھ بیٹھے کلام سن رہے تھے۔ ہم بھی جا کر بیٹھ گئے۔ جب شاہؒ کی وائی (مخصوص ٹکڑی) شروع ہوتی تو ایک خادم دھات کے بڑے بڑے گلاسوں میں دودھ ڈال کر تقسیم کرتا۔ یہ رسم ہے وہاں کی کہ جب وائی پڑھتے ہیں تو دودھ تقسیم کیا جاتا ہے۔ گلاس بہت بڑے بڑے تھے' لیکن ان میں تولہ ڈیڑھ تولہ دودھ ہوتا۔ جب اتنا بڑا گلاس اور اتنا سا دودھ لا کر ایک خادم نے میری بیوی کو دیا' تو اس نے دودھ لانے والے کی طرف بڑی حیرت سے دیکھا اور پھر جھانک کر گلاس کے اندر دیکھا۔ میں نے اس سے کہا کہ دودھ ہے پی لو۔ میں نے اپنے گلاس کو ہلایا۔ میرے گلاس کے اندر دودھ میں ایک تنکا تھا۔ میں اس تنکے کو نظر انداز کرتا تھا' لیکن وہ پھر گھوم کر سامنے آ جاتا تھا۔ میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں دودھ کو تنکے سمیت ہی پی جاتا ہوں۔ چنانچہ میں نے دودھ پی لیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ آپ بھی پئیں' یہ برکت کی بات ہے۔

خیر! اس نے زبردستی زور لگا کر پی لیا اور قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص سے کہا کہ آپ ہمیں تھوڑی سی جگہ دیں۔ اس شخص کی بیوی لیٹ کر اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ اس شخص نے اپنی بیوی کو ٹہوکا دیا اور کہا کہ مہمان ہے' تم اپنے پاؤں پیچھے کرو۔ میری بیوی نے کہا کہ نہیں نہیں' اس کو مت اٹھائیں۔ لیکن اس شخص نے کہا' نہیں نہیں کوئی بات نہیں۔ اس کی بیوی ذرا سمٹ گئی اور ہم دونوں کو جگہ دے دی۔ انسان کا خاصا یہ ہے کہ جب اس کو بیٹھنے کی جگہ مل جائے' تو وہ لیٹنے کی بھی چاہتا ہے۔ جب ہم بیٹھ گئے تو پھر دل چاہا کہ ہم بھی آرام کریں اور میں آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا پاؤں پسارنے لگا۔ فرش بڑا ٹھنڈا اور مزیدار تھا۔ ہوا چل رہی تھی۔ میں نیم دراز ہو گیا۔ میری بیوی نے تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ میں چکر لگا کر آتی ہوں' کیونکہ یہ جگہ تو ہم نے پوری طرح دیکھی ہی نہیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ وہ چلی گئی۔ دس پندرہ منٹ گزر گئے' وہ واپس نہ آئی تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں گم ہی نہ ہو جائے' کیونکہ پیچیدہ راستے تھے اور نئی جگہ تھی۔

جب وہ لوٹ کر آئی تو بہت پریشان تھی۔ کچھ گھبرائی ہوئی تھی۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ میں نے کہا' خیر ہے! کہنے لگی آپ اٹھیں میرے ساتھ چلیں۔ میں آپ کو ایک چیز دکھانا چاہتی ہوں۔ میں اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا۔ وہاں رات کو دربار کا دروازہ بند کر دیتے ہیں اور زائرین باہر بیٹھے رہتے ہیں۔ صبح جب دروازہ کھلتا ہے تو پھر لوگ دعائیں وغیرہ مانگنا شروع کر دیتے ہیں۔ جب

free-urdubook.blogspot.com

ہم وہاں گئے تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگ' آپ ادھر آئیں۔ شاہؒ کے دروازے کے عین سامنے ایک لڑکی کھڑی تھی۔ اس کے سر پر جیسے ہمارا دستر خوان ہوتا ہے' اس سائز کی چادر کا ٹکڑا تھا اور اس کا اپنا جو دوپٹہ تھا' وہ اس نے شاہؒ کے دروازے کے کنڈے کے ساتھ گانٹھ دے کر باندھا ہوا تھا اور اپنے دوپٹے کا آخری کونہ ہاتھ میں پکڑے کھڑی تھی اور بالکل خاموش تھی' اُسے آپ بہت ہی خوبصورت لڑکی کہہ سکتے ہیں۔

اس کی عمر کوئی سولہ' سترہ یا اٹھارہ برس ہوگی۔ وہ کھڑی تھی' لیکن لوگ ایک حلقہ سا بنا کر اسے تھوڑی سی آسائش عطا کر رہے تھے تاکہ اس کے گرد جمگھٹا نہ ہو۔ کچھ لوگ' جن میں عورتیں بھی تھیں' ایک حلقہ سا بنائے کھڑے تھے۔ میں نے کہا' یہ کیا ہے؟ میری بیوی کہنے لگی' اس کے پاؤں دیکھیں۔ جب میں نے اس کے پاؤں دیکھے تو آپ یقین کریں کہ کوئی پانچ سات کلو کے۔ اتنا بڑا ہاتھی کا پاؤں بھی نہیں ہوتا۔ بالکل ایسے تھے جیسے سیمنٹ' پتھر یا اینٹ کے بنے ہوئے ہوں۔ حالانکہ لڑکی بڑی دھان پان کی اور دُبلی پتلی سی تھی۔ ہم حیرانی اور ڈر کے ساتھ اسے دیکھ رہے تھے' تو وہ منہ ہی منہ میں کچھ بات کر رہی تھی۔ وہاں ایک سندھی بزرگ تھے۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ اس نے کہا' سائیں! کیا عرض کریں۔ یہ بیچاری بہت دُکھیاری ہے۔ یہ پنجاب کے کسی گاؤں سے آئی ہے اور ہمارے اندازے کے مطابق ملتان یا بہاولپور سے ہے۔

یہ گیارہ دن سے اسی طرح کھڑی ہے اور اس مزار کا بڑا خدمتگار' وہ سفید داڑھی والا بزرگ' اس کی منت سماجت کرتا ہے تو ایک کھجور کھانے کے لیے یہ منہ کھول دیتی ہے' چوبیس گھنٹے میں۔ میری بیوی کہنے لگی کہ اسے ہوا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کے بھائی کو پھانسی کی سزا ہوئی ہے اور یہ بیچارگی کے عالم میں وہاں سے چل کر یہاں پہنچی ہے اور اتنے دن سے کھڑی ہے اور ایک ہی بات کہہ رہی ہے کہ ''اے شاہؒ! تو تو اللہ کے راز جانتا ہے' تو میری طرف سے اپنے ربّ کی خدمت میں درخواست کر کہ میرے بھائی کو رہائی ملے اور اس پر مقدمہ ختم ہو'' وہ بس یہ بات کہہ رہی ہے۔ شاہ اپنی ایک نظم میں فرماتے ہیں کہ ''اے لوگو! چودھویں کے چاند کو جو بڑا خوبصورت اور دلکش ہوتا ہے' پہلی کے چاند کو جو نظر بھی نہیں آتا اور لوگ چھتوں پر چڑھ کر انگلیوں کا اشارہ کر کے اسے دیکھتے ہیں۔ یہ کیا راز ہے تم میرے قریب آؤ میں تمہیں چاند کا راز سمجھاتا ہوں (یہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کی ایک نظم کا حصہ ہے)۔

وہ لڑکی بھی بیچاری کہیں سے چل کر چلتی چلتی پتا نہیں اس نے اپنے گھر والوں کو بتایا بھی ہے کہ نہیں' لیکن وہ وہاں پہنچ گئی ہے اور وہاں کھڑی تھی۔ چونکہ رات کو مزار کا دروازہ بند ہو جاتا ہے' اس لیے کوئی کنکشن نہیں رہتا' اس نے اپنا دوپٹہ اتار کر وہاں باندھ رکھا ہے۔ وہ بابا بتا رہا تھا کہ اب اس کا چلنا مشکل ہے۔ بڑی مشکل سے قدم اٹھا کر چلتی ہے اور ہم سب لوگ اس لڑکی کے لیے دعا کرتے ہیں۔ ہم

free-urdubook.blogspot.com

اپنا ذاتی کام بھول جاتے ہیں اور ہم اس کے لیے اور اس کے بھائی کے لیے اللہ سائیں سے گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں کہ اللہ تو اس پر فضل کر۔ کتنی چھوٹی سی جان ہے اور اس نے اپنے اوپر کیا مصیبت ڈال لی ہے۔ میں کھڑا اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا دوپٹہ اگر سر سے اتر جاتا تو وہاں کے لوگ اپنے پاس سے اجرک کا یا کوئی اور کپڑا اس کے سر کے اوپر ڈال دیتے۔ میں اس کو دیکھتا رہا۔ مجھے باہر دیکھنا' وائی سننا اور دودھ پینا سب کچھ بھول گیا۔ میں چاہتا تھا کہ اس سے بات کروں' لیکن میرا حوصلہ نہیں پڑ رہا تھا' کیونکہ وہ اتنے بلند کردار اور طاقت کے مقام پر تھی کہ ظاہر ہے ایک چھوٹا' معمولی آدمی اس سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ ہمیں وہاں کھڑے کھڑے کافی دیر ہوگئی۔ ہم نے وہاں ساری رات گزارنے کا فیصلہ کیا۔ ہم نے ساری رات اس لڑکی کے لیے دعائیں کیں۔ بس ہم اس کے لیے پکی پکی دعائیں کرتے رہے۔

صبح چلتے ہوئے میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ جب تک پنجاب کا دوپٹہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کنڈے سے بندھا ہے پنجاب اور سندھ میں کسی قسم کا کریک نہیں آ سکتا۔ یہ تو اپنے مقصد کے لیے آئی ہے نا' لیکن مقصد سے ماورا بھی ایک اور رشتہ ہوتا ہے۔ میری بیوی کہنے لگی' کیوں نہیں' آپ روز ایسی خبریں پڑھتے ہیں کہ یہ سندھ کارڈ ہے' یہ پنجاب کارڈ ہے۔ جب ایک چودھری دیکھتا ہے کہ لوگوں کی توجہ میرے اوپر ہونے لگی ہے اور میرے لوگ میرے بارے میں Critical ہونے لگے ہیں' تو پھر وہ کہتا ہے اے لوگو! میری طرف نہ دیکھو۔ تمہارا چور پنجاب ہے۔ دوسرا کہتا ہے' نہیں! میری جانب نہ دیکھو تمہارا چور سندھ ہے' تاکہ اس کے اوپر سے نگاہیں ہٹیں' ورنہ لوگوں کے درمیان وہی اصل رشتہ قائم ہے' جو ملتان یا بہاولپور سے جانے والی لڑکی کا شاہؒ کے مزار سے ہے' جو اکیلی' تن تنہا' سوجے پاؤں' بغیر کسی خوراک کے کھڑی ہوئی ہے اور اس کا اعتقاد اور پورا ایمان ہے کہ اس کا مسئلہ حل ہوگا۔ اپنی ایک نظم میں شاہؒ فرماتے ہیں کہ ''اے کمان کسنے والے تو نے اس میں تیر رکھ لیا ہے اور تو مجھے مارنے لگا ہے' لیکن میرا تو سارا وجود ہی تیرا ہے' کہیں تو اپنے آپ کو نقصان نہ پہنچا لے۔''

چند سردیاں پہلے کی بات ہے کہ ہمارے باغ جناح میں پرانے جمخانے کے سامنے اندرونِ شہر کی ایک خاتون بنچ کے اوپر بیٹھی تھی اور اپنے چھوٹے بچے کو اپنے گھٹنے کے اوپر ہلا رہی تھی۔ اس کی تین بچیاں کھیلتی ہوئی باغ میں پھیل گئی تھیں اور ایک دوسری کے ساتھ لڑتی تھیں اور بار بار چیخیں مارتی ہوئی ماں سے ایک دوسری کی شکایت کرتی تھیں۔ ذرا دیر بعد پھر ماں کو تنگ کرنا شروع کر دیتیں اور پھر چلی جاتیں۔ آخر میں پھر لڑتی ہوئی دو بچیاں آئیں اور کہا کہ اماں اس نے میری فلاں اتنی بڑی چیز لے لی ہے۔ ایک نے مٹھی بند کی ہوئی تھی۔ آخر ماں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کہا کھول دے مٹھی۔ جب اس نے مٹھی کھولی تو اس میں سوکھا ہوا درخت سے گرا بھیڑہ تھا۔ ایک نے کہا' پہلے میں نے دیکھا تھا یہ میرا ہے۔ ان کی ماں نے دوسری سے کہا' اسے دے دو۔ پھر وہ صلح صفائی کرتے ہوئے بھاگ کر چلی گئیں۔

free-urdubook.blogspot.com

جب میں نے ان کے درمیان اتنی زیادہ لڑائی دیکھی تو میں نے اس خاتون سے کہا کہ آپ تو مشکل میں پڑی ہوئی ہیں۔ یہ بچے آپ کو بہت تنگ کرتے ہیں۔ تو اس نے کہا کہ بھائی! مجھے یہ بہت تنگ کرتے ہیں' لیکن میں ان سے تنگ ہوتی نہیں۔ میں نے کہا' وہ کیسے؟ کہنے لگیں' یہ جو میرے بچے ہیں' اپنی نانی کے مرنے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ میں سوچتی ہوں کہ اگر ان کی نانی زندہ ہوتی تو یہ بچیاں کتنی ہی شیطانیاں کرتیں' ضد کرتیں' لڑائیاں کرتیں' لیکن پھر بھی اپنی نانی کی پیاریاں اور لاڈلیاں ہی رہتیں۔

جب میرے ذہن میں یہ خیال آتا ہے تو یہ کچھ بھی کریں۔ میں اپنی نانی کے حوالے سے انہیں معاف کر دیتی ہوں اور یہ مزے سے کھیلتی رہتی ہیں' حالانکہ جسمانی اور ذہنی و روحانی طور پر مجھے تنگ کرتی ہیں۔ جب اس نے یہ بات کی تو میں سوچنے لگا کہ کیا ہمارے سیاسی اور سماجی وجود میں کوئی نانی جیسا تصور نہیں آ سکتا؟ کیا ہمیں ایسا لیڈر نہیں مل سکتا' یا سکا جس کے سہارے ہم اپنی مشکلات کو اس کے نام Dedicate کر کے یہ کہیں کہ اگر ایسی مشکلات ہوتیں اور اگر قائداعظمؒ زندہ ہوتے تو ہم ان کے حوالے کر دیتے کہ جی یہ مشکلات ہیں اور وہ ان کو ویسے ہی سمیٹ لیتے جیسا کہ وہ دوسری مشکلات کو سمیٹا کرتے تھے' بلکہ اکیلے انہوں نے ہی تمام مشکلات کو سمیٹا تھا۔ لیکن شاید یہ ہماری قسمت یا مقدر میں نہیں تھا' لیکن اس کے باوجود میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ایک دھان پان سی' دبلی پتلی لڑکی اتنی ہمت کر کے اپنے ذاتی مقصد کے لیے اتنا بڑا الکنکشن میرے آپ کے اور سندھ کے درمیان پیدا کر سکتی ہے' تو ہم جو زیادہ پڑھے لکھے' دانشمند اور دانشور لوگ ہیں یہ دل اور روح کے اندر مزید گہرائی پیدا کرنے کے لیے کچھ کیوں نہیں کر سکتے؟

کوئی ایسی صبح طلوع ہو یا کوئی ایسی شام آئے' جب ہم دیوار سے ڈھو لگا کر ایک Meditation میں داخل ہوتے ہیں' تو کیا اس مراقبے میں یہ ساری چیزیں نہیں آتیں' یا یہ کہ ہم اس مراقبے کے اندر کبھی داخل ہی نہیں ہو سکے؟ ایک چھوٹی سی لڑکی اس طرح سے ایک تہیہ کے اندر اور ایک ارادے کے اندر داخل ہو گئی تھی اور ہم جو بڑے ہیں ان سے یہ کام نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود میں بہت پُر امید ہوں کہ یقیناً ایسا وقت آ جائے گا جس کا کوئی جواز ہمارے پاس نہیں ہوگا' جس کی کوئی منطق نہیں ہوگی۔ لیکن وہ وقت ضرور آئے گا' کیوں آئے گا' کس لیے آئے گا' کس وجہ سے اور کیسے آئے گا؟ اس کا بھی کوئی جواب میرے پاس نہیں ہے۔ لیکن اتنی بڑی معاشرتی زندگی میں جان بوجھ کر یا بیوقوفی سے ہم جو نام لے چکے ہیں' انہیں کبھی نہ کبھی' کسی نہ کسی مقام پر پہنچ کر سفل ہونا ضروری ہے۔ یہ میرا ایک ذاتی خیال ہے' جس کے ساتھ میں وابستہ رہتا ہوں۔

مایوسی کی بڑی گھٹائیں ہیں' بڑی بے چینیاں ہیں' بڑی پریشانیاں ہیں۔ اکنامکس کا آپ کے یوٹیلیٹی بلز کا ہی مسئلہ اتنا ہو گیا ہے کہ انسان اس سے ہی باہر نہیں نکلتا۔ آدمی روتا رہتا ہے' لیکن ہمارے

free-urdubook.blogspot.com

اس لاہور میں، ہمارے اس ملک میں اور ہمارے اس ملک سے ماورا دوسری اسلامی دنیا میں کچھ نہ کچھ تو لوگ ایسے ضرور ہوں گے جو اکنامکس کی تنگی کے باوصف یہ کہتے ہوں گے جو میں نہیں کہہ سکتا۔ میں کسی نہ کسی طرح سے خوش ہو سکتا ہوں، کیونکہ خوشی کا مال و دولت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے بابے کہا کرتے ہیں کہ اگر مال و دولت کے ساتھ جائیداد کے ساتھ خوشی کا تعلق ہوتا تو آپ اتنی ساری چیزیں چھوڑ کر کبھی سوتے ناں! ان ساری چیزوں کو اپنی نگاہ کے سامنے چھوڑ کر آپ سو جاتے ہیں اور سونا اتنی بڑی نعمت ہے جو آپ کو راحت عطا کرتی ہے اور اگر آپ کو کوئی جگائے تو آپ کہتے ہیں کہ مجھے تنگ نہ کرو۔ اگر اس سے کہیں کہ تیری وہ کار، جائیداد اور بینک بیلنس پڑا ہے تو اس سونے والے کو اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ اس سے طے یہ پایا کہ یہ دولت، یہ مال و متاع یہ سب کچھ آپ کو خوشی عطا نہیں کرتے، خوشی آپ کے اندر کی ایک لہر ہے۔

مچھلی جس کو پکڑ لے وہ اس لہر پر ڈولفن کی طرح سوار ہو کر دُور جا سکتی ہے۔ اگر وہ لہر نہ پکڑی جائے تو پھر ہماری بدقسمتی ہے۔ پھر ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اس لہر کو دیکھنا، جانچنا اور پکڑنا اور اس پر سوار ہونا شہ سواروں کا کام ہے، عام لوگوں کا نہیں۔ بڑی تکلیفیں اور دقتیں ہیں، لیکن ان کے درمیان رہتے ہوئے بھی کئی آدمی گاتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور ہم اپنے کانوں سے ان کا گانا سنتے ہیں اور ہم ان کی تحقیق نہیں کر سکتے کہ ان کے اندر کون سی چپ لگی ہوئی ہے، کس قسم کی پروگرامنگ ہوئی ہوتی ہے کہ یہ گاتے چلے جا رہے ہیں۔ اللہ آپ کو خوش رکھے اور بہت سی آسانیاں عطا فرمائے اور خداوند تعالیٰ آپ کو آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!

free-urdubook.blogspot.com

''ملٹی نیشنل خواہشیں''

پچھلی گرمیوں کا آخری مہینہ میں نے اپنے بھانجے جاوید کے گھر گزارا۔ اس کے گھر میں ایک بڑا اچھا سوئمنگ پول ہے' اس کا ایک چھوٹا بیٹا ہے' اس کے بیٹے کا ایک چھوٹا کتا ''جیکی'' ہے۔ میں کتوں کے بارے میں چونکہ زیادہ نہیں جانتا' اس لیے اتنا سمجھ سکا ہوں کہ وہ چھوٹے قد کا نہایت محبت کرنے والا اور تیزی سے دم ہلانے والا کتا ہے۔ جیکی کی یہ کیفیت ہے کہ وہ سارا دن کھڑکی کی سل پر اپنے دونوں پنجے رکھ کر کھڑکی سے باہر دیکھتا رہتا ہے اور جب آوارہ لڑکے اسے پتھر مار کر گزرتے ہیں تو وہ بھونکتا ہے۔ جب آئس کریم کی گاڑی آتی ہے تو اس کا باجا سنتے ہی وہ اپنی کٹی ہوئی دم بھی ''گنڈیری'' کی طرح ہلاتا ہے اور ساتھ بھونکنے کے انداز میں ''چوں' چوں'' بھی کرتا ہے (شاید اس کی آرزو ہو کہ مجھے اس سے کچھ ملے گا)۔ پھر جب غبارے بیچنے والا آتا ہے تو وہ اس کے لیے بھی ویسا ہی پریشان ہوتا ہے اور وہ منظر نامہ اس کی نگاہوں کے سامنے سے گزرتا رہتا ہے۔ پھر جس وقت سکول سے اس کا محبوب مالک توفیق آتا ہے تو پھر وہ سل چھوڑ کر بھاگتا ہے اور جا کر اس کی ٹانگوں سے چمٹتا ہے۔

شام کے وقت جب وہ سوئمنگ پول میں نہاتے ہیں اور جب اس کتے کا مالک' اس کا ساتھی توفیق چھلانگ لگاتا ہے تو وہ (جیکی) خود تو اندر نہیں جاتا' لیکن جیسے جیسے وہ تالاب میں تیرتا ہوا آگے جاتا ہے۔ جیکی بھی اس کے ساتھ بھاگتا ہے اور تالاب کے اردگرد ''پھرکی'' کی طرح چکر لگاتا ہے' غراتا ہے' بھونکتا ہے' پھسلتا ہے اور پانی کے سبب دور تک پھسلتا چلا جاتا ہے۔ میں اس قیام کے سارے عرصہ میں اسے دیکھتا رہا کہ یہ کیا کرتا ہے۔ پھر میں نے بچوں کو اکٹھا کر کے ایک دن کہا کہ آؤ اس جیکی کو سمجھائیں کہ تم تو اس طرح بھاگ بھاگ کے ہلکان ہو جاؤ گے' زندگی برباد کر لو گے۔ بچوں نے کہا اچھا دادا۔ اور ان سب نے جیکی کو بلا کر بٹھایا اور اس سے کہا کہ جیکی میاں دادا کی بات سنو۔ میں نے جیکی سے کہا' دیکھو وہ (توفیق) تو تیرتا ہے' وہ تو انجوائے کرتا ہے' تم خواہ مخواہ بھاگتے ہو' پھسلتے ہو اور اپنا منہ تڑواتے ہو' تم اس عادت کو چھوڑ دو لیکن وہ یہ بات سمجھا نہیں۔ اگلے روز پھر اس نے ایسے ہی کیا' جب

free-urdubook.blogspot.com

اس کو میں سمجھا چکا اور رات آئی اور میں لیٹا لیکن بہت ساری کروٹیں بدلنے کے بعد بھی مجھے نیند نہ آئی تو میں نے اپنا سر دیوار کے ساتھ لگا کر یہ سوچنا شروع کیا کہ میرے بیٹے نے جو سی ایس ایس کا امتحان دیا ہے کیا وہ اس میں سے پاس ہو جائے گا؟ پوتا جو امریکہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے گیا ہے کیا اس کو ورلڈ بینک میں کوئی نوکری مل جائے گی؟ ہمارے اوپر جو مقدمہ ہے' کیا اس کا فیصلہ ہمارے حق میں ہو جائے گا اور وہ انعامی بانڈ جو ہم نے خریدا ہے' وہ نکل آئے گا کہ نہیں؟

میری اتنی ساری بے چینی اور یہ سب کچھ جو مل ملا کے میری Desires' میری آرزوئیں' میری تمنائیں اور خواہش گڈمڈ ہو گئیں تو میں نے کہا کہ میں بھی کسی صورت میں ''جیکی'' سے کم نہیں ہوں' جس طرح سے وہ بے چین ہے' جیسے وہ تڑپتا ہے' جیسے وہ ناسمجھی کے عالم میں چکر لگاتا ہے' تو حالات کے تالاب کے اردگرد میں بھی چکر لگاتا ہوں تو کیا میں اس کو کسی طرح سے روک سکتا ہوں' کیا میں ایسے سیدھا چل سکتا ہوں جیسے سیدھا چلنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ میں جیسے پہلے بھی ذکر کیا کرتا ہوں' میں نے اپنے باباجی سے پوچھا کہ جی یہ کیوں بے چینی ہے' کیوں اتنی پریشانی ہے' کیوں ہم سکون قلب کے ساتھ اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ نہیں سکتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ دیکھو تم اپنی پریشانی کی پوٹلیاں اپنے سامنے نہ رکھا کرو' انہیں خدا کے پاس لے جایا کرو' وہ ان کو حل کر دے گا۔ تم انہیں زور لگا کر خود حل کرنے کی کوشش کرتے ہو' لیکن تم انہیں حل نہیں کر سکو گے۔

میں جب چھوٹا تھا' تو ہمارے گاؤں میں میری ماں کے پاس ایک بوڑھی عورت آیا کرتی تھی' ہم اسے تائی سوندھاں کہتے تھے۔ اس کے پاس چھوٹی چھوٹی پوٹلیاں ہوتی تھیں۔ وہ میری ماں کے پاس بیٹھ جاتی اور ایک ایک پوٹلی کھول کے دکھاتی کہ بی بی یہ ہے۔ کسی پوٹلی میں سوکھے بیر ہوتے' کسی میں سوکھی لکڑیاں' جیسے ملٹھی ہوتی ہے وہ ہوتیں۔ وہ کہتی کہ اگر ان لکڑیوں کو جلاؤ تو مچھر نہیں رہتا' کسی پوٹلی میں چھوٹے چھوٹے پتھر ہوتے تھے' کسی میں بڑ کے درخت سے گری ہوئی ''گولیں'' ہوتی تھیں۔ اس کے پاس ایسی ہی سوکھی چیزوں کی بے شمار پوٹلیاں ہوتی تھیں' ان میں کوئی بھی کام کی چیز نہیں ہوتی تھی' میرا یہ اندازہ ہے اور میری ماں کا بھی یہ اندازہ تھا۔ میری ماں کہتی کہ نہیں سوندھاں مت کھول ان کو ٹھیک ہے اور میری ماں اسے کچھ آٹھ آنے' چار آنے دے دیتی تھی۔ اس زمانے میں آٹھ چار آنے بہت ہوتے تھے اور وہ دعائیں دیتی ہوئی چلی جاتی تھی۔ اس کی کسی کے حضور پوٹلیاں کھل کر یا نہ کھل کر بھی اس کو فائدہ عطا کرتی تھیں۔ اور میرا بابا مجھ سے یہ کہتا تھا کہ تو اپنی پوٹلیاں اللہ کے پاس لے جا' ساری مشکلات کسی وقت بیٹھ کر دیوار سے ڈھو لگا کر کہو کہ اے اللہ یہ بڑی مشکلات ہیں یہ مجھ سے حل نہیں ہوتیں۔ یہ میں تیرے حضور میں لے آیا ہوں۔

میں چونکہ بہت ہی پڑھا لکھا آدمی تھا اور ولایت سے آیا تھا' میں کہتا' کہاں ہوتا ہے خدا؟

free-urdubook.blogspot.com

اس نے کہا' خدا ہوتا نہیں ہے' نہ ہو سکتا ہے' نہ جانا جاتا ہے' نہ جانا جا سکتا ہے اور خدا کے بارے میں تمہارا ہر خیال وہ حقیقت نہیں بن سکتا لیکن پھر بھی اس کو جانا جانا چاہیے۔ میں کہتا تھا کیوں جانا جانا چاہیے اور آپ اس کا کیوں بار بار ذکر کرتے ہیں' آپ ہر بار اس کا ذکر کرتے ہیں اور ساتھ یہ بھی فرما رہے ہیں کہ نہ وہ جانا جاتا ہے' نہ جانا جا سکتا ہے' کہنے لگے پرندہ کیوں گاتا ہے اور کیوں چہچہاتا ہے' اس لیے نہیں کہ پرندے کے پاس کوئی خبر ہوتی ہے' کوئی اعلان ہوتا ہے' یا پرندے نے کوئی ضمیمہ چھاپا ہوا ہوتا ہے کہ ''آ گئی آج کی تازہ خبر'' پرندہ کبھی ضمیمے کی آواز نہیں لگاتا' پرندہ اس لیے گاتا ہے کہ اس کے پاس ایک گیت ہوتا ہے اور ہم خدا کا ذکر اس لیے کرتے ہیں کہ پرندے کی طرح ہمارے پاس بھی اس کے نام کا گیت ہے۔ جب تک آپ اس میں اتنے گہرے' اتنے Deep اور اتنے عمیق نہیں جائیں گے' اس وقت تک تمہارا یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ لیکن میں اپنی تمام تر کوشش کے باوجود اور بہت زور لگانے کے باوصف ''جیکی'' کی طرح بے چین ہی رہا اور اپنے حالات کے تالاب کے اردگرد ویسے ہی بھاگتا رہا' چکر کاٹتا رہا جیسے کہ جیکی میرے پوتے کے اردگرد بھاگتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک چھوٹی مچھلی نے بڑی مچھلی سے پوچھا کہ ''آپا یہ سمندر کہاں ہوتا ہے؟'' اس نے کہا جہاں تم کھڑی ہوئی ہو یہ سمندر ہے۔ اس نے کہا' آپ نے بھی وہی جاہلوں والی بات کی یہ تو پانی ہے' میں تو سمندر کی تلاش میں ہوں اور میں سمجھتی تھی کہ آپ بڑی عمر کی ہیں' آپ نے بڑا وقت گزارا ہے' آپ مجھے سمندر کا بتائیں گی۔ وہ اس کو آوازیں دیتی رہی کہ چھوٹی مچھلی ٹھہرو' ٹھہرو' میری بات سن کے جاؤ اور سمجھو کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا اور چلی گئی۔ بڑی مچھلی نے کہا کہ کوشش کرنے کی' جدوجہد کرنے کی' بھاگنے دوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' دیکھنے کی اور Straight آنکھوں کے ساتھ دیکھنے کی ضرورت ہے۔ مسئلے کے اندر اترنے کی ضرورت ہے۔ جب تک تم مسئلے کے اندر اتر کر نہیں دیکھو گے' تم اسی طرح بے چین و بے قرار رہو گے اور تمہیں سمندر نہیں ملے گا۔

میرے ''بابا'' نے کہا یہ بڑی غور طلب بات ہے۔ جو شخص بھی گول چکروں میں گھومتا ہے اور اپنے ایک ہی خیال کے اندر ''وِس گھولتا'' ہے اور جو گول گول چکر لگاتا رہتا ہے' وہ کفر کرتا ہے' شرک کرتا ہے کیونکہ وہ اھدنا الصراط المستقیم (دکھا ہم کو سیدھا راستہ) پر عمل نہیں کرتا۔ یہ سیدھا راستہ آپ کو ہر طرح کے مسئلے سے نکالتا ہے لیکن میں کہتا ہوں سر اس ''ڈبدا'' (مسئلے) سے نکلنے کی آرزو بھی ہے اور اس بے چینی اور پیچیدگی سے نکلنے کو جی بھی نہیں چاہتا' ہم کیا کریں۔ ہم کچھ اس طرح سے اس کے اندر گھرے ہوئے ہوتے ہیں' ہم یہ آرزو کرتے ہیں اور ہماری تمنا یہ ہے کہ ہم سب حالات کو سمجھتے' جانتے' پہچانتے ہوئے کسی نہ کسی طرح سے کوئی ایسا راستہ کوئی ایسا دروازہ ڈھونڈ نکالیں' جس سے ٹھنڈی ہوا آتی ہو۔ یا ہم باہر نکلیں یا ہوا کو اندر آنے دیں' لیکن یہ ہمارے مقدر میں آتا نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہمارے

free-urdubook.blogspot.com

اور Desire کے درمیان ایک عجیب طرح کا رشتہ ہے جسے بابا بدھا یہ کہتا ہے کہ جب تک خواہش اندر سے نہیں نکلے گی (چاہے اچھی کیوں نہ ہو) اس وقت تک دل بے چین رہے گا۔ جب انسان اس خواہش کو ڈھیلا چھوڑ دے گا اور کہے گا کہ جو بھی راستہ ہے' جو بھی طے کیا گیا ہے میں اس کی طرف چلتا چلا جاؤں گا' چاہے ایسی خواہش ہی کیوں نہ ہو کہ میں ایک اچھا رائٹر یا پینٹر بن جاؤں یا میں ایک اچھا ''اچھا'' بن جاؤں۔ جب انسان خواہش کی شدت کو ڈھیلا چھوڑ کر بغیر کوئی اعلان کیے بغیر خط کشیدہ کیے یا لائن کھینچے چلتا جائے گا تو پھر آسانی ملے گی۔

ایک گاؤں کا بندہ تھا' اسے نمبردار کہہ لیں یا زیلدار اس کو خواب آیا کہ کل ایک شخص اس گاؤں کے باہر آئے گا' وہ جنگل میں ہوگا اور اس کے پاس دنیا کا سب سے قیمتی ہیرا ہوگا اور اگر کسی میں ہمت ہے اور اس سے وہ ہیرا لے سکے تو حاصل کر لے۔ چنانچہ وہ شخص جنگل میں گیا اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ ایک درخت کے نیچے واقعی ایک بدھو سا آدمی بیٹھا ہوتا ہے' اس نے جا کر اس شخص سے کہا کہ تیرے پاس ہیرا ہے' اس نے جواب دیا' نہیں میرے پاس تو کوئی ہیرا نہیں۔ اس نے کہا کہ مجھے خواب آیا ہے کہ تیرے پاس ایک ہیرا ہے۔ اس نے پھر نفی میں جواب دیا کہ نہیں اور کہا کہ میرے پاس میرا ایک تھیلا ہے ''گتھلہ'' اس کے اندر میری ٹوپی' چادر' بانسری اور کچھ کھانے کے لیے سوکھی روٹیاں ہیں' گاؤں کے شخص نے کہا' نہیں تم نے ضرور ہیرا چھپایا ہوا ہے' اس پر اس پردیسی نے کہا کہ نہیں میں کوئی چیز چھپاتا نہیں ہوں اور ہیرے کی تلاش میں آنے والے کی بے چینی کو دیکھا (جیسا مجھ میں اور جیکی میں بے چینی ہے) اور تھیلے میں ہاتھ ڈال کر کہا کہ جب میں کل اس طرف آ رہا تھا تو راستے میں مجھے یہ پتھر کا ایک خوبصورت' چمکدار ٹکڑا ملا ہے۔ یہ میں نے تھیلے میں رکھ لیا تھا۔ اس شخص نے بے قراری سے کہا' بیوقوف آدمی یہی تو ہیرا ہے تو اس نے کہا' اس کا میں نے کیا کرنا ہے تو لے جا۔ وہ اس پتھر کو لے گیا۔ وہ گاؤں کا شخص ہیرا پا کر ساری رات سو نہ سکا' کبھی اسے دیکھتا' کبھی دیوار سے ڈھو لگا کر پھر آنکھیں بند کر لیتا اور پھر اسے نکال کر دیکھنے لگتا۔ ساری رات اسی بے چینی میں گزر گئی۔

صبح ہوئی تو لوٹ کر اس شخص کے پاس گیا' وہ ویسے ہی آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اس نے دیکھ کر کہا' اب میرے پاس کیا مانگنے آیا ہے۔ اس نے کہا' میں تیرے پاس وہ اطمینان مانگنے آیا ہوں جو اتنا بڑا' قیمتی ہیرا دے کر تجھے نصیب ہے اور تو آرام سے بیٹھا ہوا ہے' تیرے اندر بے چینی کیوں پیدا نہیں ہوئی۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے تو معلوم ہی نہیں کہ بے چینی کس طرح سے پیدا ہوتی ہے اور کیسے کی جاتی ہے! اس گاؤں کے شخص نے کہا تو آ جا اور ہمارے گاؤں میں رہ کے دیکھ۔ میں تجھے اس بات کی ٹریننگ دوں گا اور بتاؤں گا کہ بے چینی کس چیز کا نام ہے۔ لیکن وہ انکار کر گیا اور کہا کہ میرا راستہ کچھ اور طرح کا ہے۔ تو یہ ہیرا رکھ اپنے پاس۔ اس نے پھر کہا کہ گو میں نے تم سے یہ ہیرا لے لیا ہے' لیکن

free-urdubook.blogspot.com

میری بے چینی کم ہونے کی بجائے بڑھ گئی ہے۔ میں اس پریشانی میں مبتلا ہو گیا ہوں کہ ایسے کس طرح اور کیسے ہو سکتا ہے جیسے تو نے کر دیا ہے۔ اب میں وہاں سے آ تو گیا ہوں اور میں اپنے گھر میں ہوں لیکن میرے اندر کا ''جیکی'' وہ اس طرح سے آدھا پانی میں بھیگا ہوا' لعاب گراتا ہوا' اس بے چینی کے ساتھ گھوم رہا ہے اور اس کو وہ سکون نصیب نہیں ہوا' جو ہو جانا چاہیے تھا اور میں اپنی تمام تر کوشش کے باوصف اس خواہش سے اس آرزو سے اس تمنا سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکا' باہر نہیں نکل سکا جو اس عمر میں جو کہ ایک بڑی عمر ہے' نکل جانا چاہیے تھا۔ میں سڑک پر باہر نکل کر دیکھتا ہوں تو پریشانی کے عالم میں بہت سارے جیکی میرے شہر کی سڑکوں پر بے چینی کے عالم میں بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ وہ بھی میرے جیسے ہی ہیں۔ ان کے اندر بھی یہ بیماری چلی جا رہی ہے اور بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ میں لوٹ کر آ گیا ہوں اور اس وقت اپنے وجود کی کھڑکی میں آرزو کے دونوں پنجے رکھ کر باہر دیکھ رہا ہوں اور ہر آنے جانے والی چیز کو دیکھ رہا ہوں اور حاصل کرنے والی چیز کے لیے بڑی شدت کے ساتھ دم ہلا رہا ہوں۔ میری کوئی مدد نہیں کرتا' کوئی آگے نہیں بڑھتا حالانکہ میری خواہش یہ ہے کہ ایسے لوگ مجھے بھی ملیں جن کے تھیلے میں وہ من موہنا ہیرا ہو جو لوگوں کو دیکھ چکنے کے بعد کچھ عطا کر دیتا ہے۔ اب جبکہ میں بڑا بے چین ہوں اور اس عمر میں یہ بے چینی زیادہ بڑھ گئی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ایک بہت بڑا حصہ ملٹی نیشنل کا بھی ہے۔ پہلے یہ چیزیں نہیں تھیں۔

ایک صبح جب میں جاگا اور میں باہر نکلا تو میرے شہر کے در و دیوار بدل گئے۔ ان کے اوپر اتنے بڑے بڑے ہورڈنگ' سائن بورڈز اور تصویریں لگ گئی ہیں جو میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھیں جو پکار پکار کر مجھے کہہ رہی تھیں کہ مجھے خریدو' مجھے لو' مجھے استعمال کرو' میں ان کو نہیں جانتا تھا۔

آپ یقین کریں آج سے ستر برس پہلے بھی میں زندہ تھا۔ میں خدا کی قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ میں آج سے پہلے زندہ تھا اور بڑی کامیابی کے ساتھ زندہ تھا اور صحت مندی کے ساتھ زندہ تھا اور اب اس بڑھاپے میں میری انکم کا ستر فیصدی حصہ ان آئٹمز پر خرچ ہو رہا ہے جو آج سے 70 برس پہلے ہوتی ہی نہیں تھیں۔ 1960ء میں یہ آئٹمز ہوتی ہی نہیں تھیں۔ یہ ایک بڑی ٹریجڈی ہے۔ آپ یقین کریں کہ 1960ء میں فوٹو اسٹیٹ مشین کا کوئی تصور نہیں تھا کہ یہ کیا ہوتی ہے۔ اب مجھے اتنا فوٹو اسٹیٹ کروانا پڑتا ہے کہ میں پیسے بچا بچا کر رکھتا ہوں۔ میرا پوتا کہتا ہے کہ دادا اس کی میں فوٹو اسٹیٹ کروالاتا ہوں۔ فلاں چیز کی بھی ہو جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب میں کسی دفتر میں جاتا ہوں اور میں وہاں جا کر عرضی دیتا ہوں کہ جناب مجھے اپنی Date of Birth چاہیے تو سب سے پہلے وہ کہتے ہیں کہ جی اس کی دو فوٹو اسٹیٹ کروالائیں۔ بھئی کیوں کروالاؤں؟ کہتے ہیں اس کا مجھے نہیں پتہ' بس فوٹو اسٹیٹ ہونا چاہیے۔ آپ یقین کریں کہ جب میں بی اے میں پڑھتا تھا' بہت دیر کی بات ہے تو وہاں ہمارا ایک سکھ

دوست ہرونت سنگھ تھا' اس نے مجھے کہا' ہتھیلی آگے بڑھا' میں نے ہتھیلی آگے بڑھائی۔ اس نے ایک گندی لیس دار چیز میری ہتھیلی پر لگادی۔ میں نے کہا: ''ظالما! یہ تو نے کیا کیا' سکھا''۔ اس نے کہا' اس پر پانی گرا اور سر پر مل اور پھر دیکھ۔ میں نے اس پر پانی گرا کر سر پر ملا تو ''پھچا پھپ'' جاگ ہو گئی' کہنے لگا اس کو شیمپو کہتے ہیں۔ ہم تو اس وقت لال صابن سے نہاتے تھے۔ اس نے کہا یہ میرے چاچے نے لندن سے بھیجی ہے۔

ہمارے ملک میں شام کے وقت جب میں اپنے ٹی وی پر Advertisement دیکھتا ہوں تو مجھے یہ پتہ چلتا ہے کہ میرے ملک کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کون سا شیمپو استعمال کیا جائے۔ ایک لڑکی کہتی ہے' خبردار جوئیں پڑ جائیں گی' وہ شیمپو نہیں لگانا۔ دوسری کہتی ہے' نہیں میں تو ''ٹیکا فوری'' لگاتی ہوں۔ وہ کہتی ہے' مت لگا' ٹیکا فوری خراب ہوتا ہے۔ ''چوچا چوچی کا'' اچھا ہے۔ میرے سارے بچے کہتے ہیں' ہمیں فلاں شیمپو چاہیے۔ میرا ایک پوتا مجھ سے کہتا ہے کہ دادا تم خدا کے فضل سے بڑے صحت مند آدمی ہو' اللہ کے واسطے یہ پانی مت پیو جو تم 78 برس سے پیتے آ رہے ہو۔ تم منرل واٹر پیو' یہ بالکل Pure Water ہوتا ہے۔ اس کے کہنے کا مطلب شاید یہ ہوتا ہے کہ اس کے پینے والا زندہ رہتا ہے۔ دوسرے سب فوت ہوئے پڑے ہیں!! اس سب کے ساتھ ساتھ مجھے رونا بھی آ رہا ہے کہ میں اپنے یوٹیلیٹی بلز پر دباؤ ڈالتا ہوں اور ان پر کڑھتا ہوں۔ میرا اس میں کوئی قصور نہیں۔ یوٹیلیٹی بل بھیجنے والوں کا بھی کوئی قصور نہیں۔ قصور میری خواہشات کا ہے' میری Desires کا دائرہ اتنی دور پھیل گیا ہے اور وہ میرے اختیار میں بالکل نہیں رہا۔ میں کتنی بھی کوشش کیوں نہ کر لوں' میں اس دائرے کے اندر نہیں آ سکتا۔ بار بار مجھے یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ بھی تمہارے استعمال کی چیز ہے۔ وہ بھی تمہارے استعمال کی چیز ہے اور جب تک تم اسے استعمال میں نہیں لاؤ گے' اس وقت تک کچھ نہیں ہو سکتا۔

1948ء میں ہم نے ایک فریج خریدا' کیونکہ میری بیوی کہتی تھی کہ فریج ضرور لینا یہ دنیا کی سب سے قیمتی اور اعلیٰ درجے کی چیز ہے۔ ہمارے خاندان میں کسی کے پاس فریج نہیں تھا۔ وہ ہمارے گھر سالم تانگے کروا کر فریج دیکھنے آتے تھے کہ سبحان اللہ کیا کمال کی چیز ہے۔ میری بیوی انہیں دکھاتی تھی کہ دیکھو ڈھکنا کھلا ہے اور اس میں ساری چیزیں پڑی ہیں اور ان پر روشنی پڑ رہی ہے۔ ساری چیخیں مارتی تھیں کہ آپا جی بتی جلتی رہے گی۔ تو وہ کہتی'' ہے ہے! جب دروازہ بند ہو گا تو بتی خود بخود بجھ جائے گی۔ اس میں یہ کمال ہے۔'' تو وہ ساری بیچاریاں دست بستہ ہو کر ڈر کے پیچھے ہو کر کھڑی ہو جاتیں۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ یہ فریج تو آ گیا ہے اس کے ساتھ اس کی ساری نگیٹو چیزیں بھی آ ئیں گی۔ اس نے کہا' نہیں یہ بڑی مفید چیز ہے۔

اگلے روز عید تھی۔ جب میں نمازِ عید پڑھ کے صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کے گھر کے آگے سے

free-urdubook.blogspot.com

گزرا تو گھروں میں صفائی کرنے والی دو بیبیاں جا رہی تھیں، میں ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ ایک نے دوسری سے پوچھا کہ اس بی بی نے تجھے کتنا گوشت دیا ہے۔ تو اس نے کہا، دفع دور! اس نے ٹھنڈی الماری خرید لی ہے، سارا بکرا کاٹ کے اندر رکھ دیا ہے، کچھ بھی نہیں دیا۔ اب آپ لوگ میرا بندوبست کر دو کہ میں کیسے اپنے آپ کو بچاؤں۔ میں جتنی دیر بھی اور زندہ رہنا چاہتا ہوں، خوش دلی اور خوش بختی کے ساتھ زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ مجھ پر ایسا دباؤ نہ ڈالو میں محسوس کرتا ہوں کہ جیکی میرے مقابلے میں اب زیادہ پُرسکون ہو گیا ہے، یہ بات شاید اب سمجھ میں آ گئی ہو جبکہ میں ارد گرد بھاگا پھرتا ہوں اور بے چین ہوں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

---

free-urdubook.blogspot.com

وقت ایک تحفہ

میں وقت کے بارے میں بہت گنجلک میں رہتا ہوں۔ میں کیا اور میری حیثیت کیا۔ میں کس باغ کی مولی ہوں۔ وقت کے بارے میں بڑے بڑے سائنسدان، بڑے فلسفی، بڑے نکتہ دان، وہ سارے ہی اس پیچیدگی کا شکار ہیں کہ وقت اصل میں ہے کیا؟ اور یہ ہماری زندگیوں پر کس طرح سے اثر انداز ہوتا ہے؟ حضرت علامہ اقبالؒ اور ان کے بہت ہی محبوب فرانسیسی فلسفی برگسان بھی وقت کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ مولانا روم اپنی چھوٹی چھوٹی کہانیوں میں وقت کا ہی ذکر کرتے ہیں۔ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ آئن سٹائن نے بھی اپنی Theory of Reality میں سارا زور وقت پر دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ''شے'' کوئی چیز نہیں ہے ''وقت'' شے کی ماہیت کو تبدیل کرتا ہے۔ اس نے ہم لوگوں کی آسانی کے لیے ایک مثال دی ہے کہ اگر آپ ایک بہت گرم توے پر غلطی سے بیٹھ جاتے ہیں اور وہ بھی ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے تک اور آپ پھر پریشانی کی حالت میں یا تکلیف میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، تو آپ کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ پوری صدی آپ کے ساتھ چمٹ گئی ہے۔

اگر آپ اپنے محبوب کے انتظار میں بیٹھے ہیں اور اس نے کہا ہوا ہے کہ میں دس بجکر پندرہ منٹ تک پہنچ جاؤں گا، یا پہنچ جاؤں گی، فلاں جگہ تو اس میں اگر ایک منٹ کی دیری ہو جاتی ہے، تو آپ کو یوں لگتا ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس گزر گیا ہے اور وہ ایک منٹ آپ کی زندگی سے جاتا ہی نہیں۔ یہ سارا وقت کا شاخسانہ ہے کہ آنے جانے، ملنے ملانے اور گرم ٹھنڈے کا کوئی معاملہ نہیں ہے۔ ساری بات وقت کی ہے، پھر جو آئن سٹائن سے اختلاف رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ Sub-automic Particle Level پر جب ہم کو دیکھتے ہیں تو کبھی وہ ہم کو Wave نظر آتا ہے، تو کبھی وہ ہمیں Particle دکھائی دیتا ہے اور اگر اس میں سے وقت کو نکال دیا جائے، تو پھر شاید اصل پتا چل سکے کہ Sub-Automic Level کے اوپر یہ چیز کیا ہے۔ بہرکیف یہ ایسی پیچیدگیاں ہیں، جن کے بارے میں بات ہوتی رہتی ہے۔ میرے جو سمجھدار نوجوان اس نسل کے ہیں، یہ بھی وقت کے بارے میں بہت لمبی اور سوچ بچار کی بات کریں گے۔

free-urdubook.blogspot.com

وقت کا ایک پیچیدہ سا خاکہ ہر شخص کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔ چاہے وہ اس پر غور کرے یا نہ کرے۔ میں جب اپنی ملازمت سے ریٹائر ہو رہا تھا' تو ریٹائرمنٹ کا بڑا خوف ہوتا ہے کہ اب کیا ہوگا؟ یعنی آدمی نے ایک نوکری کی ہوتی ہے اور اس میں پھنسا چلتا رہتا ہے' لیکن آخر میں آکر کچھ لوگ تو Re-employment کی تیاری کر لیتے ہیں۔ ایک پھانسی سے نکلوں گا' دوسری پھانسی ان شاء اللہ تیار ہوگی۔ اس میں اپنا سر دے دوں گا اور پھر آخرت کا سفر کر جاؤں گا۔

جب میں ریٹائرڈ ہونے کے قریب تھا' تو مجھ پر بھی یہ خوف طاری ہوا۔ میں نے قدرت اللہ شہاب سے' جو بڑے ہی نیک اور عبادت گزار تھے' ان سے پوچھا کہ ''سر! میں ریٹائرڈ ہونے والا ہوں' تو میں کیا کروں؟'' انہوں نے کہا کہ ریٹائرڈ ہونے کا جو خوف ہوتا ہے' اس کا سب سے بڑا دباؤ آپ کی ذات پر یہ پڑتا ہے کہ پھر لوگ آپ پر توجہ نہیں دیتے یعنی اپنا وقت آپ کو نہیں دیتے۔ آپ ان کے وقت کی آغوش سے نکل جاتے ہیں' پھر آپ کلب کی ممبر شپ اختیار کرتے ہیں۔ گالف کھیلنے لگتے ہیں' زور لگاتے ہیں کہ نئے دوست بنیں۔ اس کا آسان سا نسخہ یہ ہے کہ ہم متوسط درجے کے لوگوں کا کہ آپ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگ جائیں۔

میں نے کہا کہ اس کا کیا تعلق؟ یعنی ریٹائرڈمنٹ کا اور مسجد کا آپس میں کیا تعلق؟ میں نے کہا کہ خیر نماز پڑھ لوں گا۔ کہنے لگے' نہیں مسجد میں جا کر' جب میں ریٹائرڈ ہوا تو میں نے سوچا کہ انہوں نے کہا ہے اور یہ بات مانی جانی چاہیے کہ میں مسجد میں جا کر نماز پڑھوں۔ اب میں مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگا' لیکن عصر اور مغرب کی۔ اس طرح کوئی دو مہینے گزر گئے۔ مجھے تو اس میں کوئی عجیب بات نظر نہیں آئی۔ لیکن چونکہ انہوں نے کہا تھا اس لیے میں ان کی بات مانتا تھا۔ ایک دن میری بیوی یہ بیان کرتی ہے کہ کچھ عجیب و غریب جسم کے چار پانچ آدمی' جن کی شکلیں میں نے پہلے نہیں دیکھیں' ہاتھ میں چھڑیاں لے کر اور دوسرے ہاتھ میں تسبیحات لٹکائے ہوئے میرے گھر کے دروازے پر آئے اور انہوں نے گھنٹی بجائی اور جب میں باہر نکلی تو کہنے لگے: ''اشفاق صاحب خیریت سے ہیں!'' میں (بانو قدسیہ) نے کہا' ہاں ٹھیک ہیں۔ وہ کہنے لگے' ان سے ملاقات نہیں ہو سکتی کیا؟ میں نے کہا کہ وہ پچھلے چھ دن سے اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔ کہنے لگے ''الحمدللہ' الحمدللہ! ہماری تسلی ہوگئی' اچھا بہن السلام علیکم!'' میری بیوی پوچھنے لگی وہ کون لوگ تھے؟ میں نے کہا' وہ میرے دوست تھے' جو مسجد جانے کی وجہ سے میرے حلقہ احباب میں شامل ہوئے ہیں۔ میرے پاس تو اتنے پیسے نہیں تھے کہ میں کلب کا ممبر ہو کر نئی دوستیاں استوار کر سکوں۔ وہ مجھے وقت عطا کرتے ہیں اور اس وقت کی تلاش میں کہ میں اس میں شامل نہیں ہوں' پوچھنے آئے تھے کہ میں کہاں ہوں؟ انسان دوسرے انسان کو جو سب سے بڑا تحفہ عطا کر سکتا ہے' وہ وقت ہے۔ اس سے قیمتی تحفہ انسان انسان کو نہیں دے سکتا۔ آپ کسی کو کتنا بھی قیمتی تحفہ

free-urdubook.blogspot.com

دے دیں' اس کا تعلق گھوم پھر کر وقت کے ساتھ چلا جائے گا۔ مثلاً آپ مجھے یا میں آپ کو نہایت خوبصورت قیمتی پانچ ہزار کا "او ڈی کلون" دوں یا آپ مجھے قالین کا ایک خوبصورت ٹکڑا دیں' یا میرے آرٹسٹ بچے مجھے ایک بہت قیمتی پینٹنگ بطور تحفہ دیں' یا سونے کا کنگن ایک خاتون کو دیا جائے یا ہیرے کا ایک طوطا یا کوئی اور قیمتی چیز' تو آپ دیکھیں گے کہ یہ سارے تحفے جو بظاہر اور حقیقت میں قیمتی ہیں' ان کے پیچھے وقت ہی کار فرما ہے۔

پہلے میں نے وقت لیا' پھر میں نے کمائی کی۔ میں نے دس دیہاڑیاں لگائیں' جو مجھے ایک ہزار فی دیہاڑی ملتے تھے' پھر دس ہزار روپے کا میں نے قالین خریدا اور تحفے کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ ٹائم پہلے لینا پڑتا ہے' پھر اس کو بیچنا پڑتا ہے' پھر اس کو تحفے میں Convert کرنا پڑتا ہے' پھر وہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ انسان کے پاس تحفہ دینے اور لینے کے لیے سب سے قیمتی چیز بس وقت ہی ہے۔ اکثر یہ ہوجاتا ہے جیسے آج مجھ سے یہ ہوگا اور میں مجبور ہوں ایسا کرنے پر کہ میں اپنا وقت اس شخص کو دینے کے بجائے جو میری آس میں اور میری امید میں ہسپتال کے ایک وارڈ میں موجود ہے' میں اسے پھولوں کا ایک گلدستہ بھیجوں گا' لیکن وہ شخص اس گلدستے کی آس میں نہیں ہوگا' بلکہ وہ میرے وجود' میرے لمس اور میرے ٹچ کے لیے بے چین ہوگا کہ میں اس کے پاس آؤں اور اس کے ساتھ کچھ باتیں کروں۔ ڈاکٹر اس کی بہت نگہداشت کررہے ہیں۔ نرسیں اس پر پوری توجہ دے رہی ہیں اور اس کے گھر کے لوگ بھی ظاہر ہے اس کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کررہے ہیں' کیونکہ وہ بیمار ہے۔ لیکن ایک خاص کرسی پر اسے میرا انتظار ہے' لیکن میں اس کے پاس اپنے وقت کا تحفہ لے کر نہیں جاسکتا۔

خواتین و حضرات! وقت ایک ایسی انوسٹمنٹ ہے' ایک ایسی سرمایہ کاری ہے جو باہمی اشتراک رکھتی ہے۔ ہمارے بابے کہتے ہیں کہ جب میں آپ کو اپنا وقت دیتا ہوں تو سننے والا اور آپ سے ملاقات کرنے والا اور آپ کے قریب رہنے والا آپ کو اپنا وقت دیتا ہے اور باہمی التفات اور محبت کا یہ رشتہ اس طرح سے چلتا رہتا ہے۔ میرے بھتیجے فاروق کی بیوی کشور جب ساہیوال سے اپنے میکے اسلام آباد گئی' تو کشور نے جاتے ہوئے (اس کا خاوند فاروق انکم ٹیکس افسر ہے اور اس نے سی ایس ایس کیا ہوا ہے' کشور بھی بڑی پڑھی لکھی ذہین لڑکی ہے) ایک کاغذ پر لکھا' یہ تمہارے لیے ایک Instruction Paper ہے کہ دھوبی کو تین سو روپے دے دینا' دودھ والا ہر روز ایک کلو دودھ لاتا ہے اس کو کم کر کے پونا سیر کردینا اور بلی کے لیے جو قیمہ ہے' یہ میں نے ڈیپ فریزر میں رکھ کر اس کی "پڑیاں" بنادی ہیں اور ان کے اوپر Date بھی لکھی ہوئی ہے' روز ایک پڑیا نکال کر اس کو صبح کے وقت دینی ہے (اس کی سیامی بلی ہے' وہ قیمہ ہی کھاتی ہے)۔ اس نے اور دو تین Instructions لکھی تھیں

free-urdubook.blogspot.com

کہ مالی جب آئے تو اسے کہنا ہے کہ فلاں پودے کو کاٹ دے' فلاں کو "ڈِینگا" (ٹیڑھا) کر دے اور فلاں کی جان مار دے' جو جو بھی اس نے لکھنا تھا' ایک کاغذ پر لکھ دیا۔

اس نے اپنے خاوند سے کہا کہ ساری چیزیں ایمانداری کے ساتھ ٹِک کرتے رہنا کہ یہ کام ہو گیا ہے۔ جب وہ ایک مہینے کے بعد لوٹ کر آئی اور اس نے وہ کاغذ دیکھا' تو اس کے Dutifull خاوند نے ساری چیزوں کو ٹِک کیا ہوا تھا۔ اس نے آخر میں کاغذ پر یہ بھی لکھا تھا کہ "مجھ سے محبت کرنا نہیں بھولنا" جب اس نے ساری چیزیں ٹِک ہوئی دیکھیں اور آخری ٹِک نہیں ہوئی تو اس نے رونا' پیٹنا شروع کر دیا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے باقی کام تو نہایت ذمہ داری سے کیئے ہیں' یہ ٹِک کیوں نہیں کی؟ تب اس (فاروق) نے کہا کہ پیاری بیوی جان یہ تو میں ٹِک کر نہیں سکتا تھا' کیونکہ یہ تو Continues Process ہے۔ محبت کا عمل تو جاری رہتا ہے۔ یہ کہیں رُکتا نہیں ہے۔ محبت گوالے کا دودھ نہیں ہے' یا اخبار والے کا بل نہیں ہے' اس کو میں کیسے ٹِک کر سکتا تھا؟ یہ تو چلتی رہے گی۔ یہ کاغذ ایسا ہی رہے گا۔ تم سو بار مجھے لکھ کر دے جاؤ' ہزار بار میں ہر آئٹم کو ٹِک کروں گا' لیکن یہ معاملہ تو ایسے ہی چلتا رہے گا۔ تو یہ ایک انوسٹمنٹ ہے' وقت کی۔ پلیز! خدا کے واسطے اس بات کو یاد رکھیئے۔ بظاہر یہ بات بڑی سیدھی سی اور خشک سی نظر آتی ہے' لیکن آپ کو اپنا وقت دینا ہوگا' چاہے تھوڑا ہی' بے حد تھوڑا ہو اور چاہے زندگی بڑی مصروف ہو گئی ہو۔

واقعی زندگی مصروف ہو گئی ہے' واقعی اس کے تقاضے بڑے ہو گئے ہیں' لیکن جب انسان انسان کے ساتھ رشتے میں داخل ہوتا ہے' تو سب سے بڑا تحفہ اس کا وقت ہی ہوتا ہے۔ وقت کے بارے میں ایک بات اور یاد رکھیئے کہ جب آپ اپنا وقت کسی کو دیتے ہیں تو اس وقت ایک عجیب اعلان کرتے ہیں اور بہت اونچی آواز میں اعلان کرتے ہیں' جو پوری کائنات میں سنا جاتا ہے۔ آپ اس وقت یہ کہتے ہیں کہ "اس وقت میں اپنا وقت اس اپنے دوست کو دے رہی ہوں' یا دے رہا۔ اے پیاری دنیا! اے کائنات!! اس بات کو غور سے سنو کہ اب میں تم ساری کائنات پر توجہ نہیں دے سکتا' یا دے سکتی' کیونکہ اس وقت میری ساری توجہ یہاں مرکوز ہے۔" آپ اعلان کریں نہ کریں' کہیں یا نہ کہیں جس وقت آپ ہم آہنگ ہوتے ہیں اور ایمانداری کے ساتھ وقت کسی کو دے رہے ہوتے ہیں' تو پھر یہ اعلان بار بار آپ کے وجود سے' آپ کی زبان سے' آپ کے مسام سے آپ کی حرکت سے نکلتا چلا جائے گا۔ توجہ ہی سب سے بڑا راز ہے۔

ایک دن ہمارا ڈرائیور نہیں تھا۔ میری بہو درس میں جاتی ہے' تو میں نے اس سے کہا کہ تم پریشان کیوں ہوتی ہو؟ میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ دن کے وقت میں گاڑی چلا لیتا ہوں۔ میں نے کہا۔ اس پر اس نے کہا' ٹھیک ہے۔ ماموں آپ مجھے چھوڑ آئیں بڑی مہربانی۔ جب میں اسے اس جگہ لے

free-urdubook.blogspot.com

گیا، جس مقام پر بیٹھ کر خواتین درس دیتی ہیں، تو ظاہر ہے میں تو آگے نہیں جا سکتا تھا، میں نے اسے اتارا۔ اسی اثنا میں میں نے درس دینے والی خاتون کا ایک عجیب اعلان سنا۔ جو میں سمجھتا ہوں کہ یہ مردوں کی قسمت میں تو نہیں۔ میں نے مردوں کے بڑے بڑے جلسے دیکھے ہیں۔ ان میں، میں نے اتنی خوبصورت بات نہیں سنی۔ وہ بی بی اندر کہہ رہی تھیں کہ "اے پیاری بچیو اور بہنو! اگر تم اپنی بیٹی سے بات کر رہی ہو، یا اپنے خاوند سے مخاطب ہو، یا اپنی ماں کی بات سن رہی ہو اور ٹیلیفون کی گھنٹی بجے تو ٹیلیفون پر توجہ نہ دو، کیونکہ وہ زیادہ اہم ہے، جس کو آپ اپنا وقت دے رہی ہو۔ چاہے کتنی ہی دیر وہ گھنٹی کیوں نہ بجتی رہے، کوئی آئے گا سن لے گا۔" یہ بات میرے لیے نئی تھی اور میں نے اپنے حلقۂ احباب میں لوگوں یا دوستوں سے کبھی ایسی بات نہیں سنی تھی۔

میں اس خاتون کی وہ بات سن کر بہت خوش ہوا اور اب تک خوش ہوں اور اگر یہ بات ان بیبیوں نے سمجھی ہے تو یہ بے حد قیمتی بات ہے اور غالباً انہوں نے اس سے قیمتی بات اس روز کے درس میں اور نہیں دی ہوگی۔ اب آپ بڑے ہو گئے ہیں، آپ کو وقت کی پیچیدگی بارے سوچنا پڑے گا۔ ایک آپ کو چھپے چھپائے مسائل ملتے ہیں اور ایک وہ ہیں، جن کو آپ جیسے ذہین بچے اپنے کالج کے برآمدوں میں ستونوں کے ساتھ ٹیک لگا کر سوچتے ہیں۔ آپ ان مسائل کو سوچیں، جو آپ کی زندگیوں کے ساتھ ٹچ کرتے ہیں۔ گزرتے، مس کرتے اور جیسے پنجابی میں کہتے ہیں "کھیہ" کے جاتے ہیں، پھر آپ کی سوچ شروع ہوگی، ورنہ پٹے ہوئے سوال جو چلے آ رہے ہیں، انگریز کے وقتوں سے انہی کو آپ اگر Repeat کرتے رہیں گے، تو پھر آپ آنے والے زمانے کو وہ کچھ عطا نہیں کر سکیں گے، جو آپ کو عطا کرنا ہے۔ اس وقت کا تعلق حال سے ہے۔ جب آپ کسی کو وقت دیتے ہیں، یا کوئی آپ کو وقت دیتا ہے، اپنا لمحہ عطا کرتا ہے تو آپ حال میں ہوتے ہیں، اس کا تعلق ماضی یا مستقبل سے نہیں ہوتا۔ لیکن کبھی کبھی (یہ بات میں تفریح کے طور پر کرتا ہوں، تاکہ اپنے استاد کو بہت داد دے سکوں اور ان کا مان بڑھانے کے لیے اور ان کے سامنے عاجزی سے کھڑے ہونے کے لیے کہتا ہوں) جس زمانے میں ہمارے استاد پطرس بخاری، ہمیں گورنمنٹ کالج چھوڑ کر "یو این او" میں چلے گئے تھے اور وہ نیویارک ہی رہتے تھے، جس علاقے یا فلیٹ میں وہ تھے، وہاں پر استاد مکرم بتاتے ہیں کہ رات کے دو بجے مجھے فون آیا اور بڑے غصے کی آواز میں ایک خاتون بول رہی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ کا کتا مسلسل آدھ گھنٹے سے بھونک رہا ہے، اس نے ہماری زندگی عذاب میں ڈال دی ہے۔ میرے بچے اور میرا شوہر بے چین ہو کر چارپائی پر بیٹھ گئے ہیں اور اس کی آواز بند نہیں ہوتی۔ اس پر بخاری صاحب نے کہا کہ میں بہت شرمندہ ہوں اور آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میرا کتا اس طرح سے Beheave کر رہا ہے۔ لیکن میں کیا کروں، میں مجبور ہوں۔ اس پر اس خاتون نے غصے میں آ کر فون بند کر دیا۔ اگلے ہی روز بخاری

free-urdubook.blogspot.com

صاحب نے رات ہی کے دو بجے ٹیلیفون کر کے اس خاتون کو جگایا اور کہا کہ محترمہ! میرے پاس کوئی کتا نہیں ہے' مجھے کتوں سے شدید نفرت ہے۔ کل رات جو کتا بھونکا تھا' وہ میرا نہیں تھا۔ اب دیکھئے کہ انہوں نے کس خوبصورتی سے حال کو مستقبل سے جوڑا' یا میں یہ کہوں گا کہ ماضی کو مستقبل کے ساتھ جوڑا۔ یہ بخاری صاحب کا ہی خاصا تھا۔

میں اب آپ سے بڑی عجیب وغریب بات عرض کرنے لگا ہوں۔ مجھے اپنا وہ زمانہ یاد آ گیا' جلدی میں وہ بات بھی بتا دوں۔ جب میں اٹلی میں رہتا تھا۔ روم میں ایک فوارہ ہے' جس میں لوگ پیسے پھینکتے ہیں۔ اس طرح سے وہ منت مانگتے ہیں کہ میں پھر بھی یہاں آؤں۔ میں یونیورسٹی سے گھر آ رہا تھا۔ میں وہاں راستے میں کھڑا ہو گیا۔ وہاں بہت سارے امریکن ٹورسٹ آئے تھے۔ ایک بڈھا امریکی بھی اس میں پیسے پھینک رہا تھا۔ اس کی بیوی ہنس کر اس سے کہنے لگی کہ ''جارج! میرا نہیں خیال تھا کہ تم اس طرح کے دقیانوسی اور اتنے پرانی باتوں کو ماننے والے ہو گے۔ اور کیا تم تسلیم کرتے ہو کہ اس طرح سے باتیں پوری ہوتی ہیں؟'' اس نے کہا کہ دیکھئے یہ جو میری بات یا منت تھی' یہ تو کب کی پوری ہو چکی ہے۔ اب تو میں اس کی قسطیں ادا کر رہا ہوں۔'' یہ ساری محبت اور Attachment کی باتیں ہیں' جن کا ہمارے ہاں رواج کم ہی ہے۔

جس طرح سے میں وقت کی بات آپ کی خدمت میں عرض کر رہا تھا اور اسے تحفے کے طور پر ادا کرنے کے لیے آپ کو رائے دے رہا تھا' اسی طرح وقت ہی سب سے بڑا دشمن بھی ہے' کیونکہ جب آپ کسی کو قتل کر دیتے ہیں' تو اس سے کچھ نہیں لیتے' سوائے اس کے وقت کے۔ اس نے ابھی سوات دیکھنا تھا' ابھی ڈھاکہ جانا تھا۔ لیکن آپ نے اس سے اس کا وقت چھین لیا۔ جب آپ کسی انسان پر بہت ظلم کرتے ہیں' بڑی شدت کا تو آپ اس سے اس کا وقت چھین لیتے ہیں۔ ابھی اس نے نیویارک دیکھنا تھا' ابھی اس نے کئی پینٹنگز بنانی تھیں' ابھی اس نے گانے گانے تھے' ابھی اس نے ناچنا تھا اور وہ سب آپ نے چھین لیا۔

وقت کا بھید پکڑا نہیں جا سکتا۔ اس کی پیچیدگی کو آسانی سے سلجھایا نہیں جا سکتا' لیکن یہ بات یاد رکھیئے یہ آپ کے' میرے اور ہم سب کے اختیار میں ہے کہ ہم وقت دیتے ہیں تو ہمارا مد مقابل زندہ ہے۔ اگر اس سے وقت لے لیتے ہیں' تو روح اور قالب ہونے کے باوصف وہ مر جاتا ہے۔ میں تو کسی کو وقت نہیں دے سکا اور نہ ہی آج شام ایسا کر سکوں گا۔ اپنے دوست کو پھولوں کا گلدستہ ہی بھیج دوں گا' جو میری بدقسمتی اور کوتاہی ہے۔ آپ دوسروں کو وقت دینے کی کوشش ضرور کیجیے گا۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ نگہبان!!

---

free-urdubook.blogspot.com

''چھوٹا کام''

رزق کا بندوبست کسی نہ کسی طور پر اللہ تعالیٰ کرتا ہے، لیکن میری پسند کے رزق کا بندوبست نہیں کرتا۔ میں چاہتا ہوں کہ میری پسند کے رزق کا انتظام ہونا چاہیے۔ ہم اللہ کے لاڈلے تو ہیں، لیکن اتنے بھی نہیں جتنے ہم خود کو سمجھتے ہیں۔

ہمارے باباجی کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی آدمی آپ سے سردیوں میں رضائی مانگے تو اس کے لیے رضائی کا بندوبست ضرور کریں، کیونکہ اسے ضرورت ہوگی۔ لیکن اگر وہ یہ شرط عائد کرے کہ مجھے فلاں قسم کی رضائی دو تو پھر اس کو باہر نکال دو، کیونکہ اس طرح اس کی ضرورت مختلف طرح کی ہو جائے گی۔

وقت کا دباؤ بڑا شدید ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ برداشت کے ساتھ حالات ضرور بدل جائیں گے، بس ذرا سا اندر ہی اندر مسکرانے کی ضرورت ہے۔ یہ ایک راز ہے جو سکولوں، یونیورسٹیوں اور دیگر اداروں میں نہیں سکھایا جاتا۔ ایسی باتیں تو بس بابوں کے ڈیروں سے ملتی ہیں۔ مجھ سے اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ اشفاق صاحب کوئی بابا بتائیں۔ میں نے ایک صاحب سے کہا کہ آپ کیا کریں گے؟ کہنے لگے، ان سے کوئی کام لیں گے۔ نمبر پوچھیں گے انعامی بانڈز کا۔ میں نے کہا انعامی بانڈز کا نمبر میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔ بتاؤ کس کا چاہیے؟ کہنے لگے، چالیس ہزار کے بانڈ کا۔ میں نے کہا کہ 931416، کیونکہ تم کبھی کہیں سے اسے خرید نہیں سکو گے۔ کہاں سے اسے تلاش کرو گے؟ آپ کو انعامی بانڈ کا نمبر آپ کی مرضی کا تو نہیں ملے گا ناں!

آپ بابوں کو بھی بس ایسے ہی سمجھتے ہیں، جیسے میری بہو کو آج کل ایک خانساماں کی ضرورت ہے۔ وہ اپنی ہر ایک سہیلی سے پوچھتی ہے کہ اچھا سا خانساماں کا تمہیں پتا ہو تو مجھے بتاؤ۔'' اسی طرح سے میرے سارے چاہنے والے مجھ سے کسی اچھے سے بابے کی بابت پوچھتے ہیں کہ جیسے وہ کوئی خانساماں ہو۔ ان بابوں کے پاس کچھ اور طرح کی دولت اور سامان ہوتا ہے، جو میں نے متجسس ہو کر دیکھا، حالانکہ

free-urdubook.blogspot.com

میں تو ولایت میں تھا اور پروفیسری کرتا تھا۔ میں نے یہاں آ کر دیکھا کہ یہ بھی تو ایک علم ہے۔ یا اللہ! یہ کیسا علم ہے' اسے کس طرح سے آگے چلایا جاتا ہے کہ یہ مشکل بہت ہے۔ مثال کے طور پر ان کا (بابوں) حکم ہوتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے کام کرو' بڑے کام نہ کرو۔ چھوٹے کاموں کو مت بھولیں' ان کو ساتھ لے کر چلیں۔ چھوٹے کاموں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے' لیکن ہم ان باتوں کو مانتے ہی نہیں کہ بھئی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ چھوٹا کام بھی اہمیت کا حامل ہو۔

جب ہم بابا جی کے پاس ڈیرے پر گئے تو انہوں نے ہمیں مٹر چھیلنے پر لگا دیا۔ میں نے تھری پیس سوٹ پہن کر ٹائی لگا رکھی تھی' لیکن مٹر چھیل رہا تھا' حالانکہ میں نے ساری زندگی کبھی مٹر نہیں چھیلے تھے۔ پھر انہوں نے لہسن کو چھیلنے پر لگا دیا اور ہاتھوں سے بو آنا شروع ہوگئی۔ پھر حکم ہوا کہ میتھی کے پتے اور ''ڈنھل'' الگ الگ کرو۔ اس مشقت سے اب تو خواتین بھی گھبراتی ہیں۔ ہماری ایک بیٹی ہے زونیرا' اس کو کوئی چھوٹا سا کام کہہ دیں کہ بھئی یہ خط پہنچا دینا تو کہتی ہے' بابا! یہ معمولی سا کام ہے۔ مجھے کوئی بڑا سا کام دیں۔ اتنا بڑا کہ میں آپ کو وہ کر کے دکھاؤں (کوئی شٹل میں جانے جیسا کام شاید)۔ میں نے کہا یہ خط تو پہنچا دیتی! کہنے لگی' یہ تو بابا بس پڑا ہی رہ گیا میرے پاس۔ چھوٹے چھوٹے کاموں سے بابوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سے ہماری زندگی میں ڈسپلن آئے۔

ہمارے دین میں سب سے اہم چیز ڈسپلن ہے۔ میں تین چار برس پہلے کینیڈا گیا تھا' وہاں ایک یوری انڈر یو نامی ریڈیو اناؤنسر ہے۔ اب وہ مسلمان ہوگیا ہے۔ اس کی آواز بڑی خوبصورت آواز ہے۔ میں اس وجہ سے کہ وہ اچھا اناؤنسر ہے اور اب مسلمان ہوگیا ہے' اس سے ملنے گیا۔ وہ اپنے مسلمان ہونے کی وجوہات کے بارے میں بتاتا رہا۔ اس نے مسلمان ہونے کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے کہا کہ وہ سورہ رُوم پڑھ کر مسلمان ہوا ہے۔ میں پھر کبھی آپ کو بتاؤں گا کہ اس کو سورہ روم میں کیا نظر آیا۔ میں نے کہا کہ اب ہمارے حالات تو بڑے کمزور ہیں۔ اس نے کہا نہیں۔ اسلام کا نام تو جلی حروف میں سامنے دیوار پر بڑا بڑا کر کے لکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا' نہیں! ہم تو ذلیل وخوار ہو رہے ہیں۔ خاص طور پر جس طرح سے ہم کو گھیرا جا رہا ہے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے گھیرا جا رہا ہے' لیکن اس صورتحال میں سے نکلنے کا بھی ایک انداز ہے۔ ہم نکلیں گے۔ میں نے کہا کہ ہم کیسے نکلیں گے؟ اس نے کہا کہ جب کوئی پانچ چھ سات سو امریکی مسلمان ہو جائیں گے اور اسی طرح سے چھ سات سو کینیڈین مسلمان ہو جائیں اور ساڑھے آٹھ نو سو سکینڈے نیوین مسلمان ہو جائیں گے تو پھر ہمارا قافلہ چل پڑے گا' کیونکہ We are Disciplined۔ اسلام ڈسپلن سکھاتا ہے' نعرہ بازی کو نہیں مانتا۔ میں بڑا مایوس' شرمندہ اور تھک سا گیا۔ اس کی یہ بات سن کر اور سوچا کہ دیکھو! ہر حال میں ان کی ''چڑھ'' مچ جاتی ہے۔ یہ جو گورے ہیں یہ یہاں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔

free-urdubook.blogspot.com

اسلام، جو ہم کو بہت پیارا ہے۔ ہم نعرے مار مار کر، گانے گا گا کر یہاں تک پہنچے ہیں اور یہ ہمیں مل نہیں رہا۔ میں نے اس سے کہا کہ اس میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہوگا؟ تو اس نے کہا کہ نہیں! آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ آپ کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ یار! ہمارا بھی جی چاہے گا کہ ہمارا بھی اس میں کوئی حصہ ضرور ہو۔ کہنے لگا' ایسا کریں گے کہ جب ہمارا قافلہ چلے گا تو تم بھی بستر ے اٹھا کر پیچھے پیچھے چلتے آنا اور کہنا Sir we are also Muslims۔ لیکن آپ میں وہ ڈسپلن والی بات ہے نہیں۔ اور دنیا جب بھی آگے بڑھی ہے تو وہ نظم سے اور ڈسپلن سے ہی آگے بڑھی ہے۔ جب اس نے یہ بتایا کہ دیکھئے ہمارے دین میں اوقات مقرر ہیں۔ وقت سے پہلے اور بعد نماز نہیں ہوسکتی۔ اس کی رکعات مقرر ہیں۔ آپ مغرب کی تین ہی پڑھیں گے۔ آپ چاہیں کہ میں مغرب کی چار رکعتیں پڑھ لوں کہ اس میں اللہ کا بھی فائدہ، میرا بھی فائدہ، لیکن اس سے بات نہیں بنے گی۔ آپ کو فریم ورک کے اندر ہی رہنا پڑے گا۔ پھر آپ حج کرتے ہیں۔ اس میں کچھ عبادت نہیں کرنی، طے شدہ بات ہے کہ آج آپ عرفات میں ہیں، کل مزدلفہ میں ہیں۔ پرسوں منیٰ میں ہیں اور بس حج ختم اور کچھ نہیں کرنا، جگہ بدلنی ہے کہ فلاں وقت سے پہلے وہاں پہنچ جانا ہے اور جو یہ کر گیا' اس کا حج ہو گیا' کچھ لمبا چوڑا کام نہیں۔

دین میں ہر معاملے میں ڈسپلن سکھایا گیا ہے۔ ہمارے بابے کہتے ہیں کہ ڈسپلن چھوٹے کاموں سے شروع ہوتا ہے۔ جب آپ معمولی کام کو اہمیت نہیں دیتے اور ایک لمبا سا منصوبہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں' اپنا ذاتی اور انفرادی تو پھر آپ سے اگلا کام چلتا نہیں۔ کافی عرصہ پہلے میں چین گیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب چین نیا نیا آزاد ہوا تھا۔ ہم سے وہ ایک سال بعد آزاد ہوا۔ ان سے ہماری محبتیں بڑھ رہی تھیں اور ہم ان سے ملنے چلے گئے۔ افریقہ اور پاکستان کے کچھ رائٹر چینی حکام سے ملے۔

ایک گاؤں میں بہت دُور پہاڑوں کی اوٹ میں کچھ عورتیں بھٹی میں دانے بھون رہی تھیں۔ دھواں نکل رہا تھا۔ میرے ساتھ شوکت صدیقی تھے۔ کہنے لگے' یہ عورتیں ہماری طرح سے ہی دانے بھون رہی ہیں۔ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو دو عورتیں دھڑ' ادھڑ' پھوس' لکڑی جو کچھ ملتا تھا' بھٹی میں جھونک رہی تھیں اور اپنے رومال باندھے کڑاہے میں کوئی لیکوڈ (مائع) سا تیار کر رہی تھیں۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ یہ کیا کر رہی ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم سٹیل بنا رہی ہیں۔ میں نے کہا کہ سٹیل کی تو بہت بڑی فیکٹری ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم غریب لوگ ہیں اور چین ابھی آزاد ہوا ہے۔ ہمارے پاس کوئی سٹیل مل نہیں ہے۔ ہم نے اپنے طریقے کا سٹیل بنانے کا ایک طریقہ اختیار کیا ہے کہ کس طرح سے سندور ڈال کر لوہے کو گرم کرنا ہے۔ یہ عورتیں صبح اپنے کام پر لگ جاتیں اور شام تک محنت اور جان ماری کے ساتھ سٹیل کا ایک ''ڈلا'' یعنی پانچ چھ سات آٹھ سیر سٹیل تیار کر لیتیں۔ ٹرک والا آتا اور ان

free-urdubook.blogspot.com

سے آ کر لے جاتا۔

انہوں نے بتایا کہ ہمیں جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے ہم اس سٹیل کے بدلے لے لیتے ہیں۔ میں اب بھی کبھی جب اس بات کو سوچتا ہوں کہ سبحان اللہ' ان کی کیا ہمت تھی۔ ان کو کس نے ایسے بتادیا کہ یہ کام ہم کریں گی تو ملک کی کمی پوری ہو گی۔ چھوٹا کام بہت بڑا کام ہوتا ہے۔ اس کو چھوڑا نہیں جاسکتا' جو کوئی اسے انفرادی یا اجتماعی طور پر چھوڑ دیتا ہے' مشکل میں پڑ جاتا ہے۔

اٹلی میں ایک مسٹر کلاؤ ایک بڑا سخت قسم کا یہودی تھا۔ اس کی کوئی تیرہ چودہ منزلہ عمارت تھی۔ صبح جب میں یونیورسٹی جاتا تو وہ وائپر لے کر رات کی بارش کا پانی نکال رہا ہوتا اور فرش پر ''ٹاکی'' لگا رہا ہوتا تھا یا سڑک کے کنارے جو پٹڑی ہوتی ہے' اسے صاف کر رہا ہوتا۔ میں اس سے پوچھتا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں' اتنے بڑے آدمی ہو کر۔ اس نے کہا یہ میرا کام ہے' کام بڑا یا چھوٹا نہیں ہوتا' جب میں نے یہ ڈیوٹی لے لی ہے اور میں اس ڈسپلن میں داخل ہو گیا ہوں تو میں یہ کام کروں گا۔ میں نے کہا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس نے کہا کہ یہ انبیاء کی صفت ہے' جو انبیاء کے دائرے میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ وہ چھوٹے کام ضرور کرے۔ ہم کو یہ نوکری ملی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریاں چرائی تھیں اور ہم یہودیوں میں یہ بکریاں چرانا اور اس سے متعلقہ نچلے لیول کا کام موجود ہے تو ہم خود کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیروکار سمجھیں گے۔ اس نے کہا کہ آپ کے نبیؐ اپنا جوتا خود گانٹھتے تھے۔ قمیض کو پیوند یا ٹانکا خود لگاتے تھے۔ کپڑے دھو لیتے تھے۔ راستے سے ''جھاڑ جھنکار'' صاف کر دیتے تھے' تم کرتے ہو؟ میں کہنے لگا مجھے تو ٹانکا لگانا نہیں آتا' مجھے سکھایا نہیں گیا۔ وہ آدمی بات بڑی تول کے کرتا تھا۔ مجھے کہتا تھا دیکھو اشفاق تم استاد تو بن گئے ہو' لیکن بہت سی چیزیں تمہیں نہیں آتیں۔ جب بھی کرو چھوٹا کام شروع کرو۔ اب تم لیکچرار ہو کل پروفیسر بن جاؤ گے۔ تم جب بھی کلاس میں جانا یا جب بھی لوگوں کو خطاب کرنے لگنا اور کبھی بہت بڑا مجمع تمہارے سامنے ہو تو کبھی اپنے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کو مخاطب نہ کرنا۔ ہمیشہ اپنی آواز کو دور پیچھے کی طرف پھینکنا۔ وہ لوگ جو بڑے شرمیلے ہوتے تھے' شرمندہ سے جھکے جھکے سے ہوتے ہیں' وہ ہمیشہ پچھلی قطاروں میں بیٹھتے ہیں۔ آپ کا وصف یہ ہونا چاہیے کہ آپ اپنی بات ان کے لیے کہیں۔ جب بات چھوٹوں تک پہنچے گی تو بڑوں تک خود بخود پہنچ جائے گی۔

میں اس کی باتوں کو کبھی بھلا نہیں سکتا۔ جب میں اپنے بابا جی کے پاس آیا تو میں نے کلاؤ کی یہ بات نہیں بتائی' انہوں نے کہا کہ دیکھ کچھ ہماری ڈیوٹیاں ہوتی ہیں' مثلاً یہ کہ مجھے یہ سکھایا گیا کہ سوئی میں دھاگہ ڈالنا سیکھو۔ سبزیاں چھیلنے کی تو میری پریکٹس ہو چکی تھی۔ اب بابا جی نے فرمایا کہ سوئی میں دھاگہ ڈالنا سیکھو۔ اب یہ بڑا مشکل کام ہے۔ میں کبھی ایک آنکھ بند کرتا اور کبھی دوسری آنکھ کانی کرتا' لیکن اس میں دھاگہ نہیں ڈالتا تھا۔

free-urdubook.blogspot.com

خیر! میں نے ان سے کہا کہ اچھا جی دھاگہ ڈال لیا' اس کا فائدہ؟ کہنے لگے اس کا یہ فائدہ ہے کہ اب تم کسی کا پھٹا ہوا کپڑا' کسی کی پھٹی ہوئی پگڑی سی سکتے ہو۔ جب تک تمہیں لباس سینے کا فن نہیں آئے گا' تم انسانوں کو کیسے سیو گے۔ تم تو ایسے ہی رہو گے' جیسے لوگ تقریریں کرتے ہیں۔ بندہ تو بندے کے ساتھ جڑے گا ہی نہیں۔ یہ سوئی دھاگے کا فن آنا چاہیے۔ ہماری مائیں بہنیں بیبیاں جو لوگوں کو جوڑ کے رکھتی تھیں' وہ یہ چھوٹے چھوٹے کاموں سے کرتی تھیں۔

آپ ایک لمحے کے لیے یہ بات سوچیں کہ اس ملک کی آبادی 14 کروڑ ہے اور ان 14 کروڑ بندوں کو کس طرح سے کھانا مل رہا ہے۔ کیا کوئی فیکٹری انہیں کھانا فراہم کرتی ہے یا کوئی ٹرک آتا ہے؟ آپ اپنے گھر تشریف لے جائیں گے اور ٹھنڈا ''بسا'' بینگن گرم کر کے یا اماں سے کہیں کہ دال ڈال دیں' مکس کر دیں گھی ڈال دیں' اس طرح ہمیں کھانا مل رہا ہے اور ان چھوٹے کاموں سے کتنی بڑی آبادی پل رہی ہے۔ آپ اس بارے ضرور سوچے گا کہ اگر کام فیکٹریوں اور بڑی بڑی چیزوں سے ہی ہوتے تو پھر تو سب بھوکے رہ جاتے۔ یہ تو خواتین کا ہی خاصا ہے کہ وہ سب کو کھانا بنا کر دیتی ہیں۔

آپ ان چند بڑے بڑے اشتہاروں کی طرف نہ دیکھیں' جن میں لڑکیاں برگر کھا رہی ہوتی ہیں۔ ان کے ہونٹ آدھے لپ اسٹک سے لال ہوتے ہیں' آدھی کیچپ سے لال۔ بڑا خوبصورت اشتہار ہوتا ہے' جیسے شیرنی ہرن کا ''پٹھا'' کھا رہی ہو۔ گھر کے لوگوں کو بسم اللہ پڑھ کر کھانا دینے کا سارا درجہ خواتین کو ہی حاصل ہے۔ جب گھروں میں یہ خواتین کھانا پکانے کے لیے نہ ہوں تو مرد تو بھوکے رہ جائیں۔ ان مردوں کو تو نہ کھانا پکانا آتا ہے نہ گھر چلانا۔

یہ ضرور یاد رکھئے کہ انبیاء کی غلامی میں یا ان کی نوکری میں شامل ہونے کے لیے چھوٹے کام کو ضرور اختیار کریں۔ اگر آپ ان کی نوکری چاہتے ہیں تو! کیونکہ انہوں نے یہ کام کئے ہیں۔ میرا منجھلا بیٹا جب ایف اے میں تھا' تو کہنے لگا مجھے دو بکریاں لے دیں' پیغمبروں نے بکریاں چرائی ہیں' میں بھی چراؤں گا۔ ہم نے اس کو دو بکریاں لے دیں' لیکن وہ پانچویں چھٹے دن روتا ہوا آ گیا اور کہنے لگا یہ تو بڑا مشکل کام ہے۔ میں ایک کو کھیت سے نکالتا ہوں تو دوسری بھاگ کر ادھر چلی جاتی ہے۔ پھر اس نے دونوں کے گلے میں رسی ڈال دی۔

میں نے بابا جی سے پوچھا کہ انبیاء کو بکریاں چرانے کا کیوں حکم دیا جاتا تھا' تو بابا جی نے فرمایا کہ چونکہ آگے چل کر زندگی میں ان کو نہ ماننے والے لوگوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ان کا کفار سے واسطہ پڑتا تھا' اس لئے ان کو بکریوں کے ذریعے سے سکھایا جاتا تھا' کیونکہ دنیا میں جانوروں میں نہ ماننے والا جانور بکری ہی ہے۔ اپنی مرضی کرتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اب ہمارا کرکٹ کا موسم ہے' جو کہ ہمیشہ ہی رہتا ہے' اس پر آپ بھی غور کریں۔ میں تو اتنا اچھا Watcher نہیں ہوں' لیکن میں محسوس کرتا

ہوں کہ ہر بیٹسمین اپنے مضبوط ہاتھوں اور مضبوط کندھوں اور پر استقلال جمائے ہوئے قدموں' اپنے سارے وجود اور اپنے سارے Self کی طاقت کے ساتھ ہٹ نہیں لگاتا' بلکہ اس کے سر کی ایک چھوٹی سی جنبش ہوتی ہے' جو نظر بھی نہیں آتی۔ اس جنبش کے نہ آنے تک نہ چوکا لگتا ہے نہ چھکا۔ لگتا ہے جب وہ بیلنس میں آتی ہے' تب شارٹ لگتی ہے۔ سرکس کی خاتون جب تار پر چلتی ہے وہ بیلنس سے یہ سب کچھ کرتی ہے۔ میں ابھی جس راستے سے آیا ہوں' مجھے آدھ گھنٹہ کھڑا رہنا پڑا' کیونکہ ہماری بتی تو سبز تھی' لیکن دوسری طرف سے آنے والے ہمیں گزرنے نہیں دیتے تھے اور راستہ نہ دے کر کہہ رہے تھے کہ کرلو جو کرنا ہے' ہم تو اس ڈسپلن کو نہیں مانتے۔

یہ سوچ خطرناک ہے' بظاہر کچھ باتیں چھوٹی ہوتی ہیں' لیکن وہ نہایت اہم اور بڑی ہوتی ہیں۔ میں نے تھوڑے دن ہوئے ایک ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا (جیسا کہ میری عادت ہے ہر ایک سے پوچھتا رہتا ہوں' کیونکہ ہر ایک کا اپنا اپنا علم ہوتا ہے) کہ آپ کو سب سے زیادہ کرایہ کہاں سے ملتا ہے۔ اس نے کہا سر مجھے یہ تو یاد نہیں کہ کسی نے خوش ہو کر زیادہ کرایہ دیا ہو' البتہ یہ مجھے یاد ہے کہ میری زندگی میں کم سے کم کرایہ مجھے کب ملا اور کتنا ملا۔ میں نے کہا کتنا' کہنے لگا آٹھ آنے۔ میں نے کہا وہ کیسے؟ کہنے لگا جی بارش ہو رہی تھی یا ہو چکی تھی' میں لاہور میں نسبت روڈ پر کھڑا تھا' بارش سے جگہ جگہ پانی کے چھوٹے چھوٹے جوہڑ سے بنے ہوئے تھے تو ایک بڑی پیاری سی خاتون وہ اس پٹڑی سے دوسری پٹڑی پر جانا چاہتی تھی' لیکن پانی کے باعث جا نہیں سکتی تھی۔ میری گاڑی درمیان میں کھڑی تھی' اس خاتون نے گاڑی کا ایک دروازہ کھولا اور دوسرے سے نکل کر اپنی مطلوبہ پٹڑی پر چلی گئیں اور مجھے اٹھنی دے دی۔

ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں' مسکرانا سیکھنا چاہیے اور اپنی زندگی کو اتنا ''چیڑا'' (سخت) نہ بنالیں کہ ہر وقت دانت ہی بھینچتے رہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ڈسپلن کے راز کو پالیں گے اور خود کو ڈھیلا چھوڑیں گے اور Relex رکھیں گے۔ اللہ آپ سب کو اور آپ کے عزیز و اقارب کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!!

خوشی کا راز

ماں خدا کی نعمت ہے اور اس کے پیار کا انداز سب سے الگ اور نرالا ہوتا ہے۔ بچپن میں ایک بار بادوباراں کا سخت طوفان تھا اور جب اس میں بجلی شدت کے ساتھ کڑکی تو میں خوفزدہ ہو گیا۔ ڈر کے مارے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ میری ماں نے میرے اوپر کمبل ڈالا اور مجھے گود میں بٹھا لیا' تو محسوس ہوا گویا میں امان میں آ گیا ہوں۔

میں نے کہا' اماں! اتنی بارش کیوں ہو رہی ہے؟ اس نے کہا' بیٹا! پودے پیاسے ہیں۔ اللہ نے انہیں پانی پلانا ہے اور اسی بندوبست کے تحت بارش ہو رہی ہے۔ میں نے کہا' ٹھیک ہے! پانی تو پلانا ہے' لیکن یہ بجلی کیوں بار بار چمکتی ہے؟ یہ اتنا کیوں کڑکتی ہے؟ وہ کہنے لگیں' روشنی کر کے پودوں کو پانی پلایا جائے گا۔ اندھیرے میں تو کسی کے منہ میں' تو کسی کی ناک میں پانی چلا جائے گا۔ اس لیے بجلی کی کڑک چمک ضروری ہے۔

میں ماں کے سینے کے ساتھ لگ کر سو گیا۔ پھر مجھے پتا نہیں چلا کہ بجلی کس قدر چمکتی رہی' یا نہیں۔ یہ ایک بالکل چھوٹا سا واقعہ ہے اور اس کے اندر پوری دنیا پوشیدہ ہے۔ یہ ماں کا فعل تھا جو ایک چھوٹے سے بچے کے لیے' جو خوفزدہ ہو گیا ہے۔ اسے خوف سے بچانے کے لیے' پودوں کو پانی پلانے کی مثال دیتی ہے۔ یہ اس کی ایک اپروچ تھی۔ گو وہ کوئی پڑھی لکھی عورت نہیں تھیں۔ دولت مند' بہت عالم فاضل کچھ بھی ایسا نہیں تھا' لیکن وہ ایک ماں تھی۔ میں جب نو سال کا ہوا تو میرے دل میں ایک عجیب خیال پیدا ہوا کہ سرکس میں بھرتی ہو جاؤں اور کھیل پیش کروں' کیونکہ ہمارے قصبے میں ایک بہت بڑا میلا لگتا تھا۔ تیرہ' چودہ' پندرہ جنوری کو اور اس میں بڑے بڑے سرکس والے آتے تھے۔ مجھے وہ سرکس دیکھنے کا موقع ملا' جس سے میں بہت متاثر ہوا۔ جب میں نے اپنے گھر میں اپنی یہ خواہش بیان کی کہ میں سرکس میں اپنے کمالات دکھاؤں گا' تو میری نانی ''ہھا'' کر کے ہنسی اور کہنے لگیں' ذرا شکل تو دیکھو! یہ سرکس میں کام کرے گا۔ میری ماں نے بھی کہا' دفع کر تو بڑا ہو کر ڈپٹی کمشنر بنے گا۔ تو نے سرکس

free-urdubook.blogspot.com

میں بھرتی ہو کر کیا کرنا ہے۔ اس پر میرا دل بڑا بجھ سا گیا۔ وہی ماں جس نے مجھے اتنی محبت سے اس بادو باراں کے طوفان میں امان اور آسائش عطا کی تھی۔ وہ میری خواہش کی مخالفت کر رہی تھی۔

میرے والد سن رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں' کیوں نہیں؟ اگر اس کی صلاحیت ہے تو اسے بالکل سرکس میں ہونا چاہیے۔ تب میں بہت خوش ہوا۔ اب ایک میری ماں کی مہربانی تھی۔ ایک والد کی اپنی طرف کی مہربانی۔ انہوں نے صرف مجھے اجازت ہی نہیں دی' بلکہ ایک ڈرم جو ہوتا ہے تارکول کا' اس کو لال' نیلا اور پیلا پینٹ کر کے بھی لے آئے اور کہنے لگے' اس پر چڑھ کر آپ ڈرم کو آگے پیچھے رول کیا کریں۔ اس پر آپ کھیل کریں گے تو سرکس کے جانباز کھلاڑی بن سکیں گے۔ میں نے کہا منظور ہے۔

چنانچہ میں اس ڈرم پر پریکٹس کرتا رہا۔ میں نے اس پر اس قدر اور اچھی پریکٹس کی کہ میں اس ڈرم کو اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق کہیں بھی لے جا سکتا تھا۔ گول چکر کاٹ سکتا تھا۔ بغیر پیچھے دیکھے ہوئے' آگے پیچھے آ جا سکتا تھا۔ پھر میں نے اُس ڈرم کے اوپر چڑھ کر ہاتھ میں تین گیندیں ہوا میں اچھالنے کی پریکٹس کی۔ وہاں میرا ایک دوست تھا۔ ترکھانوں کا لڑکا محمد رمضان۔ اس کو بھی میں نے پریکٹس میں شامل کر لیا۔ وہ اچھے چھریرے بدن کا تھا۔ وہ مجھ سے بھی بہتر کام کرنے لگا۔ بجائے گیندوں کے وہ تین چھریاں لے کر ہوا میں اچھال سکتا تھا۔ ہم دونوں ڈرم پر چڑھ کر اپنا یہ سرکس لگاتے۔ ایک ہماری بکری تھی' اس کو بھی میں نے ٹرینڈ کیا۔ وہ بکری بھی ڈرم پر آسانی سے چڑھ جاتی۔

ہمارا ایک ''دبشی'' نامی کتا تھا' وہ لمبے بالوں والا روسی نسل کا تھا۔ اس کو ہم نے کافی سکھایا' لیکن وہ نہ سیکھ سکا۔ وہ یہ کام ٹھیک سے نہیں کر سکتا تھا۔ حالانکہ کتا کافی ذہین ہوتا ہے۔ وہ بھونکتا ہوا ہمارے ڈرم کے ساتھ بھاگتا تھا' مگر اوپر چڑھنے سے ڈرتا تھا۔ ہم نے اعلان کر دیا کہ یہ کتا ہماری سرکس ہی کا ایک حصہ ہے' لیکن یہ جوکر کتا ہے اور یہ کوئی کھیل نہیں کر سکتا' صرف جوکر کا کردار ادا کر سکتا ہے۔

خیر! ہم یہ کھیل دکھاتے رہے۔ ہم اپنا شو کرتے تو میرے ابا جی ہمیشہ ایک روپیہ والا ٹکٹ لے کر کرسی ڈال کر ہماری سرکس دیکھنے بیٹھ جاتے تھے۔ ہمارا ایک ہی تماشائی ہوتا تھا اور کوئی بھی دیکھنے نہیں آتا تھا۔ صرف ابا جی ہی آتے تھے۔ ہم انہیں کہتے کہ آج جمعرات ہے۔ آپ سرکس دیکھنے آئیے گا۔ وہ کہتے' میں آؤں گا۔ وہ ہم سے ایک روپے کا ٹکٹ بھی لیتے تھے' جو ان کی شفقت کا ایک انداز تھا۔

زندگی میں کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے اور آپ اس بات کو مائنڈ نہ کیجیے گا۔ اگر آپ کو روحانیت کی طرف جانے کا بہت شوق ہے تو اس بات کو برا نہ سمجھئے گا کہ بعض اوقات ماں باپ کے اثرات اس طرح سے اولاد میں منتقل نہیں ہوتے' جس طرح سے انسان آرزو کرتا ہے۔ اس پر کسی کا

free-urdubook.blogspot.com

زور بھی نہیں ہوتا۔ ٹھیک چوالیس برس بعد جب میرا پوتا جو بڑا اچھا' بڑا ذہین لڑکا اور خیر وشر کو اچھی طرح سے سمجھتا ہے' وہ جاگنگ کر کے گھر میں واپس آتا ہے' تو اس کے جوگر' جو کیچڑ میں لتھڑے ہوتے ہیں' وہ ان کے ساتھ اندر گھس آتا ہے اور وہ ویسے ہی خراب جوگروں کے ساتھ چائے بھی پیتا ہے اور سارا قالین کیچڑ سے بھر دیتا ہے۔ میں اب آپ کے سامنے اس بات کا اعتراف کرنے لگا ہوں کہ میں اسے برداشت نہیں کرتا تھا کہ وہ خراب' کیچڑ سے بھرے جوگروں کے ساتھ قالین پر چڑھے۔ میرا باپ جس نے مجھے ڈرم لا کر دیا تھا' میں اسی کا بیٹا ہوں اور اب میں پوتے کی اس حرکت کو برداشت نہیں کرتا۔ دیکھئے یہاں کیا تضاد پیدا ہوا ہے۔ میں نے اپنے پوتے کو بہت شدت کے ساتھ ڈانٹا اور جھڑکا کہ تم پڑھے لکھے لڑکے ہو' تمہیں شرم آنی چاہیے کہ یہ قالین ہے' برآمدہ ہے اور تم اسے کیچڑ سے بھر دیتے ہو۔

اس نے کہا' دادا آئی ایم ویری سوری!! میں جلدی میں ہوتا ہوں' جوگر اتارنے مشکل ہوتے ہیں۔ امی مجھے بلا رہی ہوتی ہیں کہ have a cup of tea' تو میں جلدی میں ایسے ہی اندر آ جاتا ہوں۔ میں نے کہا کہ تمہیں اس کا احساس ہونا چاہیے۔ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو' چنانچہ میں اس پر کمنٹس کرتا رہا۔ ٹھیک ہے مجھے ایک لحاظ سے حق تو تھا' لیکن جب یہ واقعہ گزر گیا تو میں نے ایک چھوٹے سے عام سے رسالے میں اقوال زریں وغیرہ میں ایک قول پڑھا کہ ''جو شخص ہمیشہ نکتہ چینی کے موڈ میں رہتا ہے اور دوسروں کے نقص نکالتا ہے' وہ اپنے آپ میں تبدیلی کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔'' انسان کو خود یہ سوچنا چاہیے کہ جی مجھ میں فلاں تبدیلی آنی چاہیے۔ جی میں سگریٹ پیتا ہوں' اسے چھوڑنا چاہتا ہوں' یا میں صبح نہیں اُٹھ سکتا۔ میں اپنے آپ کو اس حوالے سے تبدیل کر لوں۔ ایک نکتہ چین میں کبھی تبدیلی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی' کیونکہ اس کی ذات کی جو بیٹری ہے' وہ کمزور ہونے لگتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب سیل کمزور ہو جائیں' تو ایک بیٹری کا بلب ذرا سا جلتا ہے' پھر بجھ جاتا ہے۔ اسی طرح کی کیفیت ایک نکتہ چیں کی ہوتی ہے۔

میں نے وہ قول پڑھنے کے بعد محسوس کیا کہ میری نکتہ چینی اس لڑکے پر ویسی نہیں ہے' جیسا کہ میرے باپ کی ہو سکتی تھی۔ میرے باپ نے سرکس سیکھنے کی بات پر مجھے نہیں کہا کہ عقل کی بات کر' تو کیا کہہ رہا ہے؟ اس نے مجھے یہ کہنے کے بجائے ڈرم لا کر دیا اور میری ماں نے مجھے بادوباراں کے طوفان میں نہیں کہا کہ چپ کر' ڈرنے کی بات کیا ہے؟ اور میں اس میں کمنٹری کر کے نقص نکال رہا ہوں۔ ابھی میں اس کا کوئی ازالہ نہیں کر سکا تھا کہ اگلے دن میں نے دیکھا کہ میرے پوتے کی ماں (میری بہو) بازار سے تار سے بنا ہوا میٹ لے آئی اور اس کے ساتھ ناریل کے بالوں والا ڈور میٹ بھی لائی' تاکہ اس کے ساتھ پیر گھس کے جائے اور اندر کیچڑ نہ جانے پائے۔ سو' یہ فرق تھا مجھ میں اور اس ماں میں۔ میں نکتہ چینی کرتا رہا اور اس نے حل تلاش کر لیا۔

free-urdubook.blogspot.com

جب آپ زندگی میں داخل ہوتے ہیں اور باطن کے سفر کی آرزو کرتے ہیں' تو جب تک آپ چھوٹی چھوٹی چیزوں کا خیال نہ کریں گے اور بڑے میدان تک پہنچنے کے لیے پگڈنڈی نہ تیار کریں گے' وہاں نہیں جا سکیں گے۔ آپ ہمیشہ کسی "بابے" کی بابت پوچھتے رہتے ہیں۔ ہمارے بابا جی سے فیصل آباد سے آنے والے صاحب نے بھی یہی پوچھا اور کہنے لگے کہ سائیں صاحب! آپ کو تو ماشاء اللہ خداوند تعالیٰ نے بڑا درجہ دیا ہے۔ آپ ہم کو کسی "قطب" کے بارے میں بتلا دیں۔ بابا جی نے ان کی یہ بات نظر انداز کر دی۔ وہ صاحب پھر کسی وقت کے قطب بارے دریافت کرنے لگے۔ جب انہوں نے تیسری بار یہی پوچھا تو بابا جی نے اس سے کہا کہ کیا تم نے اس کو قتل کرنا ہے؟

آدمی کا شاید اس سے یہی مطلب یا مقصد ہوتا ہے کہ کوئی بابا ملے اور میں اس کی غلطیاں نکالوں۔ اگر روح کی دنیا کو ٹٹولنے کا کوئی ایسا ارادہ ہو یا اس دنیا میں کوئی اونچی پکار کرنے کی خواہش ہو کہ "میں آ گیا" تو اس کے لیے ایک راستہ متعین ہونا چاہیے' تیاری ہونی چاہیے۔ تبھی انسان وہاں تک جا سکتا ہے۔ ہم ڈائریکٹ کبھی وہاں نہیں جا سکتے۔ آپ کو اس دنیا کے اندر کوئی پیراشوٹ لے کر نہیں جائے گا۔ جب یہ چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں رونما ہوں گی' تو جا کر کہیں بات بنے گی۔

میرے بھائی نے ایک بار مجھ سے کہا کہ اگر آپ نے کچھ لکھنے لکھانے کا کام کرنا ہے تو میرے پاس آ کر مہینے دو گزار لیں (ان کا رینالہ خورد میں ایک مرغی خانہ ہے)۔ میں وہاں گیا' بچے بھی ساتھ تھے۔ وہاں جا کر تو میری جان بڑی اذیت میں پھنس گئی۔ وہ اچھی سرسبز جگہ تھی۔ نہر کا کنارہ تھا' لیکن وہ جگہ میرے لیے زیادہ Comfortable ثابت نہیں ہو رہی تھی۔ آسائشیں میسر نہیں تھیں۔ ایک تو وہاں مکھیاں بہت تھیں' دوسرے مرغی خانے کے قریب ہی اصطبل تھا' وہاں سے گھوڑوں کی بو آتی تھی۔ تیسرا وہاں پر مشکل یہ تھی کہ وہاں ایک چھوٹا فریج تھا' اس میں ضرورت کی تمام چیزیں نہیں رکھی جا سکتی تھیں اور بار بار بازار جانا پڑتا تھا۔ یہ مجھے سخت ناگوار گزرتا تھا۔

اب دیکھیے خدا کی کیسی مہربانی ہوتی ہے۔ وہی مہربانی جس کا میں آپ سے اکثر ذکر کرتا ہوں۔ میں اصطبل میں یہ دیکھنے کے لیے گیا کہ اس کی بو روکنے کے لیے کسی دروازے کا بندوبست کیا جا سکے۔ وہاں جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ میرے تینوں بچے گھوڑوں کو دیکھنے کے لیے اصطبل کے دروازے کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ وہ صبح جاگتے تھے تو سب سے پہلے آ کر گھوڑوں کو دیکھتے۔ انہیں گھوڑوں کے ساتھ اتنا عشق ہو گیا تھا۔ ان میں ایک گھوڑا ایسا تھا جو بڑا اچھا تھا۔ وہ انہیں ہمیشہ ہنہنا کر ہنسا تا تھا اور اگر وہ "ٹینے مینے" بچے وقت پر نہیں پہنچتے تھے' تو شاید انہیں بلاتا تھا' اس گھوڑے کی ہنہناہٹ سے یہ اندازہ ہوتا تھا۔ اب میں نے کہا کہ نہیں' یہ خوشبو یا بدبو' یہ اصطبل اور گھوڑے اور ان بچوں کی دوستی مجھے وارے میں ہے اور اب مجھے یہ گھوڑے پیارے ہیں۔ بس ایسے ہی ٹھیک ہے۔

free-urdubook.blogspot.com

ہم شہر کے صفائی پسند لوگ جو مکھی کو گوارہ نہیں کرتے۔ ایک بار میرے دفتر میں میرے بابا جی (سائیں صاحب) تشریف لائے تو اس وقت میرے ہاتھ میں مکھیاں مارنے والا فلیپ تھا۔ مجھے اس وقت مکھی بڑی تنگ کر رہی تھی۔ میں مکھی مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس لیے مجھے بابا جی کے آنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ اچانک ان کی آواز سنائی دی۔ وہ کہنے لگے' یہ اللہ نے آپ کے ذوقِ کشتن کے لیے پیدا کی ہے۔ میں نے کہا' جی یہ مکھی گند پھیلاتی ہے' اس لیے مار رہا تھا۔ کہنے لگے' یہ انسان کی سب سے بڑی محسن ہے اور تم اسے مار رہے ہو۔ میں نے کہا' جی یہ مکھی کیسے محسن ہے؟ کہنے لگے' یہ بغیر کوئی کرایہ لیے' بغیر کوئی ٹیکس لیے انسان کو یہ بتانے آتی ہے کہ یہاں گند ہے۔ اس کو صاف کر لو تو میں چلی جاؤں گی اور آپ اسے مار رہے ہیں۔ آپ پہلے جگہ کی صفائی کر کے دیکھیں' یہ خود بخود چلی جائے گی۔ سو وہاں بابا جی کی کہی ہوئی وہ بات میرے ذہن میں لوٹ کر آئی اور میں نے سوچا کہ مجھے اس کمرے میں کوئی فریش چیزیں پھول یا سپرے وغیرہ رکھنی چاہئیں اور یہاں کی صفائی پر دھیان دینا چاہیے۔ وہ فرش جیسا بھی تھا' اس کو گیلا کر کے میں نے جھاڑو لے کر خود خوب اچھی طرح سے صاف کیا۔ آپ یقین کریں پھر مجھے مکھیوں نے تنگ نہیں کیا۔

جب میں سودا لینے کے لیے (جس سے میں بہت گھبراتا ہوں) ایک میل کے فاصلے پر بازار گیا' تو میں نے وہاں اپنے بچپن کے کئی سال گزارنے کے بعد لبساطیوں کی دکانیں دیکھیں' جو ہمارے بڑے شہروں میں نہیں ہوتیں۔ وہاں پر میں نے بڑی دیر بعد دھونکنی کے ساتھ برتن قلعی کرنے والا ایک بندہ دیکھا' پھر عجیب بات' جس سے آپ سارے لوگ محروم ہیں اور آپ نہیں جانتے کہ وہاں ایک کسان لڑکا دیکھا' جو گندم کے باریک ''ناڑ'' جو تقریباً چھ انچ لمبا تھا' اسے کاٹ کر اس کے ساتھ ''الغوزہ'' بجاتا تھا۔ وہ اتنا خوبصورت الغوزہ بجاتا تھا کہ اگر آپ اسے سننے لگیں' تو آپ بڑے بڑے استادوں کو بھول جائیں۔ پھر میں آرزو کرنے لگا کہ مجھے ہر شام بازار جانے کا موقع ملے۔ یہ چیزیں بہت چھوٹی چھوٹی ہیں اور بظاہر یہ معمولی لگتی ہیں' لیکن ان کی اہمیت اپنی جگہ بہت زیادہ ہے۔

اگر آپ معمولی باتوں کی طرف دھیان دیں گے' اگر آپ اپنی ''کنکری'' کو بہت دُور تک جھیل میں پھینکیں گے تو بہت بڑا دائرہ پیدا ہوگا' لیکن آپ کی آرزو یہ ہے کہ آپ کو بنا بنایا بڑا دائرہ کہیں سے مل جائے اور وہ آپ کی زندگی میں داخل ہو جائے' ایسا ہوتا نہیں ہے۔ قدرت کا ایک قانون ہے کہ جب تک آپ چھوٹی چیزوں پر' معمولی باتوں پر' جو آپ کی توجہ میں کبھی نہیں آئیں' اپنے بچے پر' اپنے بھانجے پر اور اپنی بھتیجی پر' آپ جب تک اس کی چھوٹی سی بات کو دیکھ کر خوش نہیں ہوں گے' تو آپ کو دنیا کی کوئی چیز یا دولت خوشی عطا نہیں کر سکے گی' کیونکہ روپیہ آپ کو خوشی عطا نہیں کر سکتا۔ روپے پیسے سے آپ کوئی کیمرہ خرید لیں' خواتین کپڑے خرید لیں اور وہ یہ چیزیں خریدتی چلی جاتی ہیں کہ یہ ہمیں

free-urdubook.blogspot.com

خوشی عطا کریں گی۔ لیکن جب وہ چیز گھر میں آ جاتی ہے تو اس کی قدر و قیمت گھٹنا شروع ہو جاتی ہے۔

خوشی تو ایسی چڑیا ہے جو آپ کی کوشش کے بغیر آپ کے دامن پر اتر آتی ہے۔ اس کے لیے آپ نے کوشش بھی نہیں کی ہوتی' تیار بھی نہیں ہوئے ہوتے' لیکن وہ آ جاتی ہے۔ گویا اس رُخ پر جانے کے لیے جس کی آپ آرزو رکھتے ہیں' جو کہ بہت اچھی آرزو ہے' کیونکہ روحانیت کے بغیر انسان مکمل نہیں ہوتا' مگر جب تک اسے تلاش نہیں کرے گا' جب تک وہ راستہ یا پگڈنڈی اختیار نہیں کرے گا' اس وقت تک اسے اپنے مکمل ہونے کا حق نہیں پہنچتا۔ انسان یہ کوشش کرتا ضرور ہے' لیکن اس کی Methodology مختلف ہوتی ہے۔ وہ چھوٹی چیزوں سے بڑی کی جانب نہیں جاتا۔ آپ جب ایک بار یہ فن سیکھ جائیں گے' پھر آپ کو کسی بابے کا ایڈریس لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ پھر وہ چھوٹی چیز آپ کے اندر بڑا بابا بن کر سامنے آ جائے گی اور آپ سے ہاتھ ملا کر آپ کی گائیڈ بن جائے گی اور آپ کو اس منزل پر یقیناً لے جائے گی' جہاں آپ جانے کے آرزومند ہیں۔

سو ایک بار کبھی چھوٹی چیز سے آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ کبھی کسی نالائق پڑوسی سے خوش ہونے کی کوشش کر کے ہی یا کسی بیوقوف آدمی سے خوش ہو کر یا کبھی اخبار میں خوفناک خبر پڑھ کر دعا مانگیں کہ یا اللہ! تو ایسی خبریں کم کر دے' تو آپ کا راستہ آپ کا پھاٹک کھلنا شروع ہو گا اور مجھے آپ کے چہروں سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ یہ کوشش ضرور کریں گے۔ اللہ آپ کو بہت خوش رکھے۔ بہت آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ آمین!!

---

free-urdubook.blogspot.com

ماضی کا البم

انسانی زندگی میں بعض اوقات ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ آدمی کو کسی چیز سے ایسی چڑ ہو جاتی ہے کہ اس کا کوئی خاص جواز نہیں ہوتا مگر یہ ہوتی ہے۔ اور میں ان خاص لوگوں میں سے تھا جس کو اس بات سے بڑی چڑ تھی کہ ''دروازہ بند کر دو''۔ بہت دیر کی بات ہے کئی سال پہلے کی' جب ہم سکول میں پڑھتے تھے' تو ایک انگریز ہیڈ ماسٹر سکول میں آیا۔ وہ ٹیچرز اور طلباء کی خاص تربیت کے لیے متعین کیا گیا تھا۔ جب بھی اس کے کمرے میں جاؤ وہ ایک بات ہمیشہ کہتا تھا۔

''Shut The Door Behind You''

پھر پلٹنا پڑتا تھا اور دروازہ بند کرنا پڑتا تھا۔

ہم دیسی آدمی تو ایسے ہیں کہ اگر دروازہ کھلا چھوڑ دیا تو بس کھلا چھوڑ دیا' بند کر دیا تو بند کر دیا' قمیص اتار کے چارپائی پر پھینک دی' غسل خانہ بھی ایسے ہی کپڑوں سے بھرا پڑا ہے' کوئی قاعدہ طریقہ یا رواج ہمارے ہاں نہیں ہوتا کہ ہر کام میں اہتمام کرتے پھریں۔

یہ کہنا کہ دروازہ بند کر دیں' ہمیں کچھ اچھا نہیں لگتا تھا اور ہم نے اپنے طور پر کافی ٹریننگ کی اور انہوں نے بھی اس بارے کافی سکھایا لیکن یہ بات دماغ میں نہیں آئی کہ بھئی دروازہ کیوں بند کر دیا جائے؟ رہنے دو کھلا کیا کہتا ہے' آپ نے بھی اپنے بچوں' پوتوں' بھتیجوں کو دیکھا ہوگا وہ ایسا کرنے سے گھبراتے ہیں۔ بہت سال پہلے جب میں باہر چلا گیا اور مجھے روم میں رہتے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا وہاں میری لینڈ لیڈی ایک ''درزن'' تھی جو سلائی کا کام کرتی تھی۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ درزی کا کام بہت معمولی سا ہے لیکن وہاں جا کر پتہ چلا کہ یہ عزت والا کام ہے۔ اس درزن کی وہاں ایک بوتیک تھی اور وہ بہت باعزت لوگ تھے۔

میں ان کے گھر میں رہتا تھا۔ ان کی زبان میں درزن کو سارتہ کہتے ہیں میں جب اس کے کمرے میں داخل ہوتا اس نے ہمیشہ اپنی زبان میں کہا ''دروازہ بند کرنا ہے'' وہ چڑ جو بچپن سے میرے

free-urdubook.blogspot.com

ساتھ چلی تھی وہ ایم اے پاس کرنے کے بعد' یونیورسٹی کا پروفیسر لگنے کے بعد بھی میرے ساتھ ہی رہی۔ یہ بات بار بار سننی پڑتی تھی تو بڑی تکلیف ہوتی' اور پھر لوٹ کے دروازہ بند کرنا' ہمیں تو عادت ہی نہیں تھی۔ کبھی ہم آرام سے دھیمے انداز میں گرو یا پائی سے کمرے میں داخل ہی نہیں ہوئے' کبھی ہم نے کمرے میں داخل ہوتے وقت دستک نہیں دی' جیسا کہ قرآن پاک میں بڑی سختی سے حکم ہے کہ جب کسی کے ہاں جاؤ تو پہلے اس سے اجازت لو اور اگر وہ اجازت دے تو اندر آؤ' ورنہ واپس چلے جاؤ۔ پتہ نہیں یہ حکم اٹھارہویں پارے میں ہے کہ انتیس ویں میں کہ ''اگر اتفاق سے تم نے اجازت نہ لی ہو اور پھر کسی ملنے والے کے گھر چلے جاؤ اور وہ کہہ دے کہ میں آپ سے نہیں مل سکتا تو ماتھے پر بل ڈالے بغیر واپس آ جاؤ۔''

کیا پیارا حکم ہے لیکن ہم میں سے کوئی بھی اس کو تسلیم نہیں کرتا۔ ہم کہتے ہیں کہ اندر گھسا ہوا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں نہیں مل سکتا' ذرا باہر نکلے تو اس کو دیکھیں گے وغیرہ وغیرہ' ہماری انا اس طرح کی ہے اور یہ کہنا کہ ''دروازہ بند کر دیں'' بھی عجیب سی بات لگتی ہے۔ ایک روز میں نے بار بار یہ سننے کے بعد روم میں زچ ہو کر اپنی اس لینڈ لیڈی سے پوچھا کہ آپ اس بات پر اتنا کیوں زور دیتی ہیں۔ میں ایک بات تو سمجھتا ہوں کہ یہاں (روم میں) سردی بہت ہے' برف باری بھی ہوتی ہے' کبھی کبھی اور تیز ''وینتو'' (رومی زبان کا لفظ مطلب ٹھنڈی ہوائیں چلنا) بھی ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ کھلے ہوئے دروازے سے میں بالکل شمشیر زنی کرتی ہوئی کمروں میں داخل ہوتی ہیں۔ یہاں تک تو آپ کی دروازہ بند کرنے والی فرمائش بجا ہے لیکن آپ اس بات پر بہت زیادہ زور دیتی ہیں۔ چلو اگر کبھی دروازہ کھلا رہ گیا اور اس میں سے اندر ذرا سی ہوا آ گئی یا برف کی بوچھاڑ ہو گئی تو اس میں ایسی کون سی بڑی بات ہے۔

اس نے کہا کہ تم ایک سٹول لو اور یہاں میرے سامنے بیٹھ جاؤ (وہ مشین پر کپڑے سی رہی تھی) میں بیٹھ گیا وہ بولی کہ دروازہ اس لئے بند نہیں کرایا جاتا اور ہم بچپن سے بچوں کو ایسا کرنے کی ترغیب اس لئے نہیں دیتے کہ ٹھنڈی ہوا نہ آ جائے یا دروازہ کھلا رہ گیا تو کوئی جانور اندر آ جائے گا بلکہ اس کا فلسفہ بہت مختلف ہے اور یہ کہ اپنا دروازہ' اپنا وجود ماضی کے اوپر بند کر دو، آپ ماضی میں سے نکل آئے ہیں اور اس جگہ پر اب حال میں داخل ہو گئے ہیں۔ ماضی سے ہر قسم کا تعلق کاٹ دو اور بھول جاؤ کہ تم نے ماضی کیسا گزارا ہے اور اب تم ایک نئے مستقبل میں داخل ہو گئے ہو۔ ایک نیا دروازہ تمہارے آگے کھلنے والا ہے' اگر وہی کھلا رہے گا تو تم پلٹ کر پیچھے کی طرف ہی دیکھتے رہو گے۔ اس نے کہا کہ ہمارا سارے مغرب کا فلسفہ یہ ہے اور دروازہ بند کر دو کا مطلب لکڑی، لوہے یا پلاسٹک کا دروازہ نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب تمہارے وجود کے اوپر ہر وقت کھلا رہنے والا دروازہ ہے۔ اس وقت میں ان کی یہ بات نہیں سمجھ سکا جب تک میں لوٹ کے یہاں (پاکستان) نہیں آ گیا اور میں اپنے جن ''بابوں'' کا ذکر

free-urdubook.blogspot.com

کیا کرتا ہوں ان سے نہیں ملنے لگا۔ میرے ''بابا'' نے مومن کی مجھے یہ تعریف بتائی کہ مومن وہ ہے جو ماضی کی یاد میں مبتلا نہ ہو اور مستقبل سے خوفزدہ نہ ہو۔ (کہ یا اللہ پتہ نہیں آگے چل کے کیا ہونا ہے) وہ حال میں زندہ ہو۔

آپ نے ایک اصلاح اکثر سنی ہوگی کہ فلاں بزرگ بڑے صاحب حال تھے۔ مطلب یہ کہ ان کا تعلق حال سے تھا وہ ماضی کی یاد اور مستقبل کی فکر کے خوف میں مبتلا نہیں تھے۔ مجھے اس لینڈ لیڈی نے بتایا کہ دروازہ بند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اب تم ایک نئے عہد، ایک نئے دور ایک نئے Iera اور ایک اور وقت اور زمانے میں داخل ہو چکے ہیں اور ماضی پیچھے رہ گیا ہے۔ اب آپ کو اس زمانے سے فائدہ اٹھانا ہے اور اس زمانے کے ساتھ نبرد آزمائی کرنی ہے جب میں نے یہ مطلب سنا تو ہم چکا چوند ہو گیا کہ میں کیا ہم سارے ہی دروازہ بند کرنے کا مطلب یہی لیتے ہیں جو عام طور پر ہو یا عام اصطلاح میں لیا جاتا ہے۔ بچوں کو یہ بات شروع سے سکھانی چاہیے کہ جب تم آگے بڑھتے ہو، جب تم زندگی میں داخل ہوتے ہو، کسی نئے کمرے میں جاتے ہو تو تمہارے آگے اور دروازے ہیں جو کھلنے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ تم پیچھے کی طرف دھیان کر کے بیٹھے رہو۔

جب اس نے یہ بات کہی اور میں نے سنی تو پھر میں اس پر غور کرتا رہا اور میرے ذہن میں اپنی زندگی کے واقعات، اردگرد کے لوگوں کی زندگی کے واقعات بطور خاص اجاگر ہونے لگے اور میں نے محسوس کرنا شروع کیا کہ ہم لوگوں میں سے بہت سے لوگ آپ نے ایسے دیکھے ہونگے جو ہر وقت ماضی کی فائل بلکہ ماضی کے البم بغل میں دبائے پھرتے ہیں۔ اکثر کے پاس تصویریں ہوتی ہیں۔ کہ بھائی جان میرے ساتھ یہ ہو گیا، میں چھوٹا ہوتا تھا تو میرے ابا جی مجھے مارتے تھے' سوتیلی ماں تھی' فلاں فلاں، وہ نکلتے ہی نہیں اس یاد ماضی سے۔ میں نے اس طرح ماضی پر رونے دھونے والے ایک دوست سے پوچھا آپ اب کیا ہیں؟ کہنے لگے جی میں ڈپٹی کمشنر ہوں لیکن رونا یہ ہے کہ جی میرے ساتھ زمانہ بڑا ظلم کرتا رہا ہے۔ وہ ہر وقت یہی کہانی سناتے۔ ہمارے مشرق میں ایشیا، فارس تقریباً سارے ملکوں میں یہ رواج بہت عام ہے اور ہم جب ذکر کریں گے اس ''درونا کی'' کا ذکر کرتے رہیں گے۔ ہماری ایک آپا سکیاں ہیں جو کہتی ہیں کہ میری زندگی بہت بربادی میں گزری بھائی جان، میں نے بڑی مشکل سے وقت کاٹا ہے۔ اب ایک بیٹا تو ورلڈ بینک میں ملازم ہے ایک یہاں چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہے۔ ایک بیٹا سرجن ہے (انکے خاوند کی بھی اچھی تنخواہ تھی، اچھی رشوت بھی لیتے رہے، انہوں نے بھی کافی کامیاب زندگی بسر کی)

میں نے ایک بار ان سے پوچھا تو کہنے لگے بس گزارا ہو ہی جاتا ہے، وقت کے تقاضے ایسے ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آدھی رشوت تو آپ سرکاری افسر ہونے کے ناطے دیگر سرکاری سہولتوں کی

free-urdubook.blogspot.com

مد میں وصول کرتے ہیں مثلاً آپ کی اٹھارہ ہزار روپے تنخواہ ہوگی تو ایک کار ایک دوسری کار، پانچ نوکر، گھر، یہ اللہ کے فضل سے بہت بڑی بات ہے کیا اس کے علاوہ بھی چاہیے۔ وہ بولے ہاں اس کے علاوہ بھی ضرورت پڑتی ہے لیکن ہم نے بڑا دکھی وقت گزارا ہے، مشکل میں گزارا، ہمارا ماضی بہت دردناک تھا۔ وہ ماضی کا دروازہ بند ہی نہیں کرتے۔ ہر وقت یہ دروازہ نہ صرف کھلا رکھتے ہیں بلکہ اپنے ماضی کو ساتھ اٹھائے پھرتے ہیں۔ میں نے بہت سے ایسے لوگ دیکھے، آج کے بعد آپ بھی غور فرمائیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ ان کے پاس اپنے ماضی کی رنگین البمیں ہوتی ہیں۔ ان میں فوٹو لگے ہوئے ہوتے ہیں اور دکھ درد کی کہانیاں بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ اگر وہ دکھ درد کی کہانیاں بند کر دیں، کسی نہ کسی طور پر ''تگڑے'' ہو جائیں اور یہ تہیہ کر لیں کہ اللہ نے اگر ایک دروازہ بند کیا تو وہ اور کھولے گا' تو یقیناً اور دروازے کھلتے جائیں گے۔

اگر آپ پلٹ کر پیچھے دیکھتے جائیں گے اور اسی دروازے میں سے جھانک کے وہی گندی مندی، گری پڑی چیزوں کو اکٹھا کرتے رہیں گے تو آگے نہیں جا سکتے۔ اس طرح سے مجھے پتہ چلا کہ Shut behind the door کا مطلب یہ نہیں ہے جو میں سمجھتا رہا ہوں۔ وہ تو اچھا ہو گیا کہ میں اتفاق سے وہاں چلا گیا ورنہ ہمارے جو انگریز استاد آئے تھے انہوں نے اس تفصیل کے ساتھ نہیں بتایا تھا۔ آپ کو ہم کو، سب کو یہ کوشش ضرور کرنی چاہیے کہ ماضی کا پیچھا چھوڑ دیں۔

ہمارے بابے' جن کا میں اکثر ذکر کرتا ہوں' بار بار کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا' ان کے ڈیروں پر آپ جا کر دیکھیں' وہ ماضی کی بات نہیں کریں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ آپ یہاں آ گئے ہیں' یہ نئی زندگی شروع ہو گئی ہے' آپ بالکل روشن ہو جائیے' چمک جائیے۔ جب ہمارے جیسے نالائق' بری ہیئت رکھنے والے آدمی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں' تو وہ نعرہ مار کے کہتے ہیں ''واہ' واہ! رونق ہو گئی' برکت ہو گئی' ہمارے ڈیرے کی کہ آپ جیسے لوگ آ گئے۔'' اب آپ دیکھئے ہمارے اوپر مشکل وقت ہے' لیکن سارے ہی اپنے اپنے انداز میں مستقبل سے خوفزدہ رہتے ہیں کہ پتا نہیں جی کیا ہوگا اور کیسا ہوگا؟ میں یہ کہتا ہوں کہ ہمیں سوچنا چاہیے۔ ہم کوئی ایسے گرے پڑے ہیں' ہم کوئی ایسے مرے ہوئے ہیں' ہمارا پچھلا دروازہ تو بند ہے' اب تو ہم آگے کی طرف چلیں گے اور ہم کبھی مایوس نہیں ہوں گے' اس لیے کہ اللہ نے بھی حکم دے دیا ہے کہ مایوس نہیں ہونا' اس لیے حالات مشکل ہوں گے' تکلیفیں آئیں گی' بہت چیخیں نکلیں گی۔ لیکن ہم مایوس نہیں ہوں گے' کیونکہ ہمارے اللہ کا حکم ہے اور ہمارے نبیؐ کے ذریعے یہ فرمان دیا گیا ہے کہ لا تقنطو من رحمتہ اللہ ''یعنی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں)۔

بعض اوقات یہ پتا نہیں چلتا کہ اللہ کی رحمت کے کیا کیا رُوپ ہوتے ہیں۔ آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میرے ساتھ یہ زیادتی ہو رہی ہے' میں Demote ہو گیا ہوں' لیکن اس Demote ہونے میں کیا راز

free-urdubook.blogspot.com

ہے؟ یہ ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اس راز کو پکڑنے کے لیے ایک ڈائریکٹ کنکشن اللہ کے ساتھ ہونا چاہیے اور اس سے پوچھنا چاہیے کہ جناب! اللہ تعالیٰ میرے ساتھ یہ جو مشکل ہے' میرے ساتھ یہ تنزلی کیوں ہے؟ لیکن ہمیں اتنا وقت نہیں ملتا اور ہم پریشانی میں اتنا گم ہو جاتے ہیں کہ ہمیں وقت ہی نہیں ملتا' ہمارے ساتھ یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ ہمیں بازاروں میں جانے کا وقت مل جاتا ہے' تفریح کے لیے مل جاتا ہے' دوستوں سے ملنے' بات کرنے کا وقت مل جاتا ہے۔ لیکن اپنے ساتھ بیٹھنے کا' اپنے اندر جھانکنے کا کوئی وقت میسر نہیں آتا۔

آپ ہی نہیں' میں بھی ایسے لوگوں میں شامل ہوں۔ اگر میں اپنی ذات سے پوچھوں کہ ''اے اشفاق احمد صاحب! آپ کو اپنے ساتھ بیٹھنے کا کتنا وقت ملتا ہے؟ کبھی آپ نے اپنا احتساب کیا ہے؟'' تو جواب ظاہر ہے کہ کیا ملے گا۔ دوسروں کا احتساب تو ہم بہت کر لیتے ہیں۔ اخباروں میں' کالموں میں' اداریوں میں لیکن میری بھی تو ایک شخصیت ہے' میں بھی تو چاہوں گا کہ میں اپنے آپ سے پوچھوں کہ ایسا کیوں ہے' اگر ایسا ممکن ہو گیا' تو پھر خفیہ طور پر' اس کا کوئی اعلان نہیں کرنا ہے' یہ بھی اللہ کی بڑی مہربانی ہے کہ اس نے ایک راستہ رکھا ہوا ہے' توبہ کا! کئی آدمی تو کہتے ہیں کہ نفل پڑھیں' ورد وظیفہ کریں' لیکن یہ اس وقت تک نہیں چلے گا' جب تک آپ نے اس کیے ہوئے برے کام سے توبہ نہیں کر لی' توبہ ضروری ہے۔ جیسا آپ کاغذ لے کے نہیں جاتے کہ ''ٹھپہ'' لگوانے کے لیے۔ کوئی ''ٹھپہ'' لگا کر دستخط کر دے گا اور پھر آپ کا کام ہو جاتا ہے' اس طرح توبہ وہ ''ٹھپہ'' ہے' جو لگ جاتا ہے اور بڑی آسانی سے لگ جاتا ہے' اگر آپ تنہائی میں' دروازہ بند کر کے بیٹھیں اور اللہ سے کہیں کہ: ''اللہ میاں پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا' مجھ سے یہ غلطی' گناہ ہو گیا اور میں اس پر شرمندہ ہوں۔'' (میں یہ Reason نہیں دیتا کہ Human Being کمزور ہوتا ہے' یہ انسانی کمزوری ہے یہ بڑی فضول بات ہے ایسی کرنی ہی نہیں چاہیے)۔ بس یہ کہے کہ مجھ سے یہ کوتاہی ہوئی ہے اور میں اے خداوند تعالیٰ آپ سے اس کی معافی چاہتا ہوں اور میں کسی کو یہ بتا نہیں سکتا' اس لیے کہ میں کمزور انسان ہوں۔ بس آپ سے معافی مانگتا ہوں۔

اس طرح سے پھر زندگی کا نیا' کامیاب اور شاندار راستہ چل نکلتا ہے۔ لیکن اگر آپ اپنے ماضی کو ہی اٹھائے پھریں گے' اس کی فائلیں ہی بغل میں لیے پھریں گے اور یہی رونا روتے رہیں گے کہ میرے ابا نے دوسری شادی کر لی تھی' یا میرے ساتھ سختی کرتے رہے' یا انہوں نے بڑے بھائی کو زیادہ دے دیا' مجھے کچھ کم دے دیا' چھوٹے نے زیادہ لے لیا' شادی میں کوئی گڑبڑ ہوئی تھی۔ اس طرح تو یہ سلسلہ کبھی ختم ہی نہیں ہوگا' پھر تو آپ وہیں کھڑے رہ جائیں گے' دہلیز کے اوپر اور نہ دروازہ کھولنے دیں گے' نہ بند کرنے دیں گے' بس پھنسے ہوئے رہیں گے۔ لیکن آپ کو چاہیے کہ آپ Shut

free-urdubook.blogspot.com

Behind The Door کر کے زندگی کو آگے لے کر چلیں۔ آپ زندگی میں یہ تجربہ کر کے دیکھیں۔ ایک مرتبہ تو ضرور کریں۔ آپ میری یہ بات سننے کے بعد جو میری نہیں میری لینڈ لیڈی' اس اطالوی درزن کی بات ہے' اس پر عمل کر کے دیکھیں۔

اس کے بعد میں نے رونا چھوڑ دیا اور ہر ایک کے پاس جا کر رحم کی اور ہمدردی کی بھیک مانگنا چھوڑ دی۔ آدمی اپنے دُکھ کی البم دکھا کر بھیک ہی مانگتا ہے نا! جسے سن کر کہا جاتا ہے کہ بھئی! غلام محمد' یار نور محمد' یا سلیم احمد تیرے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی۔ اس طرح دو لفظ آپ کیا حاصل کر لیں گے اور سمجھیں گے کہ میں ن ے بہت کچھ سر کر لیا' لیکن وہ قلعہ بدستور قائم رہے گا' جسے فتح کرنا ہے۔ اگر آپ تہیہ کر لیں گے کہ یہ ساری مشکلات' یہ سارے بل' یہ سارے یوٹیلیٹی کے خوفناک بل تو آتے ہی رہیں گے' یہ تکلیف ساتھ رہے گی' بچے بھی بیمار ہوں گے' بیوی بھی بیمار ہوگی' خاوند کو بھی تکلیف ہوگی' جسمانی عارضے بھی آئیں گے' روحانی بھی' نفسیاتی بھی۔ لیکن ان سب کے ہوتے ہوئے ہم تھوڑا سا وقت نکال کر اور مغرب کا وقت اس کے لیے بڑا بہتر ہوتا ہے' کیونکہ یوں تو سارے ہی وقت اللہ کے ہیں' اس وقت الگ بیٹھ کر ضرور اپنی ذات کے ساتھ کچھ گفتگو کریں اور جب آپ اپنے آپ سے وہ گفتگو کر چکیں' تو پھر خفیہ طور پر وہی گفتگو اپنے اللہ سے کریں' چاہے کسی بھی زبان میں' کیونکہ اللہ ساری زبانیں سمجھتا ہے' انگریزی میں بات کریں' اردو' پنجابی' پشتو اور سندھی جس زبان میں چاہے اس زبان میں آپ کا یقیناً اس سے رابطہ قائم ہوگا اور اس سے آدمی تقویت پکڑتا ہے' بجائے اس کے آپ مجھ سے آ کر کسی بابے کا پوچھیں' ایسا نہیں ہے۔ آپ خود بابے ہیں۔ آپ نے اپنی طاقت کو پہچانا ہی نہیں ہے۔ جس طرح ہمارے جوگی کیا کرتے ہیں کہ ہاتھی کی طاقت سارے جانوروں سے زیادہ ہے' لیکن چونکہ اس کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں' اس لیے وہ اپنی طاقت' وجود کو پہچانتا ہی نہیں۔ ہاتھی جانتا ہی نہیں کہ میں کتنا بڑا ہوں۔ اس طرح سے ہم سب کی آنکھیں بھی اپنے اعتبار سے چھوٹی ہیں اور ہم نے اپنی طاقت کو' اپنی صلاحیت کو جانا ہی نہیں۔

اللہ میاں نے تو انسان کو بہت اعلیٰ وارفع بنا کر اور مسجود ملائک بنا کر بھیجا ہے۔ یہ باتیں یاد رکھنے کی ہیں کہ اب تک جتنی بھی مخلوق نے انسان کو سجدہ کیا تھا' وہ انسان کے ساتھ ویسا ہی نباہ کر رہی ہے۔ یعنی شجر' حجر' نباتات' جمادات اور فرشتے وہ بدستور انسان کا احترام کر رہے ہیں۔ انسان سے کسی کا احترام کم ہی ہوتا ہے۔ اب جب ہم یہاں بیٹھے ہیں' تو اس وقت کروڑوں ٹن برف کے ٹو پر پڑی آوازیں دے کر پکار پکار کر سورج کی منتیں کر رہی ہے کہ "ذرا ادھر کرنیں زیادہ ڈالنا' سندھ میں پانی نہیں ہے۔ جہلم' چناب خشک ہیں اور مجھے وہاں پانی پہنچانا ہے اور نوع انسان کو پانی کی ضرورت ہے۔" برف اپنا آپ پگھلاتی ہے اور آپ کو پانی دے کر جاتی ہے۔ صبح کے وقت اگر غور سے سوئی گیس کی آواز سنیں

free-urdubook.blogspot.com

اور اگر آپ اس درجے یا جگہ پر پہنچ جائیں کہ اس کی آوازیں سن سکیں' تو وہ چیخ چیخ کر اپنے سے نیچے والی کو کہہ رہی ہوتی ہے "نی کڑیو! چھیتی کرو۔ باہر نکلو' جلدی کرو تم تو ابھی ہار سنگھار کر رہی ہو۔ بچوں نے سکول جانا ہے۔ ماؤں کو انہیں ناشتہ دینا ہے۔ لوگوں کو دفتر جانا ہے۔ چلو اپنا آپ قربان کرو۔" وہ اپنا آپ قربان کر کے جل بھن کر آپ کا ناشتہ' روٹیاں تیار کرواتی ہے۔

یہ سب پھل' سبزیاں اپنے وعدے پر قائم ہیں۔ یہ آم دیکھ لیں' آج تک کسی انور راٹھور یا کسی ثمر بہشت درخت نے اپنا پھل خود کھا کر یا چوس کر نہیں دیکھا۔ بس وہ تو انسانوں سے کیے وعدے کی فکر میں رہتا ہے کہ میرا پھل توڑ کر بلوچستان ضرور بھیجو' وہاں لوگوں کو آم کم ملتا ہے۔ اس کا اپنے اللہ کے ساتھ رابطہ ہے اور وہ خوش ہے۔ آج تک کسی درخت نے افسوس کا اظہار نہیں کیا۔ شکوہ نہیں کیا کہ ہماری بھی کوئی زندگی ہے' جی جب سے کھڑے ہوتے ہیں' وہیں کھڑے ہیں۔ نہ کبھی اوکاڑہ گئے نہ کبھی آگے گئے' ملتان سے نکلے ہی نہیں۔ میرا پوتا کہتا ہے "دادا! ہو سکتا ہے کہ درخت ہماری طرح ہی روتا ہو' کیونکہ اس کی باتیں اخبار نہیں چھاپتا۔" میں نے کہا کہ وہ پریشان نہیں ہوتا' نہ روتا ہے' وہ خوش ہے اور ہوا میں جھومتا ہے۔ کہنے لگا' آپ کو کیسے پتا ہے کہ وہ خوش ہے؟ میں نے کہا کہ وہ خوش ایسے ہے کہ ہم کو باقاعدگی سے پھل دیتا ہے۔ جو ناراض ہوگا' تو وہ پھل نہیں دے گا۔

میں اگر اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھوں' میں جو اشفاق احمد ہوں' میں پھل نہیں دیتا۔ میرے سارے دوست میرے قریب سے گزر جاتے ہیں۔ میں نہ تو انور راٹھور بن سکا' نہ ثمر بہشت بن سکا نہ میں سوئی گیس بن سکا۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!!

free-urdubook.blogspot.com

ویل وشنگ

میں اکثر عرض کرتا ہوں کہ جب وقت ملے اور گھر میں کوئی دیوار ہو تو اس کے ساتھ ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھ کر اپنا تجزیہ ضرور کیا جانا چاہیے۔ یہ ہے تو ذرا سا مشکل کام اور اس پر انسان اس قدر شدت کے ساتھ عمل پیرا نہیں ہو سکتا' جو درکار ہے' کیونکہ ایسا کرنے سے بہت سی اپنی باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا کہ یہ جو رفوگر ہیں' کشمیر میں برف باری کے دنوں میں اپنا سوئی دھاگہ لے کر چلے جاتے ہیں اور وہاں کپڑے کے اندر ہو جانے والے بڑے بڑے شگافوں کی رفوگری کا کام کرتے ہیں' جن میں خاص طور پر گرم کپڑوں کے شگاف اور ''لگار'' اور چٹاخ جو ہوتے ہیں' ان کی رفوگری کرتے ہیں' وہ کہاں سے دھاگہ لیتے ہیں اور کس طرح سے اس کو اس دھاگے کے ساتھ مہارت سے ملاتے ہیں کہ ہم ''ٹریس'' نہیں کر سکتے کہ یہاں پر اتنا بڑا (Gape) سوراخ ہو گیا تھا' کیونکہ وہ بالکل ایسا کر دیتے ہیں' جیسے کپڑا کارخانے سے بن کر آتا ہے۔

یہ رفوگروں کا کمال ہے۔ وہ غریب لوگ اپنی چادر لے کر اور اپنی کانگڑی (مٹی کی بھٹی) سلگا کر اس میں کوئلے ڈال کر' دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھے ہوتے ہیں اور بہت بھلے لوگ ہیں یہ کشمیری لوگ بڑی ہی بھلی کمیونٹی ہیں' کیونکہ وہ اپنا تجزیہ کرتے ہیں اور ان کو پتہ چلتا رہتا ہے اپنے اس Self کا جو لے کر انسان پیدا ہوا تھا' محفوظ رکھا ہوا ہے یا نہیں۔ گو ہم نے تو اپنی Self کے اوپر بہت بڑے بڑے سائن بورڈ لگا لئے ہیں' اپنے نام تبدیل کر لئے ہیں' اپنی ذات کے اوپر ہم نے پینٹ کر لیا ہے۔ ہم جب کسی سے ملتے ہیں' مثلاً میں آپ سے اس اشفاق کی طرح نہیں ملتا' جو میں پیدا ہوا تھا' میں تو ایک رائٹر' ایک دانشور' ایک سیاستدان' ایک مکار' ایک ٹیچر بن کر ملتا ہوں۔ اس طرح جب آپ مجھ سے ملتے ہیں تو آپ اپنے اپنے سائن بورڈ مجھے دکھاتے ہیں۔ اصل Self کہاں ہے' وہ نہیں ملتی۔ اصل Self جو اللہ نے دے کر پیدا کیا ہے' وہ تب ہی ملتا ہے' جب آدمی اپنے نفس کو پہچانتا ہے' لیکن اس وقت جب وہ اکیلا بیٹھ کر غور کرتا ہے' کوئی اس کو بتا نہیں سکتا اپنے نفس سے تعارف اس وقت ممکن ہے جب آپ اس

free-urdubook.blogspot.com

کے تعارف کی پوزیشن میں ہوں اور اکیلے ہوں۔ جس طرح خداوند تعالیٰ فرماتا ہے: ''جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا' اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔''

جس انسان نے خود کو پہچان لیا کہ میں کون ہوں؟ وہ کامیاب ہو گیا اور وہ لوگ خوش قسمت ہیں جو باوجود اس کے کہ علم زیادہ نہیں رکھتے' ان کی تعلیم بھی کچھ زیادہ نہیں' لیکن علم ان پر وارد ہوتا رہتا ہے' جو ایک خاموش آدمی کو اپنی ذات کے ساتھ دیر تک بیٹھنے میں عطا ہوتا ہے۔

میں پہلے تو نہیں اب کبھی کبھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ اور عمر کے اس حصے میں میری طبیعت پر ایک عجیب طرح کا بوجھ ہے' جو کسی طرح سے جاتا نہیں۔ میں آپ سے بہت سی باتیں کرتا ہوں۔ اب میں چاہوں گا کہ میں اپنی مشکل آپ کے سامنے بیان کروں اور آپ بھی میری مدد کریں' کیونکہ یہ آپ کا بھی فرض بنتا ہے کہ آپ مجھ جیسے پریشان اور دردمند آدمی کا سہارا بن جائیں۔ ہمارے بابے جن کا میں اکثر ذکر کرتا ہوں' کہتے ہیں کہ اگر آپ کسی محفل میں کسی یونیورسٹی' سیمینار' اسمبلی میں' کسی اجتماع میں یا کسی بھی انسانی گروہ میں بیٹھے کوئی موضوع شدت سے ڈسکس کر رہے ہوں اور اس پر اپنے جواز اور دلائل پیش کر رہے ہوں اور اگر آپ کے ذہن میں کوئی ایسی دلیل آ جائے جو بہت طاقتور ہو اور اس سے اندیشہ ہو کہ اگر میں یہ دلیل دوں گا تو یہ بندہ شرمندہ ہو جائے گا کیونکہ اس آدمی کے پاس اس دلیل کی کاٹ نہیں ہوگی۔ شطرنج کی ایسی چال میرے پاس آ گئی ہے کہ یہ اس کا جواب نہیں دے سکے گا۔ اس موقع پر ''بابے'' کہتے ہیں کہ ''اپنی دلیل روک لو' بندہ بچا لو' اسے ذبح نہ ہونے دو' کیونکہ وہ زیادہ قیمتی ہے۔''

ہم نے تو ساری زندگی کبھی ایسا کیا ہی نہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ ''میں کھڑکا ر پا دیاں گا۔'' ہماری بیبیاں جس طرح کہتی ہیں کہ ''میں تے آپاں جی فیر سدھی ہو گئی' اوہنوں ایسا جواب دتا کہ اوہ تھر تھر کنبن لگ پئی' میں اوہنوں اک اک سنائی' اوہدی ماسی دیاں کرتوتاں اودھی پھوپھی دیاں وغیرہ وغیرہ۔''

(باجی میں نے تو اس کو کھری کھری سنا دیں' جس سے وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ اس کو اس کی خالہ پھوپھی سب کی باتیں ایک ایک کر کے سنائیں۔)

خیر انسان کمزور ہے' ہم بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔ بڑی دیر کی بات ہے' 1946ء کی جب پاکستان نہیں بنا تھا۔ میں اس وقت بی اے کر چکا تھا اور تازہ تازہ ہی کیا تھا۔ ہمارے قصبے کے ساتھ ایک گاؤں تھا۔ اس میں ایک ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل سکول تھا' وہاں کا ہیڈ ماسٹر چھٹی پر گیا۔ اس کی جگہ تین ماہ کے لیے مجھے ہیڈ ماسٹر بنا دیا گیا۔ اب میں ایک پدا سا (چھوٹے قد کا) نوجوان بڑے فخر کے ساتھ ایک سکول کو ہینڈل کر رہا ہوں۔ گو مجھے زیادہ تجربہ نہیں ہے' لیکن میں زور لگا کے یہ بتانا چاہتا ہوں دوسرے

free-urdubook.blogspot.com

ماسٹروں کو کہ بی اے کیا ہوتا ہے' کیونکہ وہ بیچارے نارمل سکول پڑھے ہوئے تھے۔ جیسا کہ ہر نئے آدمی کی عادت ہوتی ہے یا جو بھی کسی جگہ نیا آتا ہے' وہ ہمیشہ سسٹم ٹھیک کرنے پر لگ جاتا ہے۔ یہ بندے کے اندر ایک عجیب بلا ہے۔ میں نے بھی سوچا کہ میں سکول کا سسٹم ٹھیک کروں گا' حالانکہ مجھے چاہیے تو یہ تھا کہ میں پڑھاتا اور بہتر طور پر پڑھاتا اور جیسا نظام چل رہا تھا' اسے چلنے دیتا' لیکن میں نے کہا نہیں' اس کا سسٹم بدلنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے کہا کہ یہ گملا ادھر نہیں ادھر ہونا چاہیے۔ وہ جوسن فلاور (سورج مکھی) ہوتا ہے' وہ مجھے بہت برا لگتا ہے۔ اس پیلے پھول کو میں نے وہاں سے نکال دینے کا حکم دیا۔ اب اگلا پھٹا (ڈیسک) پیچھے کر کے پچھلا آگے کر کے سسٹم تبدیل ہو رہا ہے۔ گملوں کو گیرو لگا دو' سرخ رنگ کا' سفیدی کر دو' تمام ماسٹر صاحبان پگڑی باندھ کر آئیں۔ اس طرح سکول میں سسٹم کی تبدیلی جاری تھی۔ ماسٹر بیچارے بھی عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ سکول میں چھٹی کے وقت پہاڑے کہلوائے جاتے تھے۔ چھ کا پہاڑہ ماسٹر صاحب کہلوا رہے تھے۔

"چھ ایکم چھ' چھ دونی بارہ

چھ تیا اٹھارہ' چھ چوکے چووی"

میں نے سکول میں ایک شرط عائد کر دی کہ بچوں میں شرمندگی اور خفت دور کرنے کے لیے ان کو سٹیج پر آنا چاہیے اور بلیک بورڈ (تختہ سیاہ) کے سامنے کھڑے ہو کر یہ پہاڑہ لکھنا چاہیے۔ چوتھی جماعت کا ایک لڑکا تھا' اب مجھے اس کا نام یاد نہیں صادق تھا یا صدیق۔ اس نے تختہ سیاہ پر لکھنے سے انکار کر دیا کہ میں نہیں لکھوں گا۔ استاد نے کہا کہ یہ ہیڈ ماسٹر صاحب کا حکم ہے' تمہیں وہاں جا کر لکھنا پڑے گا' لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ وہ شرماتا ہو گا بیچارہ گاؤں کا لڑکا۔ اسے میرے سامنے پیش کیا گیا۔ بتایا گیا کہ یہ لڑکا پہاڑہ تو ٹھیک جانتا ہے' لیکن بورڈ پر لکھتا نہیں۔ میں نے پوچھا' تم کیوں نہیں لکھتے' اس نے کہا میں نہیں لکھوں گا۔ میں نے اس کا کان پکڑ کر مروڑا اور کہا کیا تجھے معلوم ہے کہ میں تجھے سخت سزا دوں گا' کیونکہ تم میرے اصول کے مطابق کام نہیں کر رہے۔ اس نے کہا کہ جی میں یہ نہیں کر سکتا' مجھ سے لکھا نہیں جاتا شرمیلا تھا شاید۔ میں نے ماسٹر صاحب سے کہا کہ آپ ایسا کریں کہ اسے ساری کلاسوں میں پھرائیں اور سب کو بتائیں کہ یہ نافرمان بچہ ہے اور اس نے ہیڈ ماسٹر صاحب کی بات نہیں مانی۔ ماسٹر صاحب اسے میرے حکم کے مطابق لے گئے اور اسے گھماتے رہے۔ دیگر استادوں نے بھی بادل نخواستہ اپنی طبیعت پر بوجھ سمجھ کر میرے اس حکم کو قبول کیا' تاہم انہوں نے میری یہ بات پسند نہیں کی' جسے میں اپنی انتظامی صلاحیت خیال کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ لڑکا چلا گیا۔ اس کے بعد کبھی سکول نہیں آیا۔ اس کے والدین نے بھی کہا کہ جی وہ سکول نہیں جاتا۔ گھر پر ہی رہتا ہے۔ میں نے اپنے ایک فیصلے اور حکم سے اسے اتنا بڑا زخم دے دیا تھا کہ وہ اس کی تاب نہ لا سکا۔ گو میں نے بدنیتی سے ایسا نہیں

free-urdubook.blogspot.com

کیا تھا‘ لیکن اب میں بیٹھ کر سوچتا ہوں‘ تو دیکھتا ہوں کہ میں نے اتنے اچھے صحت مند پیارے بچے کے ساتھ کیا حماقت کی ہے۔ اس وقت میرے ذہن میں Scar یعنی زخم کا لفظ نہیں آیا۔ تب میں سمجھتا تھا کہ پڑھانے کے لیے ایسا ہی سخت رویّہ ہونا چاہیے۔

وہ زمانہ گزر گیا‘ پاکستان بن گیا۔ ہم ادھر آ گئے۔ وہ لوگ پتا نہیں کدھر ہوں گے۔ ایسے ہی مجھے پتا چلا کہ وہ گھرانہ ساہیوال چلا گیا تھا۔ باپ کو اسے پڑھانے کا بڑا شوق تھا‘ خواہش تھی۔ اس نے بچے کو پھر سکول داخل کرایا‘ لیکن وہ سکول سے بھاگ جاتا تھا۔ ڈرتا تھا اور کانپتا تھا۔ وقت گزرتا گیا۔ بہت سال بعد مجھے پھر معلوم ہوا کہ اس لڑکے نے بُری بھلی تعلیم حاصل کر لی ہے اور لاہور سے انجینئرنگ یونیورسٹی سے بی ایس سی بھی کر لی ہے۔ ایک اندازہ تھا لوگ مجھے آ کر یہ بتاتے تھے کہ شاید وہی لڑکا ہے کوئی یقینی بات نہیں تھی۔ پچھلی سے پچھلی عید پر جب ہم نماز پڑھ چکے‘ تب ہم عید کے بعد ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں۔ معانقہ کرتے ہیں ''جپھی'' ڈالتے ہیں۔ اس میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ آپ اس بندے کو جانتے ہیں یا نہیں۔ آپ کی صف میں جو بھی ہو اس سے معانقہ کیا جاتا ہے۔ کوئی واقف کار ہو یا نہ ہو۔ میرے ساتھ لوگ ملتے رہے اور ہم بڑی محبت سے ایک دوسرے سے جپھی ڈالتے رہے۔ وہاں ایک نوجوان کھڑا تھا‘ وہ بھی کسی سے مل رہا تھا۔ میں نے کہا کہ یہ میری طرف تو متوجہ نہیں ہوتا‘ میں ہی اس کی طرف متوجہ ہوں۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور جب میں نے آگے بڑھ کر اسے جپھی ڈالنے کی کوشش کی تو اس نے دونوں ہاتھوں سے مجھے پرے دھکیل دیا۔ اب میرا یقین ہے کہ یہ وہی لڑکا تھا۔ میں تو اس وقت بڑا تھا۔ وہ چھوٹا تھا تب اور وہ مجھے پہچانتا تھا۔ میں اسے نہیں پہچان سکتا تھا۔ اب میں اس کو تلاش کرتا ہوں اور بہت تکلیف میں ہوں اور اس بات کا آرزومند ہوں کہ کسی طرح سے مجھے اس سے معافی مل جائے۔

بظاہر تو یہ اتنی بڑی کوتاہی نہیں تھی‘ لیکن جو واقعہ گزرا اور جس طرح سے اس کے دل کے اوپر لگا اور وہ زخم کتنے ہی سال گزرنے کے بعد بھی اس کے دل پر چلا آ رہا ہے اور اب وہ واقعہ ایک نئے رُوپ میں مجھے پریشان کرتا ہے‘ دُکھ دیتا ہے۔ میں آپ سب سے درخواست کروں گا کہ بظاہر یہ بات معمولی لگتی ہے‘ بظاہر ہم یہ بات کہہ دیتے ہیں کہ میں نے اس کو ایسا پوائنٹ مارا کہ اس کی پھکڑی پھُل کر دی‘ لیکن ایک بندہ زندہ رہتے ہوئے بھی اپنے اندر کی لاش ساتھ اٹھائے پھرتا ہے اور آپ اس کے قاتل ہیں۔ اس کا دین‘ اس کی دیت‘ اس کا قصاص کس طرح سے ادا کیا جائے‘ یہ سمجھ سے باہر ہے۔ وہ کشمیری جن کو بھارتی گورنمنٹ اپنا اٹوٹ انگ کہتی ہے کہ یہ ہمارے بدن کا ایک حصہ ہیں‘ مگر ان بھارتیوں نے گزشتہ 56 برسوں میں کتنے زخم کشمیریوں کو دیے ہیں۔ جسمانی بھی‘ روحانی بھی‘ نفسیاتی بھی اور ہر طرح کے زخم اور وہ ساری کی ساری قوم بھارت کے سامنے ایسی ہی ہو گئی ہے جیسے وہ زخم

free-urdubook.blogspot.com

لیے پھرتی ہو۔ کچلی ہوئی انا کا زخم' زبان کا زخم' ہاتھ کا زخم' اسلحے باروں کا زخم اور ان کی یہ کیفیت اجتماعی طور پر ہے۔

لوگ اکثر بیٹھے یہ باتیں کرتے ہیں کہ بھارتی فلموں کے بہت اچھے ناچ گانے ہوتے ہیں۔ وہ دھیمے انداز کی بیبیاں ماتھے پر بندی لگاتی ہیں' تو اچھی لگتی ہیں۔ لیکن جس طرح کشمیریوں کا دُکھ محسوس کرتے ہوئے میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں۔ میں اتنی بڑی قوم کو ملاحظہ کرتا ہوں تو سارے کشمیر میں کوئی گھر ایسا نہیں' جس میں بھارت کی فوج نے کوئی جانی نقصان نہ کیا ہو اور پھر ساتھ ہی وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بہت پیارے ہیں اور ہمارے بدن کا حصہ ہیں اور ہمارا اٹوٹ انگ ہیں۔ شاید ان کی کشمیریوں کے لیے محبت کا یہی انداز اور طریقہ ہے کہ وہ چھ سات لاکھ کی فوج کشمیر کے اندر بھیج کر ظلم ڈھا رہے ہیں۔ ایسی کوتاہیاں انفرادی طور پر بھی آدمی سے ہوتی ہیں' اجتماعی طور پر بھی ہوتی ہیں۔ لیکن جب مسلسل اجتماعی رنگ میں ہونے لگیں تو اس کے باوجود بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ کامیاب ہیں' لیکن یہ کامیابی نہیں ہوتی۔

ہمارے اور اللہ کے ٹائم میں بڑا فرق ہے۔ ہمارا جو ایک دن ہے وہ اللہ کے لیے تو کچھ بھی نہیں۔ پتا نہیں ہمارا کتنا ٹائم لگ جائے تو پھر اللہ کا ایک دن بنے۔ اللہ نے کہیں فرمایا بھی ہے کہ وقت کیا ہیں۔ میرا مطلب ہے ہمارے وقت سے مختلف۔ اب ہم اپنے ان کشمیری بھائیوں کا اور میں اپنے اس بچے کا' جس کا میں ہیڈ ماسٹر بن گیا تھا' اس طرح سے ''پراسچت'' کر سکتے ہیں ایسی تلافی کر سکتے ہیں کہ ہم ان کی بہتری چاہیں' دل سے انہیں اچھا Wish کریں۔ یہ ایسی بات ہے جو دعا سے بھی طاقتور ہوتی ہے۔ ہم ان کے ساتھ جا کر لڑ تو نہیں سکتے۔ میں اس کے اوپر یعنی Well Wishing پر کسی اگلے پروگرام میں بات کروں گا۔ دعا لفظوں کے ساتھ مانگی جاتی ہے' لیکن جب آپ کسی کے لیے Wish Well نیک خواہشات کے اظہار کے طور پر کریں' آرزو اچھی رکھیں اور آپ کسی کو کہہ دیں کہ غلام محمد بڑا اچھا آدمی ہے' اللہ اس کو بھاگ لگائے۔ چاہے آپ کسی کو بے خیالی میں کہہ دیں' پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ آپ کی وہ دعا قبول نہ ہو۔

ہمارے قدرت اللہ شہاب صاحب کا بھی سٹائل تھا۔ جو بھی ان سے دعا کرنے کی درخواست کرتا آپ اسے Wish Well کرتے۔ اکثر اس کا کام بن جاتا۔ آپ سب ان لوگوں کے لیے جو بڑے دُکھ سے گزر رہے ہیں اور بڑی تکلیف میں ہیں' ان کے لیے اور کچھ نہیں کر سکتے تو Wish Well ضرور کریں اور اگر آپ کے گھر کے اندر کوئی دیوار ہے اور کبھی آپ کو مغرب کا وقت میسر آئے تو آپ اس کے ساتھ ڈھو (ٹیک) لگا کر بیٹھیں اور اپنے اللہ سے یہ ضرور کہیں کہ ''میں اپنے ان بھائیوں اور بہنوں کے لیے' جن پر صریحاً ظلم ہو رہا ہے' محض اس لیے کہ وہ مسلمان ہیں' خدا ان پر رحم کرے اور کہیں

free-urdubook.blogspot.com

کہ اے اللہ! میں ان کے لیے اور کچھ نہیں کر سکتا' صرف Wish Well کر سکتا ہوں۔ اے اللہ! تو مدد فرما۔'' لیکن آپ کو اس کے لیے وقت نکالنا پڑے گا۔ یہ نہیں کہ آپ چلتے ہوئے رسماً پڑھ لیں اس طرح سے Well Wish اثر نہیں کرے گی۔ جو ہاتھوں کی زنجیر بنتی ہے وہ تصویر کھینچنے کے لیے ہوتی ہے۔ یہ تصویر جو الگ بیٹھ کر آپ کھینچیں گے یہ اللہ کے دربار میں کھنچے گی اور اللہ اس کی طرف متوجہ ہوگا۔ میرے لیے بھی یہ دعا ضرور کیجیے گا کہ وہ نوجوان' اب ماشاء اللہ اس کے بچے ہوں گے' مل جائے اور اتنا ناراض نہ رہے' جتنا ناراض ہونے کا اسے حق پہنچتا ہے۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!

''دروازہ کھُلا رکھنا''

آج سے چند ہفتے پہلے یا چند ماہ پہلے میں نے ذکر کیا تھا کہ جب بھی آپ دروازہ کھول کے اندر کمرے میں داخل ہوں تو اسے ضرور بند کر دیا کریں اور میں نے یہ بات بیشتر مرتبہ ولایت میں قیام کے دوران سنی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ Shut Behind The Door میں سوچتا تھا کہ وہ یہ کیوں کہتے ہیں کہ اندر داخل ہوں تو دروازہ پیچھے سے بند کر دو' شاید وہاں برف باری کے باعث ٹھنڈی ہوا بہت ہوتی ہے اس وجہ سے وہ یہ جملہ کہتے ہیں۔ لیکن میرے پوچھنے پر میری لینڈ لیڈی نے بتایا کہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ '' آپ اندر داخل ہو گئے ہیں اور اب ماضی سے آپ کا کوئی تعلق نہیں رہا' آپ صاحب حال ہیں' اس لیے ماضی کو بند کر دو اور مستقبل کا دروازہ آگے جانے کے لیے کھول دو''۔

ہمارے بابے کہتے ہیں کہ صاحب ایمان اور صاحب حال وہ ہوتا ہے' جو ماضی کی یاد میں مبتلا نہ ہو اور مستقبل سے خوفزدہ نہ ہو۔ اب میں اس کے ذرا سا اُلٹ بات آپ سے کرنا چاہ رہا تھا کیونکہ پیچھے کی یادیں اور ماضی کی باتیں لوٹ لوٹ کے میرے پاس آتی رہتی ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی اس میں سے کچھ حصہ بٹائیں۔

ابن انشا نے کہا تھا کہ '' دروازہ کھلا رکھنا''۔ آپ دوسروں کے لیے ضرور دروازہ کھول کے رکھیں' اسے بند نہ رہنے دیں۔ آپ نے اکثر و بیشتر دیکھا ہوگا کہ ہمارے ہاں بینکوں کے دروازے شیشے والے ہوتے ہیں' وہاں دروازوں پر موٹا اور بڑا Thick قسم کا شیشہ لگا ہوا ہوتا ہے۔ اگر اسے کھول دیا جائے تو بلاشبہ اندر آنے والے کے لیے بڑی آسانی ہوگی اور اگر آپ کسی کے لیے دروازہ کھولتے ہیں اور کسی دوسرے کو اس سے آسانی پیدا ہوتی ہے' تو اس کا آپ کو بڑا انعام ملے گا' جس کا آپ کو اندازہ نہیں ہے۔ کسی کے لیے دروازہ کھولنا بڑے اجر کا کام ہے۔ ہمارے گھروں میں بیبیوں کو زیادہ اس کا علم نہیں ہے' وہ بیٹھی ہی کہہ دیتی ہے '' اچھا ماسی سلام' فیر ملاں گے'' اور اپنی جگہ پر بیٹھی کہہ دیتی ہیں' یہ نہیں کہ اٹھ کے دروازہ کھول کے کہا' بسم اللہ اور جانے کے لیے دروازہ خود کھولیں اور خدا حافظ کہیں۔ اس

free-urdubook.blogspot.com

میں بہت ساری برکات ہیں اور بہت سارے دنیاوی فوائد سے آپ مستفید ہو سکتے ہیں اور ایسا نہ کر کے آپ ان سے محروم رہ جاتے ہیں۔

میں جب اٹلی میں رہتا تھا' تو جب ہمیں مہینے کی پہلی تاریخ کو تنخواہ ملتی تھی' تو میں ایک بہت اچھے ریستوران' میں' جہاں امراء آتے تھے' خاص طور پر اداکار اور اداکارائیں بھی آتی تھیں' چلا جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ جب میں بیٹھا کافی پی رہا تھا تو ایک شخص بڑے وجود اور بڑے بڑے ہاتھوں والا آ کر میرے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے کہا کہ میں نے گزشتہ ماہ آپ کو کسی آدمی سے باتیں کرتے سنا تھا' تو آپ بڑی رواں اٹالین زبان بول رہے تھے۔ لیکن آپ Conditional verb اور Subjective verb میں تھوڑی سے غلطی کر جاتے ہیں جیسے I wish I cold have been doing do۔ اس طرح تو مشکل اور پیچیدہ ہو جاتا ہے ناں؟ میں نے کہا' جی! آپ کی بڑی مہربانی۔ میں نے اس سے کہا کہ میں بھی آپ کو جانتا ہوں (اب ان کا جو حوالہ تھا' وہ تو میں نے ان سے نہیں کہا) آپ اس دنیا کے بہت بڑے امیر آدمی ہیں یہ مجھے معلوم ہے (اس کا پہلا حوالہ یہ تھا کہ وہ ایک بہت بڑے مافیا کا چیف تھا) اس شخص نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کو ایک بڑی عجیب و غریب بات بتاتا ہوں' جو میری امارت کا باعث بنی اور میں اس قدر امیر ہو گیا۔ وہ یہ کہ مجھے ہارس ریسنگ کا شوق تھا اور میں گھوڑوں پر جوا لگاتا تھا۔ میری مالی حالت کبھی اونچی ہو جاتی تھی اور کبھی نیچی' جیسے ریس کھیلنے والے لوگوں کی ہوتی ہے۔

ایک بار میں نے اپنا سارا مال و متاع ایک ریس پر لگا دیا اور کہا کہ اب اس کے بعد میں ریس نہیں کھیلوں گا۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ میں وہ ریس ہار گیا' میری جیبیں بالکل خالی تھیں اور میں بالکل مفلس ہو گیا تھا۔ جب میں وہاں سے پیدل گھر لوٹ رہا تھا' تو مجھے شدت سے واش روم جانے کی ضرورت محسوس ہوئی' لیکن وہاں جانے کے لیے میرے پاس مقامی کرنسی کا سکہ نہیں تھا' جو واش روم کا دروازہ کھولنے کے لیے اس کے لاک میں ڈالا جاتا ہے' وگرنہ دروازہ کھلتا نہیں ہے۔ میں بہت پریشان تھا اور مجھے جسمانی ضرورت کے تحت تکلیف بھی محسوس ہو رہی تھی۔ میں وہاں قریب پارک میں گیا۔ وہاں بنچ پر ایک شخص بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا۔ میں نے بڑی لجاجت سے اس سے کہا کہ ''کیا آپ مجھے ایک سکہ عنایت فرمائیں گے؟'' اس شخص نے میری شکل و صورت کو دیکھا اور کہا کیوں نہیں اور سکہ دے دیا۔ لیکن اس سے قبل میری جسمانی صحت پر غور ضرور کیا۔ اسے کیا خبر تھی کہ میں بالکل پھانگ (مفلس) ہو چکا ہوں۔

جب میں وہ سکہ لے کر چلا اور واش روم کے دروازے تک پہنچا' جہاں لاک میں سکہ ڈالنا تھا' تو اچانک وہ دروازہ کھل گیا جبکہ وہ سکہ ابھی میرے ہاتھ میں تھا۔ جو اندر آدمی پہلے موجود تھا وہ باہر نکلا اور اس نے مسکرا کر بڑی محبت' شرافت اور نہایت استقبالیہ انداز میں دروازہ پکڑے رکھا اور مجھ سے کہا' یہ ایک روپے کا سکہ کیوں ضائع کرتے ہو؟ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور میں اندر چلا گیا۔ اب جب میں

free-urdubook.blogspot.com

باہر نکلا تو میرے پاس وہ ایک روپے کی قدر کا سکہ بچ گیا تھا۔ تو میں قریب کسینو میں چلا گیا' وہاں پر ایک اور جوا ہو رہا تھا کہ ایک روپیہ لگاؤ ہزار روپے پاؤ۔ میں نے وہ روپے کا سکہ اس جوئے میں لگا دیا اور سکہ بکس میں ڈال دیا۔ وہ سکہ کھڑکھڑایا اور ہزار کا نوٹ کڑک کر کے باہر آ گیا۔ (جواری آدمی کی بھی ایک اپنی زندگی ہوتی ہے)۔ میں نے آگے لکھا دیکھا کہ ایک ہزار ڈالو تو ایک لاکھ پاؤ۔ میں نے ہزار کا نوٹ وہاں لگا دیا۔ رولر گھوما' دونوں گیندیں اس کے اوپر چلیں اور ٹک کر کے ایک نمبر پر آ کر وہ گریں اور میں ایک لاکھ جیت گیا (آپ غور کریں کہ وہ ابھی وہیں کھڑا ہے' جہاں سے اس نے ایک سکہ مانگا تھا) اب میں ایک لاکھ روپیہ لے کر ایک امیر آدمی کی حیثیت سے چل پڑا اور گھر آ گیا۔

اگلے دن میں نے اخبار میں پڑھا کہ یہاں پر اگر کوئی Sick Industry میں انویسٹ کرنا چاہے' تو حکومت انہیں مالی مدد بھی دے گی اور ہر طرح کی انہیں رعایت دے گی۔ میں نے ایک دو کارخانوں کا انتخاب کیا' حکومت نے ایک لاکھ روپیہ فیس داخل کرنے کا کہا اور کہا کہ ہم آپ کو ایک کارخانہ دے دیں گے (شاید وہ جرابیں بنانے یا انڈر گارمنٹس کا کارخانہ تھا) وہ کارخانہ چلا تو اس سے دوسرا' تیسرا اور میں لکھ پتی سے کروڑ پتی اور ارب پتی ہو گیا۔ (آپ اب غور کریں کہ یہ سب کچھ ایک دروازہ کھلا رکھنے کی وجہ سے ممکن ہوا) اس نے کہا کہ میری اتنی عمر گزر چکی ہے اور میں تلاش کرتا پھرتا ہوں اس آدمی کو' جس نے مجھ پر یہ احسان کیا ہے۔ میں نے کہا کہ اس آدمی کو' جس نے آپ کو ایک روپیہ دیا تھا؟ اس نے کہا' نہیں! اُس آدمی کو' جس نے دروازہ کھلا رکھا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اس سے ملنا چاہتے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا' نہیں! یہ دیکھنے کے لیے اس سے ملنا چاہتا ہوں کہ وہ شخص کن کیفیات سے گزر رہا ہے اور کس اونچے مقام پر ہے اور مجھے یقین ہے کہ دروازہ کھولنے والے کا مقام روحانی' اخلاقی اور انسانی طور پر ضرور بلند ہوگا اور وہ ہر حال میں مجھ سے بہتر اور بلند تر ہوگا لیکن وہ آدمی مجھے مل نہیں رہا ہے۔

میں اس کی یہ بات سن کر بڑا حیران ہوا' اور اب مجھے انشا جی کی دروازہ کھلا رکھنا کی بات پڑھ کر وہ شخص یاد آیا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ بڑھاپے میں گزشتہ چالیس' پینسٹھ' باسٹھ برس کی باتیں اپنی پوری جزویات اور تفصیلات کے ساتھ یاد آ جاتی ہیں اور کل کیا ہوا تھا' یہ یاد نہیں آتا۔ بڑھاپے میں بڑی کمال کمال کی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آدمی چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ میں بڑا Pleasant آدمی ہوں۔ بڑا شریف آدمی ہوں۔ میں تو چڑچڑا نہیں ہوں۔ پرسوں ہی مجھے گیس کا چولہا جلانے کے لیے ماچس چاہیے تھی' میں اتنا چیخا' اوہ! آخر کدھر گئی ماچس! میرا پوتا اور پوتی کہنے لگے کہ الحمدللہ دادا بوڑھا ہو گیا ہے۔ میں نے کہا کیوں؟ تو کہنے لگے' آپ چڑنے لگے ہیں اور ایسی تو آپ کی Language کبھی نہ تھی۔ میں نے کہا' بھئی آخر بڑھاپے میں تو داخل ہونا ہی ہے' کیا کیا جائے؟

free-urdubook.blogspot.com

لیکن پھر بھی میں تم سے بہت طاقتور ہوں۔ کہنے لگے' آپ کیسے طاقتور ہیں؟ میں نے کہا' جب تمہاری کوئی چیز زمین پر گرتی ہے تو تم اُسے اٹھا لیتے ہو' لیکن اللہ نے مجھے یہ قوت دی ہے' ایک بوڑھے آدمی میں کہ جب اس کی ایک چیز گرتی ہے تو وہ نہیں اٹھاتا اور جب دوسری گرتی ہے' تو میں کہتا ہوں اکٹھی دو اٹھا لیں گے' اسی لیے ہمیشہ انتظار کرتا ہے کہ دو ہو جائیں تو اچھا ہے۔

خواتین وحضرات! دروازہ کھلا رکھنے کے حوالے سے مجھے یہ بھی یاد آیا ہے اور اپنے آپ کو جب میں دیکھتا ہوں کہ ایک زمانہ تھا (جس طرح سے ماشاء اللہ آپ لوگ جوان ہیں) 1947ء میں جب ہم نعرے مار رہے تھے' تو ہمارا ایک ہی نعرہ ہوتا تھا'' لے کے رہیں گے آزادی' لے کے رہیں گے پاکستان'' ہم اس وقت نعرے لگاتے ہوئے گلیوں' بازاروں میں گھوما کرتے تھے اور اپنے مخالفین اور دشمنوں کے درمیان بالکل اس طرح چلتے تھے' جیسے شیر اپنی کچھار میں چلتا ہے اور اب جب کچھ وقت گزرا ہے اور ہم ہی پر یہ وقت آیا ہے اور ہم جو کہتے تھے کہ'' لے کے رہیں گے پاکستان' لے کے رہیں گے آزادی'' اب ہر بات پر کہتے ہیں کہ'' لے کے رہیں گے سکیورٹی'' ہم کہتے ہیں کہ ہمیں سکیورٹی نہیں ہے۔

کسی آدمی کی تبدیلی لاہور سے ملتان کر دی جائے تو وہ کہتا کہ جی بس سکیورٹی نہیں ہے (ایسے ہی کہتے ہیں ناں) تو سکیورٹی کے لیے اتنے بے چین ہو گئے ہیں ہم' اتنے ڈر گئے ہیں اور آخر کیوں ڈر گئے؟ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ ہم تو وہی ہیں۔ تب مجھے احساس ہوا کہ ہم نے اپنی بات پر اتنے دروازے بند کر لیے ہیں اور ہم دروازے بند کر کے اندر رہنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ ذہنی طور پر' روحانی طور پر اور جسمانی طور پر۔ ہم نے ہر لحاظ سے خود کو ایسا بند کر دیا ہے کہ اب وہ آواز نہیں سنائی دیتی کہ'' لے کے رہیں گے پاکستان'' جب چاروں طرف سے دروازے بند ہوں گے تو یہی کیفیت ہو گی۔ پھر آپ اس حصار سے یا کمرے سے باہر نکل نہیں سکیں گے اور نہ کسی کو دعوت دے سکیں گے' نہ تازہ ہواؤں کو اپنی طرف بلا سکیں گے۔ ایسی چیزوں پر جب نظر پڑتی ہے اور میری عمر کا آدمی سوچتا ہے' تو پھر حیران ہوتا ہے کہ یہ وقت جو آتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے آتے ہیں' یا پھر قومیں ایسے فیصلے کر لیتی ہیں' یا مختلف گروہ انسانی اس طرح سے سوچنے لگتے ہیں۔ اس کا کوئی حتمی یا یقینی فیصلہ کیا نہیں جا سکتا۔

میں ایک دن ناشتے کی میز پر اخبار پڑھ رہا تھا اور میری بہو کچھ کام کاج کر رہی تھی باورچی خانے میں۔ وہ کہنے لگی' ابو! میں آپ کو کافی کی ایک پیالی بنا دوں؟ میں نے کہا' بنا تو دو' لیکن چوری بنانا' اپنی ساس کو نہ پتہ لگنے دینا' وہ آکر لڑے گی کہ ابھی تو تم نے ناشتہ کیا ہے اور ابھی کافی پی رہے ہو۔ اس نے کافی بنا کر مجھے دے دی۔ ہمارے باورچی خانے کا ایک ایسا دروازہ ہے' جس کو کھولنے کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی' میری بہو کو وہ دروازہ کھولنے کی ضرورت پڑی اور وہ کھولنے لگی اور جب وہ میرے

free-urdubook.blogspot.com

لیے کافی بنا رہی تھی تو کہنے لگی' ابو یہ آپ مانیں گے کہ عورت بے بدل ہوتی ہے' اس کا کوئی بدل نہیں ہوتا' میں نے کہا' ہاں بھئی! میں تو مانتا ہوں' وہ دروازہ کھولنے لگی اور کوشش کرنے لگی' کیونکہ وہ کم کھلنے کے باعث کچھ پھنسا ہوا تھا اور بڑا سخت تھا' وہ کافی دیر زور لگاتی رہی' لیکن وہ نہ کھلا تو مجھے کہنے لگی' ابو اس دروازے کو ذرا دیکھئے گا' کھل ہی نہیں رہا۔ میں گیا اور جا کر ایک بھرپور جھٹکا دیا تو وہ کھل گیا' جب کھل گیا تو پھر میں نے بھی کہا کہ دیکھا (انسان خاص طور پر مرد بڑا کمینہ ہوتا ہے' اپنے انداز میں) تم تو کہتی تھی کہ میں بے بدل ہوں اور عورت کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ کہنے لگی' ہاں ابو! یہی تو میں اب بھی کہتی ہوں کہ عورت بے بدل ہوتی ہے۔ دیکھیں میں نے ایک منٹ میں دروازہ کھلوا لیا (قہقہہ)۔ میں نے کہا' ہاں یہ بڑی پیاری بات ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دوسروں کے لیے دروازہ کھولنا' ایک جادوٗ چالاکی' ایک تعویذ اور ایک وظیفے کی بات ہے' اگر آپ میں' مجھ میں یہ خصوصیت پیدا ہو جائے تو یہ عجیب سی بات لگے گی کہ ہم دروازہ کھولنے لگیں' لوگوں کے لیے تو یہ ایک رہبری عطا کرنے کا کام ہوگا۔ آپ لوگوں کو رہبری عطا کریں گے' اپنے اس عمل سے' جس نے دروازہ کھول کے اندر جانا ہے' آخر اسے جانا تو ہے ہی' لیکن آپ اپنے عمل سے اس شخص کے رہنما بن جاتے ہیں اور جب آدمی رہنمائی کرتا ہے' تو اس کا انعام اسے ضرور ملتا ہے۔ ہمارے ہاں تو یہ رواج ذرا کم ہے۔ ہم تو دروازہ وغیرہ اس اہتمام سے نہیں کھولتے ہیں کہ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کسی کا دروازہ کھولنے کی' جب وہ چلا جائے گا' دفع ہو جائے گا تو کھول کر اندر چلے جائیں گے۔ اگر ہم میں دروازہ کھولنے کی عادت پیدا ہو جائے۔ اگر ہم اپنے دفتر' بینک یا درس گاہ میں دروازہ خود کھولیں' چاہے ایک استاد ہی اپنے شاگردوں کے لیے کلاس روم کا دروازہ کیوں نہ کھولے' یہ کام برکت اور آگے بڑھنے کا ایک بڑا اچھا تعویذ ثابت ہوگا۔

یہ بات واقعی توجہ طلب ہے۔ اس سے فائدہ اٹھایا جانا چاہیے اور ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا تعلق ذاتی فائدے سے بھی ضرور ہوتا ہے۔ اس میں چاہے روحانی فائدہ ہو یا جسمانی یا پھر اخلاقی ہو' ہوتا ضرور ہے اور انسان سارے کا سارا محض چیزوں اور اشیاء سے ہی نہیں پہچانا جاتا۔ ہمارے ایک استاد تھے' میرے کولیگ' بڑے بزرگ قسم کے' وہ ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ Rich آدمی وہ ہوتا ہے' جس کی ساری کی ساری Richness اس کی امارت' اس کی دولت' سب کی سب ضائع ہو جائے اور وہ اگلے دن کیسا ہو؟ اگر وہ اگلے دن گر گیا تو اس کا سہارا اور امارت جو تھی وہ جھوٹی تھی۔ میں آپ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں بھی اس پروگرام کے بعد دروازے کھولنے والوں میں ہوں گا' چاہے میں ڈگمگاتا ہوا ہی اسے کھولوں۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!!

---

free-urdubook.blogspot.com

ایم اے پاس بلی

آج صبح کی نماز بھی ویسے ہی گزر گئی اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ میرے ساتھ اکثر و بیشتر ایسے ہو جاتا ہے کہ آنکھ تو کھل جاتی ہے' لیکن اٹھنے میں تاخیر ہو جاتی ہے اور پھر وہ وقت بڑا ابو جھل بن کر وجود پر گزرتا ہے۔ میں لیٹا ہوا تھا۔ میں نے کہا اور کوئی کام نہیں چلو کل کا اخبار ہی دیکھ لیں۔ میں نے بیڈ لیمپ آن کیا' بتی جلائی اور اخبار دیکھنے لگ پڑا اور آپ جانتے ہیں اخبار میں کتنی خوفناک خبریں ہوتی ہیں' وہ برداشت نہیں ہوتیں۔ مثلاً یہ کہ سرحد کے پار سے تیس گاڑیاں مزید چوری ہو گئی ہیں۔ دو بیٹوں نے کاغذات پر انگوٹھے لگوا کر باپ کو قتل کر کے اس کی لاش گندے نالے میں پھینک دی۔ تاوان کے لیے بچہ اغوا کرنے والے نے بچے کو کسی ایسی جگہ پر رکھا کہ وہ والدین کی یاد میں تین دن تک روتا ہوا انتقال کر گیا وغیرہ۔

ایسی خبریں پڑھتے ہوئے دل پر بوجھ پڑتا ہے۔ ظاہر ہے سب کے دل پر پڑتا ہوگا۔ میں یہ سب کچھ پڑھ کر بہت زیادہ پریشان ہو گیا اور میں سوچنے لگا کہ ٹھیک ہے خودکشی حرام ہے' لیکن ایسے موقع پر اس کی اجازت ہونی چاہیے یا مجھ سے پہلے جو لوگ اس دنیا سے چلے گئے ہیں' وہ کتنے اچھے تھے۔ خوش قسمت تھے کہ انہوں نے یہ ساری چیزیں نہیں دیکھی تھیں۔ میں یہ دردناک باتیں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک دو اڑھائی کلو کا ایک گولہ میرے پیٹ پر آن گرا اور میں ہڑبڑا گیا۔ اخبار میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میں نے غور سے دیکھا تو میری پیاری بلی کنبر وہ فرش سے اچھلی اور اچھل کر میرے پیٹ پر آن گری تھی اور جب میں نے گھبراہٹ میں اس کی طرف دیکھا' تو وہ چلتی چلتی سینے پر پہنچ گئی۔ اس نے پیار سے میرے منہ کے قریب اپنا منہ لا کر زور سے میاؤں کی' چیخ ماری اور کہا کہ ''بیوقوف آدمی! لیٹے ہوئے ہو' یہ تو میرے دودھ کا ٹائم ہے اور تم مجھے اس وقت دودھ دیا کرتے ہو۔''

میں تھوڑی دیر کے لیے اسے پیار کرتا رہا اور وہ ویسے ہی میرے سینے کے اوپر آنکھیں بند کر کے مراقبے میں چلی گئی۔ جب ''کنبر'' مراقبے میں گئی تو میں سوچنے لگا کہ جس طرح اس کنبر کو اعتماد

free-urdubook.blogspot.com

ہے مجھ پر‘ میرے وجود پر اور میری ذات پر‘ کیا مجھ کو میرے اللہ پر نہیں ہو سکتا؟ یعنی یہ مجھ سے کتنی "Superior" ہے‘ برتر ہے اور کتنی ارفع و اعلیٰ ہے کہ اس کو پتہ ہے کہ مجھے گھر بھی ملے گا‘ حفاظت بھی ملے گی‘ Care بھی ملے گی‘ Protection بھی ملے گی اور میں آرام سے زندگی بسر کروں گی‘ لیکن میرے اندر یہ چیز اس طرح سے موجزن نہیں ہے‘ جیسے میری بلی کے اندر موجود ہے۔ میرا یقین کیوں ڈگمگاتا ہے۔

خیر! میں اٹھا اور باورچی خانے میں گیا۔ وہاں میری بیٹی نے اس کو ایک تھالی میں دودھ دیا اور وہ تھالی سے دودھ لپرنے لگی۔ میں دیر تک سوچتا رہا۔ بہت سارے خوف ابھی تک میرے ساتھ ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔ خوف انسان کو آخری دم تک نہیں چھوڑتا اور یہ بڑی ظالم چیز ہے۔ میں نے اس کا اپنے طور پر ایک طریق نکالا ہوا ہے۔ میں سوچتا رہتا ہوں اور جو میرے دل کا خوف ہوتا ہے‘ اسے میں ایک بڑے اچھے‘ خوبصورت کاغذ پر لکھتا ہوں۔ ایک نئے مارکر کے ساتھ کہ ''اے اللہ! میرے دل کے اندر جو خوف ہے کہ مجھ سے اس مقام تک نہیں پہنچا جائے گا‘ جس مقام تک پہنچنے کے لیے تو نے ہمیں رائے دی ہے‘ پھر میں یہ لائن بڑی دفعہ لکھتا ہوں۔ کوئی ذاتی خوف‘ بچے کے پاس نہ ہونے کا خوف یا بچی کی شادی نہ ہونے کا‘ میں اسے پہلے ایک کلر میں لکھتا ہوں‘ پھر کئی اور کلرز میں لکھتا ہوں اور جب میں اسے بار بار پڑھتا ہوں اور بالکل اس کا وظیفہ کرتا ہوں تو عجیب بات ہے کہ آہستہ آہستہ میرے ذہن سے وہ خوف کم ہونے لگتا ہے اور جب وہ کم ہونے لگتا ہے‘ تو پھر میں اس کاغذ کو پھاڑ کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتا ہوں‘ ہر روز میرے خوف اور میرے ڈر‘ جو ہیں وہ نئی نئی Shape اختیار کر کے آگے ہی آگے چلتے رہتے ہیں۔

میری ایک تمنا‘ آرزو اور بہت بڑی Desire یہ ہے کہ میں اللہ پر پورے کا پورا اعتماد کروں‘ ویسا نہیں جیسا ہم عام طور پر کیا کرتے ہیں ''اچھا جی! اللہ جو بھی کرائے ٹھیک ہے۔ اللہ نے جیسا چاہا‘ جی ان شاء اللہ ویسے ہی ہوگا۔ اللہ کو جو منظور ہوا وہی ہوگا۔'' یہ تو اللہ کے ساتھ کوئی تعلق کی بات نہیں ہے۔ اللہ کے ساتھ تعلق تو ایسے ہونا چاہیے کہ آدمی اپنے کمرے کے اندر پلنگ کے بازو پر بیٹھا ہوا اس کے ساتھ باتیں کر رہا ہو اور اپنی مشکلات بیان کر رہا ہو‘ اپنی زبان میں‘ اپنے انداز میں کہ اے خدا! مجھے یہ مشکل درپیش ہے۔ اللہ کے ساتھ تعلق تو اس وقت ہوتا ہے جب آپ ایک بہت بڑے کھلے میدان میں‘ جہاں بچے کرکٹ کھیل رہے ہوں‘ اس کے کارنر یا کونے میں بنچ پر بیٹھے ہوئے ان کو دیکھ رہے ہیں اور اللہ کے ساتھ آپ کا تعلق چل رہا ہے‘ اتنا ہی وسیع جتنا بڑا میدان آپ کے سامنے ہے اور اتنی ہی قربت کے ساتھ جتنا بچوں کا واسطہ اپنے کھیل سے ہے۔ اللہ کے ساتھ تعلق تو ایسے ہوتا ہے۔

جب آپ حضرات یا خواتین بازار جاتے ہیں سودا لینے اور اس کے بعد آپ بس کے انتظار

میں بس سٹینڈ پر بیٹھ جاتے ہیں' تو اس وقت آپ اللہ سے کہیں کہ اے اللہ! شازیہ نے بی اے کر لیا ہے' اب اس کے رشتے کی تلاش ہے' اب یہ بوجھ تیرا ہی ہے' تو جانے۔ یہ تعلق جو ہے یہ مختلف مدارج میں ہوتا ہوا چلتے رہنا چاہیے۔ یہ جو ہم خدا سے تعلق کے محاورے بول جاتے ہیں کہ اچھا جی جو اللہ چاہے کرے گا۔ اللہ کی مرضی!! کبھی کبھی وقت نکال کر اللہ کے ساتھ کوئی نہ کوئی تعلق ضرور پیدا کرنا چاہیے' جیسے پالتو بلی کو گھر کے افراد کے ساتھ ہوتا ہے کہ میری ساری ذمہ داریاں انہوں نے اٹھائی ہوئی ہیں اور میں مزے سے زندگی بسر کر رہی ہوں۔ کبھی نہ کبھی تو ہمارا بھی دل چاہتا ہے مزے سے زندگی بسر کرنے کا' ہم بھی تو اس بات کے آرزومند ہوں گے کہ ہم بھی مزے کے ساتھ زندگی بسر کریں اور اپنے اللہ کے اوپر سارا بوجھ ڈال دیں۔

ہم نے تو بہت سارا بوجھ خود اپنے کندھے پر اٹھا رکھا ہے۔ ہم اتنے سیانے ہو جاتے ہیں جیسے میں کئی دفعہ اپنے دل میں کہتا ہوں کہ نہیں یہ تو میرے کرنے کا کام ہے' اسے میں اللہ کے حوالے نہیں کر سکتا' کیونکہ میں ہی اس کی باریکیوں کو سمجھتا ہوں اور میں نے ہی ابھی Statistics کا مضمون پاس کیا ہے اور یہ نیا علم ہے۔ اسے میں ہی جانتا ہوں۔ لیکن یہ قسمت والوں کا خاصا ہوتا ہے کہ وہ اپنا سارا بوجھ اس (اللہ) کے حوالے کر دیتے ہیں اور اس کے ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ ایک دفعہ ہمارے ہاں ایک نمائش ہوئی تھی' بڑی دیر کی بات ہے' میرا بچہ اس وقت بہت چھوٹا تھا۔ اس نمائش میں بہت ساری چیزیں تھیں۔ خاص طور پر کھلونوں کے سٹال تھے اور چائنہ جو نیا نیا ابھر رہا تھا' اس کے بنے ہوئے بڑے کھلونے ادھر موجود تھے۔ میرے سارے بچے اسی کھلونوں کے سٹال پر ہی جا کر جمع ہو گئے۔ ظاہر ہے میں اور ان کی ماں بھی وہاں ان کے ساتھ تھے۔ وہاں پر چائنہ کا بنایا ہوا ایک پھول' بہت اچھا اور خوبصورت پھول' جو کپڑے اور مصالحے کا بنا ہوا تھا اور سٹال والے کا دعویٰ تھا کہ یہ پھول رات کے وقت روشنی دیتا ہے' یعنی اندھیرے میں رکھو تو روشن ہو جاتا ہے۔ میرے چھوٹے بیٹے نے کہا کہ ابو یہ پھول لے لیتے ہیں۔ وہ اس پھول کے بارے میں بڑا متجسس تھا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے' لے لیتے ہیں۔ وہ اتنا قیمتی بھی نہیں تھا۔ ہم نے پھول لے لیا۔ اب وہ (میرا بیٹا) بیچارا سارا دن اسی آرزو اور انتظار میں رہا کہ کب رات آتی ہے اور کب میں اس کو روشن دیکھوں گا۔

رات کو اپنے کمرے میں وہ پھول لے گیا اور بیچارا آدھی رات تک بیٹھا رہا' لیکن اس میں سے کوئی روشنی نہیں آئی تھی۔ صبح جب میں اٹھا تو وہ میرے بستر کے پاس کھڑا "پھس پھس" رو رہا تھا اور پھول اس کے ہاتھ میں تھا اور کہہ رہا تھا کہ ابو اس میں کوئی روشنی نہیں تھی' یہ تو ویسا ہی کالے کا کالا ہے۔ یہ تو ہمارے ساتھ دھوکا ہو گیا۔ میں نے کہا' نہیں! تم ابھی تھوڑا انتظار کرو اور صبر کی کیفیت پیدا کرو۔ اگر اس سٹال والے نے دعویٰ کیا ہے تو اس میں سے کچھ ہو گا۔ میں نے اس سے وہ پھول لے لیا اور اسے

free-urdubook.blogspot.com

اپنے کوٹھے (گھر کی چھت) پر لے جا کر (وہاں کڑی دھوپ تھی) دھوپ میں رکھ دیا۔ مجھے پتہ تھا کہ اس میں جونسا چمکنے والا مصالحہ انہوں نے لگایا تھا' وہ جب تک سورج کی کرنیں جذب نہیں کرے گا' اس وقت تک اس میں روشنی نہیں آئے گی۔ بالکل ویسے ہی جیسے گھڑیاں ہوتی تھیں کہ وہ دن کو روشنی میں رہتی تھیں' تو رات کو پھر جگمگاتی تھیں۔ جب شام پڑی تو میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اب تم اس پھول کو لے جاؤ۔ جب رات گہری اندھیری ہوگئی تو جیسا میں نے اسے بتایا تھا کہ اس کے اوپر کالا کپڑا رکھنا اور فلاں فلاں وقت میں اسے دیکھنا (میں نے اسے اس انداز میں سمجھایا جیسے جادوگر کرتے ہیں)۔ اس نے ایسے ہی کیا اور خوشی کا نعرہ اور چیخ ماری۔ اس کا سارا کمرہ جگمگ روشن جو ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی ماں کو اور چھوٹے بھائیوں کو بلایا اور وہ جگمگاتا ہوا پھول دکھانے لگا۔ ہمارے گھر میں ایک جشن کا سا سماں ہو گیا۔

جب اس کی ماں اور اس کے بھائی اس کے کمرے میں بیٹھے ہوئے اس کے ساتھ باتیں کر رہے تھے' تو میں اپنے بستر پر لیٹا ہوا سوچ رہا تھا کہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم بھی وہ روشنی' جو اللہ خداوند تعالیٰ ہمیں عطا کرتا ہے اور جسے وہ بطور خاص نور کہتا ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض کہتا ہے کیا ہم اس کو اپنی ذات میں نہیں سمو سکتے؟ کیا ایسے نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی بلی کی طرح اپنی ساری چیزیں اس کی روشنی میں رکھ دوں' جیسے میں نے وہ پھول چھت پر رکھا تھا تاکہ وہ روشنی جذب کر کے چمک سکے۔ میری شادی' میری ملازمت' میری زندگی' میری صحت' میرے بچے' میرے عزیز و اقارب' میرے رشتہ دار حتیٰ کہ میں اپنا ملک بھی' جسے بڑی محبت' محنت کے ساتھ اور بڑی قربانیاں دے کر ہم نے آزادی دلوائی ہے' اس کو اٹھا کر اس روشنی کے اندر رکھ دوں اور پھر یہ سارا دن رات اسی طرح جگمگاتے رہیں' جیسے میرے بچے کا وہ پھول رات کے اندھیرے میں جگمگا رہا تھا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ ہم کو ظلمات سے اتنا پیار ہو گیا ہے' کس وجہ سے ہوا ہے۔ میں یہ الزام آپ پر بھی نہیں لیتا' آپ کو خیر کیسے دے سکتا ہوں کہ اندھیرے سے اتنا پیار کیوں ہے؟

ہم اندھیرے کی طرف کیوں مائل ہیں اور جب اللہ بار بار کہتا ہے' واضح کرتا ہے کہ میں تم کو ظلمات سے نور کی طرف لانا چاہتا ہوں' تم ظلمات سے نور کی جانب آؤ اور جن کے اذہان اور روئیں بند ہیں' وہ روشنی کی طرف نہیں آتے اور ایسے ہو نہیں پاتا' جیسے رب تعالیٰ چاہتا ہے اور آرزو یہ رہتی ہے کہ انسان اپنے کام' اپنی ہمت اور اپنی محنت سے کرے۔ انسان اپنے کام اپنی ہمت اور محنت سے صرف اسی حد تک کرے' جس کا وہ مکلف ہے' یعنی جس کی وہ تکلیف اٹھا سکتا ہے۔ لیکن اللہ کو بھی کچھ نہ کچھ ذمہ داری عطا کرنی چاہیے۔ اگر آپ تفریحاً (میری ایسی ہی باتیں ہیں' جو ایک ڈرائنگ ماسٹر سمجھتے ہیں' وہ کرتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی تعلق پیدا کرنا چاہیے) کچھ وقت نکال کر' آپ اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیں

free-urdubook.blogspot.com

اور میرے کہنے پر ہی تھوڑے وقت کے لیے کہ آپ کسی بھی زبان میں' اپنے اللہ کے ساتھ کچھ گفتگو شروع کر دیں (جس طرح آج کل آپ اپنے سیلولر فون پر کرتے ہیں) تو چند دنوں کے بعد آپ کو ایک Message آنے لگ جاتا ہے' جو واضح تو نہیں ہوتا۔ ایسے تو نہیں ہوتا جیسے آپ ٹیلیفون پر سنتے ہیں' لیکن آپ کا دل' آپ کی ذات اور آپ کا ضمیر اس کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے' پھر آہستہ آہستہ زیادہ وقت صرف کرنے سے کہ میں کچھ وقت نکال کر' اپنا ہل چھوڑ کے ''واہی'' (کھیتی) چھوڑ کر یا قلم چھوڑ کر لکھتے ہوئے یا دفتر میں اپنے اوقات کے دوران میں اگر آپ کا کمرہ الگ ہے' تو اپنی ٹیبل چھوڑ کر' سامنے والے صوفے پر جو مہمانوں کے لیے رکھا ہوتا ہے' وہاں جا کر بیٹھیں اور اپنے جوتے اتار دیں' پاؤں آرام سے قالین پر رکھیں۔ پھر آپ کہیں کہ میں خاص نیت کے ساتھ آپ سے (خدا سے) وابستہ ہونے کے لیے یہاں آ کر بیٹھا ہوں۔ مجھے یہ پتہ نہیں ہے کہ وابستگی کس طرح سے ہوتی ہے' مجھے یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ آپ کو کس طرح سے پکارا جاتا ہے۔ میں صرف یہ بوجھ آپ پر ڈالنے کے لیے یہاں آیا ہوں کہ جس طرح جانور کو اپنے مالک پر اعتماد ہوتا ہے۔ اسی طرح میں عین اس جانور کی حیثیت سے اپنا بوجھ آپ پر ڈالنے کے لیے یہاں بیٹھا ہوں۔

مجھے سارے طریقے نہیں آتے ہیں' جو طریقے بزرگوں کو معلوم ہیں۔ اس طرح آپ کے اندر اور اس ماحول کے اندر سے اور اس مقام کے اندر سے اور جو کام کرنے والی جگہ چھوڑ کر آپ اور جگہ پر آ کر بیٹھے ہیں' اس جگہ کے حوالے سے اور اس جگہ کی تقدیس سے یقیناً آپ Inline ہوں گے۔ جس طرح آپ نے شاید کبھی انجن گاڑی کے ساتھ جوڑتے ہوئے دیکھا ہوگا کہ کس طرح جب انجن کو گاڑی کے پاس لایا جاتا ہے' تو وہ ''کرک'' کر کے گاڑی کے ساتھ جڑ جاتا ہے اور گاڑی کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ ساتھ جڑ گیا ہے۔ یہ مشاہدہ آپ ضرور کریں کہ کس طرح سے آدمی اللہ کے ساتھ جڑ جاتا ہے اور پھر وہ اپنا سارا بوجھ اللہ پر ڈال کر اور ساری ذمہ داری اس کے حوالے کر کے چلتا رہتا ہے۔

ایک روز میں جمعہ پڑھنے جا رہا تھا۔ راستے میں ایک چھوٹا سا کتا تھا' وہ پلا ریہڑے کی زد میں آ گیا اور اسے بہت زیادہ چوٹ آ گئی۔ وہ جب گھبرا کر گھوما تو دوسری طرف سے آنے والی جیپ اس کو لگی' وہ بالکل مرنے کے قریب پہنچ گیا۔ سکول کے دو بچے یونیفارم میں آ رہے تھے۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گئے۔ میں بھی ان کے قریب کھڑا ہو گیا۔ حالانکہ جمعے کا وقت ہو گیا تھا۔ ان بچوں نے اس زخمی پلے کو اٹھا کر گھاس پر رکھا اور اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک بچے نے جب اس کو تھپتھپایا تو اس پلے نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ وہاں ایک فقیر تھا۔ اس نے کہا کہ واہ' واہ واہ! وہ سارے منظر کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا' جبکہ ہم کچھ آبدیدہ اور نم دیدہ تھے۔ اس فقیر نے کہا کہ یہ اب اس سرحد کو چھوڑ کر دوسری سرحد کی طرف چلا گیا۔ وہ کہنے لگا کہ موت یہ نہیں تھی کہ اس کتے نے آنکھیں بند کر لیں اور یہ مر گیا۔ اس کی

موت اس وقت واقع ہوئی تھی جب یہ زخمی ہوا تھا اور لوگ اس کے قریب سڑک کراس کر رہے تھے اور کوئی رُکا نہیں تھا۔ پھر اس نے سندھی کا ایک دوہڑا پڑھا۔ اس کا مجھے بھی نہیں پتہ کہ کیا مطلب تھا اور وہ آگے چلا گیا۔ وہ کوئی پیسے مانگنے والا نہیں تھا۔ پتہ نہیں کون تھا اور وہاں کیوں آیا تھا؟

وہ سپردگی جو اس سکول کے بچے نے بڑی دل کی گہرائی سے اس پلے کو عطا کی، ویسی ہی سپردگی ہم جیسے پلوں کو خدا کی طرف سے بڑی محبت اور بڑی شفقت سے اور بڑے رحم اور بڑے کرم کے ساتھ عطا ہوتی ہے۔ لیکن یہ ہے کہ اسے Receive کیسے کیا جائے؟ کچھ جاندار تو اتنی ہمت والے ہوتے ہیں کہ وہ رحمت اور اس شفقت کو اور اس Touch کو حاصل کرنے کے لیے جان تک دے دیتے ہیں۔ آپ نے بزرگان دین کے ایسے بیشمار قصے پڑھے ہوں گے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میرا چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے' لیکن ان تجربات میں سے گزرتے ہوئے میں نے یہ ضرور محسوس کیا ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کیا جائے اور اپنا سارا سامان' جتنا بھی ہے' اس کی روشنی میں رکھ دیا جائے اور جب اس کی پوری کی پوری روشنی سے وہ پورے کا پورا لتھڑ جائے' تو پھر کوئی خطرہ کوئی خوف باقی نہیں رہتا۔

کتابی علم جو میرے پاس بھی ہے' وہ تو مل جائے گا' لیکن وہ روح جو سفر کرتی ہے' وہ داخل نہیں ہوگی۔ میری بلی کنبر نے آج صبح سے مجھے بہت متاثر کیا ہے اور میں بار بار قدم قدم پر یہ سوچتا ہوں کہ کیا میں اس جیسا نہیں بن سکتا؟ اب مجھے اپنی بلی پر غصہ بھی آتا ہے اور پیار بھی آتا ہے اور میں اس سے چڑ گیا ہوں کہ یہ تو اتنے بڑے گریڈ حاصل کر گئی اور فرسٹ ڈویژن میں ایم اے کر گئی ہے اور میں جو اس کا مالک ہوں' میں بالکل پیچھے ہوں۔ یہ ساری بات غور کرنے کی ہے۔ آپ میری نسبت باطن کے سفر کے معمول میں بہت بہتر ہیں اور جو جذبہ اور جو محبت اور لگن آپ کی روحوں کو عطا ہوتی ہے' وہ مجھے عطا نہیں ہوئی۔ لیکن میں آپ کے ساتھ ساتھ بھاگنے والوں میں شریک رہنا چاہتا ہوں کہ کچھ کرنیں جب بٹ جائیں' آپ کے سامان سے تو وہ مجھے مل جائیں۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!!

free-urdubook.blogspot.com

تنقید اور تائی کا فلسفہ

(نوٹ:۔ یہ پروگرام اشفاق احمد کے انتقال سے چند روز قبل نشر ہوا)

ان دنوں میرا پوتا' جواب بڑا ہو گیا ہے' عجیب عجیب طرح کے سوال کرنے لگا ہے۔ ظاہر ہے کہ بچوں کو بڑا حق پہنچتا ہے سوال کرنے کا۔ اس کی ماں نے کہا کہ تمہاری اردو بہت کمزور ہے' تم اپنے دادا سے اردو پڑھا کرو۔ وہ انگریزی سکول کے بچے ہیں' اس لیے وہ زیادہ اردو نہیں جانتے۔ خیر! وہ مجھ سے پڑھنے لگا۔ اردو سیکھنے کے دوران میں وہ کچھ اور طرح کے سوالات بھی کرتا ہے۔ پرسوں مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ دادا! یہ آمدورفت جو ہے' اس میں عام طور پر کتنا فاصلہ ہوتا ہے؟ (اس نے یہ لفظ نیا نیا پڑھا تھا)۔ اب اس نے ایسی کمال کی بات کی تھی کہ میں اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا تھا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ دادا! کیا نفسیات کی ایسی کوئی کتاب ہے' جس میں آدمی کو پرکھنے کے اچھے سے اور آسان سے طریقے ہوں؟ تو میں نے کہا کہ بھئی! تمہیں آدمی کو پرکھنے کی کیا ضرورت پیش آ رہی ہے؟ اس نے کہا کہ پتہ تو چلے کہ آخر مدمقابل کیسا ہے؟ کس طرز کا ہے؟ جس سے میں دوستی کرنے جا رہا ہوں' یا جس سے میری ملاقات ہو رہی ہے۔ میں اس کو کس کسوٹی پر لٹمس پیپر کے ساتھ چیک کروں۔ میں نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس کو چیک کرنے کی ضرورت نہیں' لیکن اگر تم ایسا چاہتے ہی ہو تو ظاہر ہے علم نفسیات میں بہت ساری ایسی کتابیں ہیں کہ:

HOW TO UNDERSTAND PEOPLE? HOW TO CHECK HUMAN BEINGS?

ایسی بیشمار کتابیں ہیں' لیکن وہ ساری کی ساری اتنی ٹھیک نہیں جتنی ہمارے ہاں عام طور پر سمجھی جاتی ہیں۔ ہماری استاد تو ہماری تائی تھی۔ میں نے پہلے بھی اس کے بارے میں آپ لوگوں کو بتایا ہے' لیکن آپ میں سے شاید بہت سے لوگ نئے ہیں اور ان کو ''تائی'' کے بارے میں پتہ نہ ہو' جسے سارا گاؤں ہی ''تائی'' کہتا تھا۔ بڑے کیا' چھوٹے کیا' سبھی۔ وہ ہمارے گاؤں میں ایک بزرگ تیلی جو

free-urdubook.blogspot.com

میری پیدائش سے پہلے فوت ہو گئے تھے' ان کی بیوہ تھیں۔ ہماری تائی تیلن تھی' تیل نکالتی تھی اور کچی گھانی کا خالص سرسوں کا تیل بیچتی تھی۔ سارے گاؤں والے اس سے تیل لیتے تھے۔ خود ہی بیل چلاتی تھی' بڑی لٹھ جو بہت مشکل ہوتی ہے' بیلوں سے وہ اکیلی نکال لیتی تھی۔

میں جب اس سے ملا تو اس کی عمر 80 برس کی تھی۔ میں اس وقت آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا' لیکن مجھے اس تائی کی شخصیت نے متاثر بہت کیا۔ وہ اتنی خوش مزاج' اتنی خوشی عطا کرنے والی اور خوش بختی کا سامان مہیا کرنے والی تھی کہ جس کا حساب نہیں۔ شام کے وقت گاؤں کے لوگ' بزرگ' ہندو' سکھ سب اس کے پاس جمع ہو جاتے تھے کہ ہمیں کوئی دانش کی بات اس کے ہاں سے ملے گی۔ ایک طرح سے یوں سمجھئے کہ اس کا گھر ''کافی ہاؤس'' تھا' جس میں زمیندار لوگ اکٹھے ہو جاتے تھے۔ ایک بار میں نے تائی سے پوچھا کہ یہ تیری زندگی جو گزری ہے' اس کا میں تو شاہد نہیں ہوں' وہ کس قسم کی تھی؟ اس نے بتایا کہ میں چھبیس برس کی عمر میں بیوہ ہو گئی اور پھر اس کے بعد اب میری عمر دیکھ لو تمہارے سامنے ہے۔ اسی برس ہے۔ میں ایسے ہی رہی' لیکن میں کڑوی بہت تھی اور تلخ طبیعت کی ہو گئی۔ جب میں بیوہ ہو گئی۔ میں خدا پر بھی تنقید کرتی تھی' حالات پر بھی' وقت پر بھی' لوگوں پر بھی اور میری کڑواہٹ میں مزید اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

میری شخصیت کو وہ سکون نہیں ملتا تھا' جس کی میں آرزومند تھی' لیکن میں ہر بندے کو اچھی طرح سے ''کھڑکا'' دیتی تھی اور وہ شرمندہ ہو کر اور گھبرا کر میرے ہاں سے رخصت ہوتا تھا۔ تو میں نے ایک اور یہ فیصلہ کیا کہ (اس عورت میں اللہ نے فیصلے کی بڑی صلاحیت رکھی ہوئی ہے) اگر مجھے آدمیوں کو' لوگوں کو سمجھنا ہی ہے' اگر مجھے ان کی روحوں کے اندر گہرا اترنا ہے' تو میرا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ مجھے ان پر Criticism کرنا' تنقید کرنا' نکتہ چینی کرنا' چھوڑنا ہوگا۔ جب آپ کسی شخص پر نکتہ چینی کرنا چھوڑ دیتے ہیں' اس پر تنقید کرنا چھوڑ دیتے ہیں' اس میں نقص نکالنا چھوڑ دیتے ہیں تو وہ آدمی سارے کا سارا آپ کی سمجھ میں آنے لگتا ہے اور ایکسرے کی طرح اس کا اندر اور باہر کا وجود آپ کی نظروں کے سامنے آ جاتا ہے۔

اب یہ اس کا بھی فلسفہ تھا اور کچھ بڑوں سے بھی اس نے حاصل کیا تھا' وہ بھی تھا۔ جب بھی مجھے کوئی ایسا مشکل مسئلہ ہوتا' تو میں ضرور اس سے ڈسکس کرتا کہ اس کو کیسے کرنا ہے' اکیلا میں ہی نہیں' سارے ہی اس سے ڈسکس کرتے تھے' کیونکہ اس کا فلسفہ یہ تھا کہ کسی کی خرابیاں تلاش کرنے کے بجائے اس کی خوبیوں پر نظر رکھنی چاہیے اور ظاہر ہے کہ آدمی کسی کی خوبیوں پر نظر نہیں رکھ سکتا' کیونکہ اس کو بڑی تکلیف ہوتی ہے' لیکن ڈھونڈنی چاہئیں۔ وہ تائی واحد ایسی فرد تھی جو کہ برے سے برے آدمی میں' برے سے برے وجود میں سے بھی خوبی تلاش کر لیتی تھی۔ میرا بھائی' جو مجھ سے دو جماعتیں آگے

free-urdubook.blogspot.com

تھا' وہ بھی تائی کے اس رویے سے بڑا تنگ تھا۔ وہ ذہین آدمی تھا۔ ایک دن اس نے ایک ترکیب سوچی۔ اس نے کہا کہ یار! میں ابھی تائی کو پھانستا ہوں' کیونکہ وہ بالکل اَن پڑھ ہونے کے باوصف ہم سے بہت آگے چلی جا رہی ہے۔ میں نے آج ایک معمہ بنایا ہے' اسے لے کر تائی کے پاس چلتے ہیں۔ لیکن تم بہت سنجیدہ رہنا اور معصوم سے "میسنے" بن کر کھڑے ہو جانا۔ یہ تائی ہر چیز کی تعریف کرتی ہے' کبھی آج تک اس کو کسی میں نقص نظر نہیں آیا' پھر زندگی کا مزہ کیا ہے کہ آدمی کسی نقص کے بغیر ہی زندگی بسر کرتا چلا جائے اور اردگرد پڑوس میں عورتیں آباد ہوں اور آدمی ان میں نقص ہی نہ نکالے۔ بیبیاں تو فوراً کھڑکی کھول کر دیکھتی ہیں کہ اس کے گھر میں کون آیا ہے؟ کون گیا؟ فٹافٹ نقص نکالنے اور خرابی کی وضاحت پیش کرنے کے لیے ان کو موقع چاہیے ہوتا ہے۔

خیر! ہم گئے۔ میرے بھائی نے بہت ادب کے ساتھ اس سے کہا (اور وہ خوش تھا کہ اب تائی پھنس جائے گی) تائی! یہ شیطان کیسا ہے؟ تائی کہنے لگی پُت! ابلیس؟ وہ کہنے لگا' ہاں۔ تائی کہنے لگی' ہائے ہائے صدقے جاواں وہ بڑا ہی محنتی ہے' جس کم دا تہیہ کر لے اس کو چھوڑتا ہی نہیں' پورا کر کے دَم لیتا ہے۔ کیا کہنے اس کے' وہ ہماری طرح سے نہیں ہے کہ کسی کام میں آدھا دل ادھر اور آدھا دل ادھر' اس نے جس کام کی ٹھان لی' پورا کر کے ہی چھوڑتا ہے۔ میں نے بھائی سے کہا کہ آ جاؤ یہاں ہماری دال نہیں گلے گی' یہ اور طرح کی یونیورسٹی ہے اور اس یونیورسٹی کے پڑھے ہوئے جو لوگ ہیں' ہم ان کے ساتھ نہیں کھڑے ہو سکتے۔

میں اپنے پوتے سے یہ کہہ رہا تھا (ظاہر ہے کہ بہت عرصہ بیت گیا' اب تائی اس جہاں میں موجود نہیں ہے' لیکن میں اس سے اپنے حوالے سے اور حیثیت سے بات کر رہا تھا) کہ آدمی کو اپنے آپ کو جاننے کے لیے دوسرے آدمی کے آئینے میں اپنی شکل دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جب تک آپ دوسرے آئینے کو نہیں بنائیں گے' آپ کو اپنی ذات کی شکل نظر نہیں آئے گی۔ اگر آپ اس کے اوپر کالک ملتے رہیں گے' تو پھر بڑی مشکل ہو جائے گی۔

اتفاق سے اب ہمارے ہاں Criticism کچھ زیادہ ہی ہونے لگا ہے اور کچھ ہمیں پڑھایا بھی جاتا ہے۔ کچھ ہماری تعلیم بھی ایسی ہے۔ کچھ ہم ایسے West Oriented Educated لوگ ہو گئے ہیں کہ ہم کہتے ہیں کہ ہر بات کا احتساب کرو' اس پر تنقید کرو اور ہر چیز کو تسلیم کرتے ہوئے اور ایسے ہی آگے چلتے ہوئے زندگی بسر نہ کرو۔

جب میں لکھنے لکھانے لگا اور میں چھوٹا سا ادیب بن رہا تھا' یہ پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے' اس وقت ہمارے لاہور میں ایک "کافی ہاؤس" ہوتا تھا' وہاں بڑے سینئر ادیب رات گئے تک نشست کرتے تھے' تو ہم بھی ان کے پاس بیٹھ کر ان سے باتیں سیکھتے تھے۔ ان سے بات کرنے کا شعور

free-urdubook.blogspot.com

حاصل کرتے تھے اور اپنے مسائل بھی ان سے بیان کرتے تھے۔ اس زمانے میں راجندر سنگھ بیدی یہاں ڈاکخانے میں کام کرتے تھے۔ پریم چند بھی ''کافی ہاؤس'' میں آجاتے تھے اور اس طرح بہت بڑے لوگ وہاں آجاتے تھے۔ میں رات دیر سے گھر آتا تھا' میری ماں ہمیشہ میرے آنے پر ہی اُٹھ کر چولہا جلا کر روٹی پکاتی تھی (اس زمانے میں گیس ویس تو ہوتی نہیں تھی) اور میں ماں سے ہمیشہ کہتا تھا کہ آپ روٹی رکھ کر سو جایا کریں' تو وہ کہتیں تو رات کو دیر سے آتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تجھے تازہ پکا کر روٹی دوں۔ جیسا کہ ماؤں کی عادت ہوتی ہے۔ میں ان سے اس بات پر بہت تنگ تھا اور میں نے ان سے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر آپ اسی طرح رات دیر سے اُٹھ کر روٹی پکاتی رہیں' تو میں پھر کھانا ہی نہیں کھاؤں گا۔ ایک دن یونہی رات دیر سے میرے آنے کے بعد ''پھلکا'' (تازہ روٹی) پکاتے ہوئے انہوں نے مجھ سے پوچھا ''کہاں جاتا ہے؟'' میں نے کہا' اماں! میں ادیب بن رہا ہوں۔ کہنے لگیں' وہ کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا' اماں! لکھنے والا' لکھاری۔ وہ پھر گویا ہوئیں' تو پھر کیا کرے گا؟ میں نے کہا' میں کتابیں لکھا کروں گا۔ وہ کہنے لگیں' اینیاں اگے پیاں جیہڑیاں کتاباں اونہاں دا کی بنے گا؟ میں نے کہا' نہیں! نہیں' وہ تو جھوٹ ہیں' کچھ نہیں۔ میں اور طرح کا رائٹر بنوں گا اور میں سچ اور حق کے لیے لڑوں گا اور میں ایک سچی بات کرنے والا بنوں گا۔

میری ماں کچھ ڈر گئی۔ بیچاری اَن پڑھ عورت تھی گاؤں کی۔ میں نے کہا' میں سچ بولا کروں گا اور جس سے ملوں گا' سچ کا پرچار کروں گا اور پہلے والے لکھاری بڑے جھوٹے رائٹر ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اس وقت ماں کے ہاتھ میں پکڑے چمٹے میں روٹی اور پتیلی (دیگچی) تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا اور کہنے لگی' اگر تو نے یہی بننا ہے' جو تو کہتا ہے اور تو نے سچ ہی بولنا ہے' تو اپنے بارے میں سچ بولنا۔ لوگوں کے بارے میں سچ بولنا نہ شروع کر دینا۔ یہ میں آپ کو بالکل اَن پڑھ عورت کی بات بتا رہا ہوں۔ سچ وہ ہوتا ہے جو اپنے بارے میں بولا جائے' جو دوسروں کے بارے میں بولتے ہیں' وہ سچ نہیں ہوتا۔ ہماری یہ عادت بن چکی ہے اور ہمیں ایسے ہی بتایا' سکھایا گیا ہے کہ ہم سچ کا پرچار کریں۔

جب ہم باباجی کے پاس گئے اور کبھی کبھی ان کے سامنے میرے منہ سے یہ بات نکل جاتی تھی کہ میں سچی اور حق کی بات کروں گا' تو وہ کہا کرتے تھے' سچ بولا نہیں جاتا' سچ پہنا جاتا ہے' سچ اوڑھا جاتا ہے' سچ وایرتا (اوڑھنے) کی چیز ہے' بولنے کی چیز نہیں ہے۔ اگر اسی طرح اور یوں ہی سچ بولو گے تو جھوٹ ہو جائے گا۔ جب تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی' لیکن اب جوں جوں وقت گزرتا ہے اور یہ حسرت اور آرزو ہی رہی ہے اور میرا جی چاہتا ہے کہ مرنے سے پہلے میں کم از کم ایک دن سچ اوڑھ کر باہر نکلوں اور ساری دنیا کا درشن کر کے پھر واپس لوٹوں' اوڑھا ہوا سچ معلوم نہیں کتنا خوبصورت ہوتا ہوگا' بولا ہوا تو آپ کے سامنے ہی ہے' وہ اچھا نہیں ہوتا۔ جب آدمی کسی کو Criticise کرتا ہے اور کسی کے

free-urdubook.blogspot.com

اوپر تنقید کرتا ہے' تو حکم تو یہ ہے کہ پہلے آپ دیکھ لیں اور اس کی عینی شہادت لیں کہ آیا اس میں ایسی کوئی خرابی ہے بھی کہ نہیں۔ اگر وہ نظر بھی آ جائے اور خرابی ہو بھی' تو پھر بھی اس کا اعلان نہ کریں۔ آپ کو کیا ضرورت ہے کسی کی خرابی کا اعلان کرنے کی' اللہ ستار العیوب ہے۔ اگر اللہ خداوند تعالیٰ ہماری چیزوں کو اجاگر کرنے لگے' تو توبہ توبہ ہم تو ایک سیکنڈ بھی زندہ نہ رہیں' لیکن وہ ہمارے بھید ''لکو'' کر چھپا کر رکھتا ہے۔ تو ہمیں اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ ہم لوگوں کی خرابیوں کا ڈھنڈورا پیٹتے پھریں۔ اگر آپ کو کسی میں خرابی نظر آئے تو یہ دیکھیں کہ اگر میں اس کی جگہ پر ہوتا' میں انہی Circumstances میں ہوتا اور میں ایسے حالات میں سے گزرا ہوا ہوتا' بچپن میں یتیم ہوگیا ہوتا' یا کسی کے گھر پلا ہوتا' تو میری شخصیت کیسی ہوتی؟ یہ ایک بات بھی غور طلب ہے۔

ممکن ہے آپ کی آنکھ میں ٹیڑھ ہو اور اس بندے میں ٹیڑھ نہ ہو۔ ایک واقعہ اس حوالے سے مجھے نہیں بھولتا' جب ہم سمن آباد میں رہتے تھے۔ یہ لاہور میں ایک جگہ ہے۔ وہ ان دنوں نیا نیا آباد ہو رہا تھا۔ اچھا پوش علاقہ تھا۔ وہاں ایک بی بی بہت خوبصورت' ماڈرن قسم کی بیوہ عورت نوعمر وہاں آ کر رہنے لگی۔ اس کے دو بچے بھی تھے۔ ہم' جو سمن آباد کے ''نیک'' آدمی تھے' ہم نے دیکھا کہ ایک عجیب و غریب کردار آ کر ہمارے درمیان آباد ہو گیا ہے اور اس کا اندازِ زیست ہم سے ملتا جلتا نہیں ہے۔ ایک تو وہ انتہائی اعلیٰ درجے کے خوبصورت کپڑے پہنتی تھی' پھر اس کی یہ خرابی تھی کہ وہ بڑی خوبصورت تھی۔ تیسری اس میں خرابی یہ تھی کہ اس کے گھر کے آگے سے گزرو تو خوشبو کی لپٹیں آتی تھیں۔ اس کے جو دو بچے تھے' وہ گھر سے باہر بھاگے پھرتے تھے اور کھانا گھر پر نہیں کھاتے تھے۔ لوگوں کے گھروں میں چلے جاتے تھے اور جن گھروں میں جاتے' وہیں سے کھا پی لیتے تھے' یعنی گھر کی زندگی سے ان بچوں کی زندگی کچھ کٹ آف تھی۔

اس خاتون کو کچھ عجیب و غریب قسم کے مرد بھی ملنے آتے تھے۔ گھر کی گاڑی کا نمبر تو روز دیکھ دیکھ کر آپ جان جاتے ہیں' لیکن اس کے گھر آئے روز مختلف نمبروں والی گاڑیاں آتی تھیں۔ ظاہر ہے اس صورتحال میں ہم جیسے بھلے آدمی اس سے کوئی اچھا نتیجہ نہیں اخذ کر سکتے۔ اس کے بارے میں ہمارا ایسا ہی رویہ تھا' جیسا آپ کو جب میں یہ کہانی سنا رہا ہوں' تو آپ کے دل میں لامحالہ اس جیسے ہی خیالات آتے ہوں گے۔ ہمارے گھروں میں آپس میں چہ میگوئیاں ہوتی تھیں کہ یہ کون آ کر ہمارے علاقے میں آباد ہوگئی ہے۔ میں کھڑکی سے اسے جب بھی دیکھتا' وہ جاسوسی ناول پڑھتی رہتی تھی۔ کوئی کام نہیں کرتی تھی۔ اسے کسی چولہے چوکے کا کوئی خیال نہ تھا۔ بچوں کو بھی کئی بار باہر نکل جانے کو کہتی تھی۔

ایک روز وہ سبزی کی دکان پر گر گئی' لوگوں نے اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے وینٹے مارے

free-urdubook.blogspot.com

تو اسے ہوش آیا اور وہ گھر گئی۔ تین دن کے بعد وہ فوت ہو گئی' حالانکہ اچھی صحت مند دکھائی پڑتی تھی۔ جو بندے اس کے ہاں آتے تھے' انہوں نے ہی اس کا کفن دفن کا سامان کیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ ان کے ہاں آنے والا ایک بندہ ان کا فیملی ڈاکٹر تھا۔ اس عورت کو ایک ایسی بیماری تھی جس کا کوئی علاج نہیں تھا۔ اس کو کینسر کی ایسی خوفناک صورت لاحق تھی Skin وغیرہ کی کہ اس کے بدن سے بدبو بھی آتی رہتی تھی۔ جس پر زخم ایسے تھے اور اسے خوشبو کے لیے سپرے کرنا پڑتا تھا' تاکہ کسی قریب کھڑے کو تکلیف نہ ہو۔ اس کا لباس اس لیے ہلکا ہوتا تھا اور غالباً ایسا تھا جو بدن کو نہ چبھے۔ دوسرا اس کے گھر آنے والا اس کا وکیل تھا' جو اس کے حقوق کی نگہبانی کرتا تھا۔ تیسرا اس کے خاوند کا چھوٹا بھائی تھا' جو اپنی بھابی کو ملنے آتا تھا۔ ہم نے ایسے ہی اس کے بارے میں طرح طرح کے اندازے لگا لیے اور نتائج اخذ کر لیے اور اس نیک پاکدامن عورت کو جب دورہ پڑتا تھا' تو وہ بچوں کو دھکے مار کر باہر نکال دیتی تھی اور تڑپنے کے لیے وہ اپنے دروازے بند کر لیتی تھی۔

میرا یہ سب کچھ عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم تنقید اور نقص نکالنے کا کام اللہ پر چھوڑیں وہ جانے اور اس کا کام جانے۔ ہم اللہ کا بوجھ اپنے کندھوں پر نہ اٹھائیں' کیونکہ اس کا بوجھ اٹھانے سے آدمی سارے کا سارا ''چبہ'' ہو جاتا ہے' کمزور ہو جاتا ہے' مر جاتا ہے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!

free-urdubook.blogspot.com

''سلطان سنگھاڑے والا''

انسانی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے' جب اس کی آرزو یہ ہوتی ہے کہ وہ اب بڑے پرسکون انداز میں زندگی بسر کرے اور وہ ایسے جھمیلوں میں نہ رہے' جس طرح کے جھمیلوں میں اس نے اپنی گزشتہ زندگی بسر کی ہوئی ہوتی ہے اور یہ آرزو بڑی شدت سے ہوتی ہے۔ میں نے یہ دیکھا ہے کہ جو لوگ اللہ کے ساتھ دوستی لگا لیتے ہیں' وہ بڑے مزے میں رہتے ہیں اور وہ بڑے چالاک لوگ ہوتے ہیں۔ ہم کو انہوں نے بتایا ہوتا ہے کہ ہم ادھر اپنے دوستوں کے ساتھ دوستی رکھیں اور وہ خود بیچ میں سے نکل کر اللہ کو دوست بنا لیتے ہیں۔ ان کے اوپر کوئی تکلیف' کوئی بوجھ اور کوئی پہاڑ نہیں گرتا۔ سارے حالات ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے میرے آپ کے ہیں' لیکن ان لوگوں کو ایک ایسا سہارا ہوتا ہے' ایک ایسی مدد حاصل ہوتی ہے کہ انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔

میں نے یہ بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ہمارے گھر میں دھوپ سینکتے ہوئے میں اپنی ایک چڑیا کو دیکھا کرتا ہوں' جو بڑی دیر سے ہمارے گھر میں رہتی ہے اور غالباً یہ اس چڑیا کی یا تو بیٹی ہے' یا نواسی ہے جو بہت ہی دیر سے ہمارے مکان کی چھت کے ایک کونے میں رہتی رہی ہے۔ ہمارا مکان ویسے تو بڑا اچھا ہے' اس کی ''آروی'' کی چھتیں ہیں' لیکن کوئی نہ کوئی کونا کھدرا ایسا رہ ہی جاتا ہے' جو ایسے مکینوں کو بھی جگہ فراہم کر دیتا ہے۔ یہ چڑیا بڑے شوق' بڑے سبھاؤ اور بڑے ہی مانوس انداز میں گھومتی پھرتی رہتی ہے۔ ہمارے کمرے کے اندر بھی اور فرش پر بھی چلی آتی ہے۔ کل ایک فاختہ آئی جو ٹیلیفون کی تار پر بیٹھی تھی اور یہ چڑیا اڑ کر اس کے پاس گئی' اس وقت میں دھوپ سینک (تاپ) رہا تھا۔ اس چڑیا نے فاختہ سے پوچھا کہ ''آپا یہ جو لوگ ہوتے ہیں انسان' جن کے ساتھ میں رہتی ہوں' یہ اتنے بے چین کیوں ہوتے ہیں؟ یہ بھاگے کیوں پھرتے ہیں؟ دروازے کیوں بند کرتے اور کھولتے ہیں؟ اس کی وجہ کیا ہے؟'' فاختہ نے کہا کہ ''میرا خیال ہے کہ جس طرح ہم جانوروں کا ایک اللہ ہوتا ہے' ان کا کوئی اللہ نہیں ہے اور ہمیں یہ چاہیے کہ ہم مل کر کوئی دعا کریں کہ ان کو بھی ایک اللہ مل جائے۔ اس طرح انہیں

آسانی ہو جائے گی' کیونکہ اگر ان کو اللہ نہ مل سکا' تو مشکل میں زندگی بسر کریں گے۔''

اب معلوم نہیں میری چڑیا نے اس کی بات مانی یا نہیں' لیکن وہ بڑی دیر تک گفت وشنید کرتی رہیں اور میں بیٹھا اپنے تصور کے زور پر یہ دیکھتا رہا کہ ان کے درمیان گفتگو کا شاید کچھ ایسا ہی سلسلہ جاری ہے۔ تو ہم کس وجہ سے' ہمارا اتنا بڑا قصور بھی نہیں ہے' ہم کمزور لوگ ہیں جو ہماری دوستی اللہ کے ساتھ ہو نہیں سکتی۔ جب میں کوئی ایسی بات محسوس کرتا ہوں یا سنتا ہوں تو پھر اپنے ''بابوں'' کے پاس بھاگتا ہوں۔ میں نے اپنے باباجی سے کہا کہ جی! میں اللہ کا دوست بننا چاہتا ہوں۔ اس کا کوئی ذریعہ چاہتا ہوں۔ اس تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ یعنی میں اللہ والے لوگوں کی بات نہیں کرتا۔ ایک ایسی دوستی چاہتا ہوں' جیسے میری آپ کی اپنے اپنے دوستوں کے ساتھ ہے' تو انہوں نے کہا ''اپنی شکل دیکھ اور اپنی حیثیت پہچان' تو کس طرح سے اس کے پاس جا سکتا ہے' اس کے دربار تک رسائی حاصل کر سکتا ہے اور اس کے گھر میں داخل ہو سکتا ہے' یہ ناممکن ہے۔''

میں نے کہا' جی! میں پھر کیا کروں؟ کوئی ایسا طریقہ تو ہونا چاہیے کہ میں اس کے پاس جا سکوں؟ باباجی نے کہا' اس کا آسان طریقہ یہی ہے کہ خود نہیں جاتے اللہ کو آواز دیتے ہیں کہ ''اے اللہ! تو آ جا میرے گھر میں'' کیونکہ اللہ تو کہیں بھی جا سکتا ہے' بندے کا جانا مشکل ہے۔ باباجی نے کہا کہ جب تم اس کو بلاؤ گے تو وہ ضرور آئے گا۔ اتنے سال زندگی گزر جانے کے بعد میں نے سوچا کہ واقعی میں نے کبھی اسے بلایا ہی نہیں' کبھی اس بات کی زحمت ہی نہیں کی۔ میری زندگی ایسے ہی رہی ہے' جیسے بڑی دیر کے بعد کالج کے زمانے کا ایک کلاس فیلو مل جائے بازار میں' تو پھر ہم کہتے ہیں کہ بڑا اچھا ہوا آپ مل گئے۔ کبھی آنا۔ اب وہ کہاں آئے' کیسے آئے اس بیچارے کو تو پتا ہی نہیں۔

ہمارے ایک دوست تھے۔ وہ تب ملتے تھے' جب ہم راولپنڈی جاتے تو کہتے کہ جی آنا' کوئی ملنے کا پروگرام بنانا' یہ بہت اچھی بات ہے' لیکن ایڈریس نہیں بتاتے تھے۔ جیسے ہم اللہ کو اپنا ایڈریس نہیں بتاتے کسی بھی صورت میں کہ کہیں سچ مچ ہی نہ پہنچ جائے۔ ایک دھڑکا لگا رہتا ہے۔ وہ مجھے کہا کرتے تھے کہ بس مہینے کے آخری ویک کی کسی ڈیٹ کو ملاقات کا پروگرام بنالیں گے۔ Sunset کے قریب' نہ ڈیٹ بتاتے تھے نہ ٹائم بتاتے تھے' Determine نہیں کرتے تھے' تو ایسا ہی اللہ کے ساتھ ہمارا تعلق ہے۔ ہم یہ نہیں چاہتے' بلکہ کسی حد تک ڈر جاتے ہیں کہ خدانخواستہ اگر ہم نے اللہ سے دوستی لگالی اور وہ آ گیا تو ہمیں تو بڑے کام کرنے پڑیں گے۔ دوپٹہ چننا ہوتا ہے' بوٹ پالش کرنا ہوتے ہیں' مہندی پر جانا ہوتا ہے۔ اس وقت اللہ میاں آ گئے اور انہوں نے کہا کہ ''کیا ہو رہا ہے؟'' تو مشکل ہوگی۔ ہم نے آخر زندگی کے کام بھی نمٹانے ہیں۔ باقی جو بات میں سوچتا ہوں اور میں نے اپنے بابا کو یہ جواب دیا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرنا بہت اچھی بات ہے اور یہ بھی اچھی بات۔ انہوں نے کہا کہ

free-urdubook.blogspot.com

عبادت کرنا ایک اور چیز ہے' تم نے تو مجھ سے کہا کہ میں خداوند کریم کو بلا واسطہ طور پر ملنا چاہتا ہوں۔ عبادت کرنا تو ایک گرائمر ہے جو آپ کر رہے ہیں اور اگر آپ عبادت کرتے بھی ہیں' تو پھر آپ اپنی عبادت کو Celebrate کریں' جشن منائیں' جیسے مہندی پر لڑکیاں تھال لے کر ناچتی ہیں نا' موم بتیاں جلا کر اس طرح سے' ورنہ تو آپ کی عبادت کسی کام کی نہیں ہو گی۔

جب تک عبادت میں Celebration نہیں ہو گی' جشن کا سماں نہیں ہو گا' جیسے وہ بابا کہتا ہے ''تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا'' چاہے سچ مچ نہ ناچیں لیکن اندر سے اس کا وجود اور روح ''تھیا تھیا'' کر رہی ہے' لیکن جب تک Celebration نہیں کرے گا' بات نہیں بنے گی۔ اس طرح سے نہیں کہ نماز کو لپیٹ کر'' چار سنتاں' فیر چار فرض فیر دو سنتاں فیر دو نفل' تن وتر'' سلام پھیرا' چلو جی رات گزری فکر اُترا۔ نہیں جی! یہ تو عبادت نہیں۔ ہم تو ایسی ہی عبادت کرتے رہے ہیں' اس لیے تال میل نہیں ہوتا۔ جشن ضرور منایا جانا چاہیے عبادت کا' دل لگی' محبت اور عقیدت کے ساتھ عبادت۔ ہمارے یہاں' جہاں میں رہتا ہوں' وہاں دو بڑی ہاکی اور کرکٹ گراؤنڈز ہیں' وہاں سنڈے کے سنڈے بہت سویرے' جب ہم سیر سے لوٹ رہے ہوتے ہیں' منہ اندھیرے گڈی اڑانے والے آتے ہیں۔ وہ اس کا بڑا اہتمام کیے ہوئے ہوتے ہیں' ان کے بڑے بڑے تھیلے ہوتے ہیں اور بہت کاریں ہوتی ہیں' جن میں وہ اپنے بڑے والے تھیلے رکھ کر پتنگ اڑانے کے لیے کھلے میدان میں آتے ہیں۔ اب وہ خالی پتنگ نہیں اڑاتے' بلکہ اہتمام کے ساتھ اس کا جشن مناتے ہیں۔ جب تک اس کے ساتھ جشن نہ ہو' وہ پتنگ نہیں اڑتی اور نہ ہی پتنگ اڑانے والا سماں بندھتا ہے' کھانے پینے کی بیشمار چیزیں باجا بجانے کے'' بھومپو'' اور بہت کچھ لے کر آتے ہیں' وہاں جشن زیادہ ہوتا ہے' کائٹ فلائنگ کم ہوتا ہے۔ جس طرح ہمارے ہاں عبادت زیادہ ہوتی ہے' Celebration' اللہ کو ماننا کم ہوتا ہے۔

میں نے سوچا یہ گڈی اڑانے والے بہت اچھے رہتے ہیں' ہمارے پاس بابا جی کے ہاں ایک گڈی اڑانے والا آیا کرتا تھا موچی دروازے کے اندر علاقے سے' بڑی خوبصورت دھوتی (تہبند) باندھتا تھا' جیسے انجمن فلموں میں باندھا کرتی تھی' لمبے لڑ چھوڑ کر باندھا کرتی تھی' وہ جب آتا تو ہمارے بابا جی اسے کہتے' گڈی اڑاؤ (اس طرح بابا جی ہمیں Celebrate کرنے کا حوصلہ دیتے تھے' جو بات اب سمجھ میں آئی ہے) وہ اتنی اونچی پتنگ اڑاتا تھا کہ نظر سے اوجھل ہو جاتی تھی اور میرے جیسا آدمی تو اس لمبی ڈور کو سنبھال بھی نہیں سکتا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بھا صدیق! تم یہ گڈی کیوں اڑاتے ہو؟ کہنے لگا' جی! یہ گڈی اڑانا بھی اللہ کے پاس پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ کہنے لگا' نظر نہیں آتی' لیکن اس کی کھینچ بتاتی رہتی ہے کہ میں ہوں' اللہ نظر نہیں آتا لیکن آپ کے دلوں کی دھڑکن یہ بتاتی ہے کہ ''میں ہوں''۔ یہ نہیں کہ وہ آپ کے رُوبرو آ کر موجود ہو۔

free-urdubook.blogspot.com

جب میں ریڈیو میں کام کرتا تھا تو ہمیں ایک Assignment ملی تھی۔ وہ یہ کہ پتا کریں چھوٹے دکانداروں سے کہ وہ کس طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ چھوٹے دکانداروں سے مراد چھابڑی فروش۔ یہ کچھ دیر کی بات ہے، میں نے بہت سے چھابڑی فروشوں کا انٹرویو کیا۔ ان سے حال معلوم کیے۔ پیسے کا ہی سارا اونچ نیچ ہے اور ہم جب بھی تحقیق کرتے ہیں یا تحلیل کرتے ہیں یا Analysis کرتے ہیں تو Economics کی Base پر ہی کرتے ہیں کہ کتنے امیر ہیں، کتنے غریب ہیں، کیا تناسب ہے کہ وہ کس Ratio کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں؟ ان کے کیا مسائل ہیں؟ دلی (دہلی) دروازے کے باہر اگر آپ لوگوں میں سے کسی نے دہلی دروازہ دیکھا ہو اس کے باہر ایک آدمی کھڑا تھا نوجوان، وہ کوئی تیس بتیس برس کا ہوگا۔ وہ سنگھاڑے بیچ رہا تھا۔ میں اس کے پاس گیا۔ میں نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ کہنے لگا، میرا نام سلطان ہے! میں نے کہا کب تک تم یہ سنگھاڑے بیچتے ہو؟ کہنے لگا، شام تک کھڑا رہتا ہوں۔ میں نے پوچھا اس سے تمہیں کتنے روپے مل جاتے ہیں؟ اس نے بتایا، ستر بہتر روپے ہو جاتے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا، انہیں کالے کیسے کرتے ہیں؟ (میری بیوی پوچھتی رہتی ہے مجھ سے، کیونکہ وہ دیگچے میں ڈال کر اُبالتی ہے تو وہ ویسے کے ویسے ہی رہتے ہیں)۔ اس نے کہا کہ جی پنساریوں کی دکان سے ایک چیز ملتی ہے، چمچہ بھر اس میں ڈال دیں تو کالے ہو جائیں گے اُبل کر اور آپ جا کر کسی پنساری سے پوچھ لیں کہ سنگھاڑے کالے کرنے والی چیز دے دیں، وہ دیدے گا۔ جب اس نے یہ بات کی تو میں نے کہا، یہ اندر کے بھید بتانے والا آدمی ہے اور کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھتا۔ کھلی نیت کا آدمی ہے۔ یقیناً یہ ہم سے بہتر انسان ہوگا۔

میں نے کہا، جب آپ ستر بہتر روپے روز بنا لیتے ہیں تو پھر ان روپوں کا کیا کرتے ہیں؟ کہنے لگا، میں جا کر "رضیہ" کو دے دیتا ہوں۔ میں نے کہا، رضیہ کون ہے؟ کہنے لگا، میری بیوی ہے۔ میں نے کہا کہ شرم کرو اتنی محنت سے پیسے کماتے ہو اور سارے کے سارے اسے دے دیتے ہو۔ کہنے لگا، جی اسی کے لیے کماتے ہیں۔ (اللہ کہتا ہے نا قرآنِ پاک میں کہ اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ یہ جو مرد ہیں، یہ عورت کے Provider ہیں)۔ میں نے اس سے کہا، اچھا تو بیچ میں سے کچھ نہیں رکھتے؟ کہنے لگا نہیں جی! مجھے کبھی ضرورت نہیں پڑی۔ میں نے کہا، اس وقت رضیہ کہاں ہے؟ (وہ insideا خوبصورت آدمی تھا اس لیے مجھے اس میں دلچسپی پیدا ہوئی) کہنے لگا، رضیہ کہیں بازار وغیرہ گئی ہوگی۔ اس کی دو سہیلیاں ہیں اور وہ تینوں صبح سویرے نکل جاتی ہیں بازار۔ اس نے بتایا کہ وہ کبھی کبھی گلوکوز لگواتی ہیں، ان کو شوق ہے (اس طرح مجھے تو بعد میں پتا چلا کہ اندرون شہر کی عورتیں گلوکوز لگوانا پسند کرتی ہیں، گلوکوز لگوانا انہیں اچھی سی چیز لگتی ہے کہ اس کے لگوانے سے جسم کو تقویت ملے گی)۔ میں نے کہا، اچھا تم خوش ہو اس کے ساتھ؟ کہنے لگا، ہاں جی! ہم اپنے اللہ کے ساتھ بڑے راضی ہیں۔ میری تو اللہ کے ساتھ ہی

free-urdubook.blogspot.com

آشنائی ہے۔ میں تو کسی اور آدمی کو جانتا نہیں۔ اس پر میں چونکا اور ٹھٹکا۔ اس کی باتوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ایک بڑا آدمی ہے لاہور کا۔ میں نے اگر کوئی حاکم دیکھا ہے تو وہ "سلطان سنگھاڑا فروش" ہے۔ اس کو کسی چیز کی پروا نہیں تھی۔ کوئی واردات' واقعہ اس کے اوپر اثر انداز نہیں ہوتا تھا۔

میں اس سے جب بھی ملتا رہا کوئی شکایت اس کی زبان پر نہیں ہوتی تھی۔ اب تو تین سال سے جانے وہ کہاں غائب ہے۔ مجھے نظر نہیں آیا' لیکن میں اس کے حضور میں حاضری دیتا ہی رہا۔ اس کا درجہ چونکہ اس اعتبار سے بلند تھا کہ اس کی دوستی ایک بزرگ ترین ہستی سے تھی۔ میں ذرا اپنی گفتار اور باتوں میں تھوڑا سا باادب ہو گیا۔ میں نے اس سے کہا' یار سلطان! کیا تم اللہ کے ساتھ گفتگو بھی کرتے ہو؟ کہنے لگا' ہم تو شام کو جاتے' صبح کو آتے ہوئے' منڈی سے سودا خریدتے ہوئے اس کے ساتھ ہی رہتے ہیں اور اسی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔ میں نے کہا' کون سی زبان میں؟ وہ کہنے لگا: "اوہ پنجابی وی جاندا اے' اردو جاندا اے' سندھی جو وی بولی بولیں او سب جاندا اے!" میں نے کہا تو نے مجھے بتایا تھا ایک دن کہ گیارہ برس ہو گئے تمہاری شادی کو اور تمہارا بچہ کوئی نہیں ہے؟ کہنے لگا' بچہ کوئی نہیں میں اور رضیہ اکیلے ہیں۔ میں نے کہا' اللہ سے کہو کہ اللہ تجھے ایک بچہ دے۔ کہنے لگا' نہیں جی! یہ تو ایک بڑی شرم کی بات ہے۔ بزرگوں سے ایسی بات کیا کرنی' برا سا لگتا ہے۔ وہ خداوند تعالیٰ کو ایک بزرگ ترین چیز سمجھ کر کہہ رہا تھا کہ جی! بڑوں کے ساتھ ایسی بات نہیں کرنی۔ میں یہ کہتا فضول سا آدمی لگوں گا کہ اللہ مجھے بچہ دے۔

میں نے کہا کہ کیا ایسے ہو سکتا ہے کہ ہماری بھی اس کے ساتھ دوستی ہو جائے؟ کہنے لگا' اگر آپ چاہیں تو ہو سکتا ہے۔ اگر آپ نہ چاہیں تو نہیں ہو سکتا۔ میں نے جیسا کہ میں پہلے عرض کر رہا تھا' اپنے سارے برسوں کا میں نے جائزہ لیا' سارے دنوں کا' میں نے کبھی یہ نہیں چاہا۔ میرا یہی خیال تھا کہ میں عبادت کروں گا اور عبادت ہی اس کا راز ہے اور عبادت کو ہی لپیٹ کر رکھ دوں گا اپنے مصلے کے اوپر اور دن اور رات اسی طرح عبادت کرتا رہوں گا۔ لیکن وہ جو میرا منتہائے مقصود ہے' وہ جو میرا محبوب ہے' اس کی طرف جانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ میں یہی سمجھتا رہا اور آج تک یہی سمجھتا رہا ہوں کہ عبادت ہی یہ سارا راز اور سارا بھید ہے' حالانکہ عبادت سے ماورا (میں یہ جو بات عرض کر رہا ہوں' یہ اپنے آپ کو سمجھانے کے لیے کر رہا ہوں) عبادت سے پرے ہٹ کر ایک آرزو کی بھی تلاش ہے کہ میں اپنے اللہ کے ساتھ جس کی کوئی ایک ہستی ہے نہ نظر میں آنے والی' اس کے ساتھ کوئی رابطہ قائم کروں' جیسا سلطان نے کیا تھا۔ جیسے اس کے علاوہ چار پانچ بندے اور بھی ہیں میری نظر میں۔ میں نے اس بات سے اندازہ لگایا کہ اتنا خوش آدمی میں نے زندگی میں کوئی نہیں دیکھا۔ جتنے بھی اللہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگ تھے' وہ انتہائی خوش تھے۔

free-urdubook.blogspot.com

1965ء کی جنگ میں اس (سلطان) کے پاس گیا' لوگ گھبرائے بھی ہوئے تھے' جذباتی بھی تھے۔ وہ ٹھیک تھا' ویسے ہی' بالکل اسی انداز میں جیسے پہلے ملا کرتا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم مجھے کوئی ایسی بات بتاؤ جس سے میرے دل میں چلو کم ازکم یہ خواہش ہی پیدا ہو جائے' خدا سے دوستی کی اور میں کم ازکم اس پلیٹ فارم سے اُتر کر دو نمبر کے پلیٹ فارم پر آ جاؤں۔ پھر میں وہاں سے سیڑھیاں چڑھ کر کہیں اور چلا جاؤں۔ میری نگاہ اوپر ہو جائے' تو کہنے لگا (حالانکہ اَن پڑھ آدمی تھا' اب لوگ مجھ سے بابوں کا ایڈریس پوچھتے ہیں' میں انہیں کیسے بتاؤں کہ ایک سلطان سنگھاڑے والا دلی دروازے کے باہر جہاں تانگے کھڑے ہوتے ہیں' ان کے پیچھے کھڑا ہے' جو بہت عظیم "بابا" ہے اور نظر آنے والوں کو شاید نظر آتا ہوگا' مجھے پورے کا پورا تو نظر نہیں آتا) بھا جی! بات یہ ہے کہ جب ہم اوپر منہ اٹھاتے ہیں تو ہم کو آسمان اور ستارے نظر آتے ہیں۔ اللہ کے جلوے دکھائی دیتے ہیں۔ کہنے لگا' آپ کبھی مری گئے ہیں؟ میں نے کہا' ہاں میں کئی بار مری گیا ہوں۔ کہنے لگا' جب آدمی مری جاتا ہے نا پہاڑی پر تو پھر حال کا نظارہ لینے کے لیے وہ نیچے بھی دیکھتا ہے اور اوپر بھی۔ پھر اس کا سفر Complete ہوتا ہے۔ خالی ایک طرف منہ کرنے سے نہیں ہوتا۔ جب آپ نیچے کو اور اُوپر کو ملاتے ہیں' تو پھر ساری وسعت اس میں آتی ہے۔

اس نے کہا کہ یہ ایک راز ہے جب آدمی یہ سمجھنے لگ جائے کہ میں وسعت کے اندر داخل ہو رہا ہوں (وہ پنجابی میں بات کرتا تھا' اس کے الفاظ تو اور طرح کے تھے) پھر اس کو قربت کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن حوصلہ کر کے وہی پڑتا ہے' جیسا کہ بابا جی کہتے تھے کہ "اے اللہ! تو میرے پاس آ جا مجھ میں تو اتنی ہمت نہیں کہ میں آ سکوں" اور وہ یقیناً آتا ہے۔ بقول سلطان سنگھاڑے والے کے کہ اس کے لیے کہیں جانا نہیں پڑتا' اس لیے کہ وہ تو پہلے سے ہی آپ کے پاس موجود ہے اور آپ کی شہ رگ کے پاس کرسی ڈال کر بیٹھا ہوا ہے۔ آپ اسے دعوت ہی نہیں دیتے۔ میں نے اس سے کہا اس کا مجھے کوئی راز بتا' مجھے کچھ ایسی بات بتا کہ جس سے میرے دل کے اندر کچھ محسوس ہو۔ کہنے لگا' جی! آپ کے دل کے اندر کیا میں تو سارے پاکستان کے لاہور کے لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ جب وہ باہر نکلا کریں تو پورا لباس پہن کر نکلا کریں۔ میں نے کہا' سارے ہی پورا لباس پہنتے ہیں۔ کہنے لگا' یہ دیکھ تانگے میں چار بندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ پورا لباس نہیں پہنا ہوا۔ میں نے کہا' یہ بابو گزر رہا ہے تھری پیس سوٹ پہنا ہوا ہے اس نے ٹائی بھی لگائی ہوئی ہے۔ کہنے لگا' نہیں جی آدمی جب کم ازکم باہر نکلے تو جس طرح لڑکیاں میک اَپ کرتی ہیں' خاص طور پر باہر نکلنے کے لیے' تو اس طرح آدمی کو بھی اپنے لباس کے اوپر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

میں یہی سمجھتا رہا کہ وہ کوئی اخلاقی بات کرنا چاہتا ہے لباس کے بارے میں' جیسے ہم آپ

free-urdubook.blogspot.com

لوگ کرتے ہیں۔ کہنے لگا' لوگ سارے کپڑے تو پہن لیتے ہیں' لیکن اپنے چہرے پر مسکراہٹ نہیں رکھتے اور ایسے ہی آ جاتے ہیں لڑائی کرتے ہوئے اور لڑائی کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ تو جب تک آپ چہرے پر مسکراہٹ نہیں سجائیں گے' لباس مکمل نہیں ہوگا۔ یہ جوتا نگے پر بیٹھے ہوئے ہیں چار آدمی' کہنے لگا یہ تو برہنہ جا رہے ہیں۔ مسکراہٹ اللہ کی شکر گزاری ہے اور جب آدمی اللہ کی شکر گزاری سے نکل جاتا ہے' تو پھر وہ کہیں کا نہیں رہتا۔ میں نے کہا' یار! ہم تو بہت عبادت گزار لوگ ہیں۔ باقاعدگی سے نماز پڑھتے ہیں' روزے رکھتے ہیں۔ اس پر وہ کہنے لگا' جی! میں لال قدسی میں رہتا ہوں' وہاں بابا وریام ہیں۔ وہ رات کو بات (لمبی کہانی) سنایا کرتے ہیں۔

انہوں نے ہمیں ایک کہانی سنائی کہ پیرانِ پیر کے شہر بغداد میں ایک بندہ تھا جو کسی پر عاشق تھا۔ اس کے لیے تڑپتا تھا' روتا تھا' چیخیں مارتا اور زمین پر سر پٹختا تھا۔ لیکن اس کا محبوب اسے نہیں ملتا تھا۔ اس شخص نے ایک بار خدا سے دعا کی کہ اے اللہ! ایک بار مجھے میرے محبوب کے درشن تو کرا دے۔ اللہ تعالیٰ کو اس پر رحم آ گیا اور اس کا محبوب ایک مقررہ مقام پر' جہاں بھی کہا گیا تھا' پہنچ گیا۔ دونوں جب ملے تو عاشق چٹھیوں کا ایک بڑا بنڈل لے آیا۔ یہ وہ خط تھے' جو وہ اپنے اس محبوب کے ہجر میں لکھتا رہا تھا۔ اس نے وہ کھول کر اپنے محبوب کو سنانا شروع کر دیئے۔ پہلا خط سنایا اور اپنے ہجر کے دکھڑے بیان کیے۔ اس طرح دوسرا خط' پھر تیسرا خط اور جب وہ گیارہویں خط پر پہنچا تو اس کے محبوب نے اسے ایک تھپڑ رسید کیا اور کہا ''گدھے کے بچے! میں تیرے سامنے موجود ہوں' اپنے پورے وجود کے ساتھ اور تو مجھے چٹھیاں سنا رہا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی۔'' سلطان کہنے لگا' بھا جی! عبادت ایسی ہوتی ہے۔ آدمی چٹھیاں سناتا رہتا ہے' محبوب اس کے گھر میں ہوتا ہے' اس سے بات نہیں کرتا۔ جب تک اس سے بات نہیں کرے گا' چٹھیاں سنانے سے کوئی فائدہ نہیں۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ایسے لوگ بڑے مزے میں رہتے ہیں۔ میں بڑا سخت حاسد ہوں ان کا' میں چاہتا ہوں کہ کچھ کیے بغیر' کوشش' Struggle کیے بغیر مجھے بھی ایسا ہی مقام مل جائے' مثلاً جی چاہتا ہے کہ میرا بھی ایک پرائز بانڈ نکل آئے ساڑھے تین کروڑ والا۔ لیکن اس سے پہلے میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ چاہے وہ پرائز بانڈ نکلے نہ نکلے (ایمانداری کی بات کرتا ہوں) مجھے وہ عیاشی میسر آ جائے' جو میں نے پانچ آدمیوں کے چہرے پر ان کی روحوں پر دیکھی تھی' کیونکہ ان کی دوستی ایک بہت اونچے مقام پر تھی۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!!

free-urdubook.blogspot.com

میں کون ہوں؟

بہت دیر کا وعدہ تھا' جو جلد پورا ہونا چاہیے تھا' لیکن تاخیر اس لیے ہوگئی کہ شاید مجھ پر بھی کچھ اثر میرے پڑوسی ملک کا ہے کہ اس نے کشمیریوں کے ساتھ بڑی دیر سے وعدہ کر رکھا تھا کہ ہم وہاں رائے شماری کرائیں گے' لیکن آج تک وہ اسے پورا نہیں کر سکے۔ حالانکہ وہ وعدہ یو این او کے فورم میں کیا گیا تھا' لیکن میری نیت ان کی طرح خراب نہیں تھی۔ میں اس دیر کے وعدے کے بارے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انسانی وجود اس کی پرکھ' جانچ اور اس کی آنکھ دیگر تمام جانداروں سے مختلف بھی ہے اور مشکل بھی۔ جتنے دوسرے جاندار ہیں' ان کو بڑی آسانی کے ساتھ جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے' لیکن انسان واحد مخلوق ہے' جس کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہ تو باہر کا کوئی شخص کر سکتا ہے اور نہ خود اس کی اپنی ذات کر سکتی ہے۔ انسانی جسم کو ماپنے' تولنے کے لیے جیسے فوجیوں کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ آپ کا قد ماپیں گے' وزن کریں گے' جسم کی سختی کو ملاحظہ کریں گے' بینائی دیکھیں گے یعنی باہر کا جو سارا انسان ہے' اس کو جانچیں اور پرکھیں گے اور پھر انہوں نے جو بھی اصول اور ضابطے قائم کیے ہیں' اس کے مطابق چلتے رہیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اندر کی مشینری کو جانچنے کے لیے بھی انہوں نے پیمانے بنائے ہیں۔ اگر آپ خدانخواستہ کسی عارضے میں مبتلا ہیں' تو اس کو کیسے جانچیں گے؟

ڈاکٹر اپنا اسٹیتھو سکوپ سینے پر رکھ کر دل کی دھڑکنیں اور گڑگڑاہٹیں سنتا ہے' تھرمامیٹر استعمال کرتا ہے' ایکسرے' الٹرا ساؤنڈ اور سی ٹی سکین' یہ سب چیزیں انسان کے اندر کی بیماریوں کا پتا دیتی ہیں۔ پھر اس کے بعد تیسری چیز انسان کی دماغی اور نفسیاتی صورتحال کا جائزہ لینا ہوتا ہے۔ نفسیات دان اس کو جانچتے ہیں۔ انہوں نے کچھ تصویری خاکے اور معمے بنائے ہوتے ہیں۔ ایک مشین بنا رکھی ہے' جو آدمی کے سچ یا جھوٹ بولنے کی کیفیت بتاتی ہے۔ کچھ ایسی مشینیں بھی ہیں' جو شعاعیں ڈال کر پتلی کے سکڑنے اور پھیلنے سے اندازہ لگاتی ہیں کہ اس شخص کا انداز تکلم اور انداز زیست کیسا ہے؟

نفسیات کے ایک معروف ٹیسٹ میں ایک بڑے سے سفید کاغذ پر سیاہی گرا دی جاتی ہے اور

اس کاغذ کی تہہ لگا دیتے ہیں۔ جب اس کو کھولا جاتا ہے تو اس پر کوئی تصویری چڑیا' طوطا یا تتلی بنی ہوئی ہوتی ہے اور پوچھا جاتا ہے کہ آپ کو یہ کیا چیز نظر آتی ہے؟ اور پھر دیکھنے والا اس کو جیسا محسوس کرتا ہے' بتلاتا ہے۔ کوئی اسے خوبصورت چڑیا سے تعبیر کر کے کہتا ہے اسے ایک چڑیا نظر آ رہی ہے' جو گاتی ہوئی اڑی جا رہی ہے۔

ایک اور مزاج کا بندہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں ایک بڑھیا ہے' جو ڈنڈا پکڑے بیٹھی ہے اور اس کی شکل میرے جیسی ہے۔ اس طرح سے دیکھنے والے کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ جانوروں کو بھی اسی معیار پر پرکھا جا سکتا ہے۔ قصائی جس طرح بکرے کو دیکھ کر بیمار یا تندرست کا پتا چلا لیتا ہے۔ بھینس کو دیکھ کر بھی اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ اچھی بھینس ہے یا نہیں۔ گھوڑوں کو بھی چیک کر لیا جاتا ہے۔ جانوروں کا چیک کرنا اس لیے بھی آسان ہے کہ اگر ہم جانور کے ساتھ کسی خاص قسم کا برتاؤ کریں گے' تو وہ بھی جواب میں ویسا ہی برتاؤ کرے گا۔ لیکن انسان کے بارے میں یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ممکن ہے کہ آپ ایک آدمی کو زور کا تھپڑ ماریں اور وہ پستول نکال کر آپ کو گولی مار دے۔ ممکن ہے کسی کو ایک تھپڑ ماریں اور وہ جھک کر آپ کو سلام کرے' یا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جائے۔ اس لیے انسان کے حوالے سے کچھ طے نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو جانچنا ہمارے صوفیائے کرام اور ''بابے'' جن کا میں اکثر ذکر کرتا ہوں' ان کے لیے ہمیشہ ایک مسئلہ رہا ہے کہ انسان اندر سے کیا ہے؟ اور جب تک وہ اپنے آپ کو نہ جان سکے' اس وقت تک وہ دوسروں کے بارے میں کیا فیصلہ کر سکتا ہے۔

آپ کے جتنے بھی ایم این اے اور ایم پی اے ہیں' یہ ہمارے بارے میں بیٹھ کر فیصلے کرتے ہیں' لیکن وہ خود یہ نہیں جانتے کہ وہ کون ہیں؟ یہ ایسے تیراک ہیں جو ہم کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں' لیکن ان کو خود تیرنا نہیں آتا۔ سیکھا ہی نہیں انہوں نے۔ جو گہری نظر رکھنے والے لوگ ہیں وہ جاننا چاہتے ہیں۔ انسان کا سب سے بڑا مسئلہ کبھی اگر آپ نے غور کیا ہو یا نہ کیا ہو' لیکن آپ کے لاشعور سے یہ آواز آتی ہی رہتی ہے کہ ''میں کون ہوں؟'' اور ''میں کہاں ہوں'' اور اس سارے معاملے اور کائنات میں کہاں فٹ ہوں' اس کے لیے ہمارے بابوں نے غور کرنے اور سوچنے کے بعد اور بڑے لمبے وقت اور وقفے سے گزرنے کے بعد اپنی طرز کا طریق سوچا ہے' جس کے کئی رُخ ہیں۔ آسان لفظوں میں وہ اس نئے طریق کو ''فکر'' یا ''مراقبے'' کا نام دیتے ہیں۔

اب یہ مراقبہ کیوں کیا جاتا ہے' اس کی کیا ضرورت ہے' کس لیے وہ بیٹھ کر مراقبہ کرتے ہیں اور اس سے ان کو آخر حاصل کیا ہوتا ہے؟ مراقبے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوتی ہے کہ کوئی ایسی مشین یا آلہ ایجاد نہیں ہوا' جو کسی بندے کو لگا کر یہ بتایا جا سکے کہ ?what am i? who am i کہ میں کیا ہوں؟ اس کے لیے انسان کو خود ہی مشین بننا پڑتا ہے' خود ہی سبجیکٹ بننا پڑتا ہے اور خود ہی جانچنے والا۔

free-urdubook.blogspot.com

اس میں آپ ہی ڈاکٹر ہے' آپ ہی مریض ہے۔ یعنی میں اپنا سراغ رساں خود ہوں اور اس سراغ رسانی کے طریقے مجھے خود ہی سوچنے پڑتے ہیں کہ مجھے اپنے بارے میں کیسے پتا کرنا ہے۔ بہت اچھے لوگ ہوتے ہیں' بڑے ہی پیارے' لیکن ان سے کچھ ایسی باتیں سرزد ہوتی رہی ہیں کہ وہ حیران ہوتے ہیں کہ میں عبادت گزار بھی ہوں' میں بھلا' اچھا آدمی بھی ہوں۔ لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ میں ہوں کون؟ اور پتا اسے یوں نہیں چل پاتا' اس کی وجہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے انسان کے اندر اپنی پھونک ماری ہوئی ہے اور وہ چلی آ رہی ہے۔ اس کو آپ Erase نہیں کر سکتے۔ اس کو آپ پردہ کھول کر دیکھ نہیں سکتے' آپ ایک لفظ یاد رکھیئے گا Self یعنی ''ذات'' کا۔ اقبالؒ جسے خودی کہتا ہے۔ خودی کیا ہے؟ اس لفظ خودی کے لیے کئی الفاظ ہیں' لیکن ''ذات'' زیادہ آسان اور معنی خیز ہے۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے اس لفظ کو بہت استعمال کیا اور اس پر انہوں نے بہت غور بھی کیا۔ اب اس ذات کو جاننے کے لیے جس ذات کے ساتھ بہت سارے خیالات چمٹ جاتے ہیں' جیسے گڑ کی ڈلی کے اوپر مکھیاں آ چمٹتی ہیں یا پرانے زخم پر بھنبھناتی ہوئی مکھیاں آ کر چمٹ جاتی ہیں۔ خیال آپ کو کنٹرول کرتا ہے اور وہ ذات وہ خوبصورت پارس جو آپ کے میرے اندر ہم سب کے اندر موجود ہے' وہ کستوری جو ہے وہ چھپی رہتی ہے۔ اس کو تلاش کرنے کے لیے اور اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے لوگ Meditate (مراقبہ) کرتے ہیں۔ کبھی کبھی کسی خوش قسمت کے پاس ایسا گر آ جاتا ہے کہ وہ چند سیکنڈ کے لیے اس خیال کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کو دور کر دیتا ہے اور اس کو وہ نظر آتا ہے۔ لیکن خیال اتنا ظالم ہے کہ وہ اس خوبصورت قابلِ رشک زریں چیز کو ہماری نگاہوں کے سامنے آنے نہیں دیتا۔

جب آپ دو' تین چار مہینے کے تھے تو اس وقت آپ اپنی ذات کو بہت اچھی طرح سے جانتے تھے۔ جو معصومیت دے کر اللہ نے آپ کو پیدا کیا تھا' اس کا اور آپ کی ذات کا رشتہ ایک ہی تھا۔ آپ وہ تھے' وہ آپ تھا۔ ایک چیز تھا دو پونے دو سال یا کوئی سی بھی مدت مقرر کر لیں۔ جب خیال آ کر آپ کو پکڑنے لگا تو وہ پھر یہ ہوا کہ آپ گھر میں بیٹھے تھے۔ ماں کی گود میں۔ کسی کی بہن آئی انہوں نے آ کر کہا کہ اوہ ہو! نسرین یہ جو تمہارا بیٹا ہے یہ تو بالکل بھائی جان جیسا ہے۔ اس بیٹا صاحب نے جب یہ بات سن لی تو اس نے سوچا میں تو ابا جی ہوں۔ ایک خیال آ گیا نا ذہن میں' حالانکہ وہ ہے نہیں ابا جی۔ پھر ایک دوسری پھوپھی آ گئیں۔ انہوں نے آ کر کہا کہ اس کی تو آنکھیں بڑی خوبصورت ہیں' تو اس بچے نے سوچا میں تو خوبصورت آنکھوں والا ہیرو ہوں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ انسان نے اپنی ذات کے آگے سائن بورڈز لٹکانے شروع کر دیئے ہیرو' رائٹر' لیڈر' پرائم منسٹر' خوبصورت اور طاقتور وغیرہ۔ اس طرح کے کتنے سارے سائن بورڈز لٹکا کر ہم آپ سارے جتنے بھی ہیں' نے اپنے اپنے سائن بورڈز لگا رکھے ہیں اور جب ملنے کے لیے آتے ہیں' تو ہم اپنا ایک سائن بورڈ آگے کر دیتے

free-urdubook.blogspot.com

ہیں کہ میں تو یہ ہوں اور اصل بندہ اندر سے نہیں نکلتا اور اصل کی تلاش میں ہم مارے مارے پھر رہے ہیں۔

خدا تعالٰی نے اپنی روح ہمارے اندر پھونک رکھی ہے۔ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس سے فائدہ اٹھائیں اس کی خوشبو ایک بار لیں' اس کے لیے لوگ تڑپتے ہیں اور لوگ جان مارتے ہیں۔ وہ ذات جو اللہ کی خوشبو سے معطر ہے اس کے اوپر وہ خیال جس کا میں ذکر کر رہا ہوں اس کا بڑا بوجھ پڑا ہوا ہے۔ وہ خیال کسی بھی صورت میں چھوڑتا نہیں ہے' اس خیال کو اس کستوری سے ہٹانے کے لیے مراقبے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ آدمی ذرا ٹھیک ہو۔ اس کو پتا چلے کہ وہ کیا ہے' اس سے پھر اسے نماز میں بھی مزا آتا ہے۔ عبادت' گفتگو' ملنے ملانے میں' ایک دوسرے کو سلام کرنے میں بھی مزا آتا ہے۔ ایک خاص تعلق پیدا ہوتا ہے' اس کے لیے جس کا بتانے کا میں نے وعدہ کیا تھا۔

آسان ترین نسخہ یہ ہے کہ دو اوقات صبح اور شام صبح فجر پڑھنے کے بعد اور شام کو مغرب کے بعد (یہ اوقات ہی اس کے لیے زیادہ اچھے ہیں) آپ بیس منٹ نکال کر گھر کا ایک ایسا کونہ تلاش کریں' جہاں دیوار ہو' جو عمودی ہو' وہاں آپ چار زانو ہو کر ''چوکڑی'' مار کر بیٹھ جائیں۔ اپنی پشت کو بالکل دیوار کے ساتھ سیدھا لگا لیں' کوئی جھکاؤ ''کب'' نہ پیدا ہو۔ یہ بہت ضروری ہے' کیونکہ جو کرنٹ چلنا ہے' نیچے سے اوپر تک وہ سیدھے راستے سے چلے۔

اب ماڈرن زندگی ہے' بہت سے لوگ چوکڑی مار کر نہیں بیٹھتے۔ انہیں اجازت ہے کہ وہ کرسی پر بیٹھ جائیں' لیکن اس صورت میں پاؤں زمین کے ساتھ لگے رہنے چاہئیں اور آپ کو Earth ہو کر رہنا چاہیے۔ جب تک آپ ارتھ نہیں ہوں گے' اس وقت تک آپ کو مشکل ہو گی۔ پاؤں کے نیچے دری قالین بھی ہو تو کوئی بات نہیں' لیکن زمین ہو تو بہت ہی اچھا ہے۔ چونکہ فقیر لوگ جنگلوں میں ایسا کرتے تھے' وہ ڈائریکٹ ہی زمین کے ساتھ وابستہ ہو جاتے تھے۔ ہماری زندگی ذرا اور طرح کی ہے۔ جب آپ وہاں بیٹھ جائیں گے تو پھر آپ کو ایک سہارے کی ضرورت ہے' جس کو آپ پکڑ کر اس سیڑھی پر چڑھ سکیں' جو لگائی ہے' صرف یہ جھانکنے کے لیے کہ ''ذات'' کیا چیز ہے؟ اس کے لیے ہر کسی کے پاس ایک ''ڈیوائس'' ایک آلہ ہے' جو سانس ہے' جو ساتھ ہے' بیٹھنے کے بعد آپ اپنے سانس کے اوپر ساری توجہ مرکوز کر دیں اور یہ دیکھیں کہ ہر چیز سے دُور ہٹ کر جس طرح ایک بلی اپنا شکار پکڑنے کے لیے دیوار پر بیٹھی ہوتی ہے۔ اپنے شکار یعنی سانس کی طرف دیکھیں کہ یہ جا رہا ہے اور آ رہا ہے۔

اس کام میں کوتاہی یا غلطی یہ ہوتی ہے کہ آدمی سانس کو ضرورت سے زیادہ توجہ کے ساتھ لینے لگ جاتا ہے' یہ نہیں کرنا۔ آپ نے اس کو چھوڑ دینا ہے' بالکل ڈھیلا صرف یہ محسوس کرنا ہے کہ یہ کس طرح سے آتا ہے اور جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ پہلے دن تقریباً ایک سیکنڈ یا ڈیڑھ سیکنڈ تک

free-urdubook.blogspot.com

سانس کے ساتھ چل سکیں گے اس کے بعد خیال آپ کو بھگا کر لے جائے گا۔ وہ کہے گا کہ یہ بندہ تو اللہ کے ساتھ واصل ہونے لگا ہے' میں نے تو بڑی محنت سے اس کو خیالوں کی دنیا میں رکھا ہے (وہ خیال چلتا رہتا ہے' موت تک۔ لوگ اکثر شکایت کرتے ہیں کہ جی نماز پڑھنے لگتے ہیں تو بڑے خیال آتے ہیں) وہ خیال آپ کو کہیں کا کہیں کافی دُور تک لے جائے گا۔ جب آپ کو یہ خیال آئے کہ میں تو پھر خیال کے نرغے' گھیرے یا چنگل میں آ گیا چاہے اسے بیس منٹ بھی گزر چکے ہوں' آپ پھر لوٹیں اور پھر اپنے سانس کے اوپر توجہ مرکوز کریں اور جتنی دیر ہو سکے' سانس کو دیکھیں محسوس کریں۔

لیکن زیادہ کوشش نہیں کرنی اس میں جنگ و جدل اور جد و جہد نہیں ہے کہ آپ نے کوئی کشتی لڑنی ہے۔ یہ ڈھیلے پن کا ایک کھیل ہے اور اسی معصومیت کو واپس لے کر آنا ہے جب آپ ایک سال کے تھے اور جو آپ کے اندر تھی' یا چلنے لگے تھے' تو تھی۔ اس میں بچہ معصومیت کو لینے کے لیے زور تو نہیں لگاتا ہے ناں! جب یہ پروسس آپ کرنے لگیں گے تو آپ کا عمل ایسا ہونا چاہیے' یا ہو جیسا کہ ٹینس کے کھلاڑی کا ہوتا ہے۔ ٹینس کھیلنے والا یا کھیلنے والی کی زندگی ٹینس کے ساتھ وابستہ ہے (یہ بات میں نے مشاہدے سے محسوس کی ہے)۔ آپ یہ کبھی گمان نہیں کر سکتے کہ ٹینس کا کھلاڑی آپ کو ہر حال میں ٹینس کورٹ میں اپنی گیم Improve کرتا ہی ملے گا۔ اگر غور سے دیکھیں تو ٹینس کا کھلاڑی ہم سے آپ سے بہت مختلف ہوتا ہے' کیونکہ وہ ہمیشہ ٹینس ہی کھاتا ہے' ٹینس ہی پہنتا ہے' یہی پیتا ہے' ٹینس ہی پہنتا ہے اور ٹینس ہی چلتا ہے۔ یہ اس قدر اس پر حاوی اور طاری ہو جاتی ہے' اس معاملے میں بھی آپ چاہے مراقبے کے اندر ہوں یا باہر نکل آئے ہوں' آپ نے دفتر جانا' منڈی جانا ہے' کام پر جانا ہے' دکان پر جانا ہے' لیکن ٹینس کے کھلاڑی کی طرح آپ کے اندر یہ ایک طلب ہونی چاہیے' دل لگی ہونی چاہیے کہ میں نے ذات کے ساتھ ضرور واصل ہونا ہے۔

یہ سراغ رسانی کا ایک کھیل ہے۔ مثلاً میں اب آپ کے سامنے ہوں' فوت ہو جاؤں گا' بکری کی طرح۔ بکری آئی اس نے بچے دیئے' دودھ پیا' ذبح کیا۔ زندگی میں کوئی کام ہی نہیں تو یہ جاندار جو دوسرے جاندار ہیں' ان میں جان ضرور ہے' سب میں لیکن روح نہیں ہے۔ دیکھئے اتنا سا فرق ہوتا ہے کئی لوگ کہہ دیتے ہیں ہمارے غیر مسلم دوست کہ جانوروں پر ظلم کرتے ہیں آپ ان کو کھاتے ہیں۔ کھاتے ہم اس لیے ہیں کہ ظلم تو جب ہوتا کہ اس کے اندر روح ہوتی اور اس میں ایک Sensibility ہوتی' وہ تو ہے ہی نہیں۔ جب وہیل مچھلی اپنا منہ کھولتی ہے تو تقریباً ساڑھے تین ہزار مچھلیاں ایک لقمے کے اندر اس کے منہ میں چلی جاتی ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا فلموں میں چھلانگ مار کر خود ہی جا رہی ہوتی ہے' تو یہ اس کی کیفیت ہے۔ اب آپ جاندار تو ہیں' لیکن آپ کے ساتھ روح ہے۔ اس روح کی تلاش کے لیے' اس کی الٹرا ساؤنڈ بننے کے لیے آپ کو خود مشکل میں جانا پڑتا ہے۔

free-urdubook.blogspot.com

اس کے بغیر چارہ نہیں۔

یہ ایک بڑا پُر لطف تجربہ یوں ہے۔ اچھا اس سے آپ کو کچھ ملے گا نہیں کہ جب آپ مراقبہ کریں گے، تو آپ کو انعامی بانڈ کا نمبر مل جائے گا' نہیں ایسی بات نہیں۔ لیکن آپ آسودہ ہونے لگیں گے۔ اتنے ہی آسودہ جتنے آپ بچپن میں تھے۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ یہاں آپ اپنے بچوں کو' پوتوں کو' بھتیجوں کو دیکھیں گے۔ آج کے بعد دیکھیں گے کہ یہ کتنی آسودگی کے ساتھ بھاگا پھرتا ہے۔ اس کو کچھ پتا نہیں اور اللہ بھی یہ فرماتا ہے۔ ہمارے بابے کہتے ہیں ان کا ایک اندازہ ہے کہ جب آپ جنت میں داخل ہوں گے یا جنت میں جانے لگیں گے تو اللہ گیٹ کے باہر کھڑا ہوگا اور جیسے گیٹ کیپر گیٹ پاس نہیں مانگا کرتا' آپ باہر جا کر کھڑے ہیں تو اللہ کہے گا کہ وہ معصومیت جو دے کر میں نے تمہیں پیدا کیا تھا' وہ واپس کر دو اور اندر چلو اور ہم سارے کہیں گے کہ سر! ہم نے تو بی اے بڑی مشکل سے کیا ہے اور بڑی چالاکی سے ایم اے کیا تھا۔ ہم تو معصومیت بیچتے رہے ہیں۔ وہ تو اب ہمارے پاس نہیں۔ اس معصومیت کی تلاش میں' اس روح کی تلاش کی ضرورت ہے۔ اس میں اگر کوئی اور کوتاہیاں وغیرہ ہوگئی ہیں' اس میں تو آئیں گی ضرور' کیونکہ سب سے تنگ کرنے والی چیز وہ خیال ہے' وہ مائنڈ ہے۔ بابے کہتے ہیں کہ جو وجود ہے ذات کا اور جو ذات ہے اللہ کی' وہ قلب ہے۔ یعنی ہمارا یہ ہارٹ جس کا بائی پاس ہوتا ہے۔ یہ نہیں قلب' اس کے قریب ہی اس کے ڈاؤن پر ایک ڈیڑھ انچ کے فاصلے پر قلب کا ایک مقام ہے' چونکہ یہ بھی نظر نہیں آتا ہم کو' روح کا معاملہ اور اللہ نے فرما بھی دیا ہے کہ ہم نے تم کو علم دیا ہے" اِلا قلیلاً " تھوڑا ہے نہیں جان سکو گے روح کے بارے میں' تو وہ اندازہ یہ لگاتے ہیں' مائنڈ جو ہے وہ اس کے اوپر حملے کرتا رہتا ہے اور وہ دیکھتا رہتا ہے کہ میں نے کس طرح سے آدمی کو پکڑ کے پھر پنجرے میں قید کرنا ہے۔ یہ وعدہ تھا بڑی دیر کا وہ آخر کار پورا ہوا۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔

free-urdubook.blogspot.com

Psycho Analysis

کبھی کبھی زندگی میں یوں بھی ہوتا ہے کہ بہت زیادہ خوشیوں اور بڑی راحتوں کے ساتھ ان کے پیچھے چھپی ہوئی مشکلات بھی آ جاتی ہیں اور پھر ان مشکلات سے جان چھڑانی یوں مشکل ہوتی ہے کہ انسان کچھ گھبرایا ہوا سا لگتا ہے۔ پچھلے دنوں ہمارے ہاں بہت بارشیں ہوئیں۔ بارشیں جہاں خوشیوں کا پیغام لے کر آئیں' وہاں کچھ مشکلات میں بھی اضافہ ہوا۔ ہمارے گھر میں ایک راستہ' جو چھوٹے دروازے سے ڈرائنگ روم میں کھلتا ہے اور پھر اس سے ہم اپنے گھر کے صحن میں داخل ہوتے ہیں' بارشوں کی وجہ سے وہ چھوٹا دروازہ کھول دیا گیا' تاکہ آنے جانے میں آسانی رہے۔ آسانی تو ہوئی' لیکن اس میں ایک پیچیدگی پیدا ہوگئی۔ وہ یہ کہ باہر سے جو جوتے آتے تھے' وہ کیچڑ سے لتھڑے ہوئے ہوتے تھے اور باوجود کوشش کے اور انہیں صاف کرنے کے' کیچڑ تو اندر آ ہی جاتا تھا اور اس سے سارا قالین خراب ہو جاتا تھا۔

میں چونکہ اب تیزی سے بوڑھا ہو رہا ہوں اور بوڑھے آدمی میں کنٹرول کی صلاحیت کم ہوتی جاتی ہے۔ تو میں چیختا چلاتا تھا اور ہر اندر آنے والے سے کہتا کہ جوتا اتار کر آؤ اور اسے پہننے کے بجائے ہاتھ میں پکڑ کر آؤ۔ اس سے میرے پوتے اور پوتیاں بہت حیران ہوتے تھے کہ اس جوتے کا فائدہ کیا' جو گھر کے دروازے پر پہنچ کر اتارا جائے اور ہاتھ میں پکڑ کر گھر میں داخل ہوا جائے۔ وہ بیچارے کوئی جواز تو پیش نہیں کرتے تھے' لیکن جوتے اتارتے بھی نہیں تھے۔ جس سے میری طبیعت میں تلخی اور سختی بڑھتی گئی اور میں سوچتا تھا کہ یہ مسئلہ صرف اسی طرح سے ہی حل ہو سکتا ہے' جس طرح میں سوچتا ہوں۔

میری بہو نے کوئی اعتراض تو مجھ پر نہیں کیا اور نہ ہی اس نے مجھے کوئی جواب دیا۔ وہ شام کو بازار گئی اور اس نے دو میٹ خریدے۔ ایک تاروں کا بنا ہوا اور دوسرا موٹا بالوں والا۔ اب جب تاروں کے میٹ سے پاؤں رگڑے جاتے تو وہ ''رندے'' کی طرح صاف کر دیتا اور پھر موٹے بالوں کا موٹا دبیز میٹ مزید صفائی کر دیتا تھا' یہ بعد میں رکھا گیا تھا۔ جب میں نے یہ عمل دیکھا اور میں اس پر غور کرتا رہا' تو مجھے کافی شرمندگی ہوئی کہ میں جو اپنی دانش کے زور پر اپنے علم اور عمر کے تجربے پر بات کہہ

free-urdubook.blogspot.com

رہا تھا' وہ اتنی ٹھیک نہیں تھی اور اس لڑکی (بہو) نے اپنا آپ اپلائی کر کے اس مسئلے کا حل نکال دیا اور ہمارے درمیان کوئی جھگڑا ابھی نہیں ہوا۔

مجھے خیال آیا کہ انسان اپنے آپ میں تبدیلی پیدا کرنے کے لیے دوسروں پر تنقید زیادہ کرتا ہے اور خود میں تبدیلی نہیں کرتا۔ اس مسئلے سے آپ خود بھی گزرتے ہوں گے۔ ہم نے یہ وطیرہ بنالیا ہے کہ چونکہ مجھے ماسی اس طرح سے کہتی ہے اور فلاں اس طرح سے کہتا ہے اس لیے یہ کام نہیں ہوسکتا۔ ماماجی میں خرابی ہے یا چچا ٹھیک نہیں یا پھر محلے والے یا حکومت خراب ہے۔ ٹرانسپیرنسی نہیں ہے اور سسٹم ہی ٹھیک نہیں' اس لیے محلّہ گندہ ہے۔ اگر کہیں پانی کھڑا ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ اس پر توجہ نہیں دیتی اور اپنی خرابی سے ہٹ کر ہمارے پاس بہت سارے جواز اور بہانے موجود ہوتے ہیں اور یہ ہماری زندگی میں پھیلتے رہتے ہیں۔

کچھ خوش قسمت ملک ہیں' جہاں لوگ اپنے مسائل اپنے طور پر یا خود ہی حل کر لیتے ہیں۔ جو ان کے کرنے کے ہوتے ہیں۔ میری ایک نواسی ہے' اس نے ڈرائیونگ لائسنس کے لیے اپلائی کیا۔ وہ ایک سکول سے دو تین ماہ ڈرائیونگ کی تعلیم بھی لیتی رہی۔ لائسنس کے لیے ٹریفک پولیس والوں نے اس کا ٹیسٹ لیا' لیکن وہ بیچاری فیل ہوگئی۔ وہ بڑی پریشان ہوئی اور مجھ سے آکر لڑائی کی کہ نانا یہ کیسی گورنمنٹ ہے' لائسنس نہیں دیتی۔ وہ خود میں خرابی تسلیم نہیں کرتی تھی' بلکہ اسے سسٹم کی خرابی قرار دیتی تھی۔ ایک ماہ بعد اس نے دوبارہ لائسنس کے لیے اپلائی کیا اب مجھے جتنی آیات آتی تھیں' میں نے پڑھ کر اللہ سے دعا کی کہ اس کو پاس کردے' وگرنہ میری شامت آجائے گی۔ لیکن وہ ٹیسٹ میں پاس نہ ہوئی اور ٹریفک والوں نے کہا کہ بی بی آپ کو ابھی لائسنس نہیں مل سکتا' تو وہ رونے لگی' شدت سے' اور کہنے لگی تم بے ایمان آدمی ہو اور تمہارا ہمارے خاندان کے ساتھ کوئی بیر چلا آرہا ہے اور چونکہ تمہاری ہمارے خاندان کے ساتھ لگتی ہے' اس لیے ٹریفک والو تم مجھے لائسنس نہیں دیتے۔ وہ بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم تو آپ کے خاندان کو نہیں جانتے۔ وہ کہنے لگی' ہمارے ساتھ بڑا ظلم ہوا ہے اور میں اس ظلم پر احتجاج کروں گی۔ اخبار میں بھی لکھوں گی کہ آپ لوگوں نے مجھے لائسنس دینے سے انکار کیا' ایسا میری امی کے ساتھ اور ایسا ہی سلوک میری نانی کے ساتھ بھی کیا' جو پرانی گریجوایٹ تھیں اور اس طرح ہماری تین ''پیڑھیوں'' (نسلوں) کے ساتھ ظلم ہوتا چلا آرہا ہے۔ جس سے آپ کا ہمارے ساتھ بیر واضح ہوتا ہے۔

وہ ابھی تک اپنے ذہن میں یہ بات لیے بیٹھی ہے کہ چونکہ ٹریفک پولیس والوں کی میرے خاندان کے ساتھ ناچاقی ہے اور وہ اس کو برا سمجھتے ہیں' اس لیے ہمیں لائسنس نہیں دیتے۔ اپنی کوتاہی دُور کرنے کے بجائے آدمی ہمیشہ دوسرے میں خرابی دیکھتا ہے۔ بندے کی یہ خامی ہے۔ میں اپنے

free-urdubook.blogspot.com

آپ کو ٹھیک کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں اور ہمیشہ دوسرے کی خامی بیان کروں گا' جیسا کہ میں قالین پر کیچڑ کے حوالے سے اپنے فیصلے کو آخری قرار دے دیا تھا کہ سوائے جوتے ہاتھ میں پکڑنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اگر کوئی گروہ انسانی اپنے آپ کو Search کرنا چاہتا ہے اور راست روی پر قائم ہونا چاہتا ہے' تو پھر اسے اپنا تجزیہ اور Analysis کرنا پڑے گا۔ میں اپنا تجزیہ کرنے کے لیے بڑا زور لگاتا ہوں' لیکن کر نہیں پاتا۔ حالانکہ دوسرے کا تجزیہ فوراً کر لیتا ہوں۔ میں ایک سیکنڈ میں بتا دیتا ہوں کہ میرے محلے کا کون سا آدمی کرپٹ ہے۔ میرے دوست میں کیا خرابی ہے' لیکن مجھے اپنی خرابی نظر آتی ہی نہیں۔ میں نے بڑا زور لگایا ہے بڑے دم درود کروائے ہیں۔ Psycho Analysis کروایا' ہپناٹزم کروایا کہ میرا کچھ تو باہر آئے اور مجھے اپنی خامیوں کا پتہ چلے۔ مجھے لگتا ہے کہ میں تو ایک بہت سمجھدار عاقل' فاضل ہوں۔ مجھ سے زیادہ بڑا دانشمند آدمی تو ہے ہی نہیں۔ اگر آپ مطالعہ کریں اور کھلی نظروں سے دیکھیں تو آپ پر یہ کیفیات عجیب و غریب طریقے سے وارد ہوں گی کہ بندہ اپنے آپ کو کیسا سمجھتا ہے اور اصل میں ہوتا کیا ہے۔

میرے ایک کزن ہیں۔ وہ قصور میں رہتے ہیں۔ جب ہم جوان تھے اور نئی نئی ہماری شادی ہوئی تھی' یہ ان دنوں کی بات ہے۔ اس کے ہاں بچہ ہونے والا تھا۔ وہ رات کے ایک بجے قصور سے لاہور کے لیے چل پڑا۔ بالکل عین وقت پر بجائے اس کے کہ وہ اس کا قبل از وقت بندوبست کرتا' اب ایک بجے وہ گاڑی میں چلے اور سارا راستہ طے کر کے پریشانی کے عالم میں لاہور پہنچے اور اللہ نے کرم کیا کہ وہ وقت پر لاہور پہنچ گئے۔ صبح میں نے اس سے کہا کہ اے جاہل آدمی' تجھے اتنی عقل ہونی چاہیے تھی کہ پہلے اپنی بیوی کو لاہور لے آتا۔ اس نے کہا نہیں نہیں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ میں خود اندازہ لگا سکتا ہوں کہ اسے کب لے جانا ہے اور اللہ نے مجھے یہ فہم دی ہے۔ میں نے کہا فرض کرو رات کے ایک بجے گاڑی چلاتے ہوئے کوئی ایسی پیچیدگی یا مشکل پیدا ہو جاتی اور ریحانہ (بیوی) کی تکلیف بڑھ جاتی' تو پھر تم کیا کرتے؟ کہنے لگا کہ اگر تکلیف بڑھ جاتی تو میں اس کو ڈرائیونگ سیٹ سے اٹھا کر پچھلی سیٹ پر ڈال دیتا اور خود ڈرائیو کرنے لگ جاتا۔ پتہ یہ چلا کہ صاحبزادہ ڈرائیو بھی اسی سے کرواتا آیا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میری دانش اور میری سوچ یہ بالکل آخری مقام پر ہے اور اس سے آگے سوچنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

ہمارے سیانے یہ کہا کرتے ہیں کہ دیواروں سے بھی مشورہ کر لینا چاہیے۔ یہ ناظم اور کونسلرز کی کمیٹیاں تو اب بنی ہیں۔ پندرہ سال پہلے ہماری ریڈیو کی ایک یونین ہوا کرتی تھی۔ اس میں ہم کچھ نئی باتیں سوچتے تھے۔ اپنے آپ کو یا کارکردگی بہتر بنانے کے لیے اور سننے والوں کو آسانیاں عطا کرنے کے لیے۔ اس دور میں ریڈیو کا خاصا کام ہوا کرتا تھا۔ ہماری یونین کے ایک

free-urdubook.blogspot.com

صدر تھے۔ انہوں نے ایک روز میٹنگ میں یہ کہا کہ ظاہر ہے کہ اجلاس میں آپ خرابیاں ہی بیان کریں گے اور میں آپ لوگوں سے یہ درخواست کروں گا کہ آپ تیرہ اور پندرہ منٹ تک جتنی برائیاں بیان کر سکتے ہیں' کریں۔ لیکن پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں اور جو اصحاب اپنا مؤقف تقریر میں بیان نہیں کر سکتے' وہ یہ آسان کام کریں کہ تیرہ گالیاں دیں اور کھڑے ہو کر اچھی گندی بری گالیاں کھٹا کھٹ دے کر بیٹھ جائیں' کیونکہ کسی نے ہمیں کوئی تعمیری چیز تو بتانی نہیں' نقص ہی نکالنے ہیں اور بہتر یہی ہے کہ آپ ایسا کر لیں۔ ہم نے کہا کہ اگر انہوں نے اجازت دے دی ہے تو ایسا ہی کریں اور واقعی بیشتر لوگوں نے گالیوں پر ہی اکتفا کیا' کیونکہ آسان کام یہی تھا' آپ لوگوں نے اب بھی اخبارات میں دیکھا ہوگا کہ تعمیری کام کیسے کیا جائے کے بجائے ہم زیادہ تر تنقید ہی کرتے ہیں اور حل پر زور کم دیتے ہیں۔

یہ مشکلات بہت چھوٹی اور معمولی ہیں' لیکن انہیں کس طرح سے اپنی گرفت میں لیا جائے۔ یہ کام بظاہر تو آسان نظر آتا ہے' حقیقت میں بہت مشکل ہے۔ جب ہمارا ریڈیو سٹیشن نیا نیا بنا تھا تو بارش میں اس کی چھتوں پر ایک تو پانی کھڑا ہو جاتا تھا اور دوسرا کھڑکی کے اندر سے پانی کی اتنی دھاریں آ جاتیں کہ کاغذ اور ہم خود بھی بھیگ جاتے۔ ایک روز ایسی ہی بارش میں ہم سب بیٹھ کر اس کو تعمیر کرنے والے کو صلواتیں سنانے لگے کہ ایسا ہی ہونا تھا۔ بیچ سے پیسے جو کھا لیے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے ساتھ ہمارے ایک ساتھی قدیر ملک وہ صوتی اثرات کے ماہر تھے۔ وہ سائیکل بڑی تیز چلاتے تھے۔ دبلے پتلے آدمی تھے۔ وہ تیز بارش میں سائیکل لے کر غائب ہو گئے۔ ان کے گھر میں پرانا کنستر کا ایک ٹکڑا پڑا تھا۔ وہ اسے لے آئے اور چھت پر انہوں نے کنستر کے ٹکڑے کو ٹیڑھا کر کے ایک اینٹ نکال کر فکس کر دیا۔ اس طرح پرنالہ بن گیا اور چھت کا اور بارش کا پانی کمرے میں آئے بغیر شرررر.... کرتا باہر گرنے لگا۔ ہم نے کہا کہ بھئی یہ کیا ہو گیا ابھی بوچھاڑ اندر کو آ رہی تھی' تو قدیر ملک کہنے لگا' پتہ نہیں کیا ہو گیا۔ لیکن اب تو ٹھیک ہو گیا ہے' بیٹھ کر کام کرو۔ بڑے برسوں کے بعد جب ریٹائرمنٹ کے بعد کبھی چائے وائے پیتے ان سے کسی شخص نے اس حوالے سے پوچھا' تو اس نے اصل بات بتائی۔

عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ جب ہم روحانی دنیا میں داخل ہوتے ہیں تو جب تک پہلے زندگی کے روزمرہ کے مسائل حل نہیں ہوں گے' تو آپ روحانی دنیا میں داخل ہو ہی نہیں سکیں گے' اس لیے کہ یہ مرحلہ گزار کر پھر راستہ آگے چلے گا۔ رفو آپ جب ہی کر سکیں گے جب نانی اماں کی سوئی میں دھاگہ ڈال کر دیں گے' اس کو تو نظر نہیں آ رہا' پھر رفو ہوگا پھر وہ اماں وڈھی آپ کو رفو کر کے دے گی۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم روحانی دنیا میں کوئی ایسا فعل اختیار کر لیں۔ کوئی ایسا ورد

free-urdubook.blogspot.com

وظیفہ کر لیں کہ قناقٹ دودھ کی بارش ہونے لگے اور ہم کو روشنیاں نظر آنے لگیں' ایسا ہوا نہیں کبھی۔ جانا اسی روزمرہ کی زندگی کے راستے سے پڑتا ہے۔ چھوٹے دروازے کے قالین کے اوپر سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے اور پکڑی جائے گی گردن اشفاق صاحب کی کہ تم نے کیا غلط راستہ نکالا تھا' قالین صاف رکھنے کا۔ اگر کسی مقام پر بھی لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے' تو آپ روحانی دنیا میں داخل نہیں ہو سکتے' کیونکہ اللہ کریم کو اپنی مخلوق بڑی پیاری ہے۔ جب تک مخلوق کا احترام نہیں ہوگا' بات نہیں بنے گی۔

آپ اکثر دیکھتے ہیں آس پاس کہ احترام انسانیت اور احترام آدمیت کا فقدان ہے۔ اس میں پاکستان بیچارے کی کوئی خرابی نہیں ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ ہم ان لوگوں سے سیکھ کر آئے ہیں' جہاں چھوت' چھات مذہب کی حیثیت رکھتا ہے۔ بھارت میں 32 کروڑ کے قریب انسان ہیں' جو Untouchable کہلاتے ہیں' یعنی اچھوت۔ ان کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ وہ بھی عام بندے ہیں۔ عام لوگوں جیسے ان کے ہاتھ منہ ناک کان ہیں۔ بڑی محنت سے کام بھی کرتے ہیں' لیکن ان کے لیے حکم ہے کہ انہیں ہاتھ نہیں لگانا اور جب ان کے قریب سے گزرنا ہے تو ناک پر رومال رکھنا ہے۔ ہم نے پاکستان تو بنا لیا ہے' لیکن ہم یہ تصور ساتھ لے کر آ گئے ہیں۔ احترام آدمیت کا جو اللہ نے پہلا حکم دیا تھا' اس پر کاربند نہیں رہ سکے۔ جب یہ ہی نہیں ہوگا' تو پھر آپ اگر روحانیت کی دنیا میں داخل ہونا چاہیں گے' کسی بابے کو ملنا چاہیں گے' کسی اعلیٰ ارفع سطح پر ابھرنا چاہیں گے' تو ایسا نہیں ہوگا' کیونکہ درجات کو پانے کے لیے بڑے بڑے فضول' نالائق بندوں کی جوتیاں سیدھی کرنا پڑتی ہیں اور یہ اللہ کو بتانا پڑتا ہے کہ جیسا کیسا بھی انسان ہے' میں اس کا احترام کرنے کے لیے تیار ہوں' کیونکہ تو نے اسے شکل دی ہے۔

دیکھئے ناں! جو شکل وصورت ہوتی ہے' میں نے تو اسے نہیں بنایا' یا آپ نے اسے نہیں بنایا' بلکہ اسے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ میری بیٹیاں بہوئیں جب بھی کوئی رشتہ دیکھنے جاتی ہیں' تو میں ہمیشہ ایک بات سنتا ہوں کہ بابا جی! لڑکی بڑی اچھی ہے' لیکن اس کی ''چھب'' پیاری نہیں ہے۔ پتہ نہیں یہ ''چھب'' کیا بلا ہوتی ہے۔ وہ ان کو پسند نہیں آتی اور انسان سے کوئی نہ کوئی نقص نکال دیتی ہیں۔ میں انہیں کہا کرتا ہوں کہ اللہ کا خوف کرو۔ شکل وصورت سب کچھ اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے۔ یہ کسی جوتا کمپنی نے نہیں بنائی ہے۔ انسان کو تم ایسا مت کہا کرو' ورنہ تمہارے نمبر کٹ جائیں گے اور ساری نمازیں' روزے کٹ جائیں گے' کیونکہ اللہ کی مخلوق کو آپ نے چھوٹا کیا ہے' تو یہ مشکلات ہیں۔ گو یہ چھوٹی سی باتیں تھیں' لیکن چھوٹی باتوں میں سے بڑی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ جب تک میں اور آپ احترام آدمیت کا خیال نہیں رکھیں گے اور اپنے لوگوں کو پاکستانیوں

free-urdubook.blogspot.com

کو عزتِ نفس نہیں دیں گے، روٹی کپڑا کچھ نہ دیں ان کی عزتِ نفس انہیں لوٹا دیں۔ مثال کے طور پر آپ اپنے ڈرائیور کو سراج دین صاحب کہنا شروع کر دیں اور اپنے ملازم کے نام کے ساتھ ''صاحب'' کا لفظ لگا دیں۔ جب تک یہ نہیں ہوگا، اس وقت تک ہماری روح کے کام تو بالکل رُکے رہیں گے اور دنیا کے کام بھی پھنسے ہی رہیں گے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے، آمین!!

---

free-urdubook.blogspot.com

"ترقی کا ابلیسی ناچ"

آج سے چند روز پہلے کی بات ہے، میں ایک الیکٹرونکس کی شاپ پر بیٹھا تھا تو وہاں ایک نوجوان لڑکی آئی۔ وہ کسی ٹیپ ریکارڈر کی تلاش میں تھی۔ دوکاندار نے اسے بہت اعلیٰ درجے کے نئے نویلے ٹیپ ریکارڈر دکھائے لیکن وہ کہنے لگی مجھے وہ مخصوص قسم کا مخصوص Made کا مخصوص نمبر والا ٹیپ ریکارڈر چاہیے۔ دوکاندار نے کہا، بی بی یہ تو اب تیسری Generation ہے، اس ٹیپ ریکارڈر کی اور جو اب نئے آئے ہیں، وہ اس کی نسبت کارکردگی میں زیادہ بہتر ہیں۔ لڑکی کہنے لگی کہ یہ نیا ضرور ہے لیکن میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ یہ اس سے بہتر نہیں۔ میں بیٹھا غور سے اس لڑکی کی باتیں سننے لگا کیونکہ اس کی باتیں بڑی دلچسپ تھیں اور وہ الیکٹرونکس کے استعمال کی ماہر معلوم ہوتی تھی، انجینئر تو نہیں تھی لیکن اس کا تجربہ اور مشاہدہ خاصا تھا۔ وہ کہنے لگی کہ آپ مجھے مطلوبہ ٹیپ ریکارڈر تلاش کر کے دیں، میں آپ کی بڑی شکرگزار رہوں گی۔ میں نے اس لڑکی سے پوچھا۔ بی بی! آپ اس کو ہی کیوں تلاش کر رہی ہیں؟ اس نے کہا کہ ایک تو اس کی مشین بہتر تھی اور اس کو میری خالہ مجھ سے مانگ کر دبئی لے گئی ہیں اور میں ان سے واپس لینا بھی نہیں چاہتی لیکن اب جتنے بھی نئے بننے والے ٹیپ ریکارڈرز ہیں، ان میں وہ خصوصیات اور خوبیاں نہیں ہیں جو میرے والے میں تھیں۔ اس واقعہ کے دوسرے تیسرے روز مجھے اپنے ایک امیر دوست کے ساتھ کاروں کے ایک بڑے شوروم میں جانے کا اتفاق ہوا۔ شوروم کے مالک نے ہمیں کار کا ایک ماڈل دکھاتے ہوئے کہا کہ یہ ماڈل تو ابھی بعد میں آئے گا لیکن ہم نے اپنے مخصوص گاہکوں کے لیے اسے پہلے ہی منگوالیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس ماڈل میں پہلے کی نسبت کافی تبدیلیاں کی گئی ہیں اور یہ کمال کی گاڑی بنی ہے۔ میں نے استفسار کیا کہ کیا پچھلے سال کی گاڑی میں کچھ خرابیاں تھیں جو آپ نے اب دُور کر دی ہیں؟ وہ خرابیوں کے ساتھ ہی چلتی رہی ہے! اس میں کیا اتنے ہی نقائص تھے جو آپ نے دُور کر دیے؟ کہنے لگے نہیں اشفاق صاحب یہ بات نہیں ہے۔ ہم کوشش کرتے رہتے ہیں کہ اس میں جدت آتی رہے اور اچھی، باسہولت تبدیلی آتی رہے۔ تو یہ سن کر میرا

free-urdubook.blogspot.com

دماغ پیچھے کی طرف چل پڑا اور مجھے یہ خیال آنے لگا کہ ہر نئی چیز، ہر پیچیدہ چیز، ہر مختلف شے یقیناً بہتر نہیں ہوتی۔ اس مرتبہ میری سالگرہ پر میری بیوی نے مجھے کافی پر کولیٹر دیا اور وہ اسے خریدنے کے بعد گھر اس قدر خوش آئیں کہ بتا نہیں سکتا، کہنے لگیں میں بڑے عرصے سے اس کی تلاش میں تھی۔ یہ بالکل آپ کی پسند کا ہے اور یہ آپ کو اٹلی کی یاد دلاتا رہے گا۔ آپ اس میں کافی بنایا کریں۔ میں نے دیکھا، وہ بالکل نیا تھا اور اس میں پلاسٹک کا استعمال زیادہ تھا لیکن اس کا پیندا کمزور تھا اور وزن زیادہ تھا۔ دوسرا اس کی بجلی کے پلگ تک جانے والی تار بھی چھوٹی تھی اور جب میں نے اسے لگا کر استعمال کیا تو اس میں پانی کو کھولانے کی استطاعت تو زیادہ تھی لیکن کافی بھاپ پانے کی طاقت اس میں بالکل نہیں تھی۔ چنانچہ میں ان کا (بانو قدسیہ) دل تو خراب کرنا نہیں چاہتا تھا اور میں نے کہا، ہاں یہ اچھا ہے لیکن فی الحال میں اپنے پرانے پرکولیٹر سے ہی کافی بناتا رہوں گا۔ جب وہ چلی گئیں تو اس وقت میں نے کہا ''یا اللہ (میں نے اللہ سے دعا کی جو میری دعاؤں میں اب بھی شامل ہے) مجھے وہ صلاحیت اور استطاعت عطا فرما کہ اگر تو نئی چیز اور طرحِ نو کی کوئی اختراع وہ بہتر ثابت ہو بنی نوع انسان کے لیے اور تیری بھی پسند کی ہو تو وہ تو میں اختیار کروں، لیکن صرف اس وجہ سے کہ چونکہ یہ نئی ہے، کیونکہ لوگوں کا گھیرا اس کے گرد تنگ ہوتا جا رہا ہے، کیونکہ یہ توجہ طلب ہے تو اس لیے میں اس سے دور رہوں۔'' چنانچہ یہ بات میرے دل میں اتر تی گئی اور میں Progress کے بارے میں سوچتا رہا کہ ترقی جس کے پیچھے ہم سارے بھاگے پھرتے ہیں اور جس کے بارے میں جگہ بہ جگہ، گھروں میں، گھروں سے باہر، محلوں شہروں میں، حکومتوں اور اس کے باہر ترقی کی جانب ایک بڑی ظالم دوڑ جاری ہے۔ اس دوڑ سے مجھے ڈر لگتا ہے کہ حاصل تو اس سے کچھ بھی نہیں ہوگا کیونکہ ترقی میں اور فلاح میں بڑا فرق ہے۔ میں اور میرا معاشرہ، میرے اہل و عیال اور میرے بال بچے فلاح کی طرف جائیں تو میں ان کے ساتھ ہوں، خالی ترقی نہ کریں۔ خواتین و حضرات! یہ انتہائی غور طلب بات ہے کہ کیا ہم ترقی کے پیچھے بھاگیں یا فلاح کی جانب لپکیں اور اپنی جھولیاں فلاح کی طرف پھیلائیں۔ لاہور کے قریب گوجرانوالہ شہر ہے۔ اس میں Adult ایجوکیشن (تعلیم بالغاں) کے بڑے نامی گرامی سکول ہیں۔ مجھے ان Adult Education کے سکول میں ایک دفعہ جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں کسان، زمیندار، گاڑی بان تعلیم حاصل کر رہے تھے اور اس بات پر بڑے خوش تھے کہ چونکہ انہوں نے تعلیم حاصل کر لی ہے اور وہ فقروں اور ہندسوں سے شناسا ہو گئے ہیں۔ اس لیے اب انہوں نے ترقی کر لی ہے۔ چنانچہ وہاں ایک بہت مضبوط اور بڑا ہنس مکھ سا گاڑی بان تھا۔ میں نے کہا کیوں جناب گاڑی بان صاحب! آپ نے علم حاصل کر لیا؟ کہنے لگا، ہاں جی میں نے علم حاصل کر لیا۔ میں نے کہا، اب آپ پڑھ لکھ سکتے ہیں، کہنے لگے لکھنے کی تو مجھے پریکٹس نہیں ہے البتہ میں پڑھ ضرور لیتا ہوں۔ میں نے کہا آپ کیا پڑھتے ہیں؟ کہنے لگا جب میں سڑک پر

free-urdubook.blogspot.com

سے گزرتا ہوں تو جو سنگِ میل ہوتا ہے میں اب اسے پڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس سنگِ میل پر کیا کچھ لکھا ہوتا ہے، کہنے لگا میں ہر سنگِ میل پر یہ تو پڑھ لیتا ہوں کہ اسی میل یا ستر میل لیکن کہاں کا اسی میل، کہاں کا ستر میل۔ یہ مجھے کبھی پتہ نہیں لگا کہ کس طرف کا ہے۔ یہ ستر میل کہاں کے ہیں۔ اس کے باوجود وہ کہہ رہا تھا کہ میں ترقی یافتہ ہو گیا ہوں اور میں نے اب ترقی کر لی ہے۔ یہ اس قسم کی ترقی ہے (مسکراتے ہوئے) یہ راہ میں نئی چیز ہونے کے باوصف بڑی حائل ہوتی ہے۔ میں اس پر کافی حد تک سوچتا اور غور کرتا رہتا ہوں کہ اے میرے اللہ کیا ہم ہر نئی شے کو ہر Modern چیز کو اپنا لیں۔ یہ تو وہ تھا جو گزشتہ دنوں میرے ساتھ پیش آیا اور میں نے اس کی دعا کی کہ یا اللہ میں تجھ سے اس بات کا آرزومند ہوں کہ کچھ پرانی چیزیں جو ہیں، میں ان کا ساتھ دیتا رہوں مثلاً میں پرانی زمین کا ساتھ دیتا رہوں، میں پرانے چاند ستاروں کا ساتھ دیتا رہوں۔ اے اللہ میں اپنے پرانے دین کے ساتھ وابستہ رہوں اور یا خدا میری بیوی سے جو 38 سال پرانی شادی ہے، میری آرزو ہے کہ وہ بھی پرانی ہی رہے اور اسی طرح چلتی رہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میرے دوست اور میرے جاننے والے مجھ پر ضرور ہنسیں گے اور مجھے ضرور ایک دقیانوس انسان سمجھیں گے اور میرا مذاق، ٹھٹھہ اڑائیں گے اور مجھے بہت Fundamentalist سمجھیں گے، بنیاد پرست خیال کریں گے لیکن میں کوشش کر کے، جرأت کر کے بہت ساری پرانی چیزوں کے ساتھ وابستہ رہتا ہوں۔ انہیں چاہتا ہوں اور کچھ نئی چیزیں جو میری زندگی میں داخل ہو کر میرے پہلوؤں سے ہو کر گزر رہی ہیں، ان میں جو ٹھیک ہے، جو مناسب ہے، جو مجھے فلاح کی طرف لے جاتی ہوں، میں ان کی طرف مائل ہونا چاہتا ہوں اور مجھے یہ یقین ہے کہ خدا میری دعا یقیناً قبول کرے گا۔ جہاں تک تبدیلی کا تعلق ہے تو اس حوالے سے اگر آپ غور کریں تو ایسی کوئی تبدیلی آئی ہی نہیں ہے یا آتی نہیں جیسی کہ آنی چاہیے۔ اگر آپ تاریخ کے طالبعلم ہیں بھی تو یقیناً آپ تاریخ کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ آپ نے ضرور پڑھا ہوگا یا کسی داستان گو سے یہ کہانی سنی ہوگی کہ پرانے زمانے میں جب شکاری جنگل میں جاتے تھے اور شکار کرتے تھے، کسی ہرن، نیل گائے کا یا کسی خونخوار جانور کا تو وہ ڈھول اور تاشے بجاتے تھے اور اونچی اونچی گھنی فصلوں میں نیچے نیچے ہو کر چھپ کر اپنے ڈھول اور تاشے کا دائرہ تنگ کرتے جاتے تھے اور اس دائرے کے اندر شکار گھبرا کر، بے چین ہو کر، تنگ آ کر بھاگنے کی کوشش میں پکڑا جاتا تھا اور دبوچ لیا جاتا تھا۔ ان کا یہ شکار کرنے کا ایک طریقہ تھا۔ ہاتھی سے لے کر خرگوش تک اسی طرح سے شکار کیا جاتا تھا۔ یہ طریقہ چلتا رہا اور وقت گزرتا رہا۔

خواتین و حضرات! بڑی عجیب و غریب باتیں میرے سامنے آ جاتی ہیں اور میں پریشان بھی ہوتا ہوں لیکن شکر ہے کہ میں انہیں آپ کے ساتھ Share بھی کر سکتا ہوں۔ میرے ساتھ ایک واقعہ

free-urdubook.blogspot.com

یہ ہوا کہ میں نے سینما میں، ٹی وی پر اور باہر دیواروں پر کچھ اشتہار دیکھے، کچھ اشتہار متحرک تھے اور کچھ ساکن، کچھ بڑے بڑے اور کچھ چھوٹے چھوٹے تھے اور میں کھڑا ہو کر ان کو غور سے دیکھنے لگا کہ یہ پرانی شکار پکڑنے کی جو رسم ہے، وہ ابھی تک معدوم نہیں ہوئی ویسی کی ویسی ہی چل رہی ہے۔ پہلے ڈھول تاشے بجا کر، شور مچا کر "رولا" ڈال کے شکاری اپنے شکار کو گھیرتے تھے اور پھر اس کو دبوچ لیتے تھے۔ اب جو اشتہار دینے والا ہے وہ ڈھول تاشہ بجا کے اپنے سلوگن، نعرے، دعوے بیان کر کے شکار کو گھیرتا ہے، شکار بچارہ تو معصوم ہوتا ہے۔ اسے ضرورت نہیں ہے کہ میں یہ مخصوص صابن خریدوں یا پاؤڈر خریدوں، اسے تو اپنی ضرورت کی چیزیں چاہئیں ہوتی ہیں لیکن چونکہ وہ شکار ہے اور پرانے زمانے سے یہ رسم چلی آ رہی ہے کہ اس کا گھیراؤ کس طرح سے کرنا ہے تو وہ بظاہر تو تبدیل ہو گئی ہے لیکن بہ باطن اس کا رخ اور اس کی سوچ ویسی کی ویسی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا، آپ خود روز شکار بنتے ہیں۔ میں بنتا ہوں اور ہم اس نرغے اور دائرے سے نکل نہیں سکتے۔ پھر جب ہم شکار کی طرح پکڑے جاتے ہیں اور چیختے چلاتے ہیں تو پھر اپنے ہی گھر والوں سے پنجرے کے اندر آ جانے کے بعد لڑنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنے ہی عزیز و اقارب سے جھگڑا کرتے ہیں کہ تمہاری وجہ سے خرچہ زیادہ ہو رہا ہے۔ دوسرا کہتا ہے نہیں تمہاری وجہ سے یہ مسئلہ ہو رہا ہے۔ حالانکہ ہم تو شکاری کے شکار میں پھنسے ہوئے لوگ ہیں۔ اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ترقی ہو گئی ہے اور وہ شکار کا پرانا طریقہ گزر چکا ہے تو میں سمجھتا ہوں اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ یہ کام ترقی کی طرف مائل نہیں ہوا ہے بلکہ ہم اسی نہج پر اور اسی ڈھب پر چلتے جا رہے ہیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ ایسے عجیب و غریب واقعات میرے ساتھ وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں اور میں ان پر حیران بھی ہوتا رہتا ہوں اور کہیں اگر انہیں جب ڈسکس کرنے کا مناسب موقع نہیں ملتا تو میں آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔ پھر مجھے کئی خطوط ملتے ہیں اور لوگ، خط لکھنے والے مجھے راست اور درست قدم اٹھانے پر مائل کرتے ہیں۔ میں آپ سب کا شکر گزار ہوں۔

بادشاہت کے زمانے اور اس سے پہلے پتھر اور دھات کے زمانے سے لے کر آج تک جتنے بھی ادوار گزرے غلاموں کی تجارت کو بہت بڑا فعل سمجھا جاتا رہا ہے۔ لوگ غلام لے کر جہازوں میں پھرتے تھے۔ انہیں بالآخر فروخت کر کے اپنے پیسے کھرے کر کے چلے جاتے تھے اور اس سے بڑا اور کیا دکھ ہوگا کہ انسان بکتے تھے اور کہاں کہاں سے آ کر بکتے تھے اور وہ اپنے نئے مالکوں کے پاس کیسے رہ جاتے تھے۔ یہ ایک بڑی دردناک کہانی ہے، کئی مہاراجوں کی حکومت میں "داسیاں" بکتی تھیں جو مندروں میں ناچ اور پوجا پاٹ کرتی تھیں۔ یہ "داسیاں" دور دراز سے چل کر آتی تھیں، انہیں زیادہ تر مندروں میں رکھا جاتا تھا۔ کپل وستو کے راجہ شدّودن کا بیٹا سدھاک جو اپنے باپ کو بہت ہی پیارا تھا

free-urdubook.blogspot.com

اور وہ بعد میں مہاتما بدھ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا دل لگانے کے لیے اس کے باپ نے ایک ہزار لونڈیاں خرید کے محل میں رکھی تھیں تا کہ صاحبزادے کو دکھ، غم، بیماری، بڑھاپے اور موت سے آشنائی نہ ہو۔ یہ لونڈیاں شہزادے کا دل بہلاتی تھیں اور یہ رسم پہلے سے ہی چلتی آ رہی تھی حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آیا اور اس بات کی تاریخ گواہ ہے کہ ایک جلیل القدر پیغمبر اور ان کے والدین بھی پیغمبر تھے۔ وہ دنیا کے حسین ترین شخص تھے۔ وہ بھی بک گئے۔ میں یہ حضرت یوسفؑ کی بات کر رہا ہوں، ان کی بھی باقاعدہ بولی لگی تھی۔ یہ دردناک کہانیاں چلی آتی رہی ہیں اور ایسے واقعات مسلسل ہوتے رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ، حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں غلامی کا دور اور رسم بھی تھی۔ غلامی اور انسانی تجارت کے خلاف سب سے پہلی آواز جو اٹھی وہ نبی کریم محمدؐ کی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ نہایت قبیح رسم ہے، چلتی تو زمانوں سے آ رہی ہے اور اسے پورا کا پورا روکنا بہت مشکل ہو جائے گا لیکن میں درخواست کرتا ہوں کہ جب بھی موقع ملے تو چلو اپنے سو غلاموں میں سے کسی ایک غلام کو رہا اور آزاد کر دیا کرو، اللہ تمہارے لیے زیادہ آسانیاں پیدا کرے گا۔ پھر جب کسی سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہو جاتا تو آپؐ فرماتے کہ ''سب گناہ معاف ہو جائیں گے اگر تم یہ غلام آزاد کر دو۔'' اگر وہ شخص کہتا کہ حضورؐ میں تو غریب آدمی ہوں، میرے پاس کچھ نہیں تو آپؐ نے فرمایا غلام کسی سے قسطوں پر لے لو (کوئی پانچ روپے مہینہ، تین روپے مہینہ ادا کرتے رہنا) لیکن غلام آزاد کر دو۔ یہ غلامی کی ایسی قبیح رسم تھی جس سے انسان آہستہ آہستہ نکلنے کی کوشش کرتا رہا لیکن پھر امریکہ میں تو اس نے باقاعدہ کھیل کی صورت اختیار کر لی، افریقہ سے غلاموں کے جہاز بھر بھر کر لائے جاتے تھے اور ان افریقی لوگوں کو امریکہ کے شہروں میں فروخت کر دیا جاتا تھا۔ آپ نے سات قسطوں میں چلنے والی فلم ''روٹس'' تو دیکھی ہی ہوگی۔ اس کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ گورے کس کس طریقے سے کیسے ظلم و ستم کے ساتھ کالے (سیاہ فام) غلاموں کو لا کر منڈیوں میں فروخت کرتے تھے۔ چند دن پہلے کی بات ہے یہ دکھ جو ذہن کے ایک خانے میں موجود ہے، اسے لے کر میں چلتا رہتا تھا جیسا کہ آپ بھی چلتے رہتے ہیں تو مجھے ایک انٹرویو کمیٹی میں بطور Subject Expert رکھا گیا۔ میں وہاں چلا گیا۔ اس کمیٹی میں کل آٹھ افراد تھے، وہ آٹھ افراد کا پینل تھا جس میں خواتین اور مرد بھی تھے اور وہاں ایک ایک کر کے Candidate آ رہے تھے اور ہم ان سے سوال کرتے تھے، براڈکاسٹنگ اور لکھنے لکھانے کے حوالے سے سوال پوچھنا میرے ذمہ تھا۔ وہ بہت بڑا انٹرویو ہر ایک سے لیا جا رہا تھا۔ وہاں کسی صاحب نے باہر سے آ کر مجھے کہا کہ ایک صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔ گھر سے انہیں پتہ چلا کہ آپ یہاں ہیں تو یہاں پہنچ گئے۔ میں اپنے دیگر کمیٹی کے ارکان سے اجازت لے کر اور معذرت کر کے باہر گیا کہ براہ کرم ذرا دیر کے لیے اس انٹرویوز کے سلسلے کو روک لیا جائے۔ میں ہال میں ان صاحب سے ملنے کے لیے گیا۔ وہ صاحب ملے، بات ہوئی اور وہ چلے گئے

free-urdubook.blogspot.com

لیکن میں تھوڑی دیر کے لیے ہال میں ان امیدواروں کو دیکھنے لگا جو بڑی بے چینی کی حالت میں اپنی باری آنے کا انتظار کر رہے تھے اور جو باری بھگتا کے باہر نکلتا تھا۔ اس سے بار بار پوچھتے تھے کہ تم سے اندر کیا پوچھا گیا ہے اور کس کس قسم کے سوال ہوئے ہیں؟ اور ان باہر بیٹھے امیدواروں کے چہروں پر تردّد اور بے چینی اور اضطراب عیاں تھا۔ میں کھڑا ہو کر ان لوگوں کو دیکھتا رہا اور حیران ہوتا رہا کہ اگلے زمانے میں تو لونڈی، غلام بیچنے کے لیے منڈی میں تاجر باہر سے لایا کرتے تھے۔ آج جب ترقی یافتہ دور ہے اور چیزیں تبدیل ہو گئی ہیں، یہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں خود اپنے آپ کو بیچنے اور غلام بنانے کے لیے یہاں تشریف لائے ہیں اور چیخیں مار مار کر اور تڑپ تڑپ کر اپنے آپ کو، اپنی ذات، وجود کو، جسم و ذہن اور روح کو فروخت کرنے آئے ہیں اور جب انٹرویو میں ہمارے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں، سر میں نے یہ کمال کا کام کیا ہے، میرے پاس یہ سرٹیفکیٹ ہے۔ میرے پرانے مالک کا جس میں لکھا ہے کہ جناب اس سے اچھا غلام اور کوئی نہیں اور یہ لونڈی اتنے سال تک خدمت گزار رہی ہے اور ہم اس کو پورے نمبر دیتے ہیں اور اس کی کارکردگی بہت اچھی ہے اور سر اب آپ خدا کے واسطے ہمیں رکھ لیں اور ہم خود کو آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ کیا وقت بدل گیا؟ کیا انسان ترقی کر گیا ہے؟ کیا آپ اور میں اس کو ترقی کہیں گے کہ کسی معیشت کے بوجھ تلے، کسی اقتصادی وزن تلے ہم اپنے آپ کو خود بیچنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں لے جا کر یہ کہتے ہیں کہ جناب اس کو رکھ لو، اس کو لے لو اور ہمارے ساتھ سودا کر و کہ اس کو غلامی اور اس کو لونڈی گیری کے کتنے پیسے ملتے رہیں گے۔ یہ ایک سوچ کی بات ہے اور ایک مختلف نوعیت کی سوچ کی بات ہے۔ آپ اس پر غور کیجیے اور مجھے بالکل منع کیجیے کہ خدا کے واسطے ایسی سوچ آئندہ میرے آپ کے ذہن میں نہ آیا کرے کیونکہ یہ کچھ خوشگوار سوچ نہیں ہے۔ کیا انسان اس کام کے لیے بنا ہے کہ وہ محنت و مشقت اور تردد کرے اور پھر خود کو ایک پیکٹ میں لپیٹ کے اس پر خوبصورت پیکنگ کر کے گوٹا لگا کے پیش کرے کہ میں فروخت کے لیے تیار ہوں۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو نظر کے آگے سے گزرتی رہتی ہیں اور پھر یہ خیال کرنا اور یہ سوچنا کہ انسان بہت برتر ہو گیا ہے، برتر تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ارد گرد کے گرے پڑے لوگوں کو سہارا دے کر اپنے ساتھ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہی قومیں مضبوط اور طاقتور ہوتی ہیں جو تفریق مٹا دیتی ہیں۔ دولت، عزت، اولاد یہ سب خدا کی طرف سے عطا کردہ چیزیں ہوتی ہیں لیکن عزت نفس لوٹانے میں، لوگوں کو برابری عطا کرنے میں یہ تو وہ عمل ہے جو ہمارے کرنے کا ہے اور اس سے ہم پیچھے ہٹتے جاتے ہیں اور اپنی ہی ذات کو معتبر کرتے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ ہمارے بابا جی کے ڈیرے پر ایک نوجوان سا لڑکا آیا۔ وہ بیچارہ ٹانگوں سے معذور تھا اور اس نے ہاتھ میں پکڑنے اور وزن ڈالنے کے لیے لکڑی کے دو چوکھٹے سے بنوار کھے تھے۔ وہ بابا جی کو ملنے، لنگر لینے اور سلام کرنے آیا کرتا

free-urdubook.blogspot.com

تھا۔ میں وہاں بیٹھا تھا اور اسے دیکھ کر مجھے بہت تکلیف ہوئی اور چونکہ بابا جی کے سامنے ہم آزادی سے ہر قسم کی بات کر لیا کرتے تھے۔ اس لیے میں نے کہا، بابا جی آپ کے خدا نے اس آدمی کے لیے کچھ نہ سوچا!

یہ دیکھئے نوجوان ہے، اچھا لیکن صحت مند ہے۔ بابا جی نے ہنس کے کہا، سوچا کیوں نہیں۔ سوچا بلکہ بہت زیادہ سوچا اور اس آدمی ہی کے لیے تو سوچا۔ میں نے کہا، جی کیا سوچا اس آدمی کے لیے۔ کہنے لگے، اس کے لیے تم کو پیدا کیا، کتنی بڑی سوچ ہے اللہ کی۔ اب یہ ذمہ داری تمہاری ہے۔ میں نے کہا جی (مسکراتے ہوئے) آئندہ سے ڈیرے پر نہیں آنا۔ یہ تو کندھوں پر ذمہ داریاں ڈال دیتے ہیں۔ دوسروں کے لیے سوچنا تو فلاح کی راہ ہے اور یہ ترقی جسے ہم ترقی سمجھتے ہیں یا وہ ترقی جو آپ کے، ہمارے اردگرد ابلیسی ناچ کر رہی ہے یا وہ ترقی جو آپ کو خوفناک ہتھیاروں سے سجا رہی ہے، اسے ترقی تو نہیں کہا جا سکتا۔ آج سے کچھ عرصہ قبل آپ جانتے ہیں کہ اس دنیا میں دو سپر پاورز تھیں اور ان کا آپس میں بڑا مقابلہ رہتا تھا اور وہ کاغذی جنگ لڑتے ہوئے اور الیکٹرونک کی لڑائی لڑتے ہوئے آپس میں ہمیشہ ایک دوسرے کا تقابل کرتے تھے اور ایک دوسری کو یہ طعنہ دیتی کہ میں تم سے بڑی سپر پاور ہوں اور دوسری پہلی کو اور وہ اپنی سپر پاور اور ترقی کی پرکھ اور پیمانہ یہ بتاتی تھیں کہ جیسے ایک کہتی کہ تم دس سیکنڈ میں ایک ملین افراد کو ملیا میٹ کر سکتی ہو، ہم 5 سیکنڈ کے اندر ایک ملین انسان ہلاک کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہم بڑی سپر پاور ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے کبھی تقابلی مطالعہ میں یا معاملہ میں اور کسی بات پر فخر ہی نہیں کیا۔ تو کیا انسانیت اس راہ پر چلتی جائے گی اور جو علم ہمیں پیغمبروں نے عطا کیا ہے اور جو باتیں انہوں نے بتائی ہیں۔ وہ صرف اس وجہ سے پیچھے ہٹتی جائیں گی کہ ہم نئی چیزیں اور نئے لوگ حاصل کرتے چلے جا رہے ہیں۔ بحرکیف یہ دکھ کی باتیں ہیں اور بہت سے لوگ میرے ساتھ اس دکھ میں شریک ہوں گے۔ اب آپ سے اجازت چاہوں گا۔ خدا آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

free-urdubook.blogspot.com

HOT LINE

ایک مرتبہ پروگرام ''زاویہ'' میں گفتگو کے دوران ''دعا'' کے بارے میں بات ہوئی تھی اور پھر بہت سے لوگ ''دعا'' کے حوالے سے بحث وتمحیث اور غور وخوض کرتے رہے اور اس بابت مجھ سے بھی بار بار پوچھا گیا، میں اس کا کوئی ایسا ماہر تو نہیں ہوں لیکن میں نے ایک تجویز پیش کی تھی جسے بہت سے لوگوں نے پسند کیا اور وہ یہ تھی کہ ''دعا'' کو بجائے کہنے یا بولنے کے ایک عرضی کی صورت میں لکھ لیا جائے۔ عرض کرنے اور میرے اس طرح سوچنے کی وجہ یہ تھی کہ پوری نماز میں یا عبادت میں جب ہم دعا کے مقام پر پہنچتے ہیں تو ہم بہت تیزی میں ہوتے ہیں اور بہت اتاولی (جلدی) کے ساتھ دعا مانگتے ہیں۔ ایک پاؤں جوتے میں ہوتا ہے، دُوسرا پہن چکے ہوتے ہیں، اٹھتے اٹھتے، کھڑے کھڑے جلدی سے دعا مانگتے چلے جاتے ہیں یعنی وہ رشتہ اور وہ تعلق جو انسان کا خدا کی ذات سے ہے، وہ اس طرح جلد بازی کی کیفیت میں پورا نہیں ہو پاتا۔ ہمارے ایک بابا نے یہ ترکیب سوچی تھی کہ دعا مانگتے وقت انسان پورے خضوع کے ساتھ اور پوری توجہ کے ساتھ اور Full Attention رکھتے ہوئے دعا کی طرف توجہ دے اور جو اس کا نفسِ مضمون ہو، اس کو ذہن میں اتار کر، تکلم میں ڈھال کر اور پھر اس کو Communicate کرنے کے انداز میں آگے چلا جائے تاکہ اس ذات تک پہنچے جس کے سامنے دعا مانگی جا رہی ہے یا پیش کی جا رہی ہے۔ ہمارے ایک دوست تھے، انہوں نے مجھے بتایا کہ میں نے دعا کاغذ پر لکھنے کی بجائے ایک اور کام کیا ہے جو آپ کی سوچ سے آگے ہے۔ میرے دوست افضل صاحب نے کہا کہ میں نے ایک رجسٹر بنا لیا ہے اور میں اس پر اپنی دعا بڑی توجہ کے ساتھ لکھتا ہوں اور اس پر باقاعدہ ڈیٹ بھی لکھتا ہوں اور اس کے بعد میں پیچھے پلٹ کر اس کیفیت کا بھی جائزہ لیتا ہوں جو دعا مانگنے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ میرے دوست کے رجسٹر بنانے کا بڑا فائدہ ہے اور ان کا تعلق اپنی ذات، اپنے اللہ اور اس ہستی کے ساتھ جس کے آگے وہ سر جھکا کر دُعا مانگتے ہیں، بہت قریب کا ہو جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر اور میں بھی اس میں شامل ہوں، جو یہ شکایت کرتے

free-urdubook.blogspot.com

ہیں کہ "جی بڑی دُعا مانگی لیکن کوئی اثر نہیں ہوا۔ ہم تو بڑی دعائیں مانگتے ہیں، پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی اور ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔"

خواتین و حضرات! دعا کا سلسلہ ہی ایسا سلسلہ ہے جیسا نلکا "گیڑ" کے پانی نکالنے کا ہوتا ہے۔ جس طرح ہینڈ پمپ سے پانی نکالتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو ہینڈ پمپ بار بار یا مسلسل چلتا رہے یا "گڑتا" رہے، اس میں سے بڑی جلدی پانی نکل آتا ہے اور جو ہینڈ پمپ سوکھا ہوا ہو اور استعمال نہ کیا جاتا رہا ہو، اس پر "گڑنے" والی کیفیت کبھی نہ گزری ہو۔ اس پر آپ کتنا بھی زور لگاتے چلے جائیں، اس میں سے پانی نہیں نکلتا۔ اس لیے دعا کے سلسلے میں آپ کو ہر وقت اس کی حد کے اندر داخل رہنے کی ضرورت ہے کہ دعا مانگتے چلے جائیں اور مانگیں توجہ کے ساتھ چلتے ہوئے، کھڑے ہوئے، بے خیالی میں کہ یا اللہ ایسے کر دے۔ عام طور پر جب لوگ ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں "دعاؤں میں یاد رکھنا" اور وہ بھی کہتے ہیں ہم آپ کو دعاؤں میں یاد رکھیں گے اور بہت ممکن ہے کہ وہ دعاؤں میں یاد رکھتے بھی ہوں لیکن آپ کو خود کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔

خدا کے واسطے دعا کے دائرے سے ہرگز ہرگز نہیں نکلئے گا اور یہ مت کہیے گا کہ جناب دعا مانگی تھی اور اس کا کوئی جواب نہیں آیا، دیکھیے دعا خط و کتابت نہیں، دعا Correspondent نہیں ہے کہ آپ نے چٹھی لکھی اور اس خط کا جواب آئے۔ یہ تو ایک یکطرفہ عمل ہے کہ آپ نے عرضی ڈال دی اور اللہ کے حضور گزار دی اور پھر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے کہ یہ عرضی جا چکی ہے اور اب اس کے اوپر عمل ہوگا۔ اس کی (اللہ) مرضی کے مطابق کیونکہ وہ بہتر سمجھتا ہے کہ کس دعا یا عرضی کو پورا کیا جانا ہے اور کس دعا نے آگے چل کر اس شخص کے لیے نقصان دہ بن جانا ہے اور کس دعا نے آگے پہنچ کر اس کو وہ کچھ عطا کرنا ہے جو اس کے فائدے میں ہے۔ دعا مانگنے کے لیے صبر کی بڑی ضرورت ہوتی ہے اور اس میں خط کا جواب آنے کے انتظار کا چکر نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے شاید یہ پہلے بھی عرض کیا تھا کہ کچھ دعائیں تو مانگنے کے ساتھ ہی پوری ہو جاتی ہیں، کچھ دعاؤں میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور کچھ دعائیں آپ کی مرضی کے مطابق پوری نہیں ہوتیں۔ مثال کے طور پر آپ اللہ سے ایک پھول مانگ رہے ہیں کہ "اے اللہ مجھے زندگی میں ایک ایسا خوشبودار پھول عطا فرما جو مجھے پہلے کبھی نہ ملا ہو۔ لیکن اللہ کی خواہش ہو کہ اسے ایک پھول کے بجائے زیادہ پھول، پورا گلدستہ یا پھولوں کا ایک ٹوکرا دے دیا جائے لیکن آپ ایک پھول پر ہی Insist کرتے رہیں اور ایک پھول کی ہی بار بار دعا کرتے جائیں اور اپنی عقل اور دانش کے مطابق اپنی تجویز کو شامل کرتے ہیں کہ مجھے ایک ہی پھول چاہیے تو پھر اللہ کہتا ہے کہ اگر اس کی خواہش ایک پھول ہی ہے تو اسے پھولوں سے بھرا ٹوکرا رہنے دیا جائے۔ آپ کی دانش اور عقل بالکل آپ کی دستگیری نہیں کر سکتی، مانگنے کا یہ طریقہ ہو کہ "اے اللہ میرے لیے جو بہتر ہے، مجھے وہ عطا فرما۔

free-urdubook.blogspot.com

میں انسان ہوں اور میری آرزوئیں اور خواہش بھی بہت زیادہ ہیں، میری کمزوریاں بھی میرے ساتھ ساتھ ہیں اور تُو پروردگارِ مطلق ہے، میں بہت دست بستہ انداز میں عرض کرتا ہوں کہ مجھے کچھ ایسی چیز عطا فرما جو مجھے بھی پسند آئے اور میرے اردگرد رہنے والوں کو، میرے عزیز و اقارب کو پسند ہو اور اس میں تیری رحمت بھی شامل ہو۔ اگر کہیں کہ اللہ جو چاہے عطا کرے وہ ٹھیک ہے۔ اللہ آپ کو فقیری عطا کر دے جبکہ آپ کی خواہش سی ایس ایس افسر بننے یا ضلع ناظم بننے کی ہو۔ دعا ایسی مانگنی چاہیے کہ اے اللہ مجھے ضلع ناظم بھی بنا دے اور پھر ایسا نیک بھی رکھ کہ رہتی دنیا تک لوگ اس طرح سے یاد کریں کہ باوصف اس کے کہ اس کو ایک بڑی مشکل درپیش تھی اور انسانوں کے ساتھ اس کے بہت کڑے روابط تھے لیکن پھر بھی وہ اس میں پورا اترا اور کامیاب ٹھہرا۔ دعا کے حوالے سے یہ باریک بات توجہ طلب اور نوٹ کرنے والی ہے۔ پھر بعض اوقات آپ دعا مانگتے مانگتے بہت لمبی عمر کو پہنچ جاتے ہیں اور دعا پوری نہیں ہوتی۔ اللہ بعض اوقات آپ کی دعا کو Defer بھی کر دیتا ہے کہ ابھی پوری نہیں کرنی، آگے چل کر کرنی ہے۔ جیسے آپ ڈیفنس سیونگ بانڈز لیتے ہیں، وہ دس سال کے بعد میچور ہوتے ہیں۔ جس طرح آپ کہتے ہیں کہ یہ بچہ ہو گیا ہے۔ اب اس کے نام کا ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ لے لیں، اسے آگے چل کر انعام مل جائے گا۔ اس طرح اللہ بھی کہتا ہے اور وہ بہتر جانتا ہے کہ اب اس شخص کے لیے یہ چیز عطا کرنا غیر مفید یا بے سود ثابت ہوگا، ہم اس کو آگے چل کر اس سے بھی بہت بڑا انعام دیں گے بشرطیکہ یہ صبر اختیار کرے اور ہماری مرضی کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ دعا کو خدا کے واسطے ایک معمولی چیز نہ سمجھا کریں۔ پہلی بات تو یہ ہے جو مشاہدے میں آئی ہے کہ دعا ایک اہم چیز ہے۔ جس کے بارے میں خداوند تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ ''جب تم نماز ادا کر چکو تو پھر پہلو کے بل لیٹ کر، یا بیٹھ کر میرا ذکر کرو، یعنی میرے ساتھ ایک رابطہ قائم کرو۔ جب تک یہ تعلق پیدا نہیں ہوگا، جب تک یہ Hot Line نہیں لگے گی۔ اس وقت تک تم بہت ساری چیزیں سمجھ نہیں سکو گے۔ ہم نے بھی باباجی کے کہنے پر جو بات دل میں ہوتی اس کو بڑے خوشخط انداز میں لمبے کاغذ پر لکھ کر، لپیٹ کر رکھتے تھے اور اس کے اوپر یوں حاوی ہوتے تھے کہ وہ تحریر اور وہ دعا ہمارے ذہن کے نہاں خانوں میں ہر وقت موجود رہتی تھی۔ ایک صاحب مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ جب وہ دعا پوری ہو جائے تو پھر کیا کریں؟ میں نے کہا کہ پھر اس کاغذ کو پھاڑ کر (ظاہر ہے اس میں آپ نے بہت پاکیزہ باتیں بھی لکھی ہوں گی کیونکہ آدمی کی آرزو خالص Materialistic یا مادہ پرستی کی دعاؤں کی ہی نہیں ہوتی کچھ اور دعائیں بھی انسان مانگتا ہے) پرزہ پرزہ کر کے کسی پھل دار درخت کی جڑ میں دبا دیں، یہ احترام کے لیے کہا ہے۔ ویسے تو آپ خود بھی جانتے ہیں کہ ایسی تحریروں والے مقدس کاغذوں کے ڈسپوزل کا کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے۔ ہمارے دوست جو افضل صاحب ہیں، انہوں نے دعاؤں کا باقاعدہ ایک رجسٹر بنایا ہوا ہے جو قابلِ غور بات ہے اور اس

free-urdubook.blogspot.com

میں وہ دیکھتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو فلاں سن میں میں نے یہ دعا مانگی تھی، کچھ دعائیں چھوٹی ہوتی ہیں، معمولی معمولی سی۔ وہ ان کو بھی رجسٹر میں سے دیکھتے کہ یہ اس سن میں مانگی دعا اس وقت آ کر پوری ہوئی اور فلاں دعا کب اور جب جا کر پوری ہوئی۔ دعا پوری توجہ کا تقاضا کرتی ہے۔ چلتے چلتے جلدی جلدی میں دعا مانگنے کا کوئی ایسا فائدہ نہیں ہوتا۔ کچھ دعائیں ایسی ہوتی ہیں جو بہت ''ٹھاہ'' کر کے لگتی ہیں۔ بغداد میں ایک نانبائی تھا، وہ بہت اچھے نان کلچے لگاتا تھا اور بڑی دور دور سے دنیا اس کے گرم گرم نان خریدنے کے لیے آتی تھی۔ کچھ لوگ بعض اوقات اسے معاوضے کے طور پر کھوٹہ سکہ دے کر چلے جاتے جیسے یہاں ہمارے ہاں بھی ہوتے ہیں۔ وہ نانبائی کھوٹہ سکہ لینے کے بعد اسے جانچنے اور آنچنے کے بعد اسے اپنے ''گلے'' (پیسوں والی صندوقچی) میں ڈال لیتا تھا۔ کبھی واپس نہیں کرتا تھا اور کسی کو آواز دے کر نہیں کہتا تھا کہ تم نے مجھے کھوٹہ سکہ دیا ہے۔ بے ایمان آدمی ہو وغیرہ بلکہ محبت سے وہ سکہ بھی رکھ لیتا۔ جب اس نانبائی کا آخری وقت آیا تو اس نے پکار کر اللہ سے کہا (دیکھئے یہ بھی دعا کا ایک انداز ہے) ''اے اللہ تو اچھی طرح سے جانتا ہے کہ میں تیرے بندوں سے کھوٹے سکے لے کر انہیں اعلیٰ درجے کے خوشبودار گرم گرم صحت مند نان دیتا رہا اور وہ لے کر جاتے رہے۔ آج میں تیرے پاس جھوٹی اور کھوٹی عبادت لے کر آ رہا ہوں، وہ اس طرح سے نہیں جیسا تو چاہتا ہے۔ میری تجھ سے یہ درخواست ہے کہ جس طرح سے میں نے تیری مخلوق کو معاف کیا تو بھی مجھے معاف کر دے۔ میرے پاس اصل عبادت نہیں ہے۔ بزرگ بیان کرتے ہیں کہ کسی نے اس کو خواب میں دیکھا تو وہ اونچے مقام پر فائز تھا اور اللہ نے ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جس کا وہ متمنی تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دعا مانگی گئی ہے لیکن قبولیت نہیں ہوئی اور جواب ملنا چاہیے لیکن جو محسوس کرنے والے دل ہوتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ نہیں جواب ملتا ہے۔ ایک چھوٹی سی بچی تھی۔ اس کی گڑیا کھیلتے ہوئے ٹوٹ گئی تو وہ بیچاری رونے لگی اور جیسے بچوں کی عادت ہوتی ہے تو اس نے کہا کہ اللہ میاں جی میری گڑیا جوڑ دو، یہ ٹوٹ گئی ہے۔ اس کا بھائی ہنسنے لگا کہ بھئی یہ تو ٹوٹ گئی ہے اور یہ اب جڑ نہیں سکتی۔ اس نے کہا کہ مجھے اس گڑیا کے جڑنے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔، میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اللہ میاں جواب نہیں دیا کرتے۔ اللہ میاں کو تو بڑے بڑے کام ہوتے ہیں۔ لڑکی نے کہا کہ میں اللہ میاں کو ضرور پکاروں گی اور وہ میری بات کا ضرور جواب دے گا۔ اس نے کہا، اچھا اور چلا گیا۔ جب تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا تو دیکھا کہ اس کی بہن ویسے ہی ٹوٹی گڑیا لیے بیٹھی ہوئی ہے اور بہن سے کہنے لگا، بتاؤ کہ اللہ میاں کا کوئی جواب آیا۔ وہ کہنے لگی، ہاں آیا ہے۔ اس لڑکے نے کہا تو پھر کیا کہا؟ اس کی بہن کہنے لگی، اللہ میاں نے کہا ہے یہ نہیں جڑ سکتی۔ یہ اس لڑکی کا ایک یقین اور اتقان تھا۔ بہت سی دعاؤں کے جواب میں ایسا بھی حکم آ جاتا ہے۔ ایسی بھی Indication آ جاتی ہے کہ یہ کام نہیں ہوگا۔ اس کو دل کی نہایت خوشی کے

free-urdubook.blogspot.com

ساتھ برداشت کرنا چاہیے۔ ہم برداشت نہیں کرتے ہیں لیکن کوئی بات نہیں۔ پھر بھی ہمیں معافی ہے کہ ہم تقاضۂ بشری کے تحت، انسان ہونے کے ناطے بہت ساری چیزوں کو اسی طرح چھوڑ دیتے ہیں اور ہم پورے کے پورے اس پر حاوی نہیں ہوتے۔ کئی مرتبہ دعا مانگنے کے سلسلے میں کچھ لوگ بڑی ذہانت استعمال کرتے ہیں۔ آخر انسان ہیں نا! آدمی سوچتا بھی بڑے ٹیڑھے انداز میں ہے۔ ہمارے گاؤں میں ایک لڑکی تھی، جوان تھی لیکن شادی نہیں ہو رہی تھی۔ ہم اسے کہتے کہ تو بھی دعا مانگ اور ہم بھی مانگتے ہیں کہ اللہ تیرا کہیں رشتہ کرا دے۔ اس نے کہا نہیں میں اپنی ذات کے لیے کبھی دعا نہیں مانگوں گی۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔ ہم نے کہا کہ بھئی تو تو پھر بڑی ولی ہے جو صرف دوسروں کے لیے ہی دعا مانگتی ہے۔ اس نے کہا ولی نہیں ہوں لیکن دعا صرف مخلوقِ خدا کے لیے مانگتی ہوں۔ وہ اللہ زیادہ پوری کرتا ہے۔ ہم اس کی اس بات پر بڑے حیران ہوئے تھے۔ وہ ہمیشہ یہی دعا مانگا کرتی تھی کہ ''اے اللہ میں اپنے لیے کچھ نہیں مانگتی، میں اپنی ماں کے لیے دعا مانگتی ہوں کہ اے خدا میری ماں کو ایک اچھا، خوبصورت سا داماد دے دے، تیری بڑی مہربانی ہوگی۔ اس سے میری ماں بڑی خوش ہوگی، میں اپنے لیے کچھ نہیں چاہتی۔ وہ ذہین بھی ہو، اس کی اچھی تنخواہ بھی ہو۔ اس کی جائیداد بھی ہو۔ اس طرح کا داماد میری ماں کو دے دے۔'' انسان ایسی بھی دعائیں مانگتا ہے۔ یہ میری ذاتی رائے ہے کہ اس قسم کی اور اس طرح سے دعا مانگنا بھی بڑی اچھی بات ہے۔ اس سے بھی اللہ سے ایک تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ ہر زبان سمجھتا ہے۔ اپنی دعا کو نکھار نکھار کے نتھار نتھار کے چوکھٹا لگا کے اللہ کی خدمت میں پیش کیا جائے کہ جی یہ چاہیے، ان چیزوں کی آرزو ہے۔ یہ بیماری ہے، یہ مشکل ہے، حل کر دیں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو دعا مانگنے والے کے لیے مشکل پیدا کر دیتی ہیں کہ وہ صبر کا دامن چھوڑ کر بہت زیادہ تجویز کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ جتنی جلدی میں دکھاؤں گا، جتنی تیزی میں کروں گا۔ اتنی تیزی کے ساتھ میری دعا قبول ہوگی۔ وہ ہر جگہ، ہر مقام پر ہر ایک سے یہی کہتا پھرتا ہے۔ اگر کبھی وہ یہ تجربہ کرے کہ میں نے عرضی ڈال دی ہے اور لکھ کر ڈال دی ہے اور اب مجھے آرام کے ساتھ بیٹھ جانا چاہیے کیونکہ وہ عرضی ایک بڑے اعلیٰ دربار میں گئی ہے اور اس کا کچھ نہ کچھ فیصلہ ضرور ہوگا۔ کئی دفعہ دعا کے راستے میں یہ چیز حائل ہو جاتی ہے کہ اب جب آپ کوئی کوشش کر ہی رہے ہیں تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی کوشش کے صدقے کام ہو جائے گا۔ ہم یہ بھی سوچتے ہیں لیکن یہ بھی میرا ایک ذاتی خیال ہے کہ دعا کی طرف پہلے توجہ دینی چاہیے اور کوشش بعد میں ہونی چاہیے۔ دعا کی بڑی اہمیت ہے۔ دعا کے ساتھ گہری اور یقین کے ساتھ وابستگی ہونی چاہیے اور جب گہری وابستگی ہو تو پھر اس یقین کے ساتھ کوشش کر کے سوچنا چاہیے کہ اب عرضی چلی گئی ہے، اب اس کا نتیجہ ضرور نکلے گا۔ دعا ہر زبان میں پوری ہوتی ہے جس زبان میں بھی کی جائے۔ 1857ء میں جب انگریزوں اور

مسلمانوں کے درمیان جنگ آزادی جاری تھی اور مولوی حضرات اس جنگ کی رہنمائی کر رہے تھے اور توپیں بھر بھر کے چلا رہے تھے تو اس جنگ کے خاتمے پر ایک مولوی نے ایک انگریز سے کہا کہ حیران کی بات ہے کہ ہم جو بھی تدبر یا تجویز کرتے ہیں وہ پوری نہیں ہوتی اور آپ جو بھی کام کرتے ہیں ہر جگہ پر آپ کو کامیابی ملتی رہی ہے، اس کی کیا وجہ ہے۔ انگریز نے ہنس کے کہا "ہم ہر کام کے لیے دعا مانگتے ہیں۔" مولوی صاحب نے کہا، دعا تو ہم بھی مانگتے ہیں۔ انگریز نے کہا، ہم انگریزی میں دعا مانگتے ہیں۔ اب مولوی بیچارہ خاموش ہو گیا۔ اس وقت بھی انگریزی کا ایک خاص رُعب اور دبدبہ ہوتا تھا تو مولوی صاحب نے بھی کہا کہ شاید انگریزی میں مانگی ہوئی دعا کامیاب ہوتی ہوگی۔ دعا کے لیے کسی زبان کی قید نہیں ہے۔ بس دلی وابستگی اہم ہے۔ اب میں آپ سے اجازت چاہوں گا۔ میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ آمین۔ اللہ حافظ۔

تکبر اور جمہوریت کا بڑھاپا

ایک انگریز مصنف ہے جس کا میں نام بھولنے لگا ہوں۔ اس کی معافی چاہتا ہوں لیکن شاید گفتگو کے دوران نام یاد آ جائے، وہ مصنف کہتا ہے کہ تکبر، رعونت اور گھمنڈ اور مطلق العنانیت جب قوموں اور حکومتوں میں پیدا ہوتی ہے تو یہ ایک طرح کی ڈویلپمنٹ بلکہ بڑی گہری ڈویلپمنٹ ہوتی ہے اور اس کے بعد جب کوئی حکومت، کوئی مملکت یا کوئی بھی طرزِ معاشرت یا زندگی وہ Democratic یا شعورائی انداز سے گزر کر یہاں تک پہنچا ہو تو پھر یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ اب جمہوریت بوڑھی ہو گئی، کمزور، بیمار ہو گئی ہے اور اس کے آخری ایام ہیں۔ کسی بھی قوم میں تکبر یا گھمنڈ آ جائے تو وہ اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ وہ جمہوریت جس کو لے کر یہ کئی صدیوں سے چل رہے تھے، اب کمزور اور ماؤف ہو گئے ہیں۔ تکبر اور فرعونیت کے بڑے روپ ہیں، اونچے بھی اور نیچے بھی اور ان کو سنبھالا دینا اور ان کے ساتھ اس شرافت کے ساتھ چلنا جس کا معاملہ نبیوں نے انسانوں کے ساتھ کیا ہے، بڑا ہی مشکل کام ہے۔ کسی قسم کی تعلیم، کسی قسم کی دنیاوی تربیت ہمارا ساتھ نہیں دیتی اور تکبر سے انسان بس اوپر سے اوپر ہی نکل جاتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی اس حوالے سے بہت کوششیں ہوتی ہیں۔ 220 یا 240 قبل مسیح میں جب ہمارے خطے میں گندھارا حکمرانی تھی، تب سوات کے قریب بدھوؤں کی ایک بستی تھی اور وہ بڑے بھلے لوگ تھے۔ جیسے بدھ لوگ ہوتے ہیں۔ ان پر ایک ہندو راج دھانی (حکومت) نے حملہ کر دیا۔ بدھوؤں نے فصیل کے دروازے بند کر دیئے اور وہ بیچارے اندر چھپ کے بیٹھ گئے۔ ہندو فوج نے اپنے تیر، ترکش اور اگن بم پھینکے تو فصیل کے اندر بے چینی پیدا ہوئی۔ کچھ بوڑھے، بزرگ اور صلح پسند بدھ دروازہ کھول کے باہر نکلے اور انہوں نے کہا کہ "تم کیا چاہتے ہو؟" انہوں نے جواب دیا کہ ہم تم سے لڑنا اور جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ بدھوؤں نے کہا کہ جناب، حضور ہم تو لڑنا نہیں چاہتے۔ تب ہندو مہاراجہ نے کہا کہ ہم تمہارا "بیج ناس" (نسل ختم) کرنا چاہتے ہیں اور تم کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہتے اور اس چھوٹی سی ریاست پر جو تم نے سوات کے کنارے بسائی ہے، اس پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتے

free-urdubook.blogspot.com

ہیں۔ بدھوؤں نے کہا کہ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ آپ قبضہ کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے ہندو مہاراجہ سے ایک گھنٹے کی مہلت مانگی۔ وہ بدھ بزرگ پلٹے، انہوں نے اپنی بستی کے لوگوں سے کہا کہ اپنا سامان اٹھاؤ جو بھی چھوٹا موٹا اٹھا سکتے ہو اور ایک گھنٹے کے اندر اندر بستی کو خالی کر دو، پھر یوں ہوا کہ وہ جتنے بھی بدھ لوگ تھے، وہ وہاں سے چل پڑے، باہر فوج کھڑی تھی اور بدھ ان کو سلام کرتے ہوئے جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ جی ہم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے جا رہے ہیں، آپ قبضہ فرمالیجیے۔ جب وہ بستی بالکل خالی ہونے لگی تو ہندو فوج کے سپہ سالار یا "سیناپتی" نے انہیں روک کے کہا "او بدھوؤ یہ تم کیا کر رہے ہو، تم بستی خالی کر کے جا رہے ہو۔ ہم اس خالی خولی بستی پر قبضہ کر کے کیا کریں گے؟ انہوں نے کہا کہ یہ خالی نہیں، اس میں ہمارا سامان بھی رکھا ہوا ہے۔ سپہ سالار نے کہا، خالی سامان نہیں چاہیے۔ ہماری گھمنڈ کی جو آگ ہے، وہ خالی سامان سے نہیں بجھے گی۔ یہ اس وقت بجھے گی جب تک ہم تم کو زیر نگیں نہیں کریں گے۔ جب تک تم کو زیر نہیں کریں گے اور تم پر حکمرانی نہیں کریں گے یا تم کو اپنے ہاتھوں لڑ کے ختم نہیں کریں گے۔ بدھوؤں نے کہا کہ ہم تو خود تسلیم کرتے ہیں کہ ہم آپ کے زیر نگیں ہیں اور ہم نے اب جنگل میں بسنے کا اہتمام بھی کر لیا ہے۔ اس کے باوجود ہندوؤں نے جاتے ہوئے گھمنڈ اور تکبر میں بدھ بھکشوؤں پر حملہ کر دیا۔ کچھ کو مار ڈالا، کچھ کو زنجیریں ڈال کے غلام بنالیا اور اپنے گھمنڈ کی آگ کو اس طرح ٹھنڈا کیا۔ انسانی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں چلتی آئی ہیں اور آ رہی ہیں۔ یہ مت سمجھئے گا کہ تعلیم کی وجہ سے یا بہت اعلیٰ درجے کی تربیت کی وجہ سے یا قدم قدم یہ قافلہ چلنے کے باعث انسان کے اندر رعونت، تکبر اور گھمنڈ کا جذبہ کم ہو جائے گا۔ آپ جب بھی تاریخ کے ورق پلٹیں گے، بڑے بڑے حکمرانوں، شہنشاہوں، بادشاہوں اور سلطنتوں نے اپنے گھمنڈ اور تکبر کی خاطر چھوٹی چھوٹی مملکتوں اور راج دھانیوں اور بستیوں پر اور اپنے برابر والوں پر بھی بڑھ چڑھ کے حملے کیے ہیں اور ان کو ذلیل و خوار کرنے کی نیت سے ایسا کیا ہے۔

خواتین و حضرات! ہماری زندگی میں اکثر اوقات یہ ہوتا ہے کہ معاشرتی زندگی میں آپ کی کسی ایسے مقام پر بے عزتی ہو جاتی ہے کہ آپ کھڑے کھڑے موم بتی کی طرح پگھل کے خود اپنے قدموں میں گر جاتے ہیں۔ مجھے اس وقت کا ایک واقعہ یاد ہے جب میں اٹلی کے دارالحکومت روم میں رہتا تھا اور تب قدرت اللہ شہاب کورس کرنے کے لیے ہالینڈ گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے وہاں سے خط لکھا کہ میں ایک ہفتے کے لیے تمہارے پاس آنا چاہتا ہوں اور میں روم کی سیر کروں گا اور وہاں پھروں گا، باوجود اس کے کہ سات دن بہت محدود اور کم عرصہ ہے لیکن کہتے ہیں کہ روم سات دنوں کے اندر کسی حد تک روم دیکھا جا سکتا ہے تو میں بھی کسی حد تک اسے دیکھنے کے لیے تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ میں نے کہا ضرور آیئے۔ جب وہ آئے تو تین دن ہم روم کے گلی کوچوں اور بازاروں میں گھومتے رہے اور جتنے بھی وہاں عجائب گھر تھے، انہیں دیکھا لیکن لوگ کہتے ہیں کہ روم کے میوزیم تو

free-urdubook.blogspot.com

سال بلکہ سو سال میں بھی نہیں دیکھے جا سکتے۔ بہر حال ہم پھرتے اور گھومتے رہے۔ ایک شام بیٹھے بیٹھے قدرت اللہ شہاب کے دل میں آیا اور کہنے لگے، میں ''پومپیائی'' (وہ شہر جو ایک بڑے پہاڑ کے لاوے کی وجہ سے تباہ ہو گیا تھا اور اب بھی وہ جلا ہوا اور برباد شہر ویسے کا ویسا پڑا ہے اور لاوے کے خوف سے ایک کتا لاوے کے آگے آگے چیختا ہوا بھاگا تھا لیکن ایک مقام پر آ کر لاوے نے اسے بھی پکڑ لیا اور وہ جل بھن گیا۔ چنانچہ اس کا حنوط شدہ وجود اب بھی اسی طرح موجود ہے۔) جانا چاہتا ہوں۔ پومپیائی کے بارے میں مَیں آپ کو مزید بتاؤں کہ لاوے کے باعث وہاں جس طرح لوگ مرے تھے، گرے تھے، انہیں بھی ویسے ہی چھوڑا ہوا ہے۔ حماموں اور غسلخانوں اور دوکانوں پر جس طرح سے لوگ تھے ویسے ہی پڑے ہیں۔ وہ بڑی عبرت کی جگہ ہے۔ قدرت اللہ کہنے لگے، میں اس شہر کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں گا کیونکہ پھر مجھے ایسا موقع نہیں ملے گا۔ پومپیائی روم سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ وہاں جانے میں ٹرین پر غالباً دو پونے دو گھنٹے لگتے ہیں۔ جب ہم وہاں جانے لگے تو کہا کہ میں ایک ایسا جوتا لینا چاہتا ہوں جو بڑا نرم و نازک اور Flexible ہو اور وہ پاؤں کو تکلیف نہ دے تاکہ میں آسانی سے چل پھر سکوں۔ میں نے کہا یہ تو جوتوں کا گھر ہے، یہاں تو اعلیٰ درجے کے جوتے ملتے ہیں۔ چنانچہ ہم ایک اعلیٰ درجے کی جوتوں کی دکان پر گئے۔ میں نے دوکان والے سے کہا کہ یہ ہمارے ملک کے بہت معزز رائٹر ہیں اور انہیں ایک اعلیٰ قسم کا جوتا خریدنا ہے۔ انہوں نے ہمیں ایک انتہائی خوبصورت، نرم اور لچکدار جوتا دکھایا جس کو ہاتھ میں پکڑنے پر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ ''چرمی'' (کھال) جوتا نہیں ہے بلکہ کپڑے کا ہے اور لچک اس میں ایسی کہ یقین نہ آئے، یقین کریں آپ کا ہاتھ سخت ہوگا لیکن وہ جوتا انتہائی نرم تھا۔ قدرت اللہ نے اسے بہت پسند کیا اور خرید لیا۔ جب چل کے دیکھا تو انہوں نے خوشی سے سیٹی بجائی کہ اس سے اچھا جوتا میں نے ساری زندگی میں نہیں پہنا، ہم وہاں سے پومپیائی کے لیے روانہ ہوئے۔ اب ظاہر ہے پومپیائی ایک پتھریلا علاقہ ہے، اس کی سڑکیں ٹوٹی ہوئیں، جلی ہوئیں کیونکہ جیسا کسی زمانے میں تھا ویسا ہی پڑا ہوا ہے۔ ہم چلتے رہے، کوئی پندرہ بیس منٹ کے بعد ایک پاؤں کا جوتا ٹوٹ گیا اور اس کے ٹانکے اکھڑ گئے۔ وہ انہوں نے ہاتھ میں پکڑ لیا اور ایسے چلتے رہے جیسے بگلا چلتا ہے۔ اب ہاتھ میں جوتا پکڑے اونچی نیچی گھاٹیوں اور پہاڑیوں پر چل رہے تھے کہ تھوڑی دیر کے بعد دوسرے پاؤں کا جوتا بھی جواب دے گیا۔ چنانچہ دونوں کو تسموں سے لٹکا کر انہوں نے پکڑ لیا اور ننگے پاؤں وہ پومپیائی کی زیارت کرتے رہے۔ جیسے یاتری مقدس مقامات کی کرتے ہیں اور شام کو ننگے پاؤں واپس آئے اور کہنے لگے، یار یہ جوتے جو اتنے قیمتی تھے، انہوں نے یہ حال کیا۔ میں نے دیکھا کہ ان جوتوں کے تلے اور پتاوے تک الگ ہو چکے تھے تو مجھے بہت غصہ آیا اور اس میں میری بے عزتی بھی تھی کیونکہ میں تو ہر وقت روم کی تعریف کرتا رہتا تھا جس طرح اب بھی کرتا رہتا ہوں۔ اگلی صبح میں دوکان پر گیا، ساتھ

free-urdubook.blogspot.com

شہاب صاحب بھی تھے۔ میں نے کہا، دیکھئے آپ نے اتنے مہنگے جوتے ہمیں دیئے ہیں، یہ تو دو گھنٹے سے زیادہ بھی نہیں چلے اور آپ کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے تھا کہ ایک آدمی اتنی دور سے آیا ہے اور تمہارے نامی گرامی اور تاریخی شہر کی زیارت کر رہا ہے لیکن تم نے ایسے جوتے دے دیئے۔ جو دوکاندار تھا وہ بڑے نرم خو اور محبت والے انداز میں کہنے لگا ''صاحب ہم شرفاء اور معزز لوگوں کے لیے جوتے بناتے ہیں، پیدل چلنے والوں کے لیے نہیں بناتے۔'' یہ ایک تکبر کی تلوار تھی جس نے ہم دونوں کو اس مقام پر بری طرح سے قتل کر دیا۔ انسان اکثر دوسروں کو ذلیل و خوار کرنے کے لیے ایسے فقرے مجتمع کر کے رکھتا ہے کہ وہ اس فقرے کے ذریعے وار کرے اور اس پر حملہ آور ہو اور پھر اس کی زندگی اور اس کا جینا اس کے لیے محال کر دے۔ اس طرح حملے بڑی سطح پر بھی ہوتے ہیں اور چھوٹے لیول پر بھی ہوتے ہیں لیکن ہمارے مذہب میں یہ روایت بہت کم تھی۔ اگر تھی تو ہمارے پیغمبر محمدؐ اپنی تعلیمات کے ذریعے لوگوں کو اس فرعونیت سے نکالتے رہتے تھے جس کا گناہ شداد، فرعون، نمرود اور ہامان نے کیا تھا۔ ان کا یہ بس ایک ہی گناہ تھا جو سب گناہوں سے بھاری تھا۔ ازل سے لے کر آج تک انسان کے ساتھ گناہ اور بدیاں چمٹی رہی، کچھ کم ہوتی ہیں اور کچھ زیادہ۔ کسی کے پاس ایک بدی بالکل نہیں ہوتی۔ کسی کے پاس کافی تعداد میں ہوتی ہیں لیکن کہتے ہیں کہ کائنات میں کوئی آدمی ایسا نہیں گزرا جو تکبر کا مرتکب نہ رہا ہو۔ کسی نہ کسی روپ میں وہ ضرور اس گناہ کا شکار ہوا ہے یا اس میں مبتلا رہا ہے۔ ہمارے صوفی لوگ اس تلاش میں مارے مارے پھرے ہیں کہ کوئی ایسی راہ تلاش کی جائے جس سے تکبر کی شدت میں کمی واقع ہو۔ ایک درویش جنگل میں جا رہے تھے۔ وہاں ایک بہت زہریلا کوبرا سانپ پھن اٹھائے بیٹھا تھا۔ اب ان درویشوں، سانپوں، خوفناک جنگلی جانوروں اور جنگلیوں کا ازل سے ساتھ رہا ہے۔ وہ درویش سانپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور وہ بیٹھا پھنکار رہا تھا۔ انہوں نے سانپ سے کہا کہ ناگ راجہ یار ایک بات تو بتا کہ جب کوئی تیرے سوراخ کے آگے جہاں تو رہتا ہے، بین بجاتا ہے تو تُو باہر کیوں آجاتا ہے۔ اس طرح تو تجھے سپیرے پکڑ لیتے ہیں۔ سانپ نے کہا، صوفی صاحب بات یہ ہے کہ اگر کوئی تیرے دروازے پر آ کر تجھے پکارے تو یہ شرافت اور مروت سے بعید ہے کہ تو باہر نہ نکلے اور اس کا حال نہ پوچھے۔ میں اس لیے باہر آتا ہوں کہ وہ مجھے بلاتا ہے تو یہ شریف آدمیوں کا شیوا نہیں کہ وہ اندر ہی گھس کے بیٹھے رہیں۔ ایک طرف تو مشرق میں اس قسم کی تعلیم اور تہذیب کا تذکرہ رہا ہے اور دوسری طرف اسی مشرق کے لوگ اپنے قد کو اونچا کرنے کے لیے اور اپنی مونچھ کو اینٹھ کے رکھنے کے لیے مظلوموں اور محکوموں پر حملے کرتے رہے ہیں تاکہ ان کی رعونیت اور تکبر کا نام بلند ہو۔ بعض اوقات بڑے اچھے اچھے افعال جو بظاہر بڑے معصوم نظر آتے ہیں، وہ بھی تکبر کی ذیل میں آجاتے ہیں۔ میں نے آپ سے یہ بات شاید پہلے بھی کی ہو کہ جب میں اوّل اوّل میں باباجی کے ڈیرے پر گیا تو میں نے

free-urdubook.blogspot.com

لوگوں کو دیکھا کہ کچھ لوگ بابا جی سے اندر کوٹھڑی میں بیٹھے باتیں کر رہے ہوتے تھے تو کچھ لوگ ان کے بکھرے ہوئے ''الم بلغم'' اور ''اگڑم بگڑم'' پڑے ہوتے تھے۔ انہیں اٹھا کر ترتیب سے دروازے کے آگے ایک قطار میں رکھتے چلے جاتے تھے تاکہ جانے والے لوگ جب جانے لگیں تو انہیں زحمت نہ ہو اور وہ آسانی کے ساتھ پاؤں ڈال کے چلے جائیں۔ میں یہ سب چار، پانچ، چھ روز تک دیکھتا رہا اور مجھے لوگوں کی یہ عادت اور انداز بہت بھلا لگا۔ چنانچہ ایک روز میں نے بھی ہمت کر کے (حالانکہ میرے لیے یہ بڑا مشکل کام تھا) میں نے بھی ان جوتوں کو سیدھا کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ اس زمانے میں میں سوٹ پہنتا تھا اور مجھے یہ فکر رہتا تھا کہ میری ٹائی جیکٹ کے اندر ہی رہے لٹکنے نہ پائے۔ اس لیے جھکے ہوئے بار بار اپنے لباس کو اور اپنے وجود کو اور خاص طور پر اپنے بدن کے خم کو نظر میں رکھتا تھا۔ ایک دفعہ دو دفعہ ایسا کیا۔ جب بابا جی کو پتہ لگا تو وہ بھاگے بھاگے باہر آئے، کہنے لگے ''نہ نہ آپ نے ہرگز یہ کام نہیں کرنا، میرے ہاتھ میں جوتوں کا ایک جوڑا تھا۔ انہوں نے فوراً واپس رکھوا دیا اور کہا یہ آپ کے کرنے کا کام نہیں ہے، چھوڑ دیں۔ یہیں چھوڑ دیں۔ میں بڑا نالاں ہوا اور مجھے بڑی شرمندگی ہوئی کہ لوگوں کے سامنے مجھے اس طرح سے روکا گیا اور مجھے یہ ایک اور طرح کی ذلت برداشت کرنا پڑی۔

ایک روز جب تخلیہ تھا، میں نے بابا جی سے پوچھا کہ ''سر یہ آپ نے اس روز میرے ساتھ کیا کیا، میں تو ایک اچھا اور نیکی کا کام کر رہا تھا۔ جو بات میں نے آپ ہی کے ہاں سے سیکھی تھی، اس کا اعادہ کر رہا تھا۔'' انہوں نے ہنس کے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کے کہا کہ آپ پر یہ واجب نہیں تھا جو آپ کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، آپ تکبر کی طرف جا رہے تھے۔ اس لیے میں نے آپ کو روک دیا۔ میں نے کہا، جناب یہ آپ کیسی بات کرتے ہیں! کہنے لگے، اگر آپ وہاں جوڑے اسی طرح سے سیدھی قطاروں میں رکھتے رہتے، جس طرح سے اور لوگ رکھتے تھے تو آپ کے اندر تکبر کی ایک اور رمق پیدا ہو جانی تھی کہ دیکھو ''میں اتنے بڑے ادارے کا اتنا بڑا ڈائریکٹر جنرل ہوں اور اتنے اعلیٰ سرکاری عہدے پر ہوں اور میں یہ جوتے سیدھے کر رہا ہوں، لوگوں نے بھی دیکھ کر کہنا تھا، سبحان اللہ یہ کیسا اچھا نیکی کا کام کر رہا ہے۔ اس سے آپ کے اندر عاجزی کی بجائے تکبر اور گھمنڈ کو اور ابھرنا تھا۔ اس لیے آپ مہربانی کر کے اپنے آپ کو کنٹرول میں رکھیں اور یہ کام ہرگز نہ کریں، پھر مجھے رکنا پڑا اور ساری عمر ہی رکنا پڑا۔ اس لیے کہ دل کی سلیٹ پر اندر جو ایک لکیر کھینچی ہوئی ہے، انا کی اور تکبر کی وہ کسی صورت بھی مٹتی نہیں ہے۔ چاہے جس قدر بھی کوشش کی جائے اور اس کے انداز بڑے نرالے ہوتے ہیں۔ ایک شام ہم لندن میں فیض صاحب کے گرد جمع تھے اور ان کی شاعری سن رہے تھے۔ انہوں نے ایک نئی نظم لکھی تھی اور اس کو ہم بار بار سن رہے تھے۔ وہاں ایک بہت خوبصورت، پیاری سی لڑکی تھی۔ اس شعر و سخن کے بعد Self کی باتیں ہونے لگیں یعنی ''انا'' کی بات چل نکلی اور اس کے اوپر تمام موجود حاضرین نے

free-urdubook.blogspot.com

بار بار اقرار و اظہار اور تبادلہ خیال کیا۔ اس نوجوان لڑکی نے کہا فیضؔ صاحب مجھ میں بھی بڑا تکبر ہے اور میں بھی بہت انا کی ماری ہوئی ہوں، کیونکہ صبح جب میں شیشہ دیکھتی ہوں تو میں سمجھتی ہوں کہ مجھ سے زیادہ خوبصورت اس دنیا میں اور کوئی نہیں، اللہ نے فیضؔ صاحب کو بڑی Sense of Humour دی تھی، کہنے لگے بی بی۔ یہ تکبر اور انا ہرگز نہیں ہے، یہ غلط فہمی ہے (انہوں نے یہ بات بالکل اپنے مخصوص انداز میں لبھا اور لٹا کے کی) وہ بچاری قہقہہ لگا کے ہنسی۔ زندگی کے اندر ایسی چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں لیکن قوموں کے لیے اور انسانی گروہوں کے لیے تکبر اور انا رعونت، گھمنڈ اور مطلق العنانیت بڑی خوفناک چیز ہے، اس انگریز مصنف جس کا نام اب میرے ذہن میں آ رہا ہے، وہ انگریز مصنف جی۔ کے چیسٹسن کہتا ہے کہ جب تکبر انسان کے ذہن میں آ جائے اور وہ یہ سمجھے کہ میرے جیسا اور کوئی بھی نہیں اور میں جس کو چاہوں زیر کر سکتا ہوں اور جس کو چاہوں تباہ کر سکتا ہوں تو وہ حکومت، وہ دور، وہ جمہوریت یا وہ بادشاہت چاہے کتنی ہی کامیابی کے ساتھ جمہوری دور سے گزری ہو، اس بابت یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس جمہوریت کا جس کا نام لے کر وہ چلے تھے، اس کا آخری پہر آن پہنچا ہے اور وہ جمہوریت ضعیف ہو گئی ہے اور اس میں ناتوانی کے آثار پیدا ہو گئے ہیں اور وہ وقت قریب ہے جب وہ جمہوریت فوت ہو جائے گی اور فوراً ہی گھمنڈ اور فرعونیت میں بدل جائے گی۔ مشرق میں اس پر بطور خاص توجہ دی جا رہی ہے اور بار بار مسلسل دہرا دہرا کر ایشیاء کے جتنے بھی مذاہب ہیں ان میں بار بار اس بات پر زور دیا جاتا رہا کہ اپنے آپ کو گھمنڈ، فرعونیت اور شدادیت سے بچایا جائے کیونکہ یہ انسان اور نوع انسانی کو بالکل کھا جاتی ہے کیونکہ اس کا مطلب خدا کے مقابلے میں خود کو لانا ہے۔ حافظ ضامن صاحب کے خلیفہ تھے۔ ان کا نام شمس اللہ خان یا اسد اللہ خان تھا۔ چلیے اسد اللہ خان رکھ لیتے ہیں۔ وہ خلیفہ تھے لیکن طبیعت کے ذرا سخت تھے (پٹھان تھے، طبیعت کے سخت تو ہوں گے ہی) ان کے ہاں ایک مرتبہ چوری ہو گئی۔ اب وہ گاؤں کے "مکھیا" (چودھری) تھے۔ ان کے ہاں چوری ہو جانا بڑے دکھ کی بات تھی۔ انہوں نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور اپنے طور پر تحقیق و تفتیش شروع کر دی۔ ایک بڑا نیک نمازی جولاہا جو گفتگو میں بڑا کمزور تھا، وہ بھی پیش ہوا۔ اب لوگوں نے اس کے حوالے سے کہا کہ چونکہ یہ بولتا نہیں ہے اور ڈرا ڈرا سا ہے اور اندازہ یہی ہے کہ اس نے چوری کی ہے۔ چنانچہ اسد اللہ خان نے غصے سے پکار کر کہا کہ جولاہے سچ سچ بتا ورنہ میں تیری جان لے لوں گا۔ وہ بچارہ سیدھا آدمی تھا، وہ سہم گیا اور ہکلا گیا اور اس کی زبان میں لکنت آ گئی۔ خان صاحب نے اس کی گھبراہٹ اور لکنت سے یہ اندازہ لگایا کہ یقیناً چوری اسی نے کی ہے۔ انہوں نے اسے زور کا ایک تھپڑ مارا، وہ لڑکھڑا کے زمین پر گر گیا اور خوف سے کانپنے لگا اور سر اثبات میں ہلایا کہ جی ہاں، چوری میں نے ہی کی ہے۔ وہ جولاہا سیدھا مولانا گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ انہیں سنایا اور کہا کہ میری زندگی عذاب میں ہے اور میں

free-urdubook.blogspot.com

یہ گاؤں چھوڑ رہا ہوں۔ مولانا گنگوہی نے خان صاحب کو ایک رقعہ لکھا کہ تمہارے گاؤں میں یہ واقعہ گزرا ہے اور اس طرح تم نے اس جولاہے پر ہاتھ اٹھایا ہے تو آپ ایسے کریں کہ کیا آپ نے عذرِ شرعی کی وجہ سے اس پر ہاتھ اٹھایا ہے؟ آپ کو کیا حق پہنچتا تھا؟ اس بات کا جواب ابھی سے تیار کر کے رکھ دیجیے کیونکہ آگے چل کر آپ کی اللہ کے ہاں یہ پیشی ہوگی اور پہلا سوال آپ سے یہی پوچھا جائے گا۔ جب یہ رقعہ اسد اللہ خان کے پاس پہنچا تو ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور ہٹپٹائے، گھبرائے اور وہیں سے پیدل چل پڑے اور گنگوہا پہنچے۔ جب مولانا گنگوہی کے ہاں پہنچے تو وہ آرام فرما رہے تھے۔ ان کے خادم سے کہنے لگے، آپ مولانا سے کہہ دیجیے ایک ظالم اور خونخوار قسم کا آدمی آیا ہے۔ کہیں تو حاضر ہو جائے، نہیں تو وہ جا کر اپنے آپ کو ہلاک کر لے اور کنویں میں ڈوب کر مر جائے اور میں اس کا تہیہ کر کے آیا ہوں۔ مولانا نے انہیں اندر بلوا لیا۔ آپ لیٹے ہوئے تھے اور فرمانے لگے، میاں کیوں شور مچایا ہوا ہے؟ اور کیا ایسا ہو گیا کہ تم وہاں سے پیدل چل کے آ گئے۔ غلطی ہو گئی، گناہ ہو گیا۔ معافی مانگ لو اور کیا ہو سکتا ہے۔ جاؤ چھوڑ دو، اپنے ضمیر پر بوجھ نہ ڈالو۔ چنانچہ خان صاحب واپس آ گئے اور آ کر گاؤں میں اعلان کیا کہ اس جولاہے کو پھر بلایا جائے۔ (اسی میدان میں جہاں اسے سزا دی تھی) وہ جولاہا بے چارہ پھر کانپتا ڈرتا ہوا حاضر ہو گیا۔ کہنے لگا جتنا میں نے تجھے مارا تھا، اتنا تو مجھے مار، اب لوگ کھڑے دیکھ رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا جناب! یہ بے چارہ کانپ رہا ہے، یہ کیسے آپ پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔ خان صاحب کہنے لگے، اس نے ہاتھ نہ اٹھایا تو میں مارا جاؤں گا۔ جولاہے نے بھی کہا، جناب میری یہ بساط نہیں ہے اور میرا ایسا کرنے کو دل بھی نہیں چاہتا ہے۔ اگر کوتاہی ہوئی ہے تو اللہ معاف کرنے والا ہے۔ اللہ ہم دونوں کو معاف کرے۔ چنانچہ وہ گھر واپس آ گئے۔ اگلے دن جب وہ جولاہا کھڈی پر کپڑا بُن رہا تھا تو خان صاحب اس کی بیوی کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے، گھر کے کام کاج کے لیے اب میں حاضر ہوں۔ جو چیز سودا سلف منگوانا ہو مجھے حکم کیا کیجیے، بھائی صاحب کے ہاتھ نہ منگوایا کیجیے (اب عورتوں کو اگر مفت کا نوکر مل جائے تو کہاں چھوڑتی ہیں) پھر خان صاحب آخری دم تک ہر روز صبح اپنی بگھی دور کھڑی کر کے اس جولاہے کی بیوی کے پاس جاتے اور جو بازار سے چیزیں لانا ہوتیں لا کر دیتے رہے اور وہ گھر کا سودا اپنے کندھوں پہ اٹھا کے لا کے دیتے۔ بعض اوقات وہ دوپہر کو بلوا بھیجتی کہ فلاں کام رہ گیا ہے۔ انہوں نے اپنے ملازموں کو حکم دے رکھا تھا کہ اگر میں سویا بھی ہوں تو بھی مجھے بتایا جائے۔ جب تک وہ زندہ رہے، اس جولاہے کی بیوی کا ہر حکم بجا لاتے رہے کہ شاید اس وجہ سے جاں بخشی ہو جائے اور آگے چل کر وہ سوال نہ پوچھا جائے۔ کس شرعی ضرورت کے تحت آپ نے اس کو تھپڑ مارا تھا؟ اُمید ہے ان سے یہ سوال نہیں پوچھا گیا ہوگا۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ آمین۔ اللہ حافظ

---

free-urdubook.blogspot.com

"شک"

میں ایک بہت ضروری اور اہم بات لے کر گھر سے چلا تھا لیکن سٹوڈیو تک پہنچنے سے پہلے ایک عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا جس سے میرا سارا ذہن اور آپ سے بات کرنے کا سوچا ہوا انداز ہی تبدیل ہو کر رہ گیا ہے اور جو بات میرے ذہن میں تھی، وہ بھی پھیل کر ایک اور جگہ پر مقید ہو گئی ہے۔ میں جب گھر گیا تو میں نے دیکھا کہ میری بیوی نے ہمارا ایک نیا ملازم جو گاؤں سے آیا ہوا ہے، اس کم سن کے ہاتھ کے ساتھ ایک چھوٹی سی رسی باندھ کے اسے چارپائی کے پائے کے ساتھ باندھ کے بندر کی طرح بٹھایا ہوا ہے۔ میں نے کہا، یہ کیا معاملہ ہے؟ وہ کہنے لگی اس نے میرے پرس میں سے ایک پانچ سو کا، دو سو سوا اور تین نوٹ دس دس روپے کے چرا لیے ہیں اور اس نے یہ سات سو تیس روپے کی چوری کی ہے۔ یہ ابھی نیا نیا آیا ہے اور اس کی آنکھوں میں دیکھو صاف بے ایمانی جھلکتی ہے۔ میں نے کہا، مجھے تو کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی۔ کہنے لگی، نہیں آپ کو اندازہ نہیں ہے، جب یہ آیا تھا تب اس کے کان ایسے نہیں تھے اور اب جب اس نے چوری کر لی ہے تو اس کے کانوں میں فرق پیدا ہو گیا ہے۔ میں نے کہا، دیکھیے یہ آپ شک وشبہ کی بات کرتی ہیں۔ اس حوالے سے آپ یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتیں۔ انہوں نے کہا، نہیں میرا دل کہتا ہے کہ اس نے چوری کی ہے۔ میں نے کہا، دیکھو اس پر بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ خدا کے واسطے اسے چھوڑ دو۔ تو کہنے لگی میں اسے کچھ کہوں گی تو نہیں اور نہ ہی اسے کوئی سزا دوں گی لیکن میں نے اسے باندھ کے اس لیے بٹھایا ہے کہ اسے اندازہ ہو کہ ایک اچھے گھرانے میں جہاں اس کے ساتھ اچھا برتاؤ ہو رہا ہے، اس نے کس قسم کی غلط حرکت کی ہے۔ ابھی ہم اس گفتگو میں مشغول ہی تھے کہ میرا چھوٹا بیٹا گھر آیا اور اس نے آتے ہی پکار کر کہا کہ امی آپ تھیں نہیں اور مجھے باہر جانا تھا تو میں نے آپا کے پرس سے سات سو بیس روپے کے قریب رقم لی تھی۔ یہ آپ واپس لے لیں، اب اس کی ماں نے وہ پیسے تو پکڑ لیے اور لوٹ کے اس بندر (لڑکے) کی طرف نہیں دیکھا جو ہاتھ پر رسی بندھوا کر چارپائی کے پاس بیٹھا تھا اور میں بھی شرمندہ کھڑا تھا لیکن مجھ میں تھوڑی سی ایسی تمکنت

ضرور تھی کہ جیسے ایک چھوٹے لیول کے بادشاہوں میں ہوا کرتی ہے۔ میں نے کہا بتایئے! وہ کہنے لگی، دیکھیں مجھے تو تقریباً اس لڑکے کی حرکت ہی لگی تھی۔ میں نے کہا کہ شک وشبہ اور ظن میں ایسے ہی ہوا کرتا ہے اور اس میں آدمی بغیر کسی منطق کے، بغیر کسی دلیل کے اور بغیر کسی الجھن کے الجھ جاتا ہے اور اکیلا فرد ہی نہیں، قومیں اور ملک بھی اس میں الجھ جاتے ہیں۔ فرض کریں کہ ایک ملک کو دوسرے ملک پہ شک پڑ گیا کہ اس نے میرے خلاف کارروائی کی اور تاریخ کے واقعات اس کے شاہد ہیں کہ ایسا بھی ہوا کہ اس ملک نے دوسرے پر حملہ کر دیا اور بغیر سوچے سمجھے، ثبوت حاصل کیے ہزاروں لاکھوں جانیں ختم کر دیں۔ میں جب سٹوڈیو آ رہا تھا تو بات آپ سے کچھ اور کہنی تھی لیکن مجھے اپنی آپا صالح یاد آ گئیں۔

وہ ہم سے عمر میں ذرا سی بڑی تھیں اور ہم جب بی۔اے اور ایم۔اے میں تھے تو اس وقت ان کی شادی ہو چکی تھی اور وہ اپنے خاوند کے ساتھ ولایت چلی گئیں اور وہاں ایک عرصہ تک رہیں۔ جب دبئی معرض وجود میں آیا تو پھر وہ لوگ دبئی آ گئے۔ یہاں انہوں نے کچھ سرکاری اور کچھ نیم سرکاری کام کیے۔ لوٹ کر وہ پھر ولایت چلی گئیں اور وہاں جا کر انہوں نے اپنا وہی پرانا کام سنبھال لیا جو وہ اپنی کمپنی میں کرتے تھے۔ ایک روز کسی انگریز خاتون نے صالح آپا کو بتایا کہ اگر پلاٹینم کے زیورات کو موٹے باجرے کے آٹے میں رکھا جائے تو ان کی ڈکھ (چمک) میں بڑا اضافہ ہوتا ہے اور یہ بہت صاف ستھرے ہو جاتے ہیں اور بس یہ ایسا علاج اور نسخہ ہے کہ اس سے بہتر طریقہ پلاٹینم کے زیورات کے لیے ابھی تک نہیں آیا۔ اب ظاہر ہے کہ خواتین کی کاسمیٹک اور زیورات سے گہری دلچسپی ہوتی ہے اور وہ ان کی بابت زیادہ گفتگو کرتی ہیں۔ آپا صالح کو بھی اس خاتون کی بات بڑی دل کو لگی۔ چنانچہ انہوں نے باجرے کا آٹا حاصل کیا اور اس میں اپنے کان کے دو بالے دبا دیئے۔ صبح اٹھ کر انہوں نے آٹے کی پڑیا کھولی اور وہ حیران رہ گئیں کہ آٹے میں صرف ایک ہی بالا تھا اور دوسرا بالا موجود نہیں تھا۔ اب وہ پریشان ہو گئیں کیونکہ پلاٹینم کا بالا کچھ کم قیمت کا تو ہوتا نہیں۔ اس کمرے میں سوائے ان کے اور ارشد بھائی (ان کے خاوند) کے کوئی تھا بھی نہیں۔ اب جب ارشد بھائی غسل خانے سے شیو بنانے کے بعد باہر نکلے تو آپا صالح کہتی ہیں کہ مجھے پہلی مرتبہ باوجود اس کے کہ وہ میرے خاوند ہیں اور ہماری شادی کو 21 برس ہو گئے ہیں لیکن وہ مجھے چہرے سے ایک چور سے نظر آئے اور ایسے محسوس ہوا کہ انہوں نے راتوں رات وہ بالا چرا لیا ہے اور وہاں پہنچانے کی کوشش کی ہے جہاں میری منگنی سے پہلے ان کی کسی دوسری رشتہ دار لڑکی کے ساتھ منگنی طے ہو رہی تھی اور وہ لڑکی (ظاہر ہے اب تو وہ عورت ہو چکی ہو گی) لندن آئی ہوئی تھی اور اس کا ٹیلی فون ارشد صاحب کو آیا تھا جس میں اس نے ارشد کو بتایا تھا کہ میں اور میرا خاوند لندن آئے ہوئے ہیں اور ہم ملنا چاہتے ہیں۔ بتایئے ہم کب آ سکتے ہیں۔ اب آپا صالح کو پکا یقین ہو گیا کہ یہ بالا سوائے ارشد کے اور کسی نے نہیں چرایا، کیونکہ کمرے میں اور کوئی تھا ہی نہیں۔

free-urdubook.blogspot.com

چنانچہ تین چار روز انہوں نے بڑے کرب کی کیفیت میں گزارے اور جب وہ خاتون جن سے شاید ارشد بھائی کی شادی ہو جاتی کیونکہ دونوں گھرانوں کے درمیان ہاں بھی ہو گئی تھی لیکن کسی وجہ سے وہ ہاں ناں میں تبدیل ہو گئی۔ وہ اپنے خاوند کے ساتھ ارشد بھائی سے آ کر ملی تو آپا سارا وقت ٹکٹکی باندھ کر ارشد بھائی کے چہرے کی طرف دیکھتی رہیں اور انہیں ارشد صاحب کے چہرے پر سے بھی ایسے آثار واضح نظر آ رہے تھے کہ انہوں نے بالا چرایا ہے اور اس خاتون کو دے دیا ہے یا اس کو بعد میں پہنچا دیں گے۔ اب ارشد بھائی اور صالح آپا کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج حائل ہو گئی اور وہ شک وشبہ میں زندگی بسر کرنے لگے۔ باوجود اس کے کہ ارشد بھائی بار بار پوچھتے تھے کہ تمہاری طبیعت پر مجھے کچھ بوجھ سا لگتا ہے لیکن صالح آپا نفی میں سر ہلا دیتی تھیں اور کہتیں خیر جو ہونا تھا، ہو چکا لیکن انہیں اپنے قیمتی بالے کے گم ہونے کا افسوس ہے۔ ارشد بھائی کو بھی اس بات کا بہت افسوس تھا کہ وہ بالا اگر گم ہو گیا ہے تو اسے تلاش کیا جانا چاہیے لیکن چونکہ آپا کی نظر میں چور وہ خود تھے، اس لیے تلاش کرنے میں ارشد بھائی کی کوئی مدد نہیں کرتی تھیں۔ پانچویں روز اس کمرے سے تھوڑی سی بدبو کے آثار پیدا ہوئے۔ شام تک وہ بدبو کافی بڑھ گئی۔ پھر یہ ڈھونڈنا پڑی کہ وہ بدبو کہاں سے آ رہی ہے۔ چنانچہ سارے کونے کھدرے تلاش کیے گئے اور ایک بڑا سا قالین جو کہ اخباروں کے اوپر پڑا ہوا تھا اور پرانے اخباروں کی ٹوکری اس پر اوندھی لیٹی ہوئی تھی جب وہ اٹھا کر دیکھا گیا تو اس کے نیچے ایک چوہا مرا ہوا پڑا تھا اور اس چوہے کے گلے میں وہ پلاٹینم کا بالا پھنسا ہوا تھا۔ رات کو وہ باجرے کا آٹا کھانے آیا اور شوق میں اپنا منہ دھنساتا ہوا اتنی دور لے گیا کہ بالا اس کے حلق کا پھندا بن گیا اور پھر وہ اسے پنجوں کی کوشش کے باوجود نکال یا اتار نہ سکا اور اس کا دم گھٹ گیا، بڑی مشکل کے ساتھ اس سڑی ہوئی لاش سے وہ بالا چھڑوایا گیا اور صالح آپا کو اطمینان نصیب ہوا جو اللہ کے فضل سے اب تک ہے۔ شک وشبہ کی دنیا بڑی عجیب و غریب ہوتی ہے اور اس پر کسی کا بس نہیں چلتا۔ جب یہ ایک بار ذہن میں جاگ جاتی ہے تو اس کا ذہن سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ نفسیات دان یہ کہتے ہیں کہ شک کے نکلنے کے لیے ہمارے پاس کوئی فارمولا نہیں ہے جو Apply کر کے انسان کو اس شک وشبہ کی اذیت سے نجات دلا دے۔ البتہ اللہ ضرور اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم لوگوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو۔ یہ مت دیکھو کہ اس کے گھر میں کیا آیا ہے، اس کو کون ملنے آیا۔ اس کو چھوڑو، وہ اللہ کا بندہ ہے اور اسے اللہ ہی پوچھے گا اور تم زیادہ تجسس میں نہ پڑا کرو، یہ اللہ کا حکم ہے۔ اسی طرح سے جب آپ شک میں پڑتے ہیں تو آپ اس حکم کو یقیناً چھوڑ دیتے ہیں جو بڑے واضح انداز میں Categorically اللہ نے ہم، آپ اور سب کو دیا ہے کہ ایسے ''سوُں'' (جاسوسی) لینے کے لیے اور ایسی سی آئی ڈی کرنے کے لیے مت جایا کرو۔ اپنی زندگی کے اندر کوئی سی آئی اے (CIA)، کوئی کے جی بی (KGB) نہ بنائیں، کوئی موساد، کوئی را نہ بنائیں ورنہ آپ کی زندگی

عذاب میں پڑ جائے گی۔ جن ملکوں نے ایسے ادارے بنائے ہیں بظاہر تو وہ بہت خوش ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں لیکن آہستہ آہستہ اس قسم کے ادارے ان کو ایسی الجھنوں میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ وہ پھر اس سے نکل نہیں سکتے۔ شک کے حوالے سے مجھے بڑی گزری باتیں یاد آ رہی ہیں۔ جوانی میں مجھے درختوں اور پودوں کے ساتھ بڑا شغف تھا۔ اس وقت میرے پاس ایک چھوٹی آری ہوا کرتی تھی جس سے میں درختوں کی شاخیں کاٹتا تھا اور ان کی اپنی مرضی کے مطابق تراش خراش کیا کرتا تھا اور ہمارے ہمسایوں کا ایک بچہ جو پانچویں، چھٹی میں پڑھتا ہوگا۔ وہ اس ولایتی آری میں بہت دلچسپی لیتا تھا۔ ایک دو مرتبہ مجھ سے دیکھ بھی چکا تھا اور اسے ہاتھ سے چھو کر بھی دیکھ چکا تھا۔ ایک روز میں نے اپنی وہ آری بہت تلاش کی لیکن مجھے نہ ملی۔ میں نے اپنے کمرے اور ہر جگہ اسے تلاش کیا لیکن بے سود۔ اب جب میں گھر سے باہر نکلا تو میں نے پڑوس کے اس لڑکے کو دیکھا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ میری آری اس نے ہی چرائی ہے۔ اس کی شکل، صورت، چلنے بات کرنے کا انداز، سب بدل گیا تھا۔ جیسے جو ملک دوسرے پر حملہ کرنا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ Culprit ہے یا اس نے کوئی ایسی کوتاہی کی ہے جو ہماری مرضی کے مطابق نہیں ہوئی اور ان کو یہ لگنے لگتا ہے کہ اس میں یہ، یہ خرابی ہے اور مجھے بھی پڑوس کے اس لڑکے پر سارے شک وارد ہونے لگے۔ اب مجھے ایسے لگتا کہ جس طرح وہ پہلے مسکراتا تھا، اب ویسے نہیں مسکراتا۔ مجھے ایسے لگتا جیسے وہ مجھے اپنے دانتوں کے ساتھ چڑا رہا ہو۔ اس کے کان جو پہلے چپٹے تھے، وہ اب مجھے کھڑے دکھائی دیتے اور اس کی آنکھوں میں ایسی چیز مجھے دکھائی دیتی جو ایک آری چور کی آنکھوں میں نظر آ سکتی ہے لیکن مجھے اس بات سے بڑی تکلیف ہوئی جیسے صالح آپا کو بھی ہوتی تھی۔ جب میں نے اس آری کو گھر میں موجود پایا کیونکہ میں خود ہی اس آری کو اٹھا کر گھر کے اندر لے آیا تھا اور ایک دن ایسے ہی اخباروں کی الٹ پلٹ میں مجھے وہ آری مل گئی، جب مجھے وہ آری مل گئی اور میں شرمندگی کے عالم میں باہر نکلا تو یقین کیجیے وہی لڑکا اپنی ساری خوبصورتیوں اور بھولے پن کے ساتھ اور ویسی ہی معصومیت کے ساتھ مجھے نظر آ رہا تھا۔ میں کہاں تک آپ کو یہ باتیں بتاتا چلا جاؤں، آپ خود سمجھدار ہیں اور جانتے ہیں شک کی کیفیت میں پوری بات ہاتھ میں نہیں آتی۔ اس موقع پر مجھے علامہ اقبالؔ کا ایک شعر یاد آ رہا ہے

مشامِ تیز سے ملتا ہے صحرا میں سراغ اس کا
ظن و تخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری

جو تو میں شک و شبہ سے یہ اندازہ لگا لیتی ہیں کہ میری نگاہوں میں جو Culprit ہے، بس وہی مجرم ہے، غلط اور شک پر مبنی اندازوں سے اصل بات یا آہوئے تاتاری گرفت میں نہیں آتا ہے۔ آپا صالح کا ذکر کرتے ہوئے مجھے اپنے ایک دوست سعید اللہ صاحب یاد آ گئے، وہ سائیکالوجی کے

پروفیسر تھے اور وہ لندن پی ایچ ڈی کرنے گئے تھے۔ جب وہ پی ایچ ڈی کر رہے تھے اور وہاں انہیں تین چار سال ہو گئے تھے (اس زمانے کی پی ایچ ڈی ذرا مشکل کام تھا) تو ان کی بیوی کے ساتھ ایک عجیب وغریب حادثہ گزرا۔ وہ جب تہہ خانے میں نہانے کے لے جاتی اور پانی گرم کرنے والا الیکٹرک راڈ پانی میں ڈال کر کپڑے اتار کر نہانے لگتی تو عین اس وقت ان کے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھتی تھی اور وہ دوبارہ سے کپڑے پہن کر سیڑھیاں چڑھ کے ٹیلی فون کا ریسور اٹھا کر جب ہیلو کہتی تھی تو انہیں کوئی جواب نہیں ملتا تھا اور ان کے ساتھ یہ واقعہ تقریباً ہر روز پیش آتا۔ اس پر پروفیسر سعد اللہ صاحب نے وہاں کی پولیس کو اس بات کی اطلاع کر دی اور پولیس نے تفتیش اور تحقیق شروع کی۔ جب ہماری آپا (پروفیسر دوست کی اہلیہ) نہانے کے لیے نیچے گئیں اور انہوں نے کپڑے اتارے تو گھنٹی بجی۔ پولیس والوں نے فون اٹھایا لیکن کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ پولیس اس حوالے سے تحقیق جاری رکھنے کا کہہ کر چلی گئی۔ اب پروفیسر کو اندازہ ہوا کہ ہمارے سامنے جو مکار اور موٹا سا آدمی جس کی ٹانگ کٹی ہوئی تھی، رہتا ہے، یہی فون کرتا ہوگا اور وہ تھا بھی کچھ بدتمیز قسم کا۔ چنانچہ پولیس نے بھی اس کے نمبر پر پہرہ بٹھا دیا۔ حالانکہ وہ شخص فون نہیں کرتا تھا۔ پولیس نے ایکسچینج سے بھی پتہ کیا لیکن وہاں سے پروفیسر صاحب کے نمبر پر کوئی فون کال آنے کی بابت تصدیق نہ ہوئی۔ لندن کا یہ واقعہ اتنا مشہور ہوا اور یہ ذرائع ابلاغ کی خبروں کی زینت بن گیا۔ ہر چھوٹے بڑے اخبار، صبح، دوپہر کے اخبارات میں اس بات کا ذکر ضرور آتا تھا۔ ابھی تک وہ ملزم گرفتار نہیں ہوا اور اس چور کا پتہ نہیں چل سکا۔ چنانچہ سب تھک ہار کے بیٹھ گئے۔ پروفیسر سعد اللہ صاحب کی بیوی نے کہا کہ اب اسے اس ملک میں نہیں رہنا اور انہیں یہاں سے چلے جانا چاہیے کیونکہ یہاں کے لوگ بدتمیز اور بدمعاش ہیں اور ان کا اندازِ زیست شریفوں والا نہیں ہے۔ پروفیسر صاحب نے کہا کہ میرا تھوڑا سا کام رہ گیا ہے، وہ ختم کر لیں تو چلتے ہیں۔ ان کی بیوی نے کہا کہ دفع کرو، کیا پی ایچ ڈی کے بغیر زندگی بسر نہیں ہوتی؟ جب پروفیسر صاحب پر اہلیہ کا شدید دباؤ پڑا تو انہیں پی ایچ ڈی بالکل غرق ہوتی نظر آئی تو انہوں نے کہا کہ میں اس کی تحقیق کرتا ہوں۔ پروفیسر صاحب بتاتے ہیں کہ وہ کسی زمانے میں ریڈیو کے ٹرانسسٹر بنایا کرتے تھے۔ ان ٹرانسسٹرز کو کرسٹل سیٹ کہا جاتا تھا جس میں ایک لمبے سے ایریل کو نیچے گملے وغیرہ میں ارتھ دے کر گھمایا جاتا تھا اور کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی اسٹیشن پکڑا ہی جاتا تھا۔ یہ سن سینتیس اڑتیس کی بات ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنا الیکٹرونکس کا علم جتنا بھی ہے، اسے استعمال کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے اس فون کے بجنے کی آواز پر اپنے کان رکھے اور جونہی نیچے ان کی بیوی نہانے کے لیے گئیں، انہوں نے آواز دے کر کہا، بیگم راڈ لگایا، جب آواز آئی ہاں تو پروفیسر صاحب نے کہا، دیکھو ابھی گھنٹی بجی! اور عین اس وقت گھنٹی بج اٹھی۔ اس پر پروفیسر صاحب نے تحقیق شروع کر دی اور 6 دن کے اندر اندر انہوں نے چور پکڑ لیا، جو ساری لندن

free-urdubook.blogspot.com

پولیس اور ساری کانسٹیبلری سے پکڑا نہ جا سکا تھا۔ وہ چور پروفیسر نے پکڑ لیا۔ چور یہ تھا کہ جب وہ بجلی کا راڈ آن ہوتا تھا اور پانی ابالنے کے لیے اس میں ڈالا جاتا تھا تو اس بجلی کی تار کے قریب سے فون کی تار نیچے زمین میں سے گزرتی تھی۔ جونہی وہ بجلی کی تار Energise ہوتی، وہ فون کی تار کو بھی Heat Up کر دیتی تھی اور اس وجہ سے فون کی تار کرنٹ محسوس کر کے گھنٹی بجانی شروع کر دیتی تھی اور اس میں کوئی آدمی ملوث نہیں تھا۔ پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ جس کرب کی حالت میں انہوں نے وہ پورا سال گزارا تھا، وہ یا میں جانتا ہوں یا میری بیوی جانتی ہے۔ اس طرح کے واقعات حیات انسانی میں گزرتے رہتے ہیں اور اب بھی گزر رہے ہیں تو اس عذاب سے نکلنے کے لیے روحانی طور پر اللہ سے مدد مانگی جا سکتی ہے کیونکہ اس نے شک سے منع فرمایا ہے۔ ہم خدا سے مدد مانگ کر اس قسم کے کربناک مرض سے باہر نکل سکتے ہیں۔ اگر کبھی آپ کو ایسی مشکل درپیش ہو کہ ہم شک و شبہ یا ظن میں مبتلا ہو جائیں تو پھر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر اور اپنا آپ سارے کا سارا ڈھیلا چھوڑ کر خود کو اس کے حوالے کر کے اس کا حل تلاش کریں تو اس کا حل تلاش کرنا ممکن ہے۔ میں آپ کو آخر میں یہ تسلی کر دوں کہ اس بچے کو جس کو میری بیوی نے شک میں باندھ دیا تھا، اس سے ہم دونوں میاں بیوی نے معافی مانگ لی ہے اور میرا بیٹا اس کو اپنے ساتھ لے جا کے کچھ مٹھائی شٹھائی بھی کھلا چکا ہے۔ ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں لیکن ان کو بڑی بصیرت، خوش دلی، سبھاؤ اور برداشت کے ساتھ نمٹانا چاہیے۔ اگر جلد بازی اور خوش دلی سے کام نہ لیا گیا تو وہی صورتحال ہوگی جو میری آری چور کے بارے میں ہوگئی تھی یا دیگر واقعات کی مانند۔ اب اجازت چاہوں گا۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ فی امان اللہ

رشوت

آج سے کوئی دس بارہ برس بیشتر کچھ Socialogist جن میں دو تین امریکی اور چار پانچ Scandinavion تھے، وہ یہاں تشریف لائے۔ وہ اس بارے تحقیق کر رہے تھے کہ پاکستان اور دوسرے ملکوں میں رشوت کی رسم کیوں عام ہے اور سرکاری وغیر سرکاری افسر جب بھی موقع ملے رشوت کیوں لیتے ہیں؟ اور اپنے ہی ہم وطنوں کو اس طرح سے کیوں پریشان کرتے ہیں؟ تقریباً ایک برس یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ میں بھی ان کے ساتھ تفریح کے طور پر رہا کہ دیکھتے ہیں ان کی تحقیق کا آخر کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ آخر کار یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ کوئی شخص اس وقت تک رشوت نہیں لے سکتا جب تک کہ وہ اپنے آپ کو خوار، ذلیل، پریشان اور زبوں حال نہ سمجھے۔ پہلے اپنے دل اور اپنی روح کے نہاں خانے میں انسان اپنے آپ کو ذلیل، کمینہ، چھوٹا اور گھٹیا سمجھتا ہے۔ اس کے بعد وہ رشوت کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ اگر کوئی شخص عزت و وقار اور اطمینان اور Dignity کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے تو وہ کسی حال میں رشوت کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ ہمارے دین میں بھی اس بات پر بڑا زور دیا گیا ہے کہ آپ وقار، عظمت اور تمکنت کا دامن کسی صورت میں بھی ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اپنے آپ کو ایک اعلیٰ وارفع مخلوق جانیں کیونکہ آپ کو اشرف المخلوقات کا درجہ عطا کر دیا گیا ہے۔ اس لیے آپ ہر وقت اشرف المخلوقات کے فریم ورک کے اندر اپنی زندگی بسر کریں یا بسر کرنے کی کوشش کریں۔ اکثر ہم سوچتے ہیں اور کتابوں میں بھی پڑھتے ہیں کہ کتے کو ہمارے ہاں نجس جانور سمجھا گیا ہے اور اسے پالنے کی ترغیب نہیں دی گئی۔ ماسوائے اس کے یہ ریوڑ کی رکھوالی کرے اور محض اس کام کے لیے اسے رکھنے کی اجازت ہے۔ گھروں میں اسے پالنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے بارے میں بہت سے منطقی دلائل بھی دیئے جاتے ہیں اور اس میں دینی دلائل بھی شامل ہو جاتے ہیں اور اس صورتحال میں ہمارے نئی نسل کے بچے بہت ناراض ہوتے ہیں (مجھے میرے پوتے پوتیاں کہتے ہیں دادا آپ اس کی کیوں اجازت نہیں دیتے کہ کتے کو گھر میں رکھا جائے) ہم طوعاً وکرہاً بچوں کی بات مانتے ہوئے اجازت تو

free-urdubook.blogspot.com

دے دیتے ہیں لیکن اس پر غور ضرور کیا جاتا رہا ہے اور اب بھی کیا جاتا ہے کہ ایسا حکم آخر کیوں ہے؟ اگر یہ ناپاک ہے یا گند ڈالتا ہے تو بہت سے جانور ایسے ہیں جو ناپاک ہوتے ہیں اور گند ڈالتے ہیں لیکن بطور خاص اس کے اوپر کیوں قدغن ہے؟ پتہ یہ چلا کہ کتا چونکہ تمام جانوروں میں سے اور خاص طور پر پالتو جانوروں میں سے Psychophysicist (خوشامد پسند) جانور ہے اور ہر وقت مالک کے سامنے جا وبے جا دم ہلاتا رہتا ہے۔ اس لیے ہمارے دین نے یہ نہیں چاہا کہ ایک ایسا ذی روح آپ کے قریب رہے جو ہر وقت آپ کی خوشامد میں مبتلا رہے اور یہ خیال کیا گیا کہ یہ انسانی زندگی پر ایک منفی طور پر اثر انداز ہوگا اور یہ خوشامد پسند ہر وقت دم ہلا ہلا کے اور پاؤں میں لوٹ لوٹ کے اور طور و بے طور آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔ اس لیے حکم ہوا کہ ایسا جانور مت رکھیں، یہ خصوصیات آپ میں بھی پیدا ہو جائیں گی اور جب آپ کے اندر Psychophyncy اور خوشامد پسندی اور بلاوجہ لوگوں کو خوش کرنے کا جذبہ پیدا ہونے لگے گا تو آپ کی شخصیت، انفرادیت اور وجاہت پر اس کا منفی اور برا اثر پڑے گا۔ اس لیے اس جانور کو نہ رکھیں۔ آپ بلی کو رکھ کے دیکھیں، کبھی آپ کی خوشامد نہیں کرتی بلکہ جب موڈ بنے، پنجہ مارتی ہے، گھوڑا کتنا پیارا جانور ہے اور انسان کا پرانا جانور ہے۔ انسان پر اپنی جان فدا کرتا ہے لیکن جب آپ اس کو بری نظر سے دیکھیں گے یا زیادتی کریں گے تو ''الف'' ہو جائے گا اور دونوں ٹانگیں اوپر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہو جائے گا اور کبھی خوشامد نہیں کرے گا اور آپ کے ساتھ برابری کی سطح پر چلے گا اور سارے جانور ہیں، عقاب ہے، باز ہے۔ آپ نے اکثر باز کو دیکھا ہوگا۔ جیسے ہمارے ہاں عرب شہزادے آتے ہیں اور انہوں نے اس کو ہاتھوں پر بٹھایا ہوتا ہے اور اس کی آنکھوں کو بند کر کے رکھا جاتا ہے۔ اس لے اس کے سر پر ٹوپی دی ہوتی ہے۔ اگر اس کی آنکھوں کو بند کر کے نہ رکھا جائے تو وہ مالک جس نے اسے اپنی کلائی کے اوپر بٹھایا ہوتا ہے، اس پر بھی جھپٹ سکتا ہے کہ مجھے پاؤں میں دھاگے اور زنجیریں ڈال کر کیوں قیدی بنایا گیا ہے۔ ایسی چیزوں کو رکھنے کی اجازت ہے لیکن جو آپ کی عظمت اور وقار میں کمی کا باعث بنیں اور آپ کو خوشامد سکھائیں تو ایسے جانوروں کو رکھنے کی اجازت نہیں ہے اور ہمیں اس بات کا حکم ہے کہ ہم اپنی وجاہت کو ہر حال میں قائم رکھیں اور اس کے ساتھ ساتھ فرعونیت، تکبر اور گھمنڈ سے پرہیز کرتے رہیں اور اپنے اور تکبر کے درمیان ایک لائن ہر وقت کھینچ کر رکھیں۔ انسان کی بھی بڑی مجبور زندگی ہے کہ جگہ جگہ پر اسے لائنیں کھینچنی پڑتی ہیں حتیٰ کہ اسے اپنی Biological Needs یعنی اپنی جبلی خواہشات کے آگے بھی لائنیں کھینچنے کا حکم ہے۔ یہ میری جبلی خواہش ہے کہ میں کھانا کھاؤں، اچھا کھانا کھاؤں۔ بہتر، مزید اور لذیذ کھانا کھاؤں لیکن مجھے حکم ہے کہ بس آج لائن کھینچ دوں۔ آج آپ صبح سے لے کر شام تک کچھ بھی نہیں کھا سکتے۔ نہایت لذیذ کھانے آپ کے سامنے آتے رہیں گے، اشتہا انگیز چیزیں آپ کو اکساتی رہیں گی لیکن کھا نہیں سکتے۔ حکم یہ

free-urdubook.blogspot.com

ہے کہ آپ کے لیے روک دیا گیا ہے کیونکہ آپ انسان ہیں اور آپ بلند تر چیز ہیں۔ انسان کو اس لیے اشرف المخلوقات کہا گیا ہے کہ جب وہ پورے کا پورا آزاد ہو جاتا ہے اور جب وہ کرنے اور نہ کرنے کی یکساں صلاحیت رکھتا ہو اور یہاں وہ انسان آزاد ہوتا ہے لیکن وہ اس لمحے وہ کرتا ہے جس میں وہ اپنی ذات کو لگام ڈال کے بے جا اور ناجائز خواہشیں اور عمل سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس سے وہ اشرف المخلوقات بنتا ہے۔ آزادی یہ نہیں کہ کسی کے خلاف مضمون لکھ دیا، تقریر کر دی بلکہ اپنی ذات کو لگام ڈال کے اور باگیں کھینچ کر رکھنے کو آزادی انسان کا نام دیا جاتا ہے۔ بھینس برسیم کے کھیت میں چلی جارہی ہے تو وہ ادھر اُدھر منہ مارے گی، کتا نجس بھی کھاتا چلا جائے اور پاک چیزیں بھی لیکن انسان وہ ہے کہ جو کھا بھی سکتا ہے اور پھر بھی نہیں کھاتا اور خود کو پابند بھی رکھتا ہے اور اس پابندی کے دوران سو مہمان بھی اس کے پاس آئیں تو وہ ان کی خدمت کرتا ہے، کھلاتا پلاتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے لیکن خود نہیں کھائے گا۔ انسان کی جبلی خواہشات پر پابندی لگانے کا مقصد انسانوں کو بھوکا رکھنا نہیں بلکہ انسان کی عظمت اور وقار کو برقرار رکھنا مقصود ہے تاکہ وہ بوقت ضرورت خود پر کنٹرول رکھے۔ ہمارے یہاں لاہور ماڈل ٹاؤن میں ایک بریگیڈیئر صاحب ہیں، انہیں کتے رکھنے کا بہت شوق ہے۔ ان کا ایک اچھا السیشن کتا تھا۔ وہ شاید بریگیڈیئر صاحب کی نظروں میں گر گیا تھا اور وہ کھلا بھی چھوڑ دیا کرتے تھے اور وہ کتا اپنی مرضی سے ادھر ادھر گھومتا رہتا تھا۔ وہ کتا دورانِ آوارگی قصاب کی دوکانوں پر چھیچھڑے اور کچا گوشت کھاتا، سنتے ہیں کہ کچا گوشت کتے کے لیے بہت مہلک ہوتا ہے۔ جب وہ دوکانوں سے گھوم پھر کر کچا گوشت کھا کے آجاتا اور اس کے "لچھن" بھی کچھ اچھے نہیں تھے۔ اس وجہ سے بریگیڈیئر صاحب نے اس کے گلے میں دھاگہ ڈال کر ایک کارڈ ڈال دیا جس پر لکھا تھا "مہربانی فرما کر اس کتے کو گوشت نہ ڈالا جائے اور اگر یہ قصاب کی دوکان پر آئے تو قصاب حضرات اس کو دھتکار کر پرے بھیج دیں۔" اب بچارے تمام قصاب ڈر گئے اور وہ بریگیڈیئر صاحب کے کتے کو کچھ نہیں دیتے تھے اور ایک دوسرے کو بھی انتباہ کرتے کہ خبردار اسے کچھ نہ دینا ورنہ مارے جاؤ گے۔ اسے یونہی بھوکا پیاسا ہی رہنے دو اور وہ بچارہ ایسے ہی واپس لوٹ جاتا۔ کتا جیسا کہ میں کہہ رہا تھا کہ ایک خوشامد پسند جانور ہے، اس نے بھی سوچا کہ اس طرح تو میری جان آفت میں پھنس گئی ہے، میں کیا کروں۔ السیشن کتے بڑے ذہین ہوتے ہیں، چنانچہ اسے پتہ چلا کہ سب خرابی میرے گلے میں لٹکتے ہوئے کارڈ کی ہے تو اس نے پنجوں کے زور سے اور دانتوں سے وہ گتہ یا کارڈ کاٹ کر گلے سے اتار پھینکا۔ جب وہ اگلے دن باہر گیا تو ظاہر ہے کہ اس کے گلے میں اب کوئی ایسا ویسا نوٹس نہیں تھا اور وہ مزے سے کھا پی کے واپس آگیا تو ایسی زندگی بسر کرنے سے بہتر ہے کہ انسان ایک غار میں چلا جائے اور بے غیرتی اور کم مائیگی کی زندگی بسر نہ کرے اور ایسی زندگی بسر نہ کرے جس طرح کی عام طور پر حشرات الارض کرتے ہیں۔

ایک بار ایک عالمی سطح کے ہیئت دانوں کی کانفرنس ہو رہی تھی۔ اس میں آئن سٹائن بھی شریک تھے۔ ایک ہیئت دان نے دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد آئن سٹائن سے کہا کہ جناب دیکھئے! اگر ہم کائناتوں کو ذہن میں رکھیں اور جتنے بھی عالم اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں، ان کو بھی اپنی نظر سے جانچنے کی کوشش کریں تو انسان کا مقام Mathematically ایک ذرے سے بھی بے حد کم تر رہ جاتا ہے یعنی وہ کچھ بھی نہیں ہے اور انسان تو اتنی بڑی کائنات کے اندر ایک بے معانی سے چیز ہے۔ یہ سن کر آئن سٹائن نے کہا، ہاں واقعی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ وہ ایک بے معانی، بے مایہ اور کم تر، کم حقیقت انسان جس کی حیثیت ایک ذرے سے بھی کم ہے، وہ ہی دوربین لگا کر ان کائناتوں کا مطالعہ کر رہا ہے اور وہی ان کائناتوں کے بھید کھول رہا ہے اور لوگوں کو ان کائناتوں کی تفصیل سے آگاہ کر رہا ہے اور لوگوں کو کائنات کی جزویات بابت بتاتے ہیں۔ اپنے آپ کو اتنا بھی حقیر نہیں سمجھا جانا چاہیے کہ وہ رشوت کی لپیٹ میں آ جائے۔ کوئی بھی آدمی جو بظاہر آپ کو ہنستا ہوا دکھائی دے اور بظاہر یہ کہے کہ جی ساری دنیا ہی رشوت لیتی ہے۔ بظاہر وہ آپ سے کہے کہ جی Values Change ہو گئی ہیں اور قدریں وہ نہیں رہیں۔ ان سے وہ اپنے آپ کو ضرور گھٹیا، کمینہ اور ذلیل انسان ہی سمجھتا رہتا ہے اور اس کے اندر Guilt کا جذبہ ہر وقت اپنا کام دکھاتا چلا جاتا ہے۔ اللہ میاں نے ہم کو عجیب وغریب طرح سے باندھا ہوا ہے۔ آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ اس بھری دنیا میں جتنی بھی قومیں، جتنی بھی نسلیں اور گروہ انسانی آباد ہیں، ان سب کا دن طلوع آفتاب سے شروع ہوتا ہے، سورج نمودار ہوا اور دن چڑھ گیا اور کہا گیا کہ آج یکم دسمبر یا جنوری کی پہلی تاریخ ہے، صرف ایک اُمہ ایسی ہے پوری کائنات میں جس کا دن شام کے وقت شروع ہوتا ہے۔ جب شام پڑتی ہے تو اس کا نیا دن معرضِ وجود میں آتا ہے اور وہ اُمہ اسلام کا اُمہ ہے، آپ نے رمضان المبارک میں دیکھا ہوگا کہ شام کو نقارہ بجتا ہے، توپ چلتی ہے، اعلان ہوا یا سائرن بجتا ہے اور مغرب کے بعد اعلان ہوتا ہے کہ اب ہم رمضان کے مہینے میں داخل ہو گئے ہیں، ہم رمضان میں صبح کے وقت داخل نہیں ہوتے بلکہ رات کے وقت ہوتے ہیں۔ یہ عجیب دین ہے کہ شام سے یا رات سے منسوب کر کے اس کے دن کا اور مہینہ کا آغاز کیا جاتا ہے، دنیا کے کسی اور مذہب میں ایسا نہیں ہے اور کسی امت پر ایسا بوجھ نہیں۔ اس کی وجہ جو میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ اس امت کو یہ بارِ گراں عطا کیا گیا ہے کہ باوصف اس کے کہ تمہارا نیا دین چڑھ گیا ہے، تم نئے ماہ میں داخل ہو گئے ہو اور اس کے بعد پوری تاریک رات کا سامنا ہے لیکن تم ایک عظیم Dignified اُمہ ہو۔ تمام ایک پروقار اُمت سے تعلق رکھتے ہو۔ تم اس سے تاریکی سے گھبرانا ہرگز ہرگز نہیں بلکہ اس تاریکی میں سے گزر کر اپنے وجود پر اعتماد کر کے تمہیں اس صبح تک پہنچنا ہے جس سے ساری جگہ روشنی پھیلے گی، گویا اس تاریکی کے اندر ہی آپ کو اپنی ذات، وجود اور شخصیت سے روشنی

کرنی ہے۔ ہم، تم، آپ سب کے سب اپنا مہینہ، اپنا دن مغرب کے بعد رات سے شروع کرتے ہیں اور ہمیں بحیثیت مسلمان یقین ہوتا ہے، یہ تاریکی ہمیں کسی قسم کی گزند یا تکلیف نہیں پہنچا سکتی۔ ہم ہیں اور یہ تاریکی ہے اور ہمارے وجود سے ہی اس تاریکی میں روشنی ہے۔ ہم روشن دن کی آرزو میں یا روشن صبح کو پکڑنے کے لیے ہرگز ہرگز اتنے بے چین نہیں ہیں جس قدر دنیا کی دوسری قومیں مضطرب ہیں، ہم اپنی سانسوں سے تاریک راتوں میں اجالا کرتے ہیں اور اپنی سانسوں سے شمعیں روشن کرتے ہیں۔ یہ وقار اور عظمت جو ہے یہ ہمارا طرۂ امتیاز ہے لیکن کہیں کہیں ہم کمزور ہو جاتے ہیں اور وقار سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ پھر ہمارے اندر Guilt کا احساس ضرور پیدا ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ اپنے آپ پر کچھ ایسی خود تنقیدی سے کہیں کہ نہیں اب زمانہ بدل گیا ہے، اب ساری دنیا ایسی ہوگئی ہے تو ہم بھی ویسے ہو جائیں۔ یہ بڑے شوق سے کہہ لیں یا بڑے شوق سے لکھ لیں، بڑے شوق سے اپنے Guilt کو Argument کرلیں، جان نہیں چھوٹنی کیونکہ جو حکم آپ کے اُوپر جاری کر دیا گیا ہے، اور جس فریم ورک میں آپ کو رکھ دیا گیا ہے ہونا وہی ہے۔ مجھے حضرت نظام الدین اولیاؒ کے خلیفہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کی وہ بات یاد آتی ہے جب ایک بار قحط پڑ گیا اور دِلی میں بہت ''سوکھا'' ہوگیا تو لوگوں نے کہا کہ یا حضرت (وہ چبوترے پر تشریف فرما تھے) آپ تو چراغ دِلی ہیں، آپ جا کے نماز استقاء پڑھایئے اور بارانِ رحمت کے لیے دعا کیجیے تو وہ کہنے لگی کہ میں کچھ متردد ہوا، پریشان ہوا کہ میں کیسے دعا کروں۔ یہ تو خدا کی مرضی ہے کہ وہ بارانِ رحمت کرے یا نہ کرے۔ خیر وہ طے شدہ مقام پر نماز استقاء پڑھانے چلے گئے۔ وہاں جا کر نماز پڑھائی اور دُعا کی اور دُعا کے بعد دیکھا کہ آسمان پر کچھ بھی نہیں، نہ کوئی اَبر کے آثار ہیں نہ بارش کے۔ وہ لوٹ آئے اور کچھ شرمندہ تھے۔ وہاں ایک بزرگ یوسف سرہندی تھے۔ انہوں نے کہا کہ صاحب پہلے بھی ایک ایسا واقعہ پیش آچکا ہے۔ ہم نے بھی ایک بار بارش کے لیے دُعا کی تھی لیکن بدترین قحط اور Drought کے کچھ حاصل نہیں ہوسکا تھا اور اب کی بار بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ کہنے لگے کہ ہمارے زمانے میں جب ہماری دعا قبول نہیں ہوئی تھی تو ایک صاحب میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ اگر تم باران کے لیے دعا کروانا چاہتے ہو تو کسی باوقار آدمی سے کرواؤ اور اللہ باوقار اور غیرت مند انسان پر بڑا اعتماد کرتا ہے اور اس کی بات Editorialised سنتا ہے۔ تو میں نے کہا، ٹھیک ہے۔ ہمیں اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے تو بتاؤ کس سے دعا کروائیں تو اس شخص نے بتایا کہ سیری دروازے کے پاس ایک بزرگ رہتے ہیں، وہاں چلتے ہیں۔ یوسف سرہندی نے مزید کہا کہ وہ شخص مجھے ان کے اس لے گیا اور میں دیکھ کر بہت حیران اور شرمندہ بھی ہوا کہ بزرگ جو تھے وہ خواجہ سرا تھے یعنی ہیجڑے (مخنث تھے اور ان کا نام خواجہ راحت تھا)۔ اب وہ شخص جو مجھے وہاں لے کر گیا تھا، اس نے خواجہ راحت مخنث سے کہا کہ یہ (یوسف سرہندی) آپ کی خدمت میں اس لیے

حاضر ہوئے ہیں کہ آپ مینہ یا باران یا Rain Fall کے لیے دعا فرمائیں تو انہوں نے کہا، کیوں کیا ہوگا؟ اس شخص نے کہا یا حضرت (اس ہیجڑے سے کہا، مجھے انہیں ہیجڑہ کہتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے اور یہ لفظ استعمال کرتے ہوئے ایسی بزرگ شخصیت کے لیے لیکن چونکہ وہ مخنث تھے اور اپنے آپ کو خود بھی کہتے تھے، دیکھئے باوقار لوگ بھی کیا ہوتے ہیں۔ ان کا کسی ذات، عورت، مرد یا مخنث سے تعلق نہیں ہوتا۔ یہ وقار ایک الگ سی چیز ہے جو انسان کے اندر روح کے راستے داخل ہوتا ہے) دلی سوکھا ہے، بارش نہیں ہو رہی۔ ان حضرت نے اپنی خادمہ سے کہا کہ پانی گرم کرو، وضو کیا اور دعا مانگی اور اٹھ کے کھڑے ہو گئے۔ پھر کہنے لگے کہ اے یوسف سرہندی آپ جائیں اور اپنے معروف طریقے سے بارش کے لیے نماز ادا کرو اور خدا سے دعا مانگیں کہ وہ اپنی مخلوق کو بارش عنایت فرمائے لیکن اگر پھر بھی بارش نہ ہو تو (انہوں نے اپنی قبا سے ایک دھاگا یا بڑھا ہوا ڈورا کھینچ کر دیا) اس ڈورے کو اپنے دائیں ہاتھ پر رکھ کر اللہ سے درخواست کرنا کہ یہ خواجہ راحت مخنث جس نے تیری رضا کا چولا پہن لیا ہے اور اب لوگوں سے نہیں ملتا اور ایک مقام پر ایک وقار کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے اور اس طرح مخلوق میں بھی شامل نہیں ہوتا کہ وہ دعائیں منگواتا پھرے۔ اس نے بارش کے لیے عرض کیا ہے۔ یوسف سرہندی صاحب کہنے لگے کہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ وہاں بہت لوگ اکٹھے تھے۔ پورا دلی اللہ کے آیا ہوا تھا۔ وہاں نماز استسقاء پڑھی اور دعا مانگی لیکن بدقسمتی سے کچھ بھی نہ ہوا۔ پھر میں نے اپنی دستار سے خواجہ راحت مخنث کی قباء کا وہ ڈورا نکالا اور اسے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر خدا سے دعا کی تو وہاں کھڑے کھڑے بادل گھر کے آیا اور موسلا دھار بارش ہونے لگی اور اس قدر زور کی بارش شروع ہوگئی کہ لوگ تیزی سے بھاگنے کے باوجود اپنے گھروں تک نہ پہنچ سکے۔

خواتین و حضرات اب یہ فیصلہ ہمارا ہے کہ ہم کس وقار کے ساتھ اور اس اُمّہ سے تعلق رکھتے ہوئے کیسی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ خدا ہم کو عزت و وقار سے زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ آمین۔

بشیرا

میں ایک طویل مدت اور لمبے عرصے کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں اور آپ ملاحظہ فرما رہے ہوں گے کہ اب "زاویہ" کا رنگ کچھ مختلف ہے اور اس کی ہیئت میں پہلے کے مقابلے میں تبدیلی آ گئی ہے۔ اس طویل مدت اور اس قدر لمبی مدت کی غیر حاضری کی کیا وجہ ہے؟ اس کا میں ہی سراسر ذمہ دار ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوتاہی میری طرف سے ہوتی ہے۔ مجھے خیال آیا اور ایک مقام پر میں نے سوچا کہ شاید میں زاویے کے پروگرام سے بہتر طور پر آپ کی خدمت کر سکتا ہوں اور کسی ایسے مقام پر پہنچ کر آپ کی دستگیری کروں جہاں پر مجھے پہنچ جانا چاہیے تھا لیکن یہ خیال باطل تھا اور یہ بات میرے نزدیک درست نہیں تھی لیکن اس کا احساس مجھے بہت دیر میں ہوا کہ جو شخص جس کام کے لیے پیدا ہوتا ہے، بس وہی کر سکتا ہے۔ اس سے بڑھ کے کرنے کی کوشش کرے تو وہ معدوم ہو جاتا ہے۔ میں آئندہ کے پروگراموں میں شاید اس بات کا ذکر ہوں کہ میں آپ کے بغیر اور آپ کی معیت کے بغیر اور آپ سے دور کس طرح سے معدوم ہوتا ہوں۔ ہمارے فیصل آباد گورنمنٹ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس ایک جیبی گھڑی تھی۔ اس اعلیٰ درجے کی گھڑی کے ساتھ ایک سنہری زنجیر بندھی ہوتی تھی۔ یہ وہ گھڑی تھی جس کا ڈائل بڑا اسفید اور اس کے ہندسے بڑے بڑے اور سیاہ رنگ کے تھے۔ اس گھڑی کے زور پر اور اس کی وجہ سے سارے سکول کا کام چلتا تھا اور اسی گھڑی کے حوالے سے اردگرد کے لوگ اپنی گھڑیاں ٹھیک کرتے تھے لیکن خدا جانے کیا ہوا کہ ہر روز گھنٹہ گھر کے قریب سے گزرتے ہوئے ہیڈ ماسٹر صاحب زنجیر کھینچ کر اپنی گھڑی کا وقت فیصل آباد کے گھنٹہ گھر سے ملاتے تھے اور دونوں میں مطابقت پیدا کرتے تھے۔ پھر ایک روز یہ ہوا کہ گھڑی کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ میں بھی گھنٹہ گھر کے مقام پر پہنچوں اور لوگوں کی خدمت کروں۔ ان کو وقت بتاؤں اور ان کے لیے وہی کچھ اور اتنی ہی خوبیاں لا کر ان کی جھولی میں ڈالوں جو فیصل آباد کا گھنٹہ گھر ان کو عطا کرتا ہے۔ سنتے ہیں کہ کسی طلسمی یا کسی روحانی زور سے وہ گھڑی کہ ان کی جیب سے اچھلی اور گھنٹہ گھر کے ماتھے پر جا کر

چپک گئی اور جونہی وہ اس مقام پر پہنچی وہ اپنی ہستی بالکل کھو بیٹھی اور معدوم ہو گئی اور وہ لوگوں کو وقت بتا کر جو پہلے خدمت کرتی تھی اس سے بھی دور نکل گئی اور اتنی اونچائی پر پہنچ گئی کہ اس اونچائی پر اسے پہنچنا نہیں چاہیے تھا۔ اسی انداز میں میرے ساتھ بھی کچھ ویسا ہی ہوا۔ میں سمجھا کہ میں آپ کی ایک اور طریقے سے اور ایک بلندی یا رفعت پر پہنچ کر خدمت کر سکوں گا لیکن وہ بات کچھ ٹھیک نہ نکلی اور میں لوٹ کر پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں لیکن اس کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان فراق وجدائی رہی۔ اس میں ہم ایک دوسرے کو فراموش کرتے اور چلتے گئے ایسا نہیں ہے۔

ایک روز جب میں بابا جی کے پاس ڈیرے پر گیا تو میں اس بات پر شرمندہ تھا کہ میں بڑی دیر کے بعد بابا جی کو مل رہا تھا۔ تقریباً چھ ماہ میں ان سے نہیں مل سکا تھا۔ میرا کچھ کام اس نوعیت کا تھا کہ مجھے ملک میں ٹھہرنا نصیب نہ ہوا اور مجھے ایران اور ترکی میں کچھ کام کرنا ہوتے تھے۔ وہ آر۔ سی۔ ڈی کا زمانہ تھا۔ جب میں بابا جی کے پاس گیا اور بیشتر اس کے کہ میں ان سے معذرت کا کوئی جملہ بولتا، انہوں نے خود سے کہنا شروع کیا کہ "یہیں ہوتے ہو، ہمارے درمیان ہی رہتے ہو۔ ہم سے ملتے جلتے ہو۔ باوصف اس کے کہ تم یہاں نہیں آئے لیکن نہ ہم نے تمہیں فراموش کیا، نہ ہم تمہاری یاد بھولے اور عاجز آئے۔" میں اپنی جگہ پر شرمندہ و ششدر کھڑا تھا، کہنے لگے، جس طرح گاڑی میں سفر کرتے ہوئے، ہوائی جہاز میں بیٹھے ہوئے زندگی کے مراحل طے کرتے ہوئے، سڑکوں پر چلتے ہوئے، محفل مشاعرہ یا گانے سنتے ہوئے آپ کبھی بھی اپنے دل سے، اپنے گردوں اور جگر کی کارکردگی سے واقف نہیں ہوتے لیکن وہ موجود ہوتے ہیں بالکل اسی طرح ہم بھی ایک دوسرے کی فراموشی میں زندہ تھے اور ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ یہ مت سمجھا کیجیے کہ کسی وجہ سے ہم ایک دوسرے سے دور رہے، یا ہم نے ایک دوسرے کو دور سمجھا ہے۔ مجھے اس سے ایک اور عجیب سی بات جس کا بظاہر تو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، یوں ذہن میں آئی کہ میری ایک نواسی ہے اور اس کا بیٹا کوئی اڑھائی تین برس کا ہوگا، اس سے ملنے ساہیوال گیا۔ میری نواسی کا بچہ باہر کوٹھی کے لان میں کھیل رہا تھا۔ مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ وہ باہر کھیل رہا ہے۔ میں اپنی نواسی سے باتیں کرتا رہا، اچانک دروازہ کھلا اور وہ بچہ مٹی میں لتھڑے ہوئے ہاتھوں اور کپڑوں پر کیچڑ اور اس کے منہ پر "چھنچھیاں" (خراب منہ اور بہتی ناک) لگی ہوئی تھیں، وہ اندر آیا اور اس نے دونوں بازو محبت سے اوپر اٹھا کر کہا، امی مجھے ایک "جپھی" اور ڈالیں۔ پہلی "جپھی" ختم ہو گئی ہے تو میری نواسی نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا باوصف اس کے کہ وہ بچہ باہر کھیلتا رہا ہوگا اور اس کے اندر وہ گرماہٹ اور حدت موجود رہی ہوگی جو اسے ایک "جپھی" نے عطا کی ہوگی اور جب اس نے محسوس کیا کہ مجھے اپنی بیٹری کو ری چارج کرنے کی ضرورت ہے تو وہ جھٹ سے اندر آ گیا۔ میرے اور آپ کے درمیان بھی یہ بیٹری اپنا کام کرتی رہی، گو نہ مجھے اس کا احساس رہا اور

شاید آپ کو اس قدر شدت سے رہا لیکن ہم ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ اور ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو چلتے رہے۔ زندگی کے یہ معاملات بڑے عجب ہوتے ہیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں بہت دیر تک اور جیسے ہمارے بزرگ کہا کرتے ہیں ''بشرط زندگی'' ایک دوسرے کے ہم ساتھ رہیں گے اور اس پروگرام کی نوعیت ویسی ہی رہے گی جیسے پہلے پروگراموں میں رہی اور جن میں آپ کی شمولیت میرے لیے فخر کا باعث تھی اور آپ نے مجھے بڑی محبت عطا کی۔ یہ بات آپ بالکل اپنے ذہن میں رکھیے گا کہ باوصف اس کے کہ چیزیں نظر نہیں آتیں، دکھائی نہیں دیتی ہیں لیکن وہ موجود ہوتی ہیں۔

فرانس کا ایک بہت بڑا رائٹر جسے میں دل و جان سے پسند کرتا ہوں، وہ تقریباً تیس پینتیس برس تک فرانس سے غیر حاضر رہا اور جب وہ اس طویل غیر حاضری کے بعد لوٹ کر اپنے وطن آیا اور سیدھا اپنے اس محبوب گاؤں پہنچا جہاں اس کا بچپن گزرا تھا۔ رائٹر کفسو کہتا ہے کہ جب وہ اپنے گاؤں پہنچا تو اس پر ایک عجیب طرح کی کیفیت طاری ہوگئی اور مجھے وہ سب چیزیں یاد آنے لگیں جو بچپن میں مَیں نے یہاں دیکھی تھیں لیکن ان کا نقشہ اس قدر واضح نہیں تھا جیسا کہ ان کا نقشہ اُس وقت واضح تھا۔ جب وہ چیزیں میرے قریب سے گزرتی تھیں اور میرے پاس تھیں، کفسو کہتا ہے کہ ایک عجیب واقعہ اسے یاد آیا کہ ایک ندی کی چھوٹی سی پلی پر سے جب وہ گزرا کرتا تھا تو اس کے داہنے ہاتھ پتھروں کی ایک دیوار تھی جس پر غیر ارادی طور پر میں اپنی انگلیاں اور ہاتھ لگاتا ہوتا چلتا جاتا تھا اور وہ آٹھ دس فٹ لمبی دیوار میرے ہاتھوں کے لمس اور میں اس کے لمس کو محسوس کرتا رہا۔ وہ کہنے لگا کہ میرا جی چاہا کہ میں اس پلی پر سے پھر سے گزروں اور اپنے بچپن کی یاد کو ویسے ہی تازہ کروں لیکن جب میں نے دیوار پر ہاتھ رکھا تو میں نے اس لمس کو محسوس نہ کیا جو وہ پتھر کی دیوار مجھے میرے بچپن میں عطا کیا کرتی تھی۔ میں اس دیوار پر ہاتھ پھیرتا ہوا پورے کا پورا راستہ عبور کر گیا لیکن وہ محبت اور چاہت جو پتھر کی دیوار اور میرے زندہ جسم کے درمیان تھی، وہ مجھے میسر نہ آ سکی۔ میں پھر پلٹا لوٹ کے پھر اسی طرح گزرا۔ پھر میں اتنا جھکا جتنا اس زمانے میں میرا قد ہوتا تھا اور پھر میں نے اس پر ہاتھ رکھا اور میں اس قد کے ساتھ جب میں چھٹی ساتویں میں پڑھتا تھا، چلا تو میں نے محسوس کیا اور میرے ہاتھ نے محسوس کیا اور میرے ہاتھ نے میری روح اور جسم کو سگنل دیا جو سگنل میں آج تک اپنی تحویل میں کسی بھی چیز میں نہیں لا سکا۔ اس لمس کو مجھے اپنی روح پر طاری کرتے ہوئے یوں لگا جیسے میری ماں صحن خانہ میں کھڑی مجھے پکار رہی ہو اور اس کے ہاتھ میں وہ Cookies ہوں جو وہ مجھے سکول سے واپسی پر دیا کرتی تھی (وہ ہاتھ کے لمس کا ذکر کر رہا ہے کہ اسے ماں کے بدن سے اور اس کے جسم سے لہسن اور پیاز کی خوشبو آ رہی ہے۔ ساتھ میری بہن کھڑی ہے اور مجھے اپنی بہن کے سارے وجود کی خوشبو آ رہی ہے، جو وہ بچپن میں محسوس کیا کرتا تھا)

میرے دیوار کے لمس کے ساتھ مجھے وہ سارا اپنا بچپن یاد آ گیا اور سارا منظر آنکھوں کے

سامنے فلم کی طرح چلنے لگا اور میں لوٹ کر اس زمانے میں چلا گیا جب میں چھوٹا سا تھا اور اس دیوار کے لمس کی یاد کے سہارے اور اس Imagination کے زور پر سارا کا سارا سین میرے وجود پر حقیقت کی طرح طاری ہو گیا اور میں وہاں سے گزر گیا۔ فرانسیسی رائٹر کی باتوں پر مجھے تھوڑی سی شرمندگی بھی ہوئی کیونکہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ کچھ لوگ درگاہوں پہ آتے ہیں اور وہ اپنے بزرگ کی قبر کے ساتھ کھڑے ہو کر چوکھٹوں پر ہاتھ ملتے ہیں، قبر کے تابوت تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اور سنگ مرمر کا جو چوکھٹا ہوتا ہے، اسے چھونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم ان لوگوں کی وہ حرکت سخت ناپسند کرتے ہیں لیکن جان کفسو کی یہ بات پڑھنے کے بعد اب میں کچھ کچھ ان لوگوں کا ساتھی ہو گیا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ انہیں مرقد کے چوکھٹے پر یا کھڑکی کی چوکھٹ پر ان دروازوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کچھ اپنا پن محسوس ہوتا ہو، کچھ روحانی رابطہ، کچھ روحانی نسبت، ان کے ساتھ قائم ہوتی ہو۔ میرا خیال ہے انہیں منع نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان کے بارے میں یہ بھی نہیں سوچنا چاہیے کہ یہ کس قدر تنگ نظر، دقیانوس اور پرانی وضع کے لوگ ہیں۔ انہیں چھونے دیجیے۔ ان کو ہاتھ لگانے دیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں اس طرح سے ہاتھ لگانے میں، چھونے میں کچھ محسوس ہوتا ہو۔ جس طرح میری نواسی کے بیٹے نے کہا تھا کہ مجھے ایک ''چھچھی'' اور ڈالیں۔ میری امی کیونکہ پچھلی ''چھچھی'' ختم ہو گئی ہے۔ اسی طرح سے بہت سے لوگ ان یادوں کے سہارے کچھ محسوس کرتے ہوں جو دماغ کے نہاں خانے سے نہیں آتی ہیں بلکہ جسم کے ساتھ ان کا زیادہ اور گہرا تعلق ہوتا ہے اور وہ لمس کے ساتھ اور ہاتھ کی لکیروں کے ساتھ اور انگلیوں کے نشانوں کے ساتھ وجود پر وارد ہوتی ہیں۔ میں اس لمبی بات کے ذریعے آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ جب کبھی آپ ملے، نظر آئے یا نہ نظر آئے یا میں کبھی آپ کے شہر میں سے گزرا یا شہر کے اوپر سے گزرا تو وہ ساری باتیں اور وہ ساری یادیں جو میرے اور آپ کے درمیان تھیں یا نہیں تھیں لیکن ہم ایک دوسرے کے ساتھ ''زاویے'' کی نسبت سے وابستہ تھے، وہ یادیں لوٹ لوٹ کر ذہن میں آتی رہیں اور میں آپ سے ملتا رہا جس طرح سے آپ اس پروگرام کے لیے مجھ سے ملتے رہے۔ ظاہری طور پر، باطنی طور پر یا معنوی طور پر، اس طرح میں بھی آپ کے ساتھ وابستہ رہا اور ہماری ملاقاتوں کا سلسلہ کبھی نہ ٹوٹا اور میں اب لوٹ کر پھر آپ کی خدمت میں آ گیا ہوں۔ ہمارے ماسٹر اللہ داد کے بشیرے کی طرح میں بھی شاید آپ کی خدمت میں اسی طرح حاضر ہوتا رہوں گا۔ ہمارے ماسٹر اللہ داد تھے۔ وہ پڑھاتے تو فیروز پور میں تھے لیکن وہ قصور کے رہنے والے تھے۔ وہ پڑھانے کے بعد ہر روز گاڑی پکڑ کے شام کو گھر چلے جاتے تھے۔ ان کا ایک بڑا لاڈلا بیٹا تھا اور بشیر اس کا نام تھا اور مجھے درمیان میں ہی ایک اور بات یاد آ گئی۔ اگر کبھی آپ قصور گئے ہوں یا آپ کا وہاں جانے کا ارادہ ہو تو (میں نے یہ بات محسوس کی ہے، آپ بھی کر کے دیکھئے گا) آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ قصور میں ہر تیسرے بچے کا نام بشیر ہوتا

free-urdubook.blogspot.com

ہے۔ اگر آپ راستہ بھول جائیں یا کچھ پوچھنا چاہیں اور قصور کے کسی بازار میں کھڑے ہو کر بشیر کہیں تو تین چار آدمی ضرور مڑ کر آپ کی طرف دیکھیں گے اور آپ ان سے رابطہ قائم کر کے اپنا مسئلہ ان کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ ہمارے ماسٹر صاحب اپنے بیٹے سے بڑی محبت کرتے تھے۔ وہ بڑا غصے والا بھی تھا۔ ظاہر ہے لاڈلا بچہ تھا۔ وہ معمولی سی بات پر بھی ناراض ہو جاتا ہوگا اور وہ گھر والوں سے وقتی طور پر قطع تعلق کر لیتا ہوگا۔ ماسٹر صاحب اس کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ایک روز وہ ان سے ایسا ناراض ہوا کہ گھر سے بھاگ گیا اور پھر ملا ہی نہیں۔ ماسٹر صاحب کئی ماہ اس کی تلاش کرتے رہے۔ وہ ٹیچر آدمی تھے اور استادوں کا سوچنے کا انداز بڑا مختلف ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے پرانی وضع سے خوش خط اشتہار لکھ کر بابا بلھے شاہؒ کے مزار کے باہر گیٹ پر چسپاں کر دیا جس پر مار کر سے لکھا ہوا تھا کہ "پیارے بیٹے بشیر گھر واپس آ جاؤ۔ تمہاری جدائی میں میں یہ وقت آسانی اور سکون کے ساتھ گزار نہیں سکتا۔" وہ اشتہار چسپاں کر کے ماسٹر صاحب گھر آ گئے۔ اگلے دن ماسٹر صاحب اس خیال کے پیش نظر کہ جہاں میں نے اشتہار لگایا ہے وہاں میرا بیٹا ضرور آتا ہوگا، درگاہ گئے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو ان کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہاں سات بشیرے بیٹھے ہوئے تھے لیکن ان کا بشیرا وہاں نہیں تھا۔ ماسٹر صاحب پریشانی کے عالم میں اور اس خیال میں کہ شاید کسی روز ان کا بشیرا بھی وہاں آ جائے، بار بار وہاں کا چکر لگاتے رہے اور ماسٹر صاحب نے ایک دن لڈو بانٹے تو ہمیں پتہ چلا کہ ان کا بشیرا واپس آ گیا ہے۔ میں بھی آپ سے یہ کہنے کے لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کا بشیرا واپس آ گیا ہے اور اب کبھی ناراض ہو کر، ناخوش ہو کر خوشی کی ترنگ میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ میرا اور آپ کا بڑا گہرا، بڑا پرانا، بڑی محبتوں کا رشتہ ہے اور یہ رشتہ آسانی کے ساتھ توڑا نہیں جا سکتا۔ میں ایک مرتبہ پھر آپ سے معذرت چاہتا ہوں اور اپنی اس غلطی اور کوتاہی کی معافی مانگتا ہوں جو میرے اور آپ کے درمیان ایک وسیع خلیج بن کر چند دن حائل رہی، آئندہ انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا اور مجھے یقین ہے کہ آپ کو اپنے بشیرے کی اس بات پر یقین آ گیا ہوگا۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

اسطخدوس کے عرق سے سٹین گن تک

آج سے ٹھیک چالیس برس پہلے کی بات ہے' گرمیوں کا موسم اور اگست کا مہینہ تھا اور گرمی یہ نہیں بلکہ بلا کی گرمی تھی اور ہم جس جگہ کام کرتے تھے وہاں کا جو Cooling System تھا وہ اچانک چلتے چلتے جواب دے گیا اور خراب ہوگیا۔ اس وقت ہم ایک پروگرام کی Editing کر رہے تھے اور سسٹم میں خرابی کے باعث ہمارا وہاں بیٹھنا مشکل ہوگیا اور ہم نے سوچا کہ جسمانی تکلیف اُن ذہنی تکالیف سے شدید تر نہیں ہے جو انسانی زندگی میں منفیانہ سوچ اور منفیانہ پیش قدمی اور ایسے منفی رویوں سے پیدا ہوتی ہے جیسے آپ Negative Thoughts کہتے ہیں۔ اس میں سب سے بڑی Negative Thought خوف ہے' دوسری نفرت' تیسری کدورت' چوتھی تشدد اور پانچویں جو بھی کسی کم درجے یا طاقت کی نہیں ہے وہ غصہ ہوتا ہے۔ انسان میلاد آدم سے لے کر اب تک اس کوشش میں مصروف رہا ہے کہ وہ ان منفی خیالات اور منفی پیش قدمی سے نجات حاصل کرے۔ انسان نے اس سلسلے اور ضمن میں بڑے پاپڑ بیلے ہیں اور بڑی ماریں کھائی ہیں لیکن یہ عوارض اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہے ہیں اور اس نے انسانی زندگی کو بڑی بری طرح سے کھدیڑ کے رکھ دیا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا پرانے زمانے میں لوگ کچھ دم درود' کچھ وظائف اور کچھ جھاڑ پھونک سے ڈیروں پر جا کے کچھ فقیروں' سادھوؤں اور سنتوں کی خدمت میں حاضر ہو کر ان Negative Thoughts کو ملیامیٹ کرنے کی کوشش کرتے تھے لیکن وہ اس میں کامیاب ہو نہیں پاتے تھے۔ اس کے باوجود انسان کی کوششیں جاری رہیں اور شاید مستقبل میں بھی جاری رہیں گی۔ پھر مجھے یاد ہے کہ ڈیرے پر جہاں ہم اپنے بابا جی کے پاس جایا کرتے تھے رات کے وقت جب بابا جی اپنا درس دیا کرتے تھے (جو تقریباً اڑھائی بجے شروع ہوتا تھا) تو اس وقت وہ ہم سب کو گاؤزبان کا قہوہ پلایا کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ گاؤزبان کے قہوے میں یہ تاثر ہے کہ وہ انسان کے اندر سے منفی خیالات اور رویوں کو چوس لیتا ہے اور آدمی میں تقریباً ویسی ہی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت تھا۔ ہم بابا جی سے قہوہ تو پیتے رہے لیکن اس کا

free-urdubook.blogspot.com

ہم پر ایسا اثر نہیں ہوا جیسا کہ ہونا چاہیے تھا۔ آپ نے حکیموں سے یہ سنا ہوگا کہ اگر دماغ کو بہت زیادہ گرمی ہو گئی ہے تو "تخم بالنگو" جسے آپ "تخم ملنگاں" کہتے ہیں اس کا استعمال کیا جائے۔ اس دور میں گری دانے کا بھی بہت استعمال ہوتا تھا۔ یہ ساری دوائیاں جسمانی عارضوں کے ساتھ نہیں لڑتی تھیں بلکہ یہ روحانی، ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں کا مقابلہ کرتی تھیں۔ کہیں تو یہ خوش قسمتی سے کامیاب ہو جاتی تھیں اور کہیں نہیں ہوتی تھیں۔ ان ساری دوائیوں میں مجھے ایک ایسی دوا یاد ہے جو واقعی بڑی مفید ہے اور اس کے نہایت اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور وہ ذہنی بالیدگی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اسطخد وس ہے۔ ہمیں ہفتے میں ایک روز ایک چمچ بھر اسطخد وس اور اس میں سات سیاہ مرچیں ڈال کر اس کا ابلا ہوا پانی چھان کے دیا جاتا تھا اور حکماء اور صوفیاء کہتے ہیں کہ اس کے پینے سے دماغ پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا ہے..... اس کو "جھاڑو بہ دماغ" بھی کہتے ہیں کیونکہ کہا جاتا ہے کہ یہ دماغ کے سارے جالے جھاڑو کی طرح سمیٹ کر ذہن میں صفائی کر کے جلا بخشتا ہے۔ Herbal Treatment کا زمانہ بھی گزرا۔ پھر نفسیاتی علاج دان آئے اور وہ بھی ذہن کے اندر پراگندگی کو دور کرنے کے لیے اپنے اپنے درماں لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے۔ آپ کو تو مجھ سے بہتر علم ہوگا کہ فرائیڈ اس ضمن میں Psycho Analysis لے کر آیا۔ ایڈلر کچھ اور کہہ کے لوگوں کے ذہن سے وہ منفیانہ پیش قدمی کو دور کرتا تھا جو انسانی زندگی پر اپنا پنجہ جما کر بیٹھی ہوئی ہوتی ہے اور کسی صورت بھی انسانی ذہن کو انسانی روح کو نہیں چھوڑتی تھی۔ پھر سائیکو ڈرامہ آیا جس میں لوگ مل جل کے ایک ڈرامہ کرتے تھے جس میں وہ اپنے دکھ درد کا اظہار کرتے تھے اور انسان بے چارا اس تناظر میں بس "ترلے" ہی کرتا رہا، تڑپتا ہی رہا لیکن اس کے ذہن سے وہ باتیں دور نہ ہو سکیں جسے وہ دور کرنا چاہتا تھا۔ منفی خیالات بھی بڑے عجیب و غریب ہوتے ہیں اور وہ بہت عجیب و غریب طریقے اور انداز سے حملہ آور ہوتے ہیں اور جو لوگ شدت سے اس کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں وہ بے چارے یہ بھی کہتے ہیں کہ بزرگ اور پاکیزہ ہستیوں کے بارے میں بہت بڑے برے خیالات ذہن میں آتے ہیں۔ باوصف اس کے ہمارے روحانی پیشوا اور ہمارے ذہنی مبلغ اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ یہ خیالات اختیاری نہیں ہوتے بے اختیاری طور پر آتے ہیں اس لیے اس حوالے سے زیادہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ انسانی زندگی پر حملہ آور ہوتے ہی رہتے ہیں۔ جب ہم Editing کا کام کر رہے تھے اور گرمی اپنے جوبن پر تھی تو وہ بڑے جہازی سائز کے امریکی کولنگ سسٹم سے ٹھنڈا رہنے والا بڑا ہال اور اس سے منسلک تیرہ کمرے گرمی میں ڈوب گئے اور ہمیں کام جاری رکھنا مشکل ہو گیا۔ وہاں ہم ریکارڈنگ کرتے تھے اور ریکارڈنگ کو پھر آگے وائس آف امریکہ واشنگٹن ڈی سی بھیجتے تھے جہاں امریکہ کی خوبیاں بیان کی جاتی تھیں کہ یہ بہت اچھا ملک ہے۔ یہ لوگوں کے ساتھ بہت محبت اور بھلائی کا سلوک کرتا ہے اور پسماندہ اور گرے پڑے لوگوں پر

free-urdubook.blogspot.com

خاص توجہ دیتا ہے اور ہم امریکہ کے اس سحر میں آئے ہوئے تھے اور تب بھی آئے ہوئے تھے اور اب بھی بہت حد تک آئے ہوئے ہیں لیکن اس گرمی میں کام کرنا ہمارے لیے مشکل تھا اور مشینیں بھی جواب دے رہی تھیں۔ مستری یعنی مقامی ماہرین کو بلا کر پوچھا گیا کہ اس سسٹم کو کیا مسئلہ ہو گیا ہے۔ وہ ماہرین اس کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے تھے اور پورے سات دن تک عملی طور پر وہ دفتر اور وہ کارخانہ بالکل ویسے ہی بند رہا جیسا کہ عام طور پر چھٹی کے روز بند ہوتا تھا۔ ہم وہاں جاتے ضرور تھے لیکن کام کر نہیں پاتے تھے۔ آخر تنگ آ کر گیارہویں دن ہم نے اسلام آباد سے Experts منگوائے۔ ان میں ایک امریکی ماہر تھا اور اس کے ساتھ ایک لبنانی ایکسپرٹ تھا۔ ان دونوں نے شروع سے آخر تک اس پلانٹ کو چیک کرنا شروع کیا کہ آخر اس میں ایسی کون سی خرابی پیدا ہو گئی کہ یہ کولنگ سے عاجز آ گیا ہے اور عاری ہو گیا ہے۔ وہ دونوں لگے رہے اور بڑی دیر تک سوچتے رہے لیکن تین دن کی مسلسل شب و روز محنت کے بعد ان کی سمجھ اور گرفت میں کچھ نہ آ سکا۔ آخر ایک روز اللہ نے ہم پر اور ہماری جانوں پر مہربانی کرنی تھی اور اس لبنانی نے خوشی سے ایک زور کا نعرہ بلند کیا اور اس نے چلا کر کہا کہ میں نے خرابی پکڑ لی ہے۔ اس پلانٹ میں ایک نہایت ہی پیچیدہ جگہ پر جہاں بڑا ہی حساس آلہ (تھرموسٹیٹ) لگا ہوتا ہے جو سسٹم کے چلنے اور بند ہونے کو کنٹرول کرتا ہے اس کے اندر ایک حساس مقام پر چھپکلی کا ایک بچہ پھنس کر کٹ چکا تھا اور اس کی نرم و نازک ہڈیاں وہ ساری اس مشین کے اندر پیوست ہو چکی تھیں اور اس چھپکلی کے بچے نے اس سارے پلانٹ کو روک رکھا تھا تو اب مجھے یاد آتا ہے کہ جب میں زندگی کے بڑے مراحل طے کرنے کے بعد آخری سفر کی طرف روانہ اور گامزن ہوں کہ جس طرح ایک معمولی سی چھپکلی اتنے بڑے پلانٹ کو یوں روک لیتی ہے کہ انسان کا بس ہی نہیں چلتا اور اس طرح نفرت، کدورت اور منفی سوچ کی چھپکلی انسانی زندگی میں پھنس کر کس طرح سے انسان کی ساری زندگی ویسے ہی روک لے گی جیسے کہ اس معمولی چھپکلی نے اس پلانٹ کو جام کر دیا تھا۔ آدمی کوشش کرتا رہتا ہے اور بڑا نیک نیت ہوتا ہے، بڑا بھلا اور اچھا ہوتا ہے لیکن ایسے خیالات سے نہیں نکل سکتا۔ تشدد، ایک نفرت، ایک غصہ، ایک خوف اگر انسان کی زندگی میں کسی طرح سے اس چھپکلی کی طرح پھنس جائے تو ستر، اسی سال اور اس سے لمبی زندگی بھی اس کا ساتھ نہیں دے سکے گی اور ان عوارض میں مبتلا شخص اس مرض کا شکار اس دنیا سے چلا جائے گا۔ مجھے ہمیشہ اس بات کا خیال رہا، رہتا ہے اور اب بھی ہے اور بہت سے لوگ، بہت سے بچے اب زیادہ ہی ہو گئے ہیں جو اس بیماری کو ڈپریشن کا نام دیتے ہیں چونکہ یہ انگریزی زبان کی Term میڈیکل کی دنیا سے ہمارے اوپر آئی ہے اور یہ لفظ یا بیماری جسے ڈپریشن کہتے ہیں اور اس کے بارے میں بہت کچھ کہا جاتا ہے اس کے وجود میں آنے اور پیدا ہونے کی ساری وجہ یہ ہے کہ انسان کی چلتی ہوئی زندگی میں ایک چھپکلی پھنس جاتی ہے اور یہ پھنستی بھی ایک ایسے انتہائی حساس مقام پر ہے جو

free-urdubook.blogspot.com

آپ کی روح کے تھرموسٹیٹ کو کنٹرول کرتا ہے اور وہ چھپکلی وہی منفی پیش قدمی اور Negative Approach ہوتی ہے جس کو میں بار بار آپ کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کرتا ہوں کہ وہ یا تو تشدد کی صورت میں آتی ہے یا پھر غصہ، خوف یا نفرت کی شکل میں آتی ہے۔

آپ کبھی بھی اپنی زندگی کا جائزہ لے لیں یہ عارضہ جس شخص میں کم ہوگا یا جس کسی نے اس کے اوپر کنٹرول کر رکھا ہے وہ خوش نصیب ہے اور وہ کم بیمار ہے۔ کچھ نہ کچھ خرابی تو آدمی میں رہتی ہی ہے لیکن اللہ جسمانی عارضے کے مقابلے میں روحانی اور نفسیاتی عارضے سے بچائے۔

ہم ایک بار تھرپارکر کے ریگستان میں تھے اور جیپ پر محوِ سفر تھے۔ ریت میں جیپ آہستہ آہستہ حرکت کر رہی تھی۔ ریت میں گاڑی کا چلنا خاصا محال ہوتا ہے۔ اسے وہاں کے ماہر ڈرائیور ہی چلا سکتے ہیں۔ آدھا Desert عبور کر کے ہم اسلام کوٹ پہنچے۔ وہاں ہمارے میزبان مکھی نہال چند تھے جو ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ شام کے وقت جب میں اور ممتاز مفتی سیر کرنے کے لیے نکلے تو ہمیں وہاں پر عجیب وغریب طرز کی دو چیزیں نظر آئیں۔ ایک تو یہ کہ کھلے ریگستان میں جگہ جگہ ٹینٹ لگے ہوئے تھے اور ان میں بڑے ہی خوبصورت پیارے پیارے بچوں والے خاندان آباد تھے اور ان میں نہایت کڑیل نوجوان مرد تھے اور عورتیں چونکہ لمبا گھونگھٹ نکال کے پردہ کرتی تھیں اس لیے ان کے بارے میں ہم وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ کس شکل وصورت کی تھیں۔ دوسرا ان ٹینٹوں کے آگے یا اس کارواں کے آگے جو خیمہ زن تھا ایک چھوٹا سا کچا گھر تھا جس کے باہر ایک پرانی پٹی پڑی ہوئی تھی ایسی پٹی جیسی آموں والی ہوتی ہے اور اس پر پرانی مسواک سے لال رنگ میں جامعہ اشرفیہ لکھا ہوا تھا۔ میں نے ممتاز مفتی سے کہا کہ اس مقام پر اور اتنی دور جامعہ اشرفیہ کہاں سے آ گیا۔ ہم نے اس کچے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے ایک صاحب نکلے۔ ان کی پینتالیس پچاس برس عمر ہوگی۔ ہم نے ان سے کہا! صاحب آپ کے گھر کا نام جامعہ اشرفیہ کیوں ہے؟ انہوں نے کہا جی میں نے کچھ وقت مولانا اشرف علیؒ کی خدمت میں تھانہ بھون میں گزارا تھا۔ میں ان سے متاثر ہوں اور انہی کی یاد میں میں نے اپنے گھر کو یہ نام دے دیا۔ ہماری ان کے ساتھ بڑی باتیں ہوتی رہیں اور آخر میں ممتاز مفتی نے پوچھا کہ دل میں طرح طرح کے خیالات آتے ہیں جن میں منفی قسم کے خیالات بہت زیادہ ہیں اور ان خیالات میں بری بری باتیں بھی ہیں۔ کچھ ایسی بری باتیں جو میرے دل کو بھی بری لگتی ہیں اور کچھ ایسی باتیں جو لوگوں کو ناگوار گزریں، تو مولوی صاحب آپ یہ بتائیں کہ کیا آپ نے بھی اس کے بارے میں کچھ سوچا۔ دوائیاں تو بنی ہیں، حکیموں نے اس کے توڑ کے لیے جوشاندے بھی بنائے ہیں اور لوگ دم درود بھی کرتے ہیں لیکن یہ خیالات ذہن اور دل سے نکل نہیں پاتے تو مولوی صاحب نے کہا جی میں نے تو یہ سوچا ہے کہ اگر آپ تشدد پر مائل ہوں، اگر آپ کی طبیعت میں غصہ ہو اور آپ خوفزدہ رہتے

free-urdubook.blogspot.com

ہوں اور آپ کو کسی شخص کے ساتھ نفرت ہو تو آپ ہمیشہ اپنی سٹین گن اپنے ساتھ رکھیں اور جو آپ کا مدمقابل ہے، جس سے آپ کو نفرت ہے اس کو کمرے میں داخل ہوتے ہی یا ملتے ہی (انہوں نے باقاعدہ سٹین گن پکڑ کر پوزیشن بنا کر دکھائی) اس پر فائر کر دیں پھر آپ کی جان بچ گئی اور اس کے بارے میں پروانہ کریں۔ اب میں بھی اور مفتی صاحب بھی حیران کہ بھئی اچھا آدمی ہے یہ سٹین گن سے بندوں کو ہی تباہ کیے جاتا ہے۔ اس نے کہا جناب جب تک آپ اپنی سٹین گن ہر وقت تیار نہیں رکھیں گے اس وقت تک اس عمل سے آپ گزر نہیں سکیں گے اور یاد رکھئے سٹین گن میں ہر طرح کی گولی پڑے گی چوکور، لمبی، چھوٹی اور بڑی اور وہ چلے گی۔ ہم نے کہا مولوی صاحب ہم نے تو ایسی کوئی سٹین گن نہیں دیکھی جس میں گولیوں کی شکل وصورت اور حجم بھی مختلف ہو۔ کہنے لگے آپ کو بس یہ گن ہر وقت تیار رکھنی ہے اور اپنے بائیں کندھے کے ساتھ لٹکا کے چلنا ہے اور اس سے غافل نہیں ہونا۔ مفتی بڑا متجسس آدمی تھا۔ انہوں نے کہا کہ جی یہ گن کہاں سے ملتی ہے، تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ یہ آپ کو خود تیار کرنا پڑے گی۔ مفتی صاحب نے کہا باڑے سے ملے گی؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ پوچھا سندھ سے، تو بھی جواب نفی میں ملا۔

ہم نے کہا کہ صاحب یہ تو ایک مشکل سا کام ہمیں بتا دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کے تیار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ سارا دارومدار ان گولیوں پہ رکھیں جن کا میں نے ذکر کیا "یعنی چھوٹی، موٹی، لمبی، پتلی، چوکور، چورس۔" جب وہ تیار ہوں گی تو پھر آپ حملہ آور ہوں گے۔ میں نے کہا جناب وہ کس قسم کی گولیاں ہیں؟ انہوں نے کہا وہ جو گولیاں ہیں وہ آیات کی گولیاں ہیں جتنی بھی آیات آپ کو یاد ہوں اور سورتوں کے ٹکڑے اور جتنی بھی دعائیں ہیں یہ آپ محفوظ رکھیں اور انہیں عربی میں یاد کر کے رکھیں اس کا آپ کو بڑا فائدہ ہوگا۔ یہ آیتیں اور یہ دعائیں اور یہ اوراد و وظائف کے جو طے شدہ الفاظ ہیں اور جو اللہ کے پاک نام میں استعمال ہوں ان کو گولیوں کے طور پر اپنے وجود کی سٹین گن میں ہر وقت فٹ رکھیں اور جونہی آپ کو اپنا مدمقابل نظر آئے، جس سے آپ کو سخت نفرت ہے تو اسے دیکھتے ہی فائر کر دیں اور جو کچھ آپ کو اپنے مخالف کو زیر کرنے کے لیے یاد ہے پڑھنا شروع کر دیں اور ساتھ ساتھ یہ کہتے رہیں کہ یا اللہ یہ شخص بہت برا لگتا ہے، مجھے اس سے نفرت ہے، میں اس شخص (نفرت، غصہ اور دیگر منفی سوچیں) کو قتل کرنے پر مائل ہوں اور میں اس سے کسی صورت محبت نہیں کر سکتا۔ اب تو ہی اس کا بندوبست کر، جب آپ یہ سوچتے جائیں گے اور اپنی قرآنی سٹین گن سے گولیوں (آیات) کی بوچھاڑ کرتے جائیں گے تو آپ کا منفی خیالات پر غلبہ ہوتا جائے گا۔ ہم مولوی صاحب کی اس بات پر اپنے اپنے دل میں غور کرتے رہے، میں اور ممتاز مفتی اپنے اپنے بستر پر لیٹے اس پر غور تو کرتے رہے لیکن ہم نے اس پر کوئی بات نہیں کی۔ اگلے دن صبح سیر کے وقت ممتاز مفتی نے کہا کہ بھئی اس کی بات تو ٹھیک ہے لیکن پتہ نہیں ہم اس میں کامیاب ہو بھی سکیں گے کہ

free-urdubook.blogspot.com

نہیں۔ میں نے کہا کہ ہاں یار ہے تو مشکل بات لیکن تجربہ کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔

میری ریٹائرمنٹ سے کچھ عرصہ قبل ایک سردیوں کی خوشگوار چمکتی دوپہر تھی۔ میں اپنے دفتر کے لان میں چھتری لگا کر مزے سے دھوپ میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے دفتر کے بڑے پھاٹک پر یعنی سڑک کے موڑ پر وہ کار دیکھی جس کے اندر میرا نہایت ہی منحوس اور نہایت قبیح دشمن بیٹھا ہوا تھا اور جو ''کنی'' کاٹ کے میری طرف ہی آ رہا تھا۔ جونہی میں نے اسے دیکھا وہ کار کھڑی کر کے اس میں سے باہر نکل آیا۔ جب وہ اپنی کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل رہا تھا تو مجھے اسلام کوٹ کے (تھرپارکر) کے مولوی صاحب کی بات یاد آ گئی جس میں انہوں نے Defence کا طریقہ بتایا تھا چنانچہ میں اچھل کر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور میں نے پوزیشن لے لی تو میرا ہاتھ سٹین گن پکڑنے کے انداز میں ایک اونچا اور ایک نیچا ہو گیا اور میں نے فٹا فٹ اور کھٹا کھٹ درود اور آیات کا ورد شروع کر دیا۔ چھوٹی کچھ بڑی جو بھی منہ اور ذہن میں آیا ان آیات کی گولیوں کی بچھاڑ میں نے جاری رکھی۔ جوں جوں وہ میرے قریب آ رہا ہے میں اور الرٹ ہوتا جا رہا ہوں۔ وہ بڑا ہی نالائق' بے وقوف' منحوس اور تکلیف دہ آدمی تھا۔ جب اس نے قریب پہنچ کر السلام وعلیکم کہا تو میں نے اسے وعلیکم السلام کہا اور بیٹھنے کا کہا تو وہ حیرانی سے میری جانب دیکھ کر کہنے لگا! اشفاق صاحب میں نے دور سے یہ سمجھا کہ آپ کوئی بلب لگا رہے ہیں لیکن یہاں آ کر میں دیکھتا ہوں کہ یہاں نہ کوئی بلب ہے نہ کوئی تار ہے اور نہ ہی یہاں کوئی ایسا لیمپ ہے تو یہ آپ کیا کر رہے تھے..... میں نے کہا تشریف رکھیے۔ آدھا میرا غصہ تو دور ہو چکا ہے اور انشاء اللہ ابھی ہو جائے گا کیونکہ میری سٹین گن میں ابھی چند گولیاں باقی ہیں اور یہ آپ کے بیٹھتے بیٹھتے اس طرح سے چلتی چلی جائیں گی۔ وہ بیٹھ گیا اور باتیں ہونے لگیں۔ (میں نے پھر صحرا میں رہنے والے مولوی صاحب کی بات یاد کی۔ خدا ان کی عمر دراز کرے شاید اس وقت بھی وہ حیات ہوں گے) میں نے آنے والے شخص سے کہا کہ دیکھئے مولوی صاحب نے کیسا اچھا نسخہ بتایا ہے کہ اتنی دیر کے بعد آنے والے صاحب جو مجھے ہمیشہ اذیت اور تکلیف دیا کرتے تھے اب میرے سامنے بیٹھے ہیں اور میری طبیعت پر اتنا بوجھ نہیں پڑ رہا جس قدر پہلے پڑا کرتا تھا چنانچہ اب زندگی میں جب بھی کبھی موقع ملتا ہے اور میں اس حوالے سے خوش قسمت ہوں اور مجھے ان بابوں نے بڑی آسانیاں عطا کی ہیں۔ یہ بابے ہی ہوتے ہیں جن نے انسان پوچھتا رہتا ہے۔ آپ بھی پوچھتے رہا کریں کہ جناب مجھے یہ مسئلہ ہے یا تکلیف ہے۔ اس کا کیا سدباب کیا جائے۔

میں اسطخدوس کے عرق سے لے کر اپنی سٹین گن چلانے تک جتنی بھی عمر گزری ہے اس میں کافی آسانیوں میں سے گزر گیا ہوں اور میری آرزو ہے اور آپ بھی میرے ساتھ اس دعا میں شریک ہوں کہ اللہ مجھے اور آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا مزید شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

---

free-urdubook.blogspot.com

''پانی کی لڑائی اور سندیلے کی طوائفیں''

ہم اہلِ ''زاویہ'' کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔ ابھی تھوڑی پہلے جب ہم میز کے گرد جمع ہو رہے تھے تو ہم دریاؤں' پانیوں اور بادلوں کی باتیں کر رہے تھے اور ہمارے وجود کا سارا اندرونی حصہ جو تھا وہ پانیوں میں بھیگا ہوا تھا اور ہم اپنے اپنے طور پر دریاؤں کے منبعے ذہنی طور پر تلاش کر رہے تھے کیونکہ زیادہ باہر نکلنا تو ہمیں نصیب نہیں ہوتا۔ جغرافیے کی کتابوں یا رسالوں' جریدوں کے ذریعے ہم باہر کی دنیا بارے معلوم کرنا چاہتے ہیں اور معلوم کر بھی لیتے ہیں۔ دریاؤں کی باتیں جب ہو رہی تھیں تو میں سوچ رہا تھا کہ دریا بھی عجیب و غریب چیز ہیں اور ان کو کیسے پتہ چل جاتا ہے' نہ ان کا کوئی نروس سسٹم ہے نہ دماغ ہے پھر کس طرح سے دریا کو پتہ چل جاتا ہے کہ سمندر کس طرف ہے اور اسے ایک دن جا کے ملنا ہے' بغیر کسی نقشے کے۔ دریا بغیر کسی سے پوچھے سمندر کی طرف رواں دواں ہے اور کہیں اگر اس کے دو حصے ہو جاتے ہیں تو وہ دونوں چکر کاٹ کے مل کے پھر سمندر ہی کی طرف محوِ سفر رہتے ہیں اور اگر بدقسمتی سے اگر دریا کی کوئی شاخ کسی ایسے مقام پر رک جاتی ہے جہاں بہت ہی سنگلاخ چٹان ہو اور وہ شاخ اس سے سر ٹکراتی ہے اور وہاں سر پھوڑتی ہے کہ مجھے مت روکو' مجھے جانے دو اور سنگلاخ چٹان اسے کہتی ہے کہ میں تو سوا کروڑ سال سے یہاں کھڑی ہوں' میں کیسے ایک طرف کو ہٹ جاؤں۔ وہ بھی (دریا کی شاخ) ضدی ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر تو مجھے نہیں گزرنے دے گی تو میں بھی یہیں کھڑی ہوں' چنانچہ دریا کے اس پانی کے ساتھ جو اس سنگلاخ چٹان کے ساتھ ٹکرا کے رک جاتا ہے کیڑے پڑ جاتے ہیں' وہاں بھینسیں آ جاتی ہیں' گوبر جمع ہونے لگتا ہے' بدبودار اور متعفن پانی گزرتا ہے اور اس کا وہ حصہ جو سفر پر رواں دواں تھا اور ایسی سنگلاخ چٹان آنے پر راستہ چھوڑ کے دوسری طرف سے گزر جاتا ہے وہ دریا اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے' بالکل اسی طرح سے انسانی زندگی ہے جہاں انسان ضد میں آ کر رُکتا ہے' لڑائی جھگڑا کرتا ہے تو پھر اس کے آگے بڑھنے اور منزل تک پہنچنے کے جو بھی مقامات ہیں وہ مسدود ہو جاتے ہیں۔ آج سے بہت عرصہ پہلے' میرے خیال میں سوڈیڑھ سو

free-urdubook.blogspot.com

برس قبل کی بات ہے، لکھنؤ (بھارتی شہر) کے قریب ایک قصبہ "سندیلہ" ہے وہاں کے لڈو اور شاعر مشہور ہیں۔ وہ شاعر بڑے اعلیٰ پائے کے ہیں۔ لکھنؤ میں بھی بڑے شاعر تھے لیکن سندیلے کے شاعر اصلاح دیتے تھے اور اس کی اجرت وصول کرتے تھے۔ ایک دفعہ یہ ہوا کہ سندیلے میں بہت زبردست Drought یعنی خشک سالی ہوگئی اور وہاں کے نواب اور چھوٹی چھوٹی راج دھانیاں تمام کی تمام سوکھے (خشک سالی) کا شکار ہوگئیں۔ اس قدر صورتحال خراب ہوئی کہ زمین کا کلیجہ خشکی سے پھٹنے لگا۔ جگہ جگہ پر پھٹی ہوئی زمین کے آثار نظر آنے لگے۔ ڈھور ڈنگر (مویشی) مرنے لگے اور ان کے بڑے بڑے پنجر اور سینگ جگہ جگہ پڑے نظر آتے۔ پرندوں نے وہ علاقہ چھوڑ دیا۔ ایک دفعہ گئے تو پھر لوٹ کے نہیں آئے، لوگوں نے آکر "مکھیا" (سردار) کے پاس شکایت کی۔ وہ مکھیا لڑکھڑاتا نواب کے پاس گیا کہ حضور لوگ گاؤں چھوڑ کر جانا چاہ رہے ہیں لہٰذا نمازِ استسقاء پڑھی جانی چاہیے کیونکہ اس طرح تو گاؤں ہی خالی ہو جائے گا۔ چنانچہ نمازِ استسقاء ادا کی گئی لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا جس سے لوگوں کی مایوسیوں میں مزید اضافہ ہوگیا۔ ہندوؤں نے کہا کہ ہم اپنا "ناکوس" بجا کر اور بھجن گا کر بھگوان کو راضی کرتے ہیں شاید وہ بارش بھیج دے۔ انہوں نے اپنا پورا زور لگایا لیکن کچھ نہ ہوا۔ جب ڈھور ڈنگروں کے بعد انسان بھی مرنے لگے تو اس علاقے کی طوائفیں (وہ سارے اتر پردیش میں بہت مشہور تھیں) اپنا چھوٹا سا گروہ لے کر نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے کہا کہ جنتا (عوام) پر بہت کڑا اور برا وقت آیا ہے اور اس برے وقت سے ہم سب ماؤف ہوگئے ہیں۔ ہمارے ذہن میں ایک بات آتی ہے اگر ہمیں اس کی اجازت دی جائے تو ہم شاید اس علاقے اور آپ کی کچھ مدد کرسکیں۔ نواب صاحب نے کہا کہ اس سے اچھی اور کیا بات ہوسکتی ہے۔ طوائفوں نے کہا کہ ہم بھی ایک مخصوص مقام پر پہنچ کر کھلے میدان میں جا کر بیٹھیں گی اور ہم بھی کچھ گریہ وزاری کریں گی لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی آدمی اس طرح نہ آنے پائے۔ ان کی وہ شرط منظور کرلی گئی۔ وہ اپنے قیمتی گھروں اور سونے چاندی کے زیورات اور جو بھی کچھ ان کے پاس تھا اپنے بالاخانوں پر چھوڑ کر سیڑھیاں اتریں۔ انہوں نے سفید رنگ کی نیلی "کنی" والی دھوتیاں باندھی ہوئی تھیں۔ جیسے کلکتے والی خواتین پہنتی ہیں۔ خاص طور پر جس طرح مدر ٹریسا پہنتی تھیں (ایک چرواہے نے یہ آنکھوں دیکھا حال بتایا تھا حالانکہ کسی مرد کو وہاں جانے کی اجازت نہیں تھی) وہ جب اس مخصوص جگہ پر آئیں تو انہوں نے گڑگڑا کر اللہ سے درخواست کی اے خدا تو جانتا ہے ہمارے افعال کیسے ہیں اور کردار کیسا ہے اور ہم کس نوعیت کی عورتیں ہیں۔ تو نے ہمیں بڑا برداشت کیا ہے۔ ہم تیری شکرگزار ہیں لیکن یہ ساری مصیبت جو انسانیت پر پڑی ہے یہ ہماری ہی وجہ سے ہے۔ اس علاقے میں جو خشک سالی آئی ہے وہ ہماری موجودگی سے آئی ہے اور اس ساری خشک سالی کا "کارن" ہم ہیں۔ ہم تیرے آگے سجدہ ریز ہو کر دل سے دعا کرتی ہیں کہ بارش برسا اور

ان لوگوں اور جانوروں کو پانی عطا کرے' تاکہ اس بستی پر رحم ہو اور ہجرت کر کے جانے والے پرندوں کو واپس آنے کا پھر موقع ملے اور وہ یہاں خوشی کے نغمے گائیں۔ چرواہا کہتا ہے کہ جب انہوں نے سجدے سے سر اٹھایا تو اتنی گھر کے سیاہ گھٹا آئی اور وہ چشم زدن میں بارش میں تبدیل ہو گئی اور ایسی زبردست موسلا دھار بارش ہوئی کہ سب جل تھل ہو گیا اور وہ عورتیں اس بارش میں بھیگیں اور ان کی بغلوں میں چھوٹی چھوٹی پوٹلیاں تھیں جنہیں لے کر وہ ایک طرف کو نکل گئیں۔ پھر کسی نے نہ ان کا پوچھا اور نہ ہی ان کا کوئی پتہ چلا کہ وہ کہاں سے آئیں تھیں اور کدھر چلی گئیں۔ انہیں زمین چاٹ گئی یا آسمان کھا گیا لیکن ساری بستی پھر سے ہری بھری ہو گئی۔ ان طوائفوں کے گھروں کے دروازے کھلے تھے' لوگوں نے ایک دو ماہ تو خود پر جبر کیا لیکن پھر آہستہ آہستہ ان کا قیمتی سامان چرانا شروع کر دیا اور تاریخ دان کہتے ہیں کہ ان کے گھروں سے بڑی دیر تک ایسی قیمتی چیزیں برآمد ہوتی رہیں اور اناڑی چور اور پکے چور کئی سال تک وہاں سے چیزیں لاتے رہے۔ ان کی یہ Sacrifice ان کی یہ قربانی اور لوگوں کے ساتھ محبت اور تال میل اور گہری وابستگی کو جب میں آج کے تناظر میں دیکھتا ہوں اور آج میں اپنا اخبار پڑھتا ہوں تو مجھے بڑی حیرانی ہوتی ہے کہ ہم جو پڑھے لکھے لوگ ہیں جو ان (طوائفوں) سے بہت آگے نکل کر پانی پر جھگڑا کرتے ہیں کہ اس صوبے نے میرے اتنے قطرے پانی کے چھین لیے۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں نے تجھے اتنے قطرے زیادہ دے دیئے۔ ان بیبیوں جیسی بلکہ بازاری بیبیوں جیسی کام کی بات نہیں کرتا اور ایسی کوئی بات کسی کے دل میں نہیں آتی اور کوئی بھی اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ یہ پانی جو اللہ کی عطا ہے اور جو ہم کو جس قدر بھی مل رہا ہے اس کو بانٹ کے کس طرح استعمال کرنا ہے۔ جب بھی ایسی خبریں دیکھتا ہوں تو میرے ذہن میں اور دل میں ان طوائفوں سے منسوب اس کہانی کا پس منظر آ جاتا ہے' تو میں اپنے اردگرد کے لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا ہم جو بہت اچھے بھلے اور پاکیزہ لوگ ہیں ان طوائفوں کی قربانی کے جذبے کے نقش قدم پر چل سکتے ہیں' تو مجھے ہر طرف سے چہروں پر نفی کے آثار ملتے ہیں کہ نہیں.....! ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ ہم کیسے اس Source کو ڈھونڈ سکیں اور پانی کے اس منبعے تک پہنچ سکیں جو ہماری روحوں کی آبیاری کرے لیکن یہ ہو نہیں پاتا۔ اس کی طرف ہم جا نہیں سکتے۔

بہت ممکن ہے کہ میرے پیارے مہمانوں (حاضرین زاویہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) میں سے کوئی مجھے تھوڑی سی Guidence اس حوالے سے عطا کرے کہ کس طرح سے ہم اس منزل تک پہنچ سکیں جس منزل پر وہ پاکیزہ بیبیاں ایک ہی فیصلے پر پہنچ گئیں۔

(پروگرام میں سوال و جواب کا سیشن شروع ہوتا ہے)

اشفاق احمد صاحب سوال کرتے ہیں۔ شہزاد صاحب وہ بیبیاں ایک ہی فیصلے پر پہنچ گئیں۔

free-urdubook.blogspot.com

اس حوالے سے آپ کا کیا خیال ہے؟

شہزاد صاحب:۔ آپ نے یہ جو سوال اٹھایا ہے یہ آپ کے لیے بھی بہت مشکل سوال ہے اور ہم سب کے لیے بھی مشکل ہے۔ اصل میں جو کہانی آپ نے بیان کی اُس کے جو معانی میرے ذہن میں آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ہم سب اپنے اپنے گناہوں اور اعمال کی ذمہ داری قبول کریں اور پھر اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے بعد نہ صرف یہ کہ اپنی ہی اصلاح کریں بلکہ کسی بہت بڑی قربانی کے لیے تیار ہو جائیں اور یہ گلہ نہ کریں کہ کس کو کتنا پانی ملا اور کس کو کتنا پانی نہیں ملا۔ اس سے ایک ایسی بارش ہو سکتی ہے جو ہم سب کو سیراب کر دے۔

اشفاق احمد صاحب:۔ ہماری اس محفل میں ڈاکٹر توفیق صاحب بھی موجود ہیں۔ ان کے پاس بھی بڑے مریض آتے ہیں اور یہ بڑے نیکی کے کام کرتے ہیں۔ ان سے بھی پوچھا جائے کہ ہم میں کس طرح سے وہ جذبہ پیدا ہو جو آپ میں ہے کیونکہ میں نے آپ کو لگن اور محبت سے کام کرتے ہوئے دیکھا ہے جبکہ اس کے برعکس ہم رکتے اور گھٹتے ہیں۔ ہم بھی پھیلنا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر توفیق:۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں چاہیے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے کی بھی کوشش کریں اور ایک دوسرے سے جو توقعات ہم رکھ رہے ہیں ان توقعات کا دائرہ بھی جانچیں اور ایک دوسرے کو چیزیں دینے کی ہمت بھی رکھیں۔ صرف لینے پر ہی مصر نہ رہیں۔ جب یہ سارے جذبے ہم میں آ جائیں گے تو ہم مل بیٹھ کے پانی کے قطروں کو جو بھی ہمارے پاس ہیں ان کو خوش اسلوبی سے بانٹ لیں۔

اشفاق احمد:۔ پروین اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

پروین صاحبہ:۔ میں سمجھتی ہوں کہ میرا جو اپنا زاویہ نظر ہے وہ یہ ہے کہ جیسے توفیق صاحب نے فرمایا کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھیں گے تو ہم قطرے بانٹیں گے، مجھے یہ نہیں لگتا کہ میں اور آپ اس میں قصوروار ہیں یا کہ ہم لوگ اپنی سطح پر غلطی پر ہیں۔ ہمیں ان عناصر کے مذموم مفادات کو پن پوائنٹ کرنا ہوگا جو اپنے ذاتی اغراض و مقاصد اور فوائد کے لیے اس طرح کی بانٹ یا اس طرح کی بندر بانٹ ہم کو سکھاتے ہیں۔ اگر ہم میں حب الوطنی کا جذبہ بیدار ہو جائے اور ہم سمجھیں کہ اتفاق اور محبت سے ہی مسائل حل کر سکتے ہیں۔ وہ بیبیاں جن کی مثال دی گئی ہے وہ متحد ہو کر جنگل میں گئی تھیں اور ان کے دل میں درد تھا اور انہوں نے اپنا ذاتی فائدہ چھوڑ دیا تھا تب وہ مسئلہ حل ہوا تھا۔ ہمارے اوپر جو بھی مسائل آ رہے ہیں وہ پانی کے ہوں یا اناج کے، اس میں Vasted Interest کا بہت زیادہ ہاتھ ہے۔

اشفاق احمد:۔ چونکہ پانی کی باتیں ہو رہی ہیں اور ہم نے یہ بھی کوشش کی ہے کہ گلیشیر پگھلا کر اپنے آئندہ مصارف کے لیے پانی حاصل کریں گے تو مجھے یاد آیا کہ ایک دفعہ ہم ناران جا رہے تھے اور ہمیں یہ کہہ کر روک دیا کہ گلیشیر کی کیفیت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کو ایک دو دن یہاں بالاکوٹ میں قیام

کرنا پڑے گا۔ بالاکوٹ میں تب ایسا کوئی ہوٹل نہیں تھا۔ ہمارے ساتھ ممتاز مفتی صاحب بھی تھے۔ وہ کہنے لگے یار ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ مسافر مسجد میں وقت گزارتے تھے تو چلو کسی مولوی صاحب سے پوچھتے ہیں۔ ہم پانچ آدمی تھے مولوی صاحب کے پاس گئے ان سے کہا کہ آپ کیا ہمیں مسجد میں رہنے کی اجازت دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں جی کیوں نہیں۔ ادھر برآمدہ ہے' صف ہے' مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس ایسی کوئی دری نہیں جو میں آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا۔ ہم نے کہا کہ نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہمارے پاس Sleeping Bages ہیں۔ مولوی صاحب بھی وہ سلیپنگ بیگ دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ یہ بڑی مزیدار چیز ہے کہ اس کے اندر آدمی گھس جائے اور سکون سے سو جائے۔ ہم ایک دو دن وہاں ویسے ہی سوتے رہے۔ ابھی ہمیں آگے جانے کی کلیئرنس نہیں مل رہی تھی۔ وہ مولوی صاحب بھی عجیب وغریب آدمی تھے ان کے گھر کے دو حجرے تھے۔ ہم سے کہنے لگے (ممتاز مفتی ان کے بڑے دوست ہو گئے) میرے ساتھ چائے پئیں' وہ ہمیں اپنے گھر لے گئے اور جس کمرے میں ہمیں بٹھایا اس میں ایک صندوقچی تھی بیٹھ کر وہ جس پر لکھتے تھے اور باقی صف بچھی ہوئی تھی۔ ممتاز مفتی تھوڑی دیر اِدھر اُدھر دیکھ کر کہنے لگے کہ مولوی صاحب! آپ کا سامان کہاں ہے' تو وہ کہنے لگے آپ ہم کو بتاؤ کہ آپ کا سامان کدھر ہے؟ ممتاز مفتی کہنے لگے میں تو مسافر ہوں۔ مولوی صاحب نے کہا میں بھی تو مسافر ہوں۔ کیا جواب تھا۔ اس طرح کے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب کا ایک خادم تھا' وہ اذان دیتا تھا۔ اس نے واسکٹ پہنی ہوئی تھی۔ وہ اندر آ کے کبھی ایک اور کبھی دوسری جیب میں ہاتھ ڈالتا تھا۔ میں سمجھا کہ اسے کوئی خارش کا مرض لاحق ہو گا یا ایک ''جھولے'' کا مرض ہو جاتا ہے اسے وہ ہو گا۔ وہ بار بار جیب دیکھتا تھا۔ اس سے مجھے بڑا تجسّس پیدا ہوا۔ میں نے کہا مولوی صاحب آپ کا یہ خادم کیا بیمار ہے۔ کہنے لگے نہیں' اللہ کے فضل سے بہت صحت مند' بہت اچھا اور نیک آدمی ہے۔ میں نے کہا جی یہ ہر وقت جیب میں ہاتھ ڈال کے کچھ ٹٹولتا رہتا ہے۔ کہنے لگے جی یہ اللہ والا آدمی ہے اور خدا کے اصل بندے جو ہیں وہ ہر وقت جیبوں کی تلاشی لیتے رہتے ہیں کہ اس میں کوئی چیز تو نہیں پڑی جو اللہ کو ناپسند ہو۔ میں نے کہا کہ ہم تو بڑے بدنصیب ہیں اور اس شہر سے آتے ہیں جہاں ناپسند چیزیں ہم جیبوں میں ہی نہیں دل کے اندر تک بھرتے ہیں اور بہت خوش بھی ہوتے ہیں۔ اس طرح کے آدمی یا کردار جب پیدا ہونے لگیں گے تو پھر ظاہر ہے کہ کچھ مشکلات دور ہوں گی اور یہ کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے اور ایک دوسرے کو جاننے کے لیے ہمیں شاید وقت درکار ہو یا ہمیں اپنے اردگرد کے لوگ ویسے نہ نظر آتے ہوں جیسے نظر آنے چاہئیں یا وہ Level ہم نے Create ہی نہ کیا ہو جو بڑے مہذب ملکوں نے کیا ہوا ہے یا جو ہمارے سامنے اور دیکھتے دیکھتے چائنا نے Create کر لیا ہے۔ ہمارے چودہ کروڑ عوام ایک طرف ہیں اور ہم جو مراعات یافتہ لوگ ہیں ہم نے انہیں خود سے

الگ کیا ہوا ہے۔ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بہت بڑی گہری کھائی ہے جو کبھی تو پانی سے بھر جاتی ہے اور کبھی سوکھ جاتی ہے اور پانی سے خالی ہو جاتی ہے۔ اب اس مکالمے میں ہم عطاء الحق قاسمی سے پوچھتے ہیں کہ ہم وہ کونسا راستہ پکڑیں جس میں ہم لوگوں کو آسانیاں عطا فرمائیں اور یہ معاشرتی مسائل جو پیدا ہوتے ہیں یہ پیدا نہ ہوں۔

عطاء الحق قاسمی:۔ اشفاق صاحب! آپ نے جو حقائق بیان کیے ہیں اور جو حکایت بیان کی ہے وہ اس قدر دلچسپ ہے اور اس میں اتنے معانی پوشیدہ ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ اس کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ میں آپ ہی کی بات کو دہرانا چاہتا ہوں کہ ہم 14 کروڑ عوام سب بہت اچھے ہیں۔ ہم میں سے کچھ کو چاہیے کہ اپنے آپ کو برا سمجھیں اور جا کر ان ہی بازاری عورتوں کی طرح گریہ زاری کریں تب شاید ہمارا مسئلہ حل ہو جائے۔

اشفاق احمد:۔ عاصم قادری صاحب آپ بھی کچھ فرمائیں۔

عاصم قادری:۔ لوگ ایثار و قربانی کی شیئرنگ اور مل بانٹنے کی بات کرتے ہیں۔ ہم لوگ ہر گھنٹہ ہر منٹ ایک ایسی بے یقینی اور غربت کی طرف چلتے چلے جا رہے ہیں جہاں پر سوچ کی Maturity ہم سے بہت دور ہے اور ہم میں چھین کے کھا لینے کی حس بیدار ہوتی چلی جا رہی ہے۔ آپ اس مسئلے کو جو مسئلہ ہر دن ہمیں غربت اور بے یقینی کی جانب گھسیٹتا چلا جا رہا ہے اس کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

اشفاق احمد:۔ ہمارے درمیان نیلم احمد شریف رکھتی ہیں۔ وہ اس عہد کی بہت معتبر نوجوان افسانہ نگار اور قلم کار ہیں اس سلسلے میں جس میں ہم پھنسے ہوئے ہیں اس کی بابت ان سے پوچھتے ہیں۔

نیلم احمد:۔ اشفاق صاحب کی بیان کردہ حکایت سے دو باتیں میرے ذہن میں آئیں۔ ایک یہ کہ جن خواتین کا انہوں نے تذکرہ کیا انہیں معاشرتی طور پر اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا لیکن پھر بھی ان کے دل میں ایک مقصد تھا جس کی وجہ سے انہوں نے خدا سے دعا کی اور وہ ایک عظیم تر مقصد تھا۔ دوسری بات جو پانی کی ہے یہ مسئلہ روز اخباروں میں آتا ہے اور اس سے ہم کافی افسردہ بھی ہوتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ ہم سب میں Tolerance کی کمی ہے۔ برداشت کا مادہ شاید کم ہو گیا ہے اور ایک دوسرے کے لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ بھی کافی کم ہے اس لیے اگر ہم میں سے کچھ قطرے کسی کو زیادہ مل جاتے ہیں یا کچھ کم تو ہم لوگ واویلا مچا دیتے ہیں جبکہ یہ پوری قوم کا مسئلہ ہے اگر ایک صوبے کو پانی ملے گا اور دوسرے کو نہیں تو یہ بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔ سارے ملک کو پانی ملے گا اور فصلیں پیدا ہوں گی تو سب ہی خوشحال ہوں گے۔

(عطاء الحق قاسمی درمیان میں بولتے ہیں)

اشفاق صاحب اس حوالے سے ایک بہت ضروری بات میں کہنا چاہ رہا ہوں اور وہ اخباروں

free-urdubook.blogspot.com

کے کردار کے حوالے سے ہے۔ اخبارات اس ایشو کو جس طرح اٹھاتے ہیں میں سمجھتا ہوں وہ بالکل قومی مفاد میں نہیں ہے۔ سیکرٹریوں کی جو میٹنگز ہوتی ہیں یہ بات وہیں تک رہنی چاہیے جبکہ اس کے برعکس یوں لگتا ہے کہ جیسے دو صوبوں کی صف آراء ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف طبلِ جنگ بجا دیا گیا ہے۔ یہ صورتحال قطعاً قومی مفاد میں نہیں ہے۔ اس سلسلے میں اخبارات کو اپنا کردار بہت احتیاط کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔

اشفاق احمد:۔ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں اور گھوم پھر کے بات پھر اسی مرکز پر آ جاتی ہے کہ جب تک ہم میں تعلیم کا فقدان رہے گا اور جب تک تعلیم یافتہ لوگوں کی تربیت درست انداز' خطوط اور سطح پر نہیں ہوگی اس وقت تک ہم ایسی الجھنوں کا شکار ہوتے رہیں گے اور اس میں مبتلا ہوتے رہیں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جو صاحبان اختیار و اقتدار ہیں اور جن کے ہاتھ اور قبضے میں لوگوں کی زندگیوں کی قدرت ہے ان کو دوبارہ اپنے آپ کو بھی درست کرنا چاہیے اور اس تعلیم کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔ اس حوالے سے تربیت کی واقعی ضرورت ہے۔ تربیت حاصل کرنے کے لیے کوئی اور راستہ اختیار کیا جانا چاہیے اور میں تو اکثر ایک ہی بات کہا کرتا ہوں کہ جب تک آپ اپنے 14 کروڑ باقی بھائیوں کو ان کی عزت نفس نہیں لوٹائیں گے آپ پوری طرح سے بٹے رہیں گے اور کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ ان کو ان کی عزت لوٹا دیجیے اور ان کو سلام کیجیے۔ آپ کے گھر دانوں سے بھر جائیں گے اور آپ کی ''چاٹیاں'' مکھن سے لبریز ہو جائیں گی۔ آپ سے اجازت لوں گا۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

free-urdubook.blogspot.com

بندے کا دارو بندہ

ہمارے ہاں آج کل لوگوں کی لوگوں پر توجہ بہت زیادہ ہے اور اس اعتبار سے یہاں اللہ کے فضل سے بہت سارے شفاخانے اور ہسپتال بن رہے ہیں اور جس مخیر آدمی کے ذہن میں لوگوں کی خدمت کرنے کا تصور اٹھتا ہے تو وہ ایک ہسپتال کی داغ بیل ضرور ڈالتا ہے اور پھر اس میں اللہ کی مدد شامل حال ہوتی ہے اور وہ ہسپتال پایۂ تکمیل کو بھی پہنچ جاتا ہے لیکن سارے ہی لوگوں کو کسی نہ کسی جسمانی عارضے میں مبتلا خیال کرنا کچھ ایسی خوش آئند بات نہیں ہے۔ لوگ جسمانی عوارض کے علاوہ ذہنی، روحانی، نفسیاتی بیماریوں میں بھی مبتلا ہوتے ہیں یا یوں کہیے کہ لوگوں پر کبھی ایسا بوجھ بھی آن پڑتا ہے کہ وہ بلبلاتے ہوئے ساری دنیا کا چکر کاٹتے ہیں اور کوئی بھی ان کی دستگیری کرنے کے لیے نہیں ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں ایک یونس مالی تھا۔ وہ بے چارہ بہت پریشان تھا اور وہ یہ سمجھتے ہوئے کہ کوئی ہسپتال ہی اس کے دکھوں کا مداوا کرے گا وہ ایک بہت بڑے ہسپتال میں چلا گیا اور وہاں جا کر واویلا کرنے لگا کہ مجھے یہاں داخل کر لو کیونکہ علاقے کے تھانیدار نے مجھ پر بڑی زیادتی کی ہے اور میری بڑی بے عزتی کی ہے جس کے باعث میں بیمار ہو گیا ہوں۔ اب ہسپتال والے اسے کیسے داخل کر لیں۔ انہوں نے اس سے کہا کہ ہمارے ہاں ایسا کوئی بندوبست نہیں ہے کہ ہم آپ کے دکھوں کا مداوا کر سکیں یا آپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ سکیں یا آپ کی تشفی کر سکیں۔ اس کے لیے تو کوئی اور جگہ ہونی چاہیے اور ہم اس بات سے بھی معذور ہیں کہ آپ کو کوئی ایسی جگہ بتا سکیں۔ یونس بے چارہ پریشان حال سڑکوں پر مارا مارا پھرتا رہا اور اب تک پھرتا ہے اور اس کی تشفی، دستگیری یا حوصلہ جوئی کرنے والا کوئی بھی شخص یا ادارہ نہیں ہے۔ پرانے زمانے میں بطورِ خاص برصغیر اور وسطی ایشیا کے اسلامی ملکوں میں خانقاہیں ہوتی تھیں، ڈیرے ہوتے تھے اور درگاہیں ہوتی تھیں جہاں سے کھانا بھی ملتا تھا اور رہنے اور وقت گزارنے کے لیے جگہ بھی ملتی تھی اور ایسی جگہوں پر ایسے لوگ بھی ملتے تھے جو دکھ بانٹتے تھے اور یونس جیسے دکھی لوگ ان کے پاس اپنے دکھ لے کر جاتے تھے گو وہ ان کے دکھوں کا علاج تو نہیں کر سکتے تھے لیکن جتنے بھی آدمی وہاں جمع ہوتے

free-urdubook.blogspot.com

تھے تو سارے لوگ اکٹھے ہو کر اس دکھی شخص کی دل جوئی کرتے اور اللہ سے اس کے حق میں دعا کرتے کہ اے اللہ اس کا دکھ دور فرما دے اور ایسے ڈیروں، درگاہوں اور خانقاہوں پر موجود سوغاتیں کھانے والے اور لانے والے سب لوگ اس شخص کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے۔ کئی یونسوں کے کندھوں سے کچھ بوجھ اتر جاتا تھا لیکن اب ایسی چیزیں مفقود ہو گئی ہیں کیونکہ نئی تعلیم اور ترقی کے دور نے یہ بات واضح کی ہے کہ اس قسم کے ڈیرے اور درگاہیں اور اس قسم کے زاویے (زاویہ پروگرام کی مثال دیتے ہوئے جہاں کئی لوگ اکٹھے ہوتے ہیں) اور دائرے ہمیں نہیں چاہئیں کیونکہ انسان صرف جسمانی طور پر ہی مریض ہوتا ہے اور اس کی کیمسٹری میں ہی کوئی فرق پڑتا ہے۔ خواتین و حضرات لوگ ایک دوسرے کا سہارا مانگتے ہیں۔ ایک دوسرے کے قریب آنا چاہتے ہیں لیکن ترقی کے اس دور میں ایک دوسرے کے قریب آنے کی ساری راہیں مسدود و مفقود ہو گئی ہیں لیکن پھر بھی انسان اپنے ساتھ والوں کو، اپنے پرکھوں اور آباؤ اجداد کو ساتھ ساتھ اٹھائے پھرتا ہے۔ اگر کسی روشن دن میں آپ اپنا ہاتھ کھول کر دیکھیں تو آپ کو ہاتھ کی ان لکیروں میں ان چوکھٹوں، چوکھڑیوں اور مساموں کے اندر بہت سے ایسے لوگ نظر آئیں گے جن کے جینز موجود ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو آپ کے آباؤ اجداد یا پرکھ تھے۔ ہر وقت ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور آپ کا ہنسنا، بولنا، غصہ اور آپ کی شوخی و ضد آپ کے اندر ان ہی لوگوں کی طرف سے منتقل ہوتی ہے۔ اگر کسی نہ کسی طرح سے آپ ان کے قریب رہیں یا وہ آپ کے قریب رہیں یا آپ کے اردگرد موجود لوگ آپ کو ہاتھ لگا کر محسوس کرتے رہیں یا آپ ان کو Touch کر کے ایک دوسرے کے ہونے کا ثبوت بہم پہنچاتے رہیں تو پھر ایسے ذہنی اور نفسیاتی عارضے لاحق نہیں ہوں گے۔ انسان انسان کی قربت چاہتا ہے اس سے علاج نہیں کروانا چاہتا اور مختلف کمروں میں منتقل ہو کر یہ تقاضا نہیں کرتا کہ میرا کمرہ نمبر 144 یا 213 ہے آپ مجھے وہاں ملنے آ جاؤ۔ لیکن آج کی ترقی ہمیں کمروں میں بند کر کے علاج کروانے کی ترغیب دیتی ہے کہ وقت پر ڈاکٹر آتا ہے اور وقت پر نرس چیک کرتی رہے پھر مشینوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے کہ آپ سی ٹی سکین کے عمل سے گزریں اور دیگر مشینوں سے علاج کروائیں لیکن اس طرح سے علاج ہو نہیں پاتا کیونکہ انسان بکھرا ہوا ہے۔ مجھے اپنے بچپن کے قصبے کا واقعہ یاد ہے۔ قصبوں میں عجیب و غریب قسم کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ منہ کھر کی بیماری لاحق ہو گئی (اب بھی یہ بیماری آئی ہوئی ہے جس میں بے شمار جانور مر جاتے ہیں) تو ہمارے قصبے میں کچھ لوگ آئے جنہیں بھو کے قسم کے لوگ کہا جاتا تھا انہوں نے کھدر کے کئی تھان منگوائے اور شام کو گڈوں (چھکڑوں) پر ان تھانوں کو پھیلا کر (ہم چھوٹے بچے انہیں دیکھتے تھے کہ یہ کیا کر رہے ہیں) بڑے بڑے ہاتھیوں کی شکل بنا (آپ ہاتھیوں سے تو واقف ہوں گے یہ بڑا مویشی ہوتا ہے اور اس سے بڑا کام لیا جاتا ہے سری لنکا میں لوگ اس سے ہل بھی چلاتے ہیں) کر ان گڈو کو دریا

free-urdubook.blogspot.com

کنارے لے گئے اور وہ لوگ ان پر اپنے کچھ مخصوص سے منتر پڑھتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ یا اللہ اس قصبے سے جانوروں کی یہ بیماری چلی جائے۔ میں اب ٹھیک سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایسی چیزوں سے علاج ہوتا تھا یا نہیں لیکن لوگوں کا یہ اجتماع انہیں ایسی طاقت عطا کرتا تھا کہ وہ بیماری پر بڑی شدت اور زور کا حملہ کرتے تھے اسی لیے ہمارے بزرگان دین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مخلوق خدا کا ساتھ دو اور مخلوق خدا کی خدمت کرو اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے کیونکہ مخلوق خدا کی Magnetic Force الٹ کر آپ کے اندر کی جو خرابیاں ہیں وہ بھی ٹھیک کر دے گی اور ان کا بھی علاج کر دے گی۔ میں تقسیم برصغیر کے اتر پردیش کے جس قصبے کا ذکر کر رہا ہوں وہاں مویشیوں کا اس طرح سے علاج کیا جاتا تھا وہاں ایک مرتبہ بارش نہ ہوئی۔ وہاں اکثر ایسا ہو جاتا تھا اور اب اس طرح ہمارے ہاں بھی مسئلہ ہے۔ میرے قصبے والے سخت خشک سالی کے خاتمے کی دعا کروانے کے لیے ایک صاحب دعا کو لے آئے اور اس سے درخواست کی کہ آپ ہمارے قصبے میں دعا کریں کہ ابر رحمت برسے کیونکہ بڑی تنگی ہے۔ اس صاحبِ دعا نے کہا کہ میں قصبے کے کنارے ایک جھونپڑی میں رہوں گا اور کوئی آدمی مجھے Disturb نہ کرے اور پھر میں دعا کروں گا آپ لوگوں کو سات دن تک انتظار کرنا ہوگا چنانچہ ان کے لیے ایک جھونپڑی کا انتظام کر دیا گیا۔ ساتویں دن سے پہلے ہی یعنی پانچویں دن ہی اللہ کا فضل ہو گیا اور بارش ہونے لگی اور ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ لوگ بڑی مٹھائی' سوغاتیں اور پھولوں کے ہار لے کر اس صاحبِ دعا کی جھونپڑی میں آئے تو انہوں نے ہنس کے کہا کہ بھئی میں نے تو کوئی خاص دعا نہیں کی۔ میں نے تو کچھ خاص نہیں کیا' جب آپ لوگ مجھے قصبے میں لائے تھے تو میں نے دیکھا کہ آپ سارے لوگ بکھرے ہوئے اور Dis Order کی کیفیت میں پھر رہے ہیں' بے ہنگم سے ہیں اور کسی کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب ایک آدمی دوسرے کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ دوسرے کو مخاطب کر کے نہ سلام کہتا ہے نہ دعا دیتا ہے بس گزر جاتا ہے۔ میں دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ ان کے اندر Unity کا جو کرنٹ ہے وہ نہیں چل رہا ہے۔ ہر آدمی الگ الگ زندگی بسر کر رہا ہے اور مجھے جانوروں کو دیکھ کر آپ کے رویے سے تکلیف ہوئی کہ یہاں تو چیونٹیاں بہت اچھی ہیں جو جب قطار میں چل رہی ہوتی ہیں اور انہیں جب راستے میں دوسری چیونٹی ملتی ہے تو وہ رک کر دوسری چیونٹی سے اس کا حال ضرور پوچھتی ہے (اگر آپ نے بھی کبھی غور سے دیکھا ہو تو آپ نے بھی یہ مشاہدہ ضرور کیا ہوگا) اور میں یہ دیکھ کر ایک الگ جھونپڑی میں چلا آیا اور میں نے اپنے آپ کو ہی مجتمع کیا کیونکہ آپ لوگوں کے ساتھ رہنے سے میری ذات بھی بٹ گئی تھی اور الگ الگ حصوں بخروں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ میں اس لیے الگ تھلگ بیٹھا رہا اور پھر میں نے اللہ کے فضل سے محسوس کیا کہ آپ لوگوں کے اندر بھی تعاون اور یکجہتی اور یگانگت پیدا ہونے لگی ہے۔ کیونکہ میری خدا سے یہی دعا تھی۔ جب آپ لوگوں میں یگانگت پیدا ہونے

free-urdubook.blogspot.com

لگی تو آپ کے اردگرد کے موسم اور ان بخارات میں بھی یکجہتی پیدا ہونے لگی اور مل کر بادل بنتے ہیں چنانچہ بادل بنے اور برکھا ہوئی۔ میں نے تو کوئی کام یا کمال نہیں کیا اور نہ ہی میں نے بارش کے لیے دعا مانگی ہے بلکہ میں تو اس جھونپڑی میں بیٹھ کر اس بات پر زور دیتا رہا ہوں کہ آپ میں اتحاد ہو اور آپ کی سوچ میں اتحاد ہو۔ میں نے اس دوران آپ کو پہچانا ہے اور محسوس کیا ہے کہ آپ کیا خطا ہے۔ ہمارے بابا جی تھے وہ رات کو کبھی ڈیڑھ کبھی دو بجے تہجد کے بعد ہمیں درس دیا کرتے تھے۔ وہ وقت بڑا خاموش لمحہ ہوتا ہے اور وہاں چند ایک آدمی ہوتے تھے۔ درس کے بعد پھر فجر کی نماز آ جاتی تھی اور سلام پھیرنے کے بعد روشنی آنے لگتی تھی۔ ایک روز فجر کی نماز سے قبل بابا جی نے پوچھ کہ بتاؤ ''اندھیرا روشنی میں کب تبدیل ہوتا ہے اور اجالا کب ہوتا ہے۔''

وہاں ہمارے دوست ڈاکٹر صاحب تھے وہ ہم سے بڑے تھے اور بڑے ذہین آدمی تھے۔ انہوں نے کہا کہ سرکار جب آدمی کو دور سے یہ نظر آنے لگے کہ یہ کون سا جانور ہے تو تب اجالا ہو رہا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہ جب کتے اور بکری کی پہچان واضح طور پر ہونے لگے تو روشنی ہو رہی ہوتی ہے۔ وہاں آفتاب صاحب جنہیں ہم سیکرٹری صاحب کہتے تھے انہوں نے کہا کہ جب درخت اچھی طرح سے نظر آنے لگیں اور آدمی کی نگاہیں یہ بھانپ جائیں کہ یہ درخت نیم یا شہتوت کا ہے تو روشنی قریب تر آ جاتی ہے۔

بابا جی نے کہا کہ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ روشنی تب ہوتی ہے جب آپ ایک شخص کو دیکھ کر یقین کے ساتھ یہ کہنے لگیں کہ یہ میری ہمشیرہ ہے۔ یہ میرا بھائی ہے۔ جب انسانوں کے چہرے آپ پہچاننے لگیں اور آپ کو ان کی پوری شناخت ہو جائے تو اس کے بعد اجالا ہوتا ہے۔ جانور یا نباتات کو جاننے سے اجالا نہیں ہوتا ان کا مطلب یہ تھا ''آدمی آدمی کا دارو ہے۔''

آدمی جب آدمی کے قریب آئے گا تو پھر ہی کچھ حاصل ہوگا جب یہ دور جائے گا تو پھر کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ آج کل آپ افغانستان کی جنگ کے حوالے سے ڈیزی کٹر بم کی بڑی بات کرتے ہیں کہ اس نے ایسا کام کیا کہ پتھروں کو ریت میں تبدیل کر دیا اور ہزاروں انسانوں کو چشم زدن میں تہ تیغ کر دیا۔ ڈیزی کٹر کا ذکر کرتے ہوئے میں کئی لوگوں کے چہروں پر عجیب طرح کی فتح مندی کے آثار دیکھتا ہوں۔ یہ چشم زدن میں انسانی و نباتاتی تباہی کرنے والے آلات یا بم ترقی یا روشن مستقبل کی دلیل ہرگز ہرگز نہیں ہے کیونکہ جب تک انسان انسان کے قریب نہیں آئے گا اور اس کے دکھوں کا ''دارو'' نہیں کرے گا بات نہیں بنے گی۔

ایک بڑے اچھے جلد ساز تھے اور ہم سب علم دوست ان سے مخصوص کاغذوں کی جلدیں کروایا کرتے تھے۔ یہ ہماری جوانی کے دنوں کی بات ہے اور اس جلد ساز کا نام نواز محمد تھا۔ جب ہم

free-urdubook.blogspot.com

ایم۔اے میں پڑھتے تھے تو ہمارا ایک دوست نشے کا عادی ہو گیا۔ ہم چونکہ سمجھدار پڑھے لکھے اور سیانے دوست تھے ہم اسے مجبور کرنے لگے کہ تمہیں یہ بری عادت چھوڑ دینی چاہیے ورنہ ہم تمہارا ساتھ نہیں دے سکیں گے اور ہم تمہارے ساتھ نہیں چل سکیں گے۔ وہ بے چارہ ایک تو نشے کی لعنت میں گرفتار تھا دوسرا وہ روز ہماری جھڑکیاں سہتا تھا جس کے باعث وہ ہم سے کنارہ کشی کرنے لگا۔ محمد نواز جلد ساز بڑے خوبصورت دل کا آدمی تھا۔ ہر وقت مسکراتا رہتا تھا۔ گو وہ اقتصادی طور پر ہمارے دائرے کے اندر نہیں تھا لیکن وہ خوشگوار طبیعت کا مالک تھا۔ اس نے ایک دن اس آدمی (ہمارے دوست) کا ہاتھ تھام کر کہا کہ بھلے تم نشہ کرو اور جتنا مرضی کرو مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے اور تو چاہے نشہ کرے یا نہ کرے میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں، تو ہمارا یار ہے اور یار ہی رہے گا۔ اس نے کہا کہ پنجابی کا ایک محاورا ہے کہ یار کی یاری دیکھنی چاہیے یار کے عیبوں کی طرف نہیں جانا چاہیے۔ خواتین و حضرات آپ یقین کیجیے کہ بغیر کسی طبی علاج اور ماہر نفسیات کی مدد کے جب ہمارے نشئی دوست کو محمد نواز جلد ساز کا سہارا ملا تو وہ نشے کی بری اور گندی عادت سے باہر نکل آیا اور صحت مند ہونا شروع ہو گیا۔ انسان کو انسان ہی سہارا دے سکتا ہے۔ اب ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ کیا انفرادی طور پر ہی کسی کا ساتھ دیا جا سکتا ہے یا پھر انسان مدد کے لیے ادارے ہی بناتا رہے۔ پرانے زمانے میں اس بات کی بڑی تلقین کی جاتی تھی کہ "مخلوق خدا کا ساتھ دیں" کیونکہ جب تک ان کا ساتھ نہیں دیں گے ان کی طرف سے آنے والی طاقت آپ تک نہیں پہنچ پائے گی۔ مجھے وہ بات یاد آ رہی ہے جو میں نے شاید ٹی وی پر ہی سنی ہے کہ ایک اخبار کے مالک نے اپنے اخبار کی اس کاپی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جس میں دنیا کا رنگین نقشہ تھا اور اس نقشے کو 32 ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اور اپنے پانچ چھ سال کے کمسن بیٹے کو آواز دے کر بلایا اور اس سے کہا کہ لو بھئی یہ دنیا کا نقشہ ہے جو ٹکڑوں میں ہے تم اسے جوڑ کر دکھاؤ۔ اب وہ بے چارہ تمام ٹکڑے لے کر پریشان ہو کے بیٹھ گیا کیونکہ اب سارے ملکوں کے بارے میں کہ کون کہاں پر ہے کوئی میرے جیسا بڑی عمر کا آدمی بھی نہیں جانتا ہے۔ وہ کافی دیر تک پریشان بیٹھا رہا لیکن کچھ دیر کے بعد اس نے تمام کا تمام نقشہ درست انداز میں جوڑ کر اپنے باپ کو دے دیا۔ اس کا باپ بڑا حیران ہوا اور کہا کہ بیٹے مجھے اس کا راز بتا کیونکہ اگر مجھے یہ نقشہ جوڑنا پڑتا تو میں اسے نہیں جوڑ سکتا تھا۔

اس پر اس لڑکے نے کہا کہ بابا جان میں نے دنیا کا نقشہ نہیں جوڑا بلکہ نقشے کے دوسری طرف ایک سیفٹی بلیڈ کا اشتہار تھا اور اس میں ایک شخص کا بڑا سا چہرہ تھا جو شیو کرتا دکھایا گیا تھا۔ میں نے سارے ٹکڑوں کو الٹا کیا اور اس آدمی کو جوڑنا شروع کر دیا اور چار منٹ کی مدت میں میں نے پورا آدمی جوڑ دیا۔ اس لڑکے نے کہا کہ بابا اگر آدمی جڑ جائے تو ساری دنیا جڑ جائے گی۔ خواتین و حضرات میں یہی درخواست اپنی ذات سے بھی کرتا ہوں کہ کاش جانے سے پہلے ایک ایسی صورت پیدا ہو کہ ارد گرد

free-urdubook.blogspot.com

بسنے والے لوگ اور انسان اور اپنے عزیز واقارب اور ان کے علاوہ لوگوں میں محبت' الفت اور یگانگت پیدا ہو جائے اور وہ اچھے لگنے لگیں اور اتنے اچھے لگنے لگیں جتنی اپنی ذات اچھی لگتی ہے' لیکن ایسے ہوتا نہیں ہے۔ ہم تو رفاعی ادارے بنانے پر لگے ہوئے ہیں۔ ماشاءاللہ یہ کام قابل داد ہے۔ ضرور بنائیں لیکن انفرادی طور پر انسانوں کا خیال رکھیں۔ لوگ عام طور پر سسٹم کی بات کرتے ہیں۔ انسان کی بات نہیں کرتے۔ گورنمنٹ کالج (جس کا نام اب گورنمنٹ کالج یونیورسٹی ہے) کے پیچھے ایک محلّہ ہے جہاں سے سٹیشنری کی چیزیں ملتی ہیں۔ میں وہاں سے کبھی کاپیاں' کاغذ' لفافے وغیرہ خریدنے چلا جاتا ہوں۔ کچھ عرصہ قبل میں وہاں گیا تو ایک دکان پر اسّی پچاسی سال کا بوڑھا آدمی بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ اسی عمر کی اس کی بیوی بیٹھی تھی۔ آخر بوڑھا آدمی سخت مزاج تو ہو ہی جاتا ہے اس طرح وہ بوڑھا شخص اپنی بیوی کی جان عذاب میں ڈال رہا تھا اور اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا ''مرجا مرجا' آخر تو نے مرتو جانا ہی ہے اور مجھے اس بات کا پتہ ہے لیکن تیرے مرنے کی مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے تو مرجا دفع ہو جا۔''

وہ کہنے لگی ''میں نئیں مردی جدوں اللہ دا حکم ہوئے دا او دوں مراں گی۔'' میں نے اس سے کہا بابا کیا بات ہے اس سے کیوں لڑتا ہے۔ کہنے لگا میں اس کے لیے دوائیاں لایا ہوں لیکن یہ کھاتی نہیں ہے اور جب یہ انہیں کھائے گی نہیں زندہ نہیں رہے گی اور جب یہ زندہ نہیں بچے گی تو میں بھی زندہ نہیں بچوں گا اور اس کا دوائی کھانا میری خود غرضی کا معاملہ ہے۔ یہ تو ایک تعلق کی بات ہوتی ہے اور بابا اسی بات پر ناراض ہو رہا تھا۔ اس کا اس بڑھیا سے گہرا تعلق تھا اور وہ اس تعلق کا خاتمہ نہیں چاہتا تھا۔ کوئی لڑائی جھگڑا ہو' محبت ہو یا کوئی گیت گا رہا ہو تو یہ باتیں انسان اور انسان کے درمیان ہوتی ہیں اور یہ انسان کو ایک دوسرے کے قریب لا رہی ہوتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب تک انسان انسان کے قریب نہیں آئے گا تب تک وہ سب کچھ ہونے کے باوصف کچھ نہیں ہو سکے گا جس کی ہمیں آرزو ہے اور جس خواہش اور آرزو کے لیے ہم اپنا دامن پھیلائے رکھتے ہیں اور اس آس میں زندہ رہتے ہیں کہ وہ جنت ارضی کہاں ہے جس کی ہمیں تلاش ہے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ آمین۔ اللہ حافظ۔

''عالمِ اصغر سے عالمِ اکبر تک''

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔ ہمارے ہاں بڑی دیر سے عالمِ اکبر کا تصور چلا آ رہا ہے اور اس پر بڑا کام بھی ہوا ہے اور اس کے بارے میں صاحبِ حال لوگ جانتے ہیں اور جو اس میں سے گزرے ہیں ان کی کیفیت ہم لوگوں سے ذرا مختلف رہی ہے۔

Macrocosm (عالمِ اکبر) کے ساتھ ساتھ Microcosm (عالمِ اصغر) کا بھی سلسلہ چلا' کہ جو کچھ ہے وہ اس کی (خدا) طرف سے ہے۔ مغرب کے لوگ خاص طور پر امریکہ اور روس نے اس موضوع پر بڑا کام کیا ہے۔ ہمارے ہاں مشرق میں مولانا رومؒ نے اور ان کے بعد مولانا رومؒ کے شاگرد حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے بھی اس پر بہت کچھ کہا' لکھا اور بتایا ہے لیکن اس کے اسرار آہستہ آہستہ اس وقت کھلنے لگے جب مغرب میں Parapsychology کا علم بطور خاص پڑھایا جانے لگا اور اس کی تفاسیر باہر نکلنے لگیں۔ امریکہ کی انیس کے قریب یونیورسٹیوں جن میں نارتھ کیرولینا کی یونیورسٹی بہت معروف ہے وہ اس سلسلے میں بہت آگے ہے۔ بھارت کی گیارہ کے قریب یونیورسٹیاں بھی اس پر کام کر رہی ہیں۔ ہم اس پر کام نہیں کرتے کیونکہ اس کو وقت کا ضیاع خیال کرتے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ یہ بالکل دقیانوسی تصور ہے لیکن West نے جو تصور قائم کیا ہے وہ Macrocosm اور Microcosm کا تصور تھا جسے عالمِ اکبر اور عالمِ اصغر کہتے ہیں۔ مغرب والے کہتے ہیں کہ عالمِ اکبر تو وہ کائنات ہے جو آپ کے اردگرد پھیلی ہوئی ہے اور عالمِ اصغر ''میں'' ہوں یعنی چھوٹا سا ایک وجود' میرے سے لے کر مینڈک کا وجود۔ اب اس بات پر غور ہو رہا ہے اور بڑی اچھی لائنوں اور خطوط پر سوچا جا رہا ہے کہ کیا عالمِ اکبر کا عالمِ اصغر کے اوپر کوئی اثر پڑتا ہے یا عالمِ اصغر کا کوئی کیا ہوا کام عالمِ اکبر پر پہنچتا ہے؟

کیا یہ بات سچ ہے کہ

لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

وہ اس نتیجہ پر پہنچے (خاص طور پر ویانا یونیورسٹی کے پروفیسر) ہیں کہ اس کا بڑا شدید اثر پڑتا

free-urdubook.blogspot.com

ہے اور وہ بات جس پر ہم ہنسا کرتے تھے کہ جی ستاروں کا آدمی کے ساتھ اور اس کی قسمت کے ساتھ کیا تعلق؟ ستارہ ستارہ ہے اور اس کی اپنی گردش اور اپنی چال ہے اور آدمی یہاں بیٹھا ہے آخر تعلق کیسے ہوسکتا ہے۔ لیکن علم بتاتا ہے کہ نہیں آدمی یہاں ایسے ہی بیٹھا نہیں ہے اس کے "پُرکھوں" اور Arche Types کے ذریعے ایک پورا عمل جاری ہے۔

میں معافی چاہتا ہوں کہ میں ایسے ہی Technically Detail میں چلا گیا۔ میں یہ بات آپ سے اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ 1953ء میں میں پہلی مرتبہ انگلستان گیا۔ میرے لندن میں بڑے پیارے دوست تھے جن سے ملے ہوئے مجھے ایک عرصہ ہوگیا تھا۔ جن میں جاوید، اعجاز، الیاس، گربخش اور جگجیت سنگھ وغیرہ شامل تھے۔ یہ سارے لوگ بی بی سی میں بھی کام کرتے تھے اور انہوں نے اپنی پڑھائی بھی جاری رکھی ہوئی تھی۔ اس وقت بی بی سی کا ٹی ہاؤس ایک ایسی جگہ تھی جہاں ہم سارے اکٹھے ہوتے تھے اور گپیں ہانکتے تھے۔ وہاں پر ہمارا جو دوست الیاس تھا وہ بڑا خاموش طبع آدمی تھا۔ وہ سدھانیہ سے پاکستان اور پھر یہاں سے انگلستان چلا گیا تھا۔ اسے بائیں کان سے سنائی نہیں دیتا تھا۔ لاہور میں اس نے آپریشن بھی کروایا مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ اس نے لندن سے بھی آپریشن کروایا لیکن ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس کا یہ مسئلہ لاعلاج ہے۔ پہلے اس نے چارٹرا کاؤنٹنگ کا کام شروع کیا لیکن وہ اس میں ناکام ہوگیا پھر اس نے بیرسٹری والا پڑھائی کا سلسلہ شروع کیا جو اس کے دوسرے دوست کر رہے تھے۔ اس میں بھی اس کا دل نہ لگا۔ یہ بس عجیب آدمی تھا۔ ایک دن ہم شام کو بیٹھے ہوئے تھے تو جگجیت کہنے لگا "اوئے تم تو ہم سکھوں سے بھی گئے گزرے ہو، یہ تمہاری اردو زبان بھی کیا زبان ہے اس میں تم لکھتے "خ و آ ب" ہو اور اسے پڑھتے "خاب" ہو۔ لکھتے "خ و ش" ہو اور پڑھتے "خوش" ہو۔ یہ تو کوئی زبان نہ ہوئی۔ اعجاز یہ سن کر کہنے لگا۔ دیکھو بھئی گرائمر کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ کافی دیر تک یہ بحث ہوتی رہی اور ہم بڑے غور سے اسے سنتے رہے۔ میں نے بھی اپنے علم کے مطابق اس موضوع پر بات کی۔ الیاس ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ جگجیت سنگھ "ایہہ جیہڑی خواب دے وچ "و" اے نا، ایہہ کہندی اے میں نئیں بولدی بس اپنا ای رازاے" وہ اس مزاج کا آدمی تھا اور وہ کہتا تھا کہ "بس میں نئیں بولدی" وہ ذرا دھیما اور ڈھیلا سا آدمی تھا۔ مجھے اعجاز کہنے لگا کہ تو الیاس سے پوچھ کہ اس کے ساتھ یہاں کیا واقعہ گزرا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیوں بھئی تیرے ساتھ کیا ہوا؟ کہنے لگا یار میں نے ایک پڑھائی شروع کی، پھر وہ چھوڑ دی۔ پھر دوسری کی اس میں بھی دل نہ لگا۔ میں تھوڑا سا پریشان تھا اور ایک دن شام کے وقت آرہا تھا اور مجھے سینٹ جونز ووڈ سٹریٹ سے ہو کے البرٹ روڈ پر جانا تھا۔ البرٹ روڈ کراس کر کے پھر میں ریجنز پارک جانا تھا۔ میں Potato Chips کھاتا جا رہا تھا اور سڑک سنسان تھی۔ ایک اور سنسان گلی کے درمیان میں میں جب پہنچا تو ایک لمبے

free-urdubook.blogspot.com

تڑبے امریکن سیاح نے مجھ سے کہا کہ Do you know the hide park?

اور میں نے اس سے پتہ نہیں کیوں کہہ دیا کہ Yes i know but i do not tell you.

کیونکہ اس طرح کا جواب دینے کا کوئی "تک" نہیں تھا۔ وہ امریکی سیاح "گھیسو" تھا اور اس نے "کھبے" (بائیں) ہاتھ کا ایک گھونسا میری کنپٹی پہ مارا اور میں گھٹنوں کے بل زمین پر گر گیا۔ جب میں گھٹنوں کے بل گر گیا تو میں نے سر اٹھا کر اس سے کہا Thank you very much.

اور اس امریکی نے برجستہ کہا: You are well come.

الیاس نے کہا کہ میں اس کے یہ الفاظ تو سن سکا لیکن پھر بے ہوش ہو گیا اور وہیں پڑا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد مجھے ہوش آیا تو مجھے شرمندگی اس بات پر تھی کہ میں نے اسے "تھینک یو" کیوں کہا۔ مجھے چاہیے تھا کہ اسے جواباً مارتا یا پھر نہ مارتا۔ الیاس اب دوستوں کے تنگ کرنے پر جواز یہ پیش کر رہا تھا کہ غالباً اس کا جو گھونسا تھا وہ میری کنپٹی کے ایسے مقام پر لگا تھا جہاں سے شریانیں دماغ کے اس حصے میں جاتی ہیں جو بڑا ہی شکر گزار ہوتا ہے اور وہ تھینک یو، تھینک یو کہتا ہے اور میں نے اسے مجبور ہو کر Thanak you کہہ دیا۔

الیاس نے مزید بتایا کہ اگلے دن جب وہ صبح سویرے اٹھا (میرے پاس ایک الارم تھا جو جب چلتا تھا تو اس کے ساتھ بی بی سی ریڈیو کی نشریات چلنا شروع ہو جاتی تھیں) اور جب آلارم کے ساتھ ریڈیو چلا تو میں حیران رہ گیا کہ اس کی آواز کچھ عجیب سی تھی چنانچہ جب میں نے اپنے دائیں کان میں انگلی ڈال کے بند کیا تو میرا بایاں کان ڈن ڈنا ڈن کام کر رہا تھا۔ میں پھر چیخ مار کے باہر نکلا اور اپنی لینڈ لیڈی سے لپٹ گیا اور خوشی سے کہا کہ I can Listen and Hear from Both Ears.

وہ بھی بڑی خوش ہوئی اور کہا کہ Realy Ilyas!

میں نے کہا بالکل تم کچھ لفظ بولو اور اس طرح وہ میرا ایک کان بند کر کے ٹیسٹ لیتی رہی۔

الیاس کہنے لگا کہ میں اب سوچتا ہوں کہ کیا یہ حادثاتی واقعہ تھا؟ ایسے ہی ہو گیا یا ایک آدمی کو کیلی فورنیا سے نیو یارک نیو یارک سے لندن بھیجا گیا اور وہ چلتا ہوا اور سارا سفر طے کر کے یہاں پہنچا اور عین اس وقت اس گلی میں پہنچا جب کہ مجھے بھی وہاں سے گزرنا تھا اور ایک شریف آدمی کی طرح میں نے اسے راستہ بتانا تھا جو دراصل میری طرف سے حماقت کے مترادف تھا اور میں نے اس کے برعکس اسے کیوں کہا کہ ہاں راستہ تو جانتا ہوں بتاؤں گا نہیں۔

یہ سب کچھ کیا ہے؟ اور اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ اور کیا ہم بڑی کائنات میں جو عالم اکبر ہے اس کے ساتھ وابستہ ہیں اور جو کچھ وہاں سے طے ہوتا ہے یا لکھا گیا ہے اور کیا اس لکھے کے مطابق سارے کام ہو رہے ہیں یا یہ کہ ہمارے سارے افعال انفرادی طور پر طے پاتے ہیں۔ یہ بات ان

free-urdubook.blogspot.com

دنوں بی بی سی کی کینٹین میں زیر بحث تھی لیکن کوئی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچتا تھا اور سارے الیاس کو اس کی خام خیالی اور نالائقی کی بات ہی قرار دیتے تھے۔ اس وقت شاید عالمِ اصغر اور عالمِ اکبر کا علم اس قدر آگے نہیں بڑھا تھا۔ ہم جب بھی اس حوالے سے بحث کرتے ہیں تو اکثر بہت میں یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ پر پورا ایمان ہو اور اگر انسان کو اپنی ذات پر اعتماد ہو یا اگر انسان کی خودی بلند ہو تو وہ کچھ کر سکتا ہے۔ پھر خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب تو کتابی باتیں ہیں اور ٹیکسٹ کی باتیں ہیں جو ہم نے پڑھی ہوئی ہیں۔ ہم تو یہ پوچھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ہم اللہ پر ویسا اعتماد کیسے لائیں جیسا کہ ہونا چاہیے اور جس طرح کے اعتماد کو ہم ذکر کرتے ہیں میرے ابا جی نے بتایا تھا کہ اللہ میاں ہوتے ہیں اور میں اس بات کو لے کر چلا آ رہا ہوں۔ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں' فوت ہو جاؤں گا اور اس کا محض یہی تصور میرے ساتھ رہے گا۔ زندگی کے اور بھی تو بہت سارے معاملات ہیں۔ ان میں ہمارا کتابی اور ٹیکسٹ بک کا علم وہ ہمیں ایک بات فیڈ کر دیتا ہے لیکن وہ ہمارا سہارا نہیں بنتا۔ آگے نہیں لے جاتا لیکن جو مرشدوں اور گروؤں کا علم ہوتا ہے وہ انفارمیشن کے علم سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ انفارمیشن کا علم وہ ہے جو ہم اور آپ نے حاصل کیا ہے۔ یہ علم ہمیں اطلاعات کے طور پر ملتا ہے اور استاد اور طالب علم کے درمیان ہمیشہ ایک فاصلہ ہوتا ہے اور علم دور کھڑے ہو کر یا بلیک بورڈ کے پاس کھڑے ہو کر یا چاک سے لکھ کر دور بیٹھے سٹوڈنٹس کو فراہم کیا جاتا ہے اور یہ فلائنگ علم Flying Kiss کی طرح سے پہنچتا ہے اور ایسے ہی اثر انداز ہوتا ہے جیسے Flying Kiss اثر انداز ہوتی ہے (اس مثال پر معافی چاہتا ہوں) لیکن گرو کا جو علم وہ اس سے مختلف ہے۔ یہ اس لیے مختلف ہے کہ گرو اور چیلے کے درمیان یا مرشد اور مرید کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہوتا اور فاصلہ رکھا نہیں جاتا۔ قربت ہوتی ہے۔ مرشد چٹائی پر بیٹھ کر مرید کو تعلیم دیتا ہے اور مرشد تعلیم حاصل کرتا ہے۔ اکثر و بیشتر اس کے ہاتھ گرو کے پاؤں پر ہوتے ہیں یا زانوؤں پر ہوتے ہیں۔ اتنی قربت کے باعث وہ اپنے استاد یا مرشد کے اتنا قریب آ جاتا ہے کہ وہ اس کو بہت اچھا لگنے لگتا ہے اور اسے اپنے گرو یا مرشد سے پیار ہو جاتا ہے اور ایک دن ایسا ہوتا ہے کہ وہ شاگرد شوق میں آ کے اور فرطِ محبت سے اپنے گرو کی ''چھنگلی'' کھا جاتا ہے۔ گرو اس کو نہ منع کرتا ہے اور نہ اس کو انکار کرتا ہے اور اسے کھانے دیتا ہے۔ دوسرے دن شاگرد اس کی دوسری ''چھنگلی'' بھی کھا جاتا ہے اور آہستہ آہستہ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے وہ سارے مرشد کو کھا جاتا ہے۔ اب مرشد اس کے پیٹ کے اندر ہے اور معدے میں اتر کر اس کی رگ رگ میں سرائیت کر گیا ہے اور مرشد کا سارا علم سارے کا سارا مرید کے بدن کے اندر خون کی صورت دوڑنے لگتا ہے۔ اس لیے آپ نے دیکھا ہو گا کہ آستانوں پر جب میلاد یا درود شریف کی محفل ہوتی ہے تو (خاص طور پر سلسلہ نقشبندیہ میں کیونکہ میں نے ولایت میں اکثر ایسے ہی دیکھا ہے۔ لندن اور نیویارک میں بھی وہاں انگریز ترک بھی خوب درود شریف پڑھتے ہیں) تو وہاں کھڑے ہو کر ایک

free-urdubook.blogspot.com

شجرہ پڑھا جاتا ہے جس میں شاعری نہیں ہوتی۔ وہ ایسے ہی ہوتا ہے کہ

"میرے پیر اولیاؒ کے واسطے

حضرت نظام الدینؒ کے واسطے"

وہ اس طرح سے پڑھتے چلے جاتے ہیں اور ایک کے بعد ایک گرو کا نام آتا چلا جاتا ہے۔ وہ اس بات کا اشارہ ہوتا ہے۔ دوسرے نے پہلے سے علم حاصل کیا اور اس طرح یہ پٹی آگے چلتی جاتی ہے۔ اس طرح سے علم آگے سے آگے عطا ہوتا ہے۔ ولایت کی طرح ڈگریاں عطا نہیں ہوتیں۔ گرو کے علم میں یہ آسانی ہوتی ہے کہ آپ کو کتابی علم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آپ ایسی جو بھی بات جس میں مرشد یا گرو بولتا ہے وہ کرتے ہیں تو وہی ہوگی جو مرشد کرتا رہا ہے۔ آپ منہ میں روٹی کا ایک لقمہ رکھ کے تین دن گھومتے رہیں وہ آپ کی نشوونما کا باعث نہیں بن سکے گا۔ جب تک کہ وہ آپ کے معدے میں نہ اتر جائے اور معدے میں اتر کر آپ کے خون کا حصہ نہ بن جائے اور پھر آپ کو تقویت عطا ہوتی ہے۔ میں آپ اور ہم سب منہ کے اندر رہے علم کو ایک دوسرے کے اوپر اگلتے رہتے ہیں اور پھینکتے رہتے ہیں اور پھر اس بات کی توقع کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ہم کو اس سے خیر کیوں حاصل نہیں ہوتی۔ حالانکہ میں نے یہ بات بڑی اچھی کی تھی اور بڑی سوچ سمجھ کے کی تھی اور وہ بات جو گرو آپ کو عالمِ اکبر سے عالمِ کبیر کے ساتھ وابستہ کر کے دیتا ہے اور اس کے اسرار و رموز بیان کرتا ہے جبکہ کتابی صورت میں صرف اپنا آپ پیش کر کے یا اپنے آپ کو فولڈر بنا کے پیش کیا جاتا ہے۔ میرا یہ ذاتی خیال ہے کہ واقعی جو عالمِ صغیر ہے جو میں ہوں' جو آپ ہیں یہ سارے کے سارے بنی آدم ادائے یک جگرن کی طرح سے ہیں اور جب اقبال کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ انسان تو بڑی حدیں عبور کر کے کئی بار تو عالمِ کبیر سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔

بات الیاس میاں سے کہاں چلی گئی لیکن اگر وہ واقعی عالمِ اصغر اور عالمِ اکبر میں کسی وابستگی کو جاننے کے خواہاں ہیں تو اس کے لیے ہمارے بزرگوں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ اگر آپ اپنے نفس کو جان جائیں تو پھر آپ خدا کو جان لیتے ہیں' پا سکتے ہیں اور جب خدا کو جان جائیں گے تو پھر آپ عالمِ اکبر سے بھی آگے گزر جائیں گے۔ اپنے نفس کو جاننے کے لیے بڑی اہم بات اور فارمولہ یہ ہے کہ شام کے وقت آپ مغرب کی نماز کے بعد دیوار کے ساتھ "ڈھو" لگا کر اپنے آپ کو اور اپنے اس چھوٹے سے چوزے کو تلاش کریں جو بہت بڑے بڑے تختوں کے نیچے چھپا ہوا ہے۔ وہ چوزا ہمارا نفس ہے۔ اس کے اوپر ہم نے بڑے بڑے تختے لگائے ہوئے ہیں۔ ایک تختہ ہوتا ہے دانشور' ایک ہوتا ہے پہلوان۔ ایک لیڈر کے نام کا ہوتا ہے۔ ایک امیر آدمی کے نام سے ہوتا ہے تو دوسرا کسی اور نام کا۔

اس طرح ہم بچپن سے لے کر اوپر تک بہت سارے "پھٹے" لگاتے چلے جاتے ہیں تو جب

ہمارا چوزا باہر بازار میں نکلتا ہے تو یہ تختے کھڑ کنے لگتے ہیں اور سارے لوگ دیکھتے ہیں کہ جناب وہ ہیرو جا رہا ہے۔ جناب وہ رائٹر جا رہا ہے۔ یہ اشفاق صاحب ہیں جی اور دانشور ہیں۔ اگر کوئی باہمت آدمی جس طرح کچھ لوگ کرتے بھی ہیں وہ ہمت سے زور لگا کر' کندھا دے کر ان پھٹوں یا تختوں کے نیچے سے اپنے نفس کو نکال کر اس کی اصل شکل وصورت سے آشنائی حاصل کر کے عالمِ اکبر سے وابستہ ہو کر بہت آگے نکل جاتے ہیں اور وہ جو کہا گیا ہے کہ "جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔" اور رب کو پہچان لینے کے بعد کوئی مشکل رہ ہی نہیں رہ جاتی ہے۔ دنیاوی زندگی میں سب سے مشکل کام اس تختے کو ہٹانا ہے جو ہم نے بڑی محنت سے بڑے بڑے وزنی صندوقوں میں اپنے اوپر بٹھا رکھے ہیں۔ اب یہ سب آپ کے سامنے ہے۔ میں تو ساری زندگی ان تختوں کو لیٹا نہیں سکا۔ میں تو ان پھٹوں تختوں سمیت ہی لحد میں جاؤں گا اور فرشتے وہ تختے دیکھ کر حیران ہوں گے کہ یہ کن چیزوں کو اپنے ساتھ لگائے پھرتا ہے جس طرح لوگ اپنی ڈگریوں کو فریم کر کے لگاتے ہیں' ہمارے بزرگ اپنے نفس کی تلاش کے کام کو تلاوت الوجود کہتے ہیں کہ اپنے وجود کی تلاوت کرو۔ الیاس میاں ابھی تک لندن میں ہی ہے لیکن ابھی تک وہاں اس کا دل نہیں لگا اور وہ ابھی تک یہی سمجھتا ہے کہ "خواب" کی "؛" ہم سب سے ناراض ہے اور وہ کہتی ہے کہ جا میں نہیں بولتی۔ بڑی مہربانی' آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

انسانوں کا قرض

میری زندگی میں عجیب وغریب واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں اور ان میں سے کچھ کچھ میں آپ کی خدمت میں بھی پیش کرتا رہتا ہوں۔ اکثر لوگ مجھے راستہ روک کر پوچھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ایسے واقعات کیوں پیش نہیں آتے جس طرح کے آپ کے ساتھ پیش آتے ہیں تو میں ان سے عرض کرتا ہوں کہ میں تھوڑا وصول کنندہ یا (Receptive) ہوں اور جو Vibration آپ اپنے بدن یا وجود میں رکھتے ہیں وہ باہر کی وائبریشن (ارتعاش) سے مل جاتا ہے اور پھر وہی کچھ ہونے لگتا ہے جس کی آپ کے اندر کو توقع تھی یا جس کا انتظار تھا۔ میں ہر روز صبح سویرے اپنے بستر سے ہمیشہ ایک دستک پر بیدار ہوتا ہوں اور جب میں دروازہ کھولتا ہوں اور جب میں دروازہ کھولتا ہوں تو میرے گھر کے دروازے پر ایک سر پر ٹوپ لگائے ہوئے' چیک کا سوٹ پہنے ہوئے اور ہاتھ میں رولر پکڑے ہوئے ایک شخص کھڑا ہوتا تھا۔ وہ میرے گھر کے دروازے کو زور سے بجاتا ہے اور جب میں باہر نکل کر اس سے ملتا ہوں تو وہ مجھے ہمیشہ ایک ہی بات کہتا ہے کہ ''آپ کے ذمہ میرا قرض واجب ہے' وہ قرض لوٹایئے۔''

اور میں بہت حیران ہوکر اس کی شکل دیکھتا ہوں اور اس سے کہتا ہوں کہ میں نے تو آپ سے کبھی کوئی قرض نہیں لیا لیکن وہ بہت سے کاغذات کے پلندے نکال کر میری طرف بڑھا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ''آپ نے مجھ سے 35 بلین ڈالر قرض لیا ہے اور یہ دستخط ہیں آپ کے بڑوں کے' آپ کے آباؤ اجداد کے جنھوں نے یہ قرض لے کر کہیں استعمال کیا ہے۔''

اور میں اس کی بات سن کر شرمندہ اور نہایت ''کچا'' پڑ کے اس سے کہتا ہوں کہ اس قرض بابت مجھے تو علم نہیں کہ یہ کب لیا گیا تھا؟ کیوں لیا گیا؟ اور کس جگہ پر استعمال ہوا؟

لیکن وہ کہتا ہے کہ اس قرض کی ادائیگی کا جلد بندوبست کریں ورنہ یہ آپ کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔ خواتین وحضرات میرے ہر دن کی ابتدا کچھ اسی طرح سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد میں پھر گلیوں'

بازاروں، پارکوں میں گھومتا رہتا ہوں اور اس بوجھ کو اپنے ساتھ اٹھائے پھرتا ہوں۔ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جن کی طبیعتوں اور کندھوں پر یہ بوجھ نہیں ہو گا لیکن پتہ نہیں کیوں مجھے اس شخص کی شکل سے بھی خوف آتا ہے اور مجھے اس بات کا خوف بھی رہتا ہے کہ کل صبح پھر وہ میرے دروازے پر آ کر اسی زور سے ڈنڈا بجائے گا اور مجھ سے اپنے قرض کا تقاضا کرے گا۔ میں پارکوں میں گھومتا رہتا ہوں اور وقت گزارتا رہتا ہوں لیکن مجھے معلوم نہیں ہے کہ وہ قرضہ جو میرے ساتھیوں، بڑوں یا پرکھوں نے لیا تھا وہ کہاں ختم ہوا؟ کیسے خرچ ہوا؟ کس مقام یا جگہ پر اس کا استعمال ہوا؟ یا اس قرض کی رقم سے کیا فائدہ اٹھایا گیا؟ اور اس دولت کا ذاتی، اجتماعی یا قومی طور پر کیا فائدہ حاصل ہوا؟ ایسی باتوں کا میری طبیعت پر بوجھ پڑتا رہتا ہے اس لیے آپ سے عموماً کہتا رہتا ہوں اور اس بوجھ کی موجودگی میں میں شرمندگی کے عالم میں کچھ اپنے آپ سے شرمسار، کچھ اپنے عزیز واقارب اور کچھ اپنی آنے والی نسل اور خاص طور پر پوتوں سے شرمندہ شرمندہ سا وقت گزارتا ہوں۔ اللہ نہ کرے کہ آپ پر ایسا وقت آئے۔ مجھ پر ایک طرح سے تھوڑی سی تشفی اس طرح سے ہو جاتی ہے اور ذرا سا Respite یوں کم ہو جاتا ہے کہ جو قرض خواہ ہے اس کو بھی بڑی الجھن کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ قرض خواہ بھی آسانی میں نہیں ہوتا۔ مقروض کو خیر بالکل ہی دبا ہوا ہوتا ہے لیکن قرض دینے والا بھی ایک عجیب طرح کے شکنجے میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کی جان کے دشمن بنے ہوتے ہیں اور ان کے درمیان انسانی رشتے وہ سارے کے سارے منقطع ہو جاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے بچپن میں ہمارے قصبے میں ایک شوکت صاحب تھے وہ ابتدائی قسم کا ڈینٹسٹری کا امتحان پاس کر کے آئے تھے اور انہوں نے گاؤں میں کلینک کھولا تھا۔ وہ مصنوعی دانت تیار کرتے تھے اور ڈاکٹر شوکت نے گاؤں میں پہلی بار مصنوعی دانت متعارف کروائے۔ وہاں گاؤں میں ایک سردار تھے (سردار کئی قسم کے ہوتے ہیں آپ کے ذہنوں میں تو فلمیں یا ٹی وی ڈرامے دیکھ کر سرداروں کا کچھ اور ہی امیج بنا ہوا ہو گا۔ وہ سارے ہی ویسے نہیں ہوتے۔ سارے ہی ٹی وی والے بابا سائیں نہیں ہوتے، کچھ چاچا سائیں بھی ہوتے ہیں اور خالی سائیں بھی ہوتے ہیں)۔ انہوں نے ڈاکٹر شوکت سے مصنوعی دانت لگوائے اور تمام کے تمام دانت نئے لگوائے اور وہ یہ مہنگا لیکن آرام دہ سودا کر کے مزے سے گھومتے پھرتے رہے لیکن رقم ادا نہ کی۔

ایک دن ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ سردار صاحب میرے پیسے ادا کریں لیکن اس دور میں ڈیڑھ دو سو کی رقم ادا کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اب ڈاکٹر صاحب قرض خواہ تھے اور گاؤں کے سردار یا بابا سائیں مقروض تھے۔ ڈاکٹر صاحب ان سے روز صبح سویرے رقم کا تقاضا کرتے تھے اور وہ آج کل کے وعدے پر ٹرخاتے رہتے تھے لیکن رقم دے نہیں پاتے تھے۔ ایک روز دوپہر کے وقت ڈاکٹر شوکت صاحب غصے کے عالم میں سردار جی کے پاس آئے اور وہاں تو تو میں میں شروع ہو گئی اور وہ کہنے

لگے کہ آپ میرے پیسے ادا کریں ورنہ میں نے آپ کو یہ جو "بیڑھ" (بتیسی) لگایا ہے وہ واپس کر دیں۔ وہ سردار صاحب بھی علاقے کے آخر مالک تھے۔ غصہ کھا گئے چنانچہ تو تو میں میں کے بعد ان دونوں میں باقاعدہ ہاتھا پائی کی نوبت بھی آن پہنچی اور اس کے بعد ڈاکٹر شوکت بڑی مایوسی کے عالم میں واپس اپنے کلینک پر پہنچ گئے۔ میں ڈاکٹر صاحب کے کلینک میں مشینیں، آلات اور یہ دیکھنے کہ مصنوعی دانت کیسے بنتے ہیں بڑے شوق سے چلا جاتا تھا۔ اس وقت میں فرسٹ ایئر میں پڑھتا تھا۔ میں وہاں بیٹھا تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنا بازو میرے آگے کر کے کہا "یہ دیکھ رہے ہو بابا سائیں کے کرتوت، میں اس سے اپنا قرض مانگنے گیا اور اس ظالم نے مجھے "دندی" کاٹ لی جیسے کتا کاٹتا ہے۔"

اس نے کہا کہ دکھ کی بات یہ ہے کہ اس نے "دندی" بھی ان دانتوں سے کاٹی جو میں نے اسے بنا کر دیئے تھے۔ اس طرح خواتین و حضرات قرض خواہ کا ایک اپنا دکھ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ اگر میں نے اس کو دانت نہ بنا کر دیئے ہوتے تو وہ مجھے کاٹ نہیں سکتا تھا۔ جب میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں تو مجھے وہ واقعہ یاد آ جاتا ہے اور میں سوچتا ہوں کہ میں بھی کہیں نہ کہیں کاٹتا ضرور ہوں کیونکہ میں مقروض ہوں اور میرے سر پر 35 بلین ڈالر کا قرض ہے۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ یہ بوجھ اس قدر زیادہ ہے کہ میں اس کا کوئی مداوا نہیں کر سکتا، ہر وقت مجھے کسی نہ کسی ایسے الجھاؤ میں اس لیے الجھنا پڑتا ہے کہ میں اس قرض کو بھولا رہوں لیکن ہمارا اپنے قرض خواہ کے ساتھ رشتہ استوار نہیں ہوتا اور قرض خواہ بھی بہانے نکال نکال کے اور ہماری غلطیاں پکڑ پکڑ کر ہمارے کندھوں پر بوجھ اور بڑھاتا رہتا ہے تاکہ ہمیں واجب الادا قرض کا احساس رہے۔

اوکاڑہ میں ایک میلہ لگتا ہے (اب پتہ نہیں لگتا ہے یا نہیں کیونکہ میری جوانی کے زمانے میں لگا کرتا تھا) اور مجھے ان میلوں ٹھیلوں سے بہت دلچسپی ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں پر ایک پنگھوڑا لگا ہے اور اس کا مالک آٹھ آٹھ آنے لے کر گول گھومنے والے پنگھوڑے سے جھولے دے رہا ہے۔ وہ پنگھوڑا آج کل کے پنگھوڑوں کی طرح بجلی یا مشین سے چلنے والا نہیں تھا بلکہ پنگھوڑے والا اسے ہاتھ کے زور سے گھماتا تھا۔ میں وہاں بغیر کسی مقصد کے کھڑا ہو کر اسے دیکھنے لگا تو ایک گاؤں کا آدمی وہاں آیا۔ اس کی پگڑی کھل کر گلے میں پڑی ہوئی تھی اور اس نے کھدر کی تہبند باندھی ہوئی تھی۔ وہ بھی اس پنگھوڑے کے لکڑی کے گھوڑے پر سوار "جھوٹے" (جھولے) لے رہا تھا۔ جب ایک "پور" (چکر) ختم ہوا اور سارے اتر گئے تو تب بھی وہ شخص وہیں بیٹھا رہا اور وہ اکڑوں حالت میں بڑی تکلیف اور پریشانی میں ویسے ہی گھومتا رہا جب وہ تیسرے چکر کے اختتام پر بھی نہ اترا تو میرا اس میں تجسس بہت بڑھ گیا اور میں نے آگے بڑھ کر اسے کہا کہ آپ نے "جھوٹے" لے لیے ہیں اور آپ اترتے کیوں نہیں ہیں۔ اگر آپ کو یہ چکر پسند ہیں تو پھر آپ کے چہرے پر خوشی، مزے اور بشاشت کے اشار ہونے

چاہئیں جو بالکل نہیں ہیں۔ اس نے کہا کہ جناب بات یہ ہے کہ یہ جو پنگھوڑے والا ہے اس سے میں نے تیس روپے لینے ہیں اور میں ہفتہ بھر سے اس کے پیچھے گھوم رہا ہوں اور یہ میرا قرضہ نہیں دے رہا ہے اور اب میں نے اس کا یہی حل سوچا ہے کہ میں اپنے قرضے کے بدلے اس کے پنگھوڑے پر ''جھوٹے'' لوں۔ اب یہ میرا 29واں پھیرا جا رہا ہے اور ہر مرتبہ میں آٹھ آنے کم کرتا جاتا ہوں اور اس طرح سے میں اپنا قرضہ واپس لے رہا ہوں۔ حاضرین محترم میرے دل میں بھی ایسا خیال آتا ہے کہ کاش میرا بھی کوئی اس طرح سے سودا طے ہو جائے اور میں نے اپنے قرض خواہ کے جو 35 بلین ڈالر دینے ہیں تو میں اس کو بھی کسی گھوڑے پر بٹھا کر ایسے چکر دوں جو ذہنی' جسمانی' نفسیاتی انداز کے چکر ہوں اور وہ 20ویں پھیرے پر ہی کہہ دے کہ میں تمہیں قرض معاف کرتا ہوں اور تم میری جان چھوڑو لیکن میرا قرض خواہ اس دیہاتی جیسا نہیں ہے۔ وہ دیہاتی تو بڑا سیدھا' بھلا سا اور نیک آدمی تھا اس کا غصہ ایک چھوٹی سی پٹڑی پر چل رہا تھا جبکہ میرے قرض خواہ کا غصہ میری ساری کائنات پر محیط ہے۔ اس نے میری زندگانی کو اپنے شکنجے میں لے رکھا ہے اور وہ مجھے چھوڑتا نہیں ہے۔ آغا حشر کا جب طوطی بولتا تھا تو فلم والے ان کے پیچھے پیچھے بھاگے پھرتے تھے کہ آپ فلم کے لیے کچھ لکھیں لیکن وہ اپنی تھیٹر کی زندگی اور اس تصور میں اتنے مگن تھے کہ وہ فلم والوں کو گھاس نہیں ڈالتے تھے۔ مختار بیگم بتاتی ہیں کہ انہیں کپڑے سلوانے اور پہننے کا بڑا شوق تھا۔ ممبئی کا ایک بڑا معروف درزی تھا۔ آغا حشر نے اپنا سوٹ سلنے کے لیے اسے دیا اور اسے کہا کہ آپ مجھے ایک تاریخ بتا دیں تاکہ میں اپنا سوٹ آ کر لے جاؤں کیونکہ وقت کی کمی کے باعث میں بار بار نہیں آ پاؤں گا۔ انہیں تاریخ بتا دی گئی اور جب مقررہ تاریخ پر وہ اپنا سوٹ لینے آئے تو درزی نے کہا کہ جی میں ابھی تک سوٹ کی کٹنگ نہیں کر سکا۔ اس پر آغا صاحب بہت ناراض ہوئے اور واپس آ گئے۔ اس درزی نے انہیں عرض کی میں آئندہ ہفتہ کو آپ کا سوٹ تیار کر کے رکھوں گا۔ آغا صاحب ہفتے کو گئے تو بھی سوٹ تیار نہ تھا' درزی نے کہا کہ سر آپ اتوار کو آ جایئے گا میں چھٹی کے دن بھی آپ کی خاطر دکان کھول لوں گا۔ جب وہ سنڈے کو گئے تو تب بھی سوٹ تیار نہیں تھا۔ اس طرح وہ آتے اور جاتے رہے۔ جب آغا حشر نے ٹیلر ماسٹر کی دکان پر جانا چھوڑ دیا تو وہ درزی سوٹ سی کر اور اسے پیک کر کے خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آغا صاحب نے کہا کہ تمہارے پیسے تمہیں پہنچ جائیں گے اور اس طرح سے مقروض اور قرض خواہ کا رشتہ شروع ہو گیا۔ ایک ہفتے کے بعد درزی بل مانگنے آیا تو انہوں نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں آپ کا بل آپ کو مل جائے گا۔ اب آغا صاحب کو درزی پر قیمتی وقت ضائع کرنے کا غصہ تھا اور وہ بدلہ لے رہے تھے۔ درزی نے کوئی چار پانچ چکر لگائے۔ مختار بیگم بتاتی ہیں کہ وہ درزی بے چارہ ایک دن رونے والا ہو گیا اور کہنے لگا کہ آغا صاحب آپ ایسا کریں کہ مجھے ایک آخری وقت یا تاریخ بتا دیں میں آپ کو درمیان میں تنگ نہیں کروں گا۔ آغا صاحب نے کہا کہ

آپ ایسا کریں کہ ہر جمعرات صبح 10 بجے آ جایا کریں۔ وہ بے چارہ روتا پیٹتا چلا گیا۔ یہ واقعہ بتانے کا میرا مقصد یہ ہے کہ خالی مقروض پر ہی بوجھ نہیں ہوتا قرض خواہ بھی جال میں پھنسا ہوتا ہے۔

ایک بڑا پریشان آدمی تھا وہ راتوں کو جاگتا تھا اور چیخیں مار مار کر روتا تھا۔ وہ ایک ڈاکٹر کے پاس آیا تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ آپ اپنے ڈپریشن کی اصل وجہ بیان کریں؟ آپ کیوں اس قدر پریشان ہیں۔ اس نے بتایا کہ میرے ذمہ ایک لاکھ روپے قرض واجب الادا ہے جو مجھے ادا کرنا ہے لیکن میں اس کی ادائیگی کر نہیں سکتا۔ راتوں کو میں اس فکر سے جاگتا ہوں اور دن کو اس قرض کو چکانے کی تدبیریں کرتا رہتا ہوں۔ ڈاکٹر نے کہا کہ دیکھئے آپ کے ذمے قرض ایک کاغذ کے ٹکڑے پر ہی لکھا ہوا ہے نا! اس کو اہمیت نہ دیں‘ دفع کریں جائیں اس کاغذ کے ٹکڑے کو پھاڑ دیں۔ اس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب بڑی مہربانی اور وہ چلا گیا۔ وہاں ایک اور شخص بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب یہ جو شخص پریشان آیا تھا اور خوش خوش گیا ہے آپ نے اسے کیا کہا ہے تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں نے اسے قرض کے معاہدے والا کاغذ پھاڑنے کا مشورہ دیا ہے۔ یہ سن کر وہ شخص رونے دھونے لگا اور کہنے لگا ڈاکٹر صاحب اس شخص نے مجھ سے ہی ایک لاکھ روپے قرض لے رکھا ہے۔ عید کے روز بھی میں یہیں کہیں ایک غیر معروف کونے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بابا آ گیا‘ وہ پرانی وضع کا نیم فقیر یا نیم صوفی قسم کا تھا۔ وہ میرے پاس مخصوص قسم کے شعری جملے جو ہم بچپن میں سنا کرتے تھے۔

میرے پاس ایک پانچ روپے کا نوٹ تھا وہ میں نے اس کو دیا کیونکہ میرے بچے مجھے کہا کرتے ہیں کہا بو اب آپ کی فقیر کو پانچ روپے سے کم نہ دیجیے گا کیونکہ وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ اس شخص نے خوش ہو کے وہ نوٹ لے لیا اور کہنے لگا تو بڑا پریشان سا ہے اور یہاں اکیلا بیٹھا ہوا ہے کیا بات ہے؟

میں نے کہا کہ مجھ پر بڑا قرض ہے اور میں کوشش کرتا ہوں کہ اس سے کسی طرح باہر نکل جاؤں۔ یہی میری پریشانی کا باعث ہے۔ اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا ”شکر کر اللہ کا اور خوش ہو کہ تیرے اوپر کاغذوں‘ روپوں اور ڈالروں کا قرض ہے‘ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو اور ہر وقت جھک کے رہا کر کہ تیرے اوپر انسانوں کا قرض نہیں ہے‘ تم نے کسی کو انسان نہیں لوٹانے۔“

میں نے کہا بابا میں تیری بات نہیں سمجھا۔ کہنے لگا شکر کر تو نے کوئی قتل نہیں کیے‘ کسی انسان کی جان نہیں لی۔ اگر خدانخواستہ تیرے اوپر جانوں کا بوجھ ہوتا تو تو اسے کیسے لوٹاتا اور تیرے ملک والے بھی اللہ کا شکر ادا کریں کہ ان کے اوپر جانوں کا بوجھ نہیں ہے کیونکہ اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ اگر تم نے ایک شخص کو ناحق قتل کیا تو گویا تم نے پوری انسانیت کو قتل کر دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ الحمدللہ میرے اوپر ایسا بوجھ نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ تم اپنے پڑوسیوں کو دیکھو 73 ہزار بے گناہ کشمیریوں کے قتل کا بوجھ

(اب یہ تعداد 75 ہزار سے بھی زائد ہو چکی ہے) ان کی گردن پر ہے کہ وہ کیسے لوٹائیں گے۔ کتنی بھی کوشش کر لیں، جدھر بھی مرضی بھاگ لیں وہ 73 ہزار آدمی جن کے وہ مقروض ہیں وہ کیسے آدمی لوٹائیں گے۔ تمہارا تو روپوں کا قرض ہے کسی نہ کسی صورت لوٹایا جا سکے گا۔ پھر ان کو دیکھو انہوں نے ایک لاکھ پندرہ ہزار سکھوں کو Blue Star کے Process میں قتل کیا۔ وہ ان کی ماؤں کو اور بہنوں کو ان کے بیٹے اور بھائی کیسے لوٹا سکیں گے؟ ان سے اگر وہ مانگنے والا (خدا تعالیٰ) آ گیا کہ میرے انسان واپس کرو تو کہاں سے دیں گے۔ وہ کہنے لگا تمہیں پتہ ہے میں تو جانتا نہیں کہ ''ایتھوں دور سمندراں وچ کوئی پنڈ اے۔'' کہنے لگا وہاں پر دو جگہوں پر بم پھینک کر لاکھوں انسانوں کو ہلاک کر دیا۔ میں نے کہا کہ بابا ان شہروں کو ''ہیروشیما'' اور ''ناگاساکی'' کہتے ہیں۔ اب وہ کس طرح لاکھوں بندے لوٹائیں گے۔ وہ بابا ''ٹپوسی'' مار کے چلتا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا ''میں نے سنا ہے کہ جب امریکہ آباد ہوا تو وہاں پر ایک قوم آباد تھی جسے Red Indian کہتے تھے۔ وہ قوم اب ساری کی ساری ختم ہو گئی ہے اور اب اگر کوئی کھاتے والا اپنا رجسٹر لے کر آ گیا اور اس نے موجودہ قوم جو بڑی طاقتور اور سیانی اور ماہر قوم ہے اس سے کہا کہ مجھے وہ آدمی واپس کرو تم نے انہیں ناحق مارا ہے اور کیوں مارا ہے؟ جواب دو اور بندے واپس کرو تو وہ کیا کریں گے؟ مجھے کہنے لگا تم کونے میں لگ کے پریشان بیٹھے ہو حالانکہ تمہیں خوش ہونا چاہیے اور تمہاری قوم کے لوگوں کو خوش ہونا چاہیے کہ چلو تم قتل کر دیئے گئے لیکن قاتلوں میں سے نہیں ہو۔ اس نے کہا کہ میں تو خوشی سے ناچتا ہوں کہ الحمدللہ مسلمان اُمہ پر یہ بوجھ نہیں ہے۔ مسلمان بیوقوف اور مقتول ہیں، قاتل نہیں ہیں۔ یہ پتھر لے کر مدمقابل کو مارتے ہیں اور پتھروں سے ان کے (اسرائیل) ٹینکوں کو نشانہ بناتے ہیں اور ان کے نیچے کچلے جاتے ہیں۔ جان سے جاتے ہیں لیکن ان ظالموں میں سے نہیں ہیں جو انسانوں کا ناحق خون کرتے ہیں اور پوری کائنات اور معاشرے کو قتل کر دیتے ہیں۔ اس کی بات سن کر میں خوشی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس روز سے اب تک میں کافی خوش ہوں کہ الحمدللہ میری ذات کے اوپر اور میری قوم پر خون یا آدمی لوٹانے کا بوجھ نہیں ہے اور انشاءاللہ وہ وقت بھی بہت قریب ہے کہ ہم ڈھیر سارا قرضہ لوٹا سکیں گے اور شکر ہے ہمیں زندہ جیتے جاگتے انسان واپس نہیں کرنے ہیں۔ انسانوں کو لوٹانے کے قرض دار ایسے بھی ہیں جو لمبی اڑانیں بھر بھر کر سکاٹ لینڈ پر جو نہ پیسے والا ہے اور نہ ہی ان کا کوئی قصور تھا ان پر بمباری کرتے رہے۔ ان سے تو ہمارا قرض اچھا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ آمین۔

بابے کی تلاش

بڑے برسوں کے بعد کچھ روز پہلے کی بات ہے کہ میں سینما دیکھنے گیا۔ کالج کے زمانے میں ہم "منڈوا" (سینما) دیکھنے جایا کرتے تھے۔ تب بھی اس وقت ہی جاتے تھے جب Matinee Show ہوتا تھا اور اتنے سال کے بعد جب دوبارہ سینما جانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو بھی یہ میٹنی شو ہی تھا۔ جیسا کہ میں پہلے بھی کئی پروگراموں میں ذکر کر چکا ہوں کہ لوگ مجھ سے اس پروگرام کی مناسبت سے کسی بابے کا پتہ پوچھتے ہیں یا کہتے ہیں کہ ہم روحانیت کی منازل تلاش کر سکیں یا ہمیں کوئی ایسا طریقہ بتائیں کہ ہم باطن کا پتہ کر سکیں اور اس منزل پر پہنچیں جہاں تک پہنچنے کے لیے ہمیں کہا گیا ہے اور میں ان سے اکثر یہی عرض کیا کرتا ہوں کہ بابوں کی دنیا وہ ایسے نہیں ہے کہ جس طرح وہ کسی ماہر ڈاکٹر کا پتہ ہو اور آپ آرام سے کسی ماہر طبیب یا سپیشلسٹ کا پتہ اور فون نمبر حاصل کر لیں یا آپ کا نامی گرامی وکیل جو کبھی ہارتا ہی نہ ہو اس کے چیمبر کا پتہ' فون یا فیکس نمبر لے لیں بلکہ یہ بابے تو آپ کے اندر سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ جب آپ تہیہ کر لیتے ہیں اور فیصلہ کرتے ہیں بالکل ایسا ہی فیصلہ جس طرح آپ اور آپ کے گھر والے کرتے ہیں کہ آپ نے بی۔اے کرنا ہے۔ جس طرح بی۔اے کرنے کے لیے چودہ برس کا عرصہ درکار ہوتا ہے اسی طرح باطن کے سفر کے لیے بھی آپ کو اپنی ذات کے لیے ویسا ہی فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ دیکھیے....!

انسان جو ہے وہ دوسرے جانداروں کے مقابلے میں ایک مختلف جاندار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دیگر جانداروں میں بھی جان ہوتی ہے اور انسان میں بھی جان ہے اور انسان بھی دوسرے جانداروں کی طرح حرکت کرتا ہے' بولتا اور چلتا پھرتا ہے لیکن ان دونوں میں ایک بڑا واضح فرق ہے کہ انسان میں روح ہوتی ہے اور جانور میں روح نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر چار بکرے کھڑے ہیں ان میں سے ایک کو ذبح کر دیں۔ اس کی کھال اتاریں اور باقی تین کو چارہ ڈال دیں تو وہ بڑے شوق سے چارہ کھانے لگ جائیں گے اور ان کی توجہ نہیں ہو گی کہ ان کا ساتھی تختہ دار پر چڑھ چکا ہے۔ انہیں کوئی

free-urdubook.blogspot.com

ملال یا دکھ نہیں ہوگا۔ دوسری طرف ایک انسان کو آپ قتل کر کے پھینک دیں یا وہ خدانخواستہ قتل کیے جانے کے بعد کہیں پڑا ہو اور آپ وہاں لوگوں سے کہیں کہ آپ سکون سے بیٹھ کر سکون سے کھانا کھائیں یا خوش رہیں تو وہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ میں جہاں تک جان سکا ہوں وہ یہ ہے کہ روح اور جان میں ایک یہی فرق ہے کہ جان ہر جاندار کا ایک چھوٹے لیول پر ساتھ دیتی ہے لیکن جو روح عطا کی گئی ہے وہ صرف انسان کو دی گئی ہے۔ ہر انسان کے اندر ایک ایسی چپ لگا دی گئی ہے اور پہلے سے پروگرامنگ کر دی گئی ہے۔ جس طرح آپ نے اپنے جسم اور اپنی جان کو پرورش کی آنکھ سے دیکھنا ہے بالکل اسی طرح آپ نے اپنی روح کو بھی ان بلندیوں پر لے جانا ہے جن بلندیوں سے یہ اتر کر آپ کے وجود کے ساتھ پیوست ہو جائے اگر آپ یہ پوچھتے رہیں گے کہ جناب مجھے بتائیے کہ ہم یہ کیسے کریں؟ تو آپ کی یہ بات محض کتابی اور اکتسابی سی بات ہی ہوگی۔ آپ ایک تجسس کے طور پر ہی پوچھیں گے کہ کیا ایسے بھی ہوتا ہے؟ اور فرض کریں کہ اگر آپ کو بتا بھی دیا جائے کہ فلاں صاحب بڑی روحانی منازل طے کر چکے ہیں اور ان کے پاس سمجھانے اور بتانے کے لیے کچھ ہے اور اس کے بعد آپ ارادہ اور تہیہ بھی کریں کہ ان سے کچھ حاصل کریں تو آپ یوں ان سے کچھ حاصل نہ کر سکیں گے کہ آپ کی ایک آنکھ اور سارا وجود اور اس کے ساتھ آپ کا نصف دماغ اس بات پر متعین ہو جائے گا کہ میں اس صاحب کی کوئی ایسی چوری پکڑ دوں جس پر میں تنقید کر سکوں اور لوگوں کو بتا سکوں کہ یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ عام طور پر جتنے بھی لوگ آتے ہیں وہ خاص طور پر ایسی ہی نگاہ رکھتے ہیں اور عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہم اس بات پر زیادہ نظر رکھتے ہیں کہ ایک آدمی سے بابے نے ہاتھ ملایا اور اس آدمی نے ہاتھ ملاتے ہوئے بابے کو پانچ روپے کا ایک نوٹ دیا اور انہوں نے اسے لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا۔ یہاں آ کر آپ کی سوچنے، سمجھنے اور اختیار کرنے کی ساری صلاحیتیں مسدود ہو جاتی ہیں کیونکہ اب آپ نے اس شخص کی چوری پکڑ لی اور اس آدمی کو اپنے سے بدتر خیال کیا۔ میں آج سارے پروگرام میں اسی موضوع پر ہی فوکس رکھوں گا کیونکہ مجھ سے عام طور پر یہ پوچھا جاتا ہے کہ آپ ''بابوں'' کی باتیں کیوں کرتے ہیں۔ باتیں اس لیے کرتا ہوں کہ یہ ہماری روح کو بلندی عطا کرنے کے لیے ہماری مدد کرتے ہیں اور ہماری روح کو ارتفع اور بلندی اسی صورت میں عطا ہوتی ہے کہ ہم دوسرے جانداروں کے مقابلے میں اپنے آپ کو یہ ثابت کریں کہ ہم حرکت، سوچ اور کھانے پینے میں Movement اور Reproduction میں تو ان کے ساتھی ہیں لیکن ہم ان سے آزاد ہیں اور ان معنوں میں آزاد ہیں کہ ''اگر ہم چاہیں تو کریں اور چاہیں تو نہ کریں۔'' بھینس جب کھیت میں سے گزرتی ہے تو وہ آزاد نہیں ہوتی وہ ہر حالت میں چارہ کھانے یا اِدھر اُدھر منہ مارنے پر مجبور ہوتی ہے۔ جانور کی نسبت ایک آدمی چالیس افراد کو یا پانچ سو آدمیوں کو کھانے کی دعوت پر بلا سکتا ہے، کھانا کھلا سکتا ہے اور خود الگ سے کھڑا

free-urdubook.blogspot.com

ہوسکتا ہے کہ میرا روزہ ہے میں نہیں کھاؤں گا۔ اگر وہ روزے سے نہ بھی ہو تو بھی تو وہ اگر ضروری خیال کرے تو کھا پی لے اگر نہ چاہے تو کھائے۔ اس کی Animal Drive جو ہے وہ اس کی Instingtive Drive ہے اور وہ اس پر کنٹرول کرتا ہے اور یہ اس کی روح ہے جو اسے کنٹرول کی طاقت اور بلندی عطا کرتی ہے۔ اس کے لیے اگر آپ مجھ سے بار بار یہ اصرار کریں کہ آپ کو وہ راستہ بتایا جائے جس کی معرفت ایسے آدمی سے آپ ملاقات کر سکیں جو آپ کی روح کی سربلندی میں آپ کی مدد کرے تو اس حوالے سے میں یہ عرض کروں گا کہ اس کے لیے آپ کو آنکھ کھول کے رکھنی ہوگی اور منہ بند کر کے رکھنا ہوگا۔ ایک مرتبہ سمندر کے اندر ایک چھوٹی مچھلی نے بڑی مچھلی کو روک کر کہا کہ "آپا مجھے بتاؤ کہ سمندر کہاں ہے میں بڑی پریشان پھرتی ہوں، مجھے سمندر نہیں ملتا، میں نے سمندر کا لفظ سن رکھا ہے۔"

اس پر بڑی مچھلی نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ جہاں ہم دونوں کھڑی ہیں یہ ہی سمندر ہے۔ چھوٹی مچھلی بولی واہ آپا آپ نے بھی وہی بات کی جو سارے لوگ کرتے ہیں۔ یہ تو پانی ہے سمندر نہیں ہے اور وہ یہ کہہ کر وہاں سے چل پڑی، اسے بڑی مچھلی آوازیں دیتی رہی کہ رک جاؤ۔ میری پوری بات سن کے جاؤ اور یہ بات سننی تمہارے لیے بہت ضروری ہے کہ اگر تم سمندر کی کھوج میں نکلو گی تو تمہیں سمندر نہیں ملے گا لیکن اگر آنکھیں اور اپنے کان کھول کر مشاہدہ کرو گی تو پھر تمہیں وہ سمندر ضرور نظر آئے گا جس کی تمہیں تلاش ہے، لیکن بڑی مچھلی کی بات ختم ہونے سے قبل چھوٹی مچھلی بڑی دور جا چکی تھی اور اس نے میری طرح سے اپنی بڑی آپا کی بات نہیں سنی۔

32 سال کے بعد بلکہ اس سے بھی زیادہ سالوں کے بعد میں ایک بار پھر چند روز قبل سینما دیکھنے گیا۔ کڑی دھوپ تھی لیکن جب میں سینما کے اندر داخل ہوا تو مجھے اندر اندھیرا نظر آیا جیسا کہ باہر سے اچانک اندر جائیں تو آنکھیں چندھیائی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہال میں میری سیٹ قریب ہی تھی اور میں بیٹھ گیا۔ اس کے بعد سکرین چلنے سے قبل ایک اور صاحب ڈائس پر آئے جنہوں نے روشنی کے ایک ہالے کے اندر اس فلم کا تعارف کرایا کہ اس فلم کو بنانے کا مقصد کیا تھا اور اس کس لیے چلایا گیا؟ اور کس لیے ہم نے یہاں بطور خاص پڑھے لکھے لوگوں کو دعوت دی ہے۔ ان صاحب کو روشنی کے ہالے میں دیکھ کر مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی طرح، کسی روشنی کے ہالے میں آ جائے تو وہ خود بخود اجاگر ہونے لگتا ہے، اس کو یہ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ دیکھو اس وقت میں اپنا آپ ظاہر کر رہا ہوں۔ فلم شروع ہوئی اور ہال میں بالکل اندھیرا چھا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہال کا دروازہ کھلا اور ایک اور تماشائی اندر داخل ہوا۔ میں نے پلٹ کے دیکھا۔ وہ مجھے نظر تو نہیں آیا کیونکہ دروازہ بند ہو گیا تھا۔ جب دروازہ کھلا تھا تو اندر آنے والے شخص کا وجود مجھے نظر آیا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ یہ آدمی تو کسی صورت میں بھی اپنی سیٹ تک نہیں پہنچ سکتا لیکن تھوڑی ہی دیر میں ایک ٹارچ چلی اور اس ٹارچ

free-urdubook.blogspot.com

نے اس شخص کے پاؤں کے اوپر ایک چھوٹا سا ہالہ بنایا اور اس ہالے کی مدد سے وہ شخص چلتا گیا' ٹارچ والا اس کے پیچھے پیچھے آتا گیا اور جہاں اس شخص کی سیٹ تھی اس کو بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے پھر فلم تو کم دیکھی۔ یہی سوچتا رہا کہ اگر کسی شخص کی زندگی میں ایسا ہالہ آئے اور کوئی گائیڈ کرنے والا اسے میسر ہو تو پھر وہ شخص یقیناً اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے لیکن اس کے لیے ٹکٹ خریدنا پڑتا ہے' سینما کا رخ کرنا پڑتا ہے اور فلم کے لگنے کے اوقات کا علم ہونا چاہیے۔ دروازہ کھلنا چاہیے' پھر ٹارچ والا خود بخود آ کر مدد کرتا ہے اور آپ کو مدد کے لیے کسی کو پکارنے یا آواز دینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی ہے۔ آپ جب آوازیں دیتے ہیں' چیخ و پکار کرتے ہیں اور دنیا داری کے معاملات کے اندر رہتے ہوئے آہ و بکا کرتے ہیں تو پھر وہ ٹارچ والا نہیں آتا۔ اس طرح آپ بس پتے اکٹھے کرتے رہتے ہیں اور ٹیلیفون نمبر جمع کرتے رہتے ہیں لیکن وہ بات جو بڑی مچھلی نے چھوٹی مچھلی سے کہی تھی کہ آنکھیں کھول کے رکھو اور مشاہد بن کر رہو تاکہ تم پر سارے بھید آشکار ہوں اور روشن ہوں۔ اس مادی زندگی میں جس میں بار بار آپ کے دوست واحباب' عزیز واقارب مادہ پرستی کی بات کرتے ہیں کہ جی پاکستان میں لوگ بہت مادہ پرست ہو گئے ہیں' لوگوں میں پہلی سی محبت پیار اور یگانگت نہیں رہی۔ مادہ پرستی کا کھیل صرف پاکستان میں ہی نہیں چلا ہے بلکہ ساری کی ساری دنیا اس وقت مادہ پرستی کے چکر میں ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ بری بات نہیں ہے' میں ایک ایسے علاقے میں رہا ہوں اور ایسی جگہ جنما پلا ہوں جہاں سانپ بہت ہوتے تھے اور کلر کے سانپ بکثرت پائے جاتے تھے۔ ہم بچپن میں جنگل میں جا کر یا ویران اور گرے پڑے گھروں میں سانپوں کی کینچلیاں اکٹھی کرتے تھے۔ کیا آپ کو سانپوں کی کینچلیوں کا پتہ ہے؟ سانپ ایک خاص وقت پر سو جاتا ہے اور اس کے جسم کے اوپر ایک پلاسٹک کے شاپر بیگ کی طرح کی باریک کھال یا کینچلی چڑھ آتی ہے اور اس کینچلی پر اس سانپ کے سے نقش و نگار منتقل ہو جاتے ہیں اور سانپ ایک خاص عرصے کے لیے اس کینچلی کے اندر رہ کر Hibernate کرتا ہے' تب نہ وہ سانس لیتا ہے' نہ کھانا کھاتا ہے' بالکل مردہ یا سدھ بدھ ہو کے پڑا رہتا ہے۔ میں اس Economic World میں جب بھی اس کو (کینچلی) دیکھتا ہوں تو میں غور کرتا ہوں کہ ہم سانپ ہیں جو Economics یا پیسے کی دوڑ کے اندر اپنے بدن پر کینچلی چڑھا کے خاموش پڑے ہوئے ہیں۔ ہم بے حس و حرکت ہیں اور ہمارا کوئی بس نہیں چلتا۔ ہمیں Consumer Goods بنانے والی کمپنیاں جس طرح چاہتی ہیں استعمال کرتی ہیں اور کرتی چلی آ رہی ہیں۔ خواتین و حضرات جس بات سے آپ خوفزدہ ہیں زیادہ دیر تک چل نہیں سکے گی کیونکہ ایک وقت ایسا آتا ہے جب سانپ کو اپنی Growth کے لیے اس کینچلی کے اندر سے نکلنا پڑتا ہے اور وہ کمال سے اور بڑی عجیب و غریب حرکات و سکنات کر کے اپنے بدن کو پرانی ٹوٹی دیواروں سے رگڑ رگڑ اور گھسا گھسا کے کنج (کینچلی) سے باہر نکلتا ہے اور اپنی وہ کینچلی پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ جب وہ باہر نکلتا

free-urdubook.blogspot.com

ہے تو وہ زندگی میں اور زندگی کے دوسرے جانوروں کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔ سانپ جس طرح اپنی نشوونما کے لیے ایک خاص وقت پر اس خول میں سے نکلتا ہے اور باہر آ کر زندگی میں شامل ہوتا ہے اور نئے انداز و ڈھنگ اور نئے سرے سے سانس لیتا ہے، اسی طرح ہی انسانوں کی یہ ساری بستیاں جو مجموعی طور پر اس وقت اپنی Economics کی کینچلی کے اندر لپٹی پڑی ہیں۔ ان کو اپنی گروتھ کے لیے باہر نکلنا ہی پڑے گا اور یہ نکل کے ہی رہیں گی کیونکہ یہ معاشرہ، یہ دنیا اور یہ خدائی اور جنتا اس کام کے لیے نہیں بنی جس میں اس کو داخل کر دیا گیا ہے یا ایک مخصوص کینچلی چڑھا دی گئی ہے۔ یہ بستیاں اپنی روحانی نشوونما کے لیے بنی ہیں اور ان بستیوں کے باسیوں کو اپنی روحانیت کا مظاہرہ کرنا ہے اور اپنے باطن کے سفر میں آگے نکلنا ہے۔ باطن کے اس سفر میں آپ شور و غوغا کر کے کسی کو ٹیلیفون کر کے، کسی کو Message بھیج کر یا کسی کو اپنے کمپیوٹر کے ذریعے ہوشیار کر کے نہ کوئی پیغام دے سکتے ہیں اور نہ ہی لے سکتے ہیں۔ یہ خاموشی کی ایک دنیا ہے اس میں اگر آپ کبھی داخل ہو سکتے ہیں تو پھر ہی آپ اس کا مزہ لے سکتے ہیں۔ مت پوچھیں کہ ہمیں کسی بابا کا پتہ بتائیں، آپ خود بابا ہیں۔ جب آپ کو دیوار سے ڈھو (ٹیک) لگا کر آرام سے بیٹھنا آ گیا اور دنیا کی سب سے بڑی عبادت یعنی آپ خاموشی میں داخل ہو گئے تو آپ کے اوپر انوار و برکات کی بارش بھی ہونے لگے گی اور انواع و اقسام کا رزق آپ کا مقدر بنتا چلا جائے گا۔

میں جب اٹلی سے لوٹا تو میں، بحری جہاز ''موتو ناوے وکتوریہ'' کے ذریعے وطن آیا۔ یہ میرا آبی جہاز پر سفر کرنے کا پہلا تجربہ تھا۔ جب نیپال کی بندرگاہ پر جہاز مغرب کے وقت آہستہ آہستہ پیچھے ہٹا اور شہر کی روشنیاں دور ہونے لگیں تو وہ نہایت سُست رفتاری کے ساتھ گہرے پانیوں کی طرف چل رہا تھا اور عشاء کے وقت تک شہر ہماری نظروں سے بالکل اوجھل ہو گیا اور ہم آ کر کھانے کی میز پر بیٹھ گئے اور اس کے بعد ہم اپنے اپنے کیبنوں میں آ کر لیٹ گئے۔ صبح اٹھے تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ جہاز کس رُخ جا رہا ہے، اسے کون چلا رہا ہے اور یہ کیسے چل رہا ہے۔ ہم جب ناشتہ کر ہی رہے تھے تو سپیکر پر ایک آواز گونجی، وہ نہایت میٹھی سی Italian انداز میں انگریزی بولنے کی آواز تھی جو کہہ رہی تھی کہ ''میں کپتان بول رہا ہوں۔ "And i want to say some thing to you and give some instructions.

ہم سب نے یہ سن کر اپنا کھانا وہیں چھوڑ دیا اور کپتان کی آواز آتی رہی اور وہ ہمیں بتاتا رہا کہ ہمیں کیا کرنا ہے اور کس طرح سے یہ گیارہ دن کا سفر اس کے ساتھ گزارنا ہے۔ نہ ہمیں کپتان کبھی نظر آیا، نہ اس سے تعارف ہوا، نہ ملاقات ہوئی اور نہ ہی اس سے ملنے کے مواقع میسر آئے۔ ایک صرف اس کی آواز ہی تھی جو آتی تھی اور ہمیں زندگی کے ایک نئے مرحلے میں داخل کر جاتی تھی۔ میں نے اسوقت جب بہت طوفانی سمندر سے جہاز گزر رہا تھا تو میں نے سوچا کہ ایک اور بھی کشتی ہے جس

free-urdubook.blogspot.com

کو ہم دنیا کہہ سکتے ہیں اور اس کشتی کا ایک نگہبان اور کپتان بھی ہے۔ جس کی آواز ہم تک پہنچتی رہتی ہے جو ہمیں ہدایات دیتا رہتا ہے اور احکام صادر کرتا رہتا ہے، وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتا، ہمیں ملتا نہیں ہے اور نہ ہی ملنے کی امید ہوتی ہے اور ہم اس کے حکم کے مطابق چلتے رہتے ہیں اور جو اس کے احکام ماننے والے ہوتے ہیں انہیں کسی بابے یا کسی Instructions دینے والے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ یہ خاموشی اور تنہائی کا سفر ہے۔ جو بھی اس Silence کے سفر کو اختیار کرتا ہے اس کو بند اندھیرے کمرے میں ایک دروازہ ضرور نظر آتا ہے۔ جس میں وہ روحانی طور پر داخل ہو سکتا ہے۔ آپ کے پاس اور ہمارے پاس روح کا وہ جلوہ موجود ہے اور وہ Chip جس کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے وہ کسی اور کے Egnite کرنے سے نہیں چلے گا۔ وہ آپ ہی کی کوشش اور جدوجہد سے چلے گا لیکن یہ کوشش اور Struggle اس سے مختلف ہے۔ جو آپ اکنامک ورلڈ میں کرتے ہیں یا جو آپ Competition میں کرتے ہیں اور جس طرح سے ہمیں حکم ہے۔ جس طرح اسلام نے رخ مقرر کیا ہے کہ آپ نے اس رخ کھڑے ہونا ہے اور خدا نے تو فرمایا ہے کہ میں ہر جگہ موجود ہوں لیکن ہمیں حکم دیا کہ تم خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے ساری کوشش شروع کرو۔ ہم نے سب سے پہلے رخ کو متعین کرنا ہے۔ اگر آپ روحانیت کی دنیا میں داخل ہونے کے آرزومند ہیں تو سب سے پہلے آپ کو اپنی ذات کو یہ سمجھانا پڑے گا کہ ہم ایک رخ لے کر اس طرف بڑھیں۔ پچھلے دنوں ایک جغرافیے کے رسالے میں میں نے ایک مضمون دیکھا جس میں لکھا تھا کہ بہت دیر پہلے لوگوں نے ایک چھوٹے سے جزیرے پر ایک خوبصورت عبادت گاہ بنائی اور اس میں دنیا کی ہر قسم کی دھات کی گھنٹیاں لگائیں اور وہ گھنٹیاں ہوا کے چلنے سے بجتی تھیں۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ وہ جزیرہ آہستہ آہستہ زیرآب آ گیا اور وہ مندر یا عبادت گاہ پانی کی آغوش میں آ کر ختم ہو گئی۔ کچھ پرانے لوگ بتاتے ہیں کہ ابھی بھی وہاں پانی کے اندر سے گھنٹیوں کی آوازیں آتی ہیں اور جو سننے والے کان رکھتے ہیں انہیں وہ آواز اب بھی صبح شام آتی ہے لیکن ان سننے والوں کا کہنا ہے کہ آپ کو گھنٹیوں کی آواز سننے کے لیے سمندر کی آواز سے ہم آہنگ ہونا پڑے گا۔ اس طرح خدا سے بات کرنے اور اس کو سننے کے لیے اس کی مخلوق کے درشن کرنا ہوں گے جو لوگ مخلوق خدا کے متعلق غور کرتے ہیں اور اس کے ہو جاتے ہیں اور مخلوق خدا کی خدمت کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں یا وہ لوگوں سے کیڑے نکالنے بند کر دیتے ہیں ان کو کسی بابے، کسی رہنما یا ہادی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ ڈائریکٹ اس آواز میں پہنچ جاتے ہیں جو سمندر کے نیچے چھپے ہوئے عبادت کدے کو ہر وقت نمودار ہوتا دیکھتے رہتے ہیں۔ خدا آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

free-urdubook.blogspot.com

"محاورے"

ایسے مقام پر پہنچ کر اور ایک ایسی پر فضا جگہ پہ آ جانے کے بعد مجھے اپنے لڑکپن کا زمانہ یاد آتا ہے جب ہم سکول میں پڑھتے تھے۔ اس وقت ہمارے ماسٹر صدیق صاحب ہمیں اکثر اپنے ساتھ کلاس سے اٹھا کر ایسے باغوں اور گلستانوں میں لے جاتے تھے جہاں قدرت کے نظارے کتابی و نصابی علوم سے بڑھ کر ہوتے تھے اور جو ہماری زندگیوں کے قریب تر ہوا کرتے تھے اور ماسٹر صدیق صاحب بات کو سمجھانے اور بتانے کا بہتر فن جانتے تھے اور اس قدرت پر ملکہ رکھتے تھے۔ وہ ایک ایک پتے سے لے کر ایک تنا آور درخت تک اور ایک اڑتی ہوئی چڑیا سے لے کر ایک بیٹھی ہوئی گدھ تک ہر ایک بات اور مفہوم پر سیر حاصل کرتے تھے۔ ہمیں ان کی کچھ باتیں سمجھ میں آتی تھیں اور کچھ نہیں آتی تھیں لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا ان کی باتیں آہستہ آہستہ ہمارے اوپر کھلتی گئیں پھر ایک وقت ایسا بھی آ گیا جب ہم ساتویں جماعت پاس کر کے آٹھویں میں داخل ہو گئے تو انہوں نے خصوصی طور پر ہمیں اس بات کا حکم دیا کہ انگریزی کے محاوروں کو اچھی طرح سے زبانی یاد کرو اور ان کو اپنے ذہن میں بٹھاؤ کیونکہ آگے چل کر جب آپ کو انگریزی لکھنے کا موقع ملے گا تو یہ یاد کیے ہوئے محاورے آپ کی مدد کرتے رہیں گے چنانچہ وہ بے شمار محاورے جن کو انہوں نے ترتیب دے رکھا ہوا تھا ان کا بوجھ ہمارے اوپر لاد دیا۔

A bird in hand is worth two in the Bush.

(نو نقد نہ تیرہ ادھار)

Never put off till tomorrow, what you can do to day.

(آج کا کام کل پر مت چھوڑو)

Might is right.

(جس کی لاٹھی اس کی بھینس)

اس طرح کے کئی اور محاورے انہوں نے ہمیں یاد کروائے اور ان محاوروں اور Idioms کے

سہارے اور اس گراری پر چلتے ہوئے آگے آگے زندگی کے سفر میں چلتے ہی چلے گئے لیکن جب ہم فرسٹ ایئر میں داخل ہوئے تو انہی انگریزی محاوروں میں سے جو ہماری زندگی کے اندر رچ بس چکے تھے اور جو ہمارے اندر اپنی کئی منزلیں طے کر چکے تھے، ہم نے یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ کچھ محاورے ایسے ہیں جن کا مفہوم تو سمجھ میں آتا ہے لیکن وہ ہماری زندگی پر کچھ اور ہی طرح سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ شاید اس سے پہلے آپ نے اس کا جائزہ نہیں لیا ہوگا لیکن آج میں آپ کی خدمت میں اپنی مشکلات کا ذکر کرتا ہوں۔

جب میں نے پہلی مرتبہ انگریزی کے دو الفاظ "Take Care" جو عام طور پر بہت استعمال ہوتے ہیں۔ تو دل میں خیال آیا کہ ہم ان کا کیا کریں یعنی اگر میں گاڑی پر جا رہا ہوں اور میری خالہ جو لندن سے تشریف لائی تھیں انہوں نے کہا Ashfaq Take Care۔

اب میں حیران ہوں کہ میں ہی اپنی ذات کا Care Taker ہوں کیونکہ ہمارے ہاں تو "اللہ حافظ" (اللہ تم کو اپنی حفظ وامان میں رکھے) کہنے کا رواج ہے لیکن انگریزی بولنے والے کہتے ہیں کہ اللہ حافظ نہیں، ہم اللہ کے اوپر یہ ذمہ داری نہیں تھوپتے اور نہ ہم اپنے اُوپر ذمہ داری لیتے ہیں بلکہ یہ تمہاری اپنی ذمہ داری ہے کہ تم خود ہی اپنی Take Care کرو اور تم احتیاط کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ بڑے زمانے کی بات ہے، ہم ایک روز گاڑی پر جا رہے تھے اور آگے سڑک کھدی ہوئی تھی اور وہاں ایک بہت بڑا سائین بورڈ لگا ہوا تھا جس میں انتباہ کی گئی تھی کہ .Travel at your own risk

میں نے بورڈ پڑھ کے ڈرائیور سے کہا کہ بھائی ذرا آہستہ اور احتیاط کے ساتھ چلو۔ ساتھ میری خالہ بیٹھی ہوئی تھیں انہوں نے کہا کہ احتیاط سے کیوں؟ کیا وجہ ہے؟ تو میں نے کہا کہ یہاں اتنا بڑا بورڈ لگا ہوا ہے "کہ آپ اپنی ذمہ داری پر سفر کریں، سڑک ٹوٹی ہوئی ہے اور زیر تعمیر ہے۔" اس پر میری خالہ ہنسی اور کہنے لگی پچھلا سفر ہم کس کی ذمہ داری پر طے کر کے آئے ہیں اور اگلا کس کی ذمہ داری پر طے کریں گے۔ یہ بورڈ یہاں کیوں لگایا ہوا ہے۔ اس پر مجھے خیال آیا کہ Take Care کا بھی بڑا عجیب وغریب معاملہ ہے کہ مجھ ہی سے کہا جا رہا ہے کہ میں اپنا خیال رکھوں۔ میرا ہی پروفیسر مجھے گاڑی پر چھوڑتے وقت مجھے کہتا ہے کہ .Ashfaq you are going abroad' take care

اس حوالے سے میری خالہ کی بات تو ٹھیک تھی کہ ہم زندگی کا جو بھی سفر طے کرتے ہیں اپنی ہی ذمہ داری پر یا اللہ کے حوالے سے یا اس کی مہربانی سے سے طے کرتے ہیں۔ یہ لکھنا یا یہ کہنا کہ دیکھو یہاں سڑک ٹوٹی ہوئی ہے اور تم اپنی ذمہ داری سے سفر کرو آگے گورنمنٹ تمہاری ذمہ دار ہے یا معاشرہ اس ذمہ داری کو پورے کا پورا ادا کرے گا ایسا ہوتا نہیں ہے۔ اس طرح جب ان معمول یا روزمرہ کے فقرات یا محاوروں پر نظر پڑنے لگی تو اس حوالے سے مشاہدہ بھی تیز ہونے لگا۔ جب ہم نے جیوگرافک

میگزین پڑھنا شروع کیا اور دنیا کے ان منطقوں کے مطالعہ میں بہت گہرے اترے جہاں جانور کثیر تعداد میں بستے ہیں جسے افریقہ کہا جاتا ہے تو ہمیں پتہ چلا کہ جانوروں کا ایک با قاعدہ قانون ہوتا ہے اور کوئی جانور اس قانون سے تجاوز نہیں کرتا۔ یہ صرف انسان ہی ہے جو اپنے قانون اور طے شدہ باتوں میں آہستہ آہستہ تنسیخ کرتا رہتا ہے اور اس میں تبدیلیاں پیدا کرتا رہتا ہے۔ شیر جب بھوکا ہوتا ہے تب شکار کرتا ہے اور جب وہ شکار کو مار چکتا ہے تو تین روز تک مزید کسی جانور کا شکار نہیں کرتا۔ شکار ہونے والے جانور بھی اچھی طرح سے سمجھتے ہیں کہ اب ہمیں اپنے آپ کو قربانی کے لیے تیار کرنا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ شیر اعلیٰ درجے کے ہوائی جہاز میں بم بھر کر اونچے آسمانوں میں اڑنا شروع کرے اور اوپر سے بم پھینک کر بغیر سوچے سمجھے انسانوں' جانوروں یا دوسرے بشروں کو قتل کرنا شروع کرے۔ یہ انسان کا ہی ایک ایسا خوفناک قانون ہے جو ایک ظالم کا قانون ہے۔ آپ ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیں کہ انسان نے بچارے' معصوم' شریف جانوروں کے حوالے سے ''جنگل کا قانون'' کا لفظ بنا کر خود کو بری الذمہ کر لیا ہے۔ آپ زندگی میں چھوٹے چھوٹے معاملات سے لے کر بڑے مسائلِ معاشرت تک نظر دوڑا کر دیکھیں تو آپ کو سب اندازہ ہو جائے گا۔ بڑے ملک غریب' کمزور اور چھوٹے ملکوں پر حملہ آور ہوتے ہیں اور آپ دَم نہیں مار سکتے اور یہ انسانی قانون ہی ہے جو اس قدر تکلیف دہ اور انسان کو آزار پہنچانے والا ہے۔ خواتین و حضرات ایک اور بھی محاورا ہے جس نے ہمیں ہلا کے رکھ دیا ہے۔ جب ہم بی۔اے میں پہنچے تو ایک نیا محاورا سامنے آیا جس کا سامنا کرنے کے لیے ہم کسی بھی صورت تیار نہیں تھے۔ وہ یہ تھا "It is too Good to be True." یعنی یہ بات اتنی سچی' اچھی اور پاکیزہ ہے کہ یہ سچی ہو ہی نہیں سکتی۔ اب آپ یہ بتایئے ہم کیا کریں یعنی اس محاورے کو ساتھ لے کر کہاں تک اور کدھر تک جائیں اور یہ ہماری زندگیوں پر ایسے اثر انداز ہوا کہ ہم نے لاشعوری طور پر یہ سوچنا شروع کر دیا کہ جو بات اچھی ہوتی ہے وہ بات پاکیزہ' صباح اور نیکی پر مبنی ہوتی ہے وہ سچی نہیں ہوتی اس لیے سچی بات پر دارومدار کرنے کے لیے' اس کے پس منظر کی بات کو گھٹیا' ظالم' بے انصاف اور سنگدل ہونا چاہیے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میری خالہ زاد بہن جن کے خاوند ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں کام کرتے ہیں۔ ان کی زندگی زیادہ ہنگامہ خیز کبھی نہیں رہی۔ کام پر جاتے ہیں اور واپس سیدھے گھر آ جاتے ہیں لیکن ہیں بڑے اچھے۔ وہ ایک دن اچانک دفتر سے اٹھ کر گھر آ گئے اور آ کر میری بہن سے کہنے لگے کہ لو بھئی عذرا میں نے تو آج مچھلی پکڑ کے لانے کا پروگرام بنایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے زندگی میں پہلے کبھی مچھلی پکڑی تو ہے نہیں' وہ ان سے پھر گویا ہوئیں کہ آپ نے مچھلی پکڑنے والی کنڈی دیکھی ہے؟ کہنے لگے نہیں دیکھی۔ پوچھا کبھی وہ پانی دیکھا ہے جس میں مچھلیاں ہوتی ہیں انہوں نے کہا اتنی مقدار میں تو نہیں دیکھا۔ گھڑے یا گلاس کا پانی ہی دیکھا ہے۔ وہ کہنے لگیں آپ کا پھر بھی مچھلی پکڑنے کا ارادہ

ہے تو وہ کہنے لگے' بس میرا جی چاہا' دفتر میں ایک فائل بڑی پیچیدہ قسم کی تھی۔ میں نے سوچا اس کو کل نمٹا لیں گے اور مجھے انگریزوں نے کہا (دفتر میں کام کرنے والے ساتھی انگریز) تم آج مچھلی پکڑنے جاؤ اور اب میں نے مچھلی پکڑنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اگر تمہاری بھی خواہش ہے تو میرے ساتھ چلو' بلو کی کے مقام پر دریا بڑی ٹھاٹھیں مارتا ہوا گزرتا ہے اور سنا ہے وہاں مچھلی بہت ہوتی ہے۔ میں ڈوری' کانٹا اور مچھلی پکڑنے کے دیگر لوازمات ساتھ لے کر آیا ہوں۔ اس نے (عذرا) کہا میں تو ساتھ جا نہیں سکتی کیونکہ آپ نے اچانک پروگرام بنالیا ہے' تو وہ کہنے لگے کوئی بات نہیں میں اکیلا چلا جاؤں گا۔ تب میری خالہ زاد بہن پریشان ہوئیں اور کہا ہائے ہائے آپ نے زندگی میں پہلی مرتبہ از حد خود پکنک کا ایسا پروگرام بنایا ہے اور میں پھر گھر میں کیوں بیٹھی رہوں۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا لیکن وہ بڑی بے چین کبھی گھر کے اندر جائے اور کبھی باہر آئے۔

اس پر ان کے میاں کہنے لگے کہ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟

وہ کہنے لگی کہ میں نے آج تین مرتبان اچار ڈالنے کا فیصلہ کیا تھا اور آپا صغریٰ سے درخواست کی تھی کہ وہ آ کے مجھے اچار ڈال دیں۔ خواتین و حضرات ہمارے اکثر گھروں میں کئی آپا صغریٰ آئیں ہوتی ہیں جو گو Poor Relations ہوتی ہیں اور ہم ان کے ساتھ کچھ زیادہ محبت نہیں رکھتے لیکن مشکل اوقات میں وہ ہمارا بڑا ساتھ دیتی ہیں مثلاً شادیاں ہوں' مہندی کی رات ہو تو آپا صغریٰ آ جاتی ہیں۔ وہ ساری بنی ٹھنی بچیوں کے پرس سنبھال کے گود میں رکھے بیٹھی رہتی ہیں اور پھر جانے کے وقت انہیں دے دیتی ہیں' اچار ڈالنا ہو' چٹنیاں بنانی ہوں' رضائی سینی ہو تو وہ بڑے کام آتی ہیں۔ عذرا کہنے لگی کہ میں نے اتنے سارے آم لے کے رکھے ہوئے ہیں اور آپا صغریٰ نے بھی آنا ہے۔ سارے مصالحے بھی تیار ہیں لہٰذا میں نہیں جا سکتی۔ پھر جب وہ چلنے لگے تو کہنے لگی نہیں نہیں میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں اور تیار ہو گئیں اور اس نے آپا صغریٰ کے نام کی ایک پرچی لکھ کر لیٹر بکس میں ڈال دی (عذرا اور آپا صغریٰ کے درمیان یہ بات طے تھی کہ اگر کبھی وہ گھر پر نہ ہوں تو گھر کی چابی اور ہدایات لیٹر بکس میں پڑی ہوں گی) چنانچہ وہ دونوں میاں بیوی چلے گئے۔ جب وہاں پہنچ گئے تو ان سے مچھلی وچھلی تو کیا پکڑی جانی تھی لیکن انہوں نے بہت زیادہ Enjoy کیا' دن بھر وہ دونوں وہاں رہے۔ جب وہ لوٹ کر شام کو گھر آئے (تو میری ہمشیرہ (عذرا) کہتی ہیں تو میرا اوپر کا دم اوپر اور نیچے کا دم نیچے رہ گیا اور میری چیخ نکل گئی کیونکہ جس گھر میں ہم داخل ہو رہے تھے وہ کچھ اور ہی عجیب و غریب نقشہ پیش کر رہا تھا اور جب میں اندر گئی تو حیران ہوئی کہ تین مرتبانوں میں اچار ڈال کے رکھا ہوا تھا اور ان کے اوپر ڈھکنا پڑا ہوا تھا لیکن میری چیخ اس وجہ سے نکلی کہ میرے گھر کی جو سیڑھیاں تھیں جو عرصہ دس سال سے خراب تھیں وہ تمام کی تمام چمکدار اور بہت اعلیٰ درجے کی پالش کی ہوئی لگتی تھیں۔ میز کے اوپر ایک کاغذ پڑا تھا اور اس

free-urdubook.blogspot.com

پر لکھا تھا کہ محترمی آپا جی السلام وعلیکم میرا نام کرم داد ہے۔ میں یہاں سے گزرا آپ کے گھر کی گھنٹی بجائی تو آپ نے دروازہ نہیں کھولا۔ پھر میں ہمت کر کے پھاٹک کھول کے اندر داخل ہو گیا۔ اندر داخل ہوا تو آپ کا دروازہ بند تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ کوئی بھی گھر پر نہیں ہے' اِدھر اُدھر دیکھا تو مجھے لیٹر بکس نظر آیا۔ اس میں سے مجھے گھر کی چابی نظر آئی اور اس کے ساتھ ہی ایک خط پڑا تھا جو آپ نے آپا صغریٰ کے نام لکھا تھا۔ وہ میں نے پڑھا اور سوچا آپا صغریٰ تو آئی نہیں میں ہی یہ کام کر دوں۔ میں نے آپ کا اچار ڈال دیا ہے۔ میری ماں اچار میں کلونجی زیادہ ڈالا کرتی تھی میں نے بھی اسی لحاظ سے ڈالی ہے اور نمک مرچیں میں نے کم رکھی ہیں۔ اگر آپ اسے بڑھانا چاہیں تو بڑھا دیں۔ باقی آپا آپ کا اتنا خوبصورت گھر ہے اور اس کی ریلنگ کا ستیاناس ہوا پڑا تھا اس پر کسی نے توجہ ہی نہیں دی' میں نے کوشش کر کے یہیں پڑے برش پالش سے سب ٹھیک کر دیا ہے۔ اس کے رقعہ میں مزید لکھا تھا کہ ساتھ والوں کا ملازم ٹکر مانگنے آیا تھا تو میں نے آپا انکار کر دیا کیونکہ معاف کرنا آپا یہ لوگ چیزیں مانگ کر لے جاتے ہیں اور واپس نہیں کرتے یا خراب کر دیتے ہیں لہٰذا میں نے اس سے کہا کہ ہمارے ٹکر کا بڑ خراب ہے تو وہ چلا گیا۔ باقی کمروں میں گھوما اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور آپ مجھے بہت نیک خاتون معلوم ہوتی ہیں آپ کی ہیرے کی دو انگوٹھیاں تکیے کے نیچے پڑی ہوئی تھیں وہ کافی خراب ہو چکی تھیں اس لیے میں نے انہیں کھٹا لگا کر صاف کر دیا ہے اور میں نے انہیں دھو کر ٹشو پیپر میں لپیٹ کے مجبوراً ویسے ہی تکیے کے نیچے ہی رکھ دیا ہے۔ خدا کے واسطے خیال کریں تیس تیس پینتیس پینتیس ہزار کی ایک ایک انگوٹھی کو آپ نے کتنی لاپرواہی سے رکھا ہوا ہے۔ اس نے مزید لکھا کہ میں نے غسل خانے میں دیکھا کہ صاحب کی شیونگ کٹ میں تمام کے تمام بلیڈ پرانے ہیں اور وہ صاحب ان سے گھسا گھسا کے شیو کر لیتے ہوں گے۔ یہ تو بہت بری بات ہے۔ آپ مہربانی فرما کر آج ہی انہیں نئے بلیڈوں کا ایک پیکٹ لے کر دیں اور جو چیزیں آپ نے پکنک پر لے جانے کے لیے تیار کی تھیں وہ چیزیں میں نے اٹھا لی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرا حق ہے۔ میں حیدر آباد نوکری کی غرض سے جا رہا ہوں۔ وہاں مربے اور چٹنیاں بنانے والی فیکٹری میں میرا ایک ''گرائیں'' (علاقے کا آدمی) ہے اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے وہاں نوکری دلوا دے گا کیونکہ میں سال ڈیڑھ سال سے بیروزگار ہوں۔ آپ میرے حق میں دعا کرنا اور میں آپ کا آپا صغریٰ کے لیے کھانے کا رکھا ہوا سامان ساتھ لے جا رہا ہوں تا کہ راستے میں کھا سکوں۔ میں آپ کو اس کھانے کے لیے دعا دوں گا۔ اس رقعے کے نیچے اس نے درج کیا کیا تھا۔

''کرم داد''

ریٹائرڈ بیٹ مین بریگیڈیئر فلاں فلاں۔

جب میری بہن نے مجھے یہ خط دکھایا تو میں یہ خط لے کر میں اخبار کے ایک بڑے دفتر میں

free-urdubook.blogspot.com

گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ تم خوفزدہ کرنے والی خبریں تو چھاپتے ہو۔ ایک یہ خبر بھی چھاپو کہ ایسا ایک واقعہ ہوا ہے۔ تو وہ صاحب کہنے لگے .Sir' It is too good to be true' ایسے تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک انجان آدمی بھرے پڑے گھر میں داخل ہو اور صفائی وغیرہ اور کام کر کے چلا جائے اور باقی سب کچھ چھوڑ جائے اور ہمیں تو خبریں ہی ایسی چھاپنی پڑتی ہیں جو خوفزدہ کرنے والی ہوں' جب تک ایسی خبریں نہیں چھاپی جائیں گی تو لوگ اخبار ہی نہیں خریدیں گے۔ اس نے مجھے کہا کہ دیکھیں جب کوئی بینک لوٹنے آتا ہے تو وہ خوفزدہ کر کے اور پستول دکھا کے پیسہ چھینتے ہیں اور ہمارے پاس بھی اسی طرح کے خوفناک خبروں کے پستول ہوتے ہیں اور ہم ان سے اپنی سیل میں اضافہ کرتے ہیں اور یہ کہہ کر اس خبر چھاپنے کا ارادہ انہوں نے ترک کر دیا۔

اس کے بعد ایسا ہی ایک واقعہ میرے ساتھ بھی پیش آیا۔ میں نے یہ بات شاید آپ کو پہلے بھی سنائی ہوگی کہ ایک بڑی خوبصورت دھان پان کی پتلی سی لڑکی ایک ٹوٹے سے موٹر سائیکل پر بیٹھ کر انارکلی بازار میں آئی۔ وہاں میں اپنے دوست ریاض صاحب کی کپڑے کی دکان میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس لڑکی نے آ کر کہا کہ کیا آپ کے پاس کوئی اعلیٰ درجے کا عروسی جوڑا ہوگا تو میرے دوست نے کہا جی بالکل ہے۔ یہ دس ہزار کا ہے' یہ پندرہ ہزار کا ہے' یہ بیس ہزار کا ہے' پسند کر لیجیے۔ بہت اچھے ہیں۔ یہ پچیس ہزار کا بھی ہے۔

وہ کہنے لگی بس بس یہاں تک کا ہی ٹھیک ہے۔ کیا مجھے اسے پہن کر دیکھنے کی اجازت ہے۔ میرے دوست کہنے لگے ہاں ہاں ضرور۔ یہ ساتھ ہمارا ٹرائی روم ہے آپ ٹرائی کریں۔ وہ لڑکی اندر گئی۔ اس کے ساتھ ایک سہما اور ڈرا ہوا نوجوان بھی تھا (جیسے آج کل کے سارے خوفزدہ سے نوجوان ہیں کہ زندگی کیسے کاٹیں گے اور مستقبل کا فکر انہیں لاحق ہوتا ہے) وہ عروسی جوڑا پہن کر باہر نکلی اور دکاندار نے اسے دیکھ کر کہا ''سبحان اللہ بی بی یہ تو آپ پر بہت ہی سجتا ہے ایسی دلہن تو ہمارے پورے لاہور میں کبھی ہوئی نہ ہوگی'' (جس طرح سے دکاندار کہتے ہیں)۔ کہنے لگی جی بڑی مہربانی ٹھیک ہے اسے دوبارہ پیک کر لیں۔ وہ مزید کہنے لگی کہ میں تو صرف ٹرائی کرنے کے لیے آئی تھی میں اپنے اس خاوند کو جو میرے ساتھ آیا ہے یہ بتانے کے لیے لائی تھی کہ اگر ہم امیر ہوتے اور ہمارے پاس عروسی جوڑا ہوتا اور اگر میں اسے پہن سکتی تو میں ایسی دکھائی دیتی۔ آج ہماری شادی کو سات دن گزر چکے ہیں۔ ہم اللہ کے فضل سے بہت خوش ہیں لیکن میں اپنے خاوند کو جو بڑا ہی Depressed رہتا ہے اسے خوش کرنے آئی تھی۔ میرے دوست نے کہا کہ کیا آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ اس نے کہا کہ نہیں ہمارے پاس پیسے تو تھے لیکن میری ایک چھوٹی بہن جو ایم بی بی ایس کر رہی ہے اس کو پیسوں کی ضرورت تھی اور میرے والدین نے کہا کہ اگر میں یہ قربانی دوں تو اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ تب میں نے کہا کہ بسم اللہ یہ زیادہ ضروری ہے چنانچہ میں نے سادہ کپڑوں میں ہی شادی کر لی۔ جب میں یہ

free-urdubook.blogspot.com

بات اپنے دوستوں کے پاس لے کر گیا تو انہوں نے بھی کہا کہ .It is too good to be true۔

خواتین و حضرات اب وقت کم ہے لیکن میں آخری اور خوفناک و خطرناک محاورا ابھی آپ کی خدمت میں پیش کر ہی دوں وہ ہے: Live and Let to Live۔

پاکستان کا ہر شخص آج کل اس وقت بڑی شدت کے ساتھ اس محاورے پر عمل کر رہا ہے۔ جب میں اپنے بہت امیر دوستوں سے ملتا ہوں تو وہ کہتے ہیں اشفاق صاحب ہم تو Live and Let to Live پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم جس طرح سے زندگی بسر کر رہے ہیں اس پر خوش ہیں اور ہم لوگوں کی زندگیوں میں دخل نہیں دیتے۔ ہمارے ارد گرد جھگی والے رہتے ہیں' دوسرے لوگ رہتے ہیں ہم نے کبھی جا کر ان سے نہیں پوچھا کہ تم کیسے ہو۔ ہمارا اصول Live and Let to Live ہے۔ ہمارے اب یہ اصول ہی چل رہا ہے کہ کوئی زندہ رہے' مرے' کھپے' جیئے ہم اس میں دخل نہیں دیں گے۔ پچھلے سے پچھلے سال مجھے امریکہ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ریاست کیلی فورنیا میں ایک صاحب نے ہماری دعوت کی۔ میرے ساتھ بانو قدسیہ بھی تھیں۔ وہ دعوت بڑی ہی پُرتکلف تھی۔ وہ ہمارے دوست ایئر فورس کے بھاگے ہوئے افسر تھے۔ وہ ماشاء اللہ پاکستان سے بڑی دولت لوٹ کر ساتھ لے گئے تھے۔ وہ آج کل امریکہ میں انگور سکھا کر دنیا بھر میں سپلائی کرنے کا کاروبار کرتے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ تو یہاں ہمارا سارا پیسہ لے کر آ گئے ہیں۔ وہ کہنے لگے "اشفاق صاحب ہم تو Live and Let to Live پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم یہاں Live کر رہے ہیں اور آپ کو ہم نے Let Live کے لیے چھوڑ دیا ہے کہ جیسے مرضی زندگی بسر کرو۔ میں نے کہا کہ میں ایک دن صبح جاگا تو جیسے سود خور پٹھان ڈنڈا پکڑ کر دروازے پر آیا کرتا ہے اس طرح آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کا ایک بندہ ہم سے وصولی کے لیے آ جاتا ہے اور پٹھان کی طرح کہتا ہے کہ "دیکھو ہمارا پیسہ نکالو۔"

اور میں اس سے کہتا ہوں کہ میں نے تو تم سے ساری زندگی کوئی پیسہ نہیں لیا تو وہ کہتا ہے کہ تم نے لیا ہے اور تمہیں 32 بلین ڈالر دینا پڑیں گے۔

میں نے کہا کہ کب لیا؟ کس نے لیا؟ تو اس نے کہا کہ تمہارے بڑوں نے قرضہ لیا۔

اس پر میرے دوست نے کہا کہ ہم نے پیسہ لیا اور اسے اچھی طرح سے خوشی کے ساتھ استعمال کیا اور اگر اب بھی ہمیں موقع ملا تو ہم انشاء اللہ اسی طرح سے استعمال کریں گے۔ خواتین و حضرات دنیا کا یہ معروف ترین محاورا پاکستان میں بڑے اطمینان' اعتماد اور یقین کے ساتھ بولا جاتا ہے لیکن کسی نے کبھی موٹر کا شیشہ نیچا کر کے یہ نہیں دیکھا کہ پیچھے آنے والا زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

ڈپریشن کا نشہ

ہم بڑی دیر سے ایک عجیب طرح کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ ہمیں بار بار اس بات کا سندیسہ دیا جاتا ہے کہ ہمارے ملک میں نشے کی عادت بہت بڑھ گئی ہے اور ڈاکٹر و والدین دونوں ہی بڑے فکر مند ہیں اور والدین دانشور لوگوں سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس کے قلع قمع کے لیے کچھ کام کیا جائے۔ میں نے بھی ایک سوسائٹی کے ساتھ مل کر اس مسئلے کا مطالعہ کیا۔ میں نے اس سوسائٹی سے کہا کہ نشہ بری چیز ہے لیکن اتنا سا تو قوموں کی زندگی میں آ ہی جاتا ہے اور یہ بیہودہ چیز ہے جو کب سے چلی آ رہی ہے اور معلوم نہیں کب تک چلتی رہے گی۔ اس تحقیق کے دوران جو میں نے ایک عجیب چیز نوٹ کی وہ یہ کہ ایک اور قسم کا نشہ بھی ہے اور آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں کہ میں اسے نشہ کہوں کیونکہ وہ ہماری زندگیوں پر بہت شدت کے ساتھ اثر انداز ہے۔ وہ نشہ Stress 'فشار' پریشانی اور دکھ کو قبول کرنے کا ہے۔ اس نشے کو ہم نے وطیرہ بنالیا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ جب تک ہم Stress Ful نہیں ہوں گے اس وقت تک ہم نارمل زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ آپ محسوس کریں گے کہ اس نشے کو ترک کرنے کی اس نشے سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔ میں ایک بار کچہری گیا' ایک چھوٹا سا کام تھا اور مجھے باقاعدگی سے دو تین وہاں جانا پڑا۔ کئی سیڑھیاں چڑھ اور اتر کر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ بہت سے میری عمر سے بھی زیادہ عمر کے بابے کچہری میں بنچوں کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں اور مقدمے لڑ رہے ہیں۔ میں نے اپنی عادت کے مطابق ان سے پوچھا کہ آپ کیسے آئے ہیں۔ کہنے لگے جی ہمارا مقدمہ چل رہا ہے۔

میں نے کہا کب سے چل رہا ہے۔ ایک بابے نے کہا کہ پاکستان بننے سے دو سال پہلے سے چل رہا ہے اور ابھی تک چلا جا رہا ہے۔ وہ سسٹم کے اوپر لعن طعن بھی کر رہا تھا۔ میں نے کہا کہ مقدمہ کس چیز کا ہے۔ اس نے بتایا کہ ہماری نو کنال زمین تھی اس پر کسی نے قبضہ کرلیا ہے۔ میں نے کہا کہ 53 سال میں 2 سال ملا کر 55 سال بنتے ہیں۔ آپ دفع کریں' چھوڑیں اس قصے کو۔ وہ کہنے لگا کہ

free-urdubook.blogspot.com

جی اللہ کے فضل سے بچوں کا کام بڑا اچھا ہے اور میں اس کو دفع بھی کر دوں لیکن اگر مقدمہ ختم ہو جائے تو میں پھر کیا کروں گا۔ مجھے بھی تو ایک نشہ چاہیے۔ صبح اٹھتا ہوں کاغذ لے کر وکیل صاحب کے پاس آتا ہوں اور پھر بات آگے چلتی رہتی ہے اور شام کو میں گھر چلا جاتا ہوں۔ اس بابے کی بات سے میں نے اندازہ لگایا کہ ہمارے ہاں تو اس نشے نے خوفناک صورتحال اختیار کر لی ہوئی ہے۔ سکولوں میں ماسٹروں، گھروں میں عورتوں اور دفتروں میں صاحبوں کو یہ نشہ لگا ہوا ہے۔ جسے دیکھیں وہ پریشانی کے عالم میں ہے اور کسی نے اس نشے کو چھوڑنے کی کوشش کرنے کی بھی کبھی زحمت گوارہ نہیں کی۔ اگر کسی یوٹیلیٹی بل کے آخری تاریخ 17 ہے تو اسے چند لوگوں کو چھوڑ کر باقی دو دن پہلے بھی ادا کر سکتے ہیں لیکن ہم نے اپنے آپ کو صرف فشار کے حوالے کر رکھا ہے۔ اس دکھ سے ہمیں نکلنا پڑے گا۔ تیسری دنیا اور بطور خاص ہم پاکستانی اس قدر دکھ کی طرف تیزی سے بڑھتے ہیں کہ جیسے ہمیں اس کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں رہا۔ ایک زمانے میں سمن آباد میں رہتا تھا۔ ان دنوں ہمارے پاس پیسے بھی کم ہوتے تھے لیکن جو بوجھ ہم نے اب اپنے اوپر طاری کر لیا ہے ایسا نہیں تھا لیکن اب ہم اس بوجھ اور دکھ کے نشے سے باہر نکلنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ میرے ایک دوست ہیں انہیں آدھے سر کے درد کی شکایت ہے اور وہ ایسا طے شدہ درد ہے کہ ہفتے میں ایک مرتبہ بدھ کے دن شام کو تین بجے کے بعد ضرور ہوتا ہے اور اس درد کا حملہ بڑا شدید ہوتا ہے لہٰذا وہ صاحب دو بجے ایک چھوٹے سے سٹول پر اپنی دوائیاں اور ایک بڑے سٹول پر اپنے رسالے اور کتابیں لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور کتابوں کو پڑھتے ہوئے اس درد کے حملے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت اس کی بیوی آرام کرتی ہے اور اسے پتہ ہوتا ہے کہ اب اسے اٹیک ہوگا اور یہ جانیں اور اس کا کام۔ لیکن وہ صاحب اس ''بھاؤ'' کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ وہ کب آتا ہے۔ جس طرح پہلے زمانے کی ہم کہانیاں سنا کرتے تھے کہ ایک بستی کے اندر بلا پڑتی تھی تو وہ ایک بندہ یا لڑکی دیتے تھے کہ اس کو قتل کر کے کھا جا اور چلی جا۔ اب وہ ''بھاؤ'' سب کو پڑنے لگ گیا ہے اور ہر بندہ اس کے انتظار میں بیٹھا ہوتا ہے کہ یا اللہ میرا ''بھاؤ'' کب آئے گا تاکہ میں اس کو اپنے اوپر وارد کروں حالانکہ انسان اس نشے سے نکل بھی سکتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے فضل سے بڑا طاقتور ہے۔ اللہ نے اس کو بڑی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ وہ صاحب بیٹھے ہوئے ہیں اور ساڑھے تین بجے ٹھاہ کر کے انہیں اٹیک ہوتا ہے۔ جب وہ اٹیک ہوتا تو وہ سخت تکلیف میں کانپتے ہیں۔ پھر وہ ایک دوائی کھاتے پھر دوسری اور شام کے چھ بجے تک نڈھال ہو کے بستر پر لیٹ جاتے اور پھر صبح جا کے وہ بالکل ٹھیک ہوتے۔ ایک روز جب میں اور ممتاز مفتی ان سے ملنے گئے تو وہ اپنی دوائیاں رکھ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا یہ کیا ہے۔ کہنے لگے یہ میری دوائیاں ہیں اور اب میرے اوپر اٹیک ہونے والا ہے اور میں ان دوائیوں سے اس کا سد باب کروں گا۔

free-urdubook.blogspot.com

ان دنوں مفتی صاحب کو ہومیو پیتھی کا شوق تھا۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارے ہومیو پیتھک طریقہ علاج میں ایک ایسی دوائی ہوتی ہے جو اس مرض کے لیے ہوتی ہے۔ ان صاحب نے کہا کہ نہیں میرے پاس یہ دوائیاں پڑی ہیں لیکن مفتی صاحب اپنے سکوٹر پر گئے اور جا کے دوائی لے آئے۔

اور انہوں نے گول گول میٹھی سی گولیاں ان کے منہ میں ڈال دیں۔

اب اللہ کی مہربانی اور اتفاق دیکھئے کہ پہلے ساڑھے تین بجے' پھر چار بج گئے اور پانچ بجے ان صاحب نے زور سے چیخ ماری اور پریشان ہو کر کہنے لگے کہ میری بیماری کہاں گئی۔ (اب وہ صاحب تو اس بیماری کے عادی ہو چکے تھے۔)

وہ کہنے لگے کہ میرے ساتھ یہ دھوکا ہوا ہے۔ یہ کیوں ایسا ہوا ہے۔ اس کی بیوی کہنے لگی کہ یہ تو اچھی بات ہے لیکن ان صاحب نے رات بڑی بے چینی میں گزاری۔ اگلے دن وہ سی ایم ایچ گئے اور اس دوائی کو دکھایا۔ ہسپتال والوں نے اس دوائی کا ٹیسٹ کیا اور کہا کہ یہ کوئی دوائی نہیں ہے یہ تو میٹھا ہے۔ انہوں نے آ کے مفتی صاحب سے پوچھا کہ آپ بتائیں کہ وہ کیا تھا۔

مفتی صاحب نے کہا کہ یہ ہماری ایک مشہور دوائی ہے اور خاص طور پر آدھے سر کے درد کی شکایت کے لیے ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے یہ دوائی بالکل نہیں چاہیے۔

خواتین و حضرات! وہ بیماری ہی ان کی محبوبہ ہو گئی تھی۔ اتنی پیاری کہ نہ انہیں بیوی اچھی لگتی تھی نہ انہیں بچے اچھے لگتے تھے۔ بس انہیں بدھ والے دن آنے والی اس بیماری سے عشق تھا۔

آپ اگر اپنے گھروں میں غور کریں تو آپ کو احساس ہو گا کہ ہر بندہ اپنی اپنی بیماری سے چمٹا ہوا ہے اور مثبت زندگی گزارنے کی طرف کسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں یہ بات بھی جانتا ہوں اور محسوس بھی کرتا ہوں کہ ہمارے سب کے مالی حالات اتنے اچھے نہیں ہیں جتنے ہونے چاہئیں لیکن اس کے باوصف گزارہ چلتا تو ہے نا!

میں عمر کے بالکل آخری حصے میں ہوں لیکن میں آپ کو بتاؤں کہ 1964ء میں ہمارا یہ ٹی وی اسٹیشن چلا تھا اس وقت میں جو کماتا تھا یا جو میری تنخواہ تھی اور اب جو کچھ میں کماتا ہوں اس میں بڑا فرق ہے۔ اس وقت میری کمائی کا ستر فیصد حصہ ان چیزوں پر لگ رہا ہے جو 1964ء میں موجود ہی نہیں تھیں اور میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں سن چونسٹھ میں بھی زندہ تھا۔ اس زمانے میں فوٹو اسٹیٹ کی مشین نہیں تھی۔ شیمپو نہیں ہوتے تھے جبکہ آج ٹی وی کے اشتہاروں سے پتہ چلتا ہے کہ پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ شیمپو کا ہے کہ کون سا شیمپو استعمال کیا جائے اور ہمارے بچے شیمپو کے انتخاب کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ اگر سب عذاب اکٹھے کیے جائیں تو زیادہ عذاب ایسے ہیں جو 1964ء میں موجود نہیں تھے لیکن ہم بڑے مزے کی زندگی گزارتے تھے۔

free-urdubook.blogspot.com

کیا ہم اس عذاب سے باہر نہیں نکل سکتے؟ کیا ہم اپنی بیماری کو اس طرح کلیجے سے لگا کر بیٹھے رہیں گے؟

کیا ہماری زندگیوں میں خوشی کا کوئی دن کبھی نہیں آئے گا؟

یہ خوشی ایسی چیز ہے جو صرف اندر سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ یہ باہر سے نہیں لی جا سکتی۔ آج کل کے بچے کہتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس چیزیں زیادہ اکٹھی ہوں گی تو ہمارے پاس زیادہ خوشیاں ہوں گی۔ میری بہو کہتی ہے کہ اگر اس کے پاس پنے (زمرد) کا ہار ہو تو وہ بڑی خوش ہو۔ وہ مجھے کہتی ہے کہ ماموں اگر دو ہار بن جائیں تو پھر بڑی بات ہے۔ میں نے کہا اچھا میں تمہیں لا دیتا ہوں۔

وہ کہنے لگی 35 ہزار کا ہے۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں لیکن یہ بتاؤ کہ وہ لے کر تم کتنے دن خوش رہو گی۔ کہنے لگی میں کافی دن خوش رہوں گی۔

میں نے کہا کہ تم اپنی سہیلیوں کے سامنے شیخی بگھار لو گی کہ میرے پاس یہ سیٹ بھی آ گیا ہے۔ پھر کیا کرو گی۔

وہ مجھے کہنے لگی کہ Posession کا ایک اپنا نشہ ہوتا ہے اور یہ خمار ہوتا ہے کہ فلاں چیز میرے قبضے میں ہے۔

میں نے کہا پیارے بچے!

میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ اتنی ساری قیمتی چیزیں اکٹھی کر کے جب تم سوتی ہو تو یا سونے لگتی ہو تو ان ساری چیزوں سے تمہارا تصرف تو ٹوٹ جاتا ہے اور میں تمہیں جب کبھی صبح جگاتا ہوں تو تم کہتی ہو ماموں بس دو منٹ اور سو لینے دیں۔ یعنی جو خوشی آپ کے اندر سے پیدا ہو رہی ہے وہ زیادہ عزیز ہے اور وہ جو Posession آپ نے اکٹھے کیے ہوئے ہیں وہ اس وقت آپ بھلائے ہوئے ہوتی ہیں لیکن اس بات پر ہم نے کبھی غور ہی نہیں کیا۔

میری بہو جس کی سمجھ میں میری باتیں تھوڑی تھوڑی آنے لگی ہیں وہ کہتی ہے کہ ماموں ان باتوں پر عمل کر کے کہیں مارے ہی نہ جائیں۔

میں کہتا ہوں کہ مارے جانے والی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ آپ خوش ہوں گے۔ میں اس سے کہتا ہوں کہ میں جب تمہاری عمر کا تھا اور اٹلی میں تھا تو وہاں مجھے جب گھبراہٹ کے آثار پیدا ہونے لگے تو میری لینڈ لیڈی جس کے گھر میں ٹھہرا ہوا تھا یا رہتا تھا اس کا نام کاتانی تھا وہ کہنے لگی کہ پروفیسر تمہیں کیا مسئلہ ہے؟ میں نے اس سے کہا کہ میں پریشان ہو گیا ہوں، مجھ پر بڑا دباؤ ہے۔ وہ کہنے لگی کہ تم ایک دن چھٹی کر لو۔ میں نے کہا کہ میں چھٹی کر کے کیا کروں۔ میں پردیس میں ہوں اور دفتر میں جا کے ہی میرا دل لگتا ہے۔

اس نے کہا کہ روم اتنا بڑا شہر ہے تم گھومنے جاؤ اور بے مقصد جاؤ۔ میں نے کہا کہ بے مقصد کیسے گھوما جا سکتا ہے؟

کہنے لگی گھوما جا سکتا ہے۔

میں نے مسلسل 23 دن کام کیا تھا اور کوئی چھٹی نہیں کی تھی۔ میں نے اپنے دفتر والوں سے کہا کہ میں آج نہیں آؤں گا تو انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ خواتین و حضرات اس دن میں نے جو پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ نئے کپڑے پہن کر میں دفتر پہنچا لیکن کام کرنے کے مقصد سے نہیں بلکہ یہ دیکھنے کہ میرے کولیگ کیا کر رہے ہیں۔ میں نے سوتورینا کو دیکھا۔ وہ بیٹھی ٹائپ کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگی ''مزے کر رہے ہونا آج چھٹی جو ہے۔'' میں نے کہا ہاں اور میں اپنے کام کرنے والی کرسی پر بغیر کوئی کام کیے بیٹھا رہا۔

پھر دوسرے دفتری دوستوں سے گپ شپ کرتا رہا۔ دفتر میں وقت گزارنے کے بعد میں سیڑھیاں اترا تو وہاں قریب ہی ''سانتا ماریا'' میں ایک گرجے کے نیچے انڈر گراؤنڈ بازار ہے اس میں چلا گیا۔ وہاں عورتیں چیزیں بیچ رہی تھیں اور وہاں آوازیں دے دے کر چیزیں بیچنے کا رواج ہے۔ ایک خاتون نے مجھے بُلا کر کہا کہ تم یہ جالی کے دستانے لو۔ وہ بڑے اچھے بنے ہوئے دستانے تھے۔ وہ کہنے لگی کہ یہ تمہاری محبوبہ کے لیے ہیں یا منگیتر کے لیے ہیں۔

میں نے کہا کہ میری تو کوئی منگیتر نہیں ہے۔ کہنے لگی بے وقوف کبھی تو ہوگی۔ میں نے کہا نہیں مجھے ان کی ضرورت نہیں لیکن وہ اصرار کرنے لگی کہ میں تمہیں زبردستی دوں گی اور اس نے وہ لفافے میں ڈال کے دے دیئے۔ اب مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھے یہ کس کو دینے ہیں۔ اس وقت نہ کوئی میری منگیتر تھی اور بانو قدسیہ کا بھی تب کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ بہرحال میں نے وہ دستانے لے لیے۔

میں وہ دستانے لے کر بازار سے باہر آ گیا تو دیکھا کہ ریلوے اسٹیشن کے پاس ایک سیاہ فام خاتون ایک چھابے میں زرد گلاب کا ایک پھول رکھ کر اپنا پیر کھجا رہی تھی اور اسے جمائیاں سی آ رہی تھیں۔ اس نے مجھے کہا کہ یہ پھول بڑا اچھا ہے اور اس نے بھی کہا کہ یہ پھول تیری بیوی کے لیے بڑا اچھا رہے گا۔ میں نے وہ بھی ''بڑا خوبصورت ہے'' کہہ کر خرید لیا۔ پھر میں نے اسٹیشن پر ٹرام پکڑنے سے پہلے اپنا ایک شام کا محبوب پرچہ (اخبار) خریدا اور میں 77 نمبر کی بس میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس میں ایک بوڑھا سا آدمی جو بظاہر پروفیسر لگتا تھا گلے میں عینک لٹکائے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ میں دھڑم سے سیٹ پر بیٹھا تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ میں نے کہا کہ آپ کیسے ہیں؟ اس نے کہا کہ ٹھیک ہوں۔ میں ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ وہ اچانک میرے ہاتھ سے گر گئی ہے اور میں نے اسے اٹھانے کی زحمت گوارہ نہیں کی اور سوچا کہ کوئی بندہ آئے گا تو مجھے اٹھا دے گا۔ میں نے وہ کتاب اٹھا کر اسے دے دی۔

free-urdubook.blogspot.com

وہ ایک ریٹائرڈ سکول ٹیچر تھا۔ ہم باتیں کرنے لگے۔ اس نے کہا کہ آج موسم کتنا اچھا ہے۔ میں نے کہا ہاں جی موسم واقعی بہت اچھا ہے۔

جب میں گھر کے پاس پہنچا تو شام ہو چلی تھی۔ میں نے آسمان پر ایک ستارہ دیکھا جو میں نے دو سال سے نہیں دیکھا تھا۔ یہ ستارہ ایک گائیڈ کی طرح سے نشاندہی کر رہا تھا کہ میرا گھر اس طرف ہے۔ مجھے وہ بڑا اچھا لگا اور میں کافی دیر تک اس کو دیکھتا رہا۔ میں نے گھر آ کر اخبار، سفید دستانے اور لمبی ڈنڈی والا پھول جب میز پر رکھا تو آپ یقین کریں، میں آپ کو سچ سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھے ویسی خوشی عطا کرنے والا دن پھر کبھی نصیب نہیں ہوا حالانکہ میرے پاس کوئی Posession نہیں تھا۔ اب بھی میں کسی دن نکل کر ویسے ہی چوبرجی کی طرف جاؤں گا اور جب چلتے چلتے شام ہو جائے گی تو میں کہوں گا کہ میں یہ نشہ کرنا نہیں چاہتا جو نشہ ہمارے اوپر عائد کر دیا گیا ہے۔ میری آپ سے بھی پرزور درخواست کہ ہم دوسرے نشوں کی طرف توجہ دینے کی بجائے Stress کے نشے سے نکلنے کی کوشش کریں۔ میں پھر کہوں گا کہ بڑی تکالیف اور تنگیاں ہیں لیکن جس طرح سے بارش کے دنوں میں جب آپ کچی گلی میں سے گزرتے ہیں اور وہاں رکھی پکی اینٹوں پر آپ پاؤں رکھتے ہوئے اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں ویسے ہی ان مشکلات کو جانچتے ہوئے، پاؤں رکھتے ہوئے اگر خوشی کی طرف نکل جائیں۔ یہ میرے اس دوست کی طرح ہمیں یہ خوف لگا ہوا ہے کہ ہم اپنی بیماری کو چھوڑنا بھی ایک بیماری ہی تصور کرتے ہیں اور اپنے اوپر مسلط کردہ بیماریوں سے جان چھڑانا نہیں چاہتے۔ میں پھر یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہمیں بڑی پریشانیاں ہیں اور بچوں کے حوالے سے بڑی مشکلات ہیں۔ ہمیں انہیں اس طرح سے زندگی کے سفر میں کامیاب طریقے سے گامزن کرنے کے لیے کوئی راستہ نہیں مل رہا جیسے انہیں ہونا چاہیے۔ لیکن میری اس آرزو میں آپ بھی شریک ہوں گے کہ ہم ڈپریشن کی ایسی بیماری کی طرف بڑھ رہے ہیں جو بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے اور ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ پانچ سے سات سال کی مدت میں یہ بیماری لوگوں میں ایسے پھیل جائے گی جیسے کینسر یا ایڈز کی بیماری ہے۔

اس ذہنی بیماری کا سدباب کرنے کے لیے میں اور لوگوں کے لیے بھی دعاگو ہوں لیکن اپنے ملک اور اس کے باشندوں کے لیے یہ ضرور تمنا کرتا ہوں کہ اللہ نہ کرے ہم ڈپریشن کی بیماری میں شدت سے مبتلا ہو جائیں جس کی نشاندہی دنیا بھر کے ڈاکٹر چیخ و پکار کر کے کر رہے ہیں۔ ہمیں ایک ہی ذات اور نبی اکرمؐ کی رہنمائی کا سہارا ہے جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہے اور یہ سہارا ہمارے پاس ہے۔ اس وقت تک نہیں جائے گا جب تک ہم اللہ پر اتنا بھروسہ نہیں کرنے لگیں گے جتنا کہ فرمانے والوں نے فرما دیا ہے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔

میرے بڑے بڑی ہی آسان زندگی گزار گئے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ جو سب کچھ ہو رہا ہے یہ

خاص سکیم کے تحت ہو رہا ہے جبکہ میں بدنصیب کہتا ہوں کہ ہوتا ہے تو ہوتا رہے لیکن میں اس میں اپنی عقل اور دانش ضرور استعمال کروں گا اور اس عذاب میں ضرور مبتلا ہوں گا جس کا وسط تو پورے طور پر ہو چکا ہے اور ہم اس کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں۔ ہمیں روحانیت کی رسی تھام کر مادیت کی زمین کے اوپر چلنے کی بڑی اشد ضرورت ہے لیکن رسی وہی تھامنی پڑے گی' اسی میں نجات ہے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

''زندگی سے پیار کی اجازت درکار ہے''

پچھلے دنوں کچھ ایسے بوجھ طبیعت پہ رہے ان کچھ اور چند دنوں کو میں اگر پھیلاؤں تو وہ بہت سارے سالوں پر محیط ہو جاتے ہیں لیکن اللہ کا فضل ہے کہ ہماری اجتماعی زندگی میں دو ماہ ایسے آئے کہ بوجھ میں کچھ کمی کا احساس پیدا ہوا اور یوں جی چاہا کہ ہم بھی زندوں میں شامل ہو جائیں اور جس مصنوعی سنجیدگی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں اس سنجیدگی میں کچھ کمی پیدا کریں۔ ہم سے بڑوں نے بھی خود کو خوش کرنے کے لیے خوش بختی کا سامان بہم کیا تھا لیکن بدقسمتی سے وہ سارے یہی سمجھتے رہے کہ اگر ہمارے پاس ڈھیر ساری دولت ہوگی تو ہم خوش ہوں گے۔ ان بڑوں نے یہی ورثہ اپنے بچوں میں منتقل کیا۔ ہمارے طالب علموں کو بھی یہی بتایا گیا کہ بہت سارے پیسے اور اقتصادی طور پر مضبوط مستقبل ہی خوشی ہے۔ ان مادی خوشیوں کو سمیٹتے سمیٹتے اب حالت یہاں تک آن پہنچی ہے کہ صورتحال نہایت تکلیف دہ ہوگئی ہے۔ آپ آئے روز اخباروں میں نیب کے نتائج پڑھتے ہوں گے کہ فلاں شخص سے 5 یا 8 کروڑ واپس لے لیا گیا۔ یہ ہمارے وہ پیسے تھے جو لوگ لے کر بھاگ گئے تھے۔ یہ بڑی دردناک کہانی ہے۔ میری تمنا اور آرزو ہے کہ ہم کاش ایسا بھی سوچنے لگیں کہ بہت زیادہ سنجیدگی کی دنیا سے نکل کر تھوڑی سی آسائش کی طرف بھی توجہ فرمائیں خواتین و حضرات آسائش خالی پیسے کے جمع کرنے یا اپنی ذات کو مضبوط کرنے سے میسر نہیں آتی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کو محسوس کرنے میں، گلستانوں کی سیر کرنے اور چیلوں کو دیکھنے میں بھی اتنی خوشی ملتی ہے جس کا اندازہ کرنا ہم شاید بھول گئے ہیں۔ میں ایک مرتبہ لاہور سے قصور جا رہا تھا تو ایک پلی پر لڑکا بیٹھا ہوا تھا اور اس پلی کو ڈنڈے سے بجا رہا تھا اور آسمان کو دیکھنے میں محو تھا۔ مجھے بحیثیت ایک استاد کے اس پر بڑا غصہ آیا کہ دیکھو وقت ضائع کر رہا ہے اس کو تو پڑھنا چاہیے۔ خیر میں وہاں سے گزر گیا۔ تھوڑی دور آگے جانے کے بعد مجھے یاد آیا کہ جو فائلیں اور کاغذات میرے ہمراہ ہونے چاہئیں تھے وہ نہیں تھے لہٰذا مجھے لوٹ کر دفتر جانا پڑا۔ میں واپس لوٹا تو وہ لڑکا پھر ڈنڈا بجا رہا تھا۔ مجھے اس پر اور غصہ آیا۔ جب میں وہ کاغذات لے کر واپس آ رہا تھا تو تب بھی اس

free-urdubook.blogspot.com

لڑکے کی کیفیت ویسی ہی تھی۔ میں نے وہاں گاڑی روک دی اور کہا "یار دیکھو تم یہاں بیٹھے وقت ضائع کر رہے ہو تمہاری عمر کتنی ہے۔"

اس نے بتایا کہ تیرہ یا چودہ سال ہے۔ میں نے کہا کہ تمہیں پڑھنا چاہیے۔ وہ کہنے لگا جی میں پڑھنا نہیں جانتا۔

تب میں نے کہا کہ تم یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔ میرے خیال میں فضول میں اپنا اور قوم کا وقت ضائع کر رہے ہو' تمہیں شرم آنی چاہیے۔

وہ کہنے لگا جی میں تو یہاں بیٹھا بڑا کام کر رہا ہوں۔ میں نے کہا آپ کیا کام کر رہے ہیں۔ کہنے لگا جی میں چڑی کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ وہی چڑی ہے جو پچھلے سے پچھلے سال ادھر آئی تھی اور اس نے یہیں گھونسلا ڈالا تھا۔ تب اس کے ساتھ کوئی اور چڑا تھا اب کی بار یہ شاید اور کسی سے شادی کر کے آئی ہے۔

میں نے کہا کہ تم کیسے پہچانتے ہو کہ یہ وہی چڑیا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ میں اس کو پہچانتا ہوں۔ یہ مجھے پہچانتی ہے۔ مجھے اس کی بات سن کر پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ میرے ملک میں ایک اور نی تھالوجسٹ بھی ہے۔

(The person who knows the details of the Birds.)

اس کا گو کوئی گائیڈ نہیں ہے۔ یہ کسی یونیورسٹی سے یہ مضمون نہیں پڑھا ہوا کیونکہ ہماری کسی یونیورسٹی میں یہ Subject نہیں پڑھایا جاتا ہے۔ میں چونکہ شرمندہ ہو چکا تھا اور میں اس سے کہہ چکا تھا کہ تم بڑا وقت ضائع کر رہے ہو اور فضول کام میں لگے ہو اور اب میں نے اپنے موقف سے نہ ہٹتے ہوئے اور شرمندگی ٹالتے ہوئے کہا کہ یار تمہیں کوئی کام کرنا چاہیے۔ میری طرف دیکھو میں کیسی اچھی گاڑی میں ہوں اور میں اپنی ایک میٹنگ میں جا رہا ہوں۔ لوگ مجھے اجلاسوں میں بلاتے ہیں اور میں تم سے بڑے درجے میں ہوں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ میں تعلیم یافتہ ہوں اور تم نے گویا تعلیم حاصل نہیں کی ہے اور تم فضول لڑکے ہو۔

وہ میری بات سن کر ہنس کے کہنے لگا "صاحب جی بات یہ ہے کہ ہم تم دونوں ہی برابر ہیں۔ میں اس پلی پر بیٹھا بھاگتی ہوئی موٹریں دیکھ رہا ہوں۔ آپ موٹر میں بیٹھے ہوئے پلیاں بھاگتی ہوئی دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے بھی کچھ زیادہ اکٹھا نہیں کیا۔

خواتین و حضرات! کبھی کبھی اس لڑکے کی بات مجھے یاد آ جاتی ہے۔ میں نے اب حال ہی میں پچھلے سے پچھلے ہفتے یہ فیصلہ کیا کہ اتنی زیادہ Rigid خشک اور اتنی زیادہ سنجیدہ زندگی بسر کرنے کی نہ تو انفرادی طور پر ضرورت ہے اور نہ ہی اجتماعی طور پر ضرورت ہے بلکہ ہمیں ڈھیلے ڈھالے اور پیارے

free-urdubook.blogspot.com

پیارے آدمی ہو کر Relax رہنے کا فن سیکھنا چاہیے۔ خواتین و حضرات اگر آپ مجھ سے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی پوچھیں تو میں آپ کو بتاؤں گا کہ جب میں سیکنڈ ایئر میں تھا تو لاہور میں (جو لوگ لاہور کو جانتے ہیں انہیں پتہ ہے کہ نسبت روڈ اور میکلوڈ روڈ کو ایک چھوٹی سی سڑک ملاتی ہے اور وہ سڑک بالکل دیال سنگھ کالج کے سامنے ہے) دیال سنگھ کالج کے پاس ایک حلوائی کی دکان ہوتی تھی جو سموسے بیچتا تھا۔ تب اس کے سموسے پورے لاہور کے مہنگے ترین ہوتے تھے اور وہ تین آنے کا ایک سموسہ بیچتا تھا۔ اس کے سموسوں کی خوبی یہ تھی کہ ان میں آلو کی بجائے مٹر کے سر سبز دانے ہوتے تھے۔ یہ قیام پاکستان سے پہلے کی بات ہے۔ اس کے بعد کسی نے اس طرح کے مٹر کے سموسے بنائے ہی نہیں ہیں شاید۔ ہم سب دوستوں کی بڑی آرزو ہوتی تھی کہ ایک عدد سموسہ ایک دن میں ضرور کھایا جانا چاہیے اور ہماری بدقسمتی یہ ہوتی تھی کہ میری ماں مجھے کالج جانے کے لیے دو آنے دیتی تھی۔ اب دو آنے میں ایک آنہ ملانا خاصا مشکل کام تھا۔ ہم تین آنے اکٹھے کرنے کے چکر میں پڑے رہتے تھے اور وہ ایک سموسہ کھاتے بھی دوستوں سے نظر بچا کے تھے کیونکہ جو دوست دیکھ لیتا وہ تو پھر حصے دار بن جاتا تھا۔ ہم اس تین آنے میں میسر آنے والی عیاشی سے بڑے لطف اندوز ہوتے تھے اور آج ساٹھ برس سے زائد عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ہم یاد کرتے ہیں کہ عیاشی کے جو لمحے تھے وہ تھے اور میری افسانہ نگاری' ناموری اور ڈرامہ نگاری کے لمحات کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ اگر کالج کی زندگی سے بھی ذرا پیچھے جاؤں تو اور خوشی کے لمحات آتے ہیں۔ ابھی کل ہی میری پوتیاں پوتے مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ دادا' نانا آپ کی زندگی کا سب سے خوبصورت دن کونسا ہے۔ میں انہیں بتا رہا تھا کہ میں دوسری جماعت میں پڑھتا تھا اور میں تب خوش خط تختی لکھا کرتا تھا اور مجھے کبھی کبھی اس خوش خطی پر ایک یا دو پیسہ انعام بھی ملتا تھا اور تب بھی اتوار کی چھٹی ہوتی تھی۔ ایک دن میری ماں نے مجھے بتایا اور ان کی یہ بات سن کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ انہوں نے چتری مرغی کے نیچے انڈے رکھے ہیں اور وہ انہیں سی رہی ہے۔ اکیس دن کے بعد ان انڈوں سے چوزے نکلیں گے اور وہ تمہارے کھیلنے کا سامان ہوگا۔ تم ان چوزوں سے کھیلا کرنا۔ میں نے ماں سے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ کسی ایسے دن نکلیں گے جب میں سکول میں ہوں گا۔ میری ماں نے کہا کہ تم گھبراؤ مت میں نے مرغی کے نیچے انڈے اس حساب سے رکھے ہیں کہ اتوار کی صبح کو ہی چوزے نکلیں گے اور وہ تمہارا چھٹی کا دن ہوگا۔ تم ان سے خوب کھیلنا۔

خواتین و حضرات! جب وہ بچے نکلے وہ ہفتے کا دن تھا۔ میں خوش خط لکھی تختی لے کر جب سکول جانے لگا تو میری ماں نے مجھے خوشخبری دی کہ "اشفاق چوزے نکل آئے اور چھ ابھی نکلے ہیں باقی نکل رہے ہیں۔"

پیارے بچو آپ اندازہ نہیں لگا سکتے اس وقت میرے دکھ اور میری مایوسی کا۔ کیونکہ چوزے

نکل آئے تھے اور میں سکول جا رہا تھا اور میں نہ انہیں انڈوں سے نکلتے ہوئے دیکھ سکتا تھا اور نہ ان کے پاس سارا دن بیٹھ سکتا تھا۔ میں نے رنجیدہ ہو کر کہا ”ماں تو نے تو کہا تھا کہ اتوار کو نکلیں گے آج تک ہفتہ ہے۔“

میری ماں نے مجھ سے کہا کہ بیٹے جب چوزے نکل آتے ہیں تو ہفتہ بھی اتوار ہو جاتا ہے۔ تیرے لیے بھی آج اتوار ہی ہے۔ تختی بستہ رکھ دے' سکول نہیں جانا۔ وہ دن آج تک میری زندگی کا خوبصورت دن ہے اور مجھے یاد ہے کہ وہ ہفتہ کیسے اتوار بن گیا اور وہ سارا دن میں نے کتنی خوشی کی لہر میں گزارا۔ میں اسے باوصف اس لیے نہیں بھول سکتا کہ مجھے زندگی میں بڑی کامیابیاں ملیں۔ میرے لیے بڑے باجے بجے' بڑے کمرے سجائے گئے لیکن اس خوشی کا میں آپ کو ترجمہ کر کے نہیں بتا سکتا' اس کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔

ہمیں ایسی خوشیوں کی طرف رجوع کرنے کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ اب میں نے پچھلے دو ہفتوں سے یہ فیصلہ کیا ہے اور یہ فیصلہ اپنے مشاہدے کی بنا پر کیا ہے کہ زندگی پر تھوڑا اختیار تو ہونا چاہیے یا اس پر کنٹرول حاصل کرنا چاہیے۔ یہ تو اپنی مرضی سے چلی آ رہی ہے۔

Life is Bigger than Life

میرا یہ مشاہدہ یہ دیکھ کر ہوا کہ یوٹیلیٹی بلز جن کے بارے میں آپ روتے پھرتے ہیں۔ یہ آپ تک 24 گھنٹے کے اندر اندر پہنچ جاتے ہیں لیکن وہ چیک جو آپ کی تنخواہ یا محنت کا پیسہ ہوتا ہے وہ ایک ماہ سے پہلے آپ تک نہیں پہنچتا۔ بعض اوقات تو ایک مہینے سے بھی زیادہ عرصہ لگ جاتا ہے۔ گنیز بک والوں کا کہنا ہے کہ دنیا کے تین بڑے جھوٹوں میں سے ایک جھوٹ یہ بھی ہے کہ ”جی ہم نے آپ کا چیک روانہ کر دیا ہے۔ وہ بس آپ تک پہنچنے ہی والا ہوگا۔“ حالانکہ چیک نہیں پہنچتا۔ میرے پوتے پوتیاں اور ان کے سکول کے باقی دوست ایک ہی موٹر پر آتے ہیں اور راستے میں وہ اپنے دوستوں کو ان کے گھروں میں چھوڑتے آتے ہیں لیکن میرے پوتیاں پوتے گھر آ کر اپنے انہی دوستوں سے فون کر کے بات کرتے ہیں اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیتے ہیں حالانکہ ابھی چند منٹ پہلے وہ انہیں چھوڑ کر آئے ہوتے ہیں۔ جب میں پورا منہ کھولے بڑی تکلیف میں اپنے ڈینٹسٹ کے آگے بیٹھا ہوتا ہوں تو وہ بار بار مجھ سے پوچھتا ہے کہ ”اشفاق صاحب تکلیف تو نہیں ہو رہی۔“ اور وہ ایک ایسے وقت پر پوچھتا ہے جب نہ میں بول سکتا ہوں' نہ میں سر ہلا سکتا ہوں۔ بس زندگی بھی کچھ اسی ڈینٹسٹ اور مریض کی طرح سے ہے۔ اب میں نے جو دو ہفتوں سے سوچ رہا ہوں تو بڑے اعتدال پسندی کے موڈ میں ہوں۔ آپ پر بڑی نصیحتوں اور بابوں کی بات کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ میری سوچ کی طرح آپ بھی سیر کریں۔ پرندوں بارے غور کریں۔ اچھا سوچیں کیونکہ جب تک آپ کے اندر کی

Pollution دور نہیں ہوگی باہر کی تو بالکل ختم نہیں ہوگی۔ پہلے اندر کی صفائی ہونی چاہیے۔ اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اب زندگی میں Relaxed رہنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں اب زندگی کے اس آخری حصے میں کبھی Dieting نہیں کروں گا۔ میں 70 برس ڈائٹنگ کرنے کی کوشش کرتا رہا اور میرے ساتھ اور بھی عورتیں' لڑکیاں لڑکے زور لگاتے رہے لیکن وہ ڈائٹنگ نہیں کر سکے کیونکہ یہ دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔ پتہ نہیں یہ کیوں نہیں ہوتا۔ میری آپا رضیہ ایک دن اپنے خاوند سے کہنے لگیں کہ "ارشد آپ کو ڈائٹنگ کرنی چاہیے' دیکھیں نا آپ چلتے ہوئے ایسے لگتے ہیں جیسے دو آدمی چل رہے ہوں۔"

لہٰذا ارشد بھائی نے ڈائٹنگ شروع کر دی۔ پھر دو ماہ کے بعد کہنے لگیں کہ آپ تو آم کی گٹھلی کی طرح سے چوسے ہوئے لگتے ہیں۔ آپ اپنا چہرہ آئینے میں دیکھیں تو سہی' آپ نے اتنی لمبی اور خوفناک ڈائٹنگ کیوں کر لی۔

ارشد بھائی کہنے لگے' رضیہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم کو میری کون سی سائیڈ سے محبت ہے۔ کبھی تم موٹاپے پر تنقید کرتی ہو تو کبھی دبلے پن پر۔

خواتین و حضرات ڈائٹنگ مشکل کام ہے اور اگر اب میرے پوتے پوتیاں مجھے کہیں گے کہ نانا آپ چوڑائی کے رخ پھیلتے جا رہے ہیں تو میں کہوں گا کہ اب تو میں چوڑائی کے رخ ہی پھیلوں گا۔

"Let Me Relax"

میں نے دوسرا فیصلہ یہ کیا ہے کہ میری میز پر جو گند پڑا ہوتا ہے' جو ٹوٹی سرنجیں جن سے میں پین میں سیاہی ڈالتا ہوں' پرانے پین' پھٹی پرانی کتابیں اور سوکھی دواتیں پڑی ہوئی ہیں۔ یہ میں اب ویسے ہی پڑی رہنے دوں گا۔ میں صفائی نہیں کروں گا۔ میری بے ترتیبی اور صفائی نہ کرنے پر میری بیوی مجھے کہا کرتی ہے کہ کیا یہ پڑھے لکھے لوگوں والا کام آپ کرتے ہیں کہ کسی چیز کی آپ کو خبر ہی نہیں ہے اور میں اس کی باتیں سن کر شرمندہ ہو جاتا ہوں۔ اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں شرمندہ بھی نہیں ہوں گا۔ میں آپ سے بھی یہی درخواست کروں گا کہ اب آپ بھی اپنی شرمندگیوں کو' اپنے دکھوں اور دباؤ کو کم کرنا شروع کریں اور ایک آزاد اور ہلکی پھلکی زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں۔ خواتین و حضرات میرے سر پر کچھ کتابوں کا بوجھ تھا کہ یہ ضرور پڑھنی ہیں اور ختم کرنی ہیں۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ میں History Of God کے ساتھ ساتھ مولانا رومؒ کی مثنوی بھی شروع کر دوں گا لیکن اگر اب یہ ختم نہیں ہوتی ہیں نہ تو نہ ہوں۔ میں اس بات پر ملال نہیں کروں گا اور کسی پریشانی کا اظہار نہیں کروں گا کیونکہ بلاوجہ کا اتنا سارا بوجھ لے کر میں کیا کروں گا۔

(پروگرام میں شریک ایک خاتون سوال کرتی ہیں)

سوال:۔ اگر ہم اپنی ذات کو عذاب میں مبتلا نہیں کریں گے اس وقت تک ہم کامیاب زندگی

free-urdubook.blogspot.com

کیسے بسر کریں گے؟

اشفاق احمد:۔ میرے اردگرد کامیاب زندگی بسر کرنے والے بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے زندگی سے پیار نہیں کیا بلکہ کامیابی سے پیار کیا ہے۔ جب آپ زندگی کو کامیابی سے علیحدہ کر دیتے ہیں اور زندگی کو مقفل کر دیتے ہیں اور صرف کامیابی کو پکڑ لیتے ہیں تو پھر آپ کی کیفیت وہی ہوتی ہے جو ابھی ماضی قریب میں ہم نے دیکھا کہ جن لوگوں نے بہت پیسے اکٹھے کر کے اپنی زندگیاں بنائیں پھر ان پر بدعنوانی کے مقدمات چلے اور پھر ان کی گردنیں ناپی گئیں۔ کامیاب ہونا اور چیز ہے' زندگی کے ساتھ وابستہ رہنا الگ چیز ہے۔ بے شک بچوں کو ہم سب استاد یہی کہتے ہیں کہ عذاب میں مبتلا ہوئے بغیر کامیابی ممکن نہیں لیکن آج میں آپ لوگوں کے سامنے اپنا دل کھول کے لایا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میں کامیاب بھی ہوں اور میری زندگی بھی خوشگوار اور ضمیر بھی مطمئن ہو۔ صرف کامیابی ہی کامیابی نہ ہو۔ ترقی اور فلاح میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے۔ ترقی فلاح نہیں ہے فلاح کے اندر ترقی موجود ہے۔ خالی ترقی آپ کا ساتھ نہیں دے گی۔ اب میں نے یہ جو فیصلے کیے ہیں یہ آپ کی مرضی کے بغیر کیے ہیں لیکن آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں اور کہیں کہ ''ٹھیک ہے بابا آپ اپنی زندگی اپنی مرضی کے مطابق گزاریں لیکن اس میں فلاح کا رخ ہو اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ اب میری زندگی میں فلاح کا رخ ضرور ہوگا۔ میں صرف ترقی کی طرف جانے والا نہیں ہوں گا۔ اگر میں خالی ترقی کی طرف جاؤں گا تو پھر میں ڈیزی کٹر (وہ تباہ کن بم جو امریکہ نے افغانستان میں استعمال کیے) بناؤں گا۔ پھر میں تورا بورا کو فنا کر کے ریت میں تبدیل کر دوں گا۔ مجھے ایسی ترقی نہیں چاہیے۔ مجھے زندگی سے پیار کرنے کی اجازت دیں اور میں بھی آپ کو یہ اجازت دیتا ہوں۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ خدا حافظ۔

free-urdubook.blogspot.com

''نظرِ بد''

ہم اہل زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں محبت بھرا سلام پہنچے۔

میں ایک تھوڑے سے دکھی دل کے ساتھ' طبیعت پر بوجھ لے کر آپ سے بات کر رہا ہوں اور امید ہے کہ آپ بھی میرے اس دکھ میں شرکت فرمائیں گے۔ ایک زمانے میں جب میں بہت چھوٹا تھا تو میری بڑی آپا جو نظرِ بد پر بڑا اعتقاد رکھتی تھیں میں اس وقت باوصف کہ بہت چھوٹا تھا اور میں بھی نظر وظر کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا تھا لیکن چونکہ میرے بڑے بھائی مجھے سیر کے لیے اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور میں نیلی نیکر پہن کر اپنے سنہرے بالوں کے ساتھ ''باوا'' سا بنا ہوا ساتھ چلتا تھا تو میری بڑی آپا کہتی تھیں کہ ٹھہرو میں اس کے ماتھے پر تھوڑی کا لک لگا دوں کہ کہیں نظر نہ لگ جائے لیکن میں ان کے اس عمل سے بڑا گھبراتا تھا' کئی گھرانوں میں نظر بد کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ میں کالک لگانے سے گھبراتا کہ میرے ماتھے پر کالک کیوں لگائی جاتی ہے؟ میری چھوٹی آپا اس پر کوئی یقین نہیں رکھتی تھیں اور جیسے جیسے میں بڑا ہوتا گیا تو مجھے پتہ چلا کہ یہ ماتھے پر کالک نہیں لگاتے بلکہ اس طریقے سے نظر اتاری جاتی ہے۔ میری ماں سرخ مرچیں لے کر انہیں جلتے ہوئے کوئلوں پہ رکھ کر کہا کرتیں کہ اگر ان کے جلنے سے بدبو آتی ہے تو نظر ہے اگر نہیں آتی تو پھر نظر نہیں ہوئی ہے۔ میرے والد صاحب اور میرے بھائی ان کے اس اعتقاد پر بہت ہنسا کرتے تھے کہ یہ کیا فضول بات ہے۔ نظر نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میری نانی کہتی تھیں کہ تمہارے ماموں اعجاز اور تمہاری ممانی رضیہ جو منگورہ (سوات) میں اس وقت موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے جب ایک درخت ان کی کار پر آن گرا' انہیں نظر لگ گئی تھی۔ اس بارے میری ماں بتاتی تھیں کہ ہم نے ماں کو ایسے ہی بتایا ہے۔ ان کی کار پر کوئی درخت ورخت نہیں گرا تھا بلکہ سڑک کنارے ایک بلڈوزر کھڑا ہوا تھا۔ جب ان کی کار گزری تو اس بلڈوزر کا مٹی اٹھانے والا بھاری بھرکم ''چمچہ'' عین اس وقت ان کی گاڑی پر گر گیا جب موٹر اس کے نیچے سے گزر رہی تھی۔ ایسی بہت سی کہانیاں زندگی میں چلتی رہتی ہے۔ آپ نے بھی سنی ہوں گی لیکن ہم تعلیم کی وجہ سے ایسی کہانیوں پر کچھ زیادہ اعتماد نہیں

free-urdubook.blogspot.com

کرتے۔ ایک وقت ایسی صورتحال میری زندگی میں بھی پیدا ہوئی جب میں بڑی بری طرح سے نظر ایا گیا۔ میں بڑا ہو چکا تھا اور پڑھ لکھ چکا تھا۔ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو چکا تھا۔ اس واقعہ میں مجھ پر اس قدر بوجھ پڑا کہ میں نے گھبرا کر اور سر جھکا کے اس بات کا اعلان کیا کہ واقعی نظر بد کوئی چیز ہے اور نظر لگانے والا بڑے اہتمام کے ساتھ Plan کر کے نظر لگاتا ہے۔ یہ نہیں کہ نظر اتفاق سے لگ گئی۔ نظر لگانے والا اندر سے بڑا کینہ پرور ہوتا ہے اور بے ایمان ہوتا ہے۔ ہم 52-1950ء کے قریب پہلی مرتبہ مشرقی پاکستان گئے۔ ہم نے چار پانچ دن وہاں گزارے اور پہلی مرتبہ ہم نے جی بھر کے کیلے کھائے۔ جب ہمارا وہاں سے لوٹنے کا پروگرام ختم ہوا تو ہمارا وہاں سے واپس آنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ وہ ایسی محبت والے لوگ تھے جو خود بھی نہیں چاہتے تھے کہ ہم واپس جائیں لیکن ہمیں مجبوراً واپس آنا پڑا۔ اللہ نے ہماری خواہش ایک بار پھر پوری کی کہ ہمیں تقریباً آٹھ ماہ کے بعد دوبارہ وہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ ہم بہت سارے شاعر، ادیب اور رائٹر تھے جو وہاں ایک اجلاس میں شرکت کے لیے گئے تھے۔ ہمیں وہاں حد سے زیادہ محبت ملی اور ہمارے وہ بھائی ہمیں ایسی چیزیں کھانے کو دیتے جو ہم نے پہلے کبھی دیکھی بھی نہیں تھیں۔ بنگال اکیڈمی والوں نے مجھے کہا کہ اشفاق صاحب ہم نے آپ کے لیے یہ ایک بہت بڑا پھل رکھا ہے جو ناریل سے بھی بڑا تھا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آپ اس کو کاٹیں لیکن اسے آپ احتیاط سے کاٹیں کیونکہ یہ پیچھے پڑ جاتا ہے۔ اسے ''کٹھل'' کہتے تھے۔ جب میں نے اسے چھری سے کاٹنا شروع کیا۔ میں نے ایک آدھ بار تو چھری چلائی لیکن اس نے واقعی میرے دونوں ہاتھوں کو وہیں سے پکڑ لیا جہاں پر تھے۔

دنیا کی اگر کوئی پاور فل گوند یا گلو اگر کہیں سے ملتی ہے تو وہ ''کٹھل'' سے نکلتی ہے۔ وہ سب ہمیں کہتے تھے کہ کوئی داڑھی والا آدمی اسے نہ کاٹے کیونکہ اگر اس کا کاٹتے ہوئے ہاتھ داڑھی کو لگ گیا تو وہ ساری نوچ کے نکالنی پڑے گی۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں ہوگا۔ وہاں ہم نے خوب کٹھل کھایا۔ میں نے اپنے استاد غلام مصطفیٰ تبسم سے کہا کہ جی میں ہوٹل سے نیچے گیا تھا اور آپ کے لیے یہ انناس لایا ہوں۔ میں نے دو انناس کو دھاگے کے ساتھ باندھ کے لٹکا رکھا تھا۔ وہ کہنے لگے تو ان کو کیوں لے آیا۔ میں نے کہا سر یہاں آئے ہیں تو انناس تو کھائیں گے۔

وہ پوچھنے لگے کہ کتنے کے آئے؟

میں نے جواب دیا جی ایک روپیہ دس آنے کے یہ دو انناس آئے ہیں۔

وہ غصے میں آ کر کہنے لگے اسے کاٹے گا تیرا باپ۔ ہم کو تو پتہ ہی نہیں کہ انہیں کیسے کاٹا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ جی میں وہ بھی ''سائی'' (طے کر کے) لگا کے آیا ہوں ابھی ہوٹل میں کام کرنے والا لڑکا اوپر آئے گا اور وہ دو مزید انناس بھی لا رہا ہے۔

free-urdubook.blogspot.com

وہ کہنے لگے ارے برباد ہو جائیں گے۔ میں نے کہا جناب انہیں فریج میں رکھیں گے اور شوق سے کھائیں گے ایسا موقع بار بار کہاں ملتا ہے۔ چنانچہ وہ لڑکا آیا اس نے کاٹ کے طشتری میں رکھ دیئے۔ ہمارے وہاں قیام کے وقت ہمارے لیے اور ہمارے پیارے میزبانوں کے لیے یہ ایک عید کا سا سماں تھا۔ وہاں محبت کی اتنی بڑی دنیا آباد ہو گئی تھی کہ میں نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے محبت کا ایسا مظہر نہیں دیکھا تھا۔

وہاں پر ایک بی بی جس کا اوما نام تھا اس نے ہمیں علامہ اقبالؒ کی ایک نظم:

پھر چراغ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر افسانوں پہ اکسانے لگا مرغِ چمن

سنائی۔ ایسی خوبصورت آواز اور اچھی انداز میں میں نے یہ نظم نہیں سنی۔ اس موقع پر مجھے انشاء جی کہنے لگے کہ ہمیں شرم آنی چاہیے اور ہمیں بھی کچھ آنا چاہیے۔ یہ اقبالؒ کی نظم کتنے اچھے انداز میں گا رہی ہے۔ ہم نے اپنے بیرے سے کہا کہ یار ہمیں بھی کچھ گانا سکھا دو چنانچہ ہم نے پہلا گانا مشرقی پاکستان میں اپنے پاکستانی بھائیوں سے سیکھا وہ یہ تھا:

اللہ میگ دے، پانی دے چھایا دے تُو ای
ھو اللہ میگ دے، پانی دے چھایا دے تُو ای

(گانے کے انداز میں)

ہم یہ شعر تو گا کر کہہ لیتے تھے لیکن ''اللہ'' کہنے کا خوبصورت انداز صرف انہی کو آتا تھا۔ خواتین وحضرات کیا آپ نے کبھی کسی سندھی کو ''اللہ'' کہتے ہوئے سنا ہے۔ جب کوئی سندھی اپنی کسی نظم میں یا کلام میں ''اللہ'' کہتا ہے تو میں اس پر قربان ہو جاتا ہوں یعنی میرے میں طاقت ہی نہیں رہتی۔ میں نے ''اللہ'' کا اُچارن ''اللہ'' کا تلفظ اور اس لفظ کی قرأت ان سے زیادہ خوبصورت انداز میں سوائے سندھیوں کے کسی کے منہ سے نہیں سنی۔ ایسے ہی ہمارے مشرقی پاکستان کے بھائی وہ ادا کرتے تھے۔ ہم نے وہاں سائیکلیں لے لیں۔ وہ اپنا گھر تھا اور میزبان اپنے بھائی تھے۔ ہم صبح سویرے سائیکلیں لے کر نکلتے اور سائیکلیں چلاتے ہوئے گانا گاتے پھرتے تھے۔ جس کا ترجمہ کچھ اس طرح سے تھا:

''اے اللہ ہم تو تیرے بندے ہیں اور تیرا نام بار بار لیتے ہیں۔''

ہم سب اپنی اپنی اونچی، نیچی اور بیٹھی آوازوں میں گانے گاتے پھرتے تھے۔ ہمارے ساتھ گانے والے احمد راہی کی آواز تو بالکل ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ ہم جب وہاں شہر میں گاتے پھرتے تھے اور شہر کا چکر لگاتے تو پتہ چلتا کہ جیسے جسم میں توانائی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اور میں نے اس وقت یہ بھی

free-urdubook.blogspot.com

محسوس کیا کہ ایک تیسری آنکھ جو نظرِ بد والی آنکھ کہلاتی ہے وہ ہم لوگوں کو دیکھ رہی ہے۔ میں نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ وہ آنکھ ہم پر اثر انداز ہو رہی ہے اور اس آنکھ نے باقاعدہ Plan کر کے منصوبہ بندی کر کے ہمارے درمیان تفرقہ ڈالا اور یہ آپ سب کو معلوم ہے مشرقی پاکستان کی سرحد سے تقریباً پچاس ساٹھ میل کے فاصلے پر ایک شہر ہے۔ خواتین و حضرات براعظم ایشیاء کے اندر اگر کوئی دہشت گردی کا مرکز پہلی مرتبہ قائم ہوا تو وہ اس "اگرتلہ" شہر میں ہوا۔ وہاں تیسری آنکھ نے بڑی ہمت سے بڑی محنت کر کے ہمارے درمیان نفرتیں بھی پھیلائیں۔ غلط فہمیاں بھی پھیلائیں اور اس سے وہ تانا بانا بُنا کہ وہ دہشت گردی نہ صرف اس علاقے میں رہی بلکہ وہاں سے پھیلتی پھیلتی دوسرے علاقوں میں بھی چلی گئی۔ وہاں سے نکل کر سری لنکا میں بھی چلی گئی' وہاں کے ٹرینڈ کیے ہوئے دہشت گرد باہر نکل کر دوسرے علاقوں پر حملہ آور ہوتے اور بڑی اچھی اور پرسکون زندگی گزارنے والوں کو ذلیل و خوار کرتے پھر انہوں نے میرے ہی ان بھائیوں کو جن کے ساتھ مل کر ہم گانے گاتے تھے جن میں ہم نے قدرت اللہ شہاب کو بھی ملا لیا تھا اور ہم وہاں سے میٹھا دہی کھایا کرتے تھے اور اس دہی کے بڑے بڑے بھرے ہوئے "کونڈے" جہاز میں رکھ کر لاہور بھی لے آئے تھے۔ (وہ اس دہی میں کھجور کا شیرہ ڈالتے ہیں اور اس سے اچھی سویٹ ڈش میں نے پہلے یقیناً نہیں کھائی تھی اور نہ آپ نے کھائی ہوگی)۔ ان کے اور ہمارے دلوں میں غلط فہمیاں ڈال دیں اور اس تیسری نظرِ بد والی آنکھ نے وہیں سے ہمارے اپنوں' دوستوں' جاننے اور چاہنے والوں اور ہماری جان و جگر کو لیا اور ان کو مکتی باہنی کا نام دے کر ان کی ٹریننگ شروع کی جس میں انڈین فورسز کے آدمی بھی تھے اور انہوں نے بھی مکتی باہنی کی وردیاں پہن رکھی تھیں۔ اس تیسری آنکھ کو یہ خوف تھا کہ اگر ان دونوں (مشرقی و مغربی پاکستان) کے درمیان محبت اور یگانگت بڑھتی رہی اور یہ ایک دوسرے کے اس شدت کے ساتھ قریب آتے رہے اور دین کے رشتے کے بعد یہ ثقافتی رشتوں میں بھی مزید بندھتے چلے گئے تو پھر ہمیں انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا یا "نکھیڑنا" بڑا مشکل ہو جائے گا چنانچہ انہوں نے منصوبہ بندی کر کے اور دنیا کے دوسرے ملکوں کو ساتھ ملا کے یہ پروگرام بنایا کہ کسی نہ کسی طرح سے اس رشتے کو توڑ دیا جائے۔

انہوں نے جو سب سے بڑا کام کیا وہ یہ تھا کہ اس تیسری نظرِ بد والی آنکھ نے ہمیں اپنی ہی نگاہوں میں پامال بھی کر دیا۔ شرمندہ کر دیا۔ سارا بوجھ اور الزام اٹھا کر ہمارے اوپر رکھ دیا اور ہم وہ سارا بوجھ ابھی تک اٹھائے پھرتے ہیں۔ یہ ان کا بہت بڑا کمال ہے۔ اس شرمندگی نے کس طرح سے آپ پر اور آپ کی نفسیات پر اثر ڈالا ہے یہ وہ لوگ بڑی اچھی طرح سے جانتے ہیں لیکن ایشیاء کے اور پاکستان کے لوگ نہیں جانتے صرف ہندوستان کے لوگ ہی جانتے ہیں کہ دہشت گردی کا جو پہلا اڈا اور مرکز قائم ہوا وہ کہاں قائم ہوا تھا۔ جہاں سے دہشت گردی کی شاخیں پھوٹی تھیں۔ جب آپ

free-urdubook.blogspot.com

دہشت گردی کا نام لیتے ہیں اور دہشت گردی کی بات کرتے ہیں تو ان کا پہلا مقام "اگرتلہ" ہی تھا اور وہ دہشت گردی کا پودا اب تک پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ ہم جو مظلوم و مقہور ہیں جن پر ظلم کیا گیا ہے اور پوری دنیا یا گلوب میں پاکستان واحد ملک ہے جو دہشت گردی کا شکار ہوا اور اس کا ایک حصہ دہشت گردی کے زور پر جدا کیا گیا۔ یہ نظرِ بد یونہی نہیں لگ جاتی اس کے لیے خاص منصوبہ بندی کرنی پڑتی ہے۔ ہم جو بھائی آپس میں ملتے تھے "جھپیاں" ڈالتے تھے مل کر کبھی سُر میں اور کبھی بےسُرے ہو کر گاتے تھے وہ سارے کے سارے ملیامیٹ ہو گئے۔ (اس موقع پر اشفاق احمد بنگلہ زبان میں کوئی محبت اور دوستی کا گیت گاتے ہیں۔) اب لوگ چلتے تو پھرتے ہیں اور ابلاغ کا ایسا زور ہے کہ بہت سے لوگ سچ مچ یہ ماننے لگے ہیں کہ شاید پاکستانی بھی دہشت گرد ہیں۔ ہمیں ہر روز دہشت گرد باور کرایا جاتا ہے اور ہم ہر روز شرمندگی کی آنکھوں پر اپنی لجاجت کا ہاتھ رکھ کر گھروں میں داخل ہوتے ہیں اور باہر نکلتے ہیں۔ یہ آخر کیسے اور کس طرح سے ہو گیا۔ اب پھر کون سا ایسا گانا اور ترانا گایا جائے کہ ہمیں اس بات کا احساس نہ رہے ہم ایک بڑی پوری اور زندہ قوم ہیں اور ہم نیوکلیئر پاور ہیں۔ کسی سے کم تر نہیں ہیں۔ میں اب کس بابے کو جا کر ملوں کہ وہ میرے ملک کے بندوں کے دل سے شکوک و شبہات نکال دے۔

مجھے ہالینڈ میں ایک بھارتی دوست ملے۔ میں نے کہا کہ وہ ایک ظلم تو تم نے کیا اور کمال اور بڑی چالاکی کے ساتھ کیا لیکن یہ فن تم نے کس طرح سے ہماری اجتماعی زندگیوں پر اپلائی کیا کہ ہم خود کو ذمہ دار سمجھنے لگے۔

وہ کہنے لگے کہ اگر ہم یہ کمال آپ کو بات دیں تو پھر ہمارے پاس کیا رہ جائے گا۔ ہم اب بھی کوشش کریں گے اور کرتے رہیں گے اور آپ کو چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ یہ ہمارا منتہائے مقصود ہے اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ اگر پاکستان جغرافیائی طور پر ہندوستان سے دور ہو یا مثال کے طور انڈونیشیا کے قریب ہو تو پھر ساری دنیا اس ملک کو ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے دیکھے۔ اب یہ ایسی جگہ پر پھنس گیا ہے ایک ایسے ظالم پڑوسی کے چنگل میں آ گیا ہے کہ یہ جسمانی طور پر تو شاید طاقتور رہے گا اور ہے بھی لیکن نفسیاتی طور پر اس شرمندگی سے نہیں نکل سکتا۔ جس میں اسے مبتلا کر دیا گیا ہے۔ نظر اور نظرِ بد کے کئی ایک پہلو ہوتے ہیں۔ میں اس کو تسلیم نہیں کرتا تھا اور ماتھے پر کالک لگانے کے فلسفے کو نہیں مانتا تھا۔ اب مان گیا ہوں۔

چٹاگانگ میں دریائے ہگلی کے کنارے ایک بزرگ معزالدین شازیؒ تھے۔ وہاں انہوں نے کٹیا ڈالی ہوئی تھی۔ ہم سب ان کو سلام کرنے گئے۔ اس زمانے میں میں نظرِ بد کے معاملے کو نہیں مانتا تھا۔ وہ ہم سے بڑی محبت سے ملے۔ سوکھے اور دبلے سے تھے۔ ان میں روحانی طاقت ظاہری طور

free-urdubook.blogspot.com

پر نظر آتی تھی اور بڑی شائستہ گفتگو کرتے تھے۔ ہم سے دین' ایمان اور یکجہتی کی باتیں کرتے رہے۔ ہم جب اجازت لے کر جانے لگے تو انہوں نے اپنی انگلی سے ہمارے ماتھے کے اوپر ایسے کچھ لکھا۔ ہم اس کو مانتے نہیں تھے لیکن جب ایک بزرگ محبت سے ایسا کر رہا تھا تو ہم کیسے انکار کر سکتے تھے۔ ابن انشاء نے کہا کہ میں نہیں لکھواتا اور وہ ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے۔ جمیل الدین عالی نے کہا کہ میں نے لکھوا تو لیا ہے لیکن میں اسے مانتا نہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں جی میں لکھوا بھی لیتا ہوں اور مان بھی لیتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی بڑی برکت تھی۔ میں بعد میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔

ایک بار چٹاگانگ میں میں فیض احمد فیض سے ملا تو انہوں نے کہا کہ اشفاق میں تجھے ایک دنیا کی مزیدار ترین آئس کریم کھلاتا ہوں اور انہوں نے ایسی آئس کریم لا کر دی جو ہم نے واقعی ہی پہلے کبھی نہیں کھائی تھی۔ میری بیوی نے کھاتے ہی کہا کہ اشفاق صاحب دودھ دہی تو ہمارے ملک میں بھی ہوتا ہے یہ اتنی مزیدار آئس کریم یہاں کیسے بنتی ہے۔ اس پر فیض احمد فیض کہنے لگے کہ سارا دودھ دہی تو تم کھا جاتے ہو آئس کریم کیسے بنے۔ میں نے آئس کریم کھلانے پر ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آئیں میں اب آپ کو ایک بابے سے ملواتا ہوں۔ وہ بھی بڑی محبت کے ساتھ چل پڑے۔

اب میں عمر کے اس حصے میں جب ان باتوں کو' اپنے اس ملک اور بھائیوں کو سوچتا ہوں تو میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ جتنا بڑا ظلم ہماری ذات پر بھائیوں سے جدائی کی صورت میں ہوا ہے اس سے بڑا ظلم کرۂ ارض پر کسی قوم پر نہیں ہوا اور پھر صورتِ حال ایسی ہے کہ چور ''چتر'' بھی بن گیا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

''اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے''

خطوط کی دنیا بھی ایک نرالی دنیا ہے اس کا انسانی زندگی پر اور انسانی تاریخ پر بڑا گہرا اثر ہے۔ خط کب سے لکھے جانے شروع ہوئے اور کب آ کر ختم ہوئے۔ میں اس کے بارے میں یہ تو عرض کر سکتا ہوں کہ کب آ کر ختم ہوئے لیکن ان کے لکھے جانے کی تاریخ اس کے بارے میں یقین اور وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لکھے جانے تو اب ختم ہوئے ہیں جب کوئی ای۔ میل کا سلسلہ شروع ہوا۔ جب Chating کا نیا لفظ ایجاد ہوا۔ جب کمپیوٹر کے ذریعے طرح طرح کے طریقے انسان کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنے ہیں لیکن خطوں کا جو حسن تھا اور خطوں میں جو بات ہوتی تھی اور ان کے اندر جس طرح سے اپنا آپ' اپنی روح' زندگی اور نفسیات نکال کر پیش کر دی جاتی تھی وہ اب نہیں رہی۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاید ہم اس یونیورسٹی کے آخری طالب علم تھے جو چوری چوری خط لکھا کرتے تھے اور بڑے اچھے خط لکھا کرتے تھے۔ اب میں اپنے سٹوڈنٹس' بیٹوں' پوتوں اور نواسیوں کو دیکھتا ہوں تو وہ کہتے ہیں

Stop it Dada because this way of Communication is very silly and we can not write.

ہمیں تو اتنا وقت ہی نہیں ملتا کہ خط لکھتے پھریں۔ خواتین و حضرات وقت خدا جانے کدھر چلا گیا ہے کہ آدمی آدمی سے خط و کتابت کے ذریعے رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔ آپ یہ تو ضرور جانتے ہوں گے کہ خط کس کس طرح کے لکھے گئے' کیسی کیسی خطوط پر مبنی کتابیں چھپیں۔ آپ دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ رومی فلاسفر جو فورم میں کھڑے ہو کے باتیں کرتے تھے اور ان کی باتیں آگے پہنچائی جاتی تھیں۔ سقراط آیا اس کے بعد افلاطون اور ارسطو آیا۔ ارسطو کے فلسفے کو آگے پہنچانے کے لیے لوگوں نے چھوٹے چھوٹے رقعوں میں اس کے فلسفے کو بیان کیا اور اسے آگے اپنے دوستوں تک ارسال کیا اس طرح ہمارے صوفیائے کرام نے خطوں کے ذریعے دور بسنے والے اپنے مریدین کے لیے اپنے پیغامات پہنچائے۔ بادشاہوں نے بھی خطوط کا یہی سہارا لیا۔ مجھے اورنگزیب عالمگیر کی مشہور تصنیف رقعاتِ

free-urdubook.blogspot.com

عالمگیری یاد آ رہی ہے جو خطوط پر مبنی ہے۔ اس میں وہ خط ہیں جو وہ اپنے بیٹوں کو لکھتا رہا تھا جس میں وہ شہزادوں کو مخاطب کرتا ہے۔ ایک خط فارسی میں لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''شکار بے کاروں کا کام ہے۔'' (شہزادہ شکار پر گیا ہوگا تو بادشاہ نے اسے یہ خط لکھا ہوگا۔ محبت کے خزانے بھی خطوط کے ذریعے ہی بھرے گئے۔)

ادب نواز لیلیٰ کے خطوط کو جانتے ہیں اس کے بعد مجنوں کی ڈائری چھپنی شروع ہوئی پھر سجاد زبیر اور رضیہ کے خطوط چھپے۔ اس طرح خط زندگی پر چھائے رہے اور بہت قریب اور غالب آ کر چھائے رہے۔ مرزا غالب کے خط تو آپ سب نے ضرور پڑھے ہوں گے۔ غالب بڑی محبت اور روانی وشستگی سے بات کرتا تھا اور اس کی باتیں ایسی ہوتی تھیں جیسے کوئی ڈائیلاگ رائٹر لکھ سکتا ہے۔ جتنے بھی بچے جو ڈرامہ نگار میرے پاس کچھ پوچھنے یا سیکھنے کے لیے آتے میں انہیں یہی مشورہ دیتا کہ آپ غالب کے خط جب تک نہیں پڑھیں گے آپ کے اندر ڈرامے اور مکالمے کی سینس پیدا نہیں ہوگی کیونکہ غالب کے بات کرنے کا ڈھنگ ہی نرالا ہے۔ آٹھویں یا نویں جماعت کی اردو کی کتاب میں سے مجھے غالب کے خط کے چند فقرے یاد آ رہے ہیں:

''میر مہدی مجروح تم مشقِ سخن کر رہے ہو میں مشقِ فنا میں مستغرق ہوں۔ ارے میاں، ارے میاں اس دنیا میں اگر کوئی پہلوان ہوا تو کیا؟ کوئی نامی گرامی جیا تو کیا؟ کوئی گمنام مرا تو کیا؟ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تھوڑی سی پونجی ہے، تھوڑی سی صحت جسمانی، باقی سب وہم ہے پیارے جانی۔''

جب کبھی غالب تھک جاتا ہے تو کہتا ہے

''میں کیا کروں، اگرچہ اس وقت اللہ کے ساتھ شکوہ نہیں کیا جا سکتا لیکن آرزو کرنا آئین عبودیت کے خلاف نہیں ہے۔ میری آرزو ہے کہ اب میں زندہ نہ رہوں اور اگر رہوں تو کم از کم اس ملک میں نہ رہوں کہیں اور خراسان، ایران نکل جاؤں۔ یہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں۔''

ایک اور جگہ کہتا ہے:

''رکاب پر پاؤں ہے اور راس پر ہاتھ ہے۔ دور دراز کا سفر درپیش ہے۔ سقر مکر ہے اور حاویہ زاویہ ہے اور کیا کسی کا ایک اچھا شعر ہے (ذوق کا ہے)

اب تو گھبرا کے کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے''

ایک زمانے میں محبوب کبوتر کے گلے میں پرچی ڈال کر بھیج دیا کرتے تھے کیونکہ ایک دوسرے سے ملنا جلنا مشکل ہوتا تھا۔ ان کبوتروں کی خدمات سے بعد میں جنگوں میں بھی فائدہ اٹھایا گیا

free-urdubook.blogspot.com

اور دوسری جنگ عظیم میں باقاعدہ کبوتر کو ٹریننگ دی گئی اور ان کے پنجوں کے ساتھ ایلومونیم کی ایک باریک سی پنسل جیسی نلکی میں خط لپیٹ کر رکھ دیا جاتا تھا اور کبوتروں نے جاسوسی کا کام خوب کیا اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ میں یہ ساری باتیں اس لیے کر رہا ہوں کہ میرے پاس بھی ایک خط ہے اور میں اسے لیے پھرتا ہوں۔ میں اسے ضرور سناؤں گا۔ یہ خط سنانے سے پہلے مجھے خطوں کی اور باتیں بھی یاد آ رہی ہیں۔

اکبرالہ آبادی کے بیٹے جو لندن میں تھے وہ خط نہیں لکھتے تھے جس پر اکبرالہ آبادی ان سے بہت شاکی رہتے تھے۔ اس زمانے میں خط سمندر سے یا بحری جہازوں کے ذریعے آتے۔ ایک بار انہوں نے اپنے بیٹے کو خط میں لکھا تو ان کے بیٹے نے جواب میں لکھا کہ ابا جان جب واقعات گزرتے ہیں تو میں مصروف ہوتا ہوں جس کے باعث خط نہیں لکھ سکتا اور جب واقعات نہیں ہوتے تو کوئی چیز لکھنے والی نہیں ہوتی اور میں اس وجہ سے خط نہیں لکھتا۔

(محفل میں سے ایک صاحب اس خط کی بابت ایک شعر بھی یاد کرواتے ہیں جس کا ایک مصرعہ اس طرح سے ہے ؎ کھا کے لندن کی ہوا عہد وفا بھول گیا۔)

جب بچے بڑی یونیورسٹیوں میں پڑھنے کے لیے چلے جاتے ہیں تو میری طرح کے تھوڑے پڑھے لکھے والدین خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ ایک بار دو بابے بیٹھے ہوئے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ ایک نے کہا کہ یار میرا بیٹا جو خط لکھتا ہے تو مجھے بڑی پریشانی ہوتی ہے اور مجھے اس کے خط کو لے کر لائبریری جانا پڑتا ہے اور مجھے وہاں جا کر موٹی ڈکشنری کھول کے مشکل الفاظ کے معانی دیکھنے پڑتے ہیں کیونکہ میں زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہوں۔

دوسرا کہنے لگا یار کیا کمال کی بات ہے میرے بیٹے کا جب بھی خط آتا ہے تو مجھے بینک جانا پڑتا ہے کیونکہ اس نے خط میں پیسے مانگے ہوئے ہوتے ہیں۔

خطوں سے وابستہ بڑی لمبی داستانیں ہیں۔ اگر ہم اس کی طرف چل نکلے تو بڑا وقت لگ جائے گا اور میرا یہ خط رہ جائے گا جو آپ کو سنانا بڑا ضروری ہے۔ ہم نے پہلے دوسری جنگ عظیم کا ذکر کیا تو آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ اس جنگ میں ہمارے علاقے کا سب سے بڑا اور طاقتور محاذ برما تھا اور ہمارے بہت سارے فوجی وہاں پر تھے۔ وہ فوجی جو محاذِ جنگ پر ہوتے ہیں ان کی سب سے بڑی آرزو اور تمنا گھر سے آنے والے خط کی ہوتی ہے چنانچہ ان پر پریشانیوں کی جو پرچھائیاں پڑتی ہیں وہ خطوں کے ریفرنس سے ہی ہوتی ہیں۔ فوجی دوران جنگ جنگل میں تھے اور ڈاک جب تقسیم ہوئی تو کسی فوجی کے گھر سے کوئی خط نہ آیا اور چار پانچ چھ دن ایسے ہی گزر گئے۔ ایک دن ایک خوش نصیب کا خط آ گیا اور دوسرے جو تین چار پانچ فوجی بیٹھے تھے کیونکہ ان کا کوئی خط نہیں آیا تھا اور جس کا خط آیا تھا اس نے

free-urdubook.blogspot.com

خوشی سے لفافہ لہرایا اور کہا کہ دیکھو ایسے خط ہوتے ہیں جو گھر سے آتے ہیں۔ اس نے لفافہ چاک کیا اور اس سے کاغذ نکالا۔ اس کاغذ کے دونوں طرف کچھ بھی لکھا ہوا نہیں تھا' وہ بالکل کورا کاغذ تھا۔

دوسرے فوجی اس کا مذاق اڑانے لگے لیکن اس نے کہا کہ نہیں یہ کورا کاغذ نہیں بلکہ باقاعدہ ایک خط ہے۔ یہ میری بیوی کا خط ہے۔ آج کل ہماری بول چال بند ہے اس لیے یہ خالی کاغذ ہے لیکن مجھے یہ پتہ ہے کہ خط میری بیوی کا ہے۔ خواتین و حضرات! میرے ہاتھ میں جو خط ہے وہ کچھ اس طرح سے ہے:

''جناب نامعلوم مگر موجود یہیں کہیں السلام وعلیکم!

مجھے یقین ہے کہ آپ کو 8 جون کی تاریخ اسی طرح سے یاد ہوگی جیسی کہ مجھ کو ہے۔ اس روز میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کو عمر بھر نہیں بھلاؤں گا۔ اس تاریخ سے پہلے میں اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ پارک میں جاتا تھا۔ ہم بنچ پر بیٹھتے تھے اور ہمارا بچہ ہمارے سامنے پھولوں کی کیاریوں کے درمیان بھاگا کرتا تھا۔ اس تاریخ سے پہلے میں نے اپنے پورے خاندان کا بوجھ اٹھایا ہوا تھا اور میں کبھی کبھی دو چار آنے فقیروں کو بھی خیرات کر دیا کرتا تھا۔ اب عرصہ دس سال سے میں بیکار پڑا ہوں۔ ٹھیک 8 جون سے' ٹھیک اس رات سے جب تم نے میری کمر میں اپنے پستول کی گولی اتاری تھی اور وہ ریڑھ کی ہڈی میں پھنس گئی تھی۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ اس رات تم بہت ہی نروس تھے اور پستول تمہارے ہاتھ میں کانپ رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ تم پہلی بار کسی پٹرول پمپ کو لوٹنے آئے ہو۔ میں نے دن بھر کی کمائی ساری کی ساری تم کو دے دی تھی۔ پھر پتہ نہیں تم کو کیا ہوا اور تم نے کیوں میرا دایاں بازو مڑور کر میری کمر سے لگا دیا اور مجھے دھکیلتے ہوئے اندر کمرے میں لے گئے۔ وہاں تم نے میرے سر میں پستول کا بٹ مار کر مجھے اوندھے منہ فرش پر گرا دیا۔ پھر پتہ نہیں میرے اوندھے منہ گر جانے کے بعد تم نے پستول کیوں چلایا؟ ایک زور کا دھماکہ ہوا اور اندھیرے کمرے میں ایک شعلہ سا لپکا۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا اور جب میں جاگا تو گردن کے نیچے میرا سارا جسم شل ہو چکا تھا اور میں فرش پر بے حس وحرکت پڑا تھا۔ پھر تین لڑکے اپنی موٹر سائیکلوں میں پٹرول بھروانے آئے اور انہوں نے مجھ سے میرا حال دریافت کیا۔ میرا خیال تھا کہ میں زور زور سے پکار کر چیخیں مار کر لوگوں کو اپنی طرف بُلا رہا تھا مگر ان لڑکوں نے مجھے بتایا کہ تمہارے منہ سے صرف سرگوشی جیسی آواز نکل رہی تھی جو بہت ہلکی تھی۔ مجھے بالکل یاد نہیں کہ کس طرح مجھ کو لوگوں نے حیدر آباد کے ہسپتال میں پہنچایا جہاں مجھے داخل کرا دیا گیا۔ میری 19 سالہ روتی ہوئی بیوی کو ڈاکٹروں نے بتایا کہ ہم مجبور ہیں اور ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ہڈی میں پھنسی

free-urdubook.blogspot.com

ہوئی گولی کو نکالنا خطرناک ہے۔ میری بیوی مجھے اٹھا کر گوٹھ لے آئی اور ہم سب میرے مرنے کا انتظار کرنے لگے۔ میں دن رات ایک پھٹے (تختے) پر لیٹا ایک کوٹھڑی میں پڑا رہتا اور میری بیوی مجھے دوا کی گولیاں کھلاتی رہتی۔ ایک روز میں نے دیکھا کہ ایک نہایت تیز دھار قینچی میرے تختے کے پاس کھلی پڑی تھی۔ اس کا ایک پھل بہت آسانی سے میرا کام تمام کر سکتا تھا۔ مجھے اسے اس قدر قریب دیکھ کر خوشی ہوئی لیکن میرا بے حس ہاتھ اسے اٹھانے سے معذور تھا۔ میری موت بھی میرے اختیار میں نہیں تھی۔ میں اس کو دیکھ رہا تھا اور وہ میرے قریب نہیں آ رہی تھی۔ میں تمہیں صاف صاف بتا دوں کہ تمہارے پستول کی گولی پورے چھ ماہ تک میری ریڑھ کے مہرے میں موجود رہی اور میں اسے دل سے لگا کے بے حس و حرکت جیتا رہا۔ پھر مجھے کراچی کے آغا خان ہسپتال لے جایا گیا جہاں ڈاکٹروں نے مل کر بڑی احتیاط سے پھنسی ہوئی گولی میرے وجود سے نکال دی لیکن مجھے بتایا گیا کہ میں زیادہ سے زیادہ وہ اب اٹھ کر اپنی چارپائی کے کنارے پر بیٹھ سکوں گا۔ بشرطیکہ میرے اردگرد اور میری کمر کے پیچھے لکڑی کا ایک مخصوص ڈبہ بنا کر رکھا جائے۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ میں تھوڑا سا بیٹھ کر کھانا کھا سکا کروں گا لیکن یہ بہت مشکل تھا۔ میری بیوی اور میرا بوڑھا باپ مجھے اٹھا کر لکڑی کے سہارے بٹھا دیتے تھے اور پھر مجھے اس لکڑی کے تختے کے ساتھ باندھ دیتے تھے۔ میں کچھ لقمے خود کھا سکتا اور گلاس اٹھا کر پانی بھی پینے لگا تھا۔ گھر والے شام کو مجھے اٹھا کر صحن میں لمبی صف پر ڈال دیتے اور میں اس پر کھسکتا کھسکتا اس صف کے دوسرے کنارے پر پہنچ جاتا ہوں پھر ادھر سے اسی طرح سے واپس آ جاتا۔ میں خوش ہوں کہ کسی کی مدد کے بغیر بدن کو خود حرکت دے سکتا ہوں۔ پھر مجھ پر درد کے خزانے نچھاور ہو گئے۔ پہلے میرے بازوؤں میں درد اٹھا اور میں پندرہ دن تک تڑپتا رہا۔ پھر درد ٹانگ میں منتقل ہو گیا اور مجھے یوں لگتا گویا میری ٹانگ آری سے کاٹی جا رہی ہے اور الگ ہونے کو نہیں آتی پھر یہی درد پیٹ میں چلا گیا اور میں قے کر کر کے عاجز آ گیا۔ اس کے بعد میرے اوپر کے دھڑ میں تھوڑی سی طاقت آنے لگی اور میں بیساکھیوں کے سہارے کھڑا بھی ہونے لگ گیا لیکن چونکہ ٹانگوں میں کوئی حس موجود نہیں اس لیے میں چل نہیں سکتا۔ اب میرے ہاتھوں اور بازوؤں میں ایک سنسناہٹ ہے لیکن ٹانگیں بالکل ساکت ہیں۔ بیساکھیوں کے سہارے کھڑے کئی مرتبہ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نے کھولتے ہوئے پانی کے حمام میں اتار دیا ہو۔ میرا سارا بدن جل جاتا ہے سوائے میری ٹانگوں کے۔ میں نے خدا سے دعا کی تھی کہ یا اللہ اگر تو نے

free-urdubook.blogspot.com

مجھے کچھ اور نہیں دینا تو مجھے مسلسل درد عنایت فرما دے کیونکہ مکمل بے حسی کے مقابلے میں درد ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ انسان کو پتہ چلتا رہتا ہے کہ وہ موجود ہے اور وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ موجود ہے۔ درد کے زور پر کئی مرتبہ میرے دونوں ہاتھ ایک ساتھ اٹھ جاتے ہیں اور میں آدھے منٹ تک انہیں وہاں فضاء میں رکھ سکتا ہوں۔ پھر میرے ہاتھ نیچے گر جاتے ہیں اور میں درد کی دوسری لہر کا انتظار کرنے لگتا ہوں۔ جس رات تو نے مجھے گولی ماری تھی اس سے کچھ ماہ بعد جب میرا سارا وجود ساکت اور صرف گردن کے اوپر کا حصہ زندہ تھا میں نے خدا سے ایک اور آرزو کی تھی کہ میرے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر دو منٹ تک کے لیے اکٹھے رہنے کی سکت عنایت فرما دے تاکہ میں کوئی چھوٹی سی دعا مانگ کر سکوں۔ میری آرزو پوری ہوگئی اور میں چار پائی پر لیٹ کر اس عید کے موقع پر جو ابھی گزری ہے گاؤں کی عید گاہ میں پہنچ گیا۔ میرے والد اور ماموں نے مجھے بیساکھیاں دے کر ایک درخت کے سہارے کھڑا کر کے مجھے وہاں باندھ دیا تاکہ گر نہ جاؤں اور میں نمازیوں کو وہاں جمع ہوتے ہوئے دیکھنے لگا۔ مولوی صاحب نے خطبے میں فتح مکہ کے تعلق سے ایک شخص کی معافی کا واقعہ سنایا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے حضور نبی اکرمؐ کے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کو نیزہ مار کر شہید کیا تھا اور حضورؐ کو اپنے دوستوں جیسے پیارے چچا کی رحلت کا بڑا ہی غم تھا لیکن اس گہرے غم کے باوجود آپ نے اس شخص ''وحشی'' کو معاف کر دیا۔ میں نے عین اسی وقت جب میں یہ واقعہ سن رہا تھا دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ ''اے میرے اللہ اس نوجوان کو جس نے 8 جون کو مجھے گولی ماری تھی وہ جہاں کہیں بھی ہے معاف کر دینا۔ اس بے چارے کو پتہ نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ میرے گمنام دوست مجھے آپ کا نام معلوم نہیں ہے اور نہ ہی آپ مجھ سے کبھی مل سکیں گے اس لیے میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ میرے پاس آپ تک پہنچنے کا اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں تھا جو میں نے اختیار کر لیا ہے۔ اس دن سے لے کر آج تک کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب میں نے صبح سویرے سب سے پہلے تمہاری صحت وسلامتی کی دعا نہ کی ہو اور اونچی آواز میں پی ٹی وی کی مشہور عالم صدا نہ دی ہو کہ اللہ تم کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔''

خدا حافظ۔

چیلسی کے باعزت ماجھے گامے

میں ایک بات پر بہت زور دیتا رہا ہوں اور اب بھی مجھے اسی بات پر زور دینے کی تمنا ہے لیکن الحمدللہ کچھ اصلاح بھی ہوتی رہتی ہے پھر میں محسوس کرتا ہوں کہ میں جس شدت سے اس صیغے پر قائم تھا وہ اتنا اہم نہیں تھا۔ میرا اس پر کامل یقین ہے کہ ہمارے ملک کے لوگوں کو ایک سب سے بڑی محرومی یہ ہے کہ (روٹی، کپڑا اور مکان کی کہانی تو عام چلتی رہی ہے اور اس بارے بڑا پرچار ہوتا رہا ہے) لوگوں کو ان کی عزتِ نفس سے محروم رکھا گیا ہے۔ ہر شخص کا حق ہے کہ وہ اپنی توقیر ذات کے لیے آپ سے، اپنے ملک سے تقاضا کرے، میری عزتِ نفس اور Self Respect مجھے دی جائے۔ دولت، شہرت، روپیہ پیسہ اور علم کی ہر شخص ڈیمانڈ نہیں کرتا بلکہ عزت کا تقاضا سب سے پہلے کرتا ہے۔ دنیا کے جتنے بھی مہذب ملک ہیں انہوں نے اپنے لوگوں کو جو ایک بڑا انعام عطا کیا ہے وہ سارے کے سارے لوگ عزتِ نفس میں ایک سطح پر ہیں۔ یہ ان ملکوں کی جمہوریت کا خاصا کہہ لیں یا ان کی سوچ و فکر کی خوبی کہہ لیں یا پھر کوئی اور نام دے دیں۔ میں غیر ملکوں کی مثال دیا تو نہیں کرتا لیکن مجبوری کے تحت دے رہا ہوں کہ آپ ولایت چلے جائیں یا پھر لندن چلے جائیں وہاں آکسفورڈ سٹریٹ یا بون سٹریٹ میں دیکھیں تو وہاں کے نخریلے رہائشوں نے اس جدید دور میں دو گھوڑوں والی بگھیاں رکھی ہوئی ہیں اور وہ لارڈز اس طرح وقار سے رہتے ہیں، آپ وہاں ایک جگہ چیلسی کے لوگوں کو دیکھ لیں وہ ہمارے جیسے گامے ماجھے کی طرح سے ہیں۔ ایک پاؤں میں جوتا ہے ایک میں نہیں ہے۔ پہلے چیلسی کے سارے لوگ ''ہپی'' ہوتے تھے۔ ان کی مالی حیثیت نہایت قابل رحم ہے لیکن ان کے مقابلے میں لارڈز اعلیٰ حیثیت میں ہیں لیکن اگر ڈاکخانے پر (یہ واقعہ چونکہ میرے سامنے پیش آیا اس لیے عرض کر رہا ہوں) قطار میں کھڑے ہو کر آپ ٹکٹ لینا چاہ رہے ہیں تو پھر وہ شخص جو قطار میں آگے کھڑا ہے اسے اپیچھے کر کے لارڈ آگے نہیں آ سکتا اور کسی بھی صورت میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ لارڈ جانتا ہے کہ یہ آگے کھڑے شخص کی عزتِ نفس کا معاملہ ہے اور یہ اس کا استحقاق ہے۔ جب گندی مندی حالت کا آدمی تھانے میں بھی جائے اور اس

free-urdubook.blogspot.com

کی شکل وصورت ایسی ہو کہ آپ اس سے بات کرنا گوارہ نہ کریں تو وہاں تھانے کا جو ایس ایچ او ہوتا ہے وہ اٹھ کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے:

Yes Sir, what i can do for you?

لیکن ہمارے ہاں اور خاص طور پر ہمارے ملک میں ایک اس بات کی بڑی محرومی ہے کہ لوگوں کو ان کی عزتِ نفس اور توقیر ذات سے محروم رکھا گیا ہے اور ہماری سب سے بڑی کمزوری اور زبوں حالی کی وجہ یہ ہے۔ میں پہلے بھی کہتا ہوں اور اب اس کو دہراتا ہوں کہ 20 لاکھ کے قریب ایسے لوگ ہیں جو صاحبِ حیثیت ہیں، صاحب ارادہ ہیں اور جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ یہ اندازہ میرا اپنا ہے۔ تعداد میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ ان 20 لاکھ افراد میں ہم رائٹر، وکیل، تاجر، ڈاکٹر اور فیوڈل لارڈ بھی شامل ہیں۔ یہ ٹھیک ٹھاک چلتے چلے جا رہے ہیں ان کا باقی چودہ کروڑ عوام سے تعلق نہیں ہے۔ وہ باقی لوگوں کو اپنا ساتھی نہیں سمجھتے۔ آپ ان دوسرے لوگوں کو اس صورت میں بھی ساتھی سمجھ سکتے ہیں کہ انہیں ان کی عزتِ نفس واپس لوٹا دیں۔ ایسے نہیں کہ "غربت مکاؤ" کا ایک پروگرام شروع کریں یا اس نظریے کے قائل رہیں کہ جب تک تعلیم عام نہیں ہوگی اس وقت تک کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔

عزتِ نفس کا حصول تو ہر شخص کا بنیادی اور پیدائشی حق ہے۔ بابے لوگوں کو بھی ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک بار ہمارے بابا جی نے کہا کہ جب اس کرۂ ارض پر دوسرا آدمی پیدا ہو گیا تھا تو پہلے کا حق آدھا ہو گیا تھا جبکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا حق تو پورے کا پورا ہے۔ یہ دوسرے تو ایسے ہی ہیں۔ انہیں چھوڑو دفع کرو۔

بعض اوقات بے خیالی میں ہم سے ایسی کوتاہی بھی ہو جاتی ہے کہ ہم حق رکھنے والوں کو تحریر و تقریر میں حق اس لیے نہیں لوٹا سکتے کہ یہ لوگ جاہل ہیں یا تعلیم یافتہ نہیں ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ جب تک تعلیم عام نہیں ہوگی یہاں Democratic System ٹھیک نہیں ہو سکتا اور ہمارے اخبار والے عموماً اسے لکھ دیتے ہیں کہ جی ملک میں 85 فیصد جاہل لوگ رہتے ہیں۔ میں ان اخبار والوں سے درخواست کرتا رہا ہوں کہ صاحب اتنے سخت لفظ استعمال نہ کیا کریں۔ آپ ان کو جاہل لکھتے ہو جو گندم اُگا کے بوریوں میں بھر کے آپ کے گھروں تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ وہ جاہل لوگ ہیں جو آپ کے لیے جوتے سی کر ڈبوں میں بند کر کے آپ کو پہنچاتے ہیں۔ آپ خدا کے واسطے ایسے ہی انہیں جاہل نہ کہیں۔ ہمارے بابے کہتے ہیں کہ عزتِ نفس اس وقت تک عطا نہیں کی جا سکتی جب کہ عطا کرنے والا خود معزز نہ ہو۔ ہم جب تک اپنی نظروں میں خود محترم نہیں ٹھہریں گے اس وقت تک عزتِ نفس لوٹانے کا کام نہیں کر سکیں گے۔ ہم نے ایک تحقیقی سروے میں اکیس بندوں سے دریافت کیا کہ وہ رشوت کیوں لیتے ہیں؟ ان لوگوں میں بڑے لوگ بھی تھے جو ایک لاکھ روپے کے قریب رشوت لیتے تھے۔ بہت بھلے

free-urdubook.blogspot.com

آدمی تھے اور سوٹ پہنتے تھے اور ہر نماز کے وقت سوٹ ٹائی اتار کر شلوار قمیض پہن کر نماز ادا کرتے تھے۔ نماز کے بعد پھر سوٹ پہن لیتے۔ میں نے ان سے ایک بار کہا کہ جی نماز سوٹ میں بھی ہو جاتی ہے تو کہنے لگے نہیں اس طرح برا لگتا ہے۔ ہمیں ان سے ایک مشکل سا کام تھا جو انہوں نے کر دیا۔ ان کے اسسٹنٹ نے مجھے کہا کہ "اشفاق صاحب ہم آپ کی بڑی "مانتا" کرتے ہیں اور ہمیں آپ سے بڑی محبت ہے آپ اس طرح کریں کہ ہمیں 75 ہزار دے دیں۔" میرے ساتھ میرا کزن تھا جس کا کام تھا اس نے انہیں تو وہ پیسے دے دیئے ہوں گے۔ جب میں اٹھ کر آنے لگا تو وہ صاحب جو سوٹ بدل کے نماز پڑھ کر پھر سوٹ پہن لیتے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ اگر برا نہ مانیں تو ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا فرمایئے۔ تو وہ کہنے لگے کہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میری نمازوں اور داڑھی پر نہ جائیں اور میرے حصے کے پیسے الگ دیں۔

ان کے اس طرح ڈائریکٹ الفاظ کہنے سے مجھے تکلیف بھی ہوئی اسی لیے اس نے کہا کہ آپ محسوس نہ کرنا یہ تو ہمارا..... ان ایکس لوگوں سے تحقیق کرنے کے بعد پتہ یہ چلا کہ سب سے پہلے رشوت لینے والا خود کو ایک بے عزت شخص خیال کرتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ "میں تو دو ٹکے کا آدمی ہوں۔ نہ میرے کوئی آگے ہے نہ پیچھے ہے۔ وہ ایسا لاشعوری طور پر سمجھتا ہے۔ بابے کہتے ہیں کہ جب تک آپ اپنے آپ کو عزت عطا نہیں کریں گے اس وقت تک کام نہیں بنے گا۔"

لاہور میں اب جس جگہ واپڈا ہاؤس ہے جب یہ بلڈنگ نہیں تھی تو ایک زمانے میں اس جگہ ایک سپاہی کھڑا ہوتا تھا۔ اشارہ نہیں ہوتا تھا اور وہ ٹریفک کو کنٹرول کرتا تھا۔ اس کے ساتھ نیلی وردیوں والے خوبصورت اور چاک و چوبند آٹھ سات سکاؤٹس کھڑے ہوئے تھے۔ ایک سکاؤٹ نے سپاہی کو آ کے سیلوٹ کیا اور کہا کہ سر وہ شخص خلاف ورزی کر کے گیا ہے تو سپاہی نے کہا کہ یار جانے دو کوئی بات نہیں۔ پھر دوسرا سکاؤٹ آیا اس نے کہا کہ وہ موٹر سائیکل والا قانون کی خلاف ورزی کر کے گیا ہے تو تب بھی سپاہی نے کہا کہ یار پہلے گاڑی والے کو چھوڑ دیا ہے تو اس موٹر سائیکل والے کو بھی جانے دو۔

(اب میں وہاں کھڑا تماشہ دیکھ رہا ہوں) پھر جب تیسرا سکاؤٹ کوئی شکایت لے کر آیا تو میں نے سپاہی سے آ کر کہا یار تو تو باکمال اور چودھری قسم کا سارجنٹ ہے سب کو چھوڑ رہا ہے اور یہ ساری سکاؤٹ تمہیں سیلوٹ مار رہے ہیں۔

وہ کہنے لگا کہ یہ سارے ایچی سن کالج کے لڑکے ہیں ان کے گھر والے انہیں گاڑیوں پر یہاں چھوڑ گئے ہیں اور لعنت ہے کہ تین دن ہو گئے ہیں ایک پیسہ کسی سے نہیں لے سکا۔ میں نے اس سے کہا

free-urdubook.blogspot.com

کہ اس وجہ سے کہ یہ سارے آپ کے سر پہ کھڑے ہیں۔ آپ پیسے لیں یہ بھلا آپ کو روکتے ہیں۔ تو کہنے لگا کہ نہیں سر اس وجہ سے نہیں کہ یہ میرے سر پر کھڑے ہیں۔

بات یہ ہے کہ یہ آ کر مجھے سلیوٹ کرتے ہیں اور "سر" کہتے ہیں۔ کہتا ہوں اگر ایک بھی پیسہ لوں تو میں لعنتی ہوں کیونکہ ان کا سلیوٹ مجھے ایک معزز شخص بنا دیتا ہے اور معزز آدمی رشوت نہیں لیتا۔ اس نے کہا کہ اس کی بیوی رشوت کے پیسے نہ لانے کے باعث ناراض ہے اور یہ آٹھ دن سے اس کو سلیوٹ کیے جا رہے ہیں۔ وہ سپاہی کہنے لگا کہ سر میں سوکھی روٹی کھاؤں گا اور جب تک یہ مجھے سر کہتے ہیں اور سلیوٹ کرتے ہیں رشوت نہیں لوں گا۔

(حاضرین محفل میں سے ایک خاتون)

زندگی کے ہر شعبے میں چاہے وہ رشتہ ہے یا کاروبار یا دوستی ہے اس میں عزتِ نفس درکار ہے۔ میں ایک عورت ہونے کی حیثیت سے گھر کی مثال دوں گی اور گھر کے ماحول کی عکاسی کروں گی کہ میاں بیوی، ماں بیٹی یا بہن بھائی کو ایک دوسرے کی عزتِ نفس کا خیال رکھنا چاہیے۔

اشفاق احمد:۔ جی بڑی اچھی بات ہے اور ہم بھی یہ بات کر رہے ہیں کہ جو جو بھی رشتے ہیں وہ عزت مانگتے ہیں لیکن عزتِ نفس پر ہماری توجہ اس لیے نہیں ہے کہ ہم نے خود اپنی ذات کو عزت عطا نہیں کی ہوئی اور ہم سے ایسے فعل سرزد ہو جاتے ہیں اس لیے ہم دوسرے کو عزت نہیں دے سکتے۔ یہاں پر آ کر رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

آپ کو یاد ہو گا جب شارجہ میں میانداد نے چھکا لگایا تھا۔ میں شادمان کے علاقے میں جا رہا تھا کہ میری گاڑی میں خرابی پیدا ہو گئی۔ میں نے نیچے اتر کر دیکھا تو اس کو ٹھیک کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ ایک خاتون گھر سے باہر آئیں۔ انہوں آ کر دیکھا اور پھر کہا کہ یہ آپ سے ٹھیک نہیں ہو گی۔ میں نے اس سے کہا کہ میں کہیں جلدی جانا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ آپ گاڑی کو یہاں چھوڑ دیں۔ میرا بیٹا آٹو انجینئر ہے وہ اسے دیکھ لے گا۔ میں بلاتی ہوں۔ اس لڑکے نے آ کر کہا کہ انکل آپ جا کر اندر بیٹھیں میں دیکھتا ہوں اور وہ کام کرنے لگا۔ میں ان کے گھر میں جا کر بیٹھ گیا۔ وہاں ٹی وی لگا ہوا تھا۔ اس دوران میں میانداد آیا اس نے چھکا لگایا اور پاکستان جیت گیا۔ اس وقت پوری قوم ٹی وی اور ریڈیو سیٹوں سے چمٹی ہوئی تھی۔ اس لڑکے کی ماں نے مجھے آ کر کہا کہ گاڑی ٹھیک ہو گئی۔ میں نے اس لڑکے سے آ کر کہا کہ یار تم نے میچ نہیں دیکھا۔

وہ کہنے لگا کوئی بات نہیں۔ آپ نے دیکھ لیا تو میں نے دیکھ لیا۔ آپ کی وقت ختم ہو گئی۔

خواتین و حضرات! اس نے یہ چھوٹی سی بات کہہ کر مجھے خرید لیا۔ بظاہر یہ ایک چھوٹی سی بات ہے لیکن اس نے مجھے ایسی چیز عطا کی جس کا میں آج تک دینے دار ہوں۔ ہم اپنی والدہ کو "پھرنتو"

کہتے تھے۔ وہ آزاد منش خاتون تھیں اور عموماً اپنے کمرے میں نہیں رہتی تھیں بس ادھر اُدھر پھرتی رہتی تھیں۔ اتنی پڑھی لکھی بھی نہیں تھیں۔ میرے بڑے بھائی انہیں کہتے تھے کہ "ان کو ہم گھر والوں نے آوارہ گردی کے جرم میں پکڑنا ہے۔"

جب بھی دیکھیں کمرے کا چکر لگا کے باورچی خانے میں پہنچی ہوتیں۔ انہیں جہاں بھی چھوڑ کر آتے تھوڑی دیر کے بعد وہ کچن میں "کڑھم" کر کے موجود ہوتیں۔ ایک بار دوپہر کے وقت وہ باورچی خانے میں کھڑی تھیں اور سب سوئے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا جی کیا کر رہی ہیں تو وہ کہنے لگیں کہ بندر والا مداری آیا تھا وہ بھوکا تھا اس کے لیے پکوڑے تل رہی ہوں۔ میری اماں کا سارا سینٹر باورچی خانہ تھا وہ بھی کہتیں کہ میری زندگی کا مرکز ہی یہ ہے اور مجھے لوگوں کو کچھ عطا کر کے خوشی ہوتی ہے۔ میں اب سوچتا ہوں کہ انہوں نے خود کو ایک عزت عطا کر رکھی تھی۔ اس زمانے کی شاید ساری عورتیں اس نظریے کی قائل تھیں۔ یہ تو اب عورتوں کو سمجھایا گیا ہے کہ آپ بینکنگ کریں، باہر نکل کر لوگوں کی خدمت کریں، شاید مردوں کو بینکنگ نہیں آتی خیر یہ ایک الگ کہانی ہے۔ اگر آپ اپنی زندگی کو کبھی غور سے دیکھیں اور چھوٹی چمٹی کے ساتھ زندگی کے واقعات چنتے رہیں تو آپ کو بے شمار چیزیں ایسی نظر آئیں گی جو ایسے ہی آپ کی نگاہ سے اوجھل ہوگئی ہیں لیکن وہ بڑی قیمتی چیزیں ہیں۔ خیر اگلی میں میرا ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ اس کے دو کمرے تھے۔ ہم کبھی کبھی وہاں جاتے تھے۔ جب کبھی وہاں جاتے تو آتے وقت اس کی دیکھ بھال غلام قادر کو سونپ دیتے۔ وہ وہاں ڈاکخانے میں ملازم بھی تھا۔ میری بیوی نے چابیاں دیتے ہوئے اسے کہا کہ "غلام قادر سردیاں آنے سے پہلے یا سردیاں آنے کے بعد چیزیں گھر سے باہر نکال کر انہیں دھوپ لگا لینا۔" اس نے کہا کہ "بہت اچھا جی۔"

غلام قادر نے وہ چابی لے کر ایک دوسری چابی بانو قدسیہ کو دے دی تو اس نے کہا یہ کیا ہے۔

وہ کہنے لگا کہ جی یہ میرے گھر کی چابی ہے جب آپ نے اپنے گھر کی چابی مجھے دی ہے تو میرا فرض بنتا ہے کہ میں اپنے گھر کی چابی آپ کو دے دوں۔ کوئی فرق نہ رہے۔ آپ مجھ پر اعتماد کریں اور میں نہ کروں یہ کیسے ممکن ہے۔ میری بیوی اس کی بات سن کر حیران رہ گئی۔

خواتین و حضرات یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو اللہ نے ایسی عزت عطا کی ہوتی ہے کہ وہ عزت سے محروم نہیں ہوتے اور کہیں سے چھینا جھپٹی کر کے اکٹھی نہیں کرتے۔ میں ایک لکھنے والا ہوں۔ مجھے جگہ جگہ سے عزت "ٹو لنے" حاصل کرنے کی عادت ہے۔ پیسے کا لالچ سب سے بری بات ہے لیکن جو دولت مند شخص ہوتا ہے وہ کسی بھی وقت چیک بھر کے پیسہ منگوا سکتا ہے۔ جب میری لکھنے والے کی دیگر ڈرامہ کرنے والے، ایکٹر، گانے بجانے والے یا کسی اور آرٹسٹ کا مسئلہ یہ ہے کہ اس کی ساری رسیاں لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ اس کے پاس اپنی چیک بک نہیں ہوتی اس لیے وہ تڑپتا رہتا ہے

اور آواز دیتا رہتا ہے کہ لوگو! خدا کے واسطے رسی سنبھال کے رکھنا۔ اگر تم نے رسی چھوڑ دی تو میں پھر مر گیا۔ اس کو یہ مصیبت پڑی ہوئی ہوتی ہے اس لیے اس مشکل سے نکلنے کے لیے جب تک اس غلام قادر جیسی طبیعت نہیں ہوگی بات نہیں بنے گی۔ چیلسی یا لندن کا وہ لارڈ بننا ضروری ہے جو دوسروں کو بھی اتنی ہی عزت دینا چاہتا ہے، اور لارڈ ان ماجھے گاموں کو بھی عزت دیتے ہیں جتنی وہ خود رکھتے ہیں۔

(حاضرین میں سے ایک صاحب بات آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں)

کسی کو عزت دینی ہو تو شہر کی چابی پیش کی جاتی ہے۔ یہ عزت دینے کی ایک Symbol ہے۔

اشفاق احمد:۔ بہت خوب۔ بالکل ٹھیک ہے۔

ہمارے بچپن کے زمانے کی بات ہے۔ ہمارے ماسٹر ڈولر صاحب ہوتے تھے۔ وہ فرانس سے آئے تھے اور انہوں نے وہاں سے آ کر سکول کھولا تھا۔ ان کی بیوی فوت ہو چکی تھی۔ ایک بیٹی تھی جو بڑی اچھی خوش شکل تھی اور ساڑھی پہنتی تھی۔ انہوں نے سکول کے پاس ایک خوبصورت سی گھاس پھونس کی ''جھگی'' (کٹیا) ڈالی ہوئی تھی۔ ان کی ایک گائے تھی۔ ہم جتنے بھی چھوٹے چھوٹے بیٹنے سے جو سٹوڈنٹ تھے۔ بہت سارے بچے ان کے پاس آتے تھے۔ وہ ہمیں گانے بھی سناتے تھے۔ ایک مرتبہ دلی میں ایک بہت بڑا اسکول کھلا جس کا پرنسپل بھی انگریز ہی مقرر کیا گیا۔ اس پرنسپل کو آب و ہوا راس نہ آئی تو وہ چلا گیا۔ پھر دوسرا منگوایا گیا وہ بھی بیمار ہو گیا اور اسے پیچش لگ گئے۔ کسی نے وائسرائے کو رائے دی کہ آپ اگر ان (ڈولر صاحب) کو بلا لیں تو وہ سکول چلا سکتے ہیں۔ اس طرح ہمارے سکول میں ایک انگریز آ گیا اور اس نے آ کر ماسٹر صاحب سے پوچھا کہ:

What about joining that School?

ماسٹر صاحب نے کہا کہ But why۔

اس طرح جھگڑا ہو گیا۔ ہم اپنے چھپروں کے نیچے کلاسوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی بیٹی بھی وہاں آ گئی۔ اس انگریز نے ماسٹر صاحب سے کہا کہ

We will give you more money.

بحر کیف آخر کار ماسٹر صاحب نے اس سے کہا کہ میں تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں لیکن If you expand my stomic accordingly.

(پہلے میرا معدہ کھینچ کر اتنا بڑا کر دو کہ اس میں وہ ڈھیر سارے پیسے سما جائیں جن کی تم آفر کر رہے ہو)

ماسٹر صاحب نے اس سے کہا کہ میں ان بچوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ میں گاؤں گاؤں اور گھر

گھر جا کر ان بچوں کو اکٹھا کر کے لایا ہوں اور اب میں ان کو ایک دم سے کیسے چھوڑ کر چلا جاؤں۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔

وہاں ایک گارڈر کو بجا کر اور ٹن ٹن کر کے ہمارے آنے اور جانے کی گھنٹی بجائی جاتی تھی لیکن جب تین دفعہ وہ گھنٹی بجتی تو وہ ڈولر صاحب کی آمد سے پہلے بجتی تھی۔ جب وہ گھنٹی تین بار بجی تو ہم پریشان ہو گئے اور بھاگ کر باہر آ گئے اور کھڑے ہو گئے۔ ڈولر صاحب سب بچوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ ''بندہ نواز و تم کو پتہ ہے کہ میں بندہ ہوں اور آپ بندہ نواز ہیں۔'' ہم نے کہا کہ ہاں جی (حالانکہ ہمیں کیا پتہ تھا کہ یہ بندہ نوازی کیا ہے)۔

انہوں نے پھر با آواز بلند کہا کہ میں تمہارا خادم ہوں۔ ایک ظالم اور خونخوار آدمی آیا تھا جو مجھے تم سے چھین کر اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ وہ تقریر کرتے ہوئے رو بھی رہے تھے۔ ڈولر صاحب نے کہا کہ اگر میں اپنی بیٹی کی بات مان کر یہاں سے چلا جاتا جو دلی جانے کی بڑی خواہش مندی تو نہ میں آپ سے مل سکتا نہ آپ مجھ سے مل سکتے۔ جب وہ رو رہے تھے اور ہمیں بہت پیارے تھے تو ہم بھی ان کی ٹانگوں سے چمٹ کر رونے لگے۔ ایک عجیب حال دوہائی وہاں مچ گئی۔ وہ ایک باعزت آدمی تھے۔ انہوں نے اپنی ذات کو عزت عطا کی ہوئی تھی حالانکہ اتنے بڑے مالی فائدے سے محروم رہے۔ وہ جب بھی دنیا سے گئے ہوں گے اس اعزاز کے ساتھ گئے ہوں گے جس کی لوگ تمنا کرتے ہیں۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

ذات کی تیل بدلی

پرسوں میرے ساتھ پھر وہی ہوا جو ایک برس اور تین ماہ پہلے ہوا تھا۔ یعنی میں اپنی گاڑی کا فلنگ اسٹیشن پر تیل بدلی کروانے گیا تو وہاں لڑکوں نے چیخ مار کر کہا کہ سر آپ وقت پر تیل نہیں بدلواتے' گاڑی تو اس طرح چلتی رہتی ہے لیکن اس کا نقصان بہت ہوتا ہے لیکن آپ اس کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ میں نے کہا بھئی اس میں اکیلے میرا ہی قصور نہیں ہے میرے ملک میں تیل کی بدلی کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ ہم پٹرول ڈالتے ہیں' گاڑی چلتی رہتی ہے اور ہم ایسے ہی اس سے کام لیتے رہتے ہیں۔ پھر اچانک خیال آتا ہے تو تیل بدلی کرواتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ گاڑی کا سارا تیل اتنا خراب ہو چکا ہے کہ اسے باہر نکالنا مشکل ہو گیا ہے۔

میں نے کہا کہ یار چلتی تو رہی ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ تو سر پڑھے لکھے آدمی ہیں اور گاڑی کا وقت پر تیل بدلوانا بہت ضروری ہے۔ پچھلے سال بھی انہوں نے مجھ سے یہی بات کہی تھی اور مجھ سے بدستور یہ کوتاہی سرزد ہوتی رہی۔ جب وہ لڑکے تیل تبدیل کر رہے تھے تو میں سوچنے لگا کہ میں باقی سارے کام وقت پر کرتا ہوں۔ بینک بیلنس چیک کرتا ہوں' یوٹیلیٹی بلز وقت پر ادا کرتا ہوں اور یہ ساری چیزیں میری زندگی اور وجود کے ساتھ لگی ہیں لیکن میں نے کبھی اپنے اندر کا تیل بدلی نہیں کیا۔ میری روح کو بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ اس میں بھی تبدیلی پیدا کی جائے لیکن اس بابت میں نے کبھی نہیں سوچا۔ میں یہ بات سوچ کر پریشان ہوتا رہا کہ کیا مجھ پر ایسا وقت آ سکتا ہے کہ میں دنیاداری کے اور سارے کام کرتا ہوا اور خوش اسلوبی سے ان کو نبھاتا ہوا اپنی روح کی طرف بھی متوجہ ہو کر اس کی صفائی اور پاکیزگی کا بندوبست کروں۔ میں نے ان کے گزشتہ سارے سالوں کا حساب لگایا لیکن میں ایسا کر نہ سکا۔ میری نیت تو شاید نیک تھی اور میں اچھا آدمی بھی تھا لیکن یہ کوتاہی میری زندگی کے ساتھ ساتھ چلتی آ رہی تھی اور میرا کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ میرے ساتھ ایسی بے اختیاری وابستہ تھی کہ میں اس کو اپنی گرفت میں نہیں لا سکتا تھا۔ میرے خیال میں اپنی روح کے تیل کو تبدیل کرنے کی اپنے بدن کی

صفائی سے بھی زیادہ ضروری ہے جس کی طرف آدمی کسی وجہ سے توجہ نہیں دے سکتا وہاں بھی ہمارا مزاج اپنی گاڑیوں سے سلوک کی طرح سے ہی ہے۔ جیسا کہ ہم اپنی گاڑیوں میں پٹرول ڈال کے تو چلتے رہتے ہیں لیکن پٹرول سے مفید تر تیل بدلی کا کام ہم نہیں کرتے تا کہ گاڑی کا انجن محفوظ رہے۔ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ وہاں سوچتے سوچتے اور بیٹھے بیٹھے مجھے خیال آیا کہ کچھ لوگ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں جن کی توجہ اپنی تیل بدلی کی طرف زیادہ ہوتی ہے اور وہ انسانیت کے گروہ میں زیادہ خوبصورت بن کر ابھرتے ہیں اور لوگوں کی مزاج کے لیے کچھ کہے بولے بغیر بہت سارے کام کر دیتے ہیں۔ اللہ نے پتہ نہیں ان کو کس طرح سے ایسا ملکہ دیا ہوتا ہے۔

بڑے سالوں کی بات ہے جب 53-1952ء میں بہت بڑا Flood آیا تھا اس وقت ابھی لاہور کو سیلاب سے بچانے والی فصیل بھی نہیں بنی تھی جسے آپ بند کہتے ہیں۔ اس وقت لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر ایسی ایسی جگہوں پر جا بیٹھے تھے جہاں زندگی بسر کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ہم اپنے طور پر یہ سوچ کر وہاں گئے کہ شاید وہاں ہمارا جانا مفید ہو یا پھر تجسس میں بطور صحافی ہم کچھ دوست وہاں گئے تو وہاں ایک بوڑھی مائی دو تین ٹین کے ڈبے رکھ کر بیٹھی تھی اس کے پاس ایک دیگچی تھی اور یوں لگتا تھا کہ اس نے کل شام وہاں چولہا بھی جلایا ہے اور اس سے کچھ پکایا بھی ہے۔ اس کا کوئی آگے پیچھے نہیں تھا۔ وہاں ان خیموں میں لوگ دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ہمارے ساتھ آئے ہوئے ممتاز مفتی نے اسے دیکھ کر کہا کہ یار اس کی حالت تو بہت ناگفتہ اور خراب ہے۔ میں نے کہا کہ ظاہر ہے اور بھی بہت سے لوگ اس کے ساتھ ہیں۔ اس خراب حالت میں اس کے چہرے پر ایک عجیب طرح کا اطمینان وسکون تھا۔ وہ بڑی تشفی کے ساتھ بیٹھی تھی اور اس کے چہرے پر کوئی شکایت نہیں تھی۔ ممتاز مفتی نے اس سے کہا کہ ''بی بی اگر تم کو دو سو روپے مل جائیں (دو سو کا سن کر اس کی آنکھیں روشن ہوئیں) تو پھر تو ان کا کیا کرے گی؟''

کہنے لگی ''بھاجی لوگ بڑے غریب نیں میں اونہاں وچ ونڈ دیاں گی''

اب اتنے برس کے بعد مجھے اس مائی کا چہرہ بھی یاد آ گیا اور میں نے سوچا کہ اس نے اپنی روح کی تیل بدلی بڑے وقت پر کی تھی اور اس کی شخصیت وفردیت اور برتری وہاں گئے ہوئے ہم سارے دانشوروں، رائٹروں اور صحافیوں سے زیادہ اور بڑے درجے پر تھی۔

میں سمجھتا ہوں کہ پچھلے سال اور اس سال کے درمیان مجھ میں ایک صلاحیت البتہ پیدا ہو گئی ہے اور وہ بھی کچھ اچھی صلاحیت نہیں ہے۔ اس میں تھوڑی سی کمینگی کا عنصر شامل ہے۔

وہ صلاحیت یہ ہے کہ میں اپنے مدمقابل جب کسی نئے آدمی کو دیکھتا ہوں تو مجھے اتنا ضرور پتہ چل جاتا ہے کہ باوصف اس کے یہ شخص بڑی مضبوطی اور تیز رفتاری کے ساتھ اپنی زندگی کا سفر کر رہا ہے

free-urdubook.blogspot.com

لیکن اس کا تیل اندر سے بہت گندہ ہے۔ کچھ لوگ زندگی میں ایسے بھی ملتے ہیں اور وہ ہر روز ملتے ہیں جنہوں نے کسی وجہ سے سارے کام کرتے ہوئے اس کی طرف بھی توجہ مرکوز رکھی کہ میری روح کے اندر اور میری کارکردگی کے اندر کسی قسم کی آلائش نہ آنے پائے۔ جب میں روم میں تھا تو وہاں کے ایک بڑے اخبار کے مالک جس کے وہ مینجنگ ایڈیٹر بھی تھے انہوں نے اپنے جرنلسٹوں کو دعوت دی۔ انہوں نے مجھے بھی مدعو کیا۔ گو میں کوئی بڑا کام کار رائٹر بھی نہیں تھا۔ وہ بڑی عظیم الشان دعوت دی۔ وہاں بڑا پرتکلف اہتمام کیا گیا تھا۔ جب ہم کھانا وانا کھا چکے تو کچھ صحافیوں نے اس اخبار کے مالک سے فرمائش کی کہ آپ اپنا گھر ہمیں دکھائیں کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کا گھر بہت خوبصورت ہے۔ ہم اسے اندر سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ضرور دیکھئے اور آیئے۔ ہم نے ٹکڑیوں کی شکل میں ان کے گھر کا اندر سے نظارہ کیا۔ بڑا خوبصورت تھا۔ اس گھر کے جو بڑے بڑے ڈیکوریشن والے اور مجسموں سے بھرے کمرے تھے اور ان میں خوبصورت پینٹنگز بھی لگی ہوئی تھیں۔ ایک بڑے خوبصورت کمرے بارے ہم نے ان سے پوچھا کہ یہ کس کا کمرہ ہے۔ وہ کہنے لگے یہ میرے ڈرائیور کا کمرہ ہے۔ ہم بڑے حیران ہوئے۔ ہم نے دوسرے کمرے بارے پوچھا جو پہلے سے بھی اچھا تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ باورچی کا کمرہ ہے۔ اس طرح ایک سے ایک اعلیٰ اور بڑھ کر کمرے دیکھے جو سارے گھر کے ملازموں کے تھے۔ پھر ہم نے وہاں ایک چھوٹا سا کمرہ دیکھا جس میں ٹیلیفون' ایک میز تھا جو کوئی پانچ آٹھ فٹ کا ہوگا۔ اس میں ایک بیڈ لگا تھا جو فولڈ بھی ہو جاتا ہے۔ ہمارے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ "یہ میرا کمرہ ہے۔"

ہم نے کہا کہ سر آپ نے نوکروں کے لیے تو اعلیٰ درجے کے کمرے بنائے ہیں اور اپنے لیے یہ ہے۔ یہ کیا ماجرا ہے؟

وہ کہنے لگے کہ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ میری ماں روم کے ایک بہت بڑے لارڈ کے گھر میں باورچن تھی اور انہیں جو کمرہ ملا ہوا تھا وہ بڑا تنگ تھا۔ اس کمرے میں ہم اپنی ماں کے ساتھ تین بہن بھائی بھی رہتے تھے۔ جب میں نے گھر بنایا تو میں نے کہا کہ ملازموں کے کمرے بڑے خوبصورت اور Well Decorated ہونے چاہئیں اور میں تو ہوں ہی ایک بڑا آدمی اس لیے مجھے کسی بڑے کمرے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم اس کو دیکھ کر اور اس کی بات سن کر ششدر رہ گئے کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں۔

اس کے ملازم بڑے نخریلے اور مزے کرنے والے تھے۔ میں اس اخبار کے مالک کی خوبی اب محسوس کرتا ہوں کہ انہوں نے بھی اپنی ساری توجہ اپنی زندگی کو چلانے کے لیے اپنے پٹرول پر نہیں دی تھی بلکہ اس تیل پر دی تھی جو تبدیل کر کے انسانی زندگی کو سہولت کے ساتھ آگے لے جاتا ہے۔ ہم

سے یہ کوتاہی عموماً ہوتی رہتی ہے۔ ہم بھی اپنی زندگیوں کو کم از کم ایک دفعہ تو اس انداز سے چلائیں جس طرح سے سائنس کہتی ہے یا میکینکل کو سمجھنے والے کہتے ہیں کہ آپ کے انجن اور مشین کو اتنے گھنٹوں یا دنوں کے بعد تیل بدلی کی ضرورت ہے اور وہ پٹرول سے بھی زیادہ اہم ہے۔ ہم اپنے وجود کو اس طور سے چلائیں۔ کچھ لوگ جن سے میری فطرت بھی ملتی ہے اور میں ان کو آسانی سے پہچانتا ہوں کہ ان کی طبیعت کے اندر تیل بدلی والی خاصیت شاید ہوتی تو ہے لیکن کم ہوتی ہے۔ آپ کو زندگی میں بڑے بڑے امیر لوگ ملیں گے چاہے آپ کل سے اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ وہ زندگی میں بڑے کامیاب ہوں گے اور بڑے اونچے عہدوں پر فائز ہوں گے لیکن زندگی کے میدان میں اور جو انسانیت کے کھیل کا میدان ہے اس میں وہ کمزور ہوں گے۔ کہیں نہ کہیں آ کر ان کا انسانی رشتہ گھٹن کا شکار ہوتا ہے جیسا کہ گاڑی کے اندر Fresh Oil نہ ڈالا جائے تو وہ گھٹن کے ساتھ چلتی ہے اور ایک ماہر ڈرائیور بیٹھتے ہی بتا دیتا ہے کہ اس کے تیل کی تبدیلی نہیں ہوئی حالانکہ وہ دوڑ رہی ہوتی ہے لیکن جونہی اس کے تیل کی تبدیلی ہوتی ہے تو وہی ماہر ڈرائیور کہتا ہے کہ سر اب یہ زیادہ رواں چل رہی ہے۔ لگتا ہے پرسوں ہی تیل تبدیل کیا ہے۔ زندگی کا معاملہ بھی بالکل اسی طرح سے ہی ہے۔ میں اپنے بچوں اور پوتوں پر یہ توجہ دے رہا ہوں کہ میں ان کو ایم کام کرا دوں یا فلاں ڈگری دلوا دوں اور لائق بنا دوں اور کہیں فٹ کرا دوں۔ یہ زندگی کی کامیابی نہیں ہے۔ زندگی میں کامیاب ہونے کا سارا تعلق ہم نے اکنامکس سے وابستہ کر لیا ہے۔ ہمارے ایک دوست ہیں۔ اچھے آدمی ہیں لیکن طبیعت کے ذرا سخت ہیں (اور اب میں اس پروگرام کے بعد ڈائریکٹ انہیں کچھ کہنے کے یہی کہوں گا کہ جناب آپ اپنا ''تیل بدلی'' کرا لیں۔ اس پروگرام کے بعد کئی لوگ آپ سے ملیں گے گو وہ اچھے ہوں گے اور اگر آپ کسی سے تھوڑے بے تکلف ہوں گے تو اپنے کسی دوست سے یہ ضرور کہیں گے کہ یار ''تیل بدلی'' کروا لیں یا تمہارا تیل بدلی ہونے والا ہے۔)

وہ ایک شام اخبار پڑھ رہے تھے تو تھانے سے ٹیلیفون آیا اور کسی نے کہا کہ سر ہم نے آپ سے استفسار کرنا ہے۔ کہنے لگے ہاں جی فرمایئے۔ اس نے کہا کہ آپ کی بیگم صاحبہ گاڑی لے کر جا رہی تھیں۔ انہوں نے گاڑی کی کسی اور گاڑی کے ساتھ ٹکر مار دی ہے۔ کوئی خاص نقصان نہیں ہوا اور انہوں نے (بیگم صاحبہ) اس امر کا اعتراف کر لیا ہے کہ یہ ٹکر میری غلطی سے ہوئی تھی۔ اس شخص کی فون پر بات سن کر میرا دوست بولا کہ اگر اس خاتون نے اعتراف کر لیا ہے تو وہ میری بیوی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس نے آج تک اپنی کسی غلطی کا اعتراف نہیں کیا اور وہ یہ کہہ کر دوبارہ اخبار پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ اس فون کرنے والے نے کہا کہ جی وہ اپنا نام شائستہ بتاتی ہیں تو صاحب نے کہا کہ اس نام کی کئی خواتین ہیں۔ وہ میری بیوی ہو ہی نہیں سکتی۔

free-urdubook.blogspot.com

یہ تیل بدلی والی بات ان پر بھی صادق آتی ہے اور یہ ایک سخت تر مثال ہے۔ جب میں ایک پسماندہ سے گاؤں کے ایک سکول میں کچی میں داخل کرایا گیا تو وہاں ایک بابا دال چپاتی ہوا کرتے تھے۔ ان کے پاس سرخ گاڑی تھی۔ وہ لمبا سا جبہ پہن کے رکھتے تھے اور یو۔پی کے کسی علاقے سے آئے تھے۔ جب بھی ہم گلی میں باہر نکلتے اور ان کی رینج میں آتے تو وہ بابا دال چپاتی آگے بڑھ کر ہم کو پکڑ لیتا۔ ہم چھوٹے ہوتے تھے اور ڈر سے ہم چیخیں مارنے لگتے تھے اور روتے تھے لیکن وہ بابا ایک ہی بات کہتے تھے کہ "جا تو آگے اور دیکھ تماشا ابھی اللہ کا فضل تجھے پکڑ لے گا اور دال چپاتی تیرے پیٹ میں ہے۔"

ہمیں لگتا تھا کہ اللہ کا فضل بڑا خوفناک ہوتا ہے لیکن وہ ہمیں ہمیشہ یہی کہتے جب میری ماں مجھے قاعدہ دے کر سکول بھیجتی تو میں کہتا کہ "وہاں باہر بابا دال چپاتی ہوگا وہ مجھے پکڑ کر اللہ کے فضل کے حوالے کر دے گا۔"

جب میں بڑا ہوا تو عید کا ایک دن تھا۔ ہم جب نماز پڑھ کے مسجد سے باہر نکل رہے تھے تو میرے والد صاحب جو کہ قصبے میں بڑے معزز تھے انہوں نے بابا دال چپاتی کی جوتیاں اٹھا کر پہننے کے لیے سیدھی کیں تو وہ کہنے لگے کہ ڈاکٹر صاحب ڈاکٹر صاحب یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ رہنے دیں میں ایسے ہی پہن لوں گا۔ میرے ابا جی کہنے لگے کہ مجھے یہ سعادت حاصل ہونے دیں کہ میں آپ کی جوتیاں سیدھی کروں۔ وہ بابا کہنے لگے ڈاکٹر صاحب آپ مجھے شرمندہ کرتے ہیں۔ میں بڑا حیران ہوا کہ اباجی ایک معمولی سے آدمی کو اتنا بڑا مان سامان دے رہے ہیں اور آخر کیوں؟

میرے ابا جی کہنے لگے کہ آپ ہم سب مسلمانوں کے لیے فخر کا باعث ہیں۔

تو وہ بابا دال چپاتی کہنے لگے کہ میں ایک اچھا انسان تو ضرور ہو سکتا ہوں لیکن اچھا مسلمان ہونے کا فاصلہ ابھی بہت طویل ہے۔ اچھا انسان ہونا بہت مشکل ہے۔

خواتین و حضرات! آپ کو کچھ لوگ ایسے بھی ملیں گے جو اتنے زیادہ سخت طبیعت کے تو نہیں ہوں گے لیکن ان میں کچھ عجیب سا بیلنس ہوگا۔ ہمیں اپنے دل کے اندر کوئی خباثت یا غلاظت نہیں پالنی چاہیے۔ گزشتہ سال بڑی بارشیں ہوئی تھیں اور شدید بارش میں ہم جمعہ پڑھنے گئے تو نوجوان سے مولوی صاحب خطبہ دے رہے تھے۔ خطبہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دیکھیں کیا اللہ کی رحمت ہے اور اس کی کیا مہربانی ہے اور کیسی خوبصورت اور دلفریب موسلا دھار بارش ہو رہی ہے اور ہم اندر بیٹھے ہوئے اللہ کے لطف و کرم سے فیض اٹھا رہے ہیں اور جو لوگ گاڑیوں پر جمعہ پڑھنے آئے ہیں ان کی گاڑیاں مفت میں دھل رہی ہیں۔

یہ بڑی باریک سی بات تھی اور اس سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ابھی ایک ماہ کے

free-urdubook.blogspot.com

اندر اندر مولوی صاحب کو اپنی تیل بدلی کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ ہم ان کو ابھی پوری کی پوری داد نہیں دے سکتے۔ میں آپ سے جاتے جاتے یہ درخواست ضرور کروں گا کہ آپ اپنی موٹر کی تیل بدلی بھی وقت پر کروائیں اور اپنی روح اور ذات کی تیل بدلی بھی وقت پر کریں ورنہ وقت بہت کم رہ جائے گا۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

free-urdubook.blogspot.com

رہبانیت سے انسانوں کی بستی تک

ہم سب کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچے۔ ہمیں دوسروں کے مقابلے میں ہدایات، احکامات، اشارات اور Instructions ذرا مختلف قسم کی دی گئی ہیں۔ دوسرے مذاہب، اُمتوں اور قوموں کے لیے ذرا مختلف پروگرام ہے اور ہمارے لیے ان سے کچھ علیحدہ حکم ہے۔ مثال کے طور پر ہندوؤں میں چار طریقوں سے زندگی کے مختلف حصوں کو الگ الگ کر کے دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلے حصے کو "بال آشرم" کہتے ہیں۔ یہ وہ عرصہ ہے جب آدمی چھوٹا یا بال (بچہ) ہوتا ہے۔ تب وہ کھیلتا ہے، کھاتا اور پڑھتا ہے اور آگے بڑھتا ہے۔ اس کے بعد اس کا "گرہست آشرم" آتا ہے۔ گرہست میں وہ شادی کرتا ہے اور تب وہ پچیس برس کا ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ دنیا کے میدان میں پوری توانائی کے ساتھ داخل ہو جاتا ہے۔ تیسرے نمبر پر آدمی کا وان پرست آشرم شروع ہوتا ہے۔ اس آشرم میں ایک شخص دنیاداری کا کام کرتے ہوئے بھی اس سے اجتناب برتتا ہے۔ دنیا کاروبار، دکان چھوڑ کر وہ گھر آ جاتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ دنیاداری سے مکمل طور پر غیر متعلق نہیں ہوتا بلکہ تھوڑا سا تعلق رکھتا ہے۔ اپنے بچے کو دکان یا کاروبار پر بھیج دیتا ہے اور وہ بچہ اس کے نائب کے طور پر کام کرتا ہے اور اس کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ وہ گھر بیٹھے بیٹھے بچے کو Instruct کرتا رہتا ہے اور اشارے دیتا رہتا ہے کہ یہ کام کرنا ہے، یہ نہیں کرنا اور خود دفتر یا کام پر نہیں جاتا۔ آخر کے چوتھے آشرم یعنی 75 سال کی عمر کو جب انسان پہنچ جاتا ہے تو اس درجے کو "سنیاس آشرم" کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دنیا چھوڑ کے اور اپنی رسی اور لوٹا لے کر وہ "بنداس" پہ چلا جاتا ہے۔ گو وہ عملی طور پر باہر جائے نہ جائے لیکن اس کا دنیا سے کوئی دخل نہیں رہ جاتا۔ میں آپ کو تفصیل سے اس لیے بتا رہا ہوں کہ آگے چل کر اس موضوع پر ہم بات کریں گے۔ ہندوؤں کی طرح سے جین مذہب ہے۔ یہ ہندوؤں سے بالکل مختلف ہے۔ آپ نے ایسے ہی ہمارے لاہور کے جین مندر کو تکلیف پہنچائی گئی حالانکہ اس کا ہندو مذہب سے کوئی تعلق نہیں (بابری مسجد کی شہادت کے سانحہ کے وقت مشتعل ہجوم نے لاہور کے جین مندر کی بھی توڑ پھوڑ کی تھی۔)

free-urdubook.blogspot.com

اسی طرح سے بدھ مذہب ہے وہ اپنے بھکشو تیار کرتا ہے۔ اسی طرح عیسائی کہتے ہیں کہ پادری بنو دنیا سے ناتا چھوڑ دیں۔ عورتوں سے کہتے ہیں نن بن جاؤ، شادی نہ کرو۔ ان مذاہب کا کہنا ہے کہ آپ ترکِ دنیا کر کے زندگی بسر کرو۔ ہمارے ہاں اس سے مختلف ہے کہ آپ کو دنیا بھی ساتھ لے کے چلنی ہے اور دین بھی ساتھ ہی لے کر آنا ہے۔ خاصا مشکل کام ہے کہ دین کو بھی پورے کا پورا سنبھالنا ہے اور دنیا کو بھی سہارا دینا ہے اور اس صورتحال سے بھاگ نہیں اور سنیاس اختیار نہیں کرنا ہے۔ تارکِ دنیا یا راہب نہیں بننا ہے۔ راہب وہ ہوتے تھے جو پہاڑوں کی گفاؤں اور ریت کے ٹیلوں یا پھر جنگلوں میں جا کر بیٹھتے تھے۔ کسی کو ملتے نہیں تھے اور اللہ اللہ کرتے رہتے تھے۔ ہم کو یہ حکم ہے کہ دنیا میں رہیں اور اللہ کے ساتھ رشتہ بھی مضبوط رکھیں اور اس کے لیے کہیں چل کر جانے کی یا سفر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارے بابے کہتے ہیں کہ اللہ تک پہنچنے کے لیے کسی سفر کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ سفر کے لیے باہر نکلنا پڑتا ہے لیکن یہ سفر ایسا ہے کہ اس کے لیے کہیں جانا نہیں ہے بس اپنی شہ رگ تک پہنچنا ہے۔ جہاں پر اللہ تشریف فرما ہیں اور سب کا اللہ اس مقام پر موجود ہے۔ ایک بار ہمارے بابا جی کے ڈیرے پر ایک آدمی آیا۔ وہ کچھ عجیب طرح کا ضدی یا لڑائی کرنے والا آدمی تھا اور سچی بات تو یہ ہے، اللہ مجھے معاف کرے، اس کی شکل بھی کچھ اتنی اچھی نہیں نہیں تھی۔ جیسا کہ آدمی اس شخص کے پہلے ہی بہت سارے نمبر کاٹ لیتا ہے جس کی شکل وصورت، اچھی نہ ہو اور اس سے متعصب ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں اس کے ساتھ ذرا سختی کے ساتھ پیش آیا۔ اس نے کچھ خراب سی بات کی تھی تو میں اس سے کہنے لگا کہ تجھے یہ کس نے کہا فلاں فلاں..... بابا جی نے کہا کہ آپ اس کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ میں نے کہا کہ کیوں؟ وہ کہنے لگے اس طرح تو آپ اللہ کو جھڑکیاں دے رہے ہیں۔ میں نے کہا جی نعوذ باللہ وہ کیسے؟

بابا جی کہنے لگے کہ اللہ تو اس کی شہ رگ کے پاس ہے۔ وہاں تو اللہ میاں کرسی ڈال کر بیٹھے ہیں اور تم اس کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔ تمہیں اس کا احترام کرنا پڑے گا۔ یعنی جس بندے کی بھی شہ رگ کے پاس اللہ موجود ہے اس کا احترام کرنا آپ کا فرض ہے۔

اب اس دن سے مجھے ایسی مصیبت پڑی ہے کہ ہمارے گھر میں جو مائی جھاڑو دینے آتی ہے، وہ بہت تنگ کرتی ہے۔ میری کتابیں اٹھا کر کبھی ادھر پھینک دیتی ہے کبھی اُدھر پھینک دیتی ہے۔ اب میں اس سے غصے بھی ہونا چاہتا ہوں لیکن کچھ کہتا نہیں ہوں۔ بانو قدسیہ کہتی ہے کہ آپ اسے جھڑک دیا کریں۔ میں اس سے کہتا ہوں کہ نہیں اس کے پاس تو اللہ ہے میں اس کو کیسے کچھ کہوں۔ مجھے اس دنیا سے مصیبت جان پڑی ہوتی ہے۔ تارکِ دنیا ہو کر اللہ کو یاد نہیں کرنا بلکہ اللہ کو ساتھ رکھ کے یاد کرنا ہے۔

پیارے بچو!

حیرانی کی بات یہ ہے کہ ہمارے سامنے ہماری زندگیوں میں اور ہمارے ہی ملک میں تقریباً

free-urdubook.blogspot.com

سارے کے سارے لوگ تارک الدنیا ہو کر سنیاسی اور راہب ہو کر بیٹھے ہیں۔ آپ حیران ہوں گے یہ بابا کیسی بات کر رہا ہے۔ ہمارے ابا جی، ماموں، تائے سارے گھر آتے ہیں اور فیکٹری چلاتے ہیں، کام کرتے ہیں، یہ کیسے راہب ہو گئے۔ میں نے لوگوں کو غور سے دیکھا ہے اور ان پر غور کیا ہے کہ یہ راہب لوگ اور اب تو ہم سارے ہی تقریباً تقریباً راہب بن چکے ہیں۔ یہ بڑے بڑے شہروں میں بھی رہتے ہیں اور وہ کاروبارِ زندگی بھی کرتے ہیں اور اس کے باوصف کہ یہ اتنے سیانے اور سمجھدار ہیں۔ سارے رہبانیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہمیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ راہب لوگ ہیں۔ راہب لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنے لوگوں سے تعلق توڑ کر، بستی چھوڑ کر کسی اور جگہ پر جا بیٹھیں اور کسی سے تعلق نہ رکھیں یہ اس کی چھوٹی تعریف ہے۔ اب آپ کبھی اسلام آباد تشریف لے جائیں، وہ بڑا اچھا خوبصورت اور پیارا شہر ہے۔ وہاں جتنے بھی لوگ ہیں وہ سارے کے سارے راہب ہیں۔ کسی بھی سیکرٹریٹ کے کسی بھی دفتر میں چلے جائیں آپ کسی کو آسانی سے نہیں مل سکتے، سب راہب بنے بیٹھے ہیں۔ راہب سے ملنا اس لیے مشکل ہوتا ہے کہ وہ اپنی گفا میں بیٹھا ہوتا ہے۔ کسی سے ملتا ہی نہیں ہے۔ میں ایک ڈپٹی سیکرٹری کے دفتر میں بیٹھا تھا کہ وہاں ایک آدمی آ گیا۔ وہ ڈپٹی سیکرٹری صاحب اسے دیکھ کر گھبرا گئے۔ حیرت اور گھبراہٹ سے اس سے کہنے لگے ہاں جی آپ کیسے یہاں آئے؟

اس نے کہا کہ جی میں بڑے دروازے سے آیا ہوں۔

انہوں نے کہا کہ بڑے دروازے سے تو آئے ہو لیکن آپ کو آنے کس نے دیا ہے؟

اس نے کہا کہ جی وہاں پر جو دربان ہے اس نے مجھ سے کہا کہ آپ آج نہیں کل چلے جانا۔ یہ سن کر میں گھر چلا گیا۔ میں آج آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

وہ پوچھنے لگے کہ آپ اوپر کیسے آئے؟

وہ شخص کہنے لگا کہ جی میں سیڑھیاں چڑھ کر آیا ہوں۔ میں نے لفٹ والے سے کہا تھا کہ مجھے اوپر لے جا لیکن اس نے کہا کہ یہ افسروں کی لفٹ ہے۔ میں نے کہا کہ یہ دوسری لفٹ ہے اس سے بھیج دو۔ تب اس نے کہا کہ یہ ڈپٹی سیکرٹری کی لفٹ ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تیسری.....

اس نے کہا کہ یہ سیکرٹری صاحب کے لیے ہے اور اس لفٹ والے نے مجھ سے کہا کہ اگر آپ نے اوپر جانا ہی ہے تو آپ سیڑھیاں چڑھ کر چلے جائیں اور میں سیڑھیاں چڑھتا چڑھتا آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

ڈپٹی سیکرٹری صاحب نے کہا کہ آپ کو کیا کام ہے۔

اس نے جواب دیا کہ مجھے فلاں فلاں کام ہے تو انہوں نے کہا کہ اس کام کے لیے آپ کو خط لکھنا چاہیے تھا۔

اس شخص نے کہا کہ جی میں نے لکھا تھا۔

تب انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں ملا۔

اس بچارے شخص نے کہا کہ نہیں جی وہ آپ کو پہنچ جانا چاہیے تھا کیونکہ میں نے اسے رجسٹری میں ارسال کیا تھا۔

اس پر ڈپٹی سیکرٹری صاحب نے کہا کہ اگر تم نے وہ بذریعہ رجسٹری بھیجا تھا تو تمہیں پہلے ڈاکخانے سے اس کی تصدیق کرنی چاہیے تھی کہ کیا وہ ٹھیک طرح سے ڈلیور ہوگئی ہے کہ نہیں ہوئی۔

اس نے کہا کہ میں جناب عالی ڈاکخانے سے تحقیق کر چکنے کے بعد ہی حاضر ہوا ہوں۔ وہ ٹھیک ڈلیور ہوگئی ہے اور چودہ تاریخ کو آپ کے دفتر میں پہنچ گئی ہے۔ صاحب نے کہا کہ پھر آپ کو فون کرنا چاہیے تھا۔ آپ یہاں کیوں آ گئے۔ وہ افسر تارک دنیا تھا۔ راہب بن چکا تھا جو اس شخص سے اس انداز میں مخاطب ہو رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میں تو ایسے ہی لوگوں سے نہیں ملتا۔ ڈپٹی سیکرٹری صاحب کی یہ باتیں سن کر وہ شخص شرمندہ اور پریشان ہو کر واپس سیڑھیاں اتر گیا اور جانے سے پہلے کہنے لگا اچھی جی میں پھر کسی کو لاؤں گا یا کوئی زور ڈالواؤں گا کیونکہ اس گفا (غار) میں جو شخص بیٹھا ہے وہ میری بات نہیں سنتا۔ وہ تو اللہ سے لو لگا کے بیٹھا ہے۔ یہ تو ہمارے ملک کے بندے کی بات تھی۔ باہر کے ملکوں کے لوگ جو ہمارے ملک میں تجارت کرنا چاہتے ہیں' فیکٹریاں یا کارخانے لگانا چاہتے ہیں اور انہیں ون ونڈو سسٹم کا یقین دلایا گیا ہے۔ ون ونڈو سسٹم کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایک ہی کھڑکی پر آئیں۔ اپنا مدعا بیان کریں' اپنی فزیبلٹی رپورٹ وہاں پیش کریں تو وہ ایک ہی ونڈو والا بابو صاحب یا ڈپٹی سیکرٹری کہے گا کہ جی آپ کاہنہ کاچھا یا پتوکی جہاں آپ چاہتے ہیں فیکٹری لگا سکتے ہیں۔

اب باہر والے پریشان ہو کر کہتے ہیں کہ یہاں ون ونڈو تو کیا کوئی ونڈو ہے ہی نہیں۔ ہم آدمی تلاش کرتے پھرتے ہیں' ہمیں یہاں کوئی آدمی ہی نہیں ملتا۔ یہاں تو رہبانیت ہے۔ سارے راہب لوگ رہتے ہیں اور ان سے ملنا بہت مشکل ہے۔ اب اس سارے عمل میں آپ کا لوگوں سے تعلق کس طرح ٹوٹتا ہے۔ یہ ایک غور طلب بات ہے۔ گھروں میں بھی بعض اوقات ایسا ہوتا ہے۔ ہمیں پتہ نہیں چلتا۔ ہم میں سے کئی لوگوں کا گھروں میں بھی رویہ بالکل راہبوں جیسا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ ہم بیٹھے تھے' میرا ایک کزن جو میرا ہم عمر ہی ہے' اس کا نام اکرام ہے۔ وہ اپنے پہلے بچے کی پیدائش کا ذکر کر رہا تھا۔ وہ پتوکی میں بڑے زمیندار ہیں۔ وہاں ان کی زمینیں ہیں۔ وہ بتانے لگے کہ جب ان کے بچے کی پیدائش کا وقت آیا تو تب شام یا رات کا وقت تھا اور وہ تھوڑے پریشان ہوئے۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ گاڑی نکالیں ہمیں لاہور جانا چاہیے اور آدھی رات کو لاہور پہنچ گئے۔ ہم سب گھر کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں میری چھوٹی بہن بھی موجود تھی اس نے کہا کہ اکرام بھائی اگر خدانخواستہ

free-urdubook.blogspot.com

رات کو سفر کے دوران کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی تب آپ کیا کرتے تو وہ کہنے لگے اگر کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی تو میں فوراً ریحانہ (بیوی) کو ڈرائیونگ سیٹ سے اٹھا کر پیچھے لٹا دیتا اور خود گاڑی چلانے لگ جاتا۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ اس نے ساری رات ڈرائیونگ بھی اپنی بیوی ہی سے کرائی ہے اور خود مزے سے لیٹے رہے ہیں۔ یہ گھروں کے راہب ہوتے ہیں جن کا آپ کو پتہ نہیں چلتا۔ آپ نے گھروں میں اپنے بھائی' بڑوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ کسی کام میں دخل ہی نہیں دیتے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید دخل نہ دینے سے کچھ فائدہ پہنچتا ہے حالانکہ اس سے ہرگز ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ حیرانی کی بات یہ بھی ہے کہ ہمارے ملک میں جتنے بھی تاجر اور دکاندار ہیں وہ بھی تمام کے تمام رہبانیت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ان کو سوائے اپنی ذات کے اور اپنی زندگی کے اور کسی چیز سے کوئی تعلق یا سروکار نہیں ہے۔ مزے سے تجارت کر رہے ہیں۔ ان کی چھوٹی سی دنیا ہے اور وہ اپنی اسی تجارت کے اندر گھومن گھیری انداز سے چکر کاٹ رہے ہیں۔ باہر لوگ کیسے آباد ہیں۔ ان کی کیسی مشکلات ہیں ان کو کیا کرنا چاہیے وہ اس بارے بالکل کچھ نہیں جانتے۔ وہ سارے کے سارے اپنی اپنی غاروں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ میرے حساب سے ٹک ٹک کر کے تسبیح پھیرنے والے دنیا سے لاتعلق لوگ ہیں۔ ان کا اپنی ہی ذات سے واسطہ ہے۔ ہمارے کیا تقاضے ہیں۔ ہم ان سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ ہم سے بات نہیں کرنا چاہتے۔ ہمارے لاہور میں ایک بہت بڑا برانڈرتھ روڈ ہے۔ وہاں ماشاء اللہ بڑے امیر لوگ رہتے ہیں۔ کراچی میں بڑے امیر ترین لوگ ہیں۔ فیصل آباد کی سوتر منڈی دنیا کا امیر ترین علاقہ ہے لیکن جتنے بھی لوگ وہاں بیٹھے ہیں' ہیں تو وہ ہمارے درمیان اور رہتے بھی اسی دنیا میں ہیں' گفتگو ہماری جیسی کرتے ہیں' کھانا بھی ہمارے جیسا کھاتے ہیں لیکن وہ ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ جب ہم پلٹ کر اپنے اس دکھ کا اظہار اپنی ذات سے کرتے ہیں تو پتہ یہ چلتا ہے کہ ہم بھی ایسے ناقد ہیں کہ بس تنقید کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور ہم بھی ان دوسرے راہبوں ہی کی طرح سے ہیں۔ ہمیں بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ہم بھی راہب لوگ ہیں۔ کس کو ہماری ضرورت ہے' ہم کس کی کس طرح سے مدد کر سکتے ہیں' ہمارے ملک کے کسی باشندے کو کیا تکلیف ہے ہمیں معلوم نہیں۔ ہم بھی بھائی اکرام جیسے ہی ہیں اور سوچتے ہیں کہ اگر تکلیف ہوگی تو میں موٹر چلا لوں گا ورنہ بیوی گاڑی چلاتی رہے۔

ہمارا ضمیر بھی اسی طرح سے ہو گیا ہے۔ یہ کوئی ایسی خوشگوار بات نہیں ہے۔ لیکن وہ حکم جو ہمیں دیا گیا ہے کہ ہم دنیا کے ساتھ ساتھ دین بھی رکھیں وہ شاید ہم نے اپنی کوشش کے باوجود سارے کا سارا اپنی دنیا کے اندر اس طریقے سے ڈال دیا ہے کہ ہم ان لوگوں سے بھی زیادہ لاتعلق ہو گئے ہیں جو لوگ رہبانیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لوگ آپ سے' ہم سے بار بار پوچھتے ہیں استحکام پاکستان کی بھی بات ہوتی ہے' ہمارے معاشرے کو مضبوطی عطا کرنے کی بھی بات ہوتی ہے اور ارادے باندھے

free-urdubook.blogspot.com

جاتے ہیں۔ یہاں پر بسنے والے گروہ انسانی کو بھی تگڑا کرنے کی بات کی جاتی ہے لیکن ہم سب کچھ کیسے کریں۔ ہم کس طرح سے ایسے ہو جائیں کہ ہمارا یہ علم عمل کی صورت اختیار کر جائے اور ہم رہبانیت سے نکل کر اس حکم میں داخل ہو جائیں جس کا ہمیں بڑی شدت اور زور سے آرڈر دیا گیا ہے۔ میں تو کسی نتیجہ پر پہنچ نہیں سکا۔ میں سمجھتا ہوں کہ غرض مندی اور اپنی ذات کے بارے ہی میں سوچتے رہنا ہمارا وطیرہ ہو گیا ہے اور ضرورت سے زیادہ ہو گیا ہے۔ میں اس موقع پر باہر کے ملکوں کی مثال نہیں دینا چاہتا کیونکہ میں وہ دیا نہیں کرتا لیکن جب آپ اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں تو آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ دوسرے گروہ انسانی وہ اس اعتبار سے بہت بہتر زندگی بسر کر رہے ہیں جس اعتبار سے ہمیں کرنی چاہیے تھی اور ہمیں کرنی پڑے گی۔ آپ ماشاء اللہ ذہین اور پڑھنے لکھنے والے بچے ہیں آپ اسے سوچ کر میرے کسی اگلے پروگرام میں اس بارے میری رہنمائی ضرور کیجیے گا کہ ہم ذاتی غرض مندی سے کیسے نکلیں؟

اور ہمیں کب اور کیسے محسوس ہونے لگے کہ ہمارے ارد گرد ہمارے بازاروں میں کچھ اور لوگ بھی بستے ہیں اور ان کا احترام بھی کیا جانا چاہیے۔ جب ہم اپنے بچپن میں ولائتی استادوں سے پڑھتے تھے تو اس بات پر بڑا زور دیا کرتے تھے

You have not to forget the words' thank you and i am sorry.

اب پتہ چلتا ہے کہ ان الفاظ کی ادائیگی سے ایک رشتہ قائم ہوتا ہے۔ ہماری ٹریفک کی ہی مثال لے لیجیے لیکن کسی پر کیا الزام دیں اپنی ذات کے اندر ہی جھانک کر دیکھیں۔ اب مجھے بھی کئی ٹیلیفون آئیں گے کہ اب تو آپ بھی راہب نہ بنیں میرا یہ کام کروا دیں اور میں اس سے پلٹ کے یہ نہیں پوچھ سکوں گا کہ کیا آپ نے کسی اور کا کام کر دیا ہے۔ آپ کو یاد ہے میں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ "دتے وچوں دینا اے" یہ بڑی دیر کی بات ہے تو مجھے لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ مجھے جی ہزار روپیہ دے دیں کوئی پانچ ہزار روپیہ مانگنے لگ گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ نے بھی "دتے وچوں دینا اے" اس طرح کی پیاری سی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔

آج تھوڑا سا بوجھ میں نے آپ کی طبیعتوں پر ڈال دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ضرور اس کا کوئی حل نکالیں گے اور میری رہنمائی ضرور کریں گے اور میں آپ کی شکر گزاری کے ساتھ اگلے پروگرام میں ایک ایک کا نام لے کر یہ بتاؤں گا کہ آپ نے کیا رائے دی۔

اللہ آپ سب کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔

آمین۔

free-urdubook.blogspot.com

Salute to Non-Degree Technologists

آپ سب کو اہل زاویہ کی طرف سے سلام پہنچے۔ ہم اس پروگرام کے شروع ہونے سے پہلے تعلیم اور علم کی بات کر رہے تھے' علم ایک ایسا موضوع ہے جس پر آپ صدیاں بھی لگا دیں تو ختم نہ ہو کیونکہ یہ موضوع بڑی دیر سے چلتا آ رہا ہے کہ علم کیا ہے؟ اور اسے کیسے منتقل کیا جاسکتا ہے۔ اب جو موضوع دنیا کے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ کیا علم کے ساتھ Ethics and Morality یا اخلاقیات کو بھی لیا جانا چاہیے یا کہ خالی ٹیکنالوجی اور سائنس پڑھا دینی چاہیے۔ ابھی تک دنیا نے اس حوالے سے کوئی خاص اور حتمی فیصلہ نہیں کیا۔ ہم مشرق والوں نے ایک زمانے میں یہ فیصلہ کیا تھا اور دوسرے علم کے ساتھ اخلاقیات کی تعلیم رومیؒ اور سعدیؒ پڑھاتے رہے ہیں اور اخلاقیات پر مبنی کتابیں کورس میں ہوتی تھیں لیکن اب کہا جاتا ہے کہ اب اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ آدمی کو ایک Given' Specific Discipline of Knowledge میں ایک دیئے گئے موضوع پر اپنی Specialisation کرنی چاہیے اور اس کے بعد اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ اکثر آپ بڑے پیشہ ور لوگوں کی شکایت کرتے ہیں جن میں ڈاکٹرز' انجینئرز' بیوروکریٹس شامل ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ ہم فلاں افسر یا ڈاکٹر صاحب کے پاس گئے تھے لیکن انہوں نے ہم پر کوئی توجہ ہی نہیں دی۔ بس وہ اپنی بات کرتے رہے جبکہ ہم چاہتے تھے کہ وہ ہمارے ساتھ ویسا سلوک کریں جیسا انسان انسانوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اب ڈاکٹر صاحب کے پاس یہ جواز ہے کہ ہم اس علم کو جانتے ہیں جس کی آپ کے بدن کو ضرورت ہے۔ جس علم کی آپ کی روح اور جذبات و احساسات کو ضرورت ہے۔ وہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ وہ آپ کسی اور جگہ سے جا کر لیں پھر آپ جگہ جگہ مارے مارے پھرتے ہیں۔ پرانے زمانے میں جب علم اتنا عام نہیں تھا تو جس بابے کے پاس علم ہوتا تھا اس کے پاس شفقت بھی ہوتی تھی' محبت بھی ہوتی تھی' آپ کے مشکل سوالوں کے جواب بھی ہوتے تھے اور اگر جواب نہیں آتا تھا تو اس کے پاس وہ تھپکی ہوتی تھی جس سے سارے دکھ اور درد دور ہو جاتے تھے لیکن اب اس طرح سے نہیں ہوتا۔ میں بھی دیکھتا ہوں اور آپ بھی

free-urdubook.blogspot.com

دیکھتے ہوں گے کہ ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کی بڑی توقیر کرتے ہیں۔ یہ ایک اچھی بات ہے وہ ممالک جو اس میدان میں پیچھے ہیں مشکل میں مبتلا ہیں اور اس مشکل سے نکلنا چاہتے ہیں لیکن میں نے اس بات کا جائزہ لیا ہے اور اس قریب سے دیکھا ہے کہ ہم Technologist یا پیشہ ور لوگوں کو اس محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جس محبت کے انداز سے ہم ان کے بارے میں انگریزی اور اردو کے اخبارات میں مضمون لکھتے ہیں۔ میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا۔ گوجرانوالہ کے پاس ایک قصبہ کامونکی ہے اس کے پہلو میں جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ پانی سے بھرے ہوئے کھیتوں کے اندر گھٹنے گھٹنے پانی میں لڑکیاں دھان کی پنیری لگا رہی تھیں جسے "لابین" لگانا کہتے ہیں۔ وہ آٹھ دس لڑکیاں ایک سیدھی قطار میں پنیری کا پودا لگا رہی تھیں حالانکہ ان کے پاس کوئی فیتا یا ڈوری باندھی ہوئی نہیں تھی لیکن وہ نہایت خوبصورت انداز میں بالکل سیدھی قطار میں پنیری لگاتیں اور پھر ڈیڑھ فٹ پیچھے ہٹ جاتیں اور تقریباً ڈیڑھ فٹ پیچھے ہٹ کے ویسی ہی ایک اور قطار میں وہ پنیری یا دھان کا پودا لگاتیں۔ یہ میرے لیے ایک نئی چیز تھی اور میں وہاں کھڑا ہو کر انہیں دیکھنے لگا۔

ایک لڑکی نے کہا بابا جی آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟

میں نے کہا کہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک سیدھی لائن میں ایک دی ہوئی یا باریک Given Space کو کس طرح سے Follow کرتی ہو؟ اس نے کہا کہ یہ تو ہمارا صدیوں کا کھیل ہے۔ ہماری نانی، دادی اور ماں یہ کام ہی کرتی آئی ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ آپ کے وجود کے کمپیوٹر میں چپ لگا ہوا ہے کہ کس طرح سے کام کرنا ہے لیکن میں تخیل کا آدمی ہوں۔ مجھے دل کے اندر اس تخیل کو آگے بڑھا کر داد تو دینے دو۔ اس نے کہا کہ بابا جی آپ کی بڑی ہی مہربانی۔ میں ان کا کام دیکھتا رہا اور ان سے پوچھتا رہا کہ تم کو اس کام کے کتنے پیسے ملتے ہیں۔ انہوں نے وہ بھی بتایا اور یہ بھی بتایا کہ پانی میں مسلسل کھڑے رہنے سے ان کے پاؤں کو کتنی تکلیف ہوتی ہے اور شلواروں کے پائینچے پھٹ جاتے ہیں۔ جب میں بچوں سے کہتا ہوں کہ ان لڑکیوں کا کام بھی ایک علم ہے تو یہ ناراض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو ان پڑھ لڑکیاں ہیں وہ علم پھر کیسے ہو سکتا ہے؟ علم تو صرف ان لڑکیوں اور خواتین کے پاس ہے جو کالج یا یونیورسٹی سے حاصل کرتی ہیں۔

چرخہ کاتنے والی مائی کا کام تو علم نہیں ہے حالانکہ وہ تند بھی نکالتی ہے، کپڑا بھی بنا کے دے دیتی ہے اور ہم کھیس اور رضائی بھی اس کے ہاتھ کے کاتے ہوئے سوت کی لیتے ہیں لیکن ہم اسے Technologist ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ان لڑکیوں کو کام کرتے دیکھ کر اور واپس آ کر میں نے اپنے شہر کے لوگوں کا جائزہ لینا شروع کیا تو محسوس کیا کہ یہ بڑا ہی خوش نصیب ملک ہے اور یہ ملک Technologists سے بھرا ہوا ہے۔ سڑک کنارے ایسے ایسے کمال کے ذہین موٹر کلینک بیٹھے ہیں جو

آپ کو ایک اعلیٰ درجے کی امپورٹڈ موٹر کو خراب ہونے کی صورت میں آسانی سے ٹھیک کر کے دے دیتے ہیں۔ میں نے اپنی ایک کمیٹی اور پڑھے لکھے لوگوں کے آگے ایک درخواست پیش کی کہ ان Technologist کو بڑے خوبصورت سرٹیفکیٹس چھاپ کر دیتے ہیں اور ان پر ہم سب دستخط کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم سڑک کنارے بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی سندیں دیں۔

لیکن اس کمیٹی نے میری اس بات کو اچھا نہ سمجھا اور ان پر ناگوار گزرا اور کہنے لگے آپ بھی کیا فضول بات کرتے ہیں۔ وہاں ایک بڑے صاحب تھے جو جج بھی رہ چکے ہیں اور آپ سارے انہیں جانتے ہیں انہوں نے کہا اشفاق صاحب اگر انہیں کچھ دینا بھی ہوا تو کیا آپ ان کا ٹیسٹ لیں گے۔ میں نے کہا کہ آپ اپنی بیالیس لاکھ کی گاڑی بغیر ٹیسٹ لیے ان کو دے آتے ہیں اور کہتے ہیں "بھا صدیق اسے ٹھیک کر دینا" اور وہ کہتا ہے کہ جی اسے ٹھیک کرنے میں تین دن سے کم نہیں لگیں گے۔ اس کی خرابی بڑی پیچیدہ ہے (میں بھا صدیق کی وہ بات سن رہا تھا) اس نے مزید کہا کہ جی اگر جاپان والے آئیں تو انہیں ہم سے ضرور ملوانا انہوں نے اس گاڑی میں ایک بنیادی غلطی کی ہے اور اگر وہ فلاں جگہ پر آدھے انچ کی جھری دے دیں اور ایک قابلہ ادھر لگا دیں تو یہ خرابی اس میں پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ میں نے کمیٹی والے صاحبان سے کہا کہ آپ ان ہنرمندوں کو مجھے سلام کر لینے دیں۔ پھر میں نے ان بڑے لوگوں سے ڈرتے ڈرتے کہا کہ بہت لائق لڑکیاں ہیں جنہوں نے ایگریکلچر میں "لابین" لگانے میں ایم ایس سی کر رکھی ہے کیا انہیں سرٹیفکیٹ دے دیں تو جواب ملا۔

"دفع کریں جی۔"

اب ان کے خیال میں ان کے پاس کوئی علم سرے سے ہے ہی نہیں۔ علم تو ان کے خیال میں وہ ہے جس پر وہ ٹھپہ لگا دیں اور یونیورسٹی اس ٹھپے کی تصدیق کر دے۔ ہماری اس کمیٹی میں ایک ہارٹ سرجن بھی تھے۔ وہ کہنے لگے کہ اشفاق صاحب آپ نے جو سرٹیفکیٹ چھپوایا ہے ایسا تو میرے پاس بھی نہیں اور یہ تو اس سے بھی خوبصورت ہے جو میں نے ایف آر سی ایس کرنے پر ایڈنبرا سے لیا تھا۔ کیا آپ یہ سرٹیفکیٹ ایسے ہی دے دیں گے اور یہ کس کو دیں گے؟

میں نے کہا، میں یہ سرٹیفکیٹ اس ویلڈر کو دوں گا جو آپ کے ہسپتال کے باہر بیٹھا ویلڈنگ کرتا تھا۔ وہ کہنے لگے آپ اسے کیوں دیں گے؟

میں نے کہا ڈاکٹر صاحب میں آپ کو اس کی ویلڈنگ گن لے دیتا ہوں اور آپ سے کہتا ہوں کہ پیتل اور تانبے کا ٹانکا لگا دیں لیکن آپ ایسا نہیں کر پائیں گے۔ جس طرح وہ آپ کا کام نہیں کر سکتا اس طرح آپ اس کا ہنر نہیں جانتے۔ آپ ڈاکٹر صاحب مجھے ان بے ڈگریوں کے پیارے ہنرمندوں کو اتنی تو عزت دینے دیجیے جتنی کہ آپ کو مل رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ

free-urdubook.blogspot.com

اس خیال کو چھوڑ دیں۔ ویسے ہم ان لوگوں کی عزت کرنے کے لیے لکھتے اور چھاپتے رہیں گے۔ اس سے خواتین وحضرات میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم ان لوگوں کو ان کی عزتِ نفس لوٹانا ہی نہیں چاہتے۔ آرٹسٹ' موچی' نائی ہر ایک انسان کی عزت ہوتی ہے اور دوسری اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ پاکستانی ہے اور مجھے اس کو اتنی عزت تو دینی چاہیے جتنی میں باہر سے آئے ہوئے گورے کو دیتا ہوں۔ ہمارے مزاج اتنے کیوں بگڑے' ہمارے معاشرے میں عزت نہ دینے کا رجحان کیسے آیا' ہمارے سکول اور درس گاہیں اخلاقیات کی تعلیم کیوں نہیں دیتی ہیں۔ یہ بات میں سمجھ نہیں سکا ہوں۔ میں ایک چھوٹے اور عاجز لکھاری کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ میرے ملک کے چودہ کروڑ آدمی روٹی' کپڑے اور مکان کی تلاش میں اتنے پریشان نہیں جتنے وہ عزت کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ وہ سارے کے سارے کسی ایسے کندھے کی تلاش میں ہیں جہاں وہ سر رکھ کر رو سکیں اور اپنا دکھ بیان کر سکیں لیکن انہیں اس بھرے پرے اور طاقتور ملک میں کندھا نہیں ملتا ہے اور بدقسمتی سے ہم انہیں وہ مقام نہیں دے سکتے ہیں جو ہم بیرون ملک جاتے ہی وہاں کے ڈرائیوروں اور قلیوں کو سر سر کہہ کر دیتے ہیں۔ جب میں ان خیالات کی مصیبت میں مبتلا تھا تو میرے پاس ایک بابا ابراہیم آیا وہ ضلع شیخوپورہ کا رہنے والا تھا۔ اس نے مجھے آ کے کہا کہ "میں نے تمہارا بڑا نام سنا ہے اور تم بڑے اچھے حلیم طبیعت کے انسان ہو۔ میں ریڈیو اور ٹی وی سے تلاش کرتا ہوا تمہارے پاس پہنچا ہوں۔ تم مجھے پڑھنا سکھا دو۔" میں نے کہا "بابا تم اس عمر میں پڑھ کر کیا کرو گے؟" اس نے کہا کہ میری اس وقت عمر 78 سال ہے۔ میں بارہ سال کا تھا جب میرا باپ مجھے چاول کی پنیری لگانے کھیت میں لے آیا۔ میں اس وقت سے لے کر اب تک دھان اُگا تا رہا ہوں۔ اب اللہ نے مجھے بارہ سال بعد خوشیاں دی ہیں اور میرے بیٹے کے ہاں بیٹا اور بیٹی پیدا ہوئی ہے۔ وہ دونوں بچے اب سکول جاتے ہیں۔ صبح سویرے اٹھ کر جب چولہے پر میں گڑ کی چائے بنا رہا ہوتا ہوں تو وہ دونوں پڑھ رہے ہوتے ہیں اور اندر سے ان دونوں کی جو آواز آ رہی ہوتی ہے وہ مجھے بڑی اچھی لگتی ہے۔ وہ پڑھتے ہوئے جب یہ کہتے ہیں کہ "میں پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنوں گا۔ ملک وقوم کی خدمت کروں گا۔ ان پڑھ آدمی ڈھور ڈنگر (جانوروں) سے بدتر ہوتا ہے اس لیے علم حاصل کرنا چاہیے۔"

تو میں یہ سن کر باہر بیٹھ کر روتا ہوں کہ میں ڈھور ڈنگر ہوں اور میں ملک کی خدمت نہیں کر سکوں گا' میں اس لیے پڑھنا چاہتا ہوں کہ میں ملک کی خدمت کرنا چاہتا ہوں اور میں مرنے سے پہلے پہلے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا بابا' تو تو ساٹھ برس تک ہم کو چاول کھلاتا رہا ہے' تیرے سے زیادہ خدمت تو کسی اور نے نہیں کی۔ وہ کہنے لگا کہ کتاب میں یہ لکھا ہے کہ "پڑھ لکھ کر ملک کی خدمت کروں گا۔" لیکن میں پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ اب مجھے کسی نے بتایا ہے کہ تو لاہور میں اشفاق احمد کے پاس چلا

free-urdubook.blogspot.com

جا' وہ تمہیں پڑھا دے گا اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ لاہور شہر میں بوڑھوں کو پڑھانے کا بھی انتظام ہے اور اگر مجھے الف ب والا کچا قاعدہ آ گیا تو میرا بیڑا پار ہے۔ اللہ مجھے شاباش کہے گا اور کہے گا کہ تو ملک و قوم کی خدمت کر آیا ہے۔ اب میں شرمندہ بیٹھا اس کی باتیں سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یا اللہ ہم جوان لوگوں کے بارے اُوٹ پٹانگ بول جاتے ہیں اس کا تو بابے کو علم ہی نہیں۔ جب میں نے اس بابے سے چاول کھلانے والی خدمت کا کہا تو وہ کہنے لگا نہیں اس کے تو میں پیسے لیتا رہا ہوں۔ میں نے کہا بابا جو کام ہم کرتے ہیں ہم بھی اس کے پیسے لیتے ہیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ ہم پڑھے لکھے لوگ مفت میں ہی بغیر تنخواہ' پنشن کے قوم کی خدمت کرتے ہیں۔

اب وہ میری جان کے پیچھے پڑ گیا اور اٹھے نا۔ میں نے اس سے جان چھڑانے کے لیے کہا کہ بابا تو کوئی ایسا کام جانتا ہے جو گاؤں میں لوگ کیا کرتے ہیں۔

کہنے لگا مثلاً کیا کام؟

میں نے کہا کہ گاؤں میں جب کسی لڑکی کی بارات آتی ہے تو لوگ بارات کی خدمت کرنے کے لیے بھاگے پھرتے ہیں اور مفت میں کام کرتے ہیں کیا تو ایسا کر سکتا ہے؟ کہنے لگا نہیں۔

میں نے کہا کہ جب گاؤں میں کوئی ڈھگی وچھی (بیل گائے) بیمار ہو جاتی ہے تو اس کا تمہیں کوئی علاج آتا ہے جیسا کہ اپھارے میں کاڑھا دیا جاتا ہے۔ کہنے لگا نہیں میں کوئی نسخہ نہیں جانتا۔ اب میں اس سے جان چھڑانے کے لیے اسے گھیرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کہنے لگا کہ مجھے دوسرے گاؤں والے گھوڑی پر بٹھا کے لے جاتے ہیں اور اپنی فصل دکھاتے ہیں تو میں انہیں بتاتا ہوں کہ یہ جو بارہ پودے سر پھینک کے کھڑے ہیں یہ بچ جائیں گے اور وہ جو سینہ تانے کھڑے ہوئے ہیں مر جائیں گے اور انہیں فصل کی اچھائی اور کمزوری بابت بتاتا ہوں۔

میں نے اس سے کہا بابا تو تو ایگریکلچر کا پی ایچ ڈی ہے'' اوہ ظالما تو نے اب اور پڑھ کے کیا لینا ہے۔''

کہنے لگا نہیں مجھے داخل کرا دیں کیونکہ کتاب میں یہ ہی لکھا ہے کہ ان پڑھ ڈھور ڈنگر ہیں۔

اب دیکھئے وہ بابا پاکستان اور جاپان دونوں کو چاول کھلا رہا ہے اور بہت بڑا Technologist ہے لیکن ہمارے ہاں کیا اور کہاں پر خرابی ہے کہ ہم اپنے ٹیکنالوجسٹ کو ٹیکنالوجسٹ نہیں سمجھتے۔ صرف انہی کو ٹیکنالوجسٹ گردانتے ہیں جن کے اوپر ایک ڈگری لگا دی گئی ہے۔ اگر یہ خلیج اسی طرح سے رہی تو پھر ہماری طاقت ایسے ہی کم ہوتی رہے گی جتنی کہ ایک چھوٹے سے دس بارہ لاکھ کے نفوس والے مقروض ملک کی ہوتی ہے جسے علم ہی نہیں ہوتا کہ ملک کدھر کو جا رہا ہے۔ جو ملک سارے گروہ کو ساتھ لے کر چلتے ہیں وہ آگے نکل جاتے ہیں۔ امیری غریبی سارے ملکوں میں ہے اور یہ رہے

free-urdubook.blogspot.com

گی لیکن سب گروہوں کو ساتھ لے کر چلنے والے ملک کی ضلع کچہری میں ایک غریب آدمی کی اتنی ہی عزت ہے جتنی امیر آدمی کی ہے۔ جب ہم نے پاکستان بنایا تھا اور میں اس وقت بی۔اے کر چکا تھا تو آزادی کی تحریک میں جب ہم مختلف دیہاتوں میں تقریریں کرنے جاتے تھے تو یہ ہی کہتے تھے کہ جب پاکستان بنے گا تو تم دیکھو گے کہ تمہیں عزت دی جائے گی۔ وہ دودھ کی نہریں نہیں ہوں گی لیکن تمہیں عزت میسر آئے گی۔ وہ لوگ ہم سے ہاتھ اٹھا کے پوچھتے تھے کہ کیسے عزت ہوگی۔ میں انہیں کہتا کہ یہ غلامی کی جگہ ہے اور انگریز تمہارا حاکم ہے لیکن جب پاکستان بنے گا تو ضلع کچہری میں تم سے کوئی بے ادبی یا بدتمیزی سے پیش نہیں آئے گا اور تمہیں وہاں ''پھجا ولد لبھا حاضر ہو'' کی آواز نہیں لگے گی بلکہ وہاں کرسیاں لگی ہوئی ہوں گی۔ آپ کو نائب کورٹ آ کے سلام کرے گا اور کہے گا ''تشریف لائیے آپ کی باری ہے۔'' وہ بے چارے اس دھوکے میں آ گئے اور عزت کی خاطر چل پڑتے اور نعرے مارتے اور وہاں سکھ ہندو ''جھگ'' کی طرح بیٹھ جاتے تھے کہ یہ وعدہ جوان سے کیا جا رہا ہے یہ پورا ہی ہوگا اس لیے لوگ ان کے نعرے لگا رہے ہیں۔ خواتین و حضرات میں ان کو عزتِ نفس دیئے جانے کے خواب دکھا کر ایسے ہی گناہ کرتا رہا ہوں۔ اب میں عمر کے آخری حصے میں ہوں اور وہ لوگ جن سے ہم وعدہ کرتے تھے وہ عارف والا اور خانیوال میں آباد ہیں اور میری طرح عمر رسیدہ ہو گئے ہیں لیکن میں انہیں ان کی عزتِ نفس لوٹا یا دلوا نہیں سکا اور اب کچھ ہونا بہت مشکل ہے۔

میں اپنے چھوٹوں اور ساتھیوں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ خدارا انہیں کچھ نہ دیں، انہیں دولت نہیں چاہیے انہیں صرف ان کی عزتِ نفس لوٹا دیں پھر دیکھیں یہ کیسے شیروں کی طرح کام کرتے ہیں اور جس کی ہمیں اور آپ کو آرزو ہے۔ یہ آپ کو بدلے میں دیں گے لیکن ابھی تک یہ کام رکا ہوا ہے اور مجھے ساتھ ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ ''اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' اگر مجھے کہیں سے اس بات کی تھوڑی سی بھی بھنک پڑتی رہے کہ انہیں عزتِ نفس لوٹا دی جائے گی تو مجھے حوصلہ ہوگا اور شاید اس بھنک کی وجہ سے صبر کا دامن میرے ہاتھ میں ہی رہے۔ یہ عزتِ نفس لوٹانے سے ہمارے پلے سے تو کچھ نہیں جائے گا۔ کسی کو کوئی پیسہ دھیلا نہیں دینا بس عزت دینی ہے، احترام اور تکریم دینی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ سے آج یہ جو بات ڈائریکٹ ہوئی ہے اس کا کچھ نہ کچھ مثبت اثر ضرور ہوگا کیونکہ آپ کے چہرے بتا رہے ہیں کہ آپ اس دلیل کو تسلیم کرتے ہیں۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

تھری پیس میں ملبوس بابے اور چغلی میٹنگ

میں اکثر اس پروگرام میں اور کبھی کبھی اس پروگرام سے ماورا دوسرے مواقعوں یا پروگراموں میں بابوں کا ذکر کرتا رہتا ہوں اور ڈیروں کی بابت عموماً باتیں کرتا ہوں جس کے باعث عموماً راہ چلتے ہوئے اور دیگر کئی جگہوں پر سب لوگ مجھے روک کر پوچھتے ہیں کہ آپ کے بابے کیا ہوتے ہیں اور ان میں ایسی کون سی صفت ہوتی ہے جو آپ ان سے اس قدر مرعوب ہیں اور ان ہی کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں حالانکہ آپ بڑے پڑھے لکھے آدمی ہیں اور یہاں کے ہی نہیں ولائیت سے بھی پڑھ کر آئے ہیں۔ وہاں پڑھاتے بھی رہے ہیں۔ آپ ہمیں بھی بتایئے کہ ان بابوں میں کون سی ایسی خوبی ہوتی ہے جو آپ کو متاثر کرتی ہے۔ میں ان سے یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ کبھی ان سے ملیں یا ان سے Incontact آئیں تو پھر آپ کو پتہ چلے کے یہ کس حد تک ہم عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ بابوں سے میری مراد یہ نہیں کہ ایک آدمی جس نے سبز رنگ کا لباس پہنا ہوا ہو۔ اس کے سر کے لمبے بال یا اس نے لمبی "دلٹیں" رکھی ہوئی ہوں' گلے میں تسبیحات اور منکوں کی مالائیں ڈالی ہوئی ہوں ضروری نہیں وہ بابا ہی ہو۔ بہر حال کچھ بابے ایسے روپ میں بھی ہوتے ہیں لیکن اکثر بابے جو اب آپ کی زندگی میں آپ کے قریب سے اور گردو پیش سے گزر جاتے ہیں وہ تھری پیس سوٹ زیب تن کرتے ہیں' سرخ رنگ کی ٹائی لگاتے ہیں اور ان کی اس سرخ ٹائی میں سونے کی پن لگی ہوئی ہوتی ہے لیکن آپ کو اس بات کا اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ شخص جو میرے اس قدر قریب بیٹھا ہے یا میرے اس قدر قریب سے اٹھ کر گیا ہے' اس کے اندر وہ ایسی کونسی بات تھی جسے میں پکڑ نہیں سکا اور میں اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ خواتین و حضرات فائدہ اٹھانے کے لیے اپنے وجود کا ایسا ریڈیو سیٹ بنانا پڑتا ہے جس پر تمام اسٹیشن آسانی سے پکڑے جا سکیں۔ میں ایک سنگل بینڈ کا ریڈیو ہوں۔ میرے اوپر صرف لاہور ہی سنائی دیتا ہے۔ لیکن میرے کمرے میں دنیا بھر کی آوازیں اکٹھی ہوتی ہیں اگر میرا Recieving Center اچھا ہوگا تو میں دوسری چیزیں بھی بڑی آسانی کے ساتھ پکڑ لوں گا لیکن اگر وہی

free-urdubook.blogspot.com

Dull تو پھر مشکل ہے۔اب اس Dullness کو دور کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ آدمی ایسے لوگوں سے ملتا رہے جن کے اندر آپ کو اپنے سے مختلف کوئی چیز نظر آئے چاہے وہ کسی بھی طرح کی اچھی چیز ہو۔ مغرب والے اس طرح کے رویے کا اظہار کرتے ہیں وہ بڑے متجسس قسم کے لوگ ہیں۔انہیں جونہی کوئی ذرا مختلف ذرا عام حالات سے ہٹ کے انہیں کوئی کردار ملا وہ رک کر اسے دیکھتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ ایسا کیوں ہے؟ اس کی تحقیق کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں ایک بات طے شدہ ہے کہ اگر ہم نے کسی کو غلط کہہ دیا تو وہ غلط ہو گیا۔ آدمی کسی غلط شخص کے اندر یہ دیکھتا ہی نہیں کہ شاید اس میں بھی کوئی اچھی بات ہو۔ جسے اپنی طرف سے غلط یا خراب قرار دے دینا جاتا ہے۔اس میں سے اچھائی تراشنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ بابوں کے پاس ایک عجیب وغریب جذبہ ہوتا ہے وہ ہم میں نہیں ہے۔ وہ جذبہ انسانوں سے محبت کرنے کا جذبہ ہے۔ہم کتابی طور پر تو کہہ لیتے ہیں کہ جناب ہم محبت کرتے ہیں یا ہم یہ ذکر کرتے ہیں کہ ہمیں ان سے بڑی محبت ہو گئی ہے لیکن محبت کے اندر داخل ہو کر اس کو اپنی ذات پر وارد کرنا یہ ایک مشکل اور مختلف کام ہے جس طرح بارش کا ذکر اور بارش کے اندر بھیگ جانا دو مختلف عمل ہیں۔ بارش کا ذکر کرنے سے جس طرح آدمی بھیگتا نہیں ہے۔ بابے محبت کے عمل میں اس آسانی سے داخل ہو جاتے ہیں کہ ہم جیسے لوگ حسرت سے دیکھتے رہ جاتے ہیں اور ہمیں تادمِ مرگ یہ حسرت ہی رہتی ہے۔ مثال کے طور پر ان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ ایک نہایت بے ہودہ اور غیر توجہ طلب انسان کے اندر سے بھی کوئی ایسی چیز تلاش کر لیتے ہیں جو اس کی خوبی ہوتی ہے اور وہ اس کی خوبی کو ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ ہم سے وہ چادر نہیں اٹھائی جاتی جو بابے اٹھا لیتے ہیں۔ ہم سے ان کی طرح وہ چھپا ہوا حصہ اجاگر نہیں ہو پاتا۔ ہماری ٹریننگ کچھ اس طرح کی ہے کہ ہم جب بھی کسی شخص سے ملتے ہیں ہم اس شخص کی اچھائیوں پر نظر نہیں کرتے۔ صرف اس کی برائیاں ہی ہمیں نظر آتی ہیں۔ شاید ہماری تربیت ہی کچھ اس طرح سے ہوتی ہے۔ مجھے ایک بہت پرانا لطیفہ یاد آ رہا ہے جو آپ کو بھی سناتا ہوں۔ ایک میراثی تھا جو بڑا بزرگ آدمی تھا لیکن اس سے اس کی بیوی بڑی تنگ تھی اور اسے طعنے دیتی رہتی تھی کہ تو اپنی شکل دیکھ' تو کیسے بزرگ ہو سکتا ہے۔ وہ بے چارہ بھی بڑا پریشان تھا ایک دن مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد وہ بیٹھا دعا مانگ رہا تھا تو اس کی بیوی نے اسے آ کر ''ٹھڈا'' (ٹھوکر) مارا اور کہا کہ تو ادھر بیٹھا دعائیں مانگ رہا ہے' اٹھ کر کوئی کام وام کرو۔ بیوی کی اس حرکت سے اسے جلال آ گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ ہوا میں ابھرا' آسمانوں میں چھا گیا اور اس نے آسمان کے تین چار بڑے بڑے چکر لگائے۔ اس کی بیوی نیچے کھڑی اسے دیکھتی رہی اور دل میں سوچتی رہی کہ یہ کوئی اللہ کا بڑا پیارا ہے۔ وہ میراثی جب نیچے اتر آیا تو اس نے بیوی سے کہا دیکھا تو نے ہمارا کمال! اس کی بیوی کہنے لگی کون سا کمال؟ کہنے لگی وہ اللہ کا

free-urdubook.blogspot.com

کوئی پاکیزہ بندا تھا۔

وہ کہنے لگا "اوہ میں سی۔"

تو وہ پھر کہنے لگی اچھا!

"ایسے لئی ٹیڈھا ٹیڈھا اڈ رہیا سی۔" (اسی لیے ٹیڑھے ٹیڑھے اڑ رہے تھے۔)

یہ بڑی پرانی بات ہے لیکن اب ہم جب بھی کسی بندے سے ملتے ہیں ہمیں اس میں سے ٹیڑھ نظر آتی ہے۔ جب ٹیڑھ ہمیں نظر آتی ہے تو پھر ہماری زندگی میں' ہماری ذات اور ہمارے وجود میں بھی ایک ٹیڑھ پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ٹیڑھ نکلتی نہیں ہے اس لیے اللہ نے ہم پر خاص مہربانی فرما کر ہمیں غیبت سے منع فرمایا ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جس کا ہمیں پتہ نہیں چلتا۔ کافی عرصے کی بات ہے کہ ہم کسی بابے کی ذکر کی محفل میں داخل ہوئے تا کہ اپنی ٹریننگ کی جائے۔

انھوں نے کہا کہ حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ انسان کے وجود کے اندر ایک ایسا عضو ہے جو اگر خراب ہو جائے تو سارے کا سارا بندہ خراب ہو جاتا ہے اور وہ عضو دل ہے۔ اس طرح سے ہم اور آپ لوگوں کے دل خراب ہو گئے ہیں اور ان کے اوپر "راکھ" جم گئی ہے جیسے پرانی دیگچی جس میں چائے پکاتے ہیں وہ اندر اور باہر سے ہو جاتی ہے بالکل اس طرح سے ہمارے دل ہو گئے ہیں اور ہم اللہ کے ذکر سے اس کو صاف کرتے ہیں اور اس کو "مانجا" لگاتے ہیں اور اللہ ہو کے ذکر سے اس زنگ اور کائی لگے دل کو صاف کرتے ہیں اور یہ خرابی بے شمار گناہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ آپ یقین کیجیے گا کہ جب میں اس محفل میں تھا اور میں اس میں شامل ہونے والا تھا تو میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ میں تو ایک اچھا نیک سا نوجوان ہوں اور میں نے کوئی خاص گناہ نہیں کیا تو میرا دل کیسے کالا ہو گیا اور میں اس کو "مانجا" لگاؤں۔ یہ ایک خیال سا میرے ذہن میں آ گیا اور کافی دیر تک میں یہ سوچتا رہا۔ محفل ذکر سے قبل وہ بابا جی کہنے لگے کہ بیشتر اس کے کہ ہم محفل شروع کریں شاید بہت سارے اصحاب یہ سوچتے ہیں کہ وہ تو اچھے ہیں انہوں نے تو کوئی گناہ نہیں کیا۔ تو پھر کیسے ہمارا دل کالا ہو گیا۔ کوئی بڑا گناہ نہیں کیا۔ کوئی چوری چاری نہیں کی۔ کسی کے گھر پر قبضہ نہیں کیا۔

بابا جی کہنے لگے کہ ایسا سوچنے والوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بہت بڑے گناہوں میں سے ایک بہت بڑا گناہ غیبت ہے۔

خواتین و حضرات! اب غیبت تو ہم سارے ہی کرتے ہیں۔ اس کے بغیر ہم کھانا نہیں کھاتے۔ ہمارے گھر میں میری بہوئیں کہتی ہیں کہ ماموں اب ہمارا غیبت کا ٹائم ہو گیا ہے۔ دس بجے ان کی "چغلی میٹنگ" ہوتی ہے۔ وہ ہر بار ایک دوسرے کے گھر میں جاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اس بار ہم نے چغلی میٹنگ رضیہ کے گھر میں رکھی ہے اور دس بجے سے لے کر بارہ بجے تک وہ چغلی کرتی ہیں۔ میں

free-urdubook.blogspot.com

نے ان سے کہا کہ تم اتنی زیادہ چغلی کیوں کرتی ہو۔ وہ کہتی ہیں کہ ساری دنیا میں اور پورہ کرۂ ارض پر چغلی ہوتی ہے۔ جتنے بھی اخبارات چھپتے ہیں وہ سارا چغلیوں سے ہی بھرا ہوتا ہے۔ جو بھی کالم چھپتے ہیں ان میں لوگوں کی خرابیاں ہی بیان کی ہوئی ہوتی ہیں۔ کسی کی اچھائیاں تو نہیں ہوتیں ان میں اور فلاں برا فلاں برا کی گردان بھی ہوتی ہے اور اس سے ہم نے سبق لے کر یہ کام سیکھا ہے۔ ہم نے باباجی کے ہاں ذکر کی محفل میں شرمندگی سے ذکر شروع کیا کہ واقعی ہم چغلی تو بہت زیادہ کرتے ہیں اور روز کرتے ہیں۔ چغلی اس لیے کرنی پڑتی ہے کہ اپنی ذات میں چونکہ کوئی صفت یا خوبی نہیں ہوتی یا کم ہوتی ہے اور ہم دوسرے کو نیچے پانی کے اندر دھکیل کے اور ڈبو کے اپنے آپ کو اوپر اچھالتے ہیں۔ ہم نے باباجی سے کہا کہ جی آپ کیسے خوبی تلاش کر لیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ کسی شخص کے اندر داخل ہوں اور اس کے متعلق صاحب حال ہوں تو پھر آپ کو آسانی ہو گی اور آپ بھی اس بات یا خوبی کو پکڑ لیں گے جس کو ہم پکڑ لیتے ہیں۔ مائیکل اینجلو ایک بہت بڑا مجسمہ ساز تھا۔ اس نے بہت خوبصورت مجسمے بنائے۔ اس نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے بہت سے مجسمے بنائے۔ اس کا بنایا ہوا ڈیوڈ کا اٹھارہ فٹ اونچا مجسمہ فلورنس میں بھی ہے جسے ساری دنیا دیکھنے جاتی ہے۔ اسے ہم نے بھی دیکھا۔

کسی نے اس سے پوچھا کہ مائیکل یہ بتاؤ کہ تم کس طرح سے یہ مجسمہ بناتے ہو۔ ایسا خوبصورت مجسمہ کیسے بنا لیتے ہو؟ یہ تو انسانی کمال کا ایک آخری حصہ ہے۔ اس نے کہا کہ میں تو مجسمہ نہیں بناتا اور نہ ہی مجھے بنانا آتا ہے۔ میں سنگ مرمر کا ایک بڑا ٹکڑا کہیں پڑا ہوا دیکھتا ہوں اور مجھے اس میں ''ڈیوڈ'' نظر آنے لگتا ہے اور میں چھینی' ہتھوڑی لے کر اس پتھر میں سے ڈیوڈ کے ساتھ پتھر کا فضول حصہ اتار دیتا ہوں اور اندر سے ڈیوڈ (حضرت داؤدؑ) نکل آتے ہیں۔ میں کچھ نہیں کرتا۔ مجھے تو ڈیوڈ صاف نظر آ رہے ہوتے ہیں میں بس ان کے ساتھ غیر ضروری پتھر اتار دیتا ہوں۔ اس طرح سے یہ بابے جو ہیں یہ انسان کی غیر ضروری چیزیں اتار دیتے ہیں اور نیچے سے بڑا پاکیزہ' اچھا اور خوبصورت سا انسان نکال کے اپنے سامنے بٹھا لیتے ہیں اور پھر اس کو اپنی توجہ کے ساتھ وہ سب کچھ عطا کر دیتے ہیں بشرطیکہ وہ شخص اس کا آرزومند ہو اور صبر والا ہو۔ لیکن جو آرزومند ہو وہ صابر بھی ہونا چاہیے۔ جیسے خداوند کریم فرماتا ہے کہ

انا اللہ معہ الصابرینO

(بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔)

اگر کسی نے اللہ کو پانا ہو تو وہ صبر کرنے لگ جائے تو اس کا کام بن جاتا ہے جبکہ لوگ اس کے لیے ورد' وظیفے کرتے ہیں۔ ناک رگڑتے ہیں لیکن اللہ کو صبر کرنے والے پا لیتے ہیں۔ میں نے شاید اسی محفل میں پہلے بھی یہ بات بتائی ہے کہ میری ایک تائی تھیں۔ وہ تیلن تھی۔ اس کا شوہر فوت ہو گیا۔ وہ

free-urdubook.blogspot.com

تائی بے چاری کولہو پیلتی تھی۔ نہایت پاکیزہ عورت تھی۔ وہ اٹھارہ سال کی عمر میں بیوہ ہوئی لیکن اس نے شادی نہیں کی۔ جب میں اس سے ملا تو تائی کی عمر کوئی ساٹھ برس کے قریب تھی۔ اس کے پاس ایک بڑی خوبصورت "رنگیل پیڑھی" تھی وہ اسے ہر وقت اپنی بغل میں رکھتی تھی جب بیل کے پیچھے چل رہی ہوتی تو تب بھی وہ اس کے ساتھ ہی ہوتی تھی۔ وہ ساگ بہت اچھا پکاتی تھی اور میں سرسوں کا ساگ بڑے شوق سے کھاتا تھا۔ وہ مجھے گھر سے بُلا کے لاتی تھی کہ آ کے ساگ کھا لے میں نے تیرے لیے پکایا ہے۔ ایک دن میں ساگ کھانے اس کے گھر گیا۔ جب بیٹھ کر کھانے لگا تو میرے پاس وہ "پیڑھی" پڑی تھی میں نے اس پر بیٹھنا چاہا تو وہ کہنے لگی "ناں ناں پُتر ایس تے نئیں بیٹھنا" میں نے کہا کیوں اس پر کیوں نہیں بیٹھنا۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ زیادہ خوبصورت ہے۔ میں نے اس سے پوچھ ہی لیا کہ اس پر کیوں نہیں بیٹھنا۔ کیا میں تیرا پیارا بیٹا نہیں۔

کہنے لگی تو میرا بہت پیارا بیٹا ہے۔ تو مجھے سارے گاؤں سے پیارا ہے لیکن تو اس پر نہیں بیٹھ سکتا۔

کہنے لگی بیٹا جب تیرا تایا فوت ہوا تو مسجد کے مولوی صاحب نے مجھ سے کہا کہ "بی بی تیرے اوپر بہت بڑا حادثہ گزرا ہے لیکن تو اپنی زندگی کے پیتل کو سونا بھی بنا سکتی ہے۔ یہ تجھے اللہ نے عجیب طرح کا چانس دیا ہے۔ تو اگر صبر اختیار کرے گی تو اللہ تیرے ہر وقت ساتھ ہوگا کیونکہ یہ قرآن میں ہے کہ "اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" تائی کہنے لگی کہ میں نے پھر صبر کر لیا' جب کئی سال گزر گئے تو ایک دن مجھے خیال آیا کہ اللہ تو ہر وقت میرے پاس ہوتا ہے اور اس کے بیٹھنے کے لیے ایک اچھی سی کرسی چاہیے کہ نہیں؟ تو میں نے "رنگیل پیڑھی" بنوائی اور اس کو قرینے اور خوبصورتی سے بنوایا۔ اب میں اس کو ہر وقت اپنے پاس رکھتی ہوں اور جب بھی اللہ کو بیٹھنا ہوتا ہے میں اسے اس پر بٹھا لیتی ہوں۔ میں کپڑے دھوتی ہوں' اپنا کام کرتی ہوں' روٹیاں ساگ پکاتی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میرا اور اللہ کا تعلق ہے اور وہ صبر کی وجہ سے میرے ساتھ ہے۔ خواتین و حضرات ایسے لوگوں کا تعلق بھی بڑا گہرا ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جنہوں نے اس بات کو یہاں تک محسوس کیا۔ وہ قرآن میں کہی بات کو دل سے مان گئے وہ خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں۔ ہم جیسے لوگ جو "ٹامک ٹوئیاں" مارتے ہیں اور ہمارا رخ اللہ کے فضل سے سیدھے راستے ہی کی طرف ہے۔ ہم سے کچھ کوتاہیاں ایسی ضرور ہو جاتی ہیں جو ہمارے کیے کرائے پر "کُوچی" پھیر دیتی ہیں۔ جس سے ہمارا بدن' روح' دل خراب ہو جاتا ہے۔

مجھے ابھی تھوڑی دیر پہلے اعظم خورشید کہہ رہے تھے کہ ہمارے ہاں نفرت کی فضا پیدا ہو گئی ہے۔ یہ نفرت کی فضا کس وجہ سے پیدا ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے معاشرے میں مختلف گروہ انسانی وہ نفرت میں مبتلا ہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں' ایک یہ ہے کہ ہم اس علاقے کے رہنے

free-urdubook.blogspot.com

والے ہیں اور ہم ان لوگوں سے ہٹ کے مسلمان ہوئے ہیں جو انسانوں کو پسند نہیں کرتے' وہ لوگ برہمن تھے۔ ہم ایک اعتبار سے Convert ہیں۔ ہمارے اندر وہ پہلی سی کچھ کچھ چیز چلی آ رہی ہے کہ ہم کو ایسا آدمی جو خدانخواستہ چھوٹے درجے پر ہو وہ اچھا نہیں لگتا۔ نبی اکرمؐ نے ہمیں جاتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر فوقیت نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں اگر تم فوقیت کا کوئی راستہ جاننا ہی چاہتے ہو تو وہ تمہیں تقویٰ میں ملے گی اور تقویٰ ایسی چیز ہے جس میں آپ جتنے نیچے ہوتے جائیں گے اتنے ہی اوپر ہوتے چلے جائیں گے کیونکہ تقویٰ میں عاجزی ضروری ہے۔ باباجی سے ہم یہی دریافت کرتے رہے کہ لوگوں سے محبت کیسے کرنی ہے کیونکہ لوگوں سے محبت کیے بغیر اللہ کا راستہ نہیں ملتا۔ ہم محبت کے بغیر اللہ کے پاس ڈائریکٹ نہیں جا سکتے۔ لوگوں کی خدمت کر کے اور انہیں انسان مان کے ہی کسی منزل پر پہنچ سکتے ہیں۔ اگر خدمت نہ بھی کریں یہ مانیں تو سہی کہ یہ بھی انسان ہیں۔ ہمارے باباجی کے ڈیرے کے پاس ایک بابا لہنا جھاڑو دیا کرتا تھا وہ جب بھی آتا تھا تو باباجی اس کی اتنی عزت کرتے کہ کھڑے ہو جاتے۔

میں نے کہا کہ جی یہ تو جمعدار ہے چھوڑیں۔ وہ کہتے تھے نہیں نہیں یہ بڑا باعزت آدمی ہے۔ ہم کو کھانے میں وہاں دال ملتی تھی لیکن جب وہ آتا تھا تو پیڑھی کے نیچے سے مکھن بھی نکل آتا تھا' چٹنی بھی نکل آتی تھی' کاٹا ہوا پیاز' کھیرے بھی نکل آتے اور یہ ساری چیزیں لہنا صاحب کو ملتی تھیں۔ میں نے کہا کہ جی بتائیں ہم تو ایم۔اے پاس کر کے آئے ہیں اور پڑھے لکھے لوگ ہیں اور آپ ساری چیزیں اس کو دے دیتے ہیں۔

باباجی کہنے لگے کہ حکیم کو پتہ ہوتا ہے کہ مریض کو کیسی غذا دینی ہے۔ آپ اپنی شکلیں دیکھو اور شکر کرو کہ تم کو کھانے میں دال روٹی مل جاتی ہے۔ خواتین و حضرات یہ ڈیرے بڑے ظالم ہوتے ہیں۔ میں بات کر رہا تھا کہ کسی آدمی کے اندر ساری خرابیاں دیکھ کے ٹیڑھا ٹیڑھا چلنا دیکھ کے' اس کا لنگڑا پن دیکھ کے اس کے اندر ایسی چیز کو تلاش کرنا کہ یہ اس کی خوبی ہے جو کسی وجہ سے اس پر بھی نہیں کھل سکی اور ایسے شخص کے ساتھ محبت کرتے چلے جانا آپ کے دل کو روشنی عطا کرتا ہے اور اس کو بغیر کسی درد کے صاف بھی کرتا ہے۔ دل کو صاف کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ آپ لوگوں کے ساتھ محبت کریں' چلیں محبت کرنا مشکل کام ہے آپ انسان کو انسان تسلیم کر لیں۔ گو مجھ سے اسّی برس کی عمر تک پہنچ جانے کے باوجود یہ نہیں ہو سکا کہ میں جو یہ مخالف ہے اس کی شہ رگ کے قریب بھی اللہ موجود ہے اور کم سے کم درجے کے آدمی کے پاس بھی اللہ ہے۔ ہمیں تو اس کی عزت کرنی ہے۔ ولائیت کے لوگوں کے بارے میں جو ہم تاثر رکھتے ہیں کہ وہ لوگوں سے اچھا سلوک کرتے ہیں میں ان کے بارے میں بھی یہ کہا کرتا ہوں کہ وہ اخلاق نہیں ہے جس کا اللہ تقاضا کرتا ہے۔ ان کے پاس اخلاق کا عکس ہے

free-urdubook.blogspot.com

اصلی اخلاق نہیں ہے۔ اگر ان کے پاس اصلی اخلاق ہوتا تو وہ افغانستان پر ایسی بمباری نہ کرتے۔ بغیر کسی جواز اور دلیل کے انہوں نے ایسا کیا۔ وہ بھی اصلی اخلاق سے محروم ہیں لیکن آپ کے اور میرے دلوں پر ان کا بڑا دبدبہ ہے کہ جی وہ جو وعدہ کرتے ہیں یا سودا کرتے ہیں پورا کرتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ہمیں ان سے بازی لے جانی ہے کیونکہ ہمیں اللہ کی طرف سے ایسی رحمت عطا کی گئی ہے جو ان لوگوں کو عطا نہیں کی گئی۔

مسلمان ساری دنیا میں اتنے ذلیل و خوار کیوں ہیں؟ کیوں اتنی مشکل میں پڑے ہوئے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ پوری کائنات میں جو مسلم امہ ہے وہ دوسروں کے مقابلے میں برتر ہے۔ اگر برتر چیز کو ناپاکی کا ذرا سا بھی چھینٹا لگ جائے تو وہ برتر نہیں رہتی۔ غلیظ چیز کو جس طرح کا بھی گند لگ جائے وہ اس کا کوئی نقصان نہیں کرتی۔ آپ انسانیت کی دستار ہیں۔ آپ کے اوپر اگر گوبر کا ذرا سا چھینٹا لگ گیا تو یہ دستار اتار کے پھینکنی پڑتی ہے۔ یہ اہم ذمہ داری ہم پر عائد ہے کہ ہم نے اپنی دستار کو کیسے سنبھال کے رکھنا ہے اور اپنی دستار کو اچھی طرح سے اور سنبھال کر رکھنے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ ہم اپنے بھائی' انسان اور آدمی کے ساتھ اپنا برتاؤ اور سلوک اچھا رکھیں اور اس کے ساتھ ساتھ چغلی میٹنگیں بند کریں۔ انشاء اللہ ہم اپنی اس کوتاہی کو ختم کر کے دم لیں گے اور اس جانب توجہ دیتے رہیں گے اور دلاتے رہیں گے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

"Mind Over The Matter"

یہ ذہن کا بازار بھی عجیب منڈی ہے جس میں کبھی کوئی چھٹی نہیں ہوتی۔ دن کو ذہن کام جاری رکھتا ہے اور رات کو سو جانے پر خوابوں کی صورت میں اپنے عمل میں مصروف رہتا ہے اور اس میں ایک دلچسپ اور نہایت عجیب بات یہ ہے کہ اس منڈی میں باہر کے تاجر بھی آتے رہتے ہیں۔ کچھ قافلے سمرقند و بخارا سے' کچھ گلف اور ولائیت سے آتے جاتے اور شامل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ عمل رکنے اور ختم ہونے کو نہیں آتا اور اکثر یوں بھی ہوتا ہے کہ کچھ ایسے لوگ بھی آ کر ذہنی وفکری عمل میں شامل ہو جاتے ہیں جن کی بہت سی چیزیں مستعار بھی لینی پڑتی ہیں اور انہیں اپنانا بھی پڑتا ہے اور کچھ ایسے سوالات ذہن میں گھر کر لیتے ہیں جن سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتی ہے اور کچھ کو تو زندگی میں باقاعدہ شامل کرنا پڑ جاتا ہے مثلاً خدا کے بارے میں بہت سوال کیے جاتے ہیں اور پوچھا جاتا ہے کہ خدا کیوں ہے؟ کیسے ہے؟ کس طرح سے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ ہم اسے اپنے حواس خمسہ سے جان نہیں سکتے۔ ایسے اور کئی طرح کے سوال آپ کے خیال میں اترتے ہوں گے۔

لوگ تین چار قسم کے سوال بہت پوچھتے ہیں ایک یہ کہ ایک بچہ جو ایک خاص گھرانے میں اور خاص مذہبی خیالات رکھنے والے گھرانے میں پیدا ہوا لامحالہ طور پر اس کا مذہب بھی وہی ہو گا جو اس کے والدین کا ہے۔ اس بچے میں تبدیلی لانے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے اور اس کو اس بڑی شاہراہ پر کیسے لایا جائے جس کی ہم ترجمانی کرتے ہیں۔ یہ سوال بھی عموماً پوچھا جاتا ہے کہ کئی ایسے غیر مسلم جنھوں نے بڑے نیکی کے کام کیے تو کیا یہ لوگ بہشت میں نہیں جائیں گے جس طرح گنگا رام نے اور گلاب دیوی نے ہسپتال بنوائے تھے۔ اس پر ہم کسی اور پروگرام میں بات کریں گے۔ اس طرح ذہن کی منڈی میں ہر طرح کا سودا چلتا رہتا ہے اور جب خدا کی ذات کا سوال آتا ہے تو پھر کافی مشکل پڑتی ہے۔ ہمارے یہاں بھی اس معاملے پر چند روز قبل بڑے پڑھے لکھے' جید اور سیانے یہ بات کرتے رہے اور ہم بھی سنتے رہے اور اس میں شامل بھی ہوتے رہے۔ خواتین و حضرات نتیجہ یہاں تک پہنچا کہ

free-urdubook.blogspot.com

مرئی (دیکھی جانے والی) چیز زیادہ طاقتور ہوتی ہے یا غیر مرئی زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ سامنے نظر آنے والی چیز تو طاقتور ہے ہی تو کیا جو چیز نظر نہیں آتی وہ بھی طاقتور ہو سکتی ہے؟ اور اگر ان دونوں کا تقابل کیا جائے تو کونسی چیز زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ یہ نہایت اچھا بہت ہی حیران کن اور توجہ طلب سوال تھا۔ آپ بھی یہ سن کر حیران ہوں گے کہ جتنی بھی غیر مرئی Invisible چیزیں ہیں وہ بڑی طاقتور ہوتی ہیں اور نظر میں آنے والی چیزوں سے زیادہ فوقیت اور تقویت رکھتی ہیں۔ ہوا نظر نہیں آتی لیکن ہوا کے دونوں روپ چاہے وہ آکسیجن کی شکل میں ہوں یا کاربن ڈائی آکسائیڈ کی شکل میں ہوں' زندگی عطا کرنے والے ہیں اور ہمارے ایک سانس کے بالکل قریب ہی دوسرا سانس کھڑا ہوتا ہے اور موجود ہوتا ہے اور دنیا کی قیمتی ترین شے آکسیجن ہمیں مفت ملتی ہے اور کسی غریب یا امیر میں تمیز کیے بغیر ملتی ہے' فرض کیجیے کہ اگر خدانخواستہ زندگی کا یہ قیمتی ترین سرمایہ ہمیں دکان سے جا کے لینا پڑتا تو کیا سماں ہوتا۔ صبح ہر کوئی اپنا اپنا ڈبہ لیے آکسیجن بھروانے نکلا ہوتا۔ پھر دفتر' سکول یا کالج جانے کی بات کرتا۔ ہم تو چھوٹے کام نہیں کر سکتے' ایسی صورتحال اور جانوروں' جانداروں اور انسانوں کی دھکم پیل اور بھیڑ میں سب چکرا کر مر جاتے۔ ہوا اپنے دونوں رُوپوں میں نظر نہیں آتی لیکن اتنی طاقتور ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو ہماری زندگی ہی ختم ہو جائے۔ چرند پرند شجر و حجر بھی ختم ہو جائیں۔ ایسے ہی آپ غور کریں تو ایسی نوعیت کی اور بھی کئی چیزیں موجود ہیں لیکن اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ اگر آپ کھڑے ہوں اور کسی بلڈنگ یا پلازے سے کوئی پتھر ٹوٹ کر آپ کے سر پہ لگے تو آپ کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے۔ ابھی پچھلے دنوں زلزلے نے کیا تباہی مچائی ہے' کتنے ہی لوگوں کا جانی نقصان ہو گیا۔ اس طرح سب سے سخت اور طاقتور چیز تو پتھر ہے لیکن آپ ہوا کو طاقتور گردان رہے ہیں حالانکہ نظر میں آنے والی چیز زیادہ طاقتور ہے لیکن ہم اس بات پر توجہ نہیں دیتے اور نہیں دے رہے کہ یہ پتھر' پہاڑ' چٹانیں اور زلزلے سے گرنے والے بھاری بھرکم گارڈر' ستون اور مینار جو کئی زندگیاں ختم کر دیتے ہیں اگر کششِ ثقل یا Gravity نہ ہو یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور کششِ ثقل ایسی چیز ہے جو نظر نہیں آتی۔ فرض کیجیے کہ زمین میں کشش نہ ہو تو اوپر سے کتنا ہی بڑا پتھر کیوں نہ گرے وہ تو بس ڈانس کرتا ہوا ہی رہ جائے گا اور اگر آپ اس کو تھپڑ ماریں گے تو وہ ڈانس کرتا ہوا دوسری سمت چلا جائے گا کیونکہ اس میں تو کوئی جان بھی نہیں ہو گی۔ امریکہ نے افغانستان میں ڈیزی کٹر بموں کے ساتھ جتنی بمباری کی ہے اور 52 بی طیاروں سے جو بڑے بڑے بم گرائے ہیں یہ سب کششِ ثقل کی بدولت ہی ممکن ہوا ہے۔ اگر زمین میں کشش نہ ہوتی تو اس وقت افغانستان کے بچے ان بموں سے فٹ بال کھیل رہے ہوتے۔ اس سے ثابت یہ ہوا کہ غیر مرئی چیز زیادہ طاقتور ہوتی ہے اور اس کی طاقت کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہوتا ہے۔ آپ روشنی کو دیکھیں یہ نظر نہیں آتی۔ یہ ہر چیز کو منور ضرور کرتی ہے لیکن نظر نہیں آتی۔ بلب سے نکلنے والی روشنی اور مجھ تک پہنچنے والی

free-urdubook.blogspot.com

روشنی یا فرش کے اوپر ہالہ بنانے والی روشنی کے درمیان جو روشنی کا سفر ہے وہ نظر نہ آنے والا ہے۔ آپ یہ سن کر بھی حیران ہوں گے کہ سورج جو اس قدر روشن سیارہ ہے اور ہماری زندگیوں کا دارومدار اس پر ہے وہ ساری روشنی جو سورج ہمیں عطا کرتا ہے اور جو زمین پر پڑتی ہے اگر ہم سورج اور زمین کے درمیان سفر کریں اور اس حد کو عبور کر جائیں جہاں سے روشنی Reflect نہیں ہوتی تو آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ سورج اور زمین کے درمیان اتنا اندھیرا ہے جس کا آپ اندازہ نہیں لگا سکتے بالکل Pitch Darkness ہے جب روشنی پڑنے کے بعد منعکس ہوتی ہے تو ہم تک پہنچتی ہے۔ وہ روشنی جو ہم کو دکھائی نہیں دیتی، محسوس نہیں ہوتی جس کو ہم چھو نہیں سکتے وہ طاقت رکھتی ہے۔ اسی طرح سے گرمی کو لے لیجیے۔ گرمی یا حدت بھی نظر نہیں آتی۔ اس کا کوئی بُت نہیں، وجود یا نقشہ نہیں ہے لیکن یہ گرمی اور Heat ہے جو آپ کے کھیتوں کو پکا رہی ہے۔ پھولوں، پھلوں اور پودوں کی نشوونما کر رہی ہے لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ یہ حدت میں نے آتی ہوئی دیکھی اور چونسے آم پر پڑتی ہوئی دیکھی اور اس آم کو پکتے ہوئے دیکھا، ایسے ہو نہیں سکتا۔ یہ بات ایسے ہی ہے جیسے کہ "Mind Over The Matter" کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ ذہن کی جو ایک منڈی لگی ہے اس کی طاقت آپ کے اچھے، توانا اور خوبصورت وجود پر شدت سے حاوی ہے۔ ذہن میں غصہ، غم، چالاکی، نفرت، شدت اور خوف جو ہیں یہ ساری چیزیں بھی Invisible ہیں۔ یہ نظر نہیں آ سکتیں اور نظر نہ آنے والی چیزوں نے آپ کی، میری اور ہم سب کی زندگی کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہم کو بری طرح سے جکڑ رکھا ہے کہ ہم اس کے سامنے بے بس ہیں۔ اگر مجھے غصہ نظر آتا، نفرت کہیں سے بھی دکھائی دے جاتی تو میں اسے چھوڑ دیتا۔ اگر نفرت کی تصویر کھینچی جا سکتی تو پتہ چلتا کہ یہ کتنی بدشکل چیز ہے۔ اس کے کئی پاؤں ہوتے، گندی سی ہوتی۔ آدھی بلی اور آدھے چوہے کی صورت والی ہوتی۔ لیکن اسے ہم دیکھ یا چھو نہیں سکتے لیکن ہمارے دیکھے جانے والے وجود پر ان چیزوں کا قبضہ ہے۔ اب آپ اس بات پر تڑپتے پھرتے ہیں کہ خدا کے واسطے ہماری نفرتیں ختم ہوں، ہمارے ملک میں وہ سہولتیں آئیں جن کا اللہ سے وعدہ کیا گیا تھا کہ ہم اپنے لوگوں میں آسانیاں تقسیم کریں گے۔ وہ وعدہ پورا کرنے خدا کرے وقت آئے لیکن وہ ہماری یہ خواہش پوری اس لیے نہیں ہوتی کہ غیر مرئی چیزوں نے ہمیں پکڑ اور جکڑ رکھا ہے۔ جب آپ اپنے گھر والوں، دوستوں یا دشمنوں کے ساتھ لڑتے ہیں تو آپ اپنا غصہ یا نفرت کسی جسم رکھنے والی چیز کی صورت میں دکھا نہیں سکتے، محسوس کروا سکتے ہیں۔ آپ عموماً ایسی خبریں اخبار میں پڑھتے ہوں گے کہ چچی کو آشنائی کے شبہ میں ٹوکے کے وار سے ہلاک کر دیا۔ ایک بندہ گھر آیا اس نے اپنے بچوں کو بھی مار دیا۔ اسے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ مائنڈ اس پر اتنی شدت سے حملہ آور ہو رہا ہے کہ اسے اور کچھ سوجھ ہی نہیں رہا ہے اور وہ ذہن کے قبضے سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ نظر میں نہ آنے والی چیزوں نے، مجھ نظر میں آنے

free-urdubook.blogspot.com

والے کو اور میرے اردگرد جو دنیا آباد ہے، جو بڑی خوبصورت دنیا ہے اس پر تسلط جما رکھا ہے اور کسی کو ملنے نہیں دیتیں۔ اس نظر نہ آنے والی چیز جسے سائنسدان "Mind Over The Matter" کہتے ہیں اس نے میرے وجود پر قبضہ کر رکھا ہے۔

اخبار میں ہم اس طرح کے جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا خبریں پڑھتے ہیں۔ ان میں کوئی ٹھوس بات نہیں ہوتی۔ بس ذہن میں پیدا ہونے والی بات کی کارستانی ہوتی ہے اور ہم یہ شک یا خیال قائم کر لیتے ہیں کہ یہ خرابی فلاں گروہ نے کی ہوگی اور ہم بغیر کسی دلیل، منطق یا Reason کے بمباری شروع کر دیتے ہیں جیسے افغانستان پر کی گئی۔ یہ کام ان پڑھ نہیں کرتے بلکہ پڑھے لکھے اور بہت زیادہ پڑھے لکھے لوگ کرتے ہیں۔ ایسا انفرادی طور پر بھی ہوتا ہے اور اجتماعی طور پر بھی ہوتا ہے۔ انبیاء جو ہم کو تعلیم دیتے رہے یہ ایسی بات کی تعلیم دیتے رہے کہ اے اللہ کے بندو خدا کے واسطے اس پیغام کی طرف رجوع کرو جو تمہیں غیر مرئی خدا نے دیا ہے۔ خواتین و حضرات خدا کی ذات سے زیادہ غیر مرئی چیز تو اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ حواسِ خمسہ سے بہت باہر ہے اور بہت دور ہے لیکن اگر غیر مرئی چیزیں ہی طاقتور ہو سکتی ہیں تو اللہ جس میں Invisible ہے وہ تو پھر سب سے زیادہ طاقتور ہوا نا اور وہ سب سے زیادہ طاقتور ہے بھی۔ لوگ کئی دفعہ اس بات میں الجھ جاتے ہیں کہ کیونکہ ہمیں خدا نظر نہیں آتا ہے تو اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ پرسوں اس بات پر جھگڑا بھی ہو رہا تھا اور میں ان سے بار بار یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ مت کہیے کہ چونکہ خدا ہمیں نظر نہیں آ رہا ہے، کششِ ثقل دکھائی نہیں پڑ رہی ہے اور ہوا نظر نہیں آ رہی ہے تو اس کا پھر سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ آپ کے حواسِ خمسہ بہت محدود ہیں لیکن انسانی زندگیوں میں ایسے بھی بے شمار وقت آئے جب انسان پرسکون ہو کر مراقبے اور Meditation میں بیٹھا اور پھر وہ اپنے حواسِ خمسہ سے الگ ہو کر ایک اور دنیا میں داخل ہوا تو پھر اس کا کنکشن ان چیزوں سے ہوا جو غیر مرئی چیزوں کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ بحرالکاہل میں بہت جزیرے ہیں جہاں سے کرکٹ کھیلنے والے بھی آتے ہیں۔ ہاں یاد آیا کرکٹر لارا کے ملک ویسٹ انڈیز کے قریب ایک جزیرہ ہے۔ اس جزیرے پر لوگوں نے بڑی چاہت کے ساتھ ایک عبادت کدہ بنایا جس میں دنیا کی مختلف دھاتوں کو ملا کر ایسی گھنٹیاں بنائیں جو نہایت سریلی اور دلکش آوازیں پیدا کرتی تھیں اور دور دور سے لوگ آ کر اس عبادت کدے میں پرستش کیا کرتے تھے چاہے ان کا کسی بھی مذہب سے تعلق کیوں نہ ہوتا۔ لوگ اس سرمدی باجے کی آوازوں میں اپنے اللہ کو یاد کرتے تھے۔ پھر سنتے ہیں کہ وہ جزیرہ آہستہ آہستہ غرقِ آب ہو گیا لیکن اس کی خوبصورت گھنٹیوں کی آواز لوگوں کو سنائی دیتی تھی۔ چند سال بیشتر فرانس کا ایک صحافی اس جزیرے کی کھوج میں نکلا اور اس جزیرے کو جغرافیائی طور پر تلاش کرنے کے بعد وہاں ان گھنٹیوں کو سننے کی کوشش کرتا رہا جو پانی کے نیچے اتر چکا تھا کیونکہ لوگ کہتے تھے کہ اگر کوئی

صاحبِ گوش ہوتو اسے ان گھنٹیوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ وہ صحافی لکھتا ہے کہ میں بڑی دیر تک وہاں بیٹھا رہا۔ کئی دن اور ہفتے وہاں گزارے لیکن مجھے سوائے سمندر کی آوازوں کے اور شور کے اور سمندری بگلوں کی آوازوں کے اور کچھ سنائی نہ دیا۔ اس نے سوچا کہ یہ شاید پرانی کہانیوں میں سے ایک کہانی ہے چنانچہ وہ جانے سے بیشتر آخری بار اس مقام کو سلام کرنے کی غرض سے گیا۔ وہ وہاں بیٹھا اور اس نے افسوس کا اظہار کیا کہ میں اتنی دور، ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے یہاں آیا اور اتنے دن یہاں گزارے لیکن وہ گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آیا جس کی آرزو لے کر وہ چلا تھا۔ وہ انتہائی دکھ کی کیفیت میں وہاں بیٹھا رہا۔ وہ کہتا ہے کہ میں وہاں مایوسی کی حالت میں لیٹ گیا اور اس نے اپنے پاؤں گھٹنوں تک ریت میں دبا لیے تو اسے گھنٹیوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ ایسی آواز جو اس نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور وہ صدائیں اور ہوائیں جو پہلے اسے سنائی دے رہی تھیں ایک دم سے خاموش ہو گئیں اور ان گھنٹیوں کی آوازیں صاف سنائی دینے لگیں۔ وہ نظر نہ آنے والی آوازیں پانی کے اندر سے آنے لگیں۔ وہ صحافی کہتا ہے کہ جتنی دیر میرا دل چاہا میں وہ سریلی اور مدھر آوازیں سنتا رہا اور میں اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر صدیوں پہلے ڈوبے ہوئے عبادت کدے کی گھنٹیوں کی آواز سننی ہے تو سمندر کا شور سننا ہوگا اور اگر اپنے اللہ سے ملنا ہے تو اس کی مخلوق کو سننا ہوگا۔ یہی ایک رستہ ہے کیونکہ اللہ نظر نہ آنے والا ہے جبکہ اس کی مخلوق نظر آنے والی ہے۔ اگر آپ اس کی مخلوق کے ساتھ رابطہ قائم کریں گے تو بڑی آسانی کے ساتھ وہ سڑک مل جائے گی جو گھنٹیوں والے عبادت کدے سے ہو کر ذاتِ خداوندی تک پہنچتی ہے۔ آج ہماری گفتگو میں یہ بات معلوم ہوئی کہ نظر نہ آنے والی چیز، نظر آنے والی چیز سے زیادہ طاقتور اور قوی ہوتی ہے اور یہ نظر نہ آنے والی ساری صفات ہمارے گوشت پوست کے انسان پر اور ہماری زندگی پر کس طرح سے حاوی ہیں اسے ہم تنہا بیٹھ کر بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں اور ان چیزوں نے ہمیں اذیت میں ڈال رکھا ہے اور یہ ہماری اچھی سی زندگی کا ''ماسٹر'' بن کر بیٹھی ہوتی ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

free-urdubook.blogspot.com

من کی آلودگی

آج سے چند روز بیشتر ہم Pollution کی بات کر رہے تھے اور ہمارا کہنا تھا کہ ساری دنیا آلودگی میں مستغرق ہے اور یہ آلودگی نہ صرف انسانی زندگی بلکہ شجر و حجر اور حیوانات کو بھی کھائے چلی جا رہی ہے۔ اس کے دوررس نقصانات ہیں اور اس کے خاتمے کی طرف خصوصی توجہ دی جانی چاہیے۔

جب ہم اس گفتگو میں بحیثیت ایک قاری یا ناظر کے شریک تھے تو مجھے خیال آیا کہ انسانی زندگی میں دو متوازی لہریں ایک ساتھ چلتی ہیں۔ ایک تو ہماری اپنی زندگی ہوتی ہے اور ایک زندگی کا نامعلوم حصہ ہوتا ہے۔ اس حصے کو ہم گو جانتے نہیں ہیں لیکن محسوس ضرور کرتے ہیں۔ یہ حصہ ہماری زندگی کی اس لہر کے بالکل ساتھ ساتھ چل رہا ہوتا ہے جو اس دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ اس وقت مجھے اپنے ان بابوں کا خیال آیا جن کا میں اکثر ذکر کرتا رہتا ہوں کہ وہ بابے Pollution کے بارے میں خاصے محتاط ہوتے ہیں اور انہیں اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ کسی بھی صورت میں آلودگی نہ ہونے پائے اور وہ اس حوالے سے خاص اہتمام کرتے۔ یہ International Pollution Compaign سے پہلے کی بات ہے جب ڈیروں پر ایک ایسا وقت بھی آتا تھا کہ ڈیرے کا بابا اور اس کے خلیفے آلودگی کے خلاف اپنے آپ کو باقاعدہ اور بطورِ خاص اہتمام میں مصروف رکھتے اور آنے جانے والوں کو اس آلودگی بابت آگاہ کرتے تھے جو انسان کی اندرونی زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔ ان بابوں کا باہر کی Pollution سے زیادہ تعلق نہیں ہوتا۔ ان بابوں کا خیال ہے کہ جب تک انسان کے اندر کی آلودگی دور نہیں ہوگی باہر کی آلودگی سے چھٹکارہ حاصل کرنا مشکل ہے۔ جب تک انسان کے اندر کی معیشت ٹھیک نہیں ہوگی چاہے باہر سے جتنے بھی قرضے لیتے رہیں باہر کی معاشی حالت درست نہیں ہوسکتی۔ اس لیے اندر کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہیے۔ ان بابوں کا یہ خیال تھا جو بڑا جائز خیال تھا کہ ہماری بہت سی بیماریاں ہماری اندرونی آلودگی سے پیدا ہوتی ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ دل کے قریب ایک بہت بڑا طاقچہ ہے اور اس طاقچے کے اندر بہت گہرے گہرے دراز ہیں۔ ان درازوں کو نکال کر اوندھا کر کے

free-urdubook.blogspot.com

صاف کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ان میں عرصہ دراز سے جالے لگے ہوئے ہیں۔ تو کہیں چوہے کی مینگنیں پڑی ہیں اور طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے دل کے والو (Volve) بند ہو رہے ہیں اور ظاہر کی زندگی میں یہی تصور ابھرتا ہے۔ دل کی نالیاں بند ہو جانے کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اس کے ارد گرد آلودگی جمع ہو چکی ہوتی ہے اور وہ خطرناک حد تک جمع ہو جاتی ہے اور انسان کو اس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ انسان خود کو چنگا بھلا اور ٹھیک ٹھاک خیال کرتا ہے لیکن دل کے قریب آلودگی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

خواتین و حضرات! دل کی آلودگی جاننے کے لیے تو ایک اور طرح سے جھانکنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں نگاہ ڈالنے کے لیے ایک اور زاویہ نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان بابوں کا خیال ہے کہ نفرت کی وجہ سے ہیپاٹائٹس بی پھیلتی ہے۔ اس بیماری کا سبب شدید نفرت ہے۔ پہلے یہ بیماری اتنی نہیں تھی۔ ایک وہ زمانہ تھا جب پاکستان نیا نیا بنا تھا اور ہم اس وقت نوجوان تھے۔ ہم تب خوشی کے ساتھ گھومتے پھرتے تھے اور جب ہمیں کوئی کار بڑی خوبصورت لگتی تو اس کو ہاتھ لگاتے تھے اور بڑے خوش ہوتے تھے۔ ہم نے مال روڈ پر کتنی ہی خوبصورت کاروں کو ہاتھ لگایا۔ ہمیں تب یہ معلوم بھی نہ تھا کہ Jealouse بھی ہوا جاتا ہے۔ اب برداشت نہیں ہوتا۔ اب یہ کیفیت ہے کہ اب والد بیٹے اور بیٹا والد سے حسد کرتا ہے۔ رستم سہراب کی طاقت شہرت اور اس کی ناموری سے حاسد ہوتا تھا اور دونوں کا آپس میں ٹکراؤ بھی ہوتا تھا اور سہراب اپنے سگے بیٹے رستم کو قتل بھی کرتا ہے۔ آدمی کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ اس کی شدید نفرت خود اسے ہی کھائے جا رہی ہوتی ہے۔ گو اس نے اپنے اوپر عجیب طرح کا خول بدنیتی سے نہیں چڑھایا ہوتا ہے بلکہ معاشرتی تقاضوں کی بدولت ہی ایک خول اس پر چڑھ جاتا ہے۔

بہت بڑے آرٹسٹ خدا بخشے زوبی ہوتے تھے۔ ان سے ایک دفعہ ایک بلوچ جاگیردار نے تصویر بنوائی۔ جب ان جاگیردار صاحب کی خدمت میں وہ تصویر پیش کی گئی تو انہوں نے کہا کہ اس میں تو میری شکل ہی نہیں ملتی۔ یہ تصویر میری لگتی ہی نہیں ہے۔ وہاں ان کے جو پندرہ بیس حواری بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے بھی کہا کہ "جی سائیں یہ شکل تو آپ سے ملتی ہی نہیں ہے۔" اب وہ آرٹسٹ بڑے شرمندہ ہوئے اور ان کی طبیعت پر بڑا بوجھ پڑا۔ وہ تصویر واپس لے آئے۔ کراچی میں ان دنوں ان کے فن پاروں کی نمائش ہوئی تو انہوں نے اس نمائش میں اسی تصویر کے نیچے جاگیردار کا نام مٹا کر "چور" لکھ دیا۔ اب ان صاحب کو بھی اس بات کی خبر پہنچی وہ اپنا موزر یا تلوار لے کر وہاں سے بھاگے اور انہوں نے بھی آ کر وہ تصویر دیکھی جس کے نیچے "چور" لکھا ہوا تھا۔ وہ پھر سخت لہجے میں آرٹسٹ سے گویا ہوئے اور کہا کہ تمہیں ایسی حرکت کرنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ آرٹسٹ نے کہا کہ "یہ آپ کی تصویر نہیں ہے اور آپ نے خود ہی کہا تھا کہ میری اس تصویر سے شکل نہیں ملتی اور آپ کے حواریوں نے بھی یہی کہا تھا کہ حضور یہ

free-urdubook.blogspot.com

آپ کی تصویر نہیں ہے۔ آپ نہ میرے اوپر کوئی کلیم کر سکتے ہیں اور نہ کوئی مقدمہ کر سکتے ہیں۔ جاگیر دار صاحب کہنے لگے کہ پکڑو پیسے اور یہ تصویر میرے حوالے کرو اور بتیس ہزار روپے دے کر بغل میں اپنی تصویر مار کر چلے گئے۔"

خواتین و حضرات! انسان کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ چور ہے یا سعد ہے۔ نیک ہے یا بد ہے۔ وہ چاہے جتنی بھی کوشش کرے اس پر اپنی اصلیت ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ اس کے پاس مراقبے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔ اپنے آپ کو Face کرنے کے بعد ہی خوبیاں خامیاں عیاں ہوں گی اور انسان اپنی خرابیاں دور کر سکے گا۔ جب آپ کو پتہ چلتا ہے کہ میرے چہرے پر ایک پھنسی ہو گئی ہے تو وہ آپ کو ڈسٹرب کرتی ہے لیکن جب وجود کے اندر روح کے اندر کوئی بیماری آ جاتی ہے تو پھر اس کا علم نہیں ہوتا۔ ہماری آپا صالح کہا کرتی تھیں (خدا بخشے انہیں) کہ اشفاق اللہ نے یہ جو کائنات بنائی ہے اس میں ہر طرح کے انسان ہیں۔ جھوٹے' بے ایمان' دغاباز' سچے' چور' معصوم' نیک بھولے صوفی درویش مکار ہر طرح کے انسان پائے جاتے ہیں اور پھر وہ لمبی فہرست گنوا کر کہتیں کہ خدا کا شکر ہے کہ ان تمام انسانوں میں سے نہیں ہوں۔ خواتین و حضرات انہیں یہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ انہوں نے جتنی قسمیں گنوائی ہیں وہ ان میں سے باہر جا ہی نہیں سکتیں۔ ہمارے بابے ایک بات پر بڑا زور دیا کرتے تھے۔ ان کا فرمان تھا کہ آپ نے دل کے دراز کے مختلف کونوں میں جو گلدستے پھینکے ہوئے ہیں' جو عقیدت کے گلدستے ہیں انہیں نکال کر باہر پھینکو کیونکہ ان کی بدبو بڑی شدید ہوتی ہے۔ آپ لوگوں کو پتہ ہے کہ جب گلدستہ پانی میں کافی دیر تک پڑا رہے تو پھر اس کے اندر سے بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بدبو سنبھالی نہیں جاتی ہے۔ بابے کہتے تھے کہ ان بوسیدہ گلدستوں کو نکال کے پھینکنا بہت ضروری ہے۔ اب ہم ان سے جھگڑا کرتے کہ باباجی عقیدت کے گلدستوں کو کیسے اور کیونکر دل سے باہر نکال پھینکا جائے۔ انہوں نے کہا کہ دیکھو جن گلدستوں کو تروتازہ رہنا چاہیے تھا وہ آپ کے وجود کے اندر پڑے ہوئے تروتازہ نہیں رہے ہیں اور پڑے پڑے بدبودار ہو گئے ہیں۔ وہ اس قدر بدبودار ہو گئے ہیں لیکن زیادہ دیر پڑے رہنے کے باعث آپ کو ان گلدستوں یا بدبو سے محبت اور عقیدت ہو گئی ہے اور آپ انہیں باہر نہیں پھینکتے ہیں۔ جوں جوں آپ کی بیرونی زندگی میں Mouth Washes بنتے جائیں گے اور غرارے کرنے کی جتنی بھی دوائیں بنتی جائیں گی یہ اندر کی بدبو کو ختم نہیں کر سکتیں۔ اب کئی ملٹی نیشنل کمپنیاں منہ میں خوشبو پیدا کرنے کے لیے ادویات بنا کر ہمیں دے رہی ہیں اور کروڑوں روپے اکٹھے کر رہی ہیں لیکن ان ادویات کے استعمال کے باوجود اندر سے بدبو کے ایسے "بھبکے" اور "بھبھاکے" نکلتے ہیں کہ یہ چیزیں اسے کنٹرول ہی نہیں کر سکتیں۔ حالانکہ خدا نے انسانی جسم بہترین ساخت پر بنایا ہے۔ یہ نہا دھو کر صاف ہو کر اچھا ہو جاتا ہے لیکن اب اندر کی بدبو نہیں جاتی ہے۔ ہم باباجی سے پوچھتے کہ جناب یہ کس قسم کی

free-urdubook.blogspot.com

عقیدت کا گلدستہ ہے۔ فرمانے لگے کہ مثال کے طور پر تم نے ایک گلدستہ بڑا سجایا ہوا تھا۔ اور اس گلدستے کا نام ''مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں'' رکھا ہوا تھا۔ اب وہ گل سڑ گیا ہے' آپ نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ بلکہ اسے صرف دکھانے کے لیے گلدستے کے طور پر رکھا تھا اور اسے ایسے ہی رکھ کر گلنے سڑنے دیا ہے۔ آپ نے ایک گلدستہ ''لوگوں کے ساتھ اچھی بات کرو'' بھی رکھا تھا۔ اب وہ بھی پڑا پڑا بدبودار ہو گیا ہے۔ آپ نے عدل و انصاف کے گلدستے کو بھی خراب کر دیا ہے۔ بابا جی کہا کرتے تھے کہ عقیدت کا جو گلدستہ سب سے زیادہ خراب ہوا ہے وہ بے انصافی ہے۔ انسان نے عدل سے منہ موڑ لیا ہے حالانکہ انسان اور خاص کر مسلمانوں کے سارے نظام کی عدل پر بنیاد ہے۔ ہمیں ہر جگہ عدل کا حکم ہے۔ آپ کسی کی شکل سے نفرت کرتے ہوئے کسی کو انصاف کی فراہمی روکنے کے مجاز نہیں ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ تم کسی سے محبت نہ کرو۔ اس پر کوئی مواخذہ نہیں لیکن بے انصافی اور عدل نہ کرنے پر مواخذہ لازم ہے۔ ان گلدستوں کو تر و تازہ کرنے کے لیے باقاعدہ ایک عمل کرنا پڑتا تھا اور بابا جی کے پاس بہت دیر تک رہنا پڑتا تھا۔ کچھ راتیں بسر کرنا پڑتی تھیں۔ کچھ ایسے محلول بھی پینے پڑتے تھے۔ آپ کو بتاؤں کہ گاؤزبان اور ایک الائچی اس وقت کھانے کو دی جاتی جب نماز تہجد کا وقت شروع ہوتا اور اس کا ایک مفرح قسم کا قہوہ پینے کو ملتا۔ ہمیں ڈیرے پر ایک خوشبودار دوا اسطخدوس کی چائے پلائی جاتی۔ اس کو دماغ کے جالے صاف کرنے والی دوا کہا جاتا تھا۔ سیانوں کا کہنا ہے کہ میوزک کی دھن بنانا سب سے مشکل کام ہے۔ اس میں سب سے مشکل بات یہ ہے کہ یہ ہمارے ہاں لکھا بھی نہیں جاتا۔ میں ایک چھوٹے درجے کا رائٹر ہوں جو بھی لکھتا ہوں پڑھ سکتا ہوں اور اسے بار بار پڑھ سکتا ہوں لیکن دھن بنانے والا میری طرح پچھلی دھن کو کاغذ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات ذہنی ضروری ہوتی ہے کہ وہ کہاں سے چلا تھا اور اسے پہلی دھن کو دوسری تیسری یا آخری کے ساتھ کس طرح سے جوڑنا ہے۔ ویسے تو اللہ نے آپ کو بہت اچھا اور خوبصورت ذہن دیا ہے۔ اس میں آلودگی نہیں ہے لیکن اگر آپ کا دل چاہے کہ آپ اندر کی صفائی کریں اور اس عمل میں سے گزریں تو آپ کو ایک بہت بڑی مشکل پیش آئے گی اور آپ کو لگے گا کہ صفائی ہو رہی ہے لیکن ایسا نہیں ہو رہا ہو گا بلکہ صفائی کے عمل میں ذرا سی کوتاہی سے اس میں اور آلودگی شامل ہو جائے گی۔

انسانی زندگی میں عجیب عجیب طرح کی کمزوریاں آتی ہیں اور آدمی ان میں پھنسا رہتا ہے اور جب وہ اپنی اندرونی طہارت چاہتا بھی ہے اور پاکیزگی کا آرزو مند بھی ہوتا ہے تو بھی اس سے کوئی نہ کوئی ایسی کوتاہی سرزد ہو جاتی ہے کہ وہ بجائے صفائی کے مزید زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں اور یہ میرا پیغام All Over the World کے لیے ہے کہ جب تک اندر کی صفائی نہیں ہو گی اس وقت

free-urdubook.blogspot.com

تک باہر کی آلودگی دور نہیں ہو سکتی ہے۔ آپ روز شکایت کرتے ہیں اور آپ آئے روز Letter to the Editor لکھتے ہیں کہ جی دیکھیں ہمارے گھر کے آگے گندگی پڑی ہوئی ہے یا ہمارے محلے میں گندگی ہے اور دل سے یہ آپ کی آرزو نہیں ہوتی کہ صفائی ہو۔ آپ نے اپنے اندر ابھی تک یہ طے ہی نہیں کیا کہ آپ نے اب صفائی کرنی ہے۔ یہ بات اس وقت طے ہوگی جب آپ کو پاکیزگی اور صفائی سے محبت ہوگی اور آپ نقلی خوشبوؤں کے سہارے زندگی بسر کرنے کی بجائے اندر کی آلودگی ختم کر دینے کا نہ سوچیں۔ آپ نے بہت سنا ہوگا کہ پاکیزہ لوگوں کے بدن کی خوشبو ایسی مفرح اور مسحور کن ہوتی ہے کہ ان کے قریب بیٹھنے سے بہت ساری آلودگیاں دور ہو جاتی ہیں چاہے انہوں نے کوئی خوشبو، عطر نہ لگایا ہو۔

آپ بابوں کا طریقۂ کار اختیار کریں یا نہ کریں یہ آپ کی اپنی مرضی ہے لیکن انہوں نے روح کی صفائی کے لیے جو ترکیبیں بنائی ہوئی ہیں ان کو آپ اپنا سکتے ہیں اور ان کو اپنائے جانے کے بعد لوگوں کو بڑی آسانیاں عطا کی جا سکتی ہیں اور پی ٹی وی کی طرف سے ہر ہفتے ایک ہی دعا ہوتی ہے کہ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

---

free-urdubook.blogspot.com

ان پڑھ سقراط

میں کب سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں اور آپ کے ارشاد کے مطابق وہی گن گا تا رہا ہوں جن کی آپ کو ضرورت تھی۔ آج میں آپ سے ایک اجازت مانگنے کی جرأت کر رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مجھے اس بات کی اجازت دیجیے کہ میں دبی زبان کی بجائے اونچی آواز میں یہ کہہ سکوں کہ جوان پڑھ انسان ہوتا ہے اس کے پاس بھی اچھا اور ہائپو تھیلمس دماغ ہوتا ہے۔ وہ بھی سوچ سکتا ہے' وہ بھی سوچتا ہے۔ وہ بھی فاضل ہوتا ہے اور ہنر مند ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں اور خاص طور پر ہمارے علاقے میں یہ بات بہت عام ہوگئی ہے کہ صرف پڑھا لکھا آدمی ہی لائق ہوتا ہے اور جو ''پینڈو'' آدمی ہے اور انگوٹھا چھاپ ہے اس کو اللہ نے دانش ہی نہیں دی ہے۔ اس سوچ نے ہماری زندگیوں میں ایک بہت بڑا رخنہ پیدا کر دیا ہے اور ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ہیں۔ ہمیں سیاسی' سماجی اور نفسیاتی طور پر بڑی شدت کا نقصان پہنچ رہا ہے جبکہ دوسرے ملکوں والے اپنی اجتماعی زندگی میں اس نقصان کے متاثرہ نہیں ہیں۔ ہماری چودہ کروڑ کی اتنی بڑی کمیونٹی ہے۔ اس کو ہم نے ایک طرف رکھا ہوا ہے اور میں آپ اور ہم سب جو سمجھدار لوگ ہیں جن کی تعداد زیادہ سے زیادہ دو لاکھ بنتی ہے ہم نے سارا حساب و کتاب سنبھال کے رکھا ہوا ہے اور اصل میں ہم ہی اس ملک کے آقا اور حکمران بنے بیٹھے ہیں۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں اور دست بستہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ لوگ بھی ہمارے ساتھی ہیں۔ پنکچر لگانے والا' سائن بورڈ لگانے والا' بڑھئی' ترکھان بھی اپنے اندر ایک ہنر رکھتا ہے۔ اگر ہم اس کو سلام نہ کر سکیں تو کم از کم ان کے لیے دل میں یہ احترام تو رکھیں کہ یہ ویلڈر جس نے کالے رنگ کی عینک پہن رکھی ہے اور ٹانکا لگا رہا ہے وہ بھی تقریباً اتنا ہی علم رکھتا ہے جتنا ہارٹ سرجن یا بائی پاس کرنے والے کا علم ہوتا ہے لیکن ہم نے ایسے ہنر مندوں کو ایک طرف رکھا ہوا ہے۔

میں 1971ء کے انتخابات میں ایک جگہ پر ریٹرننگ آفیسر تھا۔ ہم جلدی جلدی ووٹ ڈلوا رہے تھے وہاں ایک بابا آیا جس نے ریڑھی بنوائی ہوئی تھی۔ وہ معذور تھا اور اس ریڑھی کے ذریعے

free-urdubook.blogspot.com

حرکت کرتا تھا۔ وہ آ کے کہنے لگا کہ جی میں "تکوار نوں ووٹ پانا اے۔"

میں نے کہا کہ بابا جی بسم اللہ تو جہاں کہے گا مہر لگائیں گے لیکن رش زیادہ ہے تھوڑا انتظار کرلو لیکن اس نے کہا کہ نہیں جی میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔ وہاں میرے اسسٹنٹ کہنے لگے کہ جی اس کا ابھی ووٹ ڈلوا دیں۔ میں نے اس کی خوشنودی کے لیے کہا کہ بابا آپ کی ریڑھی بڑے کمال کی ہے یہ تو نے کہاں سے لی۔

کہنے لگا یہ میں نے خود بنائی ہے۔ پہلے جو بنائی تھی اس کو میں نے بچوں والی سائیکل کے پہیئے لگائے تھے۔ وہ پکے پر خوب دوڑتی لیکن کچے میں وہ پھنس جاتی تھی۔ پھر میں نے لکڑی کے موٹے پہیئے لگائے تو وہ کچے میں اچھے چلتے تھے اور پکے میں یا سڑک پر بہت شور مچاتے تھے پھر میں نے بیرنگ لگا دیئے۔ بس ہر ہفتے مٹی کا تیل ڈال کر صاف کرنے پڑتے ہیں۔ (دیکھئے کہ وہ بابا چٹا ان پڑھ تھا) میں نے اس سے کہا کہ بابا یہ تو نے کیسے بنائی۔ وہ کہنے لگا کہ جی میں نے سوچ سوچ کے بنالی۔

میں نے جب اس سے بار بار پوچھا کہ کیا تو نے یہ خود ہی بغیر کسی کی مدد کے بنالی تو وہ بابا کہنے لگا "بابا جی تہانوں میرے تے شک کیوں لے رہیا اے ویکھو نہ جی اگر بندہ پڑھیا لکھیا نہ ہووے تے فیر دماغ توں ای کم لینا پیندا اے نا۔"

اس واقعہ کے بعد میں دیکھتا کہ لوگ کیسی کیسی مہارتیں رکھتے ہیں اور عام بغیر ڈگری ہنر مند کتنے ذہین ہیں۔ میں نے نوٹ کیا کہ ان عام ہنر مندوں کا انداز فکر بھی برٹنڈرسل یا سقراط ہی کی طرح کا ہوتا ہے اور یہ کسی آئن سٹائن سے کم نہیں ہیں۔ یہ بھی انگوٹھا چھاپ ہوتے ہیں اور نئی سے نئی ایجادیں کر ڈالتے ہیں۔ یہ زیادہ الفاظ نہیں جانتے ہوں گے لیکن ان کا دماغ عام پڑھے لکھے دماغوں کی طرح سے ہی کام کرتا ہے۔

ایک قصبہ موڑ کھنڈا ہے۔ وہ بڑا پیارا علاقہ ہے۔ اس میں کافی جھگڑے وگڑے اور لڑائیاں بھی ہوتی ہیں وہاں ایک کسان تھا اور اس کا بیٹا میرا واقف تھا۔ وہ ایم بی بی ایس کا طالب علم تھا اور فائنل ایئر میں تھا۔ گاؤں میں اس کا باپ حقہ پی رہا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ اشفاق صاحب میرے بیٹے کو علم دیں جی۔ میں نے کہا کہ کیوں کیا ہوا۔ بہت اچھا علم حاصل کر رہا ہے۔ اس سے اعلیٰ علم تو اور کوئی ہوتا ہی نہیں۔

وہ اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ تو اشفاق صاحب کو بتا۔

وہ لڑکا کہنے لگا کہ جی میں ہارٹ سپیشلسٹ بننا چاہتا ہوں۔

اس کا باپ پھر کہنے لگا کہ "بے وقوف ایک بندے وچ اک دل ہوندا اے او ہندہ علاج کر کے انہوں ٹور دیں گا فیر کسے آونا نئیں تو دنداں دا علم پڑھ۔ بتی ہوندے نیں کدے نہ کدے کوئی نہ کوئی تے خراب ہووے گا۔ ایس طرح بتی واری اک بندہ تیرے کول آئے گا۔"

خواتین و حضرات! سقراط کسی سکول سے باقاعدہ پڑھا لکھا نہیں تھا۔ کسی کالج، سکول یا یونیورسٹی کا اس نے منہ نہیں دیکھا تھا۔ آپ کے حساب سے جوان پڑھ لوگ ہیں وہ Experiment بھی کرتے ہیں۔ ایک حیران کن بات ہے اور آپ یقین نہیں کریں گے۔ میں جہاں جمعہ پڑھنے جاتا ہوں وہاں ایک مولوی صاحب ہیں۔ اب جو مولوی صاحب ہوتے ہیں ان کی اپنی ایک سوچ ہوتی ہے۔ انہیں سمجھنے کے لیے کسی اور طرح سے دیکھنا پڑتا ہے اور جب آپ ان کی سوچ کو سمجھ جائیں تو پھر آپ کو ان سے علم ملنے لگتا ہے۔

وہ نماز سے پہلے تمام صفوں کے درمیان ایک چار کونوں والا کپڑا پھراتے ہیں جس میں لوگ حسب توفیق یا حسب تمنا کچھ پیسے ڈال دیتے ہیں۔ اس مرتبہ بڑی عید سے پہلے جو جمعہ تھا اس میں بھی وہ چوخانوں والا کپڑا پھرایا گیا اور جو اعلان کیا وہ سن کر میں حیران رہ گیا۔ وہ اس طرح سے تھا "دوحا قطر سے کوئی صاحب آئے تھے۔ انہوں نے مجھے پانچ ہزار روپے دیئے ہیں۔ میں نے وہ پیسے دو تین دن رکھے اور پھر میں نے ان روپوں کو سو سو اور پچاس پچاس کے نوٹوں میں Convert کروایا جنہیں اب میں یہاں لے آیا ہوں جو اس چوکونوں والے کپڑے میں ہیں۔ عید قریب ہے ہم سارے کے سارے لوگ صاحب حیثیت نہیں ہیں اور جس بھائی کو بھی ضرورت ہو وہ اس کپڑے میں سے اپنی مرضی کے مطابق نکال لے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم پڑھتے ہیں کہ "دس دنیا ستر آخرت۔"

آخر دینے سے کچھ فائدہ ہی ہوتا ہے نا! شاید وہ یہ ٹیسٹ کرنا چاہتا تھا کہ یہ بات جو لکھی ہوئی ہے یہ واقعی درست ہے یا پھر ایسے ہی چلتی چلی آرہی ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس کپڑے میں سے کچھ لوگوں نے روپے لیے۔ ایک نے پچاس کا نوٹ لیا۔ ایک اور شخص نے سو کا نوٹ لیا۔ کچھ ڈالنے والوں نے اس کپڑے میں اپنی طرف سے بھی نوٹ ڈالے۔ اگلے دن میں مولوی صاحب سے ملا اور ان سے کہا کہ گزشتہ روز آپ کا عجیب و غریب تجربہ تھا۔ ہم نے تو ایسا آج تک دیکھا نہ سنا۔ تو وہ کہنے لگا کہ جناب جب میں نے آخر میں اس رومال یا کپڑے کو کھول کر دیکھا اور گنا تو پونے چھ ہزار روپے تھے۔ اب یہ بات میرے جیسے "پڑھے لکھے" آدمی کے ذہن میں یا "دانش مند" آدمی کے ذہن میں نہیں آئی۔ ایک ان پڑھ کبھی کبھی ایسے ماحول یا تجربے سے گزرتا ہے اور پھر ایک ایسا نتیجہ اخذ کرتا ہے جو مجھ کتاب والے کو کبھی نہیں ملا۔

لاہور اور شیخوپورہ روڈ پر کئی ایک کارخانے ہیں۔ ایک بار مجھے وہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ جب میں وہاں کام کر کے فارغ ہونے کے بعد لوٹا اور گاڑی سٹارٹ کرنے لگے تو وہ سٹارٹ نہ ہو۔ خیر میں نے ڈرائیور سے کہا کہ تم اپنی Effort جاری رکھو مجھے جلدی واپس جانا ہے لہٰذا میں بس پر چلا جاتا ہوں تم بعد میں آجانا۔ جب میں بس میں بیٹھا تو اور وہاں سواریاں بھی تھیں۔ ایک نیند میں ڈوبا ہوا

free-urdubook.blogspot.com

نوجوان بھی تھا جس کی گودی میں ایک خالی پنجرہ تھا جیسے کبوتر یا طوطے کا پنجرہ ہوتا ہے۔ وہ نوجوان اس پنجرے پر دونوں ہاتھ رکھے اونگھ رہا تھا۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو میرے اندر کا تجسس جاگا اور میں نے اُس سے بات کرنا چاہی۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ خالی پنجرہ تم گود میں رکھ کے بیٹھے ہو۔ وہ کہنے لگا کہ سر یہ پنجرہ کبھی خالی ہوتا ہے اور کبھی کبھی بھرا ہوا بھی ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ اس میں میرا کبوتر ہوتا ہے جو اس وقت اپنی ڈیوٹی پر گیا ہوا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ یہاں کھاد فیکٹری میں خراد یہ ہے اور ویلڈنگ کا کام بھی جانتا ہے اور چھوٹا موٹا الیکٹریشن کا کام بھی سمجھتا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے ہر روز اوور ٹائم لگانا پڑتا ہے اور میں پانچ بجے چھٹی کے وقت پھر گھر نہیں جا سکتا اور گھر پر فون ہے نہیں جس پر بتا سکوں کہ لیٹ آؤں گا لہٰذا میں نے اپنا یہ کبوتر پالا ہوا ہے۔ اس کو میں ساتھ لے آتا ہوں۔ جس دن میں نے اوور ٹائم لگانا ہوتا ہے اس دن میں اور میرا کبوتر اکٹھے رہتے ہیں اور میری بیوی کو پتہ چل جاتا ہے کہ ہم آج رات گھر نہیں آئیں گے لیکن جس دن اوور ٹائم نہیں لگانا ہوتا تو میں کبوتر چھوڑ دیتا ہوں۔ وہ پھڑ پھڑاتا ہوا اڑتا ہے اور سیدھا میری بیوی کی جھولی میں جا پڑتا ہے اور وہ قاصد کا کام کرتا ہے اور اسے پتہ چل جاتا ہے کہ آج اس کے خاوند نے گھر آنا ہے اور وہ کھانے پینے کا اہتمام کر دیتی ہے اور اس نے جو بھی مٹر قیمہ بنانا ہوتا ہے تیار کر دیتی ہے اور آج بھی کبوتر اپنی ڈیوٹی پر ہے۔ وہ کہنے لگا کہ صاحب میں پڑھا لکھا تو ہوں نہیں۔ میری چھوٹی سی عقل ہے۔ وہ میرا کبوتر گھر پہنچ چکا ہوگا۔ خواتین و حضرات پہلے تو مجھے اس پر بڑا تعجب ہوا کہ اس نے یہ بات سوچی کیسے؟

سوچی جانے والی بات کے حوالے سے حفیظ کا ایک بڑا کمال کا شعر ہے۔

لب پہ آتی ہے بات دل سے حفیظ
دل میں جانے کہاں سے آتی ہے

دل میں بات اس منبع سے آتی ہے جہاں سے سب کو علم عطا ہوتا ہے۔ یہ ان لوگوں کو بھی عطا ہوتا ہے جن کے پاس یونیورسٹی کی ڈگری نہیں ہوتی لیکن خدا کی طرف سے حصے کے مطابق ان کو علم عطا ہوتا رہتا ہے۔ وہ پنجرے والا کسی کے پیچھے نہیں گیا' کسی کا محتاج نہیں' کسی کی منت سماجت نہیں کی لیکن اس نے اپنی سوچ سے کبوتر کو پڑھایا' سمجھایا اور قاصد کا کام لیا۔

میرے پاس ولائیت اور یہاں کی بے شمار ڈگریاں ہیں لیکن اس سب علم اور ڈگریوں کے باوصف میرے پاس وہ کچھ نہیں ہے جو ایک پینڈو مالی کے پاس ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی عطا ہے۔ بڑی دیر کی بات ہے، ہم سمن آباد میں رہتے تھے۔ میرا پہلا بچہ جو نہایت ہی پیارا ہوتا ہے وہ میری گود میں تھا۔ وہاں ایک ڈونگی گراؤنڈ ہے جہاں پاس ہی صوفی غلام مصطفیٰ تبسم رہا کرتے تھے۔ میں اس گراؤنڈ میں بیٹھا تھا اور مالی لوگ کچھ کام کر رہے تھے۔ ایک مالی میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ ماشاء اللہ بہت

free-urdubook.blogspot.com

پیارا بچہ ہے۔ اللہ اس کی عمر دراز کرے۔ وہ کہنے لگا کہ جی میرا چھوٹے سے جو بڑا بیٹا ہے وہ بھی تقریباً ایسا ہی ہے۔ میں نے کہا ماشاء اللہ اس حساب سے تو ہم قریبی رشتہ دار ہوئے۔ وہ کہنے لگا کہ میرے آٹھ بچے ہیں۔ میں اس زمانے میں ریڈیو میں ملازم تھا اور ہم فیملی پلاننگ کے حوالے سے پروگرام کرتے تھے جب اس نے آٹھ بچوں کا ذکر کیا تو میں نے کہا کہ اللہ ان سب کو سلامت رکھے لیکن میں اپنی محبت آٹھ بچوں میں تقسیم کرنے پر تیار نہیں ہوں۔ وہ مسکرایا اور میری طرف چہرہ کر کے کہنے لگا ''صاحب جی محبت تقسیم نہیں کیا کرتے۔ محبت کو ضرب دیا کرتے ہیں۔''

وہ بالکل اَن پڑھ آدمی تھا اور اس کی جب سے کہی ہوئی بات اب تک میرے دل میں ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ واقعی یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی کے پاس کی ہنر یا عقل کی ڈگری ہو۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ سوچ وفکر کا ڈپلومہ حاصل کیا جائے۔

ہم نے تعلیم یافتہ اور اَن پڑھ کے الگ الگ درجے بنا لیے ہیں۔ اب بدقسمتی سے تعلیم میں بھی مسئلے پیدا ہو گئے ہیں اور تعلیم یافتہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ کا چکر شروع ہو گیا ہے۔ ایک بڑے اور ایک کم تر سکول کی باتیں ہونے لگی ہیں۔ پچھلے دنوں ایک مہندی کا پروگرام تھا میں بھی وہاں تھا۔ تو لڑکیاں ناچتی واچتی رہیں اور سخت ہنگامہ رہا۔ وہاں پانچ چھ لڑکیاں تھیں۔ وہ میرے ساتھ بات کرنے لگیں۔

انہیں آرزو تھی مجھ سے بات کرنے کی۔ انہوں نے مجھے دیکھا تو میرے پاس آ گئیں۔ جب وہ مجھ سے بات کر رہی تھیں تو میری پوتی چیل کی طرح میرے اوپر جھپٹی اور کہا کہ دادا یہ آپ کن سے باتیں کر رہے ہیں یہ تو اُردو میڈیم کی لڑکیاں ہیں۔ یعنی یہ بات ہمارے بچوں کے اندر بھی آ گئی ہے۔ اس بار عید پر میری بیوی نے ہمارے گوالے بشیر کو جو طبیعت کا بڑا سخت ہے اس سے کہا کہ ایک سیر دودھ زیادہ دے دو۔ اس نے کہا ''اچھا آپا جی''۔ ساتھ والوں نے بھی ایسے ہی زیادہ دودھ لیا اور ساتھ ساتھ کئی گھروں کو ان کی مرضی کے مطابق زیادہ دودھ دیا۔ میری بیوی نے اس سے بڑی شکایت کی اور اس سے کہا کہ بشیرے خدا کا خوف کرو اور کچھ شرم کرو تمہارا بڑا نام اور اچھی شہرت ہے اور تم اس محلے میں کب سے دودھ دے رہے ہو۔ اس مرتبہ تم ہم کو عید پر پانی والا دودھ دے گئے۔

اس نے جواب دیا ''آپا جی بات یہ ہے کہ عید کے قریب آ کر سب لوگ جب مجھ سے ایک ایک سیر زیادہ دودھ مانگیں گے تو میں ایک دن کے لیے نئی بھینس تو خرید نہیں سکتا۔ پھر ایسا ہی دودھ دوں گا۔'' اب میری بیوی کے پاس اس کو دینے کے لیے کوئی جواب نہیں تھا۔ میری آپ کی خدمت میں یہ درخواست ہی ہے اور ایک عرض ہی ہے کہ خدا کے واسطے ہم 20 لاکھ پڑھے لکھے لوگ دوسرے 14 کروڑ کو بھی اہمیت اور احترام دیں۔ انہیں اچھوت نہ سمجھیں اور ان سب کو اپنے ساتھ ملا لیں۔ انہیں مال میں سے حصہ نہ بٹائیں۔ رشتہ داری قائم نہ کریں لیکن انہیں پیار محبت اور عزت تو ضرور دے دیں۔ اگر ہم

ان کو اپنے قریب رکھیں گے اور اس حکم کا پاس کریں کہ کسی گورے کو کالے اور کالے کو گورے اور عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں ہے اور تم میں سے بڑا وہ ہے جو تقویٰ میں سب سے بڑا ہے۔ اگر اس فرمان پر عمل کریں تو یہ ان پڑھ سقراط اور آئن سٹائن ہمارے لیے ہی آسانیوں کا باعث بنیں گے اور ہمیں ویسے ہی عزت لوٹائیں گے جیسی ہم ان سے کریں گے۔ عجز وانکساری گو ایک مشکل بات ہے لیکن یہ تقویٰ کے حصول کے لیے ضروری ہے۔ ہمارے ہاں جتنے ''اکھان'' (ضرب الامثال) ہیں یہ سب ان پڑھ لوگوں نے اپنے تجربات سے بنائی ہیں کہ

مر جاویں گا بھائیا کھوتیا
اے ساوے پیٹھ کھلوتیا
اے آوا نئیوں مکنا
تے تو نئیوں چھٹنا

یہ ایک سوچ کی بات ہے ایسے ہی نہیں باہر آ جاتیں۔ یہ دانش کی اور فلسفیوں کی باتیں ہیں۔ آج کے بعد سے آپ ان فلسفیوں کو جن کے پیشے بہت چھوٹے ہیں۔ کوئی کوچوان ہے' کوئی حجام ہے' کوئی موچی ہے لیکن ان کے پاس ان کا ہنر ہے۔ ان کا بھی علم ہے اور یہ عزت کے جائز طور پر مانگنے والے ہیں اور ہم ایمانداری کے ساتھ انہیں ان کی عزت نہیں دے رہے۔ اُمید ہے کہ آپ میری درخواست پر ضرور توجہ فرمائیں گے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

free-urdubook.blogspot.com

بونگیاں ماریں، خوش رہیں

ہم اہل زاویہ کی طرف سے آپ سب کو سلام پہنچے۔ آج کے اس ''زاویے'' میں میرا کچھ سنجیدہ انداز اختیار کرنے کو جی نہیں چاہتا بلکہ آج کچھ ہلکی پھلکی سی باتیں ہونی چاہئیں اور میں سمجھتا ہوں کہ زندگی ہلکی پھلکی باتوں سے ہی عبارت ہے۔ ہم اس پروگرام کے شروع ہونے سے پہلے کچھ سنجیدہ اور گھمبیر قسم کی باتیں کر رہے تھے اور میرے ذہن میں یہ لہر بار بار اٹھ رہی تھی کہ پاکستان کے اندر ہماری بہت سی مشکل منازل موجود ہیں جن میں بہت بڑا ہاتھ ان اونچے پہاڑوں کا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے ہم کو عطا کیے ہیں۔ دنیا کا سب سے اونچا پہاڑ کے۔ ٹو پاکستان میں ہے۔ میں اسے سب سے اونچایوں کہوں گا کہ بہت سے جغرافیہ دان اور ہیئت دان یہ کہتے ہیں کہ ہمالیہ کی چوٹی اتنی اونچی نہیں ہے جتنی کہ کے۔ ٹو کی ہے۔ یہ ہمالیہ سے دو فٹ یا دو فٹ کچھ انچ اونچا ہے۔ کے۔ ٹو کی چوٹی ہمارے پاس ہے، ناگا پربت کی چوٹی ہمارے پاس ہے۔ راکاپوشی کی چوٹی کے ہم مالک ہیں۔ مجھے بھی آپ کی طرح ان چوٹیوں سے بڑی محبت ہے۔ اوپری منزل یا ان چوٹیوں پر پہنچنے کے لیے جب انسان رختِ سفر باندھتا ہے تو وہ صرف ایک ہی ذریعہ استعمال نہیں کرتا۔ پہلے انسان جیپ کے ذریعے پہاڑ کے دامن تک پہنچتا ہے پھر آپ کو ٹٹو یا خچر کی ضرورت محسوس ہوگی۔ اس کے بعد ایک مقام ایسا آ جائے گا کہ راستہ دشوار گزار ہو جائے گا اور پیدل چلنا پڑے گا۔ پھر ایک جگہ ایسی آئے گی جب آپ کو رسوں کا استعمال کرنا پڑے گا۔ تب کہیں جا کر آپ اوپر اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے۔ زندگی میں صحتِ جسمانی اور صحت روحانی کو برقرار رکھنے کے لیے انسان ایک ہی طریقہ علاج نہیں اپنا سکتا ہے بلکہ اسے مختلف طریقے اور ذرائع استعمال کرنا پڑتے ہیں۔ ایلوپیتھک علاج ہے، حکمت ہے، ہومیوپیتھک کا طریقہ ہے اس کے علاوہ چائنیز کا طریقہ علاج ہے جس میں وہ صبح سویرے اٹھ کر قدرت سے کرنٹ حاصل کرتے ہیں۔ ہم نے چائنا میں دیکھا کہ وہ صبح باہر کھڑے ہو کر ہاتھ ہلاتے رہتے ہیں اور قدرتی انرجی اپنے اندر سمیٹتے رہتے ہیں اور اپنی بیٹری چارج کرتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں اور چیزیں ہمارے ہاں ہمارے

free-urdubook.blogspot.com

بزرگوں، بڑوں اور بابوں نے بھی سوچی ہیں اور ان کی ان باتوں کو جو میرے جیسا آدمی بھی چوری چوری سنتا اور سیکھتا رہا ان میں ایک طریقہ علاج یہ بھی ہے کہ وہ روحانی ادویات کا استعمال رکھتے ہیں۔ خواتین وحضرات! یہ روحانی ادویات کہیں فروخت نہیں ہوتیں۔ کوئی ایسا بازار یا مرکز نہیں ہے جہاں سے جا کر ڈاکٹری نسخہ کی طرح روحانی ادویات خرید سکیں۔ نہ تو یہ گولیوں کی شکل میں ہوتی ہیں نہ یہ ٹنکچر ہوتی ہیں نہ ان کی ڈرپ لگ سکتی ہے اور نہ ہی یہ ٹیکوں کی صورت میں دستیاب ہوتی ہیں۔ یہ تو کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کا کچھ نہ ہونا سا بھی ہونے کی طرح سے ہے۔ میری اور آپ کی زندگی کا سارا دارومدار وہ یہی ہے کہ کوشش اور جدوجہد کرنی ہے اور یہی ہمیں پڑھایا اور سکھایا گیا ہے۔ لیکن چینی فلسفہ تاؤ کے ماننے والے کہتے ہیں کہ ٹھوس اور نظر میں آنے والی چیز اور جو بظاہر آپ کو مفید نظر آئے وہ درحقیقت مفید نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر آپ لاہور سے اسلام آباد جانا چاہتے ہیں۔ آپ اپنی کار نکالتے ہیں اور اسے سڑک پر تیزی سے بھگاتے ہیں۔ آپ کی یہ کوشش اور تیز بھگانا ایک ساکن چیز سے وابستہ ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ تیزی سے گھومتا ہوا پہیہ ایک نہایت ساکن دُھرے کے اوپر کام کرتا ہے۔ اگر وہ دُھرا ساکن نہ رہے اور وہ بھی گھومنے لگ جائے تو پھر بات نہیں بنے گی۔ اس کوشش اور جدوجہد میں تیزی سے مصروف پہیئے کے پیچھے مکمل سکون ہے اور خاموشی واستقامت اور حرکت سے مکمل گریز ہے۔ مجھ سے اور آپ سے یہ کوتاہی ہو جاتی ہے کہ ہم تیز چلنے کے چکر میں پیچھے اپنی روح کی خاموشی اور سکون کو توڑ دیتے ہیں۔ ہمارے سیاستدان بھی چلو بھاگو دوڑو کی رٹ لگاتے ہیں اور ''آوے ای آوے اور جاوے ای جاوے'' کے نعرے لگاتے ہیں۔ زندگی اللہ کی بنائی ہوئی ہے اور اس نے زندگی میں حسن رکھا ہے۔ میرے سامنے پڑی چائے کی پیالی کے در و دیوار اس کا کنڈا یہ مفید نہیں ہے بلکہ اس کا خلا مفید ہے۔ ہم پیالی کے کنارے پر چائے رکھ کے نہیں پی سکتے۔ اس لیے خلا کی اہمیت اس کی نظر آنے والی بیرونی خوبصورتی سے زیادہ ہے۔ ہم جس گھر میں رہتے ہیں وہ گھر کے خلا کے اندر رہتے ہیں۔ کیڑے مکوڑوں کی طرح دیوار میں گھس کر نہیں رہتے۔ دیواریں کسی کام نہیں آتیں بلکہ خلا کام آتا ہے۔ آپ زندگی کے ساتھ شدت کے ساتھ نہ چمٹ جایا کریں اور ہر مفید نظر آنے والی چیز کو بالکل ہی مفید نہ سمجھ لیا کریں۔ میں روحانی دوا کی بات کر رہا تھا جو عام کسی طبیب کے ہاں سے نہیں ملتی یا کسی ملٹی نیشنل لیبارٹری میں تیار نہیں ہوتی۔ یہ دوائیں آپ کو خود ہی بنانی پڑتی ہیں اور ان دواؤں کے ساتھ ایسے ہی چلنا پڑتا ہے جیسے بے خیالی میں آپ کسی کھلے رستے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان روحانی ادویات کا نسخہ بھی کسی جگہ سے لکھا ہوا نہیں ملتا ہے۔ یہ آپ کو اپنی ذات کے ساتھ بیٹھ کر اور خود کو ایک طبیعت کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھنے کے انداز میں پوچھنا پڑتا ہے کہ باباجی یہ میری خرابی ہے اور یہ میری الجھن ہے اور پھر آپ ہی کے اندر کا وجود یا طبیب بتائے گا کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔ جب آپ خود

free-urdubook.blogspot.com

اپنی ذات سے خامیاں خوبیاں پوچھنے اور سوال و جواب کرنے بیٹھ جاتے ہیں تو مسئلے حل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ڈپریشن کے مرض سے پریشان ہیں۔ کروڑوں روپے کی ادویات سے ڈپریشن ختم کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں اور یہ مرض ایسا ہے کہ خوفناک شکل اختیار کرتا جارہا ہے اور اچھوت کی بیماری لگتا ہے۔ ہمارے بابے جن کا میں ذکر کرتا ہوں وہ بھی اس Stress یا ڈپریشن کے مرض کا علاج ڈھونڈنے میں لگے ہوئے ہیں تاکہ لوگوں کو اس موذی مرض سے نجات دلائی جائے۔ پرسوں ہی جب میں نے بابا جی کے سامنے اپنی یہ مشکل پیش کی تو انہوں نے کہا کہ کیا آپ ڈپریشن کے مریض کو اس بات پر مائل کر سکتے ہیں کہ وہ دن میں ایک آدھ دفعہ "بونگیاں" مار لیا کرے۔ یعنی ایسی باتیں کریں جن کا مطلب اور معانی کچھ نہ ہو۔ جب ہم بچپن میں گاؤں میں رہتے تھے اور جوہڑ کے کنارے جاتے تھے اور اس وقت میں چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا اس وقت بھی پاپ میوزک آج کل کے پاپ میوزک سے بہت تیز تھا اور ہم پاپ میوزک یا گانے کے انداز میں یہ تیز تیز گاتے تھے

"مور پاوے پیل
سپ جاوے کھڈ نوں
بگلا بھگت چک لیاوے ڈڈ نوں
تے ڈڈاں دیاں لکھیاں نوں کون موڑ دا"

(مور ناچتا ہے جبکہ سانپ اپنے سوراخ یا گڑھے میں جاتا ہے۔ بگلا مینڈک کو خوراک کے لیے اچک کر لے آتا ہے اور اس طرح سب اپنی اپنی فطرت پر قائم ہیں اور مینڈک کی قسمت کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے) ہم کو زمانے کے اس قدر سنجیدہ اور سخت کر دیا ہے کہ ہم بونگی مارنے سے بھی قاصر ہیں۔ ہمیں اس قدر تشنج میں مبتلا کر دیا ہے کہ ہم بونگی بھی نہیں مار سکتے باقی امور تو دور کی بات ہیں۔ آپ خود اندازہ لگا کر دیکھیں آپ کو چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت ایسا نہیں ملے گا جب آپ نے بونگی مارنے کی کوشش کی ہو۔ لطیفہ اور بات ہے۔ وہ باقاعدہ سوچ سمجھ کر موقع کی مناسبت سے سنایا جاتا ہے جبکہ بونگی کسی بھی وقت ماری جا سکتی ہے۔ روحانی ادویات اس وقت بننی شروع ہوتی ہیں جب آپ کے اندر معصومیت کا ایک ہلکا سا نقطہ موجود ہوتا ہے۔ یہ عام سی چیز ہے چاہے سوچ کر یا زور لگا کر ہی لائی جائے خوبصورت ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

بہتر ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

عقل کو رسیوں میں جکڑنا نہیں اچھا جب تک عقل کو تھوڑا آزاد کرنا نہیں سیکھیں گے۔ ہماری کیفیت رہی ہے جیسی گزشتہ 53 برسوں میں رہی ہے (یہ پروگرام سن 2000ء کو نشر ہوا تھا) صوفیائے کرام اور بزرگ کہتے ہیں کہ جب انسان آخرت میں پہنچے گا اور اس وقت ایک لمبی قطار لگی ہوئی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ وہاں موجود ہوں گے وہ آدمی سے کہے گا کہ "اے بندے میں نے تجھے جو معصومیت دے کر دنیا میں بھیجا تھا وہ واپس دے دے اور جنت میں داخل ہو جا۔"

جس طرح گیٹ پاس ہوتے ہیں اللہ یہ بات ہر شخص سے پوچھے گا لیکن ہم کہیں گے کہ یا اللہ ہم نے تو ایم-اے ایل-ایل-بی یا پی-ایچ-ڈی بڑی مشکل سے کیا ہے لیکن ہمارے پاس وہ معصومیت نہیں ہے لیکن خواتین و حضرات! روحانی دوا میں معصومیت وہ اجزائے ترکیبی یا نسخہ ہے جس کا گھوٹا لگے گا تو روحانی دوا تیار ہوگی اور اس نسخے میں بس تھوڑی سی معصومیت درکار ہے۔ اس دوائی کو بنانے کے لیے ڈبے، بوتلیں وغیرہ نہیں چاہئیں بلکہ جب آپ روحانی دوا بنائیں تو سب سے پہلے ایک تھیلی بنائیں جس طرح جب ہم بڈھے لوگ سفر کرتے ہیں تو دواؤں کی ایک تھیلی اپنے پاس رکھتے ہیں۔ بہت سی ہوائی کمپنیاں ایسی ہیں جن کے ٹکٹ پر لکھا ہوتا ہے کہ Check your passport your visa and their validity and your medicine bage. آپ کو بھی ایک تھیلی تیار کرنی پڑے گی جس کے اندر تین نیلے منکے یا جو بھی آپ کی پسند کا رنگ ہے اس کے منکے اور اعلیٰ درجے کی کوڈیاں، ایک تتلی کا پَر۔ اگر تتلی کا پَر نہ ملے تو کالے کیکر کا پھل۔ کوئی چھوٹی سی آپ کی پسند کی تصویر۔ چھوٹے سائز میں سورة رحمٰن اور اس کے اندر ایک کم از کم 31 دانوں یا منکوں والی تسبیح ہونی چاہیے۔ اس تھیلی میں ایک لیمن ڈراپ ہونا چاہیے۔ اس تھیلی میں ایک سیٹی اور ایک پرانا بلب بھی رکھیں۔ پھر آپ لوٹ کر معصومیت کی طرف آئیں گے۔ یہ میری پسند کی چیزوں پر مبنی تھیلی ہے۔ آپ اپنی پسند پر مبنی چیزیں اپنی تھیلی میں رکھ سکتے ہیں۔ اس پر کوئی پابندی نہیں ہے لیکن یہ تھیلی ہونی ضرور چاہیے کیونکہ ہم معصومیت سے اتنے دور نکل گئے ہیں اور اس قدر سمجھدار ہو گئے ہیں اور چالاک ہو گئے ہیں کہ اللہ نے جو نعمت ہمیں دے کر پیدا کیا تھا اس سے آج تک فائدہ اٹھا ہی نہیں سکے۔ خداوند تعالیٰ نے کہا تھا کہ "میں تمہارا ذمہ دار ہوں رزق میں دوں گا۔ عزت و شہرت تمہیں میں دوں گا اور اولاد سے نوازوں گا" لیکن ہم کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو خود بڑے عقلمند آدمی ہیں۔ یہ ساری چیزیں ہم اپنی عقلمندی سے پا سکتے ہیں اور اسی زعم میں تشنج کی زندگی میں مبتلا ہیں۔ میرا چھوٹا پوتا اولیس سکول میں پڑھتا ہے۔ وہ ایک دن سکول سے آیا تو بڑا پریشان تھا اور گھبرایا ہوا بھی تھا۔ اس نے اپنی ماں سے کہا کہ "ماما آج سکول میں کھیلتے ہوئے میری قمیض کا بٹن ٹوٹ گیا ہے۔ میں نے اپنا بٹن تو تلاش کر لیا لیکن مجھے وہ دھاگہ نہیں ملا جس سے یہ لگا ہوا تھا۔"

اب آپ اندازہ کریں کہ ہم اپنے بچوں کو کس انتہا درجے کی اور پریشان کن ذمہ داری سکھا

free-urdubook.blogspot.com

رہے ہیں۔ میں نے اسے گود میں اٹھا لیا اور کہا کہ بیٹا بٹن جب گرتا ہے تو اس کے ساتھ دھاگہ نہیں گرتا۔ اس کی ماں ہنسنے لگی کہ دیکھو کتنا بے وقوف ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ یہ کتنا بے وقوف نہیں بلکہ کتنا معصوم ہے۔ ہم کتنا بھی بچوں کو سکھا لیں لیکن ان سے قدرتی معصومیت تو جاتے جاتے ہی جائے گی۔ خواتین و حضرات اس معصومیت کو ہمیں واپس لانا ہے۔ جب تک ہمیں وہ نہیں ملے گی ہم اپنا علاج نہیں کر پائیں گے۔ آپ نے جو تھیلی بنائی ہے اسے آپ نے ہفتے میں دو تین مرتبہ کھول کر بھی دیکھنا ہے۔ اگر اسے نہیں دیکھیں گے تو آپ کی مشکلات دور نہیں ہوں گی۔ یہ معصومیت کی تھیلی آپ کو سکون فراہم کرے گی۔ آپ کی معصومیت لوٹائے گی۔ اونچی منزل تک پہنچنے کے لیے رسی درکار ہوتی ہے۔ صرف پیدل چل کر ماؤنٹ ایورسٹ سر نہیں ہو سکتا۔ میرے خالہ زاد بھائی کی بیٹی جو میری بھتیجی بھی لگتی ہے اس کی شادی تھی اور رخصتی کے وقت ہماری وہ بیٹی سب سے مل رہی تھی اور وہ اپنے باپ سے بھی بڑی محبت سے جپھی ڈال کے ملی۔ پھر اس نے اپنے پرس سے کچھ نکال لیا اور وہ نکالی ہوئی پڑیا سی اپنے والد کو دے دی۔ اس کے بعد جب وہ مجھے ملنے لگی تو میں نے کہا بیٹا وہ تو نے پرس سے نکال کر اپنے باپ کو کیا دیا ہے۔

وہ کہنے لگی تایا کچھ نہیں تھا۔

میں نے کہا کہ میری آنکھوں نے کچھ دیکھا ہے۔

وہ کہنے لگی کہ تایا جان میں نے ابو کا کریڈٹ کارڈ انہیں واپس کیا تھا کیونکہ اب میں نے ایک اُلو اور پکڑ لیا ہے۔ اس کے پاس بھی کریڈٹ کارڈ ہوگا۔ مجھے اس کا وہ انداز اور معصومیت بڑی پسند آئی۔ اگر میرے جیسا لالچی ہوتا تو کہتا کہ ایک یہ بھی رکھ لیتا ہوں ایک دوسرا ہوگا۔ ابو نے کیا کہنا ہے۔ میں اپنے اور آپ کے لیے یہ تجویز کروں گا کہ ڈپریشن کے مرض کی کسی اور طرح سے گردن نہیں ناپی جا سکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ آپ اس کی آنکھ میں آنکھ ڈال کے دو عدد بونگیاں نہ ماریں۔ ان بونگیوں سے ڈپریشن دُور بھاگتا ہے۔ سنجیدگی کو اگر گلے کا ہار بنائیں گے تو جان نہیں چھوٹے گی۔ ہم اس آرزو کے ساتھ کہ ساری دنیا اور بالخصوص میرے ملک کے لوگوں کو اللہ آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

آٹوگراف

میں اب جب کبھی اپنے بالا خانے کی کھڑکی کھول کے دیکھتا ہوں تو میرے سامنے ایک لمبی گلی ہوتی ہے جو بالکل سنسان اور ویران ہوتی ہے۔ جب میں اسے دور تک دیکھتا ہوں تو لے دے کے ایک ہی خیال میرے ذہن میں رہتا ہے کہ یہاں وہ شخص رہتا ہے، جس نے 1982ء میں میرے ساتھ یہ زیادتی کی تھی کہ اس کے سامنے وہ شخص رہائش پذیر ہے جو 1971ء میں میرے ساتھ قطع تعلق کر کے اپنے گھر بیٹھ گیا اور اس کے بعد سے ہم نے ایک دوسرے سے کوئی بات تک نہیں کی۔ سارے محلے میں سارے رشتے کچھ اسی طرح کے ہو چکے ہیں اور باوصف اس کے کہ کہیں کہیں ہم ایک دوسرے سے سلام و دعا بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے احوال بھی دریافت کرتے ہیں لیکن اندر سے ہم بالکل کٹ چکے ہیں اور ہمارے اندر جو انسانی رشتے تھے وہ بہت دور چلے گئے ہیں۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کچھ لوگوں کو فیل ہونے کا بڑا شوق ہوتا ہے اور وہ ساری زندگی Failure میں گزار دیتے ہیں۔ ان کا تعلق ہی ناکامی سے ہوتا ہے۔ انہیں اندر ہی اندر یہ خدشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں میں کامیاب نہ ہو جاؤں۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ میں کامیاب زندگی بسر کرنے لگوں اور ایک اچھا Relaxed اور پرسکون شخص بن کر اس معاشرے کو کچھ عطا کر کے پھر یہاں سے جاؤں۔ ان لوگوں میں میں بھی شامل ہوں۔ یہ سارے الزام اور Blames جو مجھ کو میری زندگی میں لوگوں کی طرف سے ملتے رہے ہیں میں انہیں اکٹھا کر کے گلدستے کی طرح باندھ کے ان کی Catalog کر کے اپنی کاپی یا ڈبے کے اندر ایسے ہی محفوظ کرتا رہتا ہوں جیسے لڑکیاں اپنے البم سجاتی ہیں۔ گو اب ان کے البموں میں بھی پہلے سی تصویریں نہیں رہی ہیں بلکہ ان کے دل کے البموں میں بھی وہ سارے کے سارے دکھ ایسے ہی ہیں کہ فلاں شخص نے مجھے طعنہ دیا اور فلاں شخص نے مجھے فلاں کہا اور میں نے اسے نوٹ کر کے دل کی ڈائری میں درج کر لیا۔ یہ چیز کچھ اس شدت کے ساتھ عام ہو گئی ہے کہ اس کا نکالنا Psychiatrist اور سائیکی سمجھنے کے ماہر افراد اور ڈاکٹروں کے لیے اور ان کے ساتھ ساتھ پیروں فقیروں کے لیے بھی مشکل ہو گیا ہے۔

free-urdubook.blogspot.com

جب ہم ایسے مسائل لے کر جگہ بہ جگہ مارے مارے پھرتے ہیں کہ ہمارے ذہن میں کنکھجورے کی طرح چمٹا اور جما ہوا خیال کیسے نکالا جائے اور اس سے کیسے چھٹکارہ حاصل کیا جائے۔ اس حوالے سے ہمارے بابے ایک ہی بات کرتے ہیں کہ اس کے لیے مراقبے کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ جب تک آپ شام کے وقت مغرب کے بعد کسی تنہائی کے ماحول میں اپنی ذات کا مطالعہ نہیں کریں گے تب تک آپ پر یہ حقیقت آشکار نہیں ہوگی کہ میرا رویہ ناکامی کی طرف کیوں بڑھ رہا ہے۔ میں اس کی طرف کیوں رجوع کر رہا ہوں حالانکہ مجھے تو زندگی میں کامیاب ہونے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور میں ایک کامیاب زندگی کا پیغام لے کر آپ کے پاس آیا ہوں لیکن پریشانی کا معاملہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات کا مطالعہ نہیں کر سکتا اور ساری زندگی دوسروں کے ساتھ جھگڑتا چلا جاتا ہے حالانکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے ایک اعلیٰ درجے کا کمپیوٹر دیا ہوا ہے جو اس کی اپنی ذات ہے اور وہ اس کمپیوٹر کو آپریٹ بھی کر سکتا ہے اور سکرین کے اوپر ساری تصویر آسکتی ہے کہ خطا اور خامی کس کی ہے لیکن ہم اس کمپیوٹر کو جو ہمارے اندر فٹ ہے اسے Operate کرنا نہیں جانتے ہیں۔ جانتے اس لیے نہیں ہیں کہ کسی نے ہمیں تلاوت وجود کا فن نہیں سکھایا۔ آپ کا وجود بھی کتاب ہی کی مانند ہے۔ اس کی تلاوت کیے بغیر آپ پر راز اور حقائق نہیں کھلیں گے اور آپ اس کے برعکس سیدھے سبھاؤ اس سمت میں چلتے جاتے ہیں کہ گویا اس شخص نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا تھا تو میں اب اس کے ساتھ یہ سلوک کروں گا جبکہ دونوں کا سلوک اپنے اپنے مقام پر اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ اس بات کو جانچا اور چھانٹا جائے کہ کہاں میری غلطی ہے اور کہاں اس کی غلطی ہے اور جہاں پر اپنی غلطی نکلے وہاں بھی میں اپنی غلطی کا سہارا لے کر اور خود کو ہی غلط قرار دے کر اس کی طرف رجوع کروں۔

جب ہم لاہور سمن آباد میں رہتے تھے اس وقت سمن آباد ایک چھوٹی سی بستی ہوتا تھا اب تو ماشاء اللہ بہت بڑی ہوگئی ہے۔ وہاں میرے چچا کا سامنے والے گھر سے بڑا جھگڑا تھا۔ اس گھر میں ایک صاحب اور میرے چچا اکٹھے ہی مسجد نماز پڑھنے جاتے تھے لیکن وہ ایک دوسرے سے بولتے نہیں تھے۔ میں چچا سے کئی بار کہتا تھا کہ آپ بزرگ ہیں ان سے کوئی کلام کریں تو وہ کہتے "یار لعنت بھیجو تم نے اس کی شکل دیکھی ہے وہ ہے ہی منحوس اور اس کا گھر دیکھو۔ بالکل ٹیڑھا ٹیڑھا سا ہے۔ جب اس کا گھر ہی سیدھا نہیں ہے تو یہ کیسے ٹھیک شخص ہوگا۔"

میں ان سے کہتا تھا کہ نہیں چچا آپ کی طبیعت میں غصہ ہے اس لیے آپ کو ایسا لگتا ہے۔ خواتین و حضرات آپ بھی اپنی ذات پر نظر دوڑا کر دیکھیں۔ آپ کو بھی اس طرح کے ہزار قصے ملیں گے جو آپ کی ذات سے وابستہ ہوں گے۔

ایک روز وہ صاحب جن سے ہمارے چچا کی لڑائی تھی وہ ایک تحریر لے کر چچا کے پاس

free-urdubook.blogspot.com

آ گئے۔ وہ عربی کی تحریر تھی۔ انہوں نے چچا سے جو کچھ کچھ عربی جانتے تھے ان سے کہا کہ خان صاحب آپ ذرا دیکھ لیں کہ یہ کیا لکھا ہے۔ چچا نے عجیب ناگواری سے ''پھوں' پھوں'' کر کے وہ کاغذ ان صاحب کے ہاتھ سے لیا اور دیکھ کر کہنے لگے کہ مجھے تو اس میں ایسی کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔ اس صاحب نے پھر کہا کہ خان صاحب میں آپ سے ''اِس'' فقرے کے معانی پوچھنا چاہتا ہوں۔ چچا کہنے لگے کہ میرے پاس اس وقت عینک نہیں ہے' نہیں تو میں آپ کو ضرور بتا دیتا۔ تب ان صاحب نے اپنی عینک آگے بڑھا دی (ہم بڈھوں کی عینک کا نمبر تقریباً ایک ہی ہوتا ہے)

چچا وہ عینک لگا کر پڑھنے لگے اور سر اٹھا کر ان صاحب کو دیکھا اور مخاطب کر کے کہنے لگے کہ شیخ صاحب آپ کا گھر بہت خوبصورت ہے' تو انہوں نے کہا جی آپ کی بڑی مہربانی۔ چچا نے پھر اس سے کہا کہ اب تو آپ کا چہرہ بھی اچھا ہو گیا تو انہوں نے (شیخ صاحب) کہا کہ ہاں جی میں دو سال بیمار رہا ہوں۔ میں وہاں بیٹھا تھا۔ میں نے کہا چچا جی یہ ساری شیخ صاحب کی عینک کی برکت ہے۔ جب آپ نے ان کی عینک پہنی ہے تو آپ کو ان کا گھر بہت پیارا لگنے لگا ہے اور ان کی شخصیت بھی اچھی لگنے لگی ہے۔ آپ نے کبھی ان کو ان کی عینک سے دیکھا ہی نہیں تھا۔ اس طرح ہم نے اپنے ساتھیوں کو کبھی ان کی عینک اور زاویے سے دیکھا ہی نہیں۔ پھر ہم ان کی مشکلات کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ ہمارے ملک میں خاص طور پر لوگوں کے درمیان کدورتیں کچھ اس انداز میں بڑھ رہی ہیں کہ وہ حقیقت میں نفرتوں یا کدورتوں کا درجہ رکھتی نہیں ہیں۔ بس ایک بات دل میں بیٹھ گئی اور ہم اس پر ایمان لے آئے اور اسی لکیر کو پیٹنا شروع کر دیا۔ میں خاص طور پر بچیوں میں یہ بات آج کل بڑی نوٹ کرتا ہوں کہ ان میں یہ بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے اور ان کے دل میں یہ بات Feed ہو گئی ہے کہ ساس تو ایک واہیات سی چیز ہوتی ہے۔ یہ تو اچھی ہوتی ہی نہیں ہے اور جب یہ تہیہ کر لیا جائے کہ بس ساس نے تو ایسے ہی ہونا ہے اب میں نے تو ایم۔ اے کر رکھا ہے۔ میں Educated ہوں' میں غلط ہو ہی نہیں سکتا یا سکتی۔ اگر ایک پڑھا لکھا شخص یا لڑکی یہ سوچ بھی کہ میں مثال کے طور پر اپنی ساس کو دوسرے زاویے سے ڈیل کر کے ماحول بہتر بنا سکتا ہوں لیکن یہ ہم سے بالکل نہیں ہوتا اور وہ ڈگریاں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں جیسے جاہل ساس کرتی ہے اس کو ویسا ہی جواب ملتا ہے۔

ایک بار جب میری نواسی کے لیے رشتے کی بات چلی تو وہ مجھ سے کہنے لگی کہ نانا جب لڑکا دیکھنے جائیں تو آپ ساتھ ضرور جائیں ایک تو آپ میرے خفیہ ایجنٹ ہیں اور دوسرا مجھے ابو امی اور بھنوں پر اعتبار نہیں ہے اور آپ صرف یہ بات ہی نوٹ کرنا کہ میرا جو ہونے والا شوہر ہے یا جس سے میری بات طے پا رہی ہے اس ''بدبخت'' کی کتنی بہنیں ہیں۔ آپ مجھے میری نندوں کے بارے میں بتانا۔ یعنی ابھی کوئی بات نہیں ہوئی اس نے کسی کو نہیں دیکھا لیکن تعداد کے اعتبار سے ہی وہ بچاری اتنی

free-urdubook.blogspot.com

پریشان ہو رہی تھی اور وہ کہہ رہی تھی کہ اگر وہ زیادہ ہوئیں تو میں نے وہاں شادی نہیں کرنی۔ میں نے اسے آ کر بتایا کہ بھئی وہ پانچ ہیں۔ تین کی شادی ہو گئی اور ابھی دو کی نہیں ہوئی تو اس نے کہا ''دفع دور میں نے وہاں شادی نہیں کرنی۔''

آپ اکثر دیکھتے ہوں گے کہ یہ جو مسلکی اور دینی جھگڑے ہوتے ہیں' فسادات ہوتے ہیں اس میں مسلک کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ کوئی بھی مسلک جھگڑے کا درس یا اس کی ترغیب نہیں دیتا لیکن چونکہ الزام دھر دیا جاتا ہے اس لیے اس الزام کو سہارنا یوں مشکل ہو جاتا ہے کہ الزام دھرنے والا کبھی بھی اس بات کی طرف توجہ نہیں دیتا کہ وہ جو یہ الزام دھر رہا ہے شاید وہ خود بھی اسی الزام کا مارا ہوا ہے اور وہی خرابی اس میں بھی موجود ہے۔ بہت دیر کی بات ہے میری ابھی شادی نہیں ہوئی تھی اور میں نوجوان تھا۔ ایک دفعہ ہم لاہور سے براستہ جی ٹی روڈ پنڈی جا رہے تھے۔ دوپہر کو ہم نے گجرات میں کھانا وانا کھایا۔ ہم جب کھانا کھا کے چل پڑے تو تھوڑی دور جا کر میری والدہ کو خیال آیا کہ میری عینک تو وہیں رہ گئی ہے اور انہوں نے ''اقبال' اقبال'' کہا (وہ میرے بڑے بھائی کا نام ہے) اباجی نے کہا کہ سب عورتوں کا یہی حال ہے۔ ان کو کبھی وقت پر کوئی چیز یاد نہیں رہتی۔ انہیں اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ سفر کر رہی ہیں اور دھیان رکھنا ہے۔ بھائی نے کہا کوئی بات نہیں ہم راؤنڈ ٹرن لیتے ہیں اور عینک لے لیتے ہیں۔ ابھی کون سا زیادہ دور گئے ہیں البتہ ہم دوبارہ وہاں پہنچ گئے جہاں سے کھانا کھایا تھا۔ جب ہم عینک لے کر چلنے لگے تو اباجی نے کہا کہ لو اگر اب ہم یہاں آ ہی گئے ہیں تو میں اپنا مفلر بھی دیکھ لوں جو میں یہاں غسل خانے میں بھول آیا تھا۔ اب وہ اماں کی سرزنش تو کر رہے تھے لیکن انہیں اپنی غلطی نظر نہیں آ رہی تھی۔

خواتین و حضرات! انسانی زندگی میں ہم اکثر ایسی حرکتیں ضرور کر دیتے ہیں اور ہمارے اندر وہ وسعت قلبی پیدا نہیں ہوتی جو ہماری تربیت کا ایک خاصا ہے۔ یہ تو انفرادی مشکلات ہیں لیکن بعض اوقات خاندانوں کے اندر بھی Blame کی کیفیت چلتی چلی جاتی ہے۔ آپ کا کسی اس خاندان کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا جس سے آپ کے دادا لڑے تھے۔ نئی نسلیں آ جاتی ہیں لیکن آپ کو حکم دے دیا جاتا ہے کہ خبردار اس خاندان سے بات نہیں کرنی اور وہ کام چلا آتا ہے۔ بھئی کیوں بات نہیں کرنی۔ وہ ماضی کی بات تھی گئی آئی ہوئی۔ آپ اپنی سیاسی پارٹیوں میں دیکھیں ان میں کسی دانش اور منطقی بات پر کوئی اختلاف نہیں ہوتا لیکن کہا جاتا ہے کہ نہیں جی بس وہ اس سائیڈ پر اور میں اس سائیڈ پر ہوں اور وہ پارٹی ہی پھٹ پھٹ کے بیچ میں سے کچھ اور نکلتی آتی ہے اور اسی وجہ سے ہماری جمہوریت کا اونٹ کسی کروٹ بیٹھتا نہیں ہے اور ہم اس Tradition کو لے کر بس چلے آتے ہیں۔

میں نے ایک قصہ ایسا بھی سنا جب میں حضرت مائلؒ جو بڑے صوفی بزرگ تھے۔ وہ مغرب

free-urdubook.blogspot.com

کی نماز ادا کرنے کے بعد ذکر جہری کیا کرتے۔ جب وہ اونچی آواز میں ذکر کرتے تھے تو ان کی بلی جو ڈیرے پر رہتی تھی وہ آ کے صفوں کو کھدیڑنا شروع کر دیتی تھی اور شور مچاتی تھی۔ آپؒ نے حکم دیا کہ جب ذکر شروع ہو تو اس بلی کو رسی ڈال کے باندھ دیا جائے کیونکہ یہ شرارتیں کرتی ہے۔ ان کے خادمین نماز کے فوراً بعد بلی کو رسی ڈال کے ایک کھونٹی کے ساتھ باندھ دیتے تھے اور ذکر چلتا رہتا تھا۔ بعد ازاں اس بلی کو آزاد کر دیا جاتا تھا۔ جب حضرت مائلؒ فوت ہو گئے اور ان کی جگہ جو بھی گدی نشین یا خلیفہ ہوئے انہوں نے بھی ذکر کرانا شروع کر دیا اور بلی کو بدستور باندھا جاتا رہا۔ ایک ایسا وقت بھی آیا کہ وہ بلی فوت ہو گئی۔ ڈیرے پر بھی یہ صلاح و مشورہ ہوا کہ ایک نئی بلی خریدی جائے اور ایک نئی رسی لی جائے اور اسے بھی عین ذکر کے وقت باندھ دیا جائے چنانچہ ایک نئی بلی اور رسی خریدی گئی اور اسے بھی اس طرح سے باندھا جانے لگا۔ پچھلی بلی پر جو الزام تھا وہ نئی بلی پر بھی اسی طرح عائد کر دیا گیا حالانکہ پہلے والی بلی مر کھپ چکی تھی۔ تاریخ دان لکھتے ہیں کہ اس آرڈر یا اس انداز کا جو حضرت مائلؒ نے شروع کیا تھا اس میں یہ شرط ہے کہ ذکر جہری اس وقت شروع کیا جائے جب کہ ایک بلی موجود ہو اور اس کو اسی سے باندھا جائے۔ یہ انسانی زندگی میں بھی ایسی ہی رسی سے باندھی ہوئی ایک بلی ہے جو ہماری معاشرتی زندگی میں بھی داخل ہو چکی ہے اور وہ رسم چلتی چلی آتی ہے اور ہم اس کدورت کو ختم کرنے کی بجائے جو آپ کی ایک کھڑکی کھولنے سے شروع ہوتی ہے آپ طرح طرح کی اور کھڑکیاں کھولتے چلے جاتے ہیں اسی لیے میں عرض کیا کرتا ہوں کہ یہ بابوں کے ڈیرے ہوتے تھے جہاں بیٹھ کر ایسی ہی مشکلوں اور چیزوں کے علاج کرتے تھے۔ نہ تو وہ ڈاکٹر ہوتے تھے نہ وہ کوئی بڑے عالم دین ہوتے تھے نہ ہی بڑے ناصح ہوتے تھے وہ کچھ ایسی محبت کی پڑیا بندے کو عطا کرتے تھے جو نفسیاتی مشکلات اور ڈپریشن کا کاٹ کرتی تھی اور اس سے انسان کی طبیعت اور روح سے بوجھ ختم ہو جاتا تھا۔ آپ سارے صوفیاء کی تاریخ دیکھ کر بتائیں کہ انہوں نے لوگوں کو کس کس طرح سے ٹھیک کیا اور راحت دی۔ ان کے علاج میں مذہب کی بھی تمیز نہیں ہوتی تھی۔ وہ تمام بندوں کو پانے قریب لے آتے تھے۔ میں سوچتا ہوں کہ بندے کی اکثر یہ آرزو رہتی ہے اور میری بھی ایسی یہ تمنا ہوتی ہے اور میں نوجوانوں کی طرح اس عمر میں اپنی آٹوگراف بک لے کر گھومتا ہوں اور ایسے لوگوں کے آٹوگراف حاصل کرنا چاہتا ہوں جو آسائش اور آسانی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کچھ لوگوں کو اداکاروں یا گانے والوں کے آٹوگراف لینے کا شوق ہوتا ہے۔ میں ایسے لوگوں کے آٹوگراف لینے کا خواہش مند ہوں جن پر دنیا کے جھمیلوں کا تشنج یا بوجھ نہیں ہے۔ میرے پاس جتنے بھی کاغذ ہیں ان میں دستخط تو کم لوگوں کے ہیں جبکہ انگوٹھے زیادہ لوگوں نے لگائے ہیں۔ کسی لکڑہارے کا انگوٹھا ہے، کسی ترکھان کا ہے، کسی قصائی کا ہے اور دیگر سخت سخت پیشے والوں کے انگوٹھے بھی ہیں۔ ابھی تازہ تازہ میں نے جو انگوٹھا لگوایا ہے وہ میں نے

لاہور سے قصور کے راستے کے درمیان میں آنے والے چھوٹے سے شہر یا منڈی مصطفیٰ آباد للیانی سے لگوایا۔ میرے منجھلے بیٹے کو پرندوں کا بڑا شوق ہے۔ اس نے گھر میں پرندوں کے دانا کھانے کے ایسے ڈبے لگا رکھے ہیں جن میں Automatically دانے ایک ایک کر کے گرتے رہتے ہیں اور پرندے شوق سے آ کے کھاتے رہتے ہیں۔ جب ہم قصور سے لاہور آ رہے تھے تو اس نے للیانی میں ایک دکان دیکھی جس میں پانچ پانچ کلو کے تھیلے پڑے ہوئے تھے جن میں باجرہ اور ٹوٹا چاول وغیرہ بھرے ہوئے تھے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ ابو یہ پرندوں کے لیے بہت اچھا دانا ہے۔ میرا بیٹا اس دکان سے چاول اور باجرہ لینے گیا تو اس نے پوچھا کہ آپ کو یہ دانے کس مقصد کے لیے چاہئیں تو میرے بیٹے نے اسے بتایا کہ پرندوں کو ڈالنے کے لیے۔ اس پر اس دکاندار نے کہا کہ آپ کنگنی بھی ضرور لیجیے کیونکہ کچھ خوش الحان پرندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو باجری نہیں کھا سکتے بلکہ کنگنی کھاتے ہیں۔ وہ بھی پھر کنگنی کھانے آپ کے پاس آیا کریں گے۔ اس نے کہا کہ بسم اللہ کنگنی ضرور دے دیں اور اس رہنمائی کا میں آپ کا عمر بھر شکر گزار رہوں گا۔ وہ چیزیں لے کر جب اس نے پرس نکالنے کی کوشش کی تو نہ ملا۔ جیبوں' گاڑی آس پاس ہر جگہ دیکھا لیکن وہ نہ ملا تب وہ تینوں تھیلے گاڑی سے واپس اٹھا کر دکاندار کے پاس گیا اور کہا کہ میں معافی چاہتا ہوں میں تو اپنا بٹوہ ہی بھول گیا ہوں۔

اس دکاندار نے کہا کہ "صاحب آپ کمال کرتے ہیں یہ لے جائیں پیسے آ جائیں گے۔"

میرے بیٹے نے کہا کہ آپ تو مجھے جانتے نہیں ہیں!

وہ دکاندار بولا کہ میں تو آپ کو جانتا ہوں۔

وہ کیسے میرے بیٹے نے کہا۔

دکاندار گویا ہوا "صاحب جو شخص پرندوں کو دانا ڈالتا ہے وہ بے ایمان نہیں ہو سکتا۔"

میں نے جھٹ سے اپنی آٹوگراف بک نکالی اور اس کا انگوٹھا لگوا لیا۔ ایسے ہی میرے پاس کئی لوگوں کے دستخط اور انگوٹھے موجود ہیں۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور ان لوگوں کی طرح جن کے میرے پاس آٹوگراف موجود ہیں۔ ان کی طرح آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

free-urdubook.blogspot.com

''چاہیے'' کا روگ

میں آپ کو اکثر ایسی باتیں بھی بتاتا رہتا ہوں جو آپ کے مطالعے' مشاہدے یا نظر سے کم ہی گزری ہوں گی۔ ایک زمانے میں تو ہمارے ہاں بہت سی درگاہیں اور ''زاویے'' ہوتے تھے جہاں بزرگ بیٹھ کر اپنے طرز کی تعلیم دیتے تھے لیکن آہستہ آہستہ یہ سلسلہ کم ہونے لگا۔ یہ کمی کس وجہ سے ہوئی میں اس حوالے سے آپ کی خدمت میں درست طور پر عرض نہیں کر سکتا۔ وہ درگاہیں' زاویے اور وہ بزرگ یوں مفید تھے کہ وہ اپنی تمام تر کوتاہیوں اور کمیوں کے باوصف لوگوں کو ایسی تسلی اور تشفی عطا کرتے تھے جو آج کے دور کا مہنگے سے مہنگا Psychoanalyst یا Psychiatrist نہیں دے سکتا۔ خدا جانے ان کے پاس ایسا کون سا علم ہوتا تھا۔ ان کا کندھے پر ہاتھ رکھ دینا یا تشفی کے دو الفاظ کہہ دینے سے بڑے سے بڑا بوجھ آسانی سے ہٹ جاتا تھا۔ ہمارے بابا جی جن کے پاس ہم لاہور میں جایا کرتے تھے ان کی کئی عجیب باتیں ایسی ہوتی تھیں جو ہماری دانست سے ٹکرا جاتی تھیں اور وہ پورے طور پر ہماری گرفت میں نہیں آتی تھیں کیونکہ ہم ایک اور طرح کا علم پڑھے ہوئے تھے۔ ہمارا علم سکولوں' کالجوں اور ولائیت کا تھا اور اس نصاب میں وہ بابوں کی باتیں ہوتی نہیں تھیں۔ ایک روز انہوں نے فرمایا کہ دنیا کی سب سے بُری' تکلیف دہ اور گندی بیماری ''چاہیے کا روگ'' ہے۔ ان کی یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ آخر ''چاہیے کا روگ'' کیا ہے۔ یہ بات یہاں سے چلی جب میں نے ڈیرے کے غسل خانے کے اس دروازے کو ٹھیک کر لینا چاہیے کی بات کی جس کا ایک دروازہ قبضہ ڈھیلا ہونے کے باعث ایک طرف جھکا ہوا تھا۔ میری اس بات کے جواب میں بابا جی نے فرمایا کہ چاہیے کا ایک روگ ہوتا ہے جو کمزور قوموں کو لگ جاتا ہے اور وہ ہمیشہ یہی ذکر کرتے رہتے ہیں کہ ''یہ ہونا چاہیے'' ''وہ ہونا چاہیے۔'' ہمارے ایک دوست صفدر میر تھے جو اب فوت ہو چکے ہیں وہ انگریزی کے Columnist تھے۔ انہوں نے بابا جی سے یہ بات سن کر ایک کالم Should Syndrom یعنی Should کی بیماری لکھا تھا۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ اخباروں میں چھپتا ہے کہ ہمیں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھنا

free-urdubook.blogspot.com

چاہیے۔ ہمارے کئی لیڈر بھی تقریروں میں کہتے ہیں کہ ہمیں ایسا کرنا چاہیے یا ویسا کرنا چاہیے۔ ہمیں آبادی میں کمی کرنی چاہیے وغیرہ وغیرہ۔

خواتین وحضرات اس طرح کی باتیں چاہیے کے چکر میں آ کر ہی ختم ہو جاتی ہیں اور ان کا عملی اور تعمیری پہلو سامنے نہیں آتا۔ جب میں نے غسل خانے کے دروازے کی بات کی تو انہوں نے کہا کہ ایسے نہیں بولا کرتے اور ڈیروں پر ایسا نہیں کہا کرتے ہیں۔ بس دروازوں کو اپنی مرضی کے مطابق ٹھیک کر دیا کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ چاہے آپ غلط کرتے لیکن چاہیے کہنا درست نہیں۔

میں نے کہا بابا جی اس میں آخر اتنی کیا خرابی ہے۔ کہنے لگے کہ چاہیے کا لفظ سارے زمان و مکان پر حاوی ہے۔ اس لیے برا ہے۔ اس کا نہ ماضی سے تعلق ظاہر ہوتا ہے نہ حال یا مستقبل کے ساتھ تعلق بنتا ہے بلکہ یہ ہر جگہ گھس جاتا ہے۔ اس لیے اس کا لیول دیمک کا ہے اور یہ دیمک کی طرح سارے ارادوں کو چاٹ جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیسے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب آپ اکثر ماضی کو استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں مشرقی پاکستان کے ساتھ ایسا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہمیں بجلی بنانے کے لیے ایک اور ڈیم بنانا چاہیے تھا۔ یہ ساری باتیں ماضی کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں جن کو ہم بدل نہیں سکتے پھر یہی بدبخت چاہیے حال کے ساتھ آ جاتا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ انگلش میڈیم سکول بنا دینے چاہئیں، ہمیں جدیدیت اختیار کرنا چاہیے اس طرح کی بے شمار باتیں ہیں اور بھی بہت سے چاہیے ہیں۔ پھر یہ لفظ چاہیے مستقبل کی طرف چلا جاتا ہے اور یہ لفظ حال، ماضی اور مستقبل کے درمیان گھومتا رہتا ہے اور کسی بات کو تقویت عطا نہیں کرتا اور بدقسمتی سے جو کمزور قومیں ہوتی ہیں وہ ''چاہیے'' ہی کا ذکر کرتی رہتی ہیں اور وہ صوبوں کے درمیان مفاہمت پیدا کرنی چاہیے، نیک بن جانا چاہیے پر اصرار کرتی رہتی ہیں اور ''چاہیے'' استعمال کر کے آرام سے اپنا فرض ادا کر کے سوئی رہتی ہیں اور خود کو بری الذمہ خیال کرتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ جی یہ تو روحانی قسم کا ڈیرہ ہے یہاں پر تو دینی باتیں ہوتی ہیں لیکن آپ نے جو بات کی ہے یہ تو ''ماؤزے تنگ'' کی بات سے بہت ملتی ہے۔ 1966ء میں مجھے ایک Silly School Girl کی طرح ماؤزے تنگ (چینی رہنما) کو دیکھنے کا بڑا شوق تھا حالانکہ میں اس وقت بڑی عمر کا تھا۔ میں ان دنوں سفر کرتا ہوا چائنا پہنچا۔ مجھے وہاں چین والے کہیں کہ جناب ماؤزے تنگ کو تو کوئی بھی نہیں مل سکتا۔ میں نے کہا کہ میں نے بس یہاں بیٹھے رہنا ہے اور انہیں مل کر جانا ہے۔ آپ نے وہ فقیرنی دیکھی ہوگی جو آپ کے پیسے دینے سے انکار کے باوجود موٹر کے ساتھ لگ کر بیٹھی رہتی ہے۔ میں بھی چین والوں سے ایسے ہی کرتا رہا اور وہ بڑے زچ ہوئے۔ ان دنوں ان کا Cultural Revolution چل رہا تھا اور انہوں نے مجھ سے جان چھڑانے کے لیے وعدہ کیا آپ کو چار منٹ کے لیے ملوا دیں گے۔ میں بڑا خوش ہوا کہ چار منٹ

free-urdubook.blogspot.com

نصیب ہو گئے لیکن انجہانی ماؤزے تنگ کی یہ بڑی مہربانی تھی کہ وہ مجھے گیارہ منٹ کے لیے ملے۔ اس ملاقات میں بھی یہ "چاہیے" کا ذکر آیا لیکن وہ کچھ اور انداز میں تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ نے دیکھتے دیکھتے اتنی ترقی کر لی ہے اور ہم تو آپ سے ایک سال پہلے آزاد ہوئے ہیں لیکن مشکلات سے نہیں نکل سکے۔ آخر آپ نے کیا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جب ہمارے ذہن میں کوئی پراجیکٹ یا خیال آتا ہے یا یہ ذہن میں آتا ہے کہ "ہمیں یہ کرنا چاہیے" تو اس خیال کے فوراً بعد ہم اس فریم ورک کو لانگ مارچ میں شامل کر دیتے ہیں۔ اس کا ذکر بند کر دیتے ہیں اور اسے مکمل کرنے کے فکر میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان دنوں چین میں ایک "خوفناک چاہیے" آیا ہوا تھا۔ ماؤزے تنگ کہہ رہا تھا کہ پانچ ہزار سال قبل ہمارے سنیاسی، جوگی جو "آکو پنکچر" کا طریقہ علاج اختیار کرتے تھے اسے ڈھونڈنا چاہیے جبکہ اس وقت کے ماڈرن ڈاکٹر ان کی اس بات سے ناراض تھے کہ یہ کیا فضول بات کر رہے ہیں۔ وہ سنیاسی تو نالائق لوگ تھے۔ سوئیاں لگاتے تھے، تکلیف دیتے تھے لیکن ماؤزے تنگ نے کہا کہ چلو اس طریقہ کو لانگ مارچ میں لے آتے ہیں اور ڈھونڈتے ہیں۔ جب میں نے ڈیرے پر یہ بات کی تو ہمارے بابا جی نے بھی بتایا کہ ہمارے ہاں بھی ایک رسم تھی جس میں لوگ فسد کھلواتے تھے جس میں جسم کے مختلف حصوں پر کٹ دے کر فساد والا یا خراب خون نکال دیا جاتا تھا اور مریض کو آرام آ جاتا تھا۔ مرزا اسد خان غالب بھی بڑی باقاعدگی سے فسد کھلواتے تھے۔ اس زمانے کے فسد کھولنے والوں کو معلوم ہوتا تھا کہ کتنا کٹ دینا ہے اور کتنا خون بہانا ہے اور کب اسے بند کر دینا ہے۔ بہار کے موسم میں یہ علاج کیا جاتا تھا اور مرد عورتیں دونوں فسد کھلواتے تھے۔ تب بلڈ پریشر نامی مرض کا کوئی نام بھی نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہ فسد کے ذریعے خون کے دباؤ کو نارمل رکھتے تھے۔ جب میں نے ماؤزے تنگ کی آکو پنکچر والی بات کی تو بابا جی نے کہا کہ آپ تو پڑھے لکھے آدمی ہیں، آپ فسد کھولنے والے تلاش کریں۔

خواتین و حضرات! آپ نے سنا ہوگا کہ لوگ فساد والا خون ختم کرنے کے لیے جونکیں بھی لگواتے تھے۔ اب امریکہ میں بھی جونکیں لگنا شروع ہو گئی ہیں۔ اب چونکہ بابا جی کا حکم تھا تو میں تلاش کرتے کرتے، یہاں وہاں پوچھتے اور تحقیق کرتے پتہ چلا کہ فسد کھولنے والوں کا ایک گھرانہ کوئٹہ میں آیا ہے۔ میں کوئٹہ گیا اور اس گھرانے میں پہنچا تو وہاں نوجوان بڑے اچھے تھے۔ وہ مجھے بڑی محبت سے ملے۔ وہ کہنے لگے کہ جی ہم اب یہ کام نہیں کرتے اور اب ہم لیمن ڈراپس یعنی کھٹی میٹھی گولیاں بناتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے باپ دادا نے تو کچھ خاص کمایا نہیں لہٰذا ہم نے لیمن ڈراپس تیار کرنے والی مشینیں لگائی ہیں کیونکہ اس میں زیادہ پیسہ ہے اور اب ہمارا کمائی کا یہ ذریعہ ہے۔ بابا جی کہا کرتے تھے کہ تم چاہیے کے چکر میں نہ آنا بلکہ کچھ کر ڈالنا وگرنہ تم چاہیے چاہیے ہی میں ڈوب جاؤ گے اور چاہیے کا سمندر بہت گہرا ہوتا ہے۔ تھوڑے دن ہوئے میں سبزی منڈی گیا تو دو سائیکل سوار نوجوان میرے

free-urdubook.blogspot.com

پاس سے بڑی بے تیزی کے ساتھ گزرے۔ اتنی تیزی سے گزرے کہ مجھے اچانک گاڑی کے بریک لگانا پڑے۔ اچانک بریک لگانے سے میرے پیچھے والی گاڑی میری گاڑی کے ساتھ آ کر ٹھک سے لگی۔ ہم نے اپنی گاڑیاں ایک طرف کھڑی کر لیں تا کہ دیکھ سکیں کہ کچھ زیادہ نقصان تو نہیں ہوا ہے۔ میں نے ٹکر مارنے والے صاحب سے کہا کہ معافی چاہتا ہوں کہ مجھے سخت بریک لگانا پڑے اور اس نے کہا کہ الحمدللہ آپ کا کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا وہ بالکل چورا ہا تھا۔ میں نے ان صاحب سے کہا کہ یہاں پر ایک بتی ہونی چاہیے یا کم از کم ایک ٹریفک والا تو ضرور ہونا چاہیے۔ وہ صاحب کہنے لگے کہ یہ سب غلط بات ہے۔ کچھ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ پہلے ان دو لڑکوں کو سزا ملنی چاہیے اور میں ان کو پکڑ کر سزا دوں گا۔ میں نے کہا کہ وہ تو اب کہیں کے کہیں نکل گئے ہوں گے لیکن وہ صاحب کہنے لگے کہ میں ان کو ضرور پکڑوں گا۔ اگر اب نہ پکڑ سکا تو شام کو یہ گھر تو آئیں گے ہی نا! اس وقت سزا دوں گا۔ میں نے کہا جناب وہ کیسے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔

خواتین و حضرات! چاہیے زندگی میں بہت جگہ ہم پر دباؤ ڈالتا ہے۔ ہمارے جہلم کے علاقے میں روس سے بڑی تعداد میں مرغابیاں آتی ہیں اور ہم وہاں شکار کھیلنے جاتے تھے۔ جہلم میں لوگوں کی بڑی زمینیں نہیں ہیں۔ چھوٹے چھوٹے زمیندار ہوتے ہیں اس لیے انہیں ٹریکٹر کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ ہم جس شخص کے گھر میں ٹھہرے وہ چاہ رہا تھا کہ میں ٹریکٹر خریدوں۔ وہ گاؤں کا سردار تھا جبکہ اس کی بیوی جو سمجھدار اور پڑھی لکھی تھی۔ وہ ٹریکٹر خریدنے کے خلاف تھی اور اس کا کہنا تھا کہ ٹریکٹر کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ رقبہ ہی اتنا زیادہ نہیں ہے جس کے لیے ٹریکٹر کی ضرورت ہو لیکن اس شخص نے کہا کہ میرا شوق ہے اور میں نے ٹریکٹر ضرور لینا ہے۔ اس وجہ سے ان دونوں میاں بیوی کے درمیان ایک چپقلش سی تھی۔ اس کی بیوی نے کہا کہ ہمارے پاس دھنی کے بیلوں (اعلیٰ نسل کے بیلوں کی ایک قسم) کی ایک جوڑی ہے وہ خوب ہل چلاتے ہیں اور میں ٹریکٹر نہیں آنے دوں گی لیکن وہ شخص بضد تھا۔ جب بات ذرا سی اونچی ہو گئی تو اس نے بیوی سے کہا کہ میں تمہیں اس لیے گھر نہیں لایا کہ "مجھے تم چاہیے تھی" یا مجھے تمہاری ضرورت تھی بلکہ مجھے تم سے محبت تھی تمہیں اس لیے گھر لایا ہوں اور اسی طرح مجھے ٹریکٹر سے محبت ہے لہٰذا اگلے دن بیگم صاحبہ خود شور دم گئیں اور ٹریکٹر بک کروایا اور گڑ کے چاول پکا کر سارے گاؤں میں تقسیم کیے اس لیے کہ چاہیے اور محبت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ میرا ایک بھانجا تھا جب وہ انکم ٹیکس آفیسر ہوا تو اس کی تعیناتی ملتان میں ہوئی۔ اس کی بیوی اور میری بہو جو بڑی پیاری ہے میں ایک بار ان کے پاس ملتان گیا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ وہ میری بہو کا کہیں جانے کا پروگرام تھا تو اس نے کہا کہ ماموں مجھے تو جانا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ خوشی سے جاؤ ہم خود ہی پکائیں گے اور مرضی کے بنائے ہوئے کھانے کھائیں گے۔ اس نے جاتے ہوئے اپنے شوہر سے کہا کہ میں نے وہ تمام کام

کاغذ پر لکھ کر لگا دیئے ہیں جو آپ نے میری غیر موجودگی میں کرنے ہیں اور دیکھو تم سست آدمی ہو کوتاہی نہ کرنا۔ ان کاموں میں دودھ کے پیسے، دین بھائی درزی کے پیسوں کی ادائیگی بھی شامل تھی اس کے علاوہ پودوں کی صفائی اخبار والے کا بل اور دیگر کئی چیزیں لکھی ہوئی تھیں آخر میں اس نے لکھا تھا کہ ''مجھ کو بھولنا نہیں مجھ سے محبت کرتے رہنا ہے'' وہ 15 دن کے لیے میکے (ساہیوال) جا رہی تھی۔ جب وہ میکے سے لوٹ کر آئی تو تب بھی میں وہیں تھا اس نے آتے ہی لکھے ہوئے کاموں کو دیکھا جن پر اس کے شوہر نے ٹک کیا ہوا تھا لیکن آخری بات ٹک نہیں تھی۔ اس پر وہ چیخنے، پیٹنے اور چلانے لگی کہ تم نے مجھے یاد کیوں نہیں رکھا۔ تمہیں میری کوئی پروا نہیں ہے۔ اب وہ (اس کا شوہر) کافی دیر اسے سنتا رہا پھر بولا بیوی میری اچھی بیوی تمہیں یاد رکھنا اور محبت کرنا تو عمر بھر کا سودا ہے یہ کیسے ٹک ہو سکتا ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں محبت تو میں نے کرنی ہی جانی ہے۔ تم مجھے ٹک کرا کے اسے بند کرانا چاہتی ہو۔ یہ سن کر وہ اپنے شوہر کو جپھی ڈال کے اس کے ساتھ لٹک گئی اور کہنے لگی نہیں نہیں اسے ٹک نہیں کرنا ہے ایسے ہی رہنے دیں۔ اس طرح اس کے شوہر نے چاہیے والا کام بند کر دیا تھا۔ ایسے نہیں کیا کہ اس کام کو بھی ٹک کر دینا چاہیے۔ ہمارے بابا کہتے ہیں کہ جونہی آپ چاہیے کے چکر میں آتے ہیں آپ کے کندھوں اور ذہن سے سارا بوجھ اتر جاتا ہے اور انسان سوچتا ہے کہ اب اس چاہیے میں سارے لوگ شامل ہو گئے ہیں۔ میں بری الذمہ ہو گیا۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ ہم پاکستانیوں کو ایک دوسرے سے مل جل کر رہنا چاہیے۔ ہم میں محبت ہونی چاہیے۔ لیکن اس طرح صرف چاہیے پر بات چھوڑ دینے سے بات نہیں بنتی ہے اور یہ Should Syndrom ہماری معاشرتی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

خواتین و حضرات! جس طرح بڑے لوگ چاہیے کی بجائے عمل پر توجہ دیتے ہیں اور جیسے کوزہ گر اپنی تھوڑی سی مٹی پر دباؤ ڈال کر نہایت خوبصورت برتن میں ڈھال لیتا ہے ویسے ہی ایک اعلیٰ درجے کا کوزہ بنانے کی ضرورت ہے لیکن ہمارے پاس وہ چاہیے خوبصورت کوزے کی بجائے مٹی کا ایک ''تھوبہ'' ہی رہ جاتا ہے اور ہم اس چاہیے کو کوئی شکل نہیں دے پاتے ہیں۔ وہ بڑی خوش نصیب قومیں ہیں جو یہ بات جان جاتے ہیں کہ اس چاہیے میں صرف باقی لوگ ہی نہیں میں بھی شامل ہوں اور میں اپنی حد تک اپنی ذمہ داری ضرور پوری کروں گا اور خواتین و حضرات بابوں کے علم کی طرف بھی متوجہ رہا کرو ان کی باتیں گو ہر نایاب ہوتی ہیں جو کتابوں سے نہیں ملتیں۔ عمل کرنے سے بات بنتی ہے۔ اس سے علم پھوٹنے لگتا ہے۔ آپ عمل کے اندر اس طرح داخل ہوا کریں جیسے ایک سائنس دان لیبارٹری میں کھڑا ہو کر محنت کرتا ہے اور یہ کرنا چاہیے وہ کرنا چاہیے پر ہی نہیں رہتا بلکہ عمل کی صورت میں تجربات کرتا ہے۔ اس طرح سے علم عطا ہوتا ہے ورنہ ہم آپ ہی دیئے ہوئے علم پر گزارا اور چاہیے چاہیے کی گردان ہی الاپتے رہیں گے اور مانگے کے علم پر ہی رہیں گے۔ علم سیکھنے کا اچھا اور آسان

طریقہ یہ ہے جو احکامات دیئے جائیں عمل کیا جائے چاہے وہ دینی ہوں، حکومتی یا معاشرتی ہوں۔ آپ لال بتی پر کھڑے ہونے یا رکنے سے اس بات پر انکار نہیں کر سکتے کہ پہلے اس سرخ بتی کو نیلی کریں پھر رکیں گے۔ آپ کو سرخ بتی کے فوائد کا تو کھڑے ہونے کا ہی پتہ چلے گا گزر جانے سے تو نقصان ہی ہوگا۔ میں اب آپ سے اجازت چاہوں گا اور جاتے جاتے آپ سے عرض کروں گا کہ آپ کا علم جیسے Wisdom of the East کہتے ہیں اس دانشِ مشرق جو انبیاء کا علم ہے اس کی طرف بھی توجہ دیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

"چلاس کی محبتیں"

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے پچھلی باتیں بڑی شدت' صفائی اور جزویات کے ساتھ یاد آتی چلی جا رہی ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ ان میں کوئی ایسی ناخوشگوار بات نہیں ہے صرف اس بات کا ان یادوں میں ضرور احساس پایا جاتا ہے کہ وہ لوگ اور وہ زمانے جس میں شفقت و محبت اور انس زیادہ تھا وہ کہاں چلے گئے اور ہم اس قدر کیوں مصروف ہو گئے۔ اس میں ہماری کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ سارا چکر مصروفیات کا ہے اور ہماری مصروفیات کا عالم ایسا ہے کہ ہم ان شفقتوں سے کٹ گئے جو محبتیں خدا نے ہمیں عطا کی تھیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ شفیق قلوب جو ہیں انہوں نے کتاب سے پڑھ کر شفقت حاصل نہیں کی تھی یا کسی سے سیکھ کر محبت کا علم نہیں پایا تھا بلکہ اللہ نے وہ دل ہی ایسے پیدا کیے تھے کہ ان کے اندر محبت و شفقت بھری ہوئی تھی اور وہ جو بھی کام کرتے تھے ان میں لوگوں کے لیے بے شمار آسانیاں ہوتی تھیں۔ بہت دیر کی بات ہے ہماری ایک سوسائٹی تھی جو کافی دیر تک چلتی رہی اس کا نام ''چھڈ یار'' تھا۔ اس میں ہم سات ممبر تھے۔ پہلے میں شامل افراد صرف ریڈیو سے متعلق تھے پھر ٹیلیویژن سے بھی آ کر شامل ہو گئے۔ اس سوسائٹی کے چیئر مین ممتاز مفتی تھے جبکہ ہمارے لیڈر عمر بقری تھے۔ اس چھوٹی سی انجمن کا نام ہم نے ''چھڈ یار'' یہ سوچ کر رکھا کہ دفع کرو دنیا کے جھگڑے جھیڑے' چھڈ یار ان کو اور اٹھ کھڑا ہو' نکل پڑ کیونکہ یہ تو ساتھ ہی چمٹے رہیں گے۔ چنانچہ ایک تاریخ مقرر کر دی جاتی تھی اور اس میں چھڈ یار کا لیڈر اعلان کر دیتا تھا کہ' چھڈ یار'' نے 13 تاریخ کو'' اُٹھ یار'' میں تبدیل ہو جانا ہے۔ اس مقرر کردہ تاریخ کو ہم اپنے سلیپنگ بیگ اور اپنے ساتھ مکھن' سیب اور ڈبل روٹی وغیرہ لے کر نکل پڑتے تھے اور ہماری منزل ناردرن ایریاز یعنی شمالی علاقہ جات ہوتا تھا۔ وہ دنیا کا خوبصورت ترین علاقہ ہے۔ یہ بات میں اس لیے نہیں کہتا کہ میں پاکستانی ہوں بلکہ اس سے زیادہ خوبصورت علاقے میں نے امریکہ اور انگلستان میں بھی نہیں دیکھے۔ خدا نے جانے کس طرح سے ان حسین وادیوں کو ترتیب دیا ہے اور بنایا ہے۔ ایک طرف راکاپوشی پہاڑ سینہ تانے کھڑا نظر آتا ہے تو دوسری

free-urdubook.blogspot.com

طرف نانگا پربت کھڑا ہے۔ ایک بار جب ہم علاقے میں گئے اور ایک جگہ چائے پینے کے لیے رُکے تو وہاں اڑھائی سو جرمن مرد، عورتیں اور ان کے بچے چارپائیاں کرائے پر لے کر بیٹھے ہوئے تھے اور کسی سے بات نہیں کرتے تھے۔ وہاں اس بس اڈے پر لوگوں نے بتایا کہ یہ نانگا پربت دیکھنے آئے ہیں۔ نانگا پربت کا حسن لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا ہے۔ وہ جرمن سیاح تین روز سے چارپائیاں کرایہ پر لیے بیٹھے تھے اور اپنے سامنے نانگا پربت کو مسلسل دیکھ رہے تھے۔ نہ کھانا کھایا، نہ لیٹے بس چائے کی ایک ایک پیالی پی اور خدا کی عظیم قدرت کا نظارہ کرتے رہے۔ ہم وہاں یہ ضرور سوچتے تھے کہ خدا ہمیں بھی یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی چیزوں کو پسند کر سکیں اور ان کے قریب آ سکیں۔ ہم شاہراہ ریشم پر چل رہے تھے اور ہمیں شام پانچ چھ بجے کے قریب چلاس پہنچنا تھا۔ چلاس پہاڑی علاقہ ہے اور کافی اونچائی پر ہے۔ یہ خوبصورت علاقہ ہے اور اس کے پہاڑوں کے شگافوں میں ایک سیاہ رنگ کی دوائی (سلاجیت) پیدا ہوتی ہے وہ بہت قیمتی ہوتی ہے۔ ہمارے لیڈر نے وہاں رکنے کا بندوبست کیا تھا اور وہاں ایک سکول ماسٹر کے گھر پر ہمارے ٹھہرنے کا انتظام تھا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو شام پانچ کی بجائے ہمیں رات کے دس بج گئے۔ اس دیر کی بابت ہم سب نے فیصلہ کیا کہ اتنی رات کو کسی کے گھر جانا برا لگتا ہے چنانچہ ایک صاف سے پہاڑ پر جس پر ایک عدد سرکاری بتی بھی لگی تھی ہم اپنے بستر کھول کر اس بتی کے نیچے بیٹھ گئے۔ بڑی مزیدار ہوا چل رہی تھی۔ وہاں قریب ہی پانی کا ایک نل تھا جو کسی بہت ہی خوشگوار چشمے کے ساتھ وابستہ تھا۔ ہم وہاں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک بہت خوفناک طوفان چلنے لگا۔ تیز ہوا کے اس طوفان سے عجیب طرح کا ڈر لگ رہا تھا۔ اس تیز ہوا کے سبب ریت بھی اڑنے لگی۔ جن لوگوں نے چلاس دیکھا ہے انہیں پتہ ہوگا کہ وہاں اگر تقریباً دو کلومیٹر کا فاصلہ طے کریں تو ریگستان شروع ہو جاتا ہے اور پہاڑوں پر چلتے ہوئے اچانک حد نگاہ تک ریت دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس تیز طوفان کے ساتھ ہی تیز بارش بھی ہونے لگی اور اولے بھی پڑنے لگے۔ ہمارے پاس Protection کے لیے کوئی چیز یا جگہ نہ تھی۔ اس موقع پر ہمارے لیڈر عمر بقری مرحوم نے کہا کہ ماسٹر صاحب کے گھر چلنا چاہیے۔ خیر ہم نے اس اندھیرے اور طوفان میں آخر کار گھر تلاش کر ہی لیا۔ جب وہاں پہنچے تو ماسٹر صاحب پریشان کھڑے تھے اور ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ کسی کے سوئم پر گئے تھے لیکن اپنی بیوی کو اشارہ دے کر گئے تھے کہ میرے دوست آئیں گے۔ ان ماسٹر صاحب کی بیوی بھی ایک سکول ٹیچر تھی۔ جب ہم وہاں بیٹھے باتیں وتیں کر رہے تھے تو وہاں اس سخت بادوباراں میں ایک دس بارہ برس کا لڑکا جس کا نام عبدالمجید تھا وہ اپنی بیساکھی ٹیکتا ہوا آیا۔ وہ بے چارہ ٹانگ سے معذور تھا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو استانی صاحبہ نے دروازہ کھولا اور اس نے کہا کہ میرے ابا جی نے کہا ہے کہ ماسٹر صاحب آج قریب کے گاؤں میں گئے ہوئے ہیں اور تو آپا جی کی خبر لیکر آ کہ وہ

free-urdubook.blogspot.com

ٹھیک ٹھاک ہیں کہ نہیں۔ انہیں کوئی مسئلہ تو نہیں ہے۔ اس دوران بارش مزید تیز ہونے لگی اور ژالہ باری بھی تیز ہوگئی۔ وہ لڑکا ڈر گیا اور کہنے لگا کہ آپا جی آپ کو ڈر لگتا ہے تو میں درمیان میں حماقت یا اپنے علم کا اظہار کرنے کے لیے بول پڑا کہ اس میں ڈرنے والی کیا بات ہے؟ یہ تو موسم ہے لیکن آپا جی کہنے لگیں کہ ہاں مجھے ڈر لگتا ہے اور بالکل ایسے ہی ڈرتی ہوں جیسے تم ڈرتے ہو لیکن جب مرد گھر میں ہوں تو پھر مجھے ڈر نہیں لگتا (اس زمانے میں شاید تحریک نسواں نہیں چلی تھی اور مرد عورتوں میں کافی اچھے تعلقات تھے) مجھے بھی ان کی بات سن کر شرمندگی کا احساس ہوا کہ یا اللہ میں نے یہ کیا بات کر دی۔ میں اب محسوس کرتا ہوں کہ اس آپا جی نے اتنی سی بات کر کے اس معذور لڑکے کو ایک پوری شخصیت عطا کر دی تھی اور وہ تگڑا ہو کے کہنے لگا اچھا جی میں اب جاتا ہوں اور اپنے ابا جی کو جا کے بتاتا ہوں کہ وہ خیریت سے ہیں۔

خواتین و حضرات! جی چاہتا ہے کہ کاش میرا دل بھی ایک دن یا ایک ہفتے کے لیے ویسا ہو جائے جیسا آپا جی کا تھا لیکن ہوتا نہیں ہے۔ میں زور لگا کر زبردستی شرافت اختیار کر سکتا ہوں لیکن جو پیدائش اور جبلی شرافت میرے پاس نہیں ہے۔ جب ہم اگلے دن سفر کر رہے تھے تو میں اپنے بچپن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جب میں پانچ چھ برس کا تھا۔ اس وقت میری ماں نے اپنی سہیلیوں کی دعوت کی تھی۔ یہ غالباً 1930ء کی بات ہے۔ میری ماں نے اپنی سہیلیوں کے لیے مراد آباد کے برتنوں میں کھانا لگایا۔ پھول وغیرہ بھی لگائے۔ جب میں نے اپنی ماں کا اتنا اہتمام دیکھا تو میں نے سوچا کہ مجھے بھی اس میں حصہ بٹانا چاہیے۔ میرے پاس ایک طوطا تھا جس طرح کا سڑکوں پر نجومیوں نے کارڈ نکالنے کے لیے رکھا ہوتا ہے۔ اس کا رنگ اصلی طوطے کا تھا لیکن وہ گتے کا بنا ہوا تھا اور اس کے اندر لکڑی کا برادہ بھرا ہوا تھا۔ وہ طوطا دو آنے کا ملتا تھا اور اس کے ساتھ ربڑ کا دھاگہ بندھا ہوا ہوتا تھا۔ میں نے وہ طوطا لا کر وہاں رکھ دیا جہاں ماں نے تزئین و آرائش کی ہوئی تھی اور جہاں کھانے کا انتظام تھا اگر شاید آج کی سمجھدار ماں ہوتی تو اس بھدے سے طوطے کو اٹھا کر پھینک دیتی اور کہتی کہ تم کیا بدتمیزی کر رہے ہو لیکن وہ زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھی۔ وہ صرف ماں تھی اسے ماں کے سوا اور کچھ نہیں آتا تھا۔ اس نے ایک رکابی کو اوندھا کر کے اس کے اوپر طوطا رکھ دیا اور جب ان کی سہیلیاں آئیں تو وہ انہیں بتانے لگیں کہ بھئی یہ طوطا اشفاق کا ہے جو اس نے خوبصورتی میں اضافہ کرنے کے لیے رکھا ہوا ہے۔ ان کی سہیلیوں نے بھی اس کی تعریف کی۔ اتنے برس گزر جانے کے بعد مجھے خیال آتا ہے کہ وہ Gracious Hearted شفیق دل ان لوگوں کو کیسے مل جاتے تھے۔ میری یہ بڑی حسرت ہے کہ ایسا دل چاہے چند روز کے لیے ہی سہی مجھے بھی مل جائے۔

جب میں اٹلی میں تھا تو میرے ایک دوست بالدی کا بھتیجا تھا اسے کچھ Tonsillitis کی مشکل آئی اور اس کا ایک پیچیدہ سا آپریشن تھا۔ اسے ہم ہاسپٹل لے گئے۔ میرے ان کے ساتھ فیملی

فرینڈ شپ اور گہرے تعلقات تھے۔ وہ لڑکا بھی کہنے لگا کہ یہ (اشفاق احمد) بھی ساتھ جائیں۔ اس لڑکے کے پاس ایک بھالو تھا وہ اس نے ساتھ پکڑا ہوا تھا۔ اس کا باپ کہنے لگا کہ یہ اس بھالو کو چھوڑتا نہیں ہے۔ میں کسی طریقے سے اس کو اس سے الگ کرتا ہوں۔ وہ کوشش کرتا رہا لیکن اس نے اسے نہ چھوڑا۔ خواتین و حضرات اس لڑکے کا بھالو کانا تھا۔ ایک آنکھ کا بٹن کہیں گر گیا ہوگا۔ جب اس کو آپریشن کے لیے آپریشن ٹیبل پر لٹایا گیا تو نرس نے اس سے کہا کہ یہ بھالو مجھے دے دو لیکن اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ اب Anaesthetist بھی پریشان تھا جس نے اسے بے ہوشی کی دوا دینی تھی اور اس کے بعد سرجن نے آنا تھا۔ ہم سب پریشان کھڑے تھے کہ سرجن آ گیا۔ اس نے دیکھتے ہی صورتحال کو بھانپ لیا اور کہا کہ اچھا اتنا خوبصورت بھالو بھی ہے۔ نرس نے کہا کہ سر یہ اس بھالو کو چھوڑ نہیں رہا ہے۔ تو سرجن نے کہا کہ نہیں نہیں یہ اس کے ساتھ ہی رہے گا۔ ابھی تو اس بھالو کی آنکھ کا آپریشن بھی ہونا ہے۔ یہ سن کر اس لڑکے کا دل خوشی سے معمور ہو گیا۔ جب اس لڑکے کا آپریشن جاری تھا تو ایک شخص کی ڈیوٹی لگائی گئی کہ اس بھالو کی جو ایک آنکھ نہیں ہے اسے ابھی بازار سے لگوایا جائے۔ (یہ معمولی باتیں ہوتی ہیں لیکن ان کے اثرات دیرپا اور مستحکم اور گہرے ہوتے ہیں) ایک طرف اس بچے کا آپریشن ہوتا رہا تو دوسری طرف اس کے محبوب بھالو کی آنکھ ڈلوائی گئی اور بچے کے ہوش میں آنے سے پہلے اسے وہیں رکھ دیا گیا جہاں سے اٹھوایا تھا اور اس نئی آنکھ پر ایک خوبصورت پٹی بھی باندھ دی گئی۔ وہ اس خوبصورتی سے باندھی گئی تھی کہ میں نے اپنی زندگی میں کسی Living انسان کو بندھی ہوئی نہیں دیکھی۔ جب وہ بچہ ہوش میں آیا تو اس پٹی کو دیکھ کر کہنے لگا کہ اس بھالو کو کیا ہے؟ اسے پٹی کیوں بندھی ہے؟

وہ سٹاف کہنے لگا کہ اس کی آنکھ کا آپریشن کیا ہے جو کامیاب ہوا ہے۔ اس پٹی کو دو دن نہیں کھولنا۔ وہ خوش خوش بھالو کو لے کر چلا گیا۔ اس سرجن کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آج بھی ہے۔ اس کا لمبا سا قد تھا اور اس کے اندر شفقت اور Greatness اور محبت و پیار ایسی بھری ہوئی تھی جو کہیں سے ملتی ہی نہیں ہے۔ مجھے اس تناظر میں اور بھی باتیں یاد آ رہی ہیں۔

ماڈل ٹاؤن لاہور میں ایک بڑا گول چکر ہے وہاں ایک بڈھا بابا ایک نیم کے پیڑ کے نیچے ٹھیلا لگاتا ہے۔ اس کے ساتھ اس کا ایک بیٹا ہوتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے۔ میری چھوٹی آپا ایک روز مجھے کہنے لگیں کہ میں ذرا اس ٹھیلے سے سبزی لے لوں۔ اس بڈھے بابے کے لڑکے نے آپا کو کچھ گوبھی' بینگن اور کچھ ٹماٹر بڑی احتیاط کے ساتھ دیئے اور آپا کی پسند اور کہنے کے مطابق الگ الگ لفافوں میں ڈال کے وہ رکھتا رہا۔ اب وہ لڑکا آپا جی کے پرس کی جانب دیکھ رہا ہے کہ وہ اسے پیسے دیں گی۔ لیکن آپا ایک چکر کاٹ کے اس لڑکے کے باپ کی طرف چلی گئیں گو یہ ایک معمولی اور عام سی بات تھی لیکن لڑکے کے چہرے کے تاثرات کیا تھے یہ آپ بھی بخوبی جان سکتے ہیں اور کوئی بھی صاحبِ دل جان سکتا ہے

free-urdubook.blogspot.com

کہ اس بچے کے دل پر کیا بیتی ہو گی کیونکہ جس نے سروس کی تھی اس پر بھی اعتماد کیا جانا چاہیے تھا۔ اس بات کا میرے دل پر بڑا بوجھ تھا لیکن میں اس لڑکے سے زیادتی کو Compensate کیسے کر سکتا تھا۔ ایک دن میں اپنی بڑی آپا کے ساتھ گاڑی میں جا رہا تھا۔ یہ اس واقعہ سے تین چار ماہ بعد کی بات ہے۔ آپا نے اسی ٹھیلے کو دیکھ کر کہا کہ "رکو اس ٹھیلے والے کے پاس تو کتنی اچھی سٹرابری اور شہتوت ہیں وہ لے لیتے ہیں۔ آپا نے ٹھیلے والے سے کہا کہ کالے شہتوت ذرا کھٹے ہوتے ہیں' اس لڑکے نے کہا کہ نہیں جی یہ بہت میٹھے ہیں۔ وہ شہتوت بھی آپا نے لیے' آپا نے وہ ساری چیزیں اپنے بہرے پن کے باوجود اچھے انداز میں لے لیں اور اسے پچاس روپے کا ایک نوٹ دیا اور ساتھ پوچھا کہ کتنے روپے ہوئے۔ اس نے اونچی آواز میں چیخ کر کہا کہ اٹھارہ روپے اور کچھ پیسے ہوئے ہیں اور بڑی آپا نے اس لڑکے کو ہی پیسے دے دیئے کیونکہ اس نے ہی سروس کی تھی۔ اس لڑکے نے فٹافٹ ٹھیلے پر سے رکھی بوری کا پہلو اٹھایا اور بقایا ریزگاری نکال کر آپا کو دے دی۔ میں یہاں پھر دل کی اور دل میں پنہاں شفقت کے اس خانے کی بات کرتا ہوں جو خانہ کسی کسی کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ آپا اسے کہنے لگیں کا کا تو نے تو کمال کر دیا۔ فوراً حساب کر کے پیسے دیئے مجھے تو کافی وقت لگ جاتا تو بڑے کمال کا بچہ ہے۔ یہ تو نے کہاں سے سیکھا تو اس نے کہا کہ جی ہمارا تو یہ روز کا کام ہے۔ ابا سے سیکھا ہے۔

خواتین و حضرات! بظاہر یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو نصیب والوں کو ملتی ہیں لیکن ایسے لوگ اب بھی جگہ جگہ مل جاتے ہیں لیکن ہماری مصروفیات کا یہ عالم ہے اور ہمارے اوپر بوجھ اتنے پڑ گئے ہیں کہ ہم اگر چاہیں تب بھی اپنے دل کے اس پنہاں خانے اور دل کے بٹوے کو کھول کر اس میں جھانک نہیں سکتے لیکن اب وہ کھلتا نہیں ہے اور اب جب ہمارا تعلق شمالی علاقہ جات سے ٹوٹ چکا ہے اور ہماری کمپنی یا حلقہ احباب کے بہت سے لوگ اس دنیا سے رحلت کر چکے ہیں اور اب ہم دو تین باقی رہ گئے ہیں (یہ پروگرام اشفاق احمد کے انتقال کے کچھ سال پہلے ریکارڈ کیا گیا تھا) اور ہم بھی اکیلے اکیلے ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ باتیں یاد آتی ہیں اور چلاس بھی یاد آتا ہے۔ میں چلاس کے لوگوں کو مبارکباد دیتا ہوں اور ان کے لیے بڑی دعا کرتا ہوں۔ چلاس والوں نے ہمیں بڑی خوشیاں دی ہیں۔ بہت اچھے موسم عطا کیے ہیں۔ جب بھی اس علاقے سے گزرے اس نے بڑی محبتیں عطا کیں۔ اس رشتے سے چلتے ہوئے' پیچھے آتے ہوئے اور اس نیم کے درخت تک پہنچتے ہوئے جہاں وہ بابا ٹھیلے والا اور اس کا بیٹا اب بھی ریڑھی لگا کر کھڑے ہوتے ہیں۔ یقیناً اب بھی وہاں شفقت کا مظاہرہ کرنے والے لوگ آتے ہوں گے لیکن دل میں کچھ خوف سا سمٹ کے آتا ہے کہ شاید اب ایسے لوگ کم ہوتے جا رہے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ آمین۔ اللہ حافظ۔

free-urdubook.blogspot.com

تسلیم و رضا کے بندے

انسان عجیب عجیب قسم کی مشکلات میں مبتلا رہتا ہے اور اسے ان مشکلات کا کوئی مناسب حل سوجھتا نہیں ہے۔ کوئی شخص اگر اپنے قد اور سوچ سے بڑی بات کرنے لگ جائے تو وہ پھر بری طرح سے پھنس جاتا ہے۔ مجھ سے لوگ آ کر پوچھتے ہیں کہ آخر "خوش کیسے رہا جائے" اور سکونِ قلب کے لیے کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ اب ظاہر ہے کہ میرے پاس کوئی طب یا ہومیو پیتھک کی دوا تو نہیں ہے جو میں انہیں دے کر کہوں کہ اس کی چند خوراکیں کھاؤ تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میرے پاس تو تجربات و مشاہدات ہی ہیں جن کی بنا پر میں ان سے کچھ کہہ سکتا ہوں گو تمام کے تمام واقعات مجھ پر گزرے نہیں ہیں لیکن میں ان کا شاہد ضرور ہوں۔ خواتین و حضرات خوش رہنے کے لیے ایک مشکل سا طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کو اپنی خوشی میں شریک کیا جائے۔ اب یہ بڑا مشکل کام ہے لیکن سائنس کے فارمولے کی طرح کہ پانی یا لیکوڈ اپنی سطح ہموار رکھتا ہے اس طرح کی کوئی بات خوشی کے حصول کے لیے دستیاب کرنا مشکل ہے بلکہ خوشی کے حصول کے لیے دوسروں کو شریک کرنا پڑتا ہے ورنہ آپ خوش نہیں رہ سکتے۔ اگر خوش قسمتی کے ساتھ کوئی ایسی کیفیت اگر حاصل ہو جائے کہ آدمی کے پاس اتنا علم نہ ہو جتنا علم وہ ساری زندگی اکٹھا کرتا رہتا ہے اور انسان میں معصومیت کی وہ لہر باقی ہو جو اسے اللہ نے عطا کر کے دنیا میں بھیجا ہے اس کیفیت یا صورت میں تو آسانی میسر آ سکتی ہے۔ اس طرح کا آدمی اپنے اردگرد کو دیکھ کر بھی پریشان نہیں ہوتا بلکہ خوش رہتا ہے۔ آپ دیکھتے ہوں گے کہ درختوں کو قادر مطلق نے جس طرح کا پیدا کر دیا وہ وہاں ہی کھڑے ہیں۔ ایک درخت کبھی دوسرے درخت سے حاسد نہیں ہوتا۔ کبھی درخت یہ نہیں کہتا کہ ہمیں تو جی آم کا درخت بنا دیا اور لوگ ہمیں کھا کھا کر موجیں کر رہے ہیں اور ہمیں نوچ نوچ کر ٹوکریاں بھر کر لے جا رہے ہیں۔ کاش خدا نے ہمیں شہتوت کا درخت بنایا ہوتا اور مجھ پر رنگ برنگے شہتوت لگتے۔

خواتین و حضرات! انسان ہمیشہ اپنی قسمت پر شاکی رہتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ مجھے ایسا ہونا

free-urdubook.blogspot.com

چاہیے تھا' کوئی کہتا ہے مجھے ویسا ہونا چاہیے تھا لیکن درخت ایسا شکوہ نہیں کرتا۔ کبھی درختوں نے یہ شکایت نہیں کی کہ جناب جب سے پیدا ہوئے ہیں وہیں گڑھے ہوئے ہیں۔ نہ کہیں سیر کی ہے نہ گھوم پھر کے دیکھا ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ خوشی سے جھومتے رہتے ہیں اور آپ کو بھی خوشیاں عطا کرتے ہیں اور ہم باغوں کی سیریں کرتے ہیں۔ ایسے ہی پرندے اور جانور ہیں کبھی کسی شیر نے زیبرا بننے کی خواہش نہیں کی۔ یا کسی ہرن نے کبھی فاختہ بننے کا نہیں سوچا۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کو بنانے والا علیم مطلق بہتر سمجھتا ہے کہ ہمیں کیسا ہونا چاہیے۔ اگر میں اپنے آپ کو نہ بدلوں تو مجھے کہا جائے گا کہ اشفاق صاحب آپ اپنے Status کا خیال رکھیں۔ ہمارے ہاں اس قسم کی عجیب وغریب Terms بن چکی ہیں اور وہ انسان کو شرمندہ کرتی ہیں۔ ہمیں زندگی میں کبھی کبھی ایسا انسان ضرور مل جاتا ہے جس کو دیکھ کر حیرانی ضرور ہوتی ہے کہ یہ کیسا بادشاہ آدمی ہے؟ یہ مالی طور پر بھی کمزور ہے۔ علمی و عقلی اور نفسیاتی طور پر کمزور ہے لیکن یہ خوش ہے۔ ہمارے علاقہ ماڈل ٹاؤن میں ایک ڈاکیا ہے جو بڑا اچھا ہے۔ اب تو شاید چلا گیا ہے۔ اس کا نام اللہ دتہ ہے۔ اس جیسا خوش آدمی میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ اس کا عشق ڈاک بانٹنا اور ہر حال میں خط پہنچانا ہے۔ چاہے رات کے نو بج جائیں وہ خط پہنچا کر ہی جاتا ہے۔ وہاں علاقے میں کرنل صاحب کا ایک کتا تھا۔ اللہ دتہ کو پتہ نہ چلا اور ایک روز اچانک اس کتے نے اس کی ٹانگ پر کاٹ لیا اور اس کی ایک بوٹی نکال لی۔ خیر وہ ٹانگ پر رومال باندھ کر خون میں لت پت ڈاکخانے آ گیا۔ اسے دیکھ کر پوسٹ ماسٹر صاحب بڑے پریشان ہوئے۔ اللہ دتہ نے انہیں ساری بات سے آگاہ کیا۔ پوسٹ ماسٹر صاحب کہنے لگے کہ کیا تم نے کچھ لگایا بھی کہ نہیں!

وہ کہنے لگا نہیں جی بس بے چارہ پھیکا ہی کھا گیا۔ میں نے وہاں کچھ لگایا تو نہیں تھا۔ اب وہ ناداں سمجھ رہا تھا کہ آیا پوسٹ ماسٹر صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ اس نے ٹانگ پر کتے کے کاٹنے سے پہلے کچھ لگایا ہوا تھا کہ نہیں۔ ہم اسے بعد میں ہسپتال لے کر گئے اور اسے ٹیکے و یکے لگوائے۔ وہ بڑی دیر کی بات ہے لیکن وہ مجھے جب بھی یاد آتا ہے تو خیال آتا ہے کہ وہ کتنا عجیب وغریب آدمی تھا جو گھبراتا ہی نہیں تھا اور ایسے آدمی پر کبھی خواہش گھیرا نہیں ڈال سکتی۔ انسان جب بھی خوش رہنے کے لیے سوچتا ہے تو وہ خوشی کے ساتھ دولت کو ضرور وابستہ کرتا ہے اور وہ امارت کو مسرت سمجھ رہا ہوتا ہے۔ حالانکہ امارت تو خوف ہوتا ہے اور آدمی امیر دوسروں کو خوفزدہ کرنے کے لیے بننا چاہتا ہے۔ جب یہ باتیں ذہن کے پس منظر میں آتی ہیں تو پھر خوشی کا حصول ناممکن ہو جاتا ہے۔ ہم ایک بار ایک دفتر بنا رہے تھے اور مزدور کام میں لگے ہوئے تھے۔ وہاں ایک شاید سلطان نام کا لڑکا تھا وہ بہت اچھا اور ذہین آدمی تھا اور میں متجسس آدمی ہوں اور میرا خیال تھا کہ کام ذرا زیادہ ٹھیک ٹھاک انداز میں ہو۔ میں اس مزدور لڑکے کا

کچھ گرویدہ تھا۔ اس میں کچھ ایسی باتیں تھیں جو بیان نہیں کی جاسکتیں۔ ہم دوسرے مزدوروں کو تیس روپے دیہاڑی دیتے تھے لیکن اسے چالیس روپے دیتے تھے۔ وہ چپس کی اتنی اچھی رگڑائی کرتا تھا کہ چپس پر کہیں اونچ نیچ یا دھاری نظر نہیں آتی تھی۔ وہ ایک دن دفتر نہ آیا تو میں نے ٹھیکیدار سے پوچھا کہ وہ کیوں نہیں آیا۔ میں بھی دیگر افسر لوگوں کی طرح جس طرح سے ہم گھٹیا درجے کے ہوتے ہیں میں نے اس کا پتہ کرنے کا کہا۔ وہ اچھرہ کی کچی آبادی میں رہتا تھا۔ میں اپنے سیکرٹری کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر اسے لینے چلا گیا۔ بڑی مشکل سے ہم اس کا گھر ڈھونڈ کر جب وہاں گئے تو سیکرٹری نے سلطان کر کے آواز دی۔ اس نے کہا کہ کیا بات ہے؟

میرے سیکرٹری نے کہا کہ صاحب آئے ہیں۔

اس نے جواب دیا کیہڑا صاحب!

سیکرٹری نے کہا کہ ڈائریکٹر صاحب۔ وہ جب باہر آیا تو مجھے دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس نے انتہائی خوشی کے ساتھ اندر آنے کو کہا۔ لیکن میں نے اس سے کہا کہ میں سخت ناراض ہوں اور میں تمہاری سرزنش کے لیے آیا ہوں۔ وہ کہنے لگا کہ سر میں بس آج آ نہیں سکا۔ ایک مشکل ہوگئی تھی۔

میں نے کہا کونسی مشکل۔ تم ہمیں بغیر بتائے گھر بیٹھے ہوئے ہو اور اس طرح سے میری بڑی توہین ہوئی ہے کہ تم نے اپنی مرضی سے چھٹی کر لی۔

وہ کہنے لگا کہ سر آپ برائے مہربانی اندر تو آئیں۔ وہ مجھے زبردستی اندر لے گیا۔ اس کی بیوی چائے بنانے لگ گئی۔ میں نے اس سے کہا کہ میں چائے نہیں پیئوں گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے چھٹی کیوں کی؟

وہ کہنے لگا کہ سر جب کل شام کو میں گھر آیا تو ٹین کے کنستر میں میں نے سورج مکھی کا ایک پودا لگایا ہوا تھا اور اس کی ڈوڈی کھل کے اتنا بڑا پھول بن گیا تھا کہ میں کھڑا کھڑا اسے دیکھتا رہا اور میری بیوی نے کہا کہ یہ پہلا پھول ہے جو ہمارے گھر میں کھلا ہے۔

وہ کہنے لگا کہ سر مجھے وہ پھول اتنا اچھا لگا کہ میں خوشی سے پاگل ہو رہا تھا اور جب ہم کھانا کھا چکنے کے بعد سونے لگے تو میری بیوی نے مجھے کہا کہ ''سلطان کیا تمہیں معلوم ہے آج ہمارا کاکا چلنے لگا ہے اور اس نے آٹھ دس قدم اٹھائے ہیں۔'' اس وقت کاکا سو چکا تھا لیکن جب میں صبح اٹھا تو میں نے اپنے بیٹے کو بھی جگایا اور ہم میاں بیوی دور بیٹھ گئے۔ ایک طرف سے میری بیوی کاکے کو چھوڑ دیتی تھی اور وہ ڈگمگاتا ہوا میری طرف چلتا ہوا آتا اور جب وہ مجھ تک پہنچتا تو میں اس کی ماں کی طرف اس کا منہ کر دیتا تو وہ ڈگ مگ ڈگ مگ کرتا ماں تک پہنچتا اور ٹھاہ کر کے اس سے چمٹ جاتا۔ ہم بڑی دیر تک اپنے بیٹے کو دیکھتے رہے۔ وہ کہنے لگا ''سر اتنا اچھا پھول کھلا ہو اور بچے نے ایسا اچھا چلنا سیکھا ہو اور ایسا

free-urdubook.blogspot.com

خوبصورت دن ہوتو اسے چالیس روپے میں تو نہیں بیچا جا سکتا ہے نا! سر آج کا دن میرا ہے۔ اب میں شرمندہ سا ہو کر واپس آ گیا۔

خواتین وحضرات! اگر انسان میں اتنی طاقت ہو اور وہ ایسی صلاحیت رکھتا ہو تو پھر وہ خوشیوں کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے لیکن اگر اس کی زندگی کی خوشیاں ایسی ہوں جیسی ہماری ہیں اور جن کے ہم قریب بھی نہیں پھٹک سکتے اور ٹین کے کنستر میں لگا پھول ہمیں کبھی نظر ہی نہیں آ سکتا ہے۔ ہمیں خوشیاں بانٹنا آتا ہی نہیں۔ ہم نے یہ فن سیکھا ہی نہیں ہے۔

شیئر کرنا ایک ایسا مشکل کام ہے کہ ہمیں یہ کسی سکول' کالج یا یونیورسٹی نے سکھایا نہیں ہے۔ ہمیں اپنی چیزیں سنبھال کر رکھنے کی ہی ہمیشہ تلقین کی گئی ہے۔ جب پاکستان نہیں بنا تھا اس وقت تو ہمارے ہندو دوست کھانا کھاتے ہوئے اوپر پردہ ڈال لیتے تھے کہ کہیں کوئی اور کھانا نہ مانگ لے اور شریک نہ ہو جائے۔ اب ہمارے ہاں بھی ایسا رواج پروان چڑھ گیا ہے اور ہمیں بھی چھپانا آ گیا ہے اور ہم شیئر کرنے سے گھبراتے ہیں اور ہماری گردنوں پر یہی بوجھ وبال بنا ہوا ہے۔ میں اکثر چھوٹے بچوں' اپنے پوتوں پوتیوں اور نواسیوں سے کہتا ہوں کہ تمہارا زیادہ قصور نہیں ہے۔ ہمارے سارے ہی علاقے پر تیزاب کی بارش ہو رہی ہے اور جب باہر نکلو گے تو اس کے چھینٹے پڑیں گے ہی اور آپ کو ڈپریشن کا شکار ہونا پڑے گا کیونکہ آپ اپنا آپ کھول نہیں سکتے ہیں۔ اللہ کہتا ہے کہ جس طرح کا میں نے تمہیں بنایا ہے تم ویسے ہی ٹھیک ہو۔ آپ اس ناک' آنکھ' کان اور بالوں کو دیکھ کر خدا کی تعریف کرو اور سبحان اللہ کہو پھر دیکھو کتنی نعمتیں آپ پر وارد ہوتی ہیں۔ جیسے جانوروں' درختوں اور پرندوں پر وارد ہوتی ہیں۔ آپ نے کبھی دیکھا کہ پرندہ کس قدر خوش نصیب ہے جو گاتے گاتے فوت ہو جاتا ہے۔ اس کی موت کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ وہ ہم انسانوں کی طرح موت سے خوف زدہ ہو کر کئی دفعہ نہیں مرتا ہے۔ اسے فکر فردا نہیں ہوتی ہے۔ ہم فکرِ فردا کے عذاب میں مبتلا ہو کر مرتے جا رہے ہیں۔

بانو قدسیہ کی والدہ جو میری ساس تھیں وہ لمبے لمبے دوروں پر جایا کرتی تھیں۔ وہ اپنے ساتھ ''کروشیا'' ضرور رکھتی تھیں (شاید ہمارے ان بچوں کو کروشیئے کا پتہ نہ ہو۔) وہ سفر میں اپنے کروشیئے کے ساتھ کھٹا کھٹ بنتی جاتی ہوتی تھیں اور جب دورے سے لوٹ کر آتی تھیں تو ان کے پاس کچھ نہ کچھ بنا ہوا اور مکمل ہوا ہوتا تھا۔ جب کبھی ولائیت کی خواتین آتی تھیں تو انہیں دیکھ کر بہت حیران ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ ہم اسلام آباد جا رہے تھے تو انہوں نے اپنا کروشیا نکال لیا اور کچھ بننے لگیں۔ ان کے ساتھ ایک خاتون بیٹھی تھیں۔ وہ انہیں بڑے غور سے دیکھنے لگیں۔ (ان دنوں فوکر کا زمانہ تھا) وہ خاتون کہنے لگیں کہ آپ نے تو بڑے کمال کا ڈیزائن بنایا ہے۔ یہ بہت خوبصورت ہے۔ وہ گلاس کے نیچے رکھنے والی کوئی چیز تھی۔ میری ساس اس خاتون کو کہنے لگی کہ یہ اب مکمل ہو گیا اور یہ اب تمہارا ہوا۔ اس

free-urdubook.blogspot.com

نے بڑی مہربانی اور شکریے سے وصول کیا۔ جب میری ساس صاحبہ اس طرح کی کوئی دوسری چیز بنانے لگیں تو اس خاتون نے کہا کہ یہ تو میں حیدر کو دے دوں گی اور میں چاہتی ہوں کہ اس جیسا ایک اور میرے پاس بھی ہو۔ میری ساس کہنے لگی کہ وقت تھوڑا ہے اور یہ بن نہیں پائے گا۔ آپ مجھے اپنا ایڈریس دے دیں میں پہنچا دوں گی۔ لیکن انہوں نے بنانا شروع کر دیا۔ جب ہم پنڈی پہنچے تو اناؤنسمنٹ ہوئی کہ بہت دھند ہے جس کی وجہ سے لینڈنگ ممکن نہیں ہے لہٰذا اس جہاز کو پشاور لے جایا جا رہا ہے۔ اس سے میری ساس بڑی خوش ہوئی کہ اسے مزید وقت مل گیا ہے۔ جب پشاور لینڈ کرنے لگے تو پائلٹ کی آواز آئی کہ ہم یہاں لینڈ کرنے آئے تھے لیکن حیرانی کی بات ہے کہ اب یہاں کا موسم بھی پنڈی جیسا ہو گیا ہے لہٰذا ہمیں واپس پنڈی ہی جانا ہو گا کیونکہ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ وہاں کا موسم ٹھیک ہو گیا ہے۔ جب ہم پنڈی آئے تو وہ چیز تھوڑی سی رہ گئی اور مکمل نہیں ہوئی تھی۔ پائلٹ کی آواز پھر گونجی کہ ہم لینڈنگ کرنے والے ہیں لیکن ایک دو چکر اور لگائیں گے تا کہ رن وے کا درست اندازہ ہو سکے۔ جب وہ چیز مکمل بن چکی اور دو چکر بھی مکمل ہو گئے تو جہاز میں موجود ایک فوجی نے تالی بجائی اور میری ساس کو مخاطب کرتے ہوئے بولا کہ "بیگم صاحبہ اب لینڈ کرنے کی کیا اجازت ہے۔" میری ساس نے کہا کہ ہاں اب ہے کیونکہ یہ بن چکا ہے۔

ہم نے اور آپ نے کبھی شیئر کرنے والا کام نہیں کیا ہے۔ ہم نے کبھی خوشیوں کو شیئر نہیں کیا۔ آپ ہمارے ٹی وی اسٹیشن کے سٹوڈیو میں داخل ہوتے ہیں تو آپ کو ایک کوری ڈور کے درمیان میں ایک حضور نبی اکرم کا ارشاد گرامی لکھا ملے گا کہ "مسکراہٹ بھی ایک صدقۂ جاریہ ہے۔" لیکن ہم نے اپنی مسکراہٹ پر بھی کنٹرول رکھا ہوا ہے کہ خبردار مسکرانا نہیں۔ جب ہم کالج یونیورسٹی میں جاتے ہیں تو ہمارا منہ ایسے سوجا ہوتا ہے جیسے پتہ نہیں کیا غضب ہو گیا اور ہم کہتے ہیں کہ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم مسکراتے پھریں۔ ہمارا تو دین ہی سلامتی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جب ہم کسی کو السلام وعلیکم کہہ دیں تو پھر اس کو قتل نہیں کر سکتے۔

آپ کا اگر کسی کو قتل کرنے کا ارادہ ہو خدانخواستہ تو پھر السلام وعلیکم نہ کہنا (مسکراتے ہوئے) کیونکہ آپ اس شخص پر پہلے سلامتی بھیج دیں گے تو اسے قتل کیسے کریں گے۔ جب تک آپ خوشیاں بانٹیں گے نہیں خوشیاں پا نہیں سکتے۔

(حاضرین محفل میں سے ایک صاحب بولتے ہیں) اشفاق صاحب ایک حوالے سے حالیؔ کا ایک شعر ہے

پُر طلب ہو کر مزے سے زندگی کرتے رہے
اس خاموشی نے ہمارا بوجھ ہلکا کر دیا

free-urdubook.blogspot.com

اشفاق صاحب: واہ واہ کیا بات ہے۔ (ایک اور صاحب گویا ہوتے ہیں)۔

شیئر کرنے میں ہماری سوسائٹی میں ایک خوف بھی پایا جاتا ہے کہ کہیں ہم سے کوئی کچھ چھین نہ لے۔

اشفاق احمد:۔ تھوڑا نہیں بہت زیادہ خوف پایا جاتا ہے لیکن اگر سٹارٹ مسکراہٹوں سے لیا جائے چاہے وہ کروشیئے سے ہی کیوں نہ ہو تو وہ تو خوف ناک بات نہیں ہے۔ ہمارے بابا جی نور والے ایک دن کہنے لگے کے اشفاق میاں تمہارے پاس جو لکھنے والا پین ہے وہ کتنے کا ہے۔ میں نے کہا جناب جو میرے پاس ہے وہ ایک سو نوے روپے کا ہے اور بہت اچھا ہے۔ وہ کہنے لگے جب بھی پین خریدیں سستا خریدیں۔

وہ پوچھنے لگے کہ سستا کتنے کا آتا ہے؟

میں نے کہا کہ وہ ایک روپے اسی پیسے کا آتا ہے۔ (اس زمانے میں آتا تھا)۔ فرمانے لگے بس وہی لے لیا کرو۔ میں نے کہا کہ اتنا سستا پین خریدنا تو میری بڑی بے عزتی ہے۔ وہ کہنے لگے پتہ جب کبھی آپ ڈاکخانے جائیں اور کوئی آپ سے پین مانگ لے کہ مجھے پتہ لکھنا ہے اور وہ بھول کر اپنی جیب میں لگا کے چلا جائے تو آپ کو کوئی غم نہیں ہوگا اور آپ آرام سے سو جائیں گے لیکن اگر ایک سو نوے روپے والا ہوگا تو آپ کو بڑا دکھ ہوگا۔ خواتین و حضرات اپنے دکھ اور کوتاہیاں دور کرنے کے لیے آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم تسلیم کرنے والوں میں ماننے والوں میں شامل ہو جائیں اور جس طرح خداوند تعالیٰ کہتا ہے کہ دین میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ میرا بڑا بیٹا کہتا ہے کہ ابو دین میں پورے کے پورے کس طرح داخل ہو جائیں تو میں اس کو کہتا ہوں کہ جس طرح سے ہم بورڈنگ کارڈ لے کر ایئر پورٹ میں داخل ہو جاتے ہیں اور پھر جہاز میں بیٹھ کر ہم بے فکر ہو جاتے ہیں کہ یہ درست سمت میں ہی جائے گا اور ہمیں اس بات کی فکر لاحق نہیں ہوتی کہ جہاز کس طرف کو اڑ رہا ہے۔ کون اڑا رہا ہے بلکہ آپ آرام سے سیٹ پر بیٹھ جاتے ہیں اور آپ کو کوئی فکر فاقہ نہیں ہوتا ہے۔ آپ کو اپنے دین کا بورڈنگ کارڈ اپنے یقین کا بورڈنگ کارڈ ہمارے پاس ہونا چاہیے تو پھر ہی خوشیوں میں اور آسانیوں میں رہیں گے وگرنہ ہم دکھوں اور کشمکش کے اندر رہیں گے اور تسلیم نہ کرنے والا شخص نہ تو روحانیت میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی سائنس میں داخل ہو سکتا ہے۔ جو چاند کی سطح پر اترے تھے جب انہوں نے زمین کے حکم کے مطابق ورما چلایا تھا تو اس نے کہا کہ ورما ایک حد سے نیچے نہیں جا رہا۔ جگہ پتھریلی ہے لیکن نیچے سے حکم اوپر گیا کہ نہیں تمہیں اسی جگہ ورما چلانا ہے۔ وہ ماننے والوں میں سے تھا اور اس نے بات کو تسلیم کرتے ہوئے اسی جگہ ورما چلایا اور اس کے بالآخر وہ گوہر مقصود ہاتھ آ گیا جس کی انہیں تلاش تھی۔

free-urdubook.blogspot.com

خواتین وحضرات ماننے والا شخص اس زمین سے اٹھ کر افلاک تک پہنچ جاتا ہے اور وہ براق پر سوار ہو کر جوتوں سمیت اوپر پہنچ جاتا ہے اور جو نہ ماننے والا ہوتا ہے وہ بے چارہ ہمارے ساتھ یہیں گھومتا پھرتا رہ جاتا ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ جب ہم یہ مان لیتے ہیں کہ زمین میں کششِ ثقل ہے تو پھر ہم آگے چلتے ہیں اور ہمارا اگلا سفر شروع ہوتا ہے جبکہ نا ماننے سے مشکل پڑتی ہے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

free-urdubook.blogspot.com

''بھائی والی'' کا رشتہ

آج سے کئی ہفتے قبل میں نے اپنے بابا جی نور والے کا ایک واقعہ بیان کیا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ تو نے رکشہ والے کو کون سے پلے سے پیسے دیئے تھے۔ وہ ''دتے میں سے ہی تو دیئے تھے'' اگر سوا چار روپے بنتے تھے تو پورے پانچ روپے ہی دے دیئے ہوتے۔ ڈیرے پر جانے سے ہمارے دوست ابن انشاء بڑے ناراض ہوتے تھے۔ انہوں نے مجھے ناراض ہو کر کہا کہ ''تو وہاں کیا کرنے جاتا ہے۔ یہ ڈیرے فضول جگہیں ہیں' لوگ وہاں بیٹھ کے روٹیاں کھاتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں اور پھر اٹھ کر چلے آتے ہیں انہیں وہاں سے کیا ملتا ہے۔ میں نے رکشہ والا واقعہ ابن انشاء کو بھی سنایا اور اس نے اپنے ذہن کے نہاں خانے میں یہ واقعہ ایسے نوٹ کر لیا کہ مجھے اس دن کے واقعہ سے وہ کچھ نہیں ملا جو اس نے حاصل کر لیا اور وہ پھر ''دتے میں سے دیتا رہا'' اور ابن انشاء کی زندگی میں ایک مقام ایسا بھی آیا کہ وہ دے دے کر تنگ آ گیا اور اس نے کہا کہ اب میں کسی کو ٹکا تو دور کی بات ٹکنی بھی نہیں دیتا کیونکہ اس طرح دتے میں سے دینے سے میرے پاس اتنے پیسے آنے لگ گئے کہ میں پیسے جمع کرانے کے لیے بینک کی سلپیں بھی نہیں بھر سکتا (وہ بھی ہماری طرح سُست آدمی تھا) اس نے کہا کہ میرے پاس اتنے پیسے آنے لگے کہ میرے لیے انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

ہمارے سارے ہی بابے ایسی باتیں سمجھاتے رہتے ہیں۔ جب ہم اپنے بابا جی کے پاس ڈیرے پر جاتے ہیں تو وہاں ایک چھوٹی سی رسم ہوتی ہے جس میں بابا جی ایک شخص کو دوسرے شخص کا شراکت دار یا شریک بھائی بنا دیتے ہیں جیسا کہ مدینہ شریف میں ہوا تھا۔ وہ بھی اسی واقعہ کی نقل کرتے ہوئے یا اس کی پیروی کرتے ہوئے ایک شخص کو کہتے ہیں کہ اب سے فلاں تمہارا شریک بھائی ہے۔ کئی دفعہ وہ شریک بھائی پسند آتا ہے اور بعض اوقات پسند نہیں آتا لیکن بابا جی کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے بامر مجبوری شریک بھائی کو ساتھ لے کر چلنا پڑتا ہے۔ میں نے زندگی میں یہ بات محسوس کی ہے کہ نہ صرف انسانی زندگی شیئرنگ میں مصروف ہے بلکہ شجر حجر پہاڑ پتھر دریا بھی اس کائنات میں ایک

free-urdubook.blogspot.com

دوسرے کے ساتھ شیئر کرتے ہوئے چلتے ہیں۔ شراکت کسی کو کچھ دینے سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ کسی کو پیسے یا مثال کے طور پر دس لاکھ کا چیک دے کر تو آپ آزاد ہو جاتے ہیں لیکن ایک آدمی کے ساتھ شیئر مشکل ہے۔ بہو کا اپنی ساس کے ساتھ شیئر کرنا یا شوہر کا بیوی کے ساتھ شیئرنگ کی زندگی زیادہ کٹھن کام ہے۔ یہ باتیں ہمیں بابے لوگ ہی بتاتے تھے۔ ہمیں یہ باتیں کہیں کتابوں میں تو نظر نہیں آئیں۔ بابا جی فرمایا کرتے تھے کہ درخت بھی ہمارے ساتھ شیئر کرتے ہیں اور درختوں کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ''میں مسمی درخت پیپل اشفاق احمد کے ساتھ شیئر کر رہا ہوں۔ یہ جتنی کاربن ڈائی آکسائیڈ چھوڑے گا میں اس کو بڑی خوش دلی سے قبول کروں گا اور میں اس کے جواب میں اس کے لیے آکسیجن فراہم کرتا رہوں گا۔ چاہے میں کہیں بھی رہوں یہ رشتہ قائم رہے گا۔''

اس طرح بڑی بڑی چیزیں سورج چاند بھی شیئر کرنے والوں میں سے ہیں۔ جب ہم اس وقت سٹوڈیو میں بیٹھے پروگرام کر رہے ہیں ہمارا کے-ٹو پہاڑ تقریباً ایک کروڑ ٹن برف کی پگڑی باندھ کر ہر وقت شیئرنگ کے لیے مستعد اور تیار ہے اور وہ سورج کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ دو روشنی کی مزید کرنیں مجھ پر ڈال جھنگ میں پانی کم ہو گیا ہے اور مجھے چناب میں پانی بھیجنا ہے۔ اس نے برف اپنے لیے اکٹھی نہیں کی یہ اس کا اپنا شوق نہیں ہے۔ اس کو تھوڑی زینت کا شوق تو ضرور ہے کہ لوگ میرا نام لیں اور میرے درشن کرنے یہاں آئیں لیکن اس کا باقی تمام کام دوسروں کی خدمت ہے۔ سورج اپنی گرمی کا کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا ہے۔ ایک فلسفی نے بڑا خوبصورت فقرہ لکھا ہے وہ کہتا ہے کہ ''بڑھاپے میں انسان کی کیفیت ایسی ہو جاتی ہے جیسے ڈوبتا ہوا سورج۔''

خواتین وحضرات! ڈوبتے سورج کی روشنی صرف اپنے آپ کو دھکانے کے لیے درکار ہوتی ہے لیکن سارا دن وہ اپنی روشنی دوسروں کو ہی عطا کرتا ہے اور اسے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ اس طرح ہوائیں بادل سب شیئرنگ کرنا جانتے ہیں۔ ہم نہیں جانتے۔ ہمارے دوست قدرت اللہ شہاب کی والدہ ''ماں جی'' دوپہر کو کھانا کھا کے ایک خاص کونے میں ایک خاص چارپائی پر لیٹ جاتی تھیں اور انہوں نے ہلکا سا ایک کمبل اوڑھا ہوا ہوتا تھا۔ اس گھر کی بلی جو اپنا حق جانتی تھی جیسے ہی ماں جی سوتیں وہ بلی بھی چھلانگ مار کر چارپائی پر چڑھ جاتی تھی اور پھر آہستگی کے ساتھ اپنے دونوں پنجے لگا کر ماں جی کو دھکیلتی تھی کہ مجھے بھی سونے کے لیے جگہ دو۔ وہ بڑا کمال کا سین ہوتا تھا اور اکثر شہاب مجھے کہتے تھے کہ جلدی آؤ' جلدی آؤ ماں جی اور بلی کا مقابلہ ہو رہا ہے اور ماں جی اسے ''دفع ہو'' یا ذرا سی کوئی بات کہہ کر اس کے لیے جگہ چھوڑتی جاتی تھیں کیونکہ وہ ایک ایسا رشتہ تھا شراکت کا کہ وہ بلی کو کوستے ہوئے آگے کھسکتی جاتی تھیں اور بلی اپنی پوری جگہ بنا کر نیم دراز ہوتی جاتی تھی۔ پیارے بچو! جب تک ہم انسانوں کے درمیان شیئرنگ کا رشتہ قائم رہے گا یہ دنیا خوش اسلوبی کے ساتھ چلتی رہے گی لیکن جب

free-urdubook.blogspot.com

شیئرنگ میں رخنہ پڑنے لگتا ہے جیسا کہ ہمارے ہاں پڑ رہا ہے تو بے زاری بڑھ جاتی ہے اور اس طرح سے آدمیوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کیا جا رہا ہے اور ''نکھیڑا'' جا رہا ہے۔ یہ ایک خوفناک صورتحال ہے۔ ایک زمانے میں جب میں نے بی۔ اے کر لی تو میں نے بھی گھر والوں سے لڑائی کی کیونکہ جب بچہ سیانا ہو جاتا ہے تو وہ گھر والوں سے لڑتا تو ضرور ہے۔ سیانا ہونے کے بعد وہ سب سے پہلے تھرڈ ایئر میں کمیونسٹ ہو جاتا ہے۔ دوسرا وہ گھر والوں سے ضرور لڑتا ہے۔ میں بھی کچھ ایسے ہی ناراض ہو کر گوجر خان چلا گیا۔ یہ میں آپ کو خفیہ بات بتا رہا ہوں۔ وہاں جا کر میں سکول ماسٹر لگ گیا۔ وہاں ایک بڑے اچھے آدمی ہوتے تھے ان کا تھوڑا تصوف کے ساتھ بھی لگاؤ تھا۔ ہم شام کو ان کی بیٹھک میں بیٹھتے تھے۔ وہاں اور بھی بہت سے لوگ آتے تھے اور باتیں ہوتی تھیں۔ وہاں ایک آدمی نابی کمہار بھی آتا تھا۔ تھا تو وہ کمہار لیکن کوزہ گر کو خدا نے بڑی صلاحیتوں سے نوازا ہوتا ہے۔ اس کی سوچ بڑی عجیب ہوتی تھی وہ ایک روز وہاں آیا اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ صاحب جی یہ جو زمین ہے اس کا وزن کتنا ہے؟ اس کا کام مٹی کا تھا تو ظاہر ہے اس کی دلچسپی مٹی میں زیادہ ہوتی تھی۔ میں جیسے اپنے علم پر بڑا زعم تھا میں نے کہا کہ زمین کے بوجھ بارے تو میں نہیں جانتا لیکن میں تمہیں کہیں سے دیکھ کر ضرور بتاؤں گا۔ میں نے سکول کی لائبریری سے انفارمیشن اور معلومات کی کتابیں نکال نکول اور جوڑ جاڑ کے دیکھا اور اس سے کہا کہ بھئی دیکھو زمین کا سائنس کی رو سے وزن اتنے ہزار اتنے لاکھ اتنے کروڑ ٹن ہے۔ اسے ٹن کے بارے میں بھی بتایا کہ ایک ٹن 28 من کا ہوتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ میری طرف سے اس قدر مشکل سوال حل کر دیئے جانے کے باوجود بھی وہ مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ وہ مجھ سے پھر گویا ہوا اور اس نے مجھ سے بات پوچھ کر مجھے حیران کر دیا کہ

''جی ایہہ وزن بندیاں سمیت اے کہ بندیوں بگیر۔''

اس وقت تو میں اس کی بات پر چڑا بھی کہ یہ کیسی بات کر رہا ہے لیکن آج میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہر چیز کی بندے کے ساتھ شراکت ہے۔ جب ہم سڑک پر گاڑی چلاتے ہیں تو دوسروں کو یکسر بھلا دیتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ بس ہم ہی ہیں میرا بھی یہی حال ہے۔ میں بھی کہتا ہوں کہ بس میں ہی ہوں اور ''گلیاں ہوون سنجیاں تے بس میرا مرزا یار پھرے'' میں سمجھتا ہوں کہ مجھے کیا پروا ہے کہ میں لین کے اندر چلوں یا سڑک کو شیئر کروں۔ اس کی وجہ ہے کہ ہم میں شیئر کرنے کا رجحان ختم ہو چکا ہے اور جس قوم یا گروہ انسانی میں شیئرنگ کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے وہ سوسائٹی غرق ہونے لگتی ہے۔ ڈوبنے لگتی ہے۔ ہم شیئرنگ کے بغیر چل نہیں سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نظام ہی ایسا بنایا ہے۔ آج سے تین چار سال پہلے میں امریکہ گیا۔ میرا بیٹا وہاں پروفیسر ہے۔ ہم اس کی یونیورسٹی سے آ رہے تھے تو ہماری گاڑی سے آگے ایک اور گاڑی جا رہی تھی۔ سڑک بالکل سنسان تھی۔ میں نے اپنے بیٹے سے کہا

کہ یار اس سے آگے نکلو یہ تو بہت آہستہ جا رہا ہے۔ کہتا اچھا ابو گزرتے ہیں اور وہ آگے نکلنے میں بہانے بازی کر رہا تھا۔ میں نے غصے سے کہا کہ تم اس کو ہارن دو اور اسے ایک طرف کرو۔ وہ کہنے لگا کہ ابو اسے ہوٹ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ عمر رسیدہ آدمی ہے جو گاڑی چلا رہا ہے۔ اگر میں ہارن دوں گا تو یہ گھبرا جائے گا اور کسی نقصان کا اندیشہ ہے۔ میں نے کہا کہ دفع کر یار اگر نقصان ہوتا ہے تو اس کا ہونا ہے ہمیں کیا۔ میرا بیٹا کہنے لگا کہ ابھی موڑ آ جائے گا تو اس سے آگے نکل جائیں گے اور وہ ویسے ہی آہستہ آہستہ گاڑی چلاتا رہا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم میری بات کیوں نہیں مانتے۔ وہ کہنے لگا کہ ابو بات یہ ہے کہ یہ میرا کولیگ ہے۔ میں نے کہا کہ اچھا کیا یہ تمہارے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھاتا ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں۔ میں نے کہا کہ کیا یہ تمہارے ساتھ ایڈمنسٹریشن میں ہے۔ وہ کہنے لگا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ پھر یہ تمہارا ساتھی کیسے ہو گیا۔ وہ کہنے لگا ابو He is my road fellow اور میں اِسے گھبرانا پسند نہیں کرتا۔ میں نے کہا کہ لعنت ا تمہیں اس لیے پڑھنے بھیجا تھا کہ اس طرح کی فضول باتیں سیکھ لے۔ ادھر لاہور یا کراچی میں آ کے گاڑی چلا اور کھٹا کھٹ کسی کے بیچ میں مار۔ یہ تو نے کیا نئی اصطلاح ''سڑک کا ساتھی'' بنا رکھی ہے۔ یہ کوئی رشتہ وشتہ نہیں ہے۔

خواتین و حضرات! جب شیئرنگ کی تار ٹوٹتی ہے تو پھر اس قسم کی مشکلات پیدا ہوتی ہیں اور نواب دین (نابی کمہار) جیسا کمہار پیدا ہوتا ہے تو وہ شیئرنگ کے رشتے کو جوڑتا ہے جیسے کہ وہ مٹی کو جوڑ کر کوزہ بناتا ہے بالکل اسی طرح سے ہے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ کسی کو کچھ دے دینا تو بڑا ہی سہل کام ہے شیئر کرنا مشکل ہے۔ میاں بیوی کا خاص طور پر شیئرنگ کا بہت عجیب رشتہ ہے۔ نہ بھی پسند ہو تو بھی تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ قرآن پاک میں بھی اللہ میاں فرماتے ہیں کہ تم کو اپنی بہت سی بیویاں ناپسند ہوں گی لیکن تم نے ان کے ساتھ رہنا ہے۔ جوڑنے والی اپنی جسمانی یا نفسیاتی تکلیف کے باوجود کیا کچھ حاصل کرتے ہوں گے اس کا اندازہ ہمیں نہیں ہے لیکن ہمارے بابے کہتے ہیں کہ شیئرنگ کرنے سے آپ کو ایک عجیب طرح کی تقویت ملتی ہے۔ ایسی ہی تقویت جو آپ آکسیجن کی صورت میں درخت سے حاصل کرتے ہیں جس سے آپ توانا رہتے ہیں۔ اگر آپ زندگی کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں شراکت اور ''بھائی والی'' کے اوپر غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کے اردگرد کس طرح سے شیئرنگ کا عمل جاری ہے لیکن یہ عمل توجہ دینے سے نظر آتا ہے اور جس وقت اس عمل کو اپنی زندگی میں شامل نہ کر لیا جائے مشکل ہو جائے گی اور ہم اس مشکل میں سے گزر بھی رہے ہیں اور ساری دنیا اس شیئرنگ سے نکل رہی ہے۔ میرے ایک دوست کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی اس کا نام صائمہ تھا۔ جب ہم سمن آباد میں رہتے تھے اس کی وہاں شادی ہو گئی پھر وہ سمن آباد سے شادی کے بعد لندن چلی گئی۔ اس کا خاوند انجینئر تھا۔ وہ لندن سے پھر

free-urdubook.blogspot.com

کینیڈا اشفٹ ہو گئے۔ جب ان کے ماشاء اللہ دو تین خوبصورت سے بچے ہو گئے تو پھر صائمہ نے کہا کہ ہم کتنی دیر باہر رہیں گے اور اس کے بعد وہ واپس گھر لاہور آ ئے۔ پہلے تو وہ پوش ایریا ڈیفنس میں رہے پھر گلبرگ آئے اور آخر کار وہ سمن آباد میں ہی آ گئے حالانکہ یہ علاقہ ان کے مزاج کے مطابق نہیں تھا اور نہ ہی یہ علاقہ ان کی بود و باش کے لیول پر پورا اترتا تھا۔ ایک دن میں اپنے دوست اے حمید سے ملنے کے لیے جا رہا تھا تو وہ مجھے راستے میں مل گئی اور اس نے مجھے بتایا کہ انکل آج کل میں سمن آباد میں ہوں۔ میں نے کہا کہ تم نے یہ علاقہ کیوں نہیں بدلا۔ وہ کہنے لگی کہ انکل ایک تو اس علاقے سے میرے بچپن کی یادیں وابستہ ہیں اور یہاں سٹور بھی بڑا نزدیک ہے جو چیز نہیں ہوتی ہے میں جھٹ سے لے آتی ہوں۔ میں نے کہا کہ سمن آباد میں ایسا کون سا اشیائے ضروریہ کا سٹور ہے جس سے ہر چیز دستیاب ہے۔ وہ کہنے لگی انکل بہت بڑا ہے اور نہایت اعلیٰ درجے کا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے تو نہیں دیکھا۔ کہنے لگی اماں کا گھر میرے گھر کے قریب ہی ہے جس چیز کی ضرورت پڑتی ہے وہاں سے جا کے لے آتی ہوں۔ اس سے اچھا سٹور مجھے کہیں ملا ہی نہیں۔ میں بڑی دیر اس سے باتیں کرتا رہا اور خوش ہوتا رہا۔ شیئرنگ اس طرح سے ہوتی ہے اور اس کی جڑیں کئی طرح سے ملی ہوتی ہیں۔ اب آپ کو اپنی ذات کے ساتھ یہ فیصلہ خود کرنا ہے اور ایسا فیصلہ کرنے کے لیے ایک وقت ضرور مقرر کرنا پڑے گا جس میں آپ اپنے آپ کا احاطہ کریں۔ لوگوں نے مجھ سے مراقبہ کے حوالے سے پوچھا بھی ہے اور میں انشاء اللہ کسی اور پروگرام میں مراقبہ کی تمام اقسام عرض کروں گا اور وہ اقسام اکتسابی طور پر ہی ہوں گی کیونکہ میں خود تو اس کا ماہر نہیں ہوں۔ مراقبہ ایک خود احتسابی کا طریقہ ہی تو ہے۔ وگرنہ انسان لوگوں پر تنقید کرتا ہوا ہی اس جہان فانی سے گزر جاتا ہے۔ آپ کو شراکت کی ہلکی ہلکی لہریں نہ صرف اپنے علاقے' گھر یا ملک میں ملیں گی بلکہ آپ جہاں بھی چلے جائیں جہاں بھی انسان آباد ہیں اور جہاں بھی اللہ کے نظارے ہیں وہ نظارے اور فضائیں آپ کو اپنے ساتھ شیئرنگ کرتی ہوئی ہی ملیں گی۔ آپ مری' بھوربن کیوں جاتے ہیں؟ وہ بھوربن آپ کا انتظار کر رہا ہوتا ہے کہ پلیز آ جاؤ بڑی دیر ہو گئی۔ میں آپ کے ساتھ کچھ شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ جب آپ وہاں سے ہو کر آ جاتے ہیں تو آپ کو احساس ہوتا ہے کہ بھوربن میرے ساتھ کچھ شیئر کر رہا تھا کیونکہ آپ کا وہاں جانے کا پھر دل کرتا ہے۔ شراکت بہت بڑی نعمت ہے جو قدرت کی طرف سے ہمیں عطا ہوتی رہتی ہے۔ جب میں اٹلی میں تھا وہاں ایک اصول ہے کہ ہر سال ڈرائیونگ لائسنس کی جب تجدید کروائی جاتی ہے تو آپ کو ایک بار پھر ڈاکٹر کے حضور بینائی ٹیسٹ کرانے کے لیے پیش ہونا پڑتا ہے۔ میں بھی ڈاکٹر کے پاس گیا اور اس نے کہا کہ اوپر کی لائن سے پڑھتے ہوئے چھٹی لائن تک آؤ۔ آخری لائن بڑی باریک لکھی ہوئی تھی۔ میں نے پانچویں لائن تک تو کھٹا کھٹ پڑھ دیا لیکن جب میں چھٹی پر آیا تو رک گیا اور میں نے ڈاکٹر سے اطالوی زبان میں

free-urdubook.blogspot.com

کہا کہ یہ مجھ سے نہیں پڑھی جاتی ہے تو ڈاکٹر نے کہا کہ "پاس۔" یہ پانچ لائن پڑھنے تک کا حکم ہے یہ چھٹی تو میں تمہیں اپنی طرف سے کہہ رہا تھا۔ اب میں اس چھوٹے سے رشتے کو محبت کے رشتے کو کیا نام دوں لیکن اس نے میرا دل پر باش کر دیا تھا اور اس کی معمولی سی محبت کی بات سے میرا دل خوشی سے بھر گیا تھا۔ مجھے یہ بات محسوس کر کے بھی بڑی خوشی ہوتی ہے کہ بہت سے لوگوں میں بہت کچھ جانتے ہوئے اور نہ جانتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ شیئر کیا ہے اور میں نے تو شیئرنگ کے فائدے بہت اٹھائے ہیں۔ میں یہ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس شیئرنگ سے میں نے کسی کو کیا دیا البتہ یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس شیئرنگ کی بدولت بہت کچھ حاصل کیا۔

اللہ آپ سب کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا اور شیئر کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

free-urdubook.blogspot.com

''گھوڑا ڈاکٹر اور بلونگڑا''

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچے۔

ایک مرتبہ پھر اس ماحول میں پہنچ کر یقیناً آپ کو بھی ویسی ہی خوشی ہوئی ہو گی جیسی کہ مجھے اس وقت ہو رہی ہے۔ ایف۔اے کے زمانے میں عام طور پر (یہ ہمارے زمانے کی بات ہے) سٹوڈنٹس انگریز شاعر Oscar Wilde کی محبت میں بہت مبتلا ہوتے تھے۔ اب زمانہ آگے نکل گیا ہے۔ اب شاید اس کی نظموں پر اس قدر توجہ نہ دی جاتی ہو۔ جس طرح سے ہم اس کی محبت میں مبتلا تھے ویسے ہی ہمارے رتی جناحؒ (قائداعظم کی اہلیہ) جو ہم سے کافی چھوٹی تھیں وہ بھی Oscar Wilde کی محبت میں بہت بری طرح سے مبتلا تھیں اور اس کی نظمیں وہ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی زبانی سنا کرتی تھیں۔ ان دنوں قائداعظمؒ بڑے مصروف ہوتے تھے اور ان پر بہت زیادہ بوجھ ہوتا تھا اور وہ کام کا بوجھ بتدریج بڑھتا جا رہا تھا لیکن وہ ایک ہی Request کرتیں کہ ''جناحؒ مجھے اس کی ایک نظم اور سناؤ۔'' قائداعظمؒ کا قد جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں کہ بہت خوبصورت تھا لیکن آپ شاید اس بات سے واقف نہ ہوں کہ جب قائداعظمؒ لندن بیرسٹری پڑھنے کے لیے گئے تو وہاں ایک ایکٹر کی ضرورت کا اشتہار آیا۔ یہ اشتہار ایک Shakespearen Theatre Company کی طرف سے تھا۔ اب قائداعظمؒ کو بھی اپنی انگریزی دانی اور اپنی آواز پر ناز تھا اور وہ بھی وہاں چلے گئے۔ وہاں تمام کے تمام امیدوار گورے تھے جو ستر کے قریب تھے۔ قائداعظمؒ نے بھی ایک مکالمہ پڑھ کر سنایا اور اتنے سارے امیدواروں میں جس کو چنا گیا وہ قائداعظمؒ ہی تھے۔ قائداعظمؒ اس انتخاب پر بہت خوش تھے اور وہ اپنا مستقبل ایک کامیاب اور نامور ایکٹر کا دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اس کمپنی کا ڈرامہ سائن کر لیا اور گھر آ کر خوشی خوشی اپنے والد کے نام خط لکھا کہ ''میں اتنے زیادہ لوگوں میں سے منتخب کر لیا گیا ہوں اور ایک انٹرنیشنل تھیٹریکل کمپنی میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔'' اب ان کے والد پونجا جناح پرانی وضع کے آدمی تھے۔ انہوں نے جوابی خط لکھا (اب مجھے یاد نہیں کہ وہ خط بذریعہ جہاز گیا یا تار کے ذریعے بھیجا

free-urdubook.blogspot.com

گیا) اور اس میں کہا کہ تم کو جس کام کے لیے بھیجا گیا ہے تم اس کی طرف توجہ دو۔ یہ تم نے کیا ایک نیا پیشہ اختیار کر لیا ہے۔ "خبردار اگر تم نے اس طرح کی کسی سرگرمی میں حصہ لیا تو" اب اس زمانے کے بچے بھی بڑے نیک اور تابع فرمان ہوتے تھے اور خط ملتے ہی قائداعظمؒ کو فکر پڑ گئی اور اس کمپنی کے مالک سے کہا کہ سر میں بہت شرمسار ہوں اور میں وعدہ کے مطابق پرفارم نہ کر پاؤں گا۔ انہوں نے پوچھا کہ آخر تمہیں کیا ہوا؟ قائداعظمؒ نے کہا کہ سر میرے والد صاحب نے منع کیا ہے اور وہ میرا اس طرح تھیٹر میں کام کرنا انہیں پسند نہیں ہے۔

کمپنی مالک نے کہا کہ تمہارے والد کو کیا اعتراض ہے۔ یہ تمہاری ذاتی زندگی ہے اور تم جو چاہو پیشہ اختیار کر سکتے ہو۔

قائداعظمؒ نے کہا کہ Sir you do not understand. ہماری زندگی میں والد بڑے اہم ہوتے ہیں اور میں معافی چاہتا ہوں۔

رتی قائداعظمؒ سے Oscar Wilde کی نظمیں ضرور سنا کرتی تھیں۔ یہ پروگرام شروع ہونے سے قبل مجھے آسکر وائیڈ کی ایک نظم کا مصرعہ یاد آ رہا تھا

Suffering is very long moment.

You can not divide it by time.

خواتین و حضرات! Suffering ایسی چیز ہے جو لمحاتی ہوتی ہے لیکن اسے تقسیم کرنے کے لیے چاہے کتنے ہی موسم گزر جائیں وہ کسی صورت تقسیم ہو نہیں پاتے ہیں۔ پریشانی کا ایک چھوٹا سا لمحہ بھی طویل تر ہو جاتا ہے۔ انسانی زندگی میں بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ کوئی فرد یا گروہ انسانی Suffering کی لپیٹ میں ضرور آ جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج کل ہم پر بھی کچھ ایسی ہی کیفیت طاری ہو چکی ہے۔ ہم ایک بوجھ تلے دبے ہوتے ہیں اور ہمیں اس احساس ندامت نے دبا رکھا ہے جو کسی طرح سے ہمیں گھیر کر اپنے چنگل میں لے آیا ہے۔ یہ Pain اور Sufferings دکھ و الم تو انسانی زندگی کے ساتھ چلتے رہنا چاہیے لیکن مایوسی اس کے قریب نہیں آنی چاہیے۔ مجھے خوشی ہے کہ جب میں اپنے ملک کے دوسرے ساتھیوں کو دیکھتا ہوں تو ان میں آج کے Scenario میں دو چیزیں نظر آتی ہیں۔ یا تو انہیں غصہ آتا ہے اور یا انہیں اس بات کا دکھ ہے کہ ہم بھی کسی سے کم نہیں ہیں اور ہماری گردن پر ہاتھ رکھ کر زبردستی ہمارے سر کو نیچا کرنے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ خدا کے کرم و فضل سے لوگ اس قدر مایوسی کے عالم میں نہیں ہیں جیسا کہ ہمارا دشمن اندازہ کر رہا تھا۔

خواتین و حضرات! مایوس ہونے کی ضرورت نہیں لیکن دکھ تک جانے کا آپ کو حق حاصل

free-urdubook.blogspot.com

ہے۔ میں جب سکول میں داخل ہوا تو مجھے جس مس کے حوالے کیا گیا وہ بڑی خوش اخلاق تھیں۔ نہایت خوش وضع اور لمبے قد کی شفیق سی استاد تھیں۔ ہماری مائیں ماسیاں بڑی سخت ہوتی تھیں اور اس استاد کی طرف سے ہماری طرف جو شفقت کا لپکا آ رہا تھا وہ میرے لیے نیا تجربہ تھا۔ وہ ہمارے کھیلنے کے لیے آسائش کا سامان بھی مہیا کرتی تھیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس استاد کے لیے دل میں ایک ایسی محبت پیدا ہوگئی جس کا توڑنا بڑا مشکل ہو گیا۔ ہمیں اماں کے پاس رہنا تکلیف دہ ہوتا تھا لیکن اس مس کے پاس زیادہ آسانی محسوس ہوتی تھی۔ خواتین و حضرات گو یہ ایک میری ذاتی سی بات ہے اور میں آپ کو اپنا دکھ بتاتا ہوں کہ ان کی اس سکول سے یا ٹرانسفر ہوگئی یا پھر انہوں نے خود ہی سکول چھوڑ دیا۔ بہرکیف وہ ہم سے جدا ہو گئیں۔ میں اب اس بڑھاپے میں پہنچ چکا ہوں میں نے اب تک کی اپنی زندگی میں اتنا دکھ محسوس نہیں کیا جس قدر اس شفیق استاد کی جدائی سے مجھے ہوا۔ مجھے شاید یہ بات آپ کو بتانی چاہیے کہ نہیں کہ اس جدائی میں نہ کھانا اچھا لگتا تھا نہ پینا اچھا لگتا تھا اور نہ ہی زندہ رہنا اچھا لگتا تھا۔ مجھے زبردستی سکول بھیجا جاتا تھا اور میں اپنی اس ٹیچر کی یاد اور محبت میں اس قدر مبتلا ہو گیا تھا کہ میں جب عشق و محبت کے قصے پڑھتا ہوں تو مجھے خیال آتا ہے کہ میں اس وقت گو بہت چھوٹا تھا لیکن میں لاشعور میں آخر کس طرح اتنا آگے بڑھ گیا تھا کہ میں اپنی اس استاد کو ایک بہت ہی ارفع و اعلیٰ مخلوق سمجھ کر اس کی پرستش کرنے لگا تھا اور جدائی کا دکھ بہت گہرا محسوس کرتا تھا اور اس دکھ کے باوصف میں مایوس نہیں تھا اور میرے دل کے کسی نہ کسی کونے کھدرے میں یہ بات ضرور تھی کہ میں ان سے ضرور ملوں گا اور پھر میں اپنا آپ اس شفیق استاد کی خدمت میں پیش کروں گا۔ وقت گزر گیا اور ان سے ملنے کا کوئی موقع ہاتھ نہ آیا۔ وہ جانے کہاں چلی گئیں لیکن دل میں ان کا دکھ بڑھتا رہا۔ میں نے پھر میٹرک کیا' ایف۔اے' بی۔اے کر چکنے کے بعد یونیورسٹی کا سٹوڈنٹ بنا۔ ولائیت چلا گیا اور وہاں جا کر پڑھاتا بھی رہا۔ لکھنے لکھانے کا کام بھی کرتا رہا۔ جب میں لوٹ کر آیا تو مجھے ایک خاتون ملیں۔ بہت سنجیدہ' سلیقہ شعار اور وہ بہت پڑھی لکھی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ میں کچھ لکھتی ہوں اور مجھے آپ کا سٹائل بہت پسند ہے اور میں چاہتی ہوں کہ آپ کی طرز کا لکھنا مجھے بھی آئے۔ میں نے ان سے کہا کہ جی میں نے لکھنا کہیں سے سیکھا تو نہیں یہ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ میرے بارے ایسا فرما رہی ہیں لیکن وہ محترمہ اصرار کرنے لگیں کہ آپ مجھے ضرور اصلاح دیں اور میری تحریروں پر Comments ضرور دیں۔ ان سے جب دوسری ملاقات ہوئی یہ جان کر میرے دل کی کلی کھل اٹھی کہ وہ محترمہ میری وہی استاد تھیں جس کی جدائی کا دکھ میں اب تک دل میں لیے پھرتا تھا اور آج میں اپنی اس محبوب ٹیچر کا استاد بن گیا تھا۔ میرے اس وقت مایوس نہ ہونے نے مجھے اتنا بڑا سہارا دیا اور میں ایک امید پر زندہ رہا۔ میں جب اپنے بچپن کی بات کرتا ہوں تو اگر آپ مجھے سچ بولنے کی اجازت دیں تو میں بتانا چاہوں گا کہ اس وقت دو مرتبہ مجھ پر

free-urdubook.blogspot.com

مایوسی کا عالم بھی رہا اتنا مایوس جس طرح ایک مرغے کی کلغی گر جائے تو وہ ہو جاتا ہے۔ میں بھی اس قدر شدید مایوسی میں رہا لیکن اس کے بعد میں نے خدا سے کہا کہ اب بس یہ مایوسی مجھے زندگی کے بقیہ حصے میں نہیں ستائے گی۔ میں سکول میں پکی یا پہلی جماعت میں تھا۔ میرے پاس سے ایک تانگہ گزرا۔ اس تانگے کا کوچوان کچھ ظالم تھا اور وہ گھوڑے کو چھانٹے مار کر چلاتا تھا۔ گرمیوں کا موسم تھا اور چھانٹے لگنے سے بیچارہ گھوڑا کچھ تڑپا اور بے ہوش ہو کر گر گیا۔ لوگوں نے جلدی سے گھوڑے کے بند اور راسیں کھول دیں اور لوگ اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگے لیکن وہ اٹھ نہ سکا۔ کسی نے کہا کہ گھوڑا ڈاکٹر کو بلاؤ۔ جب میں نے یہ بات سنی تو میں بہت خوش ہوا اور وہاں کھڑا ہو کر دیکھنے لگا اور گھوڑا ڈاکٹر کا انتظار کرنے لگا کہ گھوڑا ڈاکٹر آ کر کس طرح اس گھوڑے کو اٹھائے گا۔ اب میں نے گھر جانا تھا اور بستہ میرے ہاتھ میں تھا۔ گھوڑا ڈاکٹر کے انتظار میں آدھ گھنٹہ گزر گیا۔ پون گزر گیا اور پھر تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ایک تانگہ آ کر وہاں رکا جس میں سے ایک آدمی اترا جو اس گھوڑے کی طرف چلا۔ اب میں کسی گھوڑا نما ڈاکٹر بارے سوچ رہا تھا لیکن وہ تو بندہ ڈاکٹر نکلا اور میرے ایک گھنٹے کا انتظار سخت مایوسی میں تبدیل ہو گیا۔ میں اس وقت واقعی یہ سمجھتا تھا کہ گھوڑوں کا علاج کرنے کے لیے گھوڑے ہوں گے اور کتوں کا علاج کرنے کے لیے کتے ہوں گے۔ میں وہ مایوسی آج تک نہیں بھول سکا۔ وہ مایوسی میرے دل و دماغ سے جاتی ہی نہیں ہے۔

دوسری بار میں جب سخت مایوس ہوا وہ واقعہ کچھ اس طرح سے ہے کہ ہمارے سکول کے ہیڈ ماسٹر کے بیٹے کے پاس ایک بڑا خوبصورت بلونگڑا (بلی کا بچہ) تھا۔ اسے دیکھ کر میرے دل میں بھی یہ آرزو پیدا ہوئی کہ میرے پاس بھی ایسا ہی کوئی بلونگڑا ہو۔ میں نے اپنے ابا جی سے کہا کہ آپ مجھے بھی ایک بلونگڑا لا دیں۔ ابا جی کہنے لگے کہ چھوڑ یار وہ تو بڑی فضول چیز ہے۔ تجھے ہم اس سے بھی اچھی چیز لے دیں گے۔ میں نے کہا کہ نہیں آبا جی میں تو بلونگڑا ہی لوں گا۔ جب انہوں نے مجھے اور بھی اچھی چیز لے دینے کا وعدہ کیا تو میں بہت خوش ہوا۔ ان دنوں میری بڑی ہمشیرہ کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ ابا جی نے کہا کہ اشفاق تمہیں ایک ایسی پیاری چیز ملے گی جسے تم اٹھا بھی سکو گے۔ وہ تمہیں پنجہ بھی نہیں مارے گی۔

میں نے کہا کہ مجھے اس سے اور اچھی چیز کیا چاہیے؟ خواتین و حضرات! مجھے ابا جی اٹھا کے اور بڑی محبت کے ساتھ جھولاتے ہوئے ایک صبح ہمشیرہ کی طرف لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ میری ہمشیرہ سر پر رومال باندھے لیٹی ہوئی تھیں اور ان کے پہلو میں ایک چھوٹا سا اور پیارا سا بچہ پڑا تھا۔ میرے ابا جی نے وہ بچہ اٹھا کر مجھے کہا کہ لو دیکھو میں نے جب اسے دیکھا تو اس کا رنگ سرخ تھا۔ اس کی آنکھیں اور منہ ناک بند تھا۔ میں اسے تھوڑی دیر تو دیکھتا رہا اور میں نے پھر روتے ہوئے ابا جی

free-urdubook.blogspot.com

سے کہا کہ نہیں اباجی مجھے بلونگڑا ہی لے دیں۔ وہ دن بھی میری مایوسی کا دن تھا جو میں آج تک نہیں بھولا۔ اس کے بعد میں نے اپنے اللہ سے کہا کہ میں مایوس نہیں ہوں گا اور خدا کا شکر ہے کہ اب مجھ پر جو بھی کیفیت گزرے میں کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ یہ بھی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم سب تکلیف میں ضرور ہوتے ہیں' دکھ میں مبتلا ضرور ہو سکتے ہیں لیکن ہم مایوسی کی راہ پر نہیں چلتے اور یہی ہمارے دین نے ہمیں سکھلایا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ہماری ساخت ان لوگوں سے مختلف ہے جو ہمارے پڑوس میں آباد ہیں۔ جن سے ہم نے یہ ملک پاکستان لیا ہے۔ آپ نے کیکر کا درخت تو دیکھا ہی ہو گا اس کی جو ''مڈھی'' ہوتی ہے جہاں کیکر کی شاخیں آ کر گرتی ہیں۔ خواتین و حضرات سوکھا ہوا کیکر کا درخت اور سوکھی ہوئی کیکر کی ''مڈھی'' پھاڑنی بہت مشکل ہوتی ہے۔ بڑے سے بڑا لکڑ ہارا بھی اسے آسانی سے نہیں چیر سکتا۔ اس مقصد کے لیے ایک خاص قسم کے کلہاڑے کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں یہ واچ کرتا رہا ہوں کہ خاص قسم کے کلہاڑے والے لکڑ ہارے جب اس پر کلہاڑے کی سو ضربیں لگاتے ہیں لیکن وہ مڈھی ٹس سے مس نہیں ہوتی کیونکہ مڈھی میں تنے ایک خاص انداز میں ایک دوسرے کو جکڑے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ میرا مشاہدہ ہے کہ جب اس مڈھی پر 101 ویں ضرب پڑتی ہے تو وہ مڈھی چر جاتی ہے۔ پھر اس پر کسی سخت ضرت کی ضرورت ہی نہیں ہوتی وہ Continuous Effort اور اس مسلسل کوشش کے پیچھے ایک جذبہ کارفرما ہوتا ہے جو اس سخت قسم کی مڈھی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ انسان کو کسی دکھ' تکلیف یا درد میں مایوس نہیں ہونا چاہیے اور ہمیں خداوند تعالیٰ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ تم ہرگز ہرگز مایوسی میں داخل نہ ہونا۔ لیکن چونکہ شیطان سے میری پرانی دوستی ہے اور روز اس سے میرا ملنا ہوتا۔ وہ مجھے کہتا ہے کہ دیکھو اشفاق احمد تیرا یہ کام نہیں ہوا۔ تو تو کہتا تھا کہ میں یہ وظیفہ یا کام کروں گا تو خدا میرا فلاں کام کر دے گا لیکن اللہ نے تیرا وہ کام کیا نہیں ہے۔ میں دکھی ہو کر اس سے کہتا ہوں کہ کام تو میرا نہیں ہوا' دعا تو میری قبول نہیں ہوئی لیکن سر میں آپ کی ڈی میں شامل نہیں ہوں گا۔ آپ مجھے مایوس کرنا چاہتے ہیں لیکن میں مایوس ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔ چاہے آپ جو مرضی کر لو۔ اب تک تو اس کے ساتھ یہ تعلق اور رشتہ قائم ہے کہ وہ مایوس کرنے کی پے در پے کوششیں کر رہا ہے اور میں مایوس نہیں ہو رہا ہوں۔ آپ زندگی میں جب بھی دیکھیں گے آپ محسوس کریں گے کہ شیطان اور کچھ نہیں کرتا صرف آپ کو مایوس کر دے گا کہ دیکھو تم نے اتنا کچھ کیا لیکن کچھ نہیں ہوا۔ لیکن جناب شیطان صاحب میں دکھی ہو سکتا ہوں' رنجیدہ ہو سکتا ہوں' مایوس نہیں ہو سکتا اور یہ مجھ پر اللہ کی بڑی مہربانی اور خاص عنایت ہے کہ میں بچپن کے دو واقعات کے سوا کبھی مایوس نہیں ہوا۔ میں آپ سے بھی یہی توقع رکھتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ آپ مایوسی کے گھیرے میں کبھی مت آئیے گا کیونکہ آپ اگر کبھی جہلم کے پاس شیر شاہ سوری کے قلعے کے قریب گروبالاناتھ

free-urdubook.blogspot.com

کے ٹیلے پر گئے ہوں وہاں چڑھائی چڑھ کر جانا پڑتا ہے اور وہاں جانے والے لوگ تو تانگے پر سوار بیٹھے رہتے ہیں لیکن کوچوان اتر کر گھوڑے کے ساتھ ساتھ چلنے لگتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ نہ اتریں اور گھوڑے کو اس بات کی تشفی نہ ہو کہ میرا مالک بھی میرے ساتھ ہے تو وہ گھوڑا کبھی اونچائی پر نہ چڑھ سکے۔ آپ لوگوں کی اس محبت کا شکریہ کہ آپ یہاں تشریف لائے اور آپ نے میری بات سنی۔ اب میں اور آپ آج کے بعد کسی معاملے میں بھی مایوسی کے اندر داخل نہیں ہوں گے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

free-urdubook.blogspot.com

''لڑن رات ہو وچھڑن رات نہ ہو''

باوجود اس کے کہ ہر روز اَبر چھایا رہتا ہے لیکن بارش نہیں ہوتی۔ بارش کی آرزو ہم ہر روز کرتے ہیں لیکن یہ ہو نہیں پاتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو بہت کم کم۔ بارش اور جاندار کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے کہ سب جاندار پانی سے پیدا ہوئے' کچھ ایسے جو پیٹ کے بل چلتے ہیں' کچھ ایسے جو دو ٹانگوں کے ہیں اور کچھ ایسے جو چوپائے ہیں۔ خواتین و حضرات پانی سے ہی یہ ساری آبادیاں قائم ہوئیں اور علیم مطلق بہتر جانتا ہے کہ کب بارش کرنی ہے اور کب روکنی ہے لیکن ہم لالچی بندے ہیں ہم اپنے مقصد کو دیکھتے ہیں اور بارش کے لیے آرزو مند ہیں۔ ایک مرتبہ میں بذریعہ ریل کار لاہور سے پنڈی جا رہا تھا۔ اس وقت بارش ہو چکنے کے بعد دھوپ نکل آئی تھی لیکن ریل کار کے شیشے کے اوپر بے شمار بڑے بڑے بارش کے قطرے موجود تھے اور گاڑی ایک سٹیشن پر رُکی ہوئی تھی اور میں ان خوبصورت قطروں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ ایک قطرہ اپنی جگہ سے پھسلا اور درمیان میں آ کر کھڑا ہو گیا پھر ایک اور قطرہ ایک اور جانب سے آیا اور اس قطرے کے ساتھ شامل ہو گیا۔ وہ تھوڑی دیر کو رُکے رہے اور پھر اس قطرے میں سے ایک قطرہ علیحدہ ہو کر شمال کی طرف چلا گیا۔ ایک جنوب کی سمت چلا گیا اور میں انہیں بڑی دیر تلک دیکھتا رہا کہ اس میں سے وہ کون ہے؟ اور وہ دوسرا کون ہے؟ یعنی میں ان قطروں میں پہلے اور بعد میں آنے والے قطرے میں تمیز کرنے سے قاصر تھا۔ اس طرح انسان بھی اپنوں سے ملنے کی آرزو کرتا رہتا ہے۔ کسی نہ کسی صورت اس کا تعلق لوگوں سے ہو جبکہ لوگ یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ وہ پیسوں سے ہیں۔ ان کے پاس زیادہ دولت ہو وہ خیال کرتے ہیں کہ شاید زیادہ دوست ہونے سے ہمیں زیادہ آسانیاں ملیں گی اس لیے میرے اور آپ کے درمیان دولت حائل ہو گئی ہے جس نے ہمارے درمیان ایک خلیج بنا دی ہے۔ ہم بڑی کوشش اور ہمت کے باوصف ایک دوسرے سے اس طرح نہیں مل سکتے جیسے بے غرض اور بے لوث انداز میں بارش کا ایک قطرہ شیشے پر سے پھسلتا ہوا دوسرے سے جا ملتا ہے اور پھر اس سے جدا ہو جاتا ہے اور پتہ ہی نہیں چلتا کہ کون کون تھا؟ اور کیا کیا تھا؟

free-urdubook.blogspot.com

اس معاملے میں ہم انسان قطروں سے پیچھے ہیں۔ ہم ایک دوسرے سے ملنے کی بجائے پیسوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ یہ بات بھی نہیں ہے کہ یہ دور ہی مادی آ گیا ہے بلکہ انسان کے بل ہی اتنے بڑھ گئے ہیں کہ وہ انہیں Pay ہی نہیں کر سکتا اور ان بلوں کے چنگل سے نکل ہی نہیں پاتا اور یہ بل ہماری ناجائز ضرورتوں کے باعث بڑھ گئے ہیں۔ آپ اندازہ کریں کہ میری تنخواہ یا آمدن کا ساٹھ سے باسٹھ فیصد حصہ ان چیزوں پر خرچ ہو رہا ہے جو 1960ء میں ہوتی ہی نہیں تھیں اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ میں 1960ء میں بھی زندہ تھا اور میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ ان سب چیزوں کے بغیر میں سن ساٹھ میں حیات تھا۔ اس وقت شیمپو کا تصور نہیں تھا اور ہم لال صابن سے نہایا کرتے تھے۔ اب شیمپو خریدنے کے چکر میں گھر کا بجٹ ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ اس وقت فوٹو سٹیٹ نام کی کوئی مصیبت نہیں تھی اس وقت صرف لاہور کے اندر پونے دو کروڑ کے قریب فوٹو سٹیٹ کی مشینیں ہیں اور ایک اندازے کے مطابق دس سے بارہ لاکھ کی فوٹو کاپیاں روز ہوتی ہیں۔ (اشفاق احمد کا یہ پروگرام 2003ء میں نشر ہوا تھا اور یہ اندازہ اس وقت کا ہے) سکول کے بچے پہلے ہاتھ سے کام کرتے تھے اب فوٹو کاپیاں کراتے ہیں۔ عدالتوں میں جس کاغذ کی ضرورت نہیں بھی ہوتی اس کی بھی کاپیاں کرانے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ یہ اضافی بوجھ ہم پر پڑا ہے۔ آج سے چند سال قبل موبائل فون کا کوئی چکر نہیں تھا اب ہر کوئی کانوں کو لگائے پھرتا ہے۔ زندگی ان کے بغیر بھی چل رہی تھی اور بڑی اچھی چل رہی تھی۔ یہ دباؤ ہیں جو انسان کے اوپر پڑا ہوا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ آدمی کبھی بھی پیسے کے بل پر چل کر دوسرے آدمی سے مل نہیں سکتا ہے۔ ہم انسانوں سے حسد بھی کرتے ہیں، غصہ بھی رکھتے ہیں اور غیبت بھی کرتے ہیں لیکن آدمی کا آدمی سے ملنے کو دل بھی ضرور کرتا ہے اور انسان انسان سے ملے بغیر مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔ کتاب لکھ دینے یا دانشور بن جانے سے انسان مکمل نہیں ہوتا۔ ایک آدمی بے چارہ تھا۔ سکول ٹیچر ہی ہوگا۔ اس نے بیوی سے کھانا مانگا۔ آگے سے انکار ہوا تو اس نے سوچا کہ چلو پیر صاحب سے مل آتے ہیں۔ تانگے والے سے کہا کہ پیسے نہیں، لے چل لیکن اس نے بھی کہا کہ پیدل ہی چلو۔ اس نے بھی خیال کیا کہ میل ڈیڑھ میل کا راستہ ہے پیدل طے کر لیتے ہیں۔ وہ کافی راستہ طے کر کے دریا کنارے گیا تو وہاں پر بھی پیسے طلب کیے گئے کہ گزرنا ہے تو پیسوں کی ادائیگی کرو۔ اب اس غریب نے اپنی دھوتی سر پر لپیٹی اور دریا میں چھلانگ لگا دی اور تیرتا ہوا دریا کراس کر گیا اور چلتا چلتا پیر صاحب کے حضور پہنچا۔ پیر صاحب اعلیٰ درجے کے ریشمی بستر پر تکیہ لگائے مزے سے بیٹھے تھے اور ان کے اردگرد پھلوں کے ٹوکرے رکھے ہوئے تھے اور مٹھائیاں اور دیگر نعمتوں کے انبار لگے پڑے تھے۔ پیر صاحب مرید کو دیکھ کر خوش ہوئے اور ابھی وہ بے چارہ بھوکا پیاسا گرتا پڑتا پیر صاحب کو درست طرح سے سلام بھی نہیں کر سکا تھا کہ پیر صاحب نے اپنی ٹانگ آگے کر دی کہ اس کو دابو۔ وہ مرید تھوڑی دیر ٹانگ دباتا رہا تو پیر صاحب کہنے لگے کہ واہ بھئی واہ

ہم دونوں کو کتنا ثواب ہو رہا ہے۔

اس نے کہا کہ پیر صاحب خدا کا خوف کریں مجھے تو ثواب ہو رہا ہے آپ کو کدھر سے ہو رہا ہے۔ پیر صاحب نے ناگواری سے ٹانگ پیچھے کھینچی اور کہنے لگے "لے کلا ہی ثواب لئی جا۔" (لو اب تم اکیلے ہی ثواب لیتے رہو۔)

اس طرح آدمی کو آدمی کی ضرورت رہتی ہے چاہے وہ کسی بھی مقام پر ہو وہ انسان کو تلاش کرتا ہے۔

میری بھانجی کی ایک بیٹی ہے جسے پیار سے بلی کہتے ہیں۔ وہ ساہیوال میں رہتی ہے۔ میری دوسری بھانجی کی بیٹی ٹینا اور بلی بڑی گہری سہیلیاں ہیں۔ وہ ہم عمر ہیں۔ ٹینا لاہور میں رہتی ہے۔ کبھی کبھی کسی بیاہ شادی کے موقع پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ساہیوال جانا پڑتا ہے اس طرح ٹینا ایک بار جب ساہیوال گئی تو وہ دونوں ایک ہی بستر میں لیٹی ہوئی تھیں کہ آدھی رات کے وقت ٹینا کے رونے کی آواز آئی۔ بلی کی ماں نے اس سے پوچھا کہ ٹینا کیا بات ہے۔

ٹینا روتے ہوئے کہنے لگی کہ بلی مجھے مونگ پھلی نہیں دیتی۔ اس کی ماں نے کہا کہ بلی کے پاس تو مونگ پھلی نہیں ہے۔

تو وہ روتے ہوئے کہنے لگی کہ خالہ یہ کہتی ہے کہ جب بھی میرے پاس مونگ پھلی ہوئی میں تمہیں نہیں دوں گی۔ وہ رو رہی تھی لیکن بلی کے بستر سے نکل نہیں رہی تھی کیونکہ نہ ہونے کے تعلق کو بھی انسان کھینچ کے اپنی ذات کے ساتھ شامل کر لیتا ہے۔ لیکن اب بدقسمتی سے ہم نے تعلق کا باعث ڈھیر ساری دولت کو سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ یہ جو خاندانی نظام آہستہ آہستہ ٹوٹ رہے ہیں اور لوگ ایک دوسرے سے بے خبر' بے سدھ زندگی گزارنے کو ترجیح دے رہے ہیں اس کی وجہ روپے پیسے کی بہتات ہے۔ اس پیسے نے نزدیکی کی بجائے دوریاں پیدا کر دی ہیں۔ جب میری آپا زبیدہ حیات تھیں تو جہلم میں ان کے پاس ایک ٹی وی سیٹ تھا۔ ان کے گھر ایک ادھیڑ عمر شخص پیچ کس پلاس لے کر ان کا ٹی وی ٹھیک کر رہا تھا۔ وہ روز ٹی وی ٹھیک کرنے آتا۔ صبح صبح آجاتا' دوپہر اور شام کا کھانا کھا کر چلا جاتا۔ میں بھی وہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ میں دو تین چار دن تک دیکھتا رہا اور میں نے دیکھا کہ ساتویں دن وہ ایک نئی ٹیوب لے کر آیا اس نے کہا کہ آپا جی اس ٹیلیویژن کی ٹیوب خراب ہو گئی ہے اسے یہ لگانے آیا ہوں۔ انہوں نے بھی کہا کہ ٹھیک ہے لگا دو۔ اس نے وہ ٹیوب لگا دی تو وہ بلیک اینڈ وائٹ ٹیلیویژن چلنے لگا۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے آپا زبیدہ سے کہا کہ آپا یہ جو سات دن کوشش میں رہا اور آپ نے اسے کوشش کرنے دی اور اگر اس کی ٹیوب ہی بدلنی تھی تو پہلے دن ہی بدل دی ہوتی۔ وہ کہنے لگی کہ نہیں اگر ایسا ہو جاتا تو پھر وہ بے چارہ اتنے دن کس سے ملتا۔ اس کا بھی اتنے دن دل لگا رہا اور ہمارے گھر میں بھی

free-urdubook.blogspot.com

رونق لگی رہی ہے۔

خواتین و حضرات! اب بندہ بندے سے ملنا پسند نہیں کرتا ہے۔ اس کا وہ پہلے سا رشتہ نہیں رہا ہے اور اب یہ تعلق اور رشتے ایک خواب بن چکے ہیں۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ڈھیر سارے ڈالر آ جانے سے آپ Rich ہو جائیں گے۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ آپ کے پاس پیسہ تو ہوگا لیکن آپ کی محرومیاں بڑھتی چلی جائیں گی۔ اس کا سدباب ابھی سے کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ آج اپنے بھائی بندوں سے دور ہوتے گئے اور ہمارے درمیان رخنہ آتا گیا تو خلیج بڑھ جائے گی اور دو طرح کے تعلیمی نصاب نے بھی ہمارے درمیان لکیر کھینچ دی ہے۔

اب آرٹ کے کلچر کے مظاہر اور شواہد میں بھی فرق ڈالا جا رہا ہے۔ بہاولپور میں ایک سکول ٹیچر حبیب اللہ صاحب تھے۔ وہاں ایک کرم الٰہی صاحب بھی تھے وہ بھی استاد تھے۔ وہ ایک ساتھ کافی عرصہ اکٹھے پڑھاتے رہے اور ریٹائرمنٹ کے بعد جدا ہو گئے۔ ان میں بڑا پیار تھا۔ کرم الٰہی صاحب لاہور آ گئے جبکہ حبیب اللہ صاحب بہاولپور میں ہی رہے۔ ایک دفعہ حبیب اللہ صاحب بہاولپور سے ملتان گئے۔ ملتان بہاولپور سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ وہ وہاں اپنا کام کرنے کے بعد رات کو بس پکڑ کر ساہیوال پہنچ گئے۔ ساہیوال بس سٹینڈ سے یکہ لے کر کرم الٰہی صاحب کے گاؤں چک گ-ب یا ای-بی جو بھی تھا وہاں چلے گئے اور اپنے یارِ قدیم کے گھر پر دستک دی۔ حبیب اللہ صاحب کہنے لگے کہ میں چائے تو لاری اڈے سے ہی پی آیا ہوں۔ چلیں اکٹھے چل کے نماز پڑھتے ہیں۔ (اس وقت فجر کی اذان ہو رہی تھی) انہوں نے کہا کہ ملتان آیا ہوں ساہیوال قریب ہی ہے چلو کرم الٰہی سے مل آتا ہوں۔ خواتین و حضرات بہاولپور سے ملتان اتنا سفر نہیں ہے جتنا ملتان سے ساہیوال ہے لیکن وہ اس سفر کو ''قریب ہی'' کا نام دے رہے تھے۔ انہوں نے اپنے یارِ عزیز سے کہا کہ تم سے ملنا تھا مل لیا۔ تمہیں دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی اور اکٹھے فجر پڑھ لی اور اب میں چلتا ہوں۔ کرم الٰہی صاحب نے بھی کہا کہ بسم اللہ آپ کے دیدار سے دل خوش ہو گیا۔

خواتین و حضرات! ہم ایسے نہیں کر سکتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ایک ایسا بیچارہ شہر بھی ہے جہاں بڑے پھول اور باغ ہیں۔ وہ بڑا خوبصورت بھی ہے لیکن وہاں کوئی بھی کسی سے ملنے نہیں جاتا۔ بلکہ کام کی غرض ہی انسان کو وہاں لے جاتی ہے۔ وہ شہر اسلام آباد ہے۔ میں یہ کہتے ہوئے معافی چاہتا ہوں کہ میں بھی وہاں جب گیا ہوں کسی نہ کسی کام کے سلسلے میں گیا ہوں اور کام کے ہو چکنے کے فوراً بعد وہاں سے لوٹ آیا ہوں۔ مجھے اس بات کی وجہ سے اسلام آباد پر پیار بھی آتا ہے۔ وہاں میرے بہت پیارے دوست بھی رہتے ہیں جن میں نادر، عمار اور فراز بھی ہے لیکن وہاں جانا صرف کام کی غرض سے ہی ہوتا ہے۔

free-urdubook.blogspot.com

جوں جوں انسان کے درمیان فاصلے ہوتے جا رہے ہیں اور نظر نہ آنے والی دراڑیں پڑتی جاتی ہیں۔ انسان بیچارہ ان فاصلوں کو پیسوں کی کمی سے جوڑ رہا ہے اور اس نے سارا زور معاشی پوزیشن بہتر کرنے پر لگا رکھا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر معاشی صورتحال اچھی ہوگئی اور انسانوں کا منہ ایک دوسرے کے مخالف رہا تو پھر ان پیسوں، ڈالروں کا آخر کیا فائدہ ہوگا؟ اس لیے ہمیں اپنے اپنے طور پر سوچنا پڑے گا کہ چاہے ایک دوسرے سے لڑائی ہوتی رہے لیکن وچھوڑا تو نہ ہو جس طرح پنجابی زبان کا ایک محاورہ ہے کہ ''لڑن رات ہو پر وچھڑن رات نہ ہو۔''

جب ہم کالج میں پڑھتے تھے تو ہم سینما دیکھنے جایا کرتے تھے۔ عام طور پر گھر والے ہمارا سینما جانا پسند نہیں کرتے تھے لیکن ہم چلے جایا کرتے تھے۔ ان دنوں سینما کی ٹکٹ خریدنے کے لیے لکشمی چوک میں ایک قطار لگتی تھی۔ ایک دفعہ ہم قطار میں کھڑے تھے اور قطار بہت لمبی تھی۔ اس قطار میں ایک بڑی داڑھی والا آدمی بھی کھڑا تھا۔ اس نے پرانی سی واسکٹ پہنی ہوئی تھی اور اس کی ہیئت کچھ اچھی نہ تھی۔ نوجوان جو اس شخص کو اور اس جیسے دیگر لوگوں کو پسند نہیں کرتے ویسا ہی ایک نوجوان وہاں تھا۔ اس نے اس شخص سے کہا ''بابا جی تسی فلم ویکھنی اے۔''

اس نے جواب نہیں دیا۔ تو نوجوان نے غصے سے کہا کہ پھر تم قطار میں کیوں پھنسے کھڑے ہوئے۔ وہ کہنے لگا ''جی میں بندیاں دے کول ہونا چاہناں واں مینوں کوئی نیڑے نئیں آن دیندا۔'' (میں لوگوں کے قریب آنا چاہتا ہوں لیکن مجھے کوئی اپنی قربت اختیار نہیں کرنے دیتا ہے۔)

اس شخص نے کہا کہ میں اس غرض سے ہر روز لائن میں آ کے کھڑا ہو جاتا ہوں اور اس طرح میرے ہر طرف آدمی ہی آدمی ہوتے ہیں حالانکہ میں نے نہ کبھی فلم دیکھی ہے اور نہ ہی دیکھنی ہے۔

ایسے ترسے ہوئے لوگ بھی ہیں اور اس قسم کے بے شمار لوگ ہمارے اردگرد ہیں جن کو انسانی کندھے کی ضرورت ہے لیکن بیچارے انسان کا یہ المیہ ہے کہ وہ ایسے ہی گھبرایا رہتا ہے۔ مجھے وہ بابا اب بھی یاد ہے جو ایک دن اپنی 80 سال کی بوڑھی بیوی کو مر جا مر جا کہے جا رہا تھا۔ میں وہاں سے گزر رہا تھا۔ اس سے پوچھا کہ بابا آخر قصہ کیا ہے۔ تو وہ کہنے لگا کہ یہ دوائی نہیں کھاتی اور اگر اس نے دوائی نہ کھائی تو مر جائے گی۔ میں نے وہ دوائی دیکھی تو وہ عام سی ملٹی وٹامن کی گولیاں تھیں۔ کسی خاص بیماری کی بھی نہیں تھیں۔ میں نے کہا کہ بابا تو نوے سال کا ہے اور یہ اسّی سال کی بڑھیا۔ اب تو اسے مرنے دے تو نے اس کا کیا کرنا ہے تو وہ بابا کہنے لگا صاحب جی اس کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ اینٹیں پاتھنے والوں کی بیٹی ہے اور روڑے اکٹھے کرنے والوں کی اولاد ہے۔

وہ کہنے لگا کہ صاحب جی ''ایس دی بڑی لوڑ اے۔ جدوں میں سویرے سے شام تیکر کنکر کنکر روڑے روڑے ہو جاتا ہوں تو چونکہ اس کو روڑے اکٹھے کرن دا ول آوندا اے اور ایہہ میرے روڑے

free-urdubook.blogspot.com

کنکرا کٹھے کر کر مینوں فیئر زندہ کر دیتی ہے۔"

خواتین و حضرات! ایسے لوگ آپ کے شہر میں ابھی بھی موجود ہیں جو اس لیے قریب قریب بیٹھے ہیں جو دوسرے کو بکھرنے سے بچا لیتے ہیں۔

میری اپنی ذاتی آرزو ہے کہ پیسہ واقعی ضروری چیز ہے لیکن انسان کا احترام زیادہ لازمی ہے۔ اس سے آپ کو زیادہ خوشی' محبت' حدت اور Love عطا کر سکتا ہے جو آپ کو زندہ رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ میری دعا اور آرزو ہے کہ ہم سب انسانوں کے قریب آئیں اور ان کو سمجھنے کی کوشش کریں چاہے بلی اور ٹینا کی لڑائی کی صورت میں یا گورنمنٹ کالج کے عقب میں رہنے والے اس بڈھے بابے کی طرح جو اپنی بوڑھی بیوی سے لڑ رہا تھا اور اس کی لڑائی میں بے پناہ محبت پنہاں تھی اور وہ ایک دوسرے کے لیے زندہ رہنا چاہتے تھے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

free-urdubook.blogspot.com

توکّل

ہم سب کی طرف سے اہل زاویہ کو سلام پہنچے۔ اس میز پر ہم گزشتہ کئی ماہ اور ہفتوں سے پروگرام کر رہے ہیں۔ اس میز پر کچھ کھانے پینے کی اشیاء ہوتی ہیں۔ ابھی ایک لمحہ قبل میں حاضرین سے درخواست کر رہا تھا کہ یہ آپ کے لیے ہیں اور آپ انہیں بڑے شوق سے استعمال کر سکتے ہیں لیکن ہم زندگی میں اتنے سیانے محتاط' عقل مند اور اتنے "ڈرا کل" ہو گئے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ شاید اس میں کوئی کوتاہی یا غلطی ہو جائے گی اور جب میں اس بات کو ذرا وسیع کر کے دیکھتا ہوں اور اپنی زندگی کا جائزہ لیتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے کہ ہم صرف احتیاط کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور جب اس کو ذرا اور وسیع تر دائرے میں میں پھیلاتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے کہ میں اور میرے معاشرے کے لوگ سارے کے سارے ضرورت سے زیادہ خوفزدہ ہو گئے ہیں اور انہیں ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ہم سے کوئی کوتاہی نہ ہو جائے۔ ہم آج کل نقصان کی طرف مائل ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتے اسی لیے اگر ہم کو کوہ پیمائی کرنا پڑے۔ ہمالیہ کی چوٹی سر کرنی پڑے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ تو بڑا "رسکی" کام ہے۔ رسک کا ہے کو لینا' بہتر یہی ہے کہ آرام سے رہیں اور چار پیسے بنانے کے لیے کوئی پروگرام بنائیں۔ چار پیسے بنانا اور اپنی مالی زندگی کو مزید مستحکم کرنا کچھ ضرورت سے زیادہ ہو گیا ہے۔ ہم تعلیم اس لیے حاصل کرتے ہیں کہ یہ ہم کو فائدہ دے گی یا ہم اس سے پیسے حاصل کریں گے اور تعلیم کا تعلق ہم نوکری کے ساتھ جوڑتے ہیں حالانکہ علم اور نوکری کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر ایمانداری کے ساتھ دیکھا جائے تو پتہ یہ چلتا ہے کہ علم حاصل کرنا تو ایک اندر کی خوبصورتی ہے۔ جیسے آپ باہر کی خوبصورتی کے لیے پاؤڈر لگاتے ہیں اور میک اپ کرتے ہیں۔ لڑکیاں لپ اسٹک اور کاجل لگاتی ہیں اسی طرح انسان اپنی روح کو بالیدگی عطا کرنے کے لیے علم حاصل کرتا ہے۔ لیکن ہم نے علم کو نوکری سے وابستہ کر دیا ہے۔ آئے روز اخباروں میں چھپتا ہے کہ جی تین ہزار نوجوان ایم۔ بی۔ اے ہو گئے ہیں انہیں نوکری نہیں ملتی۔ ایک زمانے میں میں یہ بات سمجھنے میں پھنس گیا کہ صاحبِ علم کون ہوتے ہیں اور یہ بات میری سمجھ اور گرفت

free-urdubook.blogspot.com

میں نہیں آتی تھی۔

میں یونیورسٹی میں دوستوں اور پروفیسروں سے اس بابت پوچھا لیکن کوئی خاطر خواہ جواب نہ ملا۔ پھر میں نے ولایت والوں سے خط و کتابت میں پوچھنا شروع کیا اور ان سے پوچھا کہ

Who is Educated Person in the Real Sense of its Term.

ان کی طرف سے موصول ہونے والے جواب بھی ایسے نہیں تھے جن سے میں مطمئن ہو جاتا۔ میرے پاس لوگوں کے اس بابت جوابات کی ایک موٹی فائل اکٹھی ہوگئی۔ ایک دن میں اپنے بابا جی کے پاس ڈیرے پر گیا۔ اس دن ڈیرے پر گاجر گوشت پکا ہوا تھا۔ مجھے کہنے لگے کہ کھاؤ۔ میں نے کھانا کھایا اور وہ فائل ایک طرف رکھ دی۔ گرمیوں کے دن تھے۔ مجھ سے کہنے لگے کہ اشفاق میاں یہ کیا ہے۔ میں نے بتایا یہ فائل ہے۔

کہنے لگے یہ تو بڑی موٹی ہے اور اس میں کاغذات کیا ہیں۔ میں نے کہا کہ جی یہ آپ کے کام کے نہیں ہیں۔ یہ انگریزی میں ہیں۔

وہ دیکھ کر کہنے لگے کہ اس میں تو چٹھیاں بھی ہیں۔ ان پر ٹکٹ بھی لگے ہوئے ہیں اور ان پر تو بڑے پیسے لگے ہوں گے۔

مجھ سے فرمانے لگے کہ تو باہر خط کیوں لکھتا ہے؟ میں نے کہا بابا جی ایک ایسا مسئلہ سامنے آ گیا تھا جو مجھے باہر کے لوگوں سے حل کروانا تھا کیونکہ ہمارے ہاں ساری دانش ختم ہوگئی ہے۔ وہ کہنے لگے ایسی کونسی بات ہے میں نے انہیں بتایا کہ میں ایک مسئلے میں الجھا ہوا ہوں۔ وہ یہ کہ آخر صاحب علم کون ہوتا ہے؟

وہ کہنے لگے۔ بھئی تم نے اتنا خرچ کیوں کیا۔ آپ میرے پاس ڈیرے پر آتے اور یہ سوال ہم سے پوچھ لیتے۔ ہمارے بابا جی باوصف اس کے کہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے انہیں ایک لفظ "Note" آتا تھا۔ جانے انہوں نے کہاں سے یہ لفظ سیکھا تھا۔

مجھے کہنے لگے "Note"!

"صاحب علم وہ ہوتا ہے جو خطرے کے مقام پر اپنی جماعت میں سب سے آگے ہو اور جب انعام تقسیم ہونے لگے تو جماعت میں سب سے پیچھے ہو۔"

یہ سننے کے بعد میں بڑا خوش ہوا کیونکہ جب انسان کو علم عطا ہو جاتا ہے تو اس کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اور ممکن ہے میرا یہ خیال غلط ہو لیکن میرا خیال ہے کہ ہمارے ہاں کسی نہ کسی طرح سے علم کی کمی ہو رہی ہے اور احتیاط کی زیادتی ہو رہی ہے۔ میں خود بڑا محتاط ہوں۔ میرے پوتے' نواسے نواسیوں کی تعداد بڑھی تو میں ایک خوفزدہ انسان میں تبدیل ہو گیا کہ ان کا کیا بنے گا۔ یہ کدھر

free-urdubook.blogspot.com

جائیں گے؟ ایسے کیوں ہوگا؟ دھوبی کا خرچ کم کیسے ہوگا؟

میں ہر وقت یہی سوچنے میں لگا رہتا تھا۔ اس سے خرابی یہ پیدا ہوتی ہے جو میں اپنے میں، اپنے دوستوں اور عزیز و اقارب میں دیکھتا ہوں کہ خدا کی ذات پر سے اعتماد کم ہونے لگا ہے۔ جب آدمی بہت محتاط ہو جاتا ہے تو پھر ذرا وہ گھبرانے لگتا ہے اور ہم سب اس قسم کی گھبراہٹ میں شریک ہو گئے ہیں۔ اگر اس گھبراہٹ کو ذرا آگے بڑھایا جائے تو اس کے نقصانات بھی بہت زیادہ دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ہم عموماً ایک جملہ بولتے ہیں کہ "جی بڑا دو نمبر کام ہو رہا ہے۔" اس کی وجہ بھی گھبراہٹ ہی ہے۔ جب ہم خوف اور گھبراہٹ کے پیش نظر یہ سوچنا شروع کر دیتے ہیں کہ کہیں مجھ میں مالی کمزوری پیدا نہ ہو جائے دو نمبر کام کرتے ہیں۔ مجھے یاد آتا ہے کہ 1866ء میں ہندوستان کا ایک وائسرائے تھا۔ (میرا خیال ہے کہ لارڈ کرزن ہی ہوگا) اس کو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جا کر Cultural Pattern تلاش کرنے کا بڑا شوق تھا اور بھارت میں میوزیم وغیرہ اس نے Sattle کیے تھے۔ وہ ایک دفعہ ایک گاؤں گیا۔ اس نے وہاں اپنا کیمپ لگایا۔ اس کے ساتھ دو اڑھائی آدمیوں کا اس کا عملہ بھی تھا۔ اس وقت وائسرائے بڑی زبردست اور Powerfull چیز ہوا کرتی تھی۔ لارڈ کرزن لکھتا ہے کہ جب وہ اپنے کیمپ میں سویا ہوا تھا تو آدھی رات کے قریب مجھے اپنے سینے پر بہت بوجھ محسوس ہوا۔ وہ بوجھ اس قدر زیادہ تھا کہ مجھے سانس لینا مشکل ہو گیا۔ جب میں نے لیٹے لیٹے آنکھ کھولی تو کوئی پچیس تیس سیر کا کوبرا میرے سینے پر بیٹھا ہوا تھا اور اس نے پھن اٹھایا ہوا تھا اور اس کوبرے کا منہ میرے چہرے کی طرف تھا اور ہر لمحہ زندگی اور موت کے درمیان فاصلہ کم ہوتا چلا جا رہا تھا لیکن میں ہلا نہیں بلکہ اسی طرح خاموش لیٹا رہا اور کوئی چیخ و پکار نہیں کی اور میں اس انتظار میں تھا کہ چونکہ خدا کی طرف سے بھی کبھی نہ کبھی تائید غیبی انسان کو پہنچتی ہے اور میں اس کا انتظار کرنے لگا۔

خواتین و حضرات! اس طرح کے لمحات میں اس طرح کی سوچ ایک بڑے حوصلے اور اعتماد کی بات ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے دوسرے ہی لمحے میں نے دیکھا کہ میرے کیمپ کا پردہ اٹھا کر ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ اس آدمی نے جب صورتحال دیکھی تو وہ الٹے پاؤں واپس چلا گیا اور اس نے دودھ کا ایک بڑا سا مرتبان لیا اور اس میں گرم دودھ ڈالا اور اس آدمی نے وہ دودھ بڑی ہمت کے ساتھ سانپ کے آگے رکھ دیا۔ جب سانپ نے دودھ کا مرتبان یا جگ دیکھا اور اس نے دودھ کی خوشبو محسوس کی تو سانپ مرتبان کے اندر داخل ہونے لگا اور مزے سے دودھ پینے لگا۔ جب سانپ اس کے مکمل اندر جا چکا تو اس شخص نے مرتبان کو بند کر دیا۔ لوگوں کو جب واقعہ کا پتہ چلا تو ہر طرف حال دوہائی مچ گئی اور سارا عملہ کیمپوں سے باہر آ گیا۔ وائسرائے صاحب اس شخص سے بڑے خوش ہوئے اور کہا کہ اس شخص کو انعام ملنا چاہیے۔ اس شخص نے کہا کہ جی میں نے آپ کی جان بچائی ہے۔ میرے لیے یہ بھی

free-urdubook.blogspot.com

ایک بہت بڑا انعام ہے میں اور کچھ لے کر بھی کیا کروں گا۔ لوگوں نے دیکھا کہ یہ تو ہمارے عملے کا آدمی ہے ہی نہیں۔ یہ تو کوئی باہر کا آدمی ہے۔ پھر اس سے استفسار کیا کہ تم کون ہو؟ وہ کہنے لگا کہ جی میں بندھیڑ گھنڈ کا نامی گرامی چور ہوں۔ میں یہاں چوری کی نیت سے آیا تھا اور میں نے سوچا کہ وائسرائے جو کہ بادشاہ وقت کی طرح ہے اس کے کیمپ سے قیمتی چیزیں ملیں گی اور جب میں کیمپ کے اندر داخل ہوا تو میں نے یہ سین دیکھا اور یہ اب آدمیت کا تقاضا تھا کہ میں اپنا پیشہ ایک طرف رکھوں اور جان بچانے کا کام پہلے کروں۔

خواتین و حضرات! اللہ کی مدد ایسے بھی آجاتی ہے اور اتنے محتاط ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے لیکن کبھی کبھی اپنے آپ کو آسودگی عطا کرنے کے لیے کچھ کچھ ڈھیلا رہنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی تھوڑا آرام بھی کر لینا چاہیے۔ کبھی کبھار سیٹی بھی بجا لینی چاہیے۔ میں جب اپنے سٹوڈنٹ بچے بچیوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم کو سیٹی بجانی آتی ہے تو وہ نفی میں جواب دیتے ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ان کے پاس سیٹی بجانے کا وقت ہی نہیں ہے۔ مجھے اپنے ساتھیوں اور ہم وطنوں کو تنی ہوئی زندگی گزارتے دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کو رسیوں میں جکڑ رکھا ہے۔ کوئی دن یا کوئی تہوار بھی انجوائے نہیں کیا جاتا۔ بلکہ وہ ایک عذاب میں پڑے ہوئے ہیں۔

ایک مراکو کا بادشاہ تھا۔ اس کی عمر کوئی اسّی، سو برس کے قریب تھی۔ وہ ایک شخص سے ناراض ہو گیا اور اس بارے حکم دیا کہ اس کو زنداں میں ڈال دیا جائے اور کل صبح چھ بجے جلاد بلا کر اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ اب وہ شخص صبح چھ بجے کا انتظار کرنے لگا اور وہ خوفزدہ نہیں تھا۔ اس نے جیل کے داروغہ کو دیکھا جسے شطرنج کھیلنے کا بڑا چسکا تھا اور اس سے کہا کہ سر آجائیں بیٹھیں ایک بازی تو لگ جائے۔ اس نے بھی کہا کہ آ جاؤ۔ وہ شطرنج کھیلنے لگے اور اس بندے نے جس نے حکم شاہی کے مطابق قتل ہونا تھا نے داروغہ کو شکست دے دی اور داروغہ سے کہا کہ اب آپ آرام کریں صبح ملیں گے۔ جب اس کے قتل کیے جانے کا وقت ہوا تو داروغہ پھر آ گیا اور کہنے لگا کہ آؤ جناب ایک بازی ہو جائے۔ یہ قتل وتل تو روز کا کام ہے ہوتا ہی رہے گا۔ وہ قیدی اس سے کہنے لگا کہ تیرا ستیاناس بادشاہ نے نہ صرف تیری نوکری ختم کر دینی ہے بلکہ میرے ساتھ تجھے بھی قتل کروا دینا ہے۔ لیکن وہ پھر بھی کھیلنے لگا۔ وہ صبح سے شام تک کھیلتے رہے۔ بازی پھنس جاتی تو اگلے دن پھر چلتی۔ اسی طرح چار راتیں ہو گئیں۔ (یہ میں آپ سے ایک Historical Fact بیان کر رہا ہوں)۔ اور اس کے قتل کیے جانے کا وقت بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ ایک شام کو بیٹھے شطرنج کھیل رہے تھے کہ ایک شخص دھول سے اٹا ہوا اور سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا ان کی طرف آیا۔ وہاں پہنچ کر وہ اس قیدی کے قدموں میں گر گیا اور پکار پکار کر کہنے لگا ''باادب باملاحظہ ہوشیار، شہنشاہ جہاں فلاں فلاں، شہنشاہ مراکو۔''

free-urdubook.blogspot.com

اب جیل کا داروغہ اور وہ قیدی حیران و پریشان کھڑے دیکھ رہے ہیں اور اس سے پوچھا کہ کیا ہوا۔ اس نے بتایا کہ بلوائیوں نے مراکو کے بادشاہ کو قتل کر دیا ہے اور آپ چونکہ اس کے چھوٹے بھائی ہیں۔ اب آپ ہی تخت و تاج کے وارث ہیں لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ایک اکیلے مجھے علم تھا کہ آپ زندہ و سلامت ہیں۔ چنانچہ اس کو بڑی عزت و احترام کے ساتھ گھوڑے پر بٹھا کر لایا گیا اور جس بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم نامہ جاری کیا تھا اسی کے تخت پر بٹھا دیا گیا اور وہ بادشاہ بن گیا۔ یہ ٹینشن اور ڈپریشن کا مرض اس قدر ظالم، مہلک اور خطرناک ہے کہ کوئی منتر، کوئی گولی اور کوئی جادو ٹونا آپ کی مدد نہیں کر سکتا اور جوں جوں خدا کی ذات پر سے اعتماد اٹھتا جا رہا ہے یہ مرض بڑھتا چلا جا رہا ہے اور اس کو دور کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ چلیئے اپنی زندگی کے 365 دنوں میں چار دن تو ایسے نکال لیں کہ واقعی ان دنوں میں اللہ پر اعتماد کر کے بیٹھ جائیں۔ میرے پیارے ملک کے پیارے لوگ اس قدر کھچاؤ میں ہیں کہ ہر وقت خوف کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مجھے ایک واقعہ یاد آ رہا ہے غالباً یہ واں رادھارام یا راجہ جنگ کی بات ہے کہ وہاں ایک بینک کھلا۔ وہ چلتا رہا۔ ان علاقوں میں بینکوں کی ڈکیتیاں عام ہیں۔ اب کسی ڈکیت نے سوچا کہ یہ قصبے کا بینک ہے اس میں آسانی سے واردات ہو سکتی ہے لہٰذا اس نے اپنی کلاشنکوف لی۔ جیپ باہر کھڑی کی اور اس نے اس بینک میں ایک گولی فائر کی اور سب کو ڈرا کر ہینڈز اپ کرا دیئے اور کیشیئر کے آگے جتنی رقم تھی وہ اس نے اپنے تھیلے میں ڈال لی۔ اس رقم میں سارے ملے جلے نوٹ تھے۔ جب وہ بینک سے باہر نکلا تو عجیب سماں تھا۔ اس کے فائر کرنے کی وجہ سے باہر لوگوں کو صورتحال کا اندازہ ہو چکا تھا اور ان گاؤں والوں نے اس بینک ڈکیتی کو اپنی عزت بے عزتی کا معاملہ بنا لیا تھا اور وہ اپنے گھروں سے اپنی پرانی بندوقیں نکال کر باہر لے آئے۔ کسی کے پاس رائفل بھی تھی اور وہ سارے اکٹھے ہو کر آئے اور آتے ہی اس ڈاکو کی جیپ کے ٹائر پنکچر کر دیئے۔ پھر شور مچانا شروع کر دیا۔ اس ڈکیت نے بھاگنے کی کوشش کی اور فائرنگ کرتا رہا لیکن وہ لوگ بھی ارادے کے پکے تھے اور انہوں نے گھیراؤ کر لیا۔ جب ڈاکو کے ہاتھ سے روپوں والا تھیلا چھوٹا تو نوٹ بکھر گئے۔ اب لوگوں نے ڈاکو کو تو جانے دیا لیکن روپوں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا اور سارے نوٹ سنبھال کر بینک منیجر کو دے آئے۔

خواتین و حضرات یہ دنیا کی واحد بینک ڈکیتی ہے جس میں بینک کو 32 روپے کا فائدہ ہوا کیونکہ کئی لوگوں کی جیبوں سے گر کر پیسے اس رقم میں شامل ہو گئے تھے اور اس طرح بینک نے لوٹے ہوئے 28 ہزار کی جگہ 28 ہزار 32 روپے حاصل کیے۔

برداشت کرنے اور حوصلہ کرنے سے کچھ ایسے فائدے کی راہیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ پریشان ہونے کی اس لیے بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ تو ہو کر رہے گا جو ہو کر رہنے والا ہے۔

free-urdubook.blogspot.com

بہتر ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

اب میں آپ لوگوں کو پھنسے ہوئے نہیں دیکھ سکتا اور میری آرزو اور بڑی تمنا ہے کہ آپ ایک سہل زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں تا کہ بہت سے بڑے بڑے کام جو انتظار کر رہے ہیں اور بہت سی فتوحات جو آپ نے کرنی ہیں وہ آپ کر سکیں اور یہ اسی صورت ممکن ہو گا کہ آپ خداوند تعالیٰ پر مکمل یقین رکھیں اور قلب کو بھی مانیں۔ آپ 99 فیصد مادہ پرستی کو تھامے رکھیں اور صرف ایک فیصد تو اپنی ذات کو آزادی کی اجازت دے دیں اور کہہ دیں کہ اگر آج سو روپے کا نقصان ہونا ہے تو ہو لے کوئی بات نہیں۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ آمین۔ اللہ حافظ۔

---

free-urdubook.blogspot.com

بانسری

ہمارے زمانے میں بڑی گہری گھنگور گھٹائیں گھر کر آیا کرتی تھیں اور چھما چھم بارشیں ہوا کرتی تھیں۔ اب بڑی دیر سے ہم ویسی بارشوں کے انتظار میں ہیں اور آرزوئیں لے کر بیٹھے رہتے ہیں لیکن ویسی بارشیں آتی نہیں ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں اور ضروری نہیں کہ میرا محسوس کرنا درست ہو۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ گھنگور گھٹائیں بہت گھمبیر خیالات کی صورت میں اب ہمارے وجود سے باہر کی بجائے ہمارے وجود کے اندر سمانے لگی ہیں اور دماغوں پر اثرانداز ہونے لگی ہیں۔ میں یہ بات اس لیے کر رہا تھا کہ ابھی پروگرام شروع ہونے سے پہلے ہم نیگیٹو اور پازیٹو کی بات کر رہے تھے۔ آج کی جو نئی نسل ہے وہ بہت زیادہ پریشانی کے عالم میں مبتلا ہے۔ ایک تو یہ بات ان کے چہروں سے عیاں ہوتی ہے اور دوسرا ان کی پریشانی سنہری اور درخشاں مستقبل کی نوید اور امید نہ ہونے کی بدولت ہے۔ جب بچے پریشان ہوں تو ظاہر ہے کہ بڑے پریشان ضرور ہوتے ہیں۔ باوصف اس کے کہ بڑے اپنی بڑائی کی وجہ سے اور اپنے مشاہدے اور تجربے کی بنا پر چھ ایسے رویے اختیار کر چکے ہیں جن رویوں نے انہیں سکون عطا کر رکھا ہے لیکن وہ ان بچوں کی مدد نہیں کر سکتے جنہوں نے بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کر رکھی ہیں۔ میں ان کے لیے ڈپریشن کا لفظ استعمال تو نہیں کرنا چاہتا لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کے اندر Negativity کے ایسے بادل چھا گئے ہیں کہ ان سے نکلنا ان کے لیے بہت مشکل ہو گیا ہے۔ جو بچے بچیاں مجھ سے ملتے ہیں تو ان کے خیالات ایسے تکلیف دہ ہوتے ہیں کہ میں انہیں آپ کے سامنے پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرنے لگوں تو شاید آپ پر بھی ویسا ہی بوجھ پڑ جائے جیسا ان کے والدین یا میرے جیسے آدمی پر ہے۔

Negativity کی عام مثالیں بالکل سیدھی سادی یہ ہیں کہ ایک بچہ جس نے بی کام کیا ہے اور وہ تازہ ترین کمپیوٹر کے علم سے بھی آشنا ہے لیکن گھمبیر خیالات نے انہیں ایسے گھیر رکھا ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ میں کامیاب ہونے کے لیے پیدا ہی نہیں ہوا۔ یہ سارے

free-urdubook.blogspot.com

مسائل ہمارے گھرانے کے لیے ہی ہیں۔ ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ وہ اسی گھبراہٹ میں مبتلا رہتا ہے۔ جو معیشت کے ماہر ہیں وہ پروگرام بناتے رہتے ہیں کہ نوجوانوں کو زیادہ نوکریوں کی ضرورت ہے لیکن میں بہت عاجزی کے ساتھ یہ سمجھتا ہوں کہ معیشت کے ساتھ ہی اس کا حل وابستہ نہیں ہے۔ انہیں کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہے جو ہم بڑے انہیں دے نہیں رہے ہیں اور ان بچوں کے ذہنوں میں تکلیف دہ خیالات جنم لے رہے ہیں۔ نوجوان اس مایوسی میں ہیں کہ میں نے امتحان تو دے دیا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوسکوں گا۔ جو بال بچوں والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے بیٹی کی شادی تو کردی ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ بسے گی نہیں اور لوٹ کے گھر آ جائے گی اور اس طرح کے خیالات ہر وقت ان کے ذہن میں گھومتے رہتے ہیں۔ ایسے خیالات کو زندگی سے نکالا نہیں جاسکتا اور ان کا کوئی علاج بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ غیر اختیاری رجحانات یا خیالات ہوتے ہیں اس لیے آتے ہی رہیں گے اور ان پر ہمارا کوئی زور نہیں چلتا ہے لیکن انہی منفی تصورات کا ایک علاج ضرور نکالا جاسکتا ہے کہ اے بچو بھلے آپ اپنے ذہنوں کے اندر ایسے منفی خیالات کو تو رہنے دیں لیکن اپنے اندر ایک ایسا رویہ ضرور اختیار کریں جو ان منفی خیالات کے ہونے کے باوصف آپ کو مثبت انداز اختیار کرنے پر راغب کرے۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ جب بھی بے شمار منفی خیالات میں گھریں اور آپ کو مستقبل تاریک نظر آئے تو آپ جس مقام پر بھی ہوں وہاں سے باہر نکل کر کھلی جگہ پر آ جائیں اور کھلی جگہ پر آ کر دونوں پاؤں کے درمیان ڈیڑھ فٹ کا فاصلہ رکھیں۔ کندھے پیچھے رکھتے ہوئے سینہ آگے نکال کر اور ٹھوڑی اوپر اٹھا کر آنکھیں آسمان کے ساتھ ملا کر ایک بہت ہی گہرا سانس لیں (یہ ضروری ڈرل ہے جو خاص کر اس مقصد کے لیے ہے) اور پھر اس گہرے سانس کو روک کر یہ کہیں کہ ''میرے اللہ مجھے طاقت عطا کرتا ہے اور میں طاقتور ہوں۔''

بچو! یہ وہ مشق یا ڈرل ہے جو کی جانی چاہیے جس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ جب آپ اس ڈرل میں داخل ہوں گے تو آپ کو طاقت آتی محسوس ہوگی۔ چینی لوگ اس بارے کہتے ہیں کہ یہ طاقت اللہ کی طرف سے انسان کو عطا کی گئی ہے یہ کائنات کے اندر ہر جگہ موجود ہے جسے آپ ہاتھ پھیلا کر سمیٹ سکتے ہیں اور اپنے اندر داخل کر سکتے ہیں۔ ہمارا ہاتھ پھیلا کر دعا مانگنے کا طریقہ دیگر مذاہب سے یوں مختلف ہے کہ چینی ایک مخصوص خدا کی طاقت کو جسے وہ ''چی'' یا ''کی'' بولتے ہیں معلوم نہیں اس کا اصل تلفظ کیا ہے۔ اس طاقت کو سمیٹ کر چہرے پر ہاتھ مل کر حاصل کرتے ہیں اور دعا مانگ کر ہم بھی محسوس کرتے ہیں کہ ہم نے اس قسم کی طاقت کو حاصل کرلیا ہے جو خدا نے ہمیں دی ہے اور آپ دعا مانگ کر ہاتھ چہرے پر پھیر کر اس طاقت کو Seal کر دیتے ہیں اور جو پانچ وقت کی نماز ادا کرتے ہیں وہ اس طاقت کو Seal کر کے اپنے وجود میں ڈال کے مضبوطی اور کامیابی کے ساتھ سیل کر دیتے ہیں۔ میں

free-urdubook.blogspot.com

رویوں کی بات کر رہا تھا کہ اگر منفی خیالات اور تھکا دینے والے اور تکلیف دہ خیالات آپ کی جان نہیں چھوڑتے تو آپ اپنے رویے میں تبدیلی ضرور پیدا کریں۔ معلوم نہیں آپ نے گزشتہ دنوں ایک ڈچ جرنلسٹ کی شائع ہونے والی رپورٹ پڑھی ہے کہ نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں افغانستان میں تھا اور کہیں دور نکل گیا اور میں نے چھوٹی پہاڑیوں کے سلسلے میں بانسری کی بہت ہی خوبصورت آواز سنی اور میں مسحور ہو گیا۔ وہ آواز سن کر میرے قدم خود بخود اس جانب اٹھنے لگے۔ آگے جا کر میں نے دیکھا کہ پہاڑی کے اوپر ایک نوجوان چرواہا جو چھوٹی عمر کا تھا بیٹھا بانسری بجا رہا ہے۔ میں نے قریب جا کر دیکھا کہ اس کے پاس سیاہ رنگ کی ذرا سی لمبی بانسری تھی۔ میں اس کی زبان تو نہیں جانتا تھا۔ اشارے سے اسے بانسری دکھانے کو کہا تو اس نے وہ بانسری مجھے دکھائی اور یہ دیکھ کر میری حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہ بانسری جس کو وہ بجا رہا ہے اور میرے قدم خود بخود اس کی طرف اٹھ رہے تھے وہ رائفل کی ایک نال تھی جس کو اس نے کاٹ کر ایک طرف سے بند کر رکھا تھا اور اس میں سے چھ سوراخ بنائے ہوئے تھے اور اس میں سے ایک ہوا دینے کا سوراخ تھا اور میں اسے دیکھ کر حیران و پریشان تھا کہ اگر اتنی بڑی منفی چیز جس نے کتنے ہی انسانوں کو مار ڈالا ہوگا اور اگر اس کا رویہ تبدیل کر کے اسے مثبت مقاصد کے لیے استعمال کر دیا جائے تو وہ مدھر ساز والی بانسری بن جاتی ہے جو لوگوں کو موت یا خوف کے برعکس سکون اور اطمینان عطا کرتی ہے۔ اگر اسی طرح آپ منفی رویوں کو تبدیل کرنے کے لیے پازیٹو اقدامات کرتے رہیں تو مایوسی کی فضا ختم ہو جائے گی۔ اگر ہم ایک نیا اور اچھا اندازِ فکر اپنائیں تو ضرور بہتر اثرات مرتب ہوں گے۔ Negativity کو Positivity میں بدلنا اندر کی ایک آواز کی وجہ سے ممکن ہے۔ خیالات تو غیر اختیاری طور پر آتے ہیں لیکن رویہ اختیاری طور پر تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ بہت ہی زیادہ مایوس ہو جانے سے شیطان بہت ہی خوش ہوتا ہے اور جب بھی آپ منفی رویوں میں داخل ہوتے ہیں (خدا نہ کرے آپ اس بیماری میں داخل ہوں) تو پھر شیطان اس لیے خوش ہوتا ہے کہ میں نے بندے کو اللہ کی رحمت سے باہر نکال لیا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ ترجمہ: (اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو۔)

لیکن آپ پر مایوسی آ جانے سے شیطان انسان کو اللہ کے اس فرمان کے یقین سے باہر نکال لاتا ہے۔ شیطان انسان کو چوری چکاری' بے ایمانی اور گندی باتیں نہیں سکھاتا بلکہ وہ صرف اس بات پر مائل کرتا ہے اور ترغیب دیتا ہے کہ جس اللہ کو تو آج تک مانتا رہا ہے دیکھ اس نے تیرے ساتھ کیا کیا ہے۔ تو نے نوکری کے لیے Apply کیا تھا لیکن تیرا کام ہی نہیں بنا۔ تو نے اتنے اچھے پرچے دیئے تھے لیکن تمہارے نمبر ہی کم آئے ہیں۔ شیطان کے پاس بس یہ ایک ہی Trick ہے۔ وہ جیسے جیسے آپ میں یہ بات پکی کرتا جاتا ہے آپ اللہ کے دائرے سے نکلتے جاتے ہیں اور شیطان کی ڈی میں آ جاتے ہیں

تو اسے پھر گول کرنے بڑے آسان ہو جاتے ہیں۔ آپ مایوس ہونے کی بات Neutral ہو کے اس قسم کا کام کریں جیسا کہ اس چرواہے نے بانسری بجا کر کیا تھا۔ رویے کو تبدیل کرنے اور اس پر حاوی ہونے کے لیے اتنی کوشش نہیں کرنی پڑتی جتنی کہ آپ سمجھ رہے ہیں۔ صرف تہیہ کرنے کی بات ہے۔ جب آپ تہیے کے کنڈے میں ہاتھ ڈال کر ایک دفعہ لٹک جاتے ہیں تو وہ کنڈا پھر آپ کو خود بخود اٹھا لیتا ہے۔ آپ نے سرکس میں کرتب دکھانے والے دیکھے ہوں گے۔ ان کی بھی ہاتھ ڈالنے ہی کی مشق ہوتی ہے پھر انکا بدن خود بخود ان کو گھماتا پھراتا رہتا ہے۔ ہمیں رویے تبدیل کرنے کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ میں پہلے بھی آپ سے ایک علاقے کا بہت ذکر کرتا ہوں جو مجھے بہت پیارا ہے اور تھر پارکر ریگستان کا علاقہ ہے۔ یہ عجیب و غریب علاقہ ہے۔ اس جگہ کئی مذاہب اور قوموں کے لوگ رہتے ہیں۔ راجپوت بھی ہیں، خانہ بدوش بھی۔ کئی سال پہلے کی بات ہے۔ وہاں ہم نے ایک شخص کو دیکھا وہ لڑکا تو خیر نہیں تھا اس کے سر پر پگڑی تھی راجپوتوں جیسی لیکن کپڑے اس کے زیادہ اچھے نہیں تھے۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبی ''سوٹی'' (چھڑی) تھی اور وہ کوبرا سانپ کو قابو کرتا تھا اور اس شخص میں بلا کا اعتماد تھا۔ وہ ایک ہاتھ لہرا کر سانپ کو فن اور اعتماد کے جادو سے مست بھی کرتا تھا اور کبھی کبھی کوبرا خوفناک ہو کر اس پر حملہ بھی کرتا تھا۔ جب سانپ اس پر حملہ کرتا تو وہ اپنی سوٹی جس کے آگے اس نے بیکر (بیکر وہ چیز ہے جس سے ہم سائنس کی لیبارٹریوں میں تجربات کرتے ہیں اور میں جس علاقہ کی بات کر رہا ہوں وہاں کوبرا سانپ بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں) باندھا ہوا تھا۔ سانپ کے قریب کر دیتا تھا اور جونہی وہ سانپ کے قریب کرتا سانپ اس پر حملہ کر دیتا اور جیسے ہی سانپ اس شیشے کے برتن پر دانت گاڑتا وہ شخص فوراً سانپ کی گردن دبوچ لیتا اور سانپ کے دانت اس شیشے کے بیکر کے ساتھ لگائے رکھتا اور سانپ کے منہ سے بالکل سفید رنگ کا زہر نکال لیتا اور ایک دم پھر اس موذی جانور سے پیچھے ہٹ جاتا۔ میں اور ممتاز مفتی یہ کھیل دیکھتے رہے۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ تو اس زہر کا کیا کرتا ہے تو اس نے جواب دیا کہ لیبارٹری والے اس سے وہ زہر خریدتے ہیں اور وہ ناگ کے اس زہر سے ادویات بناتے ہیں۔ وہ کہنے لگا کہ ''سائیں بابا میں ناگ چوتا (دوہتا) ہوں۔ یہ میرا پیشہ ہے۔'' اس نے بتایا کہ تین گھنٹے کے بعد ناگ میں پھر زہر پیدا ہو جاتا ہے اور اس نے بتایا کہ ایک وقت کے سانپ کے زہر سے گھوڑے کو مارا جا سکتا ہے اور اس نے بتایا کہ وہ شام تک دو تین ''چلیاں'' (2 تولے کے برابر) بھر لیتا ہوں۔ دن پھر ناگ دوہتا ہوں اور شام کو اپنی بکری دوہتا ہوں اور میں پھر اس بکری کے دودھ میں گڑ اور پتی ڈال کے پیتا ہوں۔

خواتین و حضرات! میں رویے کی تبدیلی کی بات کر رہا تھا کہ اس نے ایک خوفناک چیز کو کس خوبی کے ساتھ ایک مثبت کام یا رویے میں تبدیل کر لیا تھا اور وہ اس سے گھبراتا نہیں تھا اور اس پر قائم

free-urdubook.blogspot.com

تھا۔ جب میں فرسٹ ایئر میں تھا تو میں امریکہ کی اس اندھی، گونگی اور بہری بچی ہیلن کے بارے میں پڑھ کر حیران رہ گیا۔ اس کو قدرت نے کوئی صلاحیت نہیں دی۔ صرف ایک تودے کی مانند تھی۔ اس کے پاس صرف خوشبو اور لمس کو محسوس کرنے کی طاقت تھی۔ وہ اپنی خودنوشت میں لکھتی ہے کہ میں نے خود کو زندوں میں شامل کرنے کا ارادہ بنایا اور جو منفی چیزیں مجھ پر وارد کر دی گئی ہیں میں انہیں مثبت میں تبدیل کروں گی لیکن خواتین و حضرات وہ اس طرح نہیں گھبرائی پھرتی تھی جس طرح ہمارے بچے ایم۔بی۔اے کرنے کے بعد گھبرائے پھرتے ہیں اور چادر تان کے لیٹ جاتے ہیں۔ اس لڑکی نے اپنی ایک سہیلی کو بتایا کہ جب میں تمہارا ہاتھ اس طرح دباؤں تو اس کا مطلب مثال کے طور پر ''اے'' ہوگا۔ دوسری طرح دباؤں تو اس کا مطلب ''بی'' ہوگا۔ اس نے اپنی بات سمجھانے کے لیے اپنی دوست کو خود سے اشارے بتائے اور اس طرح اس نے ایک نئی زبان کو جنم دیا۔ وہ اپنی سہیلی کا ہاتھ دباتی جاتی تھی اور اس کی سہیلی اس کی باتوں کو سمجھتی جاتی تھی اور لکھ لیتی تھی۔ وہ اپنی خودنوشت میں کہتی ہے کہ میں اللہ کی بڑی شکر گزار ہوں اور میں ہر وقت اس کا شکر ادا کرتی رہتی ہوں کہ اس نے مجھے دنیا کی ان نعمتوں سے محروم رکھا ہے جو ساری کائنات کے لوگوں کو ملتی ہیں۔ اگر مجھ میں یہ خامیاں نہ ہوتیں تو میں اتنی نامور رائٹر نہ ہوتی اور میں ایک عام امریکی عورت کی طرح چولہے چوتھے پر کام کرتی فوت ہوگئی ہوتی لیکن میری ساری خامیاں میرا بہت بڑا سہارا بن گئی ہیں۔ وہ پاکستان بننے کے دوسرے تیسرے سال لاہور آئیں۔ میری بھی ان سے ملنے کی بڑی خواہش تھی۔ خدا کا شکر کہ میری اس سے ملاقات ہوئی اور وہ اپنی اس دوست کے ذریعے ہم سے سوال جواب کرتی رہی اور میرے Funny قسم کے سوالات پر وہ بے قاعدہ ہنستی بھی تھی اور ہمارے سوالوں کا کھٹا کھٹ جواب دیتی۔ وہ اپنی خامیوں پر فخر کرتی۔ میں بھی اپنے پیارے بچوں کو مایوس دیکھنا نہیں چاہتا۔ اگر میرے بچے اپنے خیالات کو مثبت انداز میں ڈھالیں اور خودکشی کرنے اور قتل کرنے والی رائفل کو بانسری میں تبدیل کر دیں تو وہ بہت سی مشکلات سے نکل سکتے ہیں۔ ان کی یہ گھبراہٹ بہت زیادہ انفارمیشن ملنے کی وجہ سے بھی ہے۔ میرے بچے روانڈا کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں اور اپنے بارے میں بہت کم جانتے ہیں۔ اپنی ذات کا مطالعہ کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ جس طرح سے کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے اللہ کو پہچان لیا۔ اس لیے خود کی پہچان کرنا بہت ضروری ہے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

free-urdubook.blogspot.com

تحائف

پھولوں اور تحفوں کی دنیا بھی بڑی عجیب و غریب ہے۔ اس کو اگر Microscopically دیکھیں تو اس کے نہایت عجیب و غریب معانی نکلتے ہیں۔ میرے ہی ہم عمر میرے ایک دوست بیمار تھے اور ہماری عمر کے لوگوں کو بیماریاں لگنا تو عام سی بات بھی ہے۔ ہم اپنے اس دوست کی عیادت کے لیے ہسپتال میں گئے تو وہاں ہمارے ایک اور دوست ان کے لیے پھولوں کا تحفہ لے کر آئے ہوئے تھے۔ ہمارے ہاں پھول دینے اور لینے کا بڑا رواج ہو گیا ہے۔ جب وہ پھول دینے والے دوست وہاں سے چلے گئے تو میرے زیرِ علاج دوست یوسف کہنے لگے کہ یار یہ پھول بہت اچھی چیز ہیں۔ بڑے خوبصورت لگتے ہیں لیکن اشفاق تو ہمارے اس دوست کو تو کچھ نہ کہنا لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ بجائے پھول میرے سرہانے رکھنے کے کچھ دیر میرے پاس بیٹھتا۔ اپنے دونوں ہاتھوں میں میرا ہاتھ لیتا۔ مجھے اس بات کی بڑی آرزو اور طلب ہے کہ میرے دوست عزیز میرے قریب آ کر مجھے وہ لمس عطا کریں جس کی مجھے بڑی ضرورت ہے۔ وہ کہنے لگا کہ میں پھولوں کا تحفہ برا نہیں سمجھتا لیکن پھول کے مقابلے میں قریب آنا زیادہ اچھا تھا۔

میں نے اسے بتایا کہ ولایت میں بھی پھول دینے کا بڑا رواج ہے۔ روم کی یونیورسٹی میں ہمارے استاد پروفیسر اونگاریتی کہا کرتے تھے کہ میں کسی ایسے ملک میں رہنا نہیں چاہتا جہاں پھول بکتے ہوں۔ پھولوں کو بکنا نہیں چاہیے۔ خواتین و حضرات بات تو یہ بھی سوچنے والی ہے کہ پھول اور انسان کے درمیان ایک محبت کا رشتہ ہے۔ وہ رشتہ اجاگر ہونا چاہیے تاکہ ہم پھولوں کو جنسِ خریدار بنا کر پیش کریں۔ میں نے یوسف سے کہا کہ یہ تو تحفے کی بات ہے اور تحفے کو ہر حال میں قبول کیا جانا چاہیے۔

ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کہ جب آپ کسی کے پاس جائیں تو کوئی تحفہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا ضرور لے کر جائیں۔ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ تحفے اور تحفے دینے کی بھی کئی اقسام ہیں اور بعض اوقات تحفہ عطا کرنے والا اسے ایسے عطا کرتا ہے کہ آپ کو یا وصول کرنے

والے کو احساس تک نہیں ہوتا کہ مجھے کچھ عطا کیا جا رہا ہے یا دے رہا ہے اور تحفے کے بڑے روپ ہوتے ہیں۔ بعض روپ ایسے ہوتے ہیں جو سمجھ نہیں آتے لیکن تحفہ اس تک پہنچ جاتا ہے جسے عطا کیا جا رہا ہوتا ہے لیکن شعوری محور پر اس کا علم نہیں ہوتا۔ جسم اس تحفے سے واقف نہیں ہوتا لیکن روح بہت حد تک واقف بھی ہوتی ہے اور اس سے بہت حد تک فائدہ بھی اٹھاتی ہے۔ روح کو توانائی اور تقویت بخشنے کے لیے ضروری ہے کہ تحفوں کے بارے میں ضرور سوچا جائے اور وہ تحفے ایسے ہوں جن کو روح بھی قبول کرے اور جسم بھی۔ ایسے تحفے جاری رہنے چاہئیں۔ مجھے وہ وقت یاد آ رہا ہے جب میں سمن آباد میں رہتا تھا اور میرا پہلا بیٹا پیدا ہوا تھا۔ اس کی عمر کوئی چھ ماہ ہوگی جب کا یہ واقعہ ہے۔ چیکوسلواکیہ کی ایک فلم "Precious Summer" تھی۔ میں نے اس کے بارے میں بہت پڑھ رکھا تھا اور وہ فلم دیکھنے کی مجھے بڑی آرزو تھی۔ میں اور بانو قدسیہ دونوں ہی وہ فلم دیکھنا چاہتے تھے۔ اس وقت اس علاقے میں کوئی بس بھی نہیں چلتی تھی۔ گھر کے قریب میرے ایک خالو جو ایک کواپریٹو بینک میں تھے وہ رہتے تھے۔ میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ ہمیں فلم دیکھنے جانا ہے اور اگر آپ ہمارے ہاں Baby Sitting کر لیں..... تو انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں، بسم اللہ۔ میں نے کہا کہ جی وہ ہمارا بچہ خیر زیادہ روتا تو نہیں ہے اور اس کی ماں اس کے لیے فیڈر وغیرہ بنا کر دے جائے گی۔ وہ میرے رشتے کے خالو اپنی بیوی سے اسی وقت کہنے لگے کہ "چل بھئی حمیدہ اُدھر چلیں" جب وہ گھر آئے تو میں نے انہیں گھر کی چیزوں کی بابت بتایا۔ لیکن وہ کہنے لگے کہ آپ لوگ بے فکر اور پرسکون ہو کر آسانی کے ساتھ جاؤ اور مزے اڑاؤ۔ وہ فلم ہماری توقع کے مطابق بڑی عجیب و غریب فلم تھی۔ اس فلم میں تین بڈھے تھے۔ ایک برکھا والی Summer تھی جس میں وہ بڑی محبت سے لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں۔ ان کی عمر زیادہ ہوتی ہے اور انہیں سمجھ نہیں آتی کہ عشق میں کیسے مبتلا ہوا جائے۔

ہم واپس آئے تو گھر میں ہمارے خالو اور خالہ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا لیکن وہ کہنے لگے نہیں نہیں، ہم تو فارغ ہی تھے پھر بھی کبھی ضرورت پڑے تو کہہ دینا۔ میں نے شرارتاً ان سے کہا کہ جی گو برا سا لگتا ہے لیکن Baby Sitting کی ایک فیس ہوتی ہے۔

وہ کہنے لگے ہاں ہوتی تو ہے۔

وہ کہنے لگے کہ آج کل وہ فیس کتنی ہے۔

میں نے کہا جی دس روپے ہے۔

ہم دونوں کی۔ خالو نے پوچھا۔

میں نے کہا کہ نہیں خالو آپ کے دس الگ اور خالہ کے دس روپے الگ۔

وہ کہنے لگے کہ ہمیں یہاں دو گھنٹے لگ گئے اور اس طرح چالیس روپے بن گئے۔ پھر انہوں

free-urdubook.blogspot.com

نے بغلی جیب میں ہاتھ ڈالا اور چالیس روپے نکال کر ہم کو دے دیئے اور کہنے لگے کہ اتفاق سے میرے پاس پچاس ہیں دس میں رکھ لیتا ہوں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کو Baby Sitting کے معانی نہیں آتے۔

وہ کہنے لگے کہ آتے ہیں لیکن انہیں واقعی اس کے معانی نہیں آتے تھے۔

وہ سمجھتے تھے کہ اگر بزرگ گھر میں Baby Sitting کریں گے تو انہیں اپنے پاس سے پیسے دینا پڑیں گے۔ انہوں نے بجائے لینے کے چالیس روپے ہمیں دے دیئے اور ہم نے وہ رکھ لیے۔ میری بیوی کہنے لگی کہ جلدی دیکھو کہ کیا کوئی اور اچھی فلم آ رہی ہے کہ نہیں کیونکہ آئندہ خالو اور خالہ کو پھر بلائیں گے۔

خواتین و حضرات! اتنا وقت گزر گیا ہے اور ہم Baby Sitting کے پیسے لے چکے ہیں تو مجھے اب خیال آتا ہے کہ ہم یہی سمجھتے رہے کہ ہمارے خالو پینڈو ہیں اور انہیں اس لفظ کے شاید معانی نہیں آتے لیکن حقیقت میں ایسی بات نہیں تھی۔ انہیں اس لفظ کے معانی بالکل ٹھیک آتے تھے اور اچھی طرح سے آتے تھے لیکن انہوں نے ہماری خوشنودی کے لیے' ہمارے ہاں آنے کے لیے اور ہمارے سر پر ہاتھ رکھنے کے لیے پیسوں کی صورت میں تحفہ عطا کیا تھا۔ ایسے تحفے آپ کی زندگی میں بھی آتے رہتے ہیں۔ اس کے لیے صرف الرٹ رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ آپ کی زندگیوں کی بڑھوتری میں روحانی' نفسیاتی اور جذباتی طور پر بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مجھے اور آپ کو بھی یہ سوچنا چاہیے کہ تحفہ کس طرح سے دیا جائے کہ وہ لینے والے اور دینے والے کی روحانی و نفسیاتی نشوونما میں فائدہ پہنچائے۔ اس کا فائدہ محض جسمانی نہیں ہونا چاہیے کہ ہم کسی کو لحاف تحفے میں دے دیں۔

پچھلے سال گرمیوں میں میری بھتیجی کی شادی تھی۔ میں ان کے گھر کے صحن میں کھڑا ایک شامیانہ لگوا رہا تھا کہ اس میں لڑکیاں وغیرہ مہندی کی رسم کر لیں۔ میرے ساتھ میرے کچھ عزیز بھی تھے۔ وہاں پر ایک عجیب سا آدمی آ گیا جو ہمارے محلے کا نہیں تھا اور میں نے اسے پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ اس نے خاکی رنگ کی شرٹ اور خاکی ہی پتلون پہنی ہوئی تھی۔ وہ آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ ''جی یہاں کوئی شادی ہو رہی ہے؟''

میں نے کہا کہ ''جی ہاں شادی ہو رہی ہے۔''

وہ کہنے لگا کہ ''کس کی؟'' میں نے کہا کہ ''میری بھتیجی کی۔''

وہ کہنے لگا کہ ''جی کیا نام ہے اس کا؟''

میں نے کہا ''اس کا نام عظمیٰ ہے۔''

وہ پھر کہنے لگا کہ ''شادی کب ہے جی؟''

(وہ مجھ سے بچوں کی طرح ایک ایک سوال پوچھ رہا تھا)

میں نے کہا کہ "پرسوں بارات آئے گی۔"

اتنی دیر میں ایک نوجوان آ گیا جس کو میں پہچانتا تھا۔ اس نے آتے ہی اس شخص سے کہا کہ آئیں آئیں چلیں۔ جلدی کریں۔ وہ نوجوان اس شخص کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے اسے لے گیا۔ میں تھوڑا سا پریشان ہوا اور حیران بھی ہوا لیکن پھر میرے ذہن سے یہ بات نکل گئی۔ اگلی صبح وہی نوجوان جو اس شخص کو لے کر گیا تھا وہ میرے پاس آیا اور کہا کہ جی انہوں نے آپ سے کچھ ایسا تو نہیں کہا جو آپ کو ناگوار گزرا ہو۔ میں نے کہا کہ نہیں وہ تو مجھ سے شادی کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔

وہ نوجوان کہنے لگا یہ میرے ماموں ہیں۔ یہ دماغی طور پر ذرا ماؤف ہیں۔ میں اور میری والدہ اس لیے گھبرائے تھے کہ انہوں نے کچھ ایسی باتیں نہ کہہ دیں ہوں جو آپ کو ناگوار گزری ہوں۔ خواتین و حضرات اس نوجوان کے ماموں کا دماغی توازن تو ضرور بگڑا تھا لیکن اس پر ایک طرح کا پہرہ بٹھا دیا گیا تھا۔ جب مہندی کی رسم ہو چکی اور لڑکیاں ناچ گانا کر کے فارغ ہو گئیں تو اس وقت وہ صاحب پھر آ گئے اور بڑے گھسیانے اور شرمندہ سے تھے۔ میں نے کہا کہ آیئے آیئے تشریف لایئے۔ میں تو آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ اب دونوں ہاتھ پیچھے رکھ کر جھوم جھوم کر باتیں کر رہے تھے۔ میں نے انہیں بیٹھنے کا کہا لیکن انہوں نے کہا کہ نہیں۔ میں نے چائے کا پوچھا تو انہوں نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے اپنا ایک ہاتھ فوراً آگے کر دیا۔ ان کے ہاتھ میں عام سے خاکی لفافے میں مروڑی دے کر رکھی ہوئی کوئی چیز تھی۔ وہ کہنے لگا کہ میں بچی کے لیے یہ تحفہ لایا ہوں۔ میں نے کہا کہ بہت مہربانی اور ان سے تحفہ لے لیا اور وہ جیسے آئے تھے ویسے ہی شرمندگی کے عالم میں چلے گئے۔ مجھے اس بات کا بڑا افسوس ہوا کہ میں انہیں بٹھا بھی نہیں سکا۔

خواتین و حضرات! اس لفافے میں ایک چینی کا جگ تھا۔ وہ جگ عام سائز سے ذرا بڑا تھا۔ میں نے اپنی بھتیجی سے کہا کہ تمہارے لیے یہ تحفہ ہے۔ تمہیں دوسرے ملنے والے تحفے واقعی بڑے قیمتی ہیں اور ان کی پیکنگ بھی بڑی خوبصورت ہے لیکن اس تحفے کو بڑی محبت اور اعتماد کے ساتھ رکھنا یہ ایک بہت بڑے آدمی کا تحفہ ہے۔ وہ ہنس دی اور کہنے لگی چچا یہ تو فضول سا ایک جگ ہے۔ میں اسے تحفے کی آئٹم میں کہاں رکھوں گی۔

خواتین و حضرات! وہ شخص جو جگ لے کر آئے تھے وہ جگ تھا جس میں انہیں دودھ دیا جاتا تھا۔ اس کے پاس اس جگ کے سوا دینے کو اور کچھ نہ تھا۔ جب مجھے اس بات کا علم ہوا تو میں نے اپنی بھتیجی سے کہا کہ یہ سارے تحفوں میں سے قیمتی تحفہ ہے اور جس آدمی نے دیا ہے تم اور میں دونوں مل کر اس کے دل کی گہرائیوں کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ وہ جگ اس شخص کا سب سے قیمتی سرمایہ تھا۔ میں گزشتہ

سال جب کینیڈا گیا (اب میری وہ بھتیجی وہاں ہے) تو اس نے لکڑی کی ایک خوبصورت الماری میں اپنے تحفے رکھے ہوئے ہیں۔ اس نے اپنے دوسرے قیمتی تحفوں کے درمیان میں لکڑی کا ایک چوکور پیڈسٹل بنا کر اس پر وہ جگ رکھا ہوا ہے اور اسے دوسرے تحفوں سے اونچا رکھا ہوا ہے۔ مجھے وہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ وہ کہنے لگی کہ چچا جوں جوں وقت گزرتا ہے میں اس کو دیکھتی ہوں تو میری اس سے ایک طرح کی Relatedness پیدا ہو گئی ہے۔ وہ کہنے لگی جب بھی کوئی مشکل پڑے تو اس جگ کو دیکھنے سے مشکل دور ہو جاتی ہے۔

خواتین و حضرات! ایسی باتیں جنہیں ہم ضعیف الاعتقادی کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسی باتیں ماننے سے آپ کی پختگی پر اچھا اثر نہیں پڑتا لیکن میں اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ایسے جگ کے ذریعے اور ایسے تحفے کے ذریعے جس کو آپ دیگر پیک کیے ہوئے تحفوں کی طرح وصول نہیں کرتے۔ اس تحفے کی قیمت زیادہ یوں ہوتی ہے کہ جب آپ اس کے ذریعے کچھ Communicate کرنا چاہیں تو آپ کو وہ سب کچھ نصیب ہو جاتا ہے جس کی کمی محسوس کی جا رہی ہوتی ہے۔ یہ طاقت تحفوں کی ہے اور اس کو عطا کرنے والوں کی ہے جو ہمیں میسر آتی ہے۔ ان سب چیزوں سے مل کر انسان کا پیٹرن بنتا ہے اکیلا انسان کچھ بھی نہیں کر سکتا چاہے وہ کتنا ہی زور کیوں نہ لگا لے۔ اس لیے اللہ ہمیشہ انسانوں کو جماعت کے رخ سے پکارتا ہے اور جماعت کے رخ سے ہی حوالہ دیتا ہے۔ جب آدمی ایک اکائی میں ہو تو اس کے لیے زندگی بسر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ زندگی گزارنے کے لیے تحفوں کی استقامت اور اس کی معنوی طاقت کا سہارا پکڑنے کی شدت سے ضرورت ہے۔ چاہے کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی چیز ہی کیوں نہ ہو دکھاوے اور لالچ سے ہٹ کر تحفہ میں دی جانی چاہیے۔ چاہے گڑ کی ایک ڈھیلی ہی سوغات کے طور پر ہی کیوں نہ دی جائے لیکن یہ رشتے تحفے اور باتیں ہماری زندگیوں سے نکلتی جا رہی ہیں اور ہم اس سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ہمیں اس کے قریب ہونے کی ضرورت ہے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

جیرا بلیڈ، ڈاکیا اور علم

اس پروگرام کے شروع ہونے سے ذرا ہی پہلے میں ایک نیا کیلنڈر دیکھ رہا تھا جس کے اوپر ایک بڑے شیر کی تصویر تھی اور وہ شیر ایسا خوفناک تھا جو میں نے یا آپ نے کبھی چڑیا گھر میں اپنی نظر سے نہیں دیکھا۔ اس کے نوکیلے دانت خنجر کی طرح ہوتے ہیں اور اس کا چہرہ بہت ہی خوفناک ہوتا ہے۔ یہ شیر اب تو نایاب ہے۔ یہ ڈائنوسار کے زمانے میں ہوا کرتا تھا اور اپنے آس پاس، اردگرد جانوروں کو اٹھا کر خوراک کے لیے لے جاتا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ جانور کس طرح سے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہتے رہے ہیں اور پھر کس طرح سے ہمارے اوپر حاوی بھی ہوتا رہا ہے اور کن کن خصوصیات کی بنا پر یہ انسان سے بہتر ہے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ماضی، حال اور مستقبل کا جانور یہ انسانوں سے یوں بہتر ہے کہ اس میں دیکھنے کی صلاحیت ہم آپ سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی بصارت بڑی تیز ہوتی ہے۔ آپ ایک گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا یا بوٹی زمین پر رکھ دیں تو میل بھر اونچی اڑتی ہوئی چیل فوراً جھپٹا مار کر اس بوٹی کو اچک لے گی لیکن وہ مجھے یا آپ کو نظر نہیں آ سکتی ہے۔ کبھی آپ صبح اٹھ کر چڑیوں کو دانا ڈالیں تو دور اڑتی ہوئی چڑیاں بڑی جلدی ان دانوں کو دیکھ لیتی ہیں اور جانوروں میں شکرا تو دیکھنے کی بہت زیادہ صلاحیت رکھتا ہے۔ اس طرح سے سننے کی قوت چمگادڑ میں بہت زیادہ ہے۔ بہت ساری آوازیں ایسی ہوتی ہیں جو یہاں موجود ہیں لیکن ہمارے کان ان کو نہیں سن سکتے لیکن چمگادڑ انہیں سن سکنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اندھی چمگادڑ رات کے اندھیرے میں اڑتے ہوئے Sound کو سنتی ہے۔ اسی طرح سے سونگھنے کی طاقت کتوں میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ وہ بند ٹرنک کے اندر پلاسٹک کے لفافوں میں بڑی مہارت سے بند کی ہوئی ہیروئن کو بھی سونگھ لیتے ہیں۔ آپ نے چور پکڑنے والے سونگھے کتوں کے بارے بھی سنا ہوگا۔ وہ ایک پاؤں کا نشان سونگھ کر اصل آدمی کو پہچان لیتے ہیں۔ جانوروں کی ان غیر معمولی صلاحیتوں کے باوصف انسان کی برتری اپنی جگہ پر قائم ہے۔ خونخوار شیر اور بھاری بھرکم ہاتھی انسانی

صلاحیتوں کو نہیں پا سکتا ہے۔ اللہ کی طرف سے جو ہمیں عقل سلیم عطا کی گئی ہے ہم اس پر اللہ کے شکر گزار ہیں۔ میں شیر کی تصویر دیکھ کر سوچنے لگا کہ ہڑپہ یا انڈس ویلی کے پاس یقیناً پرانے زمانے میں بڑے بڑے جھاڑ اور جنگل ہوتے ہوں گے جن میں بڑے بڑے شیر رہتے ہوں گے تو غار میں رہنے والے ''گجو'' نے اپنے کسی دوست ''بینڈی'' سے ضرور کہا ہوگا کہ یار یہ شیر بہت تنگ کرتا ہے اور اس علاقے کے جتنے بھی ہرن ہیں اس نے ختم کر دیئے ہیں۔ ہم اس کا کیا سدباب کریں۔ پھر بینڈی نے کہا ہوگا کہ تم مجھ سے یہ اپنا کیا دکھ بیان کر رہے ہو میں خود پریشان ہوں کیونکہ میری بیوی نے مجھے پکڑ کے دو چماٹے مارے ہیں اور غار سے یہ کہہ کر نکال دیا ہے کہ بچے بھوکے مر رہے ہیں تم ہر روز ایک چھوٹا سا خرگوش مار کر لے آتے ہو اور میرے اٹھارہ بچے ہیں تم کوئی بڑا شکار کر کے لاؤ (اس زمانے میں یقیناً فیملی پلاننگ کا کوئی تصور نہیں ہوتا ہوگا نا) اور اس نے کہا کہ میں تو رات بھر گھر سے باہر ہی سویا ہوں۔ اس وقت گجو نے بینڈی سے کہا ہوگا کہ دریا کنارے جہاں یہ شیر پانی پینے آتا ہے وہاں ایک بہت بڑا گڑھا ہے اور اگر ہم شیر کو پھانسنے کے لیے اس گڑھے کے اندر گوشت کا کوئی ٹکڑا یا ران وغیرہ رکھ دیں تو شیر یقیناً اسے پانے کے لیے چھلانگ لگائے گا تو بینڈی نے کہا کہ وہ بڑا جانور ہے۔ چھلانگ مار کر گوشت لے لے گا اور طاقت سے باہر نکل آئے گا۔ اس کا کوئی اور حل ڈھونڈنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ ہم بانس کا ایک مضبوط اور نوکیلا سرکنڈہ لیتے ہیں اور اسے گڑھے کے درمیان میں کھڑا کرتے ہیں جب یہ شیر چھلانگ لگائے گا تو یہ بانس اس کے پیٹ میں دھنس جائے گا۔ اس منصوبے پر اتفاق ہوا اور دونوں نے ایک بانس گاڑ دیا اور گوشت رکھ دیا۔ شیر کو گوشت کی خوشبو آئی اور اس نے چھلانگ ماری تو وہ بانس اس کے پیٹ کے آر پار ہو گیا اور شیر کے مرنے کی خوشی میں انہوں نے وہاں لوک گیت بھی گائے ہوں گے کہ شکر ہے یہ بلا ٹلی۔ اب ان دونوں کے درمیان ایک اور بات طے ہوئی کہ یہ جو فعل ہم نے کیا ہے اور یہ ہمارے ذہن کا کمال ہے اور اب اس ذہنی استراج کو آگے پھیلنا چاہیے اور لوگوں کو پتہ لگنا چاہیے کہ یوں بھی ہو سکتا ہے چنانچہ انہوں نے کسی پرانے چیتھڑے پر مٹکے یا گھڑے پر بجھے ہوئے کوئلے کے ساتھ ایک ڈیزائن سا تیار کیا جس میں دکھایا گیا تھا کہ اگر ایسا دائرہ بنے جس کے درمیان ایک بانس یا کوئی اور نوکیلی چیز گاڑ دی جائے تو اس طرح سے دشمن کو زیر کیا جا سکتا ہے۔ اس سے ان کا مقصد اپنے دیگر ساتھیوں کو اسے ظالم اور خونخوار جانوروں سے چھٹکارہ مل سکتا ہے۔ جب انہوں نے اس طرح ڈیزائن بنایا تو انہیں خدا کی طرف سے کچھ لکھنے کا احساس ہوا۔ جب انہیں لکھنا آ گیا تو انہوں نے پتھر کی ٹھیکریاں استعمال کیں۔ اس طرح انسان کو جو سب سے بڑی نعمت میسر آئی وہ لکھنے کی تھی اور تیسری سب سے بڑی خوبی جو ہم میں ان دونوں صلاحیتوں کے امتزاج سے ملی وہ

free-urdubook.blogspot.com

یہ تھی کہ ہم اپنے ذہن کے اندر ایک مشکل خیال پیدا بھی کر سکیں اور اس پیچیدہ خیال کو مزید گانٹھیں بھی دے سکتے ہیں اور یہ خیال کہ شیر یا ہاتھی کے ذہن میں پیدا کبھی نہیں ہوا۔ ہم میں چوتھی صلاحیت یہ پیدا ہوئی کہ ہمارے ذہن کا پیچیدہ خیال جب کسی دوسرے تک منتقل ہوتا ہے تو وہ بھی اسے سمجھ لیتا ہے۔ جب غالب کہتا ہے کہ

گر تیرے دل میں ہو خیال
وصل میں شوق کا زوال

یا وہ کہتا ہے کہ

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

جب میں سوچتا ہوں کہ یہ باتیں غالب کے ذہن میں کیسے آئیں اور جب اس سے ہو کر ہم تک پہنچیں تو ہم نے بھی فوراً یہ سمجھ لیا کہ غالب کیا کہنا چاہ رہا ہے۔

اقبال کا ایک شعر میری سمجھ میں آ جاتا ہے۔ شیکسپیئر کا کوئی قول ہوتا ہے تو وہ بھی میں سمجھ جاتا ہوں اور میں اس کے ڈرامہ "ہیملٹ" (Hamlet) میں To Be Or Not To Be کو بھی جاننے لگا ہوں جیسا کہ یہ بات مصنف کے ذہن میں پیدا ہوئی تھی۔ ہم نے ان نعمتوں پر کبھی غور نہیں کیا۔ آج کیلنڈر کی مہربانی سے مجھے خیال آیا اور یہ باتیں میرے ذہن میں آئیں لیکن جب ہم پڑھنا لکھنا سیکھ گئے اور علم ہمارے تصرف میں آنے لگا تو پھر اس کے ساتھ ایک خدشہ بھی پیدا ہو گیا کہ یہی Tool اور ہتھیار منفی انداز میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی دعا مانگتے تھے یہی فرماتے کہ: "اے اللہ مجھے علم نافع عطا فرما۔"

وہ انسانیت کو فائدہ پہنچانے کا علم مانگتے۔ وہ نقصان دینے والے علم سے پناہ مانگتے۔ ہم سائنس کی ترقی کی بڑی بات کرتے ہیں اور اس علم کے فوائد کا ذکر جا بجا کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے بہت نقصان بھی ہیں۔ سائنس کی بدولت ڈیزی کٹر اور ایٹم بم بنا کر انسانوں کی وسیع پیمانے پر ہلاکت کا سامان کیا گیا ہے۔ ہم سب کو بار بار سوچ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم علم نافع کی طرف جائیں۔ اس کی ہی آرزو کریں۔ آپ دیکھیں کہ تالا توڑنے کا بھی تو ایک علم ہی ہے اور جیب کاٹنا بھی ایک علم ہے۔ میرا ایک دوست اوکاڑہ میں رہتا ہے۔ اس کے چھوٹے بھائی نے ایف۔ اے کیا تو میں نے اس سے کہا کہ اسے بی۔ اے میں داخل کروانے کے لیے یہاں بھیج دو لیکن اس نے اپنے بڑے بھائی سے کہا کہ میں بی۔ اے میں داخلہ نہیں لینا چاہتا۔ آپ کے دوست اشفاق صاحب ہیں ان کا بڑے لوگوں سے ملنا جلنا ہے۔ آپ مجھے بس جیب کترے کا علم سکھا دیجیے میں آگے پڑھ کر کیا کروں گا۔ اب میں

free-urdubook.blogspot.com

سمجھا کہ وہ مذاق کرتا ہے لیکن اس نے مجھے فون کر کے بھی یہی کہا۔ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ اسے میرے پاس بھیجو۔ اس نے میرے پاس آ کر کہا کہ بھائی جان بی۔ اے کا ایک علم ہے تو جیب کاٹنا بھی تو ایک علم ہی ہے نا۔ میرے ایک تھانیدار دوست لٹن روڈ تھانے میں تھے۔ میں نے اس سے کہا کہ یار اس لڑکے کا کچھ کرو۔ اس نے مجھ سے کہا کہ ایک پرانا بابا ہے اس سے پوچھتے ہیں۔ اس بابے نے کہا کہ میں جی پانچ سو روپیہ لوں گا اور باقاعدہ اسے شاگردی اختیار کرنی پڑے گی۔ ایک پگڑی اور سیر لڈو پہلے دن بطور شاگرد اسے لانا ہوں گے۔ پھر کام سکھانا شروع کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ نو ماہ سال میں "جیر ابلیڈ" ہو جائے گا۔ مجھے یہ سن کر بڑی حیرت اور عبرت ہوئی کہ سکھانے والے بھی موجود ہیں اور سیکھنے والے بھی۔

یہ ایک چھوٹی سطح ہے بڑے لیول پر بھی یہ کام ہو رہا ہے۔ جسے آپ مافیا کہتے ہیں بڑے بڑے اور نیک نام ملکوں میں نقصان دہ علم کے فروغ کا اور اس کے استعمال کا کام ہو رہا ہے۔ ہمارے اوپر Terrorism کا الزام دھرا جاتا ہے لیکن ان کے اپنے ہاں بھی ایک عجیب طرح کی دہشت گردی کا چلن موجود ہے۔ اس سے ایک خوف ضرور پھیل رہا ہے۔ مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد ہے۔ میرے والد صاحب ڈاکٹری پڑھنے کے لیے لاہور آئے۔ وہ 93-1890ء کی بات ہوگی۔ ابا جی بتاتے ہیں کہ وہ اپنی والدہ کو کارڈز لکھتے تھے کہ میں یہاں بخیریت ہوں اور پڑھائی وغیرہ ٹھیک جا رہی ہے۔ میری دادی ان پڑھ تھیں۔ خط یا کارڈ لانے والا ڈاکیا ہی اماں کو وہ خط وغیرہ پڑھ کر سنا دیا کرتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ میرے والد کے خط میری دادی کو نہیں ملتے رہے تو وہ ابا جی بڑے پریشان ہوئے کہ خط کیوں نہیں مل رہے تو انہوں نے کارڈ میں لکھا کہ "اماں اس مرتبہ آپ ڈاکیے کو تنبیہ کر دیجیے کہ اگر اس نے خط پہنچانے میں کوتاہی کی تو میں اس کے ساتھ سختی سے پیش آؤں گا اور میں اس کی شکایت کروں گا۔ اب وہ ڈاکیا کارڈ یا خط لے کر آیا تو ظاہر ہے کہ اسے اس ڈاکیے نے ہی پڑھنا تھا اور وہ خط کو پڑھنے لگا لیکن جب وہ اس مقام پر پہنچا تو وہ تھوڑا رکا اور پھر وہ پڑھنے لگا کہ امی جی ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ "اس ڈاکیے کو تنبی (چادر) دیجیے تاکہ یہ آپ کا شکر گزار ہو"۔ میری دادی نے کہا کہ "میں اک دی بجائے دو تنبیاں لے دینی آں" اور انہوں نے مشہور قسم کا لٹھا لے کر دو اعلیٰ درجے کی شلواریں سلوا کر اس ڈاکیے کو دے دیں۔ اب آپ دیکھئے کہ اس ڈاکیے نے "تنبیہ" کو کس طرح "تنبی" میں بدل ڈالا۔ دادی بتاتی تھیں کہ پھر اس کے بعد انہیں وقت پر خط ملتے رہے۔ اسی طرح لکھنے کے معاملے میں بھی تاریخ بھری پڑی ہے جس میں گروہ انسانی سے کوتاہیاں ہوتی رہیں اور ان کی تحریروں سے لوگوں کو نقصان پہنچتا رہا ہے لیکن جہاں کوتاہیاں ہوئیں وہاں لکھنے سے فائدے بھی ہوئے ہیں اور علم نے ہی انسان کو ساری منازل طے کرا کے یہاں تک پہنچایا ہے لیکن میرے اندازے کے مطابق اب علم، تعلیم Learning کا

قافلہ اس وقت تک آگے نہیں چل سکتا جب تک اس کے ساتھ تربیت نہ ہو۔ تربیت کے لیے روح کی بالیدگی کی بڑی ضرورت ہوتی ہے اور اس کی بابت بابوں سے پوچھنا چاہیے جوان منازل سے گزرتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے اور ہم اپنی روح کو وہ سربلندی کس طرح سے عطا کر سکتے ہیں کہ ہم اپنی نظر میں ہی محترم ٹھہریں۔ ہماری سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ ہم اپنی نظر میں محترم نہیں ہیں جو شخص اپنی نظر میں محترم ٹھہر گیا وہ باعزت اور باوقار ہو گیا۔ اس کو تو قیر ذات ملنے لگی لیکن یونیورسٹیوں' مکتبوں اور دانش کدوں میں یہ تعلیم نہیں ملتی۔ اس کے لیے کھوج کرنی پڑتی ہے اور اس کے لیے اپنے آپ کے ساتھ بیٹھنا پڑے گا اور اپنے آپ کو Face کرنا پڑے گا پھر آپ میں وہ آسانیاں نکلنے لگیں گی جن کی ہم کو خواہش ہے۔ وگرنہ انسان تمبا کو کی بل دی ہوئی گٹی یا "کھبڑ" کی طرح ہی رہے گا۔ جس سے اپنے ہی خم نہیں کھولے جاتے۔ میں جب اٹلی میں تھا تو میں اس وقت چھبیس برس کا نوجوان تھا۔ وہاں میرا ایک دوست اور ہم عصر ڈاکٹر بالدی بھی تھا۔ اس کے گھر میں اس کی ماں اور والد کی شادی کی سالگرہ کی تقریب تھی۔ ہم نے وہاں کیک وغیرہ اور چائے کافی سے لطف اٹھایا لیکن اس کھانے پینے سے پہلے ڈاکٹر بالدی کے باپ نے کہا کہ دیکھو بھئی آج ایک اچھا دن ہے میں اپنی بیوی سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر میں نے زندگی میں کوئی ایسی کوتاہیاں کی ہیں جس کا مجھے علم نہ ہو اور یہ انہیں جانتی ہو تو مجھے یہ بتائے اور میں اس حوالے سے ڈائریکٹ کمیونی کیشن چاہوں گا۔ وہ کہنے لگا کہ میرے ساتھ جو زیادتیاں ہوئی ہیں وہ میں کہوں گا۔ ہم نے ان دونوں کو کاغذ دیا کہ وہ اگر کوئی ایسی بات ہوئی ہے تو لکھیں۔ دونوں نے جب لکھ لیا تو ہم نے ان سے کاغذ لے لیے۔ بالدی کی ماں نے لکھا کہ ایک بار ہم نے تھیٹر جانا تھا اور بالدی کے ابو نے کسی سرکاری کام کی وجہ سے تھیٹر جانے سے معذرت کی حالانکہ میرا اندازہ یہ ہے کہ اسے کوئی کام نہیں تھا۔ اس نے لکھا کہ یہ آج تے بتیس برس پہلے کی بات ہے۔ میں اس وقت نوجوان تھی لیکن میرے شوہر نے جانے سے انکار کر دیا جس کا آج تک میرے دل پر بوجھ ہے۔ پھر بالدی کی ماں آئی اس نے کہا کہ وہ ہمارے ہاں بارہ دن ٹھہرے گی لیکن وہ تیرہ دن رہی (خواتین وحضرات ساس تو ویسے ہی بری لگتی ہے اور دنیا میں آج تک کوئی خوبصورت ساس نہیں بنی ہے) اس کے بعد بالدی کے اباجی کی تحریر تھی۔ جس میں سب سے پہلے انہوں نے لکھا ہوا تھا I Love You۔ دوسرے کاغذ پر بھی I Love You اور پھر تمام کاغذوں پر یہی فقرہ درج تھا۔

بچو لکھنے کا ایک یہ بھی انداز ہوتا ہے۔ ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ڈاکیے کی طرح تقریر میں بالدی کے ابو کی طرح تحریر میں لکھت اور پڑھت میں ہم ایسا کریں کہ اس سے دوسرے کو سکون اور نفع عطا کرے۔ اگر علم جیرا بلیڈ بننے والا ہے تو ہمارے کسی علم یا پڑھنے لکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور ہم جانوروں سے بھی بدتر ہوتے چلے جائیں گے۔ چڑیا بلبل گاتے ہوئے مرجاتے ہیں۔ ہم ایسے نہیں

free-urdubook.blogspot.com

کر سکتے۔ ہمیں ہر وقت کوئی نہ کوئی دھڑکا ہی لگا رہتا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ ہمیں بھی خوش رہنے کی صلاحیت عطا فرمائے اور ہم ایسے ہو جائیں کہ ہم خدا کے ہر حکم کو خوشی خوشی بجالائیں اور اپنے Creator کے حکم زندگی گزاریں۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

فونگ شوئی

جب میں زندگی میں پہلی مرتبہ ہانگ کانگ گیا تو جیسے ہر نئے ملک اور شہر میں جانے کا ایک نیا تجربہ ہوتا ہے اس طرح میرا ہانگ کانگ جانے کا تجربہ بھی میری زندگی کے ساتھ ایسے چھوتے ہوئے گزرا کہ میرے اندر تو شاید وہ سب کچھ تھا جسے اجاگر ہونے کی ضرورت تھی لیکن وہ باہر برآمد نہیں ہو پاتا تھا۔ میں وہاں جس دفتر میں جانا تھا وہاں کے باس جس سے میں نے براڈ کاسٹنگ کے سلسلے میں ملاقات کرنا تھی وہ بیمار ہو کر ہسپتال میں داخل ہو چکے تھے اور اس کے دفتر والے کچھ پریشان تھے۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی کے مہرے یا کمر کے مہرے ایک دوسرے پر چڑھ گئے تھے۔ میں نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی لیکن دفتر والوں نے کہا کہ وہ بات کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں اور کافی تکلیف میں ہیں۔ ان صاحب کا دفتر جو بڑا اچھا اور خوبصورت دفتر تھا۔ اس میں کچھ تبدیلی ہو رہی تھی۔ اس کی سیکرٹری چیزوں کو ہٹانے' رکھنے یا جگہ بدلنے بارے ہدایت دے رہی تھی۔ وہاں ایک چھوٹے سے قد کا آدمی بھی آیا ہوا تھا جو Instructions دے رہا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہم دفتر کی ''فونگ شوئی'' کر رہے ہیں اور یہ شخص ''فونگ شوئی'' کے Expert ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ہمارے دفتر کی فونگ شوئی بہت خراب تھی اور اس کی وجہ سے ہمارے باس پر بیماری کا حملہ ہوا۔ اب ڈاکٹر ان کے باس کا ڈاکٹری انداز میں علاج کر رہے تھے لیکن وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اگر دفتر کی فونگ شوئی بہتر ہوتی تو ایسے نہ ہوتا۔

میں نے ان سے پوچھا کہ یہ فونگ شوئی کیا ہوتی ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ اس کا لفظی مطلب پانی اور ہوا ہے۔ اس دفتر کی آب و ہوا نا مناسب تھی جس سے صاحب بیمار ہو گئے۔ ہمیں اس Expert نے کہا تھا اس دفتر کی کھڑکی کے سامنے جو عمارت ہے وہ اس انداز میں بنی ہے جو اس دفتر پر منفی انداز میں اثر انداز ہو سکتا ہے اور اگر اس کھڑکی پر ایک دبیز پردہ مسلسل لٹکتا رہے تو پھر اس کے اثرات سے بچا جا سکتا ہے۔ دوسری بات وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اس کمرے میں میں ایک شیشے کا بڑا حوض رکھا

جائے اور اس میں کالی مچھلیاں ہوں اور اس باس کی جو میز اور کرسی ہے وہ جہاں اب ہے وہاں نہ ہو بلکہ دروازے کے ساتھ ہو۔

خواتین و حضرات! گو یہ شگون کی سی بات کر رہا تھا لیکن زندگیوں میں شگون عجیب طرح سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان کو منطقی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ تعلق نہیں کہا جا سکتا۔ دفتر والوں کے مطابق ان کے باس کو سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ وہ بالکل دروازے کے ساتھ میز کرسی نہیں لگوا سکتے کیونکہ دنیا میں آج تک کسی باس کی میز کرسی بالکل دروازے کے ساتھ نہیں ہوتی ہے لیکن فونگ شوئی ماسٹر کا اصرار تھا کہ اس دفتر کا جغرافیہ اس امر کا تقاضا کر رہا ہے۔ جب دفتر کی ساری تبدیلیاں ہو چکیں تو انہوں نے کہا کہ اب باس کی طبیعت پہلے سے کچھ بہتر ہو گئی ہے تو میں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کام یہاں ہو رہا ہے لیکن طبیعت وہاں بہتر ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آب و ہوا اور رُخ کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ ہمیں بھی اللہ نے ایک رُخ کا آرڈر دیا ہے کہ تم اپنا رُخ اِدھر کو رکھنا پھر عبادت کرنا یا کوئی قسم اٹھانا تو رُخ ادھر کر کے اٹھانا۔ اگر آپ کی سوئی متعین رُخ سے اِدھر اُدھر ہلتی یا ہٹتی ہے تو آپ کا عمل چاہے کتنا بھی اچھا ہو، علم کتنا بھی اچھا ہو تو مشکل پیدا ہو جائے گی۔ میں اس وقت یہی سوچتا رہا کہ ہمیں خدا نے کہا ہے کہ اپنا چہرہ قبلہ رُخ کر کے نماز پڑھو تو ظاہر ہے اس میں کوئی حکمت ضرور ہو گی جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ یہ بات سوچ کے مجھے اپنی جوانی کے اس وقت کا خیال آیا جب ہم ہڑپہ دیکھنے گئے تھے۔ وہاں جو بستیاں بسائی گئی تھیں ان کا ایک زمانے کے لوگوں نے ایک خاص رُخ رکھا تھا۔ پانچ ہزار سال پہلے بھی ان بستیوں کا باقاعدہ رُخ رکھا گیا۔ ہماری طرح سے ٹاؤن پلاننگ کیے گئے گھر تھے۔ اس فونگ شوئی کے تصور سے میرے ہاتھ ایک بہت اچھی بات آئی۔ وہ یہ تھی کہ میں ایک پڑھا لکھا آدمی ہونے کی حیثیت سے اعتراض کیا کرتا تھا کہ بھئی آپ کیوں کہتے ہیں کہ کندھے سے کندھا ملا کر لائن سیدھی کر لیں۔ جس طرح ہر نماز کے وقت امام صاحب کہتے ہیں میں کہتا تھا کہ اگر ایک انچ آگے یا پیچھے ہو بھی جائے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ مجھے تب احساس ہونے لگا کہ یقیناً فرق پڑتا ہے لیکن میں اس کو نہیں سمجھتا۔ میں اس بات پر بھی بہت چڑتا تھا اور میرے اور بھی بچے چڑتے ہوں گے کہ ٹخنوں سے اونچا پائینچہ کیوں رکھیں۔ اس کا ہمیں کیوں کہا جاتا ہے۔ ہم کہتے کہ اس سے کیا ہوتا ہے لیکن فونگ شوئی کا وہ سارا Process دیکھنے کے بعد میں نے سوچا کہ اس سے روح کی آب و ہوا میں ضرور فرق پڑتا ہو گا اور ہم کیوں نہ ایسا کر لیں جیسا کہ ہمارے بڑوں اور پرکھوں نے کیا ہے۔ ہم اپنے سرجنوں کی بات تو مانتے ہیں اور اتنا ہی کٹ دیا جاتا ہے جیسے وہ کہتے ہیں۔ اس طرح روحانی آپریشن میں بھی بابوں کی یا بڑوں کی بات مان لی جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ برطانیہ کا جو ایک جیوگرافک میگزین ہے اس میں لکھنے والے ان دنوں ایک Research کر کے حیران ہو رہے ہیں کہ وہ مسلمان جو عرب

free-urdubook.blogspot.com

سے چل کر ایسی عجیب و غریب جگہوں پر پہنچے جن کے جغرافیے سے وہ آشنا نہیں تھے۔ ان لوگوں نے چودہ یا پندرہ سو برس پہلے جو مساجد بنائیں تھیں ان کا رخ کس طرح سے کعبے یا حرم شریف کی طرف رکھا گیا تھا۔ کیونکہ ان کے پاس اطراف کا تعین کرنے والا کوئی آلہ نہیں ہوتا تھا اور کوئی قطب نما نہیں تھا۔

اس حوالے سے میگزین میں ریسرچ سلسلہ وار چھپتی رہی۔ ایک مضمون میں انہوں نے لکھا کہ چونکہ وہ بحری سفر کرتے تھے اور ستارہ شناس تھے اس لیے وہ اطراف کا تعین درست رکھتے تھے اور مساجد کا رُخ درست رکھتے تھے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ کشتیوں والے تاجر یا ملاں تو ان بابوں کو ان ویران علاقوں میں چھوڑ کر چلے جاتے تھے اور یہ مساجد وغیرہ یہ بابے ہی بناتے تھے۔ سینکیانگ ایک عجیب و غریب علاقہ ہے۔ اگر آپ کبھی شاہراہ ریشم پر گئے ہوں اور پھر آگے چین کے بارڈر تک جائیں تو وہ انتہائی غیر آباد علاقہ تھا۔ وہاں آنے والوں کو آخر کس نے بتایا تھا کہ اس مسجد کا رُخ کعبے کی سمت کرنا ہے اور کعبہ کس طرف ہے؟

میگزین کے مطابق ایک اکیلا شخص انڈونیشیا گیا۔ اس نے بھی پھونس لکڑی پتھر جوڑ جاڑ کے ایک مسجد بنائی اور اس کا رُخ بھی Correct کعبے کی طرف رکھا۔ میں نے جب یہ مضمون پڑھا تو پھر مجھے حیرانی ہوئی اور فونگ شوئی کا مسئلہ بھی ذہن میں آیا اور میں نے سوچا کہ رُخ کا درست رکھنا کس قدر ضروری ہے۔ میں نے آج سے پچیس تیس برس پہلے جب اپنا گھر بنایا تھا تو یہ رُخ والی اور فونگ شوئی کی بات ذہن میں نہیں رکھی تھی البتہ اب یہ بات ذہن میں آتی ہے۔ اس وقت بانو قدسیہ نے کہا کہ ایک کمرہ ایسا ہونا چاہیے جس میں ایک بہت اچھا اور خوبصورت قالین بچھا ہوا ہو۔ میں نے کہا قالین تو بھئی بہت مہنگی چیز ہے ہم کہاں سے لیں گے۔ وہ کہنے لگی کہ میرے پاس پانچ سات ہزار روپے ہیں اس کا لے لیں گے۔ میں نے کہا اتنے پیسوں سے قالین تو نہیں آئے گا البتہ اس کا ایک دھاگہ ضرور آ جائے گا۔ میرے ایک دوست حفیظ صاحب کا بہت بڑا قالینوں کا شوروم تھا جس کا نام "بخارا کارپٹس تھا" انہوں نے کہا کہ آپ زحمت نہ کریں ہم لوڈر میں ڈال کر کچھ قالین بھیج دیں گے آپ کو اور آپا کو جو پسند آ جائے وہ رکھ لیں۔ اب وہ قالین لانے والے ایک ایک کر کے قالین دکھاتے جاتے اور ہم جو دیکھتے وہ ہی اچھا اور بھلا لگتا۔ جس طرح لڑکیاں کپڑا خریدنے جاتی ہیں تو انہیں بہت سارے کپڑوں میں سے کوئی پسند نہیں آتا ہے بالکل یہی کیفیت ہماری تھی اور ہم سے کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ کونسے رنگ کا قالین رکھیں۔ ابھی ہم شش و پنج میں ہی تھے کہ ہماری بلی میاؤں کرتی ہوئی کمرے میں آئی اور وہ بچھے ہوئے قالینوں پر بڑے نخرے کے ساتھ چلنے لگی اور ایک قالین پر آ کر بیٹھ گئی اور پھر نیم دراز ہو گئی۔ میں نے کہا کہ یہ ہی ٹھیک ہے۔ اگر اس نے چوائس کیا اور اللہ نے اس کو چوائس کی وہ صلاحیت دی ہے جو ہم میں نہیں ہے تو ہم اسی قالین کو رکھ لیں گے۔ وہ قالین اب تک ہمارے پاس ہے اور وہ زیادہ پرانا

free-urdubook.blogspot.com

ہو کر زیادہ قیمتی ہو گیا ہے۔

بھارت کا ایک بڑا شہر کانپور ہے۔ اس کے پاس ایک قصبہ تھا۔ اس قصبے میں ایک بزرگ آ کر اپنے پیروکاروں یا مریدین سے ملے۔ لوگ اپنے پیر کی عزت افزائی کے لیے دن بھر ان کے ساتھ رہے اور نمازیں پڑھتے رہے۔ شام کے وقت وہ پیر صاحب نے جب وہاں ایک چھوٹی سی مسجد دیکھی تو وہاں مغرب کی نماز پڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ان کے پیروکار کہنے لگے کہ جی ہم اس مسجد میں نہیں جائیں گے۔ وہ کہنے لگے کہ آپ کو مسجد میں جانے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ جی آپ ہمارے بڑے ہیں ہم آپ کو مسجد میں جانے سے نہیں روکتے لیکن ہم آپ سے درخواست کریں گے کہ آپ یہاں نماز نہ ہی پڑھیں تو اچھا ہے۔ وہ پیر صاحب فرمانے لگے کہ آپ لوگ کیسی بات کرتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز نہ پڑھوں۔ بہر حال وہ بزرگ مسجد میں تشریف لے گئے۔ وضو کیا اور نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر انہوں نے پوچھا کہ آپ لوگوں نے اس مسجد میں نماز ادا کیوں نہیں کی تو لوگوں نے کہا کہ سر اس کا قبلہ غلط ہے اور اس کا رُخ خانہ کعبہ کی طرف نہیں ہے بلکہ ٹیڑھا ہے۔ ہم اس لیے یہاں نماز نہیں پڑھتے۔ اس سے محترم بزرگ کو بڑی تکلیف ہوئی اور وہ کہنے لگے کہ یہ کوئی ایسا جواز نہیں ہے۔ وہ بزرگ محراب کے سامنے کھڑے ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی شروع کر دی اور وہ بڑی دیر تک دعا مانگتے رہے۔ لوگ بتاتے ہیں کہ تھوڑی دیر بعد وہ محراب پھٹ گیا اور اس میں اتنا بڑا سوراخ ہو گیا جس میں سے ان لوگوں نے جو وہاں نماز ادا کرنے سے انکاری تھے دیکھا کہ سامنے حرم شریف ہے اور لوگ اس کا طواف کر رہے ہیں۔

خواتین و حضرات! جگہوں کی جغرافیائی صورتحال کا ایک عجیب اثر ہوتا ہے اور اس اثر سے یوں فائدہ اٹھانا چاہیے کہ ہمیں اپنے گھر کے اندر ایک مخصوص کونے میں تن تنہا بیٹھ کر اٹھایا جانا چاہیے۔ وہاں آپ کو مفت ایسی ارتعاش ملے گی جو آپ کے روحانی سفر میں معاون ثابت ہو گی۔ مجھے ہانگ کانگ میں فونگ شوئی کو دیکھ کر بہت فائدہ پہنچا کہ جن چیزوں پر میں اپنی حماقت کے ساتھ معترض ہوتا تھا اور میں ان پر طنز بھی کیا کرتا تھا خدا مجھے معاف کرے۔ میرے پوتے وغیرہ اب بھی ایسی باتوں پر طنز کرتے ہیں۔

خواتین و حضرات! جب مسلمانوں نے یہ طے کیا کہ ہم اپنے لیے U.N.O کی عمارت بنائیں گے اور ایک ایسی عمارت بنائیں گے جہاں جا کر ہم درخواست یا عرضداشت پیش کر سکیں یا جہاں ہم اپنے دکھ بیان کر سکیں اور اس کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا ربط باہمی قائم رکھیں تو اس عمارت کے بنانے کے لیے کوئی آرکیٹیکٹ نہیں منگوائے گئے تھے۔ سیانوں نے بلیو پرنٹس تیار نہیں کروائے تھے بلکہ فرمانے والوں نے فرمایا کہ ایک اونٹنی کو چھوڑ دو وہ جا کر جہاں بیٹھ جائے گی وہی مقام

free-urdubook.blogspot.com

ہمارا مقام ہوگا اور مسلمانوں کے U.N.O کا صدر دفتر اور گھر ہوگا اور وہی ہماری آئندہ نسلوں اور پوری ملت کے لیے نگاہوں کا نور ہوگا۔

اس بات کو سوچنے کی بڑی ضرورت ہے۔ لوگ اب تک وہاں جا کر دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور کھڑے ہوتے رہیں گے اور وہی جگہ ہمارے دل اور نگاہوں کا محبوب مرکز اور ہمارا سب کچھ ہے۔ آپ سے بس یہی درخواست کرنا چاہ رہا تھا کہ بہت ساری ایسی باتیں جن کا میرے جیسے پڑھے لکھے بندے تمسخر اڑاتے ہیں یا اپنی کسی کوتاہی کی وجہ سے کچھ کہہ دیتے ہیں۔ حقیقت کا علم تو خدا ہی جانتا ہے' جب اذان ہوتی ہے تو سروں پر اوڑھنیاں کیسے خود بخود آ جاتی ہیں اور جو خاتون یا بچی اوڑھنی لے لیتی ہے وہ ہمارے ساتھ کی ہوتی ہے اور جو بدقسمتی کی وجہ سے نہیں بھی لیتی تو وہ ہے تو ہمارا ہی سرمایہ اور جانِ جگر لیکن اس کی فو نگ شوئی میں کچھ ایسا ہی فرق پڑ گیا ہے۔ جیسا کہ ہانگ کانگ والے باس کی ریڑھ کی ہڈی کے مہروں میں خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن آرزو یہ ہوتی ہے کہ ایسی خرابی پیدا نہ ہو جو ہم کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دے۔ کبھی کبھی کوئی ایسی بات جو جوڑنے والی ہو اور آپ کو ناپسند ہو تو اسے فوراً اختیار کر لینا چاہیے۔ ہمارے بابے کہتے ہیں کہ مباحثے کے اندر' جھگڑے اور ڈائیلاگ میں کبھی کبھی آپ کو ایسی کمال کی بات سوجھ جائے جو آپ کے مدمقابل کو زیر کر دے اور سب کے سامنے رسوا کر دے تو وہ بات کبھی نہ کرو اور بندہ بچا لو۔ مت ایسی بات کرو جس سے وہ شرمندہ ہو جائے۔

ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں ایسی شرمندگی عطا نہ کرنا جو ہم کو ہماری ملت اور اُمّہ سے توڑے یا ہمیں الگ الگ دانوں میں تقسیم کر دے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

free-urdubook.blogspot.com

دھرتی کے رشتے

میں بڑی دردمندی سے اور بڑے دکھ کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ ہم نے اپنے ساتھ کیا کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہم اپنے رشتوں کو پہچاننے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہ بات ہمیں بڑی ہی خوفناک جہنم کی طرف لیے چلی جا رہی ہے۔ میرے گھر کے باہر لگا ہوا شہتوت کا درخت میرا دوست، میرا عزیز اور رشتہ دار ہے اور وہ فاختائیں جو ہماری منڈیر پر آتی ہیں میں انہیں جانتا ہوں۔ وہ مجھے جانتی ہیں لیکن میں انسانوں کو نہیں پہچانتا۔ میں ان سے دور ہو گیا ہوں۔ میں ان کے ساتھ ایک عجیب طرح کی نفرت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ بہار کے موسم میں جب بہار اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہوتی ہے اور گرمیوں کا شروع ہوتا ہے اس وقت ایک سہارا ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ وہ برکھا رت کا سہارا ہوتا ہے۔ ساون کا سہارا ہوتا ہے کہ بارشیں آئیں گی، مینہ برسیں گے اور پھر ہم جسمانی طور پر نہ سہی ذہنی طور پر پورے کے پورے برہنہ ہو کر برستی ہوئی بارشوں میں نہائیں گے اور پھر سے اپنے پیارے بچپن میں پہنچ جائیں گے۔ پچھلے دنوں تمام عالم میں "Water Day" منایا گیا۔ سنا ہے کہ دنیا سے پانی کم ہو رہا ہے۔ یہ بڑی خوفناک سی بات ہے۔ باوصف اس کے کہ انسان کی خدمت کے لیے سارے پہاڑ، بڑی بڑی کروڑوں ٹن کی پگڑیاں باندھے ہر روز صبح اٹھ کر سورج کی خوشامد کرتے ہیں کہ خدا کے واسطے دو تین کرنیں ہماری طرف پھینکو ہم نے انسانوں کو پانی بھیجنا ہے۔ ہمارے بابے اور بزرگ بتاتے ہیں کہ جتنی بھی بے جان چیزیں ہیں یہ انسان کی خدمت کے لیے دیوانہ وار چل رہی ہیں۔ آدمی آدمی کی خدمت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے لیکن سورج بہت پریشان ہے وہ کہتا ہے کہ میری ساری کرنیں لے لو لیکن اے پہاڑ و انسان کو کسی نہ کسی صورت پانی پہنچنا چاہیے۔ ایک ہمارا مزدور بابا ہے وہ مجھے کہتا ہے کہ اشفاق صاحب آپ کو پتہ نہیں ہے کہ صبح کے وقت سطح کے اوپر سوئی گیس ہوتی ہے۔ وہ نیچے کی سوئی گیس کو آواز دے کر کہتی ہے کہ "لڑکیو جلدی کرو اوپر کی طرف آؤ۔ لوگوں نے ناشتے بنانے ہیں۔ باہر نکلو اور انسانوں کی خدمت کرو۔" وہ گیس پھر فٹافٹ نکلتی چلی آتی ہے لیکن انسان بے چارہ اپنے ساتھیوں کی خدمت نہیں کرتا۔

جب ہم یہ پروگرام کر رہے ہیں اور آپ یہ پروگرام دیکھ رہے ہیں اس وقت بہاولپور سے بکریوں کا ایک ریوڑ چلتا ہوا ملتان کی طرف آ رہا ہے اور چھوٹے چھوٹے پھوروں (بکری کے کمسن بچے) کی مائیں اور لیلوں (بھیڑ کے ننھے بچے) کی مائیں اونچی آواز میں کہہ رہی ہیں کہ بچو جلدی جلدی قدم اٹھاؤ صبح جا کر ذبح ہونا ہے اور ہمارا گوشت لاہور تک جانا ہے۔ پتوکی' ساہیوال اور کئی جگہوں پر جانا ہے اس لیے جلدی جلدی ملتان پہنچو۔ وہ کہتے ہیں کہ اماں ہم چل تو رہے ہیں آپ ہمیں اور تیز چلنے پر کیوں مجبور کرتی ہیں۔ آگے سے وہ جواب دیتی ہیں کہ ہم انسان کی خدمت پر معمور ہیں۔ اس طرح جتنے بھی جمادات' حیوانات اور اللہ کی جتنی بھی مخلوق ہے وہ ساری کی ساری انسان پر قربان ہونے کے لیے تیار ہے اور روز قربان ہوتی چلی جا رہی ہے۔ جب میں نے ملتان کا ذکر کیا تو مجھے خیال آیا کہ پاکستان کے اندر جتنے بھی ثمر بہشت یا آموں کی دوسری قسمیں موجود ہیں آج تک کسی آم نے خود کو چوس کر نہیں دیکھا۔ کبھی اپنی مٹھاس خود محسوس نہیں کی۔ اپنا سارا کا سارا وجود انسان کو دے دیا ہے۔ بس یہ تو ہماری بدقسمتی ہے کہ انسان انسان کے ساتھ والی محبت اور پیار نہیں کرتا جیسی کہ بے جان چیزیں رکھتی ہیں۔ جب پانی کا دن منایا گیا اور اس خوف کا اظہار کیا گیا کہ پانی آئندہ اور کم جائے گا تو مجھے اپنے بچپن کا وہ ساون یاد آ گیا جب ہم نیکریں پہن کر بے تحاشا بھاگا کرتے تھے اور اپنے گاؤں کی گلیوں کے چکر لگایا کرتے تھے اور اوپر سے پانی برسا کرتا تھا۔ ہم خوشی سے گاتے۔

"کالیاں اِٹاں' کالے روڑ
مینہ برسا دے زور و زور"

ہمیں ان باتوں کا مطلب نہیں آتا تھا لیکن ہم بس گایا کرتے تھے۔ ہماری جو چھوٹی بہنیں تھیں وہ اپنی گڑیا جو انہیں بہت پیاری ہوتی ہے اسے لے کر روتی ہوئیں پانچ چھ کی تعداد میں آنسو بہاتی ہوئی چلتی تھیں اور موتی میں لپٹی ہوئی پیاری گڑیا کو ماتھے سے لگا کر جلا دیتی تھیں اور وہ قافلہ بارش کی دعا مانگتا ہوا اور روتا ہوا چلتا تھا اور یہ گاتا تھا

"تو وس بدلا کالیا
اساں گڈی پٹولا ساڑیا"

(یہ ایک طرح کا بچوں میں شگون تھا کہ اس طرح گڑیا اور کپڑے سے بنے کھلونے جلانے سے بارش آ جاتی ہے)

وہ چھوٹی چھوٹی پیاری بچیاں انسانوں کے سکھ کے لیے اللہ میاں سے دعا کرتی تھیں حالانکہ انہیں بارش کے فائدے یا نقصان کا علم نہیں تھا۔ اب پانی کی کمی کا دکھ بہت زیادہ خوف پیدا کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اے اللہ میرے پوتے اور نواسے اس برکھا رُت سے واقف نہیں ہیں۔ انہیں پتہ ہی

free-urdubook.blogspot.com

نہیں ساون کیا ہوتا ہے۔ انہیں معلوم نہیں سڑک کے کنارے کس طرح مینڈک آ کر بیٹھتے ہیں۔ کیسے مینڈکوں کی آوازیں آتی ہیں اور وہ سخت بارش کے بعد کس طرح سے آوازیں نکالتے ہیں۔

میں جب پانچویں چھٹی میں ہوتا تھا مینڈک کی آواز کو بڑی اچھی طرح سمجھتا تھا اور مجھے پتہ ہوتا تھا کہ اب مینڈکیاں بولی ہیں اور اب یہ مینڈک بولے ہیں۔ اب بڑے سائز کے مینڈک بولے ہیں۔ اب درمیانے سائز کے مینڈک بولے ہیں اور وہ قطار در قطار بیٹھے بولنا شروع کر دیتے تھے۔ جب ہم سکول جاتے تھے تو میری پھوپھی کہا کرتی تھیں کہ "اشفاق جاتے ہوئے ڈڈواں (مینڈکوں) نوں سلام کر کے جانا۔"

ہمارا ڈڈو کے ساتھ بڑا گہرا رشتہ تھا اور ہم سکول جاتے ہوئے پھوپھی کے حکم کے مطابق "ڈڈو سلام ڈڈو سلام" کہہ کر جاتے تھے اور وہ سڑک کنارے بیٹھے ہوئے ایک آواز نکالتے تھے اس زمانے میں ہم مینڈکوں کی بولی جاننے کی بھی کوشش کیا کرتے تھے اور ہم سے جو سینئر سٹوڈنٹ ہوتے تھے وہ ہمیں بتاتے تھے کہ جب بڑا مینڈک بولتا ہے تو وہ کہتا ہے:

"ویاہ کریئے ویاہ کریئے"

پھر مینڈکیاں بولتیں "کدوں تک کدوں تک"

پھر مینڈکیاں ایک دوسرے سے کہتیں:

"نیو دراپایئے نیو دراپایئے"

اور ساتھ ہی چھوٹی مینڈکی کہتی:

"کناں کناں کناں"

اور ایک بوڑھا ڈڈو بولتا اور کہتا:

"ٹکا ٹکا ٹکا ٹکا"

اس طرح ایک پوری بولی ہوتی تھی جو ہم جانتے تھے اور مزید جاننے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ خوبصورت زندگی ہوتی ہے جس سے ہم محروم ہو گئے ہیں۔ ہم نے تو اب قتل و غارت گری کو اپنا لیا ہے۔ ہم کی چڑیوں اور مینڈکوں سے ملیں گے۔ میرے گھر کے باہر جو شہتوت کا درخت ہے وہ پاکستان کا باشندہ ہے۔ وہ میرا اعزیز ترین ہے لیکن میری آنکھیں اتنی غیر ہو گئی ہیں اور میرے دیدے بے نور ہو گئے ہیں اور میں نے تو انسانیت سے محبت کرنی چھوڑ دی ہے۔ اس پیارے شہتوت کے ساتھ اور فاختاؤں کے ساتھ کیسے محبت کروں گا۔ ہم ہر روز ایسی ایسی خبریں پڑھتے ہیں جن سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ آخر ہمیں ہو کیا گیا ہے۔ یہ کون سا ایسا ظالم ہے جس نے ہمارے اندر سے محبت اور شیرینی کی ساری خوشیاں اور انداز چھین لیے ہیں اور چاشنی چاٹ لی ہے۔

خواتین وحضرات یہ علاقے اور خطے جو ہوتے ہیں یہ انسان کی پہچان بنتے ہیں اور انسان ان خطوں کی پہچان بنتے ہیں۔ ہم علاقوں کو رسلے انسان، سجیلے انسان اور غصیلے انسان کے طور پر دیکھتے ہیں اور جس طرح کے انسان ہوتے ہیں اس خطے کے بارے میں بھی ویسا یہ تاثر قائم کر لیا جاتا ہے۔ نباتات جڑی بوٹیاں، اللہ کی طرف سے خودرو اگنے والے پودے اور جو ہم کوشش سے اگاتے ہیں ان کا بھی ہمارے ساتھ ایک رشتہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ گلاب چواسیدن شاہ کا ہے۔ اس سے اچھا گلاب دنیا میں کہیں نہیں اُگتا۔ ترکی والے اپنے گلاب کے بہترین ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہاں کا گلاب ساری دنیا میں مشہور ہے۔ ان کی دنیا بھر میں گلاب کی بہت بڑی سپلائی ہے۔ میں نے ان کے گلابوں کے کھیتوں کو بھی دیکھا ہے۔ لیکن چواسیدن شاہ کا گلاب منفرد ہے۔ میں یہ اس لیے نہیں کہتا ہوں کہ میرا اور میرے پیارے وطن کا گلاب ہے بلکہ اس لیے کہ وہ بہت ہی اعلیٰ درجے کا ہے۔ آپ نے قصور کی میتھی سنی ہوگی۔ وہ بھی اللہ کی ایک نعمت ہے۔ میں چیخ چیخ کر کہتا ہوں کہ میرے پیارے سیالکوٹ کے رہنے والو! وہ گنا کہاں گیا جو اتنا نرم اور میٹھا ہوتا تھا کہ جی چاہتا کہ چوستے ہی رہیں۔ انسان کا علاقے اور جگہ کا رشتہ انسان کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اسے چھوڑا نہیں جاسکتا۔ میں صرف اپنے رشتہ داروں سے وابستہ ہوں۔ میرے اور کئی عزیز اور میرے بہت ہی قریبی عزیز ہیں۔ میرے صرف مسلمان، پارسی، شیعہ، سنی، بابری، عیسائی، میگواڑ، گیری ہی عزیز واقارب نہیں ہیں بلکہ وہ جانور بھی میرے عزیز رشتہ دار ہیں یہ مینا، اونٹ، فاختائیں، درخت، کیکر، شہتوت، طوطے بھی رشتہ دار ہیں۔ جب میں ایک پودا ذہن میں بوتا ہوں تو میں اس کے ساتھ اپنے آپ کو بھی بوتا ہوں۔ کبھی آپ غور کر کے دیکھ لیں کہ وہ پودا بونے کے بعد میرے اندر بھی اس کی نشو ونما شروع ہو جاتی ہے۔ جب آپ کسی چڑی مار سے طوطا لے کر اڑاتے ہیں اور وہ ٹیں ٹیں کرتا ہوتا گھر کو جاتا ہے تو آپ بھی گھر کو جاتے ہیں۔ جب طوطا گھر پہنچ جاتا ہے تو آپ کی روح اور وجود بھی سکون کے گھر میں پہنچ جاتا ہے۔ لیکن میں ایک نہایت دردناک انداز میں اور آنسو پی کر یہ بات کروں گا کہ ہم اس علاقے کے لوگ تو بڑی محبت کرنے والے لوگ تھے۔ سندھ اور پانچ دریاؤں کے علاقے کے لوگ تو محبتیں بانٹنے والے لوگ ہیں۔ ہمیں کیا ہو گیا ہے۔

آج سے بیس پچیس برس پہلے جب ہمارے لسانی جھگڑے ہوئے تو یہاں کے جو پرانے اور ان پڑھ لوگ تھے وہ کہتے تھے کہ سندھ میں ایسا نہیں ہوسکتا۔ وہ تو سائیں لوگ ہیں، پیارے لوگ ہیں۔ وہ کیسے جھگڑ سکتے ہیں۔ ہم ان لوگوں کو بہت سمجھاتے تھے لیکن وہ کہتے تھے کہ نہیں لسانی جھگڑے نہیں ہیں۔ ہم سے کوئی اور غلطی ہوگئی ہے۔ یہ غلطی کسی اور بندے کی ہے۔ وہاں تو درگاہوں پر گانے والے لوگ ہیں جو سلام کرنا اور رکوع میں جانا جانتے ہیں وہ کبھی ظلم نہیں کر سکتے۔ مجھے اس بات کا بہت دکھ ہوتا ہے۔ خدا کے واسطے اس بات کو شدت سے محسوس کریں۔ گھروں سے نکل کر ہم نے زندہ رہنا کیوں چھوڑ دیا

free-urdubook.blogspot.com

ہے۔ ہم ایک خوفزدہ قوم بن کر رہ گئے ہیں۔ ہر وقت ڈر کے ساتھ وابستہ ہیں اور ٹوٹتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ ایک دوسرے سے روٹھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ میری آپا زبیدہ جو جہلم میں رہتی تھیں وہ بچوں کو تعلیم دیتی تھیں۔ بہت معروف ہستی تھیں۔ ان کے ملنے والی ایک خاتون تھیں یہ کوئی دس بارہ برس پہلے کی بات ہے۔ میں وہاں جہلم گیا تو وہ دونوں سہیلیاں وہاں گھر پر تھیں۔ وہاں آپا زبیدہ کی ملازمہ بی بی صغریٰ تھیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ دونوں کے گھر پر اللہ کا بڑا فضل ہے اور یہ بی بی صغریٰ باوصف اس کے کہ کوئی علم نہیں رکھتی اور پڑھی لکھی نہیں ہے لیکن اس کا درجہ بہت بلند ہے۔ بڑی آپا کہنے لگیں کہ ہاں اللہ رحیم و کریم ہے۔ وہ فضل کرنے والا ہے۔ اللہ رحمٰن ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ وہ کہنے لگی کہ میں اپنے بارے میں تو کچھ کہہ سکتی ہوں صغریٰ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی کہ یہ بہشت میں جائے گی یا نہیں۔

خواتین و حضرات یہ پہلا موقع تھا کہ جب میں نے ان میں ایک شگاف اور خلیج محسوس کی کہ انسان کے اندر اس قدر قریب رہتے ہوئے بھی اس قدر شگاف پیدا ہو سکتا ہے لیکن کبھی اللہ ہم کو استطاعت دے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دے اور ہم اپنے بہت قریب دیکھ سکیں۔ آپ کو یہ بات سن کر بہت عجیب لگے گی کہ بہت سے ندی نالے اور پلیں بھی ہماری رشتہ دار ہیں۔ جب کبھی آپ ٹرین سے جاتے ہوئے خالی پل یا نالے پر سے گزرتے ہیں تو اس کی جو Sound آپ کو محسوس ہوتی ہے وہ بڑے معانی اور مطالب لے کر آتی ہے اور وہ آپ سے بات کرتی ہے۔ اس کی وہ آواز صرف آپ ہی کے لیے ہوتی ہے۔ کبھی آپ آدھی رات کو اونچی آواز دے کر دیکھیں کسی سنسان جگہ پر تو اس کی صدائے بازگشت آپ تک پھر لوٹ کر آئے تو پھر آپ کو پتہ چلتا ہے کہ اندھیری رات کی آواز کیا ہوتی ہے اور دن کے وقت وہ آواز کیا ہوتی ہے۔ یہ گانے والے راگ کو سمجھنے والے جانتے ہیں کہ ٹکراتی ہوئی آواز اور ڈائریکٹ آواز میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ میرے منہ سے آنے والی اور لوٹ کر آنے والی آواز بھی میری ہے اور ہم ایک رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔ خدا کے واسطے سمجھنے کی کوشش کریں کہ ہم نے اپنے ساتھ یہ کیا کرنا شروع کر دیا ہے؟ اور کیوں کرنا شروع کر دیا ہے؟ اس کے پیچھے کون آدمی ہے؟

آپ اپنے رشتوں کو پہچاننے کی کوشش کریں اور انسانوں کے ساتھ یہ ایک عجیب طرح کی نفرت کا رجحان ہے۔ ہم اس مرض میں مبتلا کیوں ہو گئے ہیں۔ پچھلے دنوں ملتان کے ایک بینک میں ایک اکاؤنٹ میں دردانہ عزیز احمد کے نام کا چیک آیا۔ بینک والوں نے اس چیک کو پاس کر دیا پھر اس کے ساتھ ہی اس پاس کرنے والے نے کہا کہ یہ دستخط تو دردانہ عزیز کے ہی ہیں لیکن اس پر جو اکاؤنٹ نمبر درج ہے یہ وہ نہیں ہے۔ پچھلے چیک انہوں نے نکال کر دیکھے ان میں سیاہی کا رنگ بھی وہی تھا اور دستخط بھی وہی تھے۔

اب تحقیق شروع ہو گئی یہ کیسے ممکن ہے۔ بعد ازاں پتہ یہ چلا کہ کہیں گڑبڑ نہیں ہوئی مسئلہ

free-urdubook.blogspot.com

صرف یہ ہے کہ اس بینک میں دو دردانہ عزیز ہیں۔ اب جو چیک آیا ہے یہ اس کا نہیں ہے جس کا خیال کیا جا رہا تھا۔ بینک منیجر نے مزید تصدیق کے لیے اور آئندہ کوئی غلطی کا احتمال نہ رہ جانے کی وجہ سے دونوں کو بینک بلایا۔ وہ دونوں بینک آئیں۔ منیجر نے مجھے بتایا کہ جب وہ دونوں بینک میں داخل ہوئیں تو ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان دونوں کا قد ایک جیسا تھا اور دونوں نے تقریباً ایک جیسے کپڑے پہن رکھے تھے۔ ایک ذرا سی گوری تھی اور دوسری کا رنگ ذرا گندمی تھا۔ ان کے دستخط بالکل ایک دوسری کے ساتھ ملتے تھے اور جو نیلے رنگ کی سیاہی ایک استعمال کرتی تھی دوسری بھی وہی رنگ استعمال کرتی تھی۔ ان کی کاریں بھی ایک ہی ماڈل' ایک کمپنی اور ایک ڈیزائن کی تھیں۔ بس ان کی کاروں کے نمبر میں فرق تھا۔ ایک کی گاڑی کا نمبر MN 1715 تھا جبکہ دوسری کی کار کا نمبر MN 1571 تھا۔ وہ دونوں بھی ایک دوسری سے مل کر بہت خوش ہوئیں اور وہ آپس میں سہیلیاں بن گئیں۔ دونوں کے خاوندوں کا نام بھی عزیز احمد تھا' دونوں کے شوہر چشتیہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔

اللہ فرماتا ہے کہ "اے لوگو ایک دوسرے کے قریب آ جاؤ اور ایک دوسرے کو اپنے رشتہ دار جانو۔"

خواتین و حضرات! کسی نہ کسی حوالے سے اور کسی نہ کسی طریقے سے ہم ایک دوسرے کے رشتہ دار تو ہیں آخر۔

ہم جتنی بھی بھاگنے کی کوشش کریں ہم نے آخر کار تو بابا آدم تک ہی جانا ہے۔ ہمارا حساب "ڈارون" کے حساب کی طرح نہیں ہے بلکہ ہمیں لوٹ کر وہیں جانا پڑتا ہے جہاں سے چلے تھے۔ ہم اب اسی برکھا رُت کی دعا کرتے ہیں اور اللہ سے فریاد کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمارے لیے ویسی ہی بارشیں بھیج جیسی بارشوں میں ہم گلی محلوں اور کھیتوں میں بھاگا کرتے تھے۔ وہ ساون بھیج جس ساون میں ہم "پوڑے" (میٹھی روٹیاں) پکایا کرتے تھے۔ وہ موسم عطا فرما جس کی تلاش میں ہم انتظار کی آنکھیں پھاڑ کر بیٹھا کرتے تھے۔ یہ ساری چیزیں ہم سے ناراض ہو گئی ہیں۔ ان کو ہم سے پھر سے ملا دے اور ٹوٹے رشتے بحال کر دے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر دست بستہ رکوع میں جا کر یہ کہا جائے کہ "اے پروردگار تو ہمارے موسموں کو پھر ہمارے پاس لا دے۔ ہمیں وہی پانی دے دے جو ہم کو شیرینی اور ٹھنڈک عطا کرتے ہیں اور ہماری فصلیں پکاتے ہیں۔"

لیکن یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب انسان انسان کے اتنا ہی قریب آئے جس قدر آنے کی ضرورت ہے۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور میری بڑی آرزو ہے کہ اللہ ان آسانیوں کو تقسیم کرنے کا بھی شرف عطا فرمائے تا کہ ہم لوٹ کر پھر اس انسانی مقام پر پہنچ سکیں جہاں سے ہم نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔ اللہ حافظ۔

http://www.Mypdfsite.com

اشفاق احمد

زاویہ ۳



Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com



اشفاق احمد

گڈریا، ایک محبت سو افسانے، وداعِ جنگ، ایک ہی بولی، اُجلے پھول، سفر مینا، اُچے بُرج لاہور دے

توتا کہانی، بند گلی، طلسم ہوش افزا، اور ڈرامے، ننگے پاؤں، مہمان سرائے،

من چلے کا سودا، بابا صاحبا، سفر در سفر، اُچے بُرج لاہور دے، تابلی تھلے،

حسرت تعمیر، جنگ بجنگ، ناودیہ، سفرینا، ایک محبت سو ڈرامے، حیرت کدہ، شاہلا کوٹ،

کھیل تماشا، گلدان، کھٹیا وٹیا، دھینگا مشتی، شورا شوری، ڈھنڈورا، عرضِ مصنف،

شہرِ آرزو،

بانو قدسیہ

راجہ گدھ، شہرِ بے مثال، توجہ کی طالب، چہار چمن، سدھراں، آسے پاسے،

دوسرا قدم، آدھی بات، دست بستہ، حوا کے نام، سورج مکھی، پیا نام کا دیا،

آتش زیرِ پا، امربیل، بازگشت، مردِ ابریشم، سامانِ وجود، ایک دن، پروا، موم کی گلیاں،

کچھ اپنی اپنی، تماثیل، فٹ پاتھ کی گھاس، دوسرا دروازہ، ناقابلِ ذکر، کچھ اور نہیں،

حاصل گھاٹ، پھر اچانک یوں ہوا،

www.sang-e-meel.com
ISBN 969-35-1885-3
9 789693 518856

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

زاویہ

(جلد سوم)

اشفاق احمد

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

فہرست

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

"سب دا بھلا' سب دی خیر"

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

ہم زاویہ کے اپنے پروگراموں میں اس سے پہلے بھی "دُعا" کے حوالے سے گفتگو کرتے رہے ہیں۔ یہ اتنا طویل موضوع ہے کہ اختتام پذیر ہو ہی نہیں سکتا۔ اس سے قبل جب اسی پروگرام میں "دعا" کے حوالے سے بات ہوئی تو اس کے بعد بہت سے لوگ اس موضوع پر بحث مباحثہ کرتے رہے اور مجھ سے بھی بار بار پوچھا گیا۔

میں اس کا کوئی ایسا ماہر تو نہیں ہوں اور نہ ہی دعا کے حقیقی اسرار سے مجھے آشنائی ہے لیکن ایک عام شخص کے بطور مجھے یہ تو معلوم ہے ہی کہ دعا کی کوئی اہمیت ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے اگر اچانک بیٹھے بیٹھے یا راہ چلتے ہم پر کوئی افتاد آن پڑے تو اس سے پہلے کہ ہم کوئی تدبیر یا اس کے حل کے لیے ترکیب لڑائیں ہمارے منہ سے فوراً دعا نکلتی ہے کہ "اے اللہ ایسا کر دے۔"

خواتین و حضرات! میں سمجھتا ہوں کہ یہ انداز بھی کوئی غلط نہیں ہے۔ خدا سے محبت اور اس پر یقین کا یہ بھی ایک انداز ہے کہ ہم ناگہانی صورتحال میں اسے ہی یاد کرتے ہیں چاہے' خوشی یا خوشحالی میں نہ یاد کریں۔

فرض کریں کہ ہم نے شیشہ پکڑا ہوا ہو اور وہ ہمارے ہاتھ سے اچانک گرنے لگے تو جو بھی پاس کھڑا ہوا ہوگا وہ ضرور کہے گا "اللہ خیر۔"

اس کے بعد ڈانٹ ڈپٹ کرے گا کہ اندھا ہے' سنبھال کر اور مضبوطی سے کیوں نہیں پکڑا۔

ہماری بڑی بوڑھیوں میں یہ بات بڑی تھی کہ ہر وقت خدا سے خیر طلب کرتی رہتی تھیں۔ یہ بھی دعا کا ایک

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اپنا رنگ اور نرالا انداز ہے۔ گزشتہ پروگرام میں میں نے ایک تجویز پیش کی تھی کہ دعا کو بجائے اس کے ہم زبانی مانگیں کسی کاغذ پر لکھ لیا جائے اور اسے ایک عرضی کی صورت میں لکھ کر رکھ لیا جائے تو بھی ایک اچھا انداز ہے۔ میرے سوچنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ پوری نماز میں یا عبادت میں ہم جب دعا کے مقام پر پہنچتے ہیں تو ہم بہت تیزی میں ہوتے ہیں اور بڑے اُتاوَلے (جلد باز) ہو کر دعا مانگتے ہیں۔ ایک پاؤں جوتے میں ہوتا ہے اور ایک زمین پر' ہم دعا مانگ کر چلتے بنتے ہیں۔ اس طرح وہ تعلق اور رشتہ جو خدا اور انسان کا دعا سے قائم ہوتا ہے' وہ قائم نہیں ہو پاتا۔

ہمارے ایک بابا نے یہ ترکیب سوچی تھی کہ دعا مانگتے وقت آدمی پورے خشوع و خضوع کے ساتھ' پوری توجہ اور مکمل توجہ کے ساتھ دعا کی طرف توجہ دے اور جو اس کا نفسِ مضمون ہو اس کو ذہن میں اتار کر' اسے تکلم میں ڈھال کر آگے چلائے اور اس طرح سے اس بارگاہ میں عاجزی سے دعا مانگے کہ انسان کے اپنے دل کو بھی علم ہو کہ وہ واقعی دعا مانگ رہا ہے۔ دعا اور انسان کا آپس میں بڑا پرانا اور گہرا تعلق ہے۔ میرے ایک دوست ہیں انہوں نے مجھے بتایا کہ اس نے دعا کاغذ پر لکھنے کی بجائے ایک اور کام کیا ہے۔

میرے اس دوست کا نام افضل صاحب ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ انہوں نے ایک رجسٹر بنا لیا ہے جس پر وہ اپنی دعا بڑی توجہ کے ساتھ لکھتے ہیں' ساتھ تاریخ کا اندراج کرتے ہیں۔ جتنی دعا زیادہ جلدی قبول کروانا درکار ہوتی ہے' اس کو اتنی ہی تفصیل سے اس رجسٹر پر درج کرتے ہیں اور دعا کو مختلف رنگوں میں دیدہ زیب انداز میں لکھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اس دعا کو لکھتے وقت اپنے اوپر وہی کیفیت طاری کریں جو اس ہستی کو بھا جائے جس سے دعا کی جا رہی ہے۔ افضل صاحب کے اس رجسٹر بنانے کا بڑا فائدہ تھا اور ان کا تعلق اپنی ذات اپنے اللہ کے ساتھ بڑا جڑا ہوا تھا۔ اکثر و بیشتر ہم شکایت کرتے ہیں کہ جی بڑی دعائیں مانگی تھیں قبول نہیں ہوئیں۔ او جی ہماری تو دعائیں پوری نہیں ہوتی ہیں۔

خواتین و حضرات! دعا کا طریقہ بھی ایسے ہی ہے جیسے نلکا ''گیڑ'' کر پانی نکالنے کا ہے جو ہینڈ پمپ یا نلکا چلتا رہے اور بار بار ''گڑتا'' رہے' اس میں سے تو بڑی جلدی پانی نکل آتا ہے لیکن جو ہینڈ پمپ سوکھا ہوا ہو اور اس پر ''گیڑنے'' جانے والی کیفیت کبھی نہ گزری ہو تو چاہے آپ اس پر کتنا بھی زور لگالیں' اس میں سے پانی نہیں نکلتا۔ اس لیے دعا کے سلسلے میں آپ کو ہر وقت اس کی حد کے اندر داخل رہنے کی ضرورت ہے کہ آپ ہر وقت دعا مانگتے چلے جائیں اور مانگیں توجہ کے ساتھ۔ جس طرح ہم نے کسی سے ادھار لینا ہو یا کسی نے ہم سے تو' ادھار لینے والے کو قرض خواہ بڑا یاد ہوتا ہے۔ اس کی صحت و سلامی اور وعدے پر پکار ہنے کے لیے دعائیں کرتا ہے۔ دعا کا طریقہ بھی اسی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

طرح کا ہونا چاہیے کہ ہم دعا کو ہر وقت دل کے نہاں خانے میں رکھیں اور اپنے اللہ' اپنے پروردگار کے پیچھے پڑے رہیں کہ "یا اللہ ہمیں یہ چیز چاہیے اور بس.....! اللہ میاں سے بضد رہیں اور خود کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔"

ہمارے بابے کہا کرتے ہیں کہ "دعاؤں کے دائرے سے کبھی نہ نکلا کرو۔ اگر اپنے لیے دعا نہیں کر رہے اور آپ پر خدا کی بڑی مہربانیاں ہیں' تو خدا کے لیے دوسروں کے لیے دعا کرتے رہا کریں۔"

بابے کہتے ہیں کہ "جو شخص کسی کو دھوکہ دیتا ہے حقیقت میں خود کو دھوکہ دے رہا ہوتا ہے لیکن وہ خیال کرتا ہے کہ وہ کسی اور کو دھوکہ دے رہا ہے اور جو کسی کی خیر اور بھلائی مانگ رہا ہوتا ہے' وہ حقیقت میں اپنی بھلائی چاہ رہا ہوتا ہے۔" کیونکہ دعائے خیر کرنے والا یا دھوکہ کرنے والا بھی اس دنیا سے جُڑا ہوا ہے۔

خواتین و حضرات! دعا خط و کتابت نہیں ہے۔ ایک چھٹی نہیں ہے۔ عرضی خدا کے حضور ڈال کر مطمئن ہو کر بیٹھنے کا اور اس ذات پر اعتماد اور بھروسے کا نام ہے۔

کچھ ہماری دعائیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو اگر قبول ہو جائیں تو ہمیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن ہم خدا سے شکوہ کرتے ہیں کہ اللہ آپ نے ہماری دعا قبول نہیں کی۔ بلکہ آپ جب بھی دعا کریں' اس میں یہ جملہ ضرور شامل کریں کہ "اے اللہ ہمیں وہ عطا فرما جو ہمارے حق میں بہتر ہے۔"

ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا ہمیں پھولوں سے بھرا ٹوکرا عطا کرنے کے موڈ میں ہوتا ہے اور ہم صرف ایک پھول کی ضد لگا کر بیٹھے ہوتے ہیں۔

آپ نے گلی میں شام کو گزرنے والے ان فقیروں کو صدا لگاتے ضرور سنا ہوگا کہ "کُل عالم دا بھلا کُل عالم دی خیر۔" یہ اندازِ دعا ہے جو سب سے بھلا ہے کیونکہ کُل عالم میں آپ بھی شامل ہیں۔ ہم بھی ایسے ہیں کہ پھولوں کے ٹوکرے کو ٹھوکر مار رہے ہوتے ہیں اور ایک پھول کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی شمولیت کا تقاضا ضرور کریں۔ دعا کریں کہ اے اللہ میرا کچھ تقاضا بشری ہے' مجھے فلاں چیز چاہیے لیکن اس میں آپ کی رحمت بھی شامل حال ہونی چاہیے اور دعا کی قبولیت اس انداز میں ہو کہ وہ آس پاس کے لوگوں کو بھی پسند آئے۔

اگر آپ خدا سے دعا کریں کہ اے اللہ جو تو چاہتا ہے ہمیں عطا کر وہی ٹھیک ہے' یہ ٹھیک نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ آپ کو فقیری عطا کر دے جبکہ آپ کی سی ایس ایس افسر بننے یا بڑا افسر بننے کی خواہش ہے۔ آپ ڈپٹی کمشنر کی جگہ ٹاؤن ہال میں کلرک لگ جائیں۔ اللہ سے یہ دعا کریں کہ اے اللہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مجھے ڈپٹی کمشنر بھی بنا دے اور پھر ویسا نیک بھی رکھ کہ رہتی دنیا تک لوگ مجھے یاد کریں کہ باوصف کی اس کو ایک بڑی مشکل درپیش تھی' بڑے اختیارات حاصل تھے لیکن وہ نیک اور دیانتدار ضلع ناظم تھا اور وہ اپنے منصب پر پورا اترا ہے۔ ایک بات آپ ہمیشہ ذہن میں رکھیں اور مجھے یہ بات میرے بابوں نے بتائی ہے۔ میں تو اس بات پر اس طرح سے یقین نہیں کر پایا لیکن مجھے معلوم ہے کہ آپ پڑھے لکھے اور خدا کی ذات پر بھروسہ کرنے والے بچے ہیں۔ آپ ضرور اس پر یقین کامل رکھیں گے کہ "دعا بذات خود ایک بڑی نعمت اور دولت ہے۔ یہ معمولی سا لفظ اپنے اندر بڑی وسعتیں سموئے ہوئے ہے۔"

خواتین وحضرات! دعائیں ایک مناسب اور ٹھیک وقت پر قبول کی جاتی ہیں۔ آپ دعا کو خدا کے لیے کبھی معمولی نہ سمجھیں۔ یہ پروردگار سے رابطے کا ایک سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔

میں اور ممتاز مفتی ایک بار ایک ایسے سفر پر گئے جب ہمیں ایک صحرا سے گزرنا پڑا۔ ہمیں وہاں بڑی مشکل ہوگئی۔ نہ پانی تھا' نہ کھانے کو کچھ اور..... ممتاز مفتی مجھے کوسنے لگا اور میں ان سے کہنے لگا کہ میں نے نہ کہا تھا کہ یہ راستہ اختیار نہ کرو۔ بہرحال ہم چلتے گئے اور اس جانب چلے جس طرف دور ایک جھونپڑی سی بنی دکھائی پڑتی تھی۔ ہم تھکے ہارے اس جھونپڑی میں پہنچے تو وہاں ایک سندھی ٹوپی پہنے' کندھوں پر شال ڈالے ایک بڑی عمر کے شخص بیٹھے تھے۔ ان کی خستہ حالی تو ہم پر عیاں ہو رہی تھی لیکن ان میں ایک عجیب طرح کا اعتماد تھا' ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ دبا دبا کر گلے ملے۔ کنستر سے پانی کا لوٹا بھرا ہمارے منہ ہاتھ دھلائے۔ ان کی جھونپڑی میں ایک صف سی بچھی ہوئی تھی۔ اس پر ہمیں ایسے بٹھایا کہ جیسے وہ ہمارا انتظار کر رہے ہوں۔ ہم نے ان سے کہا کہ "بڑے میاں آپ اس بیابان میں کیسے رہ رہے ہیں؟"

وہ بولے کہ "کیا خدا نے اپنی مخلوق سے رزق کا وعدہ نہیں کر رکھا!"

ہم نے یک زبان ہو کر کہا کہ "ہاں کر رکھا ہے۔"

ہم نے اس سے دریافت کیا کہ "آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے؟"

وہ کہنے لگا کہ "اس کے خیال میں اس کا ذریعہ معاش ایک دوسرا آدمی ہے۔"

میں ہر نماز کے وقت اٹھتے بیٹھتے اپنے پروردگار سے یہ دعا کرتا ہوں کہ "اے میرے رب' مجھے کبھی اس کیفیت میں نہ رکھنا کہ میں اکیلا کسی وقت کھانا کھاؤں۔ آپ مجھ پر اپنی رحمت کرنا اور جب بھی کھانے کا وقت ہو تو دوسرا تیرا بندہ بھی ہو جس کے ساتھ بیٹھ کر میں کھانا کھاؤں۔"

اس نے بتایا کہ اسے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی اس نے اکیلے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کے وقت کوئی نہ کوئی انسان ضرور آ جاتا ہے۔ آج کھانے کا وقت نکلا جا رہا تھا اور میں پریشان تھا کہ آج میں اکیلا کیسے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کھانا کھاؤں گا۔اس نے دو تین سوکھی سی روٹیاں نکالیں۔گھڑے کا پانی لایا اور کھانا شروع کر دیا۔میں نے ممتاز مفتی کو کہنی ماری کہ "سودا نکالو۔"

ہم نے چلتے وقت بُھنے ہوئے چنے رکھ لیے تھے کہ وہ بوقت ضرورت کام آئیں۔اس نے روٹیاں نکالیں۔ہم نے چنے نکالے اور سب نے مزے سے باتیں کرتے ہوئے کھانا کھایا۔

خواتین و حضرات! آپ یقین کریں کہ اس کھانے میں ایک روٹی بچ گئی اور ہمارے چنے بھی کافی سارے بچ گئے اور ہم سیر شکم ہو گئے۔اس شخص نے بتایا کہ یہاں سے شہر زیادہ دور نہیں ہے۔چند کوس کے فاصلے پر ہے۔یہاں سے اونٹ چرانے والوں کے قافلے گزرتے ہیں۔آپ ان کے ساتھ شہر چلے جایئے گا۔ہم نے اپنے باقی چنے وہیں چھوڑ دیئے اور ایک قافلے کے ساتھ شہر پہنچ گئے۔

بچو! یہ بھی دعا تھی، ہوسکتا ہے کہ کسی دوسرے کے رزق کے باعث اس شخص کو بھی کھانا میسر ہوتا ہو۔ممتاز مفتی مجھ سے کہنے لگا کہ یہ شخص بڑا سیانا ہے۔کسی کے لیے دعا مانگتا ہے اور کھانا خود مزے سے کھاتا ہے اور ہم بس اپنے لیے ہی دعا کرتے ہیں۔پھر بھی بھوکے مرتے ہیں (مسکراتے ہوئے)۔

خواتین و حضرات! دعا کے حوالے سے ہم اپنے آئندہ پروگراموں میں بھی بات کرتے رہیں گے، جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ یہ بڑا طویل موضوع ہے اور ختم ہونے کو نہیں آتا۔اب مجھے امید ہے کہ آپ بھی "سب دا بھلا سب دی خیر" کے فارمولے پر کاربند رہیں گے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ناشُکری کا عارضہ

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

کچھ عرصے سے میرے دل پر ایک عجیب طرح کا بار ہے جو کم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔ اس کے لیے میں نے بڑی تدبیریں کیں، خیال کو ذہن سے جھٹکا لیکن وہ خیال یا آپ اسے مرض کہہ لیں، ایسا ہے کہ دامن گیر ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ میرا وہ غم اور دکھ یہ ہے کہ ہم ناشکرے کیوں ہوتے جا رہے ہیں۔ ہماری زندگی پر ناشکرا پن کا غلبہ کیوں ہوتا جا رہا ہے۔

جس کے پاس گاڑی ہے، وہ بڑی گاڑی یا بہلی کا پٹر کی تمنا میں پریشان ہے۔ سائیکل والا سکوٹر کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ غرض کہ کچی سڑک پر چلنے والا پکی سڑک پر چلنے کی خواہش میں آہیں بھرتا ہے۔ کسی زمانے میں جب ہم جوان تھے اور سکول یا کالج میں پڑھا کرتے تھے، ایسی صورت حال نہیں تھی۔ اس پریشانی کو اور اسے میں تو روح کی بیماری کہوں گا، جسے ہم نے خود ہی بڑھا رکھا ہے اور ہم سب صبح سویرے نہار منہ اس بیماری کو باقاعدگی سے پانی دیتے ہیں اور اس کی پرداخت کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ "جی ناشکرے تو نہیں ہیں لیکن اگر گھر میں سوزوکی کی جگہ سِوک آ جائے یا ہنڈا اکارڈ آن کھڑی ہو تو زیادہ اچھا ہے۔" ہم یہ کبھی نہیں کہتے کہ سوزوکی آئی، یہ ہماری خوش قسمتی ٹھہری کیونکہ ہم سائیکل اور موٹر سائیکل والوں سے تو زیادہ ٹھاٹھ میں ہیں۔

میں یا میری عمر کے بُڈھے جو کسی زمانے میں شکر گزاری سے وابستہ تھے اور خوش تھے، اب دیکھا دیکھی اس بیماری کا شکار ہو رہے ہیں۔ اگر دوران سفر (اور سفر جو مجھے آئے روز کرنے پڑتے ہیں اور میرے من پسند ہیں) کبھی گاڑی خراب ہو جائے تو میں منہ میں جانے کیا سے کیا کچھ کہہ جاتا ہوں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اور پھر جب خیال آتا ہے کہ کیا کہہ بیٹھا' فوراً کہتا ہوں "یا اللہ یہ تو میں ایسے ہی کہہ رہا تھا۔ حالانکہ میں دل سے تیرا شکر گزار بندہ ہوں۔"

یہ بیماری ایسی ہے جو ہماری روحوں اور وجودوں پر بُری طرح سے اثر انداز ہو رہی ہے اور ہمارے آگے بڑھنے کے راستے مسدود کر رہی ہے۔

میرا ایک دوست ہے۔ وہ اچھا خاصا افسر ہے۔ گھر میں دنیا کی ہر آسائش میسر ہے' پھر بھی قسمت پر نالاں رہتا ہے اور کہتا ہے کہ بس اشفاق صاحب کیا کریں۔ آج کل کے دور میں تو زندہ رہنا ہی مشکل ہو گیا ہے۔ بڑے مسائل ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیا مسائل ہیں؟ تو جواب دیتے ہیں کہ اگر آپ کو گنوانا شروع کر دوں تو ایک وقت لگ جائے۔ لیکن آج تک انہوں نے بتایا نہیں کہ انہیں کیا مسئلہ درپیش ہے۔

اس کے برعکس ہمارا ایک دوست ہوا کرتا تھا۔ وہ مہنگی اور خوبصورت گاڑیوں کی تلاش کرتا رہتا۔ اسے جیسے ہی کوئی مہنگی گاڑی کھڑی نظر آتی وہ اس کے قریب چلا جاتا۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر اسے محبت سے ہاتھ لگاتا اور کہتا "کیا خوبصورت گاڑی ہے' اس پر بیٹھنے والا کتنا خوبصورت لگتا ہو گا۔"

یہ تو اس کے سوچنے کا انداز تھا۔ اس ناشکرے پن سے یاد آیا۔ ہم ایک اور Problem سے بھی دوچار ہیں۔

آپ کی بات نہیں کرتا مجھے ہی لے لیں' میں نہ گرمی سے مطمئن ہوتا ہوں' نہ سردی مجھے بھلی لگتی ہے۔ گرمی ہو تو ہر وقت کہا جا رہا ہوتا ہے کہ جی اس بار تو گرمی نے کڑاکے نکال دیئے۔ پریشان کر رکھا ہے۔ سردی ہو تو کہا جاتا ہے کہ جی اتنی سخت سردی میں غریبوں کا کیا حال ہوتا ہو گا۔ بڑی جان لیوا ہے۔ اس سے تو گرمی ہی بھلی۔ کچھ لوگ بارش سے بھی نالاں رہتے ہیں۔ کہیں گے یہاں کیا ضرورت تھی بارش فصلوں پر پڑے' وہاں اس کی ضرورت ہے۔ شہروں میں تو سوائے کیچڑ کے اس کا کوئی کام نہیں۔

ہمارے ایک دوست کہا کرتے تھے کہ بارش تو بس پوش علاقوں کے لیے ہے۔ بارش ہوئی گھر دُھلے اور سارا پانی آن کی آن میں بہہ گیا۔ ایک بار بارش کے لیے وہی صاحب دعا مانگ رہے تھے جو بارش کے خلاف کوسنے دیا کرتے تھے۔

میں نے ان سے کہا' یار آج کیا بات ہے' تو کھسیانے ہو کر کہنے لگے "جب بارش اچھی نہیں لگتی تو کہتا ہوں نہیں ہونی چاہیے۔ آج اچھی لگ رہی ہے تو اس کے لیے دعا مانگ رہا ہوں۔"

خواتین و حضرات! یہ ساری ناشکری کی باتیں ہیں۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں اپنے اس گاؤں میں جہاں میں نے بچپن گذارا تھا' وہاں کی ایک بات میرے ذہن میں آ رہی ہے۔ وہ بھی شاید ناشکری کے ہی زمرے میں آتی ہے لیکن جب میں بچہ تھا تو تب محظوظ ہوا کرتا تھا۔ ہمارے گاؤں میں ایک کراڑ ہوتا تھا' یہ کراڑ ایک ذات ہے۔ اس کے پاس ایک بھینس تھی اور بھینس کا چھوٹا سا ننھا بچہ۔ جب وہ بچہ پیدا ہوا تو ہم سب بچے بڑے چاؤ سے اسے دیکھنے گئے۔ اب وہ کراڑ کیا کرتا کہ جب اس نے بھینس کا دودھ دوہنا ہوتا یا دودھ دوہنے کا وقت ہوتا تو وہ اس کے بچے کی رسی کھول دیتا۔ وہ بچہ جھٹ سے اپنی ماں (بھینس) کے تھنوں سے ٹکریں مارنے لگتا اور ڈھونڈ ڈھانڈ کے تھن منہ میں ڈال کر دودھ پینے لگتا۔ اب جیسے ہی وہ کراڑ دیکھتا کہ بھینس کے تھنوں میں دودھ بھر گیا ہے تو وہ اس کے بچے کو زبردستی کھینچ کر پھر باندھ دیتا اور خود برتن جسے ''ڈوہنی'' کہتے ہیں' اس میں دودھ دوہنے لگتا۔

اس وقت تو ہم اس Situation کو دیکھ کر انجوائے کرتے تھے کہ کس طرح بچے اور کراڑ میں مقابلہ ہو رہا ہے لیکن آج جب میں کچھ بڑا ہو گیا ہوں۔ میں وہ سارا واقعہ یاد کر کے دکھی ہو جاتا ہوں۔

خواتین و حضرات! اس کراڑ کا وہ عمل بے شک ناشکری اور ظلم پر مبنی تھا۔ وہ بھینس کے بچے سے اس کے حصے کا بھی دودھ چھین لیتا تھا۔ وہ خدا کی اس مہربانی پر شکر ادا نہیں کرتا تھا کہ اسے ایک دودھ دینے والی بھینس کا مالک بنایا ہے بلکہ وہ بھینس کے بچے کے حصے کے دودھ پر بھی قبضہ کر لیتا تھا اور یہ ناشکری والا فعل تھا۔

جو قومیں تباہ و برباد ہوئیں وہ متکبر تھیں۔ اپنی اچھائیوں پر بھی اتراتی تھیں اور برائیوں پر بھی فخر کرتی تھیں۔ خدا کی نعمتوں کو اپنی محنت کا صلہ قرار دیتی تھیں۔ یہ بات کرنے کا مقصد کسی کو ڈرانا مقصود نہیں بلکہ آپ کو' اپنے آپ کو تنبیہ کرنا مقصد ہے۔

آپ نہ صرف اللہ کی مہربانیوں کا شکر ادا کیا کریں بلکہ جو آپ پر کوئی احسان کرے' اس کا شکریہ ادا کیا کریں۔ اس سے معاشرے کے کئی بگاڑ ختم ہو سکتے ہیں۔

اگر بس میں آپ کو کوئی سیٹ دے تو آپ بجائے یہ سوچنے کہ ہو سکتا ہے اس شخص نے میری شخصیت سے مرعوب ہو کر سیٹ چھوڑ دی ہے' یا اس وجہ سے راستہ چھوڑ دیا ہے کہ یہ اشفاق صاحب بہت بڑے دانشور اور رائٹر ہیں۔ یہ سوچ کر خیال کریں کہ یہ اس کی مہربانی اور بندہ نوازی ہے کہ اس شخص نے سیٹ چھوڑ دی یا راستہ دے دیا اور اس پر شکریہ ادا کریں۔

پیارے بچو! اگر یہ روایت ڈال دی جائے' نہ صرف محبت کے سلسلے پروان چڑھیں بلکہ کئی ایک مسائل ختم ہو جائیں۔ ہم سارے موسموں سے اس لیے پیار کرنا شروع کر دیں کہ گرمی سے گندم

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پکتی ہے۔ چونسا اور لنگڑا پک کر آتا ہے۔ یہ کس قدر مہربان موسم ہے۔ سردی میں مونگ پھلی کے نظارے ہیں۔ بادام، چلغوزہ تیار ہوگا۔ بارش برسے گی تو دریاؤں، نہروں میں پانی آئے گا۔ کھیت سرسبز ہوں گے۔ خوشحالی آئے گی۔ کہیں کہ خزاں کتنی اچھی ہے، بہار کی نوید لاتی ہے۔

ہم بجائے کسی بات کو نیگیٹو لینے کے پازیٹو لینا شروع کر دیں اور آدھے خالی دریا کو آدھا بھرا دریا کہنا شروع کر دیں تو جو بہتری ممکن ہے وہ ہمارے کئی منصوبوں اور سکیموں سے بھی ناممکن ہے۔

جب میں اٹلی میں درس و تدریس کے لیے گیا ہوا تھا تو وہاں میرے ایک Colleague نے مجھے ایک بڑی خوبصورت بات کہی۔ وہاں ہم لائبریری میں بیٹھے اِنہی پازیٹو اور نیگیٹو رجحانات پر بات کر رہے تھے۔ کہنے لگا، اشفاق صاحب ہمارا اندازِ فکر ٹھیک نہیں ہے۔ ہر اچھی بھلی چیز کو بھی بری بنا کر پیش کرتے ہیں۔ وہ اس حوالے سے مجھے London Born شاعر John Milton کا یہ مصرعہ Quote کرنے لگا کہ واہ واہ کیا بات ہے۔ اور اس نے وہ لائن پڑھی۔

Better to reign in hell, than serve in heaven.

(جنت میں غلامی سے دوزخ کی سرداری بہتر ہے)

اس نے کہا کہ ہم سے شیطان کی Approach زیادہ بہتر ہے اور وہ ایک انتہائی منفی بات کو بھی مثبت انداز میں سوچتا ہے۔

(یہ لائن برطانوی شاعر جان ملٹن کی مشہور زمانہ کتاب Paradise Lost کی ہے۔ جو شیطان سے منسوب کی گئی ہے)

ایک روز ہم ڈیرے پر بیٹھے ہوئے تھے اور میں نے بابا جی سے پوچھا کہ شکر کیا ہوتا ہے، مسکرائے اور کہنے لگے:

"شکر وہ ہے جو نہیں کیا جاتا ہے۔" کہنے لگے:

کبھی اپنی بُوتھیاں (شکلیں) دیکھی ہیں۔ تم سے کئی ریڑھی والے، پھل فروش اور مزدور خوبصورت اور قوی جسم کے مالک ہوں گے لیکن اس کے باوجود تم ان سے بہتر ماحول میں رہتے ہو۔ اچھا کھاتے ہو پہنتے ہو۔

یہ شکر والی بات ہے لیکن اس سب کے باوجود شکر نہیں کیا جاتا۔

فرمانے لگے (اس دن بابا جی کچھ زیادہ ہی موج میں تھے)

مومن وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ میلے اور گندے ہوں اور اس کا دل صاف اور شفاف ہو۔ وہ ہر حال میں اللہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہو۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خواتین وحضرات! بابا جی کی وہ بات سن کر جب میں نے اپنے گریبان میں جھانکا تو سوائے خداوند تعالیٰ سے شکوؤں کے کچھ نہ تھا۔ شکر گزاری نام کی کوئی چیز دور دور تک نہ تھی۔ میں اپنی دانش، عقل اور پڑھائی کے زُعم میں ہی کبڑا ہوا جا رہا تھا۔ سجدہ شکر کے لیے میری کمر میں خم نہیں تھا۔

میں نے تہیہ کیا کہ اب تو میں اللہ کا شکر گزار بندہ بن کر ہی رہوں گا لیکن بچو! یہ ممکن نہیں ہو سکا اور یہ خواہش میرے دل کے اندر ہی اندر ہے، باہر نکل کر عملی شکل اختیار نہیں کر پائی اور میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اب میں نے بس اللہ کا شکر گزار بندہ بن جانا ہے۔ اچانک لائٹ چلی گئی اور میں اپنے آپ سے کیا ہوا سارے کا سارا وعدہ بھول گیا اور میرے ذہن میں یہ شکوہ آیا کہ واپڈا والوں کو بھی سوائے بجلی بند کرنے کے کوئی کام نہیں۔ اتنی گرمی ہے اور ایسے میں بجلی بند کرنے کا کیا جواز بنتا ہے۔ میں نے یہ نہیں سوچا کہ ہو سکتا ہے، یہ بجلی کی اچانک بندش کسی انسان کے لیے باعث رحمت بنی ہو اور کسی کے جسم کو کرنٹ نے چھوا ہو اور بجلی کی اچانک بندش نے وہ خوبصورت زندگی بچا دی ہو اور ہو سکتا ہے، وہ بچنے والا شخص پورے خاندان کا واحد کفیل ہو اور کتنا خدا ترس ہو۔

لیکن ناشکری کی بیماری ہمارے وجود میں ایسے سرایت کر چکی ہے اور اس کی جڑیں اتنی مضبوط ہو چکی ہیں کہ ہم انہیں کاٹنے سے عاجز ہیں۔

شکریے میں وہ مغرب والے جن کو میں مثال کے طور پر پیش نہیں کرنا چاہتا، وہ ہم سے آگے نکل گئے ہیں۔ آپ کسی فلم میں یا ان سے مل کر دیکھ لیں، وہ آپ کو اتنی بار Thank You کہیں گے کہ آپ خوشی سے سرشار ہو جائیں گے۔ راہ چلتے ان کا کندھا ذرا بھی آپ سے ٹکرا جائے تو باقاعدہ Sorry کہیں گے اور معمولی سی مہربانی پر فوراً Thank You کہیں گے۔

یہ اچھا انداز ہے۔ اُمید ہے آج کے بعد آپ اور میں تھوڑی سی کوشش ضرور کریں گے کہ شکر گزار بندوں کی لسٹ میں شامل ہو جائیں۔ اگر زیادہ نہیں تو تھوڑے ہی۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بابا قُطبہ

جو لوگ شمالی علاقہ جات میں جاتے رہتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہوں گے کہ وہاں صبح کس قدر خوبصورت ہوتی ہے۔ آپ میں سے اکثر مری اور نتھیا گلی کو ضرور گئے ہوں گے۔ بارش سے پہاڑوں کی چوٹیاں دُھلی ہوئی ہوتی ہیں اور صبح کی کرنیں جب ان پر پڑتی ہیں تو سبز درختوں کے صاف ستھرے پتے ایسے لگتے ہیں جیسے ابھی ابھی انہیں ٹہنیوں پر خوبصورتی سے جڑا گیا ہے۔ شمالی علاقہ جات میں جانے کا شوق ہمیں کب چڑھا' اس کا تو علم نہیں لیکن اتنا یاد ہے کہ ہم سارے دوست ممتاز مفتی' قدرت اللہ شہاب اور دیگر احباب جب بھی دنیا کے کاموں سے اُکتا جاتے' ادھر ہی کا رُخ کرتے۔ وہاں کے لوگ بڑے معصوم ہیں۔ پیار کرنے والے اور محبتیں بانٹنے والے' ہمیں ان لوگوں نے اس قدر پیار دیا ہے کہ لوٹانا ناممکن ہے۔ جہاں ہمیں پیار بے انتہا حد تک ملا وہاں خوبانیاں' سیب بھی مفت ہی مل جایا کرتے تھے۔ مجھے شمالی علاقہ جات کی خوبصورت وادیوں اور صبح کی یاد اس بات سے آئی کہ گذشتہ دنوں لاہور میں خوب بارش ہوئی اور ایک دن جب میں فجر کی نماز پڑھ چکا اور صبح سیر کا ارادہ کرنے لگا ہی تھا کہ بارش کی ننھی ننھی پھوار پھر سے پڑنے لگی۔ میں تھوڑی دیر برآمدے میں کھڑا اس سے لطف اندوز ہوتا رہا اور میں نے تھوڑی تھوڑی بھیگنے کی کوشش بھی کی اور بار بار پیچھے مڑ مڑ کر یہ بھی دیکھتا رہا کہ بانو (بانو قدسیہ) نہ دیکھ لے کیونکہ اس طرح سے اسے اپنا بھاشن سنانے کا موقع مل جائے گا اور اس حالت میں دیکھ کر فوراً کہے گی کہ آپ کو کیا ہو گیا' اپنی صحت کا تھوڑا تو خیال رکھا کریں۔ خیر میں واپس کمرے میں آ گیا۔

اپنی بلی کنبر کو پیار کرتا رہا۔ پھر مجھے یاد آیا کہ آج محلے میں شادی ہے اور مجھے وہاں ضرور جانا ہے۔ اب تھوڑی تھوڑی صبح روشن ہو رہی تھی اور وہ مجھے اونچی پُرشکوہ چوٹیوں والے نرالے برف پوش

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

چوٹیوں والے پہاڑوں کے علاقے کی صبح کی یاد دلا رہی تھی۔

خواتین وحضرات! جب میں شادی میں گیا تو مُوڈ بڑا اچھا تھا اور میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح تیاری شیاری کر کے گیا تھا۔ شادی کی اس تقریب میں کئی مانگنے والے اور جگتیں لگا کر پیسے لینے والے بھی آئے ہوئے تھے جنہیں ہم عام زبان میں ''بھنڈ'' کہتے ہیں۔ آج کل تو ہمارے ہاں ان کا رواج ذرا کم ہو گیا ہے اور لوگ شادی ہالوں میں شادی کی تقریبات کرتے ہیں اور انہیں ہالوں کے اندر گھسنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

پہلے ایسا ہوتا تھا کہ ان کے بغیر شادی کی خوشیاں نہ ہونے کے برابر ہوتی تھیں۔ یہ اپنے مخصوص انداز میں ویلیں کہا کرتے تھے۔ ''ویل' ویل سہرے گانے والے دی ویل'' ویل وہ پیسے ہوتے تھے جو لوگ دولہے کے سر پر وار کر انہیں دیتے تھے۔ پھر جب بارات وغیرہ کھانا کھا لیتی تو ان بھنڈوں وغیرہ کو بھی کھانا ملتا اور یہ بارات کے کھانا کھانے کا انتظار کرتے رہتے تھے۔

جب یہ لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے تھے تو میں اٹھ کر ان کے قریب بیٹھ گیا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ مجھ میں ذرا تجسّس کی حِس موجود ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ ''آپ لوگ کب سے یہ کام کر رہے ہو۔''

ایک بھنڈ نے بتایا کہ ''ان کا یہ کام جدّی پُشتی (باپ دادا) کا ہے۔''

میں نے پوچھا'' کتنے کما لیتے ہو۔''

اس نے جواب دیا کہ'' صاحب دال روٹی چل جاتی ہے۔''

میں نے کہا کہ'' تمہاری عمر کافی ہے۔ بال بھی سفید آ چکے ہیں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کافی لوگوں کی نسبت خوش خوش ہو۔ تمہارے چہرے سے نہیں لگتا کہ تم زندگی سے مایوس ہو۔ کیا یہ مصنوعی ہے۔''

وہ بولا'' صاحب جی ہنس کر یا رو کر زندگی تو گذارنی ہے۔ اگر روئیں گے تب بھی گذرے گی ہنسیں گے تب بھی۔ اگر اس نے اپنی مرضی سے ہی گذرنا ہے تو پھر رونا کس بات کا۔''

خواتین وحضرات! اس کی بات سن کر مجھے لگا کہ یہ میرے سمیت ان لاکھوں لوگوں سے خوش قسمت ہے جو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہ ملنے کا روگ لیے بیٹھے رہتے ہیں۔

اب مجھے وہ پہلے سے زیادہ اچھا لگنے لگا تھا۔ میں نے کہا کہ'' تمہارے کتنے بچے ہیں۔''

وہ کہنے لگا'' صاحب اللہ جنت نصیب کرے بیوی فوت ہو چکی ہے۔ دو بیٹے ہیں۔ ان کی شادی ہو چکی ہے اور وہ بھی اسی پیشے سے منسلک ہیں۔ ایک بیٹی جوان ہے لیکن اس کی شادی نہیں کی۔''

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں نے کہا کہ "یہ تو تمہارا فرض ہے کہ اس کی شادی کرو (اب میں اپنی دانست میں کچھ زیادہ ہی دانا اور سیانا بن رہا تھا)۔

وہ گویا ہوا۔

صاحب جی! بیٹی کی شادی پیسوں سے ہوتی ہے۔ چاہے کوئی خود کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو' اس سے جہیز مانگا جاتا ہے لیکن صاحب جی میں پھر بھی خدا کے گھر سے مایوس نہیں۔ اس کی شادی بھی خدا نے چاہا تو ہو ہی جائے گی۔ میرا خدا پر بھروسہ ہے۔

میں اس کی بات سن کر روہانسا سا ہو گیا اور اپنے ہی آپ پر کُڑھنے لگا کہ وہ شخص جو نہ ایم۔اے پاس تھا اور نہ ہی اس نے کسی یونیورسٹی سے کوئی ڈگری لے رکھی تھی۔ اس کا اپنے خدا پر کس قدر ایمان اور یقین پختہ تھا اور میں جو ہوں دنیا جہاں کی کتابیں پڑھ کر بھی اس سے انتہائی پست درجے پر ہوں۔ اس کی ذمہ داری مجھ سے زیادہ اس خدا پر ہے جس نے مجھے اسے اور سب کو پیدا کیا ہے۔ میں کبھی زیادہ متفکر نہیں ہوا۔

میں نے زندگی بھر بڑی شادیاں دیکھی ہیں اور میرے دل سے ہمیشہ کوئی دلہن دیکھ کر اس کے نصیبوں کے اچھے ہونے کی دعا نکلی ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میری اس بیٹی کے نصیب اچھے نہ ہوں۔

جب ہم آزاد کشمیر ریڈیو میں کام کیا کرتے تھے' وہاں ہمارے پاس ایک ملازم قطب دین ہوتا تھا۔ اس کی عمر کوئی 60 کے قریب تھی۔ ہم اسے بابا قُطبہ کہا کرتے تھے۔ وہ بڑا اچھا بابا تھا۔ ہمارا بڑا خیال رکھتا۔ ہمارے لیے پانی گرم کرتا اور چائے پانی کا بڑا خیال رکھتا۔ کھلے آستینوں کا کُرتا پہنتا تھا جو شاید اس کے پاس واحد تھا یا پھر کوئی شاید دوسرا بھی ہوگا۔ وہ اپنی موج میں مست رہتا۔ بات بہت کم کیا کرتا تھا لیکن جب کرتا تھا تو ہم سب کی بولتی بند ہو جاتی تھی۔ اس نے کبھی ہم سے رقم وغیرہ کا تقاضا نہیں کیا۔ ہم سمجھتے تھے کہ شاید وہ پیسے وغیرہ مانگنے سے شرماتا ہے یا اس کے دل میں یہ بات ہے کہ اگر اس نے تنخواہ سے بڑھ کر رقم کا تقاضا کیا تو ہم ناراض ہو جائیں گے۔ اس لیے ہم جب کبھی لاہور آتے یا مارکیٹ جاتے تو اس کے لیے بھی کوئی نہ کوئی چیز لے لیتے اور یہ ذہن میں ہوتا کہ وہ خوش ہو جائے گا اور ہماری خدمت کا بار محسوس نہیں کرے گا۔ ایک عید پر جب ہم واپس آنے لگے تو ہم نے سوچا بابے قُطبے کو اپنی روانگی بارے بتا دیتے ہیں اور اسے دفتر کی چابیاں وغیرہ بھی دے دیتے ہیں۔ گو کچھ ضروری سٹاف نے تو وہاں رہنا تھا لیکن زیادہ لوگ واپس جا رہے تھے۔ ابھی ہم یہ سوچ رہے تھے کہ اسے کیا کیا ہدایت دینی ہے تو بابا قُطبہ دوڑتا ہوا وہاں آ گیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور اس نے کہا "مجھے ڈر تھا کہ کہیں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

آپ چلے ہی نہ گئے ہوں۔" اس کے ہاتھ میں ایک شاپر تھا۔ اس نے وہ ہماری طرف بڑھایا اور کہنے لگا "صاحب جی ناراض نہ ہونا یہ تھوڑی سی چیزیں ہیں' یہ آپ میری طرف سے ساتھ لے جایئے گا اور آپ لوگوں کے بچوں کے لیے ہیں۔"

ہم نے حیران ہو کر پوچھا "بابا یہ ساری چیزیں تو کہاں سے لایا۔"

وہ کہنے لگا "میں سال بھر اپنی تنخواہ سے تھوڑا تھوڑا بچاتا رہا۔ اس سے کچھ پیسے بن گئے تو سب کے لیے کچھ نہ کچھ لے آیا۔ آپ ساتھ لے جائیں گے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔"

آپ لوگ یقین کریں ہمیں وہ عام سا کام کرنے والا بابا قطبہ ہم سب سے بڑا لگا۔ دل کے حوالے سے' جذبات اور محبت کے حوالے سے' اسے شاید خدا نے ہم سب سے بڑے دل اور مرتبے سے نوازا تھا اور وہ لطیفِ قلبی میں ساتویں آسمان پر تھا۔ عید چھوٹی ہو یا بڑی' ہم سب اسے اپنے ملنے ملانے والوں تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ خاص کر بڑی عید پر تو گوشت سے سال بھر کے لیے ٹھنڈی مشینیں (فریج) بھر لی جاتی ہیں اور یہ رواج بڑا عام ہے کہ گوشت انہیں کے گھر بھیجنا ہے جہاں سے آیا ہے۔ حالانکہ حکم یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے باقاعدہ حصے کیے جائیں: ایک حصہ رشتہ داروں اور احباب' دوسرا غربا' مساکین اور ایک مقدار اپنے لیے رکھی جائے لیکن اس طرح نہیں ہوتا۔ ہمارے گھروں میں عورتیں کہتی ہیں "اسیں اوہناں نوں گوشت کیوں دیہے اوہناں کیہڑا سانوں بھجیا اے۔" گھر کے ساتھ گھر میں ہمسائے اور محلے اور قرب و جوار میں ایسے بے شمار لوگ ہوتے ہیں جنھوں نے قربانی نہیں کی ہوتی لیکن پتہ ہونے کے باوجود انہیں حصہ نہیں دیا جاتا۔

ایسے تو نہیں ہوتی نا قربانی!

بڑی عید پر تو باقاعدہ مقابلہ ہوتا ہے کہ بھئی ساتھ والے جیسا بکرا لے کر آتے ہیں۔ اس سے بڑا ہم لے کر آئیں گے نہیں تو ناک کٹ جائے گی۔

خواتین و حضرات! ہم کس سمت میں چل پڑے ہیں' جو ہمیں احکامات دیے گئے ہیں کیا ہم ان کی پیروی کر رہے ہیں۔ مجھے صومالیہ میں پڑنے والے قحط کا خیال آ رہا ہے جس سے لاکھوں لوگ متاثر ہوئے تھے۔ ہزاروں بھوک پیاس سے نڈھال ہو گئے۔ جیتے جاگتے انسان ہڈیوں کے ڈھانچے بن گئے تھے۔ وہاں ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ پیارے پیاروں کے ہاتھوں میں جان دے رہے تھے اور دنیا خاموش تھی۔

ساری دنیا میں معمول کے مطابق کھیل تماشے جاری تھے۔ ویسے ہی ٹریفک چلتی تھی' مارکیٹیں کھلتی تھیں اور دنگے فساد ہوتے تھے۔ صومالیہ میں بھوکے پیاسے لوگ جیتے جی "ممیوں" کی شکل اختیار

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کر گئے۔ وہ قحط نہیں تھا ہمارا امتحان تھا۔ انسانیت کا۔ ہمارے مزاجوں کا۔ وہاں امداد تب پہنچنی شروع ہوئی جب وہاں اِکا دُکا جیتے انسان بچے تھے لیکن آپ نے دیکھا کہ جسے آپ لوگ سپر پاور کہتے ہیں' اس نے ایک ایسے ملک پر یہ کہہ کر لشکر کشی کر دی کہ وہاں مہلک ہتھیار ہیں' حالانکہ ساری دنیا جانتی تھی کہ وہاں مہلک ہتھیار نہیں' وہ تو پہلے ہی اپنے قیمتی اثاثے تیل کے بدلے خوراک کھا کر زندہ ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ صومالیہ کی طرف دنیا فوری رجوع کرتی لیکن توجہ زیادہ ہلاکتوں کی طرف ہوئی۔ ہم سے تو یہ ہوا اور موسم ہی اچھے ہیں جو وقت پر آتے ہیں۔ گرمیوں کو پتہ ہے کہ اب اس کے جانے اور سردی کے آنے کی باری ہے۔ وہ ذرا ضد نہیں کرتی۔ ہوا مسلسل اپنی ذمہ داری نبھا رہی ہے اور ہم جہاں بھی ہوں ہم تک پہنچتی ہے لیکن ہم انسان اپنے فرائض سے غافل ہیں۔

پیارے بچو! آپ کا بہت وقت لے لیا۔ خدا آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور اس بھنڈ جیسا تقویٰ اور توکل' موسموں جیسی ذمہ داری اور بابے قُطبے جیسی محبت اور نرم خوئی عطا فرمائے اور اسے تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

رویّوں کی تبدیلی

آپ سب کو ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے سلام پہنچے۔

آج جب میں ٹی وی اسٹیشن ریکارڈنگ کے لیے آ رہا تھا تو میرے ذہن میں کئی ایک موضوعات تھے اور کئی ایک ایسے سلسلے تھے، جو میں آپ سے ڈسکس کرنا چاہتا تھا۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ آپ سے شیئر کرنا چاہتا تھا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ کچھ سوچ کر گھر سے نکلتے ہیں کہ آج اپنے دفتر میں اپنے افسر سے فلاں بہانہ کروں گا اور چھٹی کی عرضی پیش کروں گا۔ آپ بھی اس طرح کرتے ہوں گے کہ ابو سے یہ بہانہ کر کے فلاں چیز مانگوں گا یا دوستوں کے ساتھ مری جانے کی اجازت لے لوں گا۔ میں بھی آپ سے اس طرح کا بہانہ کر کے یا اپنے جذبات و احساسات شیئر کر کے "زاویہ" سے اپنی طویل غیر حاضری کی معافی چاہنے کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ میں اپنی گاڑی میں ایک اشارے پر رُکا ہوا تھا تو وہ کوئی گاڑیوں کی ریپئرنگ کی مارکیٹ تھی یا دکانیں تھیں، وہاں ایک لڑکے کو دکان کے مالک یا اس کے استاد نے کان پکڑوا کر مرغا بنا رکھا تھا۔ وہ بے چارا ہال دوہائی کر رہا تھا اور رو رہا تھا۔ میرے خیال میں وہ کسی انتہائی غریب گھر کا بچہ ہوگا۔ میلے کچیلے کپڑوں میں تھا۔ اس کا استاد اس کے ساتھ بیٹھا ایک ہاتھ سے چائے کا کپ لیے چائے پی رہا تھا اور دوسرے ہاتھ میں وہ کوئی رنچ یا پلاس جیسی چیز پکڑے ہوئے کسی چیز کے قابلے وغیرہ کس رہا تھا۔ ہر کوئی اپنے اپنے کام میں مگن تھا اور وہاں یہ نہیں کہ کوئی دیکھنے والا نہیں تھا، یا کوئی اور نہیں تھا بلکہ لوگوں کا جمِ غفیر تھا جس طرح عام طور پر مارکیٹوں میں ہوتا ہے۔

خواتین و حضرات! کبھی کبھی تو دکانوں میں لوگوں کا رش دیکھ کر یہ لگتا ہے کہ کوئی چیز مفت

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بانٹی جارہی ہے حالانکہ وہ بڑی بڑی دکانیں ہوتی ہیں اور ان کے ریٹس بھی کچھ کم نہیں ہوتے۔
اشارہ سبز ہوا اور گاڑی چل پڑی لیکن میرا ذہن اب بھی اپنی قوم کے اس چھوٹے سے معصوم بچے کی طرف ہی تھا اور میں نے کئی بار ذہن سے اس کا خیال جھٹکا بھی لیکن وہ جانے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس کی عمر بالکل ہماری اس عمر کی طرح سے تھی جب ہم اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر بستہ تختی ہاتھ میں لیے سکول جایا کرتے تھے اور میری ماں میرے بستے میں ایک روٹی کے اوپر رات کا بچا ہوا میری پسند کا سالن اور مکھن کا پیڑا رکھ کر دیا کرتی تھی تاکہ میں اسے آدھی چھٹی کے وقت کھا لوں۔

اس کی عمر بالکل اتنی ہی تھی۔ جب ہم سب بچے جمعرات کے دن آدھی چھٹی ساری کے بعد واپس گھر آتے تھے اور راستے میں پٹھو گرم کھیلا کرتے تھے۔

خواتین و حضرات! ہمارے وقتوں میں چھٹی سے پہلے ماسٹر صاحبان بچوں کو پہاڑے کہلوایا کرتے تھے۔

اک دونی دونی

دو دونی چار

ہم سب اس کے انداز میں پہاڑے یاد کیا کرتے تھے۔ تختیوں پر خوش خطی کا مقابلہ بھی ہمارا من پسند ہوا کرتا تھا اور سکول سے ہفتہ وار چھٹی کے دن محلے کی تائی کے گھر جانا ہمارے لیے ایسے ہی تھا جیسے ہم لوگ اب لندن، امریکہ جانے کی تمنا کرتے ہیں۔ تب ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہ اقتصادی بوجھ کس قدر بھاری ہوتا ہے جو انسان کے جواں اور توانا ہونے کے باوجود اسے جھکا دیتا ہے اور کمر دوہری کر دیتا ہے۔

اس بچے کو دیکھ کر مجھے یوں لگا کہ میری تختی اور بستہ چھین کر مجھے وہاں مرغا بنایا گیا ہے اور میں نے سوچا کہ آپ سے مل کر اپنی معافی کی بات کرنے کی بجائے آج میں آپ سے اس موضوع پر بات کروں گا شاید ایسا کرنے سے میرے دل کا یہ تازہ تازہ بوجھ ہلکا ہو جائے۔

پیارے بچو! Tension اس بات کی نہیں تھی کہ اس لڑکے کو اس کے مستری استاد نے مرغا کیوں بنایا ہے۔ ظاہر ہے اس نے کوئی غلطی کی ہوگی یا کام سیکھنے میں کوئی کوتاہی کی ہوگی۔ مجھے یا میرے ذہن میں مسئلہ یہ تھا کہ آخر کوئی اور بزرگ یا دوسری دکان کا استاد اس کے استاد کو یہ کیوں نہیں آکر کہتا کہ اسے آج چھوڑ دو۔ اسے معاف کر دو۔ یہ آئندہ غلطی نہیں کرے گا۔ میرا دل کہتا ہے کہ اگر کوئی اسے معافی دلوا دیتا تو وہ لڑکا دوبارہ وہ غلطی نہ کرتا جس پر اسے سزا ملی تھی۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہم آئے روز چائلڈ لیبر کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں سیمینار منعقد کرتے ہیں۔ وہاں لمبی لمبی تقاریر ہوتی ہیں۔ چائلڈ لیبر کے خلاف جنگ یا جہاد میں فنڈز لیے جاتے ہیں لیکن وہ فنڈز خرچ کہاں ہوتے ہیں' وہ نظر نہیں آتے۔ ہمارے رویے بہت بدل گئے ہیں۔ ہم معاشی گھٹن' تنگ نظری کی زیادتی اور عزت نفس کی دستیابی کے فقدان کے باعث کچھ تشدد پسند ہوتے جا رہے ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ آپ پر یا مجھ پر اقتصادی بار نہیں ہے' یا میرے پیارے وطن پاکستان کے عوام کو وہ عزت نفس مل گئی ہے جس کا انہیں نہ صرف وعدہ کیا گیا تھا بلکہ یقین دلایا گیا تھا اور وہ بھولے بھالے لوگ اپنے آپ کو لُٹا پُٹا کر گھر بار' عزیز و اقارب چھوڑ کر ایک ایسے وطن میں آ گئے تھے جہاں انہیں محبت' انصاف اور عزت ملنا تھی جو پہلے سے حاصل نہ تھی۔ ان سے ہم نے بھی وعدے کیے۔ ہم اس وقت سٹوڈنٹ تھے اور گھر گھر جا کر تحریک پاکستان کی حمایت کے لیے لوگوں کو تبلیغ کیا کرتے تھے اور آج جب کسی کوچوان کو کوئی کانسٹیبل کالر سے پکڑ کر مار رہا ہوتا ہے تو مجھے یاد آتا ہے کہ ہم ان لوگوں کے مقروض ہیں جن سے ہم نے عزتِ نفس کی بحالی کے وعدے کیے تھے۔

آئے روز لوگ شکایت کرتے ہیں کہ جی پولیس والے بڑا تنگ کرتے ہیں۔ مزدور آجر کے رویے سے نالاں ہے۔ اینٹیں لگانے والا ٹھیکیدار سے پریشان ہے' اپنی جگہ پر سب ہی ناخوش ہیں لیکن جو بات سوچنے کی ہے' وہ یہ ہے کہ کیا ہم خود ٹھیک ہیں۔ اگر کوئی ہمارا ماتحت یا ہم سے کم تر کوئی غلطی کرے گا تو کیا ہم اسے معاف کر دیں گے۔

کیا سراج دین چپڑاسی میری لٹھے کی سفید قمیص پر کانپتے ہاتھوں سے چائے گرا دیتا ہے تو کیا میں اسے کہوں گا کہ "بابا سراج کوئی گل نہیں تو جا' یہ قمیص فیر ٹھیک ہو جاوے گی۔ جے تینوں میری کسے گل دا برا لگیا تے اوہ کدی نہیں ڈھلنا۔"

خواتین و حضرات! یہ سوچنے کی بات ہے ہم اتنے متشدد کیوں ہیں۔ ہم انسان ہو کر کسی پولیس والے سے تعلقات بنا کر یا اسے کوئی پیسے ویسے دے کر کسی انسان ہی کو الٹا لٹکوا دیتے ہیں۔

ہم نے معاف کرنے کی اپنی عظیم مثالیں کیوں بھلا دی ہیں۔ ہمیں وہ خداوند کریم کا فرمان کیوں بھول گیا ہے۔

ترجمہ:۔ "تم میں سب سے اچھا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

ہم نے ان تعلیمات سے فراغت کیوں پا لی ہے' ایک بڑا ملک چھوٹے ملک کو نگلنے کے چکر میں کیوں پڑ گیا ہے۔ ہمارے بابے کہا کرتے ہیں کہ اگر خوش رہنا ہے تو دوسروں کو خوش کرنا سیکھو۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ایک بار ہم نے اپنے بابا جی سے کہا کہ سائیں جی! ہم تو بہت کوشش کرتے ہیں کہ ہم دوسروں کوخوش رکھیں۔ اپنے ماتحتوں سے بھی حسنِ سلوک کرتے ہیں۔ کبھی کبھی کسی فقیر کو بھی دو چار آنے دے دیتے ہیں لیکن ہم خوش نہیں ہوتے۔ ہمیں خوشی میسر نہیں آتی۔ اس پر بابا جی کہنے لگے۔

نوٹ:۔ (جب انہوں نے کوئی خاص بات کرنی ہوتی تو "نوٹ" کہا کرتے تھے جس پر ہم چوکنا ہو جاتے تھے کہ اب کوئی اہم بات ہونے والی ہے)

خوشی ایسے میسر نہیں آتی کہ کسی فقیر کو دو چار آنے دے دیئے۔ خوشی تب ملتی ہے جب آپ اپنی خوشیوں کے وقت سے وقت نکال کر انہیں دیتے ہیں جو دکھی ہوتے ہیں اور کل کو آپ کو ان دکھی لوگوں سے کوئی دنیاوی مطلب بھی نہیں ہوتا۔ آپ اپنی خوشیوں کا گلا گھونٹ کر جب پریشان حالوں کی مدد کرتے ہیں تو خوشی خود بخود آپ کی طرف سفر شروع کر دیتی ہے۔ کوئی چیز آپ کو اتنی خوشی نہیں دے سکتی جو خوشی آپ کو کسی روتے ہوئے کی مسکراہٹ دے سکتی ہے۔

خواتین و حضرات! آپ کو حضرت عمرؓ کی خلافت کا وہ زمانہ یاد ہو گا جب وہ اپنی نیند چھوڑ کر ضرورت مندوں کی خبر گیری کو نکل پڑتے تھے اور آپ سوچ کر اندازہ لگائیں کہ جب خدا کا ایک جلیل القدر بندہ خلیفۂ وقت اور ایک بہت بڑی فوج کا کمانڈر دردمندوں کے دکھ بانٹنے کے لیے مدینے کی گلیوں میں پھر رہا ہے اور سارے سو رہے ہیں۔

میں نے بھی ساری زندگی کوشش کی لیکن اس عمر میں پہنچنے کے باوجود وہ خوشی حاصل نہ کر پایا جس کی بابت بابے کہا کرتے ہیں "بس خواہش ہی رہی۔"

لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ ایسی خوشی کی تلاش میں ضرور نکلیں گے اور پہلے کی نسبت اپنے رویوں کو نرم خوئی کی طرف ڈھالیں گے۔ اپنی سمتیں درست کرنے کا وقت ہے۔ رویے درست کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اسی ڈگر پر چلتے رہے جس پر میں چلتا رہا ہوں تو پھر تشدد بڑھتا جائے گا۔ ہر کسی کو انفرادی طور پر ٹھیک ہونا پڑے گا۔ میں اپنے ان معصوم بچوں کو دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہوں جو ٹی وی پر انگریز پہلوانوں کی لڑائی، جسے ریسلنگ کہتے ہیں، دیکھنے کے لیے بے تاب رہتے ہیں۔ بچے ہی نہیں ہم سب ایکشن فلموں کو پسند کرتے ہیں۔ ایسے ڈرامے اور فلمیں پسند کی جاتی ہیں جن میں ایک ہی شخص بڑی سی گن سے کئی دشمنوں کو "پھڑکا" رہا ہوتا ہے جو بندے مار رہا ہو اسے ہیرو کہا جاتا ہے۔ اسی طرح آج کا ہیرو امریکہ بنا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ ہی تو زیادہ بندے مار رہا ہے اور اس کے پاس بندے مارنے کے لیے بڑے سے بڑا اسلحہ اور توپیں ہیں۔

ہم ایسے کیوں ہو گئے ہیں؟

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہمیں سوچنا ہی پڑے گا۔ طبیعت میں دھیما پن لانا ہی پڑے گا۔ ہمیں ایسا ہونا ہوگا جو مفکرِ پاکستان کہہ گئے:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

لیکن ہم تو حلقۂ یاراں میں فولاد سے زیادہ سخت بننے کے لیے کوشاں ہیں۔ آپ آئندہ پروگرام میں مجھے سوچ کر بتائیے گا اور میری Help کیجیے گا کہ ہمیں بریشم بننے کے لیے کیا لائحہ عمل اپنا ہوگا اور ''استادوں'' کو ''چھوٹوں'' سے کس طرح کا سلوک روا رکھنا چاہیے لیکن میرا اندازہ ہے کہ ہمیں اپنے رویوں میں محبت اور نرم خوئی' شفقت لانے کے لیے خود سے ہی ریسلنگ کرنی پڑے گی اور اپنے وجود کے اندر ہی ڈبلیوڈبلیوایف جیسی صورت حال پیدا کرنی پڑے گی۔ اپنی خواہشوں سے اپنے وجود اور روح کے اندر ہی ریسلنگ کرنا پڑے گی' پھر کہیں جا کر ہمارے وجود اور چہرے پُرسکون ہو پائیں گے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پچھے والا

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

صورت حال اس وقت بڑی دلچسپ اور عجیب و غریب ہو جاتی ہے جب ایک بڑا پڑھا لکھا شخص، بڑا ذہین اور دانا شخص، کسی کم فہم یا اللہ لوک بندے کو کچھ سمجھانا چاہ رہا ہو اور اس بے چارے کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا ہو۔ اس صورت حال میں So Called دانا شخص جس طرح سے مٹھیاں بھینچ رہا ہوتا ہے اور غصے سے نچلے ہونٹ کو دانتوں سے کاٹ رہا ہوتا ہے۔ وہ منظر دیدنی ہوتا ہے۔ ایسی مثالیں ہماری روزمرہ کی زندگی میں اکثر ملتی ہیں۔ چائے کے ہوٹلوں، ریل کے ڈبوں، ڈیروں یا تھڑوں پر بیٹھے لوگوں کو آپ نے عموماً دیکھا ہوگا کہ وہ کسی ایسے فضول سے موضوع پر بحث کر رہے ہوں گے اور ہر کوئی اس بحث کو جیتنے کے چکر میں ہوگا۔ تاویلیں پیش کی جائیں گی اور گھنٹوں صرف کیے جائیں گے۔ حالانکہ ان کا اس بحث سے لینا دینا کچھ نہیں ہوتا۔ بس ٹائم پاس کرنا مطلوب ہوتا ہے اور ایک وجہ دوسرے کو نیچا دکھانے کی ہوتی ہے۔

ایک دوسرے پر یہ ثابت کرنا چاہ رہا ہوتا ہے کہ میں تم سے ذہانت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوں۔ زیادہ معلومات رکھتا ہوں اور تم تو بس ایسے ہی ہو اور تمہارا کوئی کھاتہ نہیں ہے۔ افسر ماتحت پر اس رعب کو جمانے کے چکر میں ہوتا ہے اور ہماری طرح کے بوڑھے تو جوانوں پر بڑائی اور دانائی کا عکس ڈالنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

میرا ایک ملنے والا ہے۔ بڑے اعلیٰ کاروبار کا مالک، بڑی آن اور بڑی شان خدا نے اسے دے رکھی ہے۔ وہ Self Made قسم کا آدمی ہے۔ اس کی ایک عادت ہے کہ جب بھی اس کا کوئی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ملازم کوئی غلطی کرے تو اس کے سب سے پہلے الفاظ جو وہ غصے کی حالت میں بولتا ہے وہ یہ ہوتے ہیں کہ "تمہیں کس گدھے نے ملازم رکھا ہے۔"

خواتین و حضرات! حالانکہ وہ صاحب یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ اس کے دستخط یا منظوری کے بغیر اس کے دفتر میں کوئی ملازم رکھا نہیں جا سکتا۔

ایسی اکثر مثالیں آپ کی زندگی میں بھی آتی رہتی ہوں گی اور آپ نوٹ کرتے رہتے ہوں گے۔ یہ پڑھائی کا زُعم ہمیں منزل سے دور کر دیتا ہے اور عقلِ کل کا خود کو مالک سمجھنا ایسی ہی ایک بڑی برائی ہے جیسی تہمت، چغلی اور اس طرح کی دوسری برائیاں ہیں۔ میرے خیال میں ہمارے پیارے وطن کو جتنا نقصان ہم پڑھے لکھوں نے پہنچایا ہے اَن پڑھوں یا جنہیں ہم حقارت سے گنوار کہتے ہیں انہوں نے نہیں پہنچایا ہے۔ جتنی بڑی کرپشن ہو وہ شخص اتنا ہی زیادہ پڑھا لکھا ہوگا۔ ملاوٹ وہ شخص زیادہ بہتر اور خوبصورت انداز میں کر سکے گا جو خود کو دوسروں سے زیادہ دانا اور عقلمند اور پڑھا لکھا خیال کرتا ہوگا۔ ایک ان پڑھ یا گنوار تو اس تکنیک سے ملاوٹ نہیں کر سکتا جیسے کہ ایک ذہین اور پڑھا لکھا کر سکتا ہے۔

خواتین و حضرات! مرچ مصالحے میں تو ملاوٹ کی باتیں آپ نے سنی ہوں گی۔ آج کل تو قصائی گوشت میں بھی پانی کی ملاوٹ کرنے لگے ہیں۔ یہ اس Technical انداز میں گوشت میں سیروں پانی مکس کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

میں نے اپنے ایک دوست جو کہ مستقبل کے افسروں کے انٹرویو لیتا تھا، اس سے پوچھا کہ تم انٹرویو میں کیا دیکھتے ہو۔ وہ صاحب فرمانے لگے کہ ہم افسر بننے کے امیدوار کی شخصیت، ذہن کو پرکھتے ہیں، جائزہ لیتے ہیں، اس کی حاضر دماغی کو جانچتے ہیں اور پھر اسے افسر بننے کا اہل قرار دیتے ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ "اس طرح تو قوم کی جو کریم ہوتی ہے یا جو ذہین ترین نوجوان ہوتے ہیں صرف انہیں ہی منتخب کرتے ہیں۔"

وہ کہنے لگے جی "بالکل۔"

میں نے کہا کہ "یار اس طرح تو آپ ملک کے تمام اہم اور بڑے محکموں میں ذہین ترین افراد کو بٹھا دیتے ہو۔ وہ دوسری ساری قوم سے عقلمند ہوتے ہیں اور زیادہ چالاک ہوتے ہیں اور پھر تو ساری قوم انہیں کے فیصلوں کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔"

وہ کہنے لگے کہ "وہ چنے ہوئے اور بہتر صحت اور دماغ والے افراد ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے فیصلے قومی مفاد میں ہوتے ہیں۔"

میں نے پھر پوچھا کہ "میاں اگر وہ بہترین لوگ ہیں تو جو لوگ لوگوں کا پیسہ اور وسائل ڈکار

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کر باہر کے ملکوں میں بھاگ جاتے ہیں یا غلط فیصلوں سے قوم کو نقصان پہنچاتے ہیں' وہ کیا عام ان پڑھ' گنوار اور کم عقل طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں۔''

اس پر وہ کھسیانے سے ہو کر کہنے لگے ''چھڈ و اشفاق صاحب تسیں کیہڑی بحث لے بیٹھے ہو۔''

خواتین و حضرات! میرے وطن میں جو گنا کاشت کر کے شوگر ملوں میں بھیج رہا ہے' جو عام کھڈی پر چادریں بُن رہا ہے یا مزدور ''گو'' پر کھڑا اگار الگا رہا ہے' وہ بھی اس ملک کی تعمیر و ترقی میں اتنا ہی برابر کا شریک اور اتنی ہی عزت کا حقدار ہے جتنا ایک لمبی اور جھنڈے والی کار میں بیٹھنے والا کوئی صاحب بہادر ہوتا ہے۔ ملک و ملت اور دین سے جتنا لگاؤ ایک ان پڑھ دیہاتی کو ہوتا ہے اتنا شاید ہم پڑھے لکھوں میں نہیں ہوتا۔

آپ کبھی فجر کی نماز کے بعد کسی ان پڑھ عام سے کپڑے پہنے کسی دیہاتی کو جسے وضو اور غسل کے فرائض سے بھی پوری طرح شاید واقفیت نہ ہو' وہ جب نماز کے بعد قرآن پاک پڑھنے کے لیے کھولے گا تو قرآن پاک کا غلاف کھولنے سے پہلے پہلے اسے دو بار آنکھوں سے لگائے گا اور چومے گا۔ اس کی اس پاک کتاب سے عقیدت اور محبت دیدنی ہوتی ہے۔ وہ قرآن پاک میں لکھی عربی کی آیات کے معانی سے واقف نہیں ہوتا لیکن وہ جس محبت سے اسے پڑھ رہا ہوتا ہے وہ قابل رشک ہوتا ہے۔

ہم تو صرف ہدایت کرنے والے اور دوسروں کو اپنی عقل مندی کے قائل کرنے کی کوشش کرنے والے ہیں جبکہ وہ دیہاتی' جنہیں ہم گنوار کہتے ہیں' وہ میری نظر میں ہدایت پانے والے لوگ ہیں۔ خدا عاجزی کو پسند کرتا ہے۔ فخر' تکبر اور زعم کے ماروں سے اسے کوئی غرض نہیں۔ وہ تو اس کی طرف قدم بڑھاتا ہے جو اسے پیار سے یاد کرتا ہے' سوچتا ہے اور محبت رکھتا ہے۔

وہ تو ایسی نمازوں کو بھی منہ پر دے مارے گا جو پڑھنے کے بعد زعم پیدا کرتی ہوں کہ ہم تو بڑے پرہیز گار ہو گئے ہیں اور ہم نے کوئی بڑا معرکہ مار لیا ہے۔ مجھے ایک واقعہ یاد آ رہا ہے جو مجھے کسی دوست نے سنایا تھا۔ اب ذہن میں نہیں آ رہا ہے کہ وہ کون صاحب تھے۔ خیر آگے چل کر ذہن میں ان کا نام آیا تو بتاؤں گا۔

وہ بتاتے ہیں کہ ''ان کے گاؤں میں ایک سادہ لوح سا شخص رہا کرتا تھا' عام طور پر راتوں کو وہ چوکیدار کا کام کرتا اور لوگ سال چھ ماہ کے بعد اسے کچھ دانے یا پیسے اس کام کے عوض دیتے تھے۔ وہ بڑا نمازی تھا۔ اذان سے پہلے ہی مسجد جا بیٹھتا۔ روزے باقاعدگی سے رکھتا لیکن اسے دین کے حوالے سے زیادہ سُوجھ بُوجھ نہ تھی۔ بس اتنا پتہ تھا کہ مولوی کے پیچھے نماز پڑھنے سے ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

روزہ رکھتے ہوئے جب اذان ہو جائے تو پھر نہیں کھانا۔

اس نے کہیں سے یہ بھی سن رکھا تھا کہ اگر روزے ہوں اور سحری کے لیے وقت پر نہ اٹھا جا سکے اور جب آنکھ کھلے تو ابھی دن کی روشنی نہ ہو تو بھی مجبوری میں سحری کی جا سکتی ہے۔ اتفاق یہ تھا کہ امام مسجد یا مولوی صاحب کا گھر اس کے گھر کے راستے میں پڑتا تھا۔ ایک دن اسے اٹھنے میں تاخیر ہو گئی اور ادھر سے اذان کا بھی وقت ہو گیا اور وہ سحری کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''چل بھلیے لوکے جلدی چولہا چاڑھ' مولوی صاحب بانگ دین والے ہون گے۔''

اتنے میں اسے گھر کے سامنے سے مولوی صاحب جاتے دکھائی دیئے۔

پھر کیا تھا اس نے مولوی صاحب کی منت سماجت شروع کر دی کہ ''مولوی صاحب تسیں تھوڑی دیر لئی رک جاؤ۔ اساں اجے روزہ نئیں رکھیا۔''

اب وہ سمجھ رہا تھا کہ جب تک مولوی صاحب اذان نہیں دیں گے تب تک سحری کا وقت شاید ختم نہیں ہو گا۔ اسی طرح میرے دوست نے بتایا کہ جب کبھی وہ لیٹ ہو جاتا تو اچھی طرح سے دروازہ بند کر لیتا تاکہ اسے روشنی نظر نہ آئے اور جلدی جلدی سحری کر کے پھر کہیں جا کر دروازہ کھولتا۔

خواتین و حضرات! ہمیں ایسے لوگوں کے بارے میں Comments پاس نہیں کرنے۔ ان لوگوں کا معاملہ ڈائریکٹ اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہمارے بابا جی نور والے کہا کرتے تھے جس انسان کو ایسی حالت میں دیکھو کہ وہ عام لوگوں کی طرح کا ذہن نہیں رکھتا یا کند ذہن ہے تو اسے کبھی بھول کر بھی پاگل نہ کہو' اگر اس کی مدد نہیں کر سکتے یا اس کے ساتھ نیکی نہیں کر سکتے تو اس کے سامنے مت آؤ۔ ایسے لوگوں سے ہمیشہ صلۂ رحمی سے پیش آؤ۔ یہ لوگ خدا کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ اگر آپ غور کریں تو دیکھیں گے کہ ہم پڑھے لکھوں نے لوگوں کی ہلاکتوں کے لیے کیا کیا سامان پیدا کیے ہیں۔ ایٹم بم سے ہم چشم زدن میں ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگوں کو موت کے منہ میں لے جا سکتے ہیں۔ انسانوں کو مارنے کے لیے کلاشنکوف اور نئی نئی مہلک زہریں تیار کی ہیں۔ زہریلی گیسوں کو بنا کر ہم اتراتے پھرتے ہیں۔ کیا کبھی ایسا سامان کسی ان پڑھ یا عام سادہ لوح دیہاتی نے بھی بنایا ہے۔ ہم آج جسے سپر پاور کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ ملک باقی ساری دنیا سے زیادہ بندے مارنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

جب ہم سکول میں پڑھتے تھے تو ایک ادھیڑ عمر کا شخص جس کا رنگ گندمی اور ماتھے پر بڑھاپے اور پریشانی سے لکیریں پڑی ہوئی تھیں' وہ سکول میں لچھے بیچنے آیا کرتا تھا۔ اس کے بنائے ہوئے رنگ برنگ کے لچھے ہم سب کے من پسند تھے۔ وہ ہمیں ان چینی کے بنے فومی لچھوں کے طوطے' بطخیں اور طرح طرح کے جانور بھی بنا کر دیتا۔ ہم اس سے آنے کے لچھے کھاتے اور وہ بڑے ہی پیار سے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہم سے پیش آتا تھا۔ مجھے اب بھی اس کی بات یاد ہے اور جب ایک سپر پاور نے افغانستان پر حملہ کیا تو بڑی شدت سے یاد آئی حالانکہ میں اسے کب کا بھول چکا تھا۔ ہم سب بچوں سے وہ لچھے والا کہنے لگا ''کا کا تسیں وڈے ہو کے کیہہ بنو گے۔''

ہم سب نے یک آواز ہو کر کہا کہ ''ہم بڑے افسر بنیں گے۔'' کسی بچے نے کہا ''میں فوجی بنوں گا۔''

وہ ہم سے پیار کرتے ہوئے بولا ''پتر جو وی بنو بندے مارنے والے نہ بننا' بندے مارن نالوں بہتر اے تسیں لچھے ویچن لگ پینا پر بندے مارن والے کدی نہ بننا۔''

میں تب تو اس کی وہ بات نہ سمجھ سکا لیکن لچھے والے کی یہ بات آج بڑی شدت سے میرے ذہن میں آ رہی ہے کہ اس ان پڑھ سے اور عام سے آدمی نے ہم سے کتنی بڑی اور اعلیٰ بات کی تھی۔

پیارے بچو! میں اپنی نئی نسل سے ذرا بھی مایوس نہیں ہوں۔ بہت پرامید ہوں کہ یہ قوم ایسی قوم ہے جو بڑی سے بڑی مشکلوں میں بھی حوصلہ نہیں ہارتی۔ اگر اس نے ایٹم بم بنایا ہے تو اس نے دنیا کے بہترین اور خوشنما پھول بھی اُگائے ہیں۔ یہ غیرت مند قوم ہے۔ اس پاک سرزمین پر بسنے والے تسلیم و رضا کے بندے ہیں۔ یہ انسانوں کو ان کی عزت دینے والے ہیں۔ محبت اور خوشیاں بانٹنے والے ہیں۔ یہ تو خود اپنے ایک بھائی سے کٹ کر پریشان ہیں۔ اب یہ سیکھ چکے ہیں کہ کس طرح سے نظر بد والی آنکھ سے بچ کر باہمی اختلافات ختم کر کے محبتیں پروان چڑھانی ہیں اور جہاں یہ غیرت مند ہیں' وہاں انہیں علم ہے کہ اس لچھے بیچنے والے نے جو بات کی تھی وہ کتنی خوبصورت تھی۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پناہ گاہیں

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

دنیا میں بڑی پناہ گاہیں ہیں۔ کچھ لوگ جنگلوں کو پناہ گاہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ کچھ پہاڑوں اور کچھ لق ودق صحراؤں میں پناہ لیتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ افریقہ کے جنگل بڑے مشہور ہیں۔ وہ اس قدر پھیلے ہوئے ہیں کہ اگر انسان ان میں راستہ بھٹک جائے تو' راستہ تلاش کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بڑے نامی گرامی چور ڈاکو اور جرائم کی دنیا سے تعلق رکھنے والے ان جنگلوں اور بیابانوں کو پناہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ آپ نے بھارت کے ڈاکو ویراپن کا نام تو سنا ہی ہوگا۔ وہ ساری زندگی جنگل میں چھپا رہا اور اسے تلاش کرنے کے لیے پولیس وغیرہ نے بڑے بڑے منصوبے بنائے' مہموں پر نکلے لیکن وہ تلاش نہ ہو سکا۔ اس نے تو باقاعدہ ایک گینگ بھی بنا رکھا ہے اور وہ کارروائیاں ڈال کر واپس جنگلوں میں چھپ جاتے ہیں۔

(یہ پروگرام اشفاق احمد کے انتقال کے بعد ترتیب دیا گیا اور اس وقت تک ویراپن ڈاکو کو تلاش کرنے کی مہم کے دوران ایک مقابلے کے بعد ہلاک کر دیا گیا)

خواتین و حضرات! پناہ گاہ سے مراد ایسی جگہ یا مقام ہوتا ہے جس میں کوئی انسان' جانور یا کوئی ذی روح خود کو محفوظ خیال کرے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب ہم کسی سانپ وغیرہ کے پیچھے پڑ جائیں تو وہ کسی نہ کسی بل میں سر دے کر اسے بطور پناہ گاہ استعمال کرتا ہے۔

پناہ گاہ کی انسانی زندگی میں بڑی اہمیت ہوتی ہے لیکن میں بڑھاپے تک پہنچنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہوں' وہ یہ ہے کہ ماں کی آغوش سے بڑی دنیا میں نہ کوئی پناہ گاہ نہیں ہے اور یقیناً نہ بن پائے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

گی۔ماں کی بانہوں کا حصار ہمیں کسی بڑے مضبوط پہاڑ سے کم نہیں لگتا۔

ایک چھوٹا بچہ جب رات کو سوتے ہوئے ڈر جاتا ہے اور جب اس کی ماں اسے محبت سے سینے سے لگاتی ہے تو وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر یوں سکون سے اور ماں کے سینے سے چمٹ کر سو جاتا ہے جیسے ایک فوجی محاذِ جنگ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مورچے میں خود کو محفوظ پاتا ہے۔آپ نے نیشنل جیوگرافک چینل پر کنگرو کے بچے کو کسی انجانے ڈر سے بھاگ کر اپنی ماں کی مخصوص تھیلی' جو قدرت کا ایک عظیم شاہکار ہے'اس میں دبکتے ہوئے دیکھا ہوگا۔وہ نظارہ بڑا ہی قابلِ دید ہوتا ہے۔بلی جب اپنے معصوم سے ان کھلی آنکھوں والے بچے کو اپنی باچھوں میں اٹھا کر لے جارہی ہوتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ماں تا کیا ہوتی ہے۔اس نے اپنے بچے کو اپنے منہ میں اسے گردن سے دبوچا ہوتا ہے لیکن وہ بچہ کوئی پریشانی محسوس نہیں کر رہا ہوتا بلکہ Comfort Feel کر رہا ہوتا ہے۔ماں کی اس پناہ گاہ کی تعریف کے لیے زبان ان لفظوں کی محتاج ہے جو اس کی عکاسی کر پائیں لیکن یہ ممکن ہے ہی نہیں۔میں بھی ان خوش نصیب انسانوں میں سے ہوں جسے ماں کی آغوش اور پناہ گاہ نصیب ہوئی۔

پیارے بچو! صرف ماں ہی نہیں' باپ اور ہم جنہیں والدین بھی کہہ سکتے ہیں' جو ایک بڑی اور محفوظ پناہ گاہ ہوتے ہیں' ان کا کوئی متبادل نہیں ہوتا۔والدین کے بعد جو بڑی پناہ گاہ ہے وہ گھر ہے۔ گھر چاہے غریب کا ہو' امیر کا' وہ جھونپڑی کی صورت ہو یا محل کے انداز میں وہ بڑی پناہ گاہ ہوتا ہے۔

دفاتر سے چھٹی کے وقت اور سکولوں کالجوں میں چھٹی کے بعد لوگ اور بچے گھروں کی جانب اس تیزی سے گامزن ہوتے ہیں کہ جیسے کوئی بڑا طوفان آنے والا ہے یا کوئی بڑی افتاد پڑنے والی ہے جو ہر کوئی گھر میں جلد سے جلد پہنچنے کی فکر میں ہوتا ہے۔

اس جلدی میں بعض لوگ تو سرخ بتی کی بھی پروا نہیں کرتے۔

بس' ہوائی جہاز یا کسی سائیکل سوار سے پوچھیں کہ آپ کہاں جارہے ہیں تو اکثریت کے الفاظ یہی ہوتے ہیں کہ ہمیں گھر پہنچنا ہے۔

ہر شخص جلدی میں ہوتا ہے۔میں اسلام آباد سے لاہور آرہا تھا ایک صاحب بے چین اور مضطرب تھے۔میں کافی دیر تو انہیں دیکھتا رہا اور حسب عادت مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے ان سے پوچھ ہی لیا کہ جناب' آپ بڑے پریشان دکھائی دیتے ہیں۔خیریت تو ہے۔

کہنے لگے مجھے گھر جلدی پہنچنا ہے۔میں نے پوچھا کیا وہاں کوئی ضروری کام ہے جو آپ جا کر کرنا چاہتے ہیں۔فرمانے لگے نہیں۔

میں نے کہا کہ پھر کوئی بات نہیں آرام سے بیٹھے رہیں۔آخر تو پہنچ ہی جانا ہے۔وہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پھر بولے۔

یہ ڈرائیور ہی بڑا سست ہے' اتنی دیر میں تو ہم آدھا سفر طے کر چکے ہوتے اور جلد گھر پہنچ جاتے لیکن اس نے تو حد ہی کر دی۔

خواتین وحضرات! یہ ایسی مثالیں ہیں جنہیں ہم روزمرہ کی زندگی میں نوٹ کر سکتے ہیں۔

میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوں۔ گھر جاتے ہوئے بار بار گھڑی دیکھتا ہوں حالانکہ جانا تو گھر ہے چند منٹ تاخیر بھی ہو گئی تو کونسی مشکل پڑ جائے گی۔

ایک بار ڈیرے پر ہم نے بابا جی سے پوچھا کہ سرکار انسان کو پناہ کہاں ملتی ہے۔ تو فرمانے لگے:

ماں کی آغوش میں اگر وہ میسر نہ ہو تو والدین کی دعاؤں میں۔ اگر وہ بھی بدقسمتی سے نہ ملے تو پھر علم میں۔

وہ علم کتابی یا حساب الجبرے کا ہی نہیں۔ ایسا علم جس سے آپ کی ذات' روح اور دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ وہ خدا کی مخلوق کے لیے زحمت نہ بنے۔ جب میں یہ سوچ رہا ہوتا ہوں میرے دل میں آیا کہ اگر علم نافع بڑی پناہ گاہ ہے تو پھر ایک استاد کا کیا مقام ہو گا۔

میں اپنے معاشرے یا مزاجوں پر تنقید نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی ایسی کوئی جنگ شروع کرنا چاہتا ہوں' جس سے کسی کی دل آزاری ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ یا تو ہم نے اپنے استادوں کو وہ مقام دینا بند کر دیا ہے وہ جس کے مستحق ہیں یا پھر ہم استادوں میں کوئی ایسی کمی واقع ہو گئی ہے' جس کے باعث ہم اپنا وہ احترام کھو بیٹھے ہیں۔ کوئی بتائے کہ اس نے فلاں فلاں ڈگریاں لے رکھی ہیں اور وہ اپنی اس فیلڈ میں ماہر ہو کر پڑھا رہا ہے تو کیا جاتا ہے۔

ہائے ہائے یہ بھی کوئی کام ہوا۔ اس سے بہتر تو یہ تھا کہ پولیس میں کانسٹیبل بھرتی ہو جاتا۔

بڑی پرانی بات ہے۔ ایک پسماندہ سے گاؤں کا کوئی لڑکا جو بڑا ہی ہونہار تھا۔ اس نے پی ایچ ڈی کی اور وہ پروفیسر بن گیا۔ اس نے اپنے اس پیشے سے متعلق بیرون ملک سے بھی کئی ڈگریاں لیں۔ وہ اپنے اس پیشے میں بہت ہی طاق تھا۔ ایک دن اپنے گاؤں واپس گیا تو ایک بڑی ہی عمر کے بابے نے اس سے پوچھا: ''پتر کیہہ بن گیا ایں۔''

اس نے جواب دیا: ''بابا جی استاد۔''

وہ بابا بڑا حیران و پریشان ہوا اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔

اس نوجوان نے پوچھا کہ بابا جی آپ خوش ہونے کے بجائے میری طرف ایسے کیوں دیکھ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

رہے ہیں۔ تو وہ معمر شخص انتہائی دکھی انداز میں بولا ''پترا اپنے سال گھروں دور رہ کے تو ماسٹر ای بنیا سی۔ ایس توں چنگا سی تو پٹواری یاں فیر پلس والا بن جاندا۔ تو وال وی چٹے کیتے تے کھٹیا وی کج نا۔''

(بیٹا اتنے سال تو گھر والوں سے دور رہا اور صرف ماسٹر ہی بن سکا۔ اس سے تو بہتر تھا تو پٹواری یا پولیس کانسٹیبل بن جاتا۔ تو نے پڑھ پڑھ کے بال بھی سفید کر لیے اور حاصل بھی کچھ نہ کر سکا)۔

گاؤں میں پٹواری کی بڑی بات ہوتی ہے اور وہ بڑا افسر مانا جاتا ہے یا پھر ڈنڈا پکڑے پولیس کانسٹیبل کا رعب و دبدبہ ہوتا ہے۔

خواتین و حضرات! سقراط کھنڈروں میں ننگے پاؤں کھڑا ہو کر بات کرتا تھا لیکن اس کا احترام کیا جاتا تھا حالانکہ وہ کوئی امیر و کبیر آدمی نہیں تھا۔ کسی زمانے میں لوگ تھڑوں پر اہلِ دانش کا لیکچر سننے دور دور سے آیا کرتے تھے۔

یہ تو باہمی کوتاہیاں ہیں جن کے باعث علم دینے والے اور ایک پناہ گاہ کا نمونہ نہ رہ سکے۔

میرا ایک دوست مجھ سے بات کرتے ہوئے آبدیدہ ہو گیا اور کہنے لگا ''یار اشفاق غضب ہو گیا۔''

میں نے پوچھا ''ایسی کیا بات ہوگئی۔''

کہنے لگا ''سوچتا ہوں لیکچرار نہ بنتا کسی کورٹ کچہری میں چپڑاسی بن جاتا۔ پولیس میں سپاہی بھرتی ہو جاتا تو آج میری جو Disgrace ہوئی ہے وہ نہ ہوتی۔'' اور پھر اس نے مجھے وہ پورا واقعہ سنایا تو میں بھی اس کے ساتھ غم زدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اس نے بتایا کہ وہ چوکی کالج سے بطور استاد پڑھا کر بذریعہ بس واپس لاہور آ رہا تھا تو راستے میں ایک پولیس کانسٹیبل کو اس کے دیگر پیٹی بند ساتھیوں نے اسی بس پر سوار کرایا اور کنڈیکٹر کو ہدایت کی کہ اسے بیٹھنے کے لیے جگہ دے دے۔

اتفاق سے اس دن اس بس میں یا تو خواتین تھیں اور یا پھر زیادہ عمر کے لوگ تھے۔ ایک دو نوجوان تھے۔ وہ اپنی سیٹوں پر سوئے ہوئے تھے۔ اس صورتحال میں کنڈیکٹر نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ مجھے اٹھا کر اس پولیس کانسٹیبل کو بٹھا دے۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ آپ اگر تھوڑی دیر اس سیٹ سے اُٹھ جائیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

اس ملازم (پولیس والا) کو بٹھانا ہماری مجبوری ہے۔ روز یہاں سے گذرنا ہوتا ہے۔ بات نہ مانیں تو بلاوجہ روک کر تنگ کرتے ہیں۔

میں نے اس سے کہا کہ میں اس کانسٹیبل سے کم از کم دس پندرہ گریڈ اوپر ہوں اور ویسے بھی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں پہلے بیٹھا ہوا تھا۔

لیکن وہ منت سماجت کرنے لگا کہ آپ اُٹھ جائیں اور مجھے تنگ آ کر بالآخر اٹھنا پڑا۔ ہمارے قریب کھڑا وہ پولیس کا سپاہی ہماری باتیں سن بھی رہا تھا اور اسے بھی معلوم تھا کہ میں ایک استاد ہوں۔

ایسے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں۔ بات وہیں آ کر رکتی ہے کہ کمی دونوں اطراف سے ہے۔ اس کی وجہ کسی ایک کی غلطی نہیں بلکہ استاد اور معاشرہ دونوں برابر کے ذمہ دار ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ہماری اقتصادی ضروریات یا مالی مجبوریاں اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ ہم اپنی معاشرتی اقدار کو پس انداز کیے جا رہے ہیں۔

جب ہم سکولوں میں پڑھا کرتے تھے' اس وقت اگر کوئی استاد سامنے آتا دکھائی دیتا تو ہم راستہ چھوڑ دیتے۔ یہ خوف نہیں ہوتا تھا بلکہ احترام کی ہی ایک قسم تھی۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ استاد اور شاگرد موٹر سائیکل پر اکٹھے گھومتے ہیں۔ میں اس طرح کے میل جول کے خلاف نہیں لیکن ایک Limit بہت ضروری ہے۔ استاد اور شاگردوں کے درمیان علمی بحث اور اس سے Related دوسری سرگرمیاں بجا ہیں لیکن بلا ضرورت Frankness ٹھیک نہیں۔ والدین کے بعد دوسری پناہ گاہ استاد ہیں۔ ان کا بڑا مقام ہے اور بڑا رشتہ ہے لیکن نہ تو ہم علم کو پناہ گاہ تسلیم کرنے کو تیار ہیں اور نہ ہی علم دینے والے کو پناہ گاہ ماننے کا حوصلہ ہم میں ہے۔ مادی تقاضے اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ یہ اقدار ہمیں بے معنی سی لگتی ہیں۔ یہ ہماری اصل پناہ گاہیں ہیں جن سے ہم فرار حاصل کر رہے ہیں۔ لوگ پناہ گاہوں کو تلاش کرتے ہیں اور ہم اپنی ان قلعہ نما مضبوط پناہ گاہوں سے معذرت چاہ رہے ہیں۔ ایک بڑے ہی جنگجو اور سخت دل سپہ سالار کہ جس نے کئی انسانوں کو تہ تیغ کر دیا تھا ایک دن زار و قطار رو رہا تھا۔ لوگ بڑے حیران ہوئے کہ یہ تو سخت دل انسان ہے' بڑا ظالم ہے' کیوں رو رہا ہے۔ جب اس سے اس کے رونے کی وجہ دریافت کی گئی تو کہنے لگا آج اس کی ماں مر گئی ہے۔

پہلے تو وہ ہر کام یہ سوچ کر کرتا تھا کہ اس کی کوتاہی اور غلطی کی معافی اس کی ماں کی دعاؤں کی بدولت ممکن ہو جاتی تھی اور ملنے والے مصائب و آلام سے بچانے کا سبب اس کی ماں کی دعائیں تھیں لیکن اب وہ جو کرے گا' اسے بھگتنا ہی ہوگا۔ اب وہ ایک بڑی فوج کا سپہ سالار ہو کر بھی کمزور ہو گیا ہے۔

خواتین و حضرات! دعا ہے کہ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور اپنی خوبصورت پناہ گاہوں سے معذرت کے بجائے پہچان کا شرف اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

''اصولوں کے ابلیس''

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔ آج سے کوئی چھ سات برس یا تھوڑا سا اس سے پہلے کی بات ہے۔ میں اپنے دفتر میں آرام سے بیٹھا کچھ کام کر رہا تھا اور بڑے آرام کی حالت میں تھا کہ میرے دفتر میں دو افراد آئے۔ وہ میاں بیوی تھے۔ وہ دونوں بڑی عمر کے تھے اور میرے پاس آ کر بڑی خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آنے والی خاتون کا خاوند تو کچھ خاموش مزاج تھا جبکہ اس کی بیوی بے چین اور مضطرب تھی۔

وہ کہنے لگی میرا بیٹا نویں جماعت میں پڑھتا ہے۔ ان کے School Leaving سرٹیفکیٹ پر یہ بھی لکھ دیا کہ انہیں کسی سکول میں داخلہ نہ دیا جائے کیونکہ انہوں نے ڈسپلن میں سخت رخنہ ڈالا ہے۔ ان میاں بیوی نے مجھے کہا کہ ہم آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ان پرنسپل صاحب سے سفارش کریں کہ وہ مہربانی سے پیش آئیں اور انہیں دوبارہ سکول آنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

میں نے ان سے کہا کہ آپ نے جس سکول کا نام لیا ہے اس کے پرنسپل صاحب میرے تو واقف نہیں ہیں لیکن میں ان سے درخواست ضرور کروں گا کیونکہ یہ ایک بچے کا معاملہ ہے۔ میں تے ڈرتے ڈرتے اپنے دفتر سے ہی انہیں ٹیلیفون کیا اور انہیں ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا کہا۔ وہ کہنے لگا ''اوہ ہو آپ اشفاق صاحب بول رہے ہیں۔ ہم تو آپ کے بڑے فین ہیں۔'' اب مجھے کچھ حوصلہ ہوا کہ کام بن جائے گا۔ میں نے کہا کہ جی میں کب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آپ سے ایک چھوٹا سا کام ہے۔ وہ کہنے لگا کہ ''نہیں نہیں یہ تو ہمارا Privilege ہے اور ہمارے لیے بڑی سعادت کی بات ہے۔ اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو میرے ساتھ اور بھی دو تین ٹیچرز آپ کی خدمت

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔"

میں نے کہا کہ "نہیں جناب مجھے آپ سے کام ہے اور آپ مجھے ہی آنے دیجیے۔"

میں نے انہیں ایک واقعہ سنایا کہ بڑی دیر کی بات ہے یہاں لالہ بھیم سین سچر ہوتے تھے۔ وہ چیف منسٹر پنجاب تھے اور ان دنوں رات کے وقت "ویر بھارت" اخبار میں تربیت لیا کرتا تھا اور میں رات کو لالہ نارنگ چند ناس کی خدمت میں جا کر وہ تربیت حاصل کیا کرتا تھا۔ ایک دن رات دوران کام چیف منسٹر کا ٹیلیفون آ گیا اور میری یہ سن کر سٹی گم ہو گئی کہ انہیں ایک وزیر اعلیٰ کا فون آیا ہے اور میرے ہاتھ کانپنے لگے۔

فون پر لالہ نارنگ چند نے وزیر اعلیٰ سے کہا کہ "جی مہاراج۔"

دوسری طرف سے بھی کچھ بات ہوئی ہو گی جس پر لالہ نارنگ چند کہنے لگے کہ "مہاراج آپسچت (ہندی کا لفظ مطلب آپس کی بات) بات یہ ہے کہ جب ہم کو آپ سے کوئی کام ہو گا تو ہم آپ کی سیوا میں حاضر ہوں گے اور جب آپ کو ہم سے کوئی کام ہو گا تو آپ ہمارے پاس آئیں گے اور چونکہ اب آپ کو ہم سے کام ہے تو آپ دفتر تشریف لے آئیے۔"

میں یہ سن کر حیران ہو گیا کہ یا اللہ ایسے بھی ہوا کرتا ہے اور وزیر اعلیٰ کو خود آنا پڑا۔ میں نے پرنسپل کو یہ واقعہ سنا کر کہا کہ اب چونکہ مجھے آپ سے کام ہے لہٰذا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

وہ کہنے لگے آپ بالکل تشریف لائیے مل کر چائے پئیں گے۔

میں نے بچے کا نام وام لے کر اور ان سے دعا کرنے کا وعدہ لے کر انہیں رخصت کیا۔ اگلے دن میں پرنسپل صاحب کے حضور حاضر ہوا۔ وہاں ان کے پاس اور کئی استاد بھی بیٹھے تھے۔ وہاں میرے ڈراموں کی بات ہوتی رہی' اِدھر اُدھر کی بھی باتیں ہوئیں اور میں دبکا بیٹھا اس بات کا انتظار کرتا رہا کہ جیسے ہی موقع ملے اپنے آنے کا مقصد عرض کروں۔ (مسکراتے ہوئے)

جب ذرا خاموشی ہوئی تو میں نے انہیں کہا کہ میں جس مقصد کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا' میں اس کا اظہار کرتے ہوئے آپ سے تھوڑا ڈرتا ہوں لیکن میں اظہار ضرور کروں گا کیونکہ یہ بچوں کے مستقبل کا معاملہ ہے اور ساری بات سنائی اور ان کے سخت حکم سے انہیں آگاہ کیا۔

انہوں نے میری بات سن کر کہا کہ "اشفاق صاحب وہ جو فیصلہ کر چکے' وہ کر چکے اب واپس نہیں لیں گے اور آپ سے بھی توقع رکھتے ہیں کہ اس کی حمایت کریں اور عمل کریں۔"

میں نے کہا کہ "دیکھئے وہ بچہ ہے اور وہ بہت شرمندہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جو دوسرا بچہ جس کے ساتھ اس نے جھگڑا کیا وہ بھی اپنی جگہ شرمندہ ہو گا۔ آپ ان کو معاف کر دیں۔"

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

انہوں نے کہا ''نہیں اشفاق صاحب یہ اصول کی بات ہے۔''

میں نے کہا ''دیکھیئے کبھی کبھی اصول چھوڑ بھی......''

انہوں نے کہا کہ ''نہیں اصول چھوڑنے سے ہمارے ملک کو بڑا نقصان پہنچا ہے' لہٰذا اب وہ اصول نہیں چھوڑیں گے۔''

میری بڑی دیر تک ان سے بحث ہوتی رہی۔ وہاں موجود ان کے دوسرے ٹیچرز بھی کہنے لگے کہ ''اشفاق صاحب آپ تو رائٹر ہیں' آپ کو تو اصول توڑنے پر مصر نہیں ہونا چاہیے۔''

''میں نے ان سے کہا کہ ''آپ سب ٹھیک ہیں اور آپ کی ذمہ داریاں ہیں لیکن اصول کی بھی کچھ سطحیں ہوتی ہیں۔''

لیکن انہوں نے کہا کہ ''ہم اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔''

جب انہوں نے دو مرتبہ یہی بات دہرائی تو میں نے کہا کہ ''جی یہ فقرہ تو سیاستدان بولتے ہیں۔ آپ تو استاد ہیں اور استاد کے منہ سے یہ فقرہ مجھے تو کچھ اچھا نہیں لگتا۔''

اس پر وہ کہنے لگے کہ ''آپ کا کیا مطلب ہے' اس بات کا؟ کیا اصولوں کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا جائے؟''

میں نے کہا کہ ''میں یہ بھی نہیں کہتا لیکن اتنا سخت ہونے کا بھی میں اعلان نہیں کر سکتا جیسا کہ آپ کر رہے ہیں۔''

وہ کہنے لگے ''ہرگز وہ اپنے اصول نہیں توڑیں گے۔''

جب وہاں کچھ تلخی بڑھ گئی لیکن مہذب پن اب بھی قائم تھا۔

وہ کہنے لگے کہ ''دیکھیئے کہ آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اصول توڑ دیئے جائیں۔ اتنا بڑا Institution جو ہم نے بنایا ہے تو کیا یہ اصولوں' قاعدوں کے بغیر ہی چلے گا۔''

میں نے کہا کہ ''سر اگر آپ بہت زیادہ اصولوں کو ماننے لگے اور بہت زیادہ اصولوں پر کاربند ہو گئے تو زیادہ سے زیادہ آپ ابلیس کے لیول تک جا سکتے ہیں۔ اس سے اوپر نہیں جا سکتے۔''

(اس پر تمام حاضرین پروگرام زاویہ ہنسنے لگتے ہیں)

کیونکہ ابلیس نے ڈیکلیئر کیا تھا کہ میں اصول پر قائم رہوں گا۔''

اللہ سے اس نے یہی کہا تھا کہ ''اے اللہ تعالیٰ میں اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔''

اس پر اسے اللہ نے کہا کہ ''تو دفع ہو جا اور یہاں سے نکل جا۔''

وہ کہنے لگے کہ ''کیا پھر اصولوں کو چھوڑ دینا چاہیے۔''

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں نے کہا کہ ”پرنسپل صاحب اصول کو نہیں ماننا چاہیے اصول ساز کو ماننا چاہیے۔ جب وہ کہہ دے کہ آج سے تمہارا قبلہ یہ نہیں ہے۔ دوسری طرف منہ کر لو تو اس حکم پر نماز پڑھتے پڑھتے گھوم جانا چاہیے۔“

میری اس بات پر کہنے لگے ”نہیں وہ ابلیس کی بات اور تھی۔“

میں نے کہا ”دیکھئے آپ ان بچوں کو معاف کر دیں۔ معاف کرنا ایک کمال کا عمل ہوتا ہے۔“

کہنے لگے ”ہم ان کو کیسے معاف کریں۔“

میں نے کہا کہ ”جیسے آپ نے انہیں سزا دی تھی ویسے ہی معاف کر دیں اور جیسے انہوں نے Prayer کے وقت لڑائی کر کے سزا لی تھی آپ ایسے ہی وقت انہیں حاضر کریں اور بچوں کے سامنے کہیں کہ میں نے انہیں سزا دی تھی اب یہ اپنے کیے کی معافی مانگتے ہیں اور شرمندہ ہیں۔ اب ہم ان کو معاف کرتے ہیں۔“

کہنے لگے ”نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔“

میں نے کہا ”سر آپ ان کے استاد ہیں، آپ ان کو اصولوں کی تعلیم دیں گے، آپ ان کو زندگی بسر کرنے کے طریق بتائیں گے، آپ ان کو Rigid رہنے کا اصول بھی سکھائیں گے، معاف کرنے کا اصول بھی آپ ہی بتائیں گے۔ میں یا ان کے والدین تو نہیں بتا سکتے۔ یہ کام تو استاد ہی بتائے گا۔“

میں نے کہا ”دیکھئے اگر یہ بچہ کسی طرح سے آپ کے ہاتھ سے نکل کر بیرون ملک چلا گیا۔ وہاں جا کر اس نے تعلیم حاصل کر لی اور یہاں آ کر سی۔ایس۔ایس کا امتحان پاس کر کے شیخوپورہ یا کوہاٹ کا ڈپٹی کمشنر لگ گیا اور اسے تو معاف کرنا آتا ہی نہیں ہو گا اور کسی نے سکھایا ہی نہیں ہو گا تو پھر اب وہ کیا کرے گا اور انسانیت کو معاف کیسے کرے گا؟“

وہ کہنے لگے کہ ”اشفاق صاحب آپ کی دلیل تو ٹھیک ہے لیکن ہم ایسا کر نہیں سکتے۔“

میں نے کہا کہ ”آپ ان کی تعلیم و تربیت کیسے کرتے ہیں۔“

وہ ایک استاد کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ ”آپ اشفاق صاحب کو بتائیں۔“

وہ ماسٹر صاحب بتانے لگے کہ ”ہماری آٹھویں جماعت کی کتاب میں معاف کرنے کا فلاں فلاں واقعہ ہے۔ کتاب سے اس نے رسول نبی اکرمؐ پر کوڑا اچھینکنے والی بڑھیا کا واقعہ سنایا جس میں آپؐ اس خاتون کے برے سلوک پر بغیر اسے کچھ کہے چلے جایا کرتے تھے اور بڑھیا کی بیماری پر حضور کی طرف سے اس کی خبر گیری پر وہ بڑھیا مسلمان ہو گئی تھی۔“

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں نے کہا "سر یہ تو آپ نے چلیں پڑھا دیا۔ آپ نے بچوں کو پریکٹیکل کب اور کہاں کرایا کہ بچو جو معافی حضور اکرمؐ نے اس بڑھیا کو دی ہے وہ اس طرح سے تھی۔"

وہ استاد کہنے لگے کہ "جناب ہم تو بچوں کو صرف کتابی علم ہی دیتے ہیں عملی نہیں۔"

وہ پرنسپل تب تو میری بات نہ مانے لیکن اللہ کا شکر کہ انہوں نے گھر جا کر کچھ سوچا اور تیسرے دن مجھے فون کیا اور کہا کہ "آپ کی باتیں ٹھیک تھیں لیکن میری تربیت ایسی نہیں ہے۔"

میں نے کہا کہ "جی میں آپ کا احترام کرتا ہوں اور یہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ آپ انہیں معاف کر رہے ہیں۔"

وہ مجھے کہنے لگے کہ "اس معافی اور اس بارے دلائل دینے کی بات آپ کے ذہن میں کیسے آئی۔"

تو میں نے ان سے کہا کہ "جی یہ باتیں یا خیال میرے ذہن سے نہیں نکلا اور یہ میری بات نہیں ہے۔ ایک دفعہ میرے تھائی رائیڈ گلینڈ (Thyroid Gland) بڑھ گیا تھا تو سرجن نے کہا کہ اگر اسے چیرا دے کر نہ نکالا گیا تو یہ خطرناک صورت حال اختیار کر سکتا ہے۔ تو جب میں سرجری کروانے کے لیے آپریشن تھیٹر میں لیٹا تو وہاں ایک نرس تھی جو بڑی ہی اچھی، پیاری اور ذہین تھی۔

اس کا نام فرخندہ تھا۔ معلوم نہیں اب کہاں ہوگی۔ وہ مجھ سے باتیں کرنے لگی۔

جب مجھے بے ہوش کرنے کی Dose دی جا رہی تھی تو بجائے اس کے کہ وہ دوسری نرسوں کی طرح ایک، دو، تین، چار، پانچ کی گنتی شروع کر دیتی اس نے مجھ سے میرے Profession کے بارے میں بات چیت شروع کر دی۔

مجھے اتنا یاد ہے کہ میں نے اسے کہا کہ تو بڑی چالاک ہے اور میں گیا، گیا، گیا......

جب میں Operate ہونے کے بعد ہوش میں آیا تو میں نے اس سے کہا "فرخندہ تو مجھے یہ بتا کہ تیرا کتنا تجربہ ہو گیا ہے۔" اس نے کہا کہ "بحیثیت ایک نرس مجھے کوئی نو سال ہو گئے ہیں۔"

میں نے کہا کہ "تو نے بڑے عجیب و غریب مریضوں کو اپنے ہاتھوں بے ہوش کیا ہوگا اور ڈیل کیا ہوگا۔"

کہنے لگی کہ "اشفاق صاحب میں نے یہاں آ کر یہ سیکھا ہے اور میری زندگی نے مجھے سکھایا ہے کہ زندگی اور موت کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں ہے۔"

ایک راستے سے بندہ آتا ہے، وہ کھڑا ہو کر کیمرے کو Face کرتا ہے اور ایک بڑے اچھے بنے ہوئے راستے سے گذر جاتا ہے۔

میں نے کہا کہ "اس بات کو تسلیم کرنے کا ہمارا حوصلہ نہیں پڑتا۔"

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اس نے کہا کہ "میرے ہاتھوں سے بہت سارے آدمی ایسے گذرے ہیں اور وہ ایک خاص سٹیج پر یا مرحلے پر آ کر بڑے خوش وخرم اور پر سکون ہو جاتے تھے۔ صرف ایک مریضہ ایسی آئی جو کہ مشکل میں مبتلا تھی۔ وہ ایسی مریضہ تھی جس نے اپنی بہن کے ساتھ کوئی زیادتی کی تھی اور اب وہ بڑی شدت کے ساتھ احساسِ جرم میں مبتلا تھی اور اب اس کا کوئی مداوا نہیں ہو سکتا تھا اور اس کو مشکل پڑ گئی تھی۔"

فرخندہ کہنے لگی کہ "میں نے اس خاتون کی کیفیت سے یہ یہ نتیجہ نکالا کہ انسان زندگی میں خدا کا گناہ کرے، شوق سے کرے، کوئی بات نہیں۔ بندے کا گناہ کبھی نہ کرے کیونکہ خدا کے کسی حکم کی عدولی کی معافی زندگی کے کسی مقام پر بھی مانگی جا سکتی ہے لیکن بندے کے ساتھ کیا گیا گناہ صرف بندہ ہی معاف کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ اختیار بندے کو بھی دیا ہے کہ آیا وہ اسے معاف کرے یا نہ کرے۔ اب وہ مریضہ کو روگ یہی تھا کہ وہ اپنی بہن سے اس جرم کی معافی نہیں مانگ سکتی تھی جو جرم اس نے اپنی بہن کا دل دکھا کر یا اسے پریشان کر کے یا کسی اور طریقے سے کیا تھا۔ اس کی بہن موجود نہیں تھی اور وہ معافی بھی نہیں مانگ سکتی تھی۔ اب اس کا مسئلہ یہی تھا۔ اللہ تو رحیم وکریم ہے۔ معافی مانگنے سے یا معافی نہ مانگنے پر بھی اپنی رحمت سے کسی انسان کی کوتاہی، غلطی معاف کر سکتا ہے اور یہ اختیار وہ رکھتا ہے لیکن خدا فرماتا ہے کہ وہ ایسا کوئی گناہ یا غلطی معاف نہیں کرے گا جو اختیار کسی انسان کو اس نے دے رکھا ہے اور کسی انسان کا دینے دار خدا سے معافی مانگ کر جان خلاصی نہیں کرا سکتا۔ اس طرح والدین کے ساتھ حسن سلوک کی سختی سے ہدایت کی گئی ہے۔ حکم ہے کہ ان کے آگے "اُف نہ کرو۔" لیکن ہم آئے روز ایسی خبریں پڑھتے ہیں کہ بیٹے نے بوڑھے باپ یا ماں کے ساتھ بدسلوکی کی، یا زمین کی خاطر بھائی کو مار ڈالا۔ اس طرح کی تکلیف دہ خبریں ہم عموماً پڑھتے ہیں۔

اب یہ ماں باپ ہوتے ہیں جو نہیں چاہتے کہ ان کا بیٹا یا اولاد نافرمان ہو اور دوزخ کا "بالن" (ایندھن) بن جائے اور وہ پھر بھی دعائیں ہی دیتے ہیں اور اگر ذرا سی تکلیف پہنچے تو ان کا کلیجہ منہ میں آ جاتا ہے۔ میں نے آج تک کسی ماں کو اپنے بیٹے کو بددُعا دیتے نہیں سنا۔ ایسی صلۂ رحمی کی ضرورت ہے۔ برداشت کرنے کی بات ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مذہبی منافرت کی وجہ سے واقعہ رونما ہوا۔ مذہب تو کسی قتل وغارت کی اجازت نہیں دیتا۔ دنیا کے کسی مذہب نے نہیں کہا کہ کسی بے گناہ کو یا ایسے شخص کو قتل کر دو جو آپ کے دین پر نہیں ہے۔ دین تو کہتا ہے کہ خود اتنے اچھے بن جاؤ کہ دوسرے مذاہب کے لوگ آپ کے مذہب کو پسند کرنا شروع کر دیں۔ بات عمل کی ہے۔ اگر ہم نے اپنے اندر سے احساس جرم ختم کرنا ہے، محبتوں کے پھول بانٹنے ہیں تو برداشت کا مادہ پیدا کرنا ہوگا۔ تعصب اور حسد ختم کرنا ہوگا۔ بے موقع، بے وجہ تنقید بند کرنا ہوگی لیکن ہمیں تو سکھایا ہی Criticism گیا ہے اور تنقید کرنے پر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بھی ڈگری ملتی ہے۔ بچو! میں امید کرتا ہوں کہ آج کے بعد میں بھی خود کو صلۂ رحمی کی جانب ڈھالنے کی کوشش کروں گا اور ایسے سخت اصولوں پر کاربند نہیں ہوں گا جو ابلیس کے اصولوں تک لے جاتے ہوں اور آپ بھی خود میں ضرور مثبت تبدیلی پیدا کریں گے اور آپ تو پہلے بھی ایسی کوشش کرتے رہے ہوں گے اور اس میں کامیاب بھی رہے ہوں گے۔ البتہ میں نہیں ہو سکا لیکن میں کوشش ضرور کروں گا۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پندرہ روپے کا نوٹ

اب جبکہ میں عمر کے اس حصے میں ہوں جب آدمی کچھ کچھ بچوں جیسا ہو جاتا ہے۔ وہ بچوں کی طرح ضد کرتا ہے' خواب دیکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ سب کچھ ویسے ہی ہو جیسا وہ چاہتا ہے حالانکہ اسے یہ پتہ ہوتا ہے کہ سب کچھ ویسے ویسے نہیں ہو سکتا جیسا وہ سوچ رہا ہے۔ خیر بچے کو تو علم ہی نہیں ہوتا کہ ویسا ہوگا یا نہیں۔ اس نے تو ہر اس چیز کی طلب کرنی ہوتی ہے جو اسے اچھی لگے۔ ہم بھی جب بچے تھے یا چھوٹے تھے تو ایسے ہی ضد کیا کرتے تھے اور یہ والدین کا حوصلہ ہوتا ہے کہ وہ بچوں کی جو ضدیں پوری نہیں کر سکتے' بچوں کو کچھ اور دے دلا کر اور ان کی توجہ کسی اور چیز کی جانب مبذول کروا کر جان چھڑوا لیتے ہیں۔

خواتین و حضرات! بوڑھے شخص اور بچے میں اتنا ہی فاصلہ ہوتا ہے جتنا ایک گہرے پانی میں ڈوبتے ہوئے شخص کا موت سے۔

ہمارے بابے کہا کرتے ہیں کہ وہ شخص جس کے بال عمر سے سفید ہوں اور وہ کم گو ہو وہ بڑا دانا ہوتا ہے۔ وہ اپنی خاموشی سے خود کو بڑھاپے سے محفوظ رکھتا ہے۔ آپ کو ایسے بوڑھے کم ملیں گے جو زیادہ خاموش رہتے ہوں۔ آپ کو زیادہ بڈھے تو میری طرح کے ہی ملیں گے جو بس اپنا بھاشن جھاڑتے رہتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ نہ کہا تو شاید دنیا کے کام رک جائیں گے یا سب کچھ بگڑ جائے گا اور وہ ہر بات میں اپنی ٹانگ اڑانا ضروری سمجھتے ہیں۔

بچو! اب ایسا بھی نہیں ہے کہ بولنے والے سارے بوڑھے یا بابے ہی خراب ہیں۔ عمر جیسے ہی گذرے تجربات کراتی ہے۔ ہر گذرا دن آنے والے دن کی نسبت بعض اوقات بہتر نہیں بھی ہوتا اور بعض اوقات برا نہیں ہوتا۔ جو قومیں ترقی کرتی ہیں' وہ اپنے ماضی کو ساتھ چمٹائے نہیں رکھتیں بلکہ ماضی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کی غلطیوں' خامیوں اور کوتاہیوں کو سامنے رکھ کر اپنے حال میں اور مستقبل میں داخل ہوتی ہیں۔ نوجوانوں کو بھی غلطیاں کرنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا ہم بوڑھوں کو اپنی جوانی میں تھا۔ جب تک انسان غلطی نہیں کرے گا وہ اپنی اصلاح کیسے کرے گا۔

میرے ایک دوست کا بیٹا بضد تھا کہ وہ ایکٹر بنے گا لیکن میرا وہ دوست اسے سختی سے' پیار سے ہر طریقے سے منع کر چکا تھا۔ تنگ آ کر مجھے کہنے لگا کہ "اسے یہ پریشانی لاحق ہے اور اس کا بیٹا اس کی بات ماننے سے معذرت خواہ ہے۔"

میں نے دوست سے کہا کہ "یار تو اسے کیوں منع کرتا ہے؟"

کہنے لگا کہ "میں نے بھی اپنے کالج کے زمانے میں اداکاری کی کوشش کی تھی' لہٰذا میں ناکام رہا تھا۔ اس لیے یہ بھی ناکام رہے گا اور اسے یہ فیلڈ یا Profession اختیار نہیں کرنا چاہیے۔"

میں نے کہا کہ "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ناکام رہے تھے تو یہ بھی ناکام رہے گا۔"

لیکن وہ بضد تھا کہ وہ جو سمجھتا ہے وہ ہی درست ہے۔

ہمارے ہاں یہ ایک مسئلہ ہے کہ ہم اپنی اولادوں کو وہ بنانے کے لیے متفکر رہتے ہیں جو ہم چاہتے ہیں۔ کسی حد تک یہ ٹھیک بھی ہوتا ہے لیکن یہ بالکل ہی ٹھیک نہیں ہوتا۔

مجھے ایک بار ٹرین سے لاہور سے باہر جانے کا اتفاق ہوا۔ میں جس ڈبے میں سفر کر رہا تھا اس میں ایک بوڑھا بھی بیٹھا تھا۔ اس کی عمر مجھ سے کافی زیادہ تھی۔ اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور بوسیدہ سے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اس کے جسم سے عجیب سی Smell آ رہی تھی۔ ایسے لگتا تھا کہ شاید وہ دن بھر جسمانی مشقت کرتا رہا ہے اور بار بار کپڑے پسینے میں شرابور ہونے کے باعث اس سے ایسی "ھمک" (بدبو) آ رہی ہے۔

میں حسب عادت اس سے باتیں کرنے لگا۔ گو طبیعت نہیں چاہ رہی تھی لیکن تجسس کی حس بیدار ہوئی اور میں اس سے باتیں کرنے لگا۔

میں نے کہا "بابا کہاں جانا ہے؟"

اب وہ شخص مسکرایا اور کہا "گھر۔"

اب میں کچھ تلملایا بھی لیکن مجھے لگا کہ وہ کوئی عام شخص نہیں بلکہ کوئی "بابا" ہے جو اس نے مجھے اتنا مختصر اور جامع جواب دیا ہے۔

میں اس کے ذرا قریب ہو گیا اور کہا کہ "جوانی اچھی ہوتی ہے یا بڑھاپا۔"

اس نے کہا "جوانوں کے لیے بڑھاپا اور بوڑھوں کے لیے جوانی!"

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں نے کہا ”وہ کیسے؟“

بولا ”بوڑھے اگر جوان ہو جائیں تو وہ اپنی پہلے والی غلطیاں شاید دوبارہ نہ دُہرائیں اور اگر جوان بوڑھوں کو تجربے کے طور پر لیں تو ان کی جوانی بے داغ اور بے عیب گذرے۔“

اس بوسیدہ کپڑوں والے بوڑھے نے اتنی وزنی بات کی تھی کہ بڑے مفکر اور دانشور ایسی بات نہیں کر سکتے۔

یہ بات اس کے تجربات کا نچوڑ تھی جو اس نے مجھ جیسے کم فہم آدمی سے کر دی۔

خواتین و حضرات! بوڑھوں پر تمام تنقید چھوڑ کر اور ان کی باتوں سے بیزاری کو ایک طرف رکھ دیں اور تھوڑا سوچیں کہ ہمیں بڑوں کے حوالے سے اور ان سے سلوک بارے کیا حکم دیا گیا ہے۔

غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ خداوند کریم نے اپنے نبیوں کو نبوت عموماً بڑی عمر میں دی۔

حضور نبی اکرمؐ نے اپنی نبوت کا اعلان چالیس برس کی عمر میں کیا۔

اور حکم ہے کہ ”بچوں پر شفقت کرو اور بوڑھوں کا احترام کرو۔“

یہ عام بات نہیں ہے۔ اس کے پیچھے بڑے معانی پوشیدہ ہو سکتے ہیں۔

جب کسی معاشرے میں یا ملک میں اولاد والدین سے عاجز آ جاتی ہے اور بزرگوں کو لاوارث قرار دے کر Old Homes میں بھرتی کروا دیا جاتا ہے' تو قوموں کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ میرا یہ بات کرنے کا مقصد آپ کو ڈرانا نہیں ہے بلکہ بتانا ہے کہ اس سے بگاڑ جنم لینے لگتا ہے۔

ایک شخص جو اپنے بوڑھے باپ سے بہت تنگ تھا' ایک دن اسے کمر پر لاد کر گھر سے باہر نکلتا ہے اور چلتے چلتے وہ دونوں دریا پر پہنچ جاتے ہیں۔

وہ شخص پانی میں اترتا ہے اور گہرے پانی میں جانے لگتا ہے۔

اور ایک مقام پر اس کا بوڑھا باپ اپنے بیٹے سے پوچھتا ہے کہ ”بیٹا کیا کر رہے ہو؟“

وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیری روز روز کی بڑ بڑ سے تنگ آ کر تجھے دریا برد کرنے آیا ہوں (یا ہو سکتا ہے اس نے اپنے باپ کو کوئی اور جواب دیا ہو) اور سوچ رہا ہوں کہ تجھے ذرا گہرے پانی میں پھینکوں تاکہ تو جلدی ڈوب جائے تو اس کا بوڑھا باپ جواب دیتا ہے ”بیٹا جس جگہ تو مجھے پھینک رہا ہے یہاں نہ پھینکنا بلکہ ذرا اور آگے اور گہرے پانی میں پھینکنا۔“

بیٹا پوچھتا ہے کہ ”کیوں' یہاں کیوں نہ پھینکوں۔“

اس کا باپ کہتا ہے کہ ”اس جگہ میں نے تمہارے دادا اور اپنے باپ کو پھینکا تھا۔“

یہ سن کر اس کا بیٹا اپنے باپ کو واپس گھر لے آتا ہے کیونکہ وہ سوچتا ہے کہ جب وہ بوڑھا ہو گا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تو اس کی منزل اس سے بھی گہرا پانی ہوگا' جہاں وہ اپنے باپ کو پھینکنے والا تھا۔ ادلے کا بدلہ تو ہونا ہی ہوتا ہے نا!

ایک شخص بہت غریب تھا۔ زندگی اس پر بہت مشکل ہوگئی تھی لیکن اس کے پاس ایک فن تھا وہ یہ کہ وہ نوٹ جسے آپ کرنسی نوٹ کہتے ہیں' بنانے کا ماہر تھا۔ اب طبیعت بھی اس کی فقیرانہ قسم کی تھی اور اس وجہ سے وہ بالکل تنگ ہوگیا تھا۔ اس کے پاس زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نا اسے بیچ ڈالے اور اس پر آسودگی کے دن آ جائیں۔ اس نے ایک دن اپنا وہ کل اثاثہ جو فقط زمین کا ہی ٹکڑا تھا' بیچ ڈالا۔ اس سے دو لاکھ کے کرنسی نوٹ بنا ڈالے اور اس نے اتنی بڑی دولت ہاتھ آ جانے پر اسے دھڑا دھڑ خرچ کرنا بھی شروع کر دیا اور اس کے پاس تمام کے تمام پیسے ختم ہوگئے۔ اب اس کے پاس اتنی ہی سیاہی اور کاغذ رہ گیا کہ وہ اس سے ایک ہی نوٹ بنا سکتا تھا اور ایک مجبوری یہ تھی کہ وہ اس سے کوئی بڑی مالیت کا نوٹ بھی نہیں بنا سکتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ چلیں کوئی چھوٹا نوٹ ہی بنا لیا جائے اور اس سے کچھ ضروری سامان خرید کر زیادہ نوٹ بنا لیے جائیں۔

اس نے نوٹ بنانے کی کوشش کی وہ چونکہ پریشانی اور کوفت کی اذیت اور کیفیت سے گذر رہا تھا جب اس نے نوٹ بنایا تو وہ پندرہ روپے کا نوٹ تھا۔ اس کے لیے ایک نئی مصیبت یہ کھڑی ہوگئی کہ نوٹ بھی بن گیا ہے لیکن وہ پندرہ روپے کا تھا جو چل ہی نہیں سکتا تھا اور اگر اس نے چلانے کی کوشش کی تو پکڑے جانے کا بھی اندیشہ تھا۔

وہ کئی دن کشمکش و پیچ میں رہا اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس نوٹ کو ایسے آدمی کے پاس خرچ کرے گا جو یہ نہ جانتا ہو کہ پندرہ روپے کے نوٹ کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور کسی بھولے شخص کے پاس خرچ کر کے کام چلا لیا جائے۔ اس نے ایک بوڑھا اور بھولا قسم کا آدمی تلاش کیا اور کہا کہ "بابا اسے پندرہ روپے کا چینج یا کھلا چاہیے۔"

اس بوڑھے شخص نے نوٹ کو غور سے دیکھا اور اس شخص کو دو نوٹ تھما دیئے۔

وہ شخص اپنی ذہانت اور مکاری پر ناز کرتا اور عقل پر اتراتا ہوا جلدی جلدی وہاں سے چل دیا کہ اگر رُکا رہا تو معاملہ ہی گڑبڑ نہ ہو جائے۔

جب اس نے گھر یا وہاں سے دور جا کر مٹھی کھولی تو اس میں دو ساڑھے سات سات روپے کے نوٹ تھے۔

خواتین و حضرات! اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہم اپنے طور پر بڑی چالاکی سے کچھ کرتے ہیں لیکن اس کا نتیجہ اُلٹ نکلتا ہے۔ پھر ہم وہ سوچتے ہیں جو نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ میں پہلے پروگراموں میں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہم "چاہیے" پر بڑی توجہ دیتے ہیں کہ جی ایسے ہونا چاہیے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم کوئی کام کر کے کہیں کہ ایسا ہونا چاہیے تھا اور میں نے یہ کر دیا ہے۔ ہماری زندگی پر بڑھتا ہوا بوجھ ہمیں ایسا کچھ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ خواب دیکھنے ضرور چاہئیں لیکن ان خوابوں کی تعبیر کے لیے جدوجہد اور تگ ودو بھی ضروری ہے۔

میں کئی سالوں سے اس جدوجہد میں ہوں کہ Dieting کروں گا۔ اس کے لیے کبھی دل سے جدوجہد نہیں کی اور یہ عمل نہیں کر سکا۔ اگر کیا بھی ہے تو بہت ہی قلیل عرصے کے لیے اور اب میں نے یہ خیال ہی دل سے نکال دیا ہے کہ مجھے Dieting بھی کرنی چاہیے۔

اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جو بھی ملا ہے جی بھر کے کھانا ہے' بے وقت کھانا ہے اور یہ فکر نہیں کرنی کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ میرے پوتے پوتیاں مجھے کہتے ہیں کہ "دادا یہ نہ کھائیں آپ موٹے ہو جائیں گے۔ جسم میں کولیسٹرول بڑھ جائے گا لیکن میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر میں خود کو ایسی چیزوں سے مکمل روک نہیں سکتا تو نہیں روکوں گا۔ ساری بدپرہیزی کروں گا۔

میں آپ کو یہ نہیں کہتا کہ آپ خواب نہ دیکھیں یا ڈائٹنگ نہ کریں۔ ضرور کریں۔ لیکن جس طرح آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا باہر کا جسم خوبصورت ہو' جاذب نظر ہو اس طرح کوشش اس بات پر بھی ہونی چاہیے کہ آپ کا اندر ہی اُجلا اور خوبصورت ہو۔ ہماری کئی بیماریاں صرف اس لیے ہیں کہ ہم خوراک بھی اچھی کھاتے ہیں۔ چہرے یا جسم کی خوبصورتی کا بھی بڑا خیال رکھتے ہیں۔ صبح کی سیر بھی کرتے ہیں۔ پھر بھی بیمار رہتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی بیماری وارد ہو جاتی ہے۔

ہمارے بابے کہا کرتے ہیں کہ باہر کے جسم کو بیماریوں سے بچانے کے لیے اپنے اندر کو بیماریوں سے مبرا کرنا چاہیے۔

درخت جس کے اندر بیماری ہو اور اس کو گھن لگا ہوا ہو اور اندر ہی اندر سے وہ کھوکھلا ہوتا جا رہا ہو اور ہم اس کی اصل بیماری کا علاج کرنے کی بجائے اسے باہر سے سپرے کرتے رہیں۔ اس پر روشنیاں یا بلب لگا دیں تو ہم اس سے درخت کے اندر کی بیماری نہیں روک سکتے۔ وہ تب ہی ٹھیک ہوگا جب ہم اس کی جڑوں یا تنوں کی مٹی کھود کر اس میں چونا ڈالیں گے' کیڑے مار ادویات ڈالیں گے اور اسے پانی دیں گے۔ ایسا ہی انسان کا حال ہے۔

اس کے لیے ضرورت ہے کہ آپ اپنے اندر اپنی روح کا احاطہ ضرور کیا کریں اور دن میں کسی بھی وقت اکیلے بیٹھ کر اپنی Self Purgation کا اہتمام ضرور کیا کریں۔ آپ نے بچوں کو دیکھا ہوگا۔ بچپن میں لڑکیاں گڈیاں پٹولے بناتی ہیں اور آئے روز ان کی صفائی ستھرائی کرتی ہیں۔ اپنی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

گڑیوں کے بال سنوارتی ہیں۔ اگر ان کی گڑیا کے اندر جمع پرانے کپڑوں کے ٹکڑے ہوتے ہیں وہ باہر نکل آئیں یا ہاتھ لگ لگ کر خراب ہو جائیں تو ان کی اس گڑیا کی بیرونی خوبصورتی اور اکڑ پن میں بھی فرق آتا ہے۔ چاہے ان کے اوپر کتنا ہی بناؤ سنگھار نہ کیا جائے۔ جب ہم بچے تھے تو گڈے اور گڈی کی شادی پر جب کسی بات پر الجھ پڑتے تھے تو ایک سرے سے ایک گڈی کو پکڑ لیتا اور دوسرے سرے سے دوسرا اس طرح وہ بچاری گڈی ڈھلک جاتی۔ ہماری زندگی بھی اس گڈی اور گڈے کی طرح سے ہی ہے۔ اس کے اندر کا بناؤ سنگھار بھی اتنا ہی ضروری ہے جس قدر باہر کا۔

ہمارے بزرگ بھی ایک بڑی نعمت ہیں اور خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ہاں ابھی ان کا احترام کیا جاتا ہے۔ یہ احترام رہنا ضروری ہے۔ یہ بوڑھے اور بزرگ اسی اثاثے کی طرح سے ہیں جس طرح اس نوٹ بنانے والے کے پاس آخری نوٹ بنانے کا سامان اور بچوں کے لیے گڈی اور گڈا اثاثہ ہوتے ہیں۔ اگر ہم نے بھی پندرہ روپے کا نوٹ بنا ڈالا تو پھر بات نہیں بنے گی۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

"دو بول محبت کے"

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

یہ زندگی بھی ایک عجیب و غریب شے ہے۔ اس کے مختلف سوالوں کا جواب ہاں میں نکلتا ہے۔ یہ بات ہمیں بابوں کے پاس بیٹھ کر معلوم ہوئی۔ اگر زندگی حساب کا کوئی سوال ہوتی تو پھر ظاہر ہے کہ بڑی آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ جاتی۔

یہ جو مرید ہوتے ہیں' ان میں جو اچھے اور با صفا اور نوجوان مریدین ہوتے ہیں' وہ بڑے طاقتور ہوتے ہیں اور وہ اپنے مرشد' گرو یا اپنے پیر سے بڑے سخت قسم کے سوال پوچھتے ہیں۔

ایک روز ہم ڈیرے پر بیٹھے تھے کہ ایک اچھی پگڑی باندھنے والا شستہ قسم کے مرید نے پوچھا کہ "بابا جی بات یہ ہے کہ انسان اپنی کوشش اور محنت سے تو کہیں نہیں پہنچتا' اس کے اوپر ایک خاص قسم کا کرم ہوتا ہے اور اسے کوئی چیز عطا کر دی جاتی ہے اور پھر وہ اس اعلیٰ مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔"

اس پر بابا جی نے کہا "شاباش تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

وہ شخص بات سن کر بہت ہی خوش ہوا۔ ایک دوسرا مرید یہ ساری باتیں سن رہا تھا۔ وہ ذرا تگڑا آدمی تھا۔ اس نے کہا کہ یہ غلط بات ہے۔ انسان کو جو کچھ بھی ملتا ہے اپنی جدوجہد سے ملتا ہے۔ اسے کچھ پانے کے لیے Effort کرنی پڑتی ہے۔ اسے حکم کو ماننا پڑتا ہے۔ Order کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے۔ اس نے کہا کہ پیغمبروں کو بھی ایک مخصوص Pattern پر چلنا پڑا اور کوشش کرنی پڑی۔ پھر جا کر ایک مقام ملا۔ ایسے ہی مقام نہیں ملا کرتے۔

بابا جی نے اسے بھی کہا کہ "شاباش' تو بھی ٹھیک کہتا ہے۔"

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

وہاں پر ایک تیسرا مرید جو لنگر کے برتن صاف کر رہا تھا۔ اسے یہ سن کر بہت عجیب سا لگا اور کہنے لگا کہ "باباجی آپ نے حد کر دی۔ یہ کس طرح سے ہو سکتا ہے کہ دونوں کی بات ہی ٹھیک ہو۔ کسی ایک کی بات تو غلط ہونی چاہیے۔"

یہ سن کر باباجی نے کہا کہ "شاباش تو بھی ٹھیک ہے۔"

یہ زندگی کی بات ہے جو بندے کی پکڑ میں نہیں آتی اور یہ جس کی پکڑ میں آتی ہے وہ اس کی سوچ، کوشش اور دانش کے رویے کے مطابق اس کے ہاتھوں میں بنتی رہتی ہے۔

ہم "دانش منداور پڑھے لکھے" لوگ یہ کرتے ہیں کہ ایک مفروضہ یا سوال سامنے رکھتے ہیں اور پھر ہم طے کر دیتے ہیں کہ اس کا صرف یہی جواب ہے۔ حالانکہ ایک سوال کے جوابات ہو سکتے ہیں۔ جس زمانے میں ملک اٹلی میں تھا تو وہاں Scandinavian Countries میں خاص طور پر ڈنمارک میں خودکشیاں بہت بڑھ گئیں اور خواتین و حضرات! دنیا میں سب سے زیادہ خودکشیاں Scandinavian ملکوں میں ہوتی ہیں۔ جتنا ملک Rich ہو گا اتنی ہی وہاں خودکشیوں کی شرح زیادہ ہو گی۔ سب سے اعلیٰ درجے کی امیر ترین اور قیمتی قسم کی خودکشی سکینڈے نیوین ملکوں میں اور اس کے بعد جاپان میں ہوتی ہے کیونکہ وہ بھی بہت امیر ہے۔ خودکشی کا امارت کے ساتھ خاص تعلق ہوتا ہے۔ مجھے وہاں جا کر یہ پتہ چلا کہ خودکشی تو امیروں کا کام ہے۔ میں بڑا پریشان تھا کیونکہ میری عقل و دانش کم تھی اور سوچ چھوٹی تھی۔ میں نے اپنے استاد یا گائیڈ پروفیسر اونگارتی سے کہا کہ "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امیر ملکوں میں خودکشی زیادہ ہو۔"

سب کو یہاں کھانے پینے کو اچھا مل رہا ہے۔ طبی سہولتیں ہیں۔ تمام تر آسائشیں میسر ہیں تو جان جیسی پیاری چیز کو کیوں کوئی ضائع کر دیتا ہے اور بالکل Nothingness کے حوالے جان جیسی پیاری و خوبصورت چیز آخر کیوں کر دی جاتی ہے۔

وہ کہنے لگے کہ "آدمی خودکشی اس وقت کرتا ہے جب جس گروہ کے درمیان وہ رہتا ہے، وہ گروہ اس کی بات سننے سے اپنے کان بند کر لے، انکار کر دے۔ ہر انسان اپنا دکھ درد بیان کرنے اور بات کرنے کی آرزو رکھتا ہے۔"

مغربی ممالک میں ایسے ماہرین نفسیات ہیں جو پیسے لے کر لوگوں کی باتیں سنتے ہیں۔ کسی سے تین سو ڈالر لے لیے اور کہا کہ اب آپ کے پاس ایک گھنٹہ ہے باتیں کرو اور وہ شخص پیسے دے کر بکواس کرتا چلا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے باپ نے مارا، میری امی ایسی تھی، بڑے ظلم ڈھاتی تھی اور مجھے سوسائٹی کے خلاف بڑا غصہ ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

وہ ماہر نفسیات انہیں اکثر یہ کہتے کہ اگر تمہیں ماں یا باپ کے خلاف غصہ ہے تو گھر میں ایک پلر یا تھمبے پر تکیہ باندھ کر اس پر ماں یا باپ جس کے خلاف بھی غصہ ہے' اس کی تصویر لگاؤ اور اسے خوب ہنٹر مارو تا کہ غصہ نکل جائے۔

ماہرین نفسیات کے ان تمام مشوروں کا بھی کچھ زیادہ اثر نہ ہوا کیونکہ جو شخص بات کرنا چاہتا ہے' دکھ بیان کرنا چاہتا ہے ہنٹر مارنے سے تو غصہ مزید بڑھے گا ہی نا!

جب بھی کسی معاشرے میں آپ کو یہ خبر ملے کہ وہاں پر لوگ خودکشی کرنے لگے ہیں تو مت اس بات کی طرف لوٹ کے جاؤ کہ ان کے پاس کھانے کے لیے کم ہے۔ وہ تو سب کے پاس ہی کم ہے۔ اگر یہ بات ہو تو پھر امیر ملک کے لوگ خودکشی کیوں کریں۔

اگر کسی معاشرے میں خودکشیاں بڑھیں تو اس کا ذمہ دار اپنے آپ کو ٹھہرائیے اور جان لیجیے کہ کوئی مجھ سے بات کرنا چاہتا ہے' اپنا دکھ بیان کرنا چاہتا ہے اور میں اس کا دکھ سننے کا وقت نہیں رکھتا۔ خودکشی اس کی بنیادی وجہ ہے۔

ہمارے ہاں بھی اکثر یہ چرچا رہا ہے کہ فلاں بھوکا تھا اور خودکشی کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اب بھی ایسی باتیں ہوتی ہیں۔

ایسی بات ہرگز نہیں کہ کوئی بھوکا مرتا خودکشی کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ کیسوں میں یہ عنصر ہو لیکن مجموعی طور پر اور غالب عنصر یہی ہوتا ہے کہ ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے کوئی موت کو گلے لگاتا ہے۔

ہم اپنے اپنے کاموں اور غرض کے ساتھ وابستہ ہو گئے ہیں اور ہمارے پاس کسی دوسرے کے لیے وقت نہیں ہے اور لوگ ان کندھوں کو تلاش کرتے پھرتے ہیں جن پر وہ اپنا ماتھا رکھ کر رو سکیں۔ یہ کوتاہی معاشرے کی ہے۔

اگر کسی لڑکی کی شادی زبردستی اس کی مرضی کے بغیر ہو رہی ہے اور وہ رونا چاہتی ہے' کسی ماۓ' چاچے' دوست' پروفیسر' استاد کو بتانا چاہتی ہے کہ اسے یہ دکھ ہے لیکن وہ سارے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس وقت نہیں ہے' دفع ہو جا۔

اب وہ بیچاری خودکشی نہیں کرے گی تو اور کیا کرے گی۔ جب زندگی اور آواز کا پنجرہ اتنا تنگ کر دیا جاتا ہے کہ وہ اس میں محبوس ہو جاتا ہے اور اس کا سانس گھٹنے لگتا ہے' تو وہ پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

ہمارے ہاں بھی یہ کوتاہی بڑی شدت سے رونما ہو رہی ہے اور ہمارے لیے یہ بڑا لمحہ فکریہ ہے۔ اس کی طرف توجہ دی جانی چاہیے۔ یہ کام حکومتیں نہیں کیا کرتیں۔ حکومتیں تو بے معنی سے کام ہی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کرتی ہیں کہ سڑکیں بنالو پرانی عمارتیں گرالو فارن ریلیشنز بنانے میں ہی دھکے کھانا اس کا کام ہے۔

انسانوں کو جوڑنا اور انسانوں کے ساتھ تعلق رکھنا سوسائٹی کا کام ہے۔ وہ سیمینار میں بھی لوگوں کا دکھ سنتے ہیں اور پیسے لے کر بھی گھنٹوں کے حساب سے لوگوں کی بات اور درد سنتے ہیں۔ وہ معاشرے جن کی بڑی تعریفیں ہوتی ہیں انہوں نے خود کو آپس میں جوڑا ہوا ہے۔

یہ بابے کچھ نہیں کرتے۔ یہ کوئی معجزے یا کشف کے ماہر نہیں ہوتے۔

یہ چھوکر کچھ ٹھیک کرنے کا ملکہ نہیں رکھتے۔ یہ ایسے ہی بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ اپنی طرز کے سائیکوتھراپسٹ ہوتے ہیں، وہاں لوگ اپنا دکھ لے کر جاتے ہیں۔

میں گذشتہ دنوں ایک بابے کے پاس گیا ہوا تھا۔ یہ میں نے ایک اور بابا تلاش کیا ہے جو چوہنگ کے پاس رہتا ہے۔ وہاں ایک شخص نے کہا کہ اس نے 40 ہزار کی کمیٹی ڈالی تھی لیکن کوئی سارے پیسے لے کر بھاگ گیا ہے۔

بابا جی نے سب سے کہا کہ "دعا کرو کہ محمد شریف کی خدا مدد کرے اور اس ظالم کا کوئی بندوبست کرے۔" وہیں پر ایک آدمی بولا کہ "کمیٹی کس کے پاس ڈالی تھی۔"

اس نے کہا کہ "فلاں بندے کے پاس ڈالی تھی۔"

اس شخص نے کہا کہ "وہ اس شخص سے بات کرے گا اور تین دن کے اندر تجھے پیسے واپس نہ دلوا دیئے تو پھر کہنا۔"

دیکھئے اس طرح ایک رُخ پیدا ہو گیا۔ ایک بندے نے دکھ بیان کیا اور دوسرے نے اس کے دکھ کے مداوے کی بات کی۔

اس میں بابے نے کچھ نہیں کیا تھا۔

وہیں پر ایک شخص نے کہا کہ "باباجی میں آپ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"باباجی نے کہا کہ "بھئی علیحدگی میں کیوں بات کرتے ہو یہیں کرو۔"

اس نے کہا کہ "جی میں عزت دار آدمی ہوں۔ میں نے بات خفیہ طریقے سے ہی کرنی ہے۔"

باباجی نے کہا کہ "سارے ہی عزت دار ہیں اور عزتیں سب کی سانجھی ہیں۔ تم گھبراؤ مت بلکہ بات کرو۔"

اس نے کہا کہ "جی میں ایک جگہ کام کرتا تھا۔ وہاں کے کارخانے دار نے مجھے نوکری سے نکال دیا ہے۔ وہ بڑا ظالم تھا۔ وہ بیچارہ وہاں سے آٹھ دس ہزار روپے لیتا تھا۔

اس نے کہا کہ اب اس کی مالی حالت بہت خراب ہو گئی ہے اور میں نے جو قرضہ لیا ہوا ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اس کا ماہانہ Interest یا بیاج جو ہے وہ بائیس سو کے قریب ہے۔ وہ ادا کرنا مشکل ہو گیا ہے جس کے باعث میں چاہتا ہوں کہ مر جاؤں۔ آپ براہِ کرم اس کے لیے دعا کریں۔"

وہاں بیٹھے چالیس پچاس لوگوں پر تکلیف دہ ہیبت طاری ہو گئی۔ وہاں ایک میجر صاحب بیٹھے تھے۔

انہوں نے اس شخص کو اپنا کارڈ دیا اور کہا کہ تم پرسوں آ جانا اور تم پرسوں سے اپنے آپ کو ملازم سمجھو۔ میری یونٹ میں ایک ملازم کی ضرورت ہے۔ وہاں تمہیں زیادہ تو نہیں ساڑھے پانچ ہزار ملا کریں گے۔

یہ سن کر اس شخص کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھا۔

انسان کا انسان سے دکھ بیان کرنے کا یہ فائدہ ہوتا ہے۔ میری ان باتوں پر کچھ لوگ اعتراض بھی کرتے ہیں۔ ان کا ہو سکتا ہے یہ اعتراض درست بھی ہو اور وہ کہتے ہیں کہ میں اس جدید دور میں کیسی بابوں کی باتیں لے کر بیٹھ جاتا ہوں۔ لاہور میں نیو کیمپس کے پاس ایک سندھی بابا تھے۔ ان کا حضرت سخی سائیں غازی نام تھا۔ میں کبھی کبھی ان کے پاس جاتا تھا۔ بڑی دیر کی بات ہے۔ تب نہر کا پل نہیں تھا اور وہاں ایک شہتیر رکھا ہوا تھا جو پل کا کام کرتا تھا۔ اس پر بڑا بیلنس کر کے گذرنا پڑتا تھا۔ ایک بار میرے ساتھ میری بیوی بانو قدسیہ بھی گئی اور اس پل سے گرتے گرتے بچی۔ اس کے بعد میں نے اسے منع کر دیا کہ آپ کنارے پر کھڑی رہا کریں ہم مل کر آ جایا کریں گے۔ حضرت سخی سائیں کا ایک اچھا ڈیرہ تھا۔ بڑا خوبصورت اور صاف ستھرا ڈیرہ تھا۔ وہاں ہر وقت پتہ نہیں کیوں ایک کوئل بولتی رہتی تھی۔ وہاں ایک دن ایک بندہ آیا۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی تھی۔ اس نے وہاں آ کر کہا کہ "جی میں پانی پینا اے۔"

بابا جی نے کہا کہ "لو جی ایہنوں چا پیاؤ' خدائی مہمان آیا اے۔"

(اسے چائے پلائیں یہ خدا کا مہمان ہے کیونکہ ہم نے تو بلایا نہیں اسے خدا نے ہمارے پاس بھیجا ہے)۔

اسے چائے پلائی گئی اور اس کے ساتھ سوکھے بسکٹ (رسک) بھی دیئے گئے۔

سندھی سائیں اس سے پوچھنے لگے کہ "کہاں جا رہے ہو۔"

اس نے کہا کہ "جی میں لاہور جا رہا ہوں۔"

اس نے بتایا کہ "میرے ساتھ میری بیٹی ہے۔ اسے بیاہے ہوئے چار پانچ ماہ ہوئے ہیں۔ اس کو سسرال والوں نے مارا پیٹا ہے۔"

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خواتین و حضرات! میں نے سسرال میں یہ دیکھا ہے کہ ساس اتنی بری نہیں ہوتی۔ ایک چڑیلیں نانئیں (نندیں) بھی ہوتی ہیں۔ وہ بڑا پیچھے پڑتی ہیں۔

اس نے بتایا کہ "میں نے اس کا اب کاغذ (طلاق) لے لینا ہے۔"

سائیں صاحب کہنے لگے کہ "نا بھئی نا۔ تم اس کا کاغذ نہیں لو گے۔"

"ایہہ ساڈھی دھی اے' ایہہ ہن بابا تیری دھی نہیں' اسیں جانیے تے ساڈا کم جانے۔"

وہ لڑکی روتی آ رہی تھی یہ سن کر وہ کچھ تگڑی ہو گئی۔

بابا جی نے کہا "بیٹی اب جو بھی تجھے تکلیف ہو تم نے آ کر ہم سے بیان کرنی ہے۔ اپنے ابے سے بات نہیں کرنی جو چیز چاہیے اب ہم سے ہی لینی ہے اور ہمیں ہی بتانا ہے۔"

اس کے بعد بابا جی نے وہاں بیٹھے ایک گاؤں کے ذیلدار سے کہا کہ تم گھوڑے پر کاٹھی ڈالو اور اس گاؤں کے ذیلدار سے جا کر کہو کہ "یہ ہماری بیٹی ہے جسے تم نے نکال دیا ہے۔ اس کے ذمہ دار تم ہو۔"

وہ کوئی پانچ چھ میل دور تھا۔ میں اب سوچ رہا تھا کہ ذیلدار گاؤں کا سردار ہوتا ہے یہ کیسے جا رہا ہے۔

میں نے اس سے پوچھا کہ "آپ کیوں جا رہے ہیں۔"

وہ کہنے لگا کہ جی "امر ہو گیا ہے۔"

اب وہ لڑکی وہاں بیٹھی تھی۔ جب شام کو اس کے باپ نے کہا کہ چلو بیٹی چلیں تو اس نے کہا کہ نہیں ابو میں نے نہیں جانا۔ مجھے واپس میرے سسرال چھوڑ آئیں۔ اس کے باپ نے کہا کہ "تو کمال پئی کر دی ایں' تینوں مارن کٹن گے۔" لیکن اس لڑکی نے کہا کہ "نہیں مجھے چھوڑ آئیں۔"

بابا جی بڑے خوش ہوئے' کہا کہ "کسی کی جرأت نہیں کہ ہماری بیٹی کو ہاتھ لگائے۔ ہم خود چھوڑ کر آئیں گے۔"

خواتین و حضرات! کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ بابا جی نے کچھ نہیں کیا۔ بس ایک بندے نے ایک بندے کی بات سنی اور مسئلہ حل ہو گیا۔ بچو! میں جعلی لوگوں کی بات نہیں کر رہا۔ آرمی کا ایک اصلی میجر ہوتا ہے اور ایک نقلی۔ وردی پہن کر دکانوں سے پیسے لے جاتا ہے۔ وہ اصلی میجر یا تھانیدار نہیں ہوتا بلکہ نقلیا ہوتا ہے۔ میں اصل لوگوں کی بات کر رہا ہوں۔

یہ وہ وقت ہے جو انتہائی خوفناک اور خطرناک ہے جس میں ہمیں حکومت کو ایک طرف کر کے خود آگے بڑھ کے ان لوگوں کے لیے جیسا کیسا' گندا مندا کندھا تیار کرنا ہے جس پر وہ سر رکھ کر رو سکیں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اور کچھ نہیں دینا۔ ایک پیسہ بھی نہیں دینا۔ بس دتے میں سے دینا ہے۔ وہ گروہ انسانی جو ہمارا ہے کچھ لگتا ہے ہم جس میں سے ہیں انہیں وقت دینا ہے۔ وگرنہ صورت حال گمبھیر اور خطرناک ہو جائے گی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ دہشت گردی نفسیاتی الجھن کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے جس نے انسانوں کو ایک دوسرے سے دور کر دیا ہے اور ان کے درمیان یگانگت اور محبت ختم کر دی ہے لیکن اس کے لیے ایسے ہی کوشش کرنی پڑے گی جس طرح سویاں بٹنے اور روٹی پکانے کے لیے کرنی پڑتی ہے۔

آئندہ سے ہمیں یہ کوشش ضرور کرنی چاہیے اور میں یہ بات اپنے آپ سے زیادہ کہہ رہا ہوں کیونکہ آپ کو تو خدا نے یہ صلاحیت دی ہے کہ آپ دوسروں کے لیے ہمدردی رکھتے ہیں۔ مجھ میں شاید یہ کمی ہے۔

ایک دن میں اپنے پوتے سے کہہ رہا تھا کہ ''بلال میاں' میں اپنے اللہ کو مان کے مرنا چاہتا ہوں۔''

وہ کہنے لگا کہ ''بابا تم تو بہت اچھے آدمی ہو۔''

میں نے کہا ''نہیں مجھے میرے ابا جی نے کہا تھا کہ ایک اللہ ہوتا ہے اور میں نے یہ بات مان لی اور اللہ کو ماننے لگا۔''

میں اللہ کو خود سے ڈائریکٹ ماننا چاہتا ہوں۔ بس خدا پر یقین کی ضرورت ہے۔ میرے ابا جی بتایا کرتے تھے کہ ایک دن ان کے ہاتھ دفتر میں کام آنے والے ملازم کی تنخواہ چوری ہو گئی تو سب نے کہا کہ یار بڑا افسوس ہوا۔ تو وہ کہنے لگے کہ ''خدا کا شکر ہے نوکری تو ہے۔''

ایک ماہ بعد خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کی نوکری بھی چلی گئی۔

لوگوں اور ابا جی نے ان سے افسوس کیا تو کہنے لگے جی ''خدا نے اپنا گھر دیا ہے' اندر بیٹھ کر اچار روٹی کھا لیں گے۔ اللہ کا فضل ہے۔ پرواہ کی کوئی بات نہیں۔''

یہ خدا کی طاقت تھی۔

مقدمے بازی میں کچھ عرصہ بعد اس کا گھر بھی فروخت ہو گیا۔

وہ پھر بھی کہنے لگا کہ ''فکر نہیں میرے ساتھ میری بیوی ہے۔ یہ بیالیس سال کا ساتھ ہے۔

بیوی فوت ہوئی تو اس نے کہا کہ ''کوئی بات نہیں' میں تو زندہ سلامت ہوں' تندرست ہوں۔''

وہ شوگر کا مریض تھا اس کی ایک ٹانگ کٹ گئی۔ میرے والد نے کہا کہ ''بہت برا ہوا۔''

اس نے کہا ''ڈاکٹر صاحب ایک ٹانگ تو ہے۔''

بیماری بڑھنے کے بعد اس کی دوسری ٹانگ بھی کٹ گئی۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میرے والد بتاتے ہیں کہ جب وہ فوت ہوا تو اس نے اپنی بہو سے کہا کہ "بیٹا کمال کا بستر ہے جس پر میں فوت ہو رہا ہوں۔ کیا خوبصورتی سے اس چارپائی کی پائینتی کسی ہوئی ہے۔ مزا آ رہا ہے۔"

ایسی طاقت اور قناعت پسندی کی ضرورت ہے۔ ایسی طاقت اس وجہ سے حاصل ہوتی ہے کہ وہ دوسرں کے لیے اپنا کندھا' بازو یا صرف اپنا کان کھلا رکھتے ہیں اور لوگوں کو سہارا Provide کرتے ہیں۔

میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوا۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

Wisdom of the East

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

ہمارے بابے کہتے ہیں کہ جب تک دنیا کی ساری لذتوں سے خود کو قطع تعلق نہیں کر لو گے اور انہیں چھوڑ نہیں دو گے اس وقت تک تمہاری سمجھ میں اصل بات نہیں آئے گی۔ آپ بہت کثیر المقاصد لوگ ہیں۔ سب سے پہلے اپنے مقاصد کا تعین کرنا ہوگا۔ ہم لوگ لذتوں اور ناحق کے مقاصد پر عمل پیرا ہیں، جیسا کہ میری بیوی کہتی ہے کہ وہ نوکری بھی کرے، روٹی بھی پکائے، آٹا بھی گوندھ لے، ٹیلیفون بھی سن لے، چغلی میٹنگ میں بھی شرکت کرے۔ اس کے بعد بازار بھی چلی جائے، درزی سے بھی ہو آئے لیکن ایسے تو نہیں ہوتا ہے نا۔ اتنے سارے مقاصد کو آپ ایک ساتھ کیسے چلا سکتے ہیں یا پا سکتے ہیں۔

وہ کہتے تھے کہ باہر کے سارے پٹ ''بھیڑ'' (بند کر دو) دو تو پھر اندر کا دروازہ کھلتا ہے۔ جب باہر کے پٹ کھلے رہیں گے تو اندر کا دروازہ نہیں کھلے گا۔ ہم بابا جی سے ضد کیا کرتے تھے کہ بابا جی ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم تو ایک خاص وضع کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ایک انداز زیست پر چل رہے ہیں لیکن وہ بار بار سمجھاتے تھے کہ آپ کو سب راستوں میں سے ایک راستہ ضرور اختیار کرنا ہے۔ بڑا کام کرنے کے لیے ایک راستہ اپنانا ہوگا۔ وہ بڑا کام چاہے روحانیت کا ہو، چاہے انسانیت کا ہو یا مادیت کا، اور چاہے وہ کام دین کا ہو۔ ہم کئی جگہوں پر خود کو تسلیم کر کے کوئی بڑا کام یا معرکہ نہیں مار سکتے۔ ہمیں اپنے ایک ٹارگٹ کا تعین کرنا ہوگا اور پھر آپ نے اس پر نشانہ باندھنا ہے۔ اگر آپ کے ساتھ چھوٹی موٹی لیریں قطیریں چمٹی آئیں گی تو اس سے آپ حتمی فیصلہ نہیں کر پائیں گے۔ ہمیں بابا جی کی اس بات کا بڑا دکھ ہوتا تھا۔ حضرت بابا بلھے شاہؒ سرکار اپنے مرشد شاہ عنایتؒ کے پاس لاہور آئے۔ وہ اپنے مرشد کے پاس عموماً آتے رہتے تھے۔ اپنے مرشد سے کبھی جھگڑا کرتے، کبھی ان کے سامنے ناچتے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ایک بار حضرت بابا بلھے شاہؒ نے اپنے مرشد سے پوچھا کہ سرکار میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے باطن کے سفر میں اللہ تک پہنچ جاؤں۔ آپ مجھے بتائیں کہ میں خدا تک کیسے پہنچوں۔ اس پر حضرت شاہ عنایتؒ نے فرمایا کہ "تمہیں کسی چیز سے محبت ہے۔"

انہوں نے کہا کہ "مجھے کسی خاص چیز سے تو محبت نہیں ہے۔ میں تو سادات کا ایک لاڈلا بچہ ہوں اور اچھی زندگی بسر کر رہا ہوں۔"

ان کے مرشد نے کہا کہ "پھر بھی، تمہیں کوئی سی چیز تو اچھی لگتی ہوگی۔"

بابا بلھے شاہؒ نے کہا کہ "مجھے اپنی بھینس بہت پیاری ہے۔"

سرکار شاہ عنایتؒ نے کہا کہ "ٹھیک ہے اللہ کو چھوڑ و اپنی بھینس سے ہی محبت کرو۔" بلھے شاہؒ نے فرمایا کہ "جی مرشد بہت اچھا' آپ نے جو فرمادیا ہم تو اس بات کو مانتے ہیں" اور تشریف لے گئے۔

اس کے ساتھ پھر کوئی مہینہ چالیس دن وہ اپنے گھر پر رہے۔ پھر مرشد سے ملنے کا خیال آیا تاکہ ان سے ملاقات ہو اور اپنا احوال بھی بیان کیا جائے۔

جب حضرت بلھے شاہؒ اپنے مرشد شاہ عنایتؒ کے دروازے پر آئے تو محسوس کیا کہ جیسے سینگ دروازے سے نہیں گزر سکیں گے۔ اب وجہ یہ تھی کہ بلھے شاہؒ نے مرشد کے حکم کے مطابق خود پر بھینس کی کیفیت طاری کر لی تھی اور ان کی ساری ذات بھینس میں بدل گئی تھی۔ جب انسان خود پر اس طرح کی بے اختیاری طاری کر لے جو ہر انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ ہم بھی ساری عمر اس آرزو میں لگے رہے ہیں لیکن ہم سے اس طرح کی کیفیت کا پلو پکڑا جاتا نہیں ہے لیکن ٹیچر' مرشد' گرو بتاتے رہتے ہیں کہ آپ کو پہلے اپنا آپ پہچاننا ہے اور اپنی ذات کا تجزیہ پہلے کرنا ہے۔ جب آپ اپنی ذات میں موجود چیزوں تک رسائی حاصل کر لیں گے اور انہیں دبوچ لیں گے تو پھر آپ کو آسانیاں ملنی شروع ہو جائیں گی۔

خواتین و حضرات! مجھے واقعی ہی نہیں پتہ ہے کہ میں کون ہوں؟

جب میں چھوٹا سا تھا تو میں ایک معصوم بچہ تھا۔ پیارا اور اچھا بچہ تھا۔ نیک اور مخلص ہی تھا۔ میں اپنے آپ کو جانتا تھا' اپنے کھلونوں کے حوالے سے اور اپنے ماں باپ کے حوالے سے۔

ایک دن میری خالہ ہمارے گھر آئیں اور انہوں نے مجھے دیکھ کر میری ماں سے کہا "آپا یہ تو بہت پیارا بچہ ہے۔ یہ تو بھائی جان جیسا ہے۔ میں نے پہلی دفعہ یہ بات سنی کہ میں تو اباجی جیسا ہوں۔"

اس احساس سے میری معصومیت کم ہونا شروع ہو گئی اور میں اباجی بن گیا۔

ایک دفعہ پھر میری دوسری ماسی یا پھوپھی آئیں تو انہوں نے میری تعریف کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو ماشاءاللہ بڑا ذہین بچہ ہے اور ذہانت میں اپنے بڑے بھائی سے بھی بڑھ کر ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں نے سوچا کہ چلو بات بنی اب تو میں اپنے بڑے بھائی کو بھی کاٹ گیا ہوں۔

خواتین و حضرات! میں' آپ' لاہور میں بسنے والے اور سب انسان پوری کائنات میں ہر شخص اپنے Self کے بارے میں نہیں جانتا ہے اور سب نے اپنے اردگرد چھوٹی تختیاں اور سائن بورڈ لٹکا رکھے ہیں۔ کسی نے سنگلی ڈال کر اس تختی کو گلے میں ڈال رکھا ہے جس پر ذہین لکھا ہے۔ کسی نے رائٹر' کسی نے ماہر نفسیات' کسی نے ڈاکٹر لکھوا رکھا ہے جبکہ انسان کی اپنی ذات کہیں نیچے چھپی ہوئی ہے۔ مراقبہ کرنے سے انسان کو اپنے اندر کے حال کا پتہ چلتا ہے۔ ہمارے بابا جی نے ہمیں مراقبہ کرنے کا طریقہ سکھایا کہ کس طرح سے بیٹھنا ہے' کیا کرنا ہے؟

آئندہ پروگراموں میں بھی اس بابت بات ہوتی رہے گی۔ اب میں نے اپنی شوخی اور جنٹلمینی میں کئی شوق پال رکھے تھے اور میں اونچی سوسائٹی میں بھی آنا چاہتا تھا' اس گھمنڈی شوق کے پیش نظر میں گالف کھیلنے لگا۔ ایک دفعہ میں اور میرے طرح کے دیگر دوستوں نے کہا کہ موسم بہت اچھا ہے' گالف گراؤنڈ میں چلتے ہیں۔ جب ہم وہاں گئے تو وہاں کئی شوقین مزاج لوگ گراؤنڈ میں جمع تھے حالانکہ وہ صبح کا وقت تھا اور ایک ورکنگ ڈے تھا۔ ان لوگوں میں ایک سنہرے بالوں والا گورا بھی تھا۔ وہ بڑا صحت مند' خوبصورت اور صاف ستھرا تھا۔ جب وہ ساتھ چلتا تھا تو سامان کا تھیلا اٹھانے والا بھی اس کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چلتا۔ حالانکہ عام طور پر کھلاڑی اور تھیلا اٹھانے والا دور دور چلتے ہیں۔ ہٹ لگانے والے آخری مقام پر پہنچ کر اس گورے نے جب ہٹ لگائی تھی تو اس کے سامان پکڑنے والے نے گیند رکھی۔

خواتین و حضرات! ہول اور گیند میں کم سے کم بارہ فٹ کا فاصلہ تھا۔ گورے نے سٹک پکڑی' تھوڑی دیر اپنا وزن تولا اور اس خوبصورت انداز میں ہٹ کیا کہ گیند سیدھی ہول میں جا گری۔

ہم سب نے تالی بجائی' اس گورے نے بھی اپنا ہاتھ اوپر اٹھا کر خدا کا شکریہ ادا کیا' جب اس نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا تو ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ اندھا تھا۔ اس کی دونوں آنکھیں پتلیوں سے محروم تھیں اور بالکل سفید تھیں۔ ہم سب اس کے گرد جمع ہو گئے اور ہماری حیرانی کی انتہا نہ تھی کہ ایک اندھا شخص کہاں سے چلا' کہاں پہنچ کر اس نے ہٹ لگائی لیکن ہم میں سے کسی ایک کو بھی اس کی معذوری بارے شائبہ تک نہیں ہوا۔

وہاں ہمارے ایک ریلوے کے آفیسر دوست بھی تھے۔ اس نے اس گورے سے کہا کہ

Excuse me Sir, whether you are blind?۔

اس نے جواب دیا کہ You have to be blind to see.

(جب تک آدمی اندھا نہیں ہوتا اس وقت تک وہ دیکھ نہیں پاتا ہے۔)

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پیارے بچو! اب یہ بات جو میں نے اس اپنے باباجی سے سنی تھی مجھے اس کی یہاں ایک مثال ملی۔

اس نے ہمیں بعد میں بتایا کہ برما کے محاذ پر وہ بطور کیپٹن تعینات تھا تو ایک بم کے پھٹنے سے اس کی تیز روشنی نے چشم زدن میں اسے اندھا کر دیا۔ پھر میں نے تہیہ کر لیا کہ میں زندگی بسر کروں گا اور ''سجاکھے'' (بینا) انسانوں کی طرح کروں گا۔ اس گورے نے بتایا کہ اس نے بعد از اں ایک کھیلوں کا سامان بیچنے والی دکان پر نوکری کر لی۔ دو تین بار تو میری بیوی مجھے وہاں تک چھوڑنے گئی پھر میں نے اس سے کہا کہ میں اب اکیلا ہی جایا کروں گا۔ میں بس پر جاتا تھا اور بس پر سے ایک خاص مقام پر اتر کر پھر کھمبوں کو ہاتھ لگا کر ایک اندازے سے گھر کی طرف جاتا تھا۔ میں نے گھر کے درست راستے کا تعین اس طرح سے کیا کہ موٹے کھمبوں کے بعد پھر چھوٹے کھمبے آتے تھے پھر دس قدم چلنے کے بعد مجھے ایک بیکری سے تازہ ڈبل روٹی بننے کی خوشبو آنے لگتی تھی تو میں خیال کرتا کہ میں درست سمت میں جا رہا ہوں اور مجھے کنفرم ہو جاتا کہ I am on the right track۔ یہ سب اسے ایک طرف توجہ ہونے سے میسر ہوتا تھا۔ لیکن ہم کثیر المقاصد جو لوگ ہیں ہم یہ بھی کرنا ہے وہ بھی کرنا ہے کے چکروں سے نہیں نکلتے اور کچھ بھی نہیں کر پاتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم نے نماز بھی پڑھنی ہے روٹی بھی پکانی ہے چوری بے ایمانی بھی کرنی ہے اور بھی فلاں فلاں کام کرنے ہیں۔ وہ گورا بتاتا ہے کہ جب بیکری کی خوشبو کچھ ماند پڑ جاتی تھی اور پٹرول اور ڈیزل کی Smell شروع ہو جاتی تو پھر میں سمجھتا کہ ٹھیک راستے پر گامزن ہوں۔ وہاں آگے بارہ قدم چل کر مجھے Left میں گھومنا ہوتا تھا اور میں اس پٹرول پمپ سے Left گھوم کر گلی میں چلتا جاتا تھا اور سڑک پر بنے تیسرے سپیڈ بریکر پر جب میرا پاؤں پڑتا تھا تو مجھے پتہ چل جاتا کہ اس سے پندرہ قدم کے فاصلے پر میری دکان ہے۔ پھر میں وہاں سامان بھی پہنچانے لگا اور میں نے گیم بھی شروع کرنے بارے سوچا اور کھیلتا رہا۔

جب آپ مراقبہ کرتے ہیں یا انشاء اللہ کریں گے اور آپ کو وقت ملے گا تو اس کا سب سے اہم تقاضا یہ ہوگا کہ آپ نے اور ساری باتوں کو چھوڑ کر توجہ ایک جگہ پر مرکوز کرنی ہے۔ توجہ بار بار دوسری طرف جائے گی جیسے نماز کے دوران کئی خیالات آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ذہن دوسری طرف بھاگے گا لیکن آپ نے اس کو پکڑ کے واپس نہیں لانا بلکہ ڈھیلا چھوڑ دینا ہے۔ خود کو مشکل نہیں ڈال لینی۔

خدا نے انسان کو جانور سے افضل تر قرار دیا ہے اور وہ ہے بھی۔ اس کو کم از کم اپنے ذہن کے اوپر اتنا کنٹرول تو ہونا چاہیے کہ وہ اس کو Still کر سکے۔ انسان تو ہاتھی، گھوڑے اور خونخوار شیروں کو رام کر لیتا ہے، یہاں آ کر مار کھا جاتا ہے۔ ذہن آپ کے قابو میں نہیں آتا ہے لیکن جو لوگ صاحبِ حال

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہیں وہ ذہن کو بھی قابو میں رکھتے ہیں اور پھر اس کا آہستہ آہستہ فائدہ ہونا شروع ہوتا ہے۔ اس حوالے سے جب آپ درجہ کمال کو پہنچتے ہیں تو ضروری نہیں کہ اس کا کوئی مادی فائدہ ہو یا آپ کو اس کے فوائد کا واضح طور پر پتہ چلے جیسا کہ آپ چہرے پر کریم یا پاؤڈر لگا لیتے ہیں' تو آپ کو اور لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے لیکن اس معاملے میں آپ کو پتہ نہیں چلتا کہ کچھ تبدیلی آ رہی ہے لیکن تبدیلی آ رہی ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی آپ کے مزاج' طبیعت اور وجود میں نمایاں طور پر آ رہی ہوتی ہے۔ اس کا یقین وہ لوگ دلاتے ہیں جو آپ کے اردگرد ہوتے ہیں۔ اس گورے کا نام مسٹر اوسوال تھا۔ اس کی طرح جب آپ صحیح نشانے پر اپنا نشانہ لگاتے ہیں اور آپ کڑی کمان بن جاتے ہیں جس طرح ایک نظم میں کہا گیا ہے کہ ؂

ایسی کڑی کماں ہے محمد علی جناحؒ
ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناحؒ

تو آپ کو مقاصد کا حصول شروع ہو جاتا ہے۔

پیارے حضرات! اگر کڑی کمان نہ ہوئے تو پھر زندگی کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔ پھر تم ہم جانوروں کی طرح ہی ہوئے کہ کھایا' پیا' دو چار بندوں سے علیک سلیک کیا اور چلے گئے اور اپنا مال بھی چھوڑ گئے۔ بندے کو جیسے تیسے اپنا مال چھوڑنا ہے اور بہتر یہ ہے کہ ایسا مال ہو جو مثبت کی طرف لے جائے۔ ذہن پر کنٹرول اور مقاصد پر درست نشانے کے فن کے لیے مغرب بڑا بے چین ہے۔ مشرق میں یہ بات ہے۔ مغرب والے آرزو رکھتے ہیں کہ ہم کو بھی یہ تعلیم دی جائے۔ ہم اس کے بارے میں جانیں۔ میں جب روم یونیورسٹی میں پڑھاتا تھا تو ایک ہی بات کا بار بار ذکر ہوتا تھا کہ ہمیں Wisdom of the East کے بارے میں بتائیں۔ اب مجھے خاک علم تھا کہ یہ کس بلا کا نام ہے۔ میں نے تو یونیورسٹی سے ایم۔ اے کیا پھر وہاں (روم) چلا گیا۔ نوکری مل گئی' موج لگ گئی۔ اب میں ان کے اس سوال پر چھپتا پھرتا تھا کیونکہ مجھے Wisdom of the East کا علم ہی نہیں تھا۔

اب میں جان چھڑانے کے لیے ان سے کہتا کہ آپ کو اللہ نے بڑی دانائی سے نوازا ہے اور آپ کی Wisdom ہم East والوں پر بڑی بھاری ہے۔ آپ ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ بندہ مار دیتے ہو اور آپ کے پاس یہ بڑی صلاحیت ہے۔

خواتین و حضرات! یہ ولایت والوں کے پاس ایک بہت بڑی خوبی ہے۔

"بش کہتا ہے کہ افغانستان میں کارپٹ بمباری کرو۔" یہ ایسی بمباری ہے جیسے قالین بنتے ہیں۔ اس طرح کی یہ بمباری ہوتی ہے اور اس میں انچ انچ پر گولے برسائے جاتے ہیں۔

بش ڈیزی کٹر ہتھیار پر بڑے نازاں ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ یہ پتھر کی چٹانوں کو آن کی آن

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں ریت کے ذروں کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے اور آکسیجن ختم کر دیتا ہے۔ افغانستان میں جب ان ہتھیاروں کو آزمایا جا رہا تھا تو ایک صاحب مجھے کوئٹہ میں ملے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ بمباری کی جگہ سے آدھے میل کے فاصلے پر تھا لیکن آکسیجن کی کمی اتنی زیادہ تھی کہ میرا پیٹ میرے منہ میں آ گیا ہے اور دم گھٹ رہا تھا۔ مغرب کی توجہ زیادہ اسی طرف ہے کہ آدمیوں کو کس طرح سے ختم کیا جائے۔ اس شخص مسٹر کلاشنکوف نے ایک اوزار بنایا تھا۔ اس نے جو ہتھیار بنایا ہے اس سے صرف آدمی ہی مارا جا سکتا ہے۔ اس کے بنانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ لوگوں کا گروہ بیٹھا ہو تو کس طرح سے اسے ختم کرنا ہے۔ اس ہتھیار (کلاشنکوف) سے ہاتھی کا شکار نہیں کر سکتے' وہ صرف آدمی مارنے کے لیے ہی بنائی گئی ہے اس کی یہ خوبی ہے۔ آپ نے کئی لوگوں کو دیکھا ہوگا جو آپ کو اور ہمیں خوفزدہ کرنے کے لیے کندھے پر لٹکائے پھرتے ہیں۔ روحانیت کی اس دنیا میں اس بات کا بار بار تقاضا ہوتا ہے کہ جب تک آپ اپنے آپ کو نہیں جانیں گے' بات نہیں بنے گی۔ جب تک مسٹر بش اپنے آپ کو نہیں جانے گا کہ وہ کون ہے' اسے پتہ ہی نہیں چلتا۔ وہ ایک ایسی روش پہ چلا جا رہا ہے جو تباہی کی جانب جاتی ہے۔ جب آپ مراقبہ کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں تو آپ کو اپنا پتہ چلتا ہے۔ آپ اس مراقبے میں خود کو تلاش کرتے ہیں لیکن مراقبہ آسانی میں ہونا چاہیے۔ ہمارے مرشد بھی ہمیں یہی کہتے ہیں کہ "اپنی جان کو مشکل میں نہ ڈالو۔ آسانی میں رکھو۔"

یہ چیز آپ کے اندر کو خوبصورت بنانے اور اجالنے میں اہم کردار ادا کرے گی۔

جیسے ہم میک اپ کرتے ہیں اور سرخی پاؤڈر' کاجل' آئی شیڈ و لگا کر خود کو خوبصورت بنانے کے لیے کئی "بکھیڑے" کرتے ہیں۔ اسی طرح مراقبہ بھی اندر کو خوبصورت تر کرتا ہے۔ اندر کے میک اپ کی بھی بڑی ضرورت ہے۔ اگر آپ اندر کا میک اپ کیے بغیر چلے گئے تو پھر آپ کا جانا ایسا باعثِ افتخار جانا نہیں ہوگا۔

وہ گورا او سوال مکمل اندھا ہونے کے باوصف ایسی خوبصورت شارٹ کھیلتا تھا کہ ہم "سجا کھے" ویسی نہیں کھیل سکتے اور اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور وہ بابا جو ایک گھاس پھوس کی جھونپڑی میں بیٹھا ہے' وہ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی اتنا طاقتور ہے کہ وقت کے بادشاہ جوتے اتار کر اس کی جھونپڑی میں اسے سلام کرنے کے لیے آتے ہیں۔

وہ کیوں آتے ہیں؟ اس کے پاس ایسا کیا ہے؟

اس پر آپ غور کیجیے گا۔ آئندہ پھر بات ہوگی۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خالی کینوس

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

ہماری زندگیاں کچھ ایسی ہو گئی ہیں اور اس میں کچھ ہماری مجبوری بھی ہے کہ ہم بھرے ہوئے کو چاہتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ "خالی" کی ہماری زندگی میں کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن جوں جوں آپ کو موقع ملے اور آپ غور کرتے جائیں تو یہ بھی ویسی ہی اہمیت کا حامل ہے جیسی کہ بھری ہوئی چیز ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بڑے نبی کو عبادت کدہ تعمیر کرنے اور پھر وہاں کھڑے ہو کر لوگوں کو آنے کی دعوت دی ہوگی تو اس نے سوچا ہوگا کہ اس ویران عبادت کدے میں کون آئے گا؟ لیکن جب اس نے وہاں لوگوں کو خدا کی طرف پکارا ہوگا تو وہ یہ دیکھ کر حیران ضرور ہوا ہوگا کہ اس کی اذان پر کتنے ہی لوگ کچے دھاگے سے بندھے چلے آ رہے ہیں اور آتے ہی جا رہے ہیں۔

ایسے ہی دن تھے اور ایسا ہی موسم تھا کہ ہم ڈھاکہ سے "کاکس" بازار کی طرف پرواز کر رہے تھے۔ ہوا یوں تھا کہ مشرقی پاکستان کے شاعروں' ادیبوں' فنکاروں اور گلوکاروں نے مغربی پاکستان کے فنکاروں اور دیگر آرٹسٹ حضرات کو اپنے ہاں دعوت دی تھی۔ ہم تقریباً 50 لوگ تھے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو ہمیں وہ جگہ اپنے گھر سے بھی پیاری اور بھلی لگی کیونکہ اپنے عزیز و اقارب کا گھر اپنے گھر سے بھی پیارا ہوتا ہے۔ ہم وہاں رہے' مشرقی پاکستان کے ہمارے میزبانوں نے کہا کہ ہم مغربی پاکستان کے مہمانوں کو اپنا ملک دکھانے کے لیے ملک کے مختلف گوشوں اور کونوں میں لے جائیں گے۔ مہمانوں کی بڑی تعداد نے سندر بن دیکھنے کی خواہش کی اور کچھ نے کہا کہ ہم چٹاگانگ کے پہاڑی مناظر کی سیر کریں گے جو بڑی عمر کے لوگ تھے انہوں نے کہا کہ ہم اتنا سفر تو نہیں کر سکتے البتہ ہم دریائے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کرنافلی کا نظارہ کریں گے۔ ہم تین مہمانوں نے کہا کہ اے پیارے میزبانوں آپ ہمیں کاکس بازار لے جائیں۔

خواتین وحضرات! یہ بازار سمندر کا وہ خوبصورت ساحل ہے جس سا دنیا بھر میں کوئی ساحل نہیں ہے۔ یہ ساحل ساٹھ میل کی دوری تک سمندر کے بالکل ساتھ ساتھ چلتا ہے اور اس کی زمین باوصف اس کے کہ سمندر کی ریت سے بنی ہے لیکن ایسی پختہ اور مضبوط ہے کہ ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے اس پر اینٹوں کا کام کیا گیا ہو۔ جیسا کہ لاہور کے شاہی قلعہ کا دیوان عام پختہ بنا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر اس ساحل پر جیپ بھگائی جائے تو ریت کا ایک ذرہ بھی نہیں اڑتا۔ سیاح بڑی دور دور سے اسے دیکھنے آتے ہیں۔ ہمیں بھی لالچ تھا کہ ہم وہاں پر دھوپ سینکتے ہوئے کیکڑے دیکھیں گے۔ وہاں سمندر سے نکل کر اتنی بڑی تعداد میں کیکڑے آ کر بیٹھتے ہیں کہ حد نگاہ تک ہوتے ہیں اور ان کی تعداد کا شمار کرنا بالکل ناممکن ہوتا ہے۔ وہ لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ لوگ ان کا نظارہ کرنے کے لیے جب جیپ دوڑاتے ہیں تو وہ کیکڑے جیب کے آگے بھاگتے ہوئے دوبارہ سمندر میں جاتے ہیں اور یہ ایک ایسی عجیب دوڑ ہوتی ہے جو ایک سیدھ میں ہوتی ہے اور ایک مخصوص چوڑائی کے اندر ہوتی ہے۔ جن تین مہمانوں نے اس خوبصورت ساحل کو دیکھنے کی تمنا کی تھی ان میں غلام عباس (ممتاز افسانہ نگار ''آنندی'' کے خالق ہیں)' اعجاز بٹالوی اور میں تھا۔ جب ہم جہاز سے اترے تو اترنے سے قبل جہاز کے اندر ہی ایک بحث شروع ہوگئی۔ میں نے کہا کہ یہ سمندر اس وقت ''بھاٹا'' (اترائی) میں ہے۔ اعجاز بٹالوی کہنے لگے کہ ہیں کہ یہ ''جوار'' (چڑھائی) میں ہے۔ ہم اس بات پر کافی دیر لڑائی کرتے رہے اور اعجاز میری بات نہیں مان رہے تھے۔ اس پر ہم نے غلام عباس سے کہا کہ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ''بھاٹا'' اور ''جوار'' کو کبھی بھی اکیلے اکیلے استعمال نہیں کیا۔ جب بھی استعمال کیا ''جوار بھاٹا'' (مدوجزر) اکٹھا ہی استعمال کیا ہے۔ ایئر پورٹ پہنچنے کے بعد ہم نے کاکس بازار میں سب سے پہلا سوال وہاں کے سٹیشن منیجر سے کیا۔ وہ یہ تھا کہ ''سر آپ ہمیں یہ بتائیں کہ اس وقت سمندر مدوجزر کے اعتبار سے کس سمت میں ہے۔'' وہ کہنے لگے کہ ''اس وقت یہ اتراؤ میں ہے اور جب چاند نکلے گا تو پھر اس میں چڑھائی شروع ہوگی اور لہریں اوپر کو اٹھیں گی لیکن اس وقت یہ بڑا پرسکون ہے۔ آپ بھی وہاں جائیں گے تو دیکھیں گے کہ وہ نہایت خوبصورت شہر ہے اور وہاں کے لوگ بھی نہایت ہی خوبصورت اور ملنسار ہیں اور وہ ساحل بھی بہت ہی مہمان نواز ہے۔ جب ہم اپنا سامان ریسٹ ہاؤس میں رکھ چکے تو اعجاز بٹالوی کہنے لگے کہ ہم پہلے بازار دیکھتے ہیں پھر چائے یا کھانے بارے سوچتے ہیں۔ ہمارے ریسٹ ہاؤس کے قریب ہی ساحل تھا جو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہمیں نظر آ رہا تھا۔ کاکس بازار بھی نہایت کشادہ خوبصورت اور ستواں ہے۔ جب ہم بازار میں آہستہ آہستہ چلنے لگے تو بجائے کسی دکان میں جانے کے یا لوگوں سے ملنے کے ہم نے فیصلہ کیا کہ یہاں پر جو ایک بدھ لوگوں کی عبادت گاہ یا ایک بدھ ٹیمپل ہے اس کی زیارت کی جائے۔ وہاں تین چار بھکشو گیروے رنگ کے کپڑے پہنے کھڑے ہوئے تھے۔ جب ہم اندر جانے کے لیے اپنے بوٹوں کے تسمے کھولنے لگے تو ایک بھکشو نے کہا کہ "آپ نے تھوڑا سا ہی تو دیکھنا ہے آپ نے عبادت تو کرنی نہیں پھر آپ کیوں جوتے اتارتے ہیں ایسے ہی چلے جائیں۔"

اس پر غلام عباس نے اس سے کہا کہ "نہیں ہم داتا کی نگری سے آئے ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ کسی کی بھی عبادت گاہ ہو ہم وہاں پر جوتوں سمیت مت جائیں بلکہ احترام کو ملحوظ خاطر رکھیں چاہے تھوڑی دیر کے لیے ہی کیوں نہ رکنا ہو۔"

خیر ہم بوٹ وغیرہ اتار کر اندر چلے گئے۔ وہاں مہاتما بدھ کا ایک بہت بڑا پیتل کا پانچ چھ فٹ اونچا بت موجود تھا۔ وہ جو لوگ وہاں گیروے رنگ کے کپڑے پہنے کھڑے تھے ان بھکشوؤں سے اعجاز بٹالوی نے پوچھا کہ "آپ کہاں کے بدھ ہیں؟"

انہوں نے بتایا کہ "ہم پاکستانی بدھ ہیں!"

ہمیں یہ سن کر اور ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی کہ یہ تو ہمارے ہی ہیں۔ جب ہم زیارت کر کے باہر نکلے تو ایک وکیل کا دفتر جو کہ بانس سے بنا ہوا تھا وہ بڑا خوبصورت تھا اور باہر اس نے اپنے نام کا بورڈ "ایڈووکیٹ فلاں فلاں" لگایا ہوا تھا۔

اعجاز بٹالوی کہنے لگے کہ ان سے ضرور ملتے ہیں اور ہم ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ اعجاز اور وکیل صاحب عدلیہ کی باتیں سسٹم کی باتیں وکلاء کے حالات پر مبنی تکنیکی باتیں کرنے میں مصروف ہو گئے جبکہ میں اور غلام عباس نے کچھ دیر تو انہیں برداشت کیا خیر وہاں پھر اعجاز بٹالوی نے ان سے رہن کے حوالے سے سوال کیا کہ "رہن کا کیا قانون ہے اور کس طرح سے اس حوالے سے کام ہوتا ہے کیونکہ یہاں ہندو بنئے بھی ہیں جنہوں نے مسلمانوں اور بدھسٹوں کی جائیدادوں اور زمینوں پر قبضہ جما رکھا ہے اور آپ رہن اور گروی کے مقدمات کو کیسے ڈیل کرتے ہیں۔" یہ ایک باریک بات تھی جو لمبی چلتی رہی۔ وکیل صاحب نے کہا کہ آپ لوگ میرے بیٹے سے مل لیں وہ آرٹسٹ ہے اور ساتھ ہی انہوں نے اپنے بیٹے کو آواز دی۔

ان کی آواز کے بعد ایک نہایت خوبصورت گورا چٹا چوبیس پچیس برس کا نوجوان آ گیا۔ وکیل صاحب نے اپنے بیٹے کو ہماری بابت بتایا کہ "یہ ہمارے مہمان ہیں۔ یہ پچھمی پاکستان سے آئے ہیں۔" اس نوجوان نے ہمیں اپنا سٹوڈیو دکھانے کی دعوت دی۔ باپ کے دفتر کے پیچھے ہی اس کا باغ تھا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جس کے باہر اعلیٰ قسم کے بانس کے پودے تھے۔ ساتھ ناریل کے پیڑ تھے اور ان کے ساتھ اناس کے پھل دھاگہ باندھ کر لٹکائے گئے تھے۔ اس کے باغ میں موجود کمرے میں کئی ایک پینٹنگز لگی ہوئی تھیں۔ ہم وہاں بیٹھ کر اس سے باتیں واتیں کرتے رہے اور وہ بھی ہمارے بارے میں ہم سے سوالات کرتا رہا۔ اس سے غلام عباس نے پوچھا کہ ''آپ ہمارے ہاں ٹیکسلا میں آئیں وہاں بدھ بڑی تعداد میں رہتے ہیں اور آپ کے مطلب کی چیزیں بھی وہاں بکثرت موجود ہیں۔'' وہ کہنے لگا کہ ''میں وہاں ایک مرتبہ گیا تھا لیکن وہاں زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکا۔''

خواتین وحضرات! وہ بذاتِ خود ایک پینٹر تھا۔ اس کی پینٹنگز دیوار کے ساتھ بھی لگی ہوئی تھیں اور ہمیں یہ دیکھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ اس نے جو بھی تصاویر بنائی تھیں وہ ساری کی ساری سفید تھیں۔ ان کے اوپر کوئی نقش نہیں تھا۔ وہ تمام گولڈن رنگ کے فریم میں جڑی ہوئی تھیں۔ کینوس تنے ہوئے تھے اور وہ بے حد شفاف تھیں لیکن بے نقش تھیں۔ وہ کہنے لگا کہ یہ میری پینٹنگز ہیں اور میری ساری محنت محبت یہی ہے۔ والد صاحب وکالت کرتے ہیں اور میں سارا دن انہیں کے ساتھ رہتا ہوں۔ ہم حیران ہو کر بیٹھے یہ دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ یا اللہ یہ پینٹنگز کہاں سے ہو گئیں؟

ہماری حیرانی کو دیکھ کر اس نے کہا کہ آپ نقش کی طرف نہ جائیں بلکہ پینٹنگز کے عمل کی طرف جائیں۔ میں پینٹنگز کے عمل سے محبت کرتا ہوں۔ اس کی یہ بات اکثر میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ میں تصویر یا نقش سے محبت نہیں کرتا ہوں۔ میں اپنا برش لیتا ہوں اسے دھو کر سکھاتا ہوں اور اس سوکھے برش کے ساتھ پینٹنگ بنانا شروع کر دیتا ہوں اور اس سوکھے برش سے جو شاہکار بن رہا ہوتا ہے وہ مجھے نظر آتا ہے۔ میرا یہ جو عمل یا Process ہے یہی میری محبت ہے۔

خواتین وحضرات! اب ہم جیسے لوگوں کے لیے اس بات کو تسلیم کرنا یا برداشت کرنا یا اس کو ہضم کرنا بہت مشکل تھا۔ مجھے غلام عباس نے آنکھ کے اشارے سے کہا کہ ''شاید یہ بے چارہ Abstract Painting (تجریدی آرٹ) بارے نہیں جانتا کہ الٹے سیدھے برش مارنے سے جو بھی تصویر بن جائے وہ اس آرٹ کے زمرے میں آ جاتی ہے۔''

وہ لڑکا کہنے لگا کہ ''میں آپ لوگوں کو اپنی پرانی اور زمانہ جاہلیت کی پینٹنگز دکھاتا ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر اندر سے تصویریں اٹھا لایا۔

خواتین وحضرات! میں نے اپنی پوری زندگی میں ویسی تصاویر نہیں دیکھیں۔ ان میں Still Life' پھلوں اور ہاتھیوں کی بے شمار تصویریں تھیں۔ تصویروں میں چھوٹے بڑے ہاتھی ایک دوسرے کے پیچھے بغیر استری کیے ہوئے لباس پہنے ہوئے پھرتے دکھائے گئے تھے۔ وہ کہنے لگا کہ ''اب میں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اس طرح کی تصویریں بنانا ترک کر چکا ہوں۔"

میں نے کہا کہ "یہ سفید فریم میں جڑے ہوئے جو کینوس ہیں، یہ آپ نے کیوں لٹکائے ہوئے ہیں۔" وہ کہنے لگا کہ "میں نے ایسے خالی ہی لٹکائے ہوئے نہیں ہیں۔ یہ سلسلہ وار اور حالات و واقعات کے مطابق لٹکائے ہوئے ہیں۔ ان کے کچھ معانی ہیں۔"

میں نے کہا کہ "اگر میں ان کی ترتیب بدل دوں تو!"

وہ کہنے لگا کہ "اس سے تو میری روح بے چین ہو جائے گی۔ میں گھبرا جاؤں گا اور مجھے پھر سے انہیں پرانی ترتیب میں رکھنا پڑے گا۔" ہمارے لیے یہ بھی ایک عجیب و غریب بات تھی۔

جب اس نے یہ سب باتیں کیں تو مجھے استاد جھنڈے خاں کی بات یاد آ گئی کہ "خالی" کتنا اہم ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے اور اس کا انسان کی روح کے ساتھ، اندر کے ساتھ کیسا گہرا تعلق ہو سکتا ہے اور انسان اگر ذوقِ عمل کے ساتھ محبت کرتا ہو تو بات بن جاتی ہے۔ بے نقش تصویر میں سے بھی تصویر ابھر کر سامنے آنے لگتی ہے۔ ہم اس نوجوان کو ٹیکسلا دکھانے کی باتیں کرتے رہے لیکن ایک ایسی نظر لگانے والی بات وہاں موجود تھی جس کا ہمیں احساس نہیں ہو رہا تھا۔ جب ہم وہاں سے واپس آئے تو عباس صاحب کہنے لگے کہ "اب ہمیں ساحل پر کیکڑوں کو دیکھنا ہے۔" ہمارا پھر جھگڑا ہو گیا کہ اس وقت "جوار" ہے اور وہ وہاں نہیں ہوں گے لیکن وہ "بھاٹا" پر اصرار کرنے لگے۔ ہم نے کہا کہ اس وقت جوار ہے یا بھاٹا جو بھی ہے، ہم وہاں نہیں جائیں گے، شام پڑ چکی ہے۔ اعجاز بٹالوی نے کہا کہ صبح سورج کی پہلی کرن کے ساتھ کیکڑے آئیں گے اور پھر آہستہ آہستہ جمع ہوں گے۔ پیارے بچو! وہ ایک قابلِ دید نظارہ ہوتا ہے، جیسے جیسے دھوپ بڑھتی جاتی ہے تو کیکڑے جمع ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہمارے پاس جیپ تو نہیں تھی لیکن ہم نے خود کیکڑوں کے پیچھے دوڑ لگا کر انہیں بھگایا اور جس طرح سے کیکڑے ہمارے آگے بھاگے وہ بھی ایک دیکھنے والا منظر تھا۔

(آپ حیران مت ہونا کہ ہم اس عمر میں کہاں بھاگنے لگے، ان دنوں ہم بھی جوان ہوا کرتے تھے)

لیکن دل میں جیپ بھگا کر ان کیکڑوں کو بھگانے کی حسرت دل میں ہی رہ گئی۔ لوگ وہاں اس "بھاجڑ" کو دیکھنے کے لیے دور دور سے آتے ہیں۔ جب ہم کاکس بازار سے لوٹے تو ایک دن کے بعد ڈھاکہ سے ہماری روانگی تھی اور ہم نے ڈھاکہ سے لاہور آنا تھا۔ ہم سارے جمع تھے جن میں ہم اور ہمارے میزبان بھی تھے۔ سارے مغموم سے کھڑے تھے۔ کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔ وہاں منیر نیازی نے یہ "پھڈا" ڈال دیا کہ وہ تو نہیں جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ "میں تو یہیں رہوں گا۔ میرا یہی اصلی گھر ہے۔"

ہم نے کہا کہ "تم یہاں کہاں رہو گے؟"

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اس نے کہا کہ "میں سندر بن میں رہوں گا۔"

ہم نے کہا کہ "سندر بن تو بڑی خطرناک جگہ ہے۔"

اس نے کہا کہ "میں نے وہاں وہ درخت بھی دیکھ لیا ہے جہاں میں مچان بنا کر رہوں گا اور اپنی زندگی آرام سے بسر کروں گا۔ اس سے پیاری جگہ اور کوئی نہیں ہے۔"

ہم نے کہا کہ "مچان میں تم بھوکوں مرو گے۔"

اس نے کہا کہ "وہ مچان اتنی اونچی ہوگی کہ اس تک ہاتھی کی سونڈ پہنچ سکے گی۔ اور ہاتھی مجھے خوراک پہنچاتا رہے گا۔ میں اس سے بھی دوستی لگا کر آیا ہوں۔"

یہ ساری باتیں' واقعات اور کہانیاں جتنی بھی اکٹھی ہوتی رہیں اور ہم جتنی مرتبہ بھی مشرقی پاکستان جاتے رہے' محبتوں میں اضافے بدستور ہوتے رہے لیکن ایک آنکھ ایسی تھی جو ان محبتوں کو برداشت نہیں کر سکی۔ اس کی ایک اپنی خطرناک اور حسد پر مبنی سکیم بن رہی تھی کہ یہ محبت اور یہ سندر بن میں رہنے والے منیر نیازی شاعر کا مقام نہیں ہو سکتا۔ میں ان کو اتنے قریب قریب رہنے نہیں دوں گی۔ وہ نظر اس طرح کا تہیہ کر رہی تھی جس سے ہم قطعی طور پر غافل تھے اور ناآشنا تھے۔ میں اب بھی کبھی پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں اور منیر نیازی کی شاعری میں یہ بات محسوس کرتا ہوں کہ وہ شاعری یہاں مغربی پاکستان میں بیٹھ کر کرتا ہے لیکن اس کے بہت سے شعروں اور نظموں میں اسی سندر بن کی گونج ہے۔ ویسی ہی آہ ہے۔ وہی "اودراپن" (اداسی) ہے جو ہم سب مشرقی پاکستان کو یاد کر کے محسوس کرتے ہیں۔ اسی لیے میں منیر نیازی کو "اودراہوا شاعر" کہتا ہوں۔ ہم ادیبوں کے اندر جنہوں نے کچھ لکھا یا نہ لکھا جنہوں نے خالی کینوس ہی تیار کیے۔ ان کے کینوس کے اوپر وہ تصویریں موجود ہیں جو وہاں بنیں۔ ہمارے ذہنوں اور ہماری روح پر وہ تصاویر اتریں اور ہم جہاں بھی جاتے ہیں' وہ تصویریں ابھر کر بالکل سامنے آجاتی ہیں۔ جیسا کہ آج میں آپ کے سامنے' آج کا دن اور موسم دیکھ کر ان تصویروں کے عکس محسوس کر رہا ہوں لیکن زندگی میں ایسے دن آتے رہتے ہیں اور ایسی گھڑیاں اور حالات وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں جن کو بندہ چار و ناچار برداشت کرتا رہتا ہے اور یہ ہی اس کا کمال ہے اور یہ ہی اس کا شرف اور فخر ہے کہ وہ انہیں برداشت کرتا رہے اور اپنے ذوقِ عمل کے اندر اسی پائیداری کے ساتھ آگے بڑھتا رہے جیسا کہ وہ عمل لے کر ابتدا میں چلا تھا۔

اللہ آپ کو خوش رکھے' اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

لائٹ ہاؤس

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

مجھے ایک بار لائٹ ہاؤس دیکھنے کا حسین اتفاق ہوا۔ راتوں میں بحری جہازوں کو چٹانوں سے محفوظ یا باخبر رکھنے کے لیے سمندر میں خطرناک جگہوں پر لائٹ ہاؤس بنائے جاتے ہیں اور ان لائٹ ہاؤسز میں جو دیئے رکھے جاتے ہیں ان کے اردگرد ایسا شیشہ لگا ہوتا ہے جو روشنی کو کئی سمت میں منعکس کرتا ہے یا آپ کہہ لیں کہ وہ شیشہ محدب (یہ گول اور بیچ سے ابھرا ہوا شیشہ ہوتا ہے) طرز کا ہوتا ہے۔

خواتین و حضرات! آپ یقین کریں کہ وہ لائٹ ہاؤس میں لگا چھوٹا سا دیا مٹی کے تیل یا کیروسین آئل سے جلتا ہے اور ان لائٹ ہاؤسز میں اسے جلانے کے لیے ملازم رکھا جاتا ہے جو اپنی ذمہ داری سے اسے سرِشام روشن کر دیتا ہے تاکہ جہاز بھٹک کر بھول سے کسی چٹان سے نہ ٹکرا جائیں۔ وہ ایک چھنگلی جتنا دیا دیکھیں کتنے لوگوں کو درست سمت عطا کرتا ہے۔ اس مٹی کے تیل کا موٹی بتی والا "دیوا" جو نہایت کم روشنی رکھتا ہے۔ محدب شیشے کے باعث اس کی روشنی پچیس کلومیٹر تک دیکھی جا سکتی ہے۔ وہ دیا ایک ایسی گھومنے والی چرخی پر ہوتا ہے جو مسلسل گھومتی رہتی ہے اور اس کے گھومنے سے اس کے گرد لگا محدب شیشہ پھر اس تھوڑی سی روشنی کو میلوں دور تک لے جاتا ہے اور یہ Reflect کرنے والے شیشوں کی بدولت ممکن ہوتا ہے۔ اب جب میں اس "دیوے" کو دیکھ چکا ہوں اور آج کے وقت سے موازنہ کرتا ہوں جسے باہر والوں نے انفارمیشن کی صدی قرار دیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ اس انفارمیشن ٹیکنالوجی کی صدی میں علم اس طرح سے پھیلے گا تو بہت ساری باتیں ایک ایک کر کے میرے ذہن میں سے گزرتی ہیں کہ یہ علم کی روشنی کہاں سے کہاں تک پہنچے گی اور کیسے پہنچے گی؟ یہ ساری بات میرے سامنے آ گئی چونکہ میری زیادہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

Study مذہب پر ہوتی ہے۔ گو میں اس سٹڈی سے کسی منزل پر نہیں پہنچ سکا لیکن میری زیادہ توجہ اسی نقطے پر مرکوز رہی ہے کہ مذہب کیسے ٹریول کر کے اور لمبے فاصلے طے کر کے پیدل چلتا ہوا کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ راز مجھ پر ابھی تک کھل نہیں سکا ہے۔ آج کل کے میرے نوجوان بچے کہتے ہیں کہ جی تلواریں مار کر دوسروں کو فنا کر دیا جاتا ہے اور اس طرح سے انہیں اپنا مذہب سکھا دیا جاتا ہے اور سب کے ''گاٹے'' اتار کر اسلام سکھایا گیا۔ خواتین وحضرات! لیکن یہ بات تو کسی کے لیے بھی ناقابل قبول ہے اور عقل اسے تسلیم نہیں کرتی ہے۔ جب بندے ہی مار دیئے تو پھر کیسا مذہب سیکھنا اور کن کو مذہب سکھلانا!

جب میں اپنے اردگرد دیکھتا ہوں تو دنیاوی معاملات ایک طرف' دینی معاملات پر ہی اتنا لٹریچر ہمیں پہنچایا جارہا ہے اور میرے گھر میں ہی اتنا لٹریچر آتا ہے کہ میں اسے ٹھیک طرح سے پڑھ بھی نہیں سکتا اور وہ سارے کا سارا لٹریچر جو انفارمیشن اور معلومات کے لیے مجھے پہنچایا جاتا ہے وہ میری ذات کے اندر نہیں اتر پاتا۔ وہ علم تو ہے اور پہنچایا بھی جارہا ہے اور بہت دور دور تک بھیجا جارہا ہے لیکن ہمارے اندر جذب نہیں ہوتا ہے۔ میرا یہ جی چاہتا ہے کہ میں حسد میں سے نکلوں۔ بیبیوں میں بہت حسد ہوتا ہے۔ وہ کسی اور خاتون کا اپنے گھر کے قریب سے گزرنا بھی برداشت نہیں کرسکتیں۔ ایک طرح سے میں ان کے اس حسد کی داد بھی دیتا ہوں اور یہ اچھی بات بھی ہے اور میں اپنی بیوی سے اکثر کہا کرتا ہوں کہ گھر اس طرح سے محفوظ رہتے ہیں کہ اگر حسد ذرا بھی نہ کیا جائے اور سب ہم مردوں پر چھوڑ دیا جائے اور ہم حسب عادت سب اچھا کہتے رہیں اور یہی روش رکھیں گے کہ چلو یہ بھی ٹھیک ہے' وہ بھی ٹھیک ہے' السلام علیکم' وعلیکم السلام کہتے پھریں اور سب کو ''جپھیاں'' ڈالتے پھریں۔ تو اس طرح سے تو گھر برباد ہو جاتے ہیں۔ اس حوالے سے ان خواتین کی بڑی مہربانی ہے لیکن جب یہ ضرورت سے بڑھ جاتا ہے تو خطرناک صورت حال اختیار کر جاتا ہے اور حد سے بڑھ جانے سے کنجوسی آ جاتی ہے۔ پھر اس کا قلع قمع کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

خواتین وحضرات! اس کا قلع قمع کرنے کے لیے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''نماز پڑھو اور روزے رکھو اور نیک عمل کرو۔'' اب میں بڑا حیران بھی ہوتا ہوں اور پھنس جاتا ہوں کہ میں نے جب نماز پڑھ لی' روزہ رکھ لیا تو کیا یہ نیک عمل نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے تیسری نیک عمل کی کیٹیگری کیوں بنائی ہے۔ میں اب تک اس کشمکش میں پھنسا ہوا ہوں کہ نیک عمل کیسے کیے جائیں۔

میری طرح آپ بھی جب کسی نیک عمل کی بابت سوچیں گے تو آپ کو اردگرد پر نظر دوڑانی ہوگی۔ کیونکہ نیک عمل کے لیے آپ کو کوئی بندہ یا جاندار ڈھونڈنا ہوگا۔

کسی بڑی اماں کو پاس بٹھا کر پوچھنا ہوگا کہ ''اماں روٹی کھا دی اے کہ نئیں کھادی۔ تیرے پت نے تینوں ماریا سی' ہن تاں نئیں ماردا۔''

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

یہ نیک عمل ہے۔ کسی دوست سے اچھی بات کرنا نیک عمل کے زمرے میں آتا ہے۔ اباجی کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کا نام نیک عمل ہے۔

لیکن یہ نیک اعمال کرنے ہم نے خیر سے چھوڑے ہوئے ہیں اور یہ ایک الگ بحث ہے۔ یہ جو سارا لٹریچر' ساری کتابیں اور بہت کچھ مجھے پہنچایا جا رہا ہے' یہ میرے اندر نہیں گھستا۔ میں ایک اچھا آدمی بننے کی کوشش کرتا ہوں اور اللہ گواہ ہے کہ میرے اندر اچھا آدمی بننے کی خواہش بھی ہے لیکن یہ سارا لٹریچر پڑھ چکنے کے بعد اور سُن لینے کے بعد ٹی وی کے پروگرام دیکھنے کے بعد، ''زاویہ' دیکھنے کے بعد بھی میں وہیں کا وہیں رکا ہوا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ اشفاق صاحب بڑی اچھی بات کر رہے ہیں لیکن اس اچھی بات کو اپنے عمل کا حصہ بنانے سے قاصر رہتا ہوں۔ ایک لڑکی کی آرزو یہ ہوتی ہے کہ وہ خود کو خوبصورت بنا کر رکھے۔ لپ اسٹک' پاؤڈر' کاجل لگا کر نکلے اور جسم کی خوبصورتی ظاہر ہو' پھر ساتھ ہی انسان کی آرزو ہوتی ہے کہ اندر کی خوبصورتی بھی ظاہر ہو کیونکہ اندر کا بھی ایک حُسن ہوتا ہے۔ بسم اللہ آپ باہر کا میک اپ ضرور کریں' اچھا لگتا ہے اور حکم بھی ہے کہ صاف ستھرے رہو اور خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اللہ جمال ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔''

اور یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے بن سنور کر رہنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم اپنے اندر کا حُسن کیسے اجاگر کریں' میں آپ سے جو لائٹ ہاؤس کی بات کر رہا تھا۔ خواتین و حضرات! جس طرح وہ چھوٹا سا دیا جو بالکل مونگ پھلی والے کی ریڑھی کو مشکل سے ہی روشن کرتا ہے وہ پچیس میل دور تک روشنی پھینک دیتا ہے اور یہ اتنا سارا لٹریچر' اتنا پرنٹ میڈیا اور اتنا سارا الیکٹرونک میڈیا' ریڈیو' ٹیلیویژن یہ کچھ بھی نہیں کرتا۔ ہمارے اندر ہی نہیں گھستا۔ وہ ''دیا'' کس کمال کا ہے۔

پھر مجھے یہ خیال آیا (میرا یہ خیال بھی بس ایسے ہی ہے پتہ نہیں ٹھیک ہے یا نہیں) کہ اس دیے کے گرد جو محدب شیشے لگے ہوئے ہوتے ہیں وہ ہی تو اس کی روشنی کو منعکس کرتے ہیں۔ وہ چھوٹا سا لیمپ اپنی روشنی ان شیشوں میں اتارتا ہے اور وہ شیشہ Reflect کر کے دوسرے گھوم کے آنے والے شیشے میں اتار دیتا ہے اور اس طرح سب وہ روشنی اپنی اپنی باری سے Reflect کرتے ہیں اور اس طرح سے جب وہ روشنی سمندر کے پچیس میل کے علاقے میں پھیل جاتی ہے لیکن اگر وہ دیا اپنی روشنی ڈائریکٹ پھینکے گا تو کچھ نہیں ہوگا۔ تو خواتین و حضرات! جب تک بندے کو علم عطا نہیں ہوگا اور اسے بندہ نہیں سیکھے گا اور وہ دوسروں کے لیے نمونہ نہیں بنے گا اس وقت تک بات نہیں بنے گی۔

مجھ سے میرے بچے پوچھتے ہیں کہ ابو مسلمان تو بڑے لڑاکا تھے' تلواریں لے کر نکلتے تھے اور بڑی جنگیں کرتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ بھئی اچھا ایسا ہی ہوگا۔ تمہاری بات مان لیتے ہیں' پھر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میرے دل میں خیال آیا کہ چین میں سنکیانگ کا جو علاقہ ہے اور جس کی طرف جانے والے چھوٹے سے رستے کو ہم "سلک روٹ" کہتے ہیں' اس سڑک پر ایک شخص اونٹ کی سواری کرتا ہوا جا رہا ہے۔ اگر آپ لوگ کبھی ادھر جائیں تو بڑے بڑے دریا دیکھ کر ڈر جائیں اور سڑک کے ساتھ نیچے دریا بہہ رہا ہوا تھا۔ وہ شخص جاتا جاتا سنکیانگ میں پہنچ جاتا ہے' اب اس کے پاس نہ تو کوئی لٹریچر ہے' نہ وہ اس علاقے کی بولی جانتا ہے جہاں پہنچا ہوتا ہے' نہ وہ کسی کے ساتھ Communicate کر سکتا ہے۔ وہ سنکیانگ والے اسے دیکھ کر کہتے ہیں کہ "یار یہ کمال کا بندہ ہے' ایک طرف چلا جاتا ہے۔ پھر یہ کبھی کھڑا ہو جاتا ہے' کانوں کو ہاتھ لگاتا ہے' کبھی سجدے میں گر جاتا ہے (اب ان لوگوں کو نہیں پتہ یہ طریقہ نماز کی ادائیگی کا ہے) وہ لوگ اسے اپنی بولی میں پوچھتے ہیں کہ "یار تو اتنا اچھا کیوں ہے۔"

جیسے یہاں لاہور میں جب داتا صاحبؒ غزنی سے آ کر راوی کنارے بیٹھے تھے اور وہ وہاں کے گائیاں چرانے والے ہندوؤں سے انتہائی حسنِ سلوک سے پیش آئے۔ انہیں داتا صاحبؒ پانی کے گھڑے بھر بھر کر پلاتے تھے لیکن ان سے کوئی بات نہ کرتے۔ وہ ہندو گائے بان حیران ہوتے اور کہتے کہ بابا اتنے اچھے کیوں ہو؟ تم نے یہ سب کچھ کہاں سے سیکھا ہے؟ اور وہ داتا صاحبؒ سے آ کر کہتے تھے کہ "بابا ہمیں بھی اپنے جیسا بنا لو۔"

داتا صاحبؒ کہتے کہ "تم اپنے جیسے ہی ہو' بس ٹھنڈا پانی پیا کرو' کرنا کرانا کچھ نہیں ہے۔ تم نے صرف ٹھنڈا پانی پینا ہے۔ جب ان لوگوں نے بہت ہی زور دیا تو داتا صاحب نے کہا کہ تم اتنے سارے خداؤں کو مانتے ہو (خواتین و حضرات پانچ چھ خدا ہمارے اچھرہ میں ہوتے تھے۔ یہاں ان کے بڑے بت ہوا کرتے تھے۔ داتا صاحب کے زمانے میں اچھرہ میں اخروٹ اور بادام کے بڑے درخت ہوا کرتے تھے) ایک گروہ فارس سے گرم مصالحہ جات' بھارت کا دھاگہ کپڑا لے کر کشتی میں چلا اور ایک عجیب و غریب جزیرے پر پہنچا جس کا انہیں نام بھی نہ آتا تھا۔ انہوں نے اپنی چیزیں بیچنے کی غرض سے ساحل پر پھیلا دیں۔ وہاں کے لوگ ان کی وہ چیزیں دیکھنے کے لیے آئے۔ ان میں شیشے کا سامان بھی تھا۔ اس جزیرے کے لوگ آئینے یا شیشے سے بھی ناآشنا تھے۔ وہاں کے لوگوں نے انہیں بتایا کہ اس جگہ یا جزیرے کو انڈونیشیا کہتے ہیں۔ فارس کے تاجروں نے اپنی اشیاء بیچ کر وہاں کی اشیاء بھی تجارت کی غرض سے خریدنا چاہیں اور ایک چیز کی بابت انہوں نے اصرار کیا کہ اس کی قیمت کم کی جائے لیکن جزیرے والے ایک شخص نے قیمت کم کرنے سے انکار کیا اور بتایا کہ یہ اس کے مالک کی چیزیں ہیں' لہٰذا وہ ایک خادم ہونے کے ناتے کم نہیں کر سکتا۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے دیکھا کہ اس خادم کے لیے پانچ چھ عرب سروں پر کھانے کے پتیلے اٹھائے ہوئے آ رہے ہیں۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کہ بھلا کوئی نوکر کے لیے بھی کھانا لاتا ہے۔ تم کس طرح کے اور کون لوگ ہو؟

ان لوگوں نے اشاروں سے کچھ غلط صحیح لفظ اور جملے جوڑ جاڑ کے وضاحت پوچھی تو انہوں نے آگے سے جواب دیا کہ "یہ ہمارے اللہ کا حکم ہے کہ نوکروں سے حسن سلوک سے پیش آؤ" ہمیں نوکروں سے بھی وہ سلوک کرنے کا حکم دیا گیا جیسا ہم اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔" وہ غیر تاجر بڑے حیران ہوئے۔

خواتین و حضرات! پورے انڈونیشیا میں کوئی بھی لڑاکا یا تیر کمان والا یا کوئی جنگجو نہیں ہے لیکن وہ سارے کا سارا مسلمان ہے اور وہ ہم سے بہت بڑا ملک ہے۔ سنکیانگ میں کوئی لڑاکا نہیں ہے۔ ہمارے جو بادشاہ یہاں آ کر لڑے انہوں نے تو لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکا یا اس طرح کے اقدامات کیے جن سے لوگ مسلمان نہ ہوں۔ اکبر بادشاہ نے دین الٰہی چلانے کی بات کی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس طرح سے میرا اور تمہارا دونوں کا فائدہ ہوگا۔

اب میں سوچتا ہوں کہ کیا یہ روشنی اسی طریقے سے پھیلے گی جس طرح West والے کہہ رہے ہیں کہ اگر ابلاغ ہو' کھل کے بات کی جائے اور دُور دُور تک پہنچائی جائے تو وہ دور دور تک پہنچ سکتی ہے۔

اس طرح سے بات دُور دُور تک پہنچی تو ضرور ہے لیکن دلوں میں نہیں اترتی۔ ہم یہ بات جاننا چاہ رہے ہیں۔ میں اچھا ہونا چاہتا ہوں' آپ اچھا ہونا چاہتے ہیں۔ یہ آپ کی خواہش ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ Light House ہمیں Provide کیا جائے' وہ روشنی کا مینار ہمیں چاہیے جو مدینہ شریف کی ایک چھوٹی سی مسجد میں ٹمٹماتا تھا اور وہ ایک ایسی مسجد میں تھا جس کے شہتیروں اور بالوں سے لوگوں کا سر لگتا تھا۔ اس چھوٹے سے دیے نے کہاں کہاں تک اپنی روشنی پہنچا دی کہ پوری دنیا سیراب ہو گئی۔ اس نے اپنا وہ نور بغیر ٹی وی' ریڈیو کے آخر کیسے پہنچا دیا۔

خواتین و حضرات! یقیناً وہاں بندوں نے ہی محدب شیشوں والا کام کیا ہوگا اور ان بندوں نے ہی نور اور روشنی کو آگے Reflect کیا ہوگا اور روشنی دُور دُور تک پھیل گئی ہوگی۔ میں اس نشست کے بہانے سے یہ بھی چاہوں گا کہ مجھے میرا روشنی کا مینار یا لائٹ ہاؤس مل جائے۔ اگر آپ کو علم ہے تو مجھے بتائیں کہ میرا Light House کہاں ہے یا مجھے بتائیں کہ اس بات پر کیسے غور کیا جائے اور کس طرح سے کیا جائے کیونکہ ہم سب اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کے مطابق اچھے ہونا چاہتے ہیں جس طرح اچھی دکان پر جا کر ہمیں اچھی اشیاء کی طلب ہوتی ہے' یا باغ میں جا کر ہمیں اچھی خوشبو یا ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم وہاں مزے سے پھرتے ہیں۔ اسی طرح ایک اچھے دین میں آ کر ہم تھوڑا سا مزہ بھی لینا چاہتے ہیں اور پھر یہاں سے چلے جانا چاہتے ہیں۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

"پتنگ باز سجنا"

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

زندگی یوں تو گزر ہی جاتی ہے لیکن اگر ہماری زندگی باہم انسانوں کے درمیان اور ان کی محبت میں گزرے تو وہ زندگی بڑی خوبصورت ہوگی اور یقیناً ہوگی۔ انسان اللہ کو خوش کرنے کے لیے عبادات کرتا ہے۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر خداوند تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے تا کہ اسے خالق اور پالنہار کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔ اگر ہم اللہ کی خوشنودی کے لیے انسانوں کو محبت کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیں اور سوچ لیں کہ ہم نے کبھی بھی کسی انسان کو حقیر نہیں سمجھنا' تو آپ یقین کریں کہ یہ سوچ ہی آپ کے دل کو اتنا سکون فراہم کرے گی کہ آپ محسوس کریں گے کہ جیسے خدا آپ کو مسکراہٹ سے دیکھ رہا ہے۔ آپ عبادات ضرور کریں' شوق سے کریں لیکن خدارا انسانوں کو بھی اپنے قریب کریں۔ یہ بھی عظیم عبادت ہے۔

اللہ کا تصور اور چیز ہے' اور خدا کی ذات کا اعتراف اور چیز ہے۔ انسان کے اچھے کاموں میں جو مباح چیز ہے وہ عبادت ہے۔ یہ اچھی عادت ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ عبادت کے ذریعے وہاں پہنچ سکیں جس کی آپ کو آرزو ہے۔ ہم جب تھکے اور ولایت میں نوکریاں کرنے کے بعد وطن آئے تو ہمارا بابوں اور ڈیروں کے حوالے سے Concept ذرا اور ہی تھا' جس طرح عام طور پر لوگوں کا ہوتا ہے کہ وہ چرس کے سوٹے لگاتے ہیں اور لوگ بھنگ کے نشے میں ٹُن ہو کر پڑے رہتے ہیں۔ ہمارا بھی خیال تھا کہ اب ولایت میں کام کر کے تھک گئے ہیں۔ کسی ڈیرے پر جا کر ہم بھی رہبانیت کی زندگی گزاریں گے اور مزے سے رہا کریں گے لیکن خواتین و حضرات! وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ اس سے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

زیادہ مشقت، جدوجہد، کوشش اور محنت کی زندگی اور کہیں ہے ہی نہیں۔ لیکن عبادت کر لینا اور دین بارے کچھ گفتگو کر لینا آسان کام ہے لیکن اس کے اندر اتر کر اسے عملی طور پر اختیار کرنا مشکل کام ہے۔ یعنی تصوف شریعت سے جدا نہیں ہے۔ یہ وہ نماز روزہ ہے لیکن اس میں علم کے ساتھ ساتھ عمل پر بھی زور دیا جاتا ہے۔ ہم جس بابا کے پاس جاتے تھے ان کی بات ذرا مختلف ہوتی تھی۔ وہ ہمیں کتابوں اور اکتسابی پلندوں میں نہیں ملتی تھی اور نہ ہی ہم نے پڑھی تھی۔ ایسے بابوں سے لوگ شاکی بھی ہوتے ہیں۔ ایک بار بابا جی نور والے کے صاحبزادے نے خود مجھ سے شکایت کی کہ "بابا جی لوگوں پر بڑی مہربانی کرتے ہیں اور ان پر بڑے Kind رہتے ہیں۔ انہیں چیزیں بھی دیتے ہیں، رضائیاں بنا کر دیتے ہیں اور رسد فراہم کرتے ہیں لیکن میرے اوپر بالکل مہربان نہیں ہیں۔ اگر میں کوئی چیز مانگوں تو اس پر شرط عاید کر دیتے ہیں۔"

اب صاحبزادے کی بات کا میرے دل پر بھی اثر ہوا کہ وہ تنگی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ شاید ان کی ٹریننگ کے لیے تھا۔ میرا ذرا تھوڑا منہ چڑھا تھا اور بابا جی سے بات کر لیتا تھا۔ میں نے کہا کہ "بابا جی یہ صاحبزادہ صاحب شکوہ کناں ہیں کہ آپ انہیں وہ مراعات نہیں دیتے جو دی جانی چاہئیں۔" اس پر بابا جی کہنے لگے کہ "میں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتا بلکہ میری یہ آرزو ہے کہ اسے انسان کی مدد، آرزو اور انسان کے سہارے کی عادت نہ رہے اور یہ بلاواسطہ طور پر خدا سے مدد طلب کرے۔ اگر یہ انسان سے کوئی آرزو وابستہ کرے گا تو یہ خدا سے اتنا ہی دور ہوتا چلا جائے گا۔"

وہاں ڈیرے پر ایسے لوگ بھی آتے تھے جن کو اللہ کا بلاواسطہ طور پر علم تھا۔ یہ سعادت ہمیں تو خیر نصیب نہ ہو سکی لیکن ان لوگوں کا یہ ایمان تھا کہ ان کے کاموں میں خدا کا پورے کا پورا عمل دخل ہے اور وہ ان پر حاوی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ وہاں ایک اشرف لغاری آیا کرتا تھا۔ اسے پتنگ اڑانے کا بڑا شوق تھا اور وہ بڑا ہی پتنگ باز بجتا تھا۔ وہ خوبصورت سی ریشمی چادر باندھتا تھا اور کاندھے پر پرنا رکھتا تھا اور جوں جوں بسنت قریب آتی جاتی تھی اس کا شوق اور مانگ بڑھتی جاتی تھی۔

میں نے اس سے کہا کہ "اشرف تم پتنگ سے اتنی محبت کیوں کرتے ہو۔"

وہ کہنے لگا "صاحب اگر آپ کبھی پتنگ اڑا کر دیکھیں اور آپ کو بھی اس کی ڈور کا جھٹکا پڑے تو آپ کبھی اسے چھوڑ نہ سکیں۔"

میں نے کہا کہ "تم ڈیرے پر بھی آتے ہو۔ بابا جی کی باتیں بھی سنتے ہو اور لوگوں کی خدمت بھی کرتے ہو۔"

وہ کہنے لگا کہ "صاحب یہ سب کچھ میری گڈی (پتنگ) اڑانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں نے کہا یار اس میں کیا راز ہے' تو وہ کہنے لگا' جب میرا پتنگ بہت اونچا چلا جاتا ہے اور "ٹکی" ہو جاتا ہے اور نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور میرے ہاتھ میں صرف اس کی ڈور ہوتی ہے تو اس نہ نظر آنے کی جو کھینچ ہوتی ہے' اس نے مجھے اللہ کے قریب کر دیا ہے اور میرے دل پر اللہ کی کھینچ بھی ویسے ہی پڑتی ہے جیسے اس پتنگ کی میرے ہاتھوں پر پڑتی ہے۔

اب ہم جو ولایت سے پڑھ کر اور موٹی موٹی کتابیں پڑھ کر آئے تھے وہ کورے کے کورے تھے اور وہ پتنگ باز بجا ہم سے بہت آگے تھا۔

وہ مجھے کہنے لگا "اشفاق صاحب آپ کو کبھی کھینچ نہیں پڑتی۔"

میں نے کہا "یار اشرف ویسے نہیں پڑتی جیسے تم کہہ رہے ہو اور یہ ہمارے مقدر میں نہیں ہے۔"

وہاں ڈیرے پر ایک حاجی صاحب تھے ان کی آنکھیں گہری نیلی تھیں اور وہ بہت خوبصورت تھیں۔ وہ ڈیرے پر کافی عرصہ رہے تو ایک روز جانے لگے۔ ان کا رحیم یار خان کے کسی گاؤں سے تعلق تھا۔ جب وہ بابا جی سے اجازت طلب کر کے جانے لگے تو بابا جی نے ایک بار انہیں کہا کہ حاجی صاحب آپ کچھ دیر اور یہاں رہ جاتے۔ ہماری بھی یہی خواہش تھی لیکن وہ مصر تھے کہ وہ ضرور جائیں گے۔ جب وہ جانے ہی لگے تو بابا جی کہنے لگے "حاجی صاحب کیا آپ کے گاؤں میں بھیڑ' بکریاں ہوتی ہیں۔"

حاجی صاحب نے کہا کہ "جی ہاں بہت ہوتی ہیں۔ وہاں بھیڑوں کے بڑے گلے ہوتے ہیں۔" بابا جی نے کہا کہ "جب تم جاؤ گے تو کہیں نہ کہیں بھیڑوں کے ریوڑ کو کراس تو کرو گے جو وہاں چر رہے ہوں گے۔"

حاجی صاحب نے کہا کہ "جی ہاں۔"

بابا جی نے ان سے کہا کہ "جب تم بھیڑوں کے ریوڑ کے پاس پہنچو گے تو وہاں کتے بھی بہت ہوں گے۔ تو تم ان سے اپنا بچاؤ کیسے کرو گے۔"

حاجی صاحب نے کہا کہ "جی میں انہیں پتھر ماروں گا اور گزر جاؤں گا۔"

بابا جی نے کہا کہ "وہاں تو کئی سارے کتے ہوں گے جو بھیڑوں اور بکریوں کی پاسبانی پر مامور ہوں گے۔ ایک پتھر سے تو ایک کتا ہی زخمی وغیرہ ہو گا۔"

اس پر حاجی صاحب کہنے لگے کہ "میں ایک لکڑی لوں گا اور اسے گھماتا جاؤں گا تاکہ کتے گزند نہ پہنچائیں۔"

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

باباجی فرمانے لگے کہ "حاجی صاحب اگر تین چار کتے ہوئے تو آپ لکڑی سے کس کس کو ڈرائیں گے۔"

اب حاجی صاحب کہنے لگے کہ "حضور آپ ہی فرمائیں کہ اس Situation میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

باباجی نے کہا کہ "آسان طریقہ یہ ہے تم کتوں کو اور خود کو پریشان کیے بغیر اور کتوں کو اپنا آپ دکھائے بغیر سب سے پہلے گڈریے کو آواز دو۔ وہ آپ کی آواز سن کر اپنی جھگی سے باہر آئے گا۔ پھر آپ اس سے کہیں کہ میں یہاں سے گزرنا چاہتا ہوں اور وہ گڈریا کتوں کو آواز دے گا کہ "اوہ کالو' اوہ ڈبو" کتے اس کے پاس آجائیں گے اور آپ آسانی سے گزر جائیں گے۔"

خواتین وحضرات! چاہے ہمارے پاس کتنی ہی اچھی استری کیوں نہ ہو جب تک ہم اس کے پلگ کو بجلی سے Connect نہیں کریں گے وہ گرم ہو کر کپڑے کی سلوٹیں نہیں نکالے گی اور جب تک ہم خدا کی ذات سے رابطہ اور تعلق استوار نہیں کریں گے' زندگی کی سلوٹیں بھی دور نہیں ہوں گی۔

مجھے فرانس کے ملاحوں کی یہ بات بہت اچھی لگتی ہے کہ جب وہ سمندر میں اترنے لگتے ہیں تو ایک بڑی مختصر سی دعا مانگا کرتے ہیں کہ "یااللہ تیرا سمندر بہت بڑا ہے اور میری کشتی بہت چھوٹی ہے' ہم پر رحم کرنا۔"

گو یہ ایک معمولی سی دعا ہے لیکن اس میں اتنا اعتراف ہوتا ہے اور خدا سے اتنی قربت ہوتی ہے کہ ان کی بات بن جاتی ہے۔

اس بات کا احساس رکھنے والے بہت سے لوگ تھے اور اب بھی ہیں۔ ایسے ہی جانکار لوگوں میں سے ایک شخص سلطان راہی تھا۔ پنجابی فلموں کے حوالے سے انہیں آپ بھی جانتے ہیں۔ وہ میرے دوست تھے اور ہمارا رابطہ فلم سے ہٹ کر ایک اپنے انداز کا تھا۔

ایک دن مجھے ان کا پیغام ملا کہ ہم نے ایک چھوٹی سی محفل رکھی ہے' آپ اس میں شرکت ضرور کریں اور آپ اسے پسند کریں گے۔

لاہور میں ایک علاقہ نسبت روڈ ہے جہاں دیال سنگھ کالج ہے۔ اس کے عقب میں چھوٹی چھوٹی گلیاں ہیں جن میں اچھے اچھے لوگ رہتے ہیں۔ وہاں پر وہ محفل رکھی گئی تھی۔ بس وہاں دس بارہ لوگ ہی تھے۔ بڑی اچھی سی وہ بیٹھک تھی اور اس میں جالی والا دروازہ لگا ہوا تھا۔ سلطان نے اس میں اگربتیاں جلا کر بڑا خوشگوار بندوبست کیا ہوا تھا۔ شاید آپ کو پتہ ہو کہ سلطان راہی کو قرأت کا بڑا شوق تھا اور اس کا اپنا انداز تھا۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سلطان راہی کے ساتھ ایک گاؤں کا بالکل پینڈو آدمی بھی تھا جس نے دھوتی باندھی ہوئی تھی اور اس کے کندھے پر کھیس تھا۔ سلطان راہی نے اس شخص کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ ان سے ملیں یہ "بھا رفیق جی ہیں۔"

سلطان راہی نے کہا کہ میں آپ کو کچھ سنانا چاہتا ہوں۔

ہم سب نے کہا کہ "بسم اللہ" ضرور سنائیں۔

انہوں نے کہا کہ "میں سورہ مزمل تلاوت کروں گا۔"

ہم نے کہا کہ "سبحان اللہ اور کیا چاہیے۔"

پھر سلطان راہی نے اپنے انداز اپنے رنگ اور طریقے سے سورۃ مزمل کی تلاوت شروع کی اور لوگوں نے بہت ہی اسے پسند کیا۔ پھر انہوں نے بھا رفیق کی طرف دیکھا اور ان سے کہا کہ آپ بھی کچھ فرمائیں۔

اب ہمارا اندازہ نہیں تھا کہ گاؤں سے آنے والا ایسا سیدھا سا آدمی بھی کچھ سنائے گا۔

بھا رفیق نے کہا کہ میری آرزو بھی سورۂ مزمل سنانے کی ہی تھی لیکن چونکہ اب سلطان بھائی نے سنا دی ہے تو میں کچھ اور تلاوت کر دیتا ہوں۔ ہم نے کہا کہ نہیں نہیں آپ بھی یہی پڑھیں۔

اب خواتین و حضرات! انہوں نے بیٹھ کر کھیس کندھے سے اتار کر گود میں رکھ لیا اور سورۂ مزمل سنانی شروع کی۔ آپ نے بھی بڑے بڑے قاریوں کو سنا ہوگا لیکن انہوں نے جو تلاوت کی اس کا اپنا ہی انداز تھا۔ جب وہ سناتے چلے جا رہے تھے ہم سب نے ہی یہ محسوس کیا کہ یہ تاریخ کا کوئی اور وقت آ گیا ہے۔ یہ وہ وقت شاید نہیں ہے جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہمیں ایسے لگا کہ جیسے ہم مدینہ شریف اور آغاز اسلام کے وقت کی زندگی میں ہیں اور یہ وہی عہد اور زمانہ ہے اور ہم ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جو اس عہد کی آواز کو سن رہے ہیں۔

ہم نے محسوس کیا کہ اس کمرے میں ایک عجیب طرح کا نور اور روشنی آ گئی ہے۔ (ہوسکتا ہے یہ ہمارا خیال ہو لیکن کچھ خاص رنگ و نور کی بارش ہمیں محسوس ضرور ہوئی) اب صورت حال یہ تھی تلاوت کے خاتمے کے بعد ہم سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ ہم بھا رفیق کا شکریہ زبان سے ادا بھی نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ ہماری نگاہوں اور جھکے سروں سے یہ پتہ چلتا تھا کہ ہم اس گاؤں کے آدمی کے بہت مشکور ہیں اور ہم پر جو کیفیت تھی وہ اس سے پہلے ہم پر کبھی نہیں گزری تھی۔

میں نے ہمت کر کے سلطان سے کہا کہ ہم آپ کے بہت شکر گزار ہیں کہ آپ نے اور آپ کے دوست نے سورۂ مزمل سنائی اور ہم پر جو کیفیت طاری ہوئی پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ اس پر سلطان راہی نے کہا کہ "بھا جی میں سورۂ مزمل جانتا ہوں اور بہت اچھی جانتا ہوں لیکن یہ (بھا رفیق) مزمل

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

والے کو جانتا ہے۔"

خواتین و حضرات! جب آپ "والے" کو جاننے لگتے ہیں یا اللہ کے ساتھ ایسا رابطہ پیدا ہو جاتا ہے جیسا پتنگ باز بجنا اشرف کا تھا تو پھر کیفیت ذرا اور طرح کی ہوتی ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے پوری زندگی کے مزے اور لطف و سکون ایک طرف اور اس کیفیت کا سرور ایک طرف ہے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

"بلیک اینڈ وائٹ"

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

زندگی بھی عجیب چیز ہے۔اس میں بعض اوقات ایسے موڑ آ جاتے ہیں جب انسان بالکل ہی مایوس اور لاچار سا ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو بے بس خیال کرتا ہے۔ حقیقت میں زندگی کئی ایک مدارج میں طے ہوتی ہے۔ایک وقت انسان شیر خوارگی کی حالت میں ہوتا ہے' تب وہ اپنے ماں باپ' رشتہ داروں اور بڑوں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔(یہ میں عام زندگی کی بات کر رہا ہوں اس میں میں روحانی حوالے سے جائزہ نہیں لے رہا ہوں)۔

اس حالت میں انسان سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے بالکل عاری ہوتا ہے۔بھوک لگتی ہے تو روتا ہے۔کوئی گدگدی کرے تو پہلے عجب محسوس کرتا ہے' پھر رو دیتا ہے یا چہرے پر مسکراہٹ پھیل جاتی ہے بلکہ کئی بچے تو "کلکاریاں" مار کر ہنستے ہیں۔

پھر انسان Black and White سے نکل کر Colour Full زندگی میں آتا ہے۔

آپ کو اس بات کا علم تو بخوبی ہو گا ہی کہ بچہ ایک ایسے مقام پر بھی ہوتا ہے جب اسے چیزیں بلیک اینڈ وائٹ نظر آتی ہیں اور پھر جب وہ چند ہفتے زندگی بسر کر لیتا ہے تو اسے یہ دنیا رنگین نظر آنا شروع ہو جاتی ہے اور شاید انسان اسی رنگینی کے باعث ہی بعد میں رنگین مزاج بھی ہو جاتا ہے.... (مسکراتے ہوئے)

یہ قدرت کے کام ہیں۔لڑکپن میں انسان خود میں چند تبدیلیاں محسوس کرتا ہے۔پھر جوانی' شادی کی عمر ہوتی ہے۔آزادی سے اچانک انسان سنجیدہ زندگی کی جانب آ جاتا ہے۔پھر انسان پر ادھیڑ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پن آتا ہے اوراس کے بعد بڑھاپا آتا ہے۔ یہ زندگی کے ظاہری مدارج ہیں جو ایک باپ اور نانا' دادا بننے والے شخص پر سے گزرتے ہیں۔

زندگی کا ایک دوسرا رخ روحانیت کا ہے۔ کچھ انسان بس کھاتے پیتے زندگی بسر کر جاتے ہیں' میری طرح اور کچھ اپنے ہونے یا دنیا میں آنے کے مقصد کی آ گاہی کے لیے سرگرداں رہتے ہیں جو لوگ مقصد پالیتے ہیں وہ تو شاید کامیاب ہی ہوتے ہیں اور جو مقصد کو پالینے کی کوشش میں رہتے ہیں میرے خیال میں وہ پھر بھی ہم جیسے گنواروں اور بے مقصد زندگی گزارنے والوں سے تو بہر حال بہتر رہتے ہی ہیں۔

خواتین وحضرات! جو مقصد کو پالیتے ہیں یا اس کے حصول کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں' وہ شاید اس Colour کی حکمت کو پہچان گئے ہوتے ہیں جو انہوں نے اپنی شیر خوارگی کے پہلے ہفتوں میں محسوس کیا ہوتا ہے' جب وہ بلیک اینڈ وائٹ سے Colour Ful دنیا میں لوٹے تھے۔ ان میں کئی ایسے ہیں جو جنگلوں' بیابانوں اور پہاڑوں کی گپھاؤں میں اسلام آباد کے ڈپٹی سیکرٹریوں اور بیوروکریٹس کی طرح رہبانیت کے دروازے پر دستک دیتے ہیں۔ وہ شاید خود کو تو کسی حد تک آسانی میں رکھ پاتے ہوں گے لیکن ان کے اس Colour Ful Vision کا عام لوگوں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ لیکن جو لوگ ہم میں رہ کر یا ڈیروں میں بیٹھ کر لوگوں کو محبت کا درس دیتے ہیں وہ زیادہ بہتر ہیں۔

لیکن گھروں سے باہر رہنا اولیاء اللہ کا کام رہا ہے۔ ان کی وہ سیاحت ایک مخصوص یا Limited Period کے لیے ہوتی تھی اور وہ ایک مخصوص عرصہ بطور ٹریننگ گزارتے تھے۔ کوئی بھی ایسا شخص یا خدا کا بندہ جس نے لوگوں سے محبت کی بات لوگوں کو بتائی' وہ ساری زندگی جنگلوں' بیابانوں میں رہ کر نہیں آیا اور اس کی تمام تر ''تپسیا'' ریاضت محض اپنے آپ تک ہی محدود نہیں رہی۔

ہمارے بابا جی نور والے کہا کرتے تھے کہ ''جو لوگوں کو آسانی عطا کرے وہ بابا ہوتا ہے۔ اور جو لوگوں کو آسانی عطا نہ کرے وہ بابا نہیں ہو سکتا۔''

جب ہم چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے اور ابھی ہم دنیا کی مادی الجھنوں کا شکار نہیں ہوئے تھے ہمارے گاؤں میں ایک 'مائی بھاگو' ہوتی تھی۔ وہ بیچاری انتہائی غریب تھی۔ اس کے دو جواں سال بھائی تھے۔ کرتے ورتے کچھ وہ تھے نہیں۔ وہ ہی لوگوں کے گھروں سے مانگ تانگ کر لے آتی تھی۔ دیہاتوں میں زندگی اتنی مشکل نہیں ہوتی جس قدر شہروں میں ہے۔ شہروں میں ہم لوگوں نے اپنے روزمرہ کے لوازمات کچھ زیادہ ہی بڑھا رکھے ہیں اور ناحق اپنے کندھوں پر بوجھ ڈال رکھا ہے۔ وہ صبح اٹھتی دو ''پھلکے'' (روٹیاں) پکاتی' دو تین گھروں سے لسی مانگ لاتی اور اچار مرچوں سے وقت چلا لیتی۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اس کے آس پاس کے گھروں والے بھی اسے کچھ دے دلا جاتے۔

خواتین وحضرات! وہ تھی بڑی سیانی' جب اسے کچھ چاہیے ہوتا تو وہ بجائے مانگنے کے وہ کسی کے گھر میں چلی جاتی۔ اگر کوئی عورت گھر میں لحاف سی رہی ہوتی یا مثال کے طور پر اچار ڈال رہی ہوتی تو وہ اس کی مدد کرتی اور کہتی "بھین تو چھڈ ایہہ میں کرنی آں تو کوئی ہور کم کر لے۔"

(بہن تم چھوڑ دو یہ کام میں کرتی ہوں۔ آپ کوئی اور کام کر لو)

ایسے ہی کہتی ہوئی اور ساتھ کام کرواتی رہتی۔ واپسی پر وہ عورت اسے ضرور کچھ نہ کچھ دے دیتی۔ ایسے ہی وہ میری ماں کے پاس بھی کبھی کبھار آ جاتی تھی اور میری ماں بھی اسے کچھ چیزیں یا پیسے وغیرہ دے دیتی جنہیں وہ اپنے ڈوپٹے کے ساتھ باندھ لیتی۔

ایک دن وہ میری ماں کو بتانے لگی کہ فلاں گاؤں میں ایک بابا ہے۔ اس کی دعا میں بڑا اثر ہے۔ لوگ کہتے ہیں اس کا تعویذ بڑا تیز اثر ہے۔ میرے گھٹنے میں درد رہتی ہے۔ میں نے سوچا ہے اس سے ہی تعویذ لے آتی ہوں۔ وہ کہنے لگی کہ وہ بابا تعویذ یا دم کا ہدیہ لیتا ہے اور اگر ہدیہ نہ دیں تو کام نہیں ہوتا۔

وہ بتا رہی تھی کہ وہ کئی مہینوں سے بابے کے ہدیے کے لیے پیسے جوڑ رہی ہے اور جیسے ہی اس کے پاس پیسے پورے ہو گئے' وہ وہاں دعا لینے جائے گی۔

میری ماں کہنے لگی "تو ڈاکٹر کول نئیں گئی۔" (تو نے ڈاکٹر کو نہیں دکھایا)

وہ بولی "نہیں بابے کولوں دم ای کرواواں گی خورے ڈاکٹر دی سمجھ وچ بیماری آوے کے نہ آوے۔"

(میں اس پیر سے ہی دم کرواؤں گی شاید ڈاکٹر کی سمجھ میں اس کی بیماری آئے یا نہ آئے)

اب وہ بچاری سمجھ رہی تھی کہ بابا ہی بہتر طور پر اس کی تکلیف کو سمجھ سکتا ہے۔

خواتین وحضرات! ایسے بابے نہیں ہوتے۔ بابے آسانیاں فراہم کرتے ہیں۔ لوگوں کو آسرا اور سہارا فراہم کرتے ہیں۔ تشفی دیتے ہیں۔ ایسے وقت میں محبت کے دو بول عطا کرتے ہیں جب انسان کو ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرے نزدیک وہ الیکٹریشن بابا ہے جو کسی گھر میں بغیر پیسے مانگے بجلی کا شو ٹھیک کر کے گرمی میں پنکھا چلا دیتا ہے۔ میرے نزدیک وہ بابا ہے جو کسی محتاج بوڑھے کو اپنا کام چھوڑ کر سڑک پار کرواتا ہے اور میرے خیال میں وہ سائیکل پر برف کے گولے بیچنے والا ایک بابا ہے جو کسی راہی کو بغیر معاوضہ محبت سے پانی کا ایک گلاس پیش کرتا ہے۔

یہ وہ بابے ہیں جن کی زندگی Colour Ful ہے۔ وہ ہم جیسے مفکر' سکالر اور دانشور نہیں ہیں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جوابھی تک بلیک اینڈ وائٹ پھرتے ہیں۔ آج کل ایک اور روش ہمارے ہاں پروان چڑھ رہی ہے کہ لوگ مذاق میں یا جان چھڑانے کے لیے کسی کو راستہ غلط بتا دیتے ہیں۔ یہ تو بابے والی کوالٹی نہیں ہے۔ یہ تو بلیک اینڈ وائٹ کام ہے۔

اس کی ساری وجہ ہمارے رویے ہیں جو ہمیں ایک دوسرے سے قریب یا دور کر دیتے ہیں۔

اگر ہم سوچ لیں کہ ہم نے ایک مہینے میں' ایک ہفتے میں یا دن میں کسی بھی ایک وقت لوگوں کی اور انسانوں کی آسانی کے لیے کام کرنا ہے تو ہمارے سارے مسائل خود بخود حل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ یہ بلیک اینڈ وائٹ زندگی خود بخود کلرفل ہونا شروع ہو جائے گی۔ ہماری زندگی کا انسانوں کے لیے صرف کیا گیا ایک ایک منٹ' سیکنڈ جب بہت سارے انسانوں کے اسی طرح کے وقف کیے گئے گھنٹوں' دنوں' منٹوں اور سیکنڈوں میں جمع ہوگا تو یہ وقت اتنا بن جائے گا کہ شمار نہیں ہوگا۔

خواتین وحضرات! یہ کام انفرادی طور پر کرنے کا ہے' حکومت کا نہیں ہے۔ ہم ہر بات پر حکومت کو دوش دینا شروع کر دیتے ہیں۔ نظام کی خرابی کی بات کرتے ہیں۔ جب بھی کوئی بات ہوتی ہے کہا جاتا ہے'' کہ جی ساڈا نظام ای ٹھیک نئیں'' یا یہ کہ حکومت کچھ بھی نہیں کر رہی۔ انسانوں کو آسانیاں فراہم کرنا حکومتوں کا کام نہیں ہے۔ یہ انفرادی نوعیت کا کام ہے اور حکومت کا کام تو ٹیکس اور یوٹیلیٹی بلز کا حساب کتاب رکھنا ہے۔ ہمارے بابا جی کہا کرتے تھے کہ کوئی انسان حقیر نہیں ہوتا' کبھی کسی کو کم تر نہ جانو۔ وہ کہتے کہ کافر سے اس لیے نفرت نہ کرو کہ وہ کافر ہے بلکہ اس کے کفر کو حقیر جانو اسے نہیں۔ وہ تو انسان ہے۔ ہماری زندگیوں پر یوٹیلیٹی بلز کا اس قدر بوجھ بڑھ گیا ہے کہ ہم چڑچڑے ہو گئے ہیں۔

ہماری زندگی بھی کئی لوگوں سے بہتر ہے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں انسان ہم سے بھی مشکل حالات میں جی رہے ہیں۔ ہم سب قدرت کی حسین شاہکار وادیوں میں بڑے شوق سے جاتے ہیں۔ آپ نے کبھی دیکھا کہ وہاں کے رہنے والے کس حال میں زندہ ہیں۔ سردیوں میں وہ شدید برفباری کا شکار ہوتے ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں نہیں ہوتیں۔ راستے بند ہو جاتے ہیں اور وہ ایسی زندگی سے عاجز آ جاتے ہیں اور ہم لوگ ٹولیاں بنا بنا کر وہاں سیر کرنے جاتے ہیں لیکن آپ ان کو دیکھیں' ہم وہاں جب بھی جائیں مہمان نوازی کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ کبھی انہوں کے ماتھے پر شکن نہیں ڈالی کہ یہ لوگ کس طرح اسیری کی زندگی میں ہیں۔

وہاں ان لوگوں نے جو جھونپڑیوں یا چھوٹے چھوٹے گھروں میں رہتے ہیں' گائیاں رکھی ہوئی ہیں۔ وہ سارا دن خود ہی چرتی رہتی ہیں اور شام کو وہاں آ جاتی ہیں۔ وہ ان گائیوں کا دودھ دوھ کر بیچ دیتے ہیں۔ اور تو ان کا کوئی ذریعہ روزگار نہیں ہوتا۔ میں' ممتاز مفتی اور ہمارا پورا لشکر ایسی ایسی جگہوں پر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بھی گئے ہیں‘ جہاں زندگی اتنی مشکل ہے کہ ناقابل بیان لیکن ان لوگوں نے ہمیشہ ہمارا ہنس کر اور مسکرا کر استقبال کیا۔ ہمیں نہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی اتنا پیار دیا کہ یہ چٹیل پہاڑ اور خوبصورت لگنے لگے اور ہمارا ان سے پیار اور رشتہ اور مضبوط ہو گیا۔

ہمارے صحراؤں کے باسیوں نے اتنی محبت اور الفتیں بخشیں کہ طبیعت پر بوجھ بڑھاتی ہوئی ہماری نفرتیں شرم سے پانی پانی ہو گئیں۔ ہم ملک میں جہاں بھی گئے محبت سمیٹتے ہوئے آئے۔ سرکار امام بریؒ سے لے کر سخی شہباز قلندرؒ اور بہاء الدین زکریاؒ کی نگریوں نے کہیں بھی ہمیں سندھی‘ بلوچی‘ سرحدی‘ پنجابی اور سرائیکی ہونے کا تاثر نہیں دیا۔ وہاں جا کر ایسا ہی لگا کہ ہم کسی ایک خمیر سے اٹھے ہوئے لوگ ہیں جن کی تکمیل میں ایک ہی مٹی اور پانی استعمال ہوا ہے۔ ہم میں کوئی دراڑ نہیں ہے۔ یہ بلیک اینڈ وائٹ باتیں کرنے والے اور نفرتوں کا تاثر دینے والے تو کوئی اور ہی ہیں۔ ہم میں سے نہیں۔ یہ ہمیں ایک بھائی (بنگلہ دیش) کے بعد دوسروں سے جدا کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم تو ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ ہم تو یکجان ہی رہیں گے۔ ہم تو Colour Ful سوچیں گے‘ کلرفل دیکھیں گے۔ جب تک یہ پہاڑ زندہ ہیں ہمارے دریا کسی نہ کسی جگہ باہم ملے ہوتے ہیں۔ ہمارے چاروں صوبوں کی ہوائیں ایک دوسرے کا لمس محسوس کرتی ہیں۔ ہم مل کر اور اکٹھے ہو کر ہی جئیں گے اور رہیں گے۔

ہر قوم پر کڑا وقت آتا ہے لیکن وہ قومیں ہی آگے نکلتی ہیں جو عزم کی پیکر ہوتی ہیں۔ اپنے خون اور مٹی سے محبت کرتی ہیں اور یہ کڑا وقت ہی قوموں کو مضبوطی‘ توانائی اور استحکام عطا کرتا ہے۔ قومیں چوٹ کھا کر ہی ابھرتی ہیں اور اپنی خوبصورتی میں اضافہ کرتی ہیں۔

کیا آپ کو علم ہے کہ ہمارے جوتوں میں جیکٹوں میں اور دیگر چیزوں میں جو چمڑا استعمال ہوتا ہے یہ کس Process سے ہو کر اتنا نفیس‘ ملائم اور چمکدار بنتا ہے۔

چمڑا اتنی بدبو دار جگہ پر اپنی اس صورت کو اختیار کرتا ہے کہ اگر ہم دیکھ لیں تو کبھی چمڑا استعمال نہ کریں۔ چمڑے کو کبوتر کی بیٹوں یا فضلے میں کئی کئی دن پکایا جاتا ہے تاکہ اس کی حقیقی ملائمت نکل سکے۔ جب وہ تمام مشکل مراحل سے گزر کر آ جاتا ہے تو اپنی خام حالت کی نسبت اس حالت میں کئی گنا زیادہ مہنگا ہو جاتا ہے۔ چمکدار اور خوبصورت بن جاتا ہے۔

جو قومیں برے حالات کا مقابلہ کر کے اچھے حالات میں آ جاتی ہیں‘ اپنے برے وقت سے سبق سیکھ لیتی ہیں وہ Colour Ful Vision کی حامل ہو جاتی ہیں۔ وہ بلیک اینڈ وائٹ نہیں رہتیں۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

''بلّھے شاہ اساں مرنا ناہیں''

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

حادثات کا نام جس قدر خوفناک ہے' اسی قدر انوکھا بھی۔ ہم سنتے ہیں کہ آج فلاں جگہ پر یہ حادثہ ہوگیا' فلاں پر یہ ہوگیا۔ پہاڑی سے ویگن لڑھک کر کھائی میں جا گری۔ دس بندے مارے گئے۔ موت کے کنویں میں سکوٹر چلانے والا اپنی کھٹارا سی سکوٹر سمیت گر گیا۔

انسان ویسے حادثات کو پسند نہیں کرتا لیکن عام طور پر حادثات کا بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر تعلق انسان سے ہی ہوتا ہے۔ انسان کی زندگی میں حادثات لازم وملزوم ہیں۔ کوئی ایسا انسان اس جہان میں نہیں گزرا ہوگا جس نے زندگی کا ایک حصہ گزارا ہو' یا اہل وعیال والا ہو اور اس کے ساتھ کوئی حادثہ رونما ہوا نہ ہو۔ آئے روز حادثے ہوتے ہیں۔ حادثات کی بھی ایک اپنی تاریخ ہے۔ یہ زمین' پانی' جنگل' اجاڑ' صحرا و بیابان کسی بھی جگہ ہو انسان کی جان نہیں چھوڑتے۔ انسان تو اس کے شکار ہیں' وہیں دیگر جاندار بھی حادثات کی نظر ہوتے ہیں۔

اگر آپ کسی گرم علاقے میں تانگے پر سواری کریں (خیر اب تانگے ہمارے ہاں سے تو معدوم ہوتے جا رہے ہیں اور اب ان کی جگہ ''چنگ چی'' رکشوں نے لے لی ہے۔ یہ بھی انسان نے ایک نرالی چیز ایجاد کی ہے۔ تانگے کی طرح ایک ٹرالی سی بنا کر اس پر گھوڑے کی جگہ ایک سکوٹر کو راسیں ڈال کر کئی انسانوں کو پھنس پھنسا کر بٹھا دیا جاتا ہے اور وہ گھوڑے کی طرح ہنہناتا یا ٹرر...ٹرر کرتا بھاگا جاتا ہے۔) تو آپ کئی جگہوں پر دیکھیں گے کہ گھوڑے چلتے چلتے گرمی کی شدت سے گر پڑتے ہیں اور بچارے مر جاتے ہیں حالانکہ چند لمحے پہلے وہ چنگے بھلے بھاگے جا رہے ہوتے ہیں۔ ایسے واقعات ان

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

علاقوں میں اکثر و بیشتر رونما ہوتے رہتے ہیں۔

آج تک کسی کو علم نہیں ہو سکا کہ ان حادثوں نے اس دنیا میں کب جنم لیا؟ یہ کیسے ہونے لگے؟ اور کیونکر ہونے لگے؟ لیکن سب کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ حادثے جو کسی کے ساتھ ہوتے ہیں اور ان کی تاریخ شاید اتنی ہی پرانی ہے جتنی دنیا کی یا زمین کی تاریخ پرانی ہے۔

اب یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر حادثہ انسانی غلطی کی وجہ سے ہی ہو۔

اگر کسی صاحب کا بچہ فوت ہو جاتا ہے اور وہ اس کا ایک ہی بچہ ہوتا ہے تو یہ گو ایک عام سی بات ہے لیکن اس شخص کے لیے جو اپنے بیٹے سے محروم ہوا ہے ایک سانحہ عظیم ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ "جی جس نے جنم لیا ہے ایک دن مرنا تو ہے ہی۔"

لیکن وہ شخص کہتا ہے کہ اگر ایسی ہی بات ہے تو ٹھیک لیکن وہ اس حادثے اور دکھ سے کیوں گزرا اس سے بہتر تو یہ تھا کہ وہ خود مر کھپ گیا ہوتا اور اسے یہ دکھ نہ دیکھنا پڑتا۔ حوادث اپنے رنگوں اور انداز میں رونما ہوتے ہیں۔

خواتین و حضرات! حادثات اور واقعات میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ یہ کچھ ملتے جلتے ہی ہوتے ہیں۔ واقعات میں شاید انسان کا اپنا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے اور حادثات میں کچھ کم۔

آپ کا جنگل میں شیروں کا شکار کرنا اور تن تنہا بندے کا انہیں بھگا دینا یا مار ڈالنا' ایک واقعہ ہے لیکن ٹرین کا باراتیوں سے بھری بس سے ٹکرا جانا ایک حادثہ ہے۔ اس کے لیے انسان پہلے سے تیار نہیں ہوتا۔

ایک آدمی تھا۔ اس کے پاس ایک گدھا تھا جس سے وہ اپنی کاشت کاری کا کام لیتا تھا۔ "پٹھا نیرا" (چارہ) کاٹ کر وہ اس پر رکھ کر لاتا تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ اس کا وہ گدھا بدک گیا اور اس کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ اس شخص نے ایک بھاری سی لکڑی اسے ڈرانے کے لیے اس کی طرف پھینکی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ لکڑی اس گدھے کے سر پر لگی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کے قریبی یا گاؤں کے لوگوں نے اس سے افسوس کیا کہ اس کا ناحق میں نقصان ہو گیا۔

اس واقعہ یا حادثے کے (اسے آپ جو بھی نام دیں) وہ اپنی بھینس کا دودھ دوہنے لگا تو اس کی بھینس نے ایک بچہ دیا ہوا تھا' جسے ہم پنجابی میں "کٹا" کہتے ہیں۔ اس کا بچہ ابھی چند دنوں کا ہی تھا۔ جیسے عام طور پر بھینس کو دوہنے یا اس کا دودھ نکالنے سے پہلے اس کے بچے کو بھینس کے قریب کیا جاتا ہے تا کہ ایک تو وہ دودھ پی لے اور دوسرا بھینس اچھی طرح اپنے تھنوں میں دودھ لے آئے اور "پسم" جائے۔ اس شخص نے کٹے کو چھوڑا تو وہ بجائے بھینس کی طرف جانے کے اِدھر اُدھر بھاگنے لگا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اور مستیاں کرنے لگا۔ وہ شخص بار بار اسے پکڑ کر بھینس کے قریب کرتا لیکن وہ اس کے قریب نہ آتا۔ اس شخص نے غصے میں آ کر اس کٹے کی گردن کو مروڑ کر بھینس کی جانب زبردستی موڑنا چاہا تو ایک دم وہ نیچے گر گیا۔ اب وہ شخص یا کسان جب اسے قریب جا کر دیکھتا ہے تو وہ مر چکا ہوتا ہے اور اس کا منکا ٹوٹ چکا ہوتا ہے۔ اب وہ سخت پریشان اور شدید دُبدھا میں پڑ گیا کہ ہائے ابھی لوگ اس سے گدھے کی ہلاکت کا افسوس کر کے گئے اب کیا سوچیں گے۔

اب اس کے سامنے ایک تو مرا ہوا گدھا پڑا ہے اور اس کے ساتھ وہ بھینس کا بچہ اور وہ سخت پریشانی میں بیٹھا ماتھے پر ہاتھ رکھے سوچ رہا ہے کہ اس کے ساتھ اس قسم کے حادثات کیوں ہو رہے ہیں۔ وہ یہ سوچتے سوچتے پاس رکھی چارپائی پر دھڑم سے گرتا ہے۔

جس طرح ہم تھک ہار کر صوفے پر گر جاتے ہیں' تو اس چارپائی کے جو دونوں ''سیرو'' یا پائیوں کو پکڑ کر رکھنے والے ڈنڈے سے زمین پر جا گرتے ہیں اور وہ ان کے ساتھ زمین پر جا پڑتا ہے۔

خواتین و حضرات! اب آپ اس شخص کی پشیمانی کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس پر کیا گزر رہی ہوگی۔ یکے بعد دیگرے اس کے ساتھ کیا حادثات گزر رہے ہیں۔ وہ سوچتا ہے کہ اس پر وقت بھاری ہے۔ لہٰذا اسے دو نفل نماز ادا کرنی چاہیے تا کہ اسے ان حادثات کی مصیبت سے چھٹکارا مل سکے۔ یہ سوچتے ہوئے وہ زمین سے اٹھتا ہے تا کہ وضو کے لیے دیوار پر رکھا لوٹا جو پانی سے بھرا ہے اسے اٹھا سکے۔ وہ جونہی اس لوٹے کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے وہ لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر جاتا ہے اور نیچے میاؤں میاؤں کرتی بلی کو لگتا ہے اور وہ بلی موقع پر ہی مر جاتی ہے اور پوری طرح میاؤں بھی نہیں کر پاتی۔

خواتین و حضرات! یہ سب کچھ چند منٹوں کے اندر اندر ہوتا ہے۔ اب اسے کوئی کیا نام دے۔

حادثے کہے یا واقعات......!

حقیقت میں بعض اوقات سوچ کچھ اور رہا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہو کچھ اور رہا ہوتا ہے۔ شاید اسی کو حادثہ کہتے ہیں لیکن حوادث کے بارے میں کچھ لوگوں کی رائے مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حادثے انسان کے اپنے کارناموں اور کرتوتوں کی پاداش میں جنم لیتے ہیں۔

مثال کے طور پر کہ ایک شخص اگر گاڑی تیز نہیں چلائے گا تو وہ نہ اوور سپیڈ ہوگی اور نہ ہی کسی دوسری گاڑی سے جا کر ٹکرائے گی۔ اب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی آہستہ گاڑی چلانے والے سے کوئی اور آ کر ٹکرا جائے۔

بات یہ بھی سمجھ میں آتی ہے لیکن وہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ جو اس کسان کے ساتھ بیتی۔

اس حوالے سے ایک شاعر نے بھی لکھا ہے کہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

وقت کرتا ہے پرورش برسوں

حادثے ایک دم نہیں ہوتے

لیکن یہ بحث بہت لمبی ہے۔ بعض اوقات حادثے ہی انسان کو چور، ڈاکو سے پارسا بناتے ہیں اور بڑے بڑے پارسا اور عبادت گزار حوادث کے باعث اپنی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔

کچھ لوگ ان حوادث سے گزر کر خدا کے قریب چلے جاتے ہیں اور کچھ دوسری راہ پر جا نکلتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا بجا نہیں ہے کہ حادثات کا عمل دخل انسانی زندگی میں نہیں ہے۔

جب ہم تیسری یا چوتھی کلاس میں پڑھا کرتے تھے، تب ہمارے اس چھوٹے سے بغیر عمارت دیوار والے سکول میں ایک لڑکا پڑھا کرتا تھا۔ اس کا نام بشیر تھا اور بشیر سے یاد آیا کہ ہمارے قصور میں اتنے نام کے بشیر آپ کو ملیں گے کہ آپ کسی بازار میں کھڑے ہو کر ایک بار اونچی آواز میں بشیر پکاریں آپ کو اس وقت تین چار بشیر مل جائیں گے۔ اس لڑکے کا نام بشیر تھا۔ وہ تھا تو گورا چٹا لیکن اس کی پھوپھی جسے وہ پنجابی میں ''بھووا'' کہتا تھا وہ اس کا سر منڈوا کے رکھتی تھی۔ اس پر سارے لڑکے یا بچے اسے مذاق سے ''بشیر توڑا'' کہا کرتے تھے۔ اسے جب بھی ماسٹر صاحب ڈانٹتے تو وہ اونچی آواز میں ''بھووا'' کو پکارتا اور اس کی وہ ''بھوہوا'' جو سکول سے سامنے والے گھر میں رہتی تھی، اپنے گھر کی کچی دیوار سے سر نکال کر دیکھتی اور سکول پہنچ جاتی۔ وہ کہا کرتی تھی کہ وہ اپنے اس بھتیجے کو پڑھا لکھا کر بڑا افسر بنائے گی اور وہ ہمارے استاد سے بھی کہتی کہ وہ اس پر زیادہ سختی نہ کرے۔ وقت گزرتا گیا۔ وہ لڑکا پڑھ لکھ نہ سکا۔ ان کا گھرانہ انتہائی مذہبی قسم کا تھا لیکن وہ لڑکا بڑا ہو کر آوارہ گردی کرنے لگا اور اس کی صحبت گھر کے ماحول سے برعکس غلط قسم کے لوگوں سے ہو گئی اور پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ وہ ناچنے والے گروہ میں شامل ہو گیا۔ وہ ناچنے والے جنہیں ''کھسرے'' کہا جاتا ہے۔ وہ اچھا بھلا صحت منداور خوبصورت بشیر توڑا میلوں، ٹھیلوں میں ناچنے والوں کے ساتھ رہتا اور وہ اس طرح بڑا خوش تھا۔

مجھے اپنے دوست کی وہ بات بھی یاد آ رہی ہے کہ جو اس نے مجھے بڑے مزے لے لے کر بتائی تھی۔

اس نے مجھے بتایا کہ اس کے گاؤں میں ایک موچی تھا اور اس کے چار پانچ بیٹے تھے اور اس نے بچپن سے ہی اپنے ان بچوں میں سے کسی کا نام آئی جی، کسی کا ڈی آئی جی، کسی کا تھانیدار رکھا ہوا تھا لیکن بڑے ہو کر اس کے وہ تمام بیٹے نہ تو پڑھ لکھ سکے اور نہ ہی کچھ بن سکے، گو کہ اس نے اپنی بساط کے مطابق انہیں پڑھانے کی بڑی کوشش کی۔

میرے دوست نے مجھے بتایا کہ اس کے چاروں بیٹوں میں دو تو بشیر توڑے کی طرح ناچنے گانے والوں کے ساتھ مل گئے اور باقی آوارہ گردی کرتے ہیں۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خواتین وحضرات! یہ سب حادثات ہیں واقعات نہیں ہیں۔ ان حادثات و واقعات میں قدرت کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔

ایک بار ہم ڈیرے پر بابا جی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نوجوان جو بہت خوبصورت تھا سائیکل پر آیا اور اس چارپائی جس پر بابا جی بیٹھے ہوئے تھے سائیکل پر سے اترے بغیر کھڑے ایک پاؤں رکھ کر کہنے لگا ''آپ لوگ ادھر بیٹھے ہو کیا آپ کو پتہ ہے کہ انسان پہلے بندر تھا۔''

ہم سب کو اس کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا لیکن بابا جی مسکرانے لگے اور کہا ''پتر تو کون ایں۔''

وہ بولا ''میں دیال سنگھ کالج میں پڑھتا ہوں اور میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ انسان پہلے بندر ہوا کرتا تھا اور ایک حادثے میں یہ انسان بنا ہے۔''

بابا جی کہنے لگے ''نہیں میرے پیارے بیٹے تو تو نبیوں کی اولاد ہے۔ تو بندر کیوں تھا۔ تو عظمت والے نبی کی اولاد میں سے ہے۔'' اس پر وہ لڑکا جو پہلے انتہائی گستاخانہ انداز میں بات کر رہا تھا' نرم پڑ گیا اور اس کی آنکھوں میں ایک دم سے روشنی کی شمع روشن ہو گئی۔

اس بچارے نے کسی مغربی مصنف کی کتاب سے پڑھ لیا ہوگا کہ انسان پہلے بندر ہوتا تھا اور کسی ایک حادثے نے اسے انسان کا روپ دے دیا ہے یا وہ بدلتے بدلتے انسان کے روپ میں آ گیا۔

خواتین وحضرات! حادثے چاہے جتنا مرضی ہماری زندگیوں میں کردار ادا کریں۔ یہ چاہے جس قدر مرضی ہماری روحوں' جسموں اور سوچوں پر شب خون ماریں۔ ہم نے ان حوادث کے آگے ہار نہیں ماننی' اپنا مقصد نہیں کھونا۔ اپنے آپ کی تلاش کا کام جاری رکھنا ہے۔ اس لڑکے کی طرح ایک کتاب پڑھ کر بغیر سوچے سمجھے غصہ نہیں کھا جانا بلکہ سوچنا ہے۔ اپنی روحوں کے اندر جھانکنا ہے۔ خود کو مایوس کیے بغیر کسی دیوار سے ڈھو لگا کر اس بات کو تلاش کرنا ہے کہ ہماری زندگی میں ہونے والے حادثے ہمیں پریشان ہی کیوں کرتے ہیں؟

ایسے حادثے ہی کیوں ہوتے ہیں جو ہماری جانوں سے کھیلتے ہیں؟

ایسے حادثے کیوں نہیں ہوتے کہ انسان دوسرے انسان کی توقیر کرنے لگے۔

اسے اس کا کھویا ہوا مقام دے دے۔

ایک ڈپٹی کمشنر لوگوں سے خود آ کر پوچھے کہ انہیں کیا مسائل ہیں' نا کہ لوگ ان کے دفتر کے باہر صبح سے شام کر لیں۔

جو لوگ اپنی ہستی کو پہچان لیتے ہیں انہیں دکھی اور رنجیدہ کرنے والے حوادث سے پالا کبھی نہیں پڑتا۔ میری اس Prolix کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ میں اس مقام پر ہوں بلکہ میں آپ لوگوں سے کہتا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہوں کہ میری مدد کریں، تا کہ میں بھی اس مقصود تک پہنچنے کی کوشش کر سکوں، جو ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو کامیاب ہوتے ہیں۔ جو حوادث میں رہ کر بھی خوشیاں بانٹتے ہیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہیں ہوتے ہیں جو حادثوں کی نذر ہو کر اوندھے منہ گرتے ہیں بلکہ ان لوگوں جیسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں ۔

بلھے شاہ آساں مرنا ناہیں
گور پیا کوئی ہور

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

Folk Wisdom

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔ معافی اور درگزر یہ ایک پھول کی مانند ہیں۔ اس کے باعث انسان ایک دوسرے سے رابطے میں رہتے ہیں اور یہ ''معافی'' انسانوں کے مابین Connectivity کا کام دیتی ہے۔ جو لوگ معافی مانگنے سے محروم ہو جاتے ہیں وہ انسان کے درمیان رابطے اور تعلق کے پل کو توڑ دیتے ہیں اور ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے کہ ان کو خود کسی وجہ سے آدمیوں اور انسانوں کے پاس جانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن وہ پل ٹوٹا ہوا ہوتا ہے۔ اگر ہم ایک انسان سے کوئی زیادتی کرتے ہیں یا انسان کا کوئی گناہ کرتے ہیں اور پھر وہ انسان خدانخواستہ فوت ہو جاتا ہے یا برطانیہ یا کینیڈا جا کر آباد ہو جاتا ہے تو پھر ہمیں اس انسان کے پاس جا کر معافی مانگنے میں بڑی مشکل درپیش ہوتی ہے لیکن اگر ہم خدا کے گناہگار ہوں اور ہمارا ضمیر اور دل ہمیں کہے کہ ''یار تو نے یہ بہت بڑا گناہ کیا ہے اور تجھے اپنے رب سے معافی مانگنی چاہیے۔'' تو اس صورت میں ہمیں سب سے بڑی آسانی یہ ہوتی ہے کہ ہمیں اپنے خدا کو کہیں جا کر ڈھونڈنا نہیں پڑتا' تلاش نہیں کرنا پڑتا کیونکہ وہ تو ہر جگہ موجود ہے' اس لیے ہمارے بابے اس بات پر زور دیتے ہیں اور ہمارے بابا جی ہمیں اکثر و بیشتر یہ کہا کرتے تھے کہ ''انسان کے معاملے میں بہت احتیاط کیا کرو اور کوئی ایسا گناہ یا غلطی کی سرزدگی سے بچا کرو جو انسان سے متعلق ہو' کیونکہ انسان سے کیے گناہ یا ظلم کی معافی اس سے ملے گی۔ اگر تم سے کوئی خدا کا گناہ ہو جاتا ہے تو یہ اور بات ہے' وہ رحیم و کریم ہے اور ہر جگہ موجود ہے' اس سے معافی کسی بھی وقت مانگی جا سکتی ہے۔ اگر وہ انسان کھو گیا تو مارے جاؤ گے۔''

اصغر ندیم سید (گفتگو کے درمیان میں سوال پوچھتے ہیں):۔ خان صاحب! آپ کی ہم جتنی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بھی باتیں سنتے ہیں انہیں سن کر بہت لطف آتا ہے۔ آپ ہمیں جس Folk Wisdom کی بابت بتاتے ہیں، وہ کبھی مستریوں، کبھی درزیوں، کبھی ترکھانوں اور عام آدمی سے آپ لیتے ہیں۔ آپ براہ کرم ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اور بتائیں۔

اشفاق احمد:۔ یہ تو بر سبیل تذکرہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ بات یہ ہے کہ آپ ماشاء اللہ استاد اور پروفیسر ہیں اور آپ کو یہ بات پکڑنی خاصی مشکل ہو جائے گی کہ تعلیم سے الگ دانش ایک اور چیز ہوتی ہے۔ میں کسی پروگرام میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ جب میں میٹرک کرنے کے بعد ایف۔ اے میں داخل ہوا تو مجھے پھر شہر آنا تھا۔ میری ماں نے ہمارے ملازم کو ایک ٹرنک سا دیا اور کہا کہ جا کر اشفاق کو چڑھا آ۔ ان دنوں ہمارے ہاں سے ایک چھوٹی گاڑی چلتی تھی۔

جب میں چلنے لگا تو میری ماں نے کہا کہ ٹھہر جا اور اسٹیشن جانے سے پہلے تایا قاسم علی کو سلام کر کے جانا۔

خواتین وحضرات! ہمارا وہ تایا پورے گاؤں کا تایا تھا۔ وہ موچی تھا۔ وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر جوتوں کو ٹانکے لگایا کرتا تھا۔ (حقیقت میں میں وہاں نہیں جانا چاہتا تھا کہ کیونکہ میں اب میٹرک پاس کر چکا ہوا تھا اور تعلیم یافتہ ہو گیا تھا اور مجھے اللہ نے عقل دے دی تھی۔ اس طنزیہ گفتگو پر پورا ہال ہنسنے لگتا ہے) اب ماں مجھے زبردستی وہاں بھیج رہی تھی کہ تائے کو مل کر جانا ہے اور میں چار و ناچار نہ چاہتے ہوئے تائے کے پاس گیا، انہیں سلام کیا۔

وہ مجھ سے کہنے لگے ”کتھے چلاایں۔“

میں نے کہا کہ جی میں بڑے کالج میں پڑھنے کے لیے شہر جا رہا ہوں۔

تایا نے مجھ سے کہا ”وہاں جا کے پٹھیاں آستیناں والی قمیض نئیں پانی۔“

(وہاں جا کر ایسی قمیض زیب تن نہیں کرنی جس کی آستین یا کف الٹے ہوں)

بچو! اب اس زمانے میں آستینیں الٹی کر کے بیچ کر کے بٹن لگانے کا بڑا رواج تھا اور میری آٹھویں جماعت سے یہ آرزو تھی کہ جب میں بڑا ہوں گا اور فرسٹ ایئر میں داخل ہوں گا تو Turn کف والی قمیض پہنوں گا لیکن اب تائے نے مجھے منع کر دیا۔ پتہ نہیں اسے کیسے پتہ تھا کہ میرے اندر ہی اندر یہ خواہش اٹھتی ہے۔ دوسری بات تائے نے کہی کہ ”پتر بودے نہ رکھنا۔“ (بیٹا لمبے بال مت رکھنا۔)

اس زمانے میں ہم بچوں کے سر پر مشین پھیر دی جاتی تھی اور بال بڑھنے دیئے بھی نہیں جاتے تھے اور آپ اس دکھ میں میرے شریک ہو سکتے ہیں۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تیسری بات جو تائے نے مجھے کہی' وہ یہ تھی کہ "کڑیاں نوں نہ ویکھیں۔"

(لڑکیوں کی طرف متوجہ نہ ہونا۔)

(ہال سے ایک آواز آتی ہے)

گویا تائے نے تمام اچھی باتوں سے منع کر دیا۔ (قہقہے)

اب یہ تائے کا حکم تھا۔ میں ان کی باتیں سوچتا ہوا انہیں سلام کر کے آ گیا۔ میں نے پھر شہر آ کر بڑے کالر والی قمیض سلوائی حالانکہ ہم گاؤں میں ایسی قمیصیں نہیں پہنتے تھے۔ اس پر بٹن آستینیں بھی بنوائیں۔ اس کے بعد میں نے بودے بھی رکھ لیے۔ لڑکیاں ہمارے ساتھ پڑھتی تھیں۔ وہ تو پھر وہاں تھیں ہی' انہیں بھی دیکھتے تھے۔ جب میں بڑے شہر سے بڑی تعلیم حاصل کر چکا اور گرمیوں کی چھٹیوں میں لوٹ کے گھر آیا تو گھر میں بڑی عزت افزائی ہوئی۔ ظاہر ہے کہ شہر میں پڑھنے سے لڑکا بہت ذہین ہو جاتا ہے۔ (اشفاق احمد یہ جملہ طنزیہ طور پر مسکراتے ہوئے بولتے ہیں)

اب شام کے وقت میں سیر کرتا ہوا اپنے تایا قاسم علی کے پاس درخت کے نیچے گیا اور پتھر کی سل پر بیٹھ کر ان سے باتیں کرنے لگا۔

میں نے تائے سے کہا کہ تایا سن میں تمہیں ایک بڑی کام کی بات بتاتا ہوں۔ وہ بڑے تجسس سے میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اسے بتایا کہ یہ جو مکھی ہوتی ہے اور جسے معمولی اور بہت حقیر خیال کیا جاتا ہے یہ دیکھنے اور بینائی کے معاملے میں تمام کیڑوں سے زیادہ تیز ہوتی ہے کیونکہ اس کی آنکھ میں تین ہزار محدب شیشے یا لینز لگے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ ہر زاویے سے دیکھ سکتی ہے اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ جب بھی اور جس طریقے سے بھی اس پر حملہ آور ہوں' یہ اڑ جاتی ہے اور اللہ نے اسے یہ بہت بڑی اور نمایاں خصوصیت دی ہے۔ اب میں سمجھ رہا تھا کہ اس بات کا تائے پر بہت رعب پڑے گا کیونکہ میرے خیال میں یہ بڑے کمال کی بات تھی۔

لیکن تایا کہنے لگا "لکھ لعنت ایسی مکھی تے جندیاں تن ہزار اکھاں ہون اور جدوں وی بہندی اے گندگی تے ای بہندی اے۔"

(ایسی مکھی پر لعنت بے شمار ہو جس کی تین ہزار آنکھیں ہوں اور وہ جب بھی بیٹھے گندگی پر ہی بیٹھے یا اس کو ہی ترجیح دے)

خواتین و حضرات! یہ بات ہے دانش کی۔ ایسی باتیں علم و تعلیم کے زمرے میں نہیں آتی ہیں۔ میں بات کر رہا تھا معافی کی Tolerance کی۔ ہم بڑی ساری کوشش کے باوصف اور بہت ساری تعلیم حاصل کرنے کے باوجود جب اپنے رویے کی طرف لوٹتے ہیں' تو اپنی تحریر میں' تقریر میں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اور اپنی پیش قدمی میں Tolerance کی پالنا نہیں کرتے۔ اس کی عزت نہیں کرتے۔ یہ عام طور پر ہم سے کوتاہی ہو جاتی ہے۔ ہم آئے روز اخبارات میں ایڈیٹوریل پڑھتے ہیں۔ کالم دیکھتے ہیں۔ اس میں جو چیز آپ کو ناپسند ہوتی ہے' اس کے خلاف بڑی شدت سے ردِعمل ظاہر کرتے ہیں اور یہ بات ہماری زندگی میں بہت بری طرح سے عود کر آتی ہے اور ہم اور ہمارے Tolerance کے مابین یہ بات نہایت شدت کے ساتھ حائل ہے۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کیونکہ آپ بھی تائے اور استاد ہیں کہ بچوں کو ان کی اچھی کارکردگی کے صلے میں کچھ انعام واکرام یا گفٹ' میڈل یا سرٹیفکیٹ دینا چاہیے یا نہیں۔

ایک خاتون:- میرے خیال میں تو دینا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ اچھا کام کرتا ہے تو اس کی ستائش و تعریف چاہتا ہے اور آپ فطرت کو تبدیل نہیں کر سکتے۔

ایک صاحب گویا ہوتے ہیں:- خان صاحب! اگر ہم اس بچے کو اچھی کارکردگی کے صلے میں کچھ دیں گے تو وہ بھی اگلی نسل کو کچھ عطا کرے گا۔

ایک اور صاحب:- اس طرح سے مقابلے اور کارکردگی بہتر بنانے کی فضاء پیدا ہوتی ہے۔ چھوٹی سی بات پر کسی بچے کو شاباس کہہ دینا یا تھپکی دے دینا اس کی طرف مسکرا کر دیکھ لینا بھی ایک بہت بڑا انعام ہوتا ہے۔

اصغر ندیم سید:- کسی کو شاباش دینا اچھی بات ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ضرور دیکھنا چاہیے کہ جو اس شاباش یا تھپکی سے محروم رہا ہے اس کی بنیادیں کیا ہیں۔ اس کی وجوہات کیا ہیں؟ اور اس محرومی میں ہمارے نظام کی کونسی کمزوریاں ہیں اور اسّی فیصد کیوں ناکام ہو گئے؟

ایک اور صاحب گویا ہوتے ہیں:- لیکن ایک بچہ جو ایک لیمپ کے نیچے بیٹھ کر پڑھتا ہے اور دن رات محنت کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کی اس قدر محنت اور مشقت کا اگر Physically Award بھی ہو جائے تو شاید اس سے اور بھی فائدہ ہو اور کم نمبر لینے والے بچے کو بھی مزید محنت کرنے کا حوصلہ ملے۔

پروگرام میں شریک ایک محترمہ:- آپ اس میں حد بندی نہیں کر سکتے کہ ایک اچھا بچہ اور درمیانہ بچہ اور کم تر بچہ کون ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بہت زیادہ پڑھنے والا بچہ کسی وجہ سے ناکام ہو گیا ہو۔

ایک اور صاحب گویا ہوتے ہیں:- اگر ایک بچہ ستر فیصد نمبر حاصل کرتا ہے تو اسے انعام ملتا ہے اور اس میں مزید محنت کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اب وہ کوشش کرے گا کہ وہ اسی فیصد نمبر حاصل کرے۔

اشفاق احمد:- (مسکراتے ہوئے) اصغر ندیم سید کی سوچ کا انداز وہ ایک برطانوی ماہر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نفسیات سے ملتا ہے' وہ ہماری نفسیات سے ملتا نہیں ہے۔ مغربی ماہرین نفسیات یا ماہرین کہتے ہیں کہ بچوں کو انعام دینا اور ان کی کارکردگی کو ستائش کرنے سے بچے آگے چل کر چالاکی کی طرف توجہ دینا شروع کردیتے ہیں۔ پڑھائی کی طرف اتنی توجہ نہیں دیتے اور وہ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ آئندہ انعام حاصل کرنے کے لیے باوجود اس کے کہ ہم نے محنت سے یہ انعام حاصل کیا ہے' اب ہم کس طرح سے دوبارہ انعام حاصل کریں۔ اس طرح ان میں بوٹی مافیا کا ہلکا سا رنگ پیدا ہونے لگتا ہے کہ کس طرح سے حصول زیادہ ہو۔

اصغر ندیم سید:۔ ایک دوسری بات یہ ہے کہ بزرگوں کا ایک اور خیال اور نظریہ ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اگر "ایہدی تعریف زیادہ کیتی تے ایہہ چوڑ ہو جائے گا۔"

(اگر اس کی تعریف زیادہ کردی تو یہ خراب ہو جائے گا۔)

محفل میں شریک خاتون:۔ میرا موقف ذرا مختلف ہے کیونکہ اللہ میاں کا بھی حکم ہے کہ جو اچھے کام کرے گا اس کو جنت ملے گی اور جو خراب کام کرے گا اسے دوزخ۔ یہ تو قدرت کا فیصلہ ہے۔

ایک صاحب اشفاق احمد سے سوال کرتے ہیں:۔ کیا آپ کی شخصیت میں آپ کے والدین کا بھی عمل دخل ہے؟ یا آپ کی گفتگو آپ کی ذاتی سوچ اور تدبر کا نتیجہ ہے؟

اشفاق احمد:۔ یقیناً ہے۔ کیونکہ اس زمانے کے جو والدین تھے' وہ تربیت پر زیادہ زور دیتے تھے۔ وہ علم کے معاملے میں بے چارے اس قدر ارفع نہیں ہوتے تھے۔ اب میری یہ بات پھر لوٹ کر آپ کے کورٹ میں چلی جائے گی کہ آپ کو بے شمار ان پڑھ اور کم علم لوگ ایسے ملیں گے جو کہ بے ایمانی نہیں کرتے ہوں گے۔ یہ بھی تربیت کا ہی اثر ہوتا ہے اور آپ کو بے شمار سیکرٹری لیول کے اور وفاقی حکومت کے اعلیٰ افسر ایسے ملیں گے جو سی۔ ایس۔ ایس کر کے بہت ساری لوٹ مار کر رہے ہوں گے۔

اللہ آپ کو خوش رکھے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پچاس برس پہلے کی دُعا

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔ اس موسم میں جو کہ چھٹیوں کا موسم ہے اور کچھ لوگ یہاں سے باہر جاتے ہیں اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ کچھ وہاں کے لوگ یہاں بھی آتے ہیں۔

پرسوں مجھے کینیڈا سے آ کر ہمارے ہاں چھٹی گزارنے والے دو صاحب ملے۔ ان میں ایک پاکستانی بھی تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی جو بڑی اچھی تھی۔ ملاقات کے بعد جب انہوں نے مجھے اپنے وزٹنگ کارڈز دیئے تو ایک صاحب کے کارڈ پر کوئی سات کے قریب ڈگریاں درج تھیں اور دوسرے کے پانچ کے قریب تھیں۔ اب ظاہر ہے کہ ان ڈگریوں کا مجھ پر بڑا رعب پڑا کیونکہ میں نے اتنی ساری ڈگریاں پہلے کسی کارڈ پر چھپی ہوئی دیکھی ہی نہیں تھیں۔ میں ان کے کارڈز دیکھ کر بڑا مرعوب ہوا۔ ان سے باتیں کرنے کے بعد میں نے یہ محسوس کیا کہ ڈگریوں کا یا وزٹنگ کارڈ پر دی ہوئی تفصیل کا انسان کی ذات سے ضروری نہیں کہ بڑا گہرا تعلق ہو۔ اس کا اندر اور وجود اس سے مختلف بھی ہو سکتا ہے جو ہم کارڈ پر درج کوالیفیکیشن دیکھ کر اس بارے اندازہ یا رائے قائم کر لیتے ہیں۔ یہ انسان کی شخصیت اور اس کے اندر کے مطابق بھی ہو سکتا ہے۔ اس سے کم تر بھی ہو سکتا ہے۔

خواتین و حضرات! بہت سے لوگ جو بہت ساری قابلیتیں اور Qualifications لے کر ہمیں زندگی میں ملتے ہیں، ظاہر ہے ان کا ہم پر بڑا رعب اور دبدبہ ہوتا ہے اور عام آدمی پر اس کا بہت اثر پڑتا ہے اور ہم اس بارے توقع اور آرزو رکھتے ہیں کہ یہ ہم سے بہتر آدمی ہے اور ہم بعض اوقات یہ توقع لے کر دفتروں میں بھی چلے جاتے ہیں اور بیوروکریسی سے بھی یہی توقع وابستہ کرتے ہیں کہ یہ ڈگریوں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اور تعلیم میں بھی ہم سے آگے ہیں اور انہوں نے سی۔ایس۔ایس کا امتحان پاس کیا ہے جو بڑا ہی مشکل امتحان ہوتا ہے اور پھر اس سخت امتحان کو پاس کر چکنے کے بعد انہوں نے ایک خاص ٹریننگ حاصل کی ہے جس کے بعد انہیں اس مقام پر بٹھایا گیا ہے اور اس سب کے بعد یہ لوگ ہمارے دل کی دھڑکنوں سے زیادہ واقف ہوں گے اور ہمارے دکھ درد کا مداوا بہتر طور پر کر سکیں گے۔ لیکن جب ہم ان کے ذرا قریب جاتے ہیں' تو یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب اپنی ان ڈگریوں' ٹریننگ اور کوالیفیکیشن پر پورا اتریں' جو وہ حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔

اس ساری صورت حال سے یوں بھی خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے کہ انسانی زندگی میں یہ صورت حال چلتی رہتی ہے اور آپ یہ طے نہیں کر سکتے کہ ''کیا میں ظاہر کو اتنی اہمیت دوں کہ وہ باطن پر بھی حاوی ہو سکے۔''

یہ ذرا سی مشکل اور پیچیدہ بات ہے لیکن میرا خیال ہے کہ آگے چل کر یہ بخوبی سمجھ میں آ جائے گی۔ ایک مرتبہ ہم چولستان میں شوٹنگ کر رہے تھے۔ وہاں ایک فلم بنائی جا رہی تھی اور جو ہمارے ڈائریکٹر تھے ان کا نام ''توتی'' تھا اور وہ اٹلی سے آئے ہوئے تھے۔ ہم وہاں ڈی جی کے قلعے سے بڑی طویل شوٹنگ کر کے پہنچے تھے۔ ہمارے ڈائریکٹر کو ایک چھوٹے سے لیکن ایک مضبوط کردار کے لیے ایک ایسے آدمی کی تلاش تھی جو شخص لمبا تڑنگا' خوفناک ہو۔ اس کی عقاب جیسی آنکھیں ہوں اور وہ بڑا کرخت سا نظر آئے اور عام انسانوں سے بہت حد تک مختلف نظر آتا ہو۔ ڈائریکٹر صاحب مجھے کہنے لگے کہ ''آپ ہی کچھ کرو۔''

انہیں کسی ایسے آدمی کی تلاش تھی جس کی شباہت' شکل وصورت اور مزاج راسپوٹین سے ملتا جلتا ہو۔

میں نے کہا کہ جی ایسا شخص کوئی مل تو سکتا ہے لیکن وہ پڑھا لکھا نہیں ہوگا کیونکہ اس علاقے میں کسی ایسے کردار اور وہ ہو بھی پڑھا لکھا' ڈھونڈنا بہت مشکل ہے۔

وہ کہنے لگے کہ خیر ہے' ہم خود ہی اسے تھوڑی سی ٹریننگ دے دیں گے کیونکہ مختصر سا کردار ہے۔

اب خدا کا کرنا یہ ہوا کہ مجھے ایک ایسا آدمی شام کو ہی نظر آ گیا جو بالکل ایسی ہی شکل وصورت کا مالک نظر آتا تھا' جس کی ہمارے ڈائریکٹر صاحب کو تلاش تھی۔ ویسا ہی لمبا تڑنگا اور سخت مزاج' اس نے زلفیں لمبی اور کھلی چھوڑی ہوئی تھیں۔ اس کی گھنی داڑھی تیل سے چپکی ہوئی تھی۔ کمر کے ساتھ اس نے ایک سنگل (زنجیر) لپیٹی ہوئی تھی۔ اس نے پاؤں میں ایسے بڑے بڑے گھنگھرو ڈالے ہوئے تھے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جو گھوڑوں یا جانوروں کو ڈالے جاتے ہیں۔ مجھے وہ بڑا پسند آیا اور میں نے پہلی نظر میں اندازہ لگایا کہ یہ ہمارے کام کا بندہ ہے۔

میں نے اسے روک کر پوچھا کہ "بھئی تمہارا کیا نام ہے؟"

اس نے جواب دیا کہ "فقیروں کا کوئی نام نہیں ہوتا۔"

میں نے کہا "فقیر صاحب آپ یہ بتائیں کہ کیا آپ فلم میں کام کرنا پسند کریں گے؟"

اس نے کہا کہ "ٹھیک ہے کریں گے، کیوں نہیں کریں گے۔"

میں نے کہا کہ "اس میں ڈائیلاگ بھی بولنے پڑتے ہیں۔"

کہنے لگا "وہ بھی بول لیں گے۔"

میں نے کہا کہ "کیا تمہیں ڈائیلاگ بولنے آتے ہیں۔"

وہ کہنے لگا کہ "فقیروں کو آتا ہی ڈائیلاگ بولنا ہے۔ اس کے علاوہ فقیروں کو اور کوئی کام کرنا آتا ہی نہیں ہے۔"

میں بڑا خوش ہوا اور اپنے ڈائریکٹر "توتی" کو بتایا تو انہوں نے کہا کہ فوراً گاڑی نکالیں اور اسے ملنے چلتے ہیں۔

وہ بھی دیکھ کر خوش ہوئے اور کہنے لگا کہ یہ تو میری Requirement کے مطابق بنا بنایا شخص اور کردار ہے۔ ڈائریکٹر صاحب کہنے لگے کہ "تم نے یہ کیسے ڈھونڈ لیا اور اس سے وقت طے کر لو اور اسے دس ہزار دے دو۔"

میں نے کہا کہ "جناب اتنی بڑی رقم! (کیونکہ اتنے تو مجھے بھی نہیں ملتے تھے۔ میں وہاں ان کا مترجم تھا) لیکن وہ کہنے لگے کہ اسے دے دو۔"

اس سے وقت طے ہو گیا اور دو دن کے بعد اس کی شوٹنگ کا وقت رکھا۔

دو دن کے بعد کی صبح کو ہم سب نے کیمرے وغیرہ تیار کیے، لوکیشن کا جائزہ لیا اور سارے انتظامات مکمل کر کے تیار ہو کر بیٹھ گئے اور اس کا انتظار کرنے لگے۔ صحرا میں ہم بیٹھے تھے اور کرسیاں ورسیاں لگی ہوئی تھیں اور ہم اس درویش کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک جرمن سے آئی ہوئی اس فلم کی ہیروئن بھی تھی اور فلموں میں ایک درخت سے جھول کر دوسرے درخت کے تنے تک پہنچ جانا تھا اور وہ ہالی ووڈ کی فلموں میں ٹارزن کا کردار ادا کرنے والا "لیکس بار" بھی موجود تھا، تو وہاں پر ایک صاحب آ گئے۔ وہ بڑے خوش شکل تھے۔ بال اچھی طرح سے تراشے ہوئے تھے ان کے اور خوبصورت کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ وہ وہاں پر آ کر کھڑے ہو گئے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہم نے خیال کیا کہ یہ بھی کوئی ویسا ہی شخص ہو گا جس طرح عام طور پر لوگ شوٹنگ دیکھنے آ جاتے ہیں۔ اب وہ شخص میری طرف غور سے دیکھنے لگا اور وہ معنی خیز انداز میں دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ ''جی فرمائیں کیا بات ہے؟''

تو وہ کہنے لگا کہ ''جی میں فلاں فقیر ہوں اور شوٹنگ پر آیا ہوں۔''

میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ ''تمہارے بال کہاں گئے؟''

کہنے لگا کہ جی شوٹنگ پر آنے کے لیے تو اچھے کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے' اس لیے میں صاف ستھرے کپڑے پہن کر بال کٹوا کر' شیو کروا کر آیا ہوں۔ وہ اعلیٰ درجے کی کریم لگوا کر اور بن ٹھن کر ہمارے سامنے کھڑا تھا اور ہمارے ڈائریکٹر زور سے سر پیٹنے لگے اور کہنے لگے او ہ ظالم یہ تو نے کیا کر دیا۔

(وہ پریشانی کے عالم میں زور سے سر پیٹتے تھے اور اپنی زبان میں عجیب و غریب بولتے تھے)

مجھے کہنے لگے کہ ''اس کو کیا ہوا؟''

میں نے کہا کہ ''جی اس نے اپنی کوالیفیکیشن اندر سے نکال کر اپنے اوپر وارد کر دی ہے اور اب یہ سمجھتا ہے کہ میں اچھا بن گیا ہوں اور اس کا خیال ہے کہ میں اچھا اور خوبصورت لگوں گا تو ہی مجھے فلم میں رول ملے گا ویسے تو نہیں ملے گا۔''

ڈائریکٹر صاحب اسے کہنے لگے کہ ''تو میری نگاہ کے سامنے کھڑا نہ ہو' تو نایاب آدمی تھا اور اب اپنی نایابی ختم کر ڈالی ہے تو نے!''

خواتین و حضرات! پھر میں نے سوچا کہ ایک Requirement ہوتی ہے' جسے آپ کو پورا کرنا ہوتا ہے اور آپ نے اپنے ذہن اور سوچ اور مزاج کے اندر اس مطلوبہ چیز کا یا Requirement کا کچھ اور ہی ترجمہ کیا ہوا ہوتا ہے اور جب ہم زندگی میں اپنی ذات سے ہٹ کر اپنی پروگرامنگ کچھ اور کر دیتے ہیں تو پھر بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر آپ میں اور جو بھی اس دنیا میں رہنے والے ہیں' وہ نہیں رہتے جس کا تقاضا کیا گیا ہے۔

ہمارے بابے اور فلسفی بھی یہی کہتے ہیں کہ جو ہماری ذات ہے اس کے اندر رہیں' اپنے حال کے اندر رہیں اور جس بات کا آپ نے وعدہ کیا ہے' اسی چوکھٹے کے اور فریم کے اندر رہیں۔

ایک مرتبہ ڈیرے پر بابا جی نے کہا کہ ''مجلس ورد کرتے ہیں اور اس طرح وہاں کھجوروں کی گٹھلیوں پر ورد کیا گیا اور انہیں پڑھا گیا۔''

وہ زیادہ ورد ''یا وُدُودُ یا لطیف'' کا کیا کرتے تھے۔ ورد کی مجلس کے بعد ہم دعا مانگنے لگے۔ ہم

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جتنے بھی لوگ اس ورد میں شامل تھے، ہم نے بغاوت کر دی حالانکہ بابوں کے آگے بغاوت چلتی نہیں ہے اور ایسا ہوتا نہیں ہے اور ان کے آگے اونچا بولتے بھی نہیں ہیں۔ ہم نے بابا جی سے کہا کہ آپ نے ایسے ورد کی محفل کیوں کروائی کہ جس کے خاتمے پر جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے گئے تو آپ نے کہا کہ "اے اللہ یہ ورد جو ہم نے اپنے پڑوسی ملک انڈیا کے لیے کیا ہے اس کو تقویت عطا فرما کہ وہ اپنے کیے ہوئے وعدوں پر قائم رہے کیونکہ دنیا میں سب سے مشکل مقام اور کام یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے کیے ہوئے وعدے اور عہد سے پھسل جائے۔"

ہم نے بابا جی سے کہا کہ "یہ معاملات جو پاکستان یا ہمارے بھارت سے طے ہوئے ہیں یہ تو لکھے ہوئے ہیں اور دستاویزی شکل میں ہیں۔ ان پر دونوں فریقین کے باقاعدہ دستخط ہوئے ہیں۔ اس وقت کے وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے اس مسودے پر دستخط کر دیئے ہیں، جس پر لکھا ہوا ہے کہ کشمیریوں کے حق خودارادیت کے لیے وہاں پر ریفرنڈم کروایا جائے گا اور یہ بات باقاعدہ سلامتی کونسل کی موجودگی میں طے ہوئی ہے اور آپ نے خواہ مخواہ یہ دعا کیوں کروا دی۔"

اس پر بابا جی کہنے لگے کہ "بیٹا ہم ابھی تک اپنے کشمیری بھائیوں سے جدا ہیں اور ہماری محبت وشفقت ان کے لیے ہے اور مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں انڈیا اپنے وعدوں سے مکر نہ جائے (بابا جی اپنے Vision کے مطابق کہہ رہے تھے) اور یہ لوگ جو وعدوں کے پوری طور پر قائل نہیں ہیں، اس لیے ڈر ہے کہ یہ پھسل نہ جائیں اور یہ کسی مقام پر پہنچ کر یہ نہ کہیں کہ ہم نے تو یہ وعدہ نہیں کیا تھا۔"

میں نے کہا "جی جب تحریریں موجود ہیں، اس پر ساری دنیا کے دستخط ہیں اور ساری دنیا جانتی ہے تو پھر مکرنے والی کیا بات ہے۔"

بابا جی کہنے لگے کہ "کاغذ پر دی ہوئی چیز اور لکھی ہوئی چیز اور کاغذ پر کیا ہوا دعویٰ انسان کا دعویٰ نہیں ہوتا۔ وہ قابلِ اعتبار نہیں ہوتا۔ اس سے پھسلا بھی جا سکتا ہے۔ جب تک انسان اس دعوے یا وعدے پر اندر سے قائل نہیں ہوگا تب تک کاغذ پر کیے ہوئے وعدے ہیں تو ٹھیک، تاریخی اعتبار سے لیکن ان سے پھسل جانے کا اندیشہ موجود رہتا ہے۔

ماضی کی زندگی میں جتنے بھی جھگڑے انسانوں میں ہوتے رہے ہیں، وہ سارے، سارے کے سارے اس وجہ سے ہوئے کہ انہوں نے عہد سے روگردانی کی اور وہ عہد سے پھر گئے۔"

خواتین وحضرات! یہ ڈگری اور سند جو ہوتی ہے وہ ساری کی ساری شخصیت کی ترجمان نہیں ہوتی ہے۔ شخصیت الگ چیز ہے اور ڈگری اس سے الگ چیز ہے۔ آج اس بات کو پچاس سے زیادہ سال ہو گئے اور بھارت نے اپنے وعدوں سے انکار ہی کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے دستخط تو کیے تھے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اور وعدہ بھی کیا تھا لیکن اب ہمارا ان پر عمل کرنے کو دل نہیں کرتا۔ انسان کبھی بھی بے راہ رو ہو سکتا ہے۔

ہمارے بابا جی اس وقت وہ اندیشہ ظاہر کر رہے تھے جس پر ہمیں اب تشویش ہوتی ہے اور وہ پچاس سال سے زائد اس کا وعدے کا قصہ ہمیں آج بھی نیا لگ رہا ہے۔ جب کہ بھارت کسی طور پر اپنے وعدے پر عمل کرنے کی طرف آ ہی نہیں رہا ہے اور وہ ڈھٹائی سے کشمیر کو اپنا حصہ قرار دیتا ہے اور خواتین و حضرات! یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے ہی گھر کو آگ لگا دے جبکہ وہاں روز ایک نئی خون آشام شام اترتی ہے اور کتنے ہی گھر جلا دیئے جاتے ہیں۔ اگر جسم کے ایک حصے کو تکلیف پہنچے تو کیا پورے جسم کو اذیت کا احساس نہیں ہوتا۔ بھارت دعویٰ کرتا ہے کہ کشمیر اس کا حصہ ہے لیکن اس نے اپنے اس حصے کو لاکھوں فوجیوں، توپوں، ٹینکوں کی طاقت سے جکڑا ہوا ہے اور قیدی بنایا ہوا ہے۔

یہ بات نہیں ہے کہ وہ کشمیر اور ضمیر کے کٹہرے میں کھڑا نہیں ہوا ہے۔

ضرور ہوتا ہے، روز اس کی ضمیر کی عدالت اسے سرزنش کرتی ہو گی لیکن وہ ایسا عادی مجرم بن چکا ہے جو ضمیر کو سلا دینے اور دبا دینے میں ہی فخر محسوس کرتا ہے۔ آج پھر وہی دعا کریں جو بابا جی نے پچاس برس قبل کی تھی۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

فرنٹ سیٹ

ہم سب کی طرف سے آپ کی خدمت میں بہت بہت سلام پہنچے۔ اس سے پہلے ہم اس حوالے سے بات کرتے رہے ہیں اور Macrocosm (عالمِ اکبر) اور Microcosm (عالمِ اصغر) بارے ایک طویل بحث پہلے بھی چلتی رہی ہے اور اب بھی زور و شور سے چل رہی ہے اور مغرب والے بھی اس پر تحقیق میں مصروف رہے ہیں' لیکن یہ سب ایک الگ بحث ہے۔ جب میں سٹوڈیو آ رہا تھا تو اس وقت میرے سامنے والی گاڑی جو ذرا زیادہ رفتار سے جا رہی تھی' اس نے ایک سائیکل والے کو ٹکر ماردی۔ چیں چاں کر کے ٹریفک رکی اور لوگوں کا مجمع سا لگ گیا۔ کوئی کہہ رہا تھا دوڑ کر پانی لاؤ۔ کوئی رکشہ والے کی بات کر رہا تھا کہ اسے فوراً ہسپتال لے چلو لیکن وہ بوڑھا شخص جان ہار گیا تھا۔ میں وہاں یہ سوچنے لگا کہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ یہ گاڑی ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے سے ذرا پہلے گزر جاتی یا بعد میں آتی تو شاید وہ بوڑھا شخص' جس کی سائیکل پر کوئی ترکاری وغیرہ لدی ہوئی تھی' جان سے نہ جاتا لیکن خواتین و حضرات! اس کا وقت طے تھا۔ اس گاڑی نے اپنے مقررہ وقت پر وہاں آنا تھا اور اسے Hit کرنا تھا۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں ایسے کئی واقعات رونما ہوتے ہیں کہ ہم کہتے ہیں کہ کاش ایسا نہ ہوتا' کاش وہ اس طرح سے کر لیتا۔ ہمارے گھروں میں عام طور پر عورتیں کہا کرتی ہیں کہ ''میں نہ کہتی تھی لڑکی کا رشتہ وہاں نہ کرنا ایسا تو ہونا ہی تھا۔''

لیکن شاید ان سب باتوں میں قدرت کا' قسمت کا بھی کوئی عمل دخل ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں میں اسلام آباد جا رہا تھا۔ میں نے ایک ٹرک پر لکھا پڑھا کہ ''وقت سے پہلے اور قسمت سے زیادہ نہیں ملتا۔'' میرے نزدیک وہ ٹرک پر لکھی بات بہت بڑی تھی۔ یہ حضرت امام غزالیؒ کا قول ہے شاید۔

انسان بہت جدوجہد کرتا ہے۔ لمبی زندگی گزارنے کے منصوبے تشکیل دیتا ہے لیکن پھر مسجد میں اعلان ہوتا ہے کہ فلاں ولد فلاں قضائے الٰہی سے انتقال کر گیا ہے اور اس کا جنازہ فلاں وقت اٹھایا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جائے گا۔ یہ قسمت اور قدرت کے کھیل ہیں جو ازل سے جاری ہیں۔ وقت کبھی انسان کی قید میں نہیں رہا۔ انسان انہونی باتوں پر کنٹرول کے لیے بڑے جتن کرتا ہے لیکن وہ کام ہو کر رہتے ہیں۔ جہاز، ٹرین، گاڑیاں اپنے وقت پر نکلتی ہیں، جن لوگوں کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے، وہ گھروں میں اپنے پیاروں کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور جن کی قسمت میں نہیں لکھا ہوتا وہ اچانک کسی انہونی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ایک کولیگ ہوتے تھے۔ سر پر انگریزوں والا ہیٹ پہنتے اور لمبا کوٹ ان کا من پسند لباس تھا۔ ہم سے سینئر تھے۔ شیو بڑھی رکھتے اور ذرا بڑبڑاتے بھی رہتے تھے۔ جیسا کہ ہوتا ہے، بڑی عمر کے لوگوں میں، وہ جب بھی کسی بس یا گاڑی پر سفر کرتے ہمیشہ درمیان والی سیٹ پر بیٹھتے۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ ایسا کر کے زیادہ Comfortable یا آسانی Feel کرتے ہیں:

ایک دن ہم سب کہیں جانے لگے تو ہم نے ان سے کہا کہ آپ سینئر بھی ہیں، اس لیے آپ اگلی نشست پر بیٹھ جائیں، تو بغیر کچھ کہے، نہایت ڈر کے انداز میں، جلدی سے پچھلی سیٹ پر دبک کر بیٹھ گئے۔ اب ہم سب بڑے حیران ہوئے کہ انہیں کیا ہو گیا۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ "سر اگر آپ اگلی نشست پر بیٹھتے تو اس سے ہمیں خوشی ملتی اور آپ کے وقار میں اضافہ ہوتا۔"

اس پر وہ صاحب بڑا غصہ کھا گئے اور ہمیں گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ اس سے پہلے ہم نے انہیں کبھی غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

ہمیں بڑی تشویش ہوئی کہ نجانے ہم سے کیا ایسی غلطی سرزد ہو گئی ہے کہ وہ اس قدر Cool شخص گرمی کھا گیا ہے۔

ہم نے ان سے کہا کہ "سر اگر آپ اپنے اس غصے کی وجہ بتا دیں تو ہم اس کے ازالے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔"

وہ صاحب کہنے لگے کہ "تم لوگ مجھے آگے بٹھا کر مارنا چاہتے ہو۔"

ہم نے کہا کہ "جناب وہ کیسے؟" (اب ہمیں بھی ذرا غصہ آ گیا کہ ہم نے تو کوئی ایسی ویسی بات کی ہی نہیں)

وہ کہنے لگے کہ "میرے خاندان میں کئی ایسے لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، جو اس وقت مرے جس وقت وہ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ہوتے تھے۔ سامنے سے ٹکر لگی اور وہ سب سے پہلے مارے گئے۔

انہوں نے ہمیں یہ بتا کر بھی حیران کر دیا کہ وہ فرنٹ سیٹ کی بجائے پچھلی سیٹ پر بھی نہیں بیٹھتے تاکہ پیچھے سے لگنے والی ٹکر کے بعد بھی وہ بچے رہیں۔ ہمیں ان کی بات سن کر جہاں سخت حیرانی ہوئی وہاں اندر ہی اندر سے ہنسی بھی لیکن ان پر اپنی ہنسی افشا نہیں ہونے دی تاکہ وہ کہیں مزید ہی نہ بگڑ جائیں۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خواتین وحضرات! اب آپ کو یہ جان کر سخت حیرانی ہوگی کہ وہ صاحب بھی ٹریفک حادثے میں ہی خالقِ حقیقی سے جا ملے لیکن جب وہ حادثے کا شکار ہوئے وہ ایک بس کی درمیانی سیٹ پر بیٹھے تھے اور حادثہ جی ٹی روڈ پر ہوا۔ جس بس میں وہ صاحب سوار تھے' اس کی سامنے سے آنے والی ٹرک کی ٹکر ہونے لگی تو ان کی بس والے ڈرائیور نے شاید اپنی سائیڈ بچانے کے لیے کٹ کیا ہوگا اور ٹرک اس بس کے بالکل عین وسط سے جا ٹکرایا جہاں وہ صاحب موت سے بچنے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے اور سب سے حیرانی اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اس ایکسیڈنٹ میں صرف وہ صاحب ہی دنیا فانی سے گئے جبکہ باقی تمام سواریاں بالکل سلامت رہیں۔

ایسے واقعات میں انسانی ذہن بہت حد تک بے بس واقع ہوا ہے' حالانکہ اس نے چاند پر قدم رکھنے کا دعویٰ کیا ہے بلکہ وہ رکھ بھی چکا ہے۔ خونخوار جانوروں کو اس نے رام کر لیا ہے اور ''آواز سے بھی تیز'' جہاز بنا لیے ہیں۔ انسانوں کی ہلاکت کا وسیع پیمانے پر سامان اکٹھا کر لیا ہے۔ بڑے ایٹم بم تیار کر لیے ہیں اور ملکوں کی لڑائی کی یہ پہچان بن چکی ہے کہ جی وہ ایک سیکنڈ میں اتنے لاکھ یا اتنے ہزار انسانوں کو موت کے منہ میں دھکیل سکتے ہیں۔ آپ نے دیکھا روس جو پہلے سوویت یونین تھا' اس قدر اسلحہ اکٹھا کر لیا تھا کہ اس کے پاس انبار لگ گئے تھے اور وہ سپر طاقت تھا اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ وہاں بھوک اور غریبی نے ڈیرے ڈال دیئے اور اس نے وہ ہتھیار بیچ بیچ کر روٹی خریدنی شروع کر دی۔

ہمارے بابے کہا کرتے ہیں کہ کسی بھی چیز کی بہتات قوموں یا معاشرے کے لیے بڑی نقصان دہ ہوتی ہے اور جب قومیں کسی ایک چیز کے پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ وہ اس وقت گھاٹے کا سودا کر رہی ہوتی ہیں۔ زیادتی کسی بھی چیز کی خرابی کا نقصان بنتی ہے اور عبادت کے معاملے میں بھی یہی حکم ہے کہ اتنی کرو جس قدر روز یا معمول کے مطابق کر سکتے ہو۔ اپنی جانوں کو مصیبت میں ہی نہ ڈال لو۔ مجھے اپنے اس کولیگ کے فرنٹ سیٹ کے خوف سے یاد آیا کہ ہمارے فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کو واقعی وقار کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ یہ شوق کچھ طبقوں میں بہت زیادہ ہے۔

ہمیں بوریوالہ کے قریب ایک گاؤں میں کسی شخص سے کام تھا۔ ہم ان کے پاس گئے اور کہا کہ جناب اگر آپ مہربانی کریں تو ہمارے ساتھ چلیں آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔ ہمارے پاس جو گاڑی تھی اسے میرا ایک دوست چلا رہا تھا اور میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اب ہمیں تو یہ احساس ہی نہیں تھا کہ فرنٹ سیٹ کا معاملہ اس قدر بھی پیچیدہ اور سنگین ہو سکتا ہے۔ جب ہم نے انہیں ساتھ چلنے کے لیے کہا تو وہ کہنے لگے کہ ''ہاں ہاں کیوں نہیں' تسیں چلو میں تہاڈے پیچھے پیچھے لگا آؤنا۔''

(ہاں ہاں کیوں نہیں آپ چلیں میں آپ کے پیچھے پیچھے ہی آ رہا ہوں۔)

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

یہ سن کر میں نے اپنے دوست سے کہا کہ چلو یار' میرا وہ دوست اس شخص بارے آگہی رکھتا تھا۔ مجھے کہنے لگا یہ نہیں آئے گا۔ اسے فرنٹ سیٹ فوبیا ہے' یہ آج تک کبھی کسی گاڑی یا موٹر سائیکل پر پیچھے نہیں بیٹھا۔ چاہے کوئی ایم پی اے یا ایم این اے (گاؤں میں اور ہمارے ہاں شہروں میں ایم پی اے' ایم این اے کو علاقے کی بڑی شخصیت خیال کیا جاتا ہے نا اور اب جس طرح ناظم صاحب آئے ہیں) ہی کیوں نہ ہو' تم اسے کہو کہ نہیں جناب ہم نے تو آپ کو اپنے ساتھ لے کر جانا ہے۔ آپ آئیے یہ چابی (گاڑی کی چابی) پکڑیں اور براہ کرم ہمارے ساتھ چلیں۔ میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ جناب یہ چابی لیں اور آئیے ہمارے ساتھ چلئے آپ کی نوازش ہوگی۔

خواتین و حضرات! میرا یہ کہنا تھا کہ انہوں نے چابی پکڑ لی اور ہمارے ساتھ چل پڑے۔ یہ احساس تفاخر جہاں کسی حد تک ٹھیک ہے' وہاں اس کی بڑی خرابی بھی ہے۔ اس سے گھمنڈ اور انا کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے جس کی ہمیں اجازت نہیں دی گئی ہے اور منع کیا گیا ہے' جو قومیں احساس تفاخر میں مبتلا ہو جاتی ہیں' وہ بڑی کمزوریوں میں پڑ جاتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم کسی انسان سے اس کا حسنِ احترام اور عزتِ نفس ہی چھین لیں۔ یہ ہر انسان کا حق ہے۔ ہمیں اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ ہم ایسے ہی جا کر بڑی عاجزی سے کسی کو دو چار تھپڑ جڑ دیں اور کہیں کہ جی ہم نے اس کا گھمنڈ ختم کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنا گھمنڈ ختم کرنے کے لیے اپنے ہی چہرے کو مار مار کر سرخ کر لیں اور کہیں کہ ہم عاجزی کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ ایسے تو یہ نہیں ہوتا ہے۔ گھمنڈ اور وقار میں فرق ہوتا ہے۔ ہم کسی غریب یا ضرورت مند کو آسانی فراہم کریں اور بجائے کسی پر ظاہر کرنے کے دل ہی دل میں خوش ہوں کہ اے اللہ تیرا شکر ہے اس قابل ہوا کہ تیرے بندے کے کام آ سکا اور آپ مجھے اور نوازنا' اور عزت دینا کہ میں مزید اس کار خیر کو جاری رکھ سکوں اور مدد کر کے خوشی محسوس کرنا وقار ہے۔ اور اگر کسی کی مدد کر کے اسے جتائیں یا کسی کمزور یا غریب سے پورے ہاتھ کی بجائے صرف دو انگلیوں سے سلام لیں جیسا کہ بڑے لوگ عام طور پر کرتے ہیں۔ گاڑی کا شیشہ تھوڑا نیچے کیا' دو انگلیاں ملائیں اور شیشہ اوپر چڑھا کر چلے گئے۔ یہ گھمنڈ ہے۔ یہ ناپسندیدہ چیز ہے۔ اس کی اجازت نہیں دی گئی۔

خواتین و حضرات! میں بھی ایسے ہی لوگوں میں شامل ہوں۔ میں نے بھی کبھی کوشش نہیں کی کہ اپنے محلے کے خاکروب کے کبھی گلے ملوں' اس سے محبت کی دو باتیں کروں۔ اس سے دکھ سکھ کی بات کروں۔ یا اپنے مالی کے پاس کیاری میں جا کر بیٹھ کر کہوں کہ "یار کام چھوڑ آ دو باتیں کرتے ہیں۔ آج کام نہیں کرنا۔ میں نے آپ کو وقت دینا ہے۔ کام پھر بھی ہوتا رہے گا۔"

میں ایسا نہیں کر سکا۔ مجھے یہ سعادت نصیب نہیں ہو سکی۔ میں بھی فرنٹ سیٹ کے چکر میں ہی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

رہا ہوں اور گھمنڈ کی چادر تان کر دوسروں سے بچتا بچاتا ہی رہا ہوں۔ مجھے وہ شخص یاد آ رہا ہے جو ایک بس سٹاپ پر کھڑا ہوا تھا اور اس کے سینے پر ایک بیج سا لگا ہوا تھا۔ میں نے اسے لفٹ دے دی۔ وہ بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا ''صاحب آج کل کے دور میں آپ نے مجھے لفٹ کیسے دے دی۔ آج کل تو لوگ زخمی کو سڑک پر تڑپتا چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ بس میں گزر رہا تھا' ویسے میں اتنا اچھا آدمی نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ میں نے تمہیں اکیلے کھڑے دیکھا تو ساتھ بٹھا لیا۔ یہ آج سے کوئی دس بارہ سال پہلے کی بات ہے اور وہ 14 راگست کی شام تھی۔

وہ کہنے لگا کہ ''اس کے دفتر نے 14 راگست کی جشن آزادی کے سلسلے میں ایک تقریب کا انعقاد کیا تھا تو جناب میں دفتر میں کلرک ہوں' سینئر کلرک' تو دفتروں والوں نے مجھے بھی یہ بیج دیا تھا (یہ اسے بیج کہہ رہا تھا جو مختلف تقاریب میں مہمانوں یا انتظامیہ کو خاص طور پر لگائے جاتے ہیں) وہ کہنے لگا کہ اس پر صاحب میرا نام بھی لکھا ہوا ہے۔ وہ عجب سے احساسِ عزت سے سرشار تھا اور وہ تقریب ختم ہو جانے کے بعد بھی اس نے اپنے سینے پر اسے ایسے سجا رکھا تھا جیسے اسے حکومت کی جانب سے کوئی ایوارڈ یا تمغہ مل گیا ہو۔ میں اس سینئر کلرک کی خوشی آج تک نہیں بھول پایا۔ وہ اور اس کی چمکتی آنکھیں اب بھی یاد ہیں۔

خواتین و حضرات! میں آج بھی محسوس کرتا ہوں کہ ہم اپنے لوگوں کو' اپنے مزدوروں' کسانوں' مالیوں' ڈرائیوروں اور کلرکوں کو وہ عزت وہ احساس توقیر نہیں دلا سکے ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا' جس کی انہیں ضرورت ہے۔ انہیں آج بھی پکی سڑکوں' کارخانوں اور بیروزگاری ختم کرنے کے زبانی یا عملی نعروں کی ضرورت اس قدر نہیں ہے جتنی انہیں توقیر اور اس فرنٹ سیٹ کی ضرورت ہے۔ جتنی اس شخص کو ضرورت تھی جس سے بوریوالہ میں ہمیں کام تھا۔

قسمت پر یقین کے ساتھ ساتھ جس چیز پر ہمیں ایمان پکا کرنے کی ضرورت ہے' وہ یہ بھی ہے کہ ہم لوگوں کو عزت عطا کریں۔ محبت عطا کریں۔ ان کی تذلیل نہ کریں۔ اگر ہم یہ کام اپنے اپنے طور پر کریں تو پھر ہم اپنی ذات میں بابے ہیں۔ ہمیں کوئی بابا تلاش کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اور ہم اس فرنٹ سیٹ کے حقدار نہیں اور اپنا سر اونچا کر کے وقار سے چل سکتے ہیں ورنہ ہم گھمنڈ کے مارے ہوئے بھی ہوں گے جیسا کہ میں ہوں۔ آپ تو بہت اچھے ہیں لوگوں کو محبت سے نوازتے ہوں گے۔ محبت تقسیم کرتے ہوں گے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اللہ میاں کی لالٹین

میں اتنا عرصہ آپ لوگوں سے جدا رہا لیکن اس طویل عرصے میں میری توجہ ٹیلیویژن پر زیادہ رہی۔ میں ٹیلیویژن تو پہلے بھی دیکھتا تھا لیکن پچھلے کچھ مہینوں سے میں اسے کچھ زیادہ ہی دیکھنے لگا لیکن ٹی وی کے وہ پروگرام جن کا تعلق اشتہاروں سے تھا' جب بھی کوئی اشتہار لگتا تو میری پوتی پوتے مجھے کہنے لگے کہ دادا بھاگ کے آئیں' وہ آپ کا اشتہار آ گیا' ہمارے ٹیلیویژن پر تقریباً اسی فیصد اشتہار دھلائی کے' واشنگ پاؤڈر اور کپڑوں سے متعلق چلتے ہیں۔ خیر شیمپو کے بھی کم نہیں ہیں اور وہ بہت اچھے ہوتے ہیں۔ ایک بی بی آتی ہے اور کہتی ہے کہ میرے کپڑوں پر اتنا بڑا دھبہ یا داغ لگ گیا' مجھے تو فلاں کی دعوت پر جانا تھا۔ اس پر دوسری بی بی یا اس کی سہیلی کہتی ہے کہ "داغ لگا تو کوئی بات نہیں کپڑے کو اس پاؤڈر ملے پانی میں غوطہ دو فوراً صاف ہو جائے گا۔"

وہ غوطہ دینے کے بعد دکھاتی ہے اور کہتی ہے کہ "دیکھئے کس قدر صاف اور اجلا ہو گیا' میں نا کہتی تھی۔"

پھر یہ اشتہار بھی آتے رہے جن میں خاتون کہتی ہے کہ "پہلے میں بڑی محنت کرتی تھی دھلتا نہیں تھا۔ میرا خاوند ایسی جگہ کام کرتا ہے جہاں کپڑے بہت زیادہ گندے ہو جاتے ہیں لیکن جب سے میں نے یہ واشنگ پاؤڈر استعمال کیا ہے' چھپ' چھٹ میں سارے داغ صاف ہو گئے۔"

خواتین و حضرات اس طرح کے اشتہار دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوتی۔

اس طرح ایک میرے دوست ہیں اور ان کی بڑی ہی پیاری بہو ہے۔ اس کا نام جویریہ ہے۔ انہوں نے حال ہی میں ایک کوٹھی بنائی ہے۔ یہ لڑکیوں کا شوق ہوتا ہے کہ جب گھر وغیرہ بن جاتا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہے تو وہ اسے Decorate کرنے یا اس کی تزئین و آرائش کی بابت سوچنے لگ جاتی ہیں۔ اب اس کے رہنے کا یا سونے کا کمرہ واقعی بہت خوبصورت اور غضب کا ہے اور اس کا ڈرائنگ روم اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہماری توجہ Life کے مقابلے میں Living پر زیادہ ہے۔ ہم Living پر بہت زور دیتے ہیں۔

Life چاہے اس کے پیچھے لٹکتی آئے' یہ دیکھ کر بھی مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے کہ صفائی کی طرف' خوبصورتی' ستھرائی اور حفظانِ صحت کی طرف ہماری بڑی توجہ ہے۔ میں پھر پلٹ کر اپنا گھر دیکھتا ہوں جو پرانی وضع کا ہے لیکن کچھ ایسا بھی برا نہیں ہے۔

اس میں پرانی طرز کا فرنیچر ہے جو بڑا ابھاری بھاری ہے اور Victorian طرز کا ہے۔

ہم جس جگہ بھی رہتے ہیں یہ ہماری دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ جگہ بڑی صاف ہو۔ اچھی اور خوبصورت ہو لیکن چونکہ میں آپ سے Detergence کی بات کر رہا تھا تو میری یہ آرزو ہے اور یہ آرزو چند ماہ سے بڑی شدت اختیار کر گئی ہے کہ جب کبھی نماز پڑھنے کا موقع ملتا ہے اور اللہ میاں کو اپنے گھر بلانے کا موقع ملتا ہے اور پھر جس جگہ میں اسے بلاتا ہوں اور جو میرے دل کا گوشہ ہے' وہ نہایت تاریک' نمناک' بدبودار' سڑا ہوا ہے۔ اس میں ہر قسم کی گندگیاں اور کثافتیں بھری پڑی ہیں اور ہر قسم کی غلاظت وہاں موجود ہے۔ میں کسی ایسے Detergent کی تلاش میں ہوں جو کہ میرے دل کے اندر ویسی صفائی پیدا کر دے جیسی صفائی مجھے ان اشتہاروں میں نظر آتی ہے اور میں خوش ہوتا ہوں کہ ہم باہر کی یا بدنی صفائی کی طرف متوجہ ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ بہت سے لوگ ایسے ہی ہیں جن کے دل نہایت پاک وصاف اور پاکیزہ' خوشبودار اور وسعت پذیر ہیں اور ان میں اللہ میاں کو آتے ہوئے واقعی کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ اللہ میاں بڑے رحیم و کریم ہیں۔ وہ جیسی کیسی بھی جگہ ہو کوئی بلائے تو وہاں تشریف لے آتے ہیں۔ انہوں نے کبھی اعتراض نہیں کیا لیکن ہم نے اور خاص طور پر میں نے اس بات کا نوٹس نہیں لیا اور کبھی اس بابت پروگرام نہیں بنایا کہ اس جگہ کی صفائی ستھرائی بارے سوچا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ ہم یا میں اس جگہ کو اس طرح تو صاف نہیں کر سکتے جیسے جویریہ بیٹی کا بیڈروم یا ڈرائنگ روم ہے لیکن ایسی تو ہو جیسے میرے گھر کا کمرہ ہے۔ ہم نے کبھی ایسی کوشش کی ہی نہیں اور ہم ''گدڑ پھوس'' (گھاس پھوس)' ٹوٹے زینوں' بکھرے برتنوں' ٹوٹے اور پچکے ہوئے کنستروں' ادھڑی چارپائیوں' صندوقوں' نفرتوں' تکالیف' کدورت' گھمنڈ اور اناؤں سے بھرے گھر کو محبت' پیار' عاجزی کی چاشنی سے اور خوشبو سے مہکا دیں۔ ہم سے ایسا ہوتا نہیں ہے۔

ٹی وی پر صفائی کے اشتہارات دیکھ کر میرے دل پر بوجھ بڑھ جاتا ہے اور طبیعت پر طاری

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

رہتا ہے اور اس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے اور صبح جب ہم فجر کی نماز پڑھ کر سیر کے لیے نکلتے ہیں تو ہمیں جھک کر اپنے جوتے پہننے پڑتے ہیں اور جب مسجد سے نکلنے سے پہلے جوتے پہن رہے ہوتے ہیں تو اللہ میاں بڑے کمرے سے اٹھ کر ہمارے پاس روز آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کہاں جا رہے ہو مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ تو ہم میں سے ایک کہتا ہے کہ میں واپڈا دفتر جا رہا ہوں' آپ کو کیسے ساتھ لے جاؤں۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ جی میرا ٹیلیفون کا محکمہ ہے۔ میں آپ کو وہاں نہیں لے جا سکتا اور میرے جیسے ریٹائر آدمی کہتے ہیں' آپ ہمارے گھر جا کر کیا کریں گے اور اس طرح ہم سب یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ ''اللہ میاں آپ یہیں رہیں ہم پھر کبھی آپ سے مل لیں گے اور ہم نے ظہر کے وقت آنا ہی ہے نا۔ تب آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔

آپ ایسا نہ کرنا کہ ہمارے گھروں میں ہمارے دفتروں میں آ جائیں کیونکہ ہمارا ''بھید'' آپ پر کھلنا نہیں چاہیے کہ ہم اپنے اپنے دفاتر میں کیا کرتے ہیں۔''

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کے بغیر جتنے بھی کام ہوتے ہیں یا ہو رہے ہیں' وہ بڑے ادھورے اور نامکمل رہتے ہیں۔

اللہ کو بالکل اپنے ساتھ ساتھ رکھنا اور اسے اپنی زندگی کا ایک حصہ بنا کر رکھنا ہماری ذاتی اغراض کے لیے بھی ضروری ہے۔ بعض اوقات چھوٹے یا کم عمر زیادہ ہمت' اعتماد اور Faith کے ساتھ کام کر جاتے ہیں جو کام بڑوں سے نہیں ہو پاتا۔

بڑی دیر کی بات ہے ہم بہاولپور کے قریب ایک جگہ حاصل پور ہے وہاں تھے۔ میرا بیٹا اور بہو تو اس علاقے میں ''لال سنارا'' پارک دیکھنے چلے گئے اور میرے پوتے کو اور مجھے ایک ایسی کوٹھڑی میں یا کمرے میں چھوڑ گئے جو حاصل پور کی بستی سے دور تھی اور اتفاقاً ایسا ہوا کہ ہمیں رہنا پڑا جہاں کبھی مویشی باندھے جاتے رہے ہوں گے یا ایسا کچھ سماں رہا ہوگا۔ ہم وہاں اس لیے ٹھہرے کہ ہمیں وہاں سے اگلے پڑاؤ یا سفر کے لیے جانے میں آسانی تھی' وگرنہ ہم شہر میں رہ جاتے۔ ہم دادا پوتا جس کمرے میں تھے' اس کی ایک کھڑکی تھی جس کی سلاخیں تھیں پٹ نہیں تھے۔ پرانے انداز کی جیسے ہوتی تھیں۔ وہاں ایک ہی چارپائی تھی' ہم دونوں اس پر لیٹ گئے۔

میرا پوتا مجھ سے باتیں کرنے لگا اور کہا'' دادا اندھیرا بہت ہے۔''

میں نے کہا'' ہاں بہت اندھیرا ہے۔''

کہنے لگا'' اندھیرے میں کچھ بلائیں وغیرہ بھی آتی ہیں۔''

میں نے کہا'' ہاں اندھیرے میں بلائیں تو پھر آتی ہی ہیں۔''

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

وہ بولا کہ ”کیا ہم ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔“

میں نے کہا کہ ”ان کا مقابلہ کر بھی سکتے ہیں نہیں بھی کر سکتے۔“

وہ مجھے کہنے لگا کہ ”دادی کہتی ہے کہ اللہ ساتھ ہوتا ہے۔“

میں نے اپنے پوتے سے کہا کہ ”بھئی تیری دادی زیادہ طاقتور ہے اور وہ ٹھیک سمجھتی ہے اور اس کا اللہ تو واقعی اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ میں اور تم ذرا ایک نئے تجربے پر نکلے ہیں، شاید ہمیں اس کا اتنا پختہ یقین نہیں ہے جس قدر تمہاری دادی کو ہے۔“

ہماری باتوں کے درمیان چاند نکل آیا جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ ”دادا یہ اللہ میاں کی لالٹین ہے اور جس طرح ہماری ٹارچ بیٹھ گئی ہے کیا (اس کے سیل ختم ہو گئے تھے) اس طرح یہ اللہ میاں کی بتی تو نہیں بجھے گی۔“

میں نے کہا کہ ”میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا کبھی بجھ بھی جایا کرتی ہے۔“

وہ بولا کہ ”دادا جس طرح ہم بتیاں بجھا کر سو جاتے ہیں کیا جب چاند کی یہ بتی بجھے گی تو اللہ میاں بھی سو جائیں گے؟“

میں نے کہا کہ ”نہیں۔ اللہ کو نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ آتی ہے۔ وہ نہیں سوتا۔“

وہ حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ ”کیا وہ ہر وقت جاگتا رہتا ہے۔“

یہ سنتے ہی اس نے ٹانگ میرے پیٹ پر رکھی اور خراٹے لے کر نیند میں چلا گیا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ جب اللہ جاگ رہا ہے تو مجھے پھر کس بات کی فکر ہے اور میں ساری رات اس کھڑکی کی طرف نگاہیں کر کے خوفزدہ سا ہو کر صبح کا انتظار کرتا رہا اور اس لمحے وہ کمسن بچہ خدا پر یقین میں مجھ سے بازی لے گیا۔

خواتین و حضرات! جس کو خدا کی قربت یا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ وہ چاہے زندگی کے کسی معاملے میں ہی ہو، صرف ”روحانیت یا عبادت“ میں زندگی نہیں ہے۔ جب چلتے چلتے، گاتے پھرتے یہ احساس ہو کہ خدا میرے ساتھ ہے تو اس کے بڑے فائدے ہیں۔ مادی بھی، نفسیاتی بھی۔ بدنی بھی اور روحانی بھی۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ وہ خدا کو تھوڑا سا Neglect کر دیتا ہے تو کمزور ہو جاتا ہے۔ ہم بچپن میں آنکھ مچولی کھیلا کرتے تھے۔ گاؤں کے بیس پچیس چھوٹے چھوٹے لڑکے مل کر کھیلتے۔ میں ان سب میں ذرا بھدا یا موٹا تھا اور میں ان کی نسبت بھاگ نہیں سکتا تھا۔ ایک دن میری باری آئی کہ وہ سب چھپیں گے اور میں انہیں ڈھونڈوں گا۔ میں دیوار پر ماتھا رکھ کے اور اس کھیل کے تب کے قاعدوں کلیوں کے ساتھ پکارا کہ ”چھپ جاؤ، لک جاؤ منڈیو۔“

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اب یہ سن کر انہوں نے آواز دینی تھی کہ آ جا پکڑ۔

میں دیوار کے ساتھ ماتھا لگا کر اور وہ بولی یا الفاظ پکار کر کھڑا انتظار کرتا رہا اور ادھر سے کوئی آواز نہ آئی اور کافی وقت گزر گیا۔

جب میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ سارے بدبخت اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے تھے اور مجھے ویسے ہی الو بنا کر وہاں کھڑا کر گئے تھے۔ اس پر مجھے شرمندگی کا احساس ہوا اور میں اونچی اونچی رونے لگا۔ یہ سن کر ہماری تائی جس کا میں نے پچھلے پروگراموں میں بھی ذکر کیا ہے، وہ بھاگی آئی اور مجھے کہنے لگی کہ "کیا بات ہے کیوں روتا ہے۔"

میں نے بتایا کہ "میرے ساتھ ایسا ہوا ہے۔" وہ اپنے پلو سے میرے آنسو پونچھ کر کہنے لگی کہ "پتر کوئی بات نہیں ایسے ہی ہوتا ہے۔ پُت یہ جو انسان ہے نا یہ اللہ کے ساتھ بھی ایسی آنکھ مچولی یا لکن میٹی کھیلتا ہے۔"

وہ کہنے لگی کہ "انسان ایسی لکن میٹی عام طور پر کھیلتا رہتا ہے اور اللہ میاں کو باری پر کھڑا کر کے خود بھاگ جاتا ہے اور پھر لوٹ کر نہیں آتا ہے لیکن خدا کے دل میں اپنی مخلوق کے لیے اتنی وسعت ہے کہ وہ انتظار کرتا رہتا ہے وہ کبھی تو لوٹے گا۔"

انسان کے دل میں خدا کی مہربانی سے ایک ایسا تار ضرور موجود ہے کہ وہ لوٹ کر خدا کی طرف ضرور آتا ہے۔ چاہے وہ کسی بھی روپ میں آئے۔

(پروگرام میں اشفاق احمد خان کو پانی پیش کیا جاتا ہے، جس پر وہ شکریہ ادا کرتے ہیں)

میری بھی آرزو ہے کہ مجھے ایسی کوئی چیز ملے جسے میں اپنے دل کے اندر ڈالوں اور اشتہار میں جیسا لڑکیاں اُجلے پن کا دعویٰ کرتی ہیں، میرا دل بھی صاف شفاف ہو جائے اور اس میں وہ خدا کی نہ بجھنے والی لالٹین کا سا ماحول پیدا ہو جائے اور خدا سے میری وہ آنکھ مچولی یا Hide and Seek ختم ہو جائے جو کئی دہائیوں سے جاری ہے۔ میرے دل کے سب داغ اور دھبے دھل جائیں اور جانے سے قبل صرف ایک بار (زیادہ بار نہیں کیونکہ میں لالچی نہیں ہوں) خدا کو بڑی عزت افزائی کے ساتھ جیسے ہم گھر میں اپنے قابل قدر مہمان کو کرسی پیش کرتے ہیں، بالکل ایسے ہی جیسے میرے بیٹے کی شادی پر بانو اپنے ڈوپٹے سے میرے سمدھی کے لیے کرسی پونچھتی تھی اور ہم انہیں بٹھانے کے لیے بے چین پھرتے تھے۔

کیا ویسا ہی احترام میں اللہ میاں کے لیے اپنے دل میں پیدا کر سکوں گا؟

یا پھر صبح کے وقت کبھی ایسا ہو کہ وہ کہیں کہ میں ساتھ چلنا چاہتا ہوں تو میں کہوں کہ اس سے بڑی خوش نصیبی میرے لیے اور کیا ہو سکتی ہے۔ بسم اللہ ساتھ چلئے۔ کیا وہ ساری شرمندگیاں اور کرتوتیں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پس پشت ڈال کر میں اللہ میاں کو ساتھ لانے کا موقع حاصل کر سکتا ہوں؟

اگر آپ میں سے کسی کا تجربہ ہو تو مجھے گائیڈ کیجیے۔ (حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے) جیسے ہم اپنی گاڑی کا گیئر بدلتے ہیں اور اس کی رفتار میں تبدیلی کر سکتے ہیں' آپ براہ کرم میری رہنمائی فرمائیے۔

ایک خاتون:۔یہ سلسلہ تو چلتا ہے اور خدانخواستہ کبھی ختم نہیں ہوا۔ ایسا کبھی ضرور ہوتا ہے کہ ہم وقتی طور پر خدا سے تعلق کو گھٹا لیتے ہیں اور پھر ابھار بھی لیتے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ اب تک چل نہ رہا ہوتا تو یہ انسانیت باقی نہ رہتی۔ اس تعلق میں اضافے کے لیے انفرادی کوشش ہو سکتی ہے۔

اشفاق احمد:۔یہی میں بات کر رہا تھا کہ جو ڈرائنگ روم میں نے خاص طور پر اللہ کے لیے تیار کیا ہے' وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس میں میں اپنے اللہ کو لا سکوں۔ بس میرا مسئلہ یہ ہے۔ میں کتابی طور پر تو بہت کچھ جان گیا ہوں' اسے عملی طور پر کرنے میں مشکل ہو رہی ہے۔

ایک اور خاتون:۔ جب آپ پلٹ کر ضمیر کی آواز سن لیتے ہیں' وہ آپ کے لیے سب سے اچھا Detergent ہے۔

ایک صاحب:۔ حقوق العباد سب سے بہترین Detergent ہے۔

اشفاق احمد:۔ میں حقوق اللہ تو ادا کر لیتا ہوں کسی طور لیکن حقوق العباد تو مشکل کام ہے۔ وہ تو میں نے چھوڑا ہوا ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا کہ میں نصابی طور پر یہ سب کچھ جانتا ہوں۔ میں جمعہ ایڈیشن بھی پڑھتا ہوں۔ اس میں بھی یہی باتیں ہوتی ہیں۔ اب میں انہیں اپلائی کرنا چاہتا ہوں اور وہ نہیں ہو رہا ہے۔ میں اندر کا میک اپ کرنے کا خواہاں ہوں۔

ایک محترمہ گویا ہوتی ہیں:۔ ہم زندگی کو اور لیول سے دیکھتے ہیں۔ ہمارا تجربہ اور ہے جبکہ کسی اور شخص کا تجربہ اور ہوگا اور وہ کسی اور نظر سے زندگی کو دیکھ رہا ہوگا۔

اشفاق احمد:۔ اگر ہم انسانوں کو یا آدمیوں کو پڑھیں گے تو ان پر بہت اچھی کہانی لکھ سکیں گے لیکن اپنے اندر کی تطہیر کے لیے کچھ اور چاہیے۔

آپ لوگوں کے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا اور کام کی باتیں معلوم ہوئیں لیکن سوئی جہاں اٹکی تھی' اب بھی وہیں پر ہے۔ اب ہم ایک دوسرے سے اجازت چاہیں گے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور اس بات کا شرف عطا فرمائے کہ ہم خدا سے Hide and Seek کھیلتے ہوئے اسے اس کی باری پر ہی نہ کھڑا کر کے چلے جائیں بلکہ اسے آواز دے کر بھی بلائیں۔ اللہ آپ کو آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف بھی عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

واشنگٹن سے شکوے' امریکنوں کے نام

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچے۔

عمر کے ایک خاصے حصے میں آدمی شام کے وقت کسی خاص کونے میں بیٹھ کر عجیب و غریب قسم کی باتیں سوچنے لگتا ہے اور آپ اپنے حساب کو چکانے کے لیے ہر اس چیز کو جانچتا اور آنکتا ہے جو ماضی میں اس کے ساتھ گزر چکی ہیں یا جن کے ساتھ ماضی میں اس نے اپنا تعلق اور رابطہ قائم کر کے وقت طے کیا ہے۔ مجھ پر ایسی کوئی کیفیت کبھی طاری نہیں ہوئی تھی لیکن پچھلے چند مہینوں بلکہ چند برس سے مجھ میں ایک خاص کیفیت پیدا ہونے لگی ہے جس کو ناسٹلجیا کہتے ہیں۔ اس بیماری یا کیفیت میں انسان کو اپنا گزرا زمانہ یاد آنے لگتا ہے۔ انسان آج یا قریب کی بات بھولنے لگتا ہے اور ماضی بعید کی باتیں یاد کرنے لگتا ہے۔ اپنے پرائمری سکول اور مڈل کے زمانے کی Remote باتیں زیادہ وضاحت سے یاد رکھتا ہے۔

اس کیفیت سے دوچار ہونے کے بعد میں نے اپنے ساتھی' ہم عمر دوستوں سے یہ پوچھا کہ کیا یہ کیفیت ان پر بھی طاری ہوئی ہے تو تقریباً سب نے اس بات کا اعتراف کیا کہ انہیں بھی دور کی باتیں زیادہ یاد آتی ہیں اور حال کی باتیں اتنی شدت سے یاد نہیں رہتیں۔ انہیں یہ یاد نہیں رہتا کہ کل اٹھا کر خط کہاں رکھا تھا۔ میں نے کہا کہ اس کی کچھ تحقیق کرنی چاہیے۔ ہم تو اس علم سے ناآشنا ہیں۔ ہمیں تو علم ہی نہیں ہے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ہم نے کئی ڈاکٹروں سے اس بابت پوچھا تو انہوں نے کہا کہ نہیں یہ ہمارے دائرہ کار میں نہیں ہے۔ پھر میں نے اپنے بابوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ''ہاں بس ہوتا ہے ایسے' اس کا ہماری سوچ کی لہروں سے تعلق ہوتا ہے۔''

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پھر میں نے ماہرین نفسیات سے رجوع کیا کیونکہ یہ ان کے سوچنے کی چیز ہے۔ کئی سائیکالوجسٹوں نے میرے اس معمے کو حل کرنے کی کوشش تو کی لیکن ان کی بات کچھ میرے دل کو نہیں لگی۔ پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ نفسیات کی خاتون سربراہ ڈاکٹر صاحبہ کہنے لگیں کہ ٹھیک ہے' ایسا ہوتا ہے۔ اس میں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اس کی آخر وجہ کیا ہے؟ وہ مسکرانے لگیں لیکن انہوں نے مجھے کچھ بتایا نہیں۔ جب ان کی مسکراہٹ بڑی معنی خیز ہو گئی تو میں نے کہا کہ ''بی بی دیکھیں مجھے اس کیفیت پر کوئی اعتراض نہیں' میں تو ایک طالب علم ہوں جو کچھ نہ کچھ جاننے کی کوشش میں لگا رہتا ہوں۔ یہ میری شروع سے ہی عادت ہے اور میری طبیعت میں تجسس ہے آپ مجھے براہ کرام بتائیں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔''

انہوں نے کہا کہ ''آپ یہ جان کر کیا کریں گے؟''

میں نے کہا ''آپ کو پتہ ہے اس کا؟''

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے ان سے کہا کہ ''پھر تو آپ اللہ کے واسطے مجھے یہ ضرور بتائیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔''

انہوں نے بدستور مسکراتے ہوئے بتایا کہ ''صاحب دیکھیں' انسانی زندگی میں انسان جو ہے' یہ چونکہ Complete پیدا نہیں ہوتا۔ ایک پھولوں کی جھاڑی جو ہے' وہ جب بھی بیج پیدا کرے گی اپنے جیسے ہی کرے گی۔ اس کے جب بھی پھول نکلیں گے پہلے جیسے ہی نکلیں گے۔ ایک کتا پورے کا پورا کتا ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ وہ کتا کہے کہ ''سوری سر میں نے ابھی میٹرک نہیں کیا ہے۔ اس لیے میں اچھا کتا نہیں ہوں۔'' وہ وفادار ہی رہے گا۔ آپ کے ہر حکم کا منتظر ہی رہے گا۔ مالک کو دیکھ کر دم ضرور ہلائے گا۔ ایک گھوڑا مکمل گھوڑا پیدا ہوتا ہے۔ ایک گھوڑے کو بغیر کسی Institution سے سیکھے پتہ ہے کہ اسے کس پتھر پر قدم رکھنا ہے اور کس پر نہیں رکھنا اور آپ اپنا بہت ہی قیمتی بچہ یا پوتا اس گھوڑے پر بٹھا دیتے ہیں۔ (ایسا ہوتا ہے نا جب آپ نتھیا گلی جاتے ہیں اور اپنے بچوں کو گھوڑے پر بغیر کسی خوف کے بٹھا دیتے ہیں) وہ بڑی خطرناک جگہ ہوتی ہے لیکن گھوڑے کو پتہ ہوتا ہے کہ اسے اس بچے کو بٹھا کر کس احتیاط سے چلنا ہے۔ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جو اپنے آپ کو ہر وقت تکمیل کے دائرے میں داخل کرتا رہتا ہے اور آگے چلتا رہتا ہے۔ وہ مکمل نہیں ہوتا۔ یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے کہ کائنات کی اشرف المخلوقات کہلانے والی مخلوق میں یہ کوتاہی ہے کہ وہ پورا نہیں ہے اور وہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے کوشش کرتا رہتا ہے۔

اس طرح انسان کا بچہ یا انسان جو ہے' یہ ٹائم کے اندر سے گزرتا ہے اور وقت ہی اس کا ماضی'

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

حال اور مستقبل ہوتا ہے۔ یہ ماضی کو پیچھے چھوڑتا جاتا ہے اور گھوڑے کی طرح پاؤں رکھتا جاتا ہے اور اس کی نگاہیں مستقبل کی طرف رہتی ہیں اور اس کی ساری ترکیبیں اور ترغیبیں مستقبل سے وابستہ ہوتی ہیں۔ چوتھی کا بچہ دیکھتا ہے کہ اسے پانچویں جماعت میں جانا ہے۔ پھر پانچویں سے میٹرک میں جاتا ہے۔ میٹرک کے بعد مجھے اپنی زندگی اس طرح ڈھالنی ہے' ڈاکٹر بننا ہے یا انجینئر بننا ہے۔ تاجر بننا ہے اور وہ اپنے مستقبل بارے سوچتا ہے۔ چونکہ اس کی مستقبل کے ساتھ گہری وابستگی ہوتی ہے اور یہ مستقبل ہی کی طرف نگاہ رکھتا ہے' اس لیے یہ اپنے ماضی اور حال سے بے نیاز رہتا ہے حالانکہ اگر یہ اپنے آپ کو ایک تکمیل کے اندر رکھنے کا خواہش مند ہے اور Complete ہونا چاہتا ہے' تو اسے اپنے حال پر نظر کرنی چاہیے کہ آج اس وقت جو میرے ساتھ کیفیت ہے' یہ کس وجہ سے ہے؟ کیسے ہے؟ اگر موجودہ صورتحال پر گہری نظر نہ رکھی جائے تو انسان ماضی کی یاد میں مبتلا ہو جاتا ہے اور مستقبل سے خوف زدہ ہو جاتا ہے اور پھر وہ کسی گھسن گھیری اور مشقت میں اپنی ساری زندگی گزار دیتا ہے۔

میں نے ان سے کہا کہ "یہ باتیں تو ہمارے بابے بھی کہتے ہیں۔"

وہ کہنے لگیں۔ اشفاق صاحب آپ عمر کے اس حصے میں ہیں کہ جب آپ اپنی پرانی تربیت کے زور پر مستقبل میں دیکھتے ہیں تو وہاں سوائے موت کے آپ کو کچھ نظر نہیں آتا اور ہر پلان اور منصوبے کو بناتے وقت ایک بوڑھا آدمی ایمانداری کے ساتھ سوچ رہا ہوتا ہے کہ آگے موت کی انتظار کرتی ہوئی کھائی ہے۔ آپ چونکہ ذہین آدمی ہیں' اس لیے خوف زدہ اور ڈری ہوئی شخصیت بھی ہیں اور جب بھی کوئی کواڑ کھولتے ہیں' بات موت کی فکر کے ساتھ ہی منتج ہوتی ہے اور انسان اس سے خوف زدہ ہو کر منہ پیچھے کی طرف کر لیتا ہے اور مستقبل کا ڈراؤنا کواڑ کھولنے کی بجائے وہ ماضی کی طرف چلا جاتا ہے اور اس ڈر اور خوف والے دروازے کو مکمل طور پر بند کر لیتا ہے اور Right About Turn منہ پیچھے کی طرف کر لیتا ہے اور ماضی سے ہی امید کی کرنیں ٹٹولنے لگتا ہے۔ ان کی (ڈاکٹر صاحبہ کی) یہ بات بالکل ٹھیک اور خوبصورت تھی۔ وہ کہنے لگیں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں وہ اپنے ماضی کی ان یادوں سے فائدہ بھی اٹھا سکتے ہیں۔ اگر وہ ان یادوں کو اپنی موجودہ زندگی کا ایک حصہ بنا کے ان کے اوپر تفاخر کرنے لگیں تو ان کے لیے یہ وقت گزارنا بڑا آسان ہو جائے گا۔ ڈاکٹر صاحبہ کی باتیں بجا تھیں۔ کیوں جب ہم اپنے ماضی کی طرف دیکھتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ ہمارا ماضی کچھ اتنا ناقص بھی نہیں تھا جتنا ہمیں بتایا جا رہا ہے۔ اب تقابلی مطالعہ میں میرے اور میرے پوتے کے سکول میں بڑا فرق ہے۔ میری تعلیم کا جو سلسلہ تھا اس میں اور آج کی تعلیم میں بڑا فرق ہے۔ میری تربیت کے جو چوکھٹے تھے اور آج کی تربیت کا جو چوکھٹا ہے اس میں نمایاں فرق ہے۔ (پروگرام کے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

دوران اشفاق صاحب کو بھنے ہوئے چنے پیش کیے جاتے ہیں جن کی وہ تعریف کرتے ہیں)۔

جن لوگوں نے اپنے ماضی کو ٹیک بنا کر اور اس سے شرمندگی نہ اختیار کر کے اپنی زندگی میں اس ماضی کو دخیل کیا ہے تو وہ یقیناً کامیابی کے ساتھ اپنا یہ سفر طے کریں گے اور خوشی کے ساتھ اس کھلے ہوئے پھاٹک میں داخل ہوں گے جس میں سب داخل ہوں گے۔ میری خواہش ہے کہ ہم بغیر کسی فکر پریشانی کے ٹاٹا..... بائی بائی کرتے ہوئے گزر جائیں اور پھاٹک میں داخل ہوں۔

جب میں اپنا ماضی یاد کرتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ میرا ماضی جس میں میرا اسکول، ماں باپ، بہن بھائی ہیں اس میں ایک ایسی اچھی تصاویر موجود ہیں جو میری بڑھاپے کی اور آخری زندگی بسر کرنے کے لیے بڑی مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔ میں اپنے ماضی پر شرمندہ ہرگز نہیں ہوں باوجود اس کے کہ ہمارا گھرانہ غریب تھا، ہم کوئی بڑے امیر آدمی نہیں تھے۔ میری ماں کو بہت کام کرنا پڑتا تھا۔ اتنا زیادہ کہ آج کی جو خواتین کے حقوق کی تحریکوں کی جو بڑی بڑی لیڈر ہیں، اگر انہیں دیکھتیں تو بے ہوش ہو کے گر جاتیں۔ میری ماں دو بھینسوں کا دودھ دوہتی تھی۔ پھر ان کا چارہ ایک بڑے چکر والے ٹوکے پر سے کترتی تھی اور اس کی بڑی خواہش ہوتی تھی اور کہتی تھی کہ اس ٹوکے کے منہ پر چارہ لگا دو ہم ایک بار تو لگاتے تھے پھر کھسک جاتے تھے۔ پھر وہ خود ہی ٹوکے کے منہ پر چارے کی ''پولی'' لگاتی اور خود ہی اس چکر کو ''گیڑتی'' (گھماتی) تھی۔ وہ یہ سارا کام بڑی خوش دلی سے کرتی تھی۔ اس کے ماتھے پر کبھی سلوٹ نہیں آئی، وہ تھکی ضرور ہوتی تھی لیکن بے زار نہیں ہوتی تھی۔ میں اکیلی اپنی ماں کا ذکر نہیں کرتا ہوں۔ اس وقت وہاں جتنی بھی مائیں تھیں اتنا ہی کام کرتی تھیں۔ ہمارا محلہ ہمارا قصبہ، لوگ ہم چھوٹے دوست ماؤں کے حوالے سے ہی جانے جاتے تھے۔ ایک ستندر کی ماں ہوتی تھی۔ ایک بلوندر کی ماں تھی۔ بلوندر کی ماں کو بلوندر کی ماں ہی کہتے تھے۔ مصطفیٰ کی ماں، جمیل کی ماں، یہی شناخت تھی۔ وہ بڑی پختہ اور عمل میں ثابت قدم ہوتی تھیں۔ وہ ایک بڑا ظلم کرتی تھیں کہ رورعایت نہیں کرتی تھیں۔ اگر میں مثال کے طور پر اپنی ماں سے کہتا کہ میں ساتویں میں ہو گیا ہوں تو وہ کہتیں ''گھمیاراں دامنڈا اٹھویں وچ ہو گیا اے'' (کمہاروں کا بیٹا آٹھویں جماعت میں چلا گیا ہے) مجھے یاد آ رہا ہے کہ میرے بڑے بھائی پڑھنے میں ہم سے بہتر تھے (ہم جو دو چھوٹے تھے)۔ وہ تعلیم کے معاملے میں بہت مستعد بھی تھا۔ اس کا مقابلہ اس کے ہم جماعت بلونت کمار سے تھا۔ وہ فرسٹ آتا تھا۔ میرا بھائی سیکنڈ آتا تھا۔ میرے والد نے میرے بھائی سے کہا کہ یار شرم کر وہ دبلا پتلا سا نالائق لڑکا ہے اور تو موٹا تازہ صحت مند ہے تمہارا سیکنڈ آنا تو کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔ میرے بھائی نے بہت زور لگایا اور محنت کی اور وہ فرسٹ آ گیا۔ فرسٹ آنے پر انہیں سرخ گوٹے میں لپٹی ہوئی کتاب بطور انعام ملی۔ وہ انعام لے کر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اباجی کے پاس آیا اور کہنے لگا دیکھیں اباجی میں فرسٹ آیا ہوں اور بلونت کمار پیچھے رہ گیا ہے۔

اباجی نے یہ سن کر کہا کہ یہ انعام تمہیں کس نے دیا ہے۔ بڑا بھائی فخر سے کہنے لگا کہ جی گوپل چند نارائن نے دیا ہے (وہ اس وقت کے کوئی بڑے آدمی تھے)۔ میرے ابا نے وہ انعام اس کے ہاتھ سے لے کر پرے رکھتے ہوئے کہا کہ گوپل چند نارائن سے انعام لینا کون سی بڑی بات ہے۔ "تم گوپل چند نارائن ہو کر دکھاؤ۔" یہ ایک چیز تھی جو بظاہر لگتی تھی کہ دل ٹوٹ گیا۔ یہ ہو گیا' وہ ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔ اس زمانے میں سائیکالوجی نہیں ہوتی تھی۔ ماں بیٹے کا اور باپ بیٹی سے اولاد کا ایک سیدھا رشتہ ہوتا تھا۔ وہ اپنے تعلق سے ایسے موڑ لیتے تھے' ڈھال لیتے تھے جیسا کمہار یا کوئی کوزہ گر چاک پر مٹی کو اپنی مرضی سے ڈھال لیتا ہے۔ اسی طرح وہ والدین اپنی کم تعلیم کے باوصف اسے موڑ کر اپنی مرضی کے مطابق کر لیتے تھے اور جب اس کو بجا کر دیکھا جاتا تھا تو کسی طرف سے اس کی آواز خراب نہیں ہوتی تھی اور وہ کسی طرف سے پلاٹیڑھا یا بھینگا نہیں ہوتا تھا۔ یہ ساری خوبیاں ان لوگوں میں موجود ہوتی تھیں اور وہ ہمارے ساتھ مل کر' بچوں کے ساتھ مل کر اتنی ہی محنت کرتے جتنی بچے اپنی طرز پر کرتے تھے۔ ہمیں مولڈ کرتے تھے کہ ہمیں ان سے کوئی گلہ یا شکایت نہیں ہوتی تھی۔ اس وقت کسی بچے نے یہ نہیں کہا کہ "اے ماں باپ اگر تو نے مجھے اس وقت ٹوکا ہوتا تو میں آج جرائم پیشہ نہ ہوتا۔" ایک بار روٹی کھاتے ہوئے میری ماں کا لقمہ زمین پر گر گیا تو انہوں نے اسے اٹھا کر ماتھے سے تین دفعہ لگایا اور کھا لیا' میری بہن جو ہم سے بڑی تھی اور زیادہ پڑھی ہوئی تھی اور وہ ان دنوں خواتین' تہذیب نسواں وغیرہ کے رسالے پڑھا کرتی تھی' ماں کو نیچے سے لقمہ اٹھا کر کھاتے دیکھ کر چلانے لگی۔ اماں جراثیم' اماں جراثیم یہ تم کیا کر رہی ہو۔ زمین سے اٹھا کر نہیں کھاتے۔ اماں کہنے لگیں کوئی بات نہیں۔ اب میں نے کھا لیا ہے' کچھ نہیں ہوتا۔ میں اب محسوس کرتا ہوں کہ میری ماں جراثیم کے مقابلے میں خدا سے زیادہ ڈرتی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ اس رزق کی بے ادبی نہیں ہونی چاہیے۔ اصراف نہ ہو۔ جب اس ماں جی کو دیکھتے ہیں تو خوشی بھی ہوتی ہے اس کی بات میں اخلاق کا پہلو نمایاں ہوتا تھا اور اخلاق کا راستہ بتایا جاتا تھا۔ اب ایسا رواج نہیں ہے۔ باوجود اس کے کہ ہمارے ہاں علم و تعلیم تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور ہم نے ایسے Method اختیار کر لیے ہیں جو شاید آگے چل کر اتنے کام نہیں آئیں گے لیکن ایک قوم اس دنیا میں ابھی بھی موجود ہے جو اخلاق پر قائم ہیں۔ اس قوم کے گاؤں میں ابھی بھی اخلاقی قدریں موجود ہیں' جو ہم نے اپنے بچپن میں دیکھی تھیں۔ آپ کو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ اور حیرانی ہو گی کہ وہ قوم امریکی لوگ ہیں۔ امریکہ کی حکومت اس کا واشنگٹن ڈی سی اور وائٹ ہاؤس مختلف ہے۔ اس کے رہنے والے اور دیہاتوں کے باسی ان حکومتوں سے برعکس ہیں۔ وہ اپنی اخلاقی اقدار پر آج بھی قائم ہیں جو ہم

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نے اپنے بچپن میں دیکھی تھیں۔

پچھلے سے پچھلے برس میں کینساس کی ریاست میں گیا۔ وہاں بڑے پی ایچ ڈی پڑھے لکھے موجود ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ ایک مرتبہ کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ کھانا کھانے سے قبل ان کا بڑا ابا یا والد دعا پڑھتا ہے۔ جس میں کہتا ہے کہ "اللہ تیری مہربانی ہے کہ تو نے ہم کو رزق دیا ہے۔" وہ دعا کافی لمبی ہوتی ہے اور سب تعلیم یافتہ بچے ویسے ہی بیٹھے ہوتے ہیں اور وہ سب دعا کے بعد کھانا شروع کرتے ہیں۔ ان کی آپسی میل ملاپ کی باتیں سب اخلاقی اقدار پر پوری اترتی ہیں۔ میں ایک بار امریکہ کی وسکونسن سٹیٹ کی ایک جگہ سن پریری گیا۔ وہاں اعلیٰ درجے کی مکئی کی چھلیاں ہوتی ہیں۔ وہ بڑے کمال کی اور مزیدار ہوتی ہیں۔ سن پریری میں 22 اگست کو کارن فیسٹیول ہوتا ہے۔ وہاں لوگ' خواتین و حضرات' بچے' بوڑھے' لڑکیاں' بوڑھیاں اعلیٰ درجے کے کپڑے پہنے شریک ہوتی ہیں۔ لڑکے باجے بجا رہے ہوتے ہیں۔ ہم ہوں تو کہیں کہ یہ مکئی کی چھلیاں کیا ہیں' ہم ایسے ہی باجے بجاتے پھریں لیکن وہ اس فیسٹیول کو دھوم دھام سے منا رہے ہوتے ہیں۔ وہاں فیسٹیول کی جگہ بڑی سجائی ہوتی ہے اور دور دراز کے گاؤں سے لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں۔ فیسٹیول میں ابلی ہوئی چھلیاں ہوتی ہیں' ساتھ مکھن اور کالی مرچ بڑی مزیدار ہوتی ہیں۔ جب میں نے میلے میں شرکت کی' ساری چیزیں کھانے کو ملیں اور لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا تو وہ مجھے بڑے شوق اور تجسس سے ملتے اور دیکھتے رہے۔ میں نے ایک لمبا کرتا پہنا ہوا تھا اور نیچے رنگدار لاچا جس طرح کا انجمن (اداکارہ انجمن ان کی اور سلطان راہی کی فلمی جوڑی بڑی مشہور تھی) فلموں میں پہنا کرتی تھی' پہنا ہوا تھا۔ وہ مجھے پوچھتے کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ ان میں سے بہت سوں کو پاکستان کا پتہ نہیں تھا اور میں انہیں جب بتاتا کہ افغانستان کے ساتھ۔ اس طرح انہیں Location کا پتہ چلتا۔ افغانستان کا ان سب کو علم تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ افغانستان نے روس کو بھگایا ہے۔ وہ پاکستان بارے مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ نے انگریزی کیسے سیکھی تو میں نے انہیں بتایا کہ پاکستان میں سبھی پڑھے لکھے ہیں۔ وہاں کوئی ان پڑھ نہیں ہے۔ اگر تم وہاں کوئی ان پڑھ تلاش بھی کرو گے تو تمہیں نہیں ملے گا۔

امریکی عوام معصوم ہے۔ انہیں نہیں معلوم کہ حکومت کیا کر رہی ہے۔ انہیں جو بتایا جاتا ہے سادگی سے یقین کر لیتے ہیں۔ انہیں اگر بتایا جائے کہ یو این او میں جمہوریت کے منافی کام بھی ہو رہے ہیں اور عہدوں سے پھرا جا رہا ہے تو وہ سارے کے سارے دیہاتی اور شریف لوگ ضرور احتجاج کریں گے۔ اگر احتجاج نہیں کر سکیں گے تو ہمیں تسلی ضرور دیں گے۔ دل جوئی ضرور کریں گے اور دلی افسوس کریں گے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم صرف حکومتوں کے ساتھ وابستہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سب سے یہ کوتاہی ہوتی ہے۔ ہم وائٹ ہاؤس کی طرف اور واشنگٹن کی طرف دیکھتے ہیں۔ امریکہ کے دیہاتیوں سے رابطہ نہیں کرتے۔ ٹھیک ہے حکومتوں کے کام حکومتیں جانیں لیکن میں، آپ، ہم سب ہمارا کہیں نہ کہیں فرض بنتا ہے کہ ایک پیسے کا ایک خط لکھ کر ان کو بتائیں کہ کیسے عہد شکنی ہو رہی ہے۔ ہمارے اوپر کیا کیا گزر رہی ہے، تو وہ ہم سے بڑھ کر بات کریں گے۔

آپ کی تشریف آوری کا شکریہ، اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

”شاہی محلے کی ابابیلیں“

ہم سب کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچے۔

جب سرکاری حکم ملتا ہے یا کوئی بھی حکم ملتا ہے تو اس کی بجا آوری کے لیے انسان کو بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں لیکن چونکہ حکم بجالانا ہوتا ہے اس لیے آدمی مشکل مقامات سے بھی گزرتا ہے۔ میں اکثر آپ سے بابوں کی باتیں کرتا رہتا ہوں جن کا تعلق روحانیت سے ہے لیکن بابوں کی شکل صورت اور Shape تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ یہ آدمی جو میرے قریب سے گزرا ہے اور ایک معمولی حیثیت کا آدمی ہے یہ بھی روحانیت کی دنیا میں کوئی اپنا منفرد مقام رکھتا ہے یا یہ ہوا کا جھونکا جو بظاہر ہوا کا جھونکا ہے اس کے اندر بھی کوئی ایسا پیغام تھا جس کو میں سمجھ نہیں سکا لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس میں کوئی بات تھی۔

خداوند تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں پرندوں کا بڑا ذکر کیا ہے۔ خاص طور پر مجھے اس ہدہد پر بڑا پیار آتا ہے جو سورۃ سبا میں حضرت سلیمان کے دربار میں موجود نہیں تھا۔ موجی مزاج تھا جانے کہاں گیا ہوا تھا اور حضرت سلیمان نے غصے ہو کر کہا تھا کہ ”وہ ہدہد کہاں ہے۔ اسے پیش کیا جائے۔“

خیر..... یہ پرندے جو ہیں یہ خاص طور پر میرے ہلکے سے ذاتی تجربے کے مطابق یہ روحانیت کے پیامبر ہوتے ہیں۔ اکثر آپ کے بڑے یا پارکھ یہ کہتے رہے ہیں کہ پرندوں کو دانا ڈالنا چاہیے۔ کچھ گھروں میں اس طرح کا خاص اہتمام ہوتا ہے اور پرانی مائیاں بیٹھ کر خشک روٹی کے ٹکڑوں سے بھورے چورے بناتی رہتی ہیں اور پھر انہیں چڑیوں کو ڈالتی ہیں۔

خواتین و حضرات! اب چڑیاں بے مقصد نہیں آتی ہیں گھروں میں۔ ان کا کوئی مقصد ہوتا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہے۔ان کا بھی کوئی پیغام ہوتا ہے۔ان کی کوئی زبان ہوتی ہے۔ بھلے ہم اسے نہ سمجھ سکیں لیکن ان کا گھر میں تشریف لانا' ان کا ہماری منڈیر پر بیٹھنا اور پھر چلے جانا بڑی فلاح کی بات ہوتی ہے۔ پرندوں کے ساتھ انسانوں کا بڑا پرانا تعلق ہے۔ اتنا پرانا کہ ایک مرتبہ ہاتھیوں والے مکہ پر ہاتھی لے کر حملہ کرنے آ گئے تھے اور چھوٹے چھوٹے خوبصورت سے جو ابابیل تھے' انہوں نے اپنی طرف سے جیش تیار کر کے ان ہاتھی والوں کو مار بھگایا تھا۔

یہ ابابیل میری زندگی میں بہت قریب رہا ہے۔ یہاں بھی اور وہاں بھی جب میں ولائیت میں تھا۔ جب میں ولائیت میں ایک استاد کی حیثیت سے گیا ہوا تھا تو ابابیل شام کے وقت ہمارے گھر کے قریب' گرجوں کے اردگرد منڈلایا کرتے تھے۔

اگر آپ حرم شریف تشریف لے گئے ہوں تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ خاص طور پر شام کے وقت اور مغرب کے بعد وہاں جو ابابیل آتے ہیں اور جس طرح سے وہ چکر کاٹتے ہیں اور طواف کرتے ہیں وہ بھی دیکھنے کے قابل منظر ہوتا ہے۔ جیسے ہمیں حکم ہے کہ کعبہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے تو وہاں بیٹھ کر اس ماحول میں ان ساری چیزوں کا جائزہ لیتے رہنا بھی ایک عبادت ہے۔

ہمیں جو ماحولیات والے بار بار ذکر کرتے ہیں کہ آپ اپنے درختوں اور پرندوں کا خاص خیال رکھیں کیونکہ یہ ہماری زندگیوں میں داخل ہیں اور یہ زندگی کے ترازو کو بیلنس میں رکھنے کے لیے بہت معاون ثابت ہوتے ہیں۔

ایک بار ٹیلیویژن پر آغا بشیر صاحب جو ہمارے باس تھے' انہوں نے مجھے بلا کر یہ کہا کہ ہمارے پاس گانے کا جو حصہ ہے وہ بڑا کمزور ہے اور کوئی خصوصی گائیکی نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا کہ جا کر گانے والیوں کو ان کے گھروں میں انٹرویو کر کے' جانچ کے پسند کرو اور پروگرام ریکارڈ کراؤ۔ اب میں موسیقی یا گائیکی بارے کوئی خاص علم بھی نہیں رکھتا تھا لیکن اب باس کا حکم تھا' میں نے ان سے پوچھا کہ ''جی اس مقصد کے لیے کہاں جانا ہوتا ہے؟''

انہوں نے کہا کہ ''ہمارے لاہور کے علاقے میں ایک شاہی محلہ ہے وہاں آپ کو جانا ہوگا۔''

ان کی یہ بات سن کر میں ذرا لرزا' وہ ساتھ ہی بولے کہ ''یونس کلرک آپ کے ساتھ جائے گا۔ یہ ان کے ایڈریس وغیرہ نوٹ کرتا رہے گا۔''

میں شام کو گھر آیا' لیٹا' سویا' طبیعت پر ایک بوجھ تھا۔ انسان پر کئی طرح کا بوجھ ہوتا ہے۔ ہمارے اوپر سب سے بڑا تکبر کا بوجھ ہوتا ہے اور ہم یہ جانے بغیر کہ خدا کے نزدیک کون بڑا ہے اور کون گھٹیا ہے' فیصلے خود ہی کرتے رہتے ہیں۔ میں بھی طبیعت پر بوجھ لے کر ایسے ہی فیصلے کیے جا رہا تھا۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اگلے دن میں حکم کے مطابق شاہی محلے گیا۔ ہمارا کلرک بھی میرے ساتھ تھا۔ میں بڑی ہمت اور کوشش کر کے گیا کہ اگر وہاں لوگ مجھے دیکھیں تو کیا سوچیں گے کہ یہ صاحب کہاں پھر رہے ہیں۔

خواتین و حضرات! ایک جو جھوٹی سچی عزت ہوتی ہے نا' میں نے اس کو بھی پھلانگا اور ایک گھر میں داخل ہوا۔ ان لوگوں نے یہ جان کر یہ ٹی وی سے آئے ہیں بڑی محبت اور ادب سے استقبال کیا اور وہ جو کچھ بھی گائیکی کے بارے میں جانتے تھے بتایا۔ ہم انہیں نوٹ کرتے رہے۔ اب یہ میرے لیے بھی بڑا عجیب تجربہ تھا۔

خواتین و حضرات! جب ہم وہاں ایک گھر میں گئے تو وہاں ایک ڈیوڑھی تھی اور وہ بالکل خالی تھی۔ ہمیں اس ڈیوڑھی سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانا تھا۔ جب میں اس ڈیوڑھی میں گیا تو میں نے ایک عجیب و غریب چیز دیکھی کہ چھت کے ساتھ ایک پرانی وضع کا نہایت خوبصورت غالیچہ لگا ہوا ہے۔ زمین پر تو غالیچے بچھے دیکھے تھے۔ چھت پر ان کا لگا ہونا واقعی معنی خیز تھا۔ وہ غالیچہ کچھ پرانا تھا اور اس کے رنگ مدھم پڑ چکے تھے اور وہ ایک طرح ''گھسمیلا'' سا تھا لیکن وہ دریدہ حالت میں چھت کے ساتھ لگا ہوا کافی دبیز قسم کا غالیچہ تھا۔ میں کھڑا ہو کر اسے دیکھنے لگا اور خیال کرنے لگا کہ یہ ڈیکوریشن کے لیے ہوگا۔ ہم نے اس کی طرح ڈیکوریشن بارے کہیں پڑھا نہیں ہے۔ اتنے میں ایک صاحب سیڑھیاں اتر کر ڈیوڑھی میں آئے' وہ بڑے بھاری بھرکم قسم کے آدمی تھے۔ وہ نہایت سنجیدہ قسم کے تھے۔ وہ ہم سے آنے کی وجہ دریافت کرنے لگے۔ ہم نے وجہ بتائی تو وہ ہمیں اوپر لے گئے۔ عباس صاحب ان کا نام تھا۔ اوپر گئے تو وہاں ایک بی بی ملیں۔ میں نے ان سے جاتے ہی کہا کہ ''نیچے ڈیوڑھی میں آپ کی چھت کے ساتھ جو اتنا اچھا غالیچہ لگا ہوا ہے وہ میں سمجھ نہیں سکا کہ یہ کیسی ڈیکوریشن ہے۔''

اس نے بتایا کہ ''یہ غالیچہ نہیں ہے۔ یہ ابابیلوں کے گھونسلے ہیں جو وہ چھت کے ساتھ چپکا کے لگاتی ہیں۔ اس نے بتایا کہ ایک زمانے میں ہمارا یہ گھر ابابیلوں کی آماجگاہ تھا اور بیسیوں ابابیل اس میں آباد تھے۔ اب یہ ویران ہو گیا ہے۔ جیسے کوئی گاؤں' قریہ یا شہر کھنڈر ہو جاتا ہے۔ یہ بھی کھنڈر ہو گیا ہے۔ اب ابابیل یہاں نہیں رہتے۔ وہ چھوڑ کر یہ جگہ جا چکے ہیں۔

خواتین و حضرات! اب میں اپنا کام تو بھول گیا اور اس بات میں دلچسپی لینے لگا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ ''یہ کیوں آئے تھے اور کیوں چلے گئے۔'' اس نے کہا کہ ''بھائی صاحب ابابیل ہمیشہ وہاں گھونسلا بناتا ہے جہاں اچھا لحن' اچھی سوچ اور اچھی آواز نکلتی ہو۔ جہاں اچھا سُر اور لحن نہ ہو وہاں پر یہ گھونسلا نہیں بناتا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جس مسجد کا مؤذن سریلا ہو اور جہاں پر قرأت کا سماں بندھا رہتا ہوں وہاں ابابیل گھر بناتے ہیں۔''

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اس بی بی نے مجھے کہا کہ ''آپ نے دیکھا ہوگا کہ شاہی مسجد میں بہت ابابیلوں کے گھر ہیں۔ اسی طرح گرجوں میں جہاں بہت اچھا آرگن بجتا ہے اور جہاں سریلے پادری ہوتے ہیں' وہاں پر ان کے گھر ہوتے ہیں یا پھر ایسے گھرانے جہاں سر کا چلن عام ہو۔'' وہ کہنے لگی کہ ''یہ میرا گھر تھا' اس میں میری تین خالائیں تھیں جن سے اچھی گائیکائیں پاکستان کیا پورے برصغیر میں کوئی نہیں تھی۔ وہ تینوں کی تینوں فن گائیکی پر کمال رکھتی تھیں اور وہ تینوں کی تینوں ''شدھ راگ'' جانتی تھیں اور ان میں سے ایک ماسی سہرا تھی وہ ''دھوتک راگ'' بھی گاتی تھی۔''

اس نے مزید بتایا کہ ''اس کی ماسی سرتاج جنوب کی گائیکی کی ماہر تھی اور بڑی بڑی دور سے شوقین مزاج لوگ ان کا گانا سننے کے لیے آتے تھے اور جب وہ تینوں بیٹھ کر ریاض کرتی تھیں (وہ کہنے لگی کہ میں تو زیادہ بس روٹی ہانڈی میں رہی۔ گانے بجانے کے کام میں زیادہ شریک نہیں ہوتی تھی) تو ہمارے گھر کے باہر ابابیل منڈلانے لگے۔ جب ان کا ریاض بہت بڑھا تو انہوں نے منڈیروں پر بیٹھنا شروع کر دیا اور گھونسلے ڈالنے شروع کر دیئے اور جب تک وہ تینوں زندہ رہیں یہ گھونسلے آباد رہے اور جب اس گھر سے سر نکل گیا تو یہ گھر بے آباد ہو گیا۔''

مجھے یہ سن کر بڑی حیرانی بھی ہوئی' دکھ سا بھی ہوا اور مجھ سے اس پیچیدگی کی گرہ بھی نہ کھلی کہ کیا ایسے ہوتا ہوگا.....! اس خاتون نے (اس کا نام خورشید تھا) بتایا کہ ''یہ عباس صاحب میرے خاوند ہیں۔ میری دو بچیاں ہیں۔ وہ اس وقت موجود نہیں ہیں۔ دونوں ہی نرسیں ہیں اور ہم خوش و خرم رہتے ہیں۔''

اس نے بتایا کہ ''چونکہ یہ گھر اس آبادی میں ہے اور ہمارا اجدی پشتی گھر ہے۔ ہم اسے چھوڑ کر جا بھی نہیں سکتے اور ہم میں سکت نہیں ہے کہ کہیں اور گھر لیں' اس لیے ہم رہتے تو یہیں ہیں لیکن ہمارا آبائی پیشہ نہیں رہا ہے۔''

وہ کہنے لگی کہ ''اب ہماری ''پڑچھتی'' کے ایک کونے میں ابابیلوں نے ایک گھر بنایا ہے اور ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ چلو دو ابابیل تو آئے اور ان کی کچھ برکت ہو گی۔''

وہ کہنے لگی کہ ''ہم ان دو ابابیلوں کے آنے پر بڑے خوش تھے۔ انہوں نے وہاں انڈے دیئے پھر بچے نکالے۔ ایک دفعہ شاہی مسجد کے گنبدوں کے پیچھے سے خوفناک کالی گھٹا آئی اور اتنی تیز چلی کہ اس نے یہ سارا علاقہ ہلا کر رکھ دیا اور ان ابابیلوں کا جو گھونسلا تھا وہ ٹوٹ کر نیچے گر گیا۔ اندھیری رات تھی اور وہ ابابیل بھی نہ آئے۔ ان کے جو بچے تھے' وہ ہم نے ایک ڈبے میں رکھ دیئے اور اس ڈبے میں کچھ روئی بھی رکھی کہ اگر ان کے والدین صبح آئے تو سنبھال لیں گے لیکن میرا خاوند مجھے کہنے لگا کہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اس نے قصے کہانیوں میں پڑھا ہے۔ اگر بوٹ (پرندوں کا ایسا بچہ جس کے ابھی پر نہ نکلے ہوں) کو آدم بو لگ جائے اور اس کے ماں باپ جان جائیں کہ آدم زاد کا اس کو ہاتھ لگا ہے تو وہ ٹھونگے مار مار کر اسے خود ہی مار ڈالتے ہیں اور وہ تو ایک عام اور اچھے آدمی کا ہاتھ ہوتا ہے اور اے بیوی ہم تو ناپاک لوگ ہیں۔ ہمارا ہاتھ کیا' ہمارا سارا وجود ہی ناپاک ہے اور مجھے ڈر ہے کہ اس کے ماں باپ شاید انہیں اب قبول نہ کریں۔"

وہ کہنے لگی کہ "ہمیں جیسی کیسی عبادت آتی تھی' میں اور میرا خاوند کرتے رہے۔ ابھی ہماری بچیاں چھوٹی تھیں۔ ہم خدا سے یہی دعا کرتے رہے کہ یا اللہ ان جانوروں کو پتہ نہ لگے کہ ہم کیسے اور کون لوگ ہیں اور کس قدر ناپاک لوگ ہیں۔"

اس نے بتایا کہ "صبح ان بوٹوں کے والدین وہ ابابیل آئے۔ انہوں نے اپنی چونچوں میں "چوغے" (دانا دُنکا) بھرے ہوئے تھے اور وہ آتے ہی ڈبے میں پل پڑے جہاں ان کے بچے تھے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ہماری دعا قبول ہوگئی ہے۔"

اس بی بی خورشید نے بتایا کہ "ان ابابیلوں نے ہم پر اس قدر مہربانی کی کہ وہ اکیس برس تک ہمارے گھر آہلنا (گھونسلا) ڈالتے رہے۔ وہ' ان کے بچے' ان کے پوتے پوتیاں اور ان کی اگلی نسل وہ سارے یہاں رہے۔"

اس نے بتایا کہ "عباس صاحب کچہری میں نقل نویسی کا کام کرتے ہیں۔ بچیوں نے ایف ایس سی کیا اور ہم نے انہیں نرسنگ کے کام پر لگا دیا ہے کہ چلو مخلوقِ خدا کی کچھ خدمت کریں گی اور گھر میں برکت رہے گی اور جو باقی گھر میں برکت تھی یہ ہمارے ابابیل لائے تھے۔"

وہ کہنے لگی کہ "ابابیل اتنا پاکیزہ پرندہ ہے کہ ہمارے لیے یہ بالکل بابے کا درجہ رکھتا ہے۔"

خواتین وحضرات! اس گھر کے اندر ایک گھرانہ آباد تھا جس کی ایک اپنی سُر اور گرائمر تھی اور اپنا ہی لہجہ تھا۔

اس واقعہ اور ملاقات کے بعد میں ٹی وی پر مصروف ہوگیا اور ان سے دوبارہ ملاقات نہ ہوسکی۔

پچھلی گرمیوں میں ایک دن اچانک مجھے ان سے ملنے کا خیال آیا کہ وہ کس قدر محترم اور پاکیزہ لوگ ہیں' جنہوں نے اپنی زندگی کو نئے انداز میں تبدیل کیا ہے۔ میں ان کے گھر گیا تو ایک اور ہی صاحب نکلے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ "یہاں عباس صاحب رہتے تھے؟"

وہ کہنے لگے کہ "جی وہ تو گھر بیچ کر چلے گئے اور شاید انہوں نے جوہر ٹاؤن وغیرہ میں اپنا گھر بنالیا ہے۔"

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں نے ان سے کہا کہ ”اگر آپ کو ان کا کوئی ایڈریس معلوم ہو تو بتا دیں۔“

انہوں نے کہا کہ ”نہیں ہمیں علم نہیں ہے۔“

میں نے گھر کے نئے مالک سے پوچھا کہ ”یہاں ابابیل رہا کرتے تھے؟“

وہ بولا ”وہ کیا ہوتے ہیں؟“

میں نے کہا کہ ”ابابیل ایک پرندہ ہوتا ہے۔“

انہوں نے جواب دیا کہ ”ہمارے گھر میں ایسی کوئی واہیات چیز نہیں ہے۔ ہم نیک لوگ ہیں ہمارا کیا کام کبوتر بازوں وغیرہ سے۔“

خواتین و حضرات! اب مجھے علم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہوں گے؟ کہاں رہتے ہیں؟ کیا وہ اکیلے ہی وہاں گئے ہیں یا ان کے ساتھ ان کا وہ پاکیزہ اور مطہر گھرانہ بھی ساتھ گیا ہے۔

الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیلo الم یجعل کیدھم فی تضلیلo وارسل علیھم طیرا ابابیلo ترمیھم بحجارۃ من سجیلo فجعلھم کعصف ما کولo

ترجمہ:۔ شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ ”کیا تم نے نہیں دیکھا کیسا سلوک کیا تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ۔ کیا اس نے ان کی تدبیر کو بیکار نہیں کر دیا۔ اس نے بھیجے ان پر پرندے غول کے غول جو پھینکتے تھے ان پر پتھر کنکر کی قسم کے، پس کر دیا ان کو گویا بھس کھایا ہوا۔“

ابھی تک مجھے علم نہیں ہو سکا کہ کیا وہ ابابیلوں کو بھی ساتھ لے گئے ہیں یا نہیں لیکن ایک بات جو میں نے بی بی خورشید سے ادیب ہونے کی حیثیت سے کی کہ ”اس معاشرے کا مرد بڑا ظالم ہے۔ وہ کسی ایسے پیشے پر لگا دیتا ہے جس پیشے پر آپ اور آپ کے ساتھی لگے رہے ہیں۔“

یہ بات سن کر خورشید بی بی کہنے لگی کہ ”ہم آپ ادیبوں اور صحافیوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے یہ بات پھیلا رکھی ہے کہ زمانے کا دباؤ اور معاشرت کا پریشر اس قدر ہوتا ہے کہ ہم یہ پیشہ اختیار کر لیتے ہیں۔“

اس نے کہا کہ ”درحقیقت یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ ہمارے ساتھ ہی ایک لاکھ تیس ہزار اور بیبیاں بھی ہیں جو ایسے ہی پریشر میں بلکہ اس سے بھی زیادہ پریشر میں ہوتی ہیں وہ ”بھانڈے مانجنا“ (برتن صاف کرنا) اور لوگوں کے گھروں میں روٹیاں پکانا قبول کر لیتی ہیں لیکن یہ پیشہ اختیار نہیں کرتی ہیں۔ یہ ہماری اپنی چوائس ہوتی ہے اور اپنی ہی کوتاہی ہے، ورنہ ان ایک لاکھ تیس ہزار میں ہم بھی شامل ہو سکتی ہیں۔ یہ سب دباؤ کے تحت نہیں ہوتا۔“

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اس نے کہا کہ ''سلام ان عورتوں پر اور ان کے اگلی دنیا میں درجات بلند ہوں جنہوں نے درست راستے کی چوائس کی۔ جو دکھ سہتی ہیں' مصیبت میں مبتلا رہی ہیں لیکن انہوں نے ایسا رخ اختیار نہیں کیا جیسا رخ میں نے میری دوسری بہنوں نے اختیار کیا تھا۔''

خواتین و حضرات! میں یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ جس کی روح کو اُجالنا چاہتا ہے یا بھٹی پر چڑھانا چاہتا ہے' انہیں ابابیلوں کے جوڑے کو رکھنے کے لیے توبہ کی صلاحیت عطا کر دیتا ہے۔

یہ ابابیل گرے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ان کی چونچ لمبی اور آواز سریلی ہوتی ہے۔ کمزور سی ہوتی ہے لیکن اتنا بڑا پیغام اور نعمت لے کر ایک گھرانے پر وارد ہو سکتی ہیں اور اس کی کایا پلٹ سکتی ہیں۔ یہ غور طلب بات ہے۔ خداوند تعالیٰ کہتا ہے کہ ''تم کیوں غور نہیں کرتے۔ میری زمین کی سیر کرو اور باہر نکل کر دیکھو کہ کون کون سی چیزیں تمہیں فائدہ عطا کر سکتی ہیں۔ جس طرح سخت گرمی کے دنوں میں ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا آپ کے ہزاروں ایئر کنڈیشنڈ اور پنکھوں سے بڑھ کر ہوتا ہے۔''

جو خوش نصیب اور مراعات یافتہ لوگ ہیں' وہ اللہ کی طرف رخ کر کے اور دیوار کے ساتھ ڈھو لگا کر استقامت اور خوش دلی کے ساتھ کہتے ہیں کہ ''ہاں میں اللہ کی رحمت اور نعمت کو جس روپ میں بھی آئے قبول کرتا ہوں چاہے میں اسے برداشت کر سکوں یا نہ۔''

ہم سب کی خواہش ہے کہ ہمارے وجود کے ویرانے میں بھی رحمت کے ایسے ابابیل آ کر آباد ہو جائیں اور گھونسلا ڈال لیں اور ایسا گھونسلا ڈالیں کہ پھر وہ ہماری کئی نسلوں تک چلتا رہے۔

ہمارے بابے کہا کرتے ہیں کہ ''جو کوئی آدمی دعا کے لیے کہے اور تم اس کے لیے دعا کرنے لگو تو اس کا تصور ضرور ذہن میں لاؤ کہ ایسی اس کی شکل تھی' ایسا اس نے مفلر ڈالا ہوا تھا' ایسی اس کی عینک تھی' ایسے کپڑے تھے اور سوچ کر کہیں کہ یا اللہ مجھے اس شخص کا نام تو یاد نہیں ہے یہ معلوم نہیں ہے' تیرے حضور میں دعا کرتا ہوں کہ اس کی مشکلات دور کر دے۔ تیری بڑی مہربانی۔''

آپ کی بڑی مہربانی کہ آپ تشریف لائے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

(اس ''زاویے'' میں اشفاق صاحب نے 'ابابیل' کو مذکر اور مونث دونوں طرح سے لیا ہے۔ اگرچہ ''ابابیل'' مونث ہے' لیکن یہاں جیسے اور جہاں بھی اسے استعمال کیا گیا ہے' بھلا لگتا ہے۔)

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

وجود کا "بچہ جمورا"

ہم سب کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچے۔

یہ میں جو اکثر بابوں کی باتیں کرتا ہوں اور ان کے قصے آپ سے بیان کرتا ہوں' اس کا مقصد آپ کو کچھ سمجھانا مقصود ہوتا ہے۔ یہ بابے لوگ جو ہوتے ہیں ان کے جو ڈیرے اور درسگاہیں ہوتی ہیں اور جہاں بیٹھ کر یہ اپنے انداز کے لوگوں کو درس دیتے ہیں۔ ان درس حاصل کرنے والے لوگوں میں ہم آپ جیسے لوگ ہی ہوتے ہیں اور وہ بابے بھی ہم آپ جیسے لوگ ہوتے ہیں۔ ان لوگوں میں بھی جب غصے کا موسم آئے غصہ بھی کر لیتے ہیں اور جب دکھ کا موسم آئے تو انہیں دکھ بھی ہوتا ہے۔ وہ Tragic بھی ہوتے ہیں۔ Comic بھی ہوتے ہیں' لیکن فرق صرف یہ ہے کہ انہوں نے انسانی خوبیوں یا خرابیوں کا ازالہ نہیں کیا ہوتا بلکہ ان کا امالہ کیا ہوتا ہے اور انہیں ایک رخ دیا ہوتا ہے اور وہ ایسا رخ ہوتا ہے کہ اگر انہیں غصہ آئے تو جس طرح ہم نے نئی سڑکیں بنائی ہیں اور ان میں پانی کے نکاس کے لیے نالیاں بنائی ہیں' ان بابوں نے بھی اسی طرح اپنی ذات کے اندر ایسے جھرنے چھوڑے ہوئے ہوتے ہیں جن سے غصہ باہر نکلتا ہے اور دکھ کا کسی طرح امالہ ممکن ہوتا ہے۔ ان ڈیروں پر ایسے معاملات بھی پیش آتے رہتے ہیں جیسے دنیا کی اور درسگاہوں اور اجتماعات پر آتے ہیں۔

ایک دفعہ ڈیرے پر بابا جلال اور حیدر میں بڑی لڑائی ہو گئی۔ بابا جلال وہاں سبز کپڑے پہن کر Serve کیا کرتے تھے۔ لوگوں کو روٹیاں لا لا کر کھلاتے تھے۔ پانی کا جگ لیے پھرتے تھے جبکہ حیدر بابا بھاری بھر کم جسامت کے تھے۔ وہ تندور میں روٹی لگاتے تھے۔ اب جو آدمی تندور کے پاس روٹی لگاتا ہے اور آگ پر دیر تک بیٹھتا ہے' تو ظاہر ہے اس کے مزاج میں کچھ گرمی آ ہی جاتی ہے۔ وہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بڑی محبت سے روٹی لگاتے تھے جس سے بہت خوبصورت خوشبو اٹھتی تھی۔ ہم وہ روکھی روٹی بھی کھاتے تھے تو جی خوش ہو جاتا تھا۔

بابا جلال Serve کرتے کرتے اتنے تھک جاتے تھے کہ یقیناً ان کے اندر کوئی ایسی ٹیڑھ پیدا ہونے کا خدشہ موجود رہتا تھا جو کہ اکثر اوقات ہو جاتی ہے اور ان کی عمر بھی خاصی تھی۔

اس مرتبہ جب بابا جلال اور بابا حیدر کے درمیان جھگڑا ہوا تو اس نے سنگین صورت اختیار کر لی۔ تندور سے روٹی نکالنے والی لمبی سی کھرپی بابا حیدر کے ہاتھ میں تھی۔ وہ گرم بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے غصے میں وہ تندور سے باہر نکالی اور زور سے بابا جلال پر چلائی۔ وہ خوش قسمتی سے بچ تو گئے لیکن انہوں نے بھی غصے میں آ کر روٹیاں زمین پر پھینک دیں اور وہ روتے ہوئے شکایت کی غرض سے بابا جی کے پاس آئے اور ساری بپتا سنائی۔

بابا جی نے کہا کہ ہم اس کی سرزنش کرتے ہیں۔ بابا جی نے میری ڈیوٹی لگائی کہ "جاؤ تم حیدر کو بلا کر لاؤ۔"

میں نے کہا کہ "جی بہت اچھا۔"

اب میں ڈرتے ڈرتے اس کے پاس گیا۔ وہ تندور کے پاس بڑا گرم بیٹھا تھا۔ ایک تو باہر سے آگ دوسرا غصے میں اس کی طبیعت کے اندر بھی تندور جل رہا تھا۔ میں نے جا کر پہلے تو اسے سلام کیا اور پھر کہا کہ "آپ کو حضور سائیں صاحب بلاتے ہیں۔"

کہنے لگا "اچھا جی چلو چلتے ہیں۔"

میں نے کہا کہ "حضور نے مجھے حکم دیا ہے کہ ساتھ لے کر آئیں۔"

کہنے لگا "اچھا۔"

بابا حیدر حضرت صاحب کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا "ہاں جی سرکار۔"

لیکن حضرت صاحب سر جھکا کر بیٹھے رہے اور انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پھر کہا۔ میں نے بھی بابا جی سے کہا کہ "بابا حیدر آ گئے ہیں۔"

اس پر انہوں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا اور مجھ سے مخاطب ہوئے "یہ تم کس کو لے آئے ہو۔"

میں نے کہا کہ "جس کو جو آپ نے حکم دیا ہے۔"

کہنے لگے "نہیں نہیں۔ یہ تو تم اس کا خول اٹھا لائے ہو، وہ جو اصل اس میں سے بچہ جمورا نکلا ہوا ہے وہ پکڑ کر لاؤ۔"

میں نے کہا کہ "حضور یہی ہے بس۔"

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

وہ فرمانے لگے کہ جب آدمی کا بہت دل تنگ ہو جائے، غصے میں ہو، شدت میں ہو تو وہ اپنا وجود چھوڑ دیتا ہے اور جب آدمی اپنا وجود چھوڑ دیتا ہے تو برہنہ ہو جاتا ہے اور پھر اس کے اوپر کوئی بھی چیز حملہ کر سکتی ہے۔ اپنے بچاؤ کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے وجود کے اندر رہیں اور جب آپ کے اوپر کوئی ایسی بپتا پڑنے والی ہو، کوئی ایسی مصیبت گزرنے والی ہو جس کا اندیشہ ہو تو پھر آپ کو حق پہنچتا ہے کہ ٹٹول کر دیکھیں۔ جس طرح کیلے کے چھلکے کے اندر کیلا رہتا ہے، اگر اس کو نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیں تو وہ پھر کیلا نہیں ہے۔ پھر تو اس کی کوئی اور نوعیت ہوگی۔ اس پر پھر کوئی بھی چیز اثر انداز ہو سکتی ہے۔ اپنے آپ کو بچا کر رکھنے کا راز یہ ہے کہ جب بھی آپ کے اوپر کوئی ایسی افتاد پڑے، خاص طور پر غصے کی حالت میں اور جب آپ بہت گرم ہو جائیں اور آپ "بمتھل" ہو جائیں کہ آپ کے پاس کوئی دلیل نہ رہے، تو غور کریں کہ کہیں میں اپنے وجود سے نکل کر باہر تو نہیں کھڑا ہو گیا اور اگر ایسا ہے تو فوراً چھلانگ مار کے واپس وجود میں گھس جائیں۔ جونہی آپ وجود کے اندر یا برہنہ پن سے واپس جائیں گے آپ محفوظ ہو جائیں گے لیکن اکثر ایسا نہیں ہوتا ہے۔ میں آئے روز اخبارات میں پڑھتا ہوں کہ ایک بھائی نے بغیر کوئی دلیل مانگے بہن کو قتل کر دیا۔ ساس بہو میں صحن میں پانی پھینکنے پر جھگڑا ہو گیا۔

خواتین و حضرات! یہ ساس بہو کا جھگڑا بھی بڑا خوفناک ہوتا ہے۔ شکر ہے کہ میں کبھی ساس بنا ہوں نہ بہو ہوں لیکن مجھے اخبارات سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ ساس بہو سے زیادہ ایک اور خوفناک چیز ہوتی ہے اور اسے نند کہتے ہیں۔ ساس تو پھر بھی معاف کر دیتی ہے۔ نندیں معاف نہیں کرتیں۔ یہ کس لیے سب ہوتا ہے، وجہ ساری وجود سے باہر آنے کی ہے۔ بہو بھی وجود سے باہر آ جاتی ہے اور ساس بھی باہر نکل کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

اب میں نے بابا حیدر سے کہا کہ بھائی صاحب واپس چلیں۔ وہاں جا کر ہم بیٹھے رہے۔ بابا حیدر کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا۔ میں نے بھی انہیں بابا جلال کو معاف کر دینے کی درخواست کی اور کہا کہ خدا کے واسطے آپ اپنی "ڈانگری" پہن لیں وجود کی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں پھر ان کی انگلی پکڑ کر باباجی کے پاس گیا۔ اب بابا حیدر اپنے وجود کے اندر تھے اور انہوں نے آتے ہی باباجی سے کہا کہ "سرکار مجھ سے غلطی ہو گئی معافی دے دیں۔"

خواتین و حضرات! وجود کے اندر جانے سے آدمی کو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی عقل اس کا ساتھ دینے لگتی ہے ورگرنہ نہیں دیتی۔ ہمارے ہاں ایک اکبر کوچوان ہوتا تھا۔ یہ ہمارے کالج کے زمانے کی بات ہے۔ وہ بڑا ذہین سا آدمی تھا۔ اسے سیاست سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ اکثر اوقات کارپوریشن کے اندر جو میٹنگز ہوتی تھیں، ان میں ضرور جایا کرتا تھا۔ ہم اس سے کالج میں پوچھتے کہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

"اکبر یار تیرا وہاں کیا کام۔ وہاں تو باتیں اردو یا انگریزی میں ہوتی ہیں۔"

وہ کہنے لگا "بھاجی میں وہاں بہت کچھ سیکھتا ہوں اور آدمی کو ایسی باتیں سن کر بڑی عقل آتی ہے۔ آپ کالج کے سٹوڈنٹ ہیں۔ آپ لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہاں جا کر سنا کریں۔ ہم نے کہا کہ "تمہیں وہاں پر سمجھ کیا آتی ہے۔"

وہ کہنے لگا کہ "جی میں وہاں فیصلہ دینے جاتا ہوں کہ کون سی بات ٹھیک ہے اور کون سی بات غلط ہے۔"

میں نے کہا "بابا تم کیسے پتہ کر لیتے ہو۔"

ہمارے ساتھ ایک لڑکا نریندر ہوا کرتا ہے۔ وہ بہت ذہین تھا۔ وہ اس سے کہتا کہ "اکبر تم کو کیسے پتہ چلتا ہے کہ کیا صحیح اور کیا غلط ہے۔ تم پڑھے لکھے تو ہو نہیں۔"

وہ کہنے لگا کہ "جی جو پارٹی میز پر مکے مارتی ہے اور اس کا چہرہ لال سرخ ہو جاتا ہے۔ اٹھ کر کھڑی ہو جاتی ہے وہ غلط ہوتی ہے اور دوسری ٹھیک ہوتی ہے۔" بات پھر وہیں وجود کے اندر رہنے اور باہر نکلنے والی ہی ہے۔ جو وجود سے باہر نکل کر "ٹھوسیاں" مارتے ہیں یا کیلے کی طرح چھلکے سے باہر آ جاتے ہیں وہ غلط ہوتے ہیں۔ اس جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ جب ہم شروع میں ڈیرے پر جاتے تھے تو وہاں مختلف قسم کے لوگ آتے تھے۔ ناچنے گانے والے اور ہم ان کی تصویریں بنایا کرتے تھے۔ اس وقت باباجی کہا کرتے تھے کہ دیکھ کیمرہ اپنے کیس میں زیادہ محفوظ ہوتا ہے۔ سارنگی یا ساز جو ہے وہ اپنی تھیلی یا غلاف میں زیادہ محفوظ ہوتی ہے۔ تلوار اپنی میان میں زیادہ بہتر ہے۔ اگر یہ چیزیں باہر آ جائیں گی تو خدشہ اور خطرہ ہے کہ ان پر اس فضا کا اثر پڑے جس میں آپ نے انہیں کھول کر رکھا ہوا ہے۔ جونہی آپ کے اوپر ایسی کیفیت وارد ہو۔ ٹھیک ہے کنٹرول کرنا مشکل ہے۔ میں کنٹرول کرنے کے لیے نہیں کہتا لیکن آپ کو یہ ضرور پتہ لگنا چاہیے کہ یہ میرا Case تھا اور میں اس سے اب باہر نکل چکا ہوں یا چکی ہوں اور میرا اپنے وجود کے اندر رہنا بہت ضروری ہے۔

میں آپ پر یوں بھی زور زیادہ دیتا ہوں کہ آپ کا جو قومی مزاج ہے وہ ذرا سا تیز ہے۔ دوسری قوموں کے مقابلے میں اور جب گھبراہٹ کا موقع آتا ہے تو آپ جلدی گھبرا بھی جاتے ہیں۔ پھر جب کوئی دباؤ پڑتا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ ہم مجتمع ہو کر اس دباؤ سے بچنے کے لیے یہ کام کریں گے جس میں ڈسپلن ہوگا۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے جب یہ کہا کہ "Unity, Faith and Discipline" اس وقت ہم کالج میں پڑھتے تھے تو ہم نے کہا کہ قائداعظمؒ نے جو اتحاد بارے کہا ہے یہ تو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ٹھیک ہے اس کی ضرورت ہے اور ایمان بھی لیکن یہ جو ڈسپلن ہے یہ کیا فضول بات ہے۔ ہم کوئی فوجی ہیں یا وردی میں ہیں، لیکن اب جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے میں سوچتا ہوں کہ اتحاد اور ایمان تو بعد میں آئے گا۔ ڈسپلن کی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں شدت سے ضرورت ہے۔ ہم دوسری قوموں کے مقابلے میں ذرا اپنے خول سے جلدی باہر آ جاتے ہیں۔

جب ہم کرکٹ میں کسی دوسری ٹیم سے پٹ رہے ہوتے ہیں اور ہمارا باؤلر بال کرنے جاتا ہے تو ساری قوم اس کے بال پھینکنے تک ہووو.... کرتی ہے۔ ایسا اور کوئی قوم نہیں کرے گی۔ آپ نے بھی یہ بات دیکھی ہوگی وہ باؤلر پوری توجہ مانگ رہا ہوتا ہے۔ جب ہم لوگوں سے کہتے ہیں کہ قائداعظم نے ہمیں ڈسپلن کا کہا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ جب وقت پڑے گا تو دیکھ لیں گے۔

خواتین وحضرات! جب وقت پڑتا ہے تو ان کا رویہ سلطان راہی کی طرح کا ہوتا ہے۔ وہ جس طرح پنجابی فلموں میں گنڈاسا پکڑے کسی چیز کو خاطر میں نہیں لا رہے ہوتے ہیں ویسے ہی ہم کرتے ہیں۔ زندہ قوموں پر جوں جوں وقت پڑتا ہے وہ زیادہ مہذب، زیادہ سنجیدہ اور زیادہ خیال کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہیں۔

بدقسمتی سے ہماری اس طرح کی ٹریننگ ہوئی ہی نہیں ہے۔ یہ ٹی وی کی بھی ذمہ داری تھی کہ وہ اپنا کردار ادا کرتا۔

ہمارے بابے جو ہیں وہ بہت شدت کے ساتھ اس بات کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کا ڈسپلن سکھانے کا ایک اپنا ہی انداز ہوتا ہے۔ وہ جوتا اتارنے میں بھی ڈسپلن کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ ڈیروں پر جوتے رکھنے کا ایک الگ انداز ہوتا ہے۔ جب وہاں سے باہر نکلتے ہیں تو حیرانی ہوتی ہے کہ کسی شخص نے سارے جوتے درست سمت میں سیٹ کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی طرح کھانے میں ڈسپلن سکھایا جاتا ہے۔

لاہور میں الحمراء آرٹ کونسل ہے جہاں ڈرامے وغیرہ ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ وہاں پر ایک بڑی سی سفید رنگ کی اور ایک نیلے رنگ کی گاڑی آپس میں ٹکرا گئی۔ ٹکراؤ زیادہ خوفناک بھی نہیں تھا۔ گاڑیاں رک گئیں۔ ایک گاڑی میں ایک میرے جیسی داڑھی والے لحیم شحیم مولوی صاحب برآمد ہوئے جبکہ دوسری سے ٹائی سوٹ والے صاحب باہر نکلے اور آپس میں نہایت سخت الفاظ کا تبادلہ کرنے لگے۔ لوگ بھی اکٹھے ہونا شروع ہو گئے۔ لوگوں کو بغیر پیسوں کے ہی دیکھنے کو ڈرامہ مل گیا۔ کیونکہ ہال کے اندر تو پیسے دینے پڑتے ہیں۔ اب جو مفت ڈرامہ مل رہا ہے تو جی اسے کون چھوڑے۔ میں بھی وہاں کھڑا ہو گیا۔ وہاں سفید گاڑی سے جو نیلی گاڑی ٹکرائی تو اس کا سفید پر نیلا رنگ آ گیا۔ وہاں ایک ایسا شخص

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کھڑا تھا جو کامیڈی ڈراموں میں ایکسٹرا کا رول کرتے ہیں وہ دور تماشہ دیکھتا رہا اور کاروالے مولوی صاحب کو مخاطب کر کے کہنے لگا "مولوی صاحب یہی وہ مقام ہے جہاں دین اور دنیا ملتے ہیں۔"

اب دونوں صاحبان نے اپنا اصل وجود اپنی موٹروں میں رکھ دیا تھا اور وہ برہنہ ہو کر بغیر چھلکے کے کیلوں کی طرح باہر آ کر لڑنے لگے۔ بجلی کے تار جب تک اپنے خول میں رہتے ہیں' اچھے ہوتے ہیں۔ خدمت کرتے ہیں' پنکھے چلاتے ہیں' ہوا دیتے ہیں' روشنی کرتے ہیں لیکن جب باہر ہوتے ہیں تو جان کا نقصان کرتے ہیں' خرابی ہمیشہ پیدا ہوتی ہے جب انسان کو اپنی ذات پر اختیار نہیں رہتا اور وہ اپنے قلبوت سے باہر آ جاتا ہے۔ جو شخص اپنی بے چینی کی کیفیت میں اپنے اوپر تھوڑا سا اختیار مضبوط رکھتا ہے' وہ زندگی میں ضرور کامیاب رہتا ہے اور اس کا مشکل وقت چلا جاتا ہے۔ اس حوالے سے مجھے ایک لطیفہ یاد آ رہا ہے۔

ایک دفعہ ایک چور ایک گھر میں آ گیا۔ اس گھر کی مالکن بڑی موٹی تھی اور دو اڑھائی من کی تھی اور جو اس کا خاوند تھا' وہ دبلا پتلا تھا۔ چور جب آیا تو اس کے قدموں سے تھوڑا کھڑ کا یا شور پیدا ہوا۔ اس اثناء میں اس موٹی عورت کی آنکھ کھل گئی اور وہ اپنی چارپائی سے اٹھی اور کہا کہ تیری ایسی کی تیسی۔ اس نے چور کو بازو سے پکڑا اور وہ چور بچارا پھسل کر زمین پر جونہی گرا وہ عورت اس کے اوپر بیٹھ گئی۔ اب اس کا بیٹھنا تھا کہ چور کی چیخیں نکل گئیں۔

اس عورت نے وہاں بیٹھے بیٹھے اپنے دبلے پتلے خاوند سے کہا کہ جلدی سے پولیس کو لے کر آؤ۔ خاوند جلدی سے اپنا جوتا تلاش کرنے لگا۔ کبھی ایک کمرے میں جا کے تو کبھی دوسرے میں۔

اس کی بیوی کہنے لگی کہ میں نے تمہیں تھانے جانے کو کہا ہے اور تم ادھر بھاگے پھرتے ہو۔

اب وہ بچارا ویسے ہی بھاگم بھاگ میں لگا رہا لیکن باہر نہ گیا۔ چور بے چارہ بھی آخری دموں پر تھا۔ اس کی بیوی نے چیخ کر کہا کہ تم جاتے کیوں نہیں۔

خاوند نے جواب دیا کہ وہ اپنا جوتا تلاش کر رہا ہے جو اسے نہیں مل رہا ہے۔

اس پر وہ چور جو دبا پڑا تھا بولا "بھاجی یہ میرا جوتا پہن لو اور جلدی جاؤ۔"

اس نے اس لیے کہا کہ یہ جلدی جائے اور اس کی موٹی عورت سے جان چھوٹے۔ اب اس چور کو پولیس سے خوف کم اور اس موٹی عورت سے زیادہ محسوس ہو رہا تھا جو اس کے اوپر بیٹھی تھی۔

خواتین و حضرات! اس چور نے موٹی عورت سے کہا کہ "آپا جی ذرا اٹھنا میں اپنا جوتا دے دوں اور وہ اٹھ بیٹھی۔"

اس لطیفے میں اصل بات یہ تھی وہ چور حواس باختہ نہیں ہوا تھا' اس نے اپنے وجود پر قابو پایا ہوا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تھا۔ اگر اس کے برعکس ہوتا تو یا موٹی عورت تلے پڑا مر جاتا یا پولیس پکڑ کر لے جاتی۔

اگر ہم اپنے وجود کو قلبوت کا قیدی کر لیں تو بڑی آسانیاں ہیں۔ آپ جونہی وجود سے نکلیں گے، مشکلات آئیں گی۔ آپ ضرور تجربہ کر کے دیکھیے گا۔ آپ کے آنے کا بھی شکریہ اور ناظرین کی بھی بڑی بڑی مہربانی کہ آپ جس توجہ اور محبت سے پروگرام کو دیکھتے ہیں، سنتے ہیں۔ اس کا دین تو میں دے ہی نہیں سکتا۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ بڑی آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے اور یہ شرف بھی عطا فرمائے کہ ہم اپنے وجود کے بچے جمورے کو قابو کر سکیں اور اسے باہر نہ نکلنے دیں۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

"ڈبو" اور "کالو"

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

یہ بابے جن کا میں اکثر ذکر کرتا ہوں اور جن سے آپ کم واقف ہیں لیکن ان کے نام آپ جانتے ہیں، یہ بڑے ہنس مکھ، خوش طبع اور بذلہ سنج قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اگر آپ کو زندگی میں کوئی ایسا بابا ملے جو طبیعت کا سخت اور مزاج کا گرم اور سخت گیر ہو تو سمجھئے گا کہ وہ بابا نہیں ہے۔ اس نے یہ پیشہ اختیار کر رکھا ہے۔ بھلے وہ طبیعت کا اچھا ہی انسان ہو۔ بابوں میں تفریح طبع کا سامان بہم پہنچانے کی اللہ نے ایسی صلاحیت دی ہوتی ہے کہ بعض اوقات حیرانی ہوتی ہے۔ یہ چھوٹی سی بات سے اتنا بڑا نتیجہ کیسے اخذ کر لیتے ہیں۔ انسان یہ سوچ کر حیران رہ جاتا ہے۔ انہیں اچھی بات، اچھا وجود، اچھے چہرے، اچھا موسم، اچھے پرندے، اچھا وقت اس قدر مرغوب ہوتا ہے اور اتنا مطلوب ہوتا ہے کہ وہ اسے اپنی زندگی کے دائرے سے باہر جانے ہی نہیں دیتے ہیں۔ میں اپنے بابا جی کو اپنے بچپن کے واقعات سنایا کرتا تھا۔ انہیں میرا ایک واقعہ ایسا پسند تھا کہ انہوں نے دو تین چار مرتبہ فرمائش کر کے سنا اور جب ڈیرے پر نئے لوگ آتے تھے تو وہ مجھے وہ والا واقعہ سنانے کا ضرور حکم دیتے اور مجھے اندیشہ ہوتا تھا کہ میں اس میں کہیں کسی ایسے مقام پر پھسل نہ جاؤں کہ مجھ سے کوئی کوتاہی سرزد ہو اور ڈر رہتا کہ کہیں بیان کرنے میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ ایک دفعہ فیصل آباد اور ساہیوال کے کچھ جاگیردار قسم کے لوگ ڈیرے پر آئے ہوئے تھے۔ تو مجھے بابا جی نے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اشفاق وہ واقعہ سنائیں جب آپ چھوٹے ہوتے چٹھی رساں کے ساتھ چلتے تھے۔

خواتین و حضرات! مجھے یاد ہے اس وقت میری عمر کچھ زیادہ بڑی نہیں تھی۔ کوئی چار سال

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہو گی۔ ابھی سکول داخل نہیں ہوا تھا لیکن مجھ میں ہوش کے آثار اپنے دوسرے بہن بھائیوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ تھے اور جو Photographic Images میرے تصرف میں آتے وہ ذہن سے جاتے نہیں تھے۔ ہمارے گاؤں کی طرف جو راستہ آتا تھا' وہ سرخ اینٹوں کا تھا اور میرے والد صاحب کہا کرتے تھے کہ یہ سڑک نہیں ہے بلکہ یہ سولنگ بنائی گئی ہے۔ ہم بڑے خفیف اور شرمندہ ہوتے تھے اور میرے والد ہمیشہ اونچے شملے والی پگڑی باندھ کر بڑے فخر سے کہا کرتے تھے کہ سڑک ہم نے دیکھی ہے دوسری طرف میں' میرے بہن بھائی اتنے بدنصیب تھے کہ ہم اکثر سوچا کرتے کہ جانے سڑک کیسی ہوتی ہے۔ اس زمانے میں سڑکیں کم ہی ہوا کرتی تھیں۔ ہم اس زمانے میں سولنگ (سرخ اینٹوں کو منظم انداز سے کھڑا کر کے بنایا گیا راستہ) تک ہی ہم ابھی پہنچے تھے۔ وہ انگریز کا دور تھا' وہ ذرا تیزی سے کام کرتے تھے۔ انگریز کو اس بات کا بڑا شوق تھا اور وہ ڈاک کے نظام پر خصوصی توجہ دیتا تھا اور پوسٹل سسٹم کی بہتری اس کی ترجیحات میں شامل تھی اور اس نظام کو موثر بنانے کے لیے سڑکوں اور بہتر راستوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ جلدی میں پکی سڑک کی جگہ سولنگ بنوا دیتا تا کہ ڈاک کا نظام متاثر نہ ہو۔ وہ ڈاک کے نظام کو کامیاب اور ترقی یافتہ دیکھنے کا خواہاں رہتا تا کہ دور دراز کے لوگوں کا ضلع کے ساتھ رابطہ قائم کرے۔ ظاہر ہے انہیں اس طرح سے حکمرانی میں آسانی ہوتی ہو گی۔

ہمارا گاؤں اچھا خاصا بڑا تھا۔ اس کا بازار بھی بڑا تھا اور میرا خیال ہے' اس کو حق پہنچتا تھا کہ اس کی طرف آنے والی سڑک پکی اور سرمئی رنگ کی ہوتی لیکن ایسا نہیں تھا۔ اس سولنگ والی سڑک پر ایک بس ہمارے گاؤں آیا کرتی تھی۔ ہم اس بس کو لاری کہتے تھے۔ لاری کو آپ پرانے زمانے کی شور مچاتی ہوئی بس کہہ سکتے ہیں۔ اس لاری کے ڈرائیور کو یہ خاص حکم تھا کہ اس کی سپیڈ تیز نہیں کرنی۔ اگر پچیس میل فی گھنٹہ سے اس کی رفتار تیز ہو جاتی تو چالان کر دیا جاتا تھا اور سرکاری ملیشیا اس ڈرائیور کو خارج کر دیتی تھی۔ اس طرح وہ پرانی سی لاری مسافروں سے لدی پھدی روتی پٹتی' گھڑ گھڑ کرتی آتی تھی۔ صبح دس بجے کے قریب گیڈر بارڈ وڈا کالونی سے چلتی تھی کیونکہ وہاں ایک بڑا کارخانہ تھا اور وہاں سے ایک ڈاکیا ڈاک کا تھیلا لے کر ہمارے گاؤں اس لاری سے آیا کرتا تھا۔ وہ لاری مسافر اتار کر ہمارے گاؤں سے آگے چلی جاتی تھی اور پھر وہ شام کو لوٹتی تھی تو ہمارا ڈاکیا یا ہرکارہ اس میں بیٹھ کر واپس چلا جاتا تھا۔

جب ہمارے گاؤں وہ ڈاکیا ڈاک لے کر آتا تو اس کے کندھے پر ایک تو تھیلا لٹکا ہوا ہوتا تھا۔ خاکی وردی اس نے پہنی ہوتی اور ایک چمڑے کا بیلٹ اس نے سینے سے کمر کی طرف باندھا ہوتا تھا اور وہ بڑی شان سے چلتا تھا۔ جب وہ بس سے اترتا تو ہمارے گاؤں کا ایک دکاندار جس کا نام سردول سنگھ تھا' اسے سب ''سردول سنگھ وڑیویں والا'' کہا کرتے تھے۔ وہ مویشیوں کے لیے کھل بنولہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بھوسہ اور چوکر وغیرہ بیچتا تھا۔ اس ڈاکیے کا نام سلطان تھا۔ جب وہ سلطان ڈاکیا لاری سے اتر کر آتا تو سردول سنگھ اونچی آواز میں ہاتھ لہرا کر کہتا تھا کہ

سبحان اللہ سلطان

تیری سب توں اونچی شان

تیرا اللہ نگہبان

بسم اللہ، جی آیاں نوں سلطان

وہ سلطان چٹھی رسان کو دیکھ کر نظم پڑھتا اور سلطان اسے سلام کرتا ہوا اس کی دکان میں آ جاتا۔ اس دکان کے سامنے ایک سبزی فروش کا چبوترہ تھا۔ اس چبوترے پر سلطان چٹھی رساں اپنا وہ خوبصورت سا تھیلا رکھتا۔ اس میں سے خطوط کے دو بڑے بڑے پیکٹ نکالتا اور انہیں رسی سے الگ الگ باندھ دیتا جبکہ اپنا ڈاک کا بڑا تھیلا سبزی فروش کے پاس رکھ دیتا۔

خواتین و حضرات! جب وہ ڈاکیا وہاں سے چلنے لگتا تو دو کتے "ڈبو" اور "کالو" اس کے پاس آ جاتے۔ ڈبو کی کمر پر ایک چتاخ کا نشان تھا جبکہ کالو کالے رنگ کا تھا۔ وہ دونوں آوارہ کتے تھے لیکن انہیں جانے کیسے پتہ چل جاتا کہ سلطان چٹھی رساں لاری سے اتر چکا ہے اور وہ وہاں پہنچ جاتے۔ ڈبو ڈاکیے کے دائیں جانب جبکہ کالو اس کے بائیں آ کر بیٹھ جاتا۔

وہ ڈاکیا ان دو پیکٹوں میں سے ایک ڈبو کے منہ میں دے دیتا تو دوسرا پیکٹ کالو کو دے دیتا۔ دونوں آوارہ کتوں میں معلوم نہیں اس قدر نظم، تابع فرمانی اور اطاعت وسلیقہ کہاں سے آ جاتا کہ وہ اپنے اپنے پیکٹ اٹھائے چل پڑتے جبکہ سلطان چٹھی رساں ان دونوں کے درمیان میں چلتا۔ دائیں ہاتھ کی جتنی بھی آبادی تھی اس کی چٹھیاں پہلے تقسیم ہوتیں اور ہر گھر پر کھڑے ہو کر ڈاکیا کالو کے منہ سے پیکٹ لیتا، خط چھانٹ کے دیتا اور پھر اسے باندھ کر کالو کو دے دیتا۔ جب آخر تک پہنچ جاتے پھر واپسی پر ڈبو کے پیکٹ کی باری ہوتی اور ڈبو بھی احسن انداز میں اپنی ڈیوٹی دیتا۔ دونوں نہایت باادب انداز میں خطوط ختم ہونے پر ڈاکیے کے قریب دم سمیٹ کر بیٹھ جاتے۔ وہ ان کتوں کو کیا دیتا تھا؟ ان کے ساتھ کیا شفقت برتتا تھا۔ میں نہیں جان سکا۔ میں تو اس وقت چھوٹا تھا لیکن بہت متجسس تھا اور کتوں کی اس کے سامنے تابع فرمانی دیکھ کر ہم سلطان کو اپنا ہیرو سمجھتے تھے۔

جس طرح آپ کی فلموں کے ہیرو اور ہیروئن شان، ریما وغیرہ ہیں، اسی طرح ہمارے گاؤں کا شان جو تھا وہ سلطان چٹھی رساں تھا اور ہم سارے اس کی محبت میں مبتلا تھے۔ وہ بڑا ہی شفیق انسان تھا۔ وہ سر پر طرے والی پگڑی باندھتا تھا۔ وہ خط تقسیم کر کے باقی ماندہ خطوط تھیلے میں واپس رکھ دیتا۔ تھوڑی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

دیر وہاں سستاتا۔

خواتین و حضرات! جب تک اس کی لاری نہیں آ جاتی اس وقت تک وہ دونوں کتے کالو اور ڈبو اس کے حضور میں نائب قاصد کی طرح بیٹھے رہتے اور وہ اس کے جانے تک اپنی جگہ سے ہلتے نہیں تھے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ بڑی زور کی آندھی چلی اور ہمارے گاؤں کے درخت بہت زور سے کھڑ کھڑائے اور شراٹے دار ہوا چلی۔ میری نانی جو تھیں وہ چھوٹے قد کی' بہت پیاری خاتون تھیں۔ ان کے پاس تین جوڑے ہوتے تھے۔ ایک وہ دھو کر سوکھنے کے لیے ڈال دیتیں' ایک پہنا ہوا ہوتا تھا جبکہ ایک انہوں نے اپنے تکیے کے نیچے رکھا ہوا ہوتا تھا اور میری نانی اس زمانے میں بھی کپڑے استری کیے بغیر نہیں پہنتی تھیں۔ ان کے پاس ایک سلور کا لوٹا اور ایک تسبیح تھی۔ وہ اس آندھی کی بات کہتی تھیں کہ یہ بڑی خوفناک آندھی آئی ہے۔

وہ میرے ابا جی سے کہتیں کہ ''کا کا ضرور کہیں کوئی قتل ہو گیا' کوئی بندہ مر گیا ہے۔''

جواب میں ابا جی نے کہا کہ ''نہیں خالہ' کوئی قتل نہیں ہوا' سب اللہ کا فضل ہے۔''

لیکن وہ اپنے موقف پر قائم رہتیں۔ ان کا ڈر ان کی زندگی کا ایک خاصا تھا۔ وہ انسان کے بارے میں بہت زیادہ محسوس کرتی تھیں۔ اس زمانے میں کوئی قتل وتل تو ہوتا ہی نہیں تھا۔ شاذ و نادر ہی کوئی ایسی بات ہوتی۔ اس زمانے میں تعلیم بھی اتنی عام نہیں تھی۔ جب تعلیم عام ہوئی اور اخبار چھپنے لگے تو اب ماشاء اللہ (طنزیہ انداز میں) بارہ چودہ قتل روز پڑھنے کو مل جاتے ہیں۔ ابا نے اماں سے کہا کہ کوئی قتل نہیں ہوا لیکن ان کے دل کو بے چینی تھی اور وہ کہنے لگیں کہ ''کسی انسان پر ضرور کوئی حادثہ گزرا ہے۔''

خواتین و حضرات! اگلے دن جب لاری رکی تو ڈاک کا تھیلا لے کر جو چٹھی رساں اترا اس کا نام عبدالرزاق تھا اور وہ سلطان نہیں تھا۔ اس نے آ کر ویسے ہی اپنا تھیلا سبزی فروش کی دکان پر رکھا' ویسے ہی اس نے دو پیکٹ نکالے جیسا کہ اس کے کولیگ نے اسے بتایا تھا۔ سردول سنگھ وڑیویں والے نے کہا کہ ''سلطان نہیں آیا......!'' اس نے بتایا کہ ''رات اچانک حادثہ گزرا اور پتہ نہیں اس پر کس بیماری کا اٹیک ہوا اور وہ فوت ہو گئے ہیں۔ اور انگریز کا یہ اصول ہے کہ ڈاک نہیں رکنی چاہیے تو اب اس ڈیوٹی پر میں حاضر ہو گیا ہوں۔ اس نے بتایا کہ سلطان میرا سینئر تھا۔ میں اس کے ساتھ دو تین مرتبہ یہاں ڈاک تقسیم بھی کر چکا ہوں۔ مجھے کالو اور ڈبو کا بھی پتہ ہے۔ وہ بڑی دیر تک بیٹھا کالو اور ڈبو کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ نہیں آئے۔ پھر اس نے لوگوں سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں تو لوگوں نے کہا کہ ہم نے انہیں نہیں دیکھا۔ کل رات تک تو وہ یہاں تھے پھر علم نہیں کدھر چلے گئے۔''

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خواتین وحضرات! جب سلطان کے ساتھ وہ حادثہ گزرا ہوگا تو پتہ نہیں انہیں کیسے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اب وہ ہمارا محبوب یار یہاں سے جا چکا ہے۔ اب ہمارا بھی اس علاقے میں رہنا ممکن نہیں' غالباً انہوں نے ایسا ہی خیال کیا ہوگا۔ ڈبو اور کالو کو لوگوں نے بھی تلاش کیا لیکن وہ نہیں ملے۔ چٹھیاں تو بعد میں بھی تقسیم ہوتی رہیں لیکن اس گاؤں کی ساری رونق اور رودھم اور محبت کی ایک زندہ داستان تھی وہ معدوم ہوگئی۔

میں جب بابا جی کے حکم پر یہ کہانی سنا چکتا تو پھر بابا جی کہتے کہ "دیکھ اس میں بھی ایک راز ہے کہ جب تک ایک شخص جو کہ سلطان چٹھی رساں کے نام سے ایک سیدھی سڑک پر چلنے والا تھا اس کی حفاظت کے لیے دائیں اور بائیں دو خیال چلتے تھے۔ وہ بتاتے کہ دھیان' خیال اور مراقبہ ایک ہی چیز کا نام ہے اور وہ دھیان جو ہے وہ آپ کی حفاظت کرتا ہے۔ دھیان کالا بھی ہوتا ہے' دھیان سفید بھی ہوتا ہے' یہ چتکبرا بھی ہوتا ہے اور ڈبہ بھی لیکن جب ایک آدمی تہیہ کر لیتا ہے اور وہ اونچی آواز میں پکار کر کہتا ہے کہ "اھدنا الصراط المستقیم" تو پھر اس کو سیدھا راستہ دکھایا جاتا ہے۔ جو خود اپنی کوشش کرتا رہتا ہے کہ میں سیدھے راستے کو بنالوں گا یا بنالوں گی یا میں اتنا وظیفہ کر کے حقیقی راستے کو ڈھونڈ لوں گی اور وہ پکار نہیں ہوتی۔ جیسے جہانگیر بادشاہ کے ایوان عدل میں زنجیر کھینچ کر گھنٹی بجائی جاتی تھی اسی طرح جب تک اللہ کے دربار میں زنجیر کھینچ کر گھنٹی نہیں بجائی جائے گی اور بڑے چاؤ اور مان کے ساتھ نہیں کہا جائے گا کہ "دکھا مجھ کو سیدھا راستہ' میں تو اندھا اور بے کار ہوں۔ میں تو ان پڑھ ہوں۔ میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ اب یہ تیری ذمہ داری ہے کہ مجھے سیدھا راستہ دکھا۔ اے اللہ میری کمزوریاں تو تجھ پر عیاں ہیں۔" بابا جی کہتے کہ اپنے آپ کو ٹھیک کرنے کی کوشش مت کریں اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیں۔

آپ نوجوان ہیں آپ نے گاؤں میں بڈھے بابوں کو دیکھا ہوگا' وہ صبح سویرے کھیس کی بُکل (موٹی چادر اوڑھ کر) مار کے باہر دیوار کے ساتھ لگے بیٹھے ہوتے ہیں اور جب ان کا کوئی پوتا پوتی پاس سے گزرتی ہے تو جھپٹ کر پکڑ لیتے ہیں اور گود میں بٹھا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "تیری ماں کو تو کچھ عقل ہی نہیں ہے۔ شکل دیکھی اپنی' منہ بھی نہیں دھویا ہوا اور وہ اپنے اس کھیس کو تھوک لگا لگا کر اس پوتے یا پوتی کا چہرہ صاف کرتے رہتے ہیں' جس طرح بلی اپنے بلونگڑے کو چاٹ کر خوبصورت بنا دیتی ہے۔ وہ دادا بھی اپنے پوتے یا پوتی کو خوبصورت بنا دیتا ہے۔ ایسے ہی جب آپ خدا کی حضوری میں یا اس کی جھولی میں چلے جاتے ہیں اور پکار کر کہتے ہیں کہ "مجھے آپ ہی عطا کرو' میں تو اس قابل نہیں ہوں۔ میں اپنی خود صفائی نہیں کر سکتا۔" تو پھر یقیناً خدا کی خاص توجہ ملتی ہے۔ جب سلطان ایک راستہ اختیار کر کے ایک سیدھی راہ پر چلتا ہے تو پھر اس کو دونوں طرف سے مدد پہنچتی ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

باباجی کہتے تھے کہ "یہ سلطان نہیں یہ دھیان ہے اور یہ دھیان نہیں، یہ مراقبہ ہے کیونکہ دھیان کے بغیر آپ کچھ نہیں ہیں۔"

خود زور لگانے یا اپنے بوٹ کے تسمے پکڑ کر زور سے کھینچنے سے آپ اپنے آپ کو ہوا میں نہیں اٹھا سکتے۔ اس کے لیے جسم کو ڈھیلا چھوڑنے کی ضرورت ہے۔ کوئی دوسرا آپ کو بانہوں میں اٹھا کر اونچا اچھالے گا تو ہی آپ ہوا میں جائیں گے لیکن اپنا زور لگا کر نہیں۔ اپنا زور اسی قدر ہے کہ جو آپ کو بتا دیا گیا ہے۔ اس کے مطابق آپ پکار کر کہیں گے کہ مجھے تو یہ چیز عطا کی جائے۔ میں اس عطا کا طلبگار رہوں تو بات بنے گی۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہماری چاہتوں میں اور کئی چاہتیں مل جاتی ہیں اور وہ چاہت ماند پڑ جاتی ہے جس کے لیے ہم یا کوئی اور انسان اتنی ساری خواہش لے کر دنیا میں آیا ہے۔

اگر دیکھا جائے تو آدمی کے ساتھ ہوتا کیا ہے۔ وہ نہ کچھ ہوتا ہے نہ زندگی میں کچھ پاتا ہے۔ بس آتا ہے اور جاتا ہے اور اگر آدمی کا آنا اور جانا اسی طرح سے ہے جس طرح کہ ہمارا لگا ہوا ہے تو پھر اشرف المخلوقات ہونے کا کوئی مزہ نہیں آتا۔ مزہ تو تب ہے کہ ہم ان جانوروں سے جو کہ بہت نچلی سطح پر ہیں اوپر ہو کر رہیں لیکن حیرانی کی بات ہے کہ وہ جانور جو ہم سے بہت نچلی سطح پر ہیں، اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق چلتے جاتے ہیں۔ گاتے جاتے ہیں، کسی پرندے کو کینسر، یرقان کا خوف نہیں۔ اسے محض گانا آتا ہے۔ وہ ہم سے زیادہ خوش قسمت ہے کہ اس کا رجوع اللہ کی طرف زیادہ ہے۔ میری یہ بڑی تمنا ہے کہ ہم بھی اپنا رجوع اللہ سے کر لیں، جس کا ہم نے اللہ سے وعدہ کیا تھا لیکن ہم ہر معاملے میں ناشکرے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم کوئی اپنی مرضی سے تو پیدا نہیں ہوئے۔ میں جب پیدا ہوا تو میں نے خدا سے کہا کہ نہیں میں نے نہیں جانا۔ وہاں گرمی بڑی ہے، دھول ہے لیکن حکم ہوا کہ تمہیں جانا پڑے گا۔ تو میں نے کہا کہ چلیں اچھا لیکن مجھے اگر جانا ہی ہے تو اے آر وائی گولڈ کے گھر پیدا کرنا لیکن مجھے ایک معمولی سے ڈاکٹر کے گھر پیدا کر دیا، جو پانچ روپے فیس لیتا تھا۔ یہ بھی خرابی ہوئی۔

پھر میں نے اللہ میاں سے کہا کہ مجھے پیدا ہی کرنا ہے تو مجھے فروری میں پیدا کرنا ذرا موسم اچھا ہوتا ہے۔ اس میں زچہ بھی اچھی رہے گی اور بچہ بھی لیکن مجھے اگست میں پیدا کر دیا گیا۔

میری ماں کہتی ہے کہ تو نے گرمی کے گندے موسم میں پیدا ہو کر مجھے بہت ستایا ہے۔

پھر میرے ساتھ ایک اور زیادتی ہوئی کہ مجھ سے پوچھے بغیر میرا نام رکھ دیا گیا۔ مجھے کنسلٹ کرنا چاہیے تھا کہ "کاکا جی تہاڈا کیہہ ناں رکھیے۔" اب ایک تاریخ ایسی آئے گی جس تاریخ کو مجھے یہاں سے چلے جانا ہے۔

ہمارے یہ رویے عجیب طرح کے ہیں۔ رجوع اللہ کی طرف نہیں ہے، اپنے معاملات

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اور خواہشات کی طرف زیادہ ہے۔ حالانکہ اللہ نے ہمیں جو پرچہ زندگی حل کرنے کے لیے دیا ہے اس کو حل کرنے کی ترکیب نبی اکرمؐ کے ذریعے ہمیں دے دی گئی ہے لیکن اسی مقام سے میری کوتاہی شروع ہو جاتی ہے کہ ہم اس ترکیب پر عمل نہیں کرتے۔ میں آپ سے بھی رائے لوں گا کہ میں اس کوتاہی سے باہر نکلنے کے لیے کیا کروں؟ میں ڈاکٹر کی دی ہوئی دوائی لیتے وقت پرچہ ترکیب ضرور دیکھتا ہوں۔ پرچہ زندگی حل کرتے وقت خدا کے دیئے گئے احکامات یا دی گئی ترکیب کو نظر انداز کر دیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہم زندہ قوم ہیں

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

محبتوں کے سلسلے بھی بڑے وسیع سلسلے ہوتے ہیں' نہ دیکھے کی بھی بڑی محبت ہوتی ہے' پاس اور قریب رہنے والے بھی بڑے پیار سے پیش آتے ہیں اور جو دور کے لوگ ہوتے ہیں جن سے کبھی پہلے ملاقات نہیں ہوئی ہوتی' اس پروگرام کے ذریعے یا کسی اور وجہ سے ایسی محبتیں بکھیر جاتے ہیں کہ آدمی ان کا دیا دے نہیں سکتا۔

پچھلے دنوں مجھے ملنے کے لیے ایک صاحب تشریف لائے۔ ان سے بڑی دیر تک باتیں ہوئیں۔ میں نے گفتگو کے درمیان میں ان سے پوچھا کہ "باوجود اس کے کہ ہم باتوں کے سلسلے میں بہت آگے نکل گئے ہیں' میں یہ تو آپ سے پوچھ نہیں سکا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں اور آپ کا کیا نام ہے۔"

کہنے لگے "میں سیالکوٹ سے آیا ہوں۔"

میں نے کہا کہ "سیالکوٹ کا تو بہت اونچا مقام ہے اور ہم سارے لوگ سیالکوٹ کو سلام بھی کرتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے ملک کا ایک واحد علاقہ ہے جہاں Un Employment زیرو ہے۔"

وہ صاحب کہنے لگے کہ "جی ہاں بالکل ایسے ہی ہے بلکہ ہم تو لوگوں کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں کہ انہیں کام دیا جائے۔ ہم گاؤں میں چلے جاتے ہیں لیکن کاریگر نہیں ملتے۔"

میں نے ان سے دریافت کیا کہ "آپ کیا کرتے ہیں؟"

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کہنے لگے "جی ہم ہاکی بناتے ہیں۔"

میں نے کہا "کھیلنے والی ہاکی۔"

انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

میں متجسس ہو کر ان سے پوچھنے لگا کہ "جی یہ ہاکی تو ایک خاص قسم کی لکڑی کی ہوتی ہے اور وہ تو کشمیر وغیرہ سے شاید منگوائی جاتی ہے۔"

وہ کہنے لگے کہ "نہیں۔ آپ شاید کرکٹ کے بلے کی بات کر رہے ہیں۔ وہ شاید کشمیر سے آتی ہوگی۔ ہاکی کی لکڑی یہیں سے ملتی ہے۔ وہ شہتوت کی ہوتی ہے اور ہمارے ہاں کا شہتوت بڑے غضب کا ہے اور اس کی ہاکی بہت اچھی بنتی ہے۔"

میں نے کہا کہ "آپ شہتوت کی لکڑی کہاں سے حاصل کرتے ہیں۔"

انہوں نے کہا کہ "ہمارا جو ہاتھ سے لگایا ہوا جنگل چھانگا مانگا ہے یہ ہمیں بہت شہتوت دیتا ہے اور اب خانیوال سے ماورا کچھ اور جنگل بھی شہتوت کے ہیں۔"

ان کا کہنا تھا کہ شہتوت کی بہت پیلے رنگ کی لکڑی ہوتی ہے اور اس میں انتہائی لچک ہوتی ہے۔ ہم اسے جیسے موڑنا چاہیں آسانی سے موڑ لیتے ہیں۔

میں نے ان سے کہا کہ "ہاکی کی صنعت میں غیر ممالک میں آپ کا مدمقابل کون ہے؟"

خواتین و حضرات میں ایک متعصب پاکستانی ہوں اور ہمیشہ یہ دیکھتا ہوں کہ کہاں ہم پر زد پڑ رہی ہے۔ (مسکراتے ہوئے)

وہ کہنے لگا کہ "باہر ہمارا کوئی مدمقابل نہیں ہے۔"

میں نے کہا کہ "کیوں؟"

"باہر والوں کو ہاکی بنانی ہی نہیں آتی۔" انہوں نے جواب دیا۔

اس بات پر میں بہت چونکا۔ وہاں اور بھی لوگ موجود تھے' وہ بھی چونکے بغیر نہ رہ سکے۔

ہم نے کہا کہ "آپ کیسی بات کرتے ہیں۔ کچھ سوچ کر بات کریں۔ انہیں ہاکی کیوں نہیں بنانی آتی۔ وہ تو ایٹم بم بنا لیتے ہیں۔"

اس نے کہا "سر انہیں ہاکی بنانی نہیں آتی' اس میں میرا کیا قصور ہے۔ آپ مجھے کیوں جھڑکیاں دے رہے ہیں۔"

ان کا کہنا تھا کہ "دنیا کی بہترین ہاکی صرف سیالکوٹ میں بنتی ہے اور یہی ہاکی عالمی معیار کی ہوتی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ انٹرنیشنل سٹینڈرڈ کی ہاکی جو اولمپک میں استعمال ہوتی ہے' وہ اکیس اونس

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کی ہوتی ہے۔ اسے بناتے ہوئے اگر وہ بائیس اونس کی بن جائے تو اسے بیرون ملک چھیل کر یا ریتی لگا کر 21 اونس کا کیا جاتا ہے۔ اگر وہ 20 اونس کی بن جائے تو پھر جلانے کے ہی کام آئے گی نا! لیکن ہمارے کاریگر جو ہیں جب وہ ہاکی بنا رہے ہوتے ہیں تو انہیں ان کا تجربہ اور ہاتھ بتا دیتا ہے کہ وزن کی کیا کیفیت ہے۔"

میں نے کہا "سر یہ کیسے؟"

وہ صاحب بولے کہ "آپ کیوں حیران ہوتے ہیں۔ آپ کے ریڈیو ٹی وی پر پرانی وضع کے گانے والے جب سر لگاتے ہیں تو ایسی کھینچ کے لگاتے ہیں کہ کوئی ایک گریڈ اوپر نا نیچے۔ کیا مجال ہے کہ ذرا برابر بھی فرق پڑ جائے تو ان پرانے بابے کاریگروں کے لیے وزن کا خیال رکھنا کونسی مشکل بات ہے۔ کاریگر جو بھی ہاکی بنا کر رکھے گا ہم تولتے جائیں گے وہ اکیس اونس کی ہوگی۔"

میں نے کہا کہ "انڈیا بھی بناتا ہے ہاکیاں؟"

انہوں نے بتایا کہ "وہ سکولوں کالجوں کے لڑکوں کے لیے بناتے ہیں۔ عالمی معیار کی نہیں بناتے ہیں۔ انٹرنیشنل سٹینڈرڈ کی ہاکی صرف سیالکوٹ میں بنتی ہے اور یہ ہمارا طرۂ امتیاز ہے۔"

میں نے کہا کہ "یار یہ تو کمال کی بات ہے۔ ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا۔"

میں نے اسے یاد دلایا کہ ہم نے ایک مرتبہ ٹیلیویژن پر ایک ڈاکومنٹری فلم بنائی تھی۔ اس میں ہم نے یہ بتایا تھا کہ عالمی معیار کا فٹ بال صرف سیالکوٹ میں بنتا ہے۔ فٹ بال کی ٹکڑیاں پرانے بابے جو ہیں وہ چمڑے کی ایسی کاٹتے ہیں کہ جب وہ ان کے ٹانکے لگائے جاتے ہیں تو اس کی گولائی عین گینے میں آتی ہے اور آخری بات جو ہے جو ہم نے اپنی فلم میں بھی دکھائی تھی، وہ یہ کہ جب ساری Stiching ہو جاتی ہے اور ان ٹکڑیوں کو جوڑنے کے لیے آخری ٹانکا لگتا ہے تو وہ سیالکوٹی کاریگر اس حساب سے لگاتے ہیں کہ جب اسے کھینچتے ہیں وہ ٹانکا پلٹ کر اندر چلا جاتا ہے باہر نہیں رہتا۔ ہم نے کیمرے کا کلوز اپ لے کر اس آخری ٹانکے کی حکمت سے آشنائی کرنا چاہی اور کاریگر سے کہا کہ یار آخری ٹانکا ذرا آہستہ سے لگانا۔ اس نے آہستہ بھی کیا۔ ہم نے کلوز اپ کیمرہ کیا لیکن جب اس نے "کھچ" کیا تو ٹانکا پلٹ کر اندر چلا گیا اور اس کا مشاہدہ نہ کر پائے۔

ان کاریگروں نے بتایا کہ "جی یہ خاندانی طریقہ چلا آ رہا ہے۔ ہم نے کسی کتاب سے یہ نہیں پڑھا اور یہ فن باپ دادا سے چلا آ رہا ہے۔ یہ ساری باتیں سن چکنے کے بعد اور ان سے مختلف قسم کے سوالات کرنے کے بعد ایک صاحب نے کہا کہ "پھر کیا بات ہے۔ اتنا سب کچھ کر چکنے کے بعد ہمارے ہاں تفاخر کی کیوں کمی ہے۔ ایک فخر ہوتا ہے نا جی اپنے آپ پر۔ وہ کیوں نہیں ہے۔ آپس کے تعلقات

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

145

Page Missing

Page Missing

Page Missing

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

آپ پاکستان کیوں جا رہے ہیں۔"

انہوں نے کہا کہ "ہم اس لیے جا رہے ہیں کہ پاکستان میں دنیا کی سب سے اونچی چوٹی کے۔ٹو ہے اور ہم اسے سر کرنا چاہتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ طرۂ امتیاز اطالوی لوگوں کے سر رہے۔"

میں نے کہا کہ "سر اونچی تو ماؤنٹ ایورسٹ ہے۔"

انہوں نے کہا "نہیں۔"

کچھ جغرافیہ دان یہ بھی کہتے ہیں اور جو نئی Calculation کی گئی ہے' ساؤنڈ کے گولے سے اس سے پتہ چلا ہے کہ کے۔ٹو ماؤنٹ ایورسٹ سے دو فٹ اونچی ہے (ابھی تک یہ ایک متنازعہ بات ہی ہے)۔

خواتین و حضرات اب اس کے۔ٹو کو نہ میں جانتا تھا' نہ اب بھی ہم لوگ باتیں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں کے۔ٹو کے ملک کا رہنے والا یا رہنے والی ہوں۔ نہ ہم اپنی شناخت نانگا پربت' راکاپوشی' ترچ میر کے سلسلوں والے ملک پاکستان کے باسی کے طور پر کرواتے ہیں۔

ہمارے ہاں چونکہ فزکس کے طالب علم بیٹھے ہیں اور میں اس بات پر تھوڑا سا فخر ضرور کروں گا کہ آپ کی بدولت اور کسی ایک اماں وڈھی کے سہارے ایک فخر اور تفاخر کا مظاہرہ جو میں نے دیکھا اس نے مجھے بڑا حیران کیا۔ پچھلے دنوں آج سے کوئی بارہ تیرا دن پہلے (یہ پروگرام 1999ء میں ریکارڈ کیا گیا) میں سعودی عرب گیا عمرے کے لیے۔ آپ اگر وہاں پر جائیں اور انشاء اللہ ضرور جائیں گے' وہاں ایئر پورٹ پر اترتے ہی جب وہاں کے حکام کو پتہ چلتا ہے کہ یہ پی آئی اے کی فلائٹ آئی ہے تو وہ ہمارے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کرتے۔ ہمیں قطار میں کھڑا کرتے ہیں۔ وہ جو کسٹم والے ہوتے ہیں' وہ بڑے سخت لوگ ہیں۔ ہم وہاں 8 بجے قطار میں کھڑے ہوئے اور 11 بجے وہ بندہ آیا۔ پہلے اس نے آ کر چائے پی پھر کہنے لگا کہ "ایک ایک کر کے آؤ۔"

وہ اس طرح ایک ایک کر کے' سب کا سامان چیک کرنے لگا۔ وہ سب کا سامان ادھر اُدھر بکھیر کر چیک کرنے لگا (بڑی ذلت کی بات ہے) ہر بار ایسا ہی ہوتا ہے۔

اب جب میں عمرہ کے لیے گیا تو مجھے علم تھا کہ گھنٹوں قطار میں کھڑا رہنا پڑے گا۔ میں نے اپنی بیوی (بانو قدسیہ) سے کہا کہ "بھئی ہو جاؤ تیار ان کو Face کرنے کے لیے۔" ہم قطار میں کھڑے ہو گئے۔ اس مرتبہ میں ایسی چھڑی لے کر گیا تھا جس کے سہارے بیٹھا جا سکتا ہے۔ اس چھڑی کو کھولیں تو وہ چھوٹی سی کرسی بن جاتی ہے۔ وہ قطار آہستہ آہستہ چل رہی تھی اور اس عربی اہلکار کا رویہ ویسا ہی تھا جیسا کہ میں نے پانچ برس پہلے دیکھا تھا۔

پیارے بچو! جب ہم قطار میں کھسکتے ہوئے اس کسٹم والے کے پاس پہنچے جو سامان کے ساتھ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بے ترتیبی اور بدتمیزی کر رہا تھا۔ وہاں ہمارے آگے ایک مائی کھڑی ہوئی تھی۔ جب اس کی باری آئی اور اہلکار اس کی ٹین کی صندوکھڑی (صندوقچی) کھول کر دیکھنے لگا تو وہ اماں وڈھی سخت انداز میں کچھ عربی زبان کے الفاظ بولی۔ اس کے بولنے کا لہجہ بالکل عربی لوگوں کی طرح تھا۔ میں اور میری بیوی نے اسے پلٹ کر دیکھا کہ یہ ایک دیسی عورت ہے جو ہمارے ساتھ آئی ہے۔ یہ کیسے کڑ.....کڑ...کڑ عربی بول رہی ہے۔ اس کے جواب میں اس کسٹم والے نے شکراً شکراً کہہ کر اس کی صندوکھڑی بند کر دی اور وہ بھی اماں آگے چلی گئی۔ یہ میرے لیے بڑی حیران کن بات تھی۔ میں نے اپنا کام چھوڑ کر اس سے کہا ''بی بی ایک منٹ رک جانا۔''

میں نے اس سے کہا کہ ''پہلے مجھے تم یہ بتاؤ کہ تم نے اتنی اعلیٰ درجے کی خوبصورت اور رواں عربی کیسے سیکھی؟''

کہنے لگی ''اوس دفع ہونے کفیل کولوں سکھی اے۔''

میں نے کہا ''وہ کیا ہے؟''

کہنے لگی کہ ''وہ مکہ شریف میں' وہ درزی کا کام کرتی ہے اور اس کا کفیل اس سے کپڑے سلواتا ہے۔ جب وہ وقت پر پیسے نہیں دیتا تو میں اس سے جا کر لڑائی کرتی ہوں۔ اس کی بیوی اور بچوں کے سامنے اس کے گلے ''صافہ'' (کپڑا) ڈالتی ہوں اور میری کفیل کے ساتھ آئے روز لڑائی سے عربی بولنے کی پریکٹس ہوگئی ہے۔''

وہ کہنے لگی کہ ''میں اٹھارہ برس سے پیسے نکلوانے کے لیے عربی بول رہی ہوں۔''

بچو! یہ تو ایک اَن پڑھ اور درزی وڈھی اماں کی کہانی تھی۔

ہاں تو میں نے اس سے پوچھا کہ ''تو نے اس کسٹم والے کو آخر کیا کہا تھا؟''

کہنے لگی کہ میں نے اس سے کہا تھا کہ ''دیکھ میں اس ایٹمی پاور والے ملک کی باشندہ ہوں۔ میرے سامان کو احتیاط سے ہاتھ لگانا۔''

میں نے کہا کہ ''تجھے کیسے پتہ چلا؟''

وہ کہنے لگی ''اسیں پتا کہ ہمیں چلایا۔''

(ہال میں قہقہے) اس طرح وہ اماں السلام علیکم کر کے گزر گئی۔

اماں وڈھی کے واقعہ کے بعد جب ہم اس ایٹمی دھماکے کو کیے ہوئے ایک سال گزار چکے تھے اور ہم نے 28 تاریخ کو اس دن کو ٹی وی پر منایا تو میرے آس پاس کے لوگ کہنے لگے ''یار کیا شیخی بگھار رہے ہو۔'' اور دھماکوں کے بعد میرے ایک دوست میرے پاس آئے اور کہنے لگے ''اشفاق احمد تو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

یہاں سے چلا جا تجھے تو اللہ نے اس بوڑھی عمر میں بھی بڑی صلاحیتیں دی ہیں' تو جہاں بھی جائے گا وہ تجھے رکھ لیں گے تو یہاں بیٹھا کیا کر رہا ہے۔"

میں نے کہا "خدا کا خوف کرو۔ میں یہاں بہت سوکھا ہوں۔ خوش ہوں۔"

کہنے لگے "نہیں نہیں۔ انہوں نے میرے سامنے پاکستان کا ایسا مایوس کن نقشہ بنا دیا کہ میری ساری طاقت ماؤف ہوگئی اور میں گھبرا گیا۔ مجھے بالکل چوہا سا بنا دیا۔"

جب وہ جانے لگا تو میں نے اس سے کہا کہ "یار تو جا کیوں رہا ہے۔ بیٹھ میرے پاس۔"

تو کہنے لگا "مجھے جلدی ہے۔"

میں نے کہا "کیا جلدی ہے؟"

وہ بولا کہ "میں نے ڈیفنس میں ایک نئی کوٹھی شروع کی ہے' اس لیے سیمنٹ کا بندوبست کرنا ہے اور مجھے کسی نے وعدہ کیا ہوا ہے۔"

میں نے اس سے کہا "بدبخت کے بچے تو دوسری کوٹھی بنا رہا ہے اور مجھے یہ رائے دے رہا ہے کہ یہاں سے چلا جا۔"

اس طرح کے بے شمار بندے ہیں اور مجھے یوں لگتا ہے کہ ہماری زندگی جو ہم گزارتے ہیں اس کے پیچھے ایک گروہ ہے۔ ایک دھندلا گروہ ہے۔ چلیئے میں اس کی نیت پر بھی شبہ نہیں کرتا۔ اس کی بے یقینی اس کے ڈگمگاتے ہوئے قدموں کی بات کرتا ہوں کہ اس کو یقین ہی نہیں آتا ہے۔ وہ اس قدر ڈرا ہوا طبقہ ہے۔ اسے اپنا مستقبل بڑا تاریک نظر آتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ آپ اور آپ کے مستقبل کے بارے میں بھی یہی حکم لگاتا ہے۔ یہ دھندلا سا طبقہ وہ ہے جو بڑا Well Placed ہے' اچھا کماتے ہیں' ہم اور آپ سے زیادہ دولت مند ہیں اور زیادہ نیک نام ہیں۔ اخباروں میں ان کا ہم سب سے زیادہ ذکر چھپتا ہے اور وہ معتبر ہو کر رہتے ہیں لیکن پاکستان کے بارے میں' معلوم نہیں پاکستان نے ان کا کیا بگاڑا ہے وہ یہی مایوس کن باتیں کرتے ہیں۔ ان کا جو طریقہ کار ہے' وہ یہ ہے کہ وہ آپ کی کوئی نیگیٹو بات لے کر اسے اچھالتے رہتے ہیں حالانکہ ہر ملک کی خرابیاں ہوتی ہیں۔

مثال کے طور پر وہ گھوسٹ سکولوں کا ذکر کریں گے۔ جی ہاں اس قسم کے سکول تھے' بالکل تھے۔ اس سے ہمیں بہت نقصان پہنچا ہے۔ بوٹی مافیا تھی اور ہمیں اس کے خلاف بڑی Fight لڑنا پڑی۔ اس کو ختم کرنے کے لیے ہم نے جان لڑا دی۔ وہ لوگ ہماری دو تین منفی چیزیں گنوا کر ہمیں مایوس کرنے کے لیے ہمارے اچھے پوائنٹس کو بھی کہانی قصہ ہی قرار دیں گے اور اس مراثی کی بیوی کا کردار ادا کریں گے جو بچارا ہوا میں اڑنے لگتا ہے اور اس کی بیوی بھی اس اڑتے ہوئے شخص کو دیکھتی رہی اور

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

حیران ہوتی رہی لیکن جب اس کو پتہ چلتا ہے کہ وہ اڑتے والا شخص اس کا شوہر تھا' تو ناک منہ چڑھا کر کہتی ہے کہ اسی لیے ٹیڑھا ٹیڑھا اڑ رہا تھا۔ اس ٹیڑھ پن نے ہم سب کی زندگیاں متاثر کی ہیں۔ آپ کے چہرے جو کھلے ہوئے ہونے چاہئیں تھے' یہ کھلے ہوئے نہیں ہیں۔ یہ کیفیت تو اعتماد کے ساتھ ہی پیدا ہوتی ہے۔ زندہ قومیں اپنی خوبیوں کے اعتماد کو اپنا سہارا بنا کر ساری زندگی اس کے ساتھ لگا دیتی ہیں۔

آپ کبھی گوروں کی کرکٹ ٹیم کو دیکھئے گا وہ ہار رہی ہوتی ہے لیکن ان کے چلنے کا انداز تفاخر پر مبنی ہوتا ہے۔ ان کے چہرے سے نہیں لگتا کہ وہ ہار رہے ہیں بلکہ وہ شاہانہ انداز میں دکھائی دے رہے ہوتے ہیں۔ اب میری بھی شہنشاہیت ہے' میرے بھی اپنے صنم خانے ہیں' لیکن آپ ہی کی یونیورسٹیوں میں ایسے لوگ بھی بیٹھے ہیں کہ آپ صبح سویرے تگڑے ہو کر جاتے ہیں لیکن وہ آپ کی پھونک نکال دیتے ہیں۔ ہمارے سائنس دانوں' سرجنوں کا کسی کے ساتھ مقابلہ کر لیں۔ ہمارے بینکر ہیں' جنہیں دنیا مانتی ہے لیکن اس سب کے باوجود مایوسی کی باتیں کی جاتی ہیں کہ آخر کیوں؟ ایسی مایوسی کی باتیں آسودہ حال لوگوں کی طرف سے آتی ہیں۔

لیکن اگر اس سارے دباؤ کے باوجود ہم کہیں کہ ہم اپنی ساری اور تمام تر خامیوں کے باوصف انہیں تسلیم کرتے ہوئے اپنے مقام پر کھڑا ہوں اور یہ ملک اور میری سرزمین ہے۔ Prussia کی فتح کے بعد جب نپولین فریڈرک کی قبر پر گیا تو اس نے دیکھا کہ فریڈرک کی تلوار اس پر لٹک رہی ہے۔ اس نے اتروائی اور کہا کہ میں اسے پیرس کے عجائب گھر کی نذر کر دوں گا کیونکہ ایسی تاریخی تلوار عجائب گھر میں رہنی چاہیے۔ تو اس کے ساتھ جو جرنیل تھا' اس نے خوشامدانہ لہجے میں کہا کہ "سر ایسی نامور' تاریخی تلوار تو آپ کے پاس ہونی چاہیے۔"

اس پر نپولین نے اپنی تلوار پر ہاتھ مارا اور کہا کہ "کیا میرے پاس میری تلوار نہیں ہے کہ میں کسی کی اٹھاتا پھروں۔"

جب ہم میں یہ رویہ پیدا ہوگا اور آپ اس شخص سے نفرت کا اظہار کریں گے جو آپ کے ملک کے بارے میں' آپ کے بارے میں' آپ کے اباجی کے بارے میں ذرا سا بھی منفی سوچ پر مبنی رویہ اختیار کرے گا تو اس کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(ہال میں ایک صاحب بولتے ہیں)

اس حوالے سے ہمارا میڈیا ہی کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے کہ وہ لوگوں کی برین واشنگ کرے لیکن ہمارے پرنٹ میڈیا سے لے کر الیکٹرونک میڈیا تک شعوری یا لاشعوری کسی بھی وجہ سے یہ بات فکس کرتا جا رہا ہے کہ پاکستانی کہیں نہ کہیں کمتر ہیں۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اشفاق احمد:۔ آپ کی بات بہت توجہ طلب ہے لیکن اب ہم کیا کریں؟

کیا ہم اس بوڑھی ودرزن کی طرح بن سکتے ہیں؟ آپ سے یہی درخواست ہے کہ آپ ایک بلندتر، قابل فخر قوم ہیں۔ آپ کبھی باہر نکل کر ان اسلامی ممالک کو دیکھیں، جو پاکستان کو بڑا بھائی کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے بڑے کمال کا ایک کام (ایٹمی دھماکے) کیا ہے۔ ہم نے ایک نہیں بڑے کمال کے کئی کام کیے ہیں۔ بچو! ہم قابل فخر لوگ ہیں۔ اگر ہم سے کہیں کوئی کوتاہی یا لغزش ہو رہی ہے تو ہم فوراً رکیں اور کہیں کہ ''ہم زندہ قوم ہیں، پائندہ قوم ہیں۔''

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

Values and Censorship

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

اب اس عمر میں پہنچ کر جب میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو اتنا لمبا راستہ طے ہو چکا ہے کہ دور جہاں سے یہ سفر شروع کیا تھا اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو پاتا۔ ایک لمبی سیدھی لکیر ہے جو نظر تو آتی ہے اور جس کے واقعات بھی ایک دوسرے کے ساتھ الجھے ہوئے آگے تک چلے آتے ہیں لیکن اس بات کا کوئی فیصلہ نہیں ہو پاتا کہ اتنا سارا لمبا سفر طے کرنے کے بعد آخر آپ نے اس کا نتیجہ کیا نکالا ہے۔

میں عرض کر رہا ہوں کہ میرے ذہن میں 1929ء، 1930ء اور اکتیس، بتیس کے واقعات گردش کر رہے ہیں، جن میں میں سکول جا رہا ہوں۔ میری تختی ہے، میرا بستہ ہے پھر اس کے بعد میرے لیے 1935ء بہت ہی اہم سال تھا کہ ہمارے بادشاہ سلامت جارج پنجم (اس وقت برصغیر میں انگریز حکمران تھا اور ہمارے ہاں نو آبادیاتی نظام رائج تھا) کی سلور جوبلی منائی جا رہی تھی اور بڑی دھوم سے منائی جا رہی تھی۔ اس وقت ہم سب لوگ، یعنی بچے بہت خوش تھے، ہمیں تالی بجانے کے نئے نئے طریقے سکھائے گئے تھے اور گورا فوج کا دستہ ہمارے گھر کے سامنے پریڈ کر رہا تھا اور ہم اس سے مرعوب ہو کر اس کے پیچھے پیچھے ویسے ہی چلتے تھے۔

وہ بھی ایک عجیب و غریب زمانہ تھا، آپ لوگوں نے اس طرح کا غلامی کا زمانہ نہیں دیکھا جو ہم دیکھ چکے ہیں۔

اس سلور جوبلی کی ساری یادیں میرے ذہن کے چوکھٹے میں پوری توانائی کے ساتھ اور پوری جزویات کے ساتھ قائم ہیں۔ اس موقع پر ہمارے سکول میں لڈو بٹے تھے۔ تین تین لڈو خاکی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

لفافے میں ڈال کر ہر طالب علم کو دیئے گئے تھے۔ پہلی جماعت سے لے کر دسویں جماعت تک۔ پھر رات کے وقت ہمارے قصبے میں ایک مشاعرہ بھی ہوا تھا اور مجھے میرے والد سمجھاتے تھے کہ مشاعرہ کیا ہوتا ہے کیونکہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ لوگ اکٹھے ہو کر کیا بولتے ہیں اور کیا وجہ ہے کہ ایک شخص بولتا ہے تو سب واہ واہ کر اٹھتے ہیں۔

اس مشاعرہ میں ہمارے سکول ٹیچر محمد حسن صاحب جو فارسی کے استاد تھے، نے ایک لمبی نظم پڑھی اور مجھے اب یاد آتا ہے کہ اس کا پہلا شعر یہ تھا

سلور جوبلی شان سے آئی
دو دن کی تعطیل دلائی
اٹھو اجلے کپڑے پہنو
خوشی مناؤ بھائیو بہنو

(اس وقت انگریز کو خوش کرنے کے لیے اس قسم کی چیزیں یا قصیدے پڑھے جاتے تھے)

خواتین و حضرات پھر بالکل سکرین کے اوپر زمانہ بدلتا گیا اور اب بھی بدلتا چلا جا رہا ہے۔ میں نے حیران ہو کر دیکھا کہ اس وقت ایک بہت بڑے ہندو سیٹھ لالہ نتھو رام تھے۔ ان کے پاس ایک بگھی تھی جس کے آگے دو گھوڑے جُوتے جاتے تھے۔ پھر اچانک زمانے نے ایسا پلٹا کھایا کہ ان کی بگھی کے آگے سے گھوڑے ہٹ گئے لیکن وہ بگھی پھر بھی چلتی رہی۔ ہم بڑے حیران تھے کہ یا اللہ اس کے آگے گھوڑا تو ہے نہیں پھر یہ چلتی کیسے ہے؟

لیکن وہ سارے شہر کا چکر کاٹتی تھی اور ہم لوگ بڑے، بوڑھے تالیاں بجاتے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ بھاگتے تھے اور لالہ جی اس کے اندر بیٹھ کر مزے کر رہے ہوتے تھے۔ اس بگھی پر ربڑ کا بنا بھونپو (باجا) پاں پاں کی آواز بھی نکالتا تھا۔ ہم نے گھر میں آ کر اپنی ماں کو بتایا کہ اب بگھی تو بدل گئی ہے اور گھوڑا اس کے آگے نہیں ہے لیکن چلتی پھر بھی ہے تو میری ماں نے بتایا کہ ہاں ایسی بگھیاں بھی ہوتی ہیں۔

اس وقت زمانہ بڑی تیزی کے ساتھ بدل رہا تھا اور میں اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور اس تیزی کے اندر لپٹا ہوا سفر کر رہا تھا۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ بگھی بدل گئی ہے۔ ہم اگلی جماعتوں میں چلے گئے اور اس وقت انگریز ڈپٹی کمشنر ہوتے تھے۔ کوئی گورا جب گزرتا تو ہم اس کو بڑے تپاک کے ساتھ سلام کرتے تھے، کبھی وہ جواب دے دیتا تھا، کبھی جواب نہیں دیتا تھا۔ پھر اچانک ایک اتنی بڑی تبدیلی آئی کہ ہمارے ضلع میں ایک ڈپٹی کمشنر آ گیا جو "گورا" (انگریز) نہیں تھا اور میرے والد

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نے گھر آ کر خوشی کے ساتھ میری والدہ کو بتایا کہ ایک نیا ڈپٹی کمشنر آیا ہے اور وہ گورا نہیں ہے اور اس کا نام اختر حسین ہے۔ دوسری انہیں یہ خوشی تھی کہ وہ مسلمان تھا۔ اب ہم سب کی طلب تھی کہ جس میں میں' میرے ساتھی' سکول ٹیچر اور ہیڈ ماسٹر صاحب بھی شامل تھے کہ اختر حسین کو دیکھنا چاہیے کہ کس شکل و صورت کا آدمی ہے (یہ وہی اختر حسین تھے جو پاکستان بننے کے بعد پنجاب کے گورنر بنے)۔

ایک مرتبہ ہماری دعائیں قبول ہوئیں اور وہ ہمارے قصبے کا دورہ کرنے آئے' تب ہم سب سکول کے لڑکے ان کے استقبال کے لیے اچھے اچھے کپڑے پہن کر آئے تھے۔ سکاوٹ اپنی وردیوں میں بالکل چاق و چوبند انہیں سلامی دے کر ان کی کرسی کے آگے سے گزر رہے تھے۔ سب سے خوشی کی بات یہ تھی کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کا جو اسسٹنٹ کمشنر تھا' وہ ایک گورا تھا جو ان کے پیچھے بڑے ادب کے ساتھ چل رہا تھا۔ اختر حسین صاحب پانچ قدم آگے اور وہ پانچ قدم پیچھے چلتا تھا' اس وقت ہمارے علاقے کے لوگ خوشی سے تالیاں بجا رہے تھے کہ ہمارا ''دیسی ڈپٹی کمشنر'' آگے جا رہا ہے اور گورا اس کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے اور اختر حسین صاحب اکثر بیچ میں رُک رُک کر اسے کہتے کہ Timothy Look Here۔ تو وہ کہتا Yes Sir۔

ہمیں یہ جان کر اور بھی خوشی ہوئی کہ وہ اس گورے اسسٹنٹ کو حکم بھی دے سکتے ہیں اور وہ اسے مانتا بھی ہے۔ وقت گزرتا گیا' پھر ہمارے قصبے میں جہاں کہ بجلی نہیں تھی وہاں ایک عجیب مظہر قدرت ہوا کہ وہاں پر ''بولتی فلم'' آئی۔

گاؤں میں منادی ہوئی کہ ایک تصویر ہے جو بولتی بھی ہے۔ ہم سب بے چین تھے کہ اسے دیکھیں۔ اعلان کیا گیا کہ ریلوے اسٹیشن کے قریب بڑے میدان میں وہ بولتی اور حرکت کرتی تصویریں دکھائی جائیں گی۔ چنانچہ وہاں پر ایک بہت بڑا پروجیکٹر لگا دیا گیا۔ وہ نہایت بھدی قسم کا تھا۔ اس پر وہ رِیل چڑھائی گئی اور ایک آپریٹر بڑے شہر سے منگوایا گیا۔ اس کے پانچ چار اسسٹنٹ تھے۔ وہاں سے دور ایک جنریٹر لگا کر اور اس کی تاریں پھینک کر بجلی کا بندوبست کیا گیا اور سامنے سکرین تانی گئی۔ ہمارا سارا قصبہ' عورتیں' بچے' بوڑھے ''منجیاں'' (چارپائیاں) ڈال کر وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔

جب اس سکرین کے اوپر تصویر نظر آتی تھی تو وہ واقعی بولتی تھی اور اس تصویر کا نام تھا ''لیلیٰ مجنوں'' ان حرکت کرتی تصویروں میں ایک لڑکی لیلیٰ تھی اور ایک لڑکا مجنوں تھا' جسے لوگ پتھر مار رہے تھے اور ہم حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ اس کے بیچ میں گانے بھی آتے تھے۔ وہ ریل (فلم کا فیتا) دس منٹ کے لیے چلتی تھی اور پھر اس کو بدلا جاتا تھا اور اسے بدلنے میں تقریباً آدھ گھنٹہ صرف ہوتا تھا' سارے شائقین و ناظرین پھر اپنے منہ سکرین کی بجائے پیچھے پڑے پروجیکٹر کی طرف کر لیتے تھے اور

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ریل بدلتے منظر کو دیکھنے کا بھی بڑا مزہ تھا۔ آدھ گھنٹے کا یہ تماشا دیکھنا اور پھر دس منٹ کا سامنے سکرین پر تماشا دیکھنا۔

اب اس میں میں آپ کو جو ضروری بات بتانے لگا ہوں وہ یہ کہ اس فلم میں Self Imposed Censorship تھا' وہاں سنسر شپ باقاعدہ طور پر تو تھی نہیں لیکن ہمارے ذیلدار گرونام صاحب انہوں نے سنسر کا بندوبست کیا تھا تا کہ لوگوں کے اخلاق پر بُرا اثر نہ پڑے۔ وہ پیتل کی ایک گاگر (گھڑا نما برتن) اور ہاکی لے کر وہاں کھلے میدان میں موجود تھے اور جب کوئی ایسا سین آتا تھا جس میں لیلیٰ مجنوں کے قریب ہو جاتی تھی اور گانا گانے لگتی تھی تو ذیلدار صاحب گاگر بجاتے تھے اور ان کے گاگر بجانے کی ڈنا ڈن ڈن ڈن ڈنر..... کی آواز پورے مجمعے میں سنی جاتی تھی تو ہم سب آنکھیں بند کر لیتے تھے۔ ان کا حکم تھا کہ یہ بُرا سین ہے اور اخلاق پر بُرا اثر پڑنے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا آنکھیں بند کر لی جائیں۔

خواتین و حضرات! ہم سب اپنی آنکھیں ایمانداری کے ساتھ بند کر لیتے تھے۔ کسی نے کبھی کانی آنکھ سے نہیں دیکھا کہ کیا سین چل رہا ہے۔ وہاں حکومت کی طرف سے کوئی سنسر شپ نہیں تھی۔ معاشرے نے خود ہی اپنے اوپر وہ سنسر بٹھایا ہوا تھا۔ جب دوبارہ گاگر بجنے کی آواز آتی تو سب آنکھیں کھول لیتے تھے۔ بچو! زمانہ قدم بہ قدم ایسی ترقی' اسے ترقی کہہ لیں' فلاح کہہ لیں یا پھر پتہ نہیں اسے آپ کیا کہہ لیں' کی طرف جا رہا تھا اور تیزی سے چلتا آ رہا تھا۔

پھر اسی زمانے کے اندر میں نے دیکھا کہ انسان چاند پر پہنچ گیا اور اس نے چاند پر جا کر Message دیا اور ہم نے پھر اس پیغام کا مطالعہ تجسس کے ساتھ شروع کر دیا۔ چاند کی زمین سے ایسا مواد اکٹھا کیا گیا۔ اس کا زمین پر لا کر تجزیہ کیا گیا۔ جب چاند کے اوپر یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور اس علم کی جزویات اور تفصیلات ہم تک پہنچائی جا رہی تھیں۔

تو مجھے وہ زمانہ یاد آ رہا ہے جب میں فرانس میں تھا تو وہاں ایک فرانسیسی نے ایک لیکچر دیا تھا (میں زیادہ تو فرانسیسی نہیں سمجھتا تھا لیکن کچھ کچھ پلے پڑتا تھا) جس میں اس نے بتایا کہ ہماری فرانس کی نیشنل لائبریری میں ایک کتاب ہے' وہ ابن عربی کی لکھی ہوئی ہے۔ وہ کتاب اور کہیں نہیں ہے اور اس کتاب کا نام ''فتوحات مکیہ'' ہے۔ اس نے بتایا کہ یہ کتاب ہمارے پاس محفوظ ہے (آج کل وہ فرانس کے قومی عجائب گھر میں ہے) اور اس میں شیخ اکبر (شیخ اکبر ایک بہت بڑے صوفی تھے) لکھتے ہیں کہ ''اللہ کے فضل و کرم سے اور اس کی مہربانیوں کی فراوانی کی بدولت مجھے چاند کی سیر کرائی گئی ہے اور اللہ نے مجھ پر کچھ ایسا رحم و کرم کیا ہے اور جب میں چاند پر پہنچا تو میں وہاں جا کر بہت حیران ہوا اور میری

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سی گم ہوگئی کہ چاند وہ تو نہیں ہے جو ہم زمین پر کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں۔

کہنے لگے کہ اے میرے ہم نشینو! اے میرے ساتھیو! اے میرے ہم وطنو! اے مجھے سننے والو! تم یقین کرنا کہ چاند کی سطح بڑی کھنگریلی ہے اور کالی سیاہ ہے اور اس میں بے شمار گڑھے پڑے ہوئے ہیں اور اس پر چلنا بہت دشوار ہے۔ اگر ایک قدم اٹھاؤ تو دوسرا بڑی مشکل سے رکھا جاتا ہے۔ پتہ نہیں اس میں اللہ کی کیا حکمت ہے اور اس کی جو فضاء ہے وہ عجب طرح کی ہے۔ اگر چاند پر آپ انگلی کھڑی کریں تو انگلی ایک طرف سے ٹھنڈی جبکہ دوسری جانب سے گرم ہو جائے گی۔"

خواتین و حضرات! ابن عربی کی یہ کب کی لکھی ہوئی کتاب ہے اور اس کا یہ ایک سبق ہے۔ لوگوں نے ان پر بہت آوازے کسے کہ چاند جو ایک نور کا ہالہ ہے، جو ساری دنیا کو روشنی عطا کرتا ہے۔ اس بابت یہ بابا کیا کہہ رہا ہے کہ وہ کھنگر جیسا ہے اور اس پر گڑھے پڑے ہوئے ہیں اور داغدار ہے۔

ابن عربی کے حوالے سے لیکچر اور چاند پر قدم رکھنے والے انسانوں کا زمانہ بھی گزرا۔ میں ایک ایسا خوش قسمت آدمی ہوں کہ ان ادوار میں سے گزرا۔ چاند پر انسانی قدم پڑنے کے واقعہ کے بعد پھر زمانہ بڑی تیزی سے آگے بڑھنا شروع ہوگیا اور الیکٹرونک ڈیوائسز میں یہ بہت آگے چلا گیا۔

اب جب کہ یہ ایک مقام پر پہنچ گیا ہے اور یہ مزید آگے جمپ لینے کے لیے تیار ہے تو ہر شخص کی زبان پر ایک ہی بات ہے کہ زمانہ بدل گیا ہے، انداز بدل گئے ہیں۔ اطوار بدل گئے ہیں۔ اب وہ پہلے جیسی باتیں نہیں رہیں۔ اب ہمیں اپنا آپ سنبھالنے کے لیے خود کو وقت کے تقاضوں کے مطابق تبدیل کرنا ہوگا۔ میں بہت ہی اونچی آواز میں اپنے گھر میں کھڑا لٹکا ہوا تولیہ اتارتے ہوئے اپنی بیوی سے شکایت کر رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ "اب وہ پرانی قسم کی کھونٹی نہیں چلے گی اس میں تولیہ پھنس جاتا ہے۔ اب مجھے ایسی پھرکی والی کھونٹی چاہیے جیسی میں نے ولائیت میں دیکھی تھی۔ کیونکہ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ تبدیلی آ گئی ہے۔"

اس نے باورچی خانے سے بڑی زوردار آواز میں کہا کہ "ہرگز تبدیلی نہیں آئی ہے۔ زمانہ اللہ کے حکم کے مطابق ویسے ہی چل رہا ہے۔ یہ ساری چیزیں جو تبدیلی و تغیر کی ہیں، یہ فنا ہو جائیں گی۔ صرف میرا اللہ رہ جائے گا۔ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

میں نے کہا کہ "بی بی Values تبدیل ہو گئی ہیں۔ قدریں بدل چکی ہیں۔"

اس نے کہا کہ "یہ کبھی ہو نہیں سکتا، میرے اللہ کے فرمائے ہوئے کلمات تبدیل نہیں ہو سکتے۔ اگر اس نے عدل کی ایک Value مقرر کر دی ہے تو قائم رہے گی۔ ہم چاہے بے عدل و بے انصاف ہو جائیں لیکن عدل کی قدر قائم رہے گی۔ سچ کی Value برقرار ہی رہے گی۔ جمال کی قدر ویسی ہی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

رہے گی۔ اگر ہم بدصورت ہو گئے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حسن و جمال کی قدر و قیمت کم ہو گئی ہے۔ یہ کہنا کہ اب زمانہ بدل گیا ہے تو غلط ہے۔ ہاں اس کے کچھ تقاضے ضرور تبدیل ہوئے ہیں۔"

خواتین و حضرات! اس ہمیشہ قائم اور زندہ رہنے والے خدا نے جو انسان کو بتایا ہے وہ ویسے ہی رہے گا۔ باقی ہم چاہے تقاضے جس قدر مرضی بدل لیں ہم اپنی مرضی سے تو پیدا نہیں ہوتے۔ ہم سے پوچھا تو گیا نہیں کہ ہم کیسے بننا چاہتے ہیں۔ نہ ہماری طوطا ناک بنانے سے پہلے پوچھا گیا کہ کیسی ناک درکار ہے۔ آنکھیں بلوری بنا دیں۔ ہمیں کالی چاہئیں تھیں۔ (مسکراتے ہوئے) ہم جب بن چکے تو ہم ایک خالی کوزہ کی طرح تھے۔ پھر ہم نے اپنے رب سے کہا کہ جناب ہم بن تو چکے اب ہمیں کیا کرنا ہے' کیسے کرنا ہے تو اللہ خداوند نے کہا کہ یہ ترکیب تمہارے نبیوں کو بتا دی ہے۔ نبیوں کو انسان کی صورت اس لیے بھیجا گیا کہ ہم کہیں ڈر ہی نہ جائیں۔

"حکم دیا کہ تمہارے نبی جو کام بتائیں ویسے کرتے جانا' تمہاری بڑی فلاح ہو گی۔"

ہم نے کہا کہ "سر ہم ترقی چاہتے ہیں۔"

اب خدا کے نزدیک ترقی اور فلاح دو مختلف چیزیں ہیں۔

ہم عالیشان گھروں میں لمبے ستونوں کو ترقی کہتے ہیں۔ پوش علاقوں میں رہائش کو ترقی بولتے ہیں لیکن یہ فلاح نہیں ہے' خیر نہیں ہے۔ پوری دنیا کا انسان ترقی کے باوجود سکون کے ایک لمحے کے لیے تڑپتا پھرتا ہے' اس لیے کہ اس کا تمام رخ ترقی اور Progress کی طرف ہے۔ فلاح کی طرف نہیں ہے۔

خواتین و حضرات! فلاح کے اندر ترقی کی چھپ موجود ہوتی ہے لیکن ترقی کے اندر فلاح موجود نہیں ہوتی۔ بچو! قدریں نہیں بدلیں۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کمال کا آدمی ہے' رشوت لیتا ہے۔

یہ بڑے غضب کا آدمی ہے' لوگوں پر ظلم کرتا ہے۔

یہ کتنی اچھی عدالت ہے کہ اس نے آج تک انصاف نہیں کیا۔

آپ یہ کبھی نہیں کہیں گے' نہ دل سے نہ منہ سے۔

آپ چاہیں گے وہ اقدار جن کا تحفہ آپ کو دیا گیا تھا یا جو مباح ہیں۔ جو بندہ کسی بہانے یا چالاکی سے ایک اللہ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے' میں عبادات کی یہاں بات نہیں کر رہا ہوں۔ میں کوئی زیادہ ماتھا رگڑنے کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ میں صرف یہ بات کر رہا ہوں کسی دن کسی وجہ سے' کبھی سیر کو نکلے ہوئے' کسی کوئل کو بولتے ہوئے سنتے ہوئے اگر آپ اللہ سے وابستہ ہو جائیں چاہے کچھ ساعتوں کے لیے' تو آپ کے اندر اس قدر طاقت آ جائے گی کہ وہ آپ کے کئی سو سال نکال سکتی ہے لیکن ہم اپنی سوچ کے مطابق اور نبیوں کے حکم کے خلاف عبادت سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ سے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

وابستہ نہیں ہوتے۔ اگر قدریں بدلی ہوتیں تو ہم ایک ڈرائیور کی تلاش میں یہ کسی سے کبھی نہ کہتے کہ ''ہمیں ایک ایماندار ڈرائیور کی ضرورت ہے۔''

بلکہ یہ کہتے کہ ''یار کسی بے ایمان ڈرائیور کی تلاش ہے' کوئی ایسا ڈرائیور ڈھونڈ کر لا دو جو کام چور ہو' پٹرول چراتا ہو اور پرزے بھی چوری کرتا ہو۔''

بچو! قدریں نہیں بدلیں۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور نہ صرف آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے بلکہ یہ ہمت بھی عطا کرے کہ ہم خود پر ایک سنسر شپ لاگو کریں جو سرکاری نہ ہو بلکہ اپنے مواخذے کی سنسر شپ ہو اور ہم اپنی معاشرتی اقدار کو سنبھالے رکھنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

''حرام بکرا''

ہم اہل زاویہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچے۔

یہ اب انفارمیشن کا عہد ہے۔ یوں تو جب سے پاکستان بنا ہے اور قائداعظم سے لے کر اب تک معلومات کا سلسلہ ہی چلتا رہا ہے۔ یہ انفارمیشن ایک مشکل عمل ہے۔ اس پر مشرق و مغرب میں کام ہوتا رہا ہے اور بڑے لوگ اس سے متعلق حصول علم کے لیے سرگرداں رہے ہیں لیکن مشرق میں میں آپ سے جن بابوں کا ذکر عام طور پر کرتا رہا ہوں' وہاں پر بابے کچے کوٹھوں اور کچی چاردیواری کے اندر بیٹھ کر سوچ کی لہروں کو بہت دور دور تک پھینکتے رہے۔ یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ہم انہیں پکڑ نہیں سکے۔ کئی دہائیوں سے معلومات کی چڑیاں اڑتی رہی ہیں اور کئی دفعہ تو اس کا ٹڈی دل بھی آتا رہا ہے۔ اب تو ہمیں حکم دے دیا گیا ہے کہ یہ صدی ہی انفارمیشن کی ہے اور اس میں ہمیں بندھی بندھائی اور گھڑی گھڑائی معلومات ملتی رہیں گی۔

میں جب اپنے بابا حضرت سائیں فضل شاہ صاحب نور والے کا ذکر کیا کرتا ہوں تو وہاں ایک دفعہ جب کہ میں پڑھ لکھ کر ولایت سے آیا تھا اور بڑا لائق نوجوان تھا۔ انہوں نے کہا کہ زندگی چاہے کوئی زمان ہو' کوئی وقت ہو اور کیسا بھی مقام کیوں نہ ہو یہ ضروری نہیں ہے کہ نیکی سے نیکی سرزد ہوتی رہے اور برائی سے برائی سرزد ہوتی رہے۔ اب یہ ایسی بات تھی کہ مانی نہیں جاسکتی تھی کیونکہ ہم نیکی کا نتیجہ نیکی اور برائی کا برائی بھی گردانتے ہیں۔

ہم جو سب ان کی محفل میں بیٹھے تھے بضد ہو گئے کہ آپ ہمیں بتائیں کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہ کہ چلئے میں آپ کی آسانی کے لیے یوں کہہ دیتا ہوں کہ ''نیکی کو بھی اور بدی کو بھی ہر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

وقت خطرہ ضرور موجود رہتا ہے۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ بہت اچھے آدمی ہو گئے ہیں۔ بڑے تہجد گزار ہو گئے ہیں۔ آپ نے نیکی اور پاکیزگی کی زندگی بسر کرنی شروع کر دی ہے اور اب آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

ہم پھر بھی نہیں مانے۔

خواتین و حضرات! جو ڈیرے ہوتے ہیں وہاں مرغیاں' بکریاں' لنگر' دیگچے موجود ہوتے ہیں۔ وہاں ایک بکرا دیوار پر اگلی دو ٹانگیں رکھے اونچا پڑا لنگر کھا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر بابا جی نے کہا کہ دیکھ یہ بکرا ہے۔ یہ پاک ہے اور طیب ہے اور حلال ہے اور پاکیزگی کا Symbol ہے لیکن اس کی پاکیزگی کو بھی خطرہ بدستور لاحق ہے۔

ہم نے کہا "یہ کیا بات ہوئی؟"

وہ کہنے لگے کہ "یہی پاک طیب حلال بکرا اگر "جھٹکا" (ذبح کے علاوہ ایک ہی وار میں گردن اتارنے کا غیر مسلموں کا طریقہ) ہو جائے تو آپ اس کو ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے اور آپ کے لیے یہ گوبر میں تبدیل ہو جائے گا۔ نجاست بن جائے گا تو خطرہ ہر وقت موجود ہے۔"

پچیس چھبیس برس پہلے کی یہ سنی ہوئی بات ذہن کے کسی خانے میں ٹکی ضرور تھی لیکن پھر میں نے اس کے بارے میں کبھی جگالی نہیں کی۔ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد ہمارے دوست شہزاد احمد نے ایک کتاب لکھی "شوماخر" شہزاد احمد اقتصادیات کا ماہر ہے۔ انہوں نے ایسی کتابوں کا سلسلہ کافی عرصہ سے شروع کر رکھا ہے۔ ایک عرصے کے بعد ان کی یہ کتاب پڑھ کر میں بہت چونکا کہ جب کی بات واضح نہیں ہو پائی تھی اور وہ بات لوٹ کر میرے پاس آ گئی ہے اور یہ اب بھی مجھ سے پکڑی نہیں جاتی اور میری گرفت میں نہیں آتی۔

انہوں نے اپنی اس کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "اب بہت سے لوگ یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ معاشرے کی اخلاقی بنیاد نئی ہونی چاہیے اور اب اخلاق کی بنیادیں نئے سرے سے اٹھائی جانی چاہئیں کہ کیا اب یہ انصاف و عدل پر رکھنی چاہئیں اور جدید خطوط پر انہیں استوار کرنا چاہیے۔ کچھ لوگ گناہوں کے باعث بلند تر ہو جاتے ہیں اور نیکیوں کے باعث ذلیل ہو جاتے ہیں۔"

خواتین و حضرات! یہ سوچنے والی بات ہے ایسی باتیں انفارمیشن والے تو نہیں بتاتے۔

شہزاد احمد صاحب مزید لکھتے ہیں کہ "یہ قول میرا نہیں ہے بلکہ شیکسپیئر کا ہے اور اس کے ایک مشہور ڈرامے میں یہ بات ہے۔"

وہ لکھتے ہیں کہ "ضروری نہیں کہ نیکی ہمیشہ اچھی ہو اور برائی ہمیشہ بری ہو۔"

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ایک آدمی اچھی بات کرے یا کام کرے لیکن اس کا نتیجہ برا ہو۔ وہ لکھتے ہیں کہ "جب تک کسی نیکی میں باطن کی قوت موجود نہ ہو وہ محض ظاہری طور پر ہو تو وہ انتہائی کمزور نیکی ہوتی ہے۔"

میں نے عہد حاضر میں باطن کی نیکی یا قوت کا جو سب سے بڑا مظاہرہ دیکھا وہ ماؤزے تنگ (چینی رہنما) میں دیکھا۔ وہ مثبت اور لوگوں کی بھلائی کا کام کرتا تھا اور اپنے باطن کی بیٹری چارج کرنے کے لیے وہ لانگ مارچ کرتا تھا۔ لوگوں سے ملتا تھا۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمارے کسی محکمے کا بڑا کہتا ہے کہ جی میں فلاں شکایت کے ازالے کے لیے یا فلاں کام کے لیے پیچہ وطنی خود گیا یا فلاں دور دراز علاقے میں گیا لیکن خواتین و حضرات! اس کے اس سفر سے بھی خیر نہیں پڑتی۔ وجہ یہ ہوئی ہے کہ اس نے اس لانگ مارچ کی بنیاد نہیں رکھی۔ اس نے باطن کی طاقت سے استفادہ نہیں کیا ہوتا۔ جب میں نے شہزادا احمد صاحب کی کتاب میں لکھی یہ خوبصورت بات پڑھ لی اور میں نے اس پر غور کیا تو مجھے تیس پینتیس سال پرانا بابا جی کا واقعہ یاد آ گیا اور جب وہ بکرے والی مثال کا واقعہ یاد آیا تو مجھے اپنی ذات سے متعلق ایک واقعہ یاد آ گیا۔

1948ء میں میں پچیس سالہ کڑیل جوان تھا۔ بی۔اے کر چکا تھا۔ پاکستان کو بنے چند ماہ ہوئے تھے اور میں ایک جگہ چھوٹی سی نوکری کر رہا تھا۔ ان دنوں میں میں نے سوچا کہ مجھے صحافی بننا چاہیے اور مجھے یہ علم سیکھنا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ اس میدان میں نام پیدا کروں۔

ان دنوں مجھے محسوس ہونے لگا تھا کہ میں رائٹر بن سکتا ہوں۔ گو یہ وہم بعد میں دور ہو گیا لیکن آدمی نوجوانی میں کئی بے وقوفیاں کرتا ہے۔ ان دنوں "مغربی پاکستان" کے نام سے ایک اخبار نکلتا تھا اور اس کے ایڈیٹر میرے استاد تھے جو "حاجی بگل بطورہ" کے نام سے کالم لکھتے تھے۔ حالانکہ ان کا اپنا نام حاجی صالح محمد صدیق تھا۔ مجھ سے ذرا بڑے تھے ان کا چھریرہ بدن تھا۔ پان چباتے تھے اور نہایت پیارے آدمی تھے۔ میں بہت ہی خوش ہوں کہ مجھے ایسا اچھا استاد ملا۔ میں رات کو ان کے ساتھ کام کرتا تھا۔ خبریں لینی ان کا ترجمہ کرنا پھر انہیں چیف کاتب کو دینا۔ انہوں نے خوش خطی سے انہیں لکھنا۔ وہاں ایک کریڈ نکالنے والی پرانی وضع کی مشین ہوتی تھی جس سے انگریزی خبریں نکال کر ہم ترجمہ کیا کرتے تھے۔

میں یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے کرتا رہا اور اپنے استاد کی داد بھی حاصل کرتا رہا۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا کہ یہ تو خبروں کا ترجمہ ہے اور اس میں تم بہت اچھا کام کرنے لگے ہو لیکن اب تمہیں رپورٹنگ بھی کرنی چاہیے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں نے کہا کہ "سر وہ کیا ہوتی ہے؟"

کہنے لگے کہ "وہ ہم آپ کو بتائیں گے۔"

آپ باہر نکلیں، سیاستدانوں سے ملیں۔

اب اس زمانے کے سیاستدان بچارے بڑے بھلے سے لوگ ہوتے تھے۔ دیسی سے آدمی تھے۔ ان کے پاس پیسے بھی تھوڑے ہوتے تھے۔ نیا نیا پاکستان بنا تھا۔

میں ایک دو سیاستدانوں سے ملا۔ ان سے کچھ ایسی گرما گرمی نہیں ملی جیسی آج کل ملتی ہے۔ آج کل تو ان سے پٹاخے دار خبریں اور بیان ملتے ہیں۔ اس زمانے میں اپنے علاقے کے ایک بڑے امیر آدمی سے ملا۔ ان کا انٹرویو کیا لیکن میں رپورٹنگ نہیں کر سکا۔

ایڈیٹر صاحب نے کہا کہ "رپورٹنگ اور چیز ہوتی ہے یہ تو تم انٹرویو کر کے لائے ہو۔"

میں نے کہا کہ "پھر مجھے طریقہ بتائیں۔"

وہ کہنے لگے کہ "رپورٹنگ آپ کو اپنا آپ اپلائی کر کے، اپنے اردگرد دیکھ کر اس سے نتیجہ اخذ کر کے ہوتی ہے اور اپنے اردگرد سے ایک سٹوری بنانی ہوتی ہے۔"

میں نے کہا کہ "ٹھیک ہے جی میں یہ کروں گا۔ اب میں سمجھ گیا ہوں۔"

چنانچہ میں نے لاہور میں مال روڈ پر ریگل کے پاس کھڑے ہو کر ایک ایسے شخص کو دیکھا جو نیلے رنگ کی عینک لگا کر سڑک کنارے کھڑا ہوتا تھا اور وہ ساتھ والے بندے سے کہتا تھا "مجھے سڑک کراس کرا دیں، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔"

وہ بیچارہ نابینا تھا۔ جس کو وہ درخواست کرتا وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو سڑک پار کرا دیتا تھا۔ ان دنوں مال روڈ اس طرح ٹریفک سے بھرپور نہیں تھی۔ وہاں وہ تھوڑی دیر ٹھہرتا تھا۔ پھر کسی اور نئے بندے یا کلائنٹ سے کہتا تھا کہ "مجھے سڑک پار کرا دیں، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔"

اب سڑک پار کرتے کرتے وہ اتنے مختصر عرصے میں ایک ایسی دردناک کہانی اس شخص کو سناتا تھا جو اس کو سڑک پار کرا رہا ہوتا تھا کہ وہ بیچارہ مجبور ہو کر اس کو روپیہ، دو روپے ضرور دے دیتا تھا۔

خواتین و حضرات! میری رپورٹنگ یا حساب کے مطابق وہ شخص دن میں کوئی تہتر مرتبہ سڑک کراس کرتا تھا۔ اب میرے ہاتھ میں تو ایک بڑے ہی کمال کا واقعہ آ گیا۔ میں نے اس کے خلاف رپورٹنگ کی۔ اس زمانے میں کیمرہ ویمرہ تو ہوتا نہیں تھا لیکن کہانی بڑے کمال کی بن گئی اور جب وہ چھپی اور اس کا احوال لوگوں کے سامنے آیا اور اس کی چالاکی سے لوگ واقف ہوئے تو بڑی دھوم مچ گئی اور میری بڑی عزت افزائی ہوئی۔ میرے استاد بھی مجھ سے بڑے خوش ہوئے۔ اس سٹوری کی وجہ سے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اخبار دوبارہ بھی چھاپنا پڑا۔ اب میں پھولا نہیں سماتا تھا کہ میں نے کس قدر بڑا معرکہ سرانجام دے دیا ہے۔ میں نے اپنی ماں کو جا کر بتایا کہ میں اتنا نیک آدمی ہوں کہ تیرے بیٹوں میں اتنا نیک نہیں ہے۔ یہ دیکھو میں نے کیسا مضمون چھاپ دیا ہے اور لوگوں کا اس سے کتنا بھلا ہو گیا ہے۔

دو ماہ اور گیارہ دن کی مدت گزر جانے کے بعد میں نے چھوٹے قد اور سانولے رنگ کا ایک آدمی دیکھا جو نیلی عینک لگائے داتا دربار کے پاس لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ "مجھے سڑک پار کرا دیں' آپ کی بڑی مہربانی۔" اور لوگ اسے سڑک پار کرا رہے تھے اور وہ سڑک پار کرتے ہوئے اپنی داستانِ غم بیان کرتا تھا اور جو کچھ ملتا لے لیتا تھا۔ میں اسے دیکھ کر ٹھٹکا اور میں نے کہا کہ یہ اسی طرح کا ایک اور بندہ وہی کام کر رہا ہے۔ کوئی تین گھنٹے میں اسے دیکھتا رہا۔ جب وہ شام کو فارغ ہو کر جانے لگا اور اس نے عینک اتار کر اپنی جیب میں ڈال لی اور جو پیسے اس نے اکٹھے کیے تھے انہیں گننے لگا تو میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

میں نے کہا کہ "تم نے یہ کیا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔"

اب وہ گھبرا گیا اور ڈر گیا۔

میں نے کہا کہ "میں تمہیں ابھی پکڑ کر تھانے لے جاؤں گا۔ میں صحافی ہوں۔ ہم تو کسی کو چھوڑا نہیں کرتے۔"

اس نے کہا "صاحب میں مجبور آدمی ہوں۔ آپ میرے ساتھ ایسی زیادتی نہ کرنا میں مارا جاؤں گا۔"

میں نے کہا کہ "تم یہ کیوں کرتے ہو؟"

اس نے بتایا کہ "وہ منٹگمری (آج کل کا ساہیوال) میں محکمہ خوراک میں جونیئر کلرک ہے اور اس کی 270 روپیکے قریب تنخواہ ہے۔ یہاں لاہور سے ایک اخبار چھپا اس میں میں نے ایک مضمون پڑھا جس میں بڑی تفصیل کے ساتھ ایک واقعہ تھا کہ ایک آدمی اس طرح سے جعلی نابینا بن کر لوگوں کو سڑک پار کرانے کو کہتا ہے اور پیسے بناتا ہے۔ یہ پڑھ کر مجھ پر اللہ کا فضل ہو گیا اور میں نے کہا کہ یہی کام کرنا چاہیے۔ اس سے میرا بھی بھلا ہو گا۔ میرے گھر والوں کا بھی بھلا ہو گا چنانچہ میں نے یہ پیشہ اختیار کر لیا ہے اور میں اس سٹوری کے لکھنے والے کو اور اخبار کے مالک کو دعا دیتا ہوں کہ وہ اس طرح سے میرا سہارا بنے اور مجھے گائیڈ کیا۔"

میں یہ باتیں بڑی عاجزی کے انداز میں اور دست بستہ ہو کر کر رہا ہوں کہ "شوماخر' شیکسپیئر یا اشفاق احمد اپنی سوچ کے مطابق بات کرتے ہیں یا لکھتے ہیں لیکن آپ کا بھی ذہن ہے۔ آپ جس

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مقام پر بھی ہوں' آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ میں انفارمیشن سے کس طرح سے دور ہو جاؤں۔ ضروری نہیں کہ آپ کسی بہت بڑے رتبے پر فائز ہوں یا فلاسفر ہوں۔ جس طرح پھاوڑے سے گوبر کھینچا جاتا ہے۔ اس طرح سے آدمی اپنے اندر سے میں کو نکالے اور خود کو اس علم و دانش کے سپرد کرے جس کی توقع انسان سے خدا کرتا ہے۔

میں یہ بنی تنی بات ہی نہ کہہ دیا کروں کہ "بس یہی ٹھیک ہے۔"

میں غور ضرور کروں۔ گو میں نے اپنے تئیں وہ سٹوری لکھ کر اچھا کام کیا تھا لیکن وہ گھوم کر میرا طیب اور حلال بکرا اُس طرح جھٹکے کا شکار ہو گیا۔ جب تک آپ کے اندر باطن کی قوت موجود نہیں ہوگی اس وقت تک آپ کے سارے اچھے کام' میٹھے چاول پکا کر تقسیم کرنا' دیگیں بانٹنا' میلاد شریف میں تشریف لے جانا فائدہ نہیں دے گا۔ جب تک باطن کی بیٹری چارج نہیں ہوگی تو سارے کا سارے ڈھنڈار ویرانہ رہے گا۔ اس میں پھول کلیاں نہیں کھلیں گی۔ مجھے امید ہے آپ سارے اس پر توجہ فرمائیں گے اور حلال بکرے کو حرام نہیں کریں گے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

''مسٹر بٹ سے اسلامی بم تک''

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کو سلام پہنچے۔

زندگی پر کچھ دباؤ ایسے ہوتے ہیں کہ برداشت سے باہر ہو جاتے ہیں بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ جتنے بھی دباؤ ہیں اور جتنی بھی گھٹن ہے وہ انسان کو بہت پریشان کرتی ہے اور اکثر و بیشتر انسان اس دباؤ کے نیچے آ کر اتنا پریشان ہوتا ہے کہ اس کے پاس شکایت کا ایک ہی مسئلہ رہ جاتا ہے کہ میری حالت بڑی خراب ہے اور میں مشکل میں مبتلا ہوں۔

ہماری ایک عزیزہ ہیں' ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ وہ شہید ہو گیا۔ وہ بڑی پریشان رہتیں۔ باوصف اس کے وہ تسلیم کرتیں کہ بیٹے کی شہادت کی صورت میں اللہ نے اسے بہت بڑا درجہ دیا ہے لیکن وہ کہتی ہے کہ میں انسان بھی تو ہوں اور انسان ہونے کے رشتے سے یہ جو دباؤ مجھ پر پڑا ہے' یہ بڑا تکلیف دہ ہے۔ ایک پروفیسر صاحب ان سے ملنے آئے۔ انہوں نے کہا کہ ''دیکھیں اللہ نے آپ کو کچھ علم عطا کرنے کے لیے سنگل آؤٹ کیا ہے اور کسی پر یہ دباؤ نہیں ڈالا بلکہ اس دباؤ کے لیے آپ کا انتخاب کیا ہے۔ یہ آپ کی نشوونما کے لیے اور افزائش کے لیے بہتر ہو گا گو ہماری عزیزہ نے پروفیسر صاحب کی بات نہیں مانی اور وہ ان سے بحث کرتی رہیں اور شاید وہ اس بحث میں ایک حد تک جائز بھی تھیں کیونکہ جب بھی ہم پر کوئی دباؤ پڑتا ہے اور ہم کسی تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں تو ہمیں سوائے رونے' شکوہ کرنے اور بسورنے کے کچھ نہیں آتا۔

وہ طاقت جو اللہ نے ہمیں عطا کی ہے اس سے ہم نے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس سے فائدہ نہ اٹھانے والوں میں میں بھی آپ کے ساتھ شامل ہوں۔ باتیں تو آ جاتی ہیں لیکن عملی طور پر ہم کچھ نہیں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کر پاتے ہیں۔

جب آپ محسوس کرتے ہیں کہ زندگی پر کوئی دباؤ پڑا ہے' کوئی پریشانی یا الجھن آن پڑی ہے' تو اس وقت دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ یہ دباؤ جو مجھ پر پڑ رہا ہے اور میرے اندر جو گھٹن پیدا ہو رہی ہے' یہ مجھے ایک نئی دنیا' نیا سبق اور نیا باب عطا کرنے کے لیے ہو رہی ہے۔ وگرنہ خدا ظاہر ہے نا انصاف تو نہیں ہے۔ وہ آپ کو کچھ عطا کرنا چاہتا ہے اور اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ آپ کو چھوٹے سے دباؤ کے امتحان سے گزار کر چیک کر رہا ہے۔ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں کو تکلیف میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتی کہ مجھے کہیں سے بنا بنایا کسی ڈیپارٹمنٹل سٹور سے مل جائے اور مجھے تکلیف برداشت نہ کرنی پڑے۔

ڈاکٹر کہتے ہیں کہ جس تکلیف میں سے ڈلیوری کے وقت ماں گزرتی ہے اور جو بچہ پیدا ہوتا ہے' وہ اپنی ماں سے دس گنا زیادہ تکلیف میں سے گزرتا ہے' پھر کہیں جا کر تخلیق ہوتی ہے۔

خواتین و حضرات! تخلیق ایسے ہی نہیں ہو جاتی۔ جب آپ بہت اعلیٰ درجے کے بیج کو سیڈ کارپوریشن سے خرید کر اسے پانی سے دھو کر طشتری میں رکھ کر اس پر پنکھی جھلتے رہیں اور ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں رکھیں اور گانا گاتے رہیں گے تو اس بیج کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ وہ خراب تو پڑا پڑا ہو جائے گا' اُگے گا نہیں کیونکہ اسے اُگانے کے لیے زمین کے اندر دفن ہونا پڑے گا۔ اپنے مطلوبہ Process سے گزرنا پڑے گا۔ دھرتی کا بوجھ برداشت کرنا پڑے گا۔ اسے مخصوص وقت کے لیے گھٹن سہنی ہو گی' پھر جا کر وہ باہر سر نکالے گا اور پھر جا کر وہ کونپل بنے گا اور بوٹا بنے گا۔ یہ نہیں کہ Comfortable Situation میں وہ آرام دہ طریقے سے بوٹا بن جائے گا۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ یہ جو دباؤ ہے' یہ جو مصیبت ہے یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اگر بیج پر یہ مصیبت نہ پڑے تو پھر دیکھیے کہ ہم پر گزرتی ہے۔

میری بیوی مجھے کہنے لگی کہ "یہ ہرا دھنیا بڑا واہیات ہے۔ دفع دور اس میں تو کوئی خوشبو ہی نہیں۔ نہ اس کے پتے لچکدار ہیں نہ پھول نکلتے ہیں۔"

مجھے خیال آیا کہ اس کی مدد کرنی چاہیے۔ میں نے جا کر اکبری منڈی سے کئی دکانوں پر تحقیق کرنے کے بعد پرانے زمانے کے خوشبودار دھنیا کے بیج دریافت کیے۔ انہوں نے مجھے وہ پرانے زمانے کے ایک گرام دھنیا کے بیج دے دیئے۔ میں نے انہیں گھر میں ایک چھوٹی سی کیاری میں بو دیا۔ انہیں پانی بھی دیتا رہا۔ ایک دن میری حیرانی کی انتہا نہ رہی کہ وہ ہلکے ہلکے بیج زمین کے اندر پہنچنے کے بعد نمی حاصل کرنے کے بعد اور زمین کے اندر سخت چیخ و پکار کے بعد جیسے ہم مشکل پڑنے پر کرتے ہیں'

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

زمین سے سر نکال رہے ہیں۔ میں نے انہیں دیکھتے ہی چیخ کر آواز دی۔ بانو بھاگ کر آؤ' بیج' دنیا کا نازک ترین دھنیا کا پودا' پوری دھرتی پھاڑ کے باہر نکل آیا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ اس ننھے سے بیج اور اس کے پودے میں کتنی معمولی طاقت ہوتی ہے لیکن وہ گھٹن کے لمحے گزار کر زمین کا سینہ چیرنے میں بالآخر کامیاب ہو ہی جاتا ہے اور بوجھ برداشت کرنے کے بعد اس میں اتنی طاقت آ جاتی ہے کہ وہ کرۂ ارض کو پھاڑ کر باہر آ جاتا ہے۔

جو ہم مشکل پڑنے پر ''بھیں بھیں'' رونا شروع کر دیتے ہیں' تو یہ بڑی ندامت کی بات ہے۔ ایک ننھا بیج اگر گھٹن اور سختیوں کا مقابلہ کر سکتا ہے تو ہمیں جان کے لالے کیوں پڑ جاتے ہیں۔

لڑکیوں کو ایک لفظ ملا ہوا ہے Baba Why Me?

فلاں لڑکی تو بڑے مزے میں پھرتی ہے۔ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے؟

میں کہتا ہوں کہ بچے ''ذرا انتظار کرو اس مصیبت کے اندر سے ایک ایسی چیز پھوٹنے والی ہے جس کا تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے۔ ہم اگر اپنی زندگیوں کو دیکھیں تو ہم ایسی باتوں سے باہر نہیں نکلتے کہ ہمارے ساتھ یہ غلط ہو گیا۔ فلاں بندہ ہمارے پیسے لے کر بھاگ گیا۔ بھئی وہ تو بھاگ گیا ہے لیکن آپ کو بہت کچھ عطا کر کے چلا گیا ہے۔

جب ہم مسلمانوں کی بنا پڑی ہے یا ''ڈھ'' پڑا ہے تو خدا نے ہمارے لیے ایک جگہ منتخب کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ ''یہاں میرا گھر بناؤ۔''

اب بابا ابراہیم بیچارے' وہ ماننے والے تھے اور ان کی کمال کی شخصیت تھی۔ وہ جدالانبیاء تھے۔ اگر آپ ان کی زندگی کا مطالعہ کریں تو آپ کو ان پر اتنا پیار آ جائے گا کہ آپ آبدیدہ ہو جائیں گے۔ ایک وہ تھے اور ایک ان کے فرمانبردار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ ابا خدا کے گھر کی تعمیر کے لیے گارا لگا رہے ہیں اور بیٹا اینٹیں پکڑا رہا ہے۔ لق و دق صحرا ہے' نہ بندہ ہے نہ بندے کی ذات' نہ سایہ ہے نہ گھاس' وہاں پانی بھی نہیں ہے۔ اب سخت رونے کا مقام تو وہ ہے ناجی۔

کہ حکم بھی مل گیا ہے تعمیر کا اور کوئی سہولت بھی نہیں ہے۔

لیکن آپ ماننے والوں کو دیکھئے کہ وہ کس قدر طاقتور ہیں انہوں نے حکم ملتے ہی کہا ''بسم اللہ۔''

یعنی اگر وہاں پر میں ہوتا اور میرے ساتھی ''دانشور'' ہوتے تو ہم اللہ میاں سے کہتے کہ اللہ میاں آپ نے یہ کونسی جگہ کا انتخاب کیا ہے۔ یہاں Means of Communication ہونے چاہئیں۔ اچھی سڑکیں ہونی چاہئیں۔ اسلام وہاں سے شروع ہونا چاہیے جہاں آنے جانے والے لوگ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہوں، گاڑیاں، ہوائی جہاز آتے ہوں۔ آپ نے کون سی فضول سی جگہ منتخب کر لی۔ اللہ میاں معاف کرنا، یہ جگہ ٹھیک نہیں ہے۔

خواتین و حضرات! اللہ بہتر جانتا تھا، اپنے بندے کو بھی جانتا تھا اور جگہ کے انتخاب کو بھی۔ ہم نے یہی کہتے رہنا تھا کہ اگر اسلام کو پیدا کرنا ہے تو سوئٹزر لینڈ میں پیدا کرتا، ٹھنڈی ٹھار اور پیاری جگہ ہے۔ یہاں لوگ زیادہ مسلمان ہوں گے۔ ہم نے یہ ہی دلیل دینی تھی کہ آسانیاں ہوں گی تو فائدہ ہوگا لیکن علیم مطلق بہتر طور پر جانتا ہے اور جب اللہ کا گھر اتنی مشکل کے بعد بن گیا جس کا آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ گھر بن چکنے کے بعد اللہ نے فرمایا کہ "اے ابراہیم اب یہاں اذان دے۔ لوگوں کو حج کے لیے بلا۔"

اب ابراہیم حیران ہوئے ہوں گے کہ ہم یہاں دو اکیلے کھڑے ہیں۔ یہاں حج کے لیے کون آئے گا۔

اللہ نے فرمایا کہ "اے ابراہیم تو لوگوں کو بلا، لوگ چاروں اطراف سے چلتے آئیں گے۔ وہ لاغر اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں گے۔"

اس حکم کے بعد اذان ابراہیم گونجی اور دین کی روشنی وہاں سے پھوٹی۔ ہم سب جو آج یہاں بیٹھے ہیں، اسی ریگستان کے دباؤ اور پریشر کی وجہ سے بیٹھے ہیں۔ ہم ایک ارب بائیس کروڑ بلکہ اس سے بھی زیادہ مسلمان بیٹھے ہیں۔ یہ اسی ریگستان کی رحمت کے باعث ہیں۔

ہم یہ جو ملازم پیشہ لوگ ہیں انہیں باس ذرا سا وضاحت کا لیٹر بھیج دیں یا وضاحت مانگ لیں تو نہ دن اچھے لگتے ہیں نہ راتیں۔ نہ گھر والے اچھے لگتے ہیں۔ خودکشی کے سامان ہونے لگتے ہیں کہ ہائے یہ کیا ہو گیا۔ اگر ہم کسی اعلیٰ مرتبے والے شخص سے پوچھیں کہ اسے یہ مقام کیسے حاصل ہوا ہے تو ہمیں پتہ چلے گا وہ کس طرح قدم بہ قدم منازل طے کرتا ہوا نیچے سے اوپر آیا ہے۔ وہ کن مشکلات سے گزر کر یہاں تک آیا ہے اور ان مشکلات نے اس کو کس طرح سے قدم قدم پر نیا جنم دیا ہے۔

خواتین و حضرات! جب پاکستان بنا ہے اور جن لوگوں نے وہ زمانہ دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس وقت ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ ہمارے ملازمین کو دینے کے لیے دو ماہ کی تنخواہ بھی نہیں تھی اور دباؤ اس قدر تھا کہ کوئی ہمارا سجن اور دوست نہیں تھا لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ وہ دباؤ اللہ کی بڑی مہربانی تھی اور اللہ نے ان مشکلات کی وجہ سے ہمیں برکت عطا کی اور جو ہمارے ہم عصر تھے، جو ہمارے ہی مذہب سے تھے اور اطلس و کمخواب میں لپٹے تھے۔ جن کے ہاں سے پٹرول کے کنویں اُبل رہے تھے اور سونے کی ٹونٹیاں استعمال کرتے تھے، وہ آگے نہیں بڑھ سکے۔ سارے عالم اسلام میں سے آپ کا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ملک اللہ کے فضل سے سب سے آگے ہے۔ ساری دنیا کی نظریں اس پر جمی ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے مارو۔ یہ تو اس کے بارے میں ہی کہا جاتا ہے نا جس میں کچھ طاقت ہو اور جو آنکھوں میں کھٹکتا ہو۔ ساری خرابیوں کے باوجود جب میرے پاکستانی میرے پاس سے گزرتے ہیں تو میں دل ہی دل میں انہیں سلام کرتا ہوں۔ کوئی سراج دین جا رہا ہوتا ہے' کوئی نور دین ہے' کوئی ڈاکٹر ہے اور کوئی وکیل ہے۔ یہ اپنی تمام تر خرابیوں کے باوجود ایک لڑائی لڑ رہے ہیں اور بہادری کے ساتھ نبرد آزما ہیں۔

پلیز اللہ کے واسطے انہیں Run Down نہ کریں' ان کی مذمت نہ کریں کیونکہ 1947ء سے لے کر اب تک وہ پاکستان کو اس جگہ لائے ہیں' اس میں انہیں کا کردار ہے' آپ کے لیڈر کچھ نہیں کر سکے۔ یہ اپنے اپنے مقام پر لڑتے ہیں۔ مشکلات کا مقابلہ کرتے ہیں اور ایک ایک انچ کے اوپر ہار نہ مانتے ہوئے انہوں نے ملک کو اس مقام تک پہنچایا ہے۔ آج جب بڑی طاقتیں اس ملک کو تباہ و برباد کرنا چاہتی ہیں' تو اس میں ضرور کوئی بات ہے۔ سارے عالم اسلام میں سے پاکستان واحد ملک ہے جو نیوکلیئر پاور رکھتا ہے۔ نہ ہمارے پاس پیسہ ہے نہ دھیلا ہے۔ ایک ایک ربڑ' ایک ایک پیچ جانے کہاں کہاں سے حاصل کر کے ہم نے پاور حاصل کی ہے۔

ہم نے ایک فلم دیکھی تھی "ISLAMIC BOMB" اس کا نام تھا۔

فلم میں ایک شخص پر کیمرہ لگایا ہوا تھا جس شخص پر کیمرہ لگا تھا' اس کا نام مسٹر بٹ تھا۔ وہ فرانسیسی فلم تھی۔ مسٹر بٹ کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ یہ بڑا چالاک آدمی ہے جو پاکستانی ایمبیسی میں اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ میں ہے۔

یہ اپنے دفتر سے نکلے گا اور کباڑیوں کی منڈی میں جائے گا اور ہدایات کے مطابق یہ اس خاص قسم کے پیچ یا پرزے کو تلاش کرے گا جو انہوں نے اپنے "اسلامی بم" جس کا انہوں نے قوم سے وعدہ کیا ہے' اس میں استعمال کرنا ہے۔

وہ مسٹر بٹ گلگو سا تھا۔ وہ کمرے سے نکلتا ہے۔ اس نے اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوتے ہیں۔ دائیں بائیں دیکھتا ہے کہ کہیں کوئی اسے Follow تو نہیں کر رہا ہے۔ اس کے بعد وہ کباڑیوں کی جانب چل پڑتا ہے اور اپنے ٹاسک پر کام شروع کر دیتا ہے۔ ہم نے اس نیوکلیئر پاور کے لیے ایک ایک چیز اکٹھی کی۔ ایک ایک تنکا اکٹھا کیا اور یہ صلاحیت حاصل کی۔ ساری خرابیوں کے باوجود ہم پاکستان نے اور فرانسیسی فلم کے مسٹر بٹ نے اور کئی لوگوں نے پُرزہ پُرزہ اکٹھا کیا اور وہ پاور حاصل کی جسے دنیا "اسلامی بم" کہتی ہے۔

لمبی بات اس لیے کی کہ آپ باوصف اس کے کہ اپنے لوگوں میں بڑی خرابیاں ہیں' انہیں اللہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کے واسطے برا نہ سمجھیں اور اپنے آپ میں یکجہتی پیدا کریں۔ اپنے لوگوں کو طعنہ نہ دیں' یہ عادت ختم کریں۔ اگر فرض کریں کہ کسی میں کوئی خرابی ہے' محلے کا کوئی دکاندار کم تولتا ہے' ہیرا پھیری کرتا ہے تو بجائے اسے کچھ کہنے کے' طعنہ دینے کے یا برا بھلا کہنے کے' اپنے گھر میں جائے نماز بچھا کر دو نفل پڑھیں اور خدا سے دعا کریں کہ "اے اللہ میاں یہ جو نورا' غفورا یا جو بھی دکاندار ہے تو اس کی مدد کر اور اس میں سے فلاں خرابی نکال دے۔"

آپ کو سات دن نہیں لگیں گے' میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کا راستہ سیدھا ہونے لگے گا۔ اگر آپ اس کے ناک میں دم کریں گے' اسے کوسنے دیں گے' بے ایمان کہیں گے تو بات مزید خراب ہو جائے گی۔

حضور نبی اکرمؐ رحمت للعالمین تھے' ہیں اور رہیں گے۔ انہیں یہ ٹائٹل بندوں نے نہیں دیا وہ انہیں کسی اور جگہ سے عطا ہوا ہے۔ اگر اس رحمت کا ہم ذرا سا ذرّہ اپنے اندر گھلا لیں اور یہ تسلیم کر لیں کہ میں نے رحمت کا یہ ذرّہ اس ریگستان سے چنا ہے جو انبیاء کے رہنے کی جگہ تھی تو پھر وہ ذرّہ آپ کی بڑی مدد کر سکتا ہے۔ اگر ہم اپنوں کے خلاف کالم لکھتے رہے' ایڈیٹوریل لکھتے رہے تو نفرتیں اور بڑھ جائیں گی۔ یقین کا دامن اور چھوٹا چلا جائے گا۔ پھر آپ کبھی بھی ویسا حرم نہیں بنا سکیں گے جیسا حرم بنانے کی ہمیں آرزو ہے۔

اللہ آپ کو خوش رکھے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

روشنی کا سفر

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچتے۔

آج سے کئی برس پہلے کی بات ہے۔ میں ایک رسالہ دیکھ رہا تھا تو اس میں ایک تصویر نما کارٹون تھا۔ جس میں ربڑ کی ایک بہت مضبوط کشتی گہرے سمندروں میں Deep Seas میں چلی جا رہی تھی اور غالباً اس کشتی میں سوار لوگ کسی خاص قسم کی مچھلی کا شکار کرنے نکلے تھے (اس کارٹون سے اس قسم کا تاثر ملتا تھا) اس ربڑ کی مضبوط کشتی کے ایک طرف سوراخ ہو گیا اور سمندر کا پانی بڑے دباؤ کے ساتھ کشتی کے اندر داخل ہونے لگا۔ کشتی میں جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے' وہ ڈبے' گلاس اور مگ لے کر یا جو بھی کچھ ان کے پاس تھا پانی نکالنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس کشتی کی دوسری سائیڈ پر جس طرف سوراخ نہیں ہوا تھا جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ انتہائی پرسکون نظر آ رہے تھے۔ جس طرح ہم اس پروگرام میں بیٹھے نظر آ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ ہمیں بھی کشتی سے پانی نکالنا چاہیے لیکن اس کے ساتھیوں نے کہا کہ دفع کرو یہ ہماری سائیڈ تھوڑی ہے۔ اس سے ہمارا کیا تعلق۔ وہ خود ہی نکال لیں گے۔

خواتین و حضرات! انسانی رویوں میں بڑی خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ میں الگ تھلگ اپنی ایک دنیا کا باسی ہوں۔ میرا اپنا ایک ماحول ہے اور میں باقی کی دنیا سے متعلق نہیں ہوں۔ جیسے بش اور بلیئر (امریکی صدر جارج ڈبلیو بش اور برطانیہ کے وزیراعظم ٹونی بلیئر) سمجھتے ہیں کہ ہمارا ساری دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم ایک مخصوص علاقے کے بندے ہیں۔ پانی اگر ایک سائیڈ سے آ رہا ہے تو شوق سے آئے ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہم اپنے انداز سے چلیں گے اور موج میلا کریں گے حالانکہ حقیقت میں ایسے نہیں ہے۔ ہم سارے کے سارے ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں۔

جب زندگی میں بہت مشکل پڑتی ہے، بہت الجھنیں ہوتی ہیں (اللہ نہ کرے کہ آپ پر ایسی الجھنیں پڑیں جو آپ کی روح کے اندر تک اتر جائیں) تو پھر آپ کو احساس ہونے لگتا ہے کہ انسان کا انسان کے ساتھ تعلق ہے۔ انسان غیر ارادی اور غیر محسوس طور پر دوسرے آدمی کے گرد دھمال ڈالتا رہتا ہے۔ ہماری روح کا ایک حصہ جو ہے اپنی مرضی سے خود بخود ایک چکر کاٹتا رہتا ہے جس کا تعلق دوسرے لوگوں سے ہوتا ہے۔ باوصف اس کے کہ مجھے اپنا پڑوسی بہت برا لگتا ہے۔ مجھے اپنے ساتھ کام کرنے والے بہت برے لگتے ہیں۔ مجھے اپنا باس زہر لگتا ہے لیکن میری وابستگی اس کے ساتھ ساتھ چلی آ رہی ہے۔ خدانخواستہ آپ کا دادا یا آپ کے ابا حضور جو ایک بہت خوفناک بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں اور حکیم ان سے یہ کہے آپ کسی قسم کی غذا نہیں کھا سکتے یا اسے ہضم نہیں کر سکتے۔ لہٰذا آپ تین منقہ مویز (بغیر بیج کے سوکھا ہوا بڑا انگور) کے دانے ہی صبح کے وقت کھائیں، یہ آپ کے لیے کافی ہیں اور آپ جب اس منقے کو لینے کے لیے بازار جاتے ہیں اور آپ کے لیے یہ ایک نئی چیز ہے کیونکہ آپ نے اس کا نام سنا ہوتا ہے، اسے دیکھا نہیں ہوتا تو آپ کے پہلو سے وہ بابا ضرور گزرتا ہے جو بلوچستان میں بڑا انگور بوتا ہے اور جہاں انگور اگائے جاتے ان کھیتوں کھلیانوں کی آبیاری بھی کرتا ہے۔ ان کا خیال بھی رکھتا ہے۔ وہ آپ کے مریض ابا کے لیے یا مریض دادا کے لیے انگور تیار کر رہا ہے۔ اس کو آپ کے ابا یا دادا کا نہیں پتہ اور انہیں اس بابا کا نہیں پتہ لیکن انسان بھی ایک عجیب رشتے میں بندھا ہوا ہے۔ انسان، زمین، سورج چاند ستارے یہ آپس میں بندھ کے چلتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں اور یہ سلسلہ ہمارے اردگرد رواں دواں رہتا ہے اور یہی خیال بندے کو روشنی عطا کرتا ہے۔

بڑی دیر کی بات ہے میں اس وقت تقریباً جوان ہی تھا۔ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ پروگرام بنایا کہ اس سال جب نیا سال طلوع ہوگا تو ہم وہ سال کسی کھلی جگہ یا کھلے علاقے میں منائیں گے۔ اسی شہر میں انہیں پرانے لوگوں کے ساتھ اس بار نہیں منائیں گے کہیں اور ہی چلیں گے۔ ہم نے رینالہ خورد کا انتخاب کیا (یہ پتوکی کے قریب ایک قصبہ ہے اور لاہور سے ساہیوال کے راستے میں آتا ہے) رینالہ میں میرے بھائی کا ایک مرغی خانہ تھا، وہ ویرانے میں تھا، ساتھ نہر تھی۔

ہم 31 دسمبر کی صبح وہاں پہنچے اور ہمیں بتا دیا گیا کہ یہ کچا کوٹھا آپ کا ہے اور آپ یہیں رہیں گے۔ وہاں مرغیوں کے رہنے کے لیے پکے کوٹھے تھے جبکہ بندوں کے رہنے کے لیے نہایت واہیات قسم کے کچے کوٹھے تھے لیکن اب ہم کیا کر سکتے تھے، مجبوری تھی کہ نئے سال کی شروعات گھر سے باہر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اور کھلے مقام پر ہی کرنی تھی' یہ عزم جو کر رکھا تھا۔

جب ہم نے وہاں اپنا اڈہ جما لیا تو میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ "بانو دیکھو یہاں سردی بہت ہوتی ہے۔"

بانو کہنے لگی کہ "کچی دیواروں سے سردی اور گرمی نہیں آتی۔"

میں نے کہا کہ "Scientifically تو ٹھیک ہے لیکن سائنس سے ماورا ایک جسم بھی ہوتا ہے جو گرمی و سردی کو ایک اور طرح سے محسوس کرتا ہے۔"

آپ نے کئی بار دیکھا ہوگا کہ آپ دن بھر کام کرتے رہے ہیں اور ایک نارمل سا دن گزارتے ہیں۔ اگلے دن اخبار میں پڑھتے ہیں کہ کل 117 ڈگری فارن ہائیٹ درجہ حرارت تھا۔ آپ کہتے ہیں توبہ توبہ کل اس قدر گرمی پڑی ہے لیکن آپ کو پتہ نہیں چلتا ہے۔ میں نے بانو سے کہا کہ "سائنس اور تھرما میٹر والی گرمی یا سردی اور ہے۔ بدن اور روح کی گرمی اور ہے۔"

میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ "میں تمہیں Warn کرتا ہوں کہ سردی سے بچنے کا خصوصی تجربہ ہونا چاہیے۔ مجھے علم ہے کیونکہ میں ایک پینڈو آدمی ہوں۔ میں نے دیہاتوں میں سردیاں گزاری ہوئی ہیں۔"

اس نے کہا کہ "پھر ہم کیا کریں گے۔"

میں نے کہا کہ "ہم دن بھر لکڑیاں یا ایندھن اکٹھا کریں گے اور شام کو اپنے کمرے میں ایک چھوٹا سا آلاؤ جلائیں گے۔ اس طرح کمرہ گرم رہے گا تو آسانی رہے گی۔"

میری بیوی بھی کہنے لگی کہ "ٹھیک ہے۔"

ہم دن بھر نہر کی پٹری کے کنارے ایندھن اکٹھا کرتے رہے۔ ہم نے کیکر کے درختوں کی چھال اور سوکھی ہوئی ٹہنیاں اکٹھی کیں اور سارا دن اس دوران "بیے" کے گھونسلے دیکھتے رہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ "بیا" پرندہ بڑا خوبصورت گھونسلا ڈالتا ہے۔ وہ بغیر آرکیٹیکٹ کی مدد کے اپنا گھر بڑا خوب صورت بناتا ہے۔ اس کے گھونسلے کے کئی حصے ہوتے ہیں۔ کئی پورشن بناتا ہے۔ اس کی بیوی اور بچوں کے رہنے کا کمرہ الگ ہوتا ہے۔ اس کا اپنا کمرہ الگ ہوتا ہے۔ اس نے دانے الگ سے سٹور کیے ہوتے ہیں۔ ہم زمین پر گرا "بالن" اکٹھا کر کے اپنی کچی کوٹھڑی میں رکھتے رہے۔ جب شام ہوئی تو ہم نے باہر سے ہی اینٹیں لا کر ایک گز لمبا اور ایک گز چوڑا "چوبچہ" سا بنا لیا تاکہ اس میں لکڑیاں رکھ کر آگ لگا سکیں۔

مجھے خوشی کی گھڑیوں والا وہ دن اب شدت سے یاد آ رہا تھا۔ اس دن ہم نے عجیب سی ایک

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خوشی محسوس کی تھی۔ جب سردی اتری تو ہم نے وہاں آگ جلائی اور دروازہ بند کر لیا۔ ہم دونوں میاں بیوی وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور سردی دروازے کے چھیدوں سے اندر آنے کی کوشش کرتی رہی۔ ہم ہر طرح کی بات اور ہر طرح کے فلسفے پر محوِ گفتگو رہے اور آگ جلتی رہی۔ آدھی رات کے وقت وہ آگ بجھنے لگی اور تہہ نشین ہوتی گئی اور کمرے میں تاریکی ہو گئی اور جو آگ کی روشنی کے سائے کمرے کی دیواروں پر پڑ رہے تھے وہ بھی ختم ہو گئے۔

اس اندھیرے سے گھبرا کر بانو قدسیہ نے کہا کہ "کیا اب اندھیرا ہی رہے گا۔"

میں نے کہا کہ "ہاں، مجبوری ہے۔"

تاریکی میں بھی کچھ وقت گزارنا چاہیے۔ وہاں ایک Angle Iron کا چھوٹا سا ٹکڑا پڑا تھا۔ میں نے اسے لے کر وہ بجھتی ہوئی آگ کریدنی شروع کر دی اور میں اسے "پھرولنے" لگا۔

میں نے محسوس کیا کہ جوں جوں لکڑی کا کوئی ٹکڑا جو نیم جلا تھا وہ جب دوسرے کے ساتھ جڑتا تو وہ دھک سے روشن ہو جاتا۔ جوں جوں وہ ایک دوسرے سے الگ ہوتے تو وہ بجھ جاتے اور تاریکی بڑھ جاتی۔ چنانچہ میں نے ایک خاص وضع کے ساتھ ان کو اکٹھا کرنا شروع کیا اور جب میں نے انہیں بجھتے شعلوں کے ساتھ رکھا تو پھر سے کمرہ روشن ہو گیا اور کمبل میں لپٹی میری بیوی کا سایہ اتنا بڑا ہو گیا جتنا پہلے نہیں تھا۔

میں نے بانو سے کہا کہ "دیکھو، روشنی کا کھیل بھی عجیب ہے۔ جب سورج غروب ہونے لگتا ہے تو چھوٹے آدمیوں کے سائے بھی بڑے بڑے ہو جاتے ہیں اور اللہ بھی یہ بار بار کہتا ہے کہ ہم تم کو ظلمات اور اندھیرے سے روشنی کی طرف لائے ہیں۔ روشنی اللہ کا ایک بہت بڑا پیام ہے۔"

اللہ خود ہی اپنے حوالے سے بتاتا ہے کہ "ترجمہ:- اللہ آسمانوں اور زمینوں کا ایک نور ہے۔ وہ شمع دان کے اندر جلتی ہوئی ایک بتی ہے جو ایک ایسے تیل سے روشن ہے جو نہ مشرق کا ہے نہ مغرب کا ہے اور نہ ہی وہ تیل ہے۔"

خواتین و حضرات! اللہ تعالیٰ روشنی کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔

جو بڑا آرٹسٹ ہوتا ہے جب وہ اپنی پینٹنگز بناتا ہے تو سفید رنگ استعمال نہیں کرتا۔ وہ سفید رنگ والی جگہ چھوڑتا جاتا ہے۔ میں اٹلی میں رہا ہوں اور میں نے وہاں آرٹسٹوں کو کام کرتے بہت دیکھا ہے۔

وہ دوسرے رنگ بکھیرتے جاتے ہیں اور سفید جگہ کو ضرورت کے مطابق چھوڑتے جاتے ہیں۔ اس سے ظلمات ایک طرف ہوتا جاتا ہے اور نور ایک طرف رہتا ہے اور تصویر کی پوری ماڈلنگ ہو جاتی ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خیر ہم اس کچے کمرے میں جلتے الاؤ میں اپنے سائیوں کو دیکھتے رہے اور خوش ہوتے رہے اور روشنی کی خوبصورت نعمت کو محسوس کرتے رہے۔ ہم نے اندازہ کیا کہ روشنی تب آتی ہے جب دو چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھیں۔ جب الگ الگ ہو جائیں گی پھر روشنی نہیں ہوگی' پھر ظلمات ہوگا' وابستگی بہت ضروری ہے۔ بندے کا بندے سے تعلق ضروری ہے۔ چاہے اسے پتہ ہو چاہے نہ پتہ ہو۔ ہم کسی سے چاہے کتنی ہی نفرت کر لیں لیکن تعلق کا ایک دائرہ ہمیشہ آپ کے گرد کام کرتا رہتا ہے اور آپ کو تقویت فراہم کرتا رہتا ہے جبکہ آپ اکیلے اپنے آپ کو اتنی تقویت نہیں بخش سکتے۔ کبھی بھی آپ اپنے بوٹ کے تسمے خود کھینچ کر اپنے آپ کو ہوا میں نہیں اٹھا سکتے۔ کوئی بندہ آپ کو ''جپھی'' ڈال کے اونچا اٹھا سکتا ہے۔ مجھے روشنی سے ایک بات یاد آ گئی۔ بڑی توجہ طلب اور لطیف بات ہے۔ ایک زمانے میں بہاولپور کے ایک گنے کے کھیت میں ایک گنے کے ٹانڈے پر سورج کی چمکدار' سنہری روشنی پڑتی ہے اور وہ صبح سویرے پڑ رہی ہوتی ہے اور زمین Rotate کرتی ہے۔ سات منٹ کے بعد وہ گنے کا ٹانڈا اس روشنی سے نکل جاتا ہے۔ سات منٹ تک وہ ٹانڈا روشنی کو Absorve کرتا ہے۔ پھر وہ روشنی دوسرے ٹانڈوں پر یا کھیت پر پڑتی جائے گی۔ جب اس ٹانڈے پر وہ روشنی پڑ چکی تو وہ ٹانڈا کٹا اور کٹ کے شوگر فیکٹری میں گیا۔ وہاں وہ کرش ہونے کے بعد چینی میں تبدیل ہوا پھر اس کی بوری بھری گئی۔ اب وہ بوری کسی طرح سے سفر کرتی ہوئی ہمارے ہاں لاہور پہنچی۔ پھر دکاندار سے ہمارے ریستوران یا ٹی ہاؤس کے بندے نے کلو دو کلو چینی خریدی۔ ادیب آرٹسٹ لوگ وہاں بیٹھے تھے۔ میں نے وہاں سراج سے کہا (جو ٹی ہاؤس میں بڑا ہی پیارا بیرا ہے) کہ چائے کی ایک Strong سی پیالی لاؤ۔ اب اس نے ایک کی بجائے دو بلکہ سوا دو چینی کے چمچ اس چائے میں ڈالے اور وہ چائے مجھے دی۔ میں وہ چائے پی کر وہاں سے باہر نکلا اور اپنی سائیکل اٹھائی (یہ میں اپنے کالج کے زمانے کی بات کر رہا ہوں) میری وہ سپورٹس سائیکل تھی۔ چلنے سے پہلے میں نے اس کی ڈائنمو کو اس کے ٹائر کے ساتھ لگایا۔ میں نے اس چینی سے اپنے اندر پیڈل پاور پیدا کی اور پیڈل چلانا شروع کیا۔ پھر میری سائیکل کے ٹائر سے لگی ڈائنمو سے بجلی پیدا ہو کر میرے سائیکل کی بتی میں آئی تو ساری سڑک میرے سامنے روشن ہو گئی۔

خواتین و حضرات! یہ وہی روشنی تھی جو سورج نے گنے کو عطا کی تھی۔ یہ رشتے میں بندھی ہوئی کس طرح سے میرے پاس آئی اور اب میں اس روشنی کو پہچانتا تھا اور میں چلا جا رہا تھا۔ ہم رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں اور انہیں توڑنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے پر حملے کرتے ہیں۔

52 بی طیارے بھیج کر ان کو مارتے ہیں جو ہمارے وجود کی روشنی ہیں' جو ہماری روح کا ایک

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

حصہ ہیں۔ اس حوالے سے بندوں کو دانش اور عقل کب آئے گی۔ اس بارے میں ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہم کتنے ہی محبت کے گیت گا لیں' کتنے ہی ہاتھوں کے ہار یا زنجیریں بنا لیں' ہم سے یہ نہیں ہو سکے گا جس کی ہماری روح کو آرزو ہے۔ ہمارا نفس تو چاہے گا کہ میرے سوا اور کوئی نہ ہو اور میرے ہی گن گائے جائیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ آپ کی پروڈکشن کی' آپ کی گائیکی کی' آپ کے فن کی اور شاعری کی جب بھی تعریف ہوگی کوئی بندہ ہی کرے گا۔ اگر آپ بندوں کو مار دیں گے تو پھر کوئی تعریف بھی نہیں کرے گا۔ جس طرح لوہے کے ایک تکونی ٹکڑے سے بجھتی ہوئی ''چیروں'' کو ایک دوسرے کے قریب کرنے سے روشنی پھوٹی تھی اور سایہ بڑا ہوا تھا' اسی کی ضرورت ہے۔ قد بڑا کرنے کے لیے یکجا ہونے کی ضرورت ہے۔

خواتین و حضرات! کسی نہ کسی طرح سے کسی نہ کسی روپ میں ہم کو باہم ہونا ہی پڑے گا۔ ہم اپنے غرور اور تکبر کے سبب الگ ہو جاتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا ممکن نہیں ہوتا نہیں ہے۔

آپ کبھی اکیلے میں بیٹھ کر اس پر ضرور غور کیجیے گا اور لاشعور کی دنیا میں جا کر غور کیجیے گا تو یقیناً آپ کسی مثبت نتیجے پر پہنچ پائیں گے۔

حضورؐ کا فرمان ہے کہ ''کسی کو کچھ نہیں دے سکتے تو ایک مسکراہٹ ہی دے دو۔ یہ بھی ایک صدقہ جاریہ ہے۔''

آدمی اگر مسکراہٹیں ہی لوگوں کو عطا کرتا رہے تو روشنی میں بڑا اضافہ ممکن ہے اور ہم جیسے بہت ہی کوتاہ قد آدمی اور نمانے بندے ان لوگوں کو بڑی شکست دے سکتے ہیں' جو دنیا میں تاریکی پھیلا رہے ہیں' جنہوں نے دنیا کو ظلمات کے اندھیروں میں لپیٹ رکھا ہے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تصوّف اور کامیاب ازدواجی زندگی

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں محبت بھرا اسلام پہنچے۔

ہمارے اس زرعی اور مویشیوں سے بھرے ملک میں ایک اصول ہے کہ کچھ "گھوڑی پال مربعے" دیئے جاتے ہیں۔ شاید آپ کو اس بابت معلوم ہو یا نہ ہو۔ پہلے میں بھی نہیں جانتا تھا لیکن یہ پتہ ضرور ہے کہ کچھ گاؤں میں گھڑ فارم بنتے ہیں، جہاں نہایت اعلیٰ نسل کے گھوڑے پالے جاتے ہیں اور پھر انہیں ملک کے مختلف حصوں میں پھیلا دیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ میرے بڑے بھائی کو ریس میں گھوڑا داخل کرنے کا شوق چرایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھی کیوں نا ریس میں اپنا ایک اچھا سا گھوڑا داخل کریں اور ہمارا گھوڑا بھی اول انعام لے کر آئے۔

انہوں نے مجھے اس کام پر معمور کیا کہ میں جا کر Stud-Farm والوں کو ملوں اور ان کے ساتھ گفت و شنید کر کے گھوڑا حاصل کروں کیونکہ وہ بہت مشکل سے دیتے ہیں۔

پتوکی اور اوکاڑہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ وہ گاؤں ہے۔ مجھے وہاں ایک صاحب سے ملنا تھا جو اس سلسلے میں میری مدد کر سکتے تھے۔ جب میں ان کے گھر پہنچا تو ان کا بڑا پیارا، خوبصورت اور صاف ستھرا سا گھر تھا۔ اس گھرانے میں دو بیٹے تھے جو کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے اور ایک بیٹی تھی جو ماں کا گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتی تھی اور ایک ابا تھے۔ ان کا نام تھا صدیق خان۔ جب میں ان سے ملا تو بڑی حیرت بھی ہوئی کہ میں ان سے پہلے بھی دو مرتبہ مل چکا تھا۔ وہ ہمارے بابا جی سے ملنے ڈیرے پر دو بار آئے تھے اور وہ بڑے سوال لے کر آئے تھے اور بڑے جواب لے کر اور جھولی بھر کے واپس گئے تھے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ان سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ پہلے آپ مجھ سے یہ وعدہ کریں کہ آپ ہمارے ''رحمت خانے'' پر تین چار دن قیام کریں گے اور میں اس سے پہلے آپ کو جانے نہیں دوں گا۔ جب انہوں نے ''رحمت خانے'' کا لفظ استعمال کیا تو میں چونکا کیونکہ یہ ہمارے بابا جی کا حکم تھا کہ اپنے گھر کے لیے ''غریب خانے'' کا لفظ کبھی نہ استعمال کیا کرو' یہ بڑی ہتک کی بات ہے کہ آپ اپنے گھر کو غریب خانہ کہیں۔

جس گھر میں اللہ کی رحمتیں ہیں' برکتیں ہیں' اولاد ہے' رزق ہے' روشنی ہے' چھت ہے وہ تو رحمت خانہ ہے۔ خیر یہ Term بہت کم استعمال ہوتی تھی۔ میں صدیق کی یہ بات سن کر بڑا خوش ہوا۔ میں نے کہا کہ ہاں میں ضرور رہوں گا۔ ان کے ساتھ رہنے میں جس بات کا بہت اچنبھا ہوا اور جس کو میں ٹھیک سے سمجھ نہیں سکا وہ یہ ہے کہ ان گھر والوں کے درمیان ایک ایسی گفتگو ہوتی تھی ہلکی اور دھیمی سی جو میری سمجھ اور دانست سے باہر تھی۔ میں ان سے پوچھ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ کس کی بات کر رہے ہیں اور کیوں کر رہے ہیں۔ کیونکہ زیادہ تجسس کا حکم بھی نہیں ہے۔ یہ اچھا نہیں ہے کہ آدمی ''کنسویاں'' لیتا پھرے جیسے ہمارے معاشرے میں رواج ہے کہ دیکھو اس کے گھر میں کون آیا ہے' کون باہر گیا ہے۔ اس کی قرآن پاک میں بڑی سخت ممانعت ہے کہ آپ لوگوں کے پیچھے تفتیش نہ کرتے پھریں۔ اللہ عیبوں کو چھپاتا ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں یہ رواج عام ہے۔ پتہ نہیں ہم نے یہ کہاں سے لیا ہے۔

اب میرے اندر بھی بہت کھد بد ہوتی تھی لیکن میں ان سے پوچھ نہیں سکتا تھا۔ جب ہم باہر سے گھوم پھر کے یا چکر لگا کر آتے تھے وہ اپنی بیوی سے پوچھتے کہ ''کیسی ہو؟''

وہ کہتی کہ ''خوش آں۔'' (خوش ہوں)

وہ کہتے ''الحمدللہ' بڑی اچھی بات ہے۔''

پھر ان کی بیٹی کسی دن کہتی کہ ''ابا وہ آتے نہیں بالا خانے سے' پتہ نہیں ہم سے کیا کوتاہی ہوئی ہے۔''

اب میں متجسس ہو جاتا کہ یا اللہ یہ کیا بات ہے۔

کبھی ان کا بیٹا ٹریکٹر کھڑا کر کے آتا اور کہتا کہ ابا میں سمجھتا ہوں کہ ہم اس معیار پر پورے نہیں اتر سکیں گے' جو معیار ہم نے اپنے لیے قائم کر دیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس سے باہر نکلیں۔ کیونکہ ہم بہت چھوٹے لوگ ہیں' اس پر اس کے ابا کہتے تھے کہ ''نہیں' ایسی کوئی بات نہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں کامیاب ہوں گے۔''

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

وہ جو صدیق صاحب تھے وہ پولیس کے ریٹائرڈ انسپکٹر تھے اور وہ کانسٹیبل سے ترقی کر کے ایک رینکر کی حیثیت سے اپنی صلاحیت کی بدولت اس عہدے تک پہنچے تھے۔ وہ نہایت ایماندار آدمی تھے۔ انہیں "ستو والا انسپکٹر" کہتے تھے کیونکہ وہ دو پوٹلیاں ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے ایک شکر کی اور ایک ستو کی۔ جب بھی کہیں جانا ہوتا تھا تفتیش کے لیے، تو وہ اپنی یہ دو پوٹلیاں ساتھ لے کر جاتے۔ کسی سے کوئی چیز نہیں لیتے تھے۔ رشوت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پانی بھی کسی کے ہاں سے نہیں پیتے۔ صبح و شام ستو گھول کر پی لیتے تھے۔

خواتین و حضرات! جب حضرت علیؓ کی قوت یا قوت حیدریؓ کا ذکر کیا جاتا ہے تو بتایا جاتا ہے کہ اس وقت کا ایک عنصر جو کی روٹی بھی تھی اور یہ ستو جو کے بنتے ہیں۔ صدیق صاحب نے یہ بھی یہیں سے سیکھا ہوگا کہ جو میں بڑی طاقت ہوتی ہے اور وہ ستو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ تھانے میں بھی جب تک وہ ایس ایچ او رہے وہ دوپہر کے کھانے کے طور پر ستو گھول کر ہی پیتے تھے اور وہ اس بارے بڑے محتاط تھے کہ ان کے قریب رزقِ حرام نہ آنے پائے۔ کوشش تو ان کی یہ بھی تھی کہ رزقِ حرام ان کے تھانے کے قریب نہ آئے لیکن یہ بڑا مشکل کام تھا۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد انہوں نے Stud-Farm کی Management اپنے ذمہ لے لی اور وہ بہت کم تنخواہ پر یہ کام بڑی توجہ سے کرتے تھے۔ جب میرا ان کے گھر سے چلنے کا وعدے کے مطابق آخری دن آیا تو بیٹی نے کہا کہ "ابا ایک بڑی بھول ہوگئی اور وہ بھول ناراضگی کا باعث ہے۔ ہمارا گھر تو بہت پیارا گھر ہے۔"

اس کے ابا نے کہا کہ "کیا ہوا.....؟"

وہ کہنے لگی کہ "ایک بندہ آیا تھا، دوپہر کے وقت تب گرمی بہت تھی۔ اس شخص نے ہمارے گھر دستک دی اور کہا کہ کیا کوئی پرانا دستر خوان گھر پر ہے، کوئی پھٹا پرانا تولیہ یا کوئی کپڑے کا ٹکڑا۔ گرمی بہت ہے میں نے لمبا سفر کرنا ہے اور چاہتا ہوں کہ اسے سر پر رکھ لوں تا کہ لو اور تپش سے محفوظ رہ سکوں۔"

اس پر اماں نے کہا کہ "گھر میں ایسی چیزیں بکھری پڑی تھوڑی ہوتی ہیں۔"

اس شخص نے کہا کہ "کوئی بوری کا ٹکڑا ہی دے دیں۔"

لیکن اماں نے کہا کہ "ہمارے پاس نہیں ہے۔"

اس پر وہ شخص چلا گیا۔ وہ سائل تھا اور سائل بارے بڑا سخت حکم ہے کہ "سائل کو جھڑکی نہ دو۔" ہم سے یہ بھول ہوگئی ہے۔ اب ہم اس سے معافی کیسے مانگیں، اس کا پراسچت کیسے کریں۔

وہ اسی پریشانی میں تھے کہ میں چلا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد یا ہفتوں کے بعد مجھے دوبارہ لوٹ کے آنا تھا۔ میں وہاں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہاں رہا، اس دوران میں نے ان سے کہا کہ "یار

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں تو تجسس سے بھرا ہوا تھا۔ آپ یہ بتائیں کہ یہ جو آپ کے گھر میں رہتے ہیں' یہ آپ کے بزرگ ہیں یا پیر ہیں۔ یہ کون ہیں جو مجھے نظر نہیں آتے یا میں ان سے مل نہیں سکا یا آپ نے جان بوجھ کے مجھے ان سے نہیں ملوایا' یہ کون ہیں؟"

اس نے کہا کہ "یہ پیر صاحب نہیں ہیں۔ یہ اللہ میاں ہیں' ہمارے گھر میں اللہ میاں رہتے ہیں اور ہم نے اپنی زندگی اللہ کو خوش کرنے کے لیے وقف کر دی ہے کہ کسی نہ کسی طرح سے اللہ میاں کو خوش کیا جائے۔"

میں نے کہا کہ "یہ عجیب و غریب بات تو میں نے پہلے کبھی نہیں سنی۔"

آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں۔

وہ کہنے لگے "میں بڑا نیک' پاک صاف اور عادل تھانیدار تھا اور میں رزقِ حرام سے بہت گھبراتا تھا اور ہمیشہ حلال کی تلاش میں رہا اور اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے کہ میں اپنے اس وعدے پر جو میں نے اپنی ذات کے ساتھ اور اللہ سے کیا تھا' اس پر پورا اترا ہوں لیکن ایک سٹیج پر میں نے محسوس کیا کہ میری نیکی' میری خوبی' میرا التقویٰ یہ سارے کا سارا لوگوں کو خوش کرنے کے لیے وقف تھا کہ لوگ کہیں کہ کیسا کمال کا تھانیدار ہے۔ میں ایک خوفزدہ شخص تھا جو لوگوں کے ڈر سے نیک بنا ہوا تھا۔ (یہ ذرا سی باریک بات ہے میں بھی دیر سے سمجھا تھا)۔"

میں نے پھر یہ کوشش کی کہ "میں بندوں کا ڈر دل سے نکال دوں اور میں اپنے اللہ کو خوش کرنے کے لیے کچھ کروں۔"

ہم نے سوچا کہ "یہ ہمارا گھر ہے۔ بنا بھی صاف ستھرا ہے اور ہم اپنے اللہ میاں کو اپنے گھر ہی لے آتے ہیں اور ان کی بڑی مہربانی کہ وہ آ گئے اور وہ یہاں رہتے ہیں اور یہاں تشریف فرما ہیں۔ اب ہماری دن رات یہ کوشش رہتی ہے اور ہم ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کہیں کوئی ایسا فعل تو سرزد نہیں ہو گیا کہ اس سے اللہ ناراض ہو جائے یا کوئی ایسی خوشی کی بات کہ جس سے اللہ خوش ہوا ہو' ہم اس کے درمیان گھومتے رہتے ہیں اور ہماری زندگی کا مرکز ملجا و ماوا اللہ کی ذات ہے اور ہم بندوں سے منسلک ہو گئے کہ اگر اللہ سے محبت کرنی ہے تو پھر بندوں سے محبت ضروری ہے۔ اگر بندوں کی خدمت کرنی ہے تو اللہ کے لیے کرنی ہے۔ بندوں سے کسی صلے یا انعام کی توقع نہیں رکھنی۔"

خواتین و حضرات! میں اس کی بات سن کر بہت حیران ہوا۔ میں نے کہا کہ "پریشانی کیا تھی؟"

وہ کہنے لگا کہ پریشانی یہ تھی میری بیوی نے جو اس سائل کو خالی ہاتھ واپس کیا تھا اور جھڑک

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

دیا تھا تو ہم سارے مایوس ہو گئے تھے کہ اب اللہ تعالیٰ ہمارے گھر قیام نہیں کریں گے کیونکہ یہ خدا ہی کا حکم ہے کہ سائل کو نہ جھڑکا جائے۔ اس پر میری بیوی کی طبیعت پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ خودکشی کے قریب پہنچ گئی۔ وہ ایک دن بہت سارے دسترخوان اور کپڑں کے ٹکڑے خرید کے لائی اور انہیں کڑی دھوپ میں سر پر رکھ کر کھیت کی طرف جا رہی تھی اور وہ بے چارگی کے عالم میں جا رہی تھی۔ آگے میرا بیٹا ٹریکٹر چلا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ماں ایسے ہی چلی جا رہی ہے۔ وہ ٹریکٹر سے اترا اور پوچھا کہ "ماں کہاں جا رہی ہو؟"

اس نے جواب دیا کہ "مجھ سے یہ کوتاہی ہوگئی ہے۔ میں نے سائل کو اس طرح سے جھڑک دیا ہے اور اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیا کروں۔"

اب اس خاتون پر دیوانگی کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

صدیق نے بتایا کہ اس کے بیٹے نے کہا کہ "ماں کوئی بات نہیں، ہمارے پاس ایک بڑی اچھی چیز ہے۔ وہ اللہ نے ہی ہمیں دی ہے اور اس کا نام معافی ہے۔"

خواتین و حضرات توبہ اور معافی اتنی اہم چیز ہے جو بار بار ٹوٹتی ہے اور ہم بار بار کرتے ہیں یعنی اس میں بڑا مزہ ہے۔

اس لڑکے نے ماں سے کہا کہ "یہ توبہ اتنی آسان چیز ہے اور یہ اللہ نے ہمیں عطا کر رکھی ہے اور اللہ کی گود میں واپس جانے کے لیے اور اس کے وجود سے وابستہ ہونے کے لیے ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ توبہ ہے۔ وہ ٹریکٹر چلاتا تھا اور اس نے ویسی ہی مثال دیتے ہوئے ماں کو سمجھایا کہ ماں توبہ اتنا اعلیٰ درجے کا جیک ہے کہ اگر ہم اسے ٹریکٹر کے نیچے لگائیں تو اسے بھی اٹھا لیتا ہے۔ آپ اپنا توبہ کا جیک لگائیں۔ اس کا لیور کھینچی جائیں اور آدمی اوپر چلتا جاتا ہے۔"

اگر کسی نے اللہ کے ساتھ وابستہ ہونے کا کوئی پروگرام بنایا ہے تو اللہ سے کہے کہ جناب عالی! بھول ہوگئی، معافی دے دیں۔ اب یہ کوتاہی سرزد نہیں ہوگی۔ سچے دل سے کہیں اور توبہ فوری قبول۔

میں اس گھرانے کو دیکھ کر جہاں حیران ہوا وہاں بڑا خوش بھی ہوا اور دعا دی کہ یا اللہ ہم کو بھی اس میں سے تھوڑا سا حصہ عطا کر دے۔ ہم کبھی تو پوری زندگی میں ایسی کوئی کوشش کریں کہ جس سے اللہ کو خوش کرنا مقصود ہو۔

جب میں پلٹ کر دیکھتا ہوں تو مجھے اپنی زندگی میں کوئی ایسا فعل یا کوشش نظر نہیں آتی ہے۔ میں تو دنیا اور اہل و عیال کو خوش کرنے پر ہی لگا رہا اور معاشرے میں معتبر بننے کے چکروں میں ہی لگا رہا۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ ہمارے سارے "ٹبر" (گھرانے) کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ ایک دن ہماری ان کوششوں کے بدلے ہمارا اللہ ہم سے کہہ دے کہ "میں تم سے راضی اور تم مجھ سے راضی، آ جاؤ میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔"

انہوں نے کہا کہ "اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے (انہیں بابا جی کا یہ فقرہ اچھی طرح یاد تھا) اگر آپ کا حال جنت کی طرف مائل نہیں ہے تو پھر اس کا مستقبل ویسا نہیں ہو سکتا۔ آپ کو اپنی اس زندگی کو بھی جنت کا نمونہ بنا کر رکھنا ہو گا۔

ایک مرتبہ میں نے بابا جی سے اس کیفیت میں کہ ہم بارہ تیرہ برس تصوف اور صوفی ازم کا درس لے کر تھک گئے تھے پوچھا کہ "جی یہ تصوف ہوتا کیا ہے؟"

وہ کچھ عجیب موڈ میں تھے۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ انہوں نے تین دفعہ ایک عجیب انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا کہ "کامیاب ازدواجی زندگی کا نام تصوف ہے۔"

میں نے کہا کہ "یا اللہ یہ بابا جی کو کیا ہو گیا ہے۔ کہاں تصوف اور کہاں ازدواجی زندگی۔"

لیکن خواتین و حضرات! اب جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے اور میں گھروں کو قریب سے دیکھ رہا ہوں اور جس جنت کا وعدہ ہم سے کیا گیا ہے اور جس نفس مطمئنہ (اطمینان والے نفس) کی آرزو میں ہم سب رہتے ہیں، وہ ملتا نہیں ہے۔ اس لیے کہ بہت سارا بوجھ ہم نے اٹھا لیا ہے۔ زندگیوں کے درمیان ایک بڑی خلیج پیدا ہو گئی ہے اور اطمینان والا نفس اسی وقت میسر ہو گا جب آپ جہاں اور جس حال میں ہیں، اس پر خوش ہوں۔ جو شخص اور گھرانہ ناخوش رہے گا، ناشکرا ہو گا، اس سے محبت اور پیار نہیں مل سکتا۔ جس کا نفس مطمئن ہے اس کے لیے راستے کھلے ہی کھلے ہیں۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بش اور بلیئر مت بنئے

ہم اہل زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

میرے پاس آج کوئی ایسی بات نہیں خاص طور پر بیان کرنے کے لیے جیسی کہ ہوتی رہتی ہیں لیکن آپ کے اچھے چہروں کو دیکھ کر مجھے اپنے اردگرد اور اپنے گھر کا ماحول یاد آتا ہے۔ اس کا میں ضرور آپ کی خدمت میں ذکر کروں گا اور وہ یہ کہ کس طرح سے معمولی معمولی چیزیں انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا باعث بن جاتی ہیں اور بڑی بڑی چیزیں جو ہیں اور بڑے بڑے تیجے جو ہوتے ہیں بڑے بڑے پمفلٹ چھپا کر اور کتابیں لکھ کر آدمی اس قدر ایک دوسرے کے قریب نہیں آتا ہے جس طرح وہ کسی ایک معمولی سی بات کے باعث قریب آ جاتا ہے۔ کوئی دو تین ماہ پہلے کی بات ہے میں لڑکیوں کے ایک کالج میں گیا تھا۔ اب مجھے یاد نہیں ہے کہ وہ کوئی Prize Distribution کا موقع تھا یا کوئی Debate۔

بچو! آپ جانتے ہیں کہ جب اس طرح کا کوئی موقع ہو تو انسان پر دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ جب میں اس تقریب سے فارغ ہوا تو بچیاں حسب عادت آٹوگراف لینے لگیں۔

ان میں ایک بڑی اچھی سمارٹ سی لڑکی تھی سیکنڈ ایئر کی۔ اس نے کہا کہ "کیا سر آپ بھی اپنے زمانے میں آٹوگراف لیتے تھے؟"

میں نے کہا کہ "ہاں میں بھی آٹوگراف لیتا رہا ہوں اور اب بھی لیتا ہوں۔"

وہ حیرت سے بولی۔ اب بھی آٹوگراف لیتے ہیں۔ کیونکہ اب آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے اب تو آپ آٹوگراف دینے والوں میں سے ہیں۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں نے کہا کہ "نہیں بچے اب میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اس کی زیادہ ضرورت ہے۔"

تو اس نے کہا "آپ کی آٹوگراف بک تو بہت قیمتی ہوگی۔"

میں نے کہا کہ "ہاں بہت قیمتی ہے۔"

وہ پوچھنے لگی کہ "آپ کی آٹوگراف بک میں تو بڑے نامور لوگوں کے دستخط ہوں گے؟"

میں نے جواب دیا کہ "ہاں اس میں بہت ہی نامور لوگوں کے دستخط ہیں۔"

اس نے درخواست کے انداز میں کہا کہ "کیا ہم آپ کی آٹوگراف بک دیکھ سکتے ہیں۔"

میں نے کہا کہ "یہ مشکل ہے۔ میں نہ اسے آپ کے پاس لاسکتا ہوں نہ آپ کو وہاں تک لے جاسکتا ہوں کیونکہ آپ کو زحمت ہوگی لیکن میں یہ ضرور چاہوں گا کہ میں آپ کو اس بک سے متعارف کروادوں اور میری یہ بھی آرزو ہوگی کہ جس طرح سے میں زندگی بھر آٹوگراف لیتا رہا' آپ بھی لیں اور آخر میں آپ کا حاصلِ ضرب اسی طرح کا ہو جس طرح کا حاصلِ ضرب میرا ہے۔ وہ بڑی ہی حیران ہوئیں۔ میں نے ان سے کوئی بھید کھولا نہیں بس اتنا ہی کہا کہ کبھی موقع ملا تو ضرور بتاؤں گا۔ اب مجھے وہ بات یاد آ ہی گئی ہے تو آپ کو بتاتا ہوں۔

جب میری شادی ہوئی تو وہ ایسا زمانہ تھا جب امیری دعویٰ اور تقاضے اتنے تھے نہیں' اور ہم (میں اور بانو قدسیہ) دونوں اچھے اور درمیانے درجے کے تھے اور ویسے زندگی بسر کر رہے تھے جیسے عام لوگ کرتے تھے لیکن خوش بہت تھے۔ ہم دونوں یہ ضرور چاہتے تھے کہ ہماری ایسی Achievement ہو اور ہم ایسے نامی گرامی ہوں کہ لوگوں کو رائے دے سکیں حالانکہ یہ چیزیں انسان کے اختیار میں نہیں ہوتی ہیں' جب تک اللہ اسے عطا نہ کرے۔ ہم ٹھیک ٹھاک زندگی بسر کر رہے تھے اور یہ خواہش ہوتی کہ کچھ نہ کچھ اور کچھ ایسی چیزیں ہمارے گھر میں بھی اکٹھی ہوتی رہیں' جیسے نو بیاہتا جوڑے کو آرزو ہوتی ہے گھر بنانے کی۔ اچھا عورت کے بارے میں آپ ایک بات ضرور یاد رکھیے کہ عورت اور چڑیا دونوں ہی اپنے گھونسلے میں ہر طرح کا ڈکا' تنکا استعمال کر لیتی ہیں۔ چڑیا کو آپ نے دیکھا ہوگا وہ لمبا تنکا بھی لے جا رہی ہوتی ہے' چھوٹا بھی' سرکنڈے جیسا بھی' کھردرا بھی اور ملائم بھی اور جب اس کا گھونسلا بن چکتا ہے تو وہ انتہائی خوبصورت اور خوش نما ہوتا ہے۔

میری بیوی بھی چڑیا کی طرح کوشش کر کے اپنے غریبی دعوے کے مطابق گھر میں ایسی چیزیں لاتی تھی جو اس کے گھر کو ایسی ہی عزت بخش سکیں جیسا کہ بڑے گھروں کو ملتی ہیں لیکن بے چاری کا بس نہیں چلتا تھا۔ پھر ہم اچانک بیچ میں امیر ہو گئے۔ ہمارے امیر ہونے کی ایک نشانی یہ تھی کہ ہمارے گھر میں نئی چیز آئی جو پہلے ہمارے گھر میں نہیں تھی۔ وہ شیمپو کی شیشی تھی۔ اس زمانے میں کسی گھر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں شیمپو ہونے کا مطلب امیر ہونا تھا۔ وہ نو روپے گیارہ آنے کی شیشی تھی۔ رنگ اس کا گہرا سبز تھا اور اس کا منہ بڑا تنگ ہوتا تھا۔ ہم نے امیر ہو کر اس شیمپو کے ساتھ اپنے سر کو دھونا شروع کیا اور ہم اتنے خوش ہوئے کہ جیسے دنیا جہان کی نعمت اور دولت ہمیں مل گئی ہو لیکن چونکہ مالی حالات کچھ اچھے نہیں تھے (یہ خفیہ بات ہے جو میں آپ کو اب بتانے لگا ہوں' کسی کو بتایئے گا نہیں) جب ہم وہ شیمپو استعمال کرتے تھے تو پہلے غسل خانے میں جا کر لال صابن سے سر دھوتے تھے' جب سر دھل جاتا تھا تو ہم میں سے جو بھی نہا رہا ہوتا وہ اپنا گیلا ماتھا باہر نکالتا اور جو باہر ہوتا وہ اس شیشی کا ڈھکنا کھول کے شیمپو ایک ٹکا اس پر لگا کر فوراً شیشی سیدھی کر لیتا۔ اب اس طریقے سے تو ظاہر ہے جھاگ ویسی نہیں اٹھتی جیسی آپ لوگ اللہ کے فضل سے اٹھاتے ہیں اور کھٹا کھٹ بنا کر سر دھو لیتے ہیں۔ میں کئی دفعہ شیمپو کے اشتہار دیکھتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے کہ پاکستان کا سب سے مشکل مسئلہ شیمپو کا ہے۔ اگر یہ فیصلہ ہو جائے کہ کون سا شیمپو استعمال کرنا ہے تو پاکستان کے سارے مسائل حل ہو جائیں کیونکہ شیمپو کے اشتہاروں کی ایک ہر روز ''دھما چوکڑی'' مچی ہوئی ہوتی ہے لیکن ہمارے زمانے میں وہ ایک سبز رنگ کا شیمپو تھا۔

اچھا میں بات کر رہا تھا اپنی امارت کی۔ ہمارے امیر ہو چکنے کے بعد پھر ہم یہاں ایک امریکی Publication ادارے فرینکلن سے وابستہ ہو گئے۔ مجھے اس ادارے سے ایک کتاب Translate کرنے کا آرڈر مل گیا اور اس کے ایک ماہ بعد بانو قدسیہ کو بھی اسی ادارے سے ایک کتاب مل گئی۔ ہم نے تین مہینے کی مدت میں اپنی انکم میں اچانک 5 ہزار روپے کا اضافہ کر لیا۔ اس طرح اچانک 5 ہزار روپے مل جانے سے ہمارے پاؤں زمین پر نہیں لگتے تھے۔ بانو نے ایک دن مجھ سے کہا کہ ہمارے گھر میں ایک بہت اعلیٰ درجے کی میز ہونی چاہیے۔ ہماری خوش قسمتی تھی کہ انہیں دنوں کباڑیوں کے پاس کسی سفارتخانے کا سامان بکنے کے لیے آیا۔ اس سامان میں ایک کمال کی میز تھی۔ اس پر کم سے کم آٹھ افراد کو Serve کیا جا سکتا تھا۔ وہ ولائیت سے Import کی گئی تھی۔ نہایت ہی اعلیٰ درجے کی تھی۔ بانو کے بار بار بھاؤ تاؤ کرنے سے کباڑیہ بھی تنگ آ گیا اور جان چھڑانے کے لیے ایک دن کباڑیے نے بانو سے کہا کہ ''بی بی ریڑھا لاؤ اور اسے لے جاؤ۔''

اس طرح بانو اس میز کو ریڑھے پر رکھ کر بڑے فاتحانہ انداز میں گھر لے آئی اور ہمارے گھر میں بھی ایک نہایت اعلیٰ درجے کی میز آ گئی۔ اب ہم میں سے جس کو جو بھی کام ہوتا یا نہ بھی ہوتا وہ اس میز پر بیٹھ کر کرنے کی کوشش کرتا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ میز ہمارے گھر اور زندگی کا ایک حصہ بنتی گئی۔ پھر گھر میں ہمارے بچے آتے رہے اور ہماری زندگیوں میں شامل ہوتے رہے۔ وہ بھی اسی میز کو استعمال کرنے لگے لیکن میری بیوی بہت Particular اور محتاط تھی کہ اس میز کی جو Pine

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

Wood Top ہے، کہیں اس میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو جائے یا نشان نہ پڑے اور اس میز نے بانو کی زندگی عذاب میں ڈال دی تھی۔ سارے کام چھوڑ کر اس کی نگاہیں میز پر مرکوز رہتیں۔

خواتین و حضرات! تقدیر کے آگے کسی کا بس نہیں چلتا۔ خدا کی کرنی یہ ہوئی کہ اس میز کے اوپر نشان پڑنے شروع ہو گئے۔ ایک دن بانو نے دکھی ہو کر کہا کہ میں اب اس میز کا پائن ووڈ ٹاپ پالش کراؤں گی۔

میں نے کہا کہ واقعی، اس کی حالت ایسی نہیں کہ ہم اسے ایسے ہی رہنے دیں۔ چنانچہ پالش کرنے والے کو گھر بلایا گیا۔ اس نے دیکھ کر کہا کہ ''اس ٹاپ پر رندہ تو لگ نہیں سکتا کیونکہ یہ بہت Soft ہے اور ہمارے پاس ایسے آلات نہیں ہیں۔ جو ہم اس پر استعمال کر سکیں۔ اس نے کہا کہ میں اس پر چار زیرو کا ریگ مال لگا کر آہستہ آہستہ اس کی گھسائی کروں گا اور اس کے داغ دھبے جب دور ہو جائیں گے تو پھر میں ہلکے پینٹ کے ساتھ اس کو پینٹ کروں گا اور یہ نئی میز کی طرح ہو جائے گی۔''

جس دن اس پالش والے کو آنا تھا اور اس نے کام شروع کرنا تھا، اس رات میں اور میری بیوی بیٹھے اسی میز پر کچھ کام کر رہے تھے تو میں نے اس سے کہا کہ ''بانو اس میز کی سطح کو غور سے دیکھو اور ان تمام نشانات کے ساتھ اس تاریخ کو تلاش کرو جب یہ نشانات یکے بعد دیگرے پڑتے رہے۔ یہاں تمہارے بڑے بیٹے نے پرکار سے نشان ڈالے تھے۔ جب وہ پرچہ حل کر رہا تھا۔ پھر آپ کی والدہ (میری ساس) وہ اس کے کونے پر بیٹھ کر اپنے مقررہ وقت پر سر کو ''بسما'' (خضاب) لگاتی رہیں، باوصف اس کے کہ وہ بہت موٹا اخبار پھیلا کر بڑی احتیاط کے ساتھ خضاب لگایا کرتی تھیں، لیکن اس کے داغ دھبے اس میز پر لگ ہی جاتے تھے۔ پھر جب ہمارا منجھلا بیٹا پیدا ہوا، اس زمانے میں ایسے کھلونوں کا نیا نیا رواج چلا تھا جو بغیر چابی سے چلتے تھے۔ ان کے پہیے ایک بار گھما دیئے جاتے تھے اور وہ تھوڑی دیر کے لیے چارج ہو جاتے تھے۔ ہمارا پیارا منجھلا بیٹا جب ان کھلونوں کو گھسا گھسا کر چھوڑتا تھا تو اس میز پر اس کے نشان پڑتے تھے اور اس میز پر ایسے ہی نشان تھے جیسے جدہ کے باہر ٹینکوں کے پٹوں کے نشان ہیں اور یہ نشان اس میز کی Surface پر موجود ہیں۔ پھر میں نے ایک مرتبہ اپنے دفتر میں اپنے باس کی خوشنودی کے لیے گتے کا ریک سنہرا Wel Come کاٹا تھا اور اس کو Paper Cutter کی بجائے کسی اور کٹر سے کاٹا تھا اور اس کے نشان بھی میز پر موجود تھے۔ تم جو بڑے احتیاط سے اپنی سلائی مشین رکھ کر سلائی کرتی رہی ہو اور اس کے چاروں ''پوڈوں'' کے نشان بھی بڑی پختگی کے ساتھ اس میز پر موجود ہیں۔ جب اتنے آدمیوں کے دستخط اس پر موجود ہیں تو تم اپنے اس قیمتی آٹو گراف کو کیوں ضائع کرتی ہو۔ اس کو تو بڑی احتیاط سے، بڑی محبت سے بڑی دلجوئی اور دل جمی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کے ساتھ رکھنا چاہیے۔ یہ ہمارے گھر کی آٹو گراف بک ہے اور اس پر میرے' میرے بچوں کے' تمہاری والدہ کے اور تمہارے' بے پروا کسی ملازم کے الغرض سب کے نشان موجود ہیں۔ اگر اس پر چار زیرو کا ریگ مال پھرا تو یہ سارے نشان مٹ جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس کو ایسے ہی رہنے دو۔"

یہ بات بانو کے دل کو لگ گئی اور اس نے کہا ٹھیک ہے لیکن اسے خوف بھی ہوا۔

بچو! عورت کے دل کا سب سے بڑا خوف یہ ہوتا ہے کہ دوسری کیا کہے گی' جب مہمان گھر میں آئیں گے تو خواتین تھر تھر کانپ رہی ہوتی ہیں کہ کہیں کسی بات میں کوئی کمی بیشی نہ ہو جائے۔ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ اس کو تو گھر رکھنا نہیں آتا۔

میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ ہم ایک پلاسٹک شیٹ خرید لیں گے جب گھر میں شرفاء نکتہ چین اور تنقید کرنے والی عورتیں آئیں گی تو ہم اس پلاسٹک کور کو اس میز پر ڈال دیا کریں گے۔ اس سے ان کی بھی تسلی ہو جائے گی اور ہماری آٹو گراف بک بھی محفوظ رہے گی۔ انسانوں کے آپس کے تعلق کو بہت ڈھیلے انداز میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر ایک انسان کی روح دوسرے انسان کی روح کو سمجھنے کے لیے مائل ہو تو پھر بڑی آسانی ہو جاتی ہے اور لڑائی اور کچھ کا سماں جو آدمی تقابلی مطالعے میں برداشت کرتا ہے' آسان ہو جاتا ہے۔

میں نے جو نشانات آپ کو گنوائے ہیں' اب ان میں اور دستخطوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔

میرے بیٹے نے تھوڑے دن پہلے مجھے امریکہ سے خط لکھا اور اس میں وہ مجھ سے یوں مخاطب ہوا "ابو میں نے سنا ہے کہ آپ کے پوتے پوتیوں کی وجہ سے اس Autograph Page پر کچھ نئے دستخط بھی آ گئے ہیں۔ میں چونکہ دور ہوں' اس لیے مہربانی کر کے آپ اس آٹو گراف کے صفحے کا ایک فوٹو کھینچ کر مجھے بھیجیں۔"

میں نے ایک ماہر فوٹو گرافر کی خدمات حاصل کر کے اس آٹو گراف پیج کی تصویر اسے ارسال کی۔ اتنی ساری لمبی بات آپ کو سنانے کا مقصد یہ تھا کہ کئی دفعہ اللہ کی طرف سے کوئی چیز انسان پر اجاگر ہو جاتی ہے۔ اور اللہ ہمیں معلوم دنیا سے ہٹا کر لامعلوم کی دنیا سے بھی علم عطا کرتا ہے اور انہیں حاصل کرنے کے لیے انہیں اپنا نصیب بنانے کے لیے' میرے اور آپ کے پاس ایک جھولی ضرور ہونی چاہیے۔ جب تک ہمارے پاس پھیلانے کے لیے اور حاصل کرنے کے لیے ایک جھولی نہیں ہوگی' اس وقت تک وہ نعمت جو اترنے والی ہے' وہ اترے گی نہیں۔ رحمت ہمیشہ وہیں اترتی ہے جہاں جھولی ہو اور جتنی بڑی جھولی ہوگی اتنی بڑی نعمت کا نزول ہوگا۔ جیسا ایک لاڈلا بچہ ضد کر کے اپنے ابا سے یا ماں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سے کوئی چیز حاصل کر کے ہی رہتا ہے اور آج ہی لے کے دو۔ آج ہی لے کے دو کی گردان الاپتا ہے۔ آپ بھی اپنے اللہ سے ضرور مانگا کریں اور ضد کر کے مانگا کریں' لیکن یہ ضد سب کے سامنے نہیں ایک طرف کونے میں بیٹھ کر۔ آپ جو بھی دل میں ہو مانگا کریں اور اللہ کے پاس ایک ایسا میٹر ہے جو Correct کر کے ایسی چیز ہمیں عطا کرتا ہے جو ہمارے فائدے کی ہوتی ہے۔ آپ جب دعا کریں تو یہ ضرور کریں کہ "اے اللہ وہ عطا کرے جو میرے فائدے میں ہے اور آپ کو بھی اچھا لگتا ہے۔"

اللہ میاں سے کہیں کہ خداوند تعالیٰ میں دنیا دار بندہ ہوں اور جو تو بہتر سمجھتا ہے' وہ عطا کرے اور یہ وہ چیز ہو جو میرے بھی پسند کی ہے' آپ نے دعا میں یہ چالا کی ضرور رکھنی ہے۔ جس طرح بش اور بلیئر ایک ہی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور ان کے ذہن بھی ایک سمت چلتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسی نظر میں یا زمین میں اللہ کی رحمت کا مقام وسعت میں نہیں ہے۔ بش اور بلیئر جیسی نظر سے دیکھنے والا شخص سمجھتا ہے کہ جو میں نے سوچ لیا' وہ ہی درست ہے۔ باقی سب غلط ہے اور ایسی صورت میں کہ وہ خود آسودگی میں رہتا ہے اور ساری دنیا کو رہنے دیتا ہے۔ خود بھی عذاب کی زندگی بسر کرتا ہے اور لوگوں کو بھی ایسے ہی عذاب میں مبتلا رکھتا ہے۔

میرا اور آپ کا خدا کے ناتے سے یہ فرض بنتا ہے کہ باوصف اس کے کہ ہم کو ہمارا پڑوسی اچھا نہیں لگتا۔ اس کی ناک بڑی موٹی ہے اور سر سے گنجا ہے لیکن وہ ہمارا پڑوسی ہے' اس کے رشتے سے میری زندگی آگے چل رہی ہے۔ ہم چند لوگ یہاں بیٹھے ہیں' جانے کتنے ہی کروڑ افراد یہ پروگرام سن رہے ہیں۔ اس طرح ہم سب ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ کون گیہوں اگاتا ہے' کون انگور بوتا ہے؟ کسی کو علم نہیں ہوتا لیکن وہ ہمارے لیے ایسا کر رہا ہے اور باقاعدگی سے بوریاں' کریٹ بھر بھر کر ہمارے لیے بھیج رہا ہوتا ہے۔ ہم اس کا اور وہ ہمارا نام تک نہیں جانتا ہوتا۔

ہماری نانی آٹا گوندھنے سے پہلے کہا کرتی تھی کہ "جس کسے نیں ایہہ کنک اگائی اے جس کسے نے ایہہ آٹا پیہیا' اللہ انہاں دا بھلا' کل جہاں دا بھلا۔"

(جس کسی نے بھی یہ گندم اگائی تھی اور جس کسی نے بھی اس کو پیسا تھا' خدا اس کا بھلا کرے' ساری دنیا کا بھلا ہو)۔

آپ خدا کرے کبھی بش یا بلیئر نہ بنتا بلکہ دونوں آنکھوں سے اللہ کی رحمت کو تلاش کرنا۔ انسانوں سے جڑے رہنا ان سے وابستہ رہنا۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ٹین کا خالی ڈبہ اور ہمارے معاملات

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچے۔

گزشتہ مارچ کے مہینے میں غیر متوقع طور پر سردی کی ایسی شدید لہر آ گئی کہ وہ ہم سب سے برداشت کرنا مشکل ہوگئی اور ہم حیران تھے کیونکہ ایسی سردی ہم نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہ دیکھی تھی نہ سنی تھی۔ مارچ ایک طرح سے گرمیوں یا بہار کی ابتدا کا مہینہ ہوتا ہے۔ اس طرح کی سردی واقعی حیران کن ہے اور ہم تو سردی کو پتنگیں وغیرہ اڑا کر الوداع کہہ چکے ہوئے تھے۔ اس سردی سے جہاں ہمیں تھوڑی سی تکلیف ہوئی وہاں خوشی بھی ہوئی کہ چلو سردی اور زیادہ لمبی چلی اور گرمی کم ہوئی۔ میں اپنے گھر کے پاس ایک بڑی سی گراؤنڈ میں لمبا کوٹ پہن کر اور کمبل لے کر وہاں بیٹھا اس خنک ہوا سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ بچے کرکٹ کھیل رہے تھے اور مزے کی ہوا چل رہی تھی۔ میں اپنے کسی پروگرام میں آپ کو بتاؤں گا کہ ''گھبرو'' کیا ہوتا ہے اور جس طرح سے ہرن برف چاٹ کر خوش اور تیز رہتا ہے اس طرح گھبرو بھی ٹھنڈی ہوا کھا کر خوش رہتا ہے۔ یہ باتیں ہمیں پرانے بابے بتایا کرتے تھے۔ میں اس ٹھنڈی ہوا سے لطف لے رہا تھا اور طرح طرح کے خیالات ذہن میں آتے تھے اور میں شاید اپنے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ جس طرح میں آپ سے عرض کیا کرتا ہوں کہ آپ اپنے ساتھ بیٹھنے کی بھی عادت ڈالیں۔ ہم سارا وقت لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ سارا وقت بولتے رہتے ہیں لیکن اپنے آپ کو وقت نہیں دے پاتے ہیں۔ آدمی کو اپنی ذات کے ساتھ بیٹھنے سے بہت کچھ عطا ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح سے جس طرح سے غارِ حرا میں حضور نبی اکرمؐ بیٹھا کرتے تھے۔ خلوت میں، خاموشی میں اور اپنے خدا کے ساتھ ڈائریکٹ رابطہ کر کے۔

میں وہاں بیٹھا ہوا تھا کہ مجھے وہاں ایک عجیب سا شور سنائی دیا۔ ایک ٹین کا خالی ڈبہ تھا اور وہ بڑی تیزی سے ہوا کے دباؤ سے لڑھکتا ہوا جا رہا تھا اور اس نے اس خاموش فضا میں ایسا شور مچایا ہوا تھا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کہ خدا کی پناہ۔ وہ شور مچاتا ہوا جاتا پھر ہوا کے دباؤ سے پلٹتا اور دوسری طرف کو لڑھکنا شروع کر دیتا تھا۔ جب وہ Right Side کو چلتا تو اس کی آواز بدل جاتی تھی۔ جب وہ لمبائی کے رُخ یا Left Side کو چلتا تو اس کی آواز بدل جاتی تھی۔ بعض اوقات اس سے ایسی آواز نکلتی کہ وہ ناقابل برداشت ہو جاتی تھی اور کبھی وہ بھلی بھی لگتی تھی۔ میں نے جا کر اس ٹین کے شریر ڈبے کو پکڑ لیا۔ میری آرزو یہ تھی کہ یہ ڈبہ فنا ہونے سے کسی طرح بچ جائے کیونکہ یہ آگے جا کر کسی کھائی میں گرے گا اور پھر اس کے اوپر بارش پڑے گی۔ زمین میں بے چارہ دھنس جائے گا اور یہ ری سائیکل (Re-Cycle) ہونے سے رہ جائے گا۔ میں اسے اٹھا کر اپنے ساتھ لے آیا اور اسے بڑے سے کوڑے دان میں پھینک دیا اور اسے اس توقع پر وہاں رکھا کہ اب اسے اس کے اگلے مقام پر پہنچ جانا چاہیے' بجائے اس کے کہ ایک آوارہ گرد بچے یا ایک پلّے کی طرح یہ بھاگا پھرے۔

جب میں واپس جا کر بیٹھا تو مجھے خیال آیا کہ زندگی میں ایک مقام پر ایسا ہی لڑھکتا ہوا ایک ڈبہ تھا اور میرا کوئی راستہ متعین نہیں تھا۔ میں کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر کو لڑھکتا پھرتا تھا۔ اب میں نے سوچا کہ کچھ کام ہونا چاہیے۔ اس زمانے میں لاہور سے روزنامہ 'مغربی پاکستان' کے نام سے ایک اخبار نکلتا تھا۔ اس کے صالح محمد صدیق صاحب ایڈیٹر تھے۔ وہ مجھ سے عمر میں زیادہ بڑے نہیں تھے البتہ تجربے میں بڑے تھے۔ پان چباتے رہتے تھے اور ''حاجی بغل بطورہ'' کے نام سے کالم بھی لکھا کرتے تھے۔ میں از خود ان کی شاگردی میں داخل ہو گیا اور خیال یہ تھا کہ مجھے لکھنے کا کام آنا چاہیے۔ میں وہاں جاتا رہتا۔ میرا وہ نیا نیا تجربہ تھا۔

خواتین و حضرات! سکول اور کالج کی لکھائی کا عملی زندگی کی لکھائی یا روزمرہ کی زندگی سے بڑا گہرا فرق ہوتا ہے۔ میں صالح محمد صدیق کی شاگردی میں لکھتا رہتا۔ میری دی ہوئی کچھ چیزیں چھپ جاتی تھیں' کچھ رک جاتی تھیں۔ وہ تحریروں کو کاٹتے بہت تھے (ظاہر ہے وہ ایک اچھے ایڈیٹر تھے) اور قلم کے تیر بہت چلاتے تھے جس سے میں بڑا دلبرداشتہ ہوتا تھا اور میں یہ سمجھتا تھا اور ایک مقام پر میں یہ محسوس کرنے لگا کہ میں ایک رائٹر نہیں بن سکتا اور مجھے کچھ اور کام کرنا چاہیے اور میں کوئی اور نوکری کروں گا۔ کسی اور میدان میں اتروں گا۔ کامیاب ہو گیا تو اچھا' نہ ہو سکا تو بھی کوئی بات نہیں۔

انتہائی دلبرداشتہ تھا۔ جب گھر آتا تو میری ماں پوچھتی کہ ''تو کچھ کھلتا نہیں ہے۔''

تو میں کہتا کہ ''کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔''

میں ان سے کہتا کہ ''میں خود کو کوئی ایسا مفید آدمی نہیں سمجھتا ہوں۔''

اور اس بات سے میری ماں بڑی پریشان ہوتی تھی کیونکہ میرے چہرے پر خوشی کے کم ہی آثار ہوتے تھے۔ طبیعت پر ایک بوجھ سا رہتا تھا لیکن اتنا نہیں تھا جتنا ہمارے نوجوان نے ڈپریشن کے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

عالم میں اب "سہیڑ" لیا ہے۔

میری ماں مجھ سے پوچھتی کہ "کیا بات ہے تو کچھ خوش نہیں ہے۔"

میں کہتا کہ "ہاں ماں ابھی تو خوش نہیں ہوں لیکن میرا اندازہ ہے کہ ہو جاؤں گا۔"

اب میرے استاد بھی مجھے سہارا تو نہیں دیتے تھے لیکن چاہتے ضرور تھے کہ میں اپنی ہمت اور پامردی کی بدولت اس مقام پر پہنچوں جہاں وہ مجھے دیکھنا چاہتے تھے۔

ہمارے اس اخبار میں ایک کاتب تھے "توکلی صاحب داڑھی والے" وہ سرخیاں لکھا کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے میری سلپ (جس پر رف خبر لکھی ہوئی ہوتی ہے) لے کر کہا کہ اشفاق صاحب باوصف اس کے کہ میں سرخیاں لکھتا ہوں اور موٹی کتابت کرتا ہوں اور باریک کتابت سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن میں آپ کی ہر تحریر کو بڑے شوق سے پڑھتا ہوں اس لیے کہ آپ کی تحریر کی جو ابتدا (صحافتی زبان میں اس کو انٹرو کہا جاتا ہے) ہوتی ہے یہ بڑے کمال کی ہوتی ہے۔ اس نے کہا کہ میرا اکیس بائیس برس پرانا تجربہ ہے اور یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ آپ خبر یا سٹوری کی ابتدا بڑے کمال کی کرتے ہیں اور میں اسے پڑھ کر بڑا لطف اندوز ہوتا ہوں۔

خواتین و حضرات! آپ یقین کیجیے اتنی سی ایک شاباش سے جو کسی بڑے آدمی یا بڑے ایڈیٹر سے نہیں آئی تھی ایک عام سے کاتب کی طرف سے موصول ہوئی تھی اور ان کا فرمانا کوئی مستند بھی نہیں تھا لیکن اس نے بحیثیت ایک قاری کے مجھے یہ کہا تھا۔ ان کے چند الفاظ نے مجھے "ری سائیکل" کر دیا اور میں ذرا حوصلے میں ہو گیا اور توکلی صاحب نے مجھے مثبت انداز میں دھکا دے دیا تھا۔ جب آدمی کو Appriciation ملتی ہے یا کہیں سے تھپکی ملتی ہے۔

ہماری بہوئیں ہماری ساسوں سے کیوں نالاں رہتی ہیں۔ ساسیں اپنی بہوؤں کو گہنے دے دیتی ہیں۔ گھر کی چابیاں دے دیتی ہیں لیکن شاباش نہیں دیتیں۔ انہیں یہ فن آتا نہیں ہے۔ کبھی یہ نہیں کہتی ہے کہ "تم نے میٹھے چاول پکا کر کمال کر دیا ہے۔ یہ گڑ والے چاول اتنے کمال کے ہیں کہ ہم سے یہ کبھی پک نہیں پائے ہیں۔ لڑکی تم نے یہ کیا ترکیب لڑائی ہے! اب ساس کے اتنا کہنے سے وہ زندہ ہو جائے گی اور ساری عمر آپ کی خدمت کرتی رہے گی۔ چاول کھلاتی رہے گی اور آپ کے لیے جان دے دے گی۔

خواتین و حضرات! لڑھکتے ہوئے ڈبے کو اٹھانا اور اس کو ضائع نہ ہونے دینا ایک کمال ہے۔

اس کے بعد میں آزاد کشمیر ریڈیو چلا گیا۔ یہ بڑے مشکل حالات میں شروع کیا گیا تھا لیکن ہماری خواہش تھی کہ ہم اس بڑے ملک کے ساتھ "بھڑ" جائیں جو ہم پر ہر طرح کے حملے کرتا ہے۔

میں ان دنوں نوجوان تھا اور چھوٹے جوڑ کا پہلوان تھا اور وہاں بڑے بڑے نامی گرامی لوگ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کام کرتے تھے۔ لہٰذا میں وہاں ذرا ''کن دبا'' کے رہتا تھا۔

آج کے حالات بڑے ہی پراگندہ ہیں۔ اس زمانے میں تو بڑی ہی آسانیاں تھیں۔ تب نہ حکومت اتنی بوجھل تھی نہ اس کے تقاضے اس قدر تھے' نہ شفاف الیکشن کی بات ہوتی تھی۔ ایک رات میں نے ایک فیچر لکھا' اس بات کو اب تو چون برس ہو گئے ہیں۔ اس فیچر میں جمہوریت نہیں تھی۔ ایک وادی کی زندگی کا ذکر تھا۔ اس کا نام تھا "Abraham Lincoln Walks at Midnight" یہ ایک بڑی مشہور نظم تھی اور میں نے اس کو ٹائٹل بنا کر فیچر لکھا۔ اس میں تحریر تھا کہ کس طرح ابراہم لنکن کشمیر کی وادی میں آتا ہے جو ڈیموکریسی کا اتنا بڑا علمبردار تھا اور وہ دیکھتا ہے کہ کشمیریوں کے ساتھ کتنا ظلم ہو رہا ہے۔ میں نے ریڈیو پر سننے والوں کو اپنے فیچر سے پڑھ کر سنایا کہ کشمیر کی وادی میں پہنچ کر ابراہم لنکن ایک تقریر کرتا ہے اور کشمیر کے لوگ اس کے اردگرد کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ابراہم لنکن انہیں مخاطب کر کے کہتا ہے کہ ''باوصف اس کے تمہارے اوپر اتنا بڑا بوجھ پڑ رہا ہے اور تمہاری زندگی مشکل ہے لیکن میں نے ایسے آثار دیکھے ہیں کہ اتنی مشکل زندگی بسر کرنے کے بعد آدمی آسانیوں سے ہمکنار ہوتا ہے۔''

جب میں نے یہ فیچر پڑھا اور یہ براڈ کاسٹ ہو گیا اور مجھے تب بہت بڑے آرٹسٹوں کا سہارا تھا۔

یہ پروگرام رات کے نو بج کر تیس منٹ پر ختم ہوا تو میرے اسٹیشن ڈائریکٹر محمود نظامی صاحب جو طبیعت کے ذرا اور طرح کے آدمی تھے' ان کی طبیعت بڑی سخت تھی۔ کم وقت میں زیادہ کام کرنا چاہتے تھے۔ ان کا مجھے فون آیا اور انہوں نے مجھے کہا کہ "I Take Great Pride" اس دن کے بعد سے اب تک میرے پاؤں زمین پر نہیں لگتے ہیں۔ مجھے کسی استاد نے کچھ نہیں سکھایا لیکن ان دو مہربانوں (صالح محمد صدیق اور محمود نظامی) نے عالم بے خیالی میں دل کی سچائی کے ساتھ اس طرح سے Appriciate کیا کہ پھر میں کسی اور سہارے کا متلاشی یا طلبگار نہیں رہا۔

اگر زندگی میں آپ کے قریب سے کوئی لڑکھراتا ہوا' چکر کاٹتا ہوا خالی ٹین کا ڈبہ گزرے تو آپ رک جائیں اور اس پر توجہ دیں۔ آپ کی زندگیوں کے قریب سے جو ٹین کا ڈبہ گزرتا ہے' وہ غریب آدمی ہوتا ہے۔ مخلص شخص ہوتا ہے۔ معذور آدمی ہوتا ہے اور وہ ان پڑھ ہوتا ہے۔ اسے معاشرے میں کچھ نہیں ملا ہوتا۔ آپ نے اس کو نہ روٹی دینی ہے' نہ کپڑا دینا ہے' نہ مقام یا بینک بیلنس عطا کرنا ہے۔ بس اس کی عزت نفس لوٹانی ہے۔ جس طرح توکلی صاحب نے مجھے کہا اور اس کے بعد محمود نظامی صاحب نے مجھے کہا۔ اسی طرح ہم سب کا یہ فرض بنتا ہے کہ انسان کی عزت کریں۔ بس دوسرے انسان کی خیریت دریافت کرنی ہے۔ حال احوال پوچھنا ہے۔

بیبیو! اگر آپ کو اپنے گھر میں کام کرنے والی خواتین کے بچوں کا' خاوند یا باپ کا نام یاد رہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جائے تو یہ ضرور پوچھنا ہے کہ ''چاچا چراغدین کا کیا حال ہے۔''

اس نے یہ بات آپ کے منہ سے پہلی بار سننی ہے۔

ٹین کے یہ کھڑ کھڑاتے ہوئے ڈبے جو آپ کے اردگرد سے ہر وقت گزرتے رہتے ہیں اور ہم ان سے بے توجہ ہو کر اپنی زندگی اپنی مرضی سے بسر کرتے رہتے ہیں لیکن ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم ان کو روکیں اور گود میں اٹھائیں اور انہیں ضائع ہونے سے بچائیں اور اس ضائع ہونے سے بچانے کے لیے آپ کو اپنی گرہ سے کچھ بھی خرچ نہیں کرنا ہے۔

اپنے گھر داخل ہو کر اپنی آپا سے یا بیوی سے یا بوڑھے والدین سے آپ یہ ضرور کہا کریں چاہے کبھی کبھی کہ آپ بہت اچھی ہیں۔ مجھے بڑے ہی اچھے لگتے ہیں۔ آپ جن سے محبت کرتے ہوں' انہیں ضرور بتایا کریں' آپ مجھے اچھے لگتے ہیں۔ اگر آپ کسی سے کوئی ویلڈنگ کا کام کروائیں یا کسی سے اور کوئی کام کروائیں' چاہے موچی سے جوتا مرمت کروائیں' اس سے نیا ''پتاوا'' ڈلوائیں تو آپ اسے ضرور Appriciate کریں۔

ولایت میں تو Thank you very much کہنے کا رواج عام ہے۔ ہم نے یہ سیکھا نہیں ہے حالانکہ یہ ہمارا طرۂ خاص تھا۔ بظاہر یہ معمولی سی بات ہے لیکن ہماری معاشرتی زندگی کے ساتھ اس کا بڑا گہرا اور عمیق تعلق ہے۔

ہمارے دین کی تین مضبوط بنیادیں ہیں۔ ایک اعتقاد دوسرا ایمان اور تیسرا معاملات۔

اللہ کے فضل سے اعتقاد کے تو ہم بڑے پکے ہیں۔ عبادات بھی خوب کرتے ہیں۔ مساجد بھری ہوئی ہوتی ہیں لیکن معاملات کے میدان میں ہم صفر ہیں۔ ہم معاملے کو جان ہی نہیں سکے۔ ہمیں علم ہی نہیں ہے کہ ہمارا ہمارے پڑوسی کے ساتھ کیا رشتہ ہے۔ دوست سے کیا رشتہ ہے۔ ابا' اماں' بیوی کے ساتھ کیا رشتہ ہے۔ یہ رشتے ٹوٹے پڑے ہیں۔

جب تک ہم معاملات کی رسی کو ویسی مضبوطی سے نہیں پکڑیں گے' جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا ہے' اس وقت تک ہماری بیل منڈھے نہیں چڑھے گی۔ جب تک منبر کے اوپر جمعہ کے خطبوں میں اس بات پر توجہ نہیں دلائی جائے گی' ہم تھوڑے سے پھنسے رہیں گے۔ خواتین کو تو بطور خاص اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ میں اس پروگرام کی وساطت سے توکلی صاحب اور نظامی صاحب کا جو اس دنیا میں نہیں ہیں' ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کو گواہ بنا کر یہ کہتا ہوں کہ مجھ سے جو کچھ بھی ہو سکا' جس کرسی پر بھی بیٹھ سکا' یہ ان کی حوصلہ افزائی کی بدولت تھا اور نہ مجھ میں کوئی ذاتی خوبی نہ جب تھی نہ اب ہے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

شہ رگ کا ڈرائنگ روم

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچے۔

ہمارے ایک بابا تھے جو ڈیرہ غازی سے ملنے میرے گھر بطور خاص تشریف لائے تھے۔ ان کی کپڑے کی دکان تھی اور ان کا دکانداری کا انداز بہت عجیب تھا۔ ایک تو وہ ایک گز کپڑے پر صرف چار آنے منافع لیتے تھے۔ یہ بڑے کمال اور حیرانی کی بات ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنی دکان ظہر کے بعد بڑھا دیتے تھے۔

ان کا کہنا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیاوی کام کے لیے فجر سے ظہر تک کا لمبا Gap دیا ہے اور ظہر کے بعد اللہ کا ٹائم شروع ہو جاتا ہے اور اپنی دکان بڑھا چکنے کے بعد وہ اللہ سے لو لگا لیتے تھے۔ وہ مجھ پر بڑی شفقت اور مہربانی فرماتے تھے۔ جب بھی لاہور آتے مل کر جاتے تھے اور میں بھی بہت آرزومندی سے ان کے آنے کا انتظار کرتا رہتا تھا کہ جب وہ آئیں گے تو ان سے ملاقات ہوگی اور کوئی نئی اور ایسی پریکٹیکل بات معلوم ہوگی، جو کتابوں میں نہیں ملتی۔ ایک دفعہ میں نہا رہا تھا تو وہ تشریف لائے اور انہوں نے اونچی آواز میں کہا کہ ''اشفاق کو باہر بھیجو۔''

میری بیوی گیٹ پر گئی اور اس نے ان سے کہا کہ ''جی وہ نہا رہے ہیں۔''

میں بھی ان کی آواز سن کر غسل خانے سے چلایا کہ ''انہیں روکو، روکو۔''

لیکن انہوں نے اپنی اونچی آواز میں کہا کہ ''فراق، فراق، فراق، ان کا نہ مل پانا بھی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ یہ طے نہیں تھا کہ ان سے ملاقات ہو جاتی۔''

میں اندر سے بہت چیخا چلایا کہ اللہ جانے وہ کب آئیں گے اور وہ فراق کا لفظ کیوں کہہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

رہے ہیں لیکن وہ اس طرح سے یہ لفظ دہراتے ہوئے چلے گئے۔ میری بیوی نے بھی انہیں روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ نہیں رکے۔ پھر میں سوچنے لگا کہ وصال اور فراق جدائی اور قربت کے درمیان ایک مقام ہے اور وہ اعتماد اور یقین کا مقام ہے۔ آپ اعتماد کے اندر اپنے آپ کو داخل کر کے اس توقع کے ساتھ بیٹھتے ہیں کہ بات ضرور ہو گی اور ضرور پوری ہو گی' بشرطیکہ آپ وصال اور فراق کو ان دونوں سائیڈوں کو اچھی طرح سے سمجھتے ہوں۔

اعتماد تک پہنچنے کے لیے انسان کو اس ''دبدہ'' سے بھی گزرنا پڑتا ہے جو کہ اس کو خدا کے قریب پہنچنے میں اور اسے واصل ہونے کی راہ میں حائل ہوتی ہے۔

اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''تمہارے رزق کا میں ذمہ دار ہوں اور عزت اور ذلت تمہیں میں دیتا ہوں۔ زندگی اور موت بھی میرے ہاتھ میں ہے۔''

بندہ یہ سمجھتا ہے کہ نہیں رزق تو میری اپنی کوشش اور محنت اور توجہ سے ملتا ہے اور (نعوذ باللہ) اللہ میاں بھول بھی سکتے ہیں۔ انہیں کیا پتہ ہے کہ میں کوچہ گنگا اور محلّہ ماشکیاں میں رہتا ہوں اور اس طرح آدمی کا یقین ہلتا رہتا ہے اور ہم جو پڑھے لکھے آدمی ہیں' ان کا یقین زیادہ ہلتا رہتا ہے اور جو دوسرے ہوتے ہیں اور جو زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہوتے' ان کا ایمان زیادہ مستحکم اور پکا ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں ''اللہ سچا جیسے کرے گا اس کی مرضی ہے اور اسی طرح سے ہی ہوا۔''

ہمارے پاس جغرافیہ' ریاضی' جیومیٹری اور سیاست کے بڑے مسائل ہیں اور یقین کی وہ گھڑی جو ہر وقت انسان کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ساتھ چلنی چاہیے وہ ساتھ چلتی نہیں ہے۔

ایک مقام خواتین و حضرات' ایسا بھی آیا کہ قائداعظم کو جو ایک بہت بڑے سیاستدان بھی تھے' انہیں بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اپنی قوم کو مثبت انداز میں اس بات کا حکم دیں کہ تنظیم' اتحاد اور یقین محکم کا پیدا ہونا ضروری ہے کیونکہ تنظیم اور اتحاد یقین محکم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ان تینوں کا ایک ساتھ ہونا اشد ضروری ہے۔ درحقیقت بہت سارے خوف ہیں جو ہمیں گھیرے رکھتے ہیں اور وہ سارے خوف ذہن کی پیداوار ہیں۔ ہم چونکہ کمزور آدمی ہیں اور ہر قدم پر ڈگمگا جاتے ہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ خوف والم کو بے خوفی سے دور کیا جا سکتا ہے۔ کوئی ایسی ڈیوائس' کوئی ایسا کالا منتر یا ایسی چالا کی اختیار کی جائے کہ ہمارے اوپر آنے والے اندیشے ختم ہو جائیں۔

ہمارا سب سے بڑا اندیشہ ہمارا مستقبل یا فیوچر ہے کہ کل کیا ہو گا۔ آبادی بڑھ جانے کا اندیشہ' پانی کی کمی کا اندیشہ اور یہ اندیشہ کہ ہم یہ جو آج مزے کر رہے ہیں اور اعلیٰ درجے کا انگور کھا رہے ہیں' جاپانی پھل اڑا رہے ہیں' معلوم نہیں کل میسر ہو گا کہ نہیں۔ ہم اسی خوف کے شکنجے میں پھنسے ہوئے ہیں۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اس خوف کو دور کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ آپ اپنے اندر اعتماد کی فضا پیدا کریں' جب تک خوف کے اندر رہتے ہوئے اور غم میں مبتلا ہو کر آپ کے دل کے "آ ہلنے" (گھونسلے) میں یقین کا انڈہ پیدا نہیں ہوگا' اس وقت تک آپ چل نہیں سکیں گے۔ اس یقین کا پیدا ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر آپ یہ یقین دل میں بٹھا لیں کہ ہاں ہم ہیں' ہمارا خدا ہے اور اس کے وعدے سچے ہیں۔ پھر بات بنے گی۔

آپ نے لوگوں کو یہ کہتے سنا ہوگا کہ نجانے اکیسویں صدی میں کیا ہوگا؟ بجائے اس کے ہم خوشی منائیں اور خوشی خوشی نئی صدی میں داخل ہوں' ہم اندیشوں میں مبتلا ہو کر بس تھر تھر کانپے جا رہے ہیں۔

بچو! جو صاحب اعتماد ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ اکیسویں' بائیسویں صدی جو صدی بھی آئے میں ہوں' یہ راستہ ہے' یہ میرے چلنے کی استطاعت ہے۔ سارے کام بہتر ہوں گے۔ کیوں نہیں ہوں گے۔ جب جانور' پنچھی پکھیرو اعتماد میں ہوتے ہیں' چڑیوں کو کبھی خوف نہیں ہوتا۔

ہمارے گھر میں چڑیوں کا گھونسلا تھا۔ اس گھونسلے پر اتنی بارش ہوئی۔ تین دن مسلسل دن رات وہ گھونسلا بارشوں کے ستم سہتا رہا۔ میں بہت خوف زدہ ہوا اور اپنی بیوی سے کہا کہ یہ بچاری تو مر جائیں گی۔ تین دن ہو گئے یہ چوغا چگنے بھی نہیں گئیں۔ اگر نہیں جا سکی ہیں تو کم از کم انہیں خوف کا اظہار تو کرنا چاہیے۔ انہیں چھوٹا سا اخبار چھاپنا چاہیے اور اس میں ایڈیٹوریل لکھنا چاہیے کہ "اے پیاری چڑیو تمہارا کیا بنے گا۔ اتنی موسلا دھار بارشوں میں تم تو بھوکی مر جاؤ گی۔ انہیں دوسری چڑیوں پر بھاشن جھاڑنا چاہیے اور بہت خوف کا اظہار کرنا چاہیے اور کہنا چاہیے کہ اللہ میاں کو اب بارش بند کر دینی چاہیے اور حکومت وقت کو بھی ہمارے گھونسلوں پر توجہ دینی چاہیے وغیرہ وغیرہ۔" لیکن وہ آرام سے بیٹھی رہیں۔ جس دن بارش ختم ہوئی پھُر کر کے اڑیں۔

اچھا اب یہ پتہ نہیں ہوتا ہے کہ ان کا پہلا Stop کونسا ہوتا ہے۔ ہمیں تو پتہ ہوتا ہے نا یہ اشیائے خورد و نوش کی دکان ہے' یہاں سے سودا لانا ہے۔ اب چڑیوں یا جانوروں کی تو کوئی خاص مارکیٹ نہیں ہوتی ہے۔ انسان کو خدا پر مکمل اعتماد کا اظہار کرنا چاہیے لیکن یہ پیدا نہیں ہوتا۔ انسان اس سے بڑا گھبراتا ہے۔

خواتین و حضرات! آپ کبھی اپنی زندگیوں کا معائنہ فرمائیں تو آپ کو بڑی حیرانی ہوگی کہ آپ بڑی ہی اعتماد کی فضا میں داخل ہو کر بہت سے کام پورے اعتماد کے ساتھ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کوئی اہم خط لکھتے ہیں اور اس کو ڈاکخانے کے لال ڈبے میں اس یقین کے ساتھ ڈال دیتے ہیں کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ جائے گا اور یہ حاصل پور آپ کے کسی پیارے کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔ آپ خط ڈال کر بے فکر ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک چھوٹا سا اعتماد ہے۔ اگر اس کی پرورش کی جائے اور

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اسے توانائی بخشی جائے تو یہ ایک بڑا اعتماد بھی بن سکتا ہے۔ آج سے تقریباً دو سال پہلے کی بات ہے کہ مجھے ایک چیک ملا۔ وہ ایک لاکھ روپے کا چیک تھا۔ اس سے پہلے میں نے لاکھ روپیہ نہ کبھی ہینڈل کیا تھا اور نہ ہی دیکھا تھا۔ آپ کو تو پتہ ہی ہے کہ نوکری پیشہ لوگوں نے مہینے کے مہینے مخصوص تنخواہ پر ہی گزارا کرنا ہوتا ہے۔

وہ چیک مجھے کیش کرانا تھا۔ جب میں بینک میں گیا اور کیشیئر کو وہ چیک دیا تو اس نے مجھے ٹوکن دیا۔ اب میں ایک لاکھ روپے کی اپنے تئیں ایک بڑی رقم کے چیک کو دے چکا ہوں اور ٹوکن لے کر اعتماد میں کھڑا ہوا ہوں' حالانکہ چیک لینے والے نے چیک کے پیچھے دستخط بھی کروا لیے تھے اور رقم دینے سے پہلے انہوں نے مجھ سے ٹوکن بھی واپس لے لیا تھا۔ اب وہ بڑی آسانی کے ساتھ کہہ سکتے تھے کہ جی آپ کو پے منٹ ہوگئی ہے۔ اب یہ میں Suggestion نہیں دے رہا ہوں کہ ایسا ہونا چاہیے (مسکراتے ہوئے) یہ اعتماد تھا کہ نہیں' وہ ایسے نہیں کہیں گے اور مجھے رقم دیں گے۔

ہر روز لاکھوں' کروڑوں آدمی اسی یقین کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کرتے ہیں۔ ہم محکمہ ڈاک اور بینکنگ سسٹم پر یقین کر لیتے ہیں' اپنے خدا پر یقین نہیں کرتے۔ ہم اپنا ایک بچہ ایک اعلیٰ سکول میں داخل کرتے ہیں اور ہمیں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ یہ بی۔اے کرے گا۔ اس کے بعد یہ مقابلے کا امتحان دے گا۔ یہ اس امتحان میں کامیاب ہوگا اور یہ تھرپارکر میں ڈپٹی کمشنر لگے گا۔

وہاں تک تو یقین چلتا جاتا ہے۔ یہاں آ کر بریکیں کیوں لگ جاتی ہیں۔ یہاں ہمارے دل کے گھونسلے میں وہ انڈہ پیدا نہیں ہوتا جسے اعتماد کا نام دیا جا سکے۔

جب آپ اپنے خوف کو دور کرنے کے لیے کوئی اور لیور استعمال کرتے ہیں اور کوئی اور ''اوپائے'' (حل) ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں تو پھر آپ کے اندر اعتماد پیدا نہیں ہوتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ بجلی کے تار تانبے کے ہوا کرتے تھے' ان میں سے بجلی بہت اچھے طریقے سے گزرتی تھی۔

جن ممالک کے پاس تانبے کے ذخائر تھے' ان میں افریقہ کے وہ ملک بھی تھے جن پر گوروں کا قبضہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ تھوڑے سالوں کے اندر تانبے کی قیمت سونے سے بھی بڑھ جائے گی کیونکہ اس کی ڈیمانڈ میں بہت اضافہ ہوگیا تھا۔ اب انہوں نے اپنی عقل اور دانش کے مطابق تانبے کے ذخائر پر چھاؤنی ڈال دی اور انہیں سینے سے لگا کر بیٹھ گئے اور تانبے کو باہر نہ آنے دیتے تھے کہ اس کی قیمتیں بڑھیں گی تو بیچیں گے۔

اس طرح پھر بجلی کی تاروں کے لیے سلور کے تار استعمال ہونے لگے کیونکہ تانبا دستیاب نہیں تھا۔

اب خدا نے بھی اپنا ایک نظام رکھا ہوا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ (ترجمہ) ''میں ان سے زیادہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مکر کرسکتا ہوں۔" کہ اگر وہ مکر کرتے ہیں تو اللہ بھی اس بات کے قابل ہے مکر کرسکے۔ اللہ نے ان لوگوں کو جن کے پاس تانبا نہیں تھا' انہیں عقل دی اور کہا کہ چلو تم ایک سیٹلائٹ تیار کرو جس میں تانبے کی ضرورت ہی نہ پڑے اور ذخیرہ اندوزوں کو منہ کی کھانی پڑے۔ اللہ بے شک جو چاہتا ہے کرسکتا ہے۔

آپ جانتے ہیں نا کہ ہمارا یہ پروگرام بھی سیٹلائٹ کے باعث ساری دنیا ناروے اور برطانیہ میں بغیر تار اور تانبے کے دیکھا جارہا ہے اور تانبے والے بیٹھے رو رہے ہیں۔ اللہ کے پاس بڑے طریقے ہیں اور انداز ہیں۔

مشکل مجھ پر بھی آتی ہے۔ گھبراہٹ بھی آتی ہے۔ گھبراہٹ کو محسوس کرنے والوں میں میں بھی آپ کے ساتھ شامل ہوں۔ میں بڑا دھنتر خاں نہیں ہوں۔ آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں کسی بات کی پروا نہیں کرتا۔ نہیں خوف اور تشویش میرے اندر آپ سے زیادہ ہی ہوگی' کیونکہ میں آپ سے دو کتابیں زیادہ پڑھا ہوا ہوں۔

خواتین و حضرات! خوش نصیب آدمی وہ ہے جو اپنے اندر خوف کے باوجود یقین محکم پیدا کرتا ہے۔

اگر آپ کہیں گے کہ اسی یقین سے ایک شیر نر پیدا ہوگا جو آپ کی حفاظت کرے گا تو ضرور ایسا ہوگا لیکن اگر آپ کہیں گے اور واویلا کرتے رہیں گے کہ "مارے گئے' لوٹے گئے' برباد ہوگئے۔"

تو اس طرح سے کام بننے والا نہیں ہے۔ ایک بار ہم ناران گئے۔ وہاں دو تین دن قیام کے بعد ہمارا ارادہ جھیل سیف الملوک جانے کا تھا لیکن ہمیں ہمارے گروپ لیڈر ممتاز مفتی نے رائے دی کہ باٹا کنڈی چلتے ہیں۔ یہ ناران سے الٹے ہاتھ پر واقع ہے۔ نہایت خوبصورت پیاری جگہ ہے۔ وہاں پہاڑوں کے اندر ساہیوال اور فیصل آباد جیسی مٹی ہے۔ بڑے خوبصورت پھولوں کے تختے وہاں بچھے ہوئے ہیں۔ ہم وہاں بڑے لطف اندوز ہوں گے۔ وہاں کے ایک مقامی کوہستانی شخص نے ہمیں گائیڈ کیا کہ اس جگہ سے پیچھے پہاڑوں کی شاخوں کے اندر اور ان کے پیچھے تختوں میں ایسے پھول ہیں کہ کسی نے دیکھے نہیں ہوں گے۔ ان کی خوشبو اور رنگت قابل دید ہے۔ جب ہم اس جگہ کے قریب گئے تو ہم نے دیکھا کہ وہ بالکل عمودی پہاڑ تھے۔ ان میں سے گزرنے کا راستہ بڑا مشکل تھا۔ عمودی پہاڑوں کے بالکل نیچے پچیس ہزار فٹ گہری کھڈ تھی۔ اب ہم ڈرے ہوئے تھے۔ ہمیں ایک گز کی چھلانگ مار کر انہیں عبور کرنا تھا۔

ہمارے گائیڈ نے اپنا ہاتھ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر ایک پل کی طرح رکھ دیا اور وہ مجھ سے کہنے لگا کہ "صاحب آپ میرے ہاتھ پر پاؤں رکھ کر گزریں۔"

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اب مجھ میں اتنی ہمت کہاں تھی۔ میرے تو پاؤں کانپ رہے تھے۔

وہ گائیڈ ہنسا اور کہنے لگا کہ "صاحب اس کے اوپر پاؤں رکھیں۔ یہ وہ بازو ہے جس نے کئی سینکڑوں آدمیوں کو گزارا ہے اور کسی کو دھوکا نہیں دیا۔"

اب اس کی بات ہی ایسی تھی کہ اعتماد اور یقین کی ایک طاقت میرے اندر عود کر آئی۔ جب ہم نے اس کے بازو پر پاؤں رکھا تو وہ واقعی بڑا مضبوط تھا۔ ہم آٹھ آدمی تھے۔ سارے اس سے گزرے اور پھر واپس بھی آئے۔

بچو! اعتماد کے بڑے رُخ ہوتے ہیں۔ اعتماد ہمیں کرنا پڑے گا۔ اللہ نے اگر کہہ دیا ہے تو پھر اس پر اعتماد کر کے چلیں اور آپ کے لیے دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔ اگر سوچ میں پڑ گئے تو پھر نہیں۔ میرے ایک استاد اونگارتی تھے۔ میں ان کا ذکر پہلے بھی کرتا رہا ہوں۔

میں نے ان سے پوچھا کہ "سر ایمان کیا ہوتا ہے۔"

انہوں نے جواب دیا کہ "ایمان خدا کے کہے پر عمل کرتے جانے اور کوئی سوال نہ کرنے کا نام ہے۔ یہ ایمان کی ایک ایسی تعریف تھی جو دل کو لگتی تھی۔"

اٹلی میں ہمارے کمرے میں ایک بار آگ لگ گئی اور ایک بچہ تیسری منزل پر رہ گیا۔ شعلے بڑے خوفناک قسم کے تھے۔ اس بچے کا باپ نیچے زمین پر کھڑا بڑا بیقرار اور پریشان تھا۔ اس لڑکے کو کھڑکی میں دیکھ کر اس کے باپ نے کہا کہ "چھلانگ مار بیٹا۔"

اس لڑکے نے کہا کہ "بابا میں کیسے چھلانگ ماروں۔ مجھے تو تم نظر ہی نہیں آ رہے۔" (اب وہاں روشنی اس کی آنکھوں کو چندھیا رہی تھی۔)

اس کے باپ نے کہا کہ "تو چاہے جہاں بھی چھلانگ مار تیرا باپ تیرے نیچے ہے، تو مجھے نہیں دیکھ رہا، میں تو تمہیں دیکھ رہا ہوں نا!"

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "تم مجھے نہیں دیکھ رہے۔ میں تو تمہیں دیکھ رہا ہوں۔"

اعتماد کی دنیا میں اترنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی شہ رگ کی بیٹھک اور شہ رگ کے ڈرائنگ روم کا کسی نہ کسی طرح آہستگی سے دروازہ کھولیں۔ اس کی چٹخنی اتاریں اور اس شہ رگ کی بیٹھک میں داخل ہو جائیں جہاں اللہ پہلے سے موجود ہے۔

اللہ آپ کو خوش رکھے اور آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کریڈٹ کارڈ رشتے

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں اہلِ زاویہ کا محبت بھرا اسلام پہنچے۔

زندگی کچھ ایسی بے معانی ہوگئی ہے (میں اسے مصروف تو نہیں کہتا) کہ انسانوں سے تعلقات ٹوٹتے جارہے ہیں اور اپنے اپنوں سے بہت ہی دور ہوتے جارہے ہیں۔

انسان بڑی آرزو رکھتا ہے کہ وہ اپنوں سے ملتا رہے لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ ایک ہی شہر میں ہوتے ہوئے' ایک ہی محلے میں رہتے ہوئے' آپ اپنے انتہائی قریبی عزیزوں اور دوستوں سے مل نہیں پاتے۔ میں چھوٹے شہروں کے بارے میں تو کچھ عرض نہیں کرتا' اس لیے کہ وہاں تو اللہ کا بڑا افضل ہوگا اور وہاں کے لوگ آپس میں ملتے رہتے ہوں گے لیکن بڑے شہر کچھ اس طرح سے بدنصیبی کی لپیٹ میں آ گئے ہیں کہ وہاں پر رشتوں کے جو معاملات ہیں' وہ ٹھیک طرح سے طے نہیں ہو پا رہے۔

میری ایک خالہ زاد بہن ہے۔ جب ہم چھوٹے تھے تو ہمیں بہت ہی عزیز اور پیاری تھی۔ ہم آپس میں کھیلتے تھے اور لڑائیاں کیا کرتے تھے۔ وہ اسی شہر (لاہور) میں ریلوے لائنوں کے اس پار بستی ہے' وہاں رہتی ہے اور میں نہیں جانتا کہ وہ کن حالوں میں ہے۔ اس کے بچے کہاں پہنچ چکے ہیں۔ اس کے خاوند کی پریکٹس اب کیسی ہے اور وہ کیسے ہے؟

میں جب بیٹھ کر اس کا تجزیہ کرتا ہوں کہ یہ سب ہو کیسے گیا ہے۔ میں تجزیے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ مجھے اپنے ہی ایسے کام ہیں کہ جان نہیں چھوٹتی۔ مثال کے طور پر مجھے اپنا پراپرٹی ٹیکس درست کروانا ہے جو غلط آ گیا ہے۔ میرے کچھ دوسرے ذاتی معاملات ہیں' جن میں مصروف ہوں یا میں نے اپنے ڈرائیونگ لائسنس کو نیا بنوانا ہے کیونکہ پہلے والا زائد المیعاد ہو چکا ہے۔ وہاں جا کر پتہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

چلتا ہے کہ میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں میری Eye Sight ٹھیک نہیں رہی۔ البتہ میں اپنی نظر چیک کروانے کے لیے جاتا ہوں لیکن اس کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لیے مجھے پھر چکر لگانے پڑتے ہیں۔

میرا بیٹا لاہور سے ذرا دُور رائیونڈ میں رہتا ہے۔ وہاں گیس کی سہولت نہیں ہے' لہٰذا مجھے اسے گیس سلنڈر فراہم کرنے کے لیے اس کے پیچھے رائیونڈ جانا پڑتا ہے۔ ہمارے ملازم کو کتا کاٹ گیا تو اسے چودہ ٹیکے لگوانے کے لیے مجھے ہسپتال جانا پڑا۔ میں وہاں بھی گیا لیکن ریلوے کے اس پار رہتی اپنی بہن کے پاس نہ جا سکا۔ اس کے اور میرے درمیان جو یہ ساری عام سی چیزیں حائل ہوتی رہتی ہیں' انہیں دور نہیں کر سکتا۔

مجھے گیارہ کتابوں کے دیباچے لکھنا ہیں۔ مجھے مشاعرے کی صدارت کرنی ہے' مجھے کہا گیا ہے کہ یہ جو بڑی بڑی فارمی مونگ پھلی ہوتی ہے' یہ گلا پکڑتی ہے اور مجھے اکبری منڈی جا کر چھوٹی اصلی اور دیسی مونگ پھلی تلاش کرنا ہے۔ میری بہو مجھ سے کہتی ہے کہ آپ سبزی منڈی جا کر میرے لیے ''بروکلی'' لائیں (اس نے کسی کتاب میں پڑھ لیا ہوگا کہ یہ فائدے کی چیز ہے) میں وہ لے آتا ہوں۔ میری روح اور جسم کے درمیان اس طرح کی مصروفیت رہتی ہے میں سارے کام کر لیتا ہوں لیکن اپنی خالہ زاد بہن کے لیے چند منٹ یا گھنٹے نہیں نکال پاتا۔ یہ کوئی بڑی مصروفیات نہیں ہیں لیکن یہ زندگی میں حائل ہوتی رہتی ہیں اور سالہا سال چلتی رہتی ہیں اور میں ریلوے پھاٹک کراس نہیں کر پاتا کہ اپنی بہن کا حال احوال معلوم کر سکوں۔ یہاں کراچی' پنڈی' لاہور میں میرے انتہائی قریبی عزیز و اقارب آباد ہیں لیکن ہم ایک دوسرے کو نہیں مل پاتے۔ ایک فوتیدگی کے موقع پر میں نیم غنودگی میں کچھ سویا ہوا تھا اور کچھ جاگا ہوا نیم دراز سا پڑا تھا۔ وہاں بچے بھی تھے جو آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک بچے کی بات نے مجھے چونکا دیا وہ کہہ رہا تھا کہ ''کوئی فوت ہو جائے تو بڑا مزہ آتا ہے۔ ہم سب اکٹھے ہو جاتے ہیں اور سارے رشتہ دار ملتے ہیں۔''

پھر ایک بچے نے کہا کہ ''اب پتہ نہیں کون فوت ہوگا' نانا نصیر الدین بوڑھے ہو چکے ہیں' ان کی سفید داڑھی ہے۔ شاید اب وہ فوت ہوں گے۔ اس پر جھگڑا کھڑا ہو گیا اور وہ آپس میں بحث کرنے لگے۔ کچھ بچوں کا موقف تھا کہ ''پھوپھی زہرا کافی بوڑھی ہو گئی ہیں۔ وہ جب فوت ہوں گی تو ہم انشاءاللہ لائلپور (فیصل آباد) جائیں گے اور وہاں ملیں گے اور خوب کھیلیں گے۔''

خواتین و حضرات! میں آپ کو ایک خوشخبری دوں کہ بچوں کی اس بحث میں میرا نام بھی آیا۔ میری بھانجی کی چھوٹی بیٹی جو بہت ہی چھوٹی ہے اس نے کہا کہ ''نانا اشفاق بھی بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔''

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خواتین وحضرات! شاید میں چونکا بھی اس کی بات سن کر تھا۔ جو میرے حمایتی بچے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ جب نانا اشفاق فوت ہوں گے تو بہت رونق ہوگی کیونکہ یہ بڑے مشہور ہیں۔

جب بچوں کا جھگڑا کچھ بڑھ گیا اور ان میں تلخی پیدا ہونے لگی تو ایک بچے نے کہا کہ جب نانا اشفاق فوت ہوں گے تو گورنر آئیں گے' اس پر ایک بچی نے کہا کہ "نہیں گورنر نہیں آئیں گے بلکہ وہ پھولوں کی ایک چادر بھیجیں گے کیونکہ گورنر بہت مصروف ہوتا ہے۔ تمہارے دادا' یا نانا ابو اتنے بھی بڑے آدمی نہیں کہ ان کے فوت ہو جانے پر گورنر آئیں گے۔"

وہ بچے بڑے تلخ' سنجیدہ اور گہری سوچ بچار کے ساتھ آئندہ ملنے کے پروگرام بنا رہے تھے۔ ظاہر ہے بچوں کو تو اپنے دوستوں سے ملنے کی بڑی آرزو ہوتی ہے نا! ہم بڑوں نے ایسا ماحول بنا دیا ہے کہ ہم رشتے بھول کر کچھ زیادہ ہی کاروباری ہو گئے ہیں۔ چیزوں کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں' حالانکہ چیزیں ساتھ نہیں دیتیں۔ ہم جانتے بھی ہیں کہ رشتے طاقتور ہوتے ہیں اور ہم رشتوں کے حوالے سے ہی پہنچانے جاتے ہیں۔ آپ بھائی' ماں' باپ' بیوی' بیٹی چاہے کوئی بھی رشتہ دیکھ لیں' ہمیں کسی نہ کسی رشتے میں بندھنا پڑے گا ہی۔ چاہے گھر کا رشتہ ہی کیوں نہ ہو۔ ہم کسی نہ کسی رشتے میں بندھے ہیں' آزاد نہیں ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ نہیں ہمیں تو بہت زیادہ پیسے کی ضرورت ہے۔ ہم ترقی کا مطلب مالی طور پر استحکام ہونے کو کہتے ہیں۔

خواتین وحضرات! اگر ہم کہیں کہ ہماری اقدار بدل گئی ہیں تو یہ بات غلط ہے۔ اقدار اب بھی قائم ہیں۔ سچ جھوٹ' دیانتدار اور بددیانت میں اب بھی واضح فرق ہے۔ ہم چاہے گھر بدل لیں' محلّہ یا شہر بدل لیں قدریں ہر جگہ موجود ہوں گی۔ خوفناک بات تو یہ ہے کہ ہمارے بچوں کو ایک دوسرے سے ملنے کے لیے ہمارے فوت ہونے کا انتظار ہے۔ یہ خرابی بچوں کی نہیں ہے ہماری ہے۔ میں تو ایسی خواہش کو ان کی خوبی گردانتا ہوں' وہ ملنے کے تو خواہشمند ہیں۔

خدا کے لیے کوشش کریں کہ ہم اپنے رشتوں کو جوڑ سکیں۔ ایسی خلیج حائل نہ ہونے دیں کہ ملاقاتیں صرف کسی کے فوت ہو جانے کی مرہونِ منت ہی رہ جائیں۔ رشتے بڑی تیزی سے ٹوٹ رہے ہیں۔ یہ کریڈٹ کارڈز رشتے نہیں جوڑ سکتے ہیں اور کوئی پانچ سالہ منصوبوں سے یہ کام نہیں ہوگا۔ یہ کام تو ہمیں آج ہی کرنا پڑے گا۔ وجود کپڑے پہننے سے دلکش اور Decorate نہیں ہوگا۔ اس کے لیے اندر کی صفائی بھی ضروری ہے۔

اپنی کوتاہیاں جاننے کی ضرورت ہے۔ اپنے رشتوں کو پہچاننے کے لیے اور ایک دوسرے کے قریب رہنے کے لیے وہ وقت نکالنا پڑے گا۔ رشتوں کو کریڈٹ کارڈ جتنی تو کم از کم اہمیت دینی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پڑے گی۔ مجھے اپنے یوٹیلیٹی بلز کا بڑا فکر ہے۔ فون کٹ جانے اور دوبارہ بحال نہ ہونے کی بڑی چنتا ہے۔ بار بار دفتروں کے چکر بھی لگا تا رہتا ہوں لیکن مجھے اپنی اس بہن جو مجھے بہت پیاری تھی، میرا اس سے رشتہ کٹا ہوا ہے، وہاں نہیں جا پاتا۔

کیا ہم ان بچوں کی طرح اس بات کا انتظار کریں گے کہ کوئی مرے پھر ہم مجبوری کے ساتھ لاٹھی ٹیکتے ہوئے یا چھتری پکڑے وہاں جائیں۔ جب ہم کہیں جائیں تو یہ فخر ضرور دل میں ہونا چاہیے کہ میں ایک شخص سے ملنے جا رہا ہوں۔ مجھے اس سے کوئی دنیاوی غرض نہیں ہے۔ اس کے پاس اس لیے جا رہا ہوں کہ وہ مجھے بہت پیارا ہے۔ چاہے ہم اس کام کے لیے کم وقت دیں لیکن دیں ضرور۔

آپ میرے لیے بھی دعا کریں کہ میں بھی کبھی ریلوے لائن کراس کر کے لاٹھی ٹیکتا اپنی بہن کو ملنے جاؤں۔ میری یہ دلی خواہش ہے کہ ہم آپس میں ملیں اور ملتے رہیں اور اس کا خصوصی اہتمام کرتے رہیں تا کہ ہمارے بچوں کو فوتیدگی والے گھر کی بجائے عام حالات میں بھی ایک دوسرے کو ملنے کا موقع میسر آ سکے اور انہیں جلد کسی کے مرنے کی خواہش نہ کرنی پڑے اور ان کی ''بچہ میٹنگ'' ہوتی رہے اور ہم ایک ہی جگہ پر رہتے ہوئے اپنے گھروں کو دیارِ غیر نہ بنا دیں۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

Defensive Weapon

ہم سب کی طرف سے اہلِ زاویہ کو سلام پہنچے۔

یہ زاویے والے لوگ بھی دنیا کے دیگر تعلیم یافتہ لوگوں کی طرح سے اپنی پٹڑی کے اندر کچھ ایسا اہتمام کرتے رہتے ہیں تا کہ لوگوں کی روحانی مشکلات کا سدِباب ہوتا ہے۔ ان کا یہ خیال ہے اور یہ بہت جائز خیال ہے کہ انسان جانور کے مقابلے میں اشرف تر چیز ہے اور وہ اس بات کا ہر وقت خیال بھی رکھتا ہے اور اس کی کوشش رہتی ہے کہ وہ اس سطح سے ہمیشہ اوپر رہے اور اونچا رہے اور جو چیز اسے جانوروں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہی ہے کہ انسان اور جانور میں روح اور جان کا فرق ہوتا ہے۔ انسان روح کا حامل ہے جبکہ جانور جان رکھتا ہے اور روح کا مظاہرہ کرنے اور اسے حفاظت میں رکھنے کے لیے انسان کو بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ جانور تو اپنی جبلت کے سہارے اور صلاحیتوں کے مطابق زندگی گذارتا ہے جبکہ انسان میں رکاوٹ ہے اسے جب بھوک لگتی ہے تو کھانا کھاتا ہے پیاس لگے تو پانی پیتا ہے اور اسے Reproduction کرنی ہو تو وہ اپنی مادہ کے پاس جائے لیکن انسان ایسی مخلوق ہے جو جانوروں سے یوں بھی برتر ہے کہ انسان Faith یعنی ایمان بھی رکھتا ہے۔ بھینس کا کوئی ایمان نہیں ہے۔ گھوڑے کو علم نہیں ہے کہ ایمان اور ایقان کیا ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں انسان کو ایمان کا پتہ ہے اور وہ کوشش بھی کرتا ہے کہ وہ اسے سمیٹ کر اور سنبھال کر رکھے۔ بھینس کے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ آج کھانا نہیں کھاتے بلکہ روزہ رکھنا ہے۔ انسان کے دل میں خیال آتا ہے کہ روزہ رکھوں اور اپنا احتساب کروں۔ کسی مگر مچھ نے یہ نہیں سوچا کہ اس کی 270 برس کی عمر ہو گئی ہے۔ اس نے بڑے ظلم کیے ہیں اور اب اسے شرمندگی کا کچھ احساس ہونا چاہیے اور اللہ سے معافی مانگنی چاہیے۔ انسان کا رتبہ صرف اس وجہ سے بلند ہے کہ وہ اپنی خود احتسابی میں شامل ہوتا ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مجھے جن بابوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے' وہ عجیب وغریب قسم کے طریقے ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ ان طریقوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر ہمارے اوپر کوئی بلا پڑے تو اس سے بخوبی احسن نمٹا جائے۔ یہ بابے اکثر یہ تلقین کرتے ہیں کہ ہر انسان کو اپنے ساتھ ایک خنجر ضرور رکھنا چاہیے اور وہ اس خنجر کے ساتھ ہر وقت الرٹ اور چوکس رہے اور جب بھی اس پر کوئی منفی چیز حملہ آور ہو تو وہ اس کا جواب دینے کے لیے جواباً بھی حملہ کرے اور اس منفی چیز کو قریب نہ آنے دے۔ اس منفی چیز میں کوئی بھی خرابی یا گناہ ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے ہوں اور گہرے خیالوں میں گم ہیں اور اچانک کھلی ہوئی کھڑکی کی جھری میں سے ایک بھِڑ اندر آ جاتا ہے۔ آپ اچانک اسے دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں اور ہاتھ چلا دیتے ہیں۔ آپ کے ہاتھ چلانے کے ساتھ ہی کتاب گر جاتی ہے۔ قلمدان دوسری طرف الٹ جاتا ہے حالانکہ وہ بھِڑ آپ کو کچھ نہیں کہہ رہا ہوتا ہے۔ (پروگرام کے سیٹ پر اشفاق احمد کو لسّی پیش کی جاتی ہے وہ اس کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں یار یہ پی کر بچپن یاد آ گیا)۔ ہمارے بابے اسی حوالے سے فرماتے ہیں کہ آپ کو منفی چیزوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہمہ وقت تیاری رکھنی چاہیے۔ خواتین وحضرات! وہ خنجر سچ مچ کا خنجر نہیں ہے وہ آپ کی Alertness ہوشیاری اور شعور کا خنجر ہے۔ جب تک وہ استعمال نہیں کیا جائے گا' اس وقت تک آپ کی اشرف المخلوقاتی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ تمام بزرگ اور بابے اس کا خیال رکھتے ہیں خاص طور پر ہمارے بابا جی کہا کرتے تھے کہ رشوت کے معاملے میں آپ کو ہر وقت خنجر بکف رہنا چاہیے۔ کیونکہ آپ کے دفتر میں کوئی بھی کسی وقت بھی آ کر ڈھیر ساری رقم آپ کو رشوت کے طور پر دے سکتا ہے' آدمی کمزور ہے اس کی میز میں درازیں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس صورت میں بابا جی کہتے ہیں اس رشوت پر فوراً حملہ آور ہونے کی ضرورت ہے جیسے بھِڑ اندر گھستی ہے تو آپ اس پر حملہ کرتے ہیں' ویسے ہی رشوت پر حملہ کرنا چاہیے اور اپنے شعور اور چالاکی سے اس کی گرفت میں خود کو کبھی نہیں آنے دینا چاہیے۔ جو لوگ خفیہ قسم کی جیبیں لگا کر آتے ہیں انہیں چاہیے کہ ان جیبوں سے ہی خنجر نکالیں۔ فریدالدین عطارؒ بہت پائے کے بزرگ تھے۔ وہ اپنے ستر مریدین کو جوان کے اونچے درجے کے مرید تھے لے کر جنگل میں چلے گئے۔ یہ بزرگ جنگل میں ضرور جاتے تھے تاکہ اس سے وہ دوسروں کو سمجھا سکیں اور خود سمجھ سکیں کہ اللہ کی زمین کی سیر کے کیا معنی ہیں۔ یہ سیر کس طرح سے کرنی چاہیے اور عبرت کے نشانوں کو کس طرح سے ملاحظہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ وہ اپنے مریدین کو لے کر جنگل کی طرف چل پڑے وہ ابھی جنگل میں پہنچے ہی ہیں اور انہوں نے جنگل کا ایک پڑاؤ بھی نہیں گذارا تھا کہ ایک چھوٹی سی بستی راستے میں آ گئی۔ وہاں گاؤں کے باہر لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں۔ ان میں ایک عیسائی لڑکی بھی تھی جو بڑی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خوبصورت تھی۔ حضرت صاحب نے اسے دیکھا اور اپنا کٹار اور خنجر بھول گئے حالانکہ اپنے خنجر کے دستے پر ہاتھ ہر وقت رکھنے کا حکم ہے۔ وہ بروقت اپنے خنجر کا استعمال نہ کر سکے اور اس لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں تو اس سے شادی کروں گا۔ اب ساتھ ان کے ستر کے قریب مرید بھی ہیں جن کو وہ تعلیم دینے چلے تھے۔ حضرت صاحب کی یہ بات سن کر انہوں نے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ اس لڑکی کے والدین بھی آ گئے اور انہوں نے کہا کہ ہم شادی کے لیے تیار ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے' لیکن شرط یہ ہے کہ آپ عیسائی ہو جائیں کیونکہ ہم اپنے مذہب سے باہر شادی نہیں کرتے ہیں۔ لہٰذا حضرت صاحب نے کہا کہ میں تیار ہوں۔ اب وہاں اس قدر شور و غوغا مچا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی اور ان کے مریدین زمین پر لوٹتے اور تڑپتے تھے کہ ہمارے مرشد کو کیا ہو گیا۔ لڑکی کے والد نے کہا کہ ہماری بہت سی زمین ہے اور اس لڑکی کے بہت سے سوروں کے ریوڑ ہیں اور آپ کو وہ سور چرانے پڑیں گے۔ انہوں نے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ مجھے بس یہ بتا دیجیے کہ انہیں کیسے چراتے ہیں (اب دیکھئے کہ وہ عام شخص نہیں تھے بلکہ جید عالم تھے) اگلے دن صبح سوروں کا باڑا کھول دیا گیا اور حضرت صاحب انہیں چرانے کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور انہیں لے کر جنگل میں چلے گئے اور ان کے شاگرد روتے پیٹتے آہ و بکا کرتے ہوئے واپس اپنے ڈیرے پر پہنچ گئے اور سوچنے لگے کہ ایسی کون سی ترکیب کی جائے کہ حضور کو کسی طرح سے واپس لایا جائے۔ وہ کمزور تھے اور انہیں واپس نہ لا سکے لیکن وہ کبھی کبھی اپنا کوئی بندہ بھیج کر ان کی حقیقت معلوم کراتے تھے۔

خواتین و حضرات! جب میں یہ قصہ پڑھ رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ یہ جو ماننے والے لوگ ہوتے ہیں' چاہے ان کے استاد سے کوئی کوتاہی ہو جائے یہ اس میں اتنے نقص نہیں نکالتے جیسے ہم لوگ کرتے ہیں۔ وہ ہمارے برعکس دکھ میں مبتلا ہوتے ہیں جبکہ ہم خوشی مناتے ہیں۔ ان کے شاگرد ان کا پتہ کرواتے رہے اور کہتے ہیں کہ ان کے شاگرد اپنے گرو کی یاد میں چھ یا آٹھ برس تک شدت سے مبتلا رہے اور ان کے گرو ایک عیسائی یا نصرانی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ پھر کچھ عرصے بعد ان کے شاگرد جہاں رہتے تھے' وہاں کوئی بزرگ آئے تو انہوں نے ان سے اپنا دکھ بیان کیا کہ ہمارے ساتھ یہ گذری ہے۔ اس بزرگ نے پوچھا کہ کیا تمہارے گرو کی تمہارے پاس کوئی چادر ہے۔ انہوں نے کہا کہ جی ہے تو بزرگ نے کہا کہ یہ ساتھ لے جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ غسل کریں اور یہ اپنی چادر لپیٹ لیں۔ وہ شاگرد ان کی ایک چادر لے کر اپنے گرو کے پاس گئے تو اس وقت وہ سور چرا رہے تھے' انہوں نے شاگردوں کو دیکھ کر کہا کہ ''جاؤ جاؤ یہاں سے بھاگ جاؤ میرا آپ کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔''

انہوں نے کہا کہ جی ہمارا انسانیت کا واسطہ اور رشتہ تو ہے روحانیت کا نہیں۔ بھئی تو کوئی بات

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نہیں۔ آپ غسل فرمائیے اور پھر اس چادر کو لپیٹ لیجیے اور ہمارے ساتھ کچھ باتیں کیجیے۔ ہم آپ سے اُداس ہیں۔ آپ سے روحانیت یا دین کی باتیں نہیں کریں گے۔ بس ایسے ہی کچھ دیر باتیں واتیں کریں گے پھر وہ مان گئے اور ساتھ ندی میں غسل کیا۔ وہ چادر لپیٹی تو جیسے ان کے شاگرد رویا کرتے تھے وہ کیفیت ان پر بھی طاری ہوگئی۔ ان سے کوتاہی یہ ہوئی تھی کہ وہ وقت پر کسی وجہ سے الرٹ نہیں رہ سکے تھے۔ ہم اور آپ بھی جب الرٹ نہیں رہتے ہیں تو معاملہ خراب ہوتا ہے۔ ہمارے پاس ڈیفنس کا ہتھیار موجود ہوتا ہے لیکن جب وہ وقت پر استعمال نہیں ہوتا ہے تو ہم چاروں شانے چت گر جاتے ہیں اور وہ موقع ہاتھ سے چلا جاتا ہے اور یہ مواقع آتے رہتے ہیں۔

میرے تایا بیمار تھے اور کوما میں تھے۔ کبھی وہ کومے سے باہر آ جاتے تھے اور کبھی ان پر پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور ہم سب بہن بھائی ایک مونڈھے پر بیٹھے ان کو Attend کرتے تھے۔ میں اس وقت سیکنڈ ایئر میں پڑھتا تھا۔ ایک دن انہیں Attend کرنے کی میری ڈیوٹی تھی۔ وہ مجھ سے کہنے لگے کہ "یہ جو اللہ ہے کیا وہ انسانوں کے گناہ معاف کر سکتا ہے۔" میں نے کہا کہ جی اللہ تو کچھ بھی کر سکتا ہے اور گناہوں کو معاف کرنے میں تو وہ بڑا رحیم ہے اور غفور الرحیم ہے۔ وہ تو کہتا ہے کہ انسان اس سے گناہوں کی معافی مانگے۔ وہ کہنے لگے کہ یار یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ جب انہوں نے یہ کہا تو ان کے چہرے پر کچھ بشاشت سی پیدا ہوئی اور میں نے ان کی خوشنودی کے لیے مزید کہا کہ تایا آپ نے کونسے کوئی ایسے گناہ کیے ہیں کہ آپ اس قدر پریشانی کے عالم میں ہیں۔ آپ تو ہمارے ساتھ بڑے چنگے رہے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے کہا کہ

"Shut up, it is nothing between you and me, it is between me and my God."

اور انہوں نے بڑا غصہ کیا اور مجھے وہاں سے اٹھا دیا۔ جب میں نے حضرت عطارؒ والا واقعہ پڑھا تو مجھے خیال آیا کہ اگر زندگی میں کبھی وہ کٹار یا خنجر ہاتھ سے رہ جائے اور آدمی کا نشانہ چوک جائے اور کبھی ہار مان جائے تو پھر آخر میں ایک سکون عطا کرنے والا لمحہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ آدمی گناہوں کی معافی مانگ کے اور اللہ سے سچی توبہ کر کے پھر اسی حالت میں آ جاتا ہے جس میں وہ پہلے رکھا گیا تھا۔

روحانیت کی دنیا کی Certification کے لیے اس امر کی بہت ضرورت ہے کہ انسان چوکس رہے۔ جس طرح کارخانے میں کام کرتے ہوئے چوکس رہا جاتا ہے، وہاں مشینیں چل رہی ہوتی ہیں اور کسی وقت بھی نقصان کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ بالکل اس طرح دنیا میں کسی بھی وقت کسی منفی چیز کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ رہنا چاہیے اور دنیاوی معاملات کو طے کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا جانا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ضروری ہے کہ کہیں ایسا حملہ نہ ہو جائے جس کے لیے آدمی تیار نہ ہو۔ بغداد میں ایک نوجوان تھا وہ بہت خوبصورت تھا اور اس کا کام نعل سازی تھا۔ وہ نعل بناتا بھی تھا اور گھوڑے کے سُموں پر چڑھاتا بھی تھا۔ نعل بناتے وقت تپتی ہوئی بھٹی میں سرخ شعلوں کے اندر وہ نعل رکھتا تھا اور پھر آگ میں سے اسے کسی ''جمور'' یا کسی اوزار کے ساتھ نہیں پکڑتا تھا بلکہ آگ میں ہاتھ ڈال کے اس تپتے ہوئے شعلے جیسی نعل کو نکال لیتا اور اپنی مرضی کے مطابق اسے Shape دیتا تھا۔ لوگ اسے دیکھ کر دیوانہ کہتے اور حیران بھی ہوتے کہ اس کے ہاتھ پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہاں موصل شہر کا ایک شخص آیا جب اس نے ماجرا دیکھا تو اس نے تجسّس سے اس نوجوان سے پوچھا کہ اسے گرم گرم لوہا پکڑنے سے کیوں کچھ نہیں ہوتا ہے۔ اس نوجوان نے جواب دیا کہ وہ جلدی میں لوہے کو اٹھا لیتا ہے اور اب اس پر ایک کیفیت طاری ہوگئی ہے کہ میرا ہاتھ اسے برداشت کرنے کا عادی ہوگیا ہے اور اسے کسی پلاس یا ''جمور'' کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس شخص نے کہا کہ میں اس بات کو نہیں مانتا'' یہ تو کوئی اور ہی بات ہے۔''

کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ یہ کٹار بند نعل ساز بھائی اس خنجر کے استعمال کو جانتا ہے اور اس نے کسی مقام پر اس خنجر کو یا اپنے Defensive Weapon کو بڑی احتیاط کے ساتھ بڑے مناسب موقع پر استعمال کیا ہے اور اس نے نوجوان سے کہا کہ مجھے اس بات کی حقیقت بتاؤ۔ اس نوجوان نے بتایا کہ بغداد میں ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی تھی اور اس کے والدین عمرے کے لیے گئے اور کسی حادثے کا شکار ہو کے وہ دونوں فوت ہو گئے اور یہ لڑکی بے یار و مددگار اس شہر میں رہنے لگی۔ وہ لڑکی پردے کی پلی ہوئی گھر کے اندر رہنے والی لڑکی تھی اور اب اس کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ زندگی کیسے گذارے۔ آخر کار نہایت غمزدہ اور پریشانی میں وہ باہر سڑک پر نکل آئی اور اس نے میرے دروازے پر آ کر دستک دی اور کہا'' کیا ٹھنڈا پانی مل سکتا ہے۔''

میں نے کہا ہاں اور اندر سے اس لڑکی کو ٹھنڈا پانی لا کر پلایا اور اس لڑکی نے کہا کہ خدا تمہارا بھلا کرے۔

میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے کچھ کھایا بھی ہے کہ نہیں۔ اس لڑکی نے جواب دیا کہ نہیں میں نے کچھ نہیں کھایا۔

میں نے اس سے اکیلے اس طرح پھرنے کی وجہ پوچھی تو اس لڑکی نے اپنے اوپر گزرا سارا واقعہ سنایا اور کہا کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں زندگی کیسے بسر کروں۔ میں نے اس سے کہا کہ تم شام کو یہیں میرے گھر آ جانا اور میرے ساتھ کھانا کھانا۔ میں تمہارے لیے تمہارا پسندیدہ ڈنر کھلاؤں گا۔ وہ لڑکی چلی گئی۔

اس نوجوان نے بتایا کہ میں نے اس کے لیے کباب اور کئی اچھی چیزیں تیار کیں۔ وہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

شام کے وقت میرے گھر آ گئی اور میں نے اس کے آگے کھانا چن دیا۔ جب اس لڑکی نے کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو میں نے دروازے کی چٹخنی چڑھا دی اور میری نیت بدل گئی کیونکہ وہ انتہا درجے کا ایک آسان موقع تھا جو میری دسترس میں تھا۔

جب میں نے دروازے کی چٹخنی چڑھائی تو اس لڑکی نے پلٹ کر دیکھا اور اس نے کہا کہ میں بہت مایوس اور قریب المرگ اور اس دنیا سے گذر جانے والی ہوں۔ اس نے مزید کہا ''اے میرے پیارے بھائی تو مجھے خدا کے نام پر چھوڑ دے۔''

وہ نوجوان کہنے لگا کہ میرے سر پر بُرائی کا بھوت سوار تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ ایسا موقع مجھے کبھی نہیں ملے گا میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ اس لڑکی نے مجھے کہا کہ ''میں تجھے اللہ اور رسولؐ کے نام پر درخواست کرتی ہوں کہ میرے پاس سوائے میری عزت کے اور کچھ نہیں ہے اور ایسا نہ ہو کہ میری عزت بھی پامال ہو جائے اور میرے پاس کچھ بھی نہ بچے اور پھر اسی حالت میں میں اگر زندہ بھی رہوں تو مُردوں ہی کی طرح جیئوں۔''

اس نوجوان نے بتایا کہ لڑکی کی یہ بات سن کر مجھ پر خدا جانے کیا اثر ہوا یا پھر مجھے اچانک اپنے خنجر کو استعمال کرنا آ گیا۔ میں نے دروازے کی چٹخنی کھولی اور دست بستہ اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہا کہ ''مجھے معاف کر دینا میرے اوپر ایک ایسی کیفیت گذری تھی جس سے میں نبرد آزما نہیں ہو سکا تھا لیکن اب وہ کیفیت دور ہو گئی ہے تم شوق سے کھانا کھاؤ اور تم میری بہن ہو۔''

یہ سن کر اس لڑکی نے کہا کہ ''اے اللہ میرے اس بھائی پر دوزخ کی آگ حرام کر دے۔''

یہ کہہ کر وہ رونے لگی اور اونچی آواز میں روتے ہوئے کہنے لگی کہ ''اے اللہ نہ صرف دوزخ کی آگ حرام کر دے بلکہ اس پر ہر طرح کی آگ حرام کر دے۔''

نوجوان نے بتایا کہ وہ لڑکی یہ دُعا دے کر چلی گئی۔ ایک دن میرے پاس زنبور (جمور) نہیں تھا اور میں دھونکنی چلا کر نعل گرم کر رہا تھا میں نے زنبور پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہ دہکتے ہوئے کوئلوں میں چلا گیا لیکن میرے ہاتھ پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ میں حیران ہوا اور پھر مجھے اس لڑکی کی وہ دُعا یاد آئی اور تب سے لے کر اب تک میں اس دہکتی ہوئی آگ کو آگ نہیں سمجھتا ہوں بلکہ اس میں سے جو چاہوں بغیر کسی ڈر کے نکال لیتا ہوں۔

خواتین و حضرات! ہم سب کو عین وقت پر اپنے Defensive Weapon کو استعمال کرنا چاہیے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

قناعت پسندی

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

گزشتہ پروگراموں میں مَیں آپ سے روحانیت کی اور بابوں کی باتیں کرتا رہا' کچھ ایسے قصے اور کہانیاں بیان کرتا رہا جو بڑے لوگوں کو' جو باطن کا سفر کرنے والوں کو پیش آتے رہے۔ اس کے جواب میں مجھے اکثر روک روک کر یہ پوچھا جاتا رہا کہ یہ بابے کہاں ہوتے ہیں' ہم بھی ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہماری بھی آرزو ہے کہ اس باطن کے سفر میں شریک ہوں اور میں حسبِ استعداد آپ کو ان بابوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات فراہم کرتا رہا لیکن اب میں قدرے رک گیا ہوں اور اس کی وجہ پرسوں کی ایک شادی ہے۔

آپ یقین نہیں کریں گے کہ جب شادی کا کھانا کُھلا تو ہم جو بڑے معزز لوگ وہاں پر گئے ہوئے تھے' کھانے پر اس طرح ٹوٹ کر بھاگے کہ جس طرح پتنگ لوٹنے والے چھوٹے بچے پتنگ کے پیچھے بھاگا کرتے ہیں۔ یہ صورتحال دیکھ کر میں نے کہا کہ ابھی انہیں بابوں کا ایڈریس دینا کچھ مناسب نہیں۔ میں نے انہیں زبان سے کچھ کہا تو نہیں البتہ نہایت دست بستہ انداز میں سوچا کہ اگر انہیں بابوں کا پتہ اب دے دیا جائے تو یہ ان پر بڑا بوجھ ڈال دے گا۔ ابھی ہم چھوٹی چھوٹی باتوں کو' پیاری پیاری باتوں کو سہارا دینے کے قابل نہیں ہوئے۔ ابھی ہم اس کھیل میں ایک جیسے ہی ہیں۔ پہلے ان چھوٹی باتوں پر توجہ دی جائے جن پر توجہ دی جانے کی ضرورت ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہماری زندگیوں پر اس قدر بڑا فرق ڈالتی ہیں اور ہلچل مچا دیتی ہیں جس طرح ایک چھوٹی سی کنکری جو ہم گہرے پانی میں پھینکتے ہیں تو لہروں کا ایک تلاطم برپا کر دیتی ہے۔ لیکن ابھی ہم ان چھوٹی باتوں کی گہرائی اور وسعت سے کچھ اچھی طرح آشنا نہیں ہوئے ہیں۔ ایک چھوٹا سا واقعہ آپ کی زندگیوں میں بڑی وسعتیں لے کر آ سکتا ہے۔

خواتین و حضرات! یہ ایسے بھی میرا ایک خیال تھا۔ ضروری نہیں کہ ٹھیک ہو لیکن اس واقعہ سے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مجھے افسوس ہوا اور میری طبیعت پر ذرا بوجھ پڑا۔ آپ پیارے لوگ ہیں۔ افسوس تو مجھے نہیں ہونا چاہیے' گہرا بوجھ پڑا کہ شاید انہیں کسی نے بتلایا نہیں ہے۔ سکھایا نہیں۔ اس وجہ سے ایسے واقعات رونما ہو جاتے ہیں۔

زندگی کی بہت ساری پیش قدمیوں میں ہمارا رویہ بعض اوقات اس انداز کا ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی بڑی برائی کی بات تو نہیں ہے۔ البتہ تھوڑے بوجھ کی بات ضرور ہے جو کرنے والے کی ذات اور اس کی روح پر پڑ جاتا ہے۔ روحانیت کا علم حاصل کرنا یا بابوں تک پہنچنا اتنا بھی مشکل نہیں ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ بابا بننا اتنا بھی جاں فشاں کام نہیں ہے کہ کوئی بن ہی نہ پائے۔ میں تو ایک بابا نہ بن سکا لیکن آپ کے مسکراتے ہوئے چہرے دیکھ کر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ میں ایک بلند پائے کا اور اچھا بابا بننے کی خصوصیات موجود ہیں۔ اگر آپ راہ چلتے ہوئے سڑک پر پڑے اینٹ روڑے کو اس مقصد سے ہٹا دیتے ہیں کہ کوئی اس کے باعث گر نہ جائے یا کسی کو چوٹ نہ لگ جائے تو آپ بھی اپنی ذات میں بابے ہیں۔ پرانے زمانے میں اب تو شاید اس کے لیے اتنا تردد نہیں کیا جاتا۔ ہمارے بزرگ راہ چلتے ہوئے سڑک پر پڑے کانٹے' اینٹ یا روڑے اپنی چھڑی سے ہٹا دیا کرتے تھے اور چاہے وہ جتنی بھی جلدی میں ہوں یہ کام کرتے جاتے تھے۔

خواتین و حضرات! لوگوں کی راہوں سے کانٹے ہٹانے کا کام اب بھی معدوم نہیں ہوا ہے۔ آپ دن کے وقت اپنی کار یا موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ جلا کر تو دیکھیں۔ جو بھی دیکھے گا آپ کو ہاتھوں سے اشارہ دے گا کہ آپ کی گاڑی کی ہیڈ لائٹ روشن ہے لیکن اگر آپ نے لوگوں کے اشاروں پر توجہ نہ دی تو پھر ٹریفک والا سارجنٹ آپ کی اس جانب اپنے خاص انداز میں توجہ مبذول کروا دے گا (مسکراتے ہوئے) اگر آپ موٹر سائیکل پر نکلیں اور اس کا سائیڈ والا سٹینڈ اگر آپ نے واپس اپنی جگہ پر نہیں کیا تو بھی آپ کو آوازیں دینے والے کم نہیں ہوں گے اور آپ کی توجہ اس جانب ضرور مبذول کروائی جائے گی کہ آپ اس سٹینڈ کو درست کر لیں۔ ہمارے لوگوں کا یہ رویہ دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ان میں بابا بننے کی پوری خصوصیات موجود ہیں۔

بچو! اب ہم میں سے ہی کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ ان کے دل میں بابا بننے کی خواہش ہی نہیں ہے۔ میری طبیعت پر اس بات کا بھی بڑا بوجھ پڑا کہ ہمارے ہاں لوگوں کو غلط ایڈریس بتانے کا رواج بھی بڑھ رہا ہے۔ اگر کوئی اجنبی شخص کسی سے کوئی ایڈریس پوچھے تو جان بوجھ کر غلط بتا دیا جاتا ہے اور یہ سب کسی غلط نظریئے کے باعث نہیں کیا جاتا بلکہ محض مذاق یا تفریح کے طور پر ہی کیا جاتا ہے۔ یہ غلط بات ہے۔ ہمیں اس بات کی تعلیم نہیں دی گئی ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ لوگوں کو درست راستے پر چلائیں۔ بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھائیں۔ لوگوں کو آسانیاں اور مدد دیں اور یہ ہمارا طرۂ امتیاز ہونا ہی چاہیے۔ اس طرح کی چھوٹی چھوٹی برائیاں بڑی بن جاتی ہیں اور یہ چھوٹی چھوٹی محبت کی جھرنیں محبت اور پیار کا ایک بڑا پرنالہ بن

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جائیں گی کہ اس کی چھینٹیں اور کرنیں ہماری سب کی زندگیوں کو تابناک بنا دیں گی۔

یہ چھوٹی باتیں یا یہ چھوٹے کام جہاں ہمیں روحانی حوالے سے مدد فراہم کرتے ہیں اور ہمیں روحانیت کی دنیا میں لے جاتے ہیں' وہاں ان معمولی کاموں کا ہماری مادی زندگی پر بھی مثبت اثر پڑتا ہے جس طرح ہم اور آپ معاشی مسائل کا رونا ہر وقت روتے رہتے ہیں اور میں یہ نہیں کہتا کہ آپ بلاوجہ ایسا کرتے ہیں بلکہ مسائل ہیں بھی.........

سمن آباد میں جب میں رہا کرتا تھا تو ہماری گلی کی نکڑ پر عموماً ایک بابا چھابڑی والا کھڑا ہوتا تھا۔ اس چھابڑی والے اور دوسرے چھابڑی والوں میں ایک نمایاں فرق تھا اور یہ فرق میں نے کئی برسوں کے بعد محسوس کیا کیونکہ ہر جمعہ کی جمعہ جب میں نماز پڑھنے کے لیے مسجد جا رہا ہوتا تھا اور واپس آتا تھا تو وہ چھابڑی والا وہیں کھڑا ہوا ہوتا تھا اور اس کے پاس چھوٹے بچوں کی بجائے نوجوانوں کا رش ہوتا تھا۔

میں بڑا حیران ہوتا کہ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اس کی چھابڑی میں موسم کے حوالے سے تھوڑے سے پھل وغیرہ ہوتے تھے اور وہ پھل بھی کوئی نہایت اعلیٰ قسم کے نہیں ہوتے تھے بلکہ عام سے جنہیں ہم درجہ دوم یا سوم کہتے ہیں' وہ ہوتے تھے لیکن رش بڑا ہوتا تھا۔ مجھے بڑا تجسّس ہوا کہ پتہ کروں اصل معاملہ کیا ہے۔ ایک دن جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب میں گھر آ رہا تھا تو میں نے سوچا کہ کیوں نہ آج اس کی وجہ شہرت جانی جائے۔

میں ابھی شاید تب بابا نہیں تھا بلکہ خود کو جوان خیال کرتا تھا۔ میں اس چھابڑی والے کے پاس گیا اور کہا کہ ''بابا جی آپ کا کیا حال ہے۔''

وہ نہایت اخلاق سے بولے کہ ''جی اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے' صاحب جی حکم کرو' کیا کھائیں گے۔''

میں نے کہا کہ ''کیا بھاؤ ہے' یہ امرود جو پڑے ہیں' ان کا کیا ریٹ ہے۔''

میری حیرانی کی اس وقت انتہا نہ رہی جب اس نے کہا کہ ''صاحب جی جتنا دل کرتا ہے کھالو کوئی بات نہیں۔'' اور وہ یہ کہتے ہوئے امرود کاٹنے لگا کہ ''ایہہ امرود بڑے مٹھے نیں کھاؤ گے تے مزا آ جائے گا۔''

میں نے اس سے کہا کہ ''مفت میں کیوں؟''

تو وہ کہنے لگا کہ ''جی رزق خدا کی دین ہے' اللہ کا دیا بہت کچھ ہے جو میری قسمت میں ہوگا مجھے مل جائے گا۔''

اب اس شخص میں میرا تجسّس مزید بڑھ گیا اور میں نے اس کے کاٹ کے رکھے ہوئے امرود کھاتے ہوئے اس سے سوال کیا کہ ''بابا جی آپ کب سے یہ کام کر رہے ہیں؟''

اس نے جواب دیا کہ ''صاحب جی! مجھے پینتیس سال ہو گئے ہیں اس کام کو کرتے ہوئے۔''

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں نے اس سے پوچھا کہ ”کیا آپ اس سائیکل پر ہی چھابڑی لگا کر یہ کام کر رہے ہیں۔ دنیا نے بڑی ترقی کر لی، آپ بھی ترقی کرتے، سائیکل سے کوئی فروٹ کی بڑی دکان بناتے اور مہنگے داموں چیزیں بیچ کر کوئی محل کھڑا کرتے۔“

اس نے جواب دیا کہ ”صاحب میرے تین بیٹے ہیں، ایک بیٹی ہے۔ بیٹی اپنے گھر کی ہو چکی ہے اور خوش ہے۔ پتوکی کے قریب گاؤں میں میری بارہ ایکڑ زرعی زمین ہے۔ اللہ کے فضل سے دو بیٹے شادی شدہ ہیں۔ ایک کاشت کاری کرتا ہے جبکہ دوسرا بیوپار کا کام کرتا ہے۔ سب سے چھوٹا ابھی پڑھتا ہے۔ گھر میں خدا کا کرم ہے۔ خوشحالی ہے۔ ٹریکٹر ہے۔ میرے بیٹے مجھے کہتے ہیں کہ ابا اب یہ کام چھوڑ دو، اب تم بوڑھے ہو گئے ہو۔ وہ بولا، صاحب جی میں اس چھوٹے سے کام کا ساتھ کیسے چھوڑ دوں جب اس نے مجھے نہیں چھوڑا۔ اس معمولی کام نے مجھے خوشحالی دی، خوشی دی۔ میں غریب آدمی تھا۔ اب زمین والا ہوں۔ ٹریکٹر والا ہوں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میری اولاد بڑی فرمانبردار ہے۔ میں نے اپنے بچوں کو ہمیشہ حلال رزق کھلایا ہے۔

اب میرا جی چاہتا ہے کہ اس چھابڑی کو لے کر مرتے دم تک پھرتا رہوں۔ صبح سویرے اٹھتا ہوں، منڈی جاتا ہوں، وہاں سے اوسط درجے کا فروٹ خریدتا ہوں اور گلی گلی پھرتا ہوں۔ شام کو یہ ختم ہو جاتا ہے۔ کبھی میں نے بھاؤ پر تکرار نہیں کی۔ میری پوری زندگی میں کسی سے تلخ کلامی نہیں ہوئی۔ نوجوان میرے پاس کھڑے ہو کر فروٹ کھاتے ہیں اور مجھ سے محبت سے پیش آتے ہیں۔ وہ مجھے بھی بڑے اچھے لگتے ہیں۔ اس نے مجھے بتایا کہ چاہے وہ سارا دن اپنی چھابڑی میں سے لوگوں کو مفت کھلاتا رہے، کبھی گھاٹا نہیں پڑا اور شام کو پیسے اس رقم سے ہمیشہ زیادہ ہوتے ہیں جن سے اس نے منڈی سے پھل خریدا ہوتا ہے۔“

خواتین و حضرات! معمولی کام کرتے رہا کریں، اس سے کچھ دینا نہیں پڑتا، کسی معذور کو کام چھوڑ کر سڑک پار کروایا کریں۔ ہمسائیوں کو Bell دے کر ضرور کبھی کبھی پوچھا کریں کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ اگر میرے لائق کوئی حکم ہو تو ضرور بتائیے گا۔ بطور ہمسایہ یہ آپ کا مجھ پر حق ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے کاموں سے ہمارے مشکل کام آسان ہو جائیں گے۔ جیسا کہ میں نے پہلے شادی کی ایک تقریب کا ذکر کیا ہے۔ ویسا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ کام ہمارا شیوہ نہیں ہونا چاہئیں۔ ایسے کام ہرگز نہ کریں جن سے یہ محسوس ہو کہ ہم کوئی بھوکی قوم ہیں بلکہ معلوم تو یہ ہونا چاہیے چاہے ہم خالی شکم ہوں لیکن دیکھنے والے کو محسوس یہ ہو کہ ہم سیر شکم قوم ہیں۔ قناعت پسند اور صبر والی قوم ہیں۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

"مرعوبیت"

ہم سب کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچے۔

ہماری ایک عادت بن چکی ہے کہ ہم دیارِ غیر اور دوسروں کی چیزوں کو بہت پسند اور اپنی خوبیوں اور چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں۔

میں بھی جب کسی دکان پر کوئی چیز لینے جاؤں تو پوچھتا ہوں امپورٹڈ دکھائیں، چاہے وہ مہنگی ہی ہو۔ حالانکہ ان میں کچھ چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو وطنِ عزیز کی بھی بنی ہوئی ہوتی ہیں اور یہاں سے وہاں جاتی ہیں اور پھر وہاں سے فارن مہریں لگوا کر ہمارے ہاں پہنچتی ہیں۔

آج ہماری محفل میں لاہور سے ماوراء بہت سے دوست تشریف لائے ہیں۔ میرے بائیں جانب جو صاحبان تشریف فرما ہیں وہ سیالکوٹ اور گوجرانوالہ سے آئے ہیں اور میرے دائیں ہاتھ جو شخصیات بیٹھی ہیں وہ ڈی۔جی خان سے ہیں اور ان کا تعلق شعبہ تعلیم سے ہے اور خاص طور پر یہ اردو لٹریچر سے وابستہ ہیں۔

انہیں دیکھ کر مجھے ایک بار پھر بڑی ہی شدت سے ہمارے عظیم اور خوبصورت انسان ن م راشد کی یاد آ گئی ہے جو ملتان کے رہنے والے تھے۔ وہ میرے ریڈیو میں باس تھے۔ بعد میں دوست بنے اور پھر بہت ہی قریبی دوست بنے۔

راشد صاحب سے ہمارا بہت ہی عقیدت، محبت اور جاں نثاری کا سلسلہ تھا لیکن ایک بات پر میں ان سے ضرور معترض ہوتا تھا۔ ان میں مشرق کے مقابلے میں مغرب کی مرعوبیت بہت تھی۔ وہ مغرب کو بہت اہمیت دیتے تھے اور ہر وقت مغرب کی ایجادات کے گن گاتے رہتے تھے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں ان سے کہتا کہ ''سر آپ اتنے بڑے شاعر ہیں اور شاعر بے شک ایک اونچے مقام پر ہوتا ہے‘ اس لیے اسے اس قدر مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

لیکن وہ مغرب اور گورے سے‘ ایجادات سے متاثر تھے اور ہمارے آج کل کے بچوں کی طرح متاثر تھے۔ شاید ہمارے آج کے بچے کسی حد تک جائز متاثر ہیں۔ میرا پوتا مجھے چندروز پہلے کہہ رہا تھا کہ دادا یہ جو آپ مسلمانوں کے بڑے سائنس دان اور ریاضی دان ہونے کی شیخی بھگارتے ہیں میں یہ بات کیسے مان لوں اگر ان میں کوئی ایسی بات ہوتی تو آج مسلمانوں کی یہ حالت نہ ہوتی۔ وہ مجھے کہتا کہ آپ بس ہمیں ایسے ہی مسلمانوں کے کارناموں کی کہانیاں سناتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کا ایسا کوئی ماضی تھا ہی نہیں جیسا کہ آپ دعوے کرتے ہو۔

میں نے اپنے پوتے سے کہا کہ میں پچھلے سے پچھلے سال ایتھنز گیا تو وہاں یونان کے ایئرپورٹ پر جو ٹیکسی والا مجھے لے کر ہوٹل آیا تھا وہ سقراط کا پڑپوتا تھا حالانکہ سقراط سچ مچ ایک بڑا آدمی تھا اور بڑا نام تھا۔

میں نے اپنے پوتے سے کہا کہ جو شخص میرا سامان اٹھا کر ہوٹل کی تیسری منزل تک لے گیا وہ ارسطو کا کوئی لکڑ دوہتا تھا۔ بچے یہ وقت قوموں پر آتا رہتا ہے۔

''اے میرے پیارے پوتے ہم نے انگریز کے بھی عروج کا زمانہ دیکھا ہے‘ اب انگریز بھی وہ انگریز نہیں ہے جو میرے یا میرے اباجی کے زمانے میں تھا۔ بس تم خوفزدہ نہ ہوا کرو۔'' میں نے اس سے کہا کہ اگر آپ بے جا طور پر متاثر ہی ہوتے رہے تو پھر کام چلانا مشکل ہو جائے گا۔

میں ن م راشد صاحب کی بات کر رہا تھا۔ وہ یو این او میں ملازم ہو کر امریکہ گئے۔ یہ 1963ء کی بات ہے۔ یو این او کی خوبصورت عمارت میں اٹھارویں منزل پر ان کا دفتر تھا۔

میں یہ بات کئی بار پہلے کے پروگراموں میں بھی کر چکا ہوں۔ اس کو بار بار دہرانے کا مقصد یہ ہے کہ ہماری نوجوان نسل جو مغرب سے بہت ہی متاثر ہے‘ اسے بتلایا جائے کہ مغرب کی ترقی بسا اوقات ہماری معاشرتی زندگی پر غلط اثرات بھی مرتب کر دیتی ہے جس میں ہمیں شرمندگی اٹھانا پڑتی ہے۔ اگر شرمندگی نہ بھی اٹھانا پڑے تو بھی دل پر جو بوجھ رہ جاتا ہے‘ وہ بھی اچھے بھلے انسان کو مارنے کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ انسان اس گھمن گھیری سے نکل نہیں پاتا۔

آپ نے بھی دیکھا ہو گا کہ یو این او کی بلڈنگ ایک بند کتاب کی طرح ہے۔ میں ان دنوں براڈ کاسٹنگ کی چھوٹی سی تعلیم کے لیے نیویارک گیا ہوا تھا۔ میں ان کی خدمت میں وہاں حاضر ہوتا تھا اور یہ میری عقیدت کا ایک حصہ تھا۔ جب میں ان کے دفتر میں جاتا تو وہ دریافت کرتے ''آئس کریم......؟''

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں کہتا ''کیوں نہیں۔''

ہم وہاں کینٹین چلے جاتے' وہ ایک لوہے کی مشین میں پیسے ڈال کر بٹن دباتے تو مشین سے خود بخود ایک آئس کریم سے بھرا کڑچھا نکل آتا۔

وہ مجھے کہتے ''دیکھا ہے کمال مشین کا۔'' اس زمانے میں فوٹو کاپی کی نئی نئی مشین آئی تھی۔ وہ آج کل کی مشین کی طرح نہیں تھی۔ اس میں براؤن رنگ کی کاپی نکلتی تھی۔ راشد صاحب کو شاید اتنی فوٹو کاپی کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور میرے اوپر مغرب کا رعب ڈالنے کے لیے اپنی سیکرٹری سے کہتے کہ فلاں کاغذ کی اتنی کاپیاں لے کر آؤ۔ وہ بچاری ٹک کر کے اس کی کاپیاں نکال دیتی۔

میری طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگے کہ تم کوئی چیز لکھو۔ میں نے اردو اور فارسی کا ایک شعر کاغذ پر لکھا اور کچھ انگریزی میں بھی۔

پھر انہوں نے اس کاغذ کی کاپیاں نکالیں اور یاددہانی کے لیے وہ مجھے سونپ دیں۔ ہم جتنی دیر اکٹھے رہتے وہ مجھے مغرب کی ایجادات کی کہانیاں سناتے رہتے۔

میں چونکہ گاؤں سے گیا تھا کہ اس لیے تھوڑا ضدی بھی تھا۔ نالائق اور موٹا بھی تھا اور مجھے کہتے کہ ''تم آخر کیوں مغرب کی ترقی تسلیم نہیں کرتے۔''

میں انہیں کہتا کہ ''ایک اتنا عظیم شاعر میرے سامنے زندہ سلامت بیٹھا ہے۔ یہ میرے ملک نے پیدا کیا ہے۔ میں کیسے مغرب کی بڑائی مان لوں۔ اس طرح میرا ان سے عقیدت مندانہ جھگڑا چلتا رہتا۔''

میں تقریباً روز ہی ان کے ساتھ ہی شام کے وقت ان کے گھر جاتا تھا۔ ان کے گھر جانے کا میرا مقصد یہ تھا کہ ان کے گھر اعلیٰ درجے کی کافی ملتی تھی۔

ان کی بیگم جو تھیں وہ اٹالین تھیں۔ ولائتی عورت تھی۔ اس کے باپ اطالوی تھے' ماں آئرش وغیرہ تھی۔ راشد صاحب کی بیگم بہت اچھی اطالوی بولتی تھی۔ اب مجھے بھی اپنی اطالوی زبان اچھی کرنے کا چسکا تھا۔ لہٰذا میں بھی ہر روز شام کو ان کے گھر جا کر ان سے ملتا۔ اس نے ''کف آگ'' (وہاں کی مشہور کافی) کا ایک بڑا سا پیکٹ بنا کر رکھا ہوا تھا کہ اشفاق آئے گا تو اسے بنا کر دوں گی۔

کافی بن جاتی اور ہم سب بیٹھ جاتے تو راشد صاحب کی بیگم اور میری چغلی میٹنگ شروع ہو جاتی۔ راشد صاحب ہمارے پاس بھی ہوتے تھے لیکن ہم اطالوی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ بڑے ہی کمینے بچوں کی طرح۔

جس طرح بچے ''ف'' کی بولی بولتے ہیں۔ اس طرح ہم اطالوی میں باتیں کرتے اور راشد

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

صاحب کو اطالوی نہیں آتی تھی۔ان کی بیوی پوچھتی کہ ''یہ جو تمہارا دوست ہے کیا اچھا شاعر ہے؟''

میں کہتا کہ ''بس درمیانے درجے کا ہے۔(مسکراتے ہوئے) ہمارے ہاں چونکہ شاعر کم ہوتے ہیں' اس لیے ہم ان کو بڑا مان دیتے ہیں۔''

ان کی بیوی اطالوی میں مجھ سے پوچھتی کہ ''یہ تو کہتے ہیں کہ میں بڑا کمال کا شاعر ہوں۔''

میں جواب دیتا کہ ''میں ان کی پوری تفصیلات بتاؤں گا بشرطیکہ آپ مجھے ایک کپ کافی اور پلائیں۔''

میری اور ان کی بیگم کی گہری دوستی اس وجہ سے ہوگئی ہے کہ جس طرح راشد صاحب مغرب سے مرعوب تھے' اسی طرح وہ خاتون مشرق کے خلاف تھی اور اس کے خیال میں مشرق والے بڑے گھامڑ سے لوگ ہوتے ہیں۔ عقل کی انہیں کوئی بات آتی نہیں ہے اور میں ان کو ہلاشیری دیتا کہ آپ جو کچھ سوچتی ہیں بالکل ٹھیک سوچتی ہیں۔ یہ مشرق والے واقعی دوسرے درجے کے لوگ ہیں۔

راشد صاحب کہتے کہ تم اس سے کیا باتیں کرتے ہو تو میں انہیں کہتا کہ سر یہ ہماری خفیہ باتیں ہیں۔ ہم آپ کو ساری تو نہیں بتا سکتے لیکن اس میں آپ کی کچھ عزت افزائی بھی ہے اور ان باتوں میں کچھ کچھ آپ کے خلاف بھی کیونکہ جب آپ میرے باس تھے تو تین مرتبہ آپ نے مجھ سے بڑی سختی کی تھی۔ وہ اب میرے ذہن کے نہاں خانے میں کہیں نہ کہیں لکھا ہوا تھا تو ہوگا ہی نا......! وہ میری باتوں سے بڑا مزہ لیتے' بڑے بھلے اور شریف آدمی تھے۔

میں اگر دیر ہوجاتی تو کھانا بھی ان کے گھر کھاتا۔ دیر ہوجاتی تو وہ مجھے بس سٹاپ پر چھوڑ کر آتے۔ یہ ان کی مہربانی تھی۔

رات گئے وہاں بسوں میں نوجوان منی سکرٹ پہنے ہوئے لڑکیاں دیکھ کر کہتے ''دیکھو رات کا وقت ہے' کیا ایسا لاء اینڈ آرڈر تمہارے ملک یا کسی مشرقی ملک میں ہے کہ یہ نوجوان لڑکیاں آزادی سے سفر کر رہی ہیں۔''

اب میں شرمندہ ہوکر کہتا کہ ''جناب اکثر تو ایسا نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی خواتین اکیلی لمبے سفر پر چلی بھی جاتی ہیں۔''

میں ان سے ادب سے اور ڈرتے ڈرتے کہتا کہ ''سر دیکھیں کہ ہم میں بھی کوئی خوبی ہے؟''

وہ کہتے کہ ''کہاں کی خوبی کون سی خوبی؟''

میں نے کہا کہ ''سر دیکھئے ہم مہمان نواز لوگ ہیں۔ ڈی جی خان کا ایک گڈریا بھیڑیں بکریاں چرا رہا ہے۔ اب اس کے پاس آدھی روٹی اور دو کھجوریں ہیں۔ اگر اس کے پاس کوئی مسافر آتا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہے تو وہ اس سے کہے گا کہ "روٹی کھا کر جانا۔"

وہ کہتے کہ "نہیں یہ فضول باتیں ہیں کیا تم نے کچھ ایجاد کیا ہے؟"

اس مرعوبیت میں جو دردناک پہلو ہے' وہ یہ ہے کہ ان کی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان کی بیوی کی سہیلی کا خاوند فوت ہو گیا۔ ہم بھی اس کے جنازے کے ساتھ گئے۔ وہاں کچھ لوگ مردوں کو جلاتے ہیں اور کچھ دفن کرتے ہیں۔ وہاں انہوں نے مردوں کو جلانے کے لیے ایک جدید شمشان گھاٹ بنائی ہے۔

خواتین و حضرات! جہاں پر اس کی سہیلی کے خاوند کو جلانے کے لیے لے جایا گیا وہ ایسی شمشان بھومی نہیں تھی جیسی کہ ہم نے اپنے بچپن میں دیکھی تھی کہ لکڑیوں کی چتا لگائی اس میں مردے کو رکھ کر آگ جلائی اور معاملہ ختم۔

خواتین و حضرات! وہ جدید شمشان گھاٹ ایسی الیکٹرک مشین تھی بالکل لفٹ کی مانند۔ اس لفٹ کا دروازہ کھلتا تھا۔ اس کے اندر ایک نیگوڑا سا آتا تھا جس میں لاش رکھی جاتی تھی اور اس کے بعد وہ مشین بند ہو جاتی تھی اور وہ نیگوڑا میت کو لے کر کئی ہزار وولٹ میں لے جاتی تھی جہاں اس لاش کا کچھ نہیں بچتا تھا۔ پانچ منٹ کے اندر اندر وہ نیگوڑا اس بنے بنائے آدمی کو لے کر واپس آ جاتا تھا اور اس میں اس شخص کی جگہ سوائے ایک مٹھی راکھ کے کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ جب راشد صاحب کی بیوی کی سہیلی کے خاوند کو لٹایا گیا تو وہاں انہوں نے آخری سلام پڑھے۔ دروازہ بند ہوا' بٹن دبایا اور وہ شخص جب راکھ میں تبدیل ہو کر واپس آیا تو راشد صاحب نے کہا "کیا کمال کی چیز ہے۔ ایسی مشین تو ہم نے دیکھی نہ سنی۔"

میں نے کہا کہ "ہمارے ہاں تو شمشان بھومی میں بدبو آتی ہے لوگ کھڑے ہوتے ہیں صبح سے شام تک مردے کے جلنے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ یہ تو فٹافٹ کام تمام ہو گیا۔"

اس لفٹ والوں نے اس شخص کی راکھ کا ایک پیکٹ بنا کر اس کی سہیلی کے حوالے کر دیا۔ راشد صاحب اس مشین سے بہت متاثر ہوئے اور اس کی بیوی راشد صاحب سے بار بار پوچھتی کہ کیسی کمال کی مشین ہے اور وہ بھی اثبات میں سر ہلاتے اور کہتے کہ یہ تو ڈسپوزل کرنے کا طریقہ ہی بہت اچھا ہے۔ ظاہر ہے بعد میں بھی راشد صاحب نے اس مشین کی تعریف کی ہو گی۔

خواتین و حضرات! بدقسمتی یہ ہوئی کہ دردناک بات یہ ہوئی کہ جب راشد صاحب فوت ہوئے اور تب وہ ہمارے تصرف میں نہیں تھے اور اسی ظالم سہیلی کے قبضہ قدرت میں تھے۔ اس نے سوچا اور کہا کہ چونکہ انہوں نے اس مشین کو پسند کیا تھا اور اس کی بڑی تعریف کرتے تھے اور اس سے بڑے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مرعوب تھے۔ظاہر ہے کہ اس کی (ن م راشد) یہی خواہش ہوگی کہ اسے بھی اسی مشین کی نذر کر دیا جائے۔(اس خاتون نے راشد صاحب سے خواہش نہیں پوچھی ہوگی)۔

میں آج تک حیران ہوں اور دکھی ہوں اس خاتون نے راشد صاحب کو اس مشین کے حوالے کر دیا اور ہم یہاں روتے پیٹتے رہ گئے۔میں راشد صاحب کو بہت قریب سے جانتا ہوں انہوں نے ایسی خواہش اپنے لیے کبھی نہیں کی ہوگی۔

خواتین وحضرات! مرعوبیت کے سلسلے میں ایک حد تک تو ٹھیک ہے جو چیز قابل تعریف ہو اس کی تعریف کرے لیکن ن م راشد کے ساتھ ان کی آخری رسومات کے حوالے سے جو سانحہ ہم پر گزرا ہے سارے ادب اور سارے ادیبوں پہ قیامت جو ٹوٹی ہے' میں اس دکھ کو ساتھ ساتھ لیے پھرتا ہوں۔ کس سے بیان کروں۔

ٹھیک ہے مغرب نے بڑے کمال کی مشینیں بنائی ہیں لیکن انہیں ہماری معاشرتی زندگی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے لیکن اس بدبخت عورت نے سوچے سمجھے بغیر اور یہ جان کر کہ چونکہ انہوں نے اس کی تعریف کی ہے اور پسند کیا ہے' انہیں اس مشین کے حوالے کر دیا۔

میں اس غم اور دکھ میں آپ کو بھی شریک کر رہا ہوں۔وہ ہمارے بڑے اور محبوب شاعر تھے۔ اللہ انہیں غریقِ رحمت کرے۔

آپ بھی مرعوب ہوں لیکن اس قدر نہیں۔ہم اپنی بھی خوبیاں رکھتے ہیں اور ان پر ٹیک لگا کر سر فخر سے بلند کر سکتے ہیں۔آپ لوگ تشریف لائے بہت شکریہ۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے (آمین)۔اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اندھا کنواں

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

ہم اپنی زندگیوں میں اس قدر مصروف ہو گئے ہیں کہ ہمیں پتہ ہی نہیں چلتا ہے کہ ہمارے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ اس مصروفیت میں ہم اپنے وجود کے اندر کے گوشوں کو بے نقاب کرنے کی طرف بالکل توجہ ہی نہیں دیتے حالانکہ اگر ہم اپنے وجود کا یا اپنا مطالعہ کریں تو ہم پر بہت سے ایسے راز افشا ہوں گے جن کا ہمیں پہلے علم ہی نہیں تھا۔ ہمارے بابے خاص طور پر اپنی ذات کے مطالعے پر بہت زور دیتے ہیں۔ کبھی آپ لاہور آئیں یا اگر رہتے ہیں تو آپ جہانگیر کے مقبرے پر ایک بار ضرور جائیے گا۔ ہم خود وہاں گئے۔ یہ بڑی دیر کی بات ہے۔ اب میرا جی چاہتا ہے کہ وہاں ایک بار پھر جاؤں۔ اگر آپ میرے ساتھ جائیں گے تو میں بھی ضرور وہاں جاؤں گا کیونکہ میرا بڑا جی چاہتا ہے۔

جہانگیر کے مقبرے کا جو بڑا داخلی دروازہ ہے، اس میں داخل ہونے سے پہلے اگر آپ اپنے دائیں ہاتھ دیکھیں تو بڑی دیوار کے ساتھ ساتھ دور کارنر میں ایک پرانے زمانے کا کنواں ہے جو نہایت خوبصورتی سے بنایا گیا ہے اور مغلیہ فن تعمیر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جب میں لاہور میں سٹوڈنٹ تھا، یہ بڑے سالوں کی بات ہے، ہمارے ہسٹری کے پروفیسر صاحب ہمیں مقبرہ تاریخ دکھانے لے گئے۔ وہاں داخل ہونے سے پہلے پروفیسر صاحب نے کہا کہ ٹھہرو، یہ کنواں ہے۔ اسے بھی دیکھنا ہے۔ خیر ہم سب کنویں کے قریب گئے اور اسے دیکھا۔ ہم نے اس کنویں کے اندر جھانک کر دیکھا تو اس میں سے کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ مکمل تاریکی تھی کیونکہ وہ ایک پرانا، بیابان، بے آباد تھا۔

ہم نے پروفیسر صاحب سے کہا کہ آپ کو ہمیں یہاں کنواں دکھانے خواہ مخواہ ہی لے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

آ ئے یہاں تو کچھ نظر ہی نہیں آ تا۔ وہ کہنے لگے کہ واقعی چیز تو اجاگر نہیں ہو رہی ہے لیکن رکو' ٹھہرو کچھ کرتے ہیں۔

خواتین و حضرات! ان کے ہاتھ میں اخبار تھا انہوں نے اخبار کو لمبائی میں رول کی شکل میں تہہ کیا اور لائٹر سے اس اخبار کو چھو کر جلایا تو وہ اخبار مشعل بن گیا۔

پروفیسر صاحب نے کنویں کے اندر جب وہ جلتا ہوا اخبار پھینکا اور اخبار ایک چنڈول کی طرح اپنی تمام روشنی لے کر اور خود قربان ہو کر ہمارے لیے روشنی پیدا کرنے لگا۔ اس چھوٹے سے اخبار کی قربانی اور روشنی سے وہ اندھا اور تاریک کنواں اور اس کے تمام خدو خال پوری طرح سے نظر آنے لگے اور اس کے پورے کے پورے طاقچے کھلنے لگے اور اس کا تمام تر حسن ہم پر عیاں اور نمایاں ہونے لگا اور ہمیں پتہ چلا کہ اس کنویں کے اندر کیا کیا خوبیاں ہیں۔ اس سے ہمیں پتہ چلا کہ جب تک اندر کے اندر ایک شمع روشن نہیں ہو گی اور اندر ایک ایسا جلتا ہوا اخبار نہیں اترے گا آپ کو' مجھ کو' ہم کو پتہ نہیں چل سکے گا کہ میری' آپ کی Qualifications کیا ہیں۔ اندر کے حقیقی خال وخد کیا ہیں اور بس انسان یا اچھے انسان کہنے سے ہم اچھے والے تو نہیں بن جائیں گے نا!

میرا یہ کہنے کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ اچھے انسان نہیں ہو۔ آپ بہت اچھے ہو' بڑے قابل اور انسانوں سے محبت کرنے والے ہو لیکن ہر انسان کے وجود میں ایک گوشہ ایسا ہوتا ہے جو تاریک ہوتا ہے۔ اس کا شاید صحیح طرح سے اسے کبھی معلوم نہیں ہوتا ہے۔

انسان میں موجود کچھ صلاحیتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں خود باہر نکالنا پڑتا ہے۔ اگر انہیں تصرف میں نہ لایا جائے تو وہ خزانہ ویسے کا ویسے ہی چھپا رہتا ہے اور اتنی ہی حفاظت میں رہتا ہے جس طرح ہم بچپن میں اپنی نانی اور دادی اماؤں سے سنا کرتے تھے کہ ایک خزانہ کے اوپر اتنے کالے اور شیش ناگوں کا پہرہ ہوتا ہے اور ان شیش ناگوں سے وہ خزانہ یا دولت کا انبار حاصل کرنے کے لیے بڑی تعداد میں گرم تیل کے کڑاہے درکار ہوتے ہیں' جو ان ناگوں کے اوپر پھینکے جائیں تو ان سے چھٹکارہ حاصل ہو اور وہ خزانہ ہاتھ آئے۔ گو ہم ان باتوں کو اب جان چکے ہیں کہ ان پر گرم کڑاہے والا تیل پھینکنے سے اب کام نہیں بنے گا بلکہ آج کل کے دور میں کسی بڑے افسر کی سفارش سے خزانے کے بند کھلیں گے۔ (مسکراتے ہوئے) خواتین و حضرات! ہمارے اندر کا جو مخفی خزانہ ہے' وہ بھی ہمت' جرأت اور قربانی کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنے اندر کی خوبیاں باہر لانے کے لیے جہد کریں۔ اپنے وجود کو ڈھیلا چھوڑ دیں۔ کچھ وقت کے لیے دنیا کے مصائب والم کو بھول جائیں اور بالکل مثبت انداز میں سوچنا شروع کر دیں تو ہمارے خزانے باہر آنا شروع ہو جائیں اور ہمیں اپنی جس صلاحیت کا پتہ نہیں ہے' اس کا پتہ چلنے لگے گا۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہم نے کبھی تیراکی نہیں کی۔ کبھی کھلے پانی میں گئے ہی نہیں اور نہ کبھی دل میں یہ خیال آیا کہ ہم تیراکی کریں لیکن اگر خدانخواستہ اگر ہمیں کوئی گہرے پانی میں دھکا دے دے تو ہمارے ہاتھ پاؤں خود بخود چلنے شروع ہو جاتے ہیں اور اگر چند لوگوں کو دھکا دے دیا جائے جو فن تیراکی سے نابلد ہوں تو ان میں سے کئی ضرور تیر کر واپس لوٹ آئیں گے حالانکہ انہوں نے اس سے پہلے کبھی یہ کام نہیں کیا ہوگا۔

(اب آپ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ تیراک کون ہے کسی کو پانی میں دھکا نہ دے دیجیے گا یہ میں مثال کے طور پر کہہ رہا ہوں)

اس طرح کا ایک واقعہ میں آپ کو سناتا ہوں کہ نہر' دریا' کسی اور جگہ جہاں پانی کافی گہرائی میں تھا' ایک بچہ پانی میں ڈوب گیا۔ اب وہاں کافی لوگ جمع تھے لیکن کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اس بچے کو ابھی زندہ سلامت تھا اسے نکال لے۔

اب یہ امید بھی دم توڑتی جا رہی تھی کہ کوئی شخص پانی میں چھلانگ لگا کر اسے نکال لائے گا کہ ایک دم ایک شخص اس گہرے پانی میں کود گیا۔ پہلے تو وہ خود ہاتھ پاؤں مارتا رہا پھر اس کے ہاتھ میں بچہ آ گیا اور اس نے کمال بہادری اور جوانمردی سے اس معصوم بچے کو ڈوبنے سے بچا لیا۔ اس کے اس بڑے کام سے ہر طرف تالیاں بجیں' لوگ تعریفیں کرنے لگے اور اس سے پوچھنے لگے کہ "اے بہادر نوجوان ہم سب میں سے کسی کی یہ ہمت نہیں ہوئی کہ گہرے پانی میں چھلانگ لگا کر اس بچے کو بچا لیں لیکن تم کتنے عظیم شخص ہو کہ تم نے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ تمہارا یہ کارنامہ واقعی قابل ستائش ہے' یہ بتاؤ کہ "جب سب ڈر رہے تھے پانی میں کودنے سے تو تم میں ہمت کیسے آئی۔"

اس نوجوان کا ان سب سے پہلا سوال اور جواب تھا "پہلے مجھے بتاؤ مجھے پانی میں دھکا کس نے دیا تھا۔" (تمام ہال قہقہوں سے گونج اٹھتا ہے) بچو! یہ بات بہت ضروری ہے کہ اپنے اندر کو کمال قربانی اور جدوجہد سے اجاگر کیا جائے۔ یہ ہمارے بابا لوگ ہی بتاتے ہیں کہ اندر کے ساتھ انسان کا کیا رشتہ ہونا چاہیے اور کس حد تک طے ہونا چاہیے۔ جب تک اندر کی گراری باہر کی گراری کے ساتھ فٹ نہیں ہوگی انسان کا وجود بند رہے گا اور رکا رہے گا۔

آپ جو سوال کیا کرتے ہیں کہ انسانیت کو فلاح کیوں نہیں ملتی۔ تو اصل بات اس میں یہی ہے کہ ہمارے اندر تضاد ہے لیکن ایک بات یہ بھی بڑی اہم ہے کہ انسان ڈگریاں تو حاصل کر لیتا ہے' بڑا امیر اور مشہور آدمی بن جاتا ہے لیکن وہ دوسروں کی فلاح کا سبب نہیں بنتا ہے اور ایسی صورت میں اس کی تمام ڈگریاں نہ اس کے کام آ سکتی ہیں اور نہ ہی دوسروں کے۔ وہ روحانی طور پر پسماندہ ہوتا ہے۔ ترقی یافتہ نہیں ہوتا ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جب آپ کا اندر اور باہر ایک طرح کا ہوگا تو نہ صرف آپ اپنے وجود اور ذات کے لیے فلاح کا باعث بنیں گے بلکہ دوسروں کے لیے بھی فلاح کا ذریعہ ثابت ہوں گے۔

بچو! میں آپ پر کوئی زیادہ بوجھ نہیں ڈال رہا ہوں۔ بس سنی سنائی باتیں کر رہا ہوں جو مجھ سے میرے بابوں نے کی تھیں۔ جس طرح اینٹوں کو ایک دوسری کا سہارا دے کر اور چنائی کر کے ڈاٹ باندھی جاتی ہے۔ ڈاٹ باندھے جانے کے بعد چاہے اس پر کتنا ہی بوجھ ڈال دیا جائے اسے فرق نہیں پڑتا ہے اور وہ بہت مضبوط تر ہو جاتی ہے۔

پاکپتن شریف سے امیر دین کوچوان میرے پاس آیا۔ اس کا باپ بیمار تھا۔ اسے تلی کی خرابی کا عارضہ لاحق تھا۔ مجھے کہنے لگا کہ "بھاجی ابے کو کسی اعلیٰ درجے کے اور بڑے ڈاکٹر کو دکھانا ہے۔"

میں نے پروفیسر آف میڈیسن سے درخواست کی اور کہا کہ جناب یہ ہمارے بڑے جاننے والے ہیں ذرا انہیں تسلی سے چیک کر لیں۔ پروفیسر صاحب نے مریض کو دیکھا لیکن امیر دین کی کچھ تسلی نہ ہوئی اور مجھے کہنے لگا "بھاجی سب سے بڑے ڈاکٹر کو دکھائیں۔"

میں نے کہا کہ "امیر دین سب سے بڑا ڈاکٹر یہی ہے۔" لیکن وہ کہنے لگا "نہیں جی یہ نہیں۔"

میں نے کہا کہ "تجھے کیسے معلوم ہے کہ یہ سب سے بڑا ڈاکٹر نہیں ہے۔"

وہ کہنے لگا کہ "سب سے بڑا ڈاکٹر وہ ہوتا ہے جس کی کوٹھی بڑی ہو۔"

امیر دین کوچوان اپنے ابے کو لے کر واپس چلا گیا کیونکہ اس ڈاکٹر کی کوٹھی چھوٹی تھی حالانکہ وہ ڈاکٹر بڑا تھا۔

یہ ایسی باتیں ہیں جو ہماری روزمرہ کی زندگی میں آتی رہتی ہیں لیکن ہم اس پر زیادہ توجہ مرکوز نہیں کرتے ہیں۔ ہمارے بابے کہتے ہیں کہ وہی چیز یا شے روشنی عطا کرتی ہے اور دوسروں کی فلاح کا کام کرتی ہے جو خود سے قربانی دیتی ہے۔ اپنے اوپر ضبط کرتی ہے اور یہی بات ہم انسانوں پر فٹ آتی ہے۔ لکڑی جلتی ہے تو کھانا تیار ہوتا ہے یا سردی میں ہمیں حدت پہنچتی ہے۔ آم کا درخت اپنی شاخوں پر بڑا آموں کا بوجھ برداشت کرتا ہے تو ہمیں گرمیوں میں کھانے کو آم ملتے ہیں اور اگر ہم انسان قربانی دیتے ہیں تو دوسروں کی فلاح کرتے ہیں، چاہے وہ قربانی کسی مرتے کو بچانے کے لیے ایک بوتل خون کی ہو یا محض کسی کو تسلی دینے کی۔ اپنا تھوڑا وقت لوگوں کے نام کرنا ہو یا کسی اور انداز میں...... کہا جاتا ہے کہ دنیا بڑی مادہ پرست ہو گئی ہے۔

جب ہم بچے تھے تو جب دکان سے کوئی چیز لینے جاتے تھے تو دکاندار ہمیں خوش کرنے کے لیے "جھونگا" (کھانے کی کوئی تھوڑی سی چیز) دیا کرتے تھے اور بچے بھاگ بھاگ کر دکانوں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سے گھر کے لیے سودا لینے کے لیے جاتے تھے۔ اب بھی شاید دکاندار دیتے ہوں لیکن میرا خیال ہے صورتحال کافی بدل چکی ہے۔ ہمارے گاؤں میں جب جیمل سنگھ اماں تیلن سے دو آنے کی تیل کی کپی لینے جاتا تو اماں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی' پیار کرتی اور بٹھا دیتی۔ ماں کا حال پوچھتی اور کہتی "پتر روٹی کھائیں گا۔"

وہ کہتا کہ "نہیں اماں بس تیل دے دیں۔"

اس کے انکار کے باوجود اماں تیلن اسے تیل دینے سے پہلے ایک پھلکا روٹی کھلاتی۔ اس پر مکھن کا پیڑا رکھتی' اسے پہلے کھلاتی پھر دو آنے کا تیل دیتی حالانکہ وہ جیمل سنگھ کو روٹی اور مکھن جو پیڑا کھلاتی وہ شاید تین آنے کا بنتا ہو لیکن ان وقتوں میں شاید ایسی باتیں نہیں سوچی جاتی تھیں اور محبتوں میں حساب کتاب نہیں کیے جاتے تھے اور لوگ اعداد و شمار سے زیادہ محبت پر یقین رکھتے تھے۔ پیسے سے زیادہ انسان پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔

خواتین و حضرات! میں نے آج آپ پر کچھ زیادہ ہی بوجھ ڈال دیا لیکن یہ مجھ پر کافی بوجھ تھا جو میں نے آپ پر ڈال کر کچھ کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ آخر میں اس امید' تمنا اور دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گا کہ آپ اپنی ذات کو ٹٹولیں گے اور اپنے اندر کے اندھے کنویں کو اپنی ہمت' عزم اور دوسروں سے محبت اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے جذبے کے ساتھ اس آگ لگی اخبار کے لپکے کی طرح روشن کرنے کی کوشش کریں گے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خدا سے زیادہ جراثیموں کا خوف

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

صبح کا وقت بڑا سہانا ہوتا ہے۔ صبح کا وہ وقت جب پو پھوٹ رہی ہوتی ہے۔ چڑیاں چہچہا رہی ہوتی ہیں لیکن ایک وہ ہی وقت ہوتا ہے جب سورج کی روشنی اپنی پوری لمبائی کے ساتھ زمین کو چھونے لگتی ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب ہماری یاد میں بھولے بسرے واقعات بڑی وضاحت اور شدومد کے ساتھ ابھرنے لگتے ہیں۔ باوجود بڑی کوشش کے میں یہ آج تک نہ جان سکا ہوں کہ ان لمبی لمبی شعاعوں اور کرنوں کا زمین پر ایسا اثر کیوں ہوتا ہے۔ یہ ایسا وقت ہوتا ہے جب انسان اپنے برے سے برے دشمن کو بھی معاف کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ آج کل ہمارے ہاں ویسے معاف کرنے پر کم ہی توجہ دی جاتی ہے اور معافی کے عمل کو بجائے اپنی بڑائی یا اعلیٰ ظرفی کے کمزوری سمجھا جانے لگا ہے اور بدقسمتی سے یہ رجحان ابھی کچھ سالوں میں زیادہ ہو گیا ہے۔ پہلے شاید اتنا نہیں تھا' وجود تو ہوگا' اس سے تو انکار نہیں لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ بہت کم ہوگا۔

جب ہم بچپن میں تھے تو اپنے دیگر ساتھیوں سے لڑائی بھی ہوتی تھی' ناراضگی بھی لیکن مجھے یاد نہیں پڑتا کہ ہم میں سے بھی کسی کو بھی اگلے دن کسی کو منانے کی ضرورت پیش آتی ہو یا کوئی گلہ دل میں رہ گیا ہو۔ ویسے ہی ہنستے کھیلتے لڑتے جھگڑتے دن گزر جاتا تھا لیکن اب ہم نے اپنا الگ ہی طرزِ فکر اختیار کر لیا ہے۔ ہم نے مختلف لوگوں کے بارے میں مختلف رائے قائم کر لی ہے۔ مثال کے طور پر ہم نے سوچ رکھا ہے کہ اب میں نے درانی صاحب کی فلاں بات کا جواب فلاں طریقے سے دینا ہے۔ اگر چپڑاسی کرموں نے چھٹی مانگی تو نہیں دینی کیونکہ وہ بہانے سے چھٹی کرتا ہے۔ کوئی ضرورت مند یا سائل

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہمارے تک آئے گا تو ہم نے بڑی بے رخی سے بات کرنی ہے کیونکہ اگر مسکرا کر بات کریں تو یہ لوگ ناحق فری ہو جاتے ہیں۔اس طرح کی کئی باتیں ہوتی ہیں جو ہم خود ہی خود میں طے کر لیتے ہیں حالانکہ ہم اس بات سے بے خبر ہوتے ہیں کہ جن لوگوں کے بارے میں ہم سخت رویے پر مبنی رائے قائم کر رہے ہیں۔وہ ہوسکتا ہے ہمارے لیے بڑی اچھی رائے رکھتے ہوں۔جس چپڑاسی کرموں کو ہم چھٹی نہ دینے اور جھڑکیاں دینے کا فیصلہ صادر کر چکے ہیں وہ اس بار چھٹی کے لیے بہانے بازی سے کام نہ لے رہا ہو اور اسے واقعی ہی کوئی مسئلہ یا مشکل درپیش ہو۔

ہم نے شاید کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں سوچا کہ ہمارے چہروں سے ہنسی، مسکراہٹ کیوں ناپید ہو رہی ہے۔بات یہ نہیں ہے کہ ہم اچھے ہونا ہی نہیں چاہتے ہیں۔ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ہمارے دل کے کسی نہ کسی گوشے میں یہ خواہش ضرور موجود ہے کہ ہم اچھے بنیں لیکن ایک عجب خوف ہمیں اس بات سے دور کرتا رہتا ہے۔

خواتین و حضرات! میرے ماموں میرے والد صاحب سے بالکل الٹ تھے میرے والد میرے ماموں کی نسبت بہت ہی محتاط، زیرک اور ہر کام کو پرکھ کر کرنے والے تھے جبکہ ماموں بہت کچھ اعتبار اور اعتماد پر چھوڑ دیتے تھے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ ماموں بہت سیدھے سادے یا خدانخواستہ احمق تھے۔ایسی بات بالکل نہیں تھی۔ماموں کا اپنا ایک فلسفہ تھا۔وہ مجھ سے اکثر کہا کرتے تھے کہ ''تم لوگوں کو اپنے سے اچھا صلہ لے لینے دو، انہیں تمہیں ٹھگ لینے دو۔اگر تم ان سے جھگڑا نہیں کرو گے، مباحثہ نہیں کرو گے وہ صلح جو ہو جائیں گے۔ہتھیار پھینک دیں گے۔اچھے اور شریف ہو جائیں گے اور یقین کرنا بیٹا، انسان اچھا اور شریف ہونا چاہتا ہے لیکن اس کو موقع نہیں ملتا۔کم از کم تم انہیں اچھا ہونے کا موقع ضرور فراہم کرنا۔''

اس وقت تو میں ماموں کی اس بات کو اس طریقے سے نہیں سمجھ پاتا تھا لیکن میں اب Feel کرتا ہوں کہ میں ان باتوں کو کچھ کچھ سمجھنے لگا ہوں کہ ایسا کرنا کیوں ضروری ہے۔ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ جو خرابی ہم میں موجود ہوتی ہے، ہم خیال کرتے ہیں کہ یہ خرابی ضرور دوسروں میں بھی ہو گی۔میں آپ کو ایک دلچسپ بات سناتا ہوں (آپ کسی اور کو نہ بتائیے گا مسکراتے ہوئے) میں جب بجلی، ٹیلیفون یا کوئی اور بل وغیرہ جمع کرانے کے لیے بینک کی اس کھڑکی پر کھڑا ہوتا ہوں جہاں لوگ صبح سویرے آن کر ہی کھڑے ہو جاتے ہیں تاکہ وہ بل جمع کروا کر اپنے اپنے کاموں کی طرف جا سکیں۔

خواتین و حضرات! میں ان لائنوں میں کھڑے بزرگوں، نوجوانوں اور خواتین کو دیکھتا ہوں تو مجھے ناگوار گزرتا ہے گو مجھے زیادہ اس لیے برا لگتا ہے کہ میں بھی ایسے ہی لوگوں کی صف میں کھڑا ہوتا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہوں۔ بل جمع کرانے والوں کی صورت حال دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ لوگ پیسے جمع کرانے نہیں آئے بلکہ انہیں یہاں سے مفت میں پیسے مل رہے ہیں یا کوئی کچھ مفت میں بانٹ رہا ہے۔ اس صورت حال میں ان لائن میں کھڑے میرے جیسوں کو سب سے زیادہ کوفت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی صاحب بینک کے بڑے دروازے میں سے آ کر بل جمع کرنے والے کیشیئر کو تھما کر چلا جاتا ہے۔

بات کدھر سے کدھر نکل گئی۔ میں جب بینک کی کھڑکی پر کھڑا بل جمع کروا رہا ہوتا ہوں تو کئی بار میرے ذہن میں خیال آتا ہے کہ میں نے اپنے یوٹیلیٹی بلز کے جو پیسے کیشیئر کو تھما دیئے ہیں یہ ہی نہ ہو کہ وہ پیسے لے کر یہ کہے کہ آپ نے تو مجھے پیسے دیئے ہی نہیں۔ اب میرے پاس اسے پیسے دینے کی کوئی رسید بھی نہیں اور میں کیسے کسی اور کو یقین دلاؤں گا کہ میں نے واقعی کیشیئر کو پیسے دے دیئے ہیں۔ لیکن وہ کیشیئر بڑا ہی ایماندار ہوتا ہے اس نے میرے گہرے خدشات کے باوجود آج تک مجھے نہیں کہا کہ میں نے اسے پیسے ادا نہیں کیے اور وہ نہایت شریف النفس اور دیانتدار کیشیئر میرے بلوں پر ٹھکا ٹھک مہریں لگا کر اور دستخط کر کے بل آدھے پھاڑ کر میرے حوالے کر دیتا ہے۔ ہمارے انگریزی کے استاد ہمیں کہا کرتے تھے کہ تم اپنے اندر اپنے بچپن کو کبھی نہ مرنے دینا۔ اس طرح تم بوڑھے نہیں ہو گے۔ اگر تم اپنے بچپن کو اپنے اندر سنبھال کر نہ رکھ سکے تو پھر تمہیں بوڑھے ہونے سے کوئی روک نہیں پائے گا۔ شاید ضرورت ہے کہ ہم سب اپنے اندر بچپن کی وہ خوبیاں اجاگر کریں جو نفرت، حسد اور اس جیسی برائیوں سے پاک ہوتی ہیں۔ محبت بچپن کا خاصا ہے۔ معصوم شرارتیں اور بونگیاں ذہنی تندرستی کے لیے بہت ضروری ہے اور ماہرین نفسیات اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ کچھ وقت کے لیے خود پر ایسی کیفیت وارد کرنا بہت ضروری ہے جس میں ہم اپنے تعارف سے ہٹ کر اور اپنے عہدے ایک طرف رکھتے ہوئے چند منٹوں کے لیے بچے بن جائیں۔ ویسے ہی کمرے میں بھاگیں جیسے بچے گلی میں منہ سے اور موٹر سائیکل یا گاڑی کی آواز نکال کر بھاگتے ہیں۔ یا ہم شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر عجیب و غریب شکلیں بنائیں۔ (یہ کام کرتے وقت دروازہ کی کنڈی ضرور چیک کر لیجیے گا کہیں کوئی اور ہی مصیبت نہ کھڑی ہو جائے)۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ زندگی میں جس طرح باقی معمولات ضروری ہیں۔ اسی طرح فلاح اور کسی دوسرے کو تکلیف پہنچائے بغیر شرارتوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ خوش وخرم زندگی کا راز ہے۔

سڑک پر گاڑیوں کی سپیڈ چیک کرنے کے لیے اکثر تار بچھی ہوئی ہوتی ہے۔ جب کار اس تار پر سے گزرتی ہے تو دور بیٹھے ٹریفک والوں کے پاس گاڑی کی سپیڈ ریکارڈ ہو جاتی ہے۔ فیروز پور روڈ پر نہر کے پل سے ذرا پہلے ایسی ہی تار بچھی تھی۔ ایک روز میں نہر پر جا رہا تھا اور میرے آگے ایک فوکسی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جارہی تھی۔اس کار کے جیسے ہی اگلے پہیّے اس تار پر سے گزرے تو زور کی بریک لگی اور گاڑی رک گئی۔ پھراس گاڑی میں سے دوتنومند نوجوان نکلے۔انہوں نے فوکسی کے پچھلے دونوں پہیئے اٹھا کراس تار سے لگائے بغیر گزرے اور آگے رکھ دیئے اور وہ اس کار پر سوار ہوکر چل دیئے۔اب میں دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ یااللہ ایسی کیا بات ہے کہ ان لوگوں نے اتنی تکلیف کر کے یہ کام کیا۔

جب میں قرطبہ چوک پہنچا تو وہاں بڑا رش تھا اور ٹریفک جام تھی۔ جب میری گاڑی ان نوجوانوں کی گاڑی کے مقابل آئی تو میں نے شیشہ نیچے کر کے ان سے فوکسی کے اس طرح گزارنے کی وجہ پوچھی۔

اس پر وہ نوجوان پہلے مسکرائے اور پھر بتایا کہ بس جی یہ ایسے ہی ایک تفریحی کھیل ہے۔ہم اکثر یونہی کرتے ہیں۔ اس طرح ٹریفک والوں کے پاس گاڑی کے اگلے پہیّے گزرنے کا حساب تو ریکارڈ ہوگیا ہوتا ہے اور انہیں گاڑی کے پچھلے پہیّے گزرنے کا انتظار ہوتا ہے اور اب تک وہ انتظار کررہے ہوں گے کہ پچھلے پہیّے کب گزریں گے اور ان میں سے کچھ سارجنٹ ایسے بھی ہوتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ شاید ولایت والوں نے کوئی گاڑی ایسی بھی بنائی ہے جس کے پہیّے ابھی آنے ہیں۔

یہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو ہمیں ایک دم سے دکھ والم کی زندگی سے باہر نکال دیتی ہیں۔

ایک روز ہم ڈیرے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اپنے بابا جی سے پوچھا کہ ”جناب دنیا اتنی خراب کیوں ہوگئی ہے۔اس قدر مادہ پرست کیونکر ہوگئی ہے۔“

بابا جی نے جواب دیا ”دنیا بہت اچھی ہے۔جب ہم اس پر تنگ نظری سے نظر ڈالتے ہیں تو یہ ہمیں تنگ نظر دکھائی دیتی ہے۔ جب ہم اس پر کمینگی سی نظر دوڑاتے ہیں تو یہ ہمیں کمینی نظر آنے لگتی ہے۔جب اسے خودغرضی سے دیکھتے ہیں تو یہ خودغرض ہوجاتی ہے لیکن جب اس پر کھلے دل روشن آنکھ اور محبت بھری نظر سے نگاہ دوڑاتے ہیں تو پھر اسی دنیا میں کیسے پیارے پیارے لوگ نظر آنے لگتے ہیں۔

خواتین وحضرات! نیکی اور بدی دونوں کا وجود لازم وملزوم ہے۔اگر دنیا سے بدی بالکل اٹھ جائے تو پھر نیکی کو نیکی کون کہے گا اور اگر نیکی اٹھ جائے تو پھر برے کو برا کون کہے گا۔ایک کا وجود دوسرے کے وجود کی اہمیت سے ہمیں آشنا کرتا ہے۔اب اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ نیکی کے ساتھ بدی کا ہونا بھی ضروری ہے۔

خواتین وحضرات! زندگی اتنی مشکل بھی نہیں ہے جتنی مشکل ہم نے سمجھ رکھی ہے۔ایک زمانے میں میں لال صابن سے نہاتا تھا۔میرے بالوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔میں کھانا کھاتا تھا تو مجھے ہاتھ ڈیٹول سے نہیں دھونے پڑتے تھے۔تب شاید اب سے خطرناک جراثیم بھی کم تھے لیکن اب

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

شاید جراثیموں کی بہتات ہوگئی ہے یا پھر ہم سوچتے ہی اس طرز پر ہیں' میں آج تک اس راز کو نہیں سمجھ پایا ہوں کہ ایک خرادیہ یا موٹر میکینک جو سارا دن کام کرتا ہے وہ جب کھانا کھانے لگتا ہے تو وہ ڈیٹول استعمال نہیں کرتا' کسی مہنگے صابن سے ہاتھ نہیں دھوتا' کسی نئے تولیے کو استعمال نہیں کرتا' بس عام پانی سے ہاتھ گیلے کر کے کسی عام سے کپڑے سے خشک کرتا ہے اور کھانا کھانے بیٹھ جاتا ہے۔ وہ بیمار نہیں ہوتا لیکن ہم جو بڑی احتیاط کرتے ہیں' پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں' جلدی بیمار ہو جاتے ہیں۔ جب ہم چھوٹے تھے تو اس وقت ہم اپنی ماں کے پاس بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے' اچانک روٹی کا لقمہ میری ماں کے ہاتھ سے زمین پر گر گیا۔ جونہی وہ لقمہ ماں کے ہاتھ سے گرا انہوں نے بسم اللہ کہہ کر وہ لقمہ زمین سے اٹھایا۔ اس پر پھونک ماری اور اسے کھا لیا۔ اس پر میری بڑی بہن نے شور مچا دیا کہ اماں اس طرح سے آپ کو یہ روٹی کا ٹکڑا نہیں کھانا چاہیے تھا۔ یہ جراثیموں سے آلودہ ہو چکا تھا لیکن میری ماں کچھ نہ بولی اور اس نے اطمینان سے وہ ٹکڑا نگل لیا۔ میں اب سوچتا ہوں کہ میری ماں جراثیموں سے زیادہ خدا سے ڈرتی تھی وہ خدا کی دی نعمت کی قدر کرتی تھی اور شاید ہم خدا سے زیادہ جراثیموں سے ڈرتے ہیں۔ میں ایک بار اپنی گاڑی کا کام کروا رہا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا تو ورکشاپ میں وہ کاریگر وغیرہ روٹی کھانے لگے۔ انہوں نے مجھے بھی دعوت دی لیکن میں نے شکریہ کہہ کر معذرت کر لی۔

خواتین و حضرات! گاڑی کا وہ میکینک کام کرتے کرتے اٹھا اس نے پنکچر چیک کرنے والے ٹب سے ہاتھ گیلے کیے اور ویسے ہی جا کر کھانا کھانا شروع کر دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ اللہ کے بندے اس طرح گندے ہاتھوں سے کھانا کھاؤ گے تو بیمار پڑ جاؤ گے۔ ہزاروں جراثیم تمہارے پیٹ میں چلے جائیں گے کیا تم نے اس طرح کی باتیں کبھی ڈیٹول یا صابن کے اشتہار میں نہیں دیکھیں' تو اس نے جواب دیا کہ "صاحب جب ہم ہاتھوں پر پہلا کلمہ پڑھ کر پانی ڈالتے ہیں تو سارے جراثیم خود بخود مر جاتے ہیں اور جب بسم اللہ پڑھ کر روٹی کا لقمہ توڑتے ہیں تو جراثیموں کی جگہ ہمارے پیٹ میں برکت اور صحت داخل ہو جاتی ہے۔

مجھے اس میکینک کی بات نے ہلا کر رکھ دیا۔ یہ اس کا توکل تھا جو اسے بیمار نہیں ہونے دیتا تھا۔ میں اس سے اب بھی ملتا ہوں۔ اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی وہ مجھ سے زیادہ صحت مند ہے۔

آپ لوگوں کی بڑی مہربانی کہ آپ نے اتنی دیر سنا۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے۔ آپ کو بچپن' نرم خوئی اور توکل کی دولت اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ضمیر کا سگنل

ہم سب کی طرف سے اہلِ زاویہ کی خدمت میں سلام پہنچے۔

زندگی ہمواریوں اور ناہمواریوں سے وابستہ ہے۔نشیب وفراز اس جیتی جاگتی زندگی کا خاصا ہے۔ ہر شخص کو اپنی زندگی میں ایسے حالات وواقعات سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔کوئی شخص آپ کو ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہے کہ اس کی زندگی ایک ہی سمت' ڈائریکشن یا لِے میں جارہی ہے۔زندگی سچ جھوٹ' اچھائی برائی' اونچ نیچ سے وابستہ ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی شخص سچا بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ جھوٹ بھی بولتا ہے۔شریف اور پرہیز گار بھی ہے اور بددیانت بھی' ایسا نہیں ہوسکتا۔ جو سچا ہے تو وہ سچ ہی بولے گا لیکن اس حوالے سے اہم بات یہ بھی ہے کہ جو جھوٹا ہے وہ سچ بھی بول سکتا ہے۔ ہمارے بابے جن کا ذکر میں عام طور پر کرتا رہتا ہوں اور وہ ہماری گفتگو میں کہیں نہ کہیں سے درمیان میں آن کھڑے ہوتے ہیں' وہ کہا کرتے ہیں کہ کسی کافر سے اس کے کافر ہونے کی وجہ سے نفرت نہ کرو بلکہ اگر آپ کا مزاج اس کے قریب جانے کو نہیں کرتا تو اس کے کفر کے باعث ایسا کرو۔ ہمدردی اور محبت کا حقدار انسان ہوتا ہی ہے۔ایک کافر کل کو مومن کامل اور خدا کا قرب حاصل کرسکتا ہے اور یہ نہ ہو کہ آپ اس کے کافر ہونے پر اس سے نفرت کرتے رہو۔

یہ ایسی باتیں ہیں جو کسی وقت میری سمجھ میں بھی نہیں آتی تھیں لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ اب کچھ کچھ میں انہیں سمجھنے لگا ہوں۔کلی طور پر شاید نہیں۔

خواتین وحضرات! آپ کو زندگی میں ہر طرح کے انسانوں سے واسطہ پڑے گا۔ کچھ ایسے بھی ہوں گے جو کسی طور الگ مزاج کے ہوں گے۔ کچھ غصیلی طبیعت کے اور کچھ نہایت نرم خو۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہمیں نرم خوئی کا حکم ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی شخص کے فعل پر ہمیں بہت غصہ آ رہا ہوتا ہے لیکن آپ اس کے باوجود کہ اس پر غصہ کیا جانا چاہیے آپ غصہ نہیں کرتے ہیں۔ یہ ان کا کمال فن ہوتا ہے یا پھر وہ نان ڈگری ماہرِ نفسیات ہوتے ہیں۔ ایک بار ایسا ہی واقعہ میرے ساتھ بھی پیش آیا۔ میں ایک ضروری میٹنگ کے سلسلے میں مری گیا۔ وہ بارشوں کا موسم تھا۔ اب میں جلدی میں تھا اور میں نے دو جوڑے ہی کپڑوں کے ساتھ لیے تھے۔ راستے میں موسلا دھار بارش ہوئی اور خوب برسی۔ اس شدید بارش میں میں باوجود بچنے کے شدید طور پر بھیگ گیا۔ میں شام کو مری پہنچا۔ میں خود بھیگ چکا تھا جبکہ دوسرا جوڑا میرے پاس تھا۔ پانی اس میں بھی گھس گیا۔ اب میں سخت پریشان۔ اگلے روز میٹنگ بھی اٹینڈ کرنا تھی۔ خیر میں مال روڈ پر گیا کہ کہیں سے کوئی لانڈری وغیرہ مل جائے تاکہ وہ کپڑے سکھا کر استری کر دے۔ مجھے مال پر تو کوئی لانڈری نہ ملی البتہ لوئر بازار میں چھوٹی سی ایک دکان نظر آئی جس پر لکھا تھا "کپڑے چوبیس گھنٹے میں تیار ملتے ہیں۔" میں یہ پڑھ کر بہت خوش ہوا اور جا کر کپڑے کاؤنٹر پر رکھ دیئے۔ دکان کے مالک بابا جی نے کپڑوں کو غور سے دیکھا پھر بولے "ٹھیک ہے پرسوں شام کو لے جانا۔ جمعرات کی شام مغرب سے پہلے۔"

میں نے ان سے کہا کہ "حضور آپ نے تو چوبیس گھنٹے میں تیار کرنے کا بورڈ لگایا ہوا ہے؟"

وہ بابا جی (ذرا بڑی عمر کے تھے) مسکرا کر بولے "ٹھیک ہے بیٹا چوبیس گھنٹوں میں ہی تیار کر کے دیتے ہیں لیکن ہم روزانہ صرف آٹھ گھنٹے کام کرتے ہیں۔ آٹھ گھنٹے آج' آٹھ گھنٹے کل اور آٹھ پرسوں۔ یہ کل چوبیس گھنٹے بنتے ہیں۔ آپ کے کپڑے پرسوں شام چوبیسواں گھنٹہ ختم ہونے سے پہلے مل جائیں گے۔"

اب میں حیران و پشیمان کھڑا بابا جی کا منہ دیکھ رہا ہوں کہ انہوں نے کس طرح سے چوبیس گھنٹے پورے کر دیئے اور میرے پاس کوئی جواب بھی نہ تھا۔

غصہ آنا ایک فطری عمل ہے اور ہم جو یوٹیلیٹی بلز اور دیگر مسائل کے باعث دبے ہوئے اور پسے ہوئے ہیں ہمیں تو شاید غصہ آتا بھی بہت ہے۔ ہم شدید غصے کی حالت میں اپنے ہی آپ جج بھی بن جاتے ہیں' ملزم بھی اور گواہ بھی۔ سارے اختیارات اپنے ذمے لے کر خود کو مسئلے میں ڈال لیتے ہیں حالانکہ چاہیے تو یہ کہ ہم ایسی صورتحال سے جب دوچار ہوں تو خود کو ڈھیلا چھوڑ دیں اور اپنے خول میں ہی رہیں۔ اپنے خول سے باہر نہ نکلیں کیونکہ جب انسان اپنے خول سے باہر نکل آتا ہے تو وہ بے لباس اور برہنہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے اکثر مسائل ہمارے اپنے ہی پیدا کردہ ہیں۔ ہم کسی بات سے یا واقعہ سے اپنے تئیں فیصلہ کر لیتے ہیں اور حتمی نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ ایک مولانا اپنی بڑی اور خوبصورت گاڑی میں لبرٹی مارکیٹ کے باہر غلط ہاتھ جا رہے تھے۔ اسی دوران ان کی نئی خوبصورت ٹیوٹا کرونا کے پاس سے پولیس کی نیلی جیپ گزری اور وہ آناً فاناً مولانا کی گاڑی سے ٹکرا گئی اور ٹکر مار کر آگے نکل گئی۔ مولانا نے اپنی گاڑی روکی' اس کا بغور معائنہ کیا۔ ان کی کار کے پچھلے مڈگارڈ میں چپ پڑ گیا تھا۔ اب وہ مولانا غصے میں سیخ پا ہو گئے اور منہ ہی منہ میں شدید طور پر کچھ بڑبڑانے لگے۔ یہ واقعہ وہاں ایک گنڈیری فروش دیکھ رہا تھا۔ اس نے اونچی آواز میں مولانا کو مخاطب کیا اور کہا ''مولانا صاحب بس یہی مقام ہے جہاں دین اور دنیا آپس میں ملتے ہیں۔''

جیسا کہ میں نے آپ سے پہلے عرض کیا کہ زندگی ایک ہی دھارے پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رواں دواں نہیں رہتی۔ بتدریج پہلو بدلتی رہتی ہے۔ اس طرح سے ہمارے انداز' زاویے' سٹائل اور طرز عمل اور بود و باش کے رنگوں میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ زندگی ٹھہرتی نہیں ہے بلکہ کسی نہ کسی راستے اور منزل کی جانب گامزن رہتی ہے۔ یہ حرکت اور Movement ہی ہے جسے ہم زندگی کہتے ہیں۔ اگر جمود یا ٹھہراؤ آ جائے تو وہ زندگی قرار نہیں دی جا سکتی ہے لیکن ایک بات جو آپ نے بھی نوٹ کی ہو گی اور شاید میں نے بھی کہ ہم اپنے طریقہ بود و باش میں آئے روز تبدیلیاں کرتے ہیں لیکن آخرکار کچھ دہائیوں' صدیوں بعد اپنے پرانے طریقہ کار کی جانب بھی لوٹ آتے ہیں۔ میں نے گزشتہ چند دنوں سے اس بارے بہت غور کیا کہ آخر یہ کیوں ہے؟ کسی دور میں کوٹ کے کالر اور آستین بڑے بڑے ہوتے تھے۔ لوگ فور بٹن کوٹ پسند کرتے تھے۔ کسی زمانے میں لوگوں میں ''کھیڑیاں'' زیادہ پہنے جانے کا رجحان بڑھ جاتا ہے۔ کبھی لوگ لمبے بال رکھنے لگتے ہیں۔ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ ان سب اعمال کے برعکس زندگی بسر کرتے ہیں اور پھر چند سالوں یا دہائیوں کے بعد پھر سے پرانے سٹائل کو اختیار کر لیتے ہیں لیکن ایک چیز نہیں بدلی لوگ جس زمانے میں بھی چاہے جتنے مرضی ''ممی'' ''ڈیڈی'' ہو جائیں وہ دیسی آٹے کی روٹی اور مکھن کو پسند کرتے ہیں۔ گاؤں کے پرفضا ماحول کو شہر کی نسبت بہتر خیال کرتے ہیں۔ اگر کسی کو دیسی گھی چاہیے ہوتا ہے تو وہ گاؤں سے منگوانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ سچ کی اہمیت بھی وہی ہے اور جھوٹ سے نفرت بھی وہی ہے۔ دیانتداری کو اب بھی بڑا سرمایہ خیال کیا جاتا ہے۔ (گو ہم آج کل دیانتدار کو بے وقوف سمجھتے ہیں کسی حد تک) اور اکثر لوگ اچھائی کو اب بھی اچھائی سمجھتے ہیں۔ یہ خیالات نہیں بدلے۔

میرے ایک دوست جو ماہر نفسیات ہیں اور میں ان کی بڑی قدر کرتا ہوں' ان کا نام ڈاکٹر اجمل صاحب ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ مجھے بتایا کہ چھانگا مانگا کے ایک لکڑہارے نے انارکلی سے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

گزرتے ہوئے اپنے دوست سے کہا کہ ان دکانوں کے درمیان اور نالی سے ذرا اوپر ایک جھینگر کی آواز آ رہی ہے۔ اب اس کے ساتھ اس کا ایک شہری دوست تھا جس کی بھی ہماری طرح گاڑیوں اور دیگر شور سن کر سن سکنے کی صلاحیت وہ نہیں رہی تھی جو ایک تندرست انسان میں ہوتی ہے۔ لکڑ ہارے کی بات سن کر اس شہری نے جل کر کہا کہ اس ہنگامے اور شوروغل میں کیسے ممکن ہے کہ کوئی چلتے ہوئے ایک جھینگر کی آواز سن سکے۔

(اس نے ضرور اسے دیہاتی ہونے کا طعنہ بھی دیا ہوگا اور کوسا ہوگا کہ تم لوگ پتہ نہیں کہاں سے اٹھ کر آ جاتے ہو۔ تمہیں کیا پتہ شہر کیسے ہوتے ہیں اور تمہارے اب کان بھی بجنا شروع ہو گئے ہیں)۔

لکڑ ہارے نے کہا کہ مجھے یہ آواز آتی ہے اور میں تجربہ کر کے تمہیں مشاہدہ کرا سکتا ہوں کہ آواز واقعی آ رہی ہے۔

اس نے اپنی جیب سے ایک روپے کا سکہ نکالا اور اسے ہاتھ ذرا اونچا کر کے سڑک پر اچھال دیا۔

خواتین و حضرات! اس نے جیسے ہی وہ سکہ سڑک پر پھینکا سو گز ادھر اور سو گز ادھر کے راہگیروں نے چلتے چلتے پیچھے مڑ کر اور آگے ہو کر اسے دیکھا۔ اس سکے کی آواز پر ایک لڑکا تو بوٹوں کی دکان کے اندر سے باہر نکل کر گردن گھما کر دونوں جانب دیکھنے لگا۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے وجود کو اندر اور باہر سے اس قدر پکا' کرخت کر لیا ہے کہ ہم کوئی ایسی آواز سننے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔ ہم نے اپنے مزاجوں میں اتنی سختی پیدا کر لی ہے اور اپنے تئیں ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی طبیعت اور کیفیت کا اپنے اوپر وارد کر لینا ٹھیک ہے۔ ہم مسکرانے یا ہنسنے کے لیے اپنے ہونٹوں کو ذرا سی جنبش دینے کو بھی بار خیال کرنے لگے ہیں تو پھر ہمیں اتنے شور اور یوٹیلیٹی بلز کے بوجھ میں کسی جھینگر یا ترنم کی آواز کیسے آئے گی۔ جب ہم اپنے دل کی آواز جو ہمارے جسم سے آ رہی ہوتی ہے اسے نہیں سن سکتے۔

خواتین و حضرات! آپ کبھی شام کو جب اکیلے لیٹے ہوئے ہوں تو ایک پہلو لیٹ کر ایک کان تکیے سے لگا کر اور دوسرے کان پر بازو رکھ کر دیکھئے گا آپ کو اپنے دل کے دھڑکنے کی واضح آواز آئے گی۔ آپ دیر تلک اس کا مشاہدہ ضرور کیجیے گا۔ اس آواز میں کئی باتیں پوشیدہ ہیں کئی سبق اور اسرار موجود ہیں جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ قدرت نے انسان کو ایک ایسی بڑی نعمت سے نوازا ہے جسے ہم ضمیر کہتے ہیں۔ جب بھی ہم سے کوئی اچھائی یا برائی سرزد ہو تو یہ اپنے خصوصی سگنل جاری کرتا ہے۔ ان سگنلز میں کبھی شرمندگی کا احساس نمایاں ہوتا ہے تو کبھی ضمیر سے آپ کو Very Good کی آواز آتی ہے۔ آپ کسی یتیم کے سر پر دستِ شفقت رکھتے ہیں یا کسی نابینا کو اپنا ضروری کام چھوڑ کر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سڑک پار کرواتے ہیں تو آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ کے ضمیر نے آپ کو شاباش دی ہے۔ پیار سے تھپکی دی ہے۔ انسان خود میں عجیب طرح کی ایک تازگی اور انرجی محسوس کرتا ہے۔ جب ہم اپنے کسی نوکر کو جھڑکیاں دیتے ہیں، کسی فقیر کو کوستے ہیں یا کوئی بھی ایسا عمل کرتے ہیں جس کی ہمیں ممانعت کی گئی ہے تو یہ ضمیر تنگی محسوس کرتا ہے۔ ایک ایسا سگنل بھیجتا ہے جس سے ہمیں بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ شاید یہ کام کچھ درست نہیں ہوا۔

خواتین و حضرات کسی کو خوش کرنے میں یا آرام دینے میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہم اپنے ضمیر کو سکون کی طرف مائل کرتے ہیں اور کسی کو خوش کرنے کا ایک سب سے بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس پر کچھ خرچ بھی نہیں اٹھتا ہے اور اس مہنگائی کے دور میں بھی اس کا وہی پرانا ریٹ چل رہا ہے۔

آپ میرے لیے بھی دعا کیجیے گا کہ میں بھی اس پرانے ریٹ سے فائدہ اٹھا سکوں اور اس مشکل دور میں کسی کے لیے آسانی کا سبب بن سکوں۔ گو باوجود کوشش کے میں ایسا کر تو نہیں سکا ہوں اور اس لکڑ ہارے کی طرح انارکلی کے بھرے بازار میں اس جھینگر کی آواز سن سکوں جو کم کم لوگ ہی سن پاتے ہیں۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ آمین، اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سائنس، مذہب اور نفس کی کھوج

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچے۔

مذہب مسئلوں کو نہیں جانتا اور نہ ہی اس کے جوابوں کو جانتا ہے۔ مذہب بالکل ایک بچے کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ ایک حیرت کے عالم میں، بچہ جب چند گھنٹوں کا ہوتا ہے تو وہ چند دنوں تک دنیا کو یا زندگی کو Black and White ہی دیکھ سکتا ہے پھر کہیں جا کر اسے دنیا کی رنگینی یا کلر دیکھنے کا اذن ہوتا ہے اور وہ ان نئے نئے واقعات سے مبہوت اور حیرت زدہ ہی رہتا ہے۔ تحیر میں، ادب میں کسی سے کوئی سوال کرنا بے ادبی کا مظاہرہ کرنا ہے۔

عالمِ تحیر کو قتل کرنے کا پہلا قدم سوال کرنا ہے۔ سوال بے کیفی و بے تصوفی کی ابتدا ہے۔ سائنس کئی سال سے بے کیفی اور بے تصوفی کی کیفیت پیدا کرنے کے عمل میں مصروف ہے لیکن یہ کامیاب نہیں ہو سکتی چاہے کتنی بھی کوشش کر لے۔ یہ اپنی منزل کو نہ پہنچ سکے گی۔ سائنس اس ضمن میں بری طرح سے ناکام ہو چکی ہے لیکن پھر بھی کوشش کیے جاتی ہے۔ بڑی ہی ڈھٹائی سے، باز نہیں آتی ہے۔ جس قدر ناکام ہوتی ہے اسی قدر اور کوشش میں مصروف ہو جاتی ہے۔

سائنس بھی اس کوشش میں اتنے ہی طریقے اپنا رہی ہے جس قدر مغرب والے ہمیں خواتین کے بارے میں پرتشدد اور ظالم گردانتے کے لیے بہانے تلاشنے میں لگا رہے ہیں حالانکہ مغربی ممالک میں طلاق کی شرح پاکستان یا اس کے ہمسایہ ممالک سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ خواتین جب آزادی چاہتی ہیں، طلاق لے کر ایک طرف ہو کر بیٹھ جاتی ہیں بلکہ طلاق کا مطلب اپنے جیون ساتھی سے غیر محفوظ اور غیر مطمئن اور انڈر سٹینڈنگ کا نہ ہونا ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میری پوتی کو ایک بار جاگنگ کا کھپت سوار ہوا تو وہ علی الصبح بند گلے اور بند ٹخنوں کا لباس پہن کر جاگنگ کے لیے جانے لگی لیکن وہ کھل کر جاگنگ نہیں کر سکتی تھی کیونکہ جب وہ تیز یا آہستہ قدموں سے بھاگتی تھی تو علاقے کے کتے اسے پڑتے تھے جس سے اسے بار بار رکنا پڑتا تھا۔

اس کے بڑے بھائی نے اپنی بہن کی مدد کی اور اس نے ترکیب سوچی کہ وہ ایک زناٹے دار چھڑی لے کر سائیکل پر سوار ہو کر اپنی بہن کے پیچھے پیچھے چلے گا اور اس طرح وہ کتوں کو بھگا دے گا اور اس کی بہن بے فکری سے جاگنگ کرے گی۔ یہ سلسلہ بڑا کامیاب رہا۔ ایک روز ایک امریکی گھرانے نے اپنی کار سڑک کنارے روک کر سب اہلیان کار کو یہ نظارہ دکھایا۔ گاڑی چلانے والا امریکی گھرانے کا وہ بڑا یہ سین دیکھ کر اونچی آواز میں کہنے لگا "مشرقی لوگ بڑے ظالم ہوتے ہیں اب اس سنگدل کو دیکھو کس طرح اپنی عورت کے پیچھے جا رہا ہے اور اس کو ضربِ تازیانہ کر دیا ہے۔"

وہ امریکی سمجھ رہا تھا کہ یہ آگے آگے اس کی بیوی ہے اور اس کا خاوند چھڑی لے کر اس کے پیچھے بھاگ رہا ہے اور اس پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہا ہے۔ یہ سائنس بھی انہی چکروں میں پڑی ہوئی ہے۔ سائنس کی تمام تر کوشش اس بات پر صرف ہو رہی ہے۔ وہ زندگی کے راز کو حل کر کے رکھ دے اور ہستی کو Demystify کر دے۔ سائنس کی آرزو ہے کہ وہ ہر سوال کا جواب فراہم کرے ہر انسان کو صاحب علم Knowledgeable بنا دے۔ اگر سائنس اس جہت میں کامیاب ہوگئی تو ایک دن ایسا آئے گا جب سب سوالوں کا جواب نکل چکا ہوگا اور ہر طرح کی پراسراریت اور تحیر انسانی زندگی سے ختم ہو چکا ہوگا۔ ایک لمحے کے لیے اس وقت کا اور اس دنیا کا تصور اپنے ذہن میں لائیں جب انسان سارے سوال حل کر کے دیوار سے ڈھولگا کر بیٹھا ہوگا۔ تب اس کے لیے کوئی بھید بھید نہ ہوگا' کوئی اسرار اسے حیران نہیں کر رہا ہوگا' کوئی حیرت اس کے سامنے رقص کناں نہ ہوگی۔ وہ جس سوال کا جواب چاہتا ہوگا۔ کمپیوٹر روم میں جا کر بٹن دبا کر اس کا جواب نکال لیتا ہوگا۔ انسائیکلوپیڈیا میں دیکھ لیتا ہوگا۔ وہ انسانی زندگی کا بورترین زمانہ ہوگا اور اس وقت انسانی زندگی سے تمام خوشیاں نکل چکی ہوں گی۔

تجسس کا ایک اپنا حسن اور خوبی ہے جبکہ علم خوشی کو فنا کر دیتا ہے۔ تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ علم مسرتوں کا جلاد ہے۔ ایک بار میں اپنی خالہ کے گھر گیا۔ وہ اور ان کی بیٹی گلاب کی قلمیں بونے کے لیے زمین تیار کر رہی تھیں۔ حالانکہ وہ موسم قلمیں لگانے کا ہرگز نہ تھا۔ میں نے کہا کہ خالہ آپ یہ کس موسم میں گلاب کی قلمیں لگا رہی ہیں۔

وہ کہنے لگیں کہ کیوں موسم کو کیا ہوا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ اس موسم میں قلمیں پھوٹتا نہیں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کرتی ہیں اور وہ شگوفے نہیں نکالتی ہیں۔ یہ سن کر خالہ کی بیٹی نے اپنے ہونٹوں پر اس طرح سے انگلی رکھی کہ میں فوراً چپ کر جاؤں۔ پھر وہ میرے قریب آ کر سرگوشی سے بولیں "ان قلموں کو کیا معلوم کہ یہ موسم شگوفے نکالنے یا انہیں بونے کا نہیں ہے۔" وہ مجھے سمجھانے لگیں کہ آہستہ بولو کہیں یہ سن نہ لیں کیونکہ انہیں موسم کی خبر نہیں ہے۔

ان کے کہنے کا شاید یہ مطلب تھا کہ قلمیں بے خبر ہیں اور وہ بے موسم بھی پھوٹ پڑیں گی۔ مذہب علم پر یقین نہیں رکھتا۔ تمام مذاہب معصومیت پر یقین رکھتے ہیں اور انسانوں کو معصومیت کی راہ سے پاکیزگی عطا کرتے ہیں۔ مذاہب کے رہنما اور پیغمبران ہمیشہ اُمی ہوتے ہیں اور معصوم ہوتے ہیں اور وہ معصومیت کے ذریعے پاکیزگی عطا کرتے ہیں۔

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ انسان مذہب کی طرف رجوع کیوں کرتا ہے۔ وہ مذہب سے جڑا رہنا کیوں پسند کرتا ہے۔ کوئی بھی انسان ہو وہ کسی نہ کسی مذہب سے وابستہ رہنا پسند کرتا ہے۔ عبادت میں سکون محسوس کرتا ہے۔ ہر شخص احساساتی طور پر اور ہیجانی طور پر بے چین ہے، پریشان ہے، پراگندہ ہے۔ ہر شخص احساساتی اور ہیجانی طور پُرسکون اور شانت بھی ہوسکتا ہے۔ سکون اور شانتی حاصل کرنے کے لیے کسی پریکٹس، قواعد یا عمل کی ضرورت نہیں۔ اس کے لیے کایا پلٹنے یا قلابازی لگانے کی ضرورت ہے۔ پہیہ گھوم رہا ہے اور تیزی سے گھوم رہا ہے۔ جس پر گھوم رہا ہے وہ دھرا ساکن اور ایک جگہ پر فٹ ہے۔ ایک عمل کے پیچھے کیسی پرسکون بے عملی ہے۔ زندگی کے کنارے پر خلا موجود ہے۔ ہماری بھرپور زندگی کو خلا نے گھیر رکھا ہے۔ ایک بگولے کے سکون کے ساتھ ساتھ کاغذ، گتے، چیتھڑے، ڈبے اور جوتے گھوم رہے ہوتے ہیں اور اوپر کو اٹھ رہے ہوتے ہیں۔ ایسا ہی اتفاق ایک بار میرے ساتھ ہوا اور میں بگولے کے اندر چل رہا تھا۔ کئی چیزیں بگولے کے باعث متحرک تھیں جبکہ میرے بال اور کپڑے بالکل ساکت تھے۔

درحقیقت خلا زندگی کا مرکز ہے۔ دُھرا ہی زیست کا سہارا ہے۔ اس کے سہارے زندگی قائم و دائم ہے۔ میں صرف اسی کو جانتا اور اس کو پہچانتا ہوں۔ یہی اصل حقیقت ہے اور یہی زندگی کا راز۔ اصل بات اپنے اندر کے خلا کو ڈھونڈنا ہے۔ اس کو تلاش کرنا ہے جس پر زندگی گھوم رہی ہے۔

خرد مسائل کا حل نہیں ڈھونڈ سکتی۔ زمین کو زندگی کے بنیادی مسائل کا کچھ بھی علم نہیں ہے۔ خرد صرف سوال بنا سکتی ہے۔ سوال پوچھ سکتی ہے۔ ان سوالوں کا جواب دینے سے یہ کلی طور پر قاصر ہے۔ جواب ہمیشہ خلا سے آتا ہے۔ حل ہمیشہ دھرا تلاش کر کے دیتا ہے۔ حق اور سچ کی اور اصل علم کی پیاس اس وقت تک نہیں بجھ سکتی جب تک اپنے نفس کو نہ جانا جائے اور اپنی ذات سے واقفیت حاصل نہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کی جائے۔ انسان بڑے علوم سے واقف ہونے کی بات کرتا ہے۔ چاند پر قدم رکھ کر اس کے اسرار جان جانے کا دعویدار ہے لیکن وہ اپنے اندر کی تلاش کا دعویٰ نہیں کرتا۔ علوم عقلیہ اور سائنسی علوم سچا علم نہیں ہیں۔ یہ سچائی کے علم نہیں بلکہ سچائی کی افادیت کے علم ہیں۔ سچ صرف بلاواسطہ مشاہدے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح Self کو بھی بلاواسطہ طریق پر ہی جانا جاسکتا ہے۔ مذہب اور عبادت ملتی جلتی چیزیں ہیں۔ عبادت مکمل خاموشی میں ہی مکمل ہے۔ عبادت کسی عمل کا نام نہیں ہے بلکہ جب زمین کسی عمل میں مبتلا نہ ہو، بالکل خالی ہو وہ وقت عبادت کا ہوتا ہے۔ عبادت کوئی عمل نہیں بلکہ ایک حالت کا نام ہے۔ کوئی ایسا لمحہ بھی آتا ہے جب انسان بغیر کسی شدومد اور اہتمام کے اپنے معبود کے قریب تر آجاتا ہے۔ سخی سائیں راضی فرماتے ہیں کہ جو مانگتا ہے وہ پالیتا ہے۔ جو جھولی پھیلاتا ہے اس کی جھولی بھر دی جاتی ہے لیکن اس شخص میں سپردگی کا حوصلہ ہونا چاہیے۔

اپنے آپ کو سپرد کر دینے کا حوصلہ اپنے آپ کو تباہ کر دینے کا یارا، اپنے آپ کو خلا بنا دینے کی جرأت سچ اور حق ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن Self مدہوش ہے۔ اس کی مثال اندھی آنکھوں کے لیے روشنی ہے۔ ہم اپنے نفس کا تو احتساب نہیں کرتے اس کا تجزیہ نہیں کرتے اور حقیقت کے تذکرے میں ضرور مصروف رہتے ہیں۔ بابے کہتے ہیں ایسی حماقت کبھی نہ کرنا، ایسا وقت آن پڑے تو ساری کھوج چھوڑ کر خاموشی اختیار کر لینا۔

مجھے اپنے آپ کو دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ میں زندگی میں گوڈے گوڈے دھنسا ہوا ہوں۔ میرے اندر کوئی خلا نہیں ہے۔ وہ شخص جس کے اندر کسی قسم کا خلا نہ ہو وہ کس طرح سے آزاد ہوسکتا ہے۔ انسان کے اندر وسعت اور خلا کی ضرورت ہے باہر نہیں۔ اپنے اردگرد کی آزادی اور خلا سے انسان کسی صورت آزاد ہو ہی نہیں سکتا۔

بارش کے موسم میں میں نے چولستان میں خاص طور پر دیکھا کہ بڑے بڑے ٹیلے تو خشک رہ گئے اور چھوٹے چھوٹے ''نمانے نمانے'' ٹوٹے گڑھے پانی سے بھر گئے۔ انسان کو ان گڑھوں کی طرح ہونا چاہیے۔ اپنے اندر کچھ سمانے کا یارا ہونا چاہیے۔ ہمارے بابا سائیں سرکار کہا کرتے تھے کہ ''دیکھو اپنے آپ کو بھر کر مت رکھنا، خالی خالی رکھنا برکھا اس گڑھے کو زیادہ بھرتی ہے جو خالی خالی ہوتا ہے اور جو برتن منہ تک بھرا ہوتا ہے اسے نہیں۔ ہم نے اپنے اصل کو کئی تہوں اور خانوں میں چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ ہمارا اپنا وجود ہمیں ہی نکھر کر نظر نہیں آتا اسے پھر دوسرے کیسے دیکھ پائیں گے۔

جارج برنارڈ شا سے اس کی عمر کے آخری حصے میں ایک صحافی نے پوچھا ''شا تم مرنے کے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بعد اگر پھر انسانی صورت میں اٹھائے جاؤ تو کیا بننا پسند کرو گے اور کون بننا چاہو گے۔"

شا نے کہا "میں ایسا جارج برنارڈ شا بننا چاہوں گا جیسا اسے ہونا چاہیے تھا' ایسا نہیں جو ہو کر گزر گیا۔"

بات یہاں آ کر رک جاتی ہے۔ اسے کام اپنے وجود اور نفس کے تلاش کی ہے۔ اگر انسان اپنے آپ کو کسی طرح پہچان لے تو اس کے کئی مسائل خود بخود دم توڑ دیں گے اور اس پر کئی اسرار افشا ہو جائیں گے اور شاید اس سے سائنس کی مشکل بھی کسی حد تک آسان ہو جائے گی۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

''محبت کی حقیقت''

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچے۔

تخلیق ہمیشہ محبت سے پھوٹتی ہے۔اس کو محبت ہی پال پوس کر پروان چڑھاتی ہے۔ پھر یہ محبت ہی کی طرف قدم بڑھاتی ہے اور اسی میں گم ہو جاتی ہے۔ پھر تم پوچھتے ہو کہ میں محبت کو خدا کیوں کہتا ہوں' بھائی میں اسی وجہ سے کہتا ہوں!

ہم نے کئی بیماریوں پر قابو پالیا ہے۔ یا کم از کم ان کو محدود کر کے مقید کر دیا ہے لیکن اس صدی کی سب سے خطرناک بیماری وہ ہے کہ جب انسان اس میں مبتلا ہوتا ہے تو خودکشی پر مائل ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ کو تباہ کرنے کی تدبیریں کرنے لگتا ہے۔ اس بیماری کو کیا نام دوں۔ کہ اس کو کوئی نام دیا جانا بہت ہی مشکل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب انسان کے دل اور اندر اس کی محبت کی باؤلی سوکھنے لگتی ہے تو یہ بیماری پیدا ہوتی ہے۔ اس دنیا میں سب سے بڑا افلاس محبت کی کمی ہے۔ جو شخص جس میں محبت کرنے کی صلاحیت ہی پیدا نہیں ہوئی وہ اپنے پرائیویٹ دوزخ میں ہر وقت جلتا رہتا ہے۔ جو محبت کر سکتا ہے وہ جنت کے مزے لوٹتا ہے۔ لیکن محبت کا دروازہ ان لوگوں پر کھلتا ہے جو اپنی انا اور اپنے نفس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اپنی انا کو کسی کے سامنے پامال کر دینا مجازی عشق ہے۔ اپنی انا کو بہت سوں کے آگے پامال کر دینا عشق حقیقی ہے۔ محبت جنسی جذبے کا نام نہیں۔ جو لوگ جنس کو محبت کا نام دیتے ہیں' وہ ساری عمر محبت سے عاری رہتے ہیں۔ جنس تو محبت کا ایک مظہر گذراں ہے۔ یہ قدرت کی مشینری کا ایک پرزہ ہے۔ بقائے نسل کا ایک طریق ہے۔ محبت اونچے محلوں پر رہنے والی چیز ہے اور جوں جوں محبت بڑھتی ہے جنس ختم ہوتی جاتی ہے۔ جو طاقت پہلے جنس میں نظر آتی تھی وہ صحبت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

محبت جنسی قوت کی تخلیقی صلاحیت کا نام ہے۔ اسی لیے جب محبت اپنے نقطہ عروج پر پہنچتی ہے اس وقت جنس خود بخود معدوم ہو جاتی ہے۔ لیکن جنس سے انحراف کر کے یا اس کو دبا کر اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ محبت میں اتر کر اس سے گلو خلاصی کرائی جا سکتی ہے۔

محبت کا سفر اختیار کرنے کے لیے پہلی منزل فیملی یونٹ کی ہے۔ جو شخص پہلی منزل تک ہی نہیں پہنچ پاتا وہ آخری منزل پر کسی صورت میں بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگر پہلی سیڑھی ہی غائب ہے تو پھر اوپر جانے کا اور کوئی راستہ نہیں۔ فیملی کو اور کنبے کو قائم رکھنے کی محبت ہی ذمہ داری ہے۔ جب فیملی یونٹ مستحکم ہوتا ہے اور اس کے افراد، فیملی ممبرز سوسائٹی میں پھیل جاتے ہیں تو محبت کو وسعت نصیب ہوتی ہے اور محبت سوسائٹی میں دور دور تک پھیل جاتی ہے۔

محبت کے بغیر انسان ایک فرد ہے۔ ایک ایگو ہے۔ خالی انا ہے۔ اس کا کوئی گھر بار نہیں، کوئی فیملی نہیں۔ اس کا دوسروں کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں۔ کوئی تعلق نہیں۔ یہ بے تعلقی یہ نا رشتہ داری موت ہے۔ زندگی تعلق ہے رشتہ داری ہے، سمبندھ ہے۔

یہ کبھی نہ کہو کہ میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا۔ ذکر کر رہا تھا۔ مراقبے میں تھا کیونکہ جب آپ یوں کہیں گے تو مطلب یہ نکلے گا کہ کبھی آپ نماز نہیں بھی پڑھ رہے ہوتے، ذکر نہیں بھی کر رہے ہوتے، عبادت میں نہیں بھی ہوتے..... یاد رکھیے جو شخص کسی وقت بھی عبادت سے باہر ہے وہ کبھی بھی عبادت میں داخل نہیں تھا۔ عبادت کوئی کارکردگی کوئی ایکٹویٹی نہیں، کوئی کھیل نہیں کہ کبھی آپ اس کے اندر ہیں کبھی اس سے باہر۔ عبادت تو محبت کی انتہا اور محبت کی بھرپور تا ہے۔ یہ کوئی مشغلہ یا سرگرمی نہیں۔

خواتین و حضرات کیا بالآخر ہم اپنی لذتوں سے تھک نہیں جاتے۔ عاجز نہیں آ جاتے۔ کیا آخر میں ہماری لذتیں بور اور تھکا دینے والی نہیں بن جاتیں؟ لیکن کیا آپ نے کبھی کوئی ایسا شخص دیکھا جو اُس لذت سے تھک گیا ہو جو وہ لوگوں کو عطا کرتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ میں آپ کو ایک راز کی بات بتاتا ہوں کہ وہ لذت جو ہم دوسروں کو عطا کرتے ہیں صرف وہی آنند میں تبدیل ہوتی ہیں اور آنند کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس کا سلسلہ نہ ختم ہونے والا ہے۔

محبت اور وابستگی (Attachment) بالکل دو مختلف چیزیں ہیں۔ وابستگی محبت کے فقدان کا نام ہے۔ وابستگی، نفرت کے برعکس ہے اور چونکہ برعکس ہے اس لیے ان کا جوڑا بن سکتا ہے۔ یہ کبھی بھی نفرت میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ نفرت کے برعکس محبت نہیں ہوتی۔ بالکل نہیں ہرگز نہیں.... یہ وابستگی سے بھی الگ چیز ہے۔ محبت تو ایک اور ہی جہت کا نام ہے۔ یہ وابستگی اور نفرت دونوں کے فقدان کا نام ہے۔ پھر بھی یہ ایک منفی جہت نہیں ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

علم اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ علم حاصل کرنے والے میں ساتھ ساتھ عدم جارحیت کا جذبہ پیدا نہ ہو چکا ہو۔ چنانچہ کسی کے علم کا صحیح ٹیسٹ اس کے اندر عدم تشدد کی موجودگی سے لگایا جاسکتا ہے۔ عدم تشدد انسانی زندگی کا آخری سوال اور آخری پڑتال ہے۔ کسی انسان کی دین داری کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اس (عدم تشدد) کی بھٹی میں سے ہو کر کندن ہوا یا نہیں۔

جب علم وابستگی سے آزاد ہوتا ہے تو یہ دانش کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ اپنی ذات کا علم اپنی ذات کے ذریعے سے دانش کہلاتا ہے۔

خواتین و حضرات! زندگی کے چشمے پر اپنی گاگر بھرنے کے لیے جھکنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات کنارے پر زانو ٹیکنے پڑتے ہیں لیکن ہم اپنی گاگر بھرنے کے لیے جھکنے کا فن بھول گئے ہیں۔ ہماری انا ہمیں جھکنے نہیں دیتی۔ عجیب بات ہے کہ زندگی ایک حسن اور صوت اور کوملتا دینے کے بجائے کوشش، جدوجہد، سرگردانی اور لکڑ ہاری میں تبدیل ہو کر رہ گئی ہے۔ جہاں بھی جھکنے کے خوبصورت فن سے ناآشنائی ہوگی وہیں جدوجہد اور سر پھٹول کے داؤ اور دھوبی پٹڑے ہوں گے۔

جھکنے اور سیس نوانے کا آنکڑا انسان کو گروپ کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے جو شخص اس فن سے ناواقف ہے، وہ انسانوں سے ہی نہیں کائنات کے وجود سے بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن ایک بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ جھکنے اور سیس نوانے کا علم قدرتی اور اندر سے پیدا ہونے والا ہو، باہر سے مسلط کیا ہوا نہ ہو، سیکھا یا پڑھا ہوا نہ ہو۔ اگر ایسا ہوا تو یہ نفس کو اور بھی موٹا کر دے گا۔ جو سیس نوائی جان بوجھ کر کی جائے گی اس میں ایک طرح کی اڑی اور ضد ہوگی جس کا علم حلیم اور بردبار کو نہ ہوگا اور وہ یہی سمجھتا رہے گا کہ وہ حلیم بردبار اور صاحب برداشت ہے۔ یہ جھکاؤ جب بھی ذہن کے زور پر ہوگا یا ذہن کی سوچ کے مطابق ہوگا نہ تو اصل ہوگا نہ طاقتور ہوگا اور نہ ہی مکمل ہوگا۔ پھر اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ بعد میں مایوسی اور پشیمانی ہوگی اور ذہن یہی نتیجہ نکال کر دے گا کہ خواہ مخواہ ایسے ہی ذلیل و خوار ہوئے اور دوسرے کے سامنے جھکے۔ اصل جھکنا ایسے ہے جیسے تند ہوا کے چلنے سے گھاس کے ڈنٹھل جھکتے اور کورنش کرتے رہتے ہیں۔ ان کو ہوا کے خلاف نہ جب شکایت ہوتی ہے نہ بعد میں۔ وجہ یہ ہے کہ گھاس کے ڈنٹھلوں میں انا اور تکبر نہیں ہوتا۔ جس روز انسان اپنے اندر کے قدرتی جھکاؤ کو تلاش کر لیتا ہے وہ ابلیس کے دائرے سے باہر نکل جاتا ہے اور خدا کی دہلیز پر پہنچ جاتا ہے۔

مجھے معلوم ہے کہ آپ کو مسرت اور آنند کی تلاش ہے لیکن آنند تلاش سے کس طرح مل سکتا ہے۔ آنند اور آسانی تو صرف ان کو ملتی ہے جو آسانیاں تقسیم کرتے ہیں، جو مسرتیں بکھیرتے پھرتے ہیں۔ اگر آپ کو آنند کی تلاش ہے تو لوگوں میں آنند تقسیم کرو تمہارے بورے بھرنے لگیں گے..... طلب

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بند کردو.....! یہ دولت صرف دینے سے بڑھتی ہے۔ احمقوں کی طرح بکھیرتے پھرنے سے اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ سائیں کے طریق نرالے ہیں۔ آنند کے دروازے پر بھکاری کی طرح کبھی نہ جانا' بادشاہ کی طرح جانا' جھومتے جھامتے' دیتے بکھیرتے.....کیا تم کو معلوم نہیں کہ بھکاریوں پر ہر دروازہ بند ہو جاتا ہے اور بھکاری کون ہوتا ہے۔ وہ جو مانگے' جو صدا دے' کلیان کرے' تقاضا کرے اور شہنشاہ کون ہوتا ہے جو دے عطا کرے۔ لٹاتا جائے پس جس راہ سے بھی گزرو بادشاہوں کی طرح گزرو شہنشاہوں کی طرح گزرو.....دیتے جاؤ دیتے جاؤ۔ غرض وغایت کے بغیر۔ شرط شرائط کے بغیر۔

انسان کی زندگی اصل نہیں ہے۔ اس کی زندگی زندگی نہیں ہے۔ دیکھئے ناں جہاں نہ امن ہو' نہ سکون ہو' نہ حسن ہو' نہ ترتیب ہو' نہ امتزاج ہو' نہ بل ہو' نہ آنند ہو ہم اس کو زندگی کس طرح سے کہہ سکتے ہیں؟ ایک افراتفری درہمی برہمی کو کس طرح سے زندگی کہا جاسکتا ہے! ہم میں سے اکثر لوگ بلکہ تمام لوگ اس افراتفری اور درہمی برہمی کے دور سے گزر کر موت کی وادی میں پہنچ جاتے ہیں۔ گویا وہ زندگی کا مزا لیے بغیر فوت ہو جاتے ہیں...... سب لوگ پیدا ضرور ہوتے ہیں لیکن صرف چند زندگی گزارتے ہیں باقی کے ملے گلے اور Fight کی شوٹنگ کروا کر فوت ہو جاتے ہیں۔

''محبت!'' اس ایک لفظ میں انسان کے خدا تک پہنچنے کا راز پوشیدہ ہے اور اس ایک لفظ کے اندر ہی ساری کائنات ہے۔ لیکن! ایک بات یاد رکھنا کہ محبت تم اُسی وقت کر سکو گے جب تم اندر سے خوش اور پر باش ہو گے۔ محبت جھنڈی نہیں ہے کہ گھر کے باہر لگا لی یا تمغہ نہیں ہے کہ سینے پر سجا لیا۔ یا پگڑی نہیں ہے کہ خوب کلف لگا کر سر پر باندھ لی' دستارِ محبت! یہ تو تمہاری روح ہے تمہارے اندر کا اندر۔ اور تمہاری آتما کی آتما ہے۔ اس کو تو دریافت کرنا پڑے گا۔ ڈھونڈنا پڑے گا' اس کی کھوج لگانی ہوگی۔ یہ عائد نہیں کی جاتی' اندر سے باہر لائی جاتی ہے۔

اگر ایک انسان دکھی ہے اور مضطرب ہے تو وہ تشدد پر ضرور مائل ہے۔ اگر وہ خوش ہے اور سیٹی بجا رہا ہے تو تشدد سے دور ہے بلکہ اس کو تشدد کا لفظ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ کوئی شخص بھی عدم تشدد کا مرتکب نہیں ہوتا۔ کیونکہ عدم تشدد کوئی فعل یا کوئی ایکشن نہیں یہ تو ایک وجودیت ہے ایک وجود کا حوالہ ہے۔ یہ انسان کے کردار کی تبدیلی کا نام نہیں اس کی ذات کی تبدیلی کا مظہر ہے۔ اہم بات یہ نہیں ہوا کرتی کہ میں کیا کرتا ہوں یا میرا کردار کیا ہے بلکہ اہم بات یہ ہوتی ہے کہ میں کیا ہوں' کون ہوں۔

جب کوئی شخص اپنی مصیبتوں اور اپنے دکھوں پر دولت کا یا شہرت کا یا طاقت کا جھول ڈال لیتا ہے اور آپ کے سامنے ڈٹ کر بیٹھ جاتا ہے تو ہم سب کہتے ہیں کہ دیکھئے اس نے کیا اپنی زندگی بنائی ہے اور کس قدر کامیاب زندگی بنائی ہے اور کس قدر محنت کے ساتھ بنائی ہے۔ وہ کامیاب شخص آپ کی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

داد وصول کر کے آداب عرض، آداب عرض کیے جاتا ہے لیکن اس کے اندر کا وجود یہ بات نہیں مانتا۔ اندر کا وجود اچھی طرح سے جانتا ہے کہ اس نے اپنے کرب اور اپنے دکھوں کو دولت اور طاقت اور شہرت کا نشئی کر لیا اور انہیں ہر وقت غٹ رکھتا ہے۔ ایسے لوگ ہم سب کی ہمدردی کے محتاج ہوتے ہیں کیونکہ زندگی حاصل نہیں کی ہوتی بلکہ اس کو کھو دیا ہوتا ہے۔ اپنے دکھوں کو نشئی بنا کر انہوں نے خودکشی کر لی ہوتی ہے۔ ایک بات یاد رکھنا کہ اپنے کرب کو پہچاننا اور اس کا پورا ادراک رکھنا، اس بات کی علامت ہے کہ آپ نے اپنی بصیرت کے بیج کو اپنی روح کی سرزمین میں بو دیا ہے۔ اپنے کرب کے ساتھ تعارف حاصل کرنا اور اس سے بھاگ نہ جانا اس زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس تعارف سے ذات میں ایسی نشوونما ہوتی ہے اور وجود میں ایسے گل بوٹے کھلتے ہیں کہ اس سطح پر روح نے پہلے کبھی سفر نہیں کیا ہوتا۔

محبت آزادی ہے۔ مکمل آزادی۔ حتیٰ کہ محبت کے پھندے بھی آزادی ہیں جو شخص بھی اپنے آپ کو محبت کی ڈوری سے باندھ کر محبت کا اسیر ہو جاتا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں کہا کرتا ہوں آزادی کی تلاش میں مارے مارے نہ پھرو۔ محبت تلاش کرو...... آزادی کی تلاش بیسیوں مرتبہ انسان کو انا کے ساتھ باندھ کر اسے نفس کے بندی خانے میں ڈال دیتی ہے۔ محبت کا پہلا قدم اٹھتا ہی اُس وقت ہے جب وجود کے اندر سے انا کا بوریا بستر گول ہو جاتا ہے۔ محبت کی تلاش انا کی موت ہے۔ انا کی موت مکمل آزادی ہے۔

انا دنیا پر قبضہ جمانے کا پروگرام بناتی ہے۔ یہ موت سے غایت درجہ خوف کھاتی ہے۔ اس لیے زندگی پر پورا پورا قبضہ حاصل کرنے کے پلان وضع کرتی ہے۔ انا دنیاوی اشیاء کے اندر پرورش پاتی ہے اور مزید زندہ رہنے کے لیے روحانی برتری میں نشوونما حاصل کرنے لگتی ہے۔ اس دنیا کی غلامی اور چاکری کی ڈور انا کے ساتھ بندھی ہے۔ انا خود غلامی ہے، خود محکومی ہے۔ انا کو آزاد کرانا اور اسے غلامی سے نجات دلانا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام تو خود کو انا کی غلامی اور محکومی سے آزاد کرانا ہے۔ یاد رکھیے انا کبھی بھی اپنایت سے، قربانی سے، مذہب سے، علم سے خوفزدہ نہیں ہوتی بلکہ ان سب کے لیے تن من کی بازی لگا دیتی ہے۔ انا اگر خوفزدہ ہے تو صرف محبت سے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تاؤ(TAO)

ہم سب کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

خواتین و حضرات! آج ہم بات کریں گے تاؤ پر۔

تاؤ کا مطلب ہے: کیونکر' کیسے۔

کیسے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ کس طرح سے عمل کرتے ہیں..... تاؤ اس کائنات کا واحد اصول ہے۔ تاؤ احد ہے۔

تاؤ کی تعریف نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ ہر چیز پر ہر وقت وارد ہوتا ہے۔ پھر کسی شے کی خود اُسی کے معنوں میں کیا تعریف کی جاسکتی ہے؟

اگر آپ ایک اصول کی تعریف کر سکتے ہیں یا ایک اصول Define کیا جاسکتا ہے تو وہ تاؤ نہیں ہے۔

تاؤ ایک اصول ہے۔ ایک تخلیق ہے بلکہ ایک عمل ہے۔ گویا یہ ایک اصول اور عمل ہے۔ ایک کیونکر ہے اور ایک کیا ہے۔ تاؤ کی کوئی تعریف نہیں بتائی جاسکتی لیکن اس کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اس کے معلوم کرنے کا طریق مراقبہ ہے۔ یا جو کچھ گزر رہا ہے اس کے احساس اور گہرے شعور میں اترنے کا نام ہے۔ جب ''جو کچھ ہو رہا ہے'' اس کے ہونے کا احساس ہونے لگتا ہے تو پھر مجھے یہ بھی پتہ چلنے لگتا ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ مجھ میں تاؤ کا ہلکا سا شعور پیدا ہو جاتا ہے۔

اپنی ''پیش آمدن'' کے احساس کے لیے مجھے اپنا ذہن کھول کے رکھنا پڑتا ہے۔ مجھے اپنے تعصّبات اور غرض مندی اور جھکاؤ کو ایک طرف کر کے غور کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ غرض منداور متعصب

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اصحاب ایک ہی رخ میں سوچ سکتے ہیں کہ ان کے تعصبات کو کون سی چیز راست آ رہی ہے۔

مراقبہ کا اصول یوں کام کرتا ہے کہ اصول اور عمل کبھی جدا نہیں ہوتے۔ سارے عمل ایک بنیادی اور ایک ہی اصول کی وضاحت کرتے ہیں کہ میں تاؤ کو سمجھ سکتا ہوں۔ میں خدا کو جان سکتا ہوں۔

تاؤ کو جاننے کا مطلب یہ ہے کہ میں واقعات کے ظہور پذیر ہونے کے علم سے واقفیت رکھتا ہوں۔ تمام سلوک اور Behaviour تضاد اور Attitude پر مبنی ہے۔ اگر میں کوئی چیز زیادہ سے زیادہ کرتا ہوں اور بار بار کرتا ہوں تو اس کا تضاد پیدا ہونا لازمی ہے۔ مثلاً اپنے آپ کو خوبصورت بنانے کی لگاتار کوشش آپ کو بدصورت بنا دے گی یا کریم اور شفیق ہونے کا دیوانہ وار عمل آپ کو خودغرض اور سفاک بنا دے گا۔

ایک زوردار راہِ عمل اور ایک سلوک اپنی ضد پیدا کر کے رہے گا۔

زندہ رہنے کی دیوانگی لازماً موت کے خوف کی وجہ سے ہوگی۔

حقیقی سادگی آسان کام نہیں ہے۔

شیخی خورہ، متکبر اور بڑ ہانکو ہمیشہ احساسِ کمتری کا اور خوف کا شکار رہتا ہے۔

جو اوّل ہونے کی کوشش کرے گا وہ آخر ہو کر رہے گا۔

تضاد کا عمل جاننے کے لیے سیانے لوگ واقعات کو دھکیل کر سامنے نہیں لاتے بلکہ عمل کو ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

راہبر مثال سے سکھاتا ہے بھاشن سے نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ مسلسل دخل اندازی گروہ کے عمل کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر دے گی۔ وہ اس بات پر مصر نہیں ہوتا کہ واقعات کو اس طرح سے رونما ہونا چاہیے۔

عقلمند رہنما نہ تو زیادہ دولت کا خواہشمند ہے اور نہ ہی زیادہ مدح اور تعریف کا حالانکہ اس کے پاس دونوں ہی وافر مقدار میں موجود ہوتی ہیں۔

ایک صاحب حال اپنی تقدیس کی نمائش نہیں کرتا۔ اپنے خصائص اور اپنی اعلیٰ کارکردگی کا اشتہار نہیں دیتا۔ ایسا کرے تو کامیابی اور ناکامی کی فضا پیدا ہو جائے۔ مقابلے اور حسد کا میدان گرم ہو جائے۔

مادی کامیابیوں پر زور دینا اور ان پر ہنکارنا بھی ایسے ہی ہے جن کے پاس بہت ہوتا ہے وہ لالچی بن جاتے ہیں۔ جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا وہ چور بن جاتے ہیں۔ جب آپ ظاہر پر زور دیتے ہیں تو لوگ خوش کرنے کے لیے کدوکاوش کرنے لگ جاتے ہیں۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

صاحبِ حال ہر پیش روی کو احترامی توجہ سے نوازتا ہے۔ اس طرح سے گروہ میں پیش روی کی بہت سی ممکنات پیدا ہو جاتی ہیں۔ لوگ اس طرح سے زیادہ سیکھتے ہیں کہ ساری جہتیں ان پر واضح ہو جائیں۔ اس طرح سے غبی ہو جاتے ہیں کہ صرف گرو کو ہی خوش کرنے میں لگے رہیں۔

صاحبِ حال جانتا ہے کہ سٹائل اصل کا اور مغز کا قائم مقام نہیں ہو سکتا.... وہ جانتا ہے کہ چند حقائق کو جان لینا دانش سے قوی تر نہیں ہے۔ جعلی عکس اندر کے مرکز سے مضبوط نہیں ہو سکتا۔

چیلے یہ سیکھتے ہیں اور ان پر واضح ہو جاتا ہے کہ مؤثر عمل خاموشی سے پیدا ہوتا ہے اور کارگر پیش قدمی اپنے ہونے کے صحیح احساس سے پیدا ہوتی ہے۔ اس میں ان کو امن اور سلامتی اور سکون کا گہرا ساگر مل جاتا ہے۔ ان پر یہ عیاں ہوتا ہے کہ جو شخص Down to Earth ہے وہ بہتر اور گہرے اور صحت مند عمل میں داخل ہو سکتا ہے بمقابلہ اُس شخص کے جو مصروفیت میں جتا ہوا ہے اور صرف کام ہی کر رہا ہے۔

آپ کتنی بھی کوشش کر لیں' کتنے پاپڑ بیل لیں' کتنا گہرا کیوں نہ کھود لیں آپ کو نہ تو تاؤ ملے گا اور نہ خدا۔ تاؤ کوئی چیز نہیں ہے کہ ڈھونڈنے سے مل جائے اور کھودنے سے برآمد ہو جائے۔ تاؤ تو ایک اصول ہے' ایک قانون ہے۔ تاؤ کا مطلب ہے کیونکر؟ کس طرح؟

دنیا کی تمام اشیاء تاؤ کی خواہش کے مطابق کام کرتی ہیں۔ اس کی مرضی کے مطابق کام کرتی ہیں لیکن تاؤ کا کوئی عمل نہیں ہوتا۔ یہ خود کچھ نہیں کرتا۔ کیونکہ تاؤ نہ تو کوئی چیز ہے اور نہ ہی کوئی عمل ہے۔ تاؤ ساری اشیاء کا قانون ہے' ان کو باندھنے والا اور راست رو کرنے والا قانون۔

تخلیق کا چیز سے اور واقعے سے تعلق ہوتا ہے اور تمام چیزیں اور واقعات متحرک ہیں۔ ان میں ارتعاش ہے۔ ارتعاش کی حرکت متضاد ہوتی ہے۔ ایک نقطے سے دوسرے نقطے کی طرف بڑھتی ہے۔ تضادات (ارتعاش) یا تو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر امدادِ باہمی کی داغ بیل ڈال لیتے ہیں۔ ان میں کوآپریشن پیدا ہو جاتی ہے یا پھر ان میں Conflict پیدا ہو جاتا ہے جو گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔

لیکن تاؤ کوئی مرتعش وجود نہیں۔ اس میں ارتعاش پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یہ کوئی آواز نہیں کہ اس میں پھیلنے والی لہریں پیدا ہوں۔ ان میں تضادات ہوں' اختلافات ہوں۔

تاؤ ایک ہے۔ واحد ہے۔ احد ہے۔ تاؤ کو کسی نے پیدا نہیں کیا۔ جس طرح خدا کا کوئی خالق نہیں ہے!

قانونِ قدرت اٹل ہے۔ اس کا انصاف کچھ ایسا ہی Exact ہے۔ کسی شخص کے کردار اور اس

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کے عمل کے نتائج ناقابلِ مفر ہیں۔ جو کسی نے کیا ہوگا اس کا نتیجہ ضرور برآمد ہوگا۔ یہ کوئی عذر نہیں کہ جناب میں انسان ہوں اس لیے شرمندہ ہوں اور معذور ہوں۔

صاحب حال مرشد لوگوں کو ان کے اپنے حال سے محفوظ نہیں رکھتا۔ ان کی کیفیت ان پر چھپنے نہیں دیتا۔ احساس کی روشنی مناسب اور نامناسب پر ایک جیسی پڑتی ہے اور ساری سطحوں کو ایک سا روشن کرتی ہے۔ انسان دوسری مخلوقات سے کچھ بہتر نہیں ہے۔ قانون قدرت کا سب پر ایک سا اطلاق ہے۔ ایک شخص اتنا ہی اچھا ہے جتنا کہ دوسرا۔ پھر رورعایت کیا کرنی۔

خدا کا چونکہ کوئی وجود نہیں ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کی کوئی ہستی نہیں۔

ذرا سی عاجزی ہی قانون کا راز ہے اور اسی راز کو جان کر مرشد کوئی خاص شے بننے کی کوشش نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ متقابل نظریات کی بحث میں نہیں الجھتا۔

خاموشی طاقت کا سب سے بڑا راز ہے۔

کیا تم ایک شنونداؔ (Receptive) ہونے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ ایک کشکول بن سکتے ہو؟ خاموش اور بغیر خواہش یا کچھ کرنے کے آرزومند ہو؟ کھلے اور پذیرا اور قبولی ہونے کو مدین کہتے ہیں۔ یا وادی کہتے ہیں یا کچھ اور......!

سوچو کہ وادی کے اندر ایک جھیل ہے۔ جب جھیل ساکت ہے اور خاموش ہے۔ تو اس کی سطح ایک آئینے کی مانند ہے۔ اس آئینے میں تم تاؤ کو دیکھ سکتے ہو۔ خدا کو دیکھ سکتے ہوں' خالق کا نظارہ کر سکتے ہو۔

جھیل کو دیکھو اور دیکھتے جاؤ۔ تمہاری خاموشی میں اضافہ ہوگا۔ جھیل کبھی بھی خشک نہیں ہوگی۔

یہ جھیل اور تاؤ اور وادی یہ سب تمہارے اندر ہیں باہر نہیں۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

حقیقت اور مُلّا سائنسدان

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

خواتین وحضرات! میں نہیں جانتا حقیقت کیا ہے' سچائی کیا ہوتی ہے!

سچائی کا تجربہ نہ کوئی خیال ہے نہ ہی احساس ہے اور نہ ہی کوئی تصور ہے۔ یہ تو آپ کے سارے وجود کے اندر ایک جھنجھناہٹ' ایک ابال' ایک تلاطم کا نام ہے اور پھر حیرانی کی بات یہ ہے کہ سچ آپ کے اندر نہیں ہوتا۔ آپ سچ کے اندر ہوتے ہیں۔ یہ کوئی ایک تجربہ یا مشاہدہ نہیں' کوئی علم نہیں جو آپ محسوس کر رہے ہیں۔ یہ تو سارے کا سارا آپ ہی ہیں۔ بلکہ میں تو کہوں گا کہ یہ آپ سے' آپ کی ذات سے اور آپ کے وجود سے بھی بڑا ہے کیونکہ ساری کائنات اور ساری ہستی اس کے اندر سمائی ہوئی ہے۔

اور پھر یہ بھی یاد رکھو کہ سچ کا الٹ جھوٹ نہیں ہے کیونکہ جھوٹ کا الٹ بھی جھوٹ ہی ہوتا ہے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ اس وقت ساری دنیا گم کردہ راہ ہے اور اس کو راستہ نہیں مل رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انسان نے تحقیق کے سارے دھارے باہر کی طرف موڑ دیئے ہیں اور اس نے باہر کے وجود کو باہر کی دنیا کو طبیعی اور جسمانی دنیا کو کھوجنا شروع کر دیا ہے اور اپنے اندر کی دریافت ترک کر دی ہے۔ ایک سیدھی سی اور قاعدے کی بات تو یہ ہے کہ انسان کو انسان سے زیادہ اور کوئی چیز عزیز نہیں ہونی چاہیے۔ انسان کو اپنے سے زیادہ تو اور کسی سے پیار نہیں ہونا چاہیے اور انسان کو انسان سے زیادہ تو اور کسی پر تحقیق نہیں کرنی چاہیے۔ جب تک انسان اپنے آپ کو نہیں جانے گا۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خود کو نہیں پہچانے گا' اس کی باہر کی ساری کی ساری تحقیق ناکام اور نامراد ہوگی اور جو شخص خود ناشناس ہو وہ تخلیقی کام کس طرح سے کر سکتا ہے۔ اگر انسان خود کو سمجھ جائے' اپنا آپ پہچان جائے صرف اس وقت وہ کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ اگر یہ نہیں ہوتا تو پھر اس کی ہر کاوش اپنی قبر ہی کھودتی رہے گی اور وہ مجبور ہی رہے گا۔

ہم نے مادی قوت پر بڑا کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔ لیکن ہم انسانی دل کے اندر کی گہرائیوں سے واقف نہیں ہیں۔ ہمیں دل کے اندر کے زہر اور امرت سے شناسائی حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ ہم نے ایٹم کی ساخت تو دریافت کر لی ہے لیکن روح کے ایٹم کو جانچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور ہماری سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے طاقت اور پاور تو حاصل کر لی ہے لیکن سکون اور روشن ضمیری سے محروم ہو گئے ہیں۔

ہماری ساری تحقیق' طاقت اور طاقت کی تلاش سے وابستہ ہے۔ اور ہم اپنے ہاتھوں پیدا کیے ہوئے خطرات میں گھر گئے ہیں اور امن و سکون سے کوسوں دور رہ گئے ہیں۔ اصل میں ہمیں طاقت کے بجائے امن کی اور سکون کی ضرورت تھی اور اس کی طرف ہم نے کوئی دھیان ہی نہیں دیا۔ اگر ہماری توجہ امن و آشتی کی طرف رہتی تو ہماری تحقیق کا دھارا خود بخود انسان کی طرف اور روح کے ایٹم کی تلاش کی طرف پھر جاتا اور ہم کو قدرت کے بہت سے سربستہ راز جلد معلوم ہو جاتے' لیکن افسوس یوں نہ ہو سکا۔

خواتین و حضرات! لیکن میرا ایمان ہے کہ مستقبل کی سائنس مادے کی سائنس نہیں ہوگی بلکہ انسان کی سائنس ہوگی۔ یہ تبدیلی جلد رونما ہو جانی چاہیے۔ پیشتر اس کے کہ اس میں مزید تاخیر ہو جائے۔ وہ سائنس دان جو اس وقت بے جان چیزوں کی تحقیق میں لگے ہوئے ہیں دراصل کٹر' ضدی اور ملّا قسم کے سائنس دان ہیں۔ ان کے ذہن روایت سے اور رواج سے بندھے ہوئے ہیں۔ اب ضرورت ہے کہ بیدار مغز اور روشن فکر لوگ سامنے آئیں اور سائنسی تحقیق کا رخ بدلیں۔ سائنس پر انسان کو اور اس کے وجود اور اس کی روح کو پرکھنے کا فرض واجب ہوتا ہے۔

پیغمبروں نے آ کر انسانوں کی کایا پلٹ دی اب (چونکہ پیغمبروں کی آمد کا سلسلہ بند ہو چکا ہے) سائنس دانوں پر یہ فرض واجب ہوتا ہے کہ جس کام کی ابتدا نبیوں نے کی اور جس علم کو نبیوں نے پھیلایا' اب اس کو سائنس دان اختتام تک پہنچائیں!

ہم نے اب تک مادے کے بارے میں جو سائنسی معلومات حاصل کی ہیں وہ کمال کی معلومات ہیں لیکن جو علم ذات اور سیلف کے بارے میں گیانیوں نے جانا ہے' وہ سائنسی علم سے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ارفع ہے۔ گزشتہ زمانوں میں یہ علم چند گُنی لوگوں کے پاس ہی ہوتا تھا اور اب بھی چند ہی لوگ اس سے واقف ہیں۔ لیکن اگر کہیں سائنس دان اس کی طرف متوجہ ہو جائیں تو دنیا سکھی ہو جائے اور امن و سکون کی دولت سے مالا مال ہو جائے اور یہ علم گھر گھر ہو جائے۔ جیسے ٹیپ ریکارڈ، مکسر بلینڈر اور ٹی وی گھر گھر پہنچ چکے ہیں۔

عزیزو! میری بات ذرا دھیان سے سننا اور اس پر غور کرنا کہ معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام نہیں ہے بلکہ افراد کی حاصل ضرب کا نام ہے۔ یہ ہمارے ذاتی تعلقات کے پھیلاؤ کا نام ہے۔ جو کچھ ایک فرد واحد پر وارد ہوتا ہے وہ ساری سوسائٹی میں پھیل جاتا ہے۔ جنگوں کے اسباب اور معاشروں کے انحطاط کی وجہ افراد کے ذہنوں میں مقید ہوتی ہے۔ اگر ہمیں معاشرے کو تبدیل کرنا ہے تو ہمیں فرد کو تبدیل کرنا ہوگا۔ اگر ہمیں معاشرے کو بہتر بنانا مقصود ہے تو پھر فرد کو ایک نئی زندگی عطا کرنا ہوگی۔

ہم نے مادے پر تو فتح حاصل کر لی ہے لیکن وہ انسان جس کے لیے مادے کو مسخر کیا گیا ہے، بالکل ناشناس چھوڑ دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں انسان پر توجہ دینی چاہیے۔ سائنس اور مذہب کا مرکز انسان ہونا چاہیے مادہ نہیں۔

سائنس کی ایجادات اور اختراعات انسان کو سکون اور طمانیت عطا نہیں کر سکتیں۔ ان سے آرام اور آسائش میں ضرور اضافہ ہوتا ہے لیکن تھوڑی دیر بعد وہ آسائش اور آرام معدوم ہو جاتے ہیں۔ اور انسان پھر چیخنے اور چلانے لگ جاتا ہے۔ ذرا سی دیر میں ہم ان Comforts کے عادی ہو جاتے ہیں اور تھوڑی ہی دیر بعد پھر بے چین اور بے کل ہو جاتے ہیں۔ یہ سارے آرام اور آسائشیں ہمارے دکھوں اور الجھنوں کو دبا تو دیتی ہیں لیکن ان کا علاج نہیں کر پاتیں۔ بے چینی کے بعد ہم نئے آرام و آسائش کی تلاش میں لگ جاتے ہیں اور نئی ایجادات کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اس تلاش سے ہمیں نراشا، مایوسی، بے چینی حاصل ہونے لگتی ہے اور ہم دیوانگی کی حدوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جوں جوں ہم باہر کی چیزوں کے حصول میں امیر ہو جاتے ہیں، ہم اندر سے غریب ہونے لگتے ہیں۔ جب بدھا اور سکندر کو اپنی حکومت، مملکت اور دولت کا احساس ہوا انہیں اندر کی غریبی کا گہرا علم نصیب ہونے لگا۔

زندگی نہ اندر ہے نہ باہر۔ نہ مادہ ہے نہ روح۔ یہ اس سے عظیم تر ہے۔ اگر انسان اپنے اندر پر توجہ مرکوز کرتا ہے تو وہ اپنے محیط سے بے بہرہ ہو جاتا ہے اور اگر وہ صرف محیط پر نگاہ رکھتا ہے تو مرکز سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایک محیط ایک مرکز کے بغیر کیسے ہو سکتا ہے۔ زندگی ان دونوں کے مجموعے کا نام

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہے۔ سائنس باہر سے متعلق ہے۔ مذہب اندر سے۔ بظاہر یہ دونوں مختلف نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں دونوں ایک ہی اکائی سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس طرح سانس اندر آنے کا نام بھی ہے اور باہر جانے کا بھی' اسی طرح سے زندگی ہے۔ اس کے دونوں ہی رخ ہیں۔ زندگی کی حقیقت وہی جان سکتا ہے جس کی نظریں دونوں رخوں پر ہیں۔

سچائی اور حقیقت کسی نکتہ نظر کا نام نہیں۔ جب سب نکتہ ہائے نظر مفقود ہو جاتے ہیں' اس وقت سچائی جنم لیتی ہے۔ جہاں بدلتے ہوئے حالات نہیں ہیں وہی حقیقت ہے۔

سائنس الفاظ ہے' اظہار ہے' ہندسہ ہے۔ مذہب خاموشی کا نام ہے۔ محیط وضاحت ہے۔ اظہار سے نمائش ہے۔ سائنس اس لیے لفظ ہے کہ مرکز خاموش ہے۔ مرکز نا معلوم ہے۔ غیر مرئی ہے۔ سائنس ایک درخت ہے۔ مذہب بیج ہے۔ سائنس جانی جا سکتی ہے' سمجھائی جا سکتی ہے لیکن مذہب جانا نہیں جا سکتا اور باوجود اس کے کہ مذہب جانا نہیں جا سکتا انسان مذہب کے اندر رہ سکتا ہے۔ سائنس علم ہے' مذہب ہستی ہے۔ اس میں رہا جا سکتا ہے' سائنس پڑھائی جا سکتی ہے لیکن مذہب پڑھایا نہیں جا سکتا۔ اس میں بسرام کیا جا سکتا ہے۔

سائنس معلوم کی تحقیق کا نام ہے۔ مذہب نا معلوم کی دریافت ہے۔ سائنس انسانی خوشی کو وسعت دینے کا نام ہے۔ دنیا میں آسائش مبہم کرنے کی "کرتو" یہ ہے۔ لیکن مذہب کا مقصد ہر فرد کے لیے نا معلوم کا عرفان حاصل کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں بہت ساری سائنسیں ہیں لیکن مذہب ایک ہی ہے۔ سائنس ترقی پذیر ہے لیکن مذہب ازلی اور ابدی شے ہے۔

امان حاصل کرنے کے لیے اور سکیورٹی کے لیے اور خوشی کے لیے اور مسرت کے لیے محیط کی طرف رجوع کرنا اپنی ذات سے اور جوہر سے دور ہونا ہے۔ باہر کو پھیلنا ہے لیکن زندگی کا سربستہ راز یہ ہے کہ جب انسان اپنے مرکز کی طرف رجوع کرتا ہے۔ حقیقت کے قریب تر ہوتا ہے تو آنند پاتا ہے۔ لطف حاصل کرتا ہے اور جب وہ لطف حاصل کرتا ہے تو محیط غائب ہونے لگتا ہے اور جب وہ بالکل غائب ہو جاتا ہے تو حق رہ جاتا ہے۔ اس وقت نظارہ اور ناظر اور شاہد اور مشہود ایک ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ سائنس تو مذہب سے جھگڑتی ہے لیکن مذہب سائنس سے کوئی جھگڑا نہیں کرتا۔ محیط تو اپنے مرکز سے باہر نکل سکتا ہے' پھیل سکتا ہے' دوری اختیار کر سکتا ہے لیکن مرکز نہیں۔ مرکز سے یہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ بیٹا ماں سے دور ہو سکتا ہے' الگ ہو سکتا ہے لیکن ماں نہیں کیونکہ بیٹے کی ہستی ماں کے اندر ہی ہوتی ہے۔

اور پھر بھلا سائنس نے انسانیت کے لیے کیا کیا ہے؟ بڑی بڑی تحقیقوں اور ایجادوں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نے سائنس کا بڑا رتبہ بلند کیا ہے اور اس کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے جہاں وہ اس وقت ہے مگر میری اصل ان چیزوں کے نیچے دبی پڑی ہے اور میرے اوپر ایک بھاری سِل رکھی ہے۔ کیا یہی سب کچھ ہے؟ کیا یہی میں ہوں؟ بس اتنا ہی ہوں؟ اگر اس کا جواب لفظوں میں ملے۔ خیال میں ملے، شکلوں میں ملے تو سمجھ لو کہ تم کو دھرم کا شعور نہیں ہو سکے گا۔ کبھی بھی نہیں ہو سکے گا۔ تصور اور خیال کبھی بھی خیال سے آگے نہیں جا سکتے اور خیال کی حد خیال ہی ہوتی ہے۔ اس سے آگے نہیں......ایک پیاز کو چھیلتے جاؤ چھیلتے جاؤ۔ آخر میں کیا رہ جائے گا۔ کچھ بھی نہیں صرف پیاز کی خوشبو رہ جائے گی، اس کی تو س رہ جائے گی بس یہی اصل ہے اور یہی حقیقت ہے۔ جب انسان انتخاب کرنے اور اختیار کرنے سے باہر نکل جاتا ہے، اس وقت خیال اور تصور بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے۔ اس وقت شعور اور جانکاری رہ جاتی ہے اور یہی زندگی کا جوہر ہے۔ اس طرح سچ سے بھی ملاقات اسی وقت ہوتی ہے جب آپ لفظوں سے باہر نکل جائیں۔ لفظوں کو چھیل چھیل کر اُسے پیاز کی طرح بنا دیں۔

جب میں اپنے آپ پر نگاہ ڈالتا ہوں اور غور سے دیکھتا ہوں تو مجھے حیرانی ہوتی ہے کہ نجات اور عرفان اُس زمین سے نزدیک تر ہے جس پر میں چلا جا رہا ہوں۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اجرامِ سماوی کا جغرافیہ (ربوبیت کے اسرار)

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں محبت بھرا اسلام پہنچے۔

خواتین و حضرات! جیسے کہ آپ جانتے ہیں' اس وسیع و عریض کائنات میں صرف ایک ہی زمین نہیں بلکہ ہمارے کرّہ ارض کی طرح متعدد زمینیں موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور انہی کی طرح زمینیں بھی۔ ان سب میں امرِ اعلیٰ نازل ہو رہا ہے تا کہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ (طلاق:12)

ہماری کائنات میں کہکشاؤں (Galaxies) کی تعداد اربوں تک پہنچ چکی ہے اور خود ایک ایک کہکشاں میں ان گنت ستارے موجود ہیں تو پھر زمینیں صرف سات ہی کیوں؟ اس کا جواب دینا قبل از وقت ہے کیونکہ سائنسی نقطہ نظر سے ہماری زمین کے سوا کسی بھی دوسرے سیارے (Planet) میں زندگی کا وجود ثابت نہیں ہے۔ اگرچہ اس کے آثار اور امکانات تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اب یہ سوال اس وقت پیدا ہوگا جب خود سائنس سات سے زیادہ اجرام یا کرّوں میں زندگی کا وجود ثابت کر دے۔ اس لحاظ سے موجودہ حالات میں تو ہمیں سائنس سے زیادہ قرآن اور حدیث زیادہ ترقی یافتہ نظر آتے ہیں۔ سائنس جب اور زیادہ آگے نکل جائے گی تو وہ اور زیادہ ترقی یافتہ نظر آئیں گے۔

بہر حال قرآن میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ ہماری زمین ہی کی طرح بہت سے اجرام سماوی میں بھی ہر قسم کے جاندار پائے جاتے ہیں۔

اور اس کے وجود دلائل و نشانات میں سے ہے۔ یہ بات کہ اس نے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ان میں ہر قسم کے جاندار پھیلا دیئے۔ (شوریٰ:29)

اس آیت کریمہ میں جن اجرام کو سماوات کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے انہی اجرام کو سورۃ طلاق میں زمینوں کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اوپری زمین نیچے والوں کے لیے بمنزلہ آسمان (سماء) کے ہے۔

پس اس نے دو دن (دو مرحلوں) میں سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کا معاملہ رکھ دیا۔ (حم: سجدہ:12)

اس آیت سے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ مختلف سیاروں کی شکل وصورت، چہرہ مہرہ، رنگ ڈھنگ اور حال چال میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہابوں کے کیمیائی تجزیہ سے پتہ چلا ہے کہ ان کائناتی پتھروں کے بنیادی اجزا بالکل وہی ہیں جو ہماری زمین کے اجزا ہیں۔ مگر ان شہابوں کے Compounds (مرکبات) اور ہماری زمین کے مرکبات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا ان اجرام میں آباد شدہ مخلوق کی جسمانی ساخت اور کیفیت میں بھی اسی قسم کا اختلاف ہو سکتا ہے، جیسے دو زبانوں میں باوجود بعض حروف تہجی اور ان کے صوتی لہجوں میں اشتراک ہونے کے ان کے الفاظ و کلمات کی شکل وصورت میں کوئی یکسانیت اور ہم آہنگی نہیں پائی جاتی۔ مثلاً اردو یا انگریزی یا جرمن اور سنسکرت میں حروف کا آہنگ ایک جیسا ہو سکتا ہے لیکن لفظی صورت اور ان کے معانی بالکل مختلف ہوتے ہیں۔

اب زمین اور چاند کے اختلافات کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ مثلاً چاند پر ہوا، پانی، آکسیجن، پیڑ پودے اور حیوانات وغیرہ کا وجود نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

اور زمین میں تمہارے لیے ایک خاص وقت تک جائے قرار اور سامانِ زندگی رکھا گیا ہے۔ (اعراف:24)

کہہ دو کہ میرے رب کی باتوں کے لیے اگر سمندر بھی روشنائی بن جائے تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے یہ سمندر ختم ہو جائے گا۔ اگرچہ ہم اس کی مدد کے لیے ایک اور سمندر لے آئیں۔ (کہف:109)

اور اگر زمین میں جتنے بھی درخت ہیں ان کے قلم بن جائیں اور سمندر جس کے بعد مزید سات سمندر لے لیے جائیں۔ تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ اللہ تو بڑا ہی غالب اور دانا بینا ہے۔ (لقمان:27)

اور اللہ ہی نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ جن میں کوئی پیٹ کے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بل چلتا ہے' کوئی دو پیروں پر چلتا ہے اور کوئی چار پیروں پر چلتا ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (چار پیروں سے زائد بھی عطا کر سکتا ہے) یقیناً اللہ ہر چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ (سورۃ نور:45)

ایک مقام پر اللہ اور غور طلب حقیقت کا اظہار فرماتا ہے کہ: اس کے نشانات میں سے ہے زمین اور سموات کا پیدا کرنا اور ان جانداروں کا پھیلانا (شوریٰ:29)

اس آیت کے مطابق دیگر سیاروں میں بھی ''دابہ'' کا وجود پایا جاتا ہے' اس لیے وہاں پر بھی پانی کا وجود لازمی ہے کیونکہ ہر جاندار شے پانی سے پیدا ہوئی۔ ''دابہ'' لغت کی رو سے چلنے پھرنے اور رینگنے والے جانور کو کہتے ہیں کیونکہ دَبّ' یدب کے معنی رینگنے کے ہیں (لیکن آئمہ لغت کی تصریح کے مطابق اس کا اطلاق عموماً ہر قسم کے جانداروں پر ہوتا ہے) اور سورہ نور کی مذکورہ آیت بھی خوشی سے اس پر روشنی ڈال رہی ہے۔ چنانچہ دابہ کا اطلاق Unicellular (یک خلوی) سے لے کر ایک بڑے سے بڑے ہاتھی' وہیل اور گینڈے پر بھی ہو سکتا ہے۔

غرض ان تصریحات کے مطابق ماء اور دابہ یا پانی اور جاندار لازم و ملزوم ہیں جن میں چولی و دامن کا ساتھ ہے اور اس کی تائید حسب ذیل آیات سے ہوتی ہے۔

کیا ان منکرین خدا نے مشاہدہ نہیں کیا کہ ابتدا میں زمین و اجرام سماوی آپس میں ملے ہوئے تھے۔ پس ہم نے ان کو بکھیر دیا (جس کے نتیجے میں مختلف کرّے بن گئے) اور ہم نے پانی ہی سے ہر زندہ چیز کی تخلیق کی ہے تو کیا یہ منکرین ایمان نہیں لائیں گے۔ (انبیا:30)

اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ ہماری زمین کی طرح دیگر اجرام فلکی کے تمام جانداروں کی زندگی میں پانی ایک بنیادی عنصر اور لازمی جزو کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر ارشاد ربانی ہے:

ہم نے تمہارے اوپر سات راہیں پیدا کر دی ہیں (یعنی سات آسمان) اور ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں اور ہم نے آسمان سے ایک معین مقدار میں پانی برسایا' پھر اس کو زمین میں ٹھہرایا اور اس پانی کو ہم غائب بھی کر سکتے ہیں۔ پھر ہم نے اس پانی سے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغ اگائے اور تمہارے لیے ان باغوں میں بہت سے پھل بھی مہیا کیے اور تم ان باغوں میں کھاتے ہو۔ (اس کے علاوہ) ہم نے ایک اور درخت بھی اگایا ہے جو

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

طور سینا میں اگتا ہے وہ تیل اور کھانے والوں کے لیے سالن لے کر برآمد ہوتا ہے اور یقیناً تمہارے لیے چوپائیوں میں بھی ایک بڑا سبق موجود ہے۔ ہم ان کے پیٹ میں موجودہ چیزوں میں سے تمہیں پینے کے لیے دیتے ہیں اور تمہارے لیے ان چوپائیوں میں بہت سے فواہد بھی ہیں۔ تم انہیں کھاتے ہو ان چوپائیوں اور کشتیوں پر سوار بھی کیے جاتے ہو۔ (مومنون:17/22)

یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن حکیم میں اسرار کائنات اور رازہائے ربوبیت کا بیان عموماً اشاروں، کنایوں کی زبان میں ملتا ہے تاکہ سائنسی نقطہ نظر سے چودہ سو سال پہلے کی غیر ترقی یافتہ اقوام کو کوئی الجھن نہ ہو اور وقت آنے پر یہ حقائق غور وخوض کی بدولت بے نقاب بھی ہو جائیں۔

حسب ذیل آیہ کریمہ اس راز پر سے پردہ اٹھا رہی ہے کہ مختلف اجرام سماوی میں، جو زندگی کے مظاہر سے مالا مال ہوں۔ دھوپ اور سائے کا نظام بھی کارفرما ہے۔ بہ الفاظ دیگر ہر جہان کے لیے ایک سورج یا اس کی نوع کا سسٹم بھی ہوتا ہے۔

زمین و آسمان میں جو کوئی بھی ہے، خوشگواری سے یا ناگواری کے ساتھ صبح و شام اللہ ہی کے آگے سجدہ ریز ہیں اور ان کے سائے بھی سر بسجود ہیں۔ (رعد:15)

یہاں پر سائے کے لفظ سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ اجرام سماوی میں بھی دھوپ چھاؤں موجود ہے جو بغیر کسی سورج کے ممکن نہیں۔ اس سے پچھلے صفحات کے نظریہ کی بھی تائید ہوتی ہے کہ ہر نظام شمسی میں کوئی نہ کوئی ایسی ''زمین'' بھی ہوگی جو گرمی اور سردی کے لحاظ سے معتدل اور زندگی کے لیے سازگار ہوگی، جیسے ہماری زمین جو نہ تو عطارد اور زہرہ کی طرح بے انتہا گرم ہے اور نہ مریخ و مشتری اور نیپچون اور پلاٹو کی طرح بے انتہا سرد!

خواتین و حضرات! سائنس دان ابھی تک اجرام فلکی میں زندگی کے وجود یا عدم وجود پر کسی قطعی رائے پر نہیں پہنچ سکے۔ ٹھیک ہے انسان کا علم ہی کتنا ہے کہ وہ لاکھوں کروڑوں نوری سالوں کے فاصلوں کا حتمی اور یقینی فیصلہ کر سکے۔ اب خالق کائنات نے تو بتا دیا ہے اور حتمی طور پر بتا دیا ہے لیکن سائنس دان بھی کبھی نہ کبھی اپنے مشاہدے اور شواہد کے زور پر اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔

بہرحال قرآن کے ذریعے پندرہ سو سال قبل یقینی اور حتمی طور پر یہ اعلان وانکشاف کیا جا چکا ہے کہ ہماری زمین کی طرح بہت سے سیاروں پر بھی نہ صرف ہر قسم کے جانداروں کا وجود پایا جاتا ہے بلکہ وہاں پر عقل و شعور کی قوتوں سے متصف ایک ترقی یافتہ مخلوق بھی موجود ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اوراس کے نشان ہائے (وجود) میں سے ہے یہ بات' کہ اُس نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا اوراس میں ہر قسم کے جاندار پھیلا دیئے۔اوراس کو اس بات کی قدرت حاصل ہے کہ وہ جب چاہے انہیں (کسی ایک مقام پر) اکٹھا کرے۔(شوریٰ:29)

کیاان لوگوں کو زمین اور آسمان پر اوران دونوں کے درمیانی مظاہر پر قابو حاصل ہو چکا ہے! اگر یہ بات ہے تو وہ کمندوں کے ذریعے اوپر چڑھ جائیں۔ یہ ایک حقیر سالشکر ہے جو وہاں (اجرام سماوی پر) موجود فوجوں سے شکست کھا جائے گا۔(ص:10-11)

اس سے منکشف ہوتا ہے کہ اجرام فلکی میں کوئی اعلیٰ درجے کا ترقی یافتہ تمدن موجود ہے۔نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں پر فوجی عسکری قوتیں بھی پائی جاتی ہیں جن کے تمدن کی حالت زمینی تمدن سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔موجودہ خلائی پروازوں کی روشنی میں یہ داستان ایک حقیقت کے طور پر نظر آ رہی ہے۔

چنانچہ مفسرین کی ایک بڑی جماعت اجرامِ سماوی میں مختلف قسم کے جانداروں کے وجود کی قائل رہی ہے حالانکہ ان کے دور میں کوئی سائنسی تصور یا اس کا امکان بھی موجود نہ تھا۔چنانچہ زمخشری' ابن کثیر' ابوحیان' امام رازی اور علامہ آلوسی بغدادی وغیرہ نے اپنی تفسیروں میں پوری صراحت کے ساتھ دوسرے سیاروں میں مختلف قسم کی مخلوقات کا امکان تسلیم کیا ہے:

امام رازیؒ تحریر فرماتے ہیں...... یہ بات بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں قسم ہا قسم کے حیوانات پیدا کر رکھے ہوں جو بالکل اسی طرح چلتے پھرتے ہوں جس طرح انسان زمین پر چلتا ہے۔

علامہ شہاب الدین آلوسی بغدادی نے لکھا ہے کہ یہ بات بعید نہیں ہے کہ ہر آسمان میں طرح طرح کے حیوانات پھیلے ہوئے ہوں جن کا علم ہمیں حاصل نہیں ہے۔

میری تحقیق کے مطابق ملائکہ کا اصل مقام سماوات ہے اور دابہ زمین اور سماوات دونوں میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔اس لحاظ سے ان تمام جہانوں میں جہاں پر ترقی یافتہ اور متمدن ''دابہ'' کا وجود ہو وہاں پر نظام شریعت بھی نافذ ہوگا۔اس کی تشریح اس آیت سے نمایاں ہوتی ہے کہ:

کیا تجھے علم نہیں ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں سب کے سب (اپنی زبان حال اور قال سے) اللہ ہی کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور پرندے بھی پر پھیلائے ہوئے! ان میں سے ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کے طریقے خوب جانتا ہے۔(نور:41)

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

Cardiac Arrest

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں محبت بھرا سلام پہنچے۔

محبت کے جذبے بھی بڑے لازوال ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی توڑ تو ممکن ہی نہیں۔ ہم اپنے آس پاس قرب و جوار، دائیں بائیں، ماضی اور مستقبل میں محبت کی ایسی داستانیں تو سنتے ہی رہتے ہیں لیکن جس طرح کی محبت کی باتیں ہم سنتے ہیں یا جو واقعات دیکھتے ہیں، ان سے ہٹ کر بھی محبت کے انداز ہیں۔ انسانوں کا باہم امن و بھائی چارے سے آپس میں رہنا بھی محبت ہے۔

خواتین و حضرات! کچھ محبت کے انداز ہماری روزمرہ کی زندگیوں سے ہٹ کر بھی ہوتے ہیں، جو عام طور پر ہم نہیں دیکھ پاتے۔ محبت کا ایک مطلب اطاعت اور محبوب کی خوشنودی ہوتی ہے۔ انسانوں سے محبت کا ہمیں خاص طور پر حکم دیا گیا ہے۔ محبت دلوں پر وہ کام کرتی ہے جو صابن جسم پر اور آنسو روح پر کرتے ہیں۔ محبت میں مبتلا شخص عام انسانوں سے زیادہ امن پسند اور صلح جو ہوتا ہے۔

زمانہ طالب علمی میں جب ہم انگریزی زبان سے واقفیت کے لیے سرتوڑ کوشش کر رہے تھے اور کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح انگریزی پر مکمل عبور حاصل کیا جائے تب ہمیں ایک لفظ نے بڑا ڈسٹرب کیا۔ ہم کئی طالب علم اس لفظ کے بارے میں کئی سال تک لاعلم بھی رہے۔ وہ لفظ تھا "Cardiac Arrest" اس سے ہم سیدھا سیدھا مطلب محبت میں دل کی گرفتاری کا لیتے رہے جس طرح Cardiac کو ''دل'' اور Arrest کو ''گرفتاری'' کے معانی میں لیا جاتا ہے۔ جب ہم پر یہ آشکار ہوا کہ اس کا مطلب تو دل کے عارضے میں موت یا ''ہارٹ اٹیک'' ہے تو ہمیں بڑی مصیبت پڑی۔

یہ انگریزی زبان بھی بڑی عجیب ہے اس کے بھی بڑے مسائل ہیں۔ ہمارے ایک دوست

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہیں جو کسی دور میں انگریزی زبان کے بڑے دلدادہ رہے ہیں لیکن آج کل انگریزی سے بڑی چڑ کھاتے ہیں۔ ایک روز یونہی باتوں باتوں میں مَیں نے ان کی اس بے زاری کی وجہ پوچھی۔

پہلے تو وہ کچھ بڑبڑاتے رہے لیکن میرے اصرار پر کہنے لگے ''اشفاق صاحب کیا بتائیں۔ اس انگریزی نے تو میرے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ کسی زمانے میں وہ کسی خاتون سے محبت کرتے تھے۔ اس خاتون پر غالب دور کی اردو کی زبان کا بڑا اثر تھا اور مجھے انگریزی سے محبت تھی۔ وہ مجھے آپ کہہ کر مخاطب کرتی اور خود کو ''ہم'' کہتی لیکن میں جب انگریزی زبان کا سہارا لے کر اسے مخاطب کرتا تو اس کے لیے مجھے "You" کا استعمال کرنا پڑتا۔ وہ محترمہ کافی دیر میری اس جسارت کو برداشت کرتی رہی لیکن جب اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو اس نے مجھے کھری کھری سنا دیں اور کہا کہ میں آپ کو ہر بار ''آپ'' کہتی ہوں اور آپ ہو کہ ایک عرصے سے مجھے "You" (تم) کہتے ہو اور اس طرح میرے وہ دوست اس محترمہ کو ناراض کر بیٹھے۔ اس کے بعد آج تک ہمارے وہ دوست انگریزی کی صلواتیں سناتے ہیں۔''

خواتین و حضرات! مجھے ذاتی طور پر محبت میں گرفتار ہونا یا محبت میں مبتلا ہونے کی ترکیبیں کبھی بھی پسند نہیں آئیں کیونکہ آدمی گرفتار یا مبتلا تو بیماری میں ہوتا ہے۔ فکر میں ہوتا ہے یا پھر خوف میں۔ پھر محبت تو ایک لطیف جذبہ ہے۔ محبت کا گرفتاری سے کوئی تعلق نہیں بنتا۔ اگر محبت میں گرفتاری کے معاملے کو دیکھا جائے تو یہ معاملہ تو یوں بنتا ہے کہ کوئی آدمی بڑی شرافت سے لٹھے کا سوٹ پہن کر چلا جا رہا ہے اور وہ اچانک گرفتار کر لیا جائے یا کوئی شخص عام حالات سے کسی مشکل میں مبتلا ہو جائے۔ محبت کے لیے ہمیشہ وقت درکار ہوتا ہے۔ یہ پروان چڑھنے میں وقت لیتی ہے جیسے ایک پودا پروان چڑھنے میں وقت لیتا ہے۔ رات کو بیج بو دینے سے اگلی صبح تک پودا تیار نہیں ہوتا اس کے لیے زمین اچھی کھاد، مناسب آب و ہوا، مناسب توجہ اور اعلیٰ غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔

خواتین و حضرات! میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلی نظر کی محبت پر میں یقین ہی نہیں رکھتا۔ یہ ہوتی ہے اور ہو سکتی ہے لیکن پہلی نظر کے بعد اس کو بھی وقت چاہیے ہوتا ہے۔ پہلی نظر میں بیج اچھا لگ سکتا ہے لیکن پھولوں سے یا پھلوں سے لدا پھدا اور جھومتا پودا بننے کے لیے اس کو بھی وقت درکار ہوتا ہے اور اس کے ساتھ خصوصی توجہ بھی۔

ایک بار جمعہ کی نماز سے قبل میں ایک بابا جی کے پاس بیٹھا تھا اور سپیکر میں ایک مولانا تقریر کر رہے تھے۔ وہ بابا جی کافی دیر خاموشی سے مولانا کی تقریر کو توجہ سے سنتے رہے پھر اچانک مجھ سے مخاطب ہوئے۔ انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ ''یہ مولانا جو لوگوں کو خدا سے ڈرا رہے ہیں (وہ مولانا

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

دوزخ کی سزاؤں کے بارے بتا رہے تھے) اور بڑے بڑے سانپوں اور دہکتی آگ کا ذکر کر رہے ہیں۔کیا یہ مسجد میں آئے ان لوگوں کو یہاں سے بھگانا چاہتے ہیں؟''

میں نے کہا''بابا جی اس میں بھگانے کی کوئی بات نہیں ہے۔یہ لوگوں کو شاید اس لیے خوف دلا رہے ہیں کہ وہ برے کاموں سے اجتناب کریں۔''

بابا جی کہنے لگے کہ''کیا مسجد میں لوگ خدا کے ڈر سے نہیں آتے اور کیا وہ برے کاموں سے اجتناب خدا کی محبت میں نہیں کر سکتے۔''(اب میں انہیں کیا جواب دیتا)۔

وہ کہنے لگے'' کاکا ایک خدا جو انسان سے سات ماؤں سے زیادہ محبت رکھتا ہے۔جس مٹی کے پتلے کو اس نے بہترین ساخت پر بنایا ہے کیا وہ سات ماؤں کا پیار ایک طرف رکھ کر انہیں دہکتی آگ میں پھینکے گا۔''

''پتر ماں تاں اک مان نئیں ہندی''

اب نہ اس بابا جی کا فلسفہ تھا جو خدا تعالٰی کی محبت کو سب چیزوں پر ترجیح دے رہے تھے۔محبت کے اپنے درجات اور رنگ ہوتے ہیں۔میں زیادہ تو اس بارے نہیں جانتا کیونکہ مجھے تو دنیا سے ہی محبت رہی اور میں دنیاوی معاملات کو حل کر کے آسودہ زندگی کی محبت میں ہی سرشار رہا لیکن بابے کہتے ہیں کہ محبت کی منازل طے کر کے ہی ہم اپنی روح تک پہنچ سکتے ہیں۔اور روح تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم کچھ وقت اپنے آپ کو دیں۔ایسا وقت جس میں ہم اپنے آپ سے ہم کلام ہو سکیں۔ہمارے بابا جی محبت کے معاملے پر بہت زور دیتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ ہمارے مسائل کا واحد آسان حل یہ ہے کہ ہم سب ایک دوسرے سے محبت کریں۔ایک دوسرے کی غلطیوں کو معاف کریں اور باہمی بھائی چارے کی وہ راہ اپنائیں جس کا درس حضور نبی اکرمؐ نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں دیا تھا۔اب ہم سوچتے ہیں کہ ہماری مالی مشکلات حل ہوں گی تو ہم نماز بھی پڑھیں گے۔انسانیت سے محبت بھی کریں گے۔یہ حقیقت میں میرے جیسے لوگوں کا بہانہ ہے۔لوگوں کو توقیر بخشنے اور محبت کرنے میں تو کوئی رسید نہیں دینا پڑتی۔نہ کوئی اکاؤنٹ کھلوانا پڑتا ہے۔بس آپ نے چند میٹھے الفاظ بولنے ہیں۔ماتھے سے شکنیں ختم کرنی ہیں۔

میرے ایک دوست ہیں وہ جب دفتر جاتے ہیں اپنے ماتحتوں یا سٹاف سے معاملات کرتے ہیں تو ایک الگ طرح کے انسان ہوتے ہیں۔عینک ناک سے ذرا نیچی رکھتے ہیں۔ماتھے پر دو شکنیں ڈال کر رکھتے ہیں۔کسی کے سوال کا انتہائی مختصر جواب دیتے ہیں اور ایک طرح کے راہب بننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جب وہ گھر پر ہوتے ہیں تو ایک الگ اور بدلے ہوئے آدمی معلوم پڑتے ہیں۔بڑی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

حلیم طبیعت کے خوش مزاج انسان۔

پاکستان بننے کے چند سال بعد کی بات ہے۔ ہمارا ایک ساتھی ریڈیو چھوڑ کر ایک ایسی ملازمت سے وابستہ ہو گیا جس میں اس کی تنخواہ ریڈیو کے مقابلے میں کم از کم دوگنی تھی۔ وہ چار پانچ سال اس ملازمت سے وابستہ رہا اور ایک روز اچانک پھر واپس ریڈیو آ گیا۔ ہم سارے اس کے گرد جمع ہو گئے اور واپس آنے کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگا ''جس پیشے سے تمہیں محبت ہو اسے اختیار کرتے ہوئے خوشی کا بے بہا خزانہ میسر آتا ہے لیکن جو پیشہ پسند نہ ہو اس میں آمدنی چاہے زیادہ ہو تو اس صورتحال میں روٹی، کپڑا اور مکان کے ساتھ ساتھ خوشی بھی خریدنا پڑتی ہے۔ وہ کہنے لگا کہ تم تو جانتے ہو کہ خوشی کتنی مہنگی ہوتی ہے۔ اس پر ہر ماہ بہت زیادہ خرچ ہو جاتا ہے۔ محبت کرنے والے تخلیقی لوگ ہوتے ہیں۔ محبت صرف انسان ہی نہیں کرتے جانور بھی کرتے ہیں۔ آپ کچھ جانوروں کو چاہے طویل چاہے مختصر مدت کے لیے اکٹھا رکھیں پھر ان میں کسی جانور کو علیحدہ کریں تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ وہ ایک دوسرے کی جدائی پسند نہیں کریں گے۔ شور مچائیں گے، بلبلائیں گے۔ انسانوں اور جانوروں کی طرح پودے بھی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اس محبت کی گفتگو میں ہم ماں کی محبت کو کسی صورت نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہ بہت خوبصورت رشتہ ہوتا ہے۔ اس کا کوئی نعم البدل ہو ہی نہیں سکتا۔ محبت کی اس داستان میں مٹی کی محبت کا باب جب تک شامل نہ کریں بات نہیں بنتی ہے۔

خواتین و حضرات! مٹی کی محبت کا اپنا رنگ ہوتا ہے۔ اپنی مٹی سب کو پیاری ہوتی ہے لیکن آج کل ہمارے ہاں ایک اور ہی روش شروع ہو گئی ہے۔ ایک صاحب ڈیفنس میں ایک بڑی کوٹھی بنوا رہے تھے اور مجھے کہہ رہے تھے کہ یار اشفاق صاحب آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ پڑھے لکھے ہیں اور کسی بھی فارن کنٹری جا کر رہ سکتے ہیں۔ چھوڑیں یہاں کیا رکھا ہے۔ ایسی باتیں سن کر تکلیف پہنچتی ہے کہ یہ کس قسم کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ قومیں اپنی مٹی اور وطن کے لیے جانوں کے نذرانے دے دیتی ہیں اور ہم ہیں کہ اپنی ہی مٹی اور لوگوں کو کوستے ہیں۔ شاید یہ ایک قسم کا فیشن بن گیا ہے۔

خواتین و حضرات! ہم محبت کو مادی حوالوں سے زیادہ لے لیتے ہیں حالانکہ محبت، ہمدردی اور انس کے رشتے مال و دولت کے قطعی محتاج نہیں ہوتے۔ ہمارے کئی دوست احباب، رشتہ دار ہم سے وقت مانگتے ہیں۔ ہماری قربت میں رہنا چاہتے ہیں۔ وہ خواہش کرتے ہیں کہ ہم اپنا کچھ وقت ان کے ساتھ رہ کر گزاریں، پلے سے کچھ نہیں دینا ہے۔ بس اپنا وجود انہیں سونپنا ہے۔

استانی زینب بتاتی ہے کہ جب وہ بیوہ ہوئی تو میرے سسرال والوں نے مجھے اور میرے بیٹے طارق کو گھر سے نکال دیا اور اس وقت ہمارے پاس مکان کا کرایہ تک دینے ''جوگے'' (کے لیے)

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پیسے نہیں تھے تو ہم نے چودھری صاحب جنہوں نے گھر سے نکالا تھا ان کے گھر کے قریب نہایت خستہ حالی کی زندگی گزارنی شروع کر دی۔ کچھ دن کے بعد یہ خبر ملی کہ چودھری کا بیٹا علی گھر سے بھاگ گیا ہے۔ استانی زینب کہنے لگی کہ وہ یہ خبر سن کر بہت حیران ہوئی اور اپنے بیٹے طارق سے کہا کہ علی کے گھر میں سب کچھ ہے، گھوڑا، گاڑی، موٹریں، فرنج الغرض آسائش کی ہر چیز میسر ہے۔ نوکر چاکر بھی ہیں پھر وہ گھر سے کیوں بھاگ گیا۔

طارق نے کہا "اماں علی کے پاس بڑا خوبصورت اور آرام دہ ماحول تھا مگر محبت نہیں تھی، اس لیے وہ محبت کی تلاش میں گھر سے بھاگ گیا۔ ہمارے ہاں بہت پریشان کن ماحول ہے لیکن محبت کی فروانی ہے اس لیے ہم ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں اور اس ماحول سے بھی بندھے ہوئے ہیں۔"

جانوروں اور انسانوں میں ہی محبت کا رشتہ موجود ہوتا ہے۔ مغرب والے تو خیر ان کی محبت میں بہت ہی آگے نکل گئے ہیں۔ کتوں میں تابعداری کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے لوگ انہیں زیادہ پسند کرتے ہیں۔ آپ کتے کو ماریں، اپنے سے علیحدہ کریں، وہ دم ہلائے گا اور آپ کے ساتھ لگا رہے گا۔ اس کی محبت اور وابستگی کا انداز بھی دنیا سے نرالا ہے۔ کتا نہ تو حسن و جمال اور شکل وصورت کا عاشق ہے اور نہ ہی وہ کسی سے اس کے بینک بیلنس کے باعث محبت کرتا ہے۔

جب کتے کی وفاداری کا تذکرہ چل نکلا ہے تو یہ بات بھی بڑی غور طلب ہے کہ اگر آپ کتے سے پیار محبت کا اظہار کریں، اسے تھپکی دیں تو وہ آپ کو دیوتا سمجھنے لگے گا لیکن اگر آپ بلی سے تھوڑی دیر پیار کریں اسے سہلائیں تھپکیاں دیں تو وہ خود کو دیوتا سمجھنا شروع کر دیتی ہے۔ آپ ضرور اس بات کا مشاہدہ کر کے دیکھئے گا۔

بچو! محبت کی داستانوں کے سلسلے بہت طویل ہیں۔ اس موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

دو گولی ڈسپرین اور یقینِ کامل

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں محبت بھرا اسلام پہنچے۔

سرکار کے کام بھی بڑے نرالے ہوتے ہیں۔ یہ ایسے کام ہوتے ہیں جن میں مداخلت سے انسان قانون کی زد میں بھی آ سکتا ہے۔ اس لیے کوئی شریف آدمی کارِ سرکار میں آڑے آنے کی ہمت نہیں کرتا۔ دوسرا ہم اپنے سارے مسائل سرکار کے ذمہ لگا کر اپنا پلو مکمل طور پر چھڑا لیتے ہیں حالانکہ یہ کسی جگہ درج نہیں ہے کہ انسان کی توقیر یا عزت کرنے کے لیے کسی تھانیدار کی یا آئین میں ترمیم ضروری ہے یا اس کے لیے اخبار میں باقاعدہ طور پر اشتہار جاری کرنا پڑے گا۔ کچھ کام انسان کے انفرادی طور پر بھی کرنے کے ہوتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ حکومت ہر لحاظ سے بری الذمہ ہوتی ہے۔ اس کے ذمے بھی بڑے کام ہیں۔ اسمبلیوں میں بیٹھنا' مہنگائی پر قابو نہ پانا جیسے دیگر کئی کام حکومت کے ذمہ ہیں۔ (مسکراتے ہوئے)

خواتین و حضرات! جب ہم اس مشکل دور کی بات کرتے ہیں اور مہنگائی کے خلاف بہت زیادہ بولتے ہیں۔ اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کہ ایک عام مزدور پیشہ اور سرکاری ملازم کی گزر بسر بہت مشکل سے ہو رہی ہے اور وہ بہت گھٹن میں ہے لیکن جیسے ہی کسی کمپنی کی گاڑی کا نیا ماڈل آتا ہے وہ چشم زدن میں سڑکوں پر آ جاتی ہے اور آپ بھی غور کیجیے گا آپ کو سڑک پر کسی بڑی شاہراہ پر نئے ماڈل کی گاڑیاں ہی ملیں گی۔ ایک مزے کی بات یہ بھی ہے کہ ان نئے ماڈلز کی گاڑیوں میں بیٹھے لوگ بھی مہنگائی کا رونا رو رہے ہوتے ہیں اور حکومت پر بڑی تنقید کرتے ہیں۔

میں نہ تو اس تنقید کے خلاف ہوں اور نہ ہی حق میں ہوں کیونکہ بچاری حکومت کے بھی مسائل

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہوتے ہیں۔ انہیں کبھی سر کھجانے کی فرصت نہیں ہوتی۔ میرے گھر کی طرف جو سڑک جاتی ہے وہ ایک بار نئی بنی تو میں بڑا خوش ہوا کہ چلو اچھا ہوا اب سڑک نئی بن گئی ہے لیکن خواتین وحضرات اگلے دن جب میں سڑک پر آیا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ کئی مزدور بھالے اور سڑک کھودنے کا دیگر سامان اٹھائے اس نئی نویلی سڑک کو کھودنے میں مصروف ہیں۔ میں نے گاڑی سے منہ باہر نکال کر ان سے پوچھا کہ وہ نئی سڑک کو کیوں اس طرح ادھیڑ رہے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ "صاحب سوئی گیس کی پائپ سڑک سے دوسری طرف لے جانا ہے۔"

مغرب جس کی زیادہ تعریف کرنا مجھے کچھ زیادہ اچھا بھی نہیں لگتا اور آپ کو بھی نہیں لگتا ہوگا کیونکہ ہمیں اپنی مٹی بڑی پیاری ہے اور ہم نے اسے کئی جانوں کے نذرانے دے کر حاصل کیا ہے۔ اس کی بنیادوں کو اپنے نوجوانوں، بڑوں، بوڑھوں اور خواتین کے خون سے سینچا ہے۔ اس کے خلاف کچھ کہنا یا سننا ہمیں گوارہ نہیں ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہاں تعمیرات یا اپنے عوام کو سہولتیں دینے کے حوالے سے کچھ ضروری تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ میں اٹلی میں بہت عرصہ رہا۔ وہاں اگر کوئی نئی سڑک بنی ہو تو اس کی تعمیر کا ٹینڈر پاس ہونے سے پہلے سڑک سے متعلقہ تمام محکموں (ظاہر ہے ان میں گیس، فون، سینی ٹیشن وغیرہ سب شامل ہیں) سے پہلے اس حوالے سے معلومات اکٹھی کی جاتی ہیں کہ سڑک تعمیر ہو رہی ہے کسی محکمے کو اگر اپنے متعلقہ کام کرنا ہے تو بتایا جائے کہ کتنی مدت لگے گی۔ اس کے بعد سڑک تعمیر ہوتی ہے اور اتنی عمدہ سڑکیں ہیں کہ بارش کے چند منٹ بعد آپ باہر نکلیں تو سڑکیں آپ کو صاف اور دھلی ملیں گی۔ کہیں پانی کھڑا ہوا نہیں ہوگا۔

خیر بات کار سرکار کی ہو رہی تھی اور اپنی مٹی کی۔

سرکاری کام کا اندازہ اس سے لگاتے ہیں کہ یونین کونسل نے اپنے خرچ پر ایک پل تعمیر کیا۔ تعمیر کر چکنے کے بعد کمیٹی نے ضرورت محسوس کی کہ اس پل کی نگہداشت کے لیے ایک چوکیدار کی ضرورت ہے۔ چوکیدار مقرر ہو گیا۔ اب اس کی تنخواہ بھی دینی تھی۔ کونسل نے پھر ہنگامی میٹنگ بلائی جس میں طے کیا گیا ایک اکاؤنٹینٹ بھی بھرتی کیا جائے جو اس کی تنخواہ کا حساب رکھے اور وقت مقررہ پر تنخواہ ادا کرے چنانچہ وہ بھی مقرر ہو گیا۔ پھر ضرورت محسوس کی گئی کہ ان کے کام کی نگرانی کے لیے ایک ایڈمنسٹریٹر بھی ہونا چاہیے۔ اسے بھی رکھ لیا گیا۔ چند سال ایسے ہی کام چلتا رہا پھر کونسل کو اپنے اخراجات میں کمی کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے چوکیدار کو نوکری سے نکال دیا۔

ٹھیک ہے حکومتوں کی بھی بڑی ذمہ داریاں ہوتی ہیں لیکن کچھ ذمہ داریاں ہماری اپنی بھی ہیں کہ ہم اپنے آپ، اپنے اردگرد اور اپنے لوگوں کے لیے انفرادی طور پر کیا کرتے ہیں۔ اس قومی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

وحدت کو اندیشوں اور نظر بد سے بچانے کے لیے کیا کرتے ہیں۔ آپ یقین مانئے کہ مجھ سے اس قومی وحدت کے لیے کچھ نہیں ہو سکا۔ میں نے شاید اس کے لیے اپنے کردار کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی یا پھر میں اپنے جھمیلوں سے ہی نہ نکل سکا لیکن ایک بات میری روح پر ضرور بوجھ ڈالتی ہے جب میں کہیں پانی کا کوئی فضول کھلا ہوا نل یا کوئی بجلی کا بلب بلا ضرورت جلتے ہوئے دیکھتا ہوں تو میرے دل میں سے یہ آواز آتی ہے کہ اگر یہ نل یا بلب بلاوجہ چل رہا ہے تو ملک میں یہ کسی نہ کسی کا حق تھا جو اس سے محروم ہو رہا ہے۔

اس ملک کو بناتے وقت جس عزت اور احترام کا لوگوں کو خواب دکھایا گیا تھا وہ ابھی تک تو شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا ہے۔ ہم اپنے معاملات یا مسائل میں کچھ زیادہ الجھ کر رہ گئے ہیں یا پھر ہمیں جان بوجھ کر کسی نے الجھا رکھا ہے۔ کچھ ایسے لوگ ہم میں گھسے بیٹھے ہیں جو ہمارے اپنے نہیں ہیں جو شروع دن سے اس پاک سرزمین کے خلاف ہیں اور میلی آنکھ سے دیکھتے ہیں وہ اگر خود کچھ نہیں کر سکتے تو ہم میں باہمی انتشار پھیلا کر اس قومی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی ترکیبیں سوچتے ہیں لیکن مجھے یقین محکم ہے کہ انہیں خود منہ کی کھانی پڑے گی۔ ایک بار ایک محفل میں میں نے مٹی یا زمین کے بڑے خواص گنوائے اور کہا کہ کیا بات ہے کہ یہ مٹی ہمیں گندم دیتی ہے۔ کئی فصلیں دیتی ہے۔ ہماری زمین کے سینے میں معدنیات دفن ہیں۔ سونا اور تیل ہم نکال لیتے ہیں اور زمین کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان ہے۔

اس محفل میں ایک پروفیسر صاحب بھی بیٹھے تھے۔ کہنے لگے اشفاق صاحب یہ زمین اگر ہمیں کچھ دیتی ہے تو احسان نہیں کرتی اپنا قرض اتار رہی ہے۔ میں نے کہا کہ پروفیسر صاحب آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہم ماشاء اللہ گندم میں خود کفیل ہیں۔ بہت سا غلہ پیدا کرتے ہیں جو کروڑوں انسانوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگے جناب اشفاق صاحب ''ہم نے بھی اس مٹی اور زمین کو قائداعظمؒ، علامہ اقبالؒ جیسے دماغ اور نوجوان خون کے جذبے عطا کیے ہیں۔ اگر یہ ہمیں اس کے بدلے میں کچھ دیتی ہے تو قرض لوٹاتی ہے۔ وافر یا مفت میں کچھ نہیں دیتی۔ نظر بد رکھنے والے لوگ ہمارے باہمی اتفاق و اتحاد کے خلاف ہیں۔ وہ بظاہر ہم سے بغلگیر ہوتے ہیں لیکن انہوں نے اپنے دوسرے ہاتھ میں نفرت، حسد کے خنجر پکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک بھائی کو دوسرے سے لڑاتے ہیں۔ لالہ روپ کے شوری افغانوں اور انگریزوں کی لڑائی کی ایک یادگار فلم بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ انہوں نے ڈائریکٹر سے کہا کہ لڑائی کا سین بھرپور ہونا چاہیے۔ دس ہزار آدمی اس طرف اور دس ہزار دوسری طرف۔ کم سے کم بیس ہزار ایکسٹرا کا بندوبست کیجیے۔

''لیکن شوری صاحب ہم بیس ہزار لوگوں کی پے منٹ کیسے کریں گے۔'' ڈائریکٹر نے پوچھا۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

شوری صاحب کہنے لگے "اس کی فکر نہیں۔"

ڈائریکٹر نے پھر پوچھا کہ "سر کیسے؟"

"ہم دونوں پارٹیوں کو اصلی بندوقیں اور دس دس گولیاں دیں گے۔" کہ شوری صاحب نے جواب دیا۔ ہمارے ساتھ بھی کچھ اسی طرح کی صورتحال ہے۔ افغانستان میں ہم نے سوویت یونین کے خلاف جنگ لڑی۔ اس جنگ کی قیمت بھی چکائی۔ لاکھوں افغان بھائیوں کو اپنے وطن اور بھائیوں جیسا پیار دیا لیکن اس نظر بد اور خفیہ دشمن ہاتھ کے باعث افغانستان ہم سے ناخوش ہے اور وہ کارسرکار تو کیا ہمارے باہمی رشتوں میں دراڑیں ڈالنے کے لیے مداخلت کر رہا ہے۔ جس سے ہمیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اس وطن کے ایک ایک ذرّے کی قدر کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک ایک قطرہ پانی کی اہمیت جاننے کی ضرورت ہے۔ کوئی چیز بے کار نہیں ہے یا حقیر نہیں ہے۔ جو قومیں ترقی کو پہنچتی ہیں وہ اپنی مٹی کی قدر اور اتفاق کی بدولت اور سخت محنت کے باعث ایسا کرتی ہیں۔ ایسے ہی راتوں رات وہ ترقی یافتہ نہیں بن جاتی ہیں۔ ایک ایک بلب کو بلاضرورت بجھانے میں پہل کرتی ہے۔ اپنے وسائل کا بے دریغ استعمال نہیں کرتیں۔ چوکنی ہو کر چلتی ہیں۔

ایک کلرک نے جب اڑھائی ہزار کی ادائیگی کرتے وقت رسیدی ٹکٹ کے لیے چونی طلب کی تو صاحب بہت بگڑے اور جھگڑا کرنے لگے۔ کلرک نے بہت سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھے۔ آخر انہوں نے زچ ہو کر کہا "میاں چونی کی خاطر کیوں مرے جاتے ہو۔"

کلرک نے خوشدلی سے کہا "سر یہ وہی چونی ہے جس کے لیے آپ مرے جاتے ہیں۔ میں اس کی بہت قدر کرتا ہوں۔"

اپنے وطن کی قدر اور اسے اپنا جان لینے سے ہی بات بنے گی اور باہمی اعتماد ہمیں ایک دوسرے کے قریب تر لا سکتا ہے۔ ہم میں اعتماد کا فقدان ہو چکا ہے لیکن یہ ختم نہیں ہوا۔ ہمارا مذہب ایک دوسرے سے محبت کا درس دیتا ہے۔ ہم بن دیکھے خدا پر ایمان رکھتے ہیں، اس جذبے اور یقین کو کامل کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس بات کا تو یقین ہے کہ دو گولی ڈسپرین سے سر درد کو فوری آرام مل جائے گا۔ فلاں ہارٹ سرجن اگر آپریشن کرے گا تو مریض مر نہیں سکتا چاہے وہ کچھ دیر کے لیے مریض کے سینے سے دل باہر ہی نکال کر کیوں نہ رکھ دے۔ لیکن ہمیں اس بات پر یقین نہیں ہوتا ہے کہ فلاں آیت مبارکہ پڑھنے سے سر درد کو فوری آرام مل جائے گا یا رزق میں برکت آئے گی۔ اس بات پر یقین نہیں کہ صدقہ دینے سے اس کا 10 فیصد اضافہ دنیا اور 70 فیصد آخرت میں اضافہ ملے گا۔ اگر صرف اس ایک بات پر عمل پیرا ہو جائیں گے ہم انفرادی طور پر اپنے مالوں سے صدقہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خیرات کرنا شروع کر دیں تو یقین کیجیے کہ کوئی محتاج یا زکوٰۃ لینے والا نہ رہے۔ ہم اگر باہمی اتحاد کا مظاہرہ کریں' مٹی سے پیار اپنے عقیدے میں شامل کر لیں اور خدا کی مکمل رحمت پر یقین کر لیں تو ہم ایسے بالکل نہ رہیں گے جیسے آج ہیں۔ اگر ہمیں دو گولی ڈسپرین سے زیادہ یقین اپنے رب پر آ جائے اور ہم سرکار کو ایک طرف رکھ کر اپنے مسائل کی بابت خود سوچنے لگیں تو ہم زیادہ خوش و خرم اور توانا ہو جائیں گے۔ بات آنکھیں بند کر کے مکمل اور کامل یقین کی ہے اور اس یقین میں کوئی شک وشبہ یا وہم نہ ہو ہمارا دل' جسم یک زبان ہو کر خدا کی قدرت پر یقین رکھ کر تھیا تھیا ناچ رہے ہوں۔ پھر کسی میں نہ ہمیں جدا کرنے کا یارا ہو گا اور نہ ہمیں کسی پر تنقید کی ضرورت ہو گی۔ ہمارا نفس مطمئن ہو گا اور ہم کبھی پریشان حال نہ ہوں گے۔

آپ میرے لیے بھی دعا کیجیے گا کہ میں بھی دو گولی ڈسپرین کی بجائے اپنے قادر مطلق پر زیادہ یقین کر لوں۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

صاحب السیف(Warrior)

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں محبت بھرا اسلام پہنچے۔

ایک جنگ آور، جنگجو، بہادر، دلاور یا Warrior ہر وقت اپنی تلوار ساتھ لے کر چلتا ہے۔ تلوار کی موجودگی اور سیف کی قربت اس بات کی گواہی ہے کہ جنگجو ہر وقت چوکس اور سینہ سپر ہے اور ہر وار سہنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کا جواب دینے کا یارا رکھتا ہے۔ کوئی بھی جنگجو کبھی اپنی تلوار سے جدا نہیں ہوتا۔ آپ فلموں اور ڈراموں میں بھی دیکھتے ہوں گے کہ کس طرح فوجوں کے سپہ سالار جنگجوؤں نے اپنی تلواروں کے دستوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ بچے جو ٹی وی پر ٹیپو سلطان کا ڈرامہ دیکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ کس طرح جنگجو تلواروں کے دستے نکال کر رکھتے ہیں اور انتہائی چوکسی کی حالت میں ہوتے ہیں اور بعض اوقات ایسے سین جو ڈراموں میں دکھائے جاتے ہیں، ان میں جو بادشاہ یا کسی حاکم کے دربار میں پکڑ کر ملزم یا دوشی لایا جاتا ہے وہ بادشاہ کی آنکھوں کے اشاروں سے بھی خوفزدہ ہو کر تھر تھر کانپ رہا ہوتا ہے اور وہ بادشاہ کے خاص فوجی یا جسے جلاد کہتے ہیں، اس کے اس ہاتھ پر توجہ اور نظریں مرکوز رکھے ہوئے ہوتا ہے جو تلوار کے دستے پر پڑا ہوا ہوتا ہے۔ ہالی ووڈ کی فلم "Brave Heart" جیسی تاریخی نوعیت کی فلم جس میں اس فلم کے ہیرو Mel Gibson (یہ سکاٹ لینڈ کی فتح کے حوالے سے فلم تھی اور اس کے حقیقی ہیرو کا نام مجھے یاد نہیں آ رہا ہے) اس فلم میں ہیرو کا آہنی ہاتھ جس انداز سے اپنی تلوار کے دستے پر رہتا ہے، وہ قابل دید ہے۔ اس کے علاوہ فلم "The Gladiator"، "Lord of the Ring" اور پیٹریاٹ جیسی فلموں میں ڈائریکٹروں نے نہایت فن کمال سے جنگجوؤں کو دکھایا ہے۔ یہ بات کرنے کا مقصد ہالی ووڈ کی فلموں کی نمائش یا تعریف

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ موضوع سے متعارف کروانا ہے۔

جنگجو فریق مخالف سے ڈائیلاگ یا بات کرتے ہوئے درمیان میں سیف رکھ کر دوسرے فریق سے بات کرتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسرا فریق اسے دھمکا نہیں سکتا۔ لالچ نہیں دے سکتا۔ احساسِ کمتری میں مبتلا نہیں کر سکتا۔ اس طرح رشوت دینے والا معاملہ طے کرتے وقت درمیان میں رکھی ہوئی سیف دیکھ کر کسی قسم کا سودا کرنے سے عاری یا انکاری ہو جاتا ہے۔ ہمارے ایک دوست ہیں وہ قسم کھاتے ہیں جو انہوں نے کبھی رشوت لی ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ رشوت کبھی انہوں نے اپنے ہاتھ سے نہیں لی البتہ اگر کوئی اپنے کام کے عوض کچھ رقم ان کے پی۔اے کو دے جائے تو مضائقہ نہیں لیکن وہ کبھی اپنے ہاتھ سے رشوت وصول نہیں کرتے اور ان کے نزدیک یہ انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے۔ میں ایسے بھی ایک صاحب کو جانتا ہوں جو اوپر کی کمائی (رشوت) کو گھر لے کر نہیں جاتا۔ اس کی کمائی کو وہ اپنے دوستوں میں خرچ کرتے ہیں۔ اپنے اوپر لٹاتے ہیں یا دعوتوں کی نذر کرتے ہیں۔ گھر کے لیے سودا سلف، چینی، آٹا، نمک اپنی تنخواہ کی رقم سے لے کر جاتے ہیں۔ وہ ایک طرف یہ تسلیم بھی کرتے ہیں کہ وہ حرام کی کمائی بچوں کے منہ میں نہیں جانے دیں گے، اس کے باوجود رشوت لیتے بھی ہیں اور جی بھر کر لیتے ہیں اور دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔

ہمارے ہاں رشوت لینے کا ایک خوبصورت اور Safe طریقہ تحائف کا وصول کرنا بھی ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کو تحائف دینے کی بہت ہدایت کی گئی ہے لیکن تحائف میں فرق ہوتا ہے۔ اگر کوئی پولیس والا کسی مجرم سے اسے چھوڑنے کے عوض کوئی تحفہ وصول کرے گا تو کیا ہم اسے بھی تحفہ ہی قرار دیں گے۔

جس معاشرے سے عدل چلا جائے وہاں امن و امان کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ اس حوالے سے غور کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ اٹلی کا شہر نیپلز بھی بڑا امستانہ شہر ہے۔ ہر وقت راگ رنگ میں ڈوبا رہتا ہے اور ساحلی مزدور یہاں زیادہ کام کرنے کے عادی بھی نہیں ہیں۔

جب میں پہلی مرتبہ وہاں پہنچا تو میونسپل کمیٹی کے دفتر کے سامنے ایک اشتہار لگا کہ شہر میں کچھ چیزیں لاوارث اور بے ملکیتی پڑی تھیں۔ شہر کے میئر نے ان چیزوں کے حوالے سے باقاعدہ ایک اپیل درج کی ہوئی تھی۔

''شہر میں یہ چیزیں بے ملکیتی پڑی ہیں۔ مہربانی فرما کر ان کے مالک توجہ فرمائیں۔

ایک ٹریکٹر، دو گدھے، تین قبروں کے پرانے کتبے، دو ڈبل بیڈ، ایک آئس کریم کی گھریلو مشین، ایک چینی کا ٹب، ایک بڑا سوٹ کیس جس میں پرانے Love Letter ٹھسا ٹھس بھرے ہوئے ہیں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

لیکن ان کی سیاہی ماند پڑ چکی ہے اور سترہ پرانی پتلونیں....ان چیزوں کے مالک توجہ فرمائیں اور براہ کرم انہیں اپنے تصرف میں لائیں۔"

ایک یہ بھی انداز ہے۔دنیا ہے۔ وہاں بھی جرائم ہوتے ہوں گے لیکن کتنا ہی اچھا ہو کہ ہمارے ہاں بھی ایسا ہی کلچر فروغ پا جائے' ایسے ماحول کا دوردورہ ہو' کوئی شخص اپنی تکلیف درج کرانے ناظم کے پاس نہ جائے' کسی کی بکری گم نہ ہو اور اسے تھانیدار کے پاس جانے کی ضرورت نہ پڑے۔ کسی کو اخباروں میں Letter to Editor نہ لکھنا پڑے۔

میں غمناک کہانیاں پڑھنے سے بھی ڈرتا ہوں۔ اگر کوئی داستان یا کتاب مجھے پڑھنے کو ملے تو میں سب سے پہلے اس کا آخری صفحہ پڑھتا ہوں۔ اگر اس صفحہ پر لکھا ہو کہ "اس کے بعد سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔" تو میں اس کتاب کو ضرور پڑھتا ہوں ورنہ ہاتھ تک نہیں لگاتا۔

بات صاحب السیف کی ہو رہی تھی۔ صاحب السیف کسی کی باتوں میں نہیں آتا۔ اس میں قائدانہ صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ وہ دکھوں' غموں اور خواہشوں کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتا بلکہ یہ چیزیں اس سے دور بھاگتی ہیں۔ وہ ان چیزوں کا اپنی روح پر غلبہ محسوس نہیں کرتا ہے۔ اس کے اندر ایک خاص قوت ہوتی ہے جو لالچ اور فریب سے موم نہیں ہوتی۔ صاحب السیف وہ بھی ہے جو اپنے نفس کو اپنے اندر کی قوت سے قابو کر کے رکھتا ہے۔ روک کر رکھتا ہے۔ پکڑے رکھتا ہے۔ صاحب السیف مشکل مرحلے کو طے کرنے اور کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے اپنی موت سے سوال کر کے جواب معلوم کر لیتا ہے۔ موت کا خوف اس کے دل میں نہیں ہوتا ہے بلکہ جنگجو موت کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ موت اس کے پہلو میں بائیں جانب پانچ فٹ کے فاصلے پر رواں دواں ہوتی ہے اور اس کی حفاظت کرتی ہے اور اس کی سکیورٹی کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ موت کا خوف بھی انہیں لوگوں کو زیادہ ہوتا ہے جو مرنا نہیں چاہتے ہیں جو موت سے نہیں ڈرتے۔ وہ راتوں کی نیندیں اس خوف میں حرام نہیں کرتے ہیں۔ وہ زندگی میں بھی نفس مطمئنہ کو پاتے ہیں اور مر کے بھی۔ انسان جس چیز سے خوف کھاتا ہے یا اسے پسند کرتا ہے یہ ایک فطری امر ہے کہ انسان کی آنکھیں اسے قریب پا کر روشن ہو جاتی ہیں یا بجھ جاتی ہیں۔

چینی جوہری ہیرے جواہرات دکھاتے ہوئے گاہک کی آنکھوں پر نظر رکھتے ہیں جس جواہر پر گاہک کی آنکھیں روشن ہو جائیں یہ وہی چیز ہوتی ہے جو گاہک نے لینی ہوتی ہے۔ اس کی تعریف وہ سننا چاہتا ہے اور اسی کو بیچ کر انہوں نے پیسے لینے ہوتے ہیں۔ صاحب السیف کو کوئی چیز مسحور نہیں کر سکتی۔ اس کا مقصد اس کی اولین ترجیح ہوتی ہے۔ وہ جنگجو اپنی لڑائی ہی نہیں لڑ رہا ہوتا ہے بلکہ اس کے کئی مقاصد ہوتے ہیں۔ وہ کسی سلطنت سے غیر ملکی قبضہ کا خاتمہ بھی ہو سکتا ہے۔ اپنی روح اور وجود پر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خواہشات کے غلبے کی سرداری کے خلاف جنگ بھی ہو سکتی ہے۔ شیر کو اپنے شکار سے بڑی محبت ہوتی ہے۔ وہ اس کی تلاش میں اور اس کے عشق میں دیوانہ ہوتا ہے۔ وہ سارے گلے میں سے ایک ہرن، ایک نیل گائے یا ایک زیبرے کو شکار کرتا ہے لیکن وہ سب میں سے کسی ایک کو محبوب گردانتا ہے اور گلے لگاتا ہے۔ وہ ابھرا، بھاگا اور نیل گائے کا تعاقب کرنے لگا۔ دونوں آگے پیچھے نہیں دوڑے، نیل گائے ناک کی سیدھ میں جا رہی ہوتی ہے جبکہ شیر اس کے دائیں ہاتھ بڑے فاصلے پر بھاگتا ہوا ایک قوس بناتا گیا اور پھر سیدھی سطیر بھاگنے والی نیل گائے کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ وہ اس قدر تیزی میں تھی کہ راستہ بدل سکی نہ "کنی" کاٹ سکی اور شیر نے ابھر کر اپنی دونوں باہیں اس کے گلے میں ڈال دیں۔ پھر اس نے اپنے محبوب کو زمین پر گرا لیا اور اس کے نرخرے پر ایک بڑے سے منہ سے ایک بڑا سا بوسہ دیا۔ نیل گائے کچھ خوف، کچھ مایوسی، کچھ غیر جنس مذکر ہونٹوں کو مونث گلے میں آویزاں پا کر اپنی جگہ سے ابھری اور دیوانہ وار آگے کو بھاگی۔ شیر مستانہ وار اس کے تعاقب میں ابھرا اور لذت Kill سے دھڑ ادھڑ اتا ہوا لمبی جست بھر کر اس پر گرا۔ کٹی ہوئی گردن سے گرم گرم خون کا چشمہ ابھرا اور محبوب دیکھتے دیکھتے اپنے عاشق کی بانہوں میں ابدی نیند سو گئی۔ شیرنی اپنے بچوں اور اپنی ایک سہیلی کے ساتھ آئی تو شیر نیل گائے چھوڑ کر خجالت کے ساتھ پرے ہو کر بیٹھ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ شیرنی یہ بات ہرگز پسند نہیں کرتی کہ اس کا شیر اپنی بانہیں کسی اور کے گلے میں ڈالے۔ شیر نے منہ دوسری طرف کر لیا اور سوکھے درختوں پر بیٹھے گِدھوں کو دیکھنے لگا۔

جب شیرنی، اس کی سہیلی اور بچے نیل گائے کو نوچ کھسوٹ کر واپس چلے گئے تو شیر نے اپنی جگہ سے اٹھ کر محبوب کو دیکھا۔ وہاں سوائے یادِ یار کے اور کچھ نہیں تھا۔ اس نے اپنا سینہ زمین سے ملا کر ایک دلروز "بھبّھ" ماری اور سر جھکا کر ایک طرف چل دیا۔ صاحب السیف خوفزدہ نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہار کو قبول نہیں کرتا۔ ڈیپریشن کی بیماری جس نے ہم سب پر حملہ کر رکھا ہے، یہ اس کا بھی شکار نہیں ہوتا ہے۔ وہ انگریزی ناول "Oldman and the Sea" کے ہیرو کی طرح ہار نہیں مانتا ہے۔ وہ اس کریکٹر کی طرح اس بات کا قائل ہوتا ہے کہ "A man can be destroyed but not defeated" ہمارے ہاں ڈیپریشن کا معاملہ بھی کافی سر اٹھا رہا ہے۔ جنگجو اس معاملے کو روندتا ہوا آگے نکل جاتا ہے۔ ہماری اس فضا میں ایک بیماری جو ڈیپریشن کہلاتی ہے، یہ بھی شاید روزِ اول سے ہمارے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ باغ بہشت میں حضرت آدم تنہائی اور Depression کا شکار تھے۔ پھر ان کے لیے ایک بیوی کا بندوبست کیا گیا لیکن ان کے ڈیپریشن میں کمی نہ آئی۔ پتہ چلا کہ ڈیپریشن بھی بہشت کی بیماری ہے (مسکراتے ہوئے) ٹیلیویژن کے ایک ٹاک شو میں ایک پیاری سی نن سے بہت سوال کیے جا رہے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تھے۔نن کا کہنا تھا کہ اس کی زندگی ایک تہیہ اور ایک ارادے کے تحت ہے اور اس وعدے کے ساتھ ہے' جو اس نے کئی سال پہلے کیا تھا۔اس کے تحت میں سگریٹ نہیں پی سکتی' شراب نہیں پی سکتی' خاص قسم کی ممنوعہ خوراک نہیں کھا سکتی' شادی نہیں کر سکتی اور بچے پیدا نہیں کر سکتی' پارٹیوں' محفلوں' ہوٹلوں اور تھیٹروں' سنیما گھروں میں نہیں جا سکتی حتیٰ کہ اپنے بڑوں کی اجازت کے بغیر ٹی وی بھی نہیں دیکھ سکتی۔

ٹی وی کی میزبان نے کہا" کتنے افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ آپ نے زندگی کی ساری لذتوں سے کنارہ کشی کر لی ہے۔"

نن نے کہا" آپ ٹھیک کہتی ہیں کہ میں ساری لذتوں سے محروم ہو گئی ہوں لیکن اس روک اور اس اجتناب نے میری ساری زندگی کو خوشیوں سے بھر دیا ہے اور میرے اندر شادمانیوں کے بسیرے ہیں۔"

لذتیں وقتی اور ہنگامی ہوتی ہیں لیکن مسرتیں' شادمانیاں مستقل ہوتی ہیں۔لذتوں کا جسم سے تعلق ہوتا ہے اور خوشیوں کا روح سے' شادمانی نفس اور وجود سے ہٹ کر ہوتی ہے۔یہ نفس سے جنگ کا دوسرا نام ہوتا ہے۔نفس سے جنگ روح کو خوشی عطا کرتی ہے جبکہ خواہشات کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے سے جسمانی لذتیں میسر آتی ہیں' روح کو بالیدگی نہیں ملتی۔

آپ میرے لیے بھی دعا کیجیے گا کہ خدا مجھے بھی ایسا ہی صاحب السیف بنا دے جو دنیاوی لذتوں' خواہشوں اور ڈیپریشن کے آگے سر نہ جھکائے اور ایسی غیر مستقل خوشیوں کو ایک ہی وار سے ختم کر دے۔آپ سب کی بڑی مہربانی۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کلچر، تھرڈ ورلڈ کے بادشاہ اور پیوند کاری

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں محبت بھرا اسلام پہنچے۔
اصل کلچر اور سرکاری کلچر، امرائی کلچر۔ 97 فیصد لوگوں کا کلچر ایک ہے اور 3 فیصد حکمرانوں کا ان سے مختلف۔ پاکستان کے جتنے بھی بادشاہ گزرے ہیں جمہوری بادشاہ، آمر بادشاہ، بادشاہ سبھی کا کلچر ایک جیسا تھا اور عوام سے مختلف..... یہ بادشاہ عوامی کلچر سے محبت کرتے ہیں اور کرسیاں ڈال کر اس کے مظاہرے دیکھتے ہیں۔ اس کے لیے خصوصی میلے (سرکاری میلے) تیار کر کے رکھے ہیں جہاں ایسے کلچر کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ اب اصلی میلے (میلہ چراغاں، میلہ حضرت میاں میرؒ اور میلہ داتا صاحبؒ) ہوتے ضرور ہیں لیکن سرکاری توجہ کے محتاج نہیں۔
کلچر کو رواج دینے کے لیے یہاں کلچر کے ادارے قائم ہیں۔ ایسے ادارے مغربی ملکوں میں نہیں ہیں۔ وہاں کلچر کے میوزیم ضرور موجود ہیں لیکن ثقافتی ادارے نہیں ہیں۔
مذہب کے برعکس کلچر جھگڑالو مزاج رکھتا ہے۔ جس طرح اناج، دلیے، چاول اور دالوں کے اندر سسری لگ جاتی ہے، اسی طرح مذہب کے اندر کلچر کی تفریق جنم لے کر مذہب میں تفرقے ڈالتی ہے۔ مثلاً مسلمان نہیں لڑتے، ان کا اسلام نہیں لڑتا، مذہب نہیں لڑتا اس کے اندر پیدا ہونے والے اختلافات جن کا وجود کلچر ہی ہوتا ہے وہ لڑائی شروع کراتے ہیں۔ مثلاً اسلام میں اسلام کے ماننے والوں میں کوئی تفرقہ نہیں ہے۔ سب مسلمان ایک اللہ کو، ایک قرآن کو، ایک رسولؐ کو اور پانچ نمازوں کو اور نمازوں میں طے شدہ رکعتوں کو مانتے ہیں لیکن ایک گروہ ان ساری باتوں کو تسلیم کر کے کہتا ہے۔ ہم تو ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں۔ تم ہاتھ باندھ کے پڑھتے ہو۔ کیا نالائق لوگ ہو۔ ہم تو زور سے آمین

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کہتے ہیں' تم خاموش رہتے ہو کیا نالائق لوگ ہو۔

کلچر کی شکل وصورت ہمیشہ ایک سی نہیں رہتی' اس میں دوسرے کلچروں کی پیوند کاری بھی ہوتی رہتی ہے۔ اس پیوند کاری کے عجیب وغریب نتائج برآمد ہوتے رہتے ہیں۔ عوام الناس تو اسی پیوند کاری سے یوں آشنا نہیں ہوتے کہ باہر کے اثرات غیر محسوس طور پر ان کے کلچر میں جذب ہو کر اسے ایک نئے روپ میں مبدل کرتے جاتے ہیں اور خواص اس سے یوں متاثر نہیں ہوتے کہ ان کا عوامی اور عمومی کلچر سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا' وہ صرف جغرافیائی طور پر اس میں آباد ہوتے ہیں۔ لیکن سیاست کی اور حکومت کی اس بدلتے ہوئے کلچر پر کڑی نگاہ ہوتی ہے۔ اگر تو اس نئی تبدیلی اور کلچرل پیوند کاری سے بادشاہ وقت کو کوئی فائدہ پہنچتا ہو تو وہ اس کے لیے پسندیدگی کا پروانہ جاری کر کے اس پیوند کاری کو مضبوط ومنظم کرتا جاتا ہے لیکن اگر وہ اس کے پایہ تخت کو استقامت نہ بخشے تو پھر وہ اس کلچرل کو پنپنے کی اجازت نہیں دیتا۔ گویا کلچر کی تبدیلی میں دوسرے کلچر کی شجر کاری بھی اثر انداز ہوتی ہے اور حکومت کا پروپیگنڈا یا بادشاہ وقت کا فرمان بھی تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔

یوں تو ہر آنے والا مذہب پہلے سے موجود معاشرتی گروہوں کے کلچر پر اثر انداز ہوتا ہے لیکن اسلام اپنے احکامات کی وجہ سے ہر اس کلچر پر شدت کے ساتھ اثر انداز ہوا جس کے لوگوں نے اس مذہب کو اختیار کر کے اپنی زندگی کے چلن میں شامل کیا۔ گویا اسلام قبول کرنے والے ہر معاشرے نے اپنے کلچر کا پرانا سلیبس ترک کر کے نیا سلیبس اختیار کیا اور زندگی کے امتحان کے مقابلے میں سیمسٹر سسٹم کو اپنا کر اپنا رخ نئی سمت کی طرف موڑ دیا۔

مذہب کہتا ہے نئی دنیا تلاش کرو۔ نیا زمانہ کھوجو کیونکہ تمہارے "اللہ کو ہر روز ایک نیا کام ہے۔"

کلچر کہتا ہے پیپل کے درخت تلے' بابا گرودت کی کٹیا کے سامنے' پاشے کی پانی جمنی اور تین تین دن تک لوگوں نے ایک ہی جگہ بیٹھ کر کوڑیاں پھینکنا اور نردیں پیٹتے جانا۔ بڑوں نے کھیلنا' چھوٹوں نے گھر گنتے جانا۔ کیا اچھے دن تھے!

تھرڈ ورلڈ کے بادشاہ اپنی رعایا کے کلچر میں خود شریک نہیں ہوتے۔ ان کو اپنے سامنے نچواتے ہیں' سامنے رلاتے ہیں' سامنے گنواتے ہیں اور ان میں انعام تقسیم کرتے ہیں لیکن خود ان کے ساتھ اس کلچرل عمل میں شرکت نہیں کرتے۔ ہمارے موجودہ بادشاہوں کے اس رجحان کو خاص طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی روایت نے بڑی تقویت عطا کی ہے۔ مقامی کلچر کو تھپکی دینے کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی رسم پہلے سے زیادہ مضبوط ہو کر سامنے آ گئی ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

روٹس کی تلاش، مغرب کے ماہر انسانیات، معاشریات اور ماہر اقتصادیات تھرڈ ورلڈ کے لوگوں بالخصوص مسلمانوں کو اپنے روٹس تلاش کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔

جمال عبدالناصر نے بڑی محنت اور تحقیق کے بعد اپنے روٹس فراعنہ مصر میں تلاش کیے۔ شہنشاہ ایران نے اپنے روٹس ''سائرس دی گریٹ'' میں تلاش کیے۔ پاکستان کے محققین نے اپنے روٹس داہر، سلیوکس اور رنجیت سنگھ میں تلاش کر لیے۔

میں نے روما میں اپنے اطالوی دوستوں سے کہا تم اپنے روٹس کیوں تلاش نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا عیسائیت آ جانے کے بعد ہمارے روٹس عیسائیت میں مدغم ہو گئے اور سائنس آ جانے کے بعد ہمارے روٹس سائنس (علوم) میں منتقل ہو گئے۔

بابا جی بھی یہی فرمایا کرتے تھے کہ جب درخت کو اس کی طلب کا پیوند لگ جاتا ہے تو پھر نہ جڑ کی اہمیت رہتی ہے نہ شاخوں کی۔ ساری مخلوق اس پھل سے فیضیاب ہونے لگتی ہے جو پیوند کا ماحصل ہے۔ جڑیں، شاخیں، تنے اور پتے اس ثمر کے تابع ہو جاتے ہیں۔ جب خوش نصیب قوموں کو اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر ملکوتی پیوند سے وابستہ کر دیتے ہیں، ان کی دنیا بھی سنور جاتی ہے اور آخرت بھی سدھر جاتی ہے۔ (پیوند لگتا ہے تو اس کا سلیبس (نصاب) تبدیل ہو جاتا ہے۔

مولوی موسیٰ نے کہا ''بھائی اشفاق صاحب اپنے روٹس کی طرف جاؤ گے تو وہاں سے پھرستی کی رسم برآمد ہوگی۔ کنواری کنیا کا بلیدان ملے گا۔ مختلف چہروں والے خدا ملیں گے۔ بادشاہت کی لڑیاں ملیں گی۔ ظالموں کا راج ملے گا۔ چار برن ملیں گے۔ برہمن کشتری ویش شودر! آواگون کا چکر ملے گا۔ چلنا ہے روٹس کی طرف کیا پھر برہمن کو اور بادشاہ کو اپنے سر پر سوار کرنا ہے۔

میں نے کہا لیکن پڑھے لکھے لوگ اپنے روٹس بلکہ گراس روٹس کا بڑا ذکر کرتے ہیں۔

مولوی موسیٰ نے کہا ''اس کا ذکر وہی لوگ کرتے ہیں جن کا تعلق گھر سے ٹوٹ چکا ہوتا ہے۔ جو امید بھری نظروں والے عوام کو چھوڑ چکے ہوتے ہیں۔ جن کے پاس گرین کارڈ ہوتے ہیں۔ ترقی یافتہ ملکوں میں جائیدادیں ہوتی ہیں۔ مغرب کی سیاست سے گہرے تعلقات ہوتے ہیں اور ملٹی نیشنل کارپوریٹ میں حصہ داریاں ہوتی ہیں۔ یہ لوگ اپنی وہائٹ ہاؤس کوٹھیوں کے آبنوسی ڈرائنگ روموں میں برازیل کی کافی اور ہوانا کے سگار پیتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ جب تک اپنے ملک کی روٹس تک بلکہ گراس روٹس تک نہیں پہنچو گے یہاں کی سیاست اور معیشت سے بہرہ مند نہیں ہو سکو گے۔ ہماری پیڑھی در پیڑھی خاندانی سیاست کا راز ہی یہی ہے کہ ہم اپنے ملک کی گراس روٹس کے بہت اندر تک اترے ہوئے ہیں اور اس کے دم بدم تجزیے کا گہرا تجربہ رکھتے ہیں۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

پاکستان میں کوئی گراس روٹ کلچرل پالیسی لوگوں کو اس بات پر مجبور نہیں کر سکے گی کہ عورتیں سر پر اوڑھنیاں لیا کریں اور مرد اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔ ایسا ہوا تو معاشرے کا سب سے اہم ستون اسی روز سربسجود ہو جائے گا اور ٹیلیویژن کا ادارہ اپنے آپ ہی ختم ہو جائے گا۔

یہ مغرب نہیں مذہب کی کلچرل تفریق ہے۔

ہم میں مذہب کا فرق نہیں ہے۔ اس میں ہماری تسلیم بھی مشترکہ ہے اور رضا بھی مشترکہ لیکن ہم خط بنواتے ہیں۔ ہم ڈاڑھی کو موٹی مشین لگواتے ہیں۔ تم محرم میں روزمرہ کے کپڑے پہنتے ہو، ہم سیاہ لباس پہنتے ہیں۔ تم اپنے مولوی کو مولانا کہتے ہو۔ ہم علامہ کہتے ہیں۔ ہمارا بنیادی مذہب تو ایک ہے لیکن اس کے اندر کے کلچرل شگوفے مختلف ہیں۔ آؤ ہم چھانٹ چھانٹ کر اور بین بین کر اور چمٹی سے پکڑ پکڑ کر ان ثقافتی اختلافات کو لہرائیں اور ایک دوسرے سے لڑیں۔

تم بھی اللہ کا ذکر کرتے ہو، ہم بھی کرتے ہیں۔ تم اونچی آواز میں کرتے ہو، ہم دل میں کرتے ہیں۔ ذکر میں کوئی فرق نہیں۔ الفاظ میں کوئی تفاوت نہیں۔ ادائی میں ہمارا تمہارا کلچرل پیٹرن مختلف ہے اس لیے آؤ جھگڑا کریں۔ یہ جھگڑے تو ثقافتی اختلاف کے ہیں لیکن آؤ انہیں مذہب کے کھاتے میں ڈال دیں۔

ایک لمحے کے لیے فرض کریں کہ عالم اسلام میں صرف مذہب اور مذہب کے احکامات میں اور کلچر نام کی کوئی شے نہیں (یہ ناممکن بات سہی لیکن دلیل کے طور پر اسے مان لیں) تو پھر مذہبی جھگڑے کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے۔ سب پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ ہر رکعت میں پڑھا جانے والا مواد ایک سا ہے۔ رکعتیں ایک سی ہیں۔ سود کو سبھی حرام قرار دیتے ہیں، زنا، لحم الخنزیر حرام تسلیم کیا جاتا ہے۔ اپنا مال اپنی دولت ایثار تبہ محتاجوں میں برابر کا تقسیم کرنے پر خوشحال زندگی اور مابعد میں انعام یافتہ ہونے کا وعدہ ہے۔ شرک کفر کے درجے میں داخل ہے اور اللہ کی زمین میں فساد پھیلانا سب سے بڑا گناہ ہے لیکن ان مذہبی احکامات کے ساتھ کلچر کی نکالی ہوئی باریکیاں نہ ہوں تو پھر کوئی جھگڑا ہی نہیں۔

ایک توجہ طلب بات یہ کہ مذہب (خاص طور پر اسلام) ترقی کی طرف لے جاتا ہے اور کلچر رجعت کے الٹے سفر کی یاد دلاتا ہے۔

مذہب کہتا ہے سچ بول پورا تول، انصاف کر، اللہ رسول کو مان، الیف سیکسٹین اڑا۔

کلچر کہتا ہے وہ بھی کیا زمانہ تھا نمبردار کا رنگیل گڈا ہوتا اس میں بیبیاں بیٹھ کے ترنجان کو جاتیں۔ صبح کا چلا ہوا گڈا دوپہر کو نیم کے چھتناروں میں پہنچتا اور دوپہر سے چل کر شام کو گھر آ جاتا۔ کیا اچھے دن تھے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مذہب کہتا ہے سچ بول' پورا تول' انصاف کر اللہ رسول کو مان' آپریشن تھیٹر میں جا۔ گردے کا ٹرانس پلانٹ کر۔

کلچر کہتا ہے نائی نے موٹا آٹا' السی کا تیل' کوار گندل' آک کا دودھ ڈال کے لپری تیار کرنی اور پھر ململ کی پٹی میں باندھ کر گردوں کے گرد لپیٹ دینی۔ چودھری صاحب نے گھڑی بھر کے لیے سو جانا۔ کیا اچھے دن تھے۔

مذہب کہتا ہے سچ بول' پورا تول۔ انصاف کر' اللہ رسول کو مان۔ چکن مانچورین کھا۔

کلچر کہتا ہے کالو کی میناﺋیں کی دیسی سرسوں ہونی۔ اس کو بیبیوں نے ہاتھ سے مروڑنا۔ گھر لے جا کر پتے الگ اور گندلیں الگ کر کے مٹی کی ہانڈی میں اپلوں کی آگ پر ہولے ہولے گلانا۔ پھر بیلن ڈال کر گھوٹا پھیرنا۔ ادرک تھوم ڈال کر تیل کا بگھار لگانا اور مکئی کی روٹی پر ڈال کر روٹی ہاتھ پر رکھ کر کھانا۔ واہ واہ۔ کیا اچھے دن تھے۔

گاؤں میں باسی روٹی' مکھن کا ناشتہ' تازہ بلوئی ہوئی لسی کے ساتھ ہوتا تھا۔ پھر ناشتہ چائے کے ساتھ ہونے لگا تو گاؤں کے کلچر پر اس کا گہرا اثر پڑا۔ چائے کی وجہ سے کھانے پکانے کے برتن تبدیل ہو گئے۔ سرپوش' رومال اور دسترخوان بدل گئے۔ اب کوکا کولا کے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ کلچر کی شکل تبدیل ہو رہی ہے۔ اب اتنی تبدیلیوں کے بعد گراس روٹس کی طرف بڑھنا اور اس کا ذکر کرنا وقت ضائع کرنا ہے۔ اس گراس روٹس کی البتہ بادشاہوں کو ضرورت ہے۔ وہ بادشاہ جو اپنے تخت و تاج کو قائم رکھنا چاہیں اور اپنی حکومت کو استحکام بخشنا چاہیں۔ لوگوں میں مقبول رہنا چاہیں' ان کو لوگوں کے جبلی جذبات بڑھکانے کے لیے ایسے شوشوں اور سلوگنوں کی ضرورت البتہ رہتی ہے۔ یہ بادشاہ چاہے آمریت کے بادشاہ ہوں چاہے جمہوریت کے بادشاہ۔ عوامی بادشاہ ہوں یا خصوصی بادشاہ۔ ماڈرن بادشاہ ہوں یا کلاسیکی بادشاہ۔ انہیں عوام الناس کے جذباتی کھلونے کو ہر وقت کلچرل چابی لگا کر رکھنی پڑتی ہے جو بادشاہ سمجھدار ہوتے ہیں وہ چابی کے بجائے اس کھلونے کو ری چارج ایبل بیٹری پر ڈال دیتے ہیں تاکہ اس میں مستقل حرکت رہے اور اس کی گردش رکنے نہ پائے۔ اس گردش میں تسلسل قائم رکھنے کے لیے کچھ علم دوست بادشاہ اپنے لوگوں کے کلچر کی ایک پالیسی طے کر دیتے ہیں جیسے امریکہ نے ایک غیر تحریری کلچر پالیسی بنا کر اپنے عوام کو مطمئن کر رکھا ہے۔ ہر کلچر کو کئی ایک شکلوں کا سامنا رہتا ہے۔ مشکل' مصیبت' کشٹ' دکھ' صدمہ' اذیت' بوجھ' وبال اللہ کا خاص عطیہ ہے۔ یہ انسان کی ترقی اور افزائش کے لیے ضروری ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو کائنات کی ساری افزائش رک جائے۔ بیج کو ہی لے لیں۔ آپ سیڈ کارپوریشن سے اعلیٰ قسم کا بیج لیں اسے صاف پانی میں بھگو کر چینی کی خوبصورت طشتری میں ایئر کنڈیشنڈ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کمرے میں رکھیں۔ اس کو پنکھی جھلتے رہیں۔ اسے گانا سناتے رہیں، گاتے رہیں۔ اس کی آرائش کرتے رہیں تو بھی کچھ نہیں ہوئے گا۔ جب تک ایک قبر بنا کر اندھیرے میں اسے دفن نہیں کریں گے، اسے اذیت سے نہیں گزاریں گے یہ اگے گا نہیں۔ یہ صورتحال کلچر کی ہے۔ کلچر کو بننے کے لیے گھٹن اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تب جا کر صدیوں بعد کسی کلچر کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

''اُٹھ فریدا سُتیا''

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں محبت بھرا اسلام پہنچے۔

یہ جو آپ کا زاویہ ہے ناں یہ عجیب وغریب رنگ دکھاتا ہے اور عجیب طریقے سے مجھ پر وارد ہوتا ہے۔ اس سے بہت سی ایسی یادیں ذہن میں ابھر آتی ہیں جو دفن ہو کر بالکل ختم ہو گئی تھیں۔ مگر اس نے بھی کمال کیا بہت پرانی' بلکہ یہی پرانی باتوں کو ایک کُکر متے کی طرح پرانے درخت کے سیلے تنے پر ابھار دیا۔ جس طرح حبس کے دنوں میں زمین سے کھمبیاں برآمد ہوتی ہیں' اسی طرح ذہن کی سرزمین سے کھمبیوں جیسے واقعات نمودار ہونے لگتے ہیں۔

جب پاکستان نیا نیا وجود میں آیا تو ہندوستان سے آنے والے مہاجروں کو عجیب بے سروسامانی کا سامنا کرنا پڑا۔ کچھ لوگ سڑک کنارے بے یارومددگار پڑے تھے اور کچھ اپنی زندگی کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے بے سروپا ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ اصل بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور ہم صرف زندہ رہنے کے لیے تگ ودو کر رہے تھے۔

ہم کو اوکاڑہ میں ایک دکان الاٹ ہو گئی کہ اس کا سامان بیچو اور اپنے خاندان کی پرورش کرو۔ اس کے بعد مستقل طور پر کچھ دیکھا جائے گا۔

ہم نے اس سے پہلے کبھی دکانداری نہ کی تھی۔ نہ ہم کو اس کا تجربہ تھا اور نہ ہی اس کا کوئی شوق تھا۔ دکان کافی بڑی تھی۔ ایک مکمل جنرل سٹور تھا اور اس کے گاہک لگے بندھے پرانے لوگ بھی تھے اور نئے بھی ان میں شامل ہو گئے تھے۔ میرے ماموں جنہوں نے سہارنپور میں ٹھیکیداری کا کام کیا تھا وہ اس کے نگران تھے۔ میرے بڑے بھائی رات کے وقت اس کی نگرانی کرتے اور رات کو دکان میں ہی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سوتے۔ وہ کراچی کچھ سامان لینے گئے تو اس دکان پر سونے کی میری ڈیوٹی لگ گئی۔

آدھی رات کے وقت مجھے یوں محسوس ہوا کہ دکان کے اندر کوئی ہے۔ میں برآمدے میں اپنی چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور کان اندر کی آہٹ پر لگا دیئے۔ اندر ضرور کوئی تھا۔ میں نے اٹھ کر دکان کے پہلو والی گلی میں جا کر دیکھا تو مدتوں کی بند کھڑکی کو کسی قدر مختلف حالت میں پایا۔ میں نے کھڑکی کے پٹ کو دھکیلا تو وہ کھلا تھا۔ اس پٹ کو پورا کھول کر میں دبے پاؤں دکان کے اندر داخل ہوا تو مجھے دکان کے اندر کے کمرے میں چور کی موجودگی کا احساس ہوا۔

پاکستان بننے کے فوراً بعد کے چور، چور ہی ہوتے تھے۔ قاتل یا موزر بردار نہیں ہوتے تھے۔ باہر کے کھمبے کی روشنی سے ہٹ کر میں چھتریوں والی الماری کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ مجھے چور کا وجود تو نظر نہ آیا مگر اس کے پاؤں کے آہٹ صاف سنائی دی۔ وہ بڑے سیف کی طرف بڑھا اور اس کا دروازہ کھول کر اس کا جائزہ لینے لگا۔ خدا کا شکر ہے اُس دن سیف میں سوائے ایک بلٹی کے اور میرے بھائی کے سیگرٹوں کے ڈبے کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا۔

چور نے مایوسی کے ساتھ سیف کا دروازہ بند کر دیا اور جب وہ پلٹنے لگا تو اس کے ہاتھ سے سولا ہیٹ گر کر ایک مرتبہ ابھرا اور پھر بیٹھ گیا۔ میں نے دیوار کے ساتھ ہاتھ پھیر کر بٹن تلاش کیا اور کھٹ سے اندر کی ایک بتی جلا دی۔ چودہ پندرہ برس کی عمر کا ایک لڑکا مجھ سے ذرا دور کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ میں نے اُس کو پہچان لیا وہ انبالے کے سید گھرانے کا ایک خوبصورت نوجوان تھا جس کے والد وکیل تھے لیکن ان کی وکالت چل نہیں رہی تھی اور وہ گھرانہ بڑی عسرت اور تنگدستی کی زندگی گزار رہا تھا۔

میں نے قدرے اونچی کی آواز میں جھڑک کر کہا "میں نے تمہیں پہچان لیا ہے اور تم کو پولیس کے حوالے کرنے کے لیے اسی وقت تھانے لے جا رہا ہوں۔"

اس نے گڑگڑا کر کہا "مجھے معاف کر دیجیے جناب عالی میں چور نہیں ہوں۔"

میں نے کہا "پکڑے جانے پر چور یہی کہا کرتا ہے۔ تم بالکل چور ہو اور تھانے والے ابھی تم سے سب کچھ اگلوالیں گے۔ کیا آج دوپہر تم ہماری دکان پر نہیں آتے تھے؟"

"میں بالکل آیا تھا جناب عالی اور جاتے ہوئے میں نے یہ کھڑکی اندر سے کھول دی تھی۔"

"یہ سب کچھ تم نے چوری کی غرض سے کیا اور اس غرض سے رات کے اندھیرے میں اندر بھی داخل ہوئے اور تم نے یہ سامنے پڑا ہوا سولا ہیٹ بھی چرایا جو تمہارے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر گیا ہے۔"

اس نے کہا "آپ نے ٹھیک کہا۔ میں نے یہ سب کچھ کیا ہے لیکن میں چور نہیں ہوں۔"

میں نے آگے بڑھ کر اس کا کان پکڑ لیا اور کہا "یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی تم کہتے ہو کہ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

'میں چور نہیں ہوں'۔ ابھی جب تمہارے والد کو تھانے بلا کر ان کے سامنے تمہاری چھترول کی جائے گی تو تم بلبلا کر کہو گے میں چور ہوں۔ مجرم ہوں اور پرانا عادی چور ہوں۔"

اس نے سر جھٹک کر کہا "نہیں جناب عالی میں چور نہیں ہوں۔"

میں نے کہا "وہ کس طرح؟"

اس نے کہا "میں نے یہ ہیٹ اپنے چھوٹے بھائی ظفر کے لیے چرایا ہے جو سولا ہیٹ پہن کر عید پڑھنے عید گاہ جانے پر ضد کر رہا ہے۔"

میں نے کہا "وہ کتنا چھوٹا ہے؟"

بولا "مجھ سے تین سال چھوٹا ہے اور اس نے آتے جاتے یہ سولا ہیٹ آپ کے شوکیس میں دیکھا ہے۔ ابا جی نے اسے یہ ہیٹ لے کر دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ بیمار پڑ گئے اور کمائی نہ کر سکے۔"

میں نے کہا "وہی پرانی غم انگیز کہانی۔ لوگوں کا دل غم آلود کرنے والی۔ یہ میں نے کئی مرتبہ سنی ہے ہزار مرتبہ پڑھی ہے۔"

اس نے کہا "یہ کہانی نہیں ہے یہ حقیقت ہے لیکن چونکہ یہ ظفر کی آخری عید ہے' اس لیے میں یہ ہیٹ چرانے پر مجبور ہو گیا۔"

جب میں نے اس سے آخری عید کی وضاحت چاہی تو اس نے سر جھکا کر روتے ہوئے کہا "میرا بھائی کسی ایسے مرض میں مبتلا ہے جس کی بنا پر وہ زیادہ سے زیادہ چھ مہینے اور جی سکے گا۔ ہم اسے لاہور بھی لے گئے تھے۔ وہاں تین مرتبہ اس کا بلڈ ٹیسٹ ہوا تھا۔ وہاں کے ڈاکٹروں نے بھی یہی بتایا ہے۔ میں اس کی آخری خواہش پوری کرنا چاہتا تھا۔"

میں نے کہا چلو میں نے تمہاری یہ کہانی تو سچ مان لی لیکن پھر تم نے دکان کا سیف کیوں کھولا؟ کھولا تھا کہ نہیں۔

اس نے کہا "کھولا تھا مگر میں نے کچھ چرانے کی غرض سے نہیں کھولا تھا۔ بیشک آپ چل کر دیکھ لیں۔ میں نے اُس میں سے کچھ بھی نہیں لیا۔"

میں نے کہا "وہ تو اس کے اندر کچھ تھا ہی نہیں۔ تم کدھر سے لیتے۔ وہ تو ہماری قسمت تھی کہ اس میں سے کل ہی میرا بھائی دس ہزار لے کر کراچی گیا ہے۔"

اس نے پھر ڈھٹائی سے کہا "میں سچ کہتا ہوں جناب عالی میں نے اسے کچھ چرانے کی غرض سے نہیں کھولا تھا۔"

"تو پھر کس لیے کھولا تھا۔" میں نے کڑک کر کہا۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

''میں نے اُس میں کچھ رکھنے کے لیے کھولا تھا۔''

اس کی بات کا جائزہ لینے کے لیے میں نے پلٹ کر سیف کھولا تو اس میں عین سامنے جارج ششم کا ایک روپیہ پڑا تھا۔

اس نے کہا ''میں نے اپنی طرف سے ہیٹ کی یہ قیمت رکھی تھی کہ کسی نہ کسی طرح سے باقی سات قسطیں بھی ادا کر دوں گا لیکن میں پکڑا گیا۔''

میں نے واپس اُس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا ''یہ ٹھیک ہے کہ تمہاری نیت خراب نہیں تھی لیکن تم نے جو کچھ بھی کیا غلط کیا۔ اصولی طور پر یہ چوری ہی تصور کی جائے گی۔ اب تم کو اس دکان کے بقیہ سات روپے ہی واپس نہیں کرنے ہیں بلکہ ہر ہفتے میرے سامنے پیش ہو کر اس گناہ کا اعتراف بھی کرنا ہے۔''

وہ حیران ہو کر میرے منہ کی طرف دیکھنے لگا تو میں نے کہا ''تھانے میں ''بستہ ب'' والوں کے نام اور ان کی تصویریں آویزاں ہوتی ہیں۔ آج سے تم ''بستہ ب'' کے مجرم ہو اسی لیے ہر جمعرات کو تمہیں میرے سامنے پیش ہونا ہے۔'' اس نے کہا ٹھیک ہے۔

پھر میں نے جھک کر زمین سے سولا ہیٹ اٹھایا کہ اسے دوں۔ جھکنے سے میری جیب سے سگرٹوں کا پیکٹ اور بٹوہ فرش پر گر گئے۔ میں نے سولا ہیٹ اُسے دیا اور سگرٹوں کا پیکٹ اور اپنا بٹوہ جلدی سے اٹھا کر جیب میں ڈالا۔

میں نے حال ہی میں سگریٹ نوشی شروع کی تھی اور اپنے بڑے بھائی کے سگریٹ کھسکا کر پی رہا تھا۔ جب وہ کراچی مال لینے گئے تھے تو میں نے نوٹوں سے سو روپے کا ایک نوٹ بھی کھسکا لیا تھا۔ میری ضرورتیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

جب وہ اپنے بھائی کا تحفہ سولا ہیٹ لے کر کھڑکی کی جانب چلا تو میں نے اُسے روک کر کہا ایک منٹ ٹھہرو۔ وہ رکا اور میری طرف پلٹ کر رحم بھری نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا جمعرات کے جمعرات ''بستہ ب'' کے مجرموں کی حاضری دو طرفہ ہو گی۔ ایک جمعرات تم میرے روبرو پیش ہوا کرو گے۔ ایک جمعرات میں تمہارے روبرو حاضر ہوا کروں گا۔ اس نے حیرانی سے میری طرف دیکھا لیکن مجھ سے کچھ پوچھا نہیں مبادا میں اس پر کوئی اور حکم لاگو کر دوں۔

پھر ہم باقاعدگی کے ساتھ ہر جمعرات باری باری سے ایک دوسرے کے سامنے پیش ہوتے رہے اور پوری سات جمعراتیں ہم نے اس طرح سے گزار دیں۔ پاکستان نیا نیا بنا تھا۔ اُس زمانے میں ہم سچے بھی تھے اور اچھے بھی۔ ہم اپنے ملک کو دنیا کی نظروں میں ارفع و اعلیٰ ملک دیکھنا چاہتے تھے۔

چھوٹے بڑوں سے سیکھتے ہیں اور بڑوں کی نقالی کرتے ہیں۔ میرے ماموں کو اپنے دفتر میں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کچھ مشکلات کا سامنا تھا۔ ان کی اپنی باس سے نہیں بنتی تھی اور جن ملازموں کی باس سے بنتی تھی وہ بھی ماموں کو اچھے نہیں لگتے تھے۔ میرے ماموں اپنے افسر کے خلاف اور اپنے ساتھیوں کے خلاف گمنام خط لکھا کرتے تھے اور اس میں ان کی برائیاں بڑی تفصیل سے بیان کیا کرتے تھے۔ اکثر ان کے یہ خط میں پوسٹ کر کے آتا تھا اور مختلف ڈاکخانوں سے کرتا تھا کہ یہ احساس نہ ہو کہ یہ سارے خط ایک ہی Source سے آتے ہیں۔

ماموں کی دیکھا دیکھی میں نے اور گوردیال نے بھی گمنام خط لکھنے کا ڈول ڈال دیا۔ سب سے پہلا ماسٹر کھچو کو لکھا۔ یہ بڑا ہی ظالم ماسٹر تھا۔ کندھے کے نیچے ڈولے میں اس زور کی چٹکی کاٹتا کہ بازو کی بوٹی ہی نکال لیتا۔ ہم نے اس کے لیے بہت ہی محبت بھرا خط لکھا جس میں چٹکی کاٹنے کے عمل کی روح پرور تفصیل بتا کر یہ درخواست کی گئی تھی کہ وہ چٹکی کی کاٹ پچاس فیصد کم کر دیں۔ ہم بہتر طالب علم بن جائیں گے۔

ہم نے محبت بھرے گمنام خط لکھنے شروع کر دیئے۔

ہمارے ایک دوست تھے۔ بہت بڑے طبیب اور بہت بڑے طبیب خانوادے کے فرزند۔ شاعر بھی تھے اور جوہر شناس بھی۔ باتیں بہت خوبصورت کرتے تھے۔ ان میں تجربہ بھی ہوتا' مطالعہ بھی' منطق بھی اور لوک دانش بھی۔ ان کا نام جمال سویدا تھا اور میں اکثر ان کی محفل میں شریک ہوا کرتا تھا۔

چونکہ وہ ایک بڑے جوہری تھے اور ہیروں کے اندر' باہر ذات اور صفات کا علم رکھتے تھے اور ان کے مزاج اور اثرات سے واقف تھے۔ اس لیے ان کی باتیں سن کر اور بھی حیرانی ہوتی۔

جمال سویدا صاحب نے بتایا کہ اگر بڑے ہیروں کے ساتھ چھوٹے اور کم قیمت ہیروں کو ایک مخصوص تھیلی میں ڈال کر رکھا جائے تو کم قیمت اور چھوٹے ہیروں میں بھی بڑے ہیروں جیسی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن کے اندر کوئی رنگ نہیں ہوتا ان میں بڑے ہیروں کی رنگت کا بھی مستقل چلن ہو جاتا ہے۔ (جھولا پڑنے لگتا ہے)

ہمارے گاؤں میں ایک اندھا فقیر صبح سویرے ایک صدا لگاتا ہوا گزرا کرتا تھا۔ ''اٹھ فریدا ستیا تے اٹھ کے باہر جا' جے کوئی بخشیا مل گیا تے توں وی بخشیا جا۔'' مجھے اس وقت اس کی بات بڑی بے معنی لگتی تھی لیکن جمال سویدا کی گفتگو کے بعد اور ہیروں کی آپس کی صحت کے بعد یہ راز کھلا کہ قربت انسان کو کس طرح بدل دیتی ہے۔

انہوں نے بتایا کہ ہیرا بڑا ہو یا چھوٹا وہ اصل میں ایک سنگ معدنی ہی ہوتا ہے' پتھر کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ جب تک وہ تراشا نہ جائے وہ ہیرا نہیں بنتا اور وہ روشنی نہیں چھوڑتا جو اس کے اندر مقید ہوتی ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اعلیٰ درجے کے ہیرا تراش سری لنکا کے لوگ ہیں۔ خدا نے ان کو اس کام کی بڑی صناعی عطا کی ہے۔

میرے اندر ایک بڑی خرابی ہے۔ خرابیاں تو اور بہت سی ہیں لیکن یہ سب سے بڑی خرابی ہے۔ ساری خرابیوں کی Head of the wept کہ میرے اندر کدورت بہت ہے۔ ایک مرتبہ کسی کے خلاف کوئی گانٹھ بندھ جائے تو کھلتی نہیں۔ اس میں کچھ میرے پیشے کا بھی تعلق ہے۔ ادیب لوگ دوسرے کی زیادہ تعریف ہونے پر حسد سے جل جاتے ہیں۔ وہ شخص ہی اچھا نہیں لگتا حالانکہ اُس نے آپ سے کچھ کیا نہیں ہوتا۔

بس میں سفر کرتے وقت سامنے کی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی ویسے ہی برا لگنے لگ جاتا ہے حالانکہ وہ بڑے آرام سے گودی میں دونوں ہاتھ رکھ کر بیٹھا ہوتا ہے۔

جمال سویدا صاحب نے کہا جو آدمی برا لگتا ہے اس میں کوئی خرابی نہیں ہوتی اصل میں وہ سنگ معدنی Uncut ہیرا ہوتا ہے۔ اس کی روشنی اس کے اندر مقید ہوتی ہے۔ اگر اس کو کوئی اچھا سا الماس تراش مل جائے تو وہ ایسا درخشندہ ہو جائے کہ آپ اس کی روشنی کی تاب نہ لا سکیں۔ ہر Cell کے اندر روشنی موجود ہوتی لیکن جب تک اس کے آگے بلب نہیں لگے گا اس کی روشنی واضح نہیں ہوگی اور یہ بلب ایک بندہ ہی عطا کرتا ہے۔ ''اٹھ فریدا ستیا تے اٹھ کے باہر جا' جے کوئی بخشیا مل گیا تے توں وی بخشیا جا۔''

بعض اوقات نہیں اکثر اوقات ہم کسی بھی شخص کو شک کی نظروں سے دیکھنا شروع کر دیتے ہیں اور ہمیں وہ چور نظر آتا ہے۔ اگر ہمیں اس پر یہ شک ہو کہ وہ چغلی خور ہے تو وہ ہمیں چغلی خور ہی دکھائی دیتا ہے۔ اگر ہم کسی کے بارے میں رائے قائم کر لیں وہ بڑا ہی اچھا شخص ہے تو بلاشبہ وہ نہایت اچھا آدمی بن جائے گا۔ بس یہی طرز عمل اختیار کرنے کی اشد ضرورت ہے تو پھر ہم سات جمعراتیں ایسے ہی ملیں گے اور عام پتھر سے قیمتی پتھر بن جائیں گے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سائنسی ملوکیت

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں محبت بھرا اسلام پہنچے۔

میں نے اس پر خوب غور کیا ہے اور کافی توجہ دی ہے۔ میرا مشاہدہ ہے کہ تشکیک زندہ ہے اور تحقیق مردہ ہے۔ جو بات پایہ تحقیق کو پہنچ گئی اور اس کی بات فلسفیوں اور دانشوروں اور سائنس دانوں نے طے کر دیا۔ سو ہتھ رسہ سرے پر گانٹھ دے دی وہ بات ختم ہو گئی اور مر گئی لیکن جس کے بارے میں شک کیا جا رہا ہے، کچھ لوگ مانتے ہیں کچھ اس کو وہم اور بکواس خیال کرتے ہیں۔ وہ بات زندہ ہے اور پروان چڑھ رہی ہے اور ہر عہد کے لوگوں کے لیے ایک چیلنج بن کر کھڑی ہے۔

The evermore rigorous application of the scientific method to all subjects and disciplines have destroyed even the last remnants of ancient wisdom.

اس وقت بڑے اعلیٰ درجہ کی سائنٹفک زبان میں اور نہایت زوردار فقروں میں باتیں کہی جا رہی ہیں کہ اقدار اور معانی سوائے Defence Machine کے اور کچھ نہیں۔ یہ رجعت پسندی اور ری ایکشنری ذہنوں کی پیداوار ہیں۔ ایسے فقروں، اس قسم کے بیانوں اور ایسی تحریروں کا جو سائنس کے نام پر وضع کی ہیں کوئی کیا جواب دے سکتا ہے۔

لوگ روٹی مانگتے ہیں اور اس کے بدلے ان کو بلوے اور ہنگامے عطا کیے جاتے ہیں۔ انہیں حق مانگنے کے نعروں پر اکسایا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کو روٹی دینی چاہیے۔ لوگ ''بینتی'' کرتے ہیں کہ انہیں بتایا جائے کہ وہ کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں، کیسے بقا حاصل کر سکتے ہیں، کیسے Save ہو سکتے ہیں اور ان

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کو بتایا جاتا ہے کہ یہ بقا اور دائمیت بکواس ہے۔ اس کی حقیقت Infantile Humour سے زیادہ نہیں۔ ان کی آرزو ہے کہ ان کو سمجھایا جائے کہ انسانیت سے اور شرافت سے اور صداقت کے ساتھ کس طرح زندگی بسر کی جاسکتی ہے اور انہیں سمجھایا جاتا ہے کہ تم مشین ہو جس طرح کمپیوٹر ہوتے ہیں اس طرح کے آلات ہو۔ نہ تمہارا کوئی اختیار ہے' نہ تمہاری کوئی ذمہ داری ہے۔ بس تمہیں کام کرتے رہنا ہے۔ محنت کرتے رہنا ہے۔

کئی صدیاں مذہب کی حکمرانی کے بعد اب ایک نیا اور زیادہ خوفناک دور آیا۔ گزشتہ تین صدیوں سے ''سائنسی ملوکیت'' کا دور چل رہا ہے۔ اس نے لوگوں کو اپنے مرکز سے اکھاڑ دیا ہے۔ ایک بے مقصد بے مرکز گروہ پیدا کر دیا ہے جس کی باگ ڈور زیادہ تر نئی نسل کے ہاتھ میں ہے۔ اس عمل سے کرہ ارض کی ساری انسانیت کسی بھی شدید بحران کا شکار ہو سکتی ہے۔

آج کی زندگی یوں ہے جیسے ہم کسی غیر ملک میں ہوں۔ کسی اجنبی جزیرے میں ہوں اور زندگی ہم پر تھوپی جا رہی ہو۔ ہماری مرضی کے خلاف' ہم سے پوچھے بغیر۔ ہم کو ریڈی کیے بغیر' ہم کو ایسے فیصلے کرنے پڑتے ہیں جن کے لیے ہم تیار نہیں ہوتے۔ ہم کو ڈاکٹر' انجینئر بن جانا پڑتا ہے کیونکہ وقت کے تقاضے اس قسم کے ہیں۔ یا جس وقت تک ہم کسی نتیجے پر پہنچتے ہیں یا پہنچ سکتے ہیں' اس وقت تک ہم ڈاکٹر یا انجینئر یا میکینک یا آرکیٹیکٹ بن چکے ہوتے ہیں۔ جب ہم فیصلہ کر کے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہم کو اپنے بوڑھے والدین اور اپنے جوان ہوتے بچوں کے درمیان رہنا چاہیے' اس وقت تک ہم کینیڈا یا کویت یا انگلستان یا دوبئی' شارجہ پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ یہ عمل نوجوانی یا جوانی میں ہی نہیں ہوتا ساری زندگی جاری رہتا ہے اور ہم حیوانوں اور چوپایوں کی طرح یقین اور اعتماد کے ساتھ اپنے کھروں پر ایستادہ نہیں ہوتے۔ ہر وقت ڈگمگاتے رہتے ہیں۔

میں کیا کروں؟

یا..... میں کیا کروں کہ اپنے آپ کو بچا کر اور سنبھال کر رکھ سکوں؟

دیکھو میں تمہیں اس کا جواب بتاتا ہوں۔ پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے۔ پھر میں تمہیں وہ طریقے بتلاؤں گا جن سے وہ چیز حاصل ہو سکے۔

''یہی تو مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ شاید میں زندگی کی خوشیاں چاہتا ہوں۔ آنند کا طلبگار ہوں۔''

''اچھا پھر یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنے آپ کو خوش رکھنے کے لیے کن چیزوں کی ضرورت ہے؟''

''مجھے کیا معلوم میں تو بس خوش رہنا چاہتا ہوں۔''

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

''تو پھر سنو تمہارے خوش رہنے کے لیے تمہیں دانش کی ضرورت ہے؟''

''یہ دانش کیا چیز ہے؟''

''تو پھر تم کو حقیقت کی تلاش ہے۔ایسی سچائی کی تلاش جو تم کو آزاد کردے۔''

''لیکن سچائی کیا ہے جو ہم کو آزاد کردے۔ یہ کہاں مل سکتی ہے؟ کس کے ہاں دستیاب ہے؟ کون میری رہنمائی کرسکتا ہے کہ سچائی کہاں ہے۔کم از کم دور کھڑا ہو کر ہاتھ کے اشارے سے ہی بتا دے کہ سچائی اس طرف کو ہے؟''

The traditional wisdom had considered the human as weak but, open-ended, that is capable of reading beyond itself towards higher and higher levels. Its voltage may be low but, its amperes are quite high., They can produce heavy spark if applied at a proper time.

مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتا کہ اس زندگی کے ساتھ۔ یہ جیون جو مجھے میری مرضی کے خلاف مل گیا ہے اس کے ساتھ کیا کروں۔

پاسکل نے کہا:

"Man wishes to be happy and only exists to be happy and cannot wish not to be happy."

کانٹ نے کہا: انسان کو پتہ ہی نہیں کہ وہ کیا چاہتا ہے اور وہ یقین کے ساتھ کہہ بھی نہیں سکتا کہ اس کو کون سی چیز خوشی عطا کرے گی۔آنند بخشے گی۔

روایتی دانش اور جتکی بات کا خیال ہے: انسان کی خوشی کا سارا دارومدار بلندی حاصل کرنے پر ہے۔ارفع خصوصیات پیدا کرنے پر ہے۔اونچی ارفع اور افلا کی فلاسفی تلاش کرنے پر۔خدا کے درشن کرنے پر ہے!

اگر انسان نیچے کی طرف جاتا ہے اور اپنی Lower خواہشات اور سفلی خصوصیات استوار کرتا ہے تو وہ حیوانوں اور مویشیوں کی سطح پر آجاتا ہے اور یہ چیز اس میں حزن اور ملال پیدا کردیتی ہے۔اس کو ناخوشی سے بھر دیتی ہے۔وہ اتھاہ مایوسیوں کا اور مستقل مریض بن جاتا ہے۔ یہ کوئی روحانی بات نہیں۔اوپر اٹھنے اور اونچا جانے کی خواہش موڈرن انسان میں بھی ہے جو روحانیت پر اور مذہب پر ایمان نہیں رکھتا۔وہ دولت حاصل کرکے دوسروں سے اونچا ہونا چاہتا ہے۔علم حاصل کرکے دوسروں

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سے ارفع ہونا چاہتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے زور پر ترقی یافتہ کہلانا چاہتا ہے۔ آسمانوں پر کمندیں ڈالنا چاہتا ہے۔ خلا میں ابھر کر چاند تک پہنچ جانا چاہتا ہے۔

انسان اور حیوان میں ایک شے مشترک ہے اور وہ ہے لذت حاصل کرنے کی خواہش۔ The enjoyment of pleasure۔ انسان زیادہ تر اس کو جسمانی زندگی اور نفسی حرکتوں کے ساتھ حاصل کرتا ہے۔

میرے ماڈرن دوست اور میرے ترقی پسند قاری اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ ہوں گے کہ آنند صرف ان طریقوں سے حاصل ہو سکتا ہے اور ان راہوں پر چل کر مل سکتا ہے جن سے ماڈرن لوگ قطعی طور پر نا آشنا ہیں۔ میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جب تک بلندی اور رفعت اور اونچائی کہ جسے حاصل کرنے کے لیے انسان تڑپتا ہے' اپنے وجود میں خصوصی Qualitative نہیں ہو گی محض بلندی حاصل کرنے اور سیدھے اوپر کو نکل جانے سے کچھ نہیں ہو گا کیونکہ اونچائی محض جسمانی اونچائی اور چاند تک پہنچنے کا نام نہیں ہے۔

اس وقت سائنسی نمونہ یا سائنسی نقشہ جو ساری دنیا پر حاوی ہے نیوٹن کی فزکس Newtonian Physics کارٹیسے کی منطق اور ڈارون کی حیاتیات ہے۔ اس نقشے اور نمونے کے اندر ایٹم کو پھاڑا گیا۔ چاند پر چہل قدمی کی گئی۔ پرانے دلوں کی مرمت کی گئی یا ان کی بدلی کی گئی اور لوگوں نے آواز سے بھی تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرنا شروع کیا۔ ایسی چیزوں کو ترقی کا نام دیا جاتا ہے اور اس کو ترقی کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ لوگ خوش ہیں لیکن کوئی بھی ان چیزوں سے واقف نہیں ہے۔

لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ انسان کی اخلاقی ترقی کے بغیر کوئی ترقی صحیح معنوں میں ترقی نہیں۔ اخلاقی ترقی کے بغیر صرف سائنسی ترقی بڑی خطرناک اور ہولناک ہو جاتی ہے اور انسانی گرفت سے نکل جاتی ہے۔ یہ بات کہی تو بڑی دیر سے جا رہی ہے اور بار بار کہی جا رہی ہے لیکن اس پر عملدرآمد نہیں ہوتا۔ ہم طبعی زندگی کو اور اس کے ہزاروں لاکھوں برس پرانے ٹھکانوں کو ایک نیوکلیئر پلانٹ سے بھسم کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو سکا تو اقتصادی ترقی (Economic Development) سے اس کو برباد کر سکتے ہیں۔ فراوانی اور تکنیکی ترقی جو کچھ کے لیے طاقت اور آسودگی کا سامان فراہم کرتی ہے' دوسرے بے شمار لوگوں کے لیے' اکتاہٹ' سختی' مشقت' ابتذال اور بے مروتی پیدا کرتی ہے۔ دنیا کی کثیر آبادی' بے گھر' بے در اور بے رزق زندگی بسر کر رہی ہے اور غربت اور افلاس صنعتی سوسائٹیوں کے دلوں کو چیر کر اندر گھس رہا ہے اور ان سوسائٹیوں میں نئی طرز کے بے کار' بے امید اور بے نام و نشان لوگ نوکریوں' ملازمتوں اور معاش سے پرے جنم لے رہے ہیں۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

یہ زمانہ ایک بہت بڑی تبدیلی' ایک بڑے انقلاب کا منتظر ہے لیکن تبدیلی اپنے بھرپور انداز میں ایک تخلیقی قوت بن کر صرف انفرادی سطح پر آیا کرتی ہے۔ تو کیا فرد واحد کی وجہ سے گروہ میں تبدیلیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ ضرور ہو سکتی ہیں' ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ فرد اور گروہ ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور یہ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔

یکجائی' تمامی اور خود مختاری (Autonomy) کلیدی تصورات ہیں۔ ایک دوسرے سے وابستہ ہیں' الگ نہیں۔ خود مختاری کے بغیر یکجائی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور کل تمام اور سالم کے بغیر خود مختاری بے معنی شے ہے۔ اس کے بغیر خود مختاری موجود ہے تو پھر یوں سمجھ لیجیے کہ یہ مصنوعی خود مختاری ہے جو صاف سوسائٹی کی پیداوار ہے۔ ایک ایسی خوشی ہے جو سر کنڈوں کی اوٹ میں اور کار کے اندر پردے کھینچ کر حاصل کی جا رہی ہے۔

صرف ایک مکمل اور آزاد شخص ہی کام کر سکتا ہے۔ Act کر سکتا ہے۔ وہی مدافعت کر سکتا ہے۔ وہ رک کر چل سکتا ہے۔ کوئی نئی شے تعمیر کر سکتا ہے۔ مکمل اور Whole ہونے کی صورت میں ہی اس کو یہ راز سمجھ میں آ سکتا ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کی دوڑ لوگوں کی ناسمجھی' کم فہمی اور کوتاہ اندیشی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ایک مادہ پرست سرمایہ دار' مصرف اور Competitive سوسائٹی ہی اس کی ذمہ دار ہے۔ جب ہر قسم کی اکانومی کو بڑھنا اور پھلنا پھولنا ہوگا تو موجود ذرائع ضرور سکڑیں گے۔ اگر مسلسل گروتھ کا عمل جاری رکھنا ہے تو پھر یہ عمل منطقی طور پر اسی طرح ختم ہوگا جیسے برطانیہ کا جزیرہ اسفالٹ میں ڈوب گیا۔ اگر خوشی کسی ایک فرد کے لیے فراہم کی جائے گی اور ایک فرد کو شخصی آزادی عطا کرنے کا اہتمام کیا جائے گا تو پھر ایک اور شخص دنیا کے کسی بھی کونے میں کسی بھی علاقے میں غم سہنے پر ضرور مجبور ہوگا۔

ثبوتی سوچ کی طرف پیش قدمی اس بات کی دلیل ہے کہ انسان میں خود شناسی کا جوہر پیدا ہو رہا ہے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

علم، فہم اور ہوش

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں محبت بھرا اسلام پہنچے۔

اس دنیا میں کسی شخص کو بھی مردانگی اور شخصیت بنی بنائی عطا نہیں کی جاتی۔ یہ ایسی شے ہے جو اسے خود تیار کرنی پڑتی ہے۔ اپنی محنت سے بنانی پڑتی ہے لیکن یہ رحمت بھی ہے اور زحمت بھی۔ رحمت اس لیے کہ اپنے آپ بنانے اور اپنی تعمیر کرنے کے لیے یہ عمل آزاد ہے اور زحمت اس لیے کہ اندیشہ ساتھ ساتھ لگا رہتا ہے کہ اپنے آپ کو بنائے بغیر اور اپنی تعمیر کیے بغیر کہیں فوت ہی نہ ہو جائیں۔

اس زندگی میں خود شناسی اور خودنگری ہی سب سے بڑا عمل ہے۔ یہ نہ ہو تو انسان ایک مشین سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا...... جو شخص خوابیدہ ہے وہ ایک نہیں بلکہ بہت سے اشخاص کا مجموعہ ہے۔ وہ ایک گروہ ہے، ایک انبوہ ہے۔ انسان کے اندر کئی اذہان ایک ساتھ مصروف عمل ہوتے ہیں اور بہت سارے اذہان اور بہت سارے گروہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ ایک گروہ کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا۔ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکتا۔ لازم ہے کہ ہم ایک ہو کر ایکتا ہو کر رہیں۔ کثیر المقاصدی ترک کر دیں۔ ہمیں اپنی ذات کا شعور ہونا چاہیے۔ پھر ہی ہم ردِّعمل سے عمل کی طرف لوٹ سکیں گے۔ یوگی اس ایکتائی کو اپنے مرکز کے حصول کا نام دیتا ہے۔

موت زندگی کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے۔ موت پیدائش کے عمل کا ایک اہم جزو ہے۔ موت اچانک اور آناً فاناً وارد نہیں ہوتی۔ پیدائش اور موت زندگی کے دو پول ہیں۔ لیکن اس پیدائش سے ماورا ایک اور بڑی زندگی بھی ہے۔ جب تک اس کا حصول نہیں ہوگا ہم تباہ ہو جائیں گے اور مارے جائیں گے۔

عام زندگی کا چالو دھارا اور چکر وار حرکت ہم کو کبھی بھی چوٹی کی طرف نہیں لے جاتی۔ آنندکی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

طرف اور روشن فکری کی طرف نہیں لے جاتی۔ یہ ایک ازلی قانون ہے کہ کوشش کے بغیر ہر شے گر جاتی ہے۔ موت بن بلائے آ جاتی ہے۔ لیکن زندگی کو بلانا پڑتا ہے۔ دعوت دینی پڑتی ہے۔

اگر کوئی شخص مجھے نہ جانے اور نہ پہچانے تو مجھے کوئی افسوس نہیں لیکن اگر میں خود کو نہ جانوں اور نہ پہچانوں تو مجھے بہت افسوس ہوگا۔ اس دنیا میں تقریباً سبھی لوگ اپنے آپ کو جاننے کی کوشش نہیں کرتے۔ وہ اپنے آپ کو دوسروں کی نظر سے پہچانتے اور انہی کی نظر سے جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی تاریک سے تاریک تر ہوتی چلی جارہی ہے۔ تم اپنے اردگرد کس طرح سے روشنی پھیلا سکتے ہو جب تم اپنے آپ ہی کو نہیں جانتے۔

کیا تم اپنے نفس کو خود کو جاننا چاہتے ہو۔ اس کی اصل معلوم کرنا چاہتے ہو؟ اس کا ایک آسان سا نسخہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے "ناخود" کو اپنے Non-Self کو جاننے کی کوشش کرو' اس کو سمجھو۔ اس کو بکھاؤ۔ پھر اس سے پوری پوری واقفیت حاصل کرو۔ اس کا ادراک پیدا کرو۔ آہستہ آہستہ ہر شے معدوم ہو جائے گی اور اس کے نیچے سے چڑیا کے بوٹ جیسا Self نکل آئے گا۔ وہ خالی خولی' سادا مرادا' بالکل پھوکا ہوگا اور یہ تھوتھا ہی بھرپور ہوگا۔ تھوتھا ہی اصل عین ہوگا۔

جاننا چاہیے کہ ذہن یا خاطر (Mind) وہ نوکر ہے جس نے اپنے مالک کے گھر پر اس کی غیر موجودگی میں قبضہ کر رکھا ہے۔ کیا یہ نوکر چاہے گا کہ اُس کا مالک واپس آ جائے! وہ اپنے مالک کی واپسی بالکل پسند نہیں کرے گا۔ ایسے ایسے حیلے اور ایسی ایسی ترکیبیں سوچتا رہے گا کہ گھر کا مالک واپس گھر نے آسکے۔ اس کے بہانوں اور ترکیبوں میں سب سے بڑی ترکیب یہ ہوگی کہ وہ خود کو ہی گھر کا اصل مالک سمجھنے لگ جائے اور خود ہی سب کو بتاتا پھرے کہ وہ ہی بلا شرکت غیرے مالک ہے۔ چنانچہ ذہن یا خاطر یا Mind کبھی بھی شعور کو اور Consciousness کو اندر داخل ہونے نہیں دے گا جو اصل مالک خانہ ہے لیکن اگر شعور کو گھر واپس لانا چاہتے ہیں اور حقدار کو اس کے مکان کا قبضہ دلانا چاہتے ہیں تو پھر Mind کو Relax کرنے کا طریق اپنا لیں۔ اس کو کارکردگی اور عمل سے نکال لیں۔ اسے خالی کر دیں' کھلا چھوڑ دیں۔ اس کو نیوٹرل کلچ میں ڈال دیں۔ اس کی موت واقع ہونے لگے گی اور جونہی اس کی موت واقع ہوگی گھر کا قبضہ اصل مالک کو مل جائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے نفس کو فتح کرنا بہت ہی مشکل کام لیکن اس سے بڑی بھی اور کوئی حقیقت نہیں کہ اپنے نفس کے بجائے انسان اور کس شے کو فتح کر سکتا ہے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی سن لو کہ جس نے نفس کو فتح کر لیا اس کے لیے باقی کی ساری چیزیں خود بخود مغلوب ہو گئیں اور یاد رکھو کہ اس دنیا میں بس ایک ہی فتح ہے اور ایک ہی شکست۔ اپنے نفس سے اس کے ہاتھوں ہزیمت کھانا شکست

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہے اور اپنے نفس پر اُسی کے ہاتھوں حکمرانی کرنا فتح ہے۔

علم کہتا ہے میں بالکل خالی ہوں اور تھوتھا ہوں اور خلا ہوں اور اس خلا کے اندر ہی خدا ہے۔

جہل کہتا ہے میں بھرا ہوا ہوں۔ بھاری ہوں اور میں خود ہی خدا ہوں۔ یہ تکبر، جہل کو ہمیشہ بیکار، بے معنی اور بے حقیقت رکھتا ہے۔

عظمت سے زیادہ آسان اور کوئی شے نہیں: اور آسانی ہی عظمت ہے۔

اخلاق کا ایک طے شدہ مجموعہ مذہب نہیں ہوتا لیکن مذہب یقیناً اخلاق ہی ہوتا ہے۔ اخلاقی ضابطہ یا مورل ایک خاکے اور نقشے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ چند اصول اور ضوابط ہوتے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔ یہ باہر سے عائد کیا ہوا ایک حکم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ''اخلاقی آدمی'' کبھی بھی فارغ نہیں ہوتا۔ ایک مشین کی طرح چلتا جاتا ہے اور اس ضابطے پر اس کا انحصار بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اس سے اس کا شعور بیدار نہیں ہوتا اور وہ آہستہ آہستہ ایک گہری نیند میں اترنے لگتا ہے۔ پھر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ وہ بالکل نشئی ہو جاتا ہے اور نشے میں ڈوبا ہوا ہیروئن کا عادی بن جاتا ہے۔ اس طرح ایک بداخلاق آدمی بھی اپنی بداخلاقی کے ضابطے کا اسیر ہوتا ہے۔ بداخلاق آدمی اپنے نفس کا غلام ہوتا ہے اور اخلاقی آدمی معاشرے کے بنائے ہوئے ضابطے کا۔ دونوں ہی باہر کے ضابطے کے پابند ہوتے ہیں۔ دونوں ہی وابستہ اور محتاج ہوتے ہیں...... آزاد صرف وہ ہے جو اپنے Self کی تلاش میں ہے اور بالکل آزاد وہ ہے جو اس کو پا جاتا ہے اور سمجھ جاتا ہے۔ جب تک کسی انسان کو یہ ہی معلوم نہ ہو کہ وہ اصل میں کیا ہے اس وقت تک وہ کیسے آزادی حاصل کر سکتا ہے؟

ایک بات زندگی بھر یاد رکھنا اور وہ یہ کہ کسی کو دھوکا دینا اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ دھوکے میں بڑی جان ہوتی ہے وہ مرتا نہیں ہے۔ گھوم پھر کر ایک روز واپس آپ کے پاس ہی پہنچ جاتا ہے کیونکہ اس کو اپنے ٹھکانے سے بڑی محبت ہے اور وہ اپنی جائے پیدائش کو چھوڑ کر اور کہیں رہ نہیں سکتا۔

دنیا میں اس سے بڑا اور کوئی عذاب نہیں کہ انسان وہ بننے کی کوشش میں مبتلا رہے جو کہ وہ نہیں ہے۔ گو اس خواہش کی اور اس آرزو کی کوئی حد نہیں ہے ہم لوگ کوشش کر کے اور زور لگا کے اپنے مقصد کو پہنچ ہی جاتے ہیں اور بالآخر وہ نظر آنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جو کہ وہ نہیں ہوتے۔ اپنے آپ کو پہچانو اور خود کو جانو اور دیکھو کہ تم اصل میں کیا ہو۔ اپنی فطرت اور اپنے اصل کے مطابق رہنا ہی اس دنیا میں جنت ہے۔

ایک قبر پر یہ کتبہ لکھا تھا کہ یہاں وہ شخص ابدی نیند سو رہا ہے جس نے اپنی زندگی میں اعلیٰ اور ارفع قسم کے خوابوں اور معمولی قسم کے کاموں سے نفرت کرنے میں گزاری دی۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کیا اس دنیا میں اور کوئی مائی کا لعل ایسا ہے جو ہم کو دھوکا دے سکے۔ میرا مطلب ہے جو دھوکا ہم اپنے آپ کو دیتے ہیں' اس سے زیادہ دے سکے۔ مذہب کے اندر انسان اس وقت داخل ہوتا ہے جب وہ اپنا بہترین دوست بن جائے۔

جو شخص اپنی انا کے اندر گھرا رہتا ہے وہ دنیا کے جکڑ بندوں میں جکڑا ہوا ہے۔ انا سے باہر نکلنے کا نام خدا میں بسرام کرنا ہے۔

اپنی انا کو ترک کرنے اور اپنی انا سے جان چھڑانے کا ایک ہی سیدھا راستہ ہے کہ اپنی انا کے اندر چھلانگ لگا دو اور اس کو پاتال تک ڈھونڈو۔ جونہی تم اس کے اندر چھلانگ لگاؤ گے تمہیں پتہ چلے گا کہ اس کا تو کوئی وجود ہی نہیں تھا۔

انانیت سے بڑا جہنم اور کوئی ہے ہی نہیں۔ انا سے جان بچاؤ اور سکھ پاؤ۔

تکبر کبھی علم کو پھلنے پھولنے کا موقع نہیں دیتا۔ جو علم عاجز نہیں' منکسر نہیں۔ وہ محض ایک دھوکا ہے۔ ایک گھمنڈ اور تکبر سے لبریز علم اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ یہ علم چوری کا ہے اور دوسروں سے لوٹا گیا ہے۔

ایک آدمی نے کہا میں غلطی کرنے سے اس قدر ڈرتا تھا کہ میں نے ساری زندگی کوئی کام ہی نہیں کیا۔ میں نے کہا اس سے بڑی غلطی اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان زندگی بھر کوئی کام ہی نہ کرے۔

جو ہے وہ نہیں بھی ہوگا۔ جو موجود ہے وہ ناموجود بھی ہو سکتا ہے۔ جو کام ہوا وہ ملیامیٹ بھی ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص دنیا میں الجھا ہوا ہے تو وہ اس سے آزاد بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا انحصار' آزادی میں بھی تبدیل ہو سکتا ہے۔

جس چیز کی خواہش میں تم مرے جا رہے ہو اس سے تکمیل اور سکون حاصل کرنا دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہے۔ تم اپنی آرزو پوری بھی کر لو۔ گو ہر مقصود حاصل بھی کر لو تب بھی وہ وقتی ہوگا۔ جب ذہن ہی وقتی اور عارضی شے ہے تو اس کی طلب وقتی اور عارضی کیوں نہ ہوگی۔

گناہ کیا ہے؟ گناہ اپنی پاکیزگی کے بطلان کا اور اپنی پاکیزگی کے انکار کا نام ہے۔ اپنی پاکیزگی کے احساس سے بڑی اور کوئی نیکی نہیں۔

تم نے گناہ چھوڑ دیا۔ بہت اچھا کیا۔ اب مہربانی کر کے نیکی اور ثواب بھی چھوڑ دو جب تک ان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی تمہارا قبضہ رہے گا تمہارا تکبر برقرار رہے گا۔

خوف کرنا چھوڑ دو۔ خوف سے اجتناب کرو۔ جب تک تم کسی شخص سے خوف کرو گے وہ تم کو نہیں چھوڑے گا۔ وہ ہر لحہ تمہارا پیچھا کرتا رہے گا۔ تمہاری شکست تمہارے خوف سے نسبت رکھتی ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

جتنا بڑا خوف ہوگا اسی قدر بڑی شکست ہوگی۔

ہم اس دھوکے میں زندہ ہیں کہ ہمیں سب کچھ معلوم ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہمیں ہر راز کا اور ہر بھید کی اصل معلوم ہے۔ ہم اس کی وجہ جانتے ہیں۔ جو ذہن نام نہاد علم سے لبریز ہوگا وہ نامعلوم سے ناآشنا ہوگا اور جہاں کچھ بھی نامعلوم نہیں ہے تحیر مفقود ہے۔ وہاں کوئی خوشی نہیں، سکون نہیں۔ آنند نہیں۔ میں تو کہتا ہوں اس نام نہاد علم کو جانے دو اور نامعلوم کو آنے دو کیونکہ معلوم دنیا ہے اور نامعلوم خدا ہے۔

خود شناسی سے جس قدر آسانی ہے اُسی قدر مشکل بھی ہے۔ اسی قدر پیچیدہ بھی ہے۔ خود شناسی ویسا علم نہیں ہے، جس سے ہم متعارف ہیں یا جس کی ہم کو تعلیم دی گئی ہے یا جو ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے۔ یہ ایک موضوع اور کتاب کا رشتہ نہیں۔ ایک منظر اور ناظر کا عمل نہیں۔ یہ تو ایک عجیب اور عظیم علم ہے۔ اس کے حصول کے بعد کچھ بھی باقی نہیں رہ جاتا۔ نہ معلوم نہ نامعلوم نہ گیان نہ مورکھتا۔ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔

تم اتنا تو جانتے ہو کہ تم موجود ہو لیکن تم کون ہو، کیا ہو اس کا علم تمہیں نہیں ہے۔ اب اس سلسلے میں کیا کیا جائے۔ اب اس سلسلے میں یہ کیا جائے کہ پہلے اپنی صلاحیت کو جانچا جائے اور اس بات کو تولا جائے کہ تم میں اس بات کا علم حاصل کرنے کی کتنی قوت موجود ہے۔

جب علم کسی شے کے ساتھ یا موضوع کے ساتھ وابستہ کیا جائے تو وہ علم اس شے پر یا اس موضوع پر بیٹھ جاتا ہے جیسے مرغی انڈوں پر بیٹھتی ہے۔ جب علم کسی شے کے ساتھ وابستہ نہ کیا جائے تو اس وقت وہ اپنی اصل فارم اور شکل میں ہوتا ہے۔ وہ اصل شکل، وہ اصل فارم اور وہ خالی پن ہی دراصل خود شناسی اور خود فہمی کا علم ہوتا ہے۔

لاؤ تزے نے فرمایا کہ ''سچ کے بارے میں جو چاہو کر لو جس طرح چاہو اس کی وضاحت کر لو، تمہارا کہنا اور وضاحت کرنا ہی سچ کو ناسچ کر دے گا۔

وہ شخص جو اپنی ذات کو تلاش کرتا ہے۔ اپنے Self کو اس طرح سے ڈھونڈتا جیسے وہ دوسری چیزوں کو ڈھونڈا کرتا ہے تو وہ ہمیشہ غلط راستے پر ہوتا ہے۔ سیلف مطالعے کی شے نہیں ہے۔ اس پر نشانہ نہیں باندھا جا سکتا۔ کیونکہ یہ ڈھونڈنے والے کی فطرت اس کے جوہر کا نام ہے۔ اس میں شے، اس کی ڈھونڈ اور ڈھونڈنے والا ایک چیز ہیں۔ پھر اس کو کھوجا کیسے جا سکتا ہے۔ البتہ جو لوگ کسی اور چیز کی تحقیق میں یا تلاش میں نہیں ہیں وہ اسے ڈھونڈ سکتے ہیں۔ وہ لوگ جو اپنے آپ کو ہر طرح کے علم سے خالی کر دیتے ہیں وہ اس کا سراغ لگا سکتے ہیں۔

کسی نے بدھا سے پوچھا ''بابا تم نے دھیان کے اندر کیا پایا؟'' بدھا نے کہا ''کچھ بھی نہیں پایا البتہ کھو بہت کچھ دیا: میں نے لالچ کو کھو دیا، ہوس کو کھو دیا، کام، کرودھ کو کھو دیا اور پایا وہی کچھ جو ازل

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سے تھا اور بس وہی سب کچھ تھا اور وہی سب کچھ ہے۔"

یہ ٹھیک ہے کہ تم ایک گلاب نہیں بن سکتے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اگر تم گلاب نہ بن سکو تو پھر ایک کانٹا بن جاؤ۔ یہاں ایک راز کی بات ہے اور وہ میں تمہیں بتا ہی دیتا ہوں کہ جو شخص کانٹا نہیں بنتا وہ بالآخر گلاب بن جاتا ہے۔

جو شخص اپنے اندر ہی اندر گہرا چلا جاتا ہے وہی اوپر کو اٹھتا ہے اور وہی رفعت حاصل کرتا ہے۔ یہ قدرت کا اصول ہے۔ جو درخت جس قدر گہرا زمین کے اندر جائے گا اُسی قدر اوپر کو جا سکے گا اور اس قدر تناور ہو گا۔

ہم اپنی ساری زندگی اوپر ہی اوپر' اپنے خول کے شعور اور اپنے باہر کو جاننے پر لگا دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اصل انسان ہمارے اندر رہتا ہے۔ جب میں اپنے اندر نگاہ مارتا ہوں تو اس کے اندر کچھ الفاظ' کچھ تصورات' کچھ خیال' کچھ یادیں' کچھ شکلیں اور کچھ خواب پاتا ہوں۔

کہتے ہیں تمام آرٹ اور سارے جمال کی بنیاد مذہب ہے۔

انسانی تاریخ میں انسان صرف بنیادی ضرورتوں اور اقتصادی مسئلوں کے حل کرنے کے لیے ہی زندہ نہیں رہا بلکہ اس کے علاوہ بھی زندہ رہا۔ کبھی کبھی تو زندگی کی حفاظت سے بے نیاز ہو کر اور اپنی بقا کو بھلا کر بھی انسان کسی اعلیٰ مقصد کے لیے اپنی زندگی کا بلیدان دیتا رہا۔ اصل میں وہ اپنے وجود اور اپنے ہونے کا راز بھی دریافت کرتا رہتا ہے۔ اب بھی کر رہا ہے اور آئندہ بھی کرتا رہے گا: یہ کہ سچ کیا ہے؟ خدا کون ہے؟ اور اس سوالوں سے بھری ہوئی دنیا میں میں کون ہوں؟ کیا میرا اپنا بھی کوئی وجود ہے یا میں صرف اپنے ماحول کے حوالے سے پہچانا جاتا ہوں۔ اس موضوع پر پھر کبھی تفصیل سے بات ہو گی۔ آپ کوشش کیجئے گا کہ آپ اپنی عقل، فہم اور ہوش کے استعمال کے ساتھ ساتھ اپنی اصل کا بھی تجزیہ کریں جو بہت ضروری ہے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

Corporate Society & Premature Living

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں محبت بھرا اسلام پہنچے۔

زمانہ جب سے معرض وجود میں آیا ہے اسی ڈگر پر چل رہا ہے' وہ جس کو ہم زمانہ قبل از تاریخ کہتے ہیں یا جس کو پتھر اور دھات کا زمانہ گردانا جاتا ہے۔ اس میں اور موجودہ دور میں کوئی خاص فرق نہیں۔ صرف لباس' رہائش اور شکل وصورت بدل گئی ہے۔ زندگی کا چلن اور معاشرت کا روئے سخن اسی طرف کو ہے جس طرف پہلے تھا۔

پہلے بھی بادشاہ' نواب' سردار' پنج ہزاری' ست ہزاری ہوتے تھے۔ اب بھی حکومتوں اور حکومتوں کو چلانے والے تجارتی اداروں میں ایک سردار ہوتا ہے۔ ان کے نام اب اور ہو گئے ہیں۔ بورڈ کا چیئر مین' ایگزیکٹو' گورنر' جنرل منیجر' منیجنگ ڈائریکٹر' پریذیڈنٹ' چیئر مین۔

ادارے کے سارے کردار وہی پرانا رول ادا کرتے ہیں جو رول زمانہ قبل از تاریخ کے لوگ ادا کیا کرتے تھے۔ آج کا سیلز مین وہی پرانا شکاری ہے۔ مزدور' غلام ہے (فیکٹری ورکر غلام زادہ ہے) منیجنگ ڈائریکٹر' سردار ہے۔ بورڈ اور ڈائریکٹر وہی پرانا جرگہ ہے' بڑوں کا جرگہ یا بڑوں کی پنچایت۔ سٹینو سیکرٹری' فائل کلرک' چپڑاسی' اکاؤنٹینٹ اور دوسرا عملہ وہ ہانکے والے ہیں جو شکار کو گھیر کر زغے میں لاتے ہیں۔ گویا ہم سارے پتھر اور دھات کے زمانے کے مرد اور عورتیں ہیں فقط ہماری صورتیں اور لباس تبدیل ہو گئے ہیں۔

پچھلے پچاس ساٹھ لاکھ سال سے جوان مرد مل کر شکار کرتے رہے ہے۔ جنگل میں انسان چھوٹا کمزور' سست اور بے حفاظت تھا' اس لیے ان کو مل کر شکار کرنا پڑتا تھا۔ ابتدائی قبیلوں میں جن

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

گروہوں کے پاس سامان خورد ونوش فاضل تھا۔ حملہ کرنے کی طاقت زیادہ تھی وہ زندہ رہے باقی مٹ مٹا گئے۔ ایک اکیلا یا چھوٹا گروہ خود ہی آفت کی تاب نہ لا کر ختم ہو گیا۔ جو غول کے اندر رہے وہ کامیاب رہے اور ان کی کامیابی کی یہ خصوصیت ان کے ساتھ چلتی چلتی آج کے جمہوری گروہ تک پہنچ گئی اور پارٹی سسٹم پر مضبوط ہو گئی۔

انسان کے لیے سب بڑا غارت گر درندہ انسان ہی ہے۔ اس کے سامنے چھوٹا اور کمزور گروہ مار کھا جاتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے۔ حملہ آور درندے (انسان کے روپ میں) اس کے مردوں کو ہی مارتے تھے کیونکہ مردوں کے ختم ہونے سے گروہ خود بخود کمزور ہو جاتا تھا۔ جو بڑے گروہ کو آپریٹو یا امدادِ باہمی کی بنیادوں پر دوسرے گروہوں سے لڑتے تھے وہ خوب کامیاب ہوتے تھے۔

سیاسی ادارے بھی اپنے قبیلے بنا کر رکھتے ہیں۔ گاؤں تنظیم، ضلع تنظیم، صوبہ تنظیم اور ملکی تنظیم پھر وہ پرانے قبیلوں کی طرح بھلائی کے کاموں اور اپنے لوگوں کی دیکھ بھال اور انہیں سکھ پہنچانے کے لیے بھی رفاعی ادارے بناتے ہیں جن میں پولیس، محکمہ ذرائع آمد و رفت، مواصلاتی ادارے اور ملکی دفاع بہت ہی اہم ہیں۔ جو لوگ اپنی حفاظت کے لیے حکمرانی سیاسی ادارے کو فیس جمع کراتے ہیں وہ وہی لوگ ہیں جو اپنی حفاظت کے پرانے زمانے میں سردار کو اور اس کے قبیلے کو جزیہ دیا کرتے تھے۔ ووٹ وہ شناختی نشان ہے جسے دیکھ کر قبیلے کا بڑا جان لیتا ہے کہ ہمارا ہی آدمی ہے۔

سب سے بڑا سردار حکمران پارٹی کا سربراہ ہوتا ہے۔ وہ پرانے قبیلہ سردار کی طرح اپنے بندوں کو مرنے، مارنے اور اس خطہ زمین کی حفاظت کرنے پر مامور کرتا ہے جس میں قبیلہ سردار رہتا ہے۔ قبیلہ سردار کی فوج کی چھاؤں تلے اس گروہ کے دینی اور درسی ادارے، سکول، عبادت گاہیں اور تجارتی ادارے پرورش پاتے ہیں۔ ٹیلیویژن وہ جھروکے درشن ہے جس میں قبیلہ سردار بیٹھ کر اپنے درشن کراتا ہے اور لوگ اس کی پوجا کرتے ہیں۔ ٹیلیویژن نے اب چوپال کا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے جہاں شام کو بستی کے لوگ جمع ہو کر شکار پر نکلنے یا کسی پر حملہ کرنے کے منصوبے بنایا کرتے تھے۔ جس طرح پرانے زمانے میں رات کو لوک رقص اور لوک گانے ہوتے تھے، اسی طرح یہی کام اب ٹی وی کرتا ہے۔ پہلے زمانے میں قصہ سنانے والے داستان گو اور رزمیہ نظمیں پڑھنے والے اپنے بندوں اور غلاموں کو حاضرین بنا کر رکھتے تھے اور سرکاری ڈونڈی پیٹتے تھے یہی کام اب ٹی وی کے ذمہ ہے۔ جس طرح پرانے زمانے کے ہیرو اور قبیلے کے جنگجو پرستش کیے جاتے تھے اب وہی ہیرو، ایکٹروں، ایکٹرسوں اور کھلاڑیوں کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔

پرانے زمانے میں بچے آزاد کھیلتے تھے اور جب وہ جوان ہوتے تو سردار کی بتائی ہوئی رسم

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کے مطابق انہیں جنگجو گروہوں میں شامل کر لیا جاتا تھا۔ اب جب بچہ جوان ہوتا ہے تو اس کو ڈگری دے کر اور ملازمت کی رسم ادا کر کے اداروں میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں جوان کے قبیلے کے کارکن گروہ میں شامل ہونے کے لیئے، پروں کی کلغیاں اور پھولوں کے ہار اور رنگ برنگی راکھ بدن پر لتھیڑ کر شامل کیا جاتا تھا۔ اب ان کو رنگ برنگے گاؤن، پھمن والی ٹوپیاں اور ہاتھوں میں رولز آف آنر دے کر داخل کیا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں جوان کو شکار مارنے، شکار تلاش کرنے اور موقع آنے پر دوسرے قبیلے کے لوگوں کو ختم کرنے کے لیے رکھا جاتا۔ آج کے زمانے میں اُسے روٹی کما کر لانے، اس کا ذخیرہ جمع کرنے اور مدمقابل کو شکست دے کر اپنے لیے نئی راہیں پیدا کرنے پر متعین کیا جاتا ہے۔

آج کے ادارتی قبیلے کا بھی ایک ہی مقصد ہے خوراک کے ذرائع پیدا کرنا۔ گوشت کا نعم البدل جمع کرنا۔ اس پوری دنیا میں، نسل بعد نسل، انسانوں کے گروہ ایک جیسے اور ایک سی صفات کے حامل چلے آتے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ تمام انسانی گروہ نئی قدیم قدرت کے اصولوں پر چلے آ رہے ہیں جن پر ہمارے باپ دادا Evolution سے پہلے اور Evolution کے بعد چلتے آئے۔ جس چیز کو ہم جمہوی معاشرے کا نام دیتے ہیں یہ حقیقت میں جدید قبائل ہیں اور ان میں قبائل ہی کی سوچ کارفرما ہے۔ اپنی زمین میں وسعت پیدا کرنا اور بڑھنے پھولنے کی صلاحیت اپنانا۔ اب دولت پیدا کرنا، علاقائی توسیع اور اداروں میں بڑھوتری اہم کام ہے۔

اگلے زمانے میں سکہ کی جگہ بھیڑ بکریاں اور مویشی دولت کی نشانی تھے۔ جس کے پاس زیادہ مال ہوتا وہی مالدار کہلاتا تھا۔ لیکن اس میں ایک بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ کسی بھی شخص کے ڈھور ڈنگر اور مال مویشی سردار کے مال سے زیادہ نہ ہوں۔ آج کے زمانے میں تجارتی ادارے مال مویشی کی بجائے سکہ سے کام لیتے ہیں۔ ادارے کے کارندوں کو اچھے اچھے القاب اور ڈیز گنیشن دی جاتی ہیں لیکن اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ان کو سکوں کی صورت میں زیادہ معاوضہ نہ دیا جائے کیونکہ زیادہ معاوضہ صرف مالکان ادارہ کا حق ہے اور ان کے کوئی کام نہ کرنے کے باوجود ہوتا ہے۔ بڑا سرمایہ بڑے بونس، رہائشی آسانیاں، شیئرز سارے کے سارے سردار کے لیے اور اس کے خانوادے کے لیے ہوتے ہیں۔ خواتین و حضرات ہم قدیم اور جدید طرزِ زندگی کو ایک مختلف نظر سے یوں بھی دیکھ سکتے ہیں:

1- پرانے قبیلوں اور جدید اداروں میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں میں مرد اور عورتیں کارکن گروہوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔

2- دونوں میں Hierarchy کا سسٹم رائج ہوتا ہے۔ چوٹی پر ایک فرد ہوتا ہے اور باقی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سب درجہ بدرجہ اُس کے نیچے ہوتے ہیں۔ جانوروں کے غول میں بھی یہی طریق کارفرما ہے۔

3- دونوں کی کارکردگی بڑوں کی کونسل یا جرگہ کے ماتحت ہوتی ہے جس سے رائے لی جاتی ہے۔

4- دونوں اپنے اپنے عہد کے "ماہرین" کی رائے کے تابع ہوتے ہیں۔ پہلے زمانے میں جادوگر، ساحر، روحانی پیشوا اور ستارہ شناس ماہر ہوتے تھے، آج کل اونچے انجینئر، بڑے وکیل، مالی امور کے جادوگر اور سیاسی بصیرت والے ماہرین ہوتے ہیں۔

5- دونوں میں پیداوار کا بڑا حصہ قبیلہ، سرداروں، اور کمپنی چیئرمینوں اور سیاستدانوں کے درمیان تقسیم ہوتا ہے۔

6- دونوں اپنے لیے بہترین جگہ کا انتخاب کر کے رہتے ہیں، چاہے وہ اونچان پر جھونپڑا ہو یا کانفرنس ٹیبل کا اہم پاسہ۔ چاہے لپا تپا چبوترا یا اوپن ویو والا دفتر۔

7- دونوں کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے: بہترین زندگی اور اپنی زندگی کا خوشگوار تسلسل۔

8- دونوں جگہ جگہ گھوم کر نئی نئی شکارگاہیں تلاش کرتے ہیں۔ پرانے قبیلے قریبی جنگلوں میں نئے قبیلے دُور دراز کے ملکوں میں مال بھیج کر اور اپنی انڈسٹری کے کارخانے قائم کر کے ایسا کرتے ہیں۔

خواتین و حضرات! اس لیے پرانے قبائلی اور جنگلی نظام اور طرزِ معاشرت اور آج کے اداروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر کوئی فرق ہے تو محض یہ کہ ہم نے اپنے دل میں نفرت اور کدورت کو پہلے سے کہیں زیادہ جگہ دے دی ہے۔ پہلے زمانے کا انسان اپنا جسم ڈھانپنے کی کوشش کرتا تھا اور اس میں جنگلی ہونے کے باوجود یہ شعور موجود تھا کہ اس نے اپنے جسم کو ڈھانپ کر رکھنا ہے۔ اگر کچھ اور یا مختلف زاویوں سے دیکھا جائے تو شاید ہم پہناوے کے حوالے سے اپنے ماضی کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ میرا یہ سب کچھ بیان کرنے کا مقصد کسی فرد، گروہ یا معاشرے پر تنقید کرنا نہیں تھا بلکہ یہ بتلانا مقصود تھا کہ ہم اس ساری صورتحال میں جدید ترین زندگی کا دعویٰ کیونکر اور کیسے کرتے ہیں۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

انسان اور چوہا

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں محبت بھرا سلام پہنچے۔

انسان اور چوہے بہت سی باتوں میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور بہت ہی قریب ہو کر ملتے ہیں۔

(1) دونوں پھل کھاتے ہیں' اناج کھاتے ہیں' گوشت کھاتے ہیں' مغز' انڈے' مچھلی کھاتے ہیں اور اگر کچھ نہ ملے تو ایک دوسرے کو کھاتے ہیں۔

(2) دونوں پر ایک جیسی بیماریاں اثر انداز ہوتی ہیں کیونکہ دونوں کا نروس سسٹم اور غذائی نظام ایک جیسا ہے۔

(3) دونوں سخت سے سخت موسم میں زندگی گزار سکتے ہیں۔ بحر منجمد شمالی میں بھی زندہ رہ سکتے ہیں اور صحرائے کالاہاری میں بھی۔ دوسرے جاندار ہر موسم میں زندہ نہیں رہ سکتے۔

(4) دونوں موسیقی کے شوقین ہے۔ چوہے بھی موسیقی سن کر دانت بجاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔

(5) چوہے بھی انسانوں کی طرح خوشیاں مناتے اور قلابازیاں لگاتے ہیں۔ موج میلہ کرتے ہیں۔

(6) ایک بات میں چوہے انسانوں سے بہتر ہیں کہ وہ نسل کشی میں بہت مہارت رکھتے ہیں۔ ماہرین حیوانیات کا دعویٰ ہے کہ اگر چوہوں کا ایک جوڑا باقاعدگی سے بچے پیدا کرتا رہا اور چوہے اور چوہیا میں کوئی ذہنی جسمانی اور جنسی اختلاف پیدا نہ ہوا اور ان کے سیاسی اور

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

خانگی حالات ٹھیک رہیں اور ان کے درمیان کوئی اور چوہیا نہ آ جائے تو ایک جوڑا پانچ سال کی مدت میں نو کھرب چالیس ارب چھتیس کروڑ ننانوے لاکھ انہتر ہزار ایک سو بائیس بچے پیدا کر سکتا ہے۔

(7) سائنس کی دنیا میں اپنی ذات کی قربانی دے کر چوہے نے کمال کی دوائیں اور علاج دریافت کر کے دیئے ہیں۔

(8) اب فرق یہ ہے کہ چوہا صرف کھاتا ہے پیتا ہے، بچے پیدا کرتا ہے اور ساری زندگی بلی سے کنی کترا کر گزارنے میں صرف کر دیتا ہے اور چوہے دان سے پرے رہتا ہے۔

اس کو شاعری سے، مصوری سے، فلسفے سے یا خلائی فزکس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ بلوں میں اینٹوں کے انبار میں ٹرنکوں کے پیچھے اطمینان کی زندگی بسر کرتا ہے۔

کسی چوہے نے نہ تو غالب کا نام سنا ہے، نہ چغتائی کی تصویریں دیکھی ہیں، نہ آئن سٹائن پر بات کی ہے اور نہ کارل مارکس کی سوانح عمری سے معنی اٹھایا ہے۔

یعنی چوہے کی کوئی روحانی یا فکری زندگی نہیں ہوتی۔

اور دنیا میں آج تک کوئی چوہا ایسا پیدا نہیں ہوا جس کو کوئی اخلاقی پرابلم ہوئی ہو۔

ایک اچھا اور نیک چوہا وہ ہوتا ہے جو اپنی جبلتوں کے سہارے آرام کی زندگی بسر کرتا چلا جائے۔ چنانچہ ایک چوہے کے اندر کوئی اندرونی خلش نہیں ہوتی۔

اس کو کبھی یہ سوچنا نہیں پڑتا کہ ایک صوفی چوہا بن کر زندگی گزارے یا ایک دنیا دار چوہا بن کر موج اڑائے۔

اس کے مقابلے میں انسان کو ہزار الجھنیں اور لاکھوں Conflict ہوتے ہیں اور وہ ان کے درمیان اختیاری اور بے اختیاری کی کشتی پر سوار بڑھتا چلا جاتا ہے۔

انسان اسی صورت میں انسان ہے کہ اپنی بنیادی جبلتوں پر کنٹرول کر کے انہیں ایک حساب کے ساتھ عمل میں لائے۔ ان جبلتوں پر جو وہ دوسرے جانداروں کے ساتھ Share کرتا ہے۔

وہ چوہے کی طرح اپنی جبلت کو اپنا قائد مان کر اس کے حکم اور اشاروں پر نہیں چلتا۔

یہ بڑا مسئلہ جس کے ساتھ ہمارے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مسئلے بندھے ہیں، ابھی تک انسان کی گرفت میں نہیں آیا اور وہ اس پر حاوی نہیں ہو سکا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ ابھی اس بڑے مسئلے کا کوئی حل نہیں ڈھونڈ سکا۔

نہ ہی یہ دکھائی دیتا ہے کہ کوئی آگے بڑھ کر ہمارا یہ مسئلہ حل کر دے گا اور ہمارا رہنما بن کر

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مستعدی کے ساتھ کھڑا ہو جائے گا اور ہم اس کی ہر بات کو تسلیم کرنے لگیں گے جیسا کہ چوہا اپنی جبلت کی ہر بات مانتا ہے۔

کچھ یوں لگتا ہے کہ ہمارے اوپر کبھی بھی وہ وقت نہیں آئے گا جب ہم اخلاقی مسائل سے عہدہ براہو جائیں گے۔ اور یہ بھی صاف نظر آتا ہے کہ انسانوں پر کبھی بھی ایسا وقت نہیں آئے گا جب وہ اندرونی خلفشار سے نکل کر آرام اطمینان سے باہر آ جائے گا۔

بس یہ فرق ہے جو ہمارے اور چوہے کے درمیان باقی ہے۔ اس کو کوئی فکر نہیں، کوئی الجھن نہیں لیکن ہم میں سے کوئی بھی چوہے کے ساتھ اپنی زندگی بدلنے کا خواہشمند نہیں ہوگا۔

یہ ایک ایسی بات ہے جو کوئی چوہا آج تک سمجھ نہیں سکا۔

اور یہی وجہ ہے جس کی بنا پر چوہا' چوہا ہے۔

جب ہم کوئی جوانمردی کا کام کرتے ہیں تو اپنے آپ کو اور دوسروں کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہم وہ نہیں جو ہم کو سمجھا جا رہا ہے یا سمجھا جاتا رہا ہے۔ ہمارا اصل سیلف گندا' لالچی' منافق' سنگدل' بدمعاش اور کانا ہے لیکن اب ہم نے موت سے بازی لگا کر ان ساری چیزوں کا بطلان کر دیا ہے۔

Nature (قدرت) تکمیل اور کمال حاصل کر لیتی ہے لیکن انسان نہیں۔ اس وقت آپ کو ایک مکمل شہد کی مکھی ملے گی۔ ایک اعلیٰ چیونٹی ملے گی۔ ایک مستند اور مکمل شیر ملے گا۔ لیکن انسان ابھی تک تکمیل کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ وہ ابھی تواتر کے ساتھ نامکمل ہے۔ ایک نامکمل جانور ایک نامکمل انسان! بس یہ نا تکمیلی (Unfinishness) کا روگ ہے جس نے انسان کو دوسری ساری مخلوق سے علیحدہ کر رکھا ہے۔ اپنے آپ کو مکمل کرنے کے عمل نے انسان کو ایک تخلیق کار بنا دیا ہے۔ نامکمل کے روگ نے اس کو ناپختہ بھی بنا رکھا ہے اور تسلسل کے ساتھ عمل حاصل کرنے اور گرو (Grow) کرنے پر مجبور بھی بنا دیا ہے۔

انسان کی تخلیق کاری کا کمال اس کی کمیوں اور نارسائیوں میں ہے۔ وہ اپنے آپ کو مکمل کرنے کے لیے تخلیق کرتا رہتا ہے اور کرے جاتا ہے۔ وہ انسان سازندہ بنتا ہے تو ہتھیار اور اوزار بناتا ہے۔ انسان کچھ اور بنتا ہے تو ایک کھلاڑی ایک بت تراش اور ایک بازی گر بن جاتا ہے' جو جو کمی اس کو نیچر کے دوسرے مظاہر کے مقابلے میں نظر آتی ہے اس کی مکافات فوراً کر لیتا ہے۔ اس میں ٹیلی پیتھی اور کشف کا کمال نہیں تھا۔ جس سے جانور ایک دوسرے کو اپنی بات سمجھا دیتے ہیں۔ اس طرح انسان نے بھی فوراً زبان ایجاد کر لی اور گٹ مٹ، گٹ مٹ بولنے لگا'

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سمجھنے لگا اور سمجھانے لگا۔ جہاں جہاں اس کی جبلت کمزور پڑتی تھی' اس نے وہاں سوچ اور تفکر کی آبیاری کر کے کام چلا لیا۔

انسان اپنے انسان ہونے کا کمال اس وقت دکھاتا ہے جب اس کو کوئی اڑچن پڑتی ہے اور وہ اس کا حل ڈھونڈ کر وہ رکھ دیتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ جانور بھی سیکھ سکتے ہیں اور وہ سیکھتے بھی ہیں لیکن کتا' بلی' بندر' گھوڑا کسی سکھشا کی وجہ سے کتا' بلی' بندر' گھوڑا نہیں کہلاتے لیکن انسان صرف سیکھنے کی بنا پر انسان کہلاتا ہے۔ اور چوہا ناسمجھی اور بےفکری کے باعث چوہا کہلاتا ہے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

روح کی سرگوشی

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کو سلام پہنچے۔

جھوٹ میں اپنی کوئی ذاتی اور موروثی (Inherent) طاقت نہیں ہوتی۔ جھوٹ کو تو اپنی (Existance) کے لیے بھی سچ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ سچ سے اس کی طاقت ادھار لینی پڑتی ہے۔ اس طرح روحانیت کی بنیاد بھی سچ پر ہے۔ آپ مجھ سے کئی بار سوال کرتے ہیں کہ اشفاق صاحب یہ روحانیت کیا ہوتی ہے۔ اس میں کیسے داخل ہوا جا سکتا ہے۔

روحانی کردار کا مطلب ہے قدرتی' نیچرل کردار' نیچرل کردار کا مطلب ہے سچا اور راست کردار۔ اس روحانی کردار اور روحانیت کے خواص حاصل کرنے کے لیے مراقبے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

مراقبہ کئی قسم کا ہوتا ہے لیکن یہ چھ قسمیں زیادہ توجہ طلب ہیں۔

(1) اپنی ذات کا مشاہدہ باطن اور اس کا تجزیہ۔

(2) خدا کی ذات اور اس کی صفات پر تفکر۔

(3) تسلسل کے ساتھ حق اور حقیقت کی تفہیم۔

(4) اسمائے حسنیٰ کا ورد۔

(5) اس کائنات میں اللہ کے رچائے ہوئے کھیل کا تفصیلی جائزہ۔

(6) پاکیزہ زندگیوں کا قریب سے مطالعہ۔

انا کا اور خود پسندی کا ان نو ستونوں پر محل استوار ہے (لیکن جلد ہی یہ محل کھنڈر میں تبدیل

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہو جاتا ہے) ستون یہ ہیں۔

(1) طاقت کا گھمنڈ (2) حسنِ وجود کا گھمنڈ (3) خاندانی برتری کا تکبر (4) علم کا گھمنڈ (5) تجربے کا گھمنڈ (بابائے ثقافت' بابائے سیاست وغیرہ) (6) ذہانت اور (7) Ability کا غرور۔ اپنے اعلیٰ کردار کا گھمنڈ لیکن ان سب میں سے خطرناک ترین گھمنڈ اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ سے ڈر کر کہتا ہوں مجھ میں غرور تکبر کا نام نہیں۔ مزہ تو تب ہے کہ وجود اور ذہین سے جب سے پوچھا جائے کہ وہ کہاں رہنا چاہتا ہے تو مکالمہ اس انداز کا ہو۔

''اچھا میاں! کہاں رہنا چاہتے ہو؟''

''کہیں بھی سرکار۔''

''ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔''

''حضور میں نیکوکاروں' بھگتوں اور انعام یافتہ لوگوں کی کمپنی میں رہنا چاہتا ہوں۔''

''ایک دفعہ اور غور کر لو۔''

''حضور میں روح کی گہرائیوں میں رہنا چاہتا ہوں۔''

اگر اپنی جائیداد' اپنی چیزوں اور اپنی آل اولاد کی دیکھ بھال پر ساری توجہ' سارا وقت اور ساری طاقت لگ جائے تو یہ میرے ''باطن'' کو بے عزت کرنے کا کامیاب ترین فیصلہ ہوگا۔

نیکی اور بدی کا تصور میرے اندر خدا ہی پیدا کرتا ہے اور وہی اس کی رغبت پیدا کرتا ہے۔ اس سلسلے میں کیا کریں اور کس طرح سے کریں۔''

صلاحیت' نالائقی اور نااہلی سے بہتر ہے لیکن سارے دعوؤں سے دستکش ہو جانا صلاحیت سے بھی برتر ہے۔

اخلاق کا تقاضا اتنا ہے کہ آدمی خواب میں بھی ہوشیار اور چوکس ہو اور اس سے کوئی بھول نہ ہونے پائے۔

ابدی نیند بھی بڑی ضروری' بڑی سہانی ہوتی ہے اس شخص کے لیے جس نے زندگی بھر شدید محنت کی ہو۔ دیکھا جائے تو موت بھی خدا کا ایک مدھم سا روپ ہے۔

مغرب کی نماز اور اس کے بعد کا مراقبہ اور ذکر اذکار بھی ایک طرح سے موت سے پہلے خدا کی یاد کا سماں ہوتا ہے۔

ارفع خیالات اور روحانی اذکار کا مسخ شدہ بیان بھی بڑا نقصان دہ عمل ہے۔ جس طرح اچھا پھل صحت بخش ہوتا ہے' وہی پھل گل سڑ جائے تو نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اور کھانے والے کو بیمار

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کر دیتا ہے۔

اگر پرانا اصول یہ ہے کہ خیرات صرف حقدار کو دینی چاہیے اور خاص مقام پر خاص وقت میں دینی چاہیے تو پھر اپنی ذات کو بھی اسی طرح سے' اسی جماعت میں شامل سمجھیں۔

قربانی' کمزور آدمیوں کا فعل نہیں ہوتا۔ یہ صرف بہادروں کا ہی شیوہ ہو سکتا ہے۔

طاقت' فراوانی اور عظمت اور شان و شوکت' خدا کی صفات ہیں۔ بندے کو ان کے حصول کی تمنا نہیں کرنی چاہیے۔

کسی شخص سے اُس کا غلہ بندوق کی نوک پر حاصل کرنا اور وہی غلہ اسے رقم دے کر حاصل کرنا دو ایسے فعل ہیں جن میں بعض اوقات تفریق کرنا (بعض آدمیوں سے) بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔

مذہب ایک ایسا پُل ہے جو دنیاوی بندھنوں سے بچا کر مطلوبہ عافیت اور کی طرف لے جاتا ہے۔ اس پُل کا ایک سرا دنیا کے اندر قائم ہوتا ہے اور دوسرا مکتی کے اندر۔

زندگی کے اندر اور زندہ رہنے کی خواہش کے اندر موت کا بیج موجود ہوتا ہے۔ جونہی زندہ رہنے کی خواہش ختم ہو جاتی ہے موت کا بیج تباہ ہو جاتا ہے۔

خدمت قریب قریب کی۔ ادب دور کا۔ اور علم اندر کا۔

گنگا کا پانی کبھی گدلا کبھی صاف' کبھی چمکدار۔ لیکن ہر حال میں متبرک اور پاک۔ یہی حال روح کا ہوتا ہے۔ اس کی تقدیس بھی اس کی ہر دم بدلتی حالت کے اوپر موجود رہتی ہے۔

بابا لوگ اور سنت فقیر مخلوق خدا کی خدمت پر اس قدر کیوں مائل ہو جاتے ہیں؟ وجہ یہ ہے کہ جب ان کو ہر ذی روح میں خدا کا وجود نظر آنے لگتا ہے وہ اس کی خدمت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ماں بچے کو کوئی دینی یا روحانی کتاب پڑھ کر دودھ پلانے کا فن نہیں سیکھتی۔ یہ کام اُسے آتا ہی ہوتا ہے!

اس میں کوئی شک نہیں کہ روح کی دولت ہر شخص کو ملی ہے لیکن روح کا علم کسی کسی کا مقدر بنتا ہے۔

مصور اپنی ہی بنائی ہوئی تصویر کا جائزہ اس کے قریب کھڑے ہو کر نہیں کر سکتا۔ اس کو اپنی تصویر کے صحیح خدو خال ملاحظہ کرنے کے لیے دور سے دیکھنا پڑتا ہے۔ قدرت کے راز سمجھنے کے لیے بھی ان سے علیحدہ اور منقطع ہو کر رہنا پڑتا ہے۔

ڈوبتے ہوئے کے ساتھ ہمدردی کرنے کا یہ طریق ہیں کہ خود بھی اس کے ساتھ لگ کر ڈوب جائیں۔ ہمدردی کے لیے تیرنا آنا چاہیے اور ڈوبتے کو بچانا چاہیے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

تنفس پر کنٹرول حاصل کرنے سے اور اس کی حکمت سے واقفیت حاصل کر کے ایک خوفزدہ ذہن سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔

شیر کو ایک خونی درندہ Killer کی حیثیت سے رک رک کر اور پھونک پھونک کر چلنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیر جب بھی چلتا ہے مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتا جاتا ہے۔ جنہوں نے کسی جان دار پر کوئی تصرف نہیں رکھا ہوتا وہ پرسکون رہتے ہیں اور بلا خوف وتردد اپنا سفر طے کرتے ہیں۔

کسی خوراک کے ساتھ فریفتگی کے ساتھ وابستہ ہونا بھی تندی، سختی اور خشونت درستی (Violence) کے ذیل میں آتا ہے۔

شاستروں میں لکھا ہے کہ ایک صاحبِ علم کو ایسا ہو کر رہنا چاہیے جیسے کہ وہ ایک احمق شخص ہو۔ احمق اور بھوندو بن کر رہنے سے آدمی اپنے کام میں پورے کا پورا شریک ہو جاتا اور اس کی توجہ کسی اور طرف نہیں ہوتی۔ دیئے گئے کام میں جُتنے کا یہی طریق ہے۔ سادگی بھی انسان کو اس کے وجود اور خدا سے قریب کر دیتی ہے اور آدمی کئی مشقتوں سے بچ جاتا ہے۔

سادگی اور سادہ روی کے تین فائدے ہیں:

(1) ذہن کی پاکیزگی، (2) تخلیقی قوت اور (3) روحانی علوم کا حصول۔

اگر سادہ روی کے دوران پچھلی دو چیزوں سے وابستگی نہ بھی ہو تو بھی یہ تینوں چیزیں ایک ساتھ مل جاتی ہیں۔

بابے کہتے ہیں کہ خدمت ایک ایسی چیز ہے جو انا کی دیواریں گرا دیتی ہے اور انسان کو اس کے باطن سے ہم کلام کر دیتی ہے۔ ہماری دعا ہونی چاہیے کہ 'اے اللہ میں نہ تو دنیاوی لذتیں حاصل کرنے کا آرزومند ہوں اور نہ ہی روحانی سربلندیوں کو پانے کا خواہشمند ہوں۔ مجھے ان دونوں کے بجائے سپردگی اور عبدیت کی دولت چاہیے۔

اس طرح نہ تو مجھے مافوق الفطرت طاقت درکار ہے نہ ہی مراقبے اور مکاشفے کی دولت کی خواہش ہے۔ دینی ہے تو مجھے ناداروں اور بے چاروں کی خدمت کی طاقت دے دے تیری مہربانی!

خواتین وحضرات! جو کچھ میں نے اپنے شاگردوں سے سیکھا ہے، اس کے بدلے میں میں نے انہیں کچھ بھی عطا نہیں کیا۔ میری سروس ان کی عطا کے مقابلے میں بہت ہی مختصر ہے۔

اس زندگی میں کوئی ''نہیں'' نہیں ہونی چاہیے۔

وحدانیت کے بارے میں کسی مباحثے میں گرمجوشی دکھانا دوئی کی نشانی اور دوئی کی ترجمانی ہے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

کچھ لوگ سوال کرتے ہیں کہ روحانی حالت حاصل کرنے کے لیے کب تک کوشش کرنی چاہیے؟

''جب تک یہ آپ کی فطرت اور طبیعت کا حصہ نہ بن جائے اور کوشش کی ضرورت ختم نہ ہو جائے۔''

روحانیت کے لیے انسان درکار ہوتا ہے کوئی جانور یا درخت روحانیت حاصل نہیں کر سکتا۔

کچھ لوگ ''انسان'' کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ ''انسان ایک ایسا جانور ہے جو اوزار استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ انسان وہ جانور ہے جو اپنے وجود کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کر کے روحانی سربلندیوں پر پہنچ سکتا ہے۔

زبان جب سچ کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے تو ''حق'' کی آواز بن جاتی ہے۔

خدا ایک ڈرامہ نگار ہے جو ایک ڈرامہ لکھنے کے بعد خود بھی اس کے کرداروں میں شریک ہو جاتا ہے۔ خدا نے اس کائنات کا اوپرا خود تیار کیا ہے اور اس میں اپنی روح پھونکی۔

عبادت کے وقت آنکھیں بند کر لینے سے آدمی نیند میں اتر جاتا ہے۔ آنکھیں کھلی رکھنے سے توجہ قائم نہیں رکھ سکتا۔ بہتر یہی ہے کہ آنکھیں نیم وا رکھے۔ آدھی کھلی اور آدھی بند۔ (بڑے روحانی بزرگوں کی تصویروں میں اسی طرح سے دیکھا ہے)۔

ہر وقت بیدار رہنے سے آدمی تھک کر سو جاتا ہے۔ سوئے رہنے سے تھک کر بیدار ہو جاتا ہے۔ قوت اور چستی اور جمود اور کاہلی کا ردعمل ایک سا ہوتا ہے۔

اگر میرے سامنے دو راستے ہوں کہ اصول کی پاسداری کر یا بھگت لوگوں کی سنگت میں رہو تو میں نیک لوگوں اور انعام یافتہ لوگوں کی معیت میں رہنا پسند کروں گا۔

عمل، علم کے لیے ایندھن کا کام دیتا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ علم کا الاؤ روشن رہے تو اس میں عمل کا تیل ڈالتے رہیں۔ ایسا نہ ہوا تو اس کی روشنی ماند پڑ جائے گی۔

بیکار اور فضول چیزوں کا علم حاصل کرتے رہنا، اپنے آپ کو پریشان کرنا اور ارفع درجات کے حصول سے محروم رکھنا ہے۔

سائنس نے غضب کے حساس آلے ایجاد کیے ہیں جو دور دراز کے ستاروں کی حرارت تک ناپ لیتے ہیں لیکن افسوس سائنس کے پاس ایسا کوئی آلہ ہیں جو روح کے اندر کی سرگوشی سے روشناس ہو سکے۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

نیکی اور بدی کبھی بھی اکیلی نہیں آتیں۔ دونوں اپنے ساتھ اپنا ڈھیر سارا ساز وسامان اور اسباب لے کر آتی ہیں اور ہماری ساری زندگی پر چھا جاتی ہیں۔

خواتین وحضرات! میں دعا کی بابت پہلے بھی کئی بار عرض کر چکا ہوں۔ دعا انسان اور اس کے پروردگار میں ایک خوبصورت رشتہ ہے جو ازل سے ابد تک رہے گا۔ دعا انرجی کی ایک بہت ہی طاقتور قسم ہے جو ایک عام شخص آسانی سے خود میں پیدا کر سکتا ہے۔ دعا کا انسانی ذہن اور انسانی جسم پر ایسا ہی اثر ہوتا ہے جیسے غددوں کے عمل کا ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مسلسل دعا کے بعد بدن میں ایک طرح کی لہر پیدا ہو جاتی ہے۔ ذہنی قوت عود کر آتی ہے۔ سکون پیدا ہو جاتا ہے اور انسانی رشتوں کے گہرے اور دوررس عوامل سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔ سچی عبادت دلی دعا اصل میں زندگی کا چلنا ہے۔ سچی اور راستباز زندگی دعا سے معرض وجود میں آتی ہے۔

دُعا انسان اور اللہ میاں کے درمیان عاجزی پر مبنی سرگوشیوں کا نام ہے۔ ایک انسان جو دُکھ اور کرب یا خوشی میں آسمان کی طرف دیکھ کر دعا کرتا ہے اس خوبصورت روحانی سرگوشی کو ماپنے یا جاننے کے لیے کوئی آلہ ایجاد ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ انسان اور اللہ تعالیٰ کے مابین ایک خفیہ معاملہ ہوتا ہے۔ روح کی اس سرگوشی کا نام دعا ہے جس میں ایک معمولی سا بندہ اپنے خالق سے ہم کلام ہو جاتا ہے۔

ہم کو اپنی زندگی کی چھوٹی چھوٹی مشکلات کے لیے بھی دُعا کرنی چاہیے اور بڑی افتادوں کے لیے خدا سے درخواست کرنی چاہیے۔ ایک مرتبہ ہم کراچی جا رہے تھے اور میرے بڑے بھائی کو سمہ سٹہ کے بعد زکام کا ایسا شدید دورہ پڑا کہ اس کا چھینکیں مار مار کر برا حال ہو گیا۔ اس کی ناک جھرنے کی طرح بہہ رہی تھی اور میں خدا سے دعا کر رہا تھا یا اللہ کہیں سے ایک رومال مل جائے یا ایک چھوٹا تولیہ عنایت ہو جائے کیونکہ اس نے تو زکام کی وجہ سے اپنا سارا دامن بھگو لیا ہے۔ میرا بھائی مشکل میں تو تھا ہی لیکن ساتھ ساتھ ہنستا بھی جاتا تھا کہ بیوقوف ایسی معمولی دعاؤں کی شنوائی نہیں ہوا کرتی۔

اگلے سٹیشن پر میٹھی گولیاں بیچنے والا ایک شخص اندر داخل ہوا اور میرے بھائی کو دو چھوٹے تولیے دے کر کہنے لگا یہ آپ کے لیے ہیں اور گولیاں گاہکوں کے لیے پھر اس نے اپنی میٹھی گولیوں کی تعریف میں شعر اور کلمات سنا کر لوگوں کو اپنا سودا بیچا اور ہم سے رومالوں کی قیمت لیے بغیر اگلے سٹیشن پر اتر گیا۔

میری مصروفیت کا عالم یہ ہے اور مجھے اس قدر کام ہیں کہ نماز کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔ میں کیا کروں؟ خدا سے دعا کروں کہ یا اللہ میرے وقت نہ ملنے کے گناہ کو معاف کر اور مجھے عبادت کے لیے وقت عنایت فرما۔ وقت مل جائے گا۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

اصل میں بات یہ ہے کہ شیطان ہم پر اتنے کاموں کا بوجھ ڈال دیتا ہے اور ہر وقت ڈالتا رہتا ہے تا کہ ہمیں خدا کی عبادت کا وقت نہ مل سکے۔ وہ اپنے پرکشش فلسفے سے انسان کو ورغلاتا ہے اور بسا اوقات کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔

شیطان کا ایک باقاعدہ ضابطہ اخلاق ہے اور ایک پورا فلسفہ ہے جس کو وہ ہر اس شخص پر بڑی وضاحت اور صداقت کے ساتھ کھولتا ہے جو اس کے قریب آتا ہے' ابلیس ''فرماتا'' ہے کہ یہ ساری تخلیق بدی ہے۔ انسان برائی اور بدی کا پابند ہے اور برائی بھی خدا ہی کی پیدا کردہ ہے اور اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) یہ چاہتا ہے کہ انسان بدی میں مبتلا ہو۔ ذلیل و خوار ہو۔ پگ پگ ٹھوکریں کھائے۔

جو لوگ ان باتوں کو سنتے ہیں اور ان پر غور کرتے ہیں وہ بڑے مزے لے لے کر گناہ کے تصور..... دکھ' تکلیف' مسلسل آزار (Suffering) سزا و جزا اور خدا کے انصاف کا تذکرہ کرتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو اس میں مبتلا سمجھتے ہیں۔

شیطان بھی کمال کی چیز ہے۔ وہ گناہ کے خلاف وعظ کر کے بہت سوں کو اپنا چیلا بنا لیتا ہے۔ وہ کچھ اس طرح سے قائل کرتا ہے کہ گناہ اور بدی کا تصور لوگوں کے ذہن میں ایک جذباتی ہیجان پیدا کر دیتا ہے۔ وہ یقین دلا دیتا ہے کہ خدا تمہارے گناہ تو معاف کر دے گا لیکن تمہارے اردگرد پھیلے ہوئے بدکردار لوگوں اور بداصل انسانوں کو نہیں بخشے گا۔

شیطان کا یہ اخلاقی فلسفہ کچھ اس طرح سے شروع ہوتا ہے کہ ''لذت گناہ ہے'' یا ''حصول لذت بدی ہے''۔ پھر وہ بڑی ہشیاری اور چابکدستی سے اس قول کو الٹاتا ہے کہ ''ہر گناہ لذیذ ہوتا ہے۔''

پھر وہ کہتا ہے' لذت' راحت' فرحت اور عیش ناقابل ترک ہے۔ حصول لذت فطری اور جذباتی چیز ہے۔ انسان راحت کی طرف جاتا ہے۔ تکلیف سے اجتناب کرتا ہے۔ وہ کام کرتا ہے جس سے اس کو خوشی حاصل ہو۔ جب انسان کی یہ فطرت ٹھہری کہ وہ لذت اور راحت کی طرف مراجعت کرتا ہے تو اس کی فطرت بدی کی طرف مائل ہوئی کیونکہ ہر لذت گناہ ہے.... شیطان کا فلسفہ ہے کہ گناہ کو چھوڑنا ناممکن ہے' اس لیے کہ لذت کو چھوڑنا ناممکن ہے۔ لذت فطرت ثانیہ ہے۔ حصولِ لذت فطرت انسانی ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ جو چیز فطرت پر مبنی ہے' جبلت کا حصہ ہے' وہ گناہ نہیں ہو سکتی۔ چلو جی مزے ہو گئے۔ گناہ کا تصور ہی ختم کر دیا۔

جو لوگ گناہ کے خلاف اور بدی کے خلاف وعظ کرتے ہیں اور بدی کے خلاف مورچہ لگاتے ہیں وہ مخلوق خدا سے نفرت کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ اندر ہی اندر ان کو گندا اور بدبودار سمجھتے ہیں۔ جن کا خیال ہوتا ہے کہ چونکہ لوگ ان کو اچھا نہیں سمجھتے اس لیے ان کے مقابل پورا اترنے کا یہی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

طریق ہے کہ ان کو گندا سمجھا جائے۔

شیطان، خدائی احکام کو عام کرنے میں ذرا بھی شرم محسوس نہیں کرتا بشرطیکہ اس کو یقین ہو کہ وہ ان احکام کی تشریح اپنے ضابطہ اخلاق کے مطابق کرے گا۔ مثلاً اس کے دلائل اس طرح کے ہوتے ہیں:

''خدا چاہتا ہے کہ آپ حق پر رہیں، راستی کا دامن تھامیں۔''

آپ کا اندر آپ کو بتاتا ہے کہ کیا ٹھیک ہے اور کیا ناٹھیک ہے۔ آپ کو ضمیر کی روشنی اور اندر کی بو گائیڈ کرتی ہے۔

اگر تمہارے لگتے اور تمہارے بڑے تم کو ایسی بات کہیں جو تمہارا اندر نہ مانے جو تمہارا ضمیر تسلیم نہ کرے تو ان سے کہہ دو کہ پیچھے ہٹ جاؤ جی بزرگو! میرا اندر یہ نہیں مانتا۔

پھر ان کو بتاؤ کہ میں خدا کا حکم ماننے پر مجبور ہوں تمہارا نہیں۔ ان کو ایک طرف کر کے اس راہ پر گامزن ہو جاؤ جو اندر لطافت پیدا کرے اور تم کو طمانیت کے ساتھ بھر دے۔

سچائی بالکل سیدھی اور سادہ ہوتی ہے لیکن اس میں بلا کی گہرائی ہوتی ہے۔ پیچیدگیاں یا تو ہماری طرف سے آتی ہیں یا شیطان کی طرف سے۔

خواتین وحضرات! اگر خوش رہنا ہے تو نکتہ چینی کو چھوڑ دیں۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ ایک روز ہم کو اسی معیار سے جانچا جائے گا جو معیار ہمارے لیے طے کر دیا گیا ہے۔ دوسروں پر انگلیاں اٹھانے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جب آپ کسی کی طرف انگلی اٹھاتے ہیں تو آپ کی تین انگلیاں خود بخود آپ کی اپنی جانب اٹھ جاتی ہیں۔ پھر فائدہ! آپ کو کسی دوسرے کے نوکر پر نکتہ چینی کرنے کا کیا حق حاصل ہے۔ جب کہ وہ ''کوئی دوسرا'' خدا کی ذات ہو۔ اگر نوکر اپنے مالک کے احکام کی بجا آوری کر رہا ہے اور اس کے ارشاد پر چل رہا ہے تو وہ جانے اور اس کا مالک ہم کون ہوتے ہیں۔

ہمیں ''چاچا خوامخواہ'' بننے زیادہ میٹنگیں کرنے پر، محفلیں سجانے پر اور ڈائیلاگ کرنے پر زور نہیں دینا چاہیے۔ آپ اور میں اصل میں وہ ہوتے ہیں جب ہم تنہائی میں ہوتے ہیں اپنے آپ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہی وقت قیمتی ہوتا ہے اسی میں ہم اپنے خدا سے باتیں کر سکتے ہیں اور اسی وقفے میں اُسے پُکار کر اپنی خرابیاں دور کروا سکتے ہیں۔ اللہ ایسا کاریگر ہے کہ وہ آپ کی ساری خرابیاں آن واحد میں درست کر سکتا ہے۔

اللہ سے یہ دعا کرنی چاہیے کہ ''اے اللہ ہمیں علم و عرفان سے کُلی واقفیت حاصل نہ کر سکنے کے غم میں مبتلا نہ رکھ۔ ہمیں تیری ذات پر ایمان لانے کے کسی بڑی دانش کی ضرورت نہیں۔''

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ہم آسمانوں سے زمین تک کے سفر کے امین ہیں۔ ہم زمین پر اترنے والے آسمانوں کے نمائندے ہیں اور خلانورد چاند پر جانے کے لیے زمین کے نمائندے ہیں۔ جب تک ہم زمینی احکامات کے تابع رہتے ہیں ہمارا آسمانوں کا سفر کامیاب رہتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ ہمارا زمین کا سفر بھی تبھی کامیاب رہ سکتا ہے جب ہم آسمانی احکامات کے تابع رہیں گے اگر خدانخواستہ ان Signals کے ماننے میں کوئی چوک ہوگئی تو ہمارا یہاں کا قیام مشکل میں پڑ جائے گا۔

ایک خلانورد چاند کی سطح پر اترا ہوا چاند کے وجود میں برمہ چلا کر نیچے کا ''بورا'' نکال رہا تھا۔ جس قدر وہ کوشش کرتا تھا اسی قدر مشکل پڑتی تھی۔ پھر اُس نے نیچے سگنل دے کر کہا ''یہ کام خاصا مشکل ہے اور ناممکن نظر آتا ہے میں برمہ چلانا بند نہ کردوں؟'' زمین سے کنٹرولنگ انجینئر نے کہا ''ہرگز نہیں' مسلسل کوشش کیے جاؤ اور نتیجے کا انتظار کرو۔''

خلانورد نے حکم کی پابندی کی اور تھوڑی ہی دیر میں چاند کی سطح کے نیچے سے مطلوبہ مواد نکال لیا۔ اسی طرح خدا سے یہ نہیں پوچھنا چاہیے کہ جناب اب میں آپ کا بتلایا ہوا کام بند نہ کردوں یہاں کوئی فائدہ تو ہو نہیں رہا۔

زمین سے اٹھ کر جب میں شٹل کا نظام دیکھتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ خلانورد نہ آپس میں جھگڑتے ہیں نہ مباحثہ کرتے ہیں نہ اپنی غیر ضروری اہمیت جتاتے ہیں۔ چھوٹا کام چھوٹا سمجھا جاتا ہے۔ بڑا کام بڑا۔ ہر شخص کو اپنے لیڈر پر پورا یقین ہوتا ہے۔ اس کے احکام پر' اس کے آرڈر پر۔

بہت سے مسلمان اسلام کو اختیار کرنے سے گھبراتے اور ہچکچاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اسلام کو اپنانے سے انہیں اس گناہ کو چھوڑنا پڑے گا جس کے وہ عادی ہو چکے ہیں اور جو ان کا جزو زندگی بن گیا ہے۔ ان کو معلوم ہے کہ وہ بہت ہی کمزور ہیں اور ان سے بے راہ روی ترک نہ ہو سکے گی۔ وہ بالکل ٹھیک سوچتے ہیں لیکن اگر وہ اپنی زندگی ساری کی ساری خدا کو سونپ دیں' شیطانی فلسفے کو مسترد کردیں اور اس سے امداد مانگیں تو وہ ضرور ان کی مدد کرے گا۔ بڑے گناہ ہی خطرناک نہیں ہوتے چھوٹے گناہوں کے لیے بھی اس سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ اس وقت تک ہم بامراد نہیں ہو سکتے جب تک ہم سچائی کے دامن کو مضبوطی سے نہ پکڑ لیں۔ ہمارے مراقبے اسی وقت ہمیں خیر عطا کر سکتے ہیں جب تک ہم اپنی ذات کو نہ پہچان لیں' اپنے پروردگار کے ہونے کا یقین حاصل نہ کر لیں۔ اپنی ذات کو گھمنڈ وانا سے باہر نکال کر اپنے شفاف وجود کو ہتھیلی پر رکھنے کا کام انسانیت اور روحانیت ہے۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

مرکزِ دُعا

(یہ زاویہ کا آخری پروگرام تھا جو نشر ہوا)

ہم اہل زاویہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچے۔

جس طرح قرب اور وصال اہم ہے اسی طرح جدائی اور ہجر بھی اپنی جگہ پر بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جب حضرت یوسفؑ کنعان سے چلتے ہیں اور اپنے باپ کو ہجر کی آگ میں چھوڑ کر آتے ہیں تو مصر کی بادشاہی انہیں ملتی ہے۔

جب ہمارے حضور نبی اکرم ﷺ مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لاتے ہیں تو پھر اسلام کے لیے تقویت کی بڑی ہی نئی راہیں کھلتی ہیں۔

جب بادل کا ایک ٹکڑا ایک جگہ پر پوری تنومندی کے ساتھ موجود ہوتا ہے اور بادل کا دوسرا ٹکڑا جو دوسرے چارج کا ہے یعنی ایک نیگیٹو چارج کا ہے اور دوسرا پازیٹو چارج کا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ پر تقویت حاصل کرتے ہیں اور جب وہ ملتے ہیں تو بہت زور کی گھن گرج ہوتی ہے۔ اگر وہ الگ الگ رہ کر، جدا جدا رہ کر اس حیثیت کو نہ پہنچیں اور اس چارج کو، توانائی کو نہ پہنچیں تو وہ کسی کام کے نہیں ہوتے۔ نہ گھن گرج پیدا کر سکتے ہیں اور نہ ہی بارش برسانے کے قابل ہوتے ہیں۔ بس بانجھ ہی رہتے ہیں۔ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہوں گے کہ ایٹم جو نہ نظر آنے والی چیز ہے۔ جب مرکزے کے گرد گھومنے والا الیکٹرون کو مرکزے سے جدا کیا جاتا ہے تو اس سے کتنی بڑی طاقت پیدا ہوتی ہے اور اس طاقت سے کیسے کیسے کام لیے جاتے ہیں۔

وصال اور قربت ہی اہم اور اور طاقتور رشتے نہیں ہے۔ جدائی اور ہجر بھی بہت زیادہ تقویت

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

عطا کرتا ہے۔ ذرے سے لے کر حیوان تک' حیوان سے لے کر انسان تک' اس میں بڑی خوبیاں پنہاں ہیں۔ بہت اچھا ہوا آج خواتین ہی تشریف لے آئیں اور آج مردوں میں کوئی نہیں ہے۔ میں نے بہت پہلے درخواست کی تھی لیکن میری درخواست کو شرف قبولیت مشکل سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ ہمارے لوگ بڑے محبت والے ہیں۔ ان سے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ لوگ مجھ سے بڑے خلوص کے ساتھ ملتے بھی ہیں لیکن انسان میں ایک تجسس ایسا ہوتا ہے اور وہ مزید سے مزید کے چکر میں پڑا رہتا ہے۔

میں نے ایک دفعہ آپ سے عرض کیا تھا کہ آپ اپنی دعا کو مضبوط اور مقبول بنانے کے لیے ایک ایسا طریق اختیار کریں جو میں نے اپنے طور پر بنایا ہے۔ وہ یہ کہ آپ اپنی دعا عرضی کی صورت میں لکھ لیا کریں کہ ''میرے پیارے اللہ میاں جی' مجھے یہ مشکلات ہیں۔ مہربانی فرمائی جائے۔'' اس کاغذ پر دستخط کر کے نہایت احتیاط سے رکھ لیا کریں۔ جب اس میں کوئی ترمیم و تنسیخ کرنی ہو تو اس میں مزید لکھ لیا کریں اور اس دعا پر پکار ہیں۔ اس عرضی کو آپ کسی بھی کاغذ پر اور کسی بھی سیاہی اور قلم سے لکھ سکتے ہیں۔ کسی بہانے میں پڑے بغیر بس مدعا لکھنے بیٹھ جایا کریں۔

آج آپ خواتین تشریف لے آئی ہیں اور آپ سے ایک بڑی ہی ضروری بات کرنی ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ جب پروگرام میں محض بیبیاں ہوں تو ان سے کیا بات کی جائے۔

ہم معاشی دباؤ اور مشکلات سے نبرد آزما رہتے ہیں اور انسان ہونے کے باعث ہماری خواہشیں بھی بہت ساری ہیں۔ ہماری آرزوئیں بھی ہیں۔ ہم انہیں پورا بھی کرنا چاہتے ہیں اور اپنے اللہ سے یہ درخواست بھی کرنا چاہتے ہیں کہ انہیں پورا کیا جائے۔

جب عرضی لکھیں یا دعا کریں تو یہ ضرور کیا کریں کہ ''اے اللہ میاں ہماری خواہشوں کو ایسے پورا کر کہ یہ آپ کو ناگوار بھی نہ گزریں اور اس فریم ورک کے اندر بھی رہیں جو آپ نے بنایا ہوا ہے۔'' میں ایک بار پھر اس بات کو دہراتا ہوں کہ اچھا ہوا آپ تشریف لے آئیں۔ آپ عملی طور پر کچھ کریں بجائے اس کے اخباروں میں Letter to the Editor لکھیں کہ ہمیں یہ یہ مشکلات ہیں' انہیں دور کیا جانا چاہیے۔

میں آپ سے پہلے بھی کہا کرتا ہوں کہ حکومتوں کو معاف ہی رکھیں۔ انہیں اپنے کام کرنے دیا کریں اور معاف ہی رکھیں۔

ہمارے پاس اپنی بھی تو ایک طاقت ہوتی ہے جو بڑی مستحکم اور روحانی انداز کی ہوتی ہے اور بڑی تنومند ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ اگر ایسا ہو سکے اور ایسا ضرور ہونا چاہیے کہ آپ لوگ اپنے گلی محلے میں کوئی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

ایک ایسا گھر چن کے جہاں ذرا بیٹھنے کی آسانی ہو' ایک چھوٹا سا فرشِ دُعا یا مقام دُعا بنائیں اور اس میں اپنے ساتھیوں کو جو اس محلے کے قریب ترین ہوں اور وہاں رہنے والی ہوں انہیں اس دُعا میں شامل ہونے کی دعوت دیں۔

آپ اس مقصد کے لیے کوئی ایک دن چن لیں۔ چاہے بدھ رکھ لیں' منگل یا جمعرات۔ آپ وہاں شام کے وقت آئیں اور لوگوں کی مدد کرنے کے لیے اور انہیں تقویت عطا کرنے کے لیے ایک جگہ پر جمع ہوں اور جب وہاں جمع ہو چکیں تو آپ کے اس مرکز میں لوگوں کو پہلے سے معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں پر اجتماعی دعا کرتے ہیں۔ دیکھئے ہم بزرگ یا بابے نہیں لیکن جب ہم مل جاتے ہیں تو بڑی Power Ful چیز بن جاتے ہیں اور اس طرح اجتماعی دُعا میں برکت ہوتی ہے۔

اس دُعا میں آپ کے گلی محلے کے لوگوں کی کچھ عرضیاں کچھ خط موجود ہونے چاہئیں۔

ان دنوں بچیوں کی شادیوں میں بڑی دقتیں پیدا ہو رہی ہیں اور ماں باپ کو اس صورتحال میں بڑی تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے۔ اب ان مرد حضرات کو کیا کہیں اللہ انہیں بہت ساری ہدایت دے یہ کچھ ایسے تقاضے کرتے ہیں اور ان کی کچھ ایسی آرزوئیں بڑھ گئی ہیں اور ان کی خواہشات میں اضافہ ہو گیا ہے کہ ان کی ان بڑھتی ہوئی خواہشات کے باعث' بچیوں والے گھروں میں کچھ عجیب طرح کی مایوسی کا سماں پیدا ہو گیا ہے۔

اس مرکزِ دُعا یا فرشِ دُعا پر جمع ہو کر آپ کو تھوڑا سا وقت دینا ہے۔ اس کا آپ کی اپنی ذات کو بھی فائدہ پہنچے گا اور اجتماعی طور پر اردگرد کے لوگوں کو بھی۔

جب آپ اکٹھی ہو کر بیٹھیں گی اور ایک مراقبے کی صورت میں' جیسے آدمی سر جھکا کر بیٹھتا ہے۔ اس مراقبے میں کچھ زیادہ لکھائی پڑھائی نہیں کرنی۔ لمبی لمبی آیات بھی اس میں نہیں پڑھنی۔ وہاں پر ایک بی بی لوگوں کے دُکھ' مسائل اور مشکلات پر مبنی عرضیاں پڑھنے کی ذمہ داری لے جیسے ٹی وی پر بیبیاں خطوں کے جواب دیتی ہیں۔ وہ بی بی ایک ایک خط پڑھے کہ "فلاں بی بی صغریٰ نے لکھا ہے کہ میری بیٹی کی شادی نہیں ہو رہی۔" یا نذر محمد صاحب نے لکھا ہے کہ "میرے بیٹے نے میٹرک کا امتحان دیا ہے اس کے پرچے اچھے نہیں ہوئے بجائے اس کے کہ وہ کچھ غلط رخ اختیار کرے آرزو یہ ہے کہ وہ دعا کے ذریعے پاس ہو جائے۔" وہ خط' عرضیاں یا رقعے اللہ سے درخواست کے انداز میں پڑھ جائیں۔ میں بیبیوں کو اس لیے مخاطب کر رہا ہوں کہ اللہ نے ان کے دل اچھے بنائے ہیں اور ان میں رحمدلی کا جذبہ ذرا زیادہ ہوتا ہے۔

آپ نے دیکھا ہے نا یہ نرسیں جو ہوتی ہیں یہ لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ ہماری ایئر ہوسٹس بھی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

بیبیاں ہوتی ہیں۔ اگران کی جگہ بندے ہوں تو کسی کو پانی بھی نہ دیں اور لوگ بھوکے پیاسے ہی مرجائیں۔

ان کے دل میں ہمدردی کا ایک خاص عنصر رکھا ہوتا ہے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ ہمارے ایک بہت اچھے فوک سونگ گانے والے دوست نیازی صاحب تھے۔ہم انہیں پہلی دفعہ لے کر ڈھاکہ گئے۔تب جہاز لمبے راستے سے وہاں ہو کر پہنچتے تھے۔

ان کے پاس ایئر ہوسٹس آئی۔اس نے انہیں پہلے پانی دیا۔پھر لا کر چائے دی۔پھر وہاں کسی نے تکیہ مانگا' کسی نے پانی' وہ کافی دیر تو دیکھتے رہے پھر غصے سے اسے مخاطب ہو کر کہنے لگے"تو نوکر لگی ہوئی ایں لوکاں دی۔آپے جا کے پانی پیئن بھاویں نہ پیئن' تینوں کیہہ۔"

(آپ کسی کی نوکر ہو۔جس نے پانی پینا ہے خود ہی جا کر پی لے۔آپ کو اس سے کیا۔)

وہ لڑکی ان کی بات سن کر اتنی خوش ہوئی کہ وہ پھولے نہ سما رہی تھی۔اس نے ان سے کہا کہ "باباجی یہ میری ڈیوٹی ہے۔"

لیکن وہ پھر کہنے لگے کہ"ایسی کیہڑی ڈیوٹی۔کڑی نوں بھجا بھجا کے مارسٹیا اے۔"

(یہ خاک ڈیوٹی ہے کہ لڑکی کو بھگا بھگا کر مار ڈالا ہے)۔

خدا نے خواتین کو یہ خاص جذبہ دیا ہوا ہے۔اگر اس طرح کی اجتماعی دعاؤں کا ایک مرکز ایک بی بی کے علاقے میں ہو'ایک کسی اور بی بی کے علاقے میں ہو اور ان مراکز میں سب انفرادی طور پر نہیں بلکہ مجتمع ہو کر اللہ میاں سے دُعا کریں کہ"یا اللہ ہم تیری ہی مخلوق ہیں اور تیرے نبیؐ کی امت میں سے ہیں۔تیرے پاس ایک درخواست لے کر آئے ہیں۔آپ ہماری فلاں عرض کو مان لیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔"

اس میں کئی قرض کی ادائیگی کی عرضیاں ہوں گی' کسی کی کوئی اور مشکلات ہوسکتی ہیں۔اس کی طرف توجہ ہم نے دی نہیں ہے اور ہر طرف سے کوششیں کی جارہی ہیں۔

سیاسی طور پر' انتظامی طور پر ہم بھرپور کوششیں کر رہے ہیں لیکن انسان خالی سیاسی یا انتظامی جانور نہیں ہے۔یہ خالی جسمانی جانور نہیں ہے۔یہ روح بھی رکھتا ہے اور اس کی روح کے تقاضے بھی پورے ہونے چاہئیں۔جب تک روح کے تقاضے پورے نہیں ہوں گے یہ خالی خالی رہے گا یہ"تھوتھا" رہے گا اور اس کی کمی کبھی پوری نہیں ہوسکے گی۔

اب میری طرح سے آپ کی بھی اس طرح کے مرکزِ دُعا کے بنانے کی ایک خواہش بن جانی چاہیے۔

خالی مراقبہ اپنی جگہ پر بڑی اچھی چیز ہے لیکن جب آپ کسی کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں تو پھر وہ مدد کا رُخ آپ کو بھی تقویت عطا کرتا ہے اور اس شخص کو بھی جس نے مدد کی طلبگاری آپ

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

سے کی ہوتی ہے۔اس عمل سے ہم ایک دوسرے کے بہت قریب آ سکتے ہیں۔

ہمیں ایک دوسرے کے قریب رہنے کا بہت بڑا حکم ہے۔ہمیں صلۂ رحمی سے کام لینے کا حکم ہے۔آپ یہاں بیٹھ کر روانڈا میں ظلم دیکھ کر جب افسوس کرتی ہیں تو یہ خالی خولی ہمدردی کی بات نہیں ہوتی۔آپ ایک طرح سے صلۂ رحمی کے حکم کی پیروی بھی کر رہی ہوتی ہیں۔

ہم میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ ہم دور دراز کے واقعات پر دکھ کا اظہار کرتے ہیں لیکن ہماری ماسی کی بیٹی جو لاہور ہی میں رہتی ہے اور جس سے ملے ہوئے اڑھائی سال کا عرصہ گزر گیا ہے' دوری کی وجہ یہ ہے کہ وہ غریب ہے اور بچوں کے ساتھ کسی غریب علاقے میں رہتی ہے اور میرے پاس اتنی مصروفیت ہے کہ میں اسے مل ہی نہیں سکتا۔

حکم یہ ہے کہ وہ ایک رحم (Womb) سے پیدا ہوئی ہے۔وہ بھی حوا کی بیٹی ہے' جیسا کہ ہم سب حضرت مائی حوا کے Womb سے پیدا ہوئے ہیں اور جو میری دادی ہے اس کی جو اولاد ہے وہ مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ مجھے پہلے اس کی خبر لینی چاہیے پھر دوسروں کی پھر اس سے آگے اور آگے.........

میری جو ماسی (خالہ) کی بیٹی صغریٰ ہے میں اس کی مالی طور پر بچ مچ مدد کر سکتی ہوں لیکن ایسا ہو نہیں پاتا ہے۔ جب آپ اللہ سے درخواست کرتے ہیں تو وہ خوش ہوتا ہے۔آپ کوئی درخواست لے کر اللہ کے ''کھیڑنے'' پڑ جائیں' اس کے پیچھے ہی پڑ جائیں' جس طرح بچے اپنے والدین کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔بچوں کی طرح درخواست کریں' بلکلیں اور اپنی بات منوا کر ہی چھوڑیں۔جب آپ کسی بے یار و مددگار اور اکیلے شخص کی مشکل کے لیے دعا کریں گے تو اس شخص کو امید اور تقویت عطا ہوگی کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔اس کے لیے کئی لوگوں نے بغیر کسی لالچ اور غرض کے دُعا کی ہے۔

آپ نے میری باتیں بڑی محبت کے ساتھ سنی ہیں اور بڑے خلوص کے ساتھ مانی ہیں۔اس پروگرام (زاویہ) کو بہت تقویت جو عطا کی ہے وہ اس کے دیکھنے والوں اور اسے پسند کرنے والوں نے عطا کی ہے۔ہم سے تو کوئی ایسی بات ہو نہیں سکی۔بس ٹوٹی ہوئی عمارتیں اور دیواریں تعمیر کرتے رہے۔ کوئی بات یا کام یا عمارات مکمل نہ کر پائے۔بس کام درمیان میں ہی چھوڑ جاتے تھے لیکن ان کی تزئین آرائش کرنے اور سجانے والے آپ تھے اور میری ٹوٹی عمارتوں کو اس طرح سے آپ لوگوں نے محبت سے سجایا کہ میرا بھی مان رہ گیا۔میں سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں کے لیے جو کیمرہ چلاتے رہے' لائٹیں دیتے رہے اور دوسرے تکنیکی امور سے وابستہ رہے اور بڑی محنت سے اور محبت سے کام کرتے رہے اور دیکھنے والوں نے بھی ان کی محبت کا بڑی محبت سے جواب دیا ہے۔ایسا عام طور پر بہت کم ہوا ہے۔یہ ہمارے

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

لیے ایک نیا تجربہ ہے۔

اب مجھے آپ کو یہ یقین دلانا ہے اور یہ بتانا ہے کہ اس پروگرام کو ہم لے کر چلتے رہیں گے۔ یہ آپ کی امنگوں اور آرزوؤں کے مطابق رہے گا لیکن میں نہایت دست بستہ انداز میں عرض کرتا ہوں کہ میں اب کچھ تھک گیا ہوں اور میں آپ سے تھوڑی سی چھٹی چاہ رہا ہوں اور فراق جس کا میں آغاز میں ذکر کر رہا تھا' یہ مجھے برداشت کرنا پڑے گا۔

(پروگرام میں ایک محترمہ گویا ہوتی ہیں)

یہ ہماری آج کی Life جو بڑی ہی Active ہو چکی ہے' اس میں اگر ہم تھوڑے سے لمحات نکال کر اپنے بارے میں سوچیں۔ اپنی ذات کو اگر Collect کریں تو شاید ہمارے کافی مسائل حل ہو جائیں گے۔

اشفاق احمد:- بچے' میں اسی لیے پہلے آپ پر ایک شرط لگا کر جا رہا ہوں کہ آپ اپنی ذات میں اور مرکزِ دُعا میں اس طرح مصروف ہو جائیں کہ مجھے آسانی کے ساتھ Replace کر سکیں۔

ایک تو میری اب عمر بھی اتنی نہیں رہی اور پھر کسی نہ کسی کو تو آگے آنا ہی ہے نا۔ یہ آپ نوجوان لوگوں کا کام ہے۔ یہ اچھی رسم چلتی رہنی چاہیے۔ میں تو اس پروگرام میں محض گفتگو کرتا تھا۔ آپ ان شاء اللہ لوگوں کو عملی طور پر مدد اور تقویت فراہم کریں گی جو کہ میں نہیں کر سکا۔ وہ زیادہ اچھی بات ہو گی۔

مجھے یقین ہے کہ لوگوں کو بھی اس بات کا یقین ہونے لگے گا کہ ہمارا بھی کوئی ہے۔ اس سے ان کے اندر اعتماد اور ایمان اور یقین محکم کی فضا پیدا ہو گی اور وہ زیادہ استقلال کے ساتھ ایک دوسرے کے قریب آ سکیں گے۔ ہماری سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے قریب نہیں آ سکے ہیں۔ ہم نے پانچ سالہ منصوبے بنائے ہیں' کئی پروگرام بنائے ہیں لیکن قریب نہیں آ پائے ہیں۔ جس محلے میں لوگوں کے لیے اجتماعی طور پر دعا ہو گی وہ تو بڑا ہی خوش نصیب محلّہ اور ارفع کوچہ ہو گا۔

اب میں سب کچھ اور عمل کی راہیں آپ کے ہاتھ میں چھوڑ کر جا رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس کو بہتر انداز میں اور بڑی تقویت کے ساتھ اس وعدے کو نبھا پائیں گی۔

اللہ آپ کو خوش رکھے۔ اللہ آپ کو بہت ساری آسانیاں عطا فرمائے۔ اللہ آپ کو بے شمار اور بے شمار آسانیاں تقسیم کرنے کے مواقع عطا فرمائے تاکہ آپ یہاں بھی خوش رہیں اور مابعد جب تشریف لے جائیں تو وہاں بھی آپ کے لیے انعامات کی لہریں ''ٹھاکیں'' لگی ہوئی ہوں۔ اب میں آپ سے رخصت چاہوں گا اور آپ کو پھر ایک مرتبہ دعا دوں گا کہ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

''زاویہ سے زاویہ تک''

خاں صاحب کے پاس اُن کے بچپن، لڑکپن، جوانی کی چھوٹی چھوٹی شوخیاں، حرص بھری ادائیں، ننھی مُنی ضدیں تھیں جنہیں وہ لوریاں سنا سنا کر سلایا کرتے تھے اور یہ یادیں اُن کے کالر کے کونوں سے کھیلتی رہتی تھیں اور یوں کھیلتے کھیلتے خاں صاحب اور یہ یادیں سو جاتی تھیں۔ پھر ''زاویہ'' پروگرام کہیں سے آ گیا اور ان یادوں نے چشمے کے ستھرے پانیوں جیسی آنکھیں کھول کر خاں صاحب سے پھر توجہ چاہی۔ زاویہ جاری رہا۔ سامعین، ناظرین اور خاں صاحب آنکھ مچولی کھیلتے رہے۔ پھر ''زاویہ'' کے آسانیاں تقسیم کرنے والے نے آنکھیں موندلیں اور میرے اردگرد وہ کاغذات بکھر گئے جن پر اُن کی یاددہانی کریدنے والی سوچ اور ارتعاش پیدا کرنے والی یادیں تھیں۔ وہ اس بکھرے مواد کو کیسے ڈھالنے والے تھے، یہ تو اب پوچھا نہیں جا سکتا۔ لیکن اس سارے مواد کو دیکھ کر میں ایک نتیجے پر پہنچی ہوں کہ خاں صاحب نے ٹیلیویژن کے میڈیا کے توسط سے ایک خاص قسم کا audience تلاش کر لیا تھا۔ وہ ملک کے اشرافیہ سے غالباً مخاطب نہ تھے جو اسراف پسند، عیش طلب، پیسے کے بل بوتے پر دنیا کو جنت بنانے پر عموماً بضد نظر آتے ہیں۔ وہ اُن غریب مفلوک الحال، بے آسرا، بے سہارا لوگوں سے بھی گفتگو نہ کرتے تھے جنہیں نہ صرف عزتِ نفس کے لالے پڑے رہتے ہیں بلکہ جو روٹی، کپڑا اور مکان کے مرحلوں سے کبھی فارغ نہیں ہو پاتے۔

وہ تو ایسے لوگوں سے رازدارانہ انداز میں باتیں کرتے جو سیلف میڈ ہونے کے چکر میں تھے۔ ایسی مڈل کلاس جو ماضی اور مستقبل کے درمیان کھنچی ہوئی رسّی کی طرح تناؤ زدہ تھی۔ جس کا ایک سرا ماضی سے بندھا اور دوسرے سرے کی گانٹھ مستقبل کی کھونٹی سے ٹنگی تھی۔ ہر وہ انشورنس جو اُس نے کبھی ماضی

Urdu Books, English Books and Old pdf books download

http://www.Mypdfsite.com

میں کی تھی' صرف مستقبل میں ادا ہونے والی تھی۔ حال فقط ادائیگی کا لمحہ تھا۔ مستقبل کے تحفظ کی خاطر ماضی میں سوچے ہوئے منصوبوں پر ذہنی' جسمانی' روحانی' نفسیاتی جو بھی لاگت آتی' اس کا بوجھ سیلف میڈ آدمی کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیتا ہے۔

کہتے ہیں کہ انسان جو کچھ سیکھتا ہے' تقابل سے یہ جانکاری حاصل کرتا ہے لیکن کبھی کبھی مسابقت اندر ہی اندر کہرے کی طرح سرد بھی کر دیتی ہے۔ آدمی ترقی کے زینے پر چڑھنے کے لیے جن لوگوں کے پاؤں کچل کر آگے جانے کی ضرورت محسوس کرتا ہے' اُن کے مجروح چہرے اس کے کمپیوٹر کی یادداشت میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ سیلف میڈ آدمی چونکہ نیچے سے اوپر چڑھتا ہے' اس لیے نیچے کی یاد احساسِ جرم بن کر ساتھ رہتی ہے۔ جب کبھی وہ اپنے غریب رشتہ دار' بھولے بسرے کم حال دوست' چپڑاسی' ملازم دیکھتا ہے' اُن سے بے اعتنائی برتتا ہے تو گویا وہ اپنے آپ کو' اُس روپ کو reject کرتا ہے جو ان لوگوں کی شکل میں اس کے روبرو آ جاتا ہے۔ گھر کے اندر محنت کے فانوس جگا کر اپنے اردگرد سمجھوتے کی فضا قائم کر کے سیلف میڈ انسان اپنے گلے میں کشمکش کا تعویذ' بازو پر دُکھ کا امام ضامن اور کلائی پر کسی ایک وقت میں مقید گھڑی باندھے رکھتا ہے۔

میں نے محسوس کیا کہ خاں صاحب ایسے لوگوں کے تسمے کھول' بوٹ اُتار' پسینے میں شرابور جرابیں پیروں سے جدا کر انہیں ہولے ہولے پنکھا جھلتے ہیں۔ یادوں کی لوریاں سنا کر سلانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اپنی ذات میں گم' راہوں پر گم گشتہ آہستہ آہستہ اُن کے کالر سے کھیلنے لگتا ہے اور پھر..... دونوں کو نیند آ جاتی ہے۔ ایک ہمیشہ کے لیے سو جاتا ہے اور دوسرا چشمے جیسی شفاف آنکھیں کھول کر پوچھتا ہے'' بھئی! ''زاویہ'' کی تیسری جلد کب آئے گی' آپ فون کر کے پوچھ تو لیں؟ سنگِ میل والوں کو!''

معذرت کے ساتھ

بانو قدسیہ — 7/اپریل 2006ء

داستان سرائے

121 سی۔ ماڈل ٹاؤن' لاہور

Urdu Books, English Books and Old pdf books download